

224012

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_224012**

UNIVERSAL  
LIBRARY









لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

# الاملا

ہر جمعہ کو نمبر ۱ پر کتب سرکلر روڈ - منیجر کے شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	۵ -	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”منیجر الاملا“ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر ”ایڈیٹر“ کا نام ہونا چاہیے۔

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے۔

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرائیے، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرا لیں۔

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کاپیوں پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں۔

(۸) اسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے نکت ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا۔

## ایک منقہ وار مصوٰر سال

Calcutta: Friday, June 10, 1927.

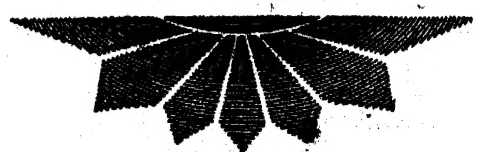
Calcutta: Friday, June 10, 1927.

## اعتذار

فہرس

(۳) ایک اہم سوال آئندہ الہلال کے مضامین اور انکے طرز بیان کا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ الہلال کے فوائد عام نہیں ہوسکتے جب تک کہ اسکا دائرہ بحث و نظر عام فہم نہ ہو۔ اور عام فہم جیہی ہوسکتا ہے جبکہ مطالب کے سہل ہونے کے ساتھ انکا استلراب بیان اور زبان بھی سہل ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہر طرح کے مطالب کا عام فہم طریقہ پر بیان کرنا آسان نہیں، بعض دقیق اور علمی مطالب ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں کتنا ہی گھلا کر بیان کیا جائے، ایک حد تک مشکل اور گراں ضرور ہونے۔ اس مشکل کا ہم نے یہ حل سوچا ہے کہ آئندہ الہلال میں دونوں قسم کے مضامین درج کئے جائیں بڑا حصہ تو سہل و عام فہم ہو، لیکن کچھ حصہ بلند اور خاص قسم کا بھی ہو۔ اس طرح عوام و خواص، دونوں کے ذوق و نظر کا سامان ملے گا۔ باقی رہا زبان کا معاملہ، تو وہ ہر حال میں حتی الوسع سہل اور صاف اختیار کی جائیگی، کسی درجہ کا موضوع ہو، لیکن اسلوب بیان مشکل اور دیر فہم نہ ہوگا۔

مذہب اور دنیاۓ جدید



# بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## مئے کہ می رود امروز در گلوئے دو کون کینه جرعه تہ شیشہ ہائے دوش من است!

بہی اسکے لئے آمادہ نہیں ہوتی تھی - تمام تر جستجو اسی بات کی تھی کہ فراغ خاطر اور یکسوی طبع کے ساتھ اپنی علمی زندگی میں مشغول ہو جاؤں اور ان ارادوں کی تکمیل کی سعی کروں جو مدتوں سے وقت و مہلت کے منتظر ہیں -

\*\*\*

لیکن اس تمام طلب و جستجو کا بالآخر نتیجہ کیا نکلا ؟ یہ نکلا کہ وقت کے تقاضے احباب کے پیہم اصرار اور التوا و انتظار عمل کی ناقابل برداشت حالت سے عاجز آکر مشغولیت کی بھی صورت اختیار کر لینی پڑی جس سے سالہا سال تک اس درجہ گریز رہا تھا - یعنی فیصلہ کر لینا پڑا کہ الہلال جاری کر دیا جائے اور ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھنے کی بھی کوشش کی جائے - اگر دنوں ناموں کا بہ یک وقت انجام دینا دشوار ہے تو دشواری پر غالب آنا چاہئے - اگر صحت ساتھ نہیں دیتی تو کیا مضائقہ ؟ آتے ساتھ لیتا چاہئے - ضرورت ہماری درماندگیوں اور کمزوریوں کا انتظار کیوں کرے ؟ کیوں رہی ہو جو ہماری پسند اور انتخاب ہے ؟ کیوں وہ نہ ہو جو وقت کا حکم اور مشیت الہی کا فیصلہ ہے ؟ سالہا سال سے جس عنقائے فراغ اور کیمیاے سکون کی جستجو تھی بالآخر اسکا نتیجہ نکلا تو یہ نکلا !

ابن رسم و راہ تازه ز حرمان عہد ماسپہ  
عنقا بہ روزگار کسے نامہ بر نمود !

\*\*\*

جنوری سنہ ۲۰ - سے لیکر دو سال تک کا زمانہ تحریک ترک موالات یا لا تعزوں کا زمانہ تھا اور اسکی خود فروشانہ سرگرمیوں میں اسکی مہلت ہی نہیں مل سکتی تھی کہ مستقبل کی طرف نظر اٹھائی جائے - لیکن ۱۰ - دسمبر سنہ ۱۹۲۱ - کو جب میں گرفتار ہو گیا اور اُسکے چند ماہ بعد مہاتما گاندھی کی گرفتاری پر تحریک کی عملی سرگرمیاں ختم ہو گئیں تو قید خانہ کی کوٹھری میں موقع ملا کہ مستقبل کی طرف نظر اٹھاؤں اور وقت کی ضرورتیں اور اپنی استعداد کار دیکھتے ہوئے آئندہ ناموں کا فیصلہ کروں - میں نے فیصلہ کیا اور اسپر مطمئن دل و دماغ لیکر ۶ - جنوری سنہ ۲۳ - کو باہر نکلا لیکن باہر نکلنے کے بعد ملک کی جو صورت حال سامنے آئی وہ بھی ایسی نہ تھی کہ نظر انداز کر دی جاتی - تحریک کی عملی قوتیں ختم ہو چکی تھیں تفرقہ و انتشار ہر گوشے میں نمایاں تھا کانگریس در معارب جماعتوں میں بت گئی تھی اور ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی شروع ہو گئی تھی - ضروری تھا کہ بقدر استطاعت اصلاح حال کی کوشش کی جاتی - لیکن جب کوشش شروع کی تو بتدریج اسکا دامن پھیلتا گیا - یہاں تک کہ پورا سنہ ۱۹۲۳ - اسی میں نکل گیا -

جنوری سنہ ۲۴ - میں حالات نے نئی صورتیں اختیار کیں - کانگریس کی ایک جماعت نے اسمبلی اور کونسلوں کیلئے کھڑے ہو کر ملک کی سیاسی خاموشی میں ہلچل پیدا کر دی - مہاتما گاندھی

احمد للہ وحدہ - الہلال کا پہلا نمبر جون سنہ ۱۹۱۲ - میں شائع ہوا تھا اور آخری نمبر نومبر سنہ ۱۹۱۴ - میں - پھر نومبر سنہ ۱۹۱۵ - سے دوسرا سلسلہ اشاعت "البلاغ" کے نام سے شروع ہوا اور مارچ سنہ ۱۹۱۶ - میں ختم ہو گیا - اب یہ تیسرا سلسلہ اشاعت ہے جو کامل گیارہ برس کے بعد از سر نو شروع ہوتا ہے : رہنا اتنا من ادنک رحمة وہی لنا من امرنا رشدا .

\*\*\*

اس دنیا میں انسان کی بے چارگی اور مشیت الہی کے حکم و سلطان کا سب سے بڑا مظہر انسانی ارادوں کی ناکامی اور قضاء و مشیت کا فیصلہ ہے - اسی لئے بعض صحابہ نے کہا ہے کہ "عرفت ربی بفسم العزائم" یہ عجیب بات ہے کہ سنہ ۱۹۱۶ - کے اواخر سے لیکر گذشتہ ستمد تک کوئی خیال بھی میرے ذہن سے اسقدر بعید نہ تھا جسقدر الہلال کی سہ بارہ اشاعت اور اسکی ذمہ داریاں قبول کرنے کا خیال تھا - میری شخصی زندگی اور اسکی احتیاجات نیز قومی و علمی مقاصد اور انکا مقتضی دنوں اس بات کے مخالف تھے کہ الہلال جیسے رسالہ کی ہفتہ وار اشاعت کی ذمہ داری تیسری مرتبہ اپنے اوپر لیتا - جہاننگ میری شخصی حالت کا تعلق ہے سب سے پہلا سوال صحت کا تھا اور میں دیکھ رہا تھا کہ وہ روز بروز کمزور ہو رہی ہے اور یہ زندگی کی ابتدائی احتیاطوں کے خلاف ہوگا اگر سنہ ۱۹۱۲ اور سنہ ۱۹۱۶ کی سی محنتیں پھر اسکے لئے مہیا کی جائیں - قومی و علمی مقاصد کا یہ حال تھا کہ بعض اہم تصنیفات کی تکمیل و اشاعت عرصہ سے ملتوی چلی آتی تھی اور الہلال جیسے رسالہ کی ہفتہ وار اشاعت کا بار اٹھا لینے کے بعد مشکل تھا کہ اُنکے لیے فراغ خاطر میسر آسکتا - اسکے علاوہ طبع و فکر کی کامجوریوں اور طلب و نظر کی وسعت پیمائیں نے بے شمار ارادے نہاں خانہ دل میں جمع کر رکھے تھے - اُن سب کیلئے بھی اوقات فراغ کی ضرورت اور خلوت و انزوا کی جستجو تھی - یہی وجہ ہے کہ ۶ - جنوری سنہ ۱۹۲۳ - میں جب قید خانہ سے نکلا تو اس بارے میں ایک طے شدہ ارادہ اپنے سامنے رکھتا تھا - خیال تھا کہ جو بھی وقت کی سیاسی مشغولیت مہلت دے گی پہلا کام یہ کروں گا کہ چار پانچ سال کیلئے کسی ایسے گوشے میں کہ صحت کی درماندگیوں کیلئے سردمند اور چند رفقاء عام و عمل کی موجودگی سے دلپسند ہوگا مقیم ہوجاؤں گا اور اپنے پیش نظر علمی و عملی مقاصد کی مشغولیت و تکمیل کے سوا اور کسی نام سے علائقہ نہیں رکھوں گا :

فراغتے و کتابے و گوشے چمنے !

احباب و مخلصین میں جن حقیقت شناسوں کی نظر اُن کاموں کی اہمیت پر تھی وہ تو انہی کے متعلق تھے لیکن عام طور پر لوگوں کو طلب الہلال کی تھی - کوئی وقت بھی اسکی طلب و اصرار سے خالی نہیں جاتا تھا تاہم میری طبیعت کا یہ حال تھا کہ کسی طرح

بہر حال کہانتک اس افسردہ کن داستان کو طول دیا جاہ ۴ مختصر یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے اس طرح کے حالات پیش آتے رہے کہ وقت جو اپنی تیز رفتاری میں کبھی ہمارے حالات کی پورا نہیں کرتا، برابر نکلتا گیا، اور دیکھتے دیکھتے سنہ ۱۹۲۳ء کی جگہ سنہ ۱۹۲۶ء کا خاتمہ سامنے آگیا!

یک لمحہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد!

اب بھی طبیعت کا میلان کسی ایسی ذمہ داری قبول کرنے کی طرف نہ تھا۔ لیکن انسانی طبیعت کے انفعال و تاثر کا کچھ عجیب حال ہے۔ گزشتہ ستمبر میں اشغال کے پے درپے التوا اور ملک کی اجتماعی و ذہنی ضروریات کے تقاضے سے طبیعت کچھ اس طرح متاثر ہوگئی کہ جب ایک موقع پر بعض درستان عزیز نے خیریت کے ساتھ الہلال کی اشاعت پر زور دیا اور اس کی ضرورت کے مختلف پہلوؤں پر توجہ دلائی تو طبیعت انکار کی طرف مائل نہ ہو سکی۔ خیال ہوا کہ میرے ذاتی حالات کا مقتضا کچھ ہی کہیں نہ ہو، لیکن ترجیح وقت کی ضرورت ہی تھی۔ اور ہم کرنے والوں کیلئے ناگزیر ہے کہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

ایک حقیقت بالکل واضح تھی اور اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ اتر سنہ ۱۲ء اور سنہ ۱۶ء میں الہلال ضروری تھا تا کہ مقصد و عمل کی مسدود راہ فوراً پرکھول دے۔ تر سنہ ۲۷ء میں بھی وہ دم ضروری نہیں ہے تا کہ سفر کی سب سے بڑی نازک اور پر خطر منزل میں وقت کی رہنمائی کرے۔ مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ اگر تقسیم عمل کے فقدان سے اس ضرورت کا کوئی دوسرا انتظام موجود نہیں، تو چاہیے کہ اپنی تمام ناتوانیوں اور درماندگیوں کے ساتھ ضرورت و عمل کے مختلف گوشوں میں جس قدر بھی کام کر سکتے ہیں، کرتے رہیں۔ اقلًا کوشش سے باز نہ آئیں۔ سعی کی تکمیل اور توفیق کی مساعادت مشیت الہی کے فیصلہ پر موقوف ہے، اور جو اسکے کرنے کی چیز ہے وہ اسی کے حوالہ کر دینی چاہئے۔

\*\*\*

الہلال کے تیسرے دور کا پہلا پرچہ شائع کرتے ہوئے مقتضائے وقت نے فکر و تصور کے ہر گوشے میں جنبش پیدا کر دی ہے۔ افکار و مطالب کا ہر طرف سے هجوم ہے۔ قلم کی درماندگی اور گنجائش اوزاق کی کوتاہی کسی طرح بھی اسکا ساتھ نہیں دے سکتی۔ جی چاہتا ہے، گیارہ سال کی خاموشی کی تلاقی ایک ہی مجلس میں کر دیجئے:

روی بازار مراد امروز عرفی با منست

دیدہ ترمی فروشم دامن ترمی خرم!

لیکن مشکل یہ ہے کہ طبیعتیں طوالت بیان کی متحمل نہیں اور رشتہ بیان کا یہ حال ہے کہ ایک مرتبہ کہل جائے تو پھر جلد لپیٹا نہیں جاسکتا:

ایں رشتہ بہ انگشت نہ پیچی کہ دراز ست!

مجبوراً قلم روکتا ہوں۔ آج کے لیے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں، باقی مطالب جو اس موقع کے لحاظ سے ضروری تھے، انکے لیے آئندہ اشاعت کا انتظار کیجیے۔ اب گیارہ برس کے بعد یہ برہم شدہ مجلس دیریں پھر آراستہ ہوئی ہے تو جہانتک جوش بیان اور ذوق سماع ساتھ دیا، مجھے کہنا ہے اور ہر بھان بزم کو مستعد ہے:

زخمہ بر تارک جہاں می زدم

کس چہ داند تا چہ دستاں می زدم

کی رہائی سے نئی امیدیں فروغ پائے لگیں، ہندو مسلمان کے باہمی تفرقہ اور اس کے پیچ در پیچ معاملات کے جنگی ابتدا سنہ ۱۹۲۳ء میں ہو چکی تھی، اب زیادہ وسیع اور گہری حالت اختیار کر لی، اور اسلئے اصلاح حال کی کوششوں کی اہمیت اور مقدار بھی وہ چند ہوگئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دنوں کے ہفتوں کی شکل اختیار کی، ہفتے تیزی کے ساتھ مہینے بنے، اور مہینوں کے دیکھتے دیکھتے برس کا دائرہ پورا کر دیا۔ اس طرح سنہ ۱۹۲۴ء کا خاتمہ بھی سامنے آگیا اور مجھے سر اٹھانے کی مہلت نہ ملی۔

\*\*\*

اب جو چیز میرے ارادوں کی تعمیل میں سب سے بڑی رک تھی، وہ مسٹر سی۔ آر، داس کا وجود تھا۔ وہ کسی طرح بھی اس پر راضی نہیں ہوئے تھے کہ میں کلکتہ کا قیام ترک کروں، اور میں محسوس کرتا تھا کہ میرے تمام ارادوں کی تعمیل کے لئے کلکتہ کا قیام ترک کرنا سب سے پہلی چیز ہے۔ کئی ماہ اس کشمکش میں نکل گئے۔ بالآخر ستمبر سنہ ۲۴ء میں میں نے ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح یہ منزل طے کر لینی چاہیے۔ چنانچہ دہلی کے قیام کا ارادہ کیا اور نقل مکان کے تمام ضروری انتظامات عمل میں لانا شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ اواخر ستمبر میں کتب خانہ بھی صندوقوں میں بند ہو کر کلکتہ سے دہلی پہنچ گیا کہ میرے نقل مکان کی سب سے بڑی متاع یہی تھی۔

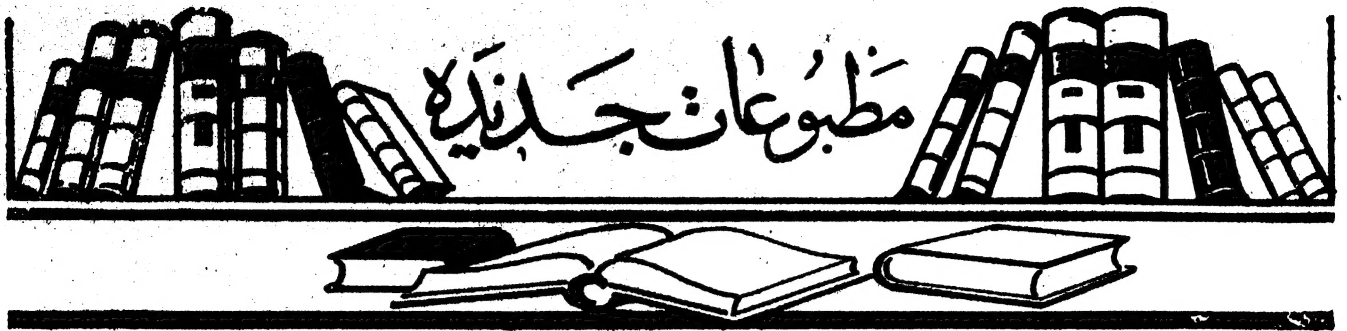
لیکن جنوری سنہ ۱۹۲۵ء میں جب بلگام کانگرس سے واپس ہوا اور میرے نقل قیام کے معاملہ کے شہرت پائی، تو مسٹر سی۔ آر، داس اپنے اوصاف و محاسن کی ساری گنجائشیں اور محبت و رفاقت کی تمام کششوں کے ساتھ کچھ اس طرح راہ رک کر کھڑے ہو گئے کہ میرے لئے دہلی کی طرف قدم اٹھانا ناممکن ہو گیا۔ یقیناً میرا ارادہ منزلزل نہ ہوتا اگر اُن کے ساتھ ملک کے بعض اہم مقاصد کی امیدیں بھی صف آرا نہ ہو جاتیں۔ یہ وہ وقت تھا جب ملک کی عام حالت کی طرف سے میں نہایت افسردہ دل رکھتا تھا، اور نہایت اضطراب کے ساتھ محسوس کر رہا تھا کہ اگر کانگرس کے ہندو رہنماؤں میں سے ایک اولوالعزم شخص بھی ایسا نکل آئے جو ہر طرح کی سیاسی مشغولیتیں اور ان کے سود و زیان کی آلودگیاں چھوڑ کر صرف ملکی مسئلہ کے حل کے لئے اٹھ کھڑا ہو، تو میں باوجود ہر طرح کے افسردہ کن حالات کے امید و مراد کا ایک کامیاب قدم اٹھا سکتا ہوں۔ میرے دل پر اس جوانمرد سیاست کی خوبیاں نقش تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ مہاتما گاندھی کے بعد یہی ایک شخص ہے جو اگر آمادہ کار ہو گیا تو بہت ممکن ہے راہ کی رکاوٹیں دور کی جاسکیں۔ وہ مجھے ہمراہی و رفاقت کا یقین دلاتے تھے اور مستعد تھے کہ بنگال کانسل کے آئندہ معرکہ کے بعد ہمہ تن اس کام کیلئے وقف ہو جائیں گے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اتنی دور تک قدم اٹھا دینے کے بعد، پھر واپس لوٹنا پڑا اور اس سلسلہ میں وقت و مصارف کے جو گراں قدر نقصانات پیش آئے، برداشت کر لینے پڑے۔

لیکن اس اثنا میں مشیت الہی ایک دوسرا ہی فیصلہ کر چکی تھی۔ مسٹر داس مجھے سے رک کر دارجلنگ گئے، لیکن وہاں پیام اجل خود انہیں رک لینے کی طیاری کر رہا تھا۔ جوں میں یکایک اُن کا انتقال ہو گیا اور کلکتہ واپس آئے تو اس طرح واپس آئے کہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکے تھے، اور انکے ساتھ وقت کی وہ امیدیں بھی رخصت ہو چکی تھیں جنکی صف کھڑی کر کے انہوں نے پانچ ماہ پہلے میری راہ رکھی تھی:

دیریں چمن کہ بہار و خزان ہم آغوش ست

مکانہ جام بدست و جنازہ بردوش ست





## فتوح الشام کی سریانی تاریخ

پہلی صدی ہجری کی اسلامی فتوحات پر عربی زبان میں تاریخ کا رافرنڈخیرہ موجود ہے، لیکن یہ کمی ہمیشہ محسوس کی گئی ہے کہ تمام تر بعد کے مورخین کے قلم سے مدون ہوا ہے۔ خود اُس عہد کی کوئی قلمی شہادت موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فتوحات مصر و شام کی تاریخی روایات پر زمانہ حال کے نکلے چینوں نے اعتراضات کئے ہیں، اور بعض سرگزشتوں کی نسبت خیال کیا ہے کہ مبالغہ سے خالی نہیں ہیں۔

لیکن حال میں مشہور انگریز مستشرق ڈاکٹر رائٹ کو ایک سریانی تاریخ کا پتہ چلا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دمشق کے کسی مسیحی عالم کی تحریر ہے جو فتوحات شام کے زمانہ میں موجود تھا اور اکثر واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ بد قسمتی سے اسوقت تک پوری کتاب دستیاب نہیں ہوئی ہے۔ صرف ایک صفحہ ملا ہے۔ وہ بھی دست برد زمانہ سے محفوظ نہیں۔ اُس میں کل ۲۹ سطروں ہیں۔ سات ابتدائی سطروں تو کیرے نے بالکل کھا ڈالی ہیں۔ باقی سطور میں بھی جا بجا الفاظ مت کئے ہیں یا کرم خوردہ ہیں۔ زمانہ حال کے مشہور جرمن مستشرق پروفیسر نولڈک Noeldeke نے اس صفحہ کی عبارت حل کی ہے اور اُس پر ایک مختصر رسالہ شائع کیا ہے۔ چونکہ یہ ایک نہایت قیمتی تاریخی شہادت ہے اسلئے اسکا خلاصہ بعض ضروری تشریحات کے ساتھ ہم شائع کر دیتے ہیں۔

اس صفحہ میں جنگ یرموک کا حال لکھا ہے۔ معلوم ہے کہ فتوحات شام میں یہ جنگ سب سے بڑی اور فیصلہ کن جنگ تھی۔ اسی لئے یہ کرم خوردہ صفحہ مورخین کی نظر میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ ذیل میں اُسکی ہر سطر کا ترجمہ ملاحظہ ہو:-

- ۱۔ ۷ ... (پڑھی نہیں گئی)
- ۸۔ ... کانن ثانی (جنوری) میں معاہدہ قرار پایا اور ہماری جانیں بچیں۔
- ۹۔ حمص اور دوسرے بہت سے گاؤں برباد اور اُنکے باشندے قتل ہوئے۔
- ۱۰۔ ... (کرم خوردہ) ... محمد ... مقتول اور قیدی بکثرت تھے۔
- ۱۱۔ ... (کرم خوردہ) جلیل سے بیت ...
- ۱۲۔ عرب اطراف (دمشق) میں پھیل گئے۔
- ۱۳۔ ہر جگہ نمودار ہوئے۔
- ۱۴۔ اور آئے ... انکی طرف ... اور ... دوران۔
- ۱۵۔ سنہ ... اور بیس میں فوج کا ہراول روانہ ہوا اور بیہزوں کے گلے ضبط کر لئے۔
- ۱۶۔ اطراف حمص میں، اور رومی اُنکے مقابلہ پر آگئے۔
- ۱۷۔ ... اور تاریخ دس
- ۱۸۔ ماہ آب (یعنی اگست) میں رومی دمشق سے مفرور ہوئے۔
- ۱۹۔ اُنکی تعداد دس ہزار کے قریب تھی، اور

۲۰۔ ایک سال بعد رومی آئے اور ماہ آب (اگست) کی ۲۰ تاریخ سنہ

۲۱۔ ۹۴۷ میں رومی جابیہ کے مقام میں جمع ہوئے۔

۲۲۔ اور رومیوں کے بہت زیادہ آدمی قتل ہوئے

۲۳۔ تقریباً پچاس ہزار

۲۴۔ سنہ (۷) ۹۴۷ میں ... ۲۵۔ اور پھیل گئے

۲۶۔ ... خوش ہوئے ... ۲۷۔

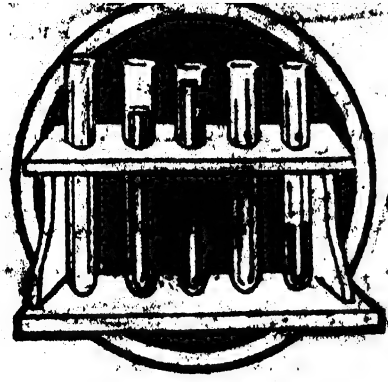
۲۸۔ ... ۲۹۔ لیکن رومی رنجیدہ ہوئے

(قوسین کے مابین جتنے الفاظ ہیں مستشرق نولڈک نے بڑھا ئے ہیں)

اس کرم خوردہ صفحہ نے ایک اہم اور قیمتی بات دنیا کی معلومات میں اضافہ کر دی ہے۔ اب تک جنگ یرموک کی ٹھیک تاریخ معلوم نہیں تھی۔ اسلامی مورخین نے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ اُنکا بیان صرف اس قدر ہے کہ رجب سنہ ۱۵ھ میں ہوئی تھی۔ لیکن اس سریانی صفحہ نے اُسکی تاریخ متعین کر دی۔ اُس میں ۲۰ آب سنہ ۹۴۷ مذکور ہے۔ یہ سنہ مسیحی نہیں "سلوکیڈی" ہے۔ سلوکیڈی تاریخ شاہ "سولیکوس" کی تخت نشینی سے شروع ہوتی ہے۔ یہ سکندر اعظم کی وفات کے بعد (سنہ ۳۲۳ قبل مسیح) شام کا بادشاہ تھا۔ قدیم زمانے میں یہی تاریخ شام، عراق، فلسطین اور اناطولیہ وغیرہ ممالک میں رائج تھی۔ یہودیوں کی بزل چال میں اس سنہ کا نام "میدان ہشمارت" ہے۔ غرضکہ اس سریانی سذ کے بموجب جنگ یرموک ۲۰ آب سنہ ۹۴۷ سلوکیڈی میں ہوئی تھی۔ یعنی ۲۰ اگست سنہ ۶۳۶ عیسوی میں۔ ہجری حساب سے یہ تاریخ ٹھیک ۱۲۔ رجب سنہ ۱۵ھ ہوتی ہے۔

اس صفحہ سے ایک اور اہم نقطہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ یعنی جنگ کے اصلی محل کا تعین۔ عرب مورخ آسے خود "یرموک" میں قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ سریانی مورخ "جابیہ" بتاتا ہے۔ جابیہ درباے یرموک سے کچھ فاصلہ پر ہے۔ غالباً لڑائی جابیہ ہی میں ہوئی تھی۔ لیکن چونکہ یرموک عرب میں زیادہ مشہور تھا اس لئے عربی مورخین نے اُسے یرموک ہی کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسلامی لشکر نے اپنا پڑاؤ یرموک ہی کے کنارے ڈالا ہوگا۔ کیونکہ یہ لڑائی اگست کے مہینہ میں ہوئی ہے جبکہ شام میں پانی کی قلت ہوتی ہے۔ ضروری ہے کہ عرب دریا کے قریب رہنے پر مجبور ہوئے ہوں۔

عرب مورخوں نے اس جنگ میں رومی فوج کی تعداد کئی لاکھ بتائی ہے۔ مورخ بلاذری وغیرہ قریب دس لاکھ کے قرار دیتے ہیں۔ مقتولین کی تعداد بھی بلاذری نے تقریباً ستر ہزار بتائی ہے۔ بعض یورپین مورخ اسے مبالغہ کہتے تھے۔ لیکن اس سریانی صفحہ نے عرب مورخین کی تصدیق کر دی۔ اس میں رومی مقتولین کی تعداد کا تخمینہ پچاس ہزار ہے جو عرب مورخین کے بیان کے قریب قریب ہے۔ ظاہر ہے مقتولین کی اتنی بڑی تعداد اُسی فوج میں ہوسکتی ہے جو قریب دس لاکھ سے کم نہ ہو۔



# مذاکرہ علمیہ



(میری پیدائش)

میں کس طرح پیدا ہوا؟ یہ کوئی نہیں بقا سکتا۔ لیکن مجھے معلوم ہے۔ بے شمار صدیاں گزر چکی ہیں۔ ہم سے کم دس ارب برس پہلے میں پیدا ہوا تھا۔ اس تمام مدت کے اندر کیسے عجیب و غریب حالات مجھے گزرے؟ یہ ایک نہایت طویل داستان ہے۔ تم اسے شروع سے آخر تک کسی طرح بھی نہیں سن سکتے۔ اس کیلئے ذی سو برس درکار ہونگے۔ تمہاری عمر زیادہ سے زیادہ سو برس کی ہوتی ہے حالانکہ یہ بمشکل میری زندگی ہی ایک ساعت ہے!

ہمکارتیہ اسے گزرا ہے۔ اب میں پانی نہ تھا۔ کوئی دوسری ہی چیز تھا۔ پھر ایک عجیب طوائفہ پر میزبی ہستی کی ابتدائی بناوٹ ہوئی۔ یہ کروڑوں برس پہلے کی بات ہے۔ دراصل میری ولادت ایک آتش فشان پہاڑ یعنی آگ کے پہاڑ کی گردن میں ہوئی تھی۔ یہ پہاڑ اب موجود نہیں ہے۔ بچکر خاک ہو گیا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب زمین ٹہنی گئی تھی۔

میں اُس طرح پیدا نہیں ہوا جس طرح نر اور مادہ کے ملنے سے حیوان اور پھول پتے پیدا ہوتے ہیں۔ میری پیدائش در ذاتوں سے نہیں، تین ذاتوں سے ہوئی ہے۔ ”ہیڈروجن“ کے در جوہر ”آکسیجن“ کے جوہر سے مل گئے۔ انکے ملنے ہی میں اچانک ظاہر ہو گیا!

یہ تین جوہر جیکے ملنے سے میری خلقت ہوئی ہے، بہت پہلے سے موجود تھے۔ اتنے پہلے سے جسکا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ میرے ان اجداد کی تاریخ ضرور عجیب اور عظیم الشان واقعات سے لبریز ہوگی۔ اگر مجھے کسی طرح معلوم ہوجاتی تو میں آفتاب کی اصلیت اور ستاروں کے گزشتہ انقلابات کے تمام اسرار فاش کردیتا۔ یہ تینوں جوہر انیٹر (ایتھر) یا لامتناہی فضا میں موجود تھے جس سے کہ آفتاب کی تکیوں ہوئی ہے۔ پھر جب ستارے آفتاب سے جدا ہو گئے تو میرے ان تینوں بزرگوں نے اپنے لئے زمین پسند کر لی۔ وہ شاید جانتے تھے کہ زمین ہی زندگی کا مسکن بنیگی، لہذا انہوں نے کمال دانشمندی سے باقی تمام ستاروں پر اسے ترجیح دی۔ صرف ترجیح ہی نہیں دی بلکہ یہ احسان عظیم بھی کیا کہ اُسے تھر بننے کیلئے جس ابتدائی سر سامان کی ضرورت تھی، اُسکے بنانے میں اُس کا ہاتھ بھی بٹایا۔ حالانکہ وہ خود اُس وقت نہایت کمزور اور کم مقدار تھے۔

میری تکیوں کے وقت یہ تینوں حضرات جیسا کہ ابھی کہہ چکا ہوں، آتش فشاں کی گردن میں معلق تھے۔ اُنکے لئے پہاڑ کے آتشیں پیٹ میں باہم ملاقات و معانقہ ناممکن تھا۔ کیونکہ وہاں سخت گرمی تھی اور دہلاؤ بھی بے حساب تھا۔ لہذا وہ اوپر کو چلے۔ یہاں انہوں نے حرارت میں جو ذرا کمی پائی تو بے صبری سے پیچ گھومنے لگے۔

## ذره آب کی سرگزشت

علمی مطالب کے بیان کا ایک دلچسپ اور دلنشیں طریقہ یہ ہے کہ تمثیلات و حکایات کے پیرایہ میں بیان کیے جائیں تاکہ وہ لوگ بھی دلچسپی لے سکیں جو علمی مطالب کے خشک مباحث سے متحمل نہیں ہو سکتے۔ یورپ کے بعض اہل قلم اس قسم کی ادبیات لکھنے میں شہرت و امتیاز حاصل کر چکے ہیں۔ منجملہ انکے مسٹر ویرشیلڈ ہیں جو شاگرو یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے سالہ سائینٹفک امریکن میں ایک دلچسپ سلسلہ لکھنا شروع کیا تھا جسکے ہر نمبر میں کوئی ایک علمی موضوع بطریق تفصیل و حکایت بیان کرتے تھے۔ ہم آج اس سلسلہ کا پہلا نمبر مدیہ قارئین کرتے ہیں۔ یہ ذرہ آب ہی سرگزشت ہے اور خود اسی کی روایتی بیان کی گئی ہے۔ پانی کا وہ چھوٹا سے چھوٹا خوردبینی (Microscopic) ذرہ جو چشم غیر مسلح (Naked eye) سے دکھائی بھی نہیں دیتا۔ اپنے دشواری بارے میں مختلف درجوں سے گزر کر کس طرح ایک عظیم اور بے کنار سندھ کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے؟ اور پھر ابتدا کی اس بے مایگی سے لیکر انتہا کی عظمت کے پایاں تک کیسے کیسے عجیب تغیرات و ناگزیرات اس پر گزرے ہیں؟ وہ کبھی بادلوں کی چادر ہے۔ کبھی بارش کی دھند ہے۔ کبھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی سطح منجمد ہے۔ اور کبھی پہاڑوں کی روائی کی صورت میں گنگا جمنہ اور دجلہ و فرات ہے۔ حکمت الہی اور فطرۃ کائنات کے یہ تمام عجائب اس مختصر سی داستان میں آپ سن لیں گے۔ اس مضمون کے ساتھ دو تصویریں بھی درج کی جاتی ہیں جو ذرہ آب کے تبدلات کے دو مختلف منظر پیش کرتی ہیں۔ ایک تصویر میں پہاڑی نہر کا منظر دکھایا ہے جب وہ جم کر بالکل برف ہو گئی ہے۔ دوسری تصویر میں قلم فطرۃ کی نہایت ہی عجیب گلکاری ہے۔ یعنی منجمد پانی کے وہ بلوری مربع ہیں جن میں طرح طرح کے نقوش بن گئے ہیں۔

میں پانی کا ایک ننھا سا ذرہ ہوں۔ اتنا چھوٹا ہوں کہ انسانی آنکھ لاکھ کوشش کرے مجھے دیکھ نہیں سکتی۔ قری سے قری خوردبین میں بھی میں نظر نہیں آ سکتا۔ تاہم میں موجود ہوں۔ یقینی طور پر موجود ہوں۔ میرے وجود میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کر سکتا۔ میں اپنے ہی جیسے ننھے ننھے ذروں سے مل کر موسلا دھار مینہ کی صورت میں شور برپا کرتا ہوں، دریا کی شکل میں موجیں مارتا ہوں، پھر بے پایاں سمندروں کی نیلگن سطح بنکر زمین کے چاروں طرف پھیل جاتا ہوں۔ میں اس سے بھی بڑھ کر ایک چیز ہوں۔ میں تمام حیوانات و نباتات کے جسموں میں موجود ہوں۔ بلکہ اکثر جسم مچھی سے بنے ہیں۔ میں زمین کے بی بی تقریباً ہر مادہ میں موجود ہوں۔ حتیٰ کہ سنگلاخ چٹانوں اور ٹھوس ڈھاتوں تک میں سمایا ہوا ہوں۔ میری سرگزشت بہت طویل ہے۔ اگر سننا چاہئے تو مجھے انکار نہیں۔

تھا وہ ہم میں ہر وقت سخت تصادم جاری رہتا تھا۔ ایک لمحہ میں لاکھوں مرتبہ باہم ٹکراتے تھے!

اُس زمانہ میں ہمارا مسکن بادلوں اور ہواؤں کے اوپر تھا۔ یہ تمام چیزیں نشیبی فضا میں رہتی ہیں اور ہم اُنسے بلندی پر تھے۔ ہم اپنے اوپر آسمان کو سیاہ دیکھتے اور آفتاب نیلا دکھائی دیتا۔ تارے ہمیں ٹھیک دوپہر کو بھی نظر آ جاتے تھے۔ وہاں ہوا از بس لطیف ہے۔ زمین سے دسواں حصہ بھی اُس میں کثافت نہیں۔ لیکن ہوا کی اس لطافت نے آفتاب کی شعاعیں بہت تیز کر دی تھیں۔ کیونکہ لطیف ہوا دھوپ بہت کم جذب کرتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ وہاں سردی بھی بلا کی پڑتی ہے۔ سورج کی شعاعیں بہت تیز تھیں لیکن مجھ پر انکا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ انکا اثر صرف انہیں جسموں پر پڑ سکتا ہے جو بہت سے ذروں سے مرکب ہو کر بنے ہوں۔ مجھ پر کیسے اثر پڑتا؟ میں تو محض ایک ننھا سا ذرہ تھا۔

(بادلوں میں داخلہ)

مدت دراز تک ہم اسی حالت میں رہے۔ پھر ہوا کا وہ حصہ ٹھنڈا ہو گیا جہاں ہم تھے۔ میں فوراً اپنے لاکھوں بھائیوں کے ساتھ خاک کے ایک ذرہ سے لپٹ گیا جو پاس ہی اُڑ رہا تھا۔ اس حرکت کا

نتیجہ یہ ہوا کہ میں اچانک پانی کا ایک منجمد قطرہ بن گیا۔ لیکن یہ قطرہ نہایت ہی چھوٹا اور ہلکا تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ وہ ہوا میں برابر اُڑتا رہا۔ میرے قطرہ کی طرح از بھی بے شمار قطرے بن گئے تھے۔ یہ سب میرے قطرے سے مل گئے اور اب ہم ایک برفانی بادل کی صورت میں آسمان پر چھائے۔ یہ قصہ اُس وقت کا ہے جب تمہاری انسانی نسل کا کہیں پتہ بھی نہ تھا۔ بلکہ کوئی بھی سائنس لینے والا حیوان زمین پر موجود نہ تھا۔ البتہ

مچھلیاں موجود تھیں۔ اگر وہ اُس وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھائیں دیکھتیں تو انہیں اس گنبد نیلگوں میں بادل کی ایک خوبصورت چادر ہلکتی نظر آتی!

اس اثنا میں کبھی ابھی ہوا کی ہلکی موجیں ہم سے آدے ٹکراتی تھیں اور ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر دیتی تھیں۔ اس حالت میں ہمارا بادل غائب ہو جاتا تھا۔ کیونکہ ہوا کے تصادم سے گرمی بڑھ جاتی تھی اور ہمارے برفانی قطرے بھاپ بن کر ارجھل ہو جاتے تھے۔ یہ عمل مدت تک جاری رہا۔ آخر کار ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم اتفاق سے نشیبی فضا میں سیر کر رہے تھے۔ اچانک ہوا کی موجیں آکر ٹکرائیں۔ اس وقت آنکی رفتار بہت زیادہ تیز تھی۔ اس سرعت کا لازمی نتیجہ حرارت کی زیادتی ہوئی۔ ہم نے غبار کا ایک ذرہ پکڑ کر سہارا لیا چاہا۔ مگر اچانک سیال پانی کی ننھی بوند بن کر رہ گئے۔ یہی حال میرے دوسرے بھائی بندوں کا بھی ہوا۔ سب پانی کی بوندیں بن گئے۔ پھر ان سب بوندوں نے مل کر ایک چھوٹی سی آبی بدلی کی شکل اختیار کر لی۔ یہ بدلی کی دوسری حالت تھی جو ہم پر طاری ہوئی۔

ہماری یہ دوسری بدلی آہستہ آہستہ بھاری اور موٹی ہوئی گئی۔ کیونکہ بے شمار آبی ذرے اُس میں آکر جمع ہوئے گئے۔

میں ہم آغوش ہو گئے۔ اُنکا ملنا نہ تھا۔ ایک طلسم تھا۔ فوراً میرا وجود ظہور میں آ گیا!

لیکن یہ نہ سمجھنا کہ ان تینوں بزرگوں کو صرف ایک ہی فرزند نصیب ہوا۔ ایک اکیلا میں ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ میرے ساتھ بیک وقت میرے کوزوں بھائی بہن بھی پیدا ہو گئے تھے۔ سب ٹھیک میری ہی طرح پیدا ہوئے اور بالکل میرا ہی سا قدر و قامت پایا۔ میں کیا کہوں ہم سب کس درجہ میں تھے؟ ہماری جنم بھومی میں قیامت کی گرمی تھی۔ دم منہ کو آتا تھا۔ گلا گھٹا جاتا تھا۔ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ آخر اسے سوا کوئی ضرورت نظر نہ آئی کہ کسی طرح باہر نکل کھڑے ہوں۔ چنانچہ ہم آہستہ آہستہ اُڑ کر پہاڑ کی گردن تک پہنچے۔ یہاں جو ذرا دباؤ میں کمی ہوئی اور ہماری قوت بڑھی، تو ہم سب نے ایک ساتھ زور مارا اور اچانک باہر کود پڑے۔ ہمارا نکلنا کوئی معمولی سی بات نہ تھی۔ ایک ہولناک دھماکا تھا۔ پہاڑ کی پوری چوٹی اُڑ کر ریزہ ریزہ ہو گئی۔ پھر ہم نے فوراً بھاپ کے ایک ستون کی شکل اختیار کر لی۔ یہ ستون بہت لمبا تھا۔ ہم سیدھے اوپر کی طرف اُٹھتے رہے۔ اب ہم اپنی سب سے پہلی قید سے آزاد ہو گئے تھے۔

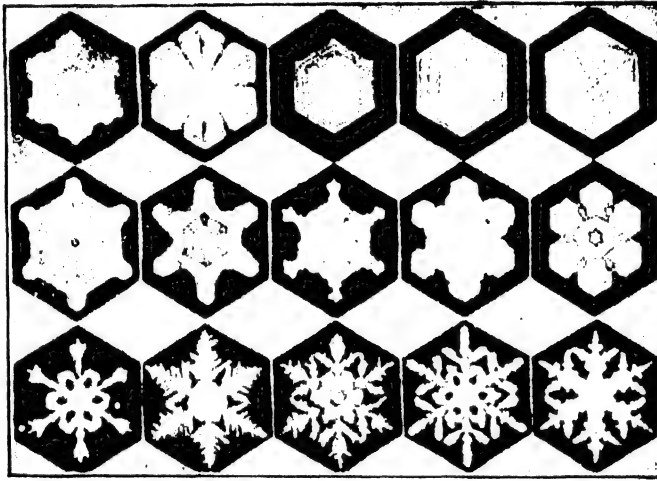
(فضا میں پرواز)

پہاڑ کی چوٹی توڑ کر جب ہم باہر نکلے تو میں نے اپنے آپ کو فضا میں اُڑتا ہوا گرم ہوا مجھے بہت اونچی بلندیوں پر لے گئی۔ میں نہیں کہہ سکتا کتنی دور تک پہنچا۔ میرے پاس ناپائے کا کوئی آلہ نہ تھا۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ زمین سے دس میل تو ضرور اوپر ہو گیا ہونگا۔ وہاں پہنچکر میں تھک گیا۔ آکسیجن اور نائٹروجن کے عناصر جسے ہوا مرکب ہے، مجھے گھیرے تھے۔ میرے گرد کوزوں آبی

ذرات رقص کر رہے تھے۔ کسی کو قرار نہ تھا۔ حیرت انگیز سرعت سے اوپر نیچے ہوتے رہتے تھے۔ ساتھ ہی سخت تصادم بھی جاری تھا۔ ہر لمحہ لاکھوں ذرے آپس میں ٹکراتے اُڑ رہا کے عناصر بھی انسے تصادم ہوتے۔ میں وہ نہیں سکتا کس غرض سے یہ تمام رقص و تصادم جاری تھا؟ بلکہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں انکے وجود سے مقصود اصلی کیا تھا؟ میں صرف ایسا مشاہدہ بیان کر رہا ہوں۔ اسرار اور علل کا شواہد نہیں ہوں۔

پھر حال ہواؤں کے ہمیں اپنی گرد میں اٹھا لیا اور مشرق کی سمت لے چلیں۔ تم کہو گے مشرق کی طرف کیوں لے گئیں؟ یہ اس لئے کہ ان بلندیوں پر ہوائیں ہمیشہ پیچہم سے پورب ہی کی طرف چلتی ہیں۔ ہواؤں کی گرد میں آرام سے بیٹھکر میں نے اپنے دوسرے ساتھیوں آبی اور خاکی ذروں کے ساتھ پورے کرۂ زمین کا پہلی مرتبہ دورہ لگایا۔

یہ بڑے اچھے دن تھے۔ ہمارے لئے خوشی ہی خوشی تھی۔ ہوا نہایت لطیف تھی۔ ہم پانی کے ذرے پوری آزادی اور وسعت کے ساتھ چلتے پھرتے تھے۔ یہ آزادی ہمارے لئے سب سے بڑی نعمت تھی۔ کیونکہ حرکت ہماری فطرت میں ہے۔ ہم ایک دم بھی ٹھہر نہیں سکتے۔ اُس وقت حرکت کی ہمیں پوری آزادی تھی۔ لیکن اسکا نتیجہ یہ ضرور

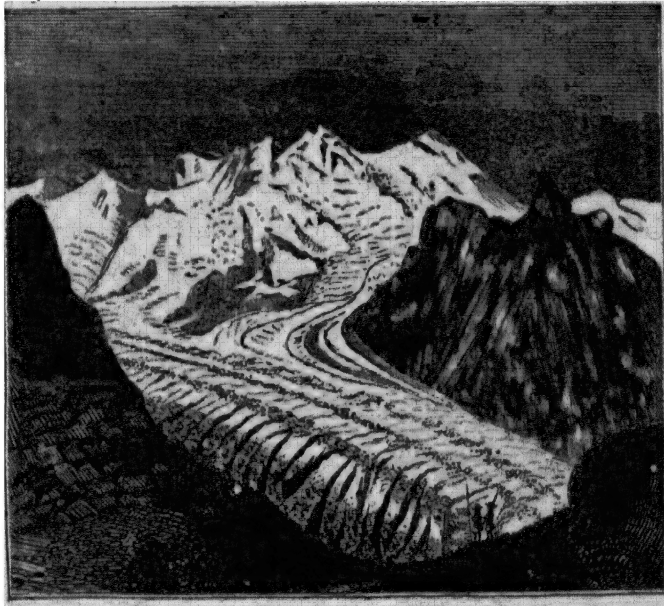


برف کے بلوری ثلثوں جس طرح کہ خوردبین میں نظر آتے ہیں

سنم یہ ہوا کہ سورج دروں مخالف ہونے میں نیچا دکھانے پر تل گئے۔ ایک مرتبہ میرے پاس سے بھائی بند آبی درے سطح سمندر پر غفلت میں پڑے تیسرے نے نہ اچانک ہوا نے حملہ کر دیا اور قید کر لینا چاہا۔ سورج بھی فوراً اسکی کمک پر مستعد ہو گیا اور اپنی شعاعوں کا لشکر اتار دیا۔ اب مقابلہ ناممکن تھا۔ یہ تمام درے قید ہو گئے۔ میری جو شامت آبی تو میں بھی تماشہ دیکھنے اسیس آ گیا۔ ہوا اور سورج نے دیکھا تو مجھے بھی ہاتھ صاف کیا اور قید کر کے اوپر لے چلے۔ میری نادانی دیکھ کر وہ میں اس قید پر بہت خوش ہوا۔ میں نے خیال کیا کہ سمندر میں رہنے سے ہوا میں رہنا کہیں اچھا ہے۔ چنانچہ بغیر کسی عذر کے روانہ ہو گیا۔ بہت اوپر لیجا کر ہوا نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں خوش و خرم لامتناہی فضا میں رقص کرنے اور دوڑنے لگا۔ اب مجھے لڑی غم نہ تھا۔ جب ذرا جی گھبراتا تو نیچے نظر کر کے خشکی اور تری کا تماشہ دیکھ لیا کرتا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ میری اس خوشی کی عمر بہت تھوڑی ہے۔

### ( برفانی دریا اور پہاڑ میں )

مدت دراز تک میں اسی حالت سے آسمان پر سیاحی کرتا رہا۔ کبھی تن تنہا پھرتا۔ کبھی بھاپ کے ابر کے ساتھ ہوا خوری کرتا۔ آخر یہ آزادی رنگ لائی۔ ایک دن میں سیر و تقریم میں مصروف تھا کہ سخت سردی نے آگھیرا۔ قریب تھا کہ اتر کر رہ جاؤں۔ میں بھاگا۔ فوراً برف کے ایک نفع سے قطرہ میں جو نہایت شفاف بلوریں اور مٹاٹ تھا، میں جا گھسا۔ یہ مثلث قطرہ دوسرے برفانی مثلثوں کے ساتھ سرد ہوا میں قائم تھا۔ نور دی شعاعیں اُنپر پڑتیں اور منعکس ہوا حالہ کی شکل میں سورج اور چاند کے



مجموعہ نثریہ ایک منظر جو وہ افسانہ کی چوٹیوں سے شیب میں جارہی ہے

گرد نظر آتیں۔ اسکے بعد میرے برفانی مثلث کے آہستہ آہستہ بڑھنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ مسدس شکل کی ایک برفانی چادر سی بن گئی۔ یہی حال دوسرے مثلثوں کا بھی ہوا۔ پھر سب باہم مل گئے اور برف کا بھاری بادل بن کر فضا میں چل پڑے۔ چلتے چلتے ایک بہت ہی قدیم اور سربلک پہاڑ ملا۔ میں نے وہ پہاڑ دیکھی نہیں دیکھا تھا۔ اس پر برف جمی پڑی تھی۔ ہمارا بادل اچانک اُس کی چوٹی پر اتر پڑا۔ اب بھی نجات ممکن تھی مگر غضب یہ ہوا کہ ہمارے بادل پر فوراً اور بہت سے برفانی بادل بھی آگرے۔ میں انکے نیچے بالکل دفن ہو گیا۔ یہاں ہی سردی ناقابل بیان تھی۔ میں خط استوا کے سمندروں میں گرم سورج نے نیچے رہتا تھا، یا اب برف کی بے شمار تہوں کے نیچے دبا پڑا تھا!

لیکن خوش نصیبی سے میرے اوپر کی برف دو ترس آ گیا۔ شاید خود آتے بھی سردی لگی اور وہ آہستہ آہستہ پہاڑ سے نیچے کی طرف پھسلنے لگی۔ اب مجھے پھر اس مصیبت سے نکلنے کی امید بندھی۔ مگر ابھی قسمت میں آرام نہ تھا۔ اوپر سے اور برف برابر گرج رہی تھی۔ قبل اسکے کہ میری برف پگھل کر پانی ہو

موتے یہی بدلی ایک عظیم الشان ہالی ٹھنڈی صورت میں تبدیل ہو گئی۔ وہ پورے آسمان پر چھا گئی تھی اور سورج کو زمین کے ایک حصہ سے چھپا دیا تھا۔ اب ہم دو مخالف اور متضاد قوتوں کے بیچ میں تھے۔ ایک طرف قوت جاذبہ تھی۔ یہ ہمیں مجبور کرتی تھی کہ ایک دوسرے سے ملیں اور باہم پیوست ہوں تاکہ بڑے بڑے قطرے وجود میں آئیں۔ دوسری طرف قوت دفع کرنے والی تھی اور اسکی کوشش یہ تھی کہ ہم باہم ایک دوسرے سے جدا رہیں اور منتشر ہو جائیں۔ لیکن یہ قوت آہستہ آہستہ کمزور ہوتی گئی اور پہلی قوت قری ہوتی گئی۔ لہذا ہماری باہمی پیوستگی برابر بڑھتی رہی اور بڑے بڑے قطرے بنتے گئے۔

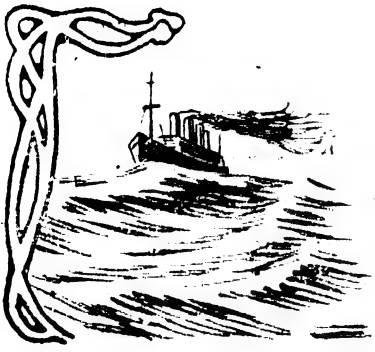
موتے ہوتے یہ قطرے اتنے بڑے اور وزنی ہو گئے کہ ہوا میں اُنکے اُٹھانے کی قوت باقی نہ رہی۔ اب ایک عظیم انقلاب پیش آیا۔ قطرے مینہ کی صورت میں زمین پر آ کر گرے اور میں جو بالا نشیں تھا زمین بس ہو گیا۔ یا تو ہوا کی گرد میں اتنی بلندی پر اُڑا ہوا پھر رہا تھا، یا اب گر کر دریائے زخار کا ایک نہایت ہی حقیر جز ہوا۔ وہ گیا۔ انڈا حقیر کہ تم شاید تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سوئی کی

فوک پر پانی کی جتنی بڑی بوند تھہر سکتی ہے، اُس سے بھی کہیں زیادہ میں چھوٹا تھا۔ اس بوند میں میرے جیسے کوروزوں درے موجود ہوتے ہیں!

### ( سمندر میں رہیسی )

سمندر میں پہنچ کر ایک اور انقلاب میں نے دیکھا۔ فضا میں اب بڑے بڑے قطرے تھے۔ ہوا مجھے مٹھانے اور پکڑے تھی۔ لیکن اب سمندر میں خوں میں نے پگھلے ہوئے مواد گھیرنا اور پکڑنا شروع کر دیے۔ یہ مواد مختلف قسم کے ہیں اور تمہارے علماء کے انکے الگ الگ نام رکھے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور کھانے کا نمک ہے۔ اس کا نام اصطلاح میں ”کلورائیڈ سوڈیم“ یا ”کلورائیڈ سوڈیک“ ہے۔ اسکے بعد ”کلورائیڈ میگنیشیم“ پھر ”سلفائیڈ میگنیشیم“ اور ”سولفیم“ اور ”پوٹیشیم“ اور ”سربس“ اور ”برومائیڈ“ اور ”آیوڈائیڈ“ اور ”فلورائیڈ“ وغیرہ ہیں۔ انہی مواد میں سونا چاندی بھی داخل ہیں۔ کیونکہ سمندر کا پانی اُنسے خالی نہیں ہے۔ ہم نے باوجود رقیق درے ہوئے کے بہت سے مواد قید کر لئے، جس طرح ہوا نے گیس ہونے پر بھی ہمیں قید کر رکھا تھا۔ ہم نے صرف یہی نہیں کیا۔ خود ہوا سے بھی اپنی پرانی قید کا بدلہ لے لیا۔ لیکن وہ بھی انتقام پر اتر آئی۔ اُسے غیظ و غضب سے ہم پر حملے کرنا اور مروجوں کی شکل میں ہمیں اچھالنا شروع کیا۔ دوسری مصیبت یہ پیش آئی کہ بعض علاقوں میں سورج بھی ہم پر نہایت سختی سے اپنی گرم شعاعیں ڈالتے لگا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ہمارا وزن کم ہو گیا اور رفتار سست پڑ گئی۔ اس درزن میں میری حالت ناقابل بیان تھی۔ کبھی میں ساحل پر آ کر گرتا تھا، کبھی دھارے میں پڑ کر خط استوا سے قطب تک چلا جاتا تھا، اور کبھی زمین سے چاروں طرف چکر کھاتا پھرتا تھا۔



# بریتنرنگ



ہوٹنی ہے مگر ملک کا علم رجحان شاہی کی طرف ہے۔ جرمنی آج بھی اسی طرح آج و تخت کی پرستش کرتا ہے جس طرح جنگ سے پہلے کرتا تھا۔ معزول قیصر اس وقت بھی جرمن دلوں کا ریسہ ہی دیتا ہے جیسا اپنے عروج کے زمانہ میں تھا۔ جرمنی میں جمہوری حکومت اس لئے قائم نہیں ہو سکی ہے کہ باشندوں کی اکثریت اسے چاہتی ہے بلکہ اس وعدہ سے ہے کہ جرمنی کے لئے انگلستان اور فرانس کو خوش رکھنا ضروری ہے اور وہ سابق قیصر اور خاندان ہونڈزبرگ کی حکومت پسند نہیں کرتے۔

پھر دنیا یہ بھی خوب جانتی ہے کہ اب ان دونوں طاقتور حریفوں کا رعب کم بلکہ تقریباً زائل ہو گیا ہے۔ اب جرمن علی الاعلان اپنے شاہ پسندانہ میلان کا اظہار کرتے اور جتنی سپہ سالار اپنے آقا ولہلم کی وفاداری کے کلمے بندوں مقرر ہیں۔ خود جبریل ہڈنبرگ موجودہ رئیس جمہوریت بھی اپنے اس رجحان کے لئے مشہور ہو چکا ہے۔ اب مرتبہ تو اس نے صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ ”سابق قیصر کی وفاداری کی جو قسم میں نے کھائی تھی“ اس سے اب تک ازاں نہیں ہوا ہوں“ یہی باعث ہے کہ جب وہ رئیس جمہوریت منتخب ہوا تو عام طور پر دنیا نے خیال کیا کہ یہ قیصر کے واپس آنے کی تمہید ہے۔ یہ خیال بے بنیاد بھی نہ تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ اس بڑے جنرل نے سیاسی زندگی کی ”بوجھل ذمہ داریاں زیادہ تر اسی نیت سے قبول کیں کہ اپنے پرانے آقا کے لئے زمین طیارہ کرے۔ برٹن کے سیاسی حلقوں میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ہڈنبرگ نے یہ منصب خود قیصر کے اصرار و حکم سے قبول کیا ہے۔ صرف ہڈنبرگ ہی نہیں جو جماعت اس وقت برسر حکومت ہے اس کی اکثریت بھی سراسر شاہ پسند ہے۔

میں جس پہلو پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں وہ اب تک عام نظروں سے تاریکی میں ہے۔ باوجود شاہ پرستی کے عام میلان کے اب تک شاہی حکومت کا قیام کیوں وجود میں نہیں آ سکا؟ یہ سوال اکثر دلوں میں پیدا ہوتا ہے مگر صاف جواب حاصل کئے بغیر رہ جاتا ہے۔

میں مقید تھا وہ برابر پیچھے اترتی جاتی تھی دراصل اس نے ایک برفانی سیلاب کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اترتے اترتے وہ زمین کے کنارے پہنچ گئی۔ مین بالکل غافل تھا۔ اچانک اس کا ایک بڑا ٹکڑہ ٹوٹ کر سمندر میں گر پڑا اور زور کا دھماکا ہوا۔ میں سمجھا پہاڑ پھٹ پڑا ہے۔ پھر خاموشی چھا گئی اور میری نا امیدی لوٹ آئی۔ لیکن بالآخر ایک دن جبکہ میں غافل تھا برف کا وہ ٹکڑہ ایک مقام سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اور میں قید سے آزاد ہو گیا۔ اب میں پھر اسی سمندر میں پڑا تیر رہا ہوں جس سے کسی زمانہ میں ہوا قید کر کے آسمان پر لے آئی تھی۔ یہ ہے میری سرگزشت کا ایک حصہ۔ باقی حصے کسی دوسری فرصت میں بیان کروں گا۔

## جمہوریت اور شاہیت کی نئی کشمکش

آج بدلتے درجہ عورتوں کی مخفی جنگ

الہلال کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے

(اصل انگریزی سے ترجمہ کیا گیا)

چند دن ہوئے برلن کی سڑکوں نے ایک ہیبت ناک منظر دیکھا۔ شاہراہوں پر اس طرح گولیاں چلتیں اور لاشیں گرتی تھیں جس طرح عام بغاوتوں کے زمانہ میں ہوا کرتا ہے۔ یہ لڑائی جمہوریت پسندوں اور شاہ پسندوں کے درمیان تھی۔ پولیس بھی بے دھڑک فیر کر رہی تھی اور علانیہ جمہوریت پسندوں کے خلاف تھی۔ لڑائی کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ پریسڈنٹ ہڈنبرگ کا حریف



پریسڈنٹ ہڈنبرگ

ہوٹنلان بھی اس میں شریک تھا اور سخت زخمی ہوا۔

لیکن یہ لڑائی کتنی ہی سخت ہو، مجمع اس کی تفصیلات پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ ریوٹر ایجنسی نے اس فرض سے سبکدوش کر دیا ہے۔ مجمع اس وقت اصلی معاملہ پر غور کرتا ہے۔ یہ لڑائی اور اس جیسی بہت سی لڑائیاں جو جرمنی میں ہوتی رہتی ہیں، بجائے خود زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ اصلی اہمیت اس سبب کو حاصل ہے جو ان خانہ جنگیوں کا اصلی موجب ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ جرمنی میں اگرچہ جمہوری حکومت قائم

نئی برف کے آکر آئے ٹھوس رخ بنا دیا۔ اب میں سخت اور شفاف برف کی چٹان کا ایک جزء بن گیا تھا۔ قدرت کے کرمے دیکھو! ایک وقت میں بہاؤ کا ذرہ تھا۔ ہر طرف اڑتا پھرتا تھا۔ اب ایک نہایت ٹھوس جسم کا جزء بن گیا۔ جب تک ہوا میں رہا آزادی سے حرکت کرتا تھا۔ سمندر میں بھی زیادہ بندش نہ تھی۔ لیکن برف میں پڑ کر مجمع صدیوں ایک تنگ اور سرد قید خانہ میں رہنا پڑا۔ نہ وہاں روشنی نظر آتی تھی۔ نہ کسی طرف جنبش کرسکتا تھا۔ اندھیرا گہپ۔ موت کی سی خاموشی۔ قبر سے بدتر قید خانہ!

(سمندر میں واپسی)

صدیاں گزر گئیں۔ میں نا امید ہو چکا تھا۔ سمجھتا تھا کبھی رہائی نصیب نہ ہوگی۔ مگر یہ بھی میری غلطی تھی۔ جس برف میں



نا امید ہو گئی ہے۔ - اب اُسکی امیدوں کا مرکز اُس کا لڑکا ہے جسکی عمر اس وقت ۲۴ برس کی ہوئی۔ وہ اسی نو بخت شاہی پر بٹھانا چاہتی ہے۔ قیصر ولیم کا یہ ہوتا نہایت خیر صورت خوش اخلاق، ملنسار اور بہادر ہے۔ پورا جرمنی اُس سے محبت کرتا ہے۔ اُس کی شخصیت کے متعلق طرح طرح کے عقیدتمندانہ قصے تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

ان دنوں شاہزادہاں میں جان ترز مقابلہ کر رہا ہے۔ دنوں اس جنگ میں غیر معمولی ہمت و مہارت ظاہر کر رہی ہیں اور دنوں نے لاکھوں دلوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ مگر ایسے آثار موجود ہیں جو ہر ماں کی فتح مندی کا زیادہ یقین دلاتے ہیں۔ بلکہ اس وقت تک وہ کئی کامیابیوں حاصل بھی کر چکی ہے۔ چنانچہ اپنے اور اپنے شوہر کیلئے حکومت سے دو لاکھ پچاس ہزار ایئر میمن اور ایک لاکھ پونڈ نقد حاصل کر چکی ہے۔ روز بروز اُسکا اقتدار بھی بڑھتا جاتا ہے۔ بظاہر اُسکی کامیابی قریب ہے۔ معزول قیصر کی واپسی کے خلاف جرمن قانونی بندش کئی سال سے قائم تھی، چودہ مہینے بعد ختم ہو جائیگی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اُس وقت قیصر کو کوئی قوت بھی جرمنی میں داخل ہونے سے روک نہیں سکتی!

یہ عجیب بات ہے کہ اس لڑائی میں دنوں کے شوہر بڑی حد تک بے غرض ہیں۔ معزول قیصر کی زندگی ختم ہونے پر ہے۔ اس لئے اُسے اپنی ذات کے لئے اب کچھ کرنا نہیں ہے۔ صرف اپنی محبوب بیوی کی رضا جوئی پیش نظر ہے۔ اسی طرح سابق ولی عہد بھی تاج و تخت سے بیدار ہے۔ صرف اپنے پیٹے کی محبت اُسے مجبور کر رہی ہے کہ اپنی بیوی کی کوششوں کا ساتھ دے۔

## پاؤں کی کیلیں

بعض آدمیوں کے پیروں میں کیلیں نکل آتی ہیں۔ یہ کیلیں گھٹروں سے مختلف ہوتی ہیں۔ گمنا پوتا ہے تو اُس میں پاؤں کی کھال مورتی ہو جاتی ہے۔ کیل میں بھی کھال مورتی ہو جاتی ہے مگر ساتھ ہی گشت میں آہنی کیل کی طرح ایک لمبی سی کیل بھی پڑ جاتی ہے اور سخت تکلیف دینی ہے۔ عام طور پر اسے فالت دیا جاتا ہے اور عارضی آرام ہو جاتا ہے مگر وہ پھر بڑھ جاتی ہے اور پریشان کرتی ہے۔ بہت سے لوگ اُسے گرم لوہے سے داغ دیتے ہیں مگر زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔

یہ لحمی کیلیں تنگ جوتا پہننے سے پیدا ہوتی ہیں۔ کبھی پاؤں کے تلوے میں ہوتی ہیں۔ کبھی انگلیوں کے اوپر، اور کبھی اُن کے درمیان پڑ جاتی ہیں۔ تنگ جوتے سے جس مقام پر زیادہ دباؤ پوتا ہے، وہاں التهابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر جوتا اتارا نہ جائے تو کھال کٹ جاتی ہے لیکن اُتارنے کے بعد یہ التهاب اکثر کیل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

یہ کیلیں تندرستی کے لئے نہایت مضر ہیں۔ سیدہ اور خلق پر بہت برا اثر ڈالتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکا میں اس سے بچنے کے لئے عام طور پر ڈھیلے جوتے پہنے جاتے ہیں۔ انگریز اس بارے میں سب سے زیادہ محتاط ہیں۔ حتیٰ کہ کبھی کبھی اُن کے جوتے اتنے ڈھیلے ہوتے ہیں کہ برے معلوم ہوتے ہیں۔ انگریزوں کی احتیاط کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرقبہ لارڈ ولنگٹن سے پوچھا گیا سپاہی کو سب سے زیادہ کس چیز کی ضرورت ہے؟ انہوں نے کہا ”تین چیزوں کی: ڈھیلے جوتا، ڈھیلے جوتا، ڈھیلے جوتا“

تحقیقات کے بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ شاہی کے قیام میں زیادہ تر اس وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے کہ خود شاہ پسندوں میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔ اُنکی دو پارٹیاں ہو گئی ہیں اور ایک دوسرے کو آگے بڑھنے سے روک رہی ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ دونوں پارٹیاں کے لیڈر دو ضدی عورتیں ہیں۔ دنوں میں سخت عداوت ہے۔ ایک دوسری کو دیس ڈالنے پر تلی ہوئی ہے اور پس پردہ سخت جنگ ہو رہی ہے۔ صدیوں کے بعد آج جرمنی پھر عورتوں کی سازشوں کا آماجگاہ بن گیا ہے۔

یہ دنوں لڑنے والی عورتیں کون ہیں؟ ساس اور بہو! سابق قیصر ولیم کی نئی دلہن اور سابق ولی عہد کی بیگم۔ یہ ہیں وہ دو آتش مزاج اور اولوالعزم عورتیں جو پریشیا کے تخت کے لئے خانہ جنگی کی طیاریاں کر رہی ہیں!

یہ ایک کھلا راز ہے کہ شاہزادی ہرمائن (سابق قیصر کی دوسری بیوی) اپنے بڑے شوہر کے دل و دماغ پر پوری طرح حاکم ہے۔ خود قیصر ولیم امریکا کے ایک مشہور اخبار میں ایک حد تک اس کا اعتراف کر چکے ہیں۔ قیصر نے اپنے مضمون میں اپنی دو محبتوں کی سرگزشت لکھی تھی۔ پہلی محبت کا تعلق متوفی ملکہ اگستا سے ہے۔ اس کے بارے میں قیصر نے یہ جملہ لکھا تھا: ”اُسکی جدائی کا دماغ میرے قلب سے کبھی مٹنے والا نہیں“ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ داغ مت گیا اور بد نصیب شہنشاہ کے آنسو زندگی کی ایک نئی دلچسپی نے بہت ہی جلد خشک کر دیے۔ ایک دن یہ غمزدہ انسان اپنی ڈاک کا تھیلا دیکھ رہا تھا۔ اچانک ایک خط نظر آیا۔ یہ خط ایک بیوہ کے لڑکے نے لکھا تھا۔

قیصر کہتا ہے ”مجھے فوراً اپنے ایک مرحوم وفادار افسر کا نام یاد آ گیا اور اس مناسبت نے دلچسپی پیدا کر دی“ چنانچہ خط و کتابت جاری ہو گئی اور قیصر کے دل میں محبت کی گندمی پیدا ہونے لگی۔ شاہزادی ہرمائن کی شاہی اسی اتفاقی خط و کتابت کا نتیجہ ہے۔ قیصر نے بڑی گرم جوشی سے ابھی نئی بیوی کا ذکر کیا ہے۔ دروں میں آنے جانے والے واقف ہیں کہ بڑا شہنشاہ کس طرح اپنی نئی دلہن کے قبضہ میں ہے۔ سابق ملکہ کے ساتھ وہ ایک سخت گیر شوہر تھا۔ مگر اب وہ پورے معنوں میں مطیع خاوند ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ جنگ میں ناکامی کے بعد قیصر کی طبیعت بالکل بچھو گئی تھی۔ وہ بقیہ زندگی گوشہ نشینی میں گزارنا چاہتا تھا۔ مگر شاہزادی ہرمائن نے اُسے اُس میں ایک نئی روح پھونک دی۔ یہ اُسے کے اصرار کا نتیجہ تھا کہ قیصر نے کھوئے ہوئے تاج و تخت کا پھر خیال کیا اور برلن واپس جانے کی کوشش شروع کر دی۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ ہرمائن کیسی بلند حوصلہ اور مستقل مزاج عورت ہے؟ وہ اپنے سر پر تاج دیکھنے کیلئے سخت بیچیں ہے۔ ممکن ہے وہ پورے جرمنی کی ملکہ نہ بن سکے۔ لیکن پریشیا کے تاریخی تخت پر بیٹھنے کا تو اُسے عزم مصمم کر لیا ہے۔ قیصر کی اس وقت بھی یہی ضد ہے کہ اُسے سب لوگ ”امپریس“ (شہنشاہ ملکہ کے) لقب سے پکاریں۔

میدان میں ایک طرف ہرمائن ہے اور پوری قوت سے کام کر رہی ہے۔ دوسری طرف شاہزادی سیسیلیا سابق ولی عہد کی بیوی کھڑی ہے۔ یہ شاہزادی اپنے شوہر کی طرف سے بالکل

آسے ”دل میں خنجر رکھنے والی ماں“ کے لقب سے خود رومانی پکارتے لے ہیں۔

ولی عہد کی موجودہ رزش کی تمام ذمہ داری اُسکی نئی معبودہ میڈم لوئسکو کے سر قالدی گئی ہے۔ یورپ کے اخبارات آسکے خلاف مضامین شایع کر رہے ہیں۔ اور اسے ”خوفناک ساحرہ“ اور ’قزاق‘ کا لقب دیا جا رہا ہے۔ وہ سال بھر تک تو خاموش رہی، لیکن اب پہلی مرتبہ زبان کھولی ہے۔ حال میں ایک انگریز اخبار نویس خاتون اس سے پیرس میں ملی تھی۔ اس خاتون نے اپنی ملاقات کی سرگذشت حسب ذیل بیان کی ہے :

”میں نے رومانیہ کا تخت شاہی نہیں ہلایا۔ نہ پرنس کارل میری وجہ سے تخت شاہی سے دست بردار ہوا ہے جیسا کہ دنیا نے ہمارے دشمنوں کے کہنے سے یقین کر رکھا ہے۔ میں نہ تو ساحرہ ہوں۔ نہ قزاق ہوں۔ میں محض پرنس کی ایک مخلص دوست ہوں۔ میں پرنس کے فرائض کی راہ میں کبھی رک نہیں بن سکتی“

ان الفاظ سے میڈم لوئسکو نے اپنی گفتگو شروع کی :

”میں نے پرنس کارل کو تخت شاہی سے علیحدہ نہیں کیا۔“ میڈم نے کہا ”میں انہیں بادشاہ بننے سے ہرگز نہیں روکتی۔ میں تو محض اُنکے رنج میں شریک اور جلاوطنی کی رفیق ہوں۔ اس سے زیادہ میری کوئی حیثیت نہیں“

انگریز خاتون لکھتی ہے : میڈم لوئسکو پیرس کے مضافات میں مقیم ہے۔ مکان اچھا خاصہ در منزلہ ہے۔ مکان کے گرد آہنی احاطہ ہے اور اسمیں مضبوط دروازے لگے ہیں۔ ہمیشہ خفیہ پولس کے دو آدمی نگراں کرتے ہیں۔ پہانگ کی کنبجی ایک وفادار دربان کے پاس رہتی ہے۔ وہی کھولتا اور بند کرتا ہے۔

مکان کے اندر میں نے ہر چیز آرام دہ اور گریلو پائی۔ نرم ریشمی فرش بچھا تھا۔ جابجا نفیس کرسیاں رکھی تھیں۔ خوبصورت گلدستے قریب سے میزوں پر چنے تھے۔ غرضکہ گھر کی مجموعی ہیئت صاف بنا رہی تھی کہ اس میں کوئی با سلیقہ عورت رہتی ہے۔

میرے لیے دروازہ کھلا۔ میں معترف ہوں کہ میڈم لوئسکو کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر میں دم بخود رہ گئی۔ یہی وہ سرخ سر والی ساحرہ حسن ہے جس نے رومانیہ کی پوری سلطنت اپنی چشم و ابور کے ایک اشارہ سے ہلا ڈالی ! یہی وہ شہرہ آفاق مگر پر اسرار عورت ہے جسے بہت کم آدمیوں نے دیکھا ہے مگر سب نے اُسکے بارے میں خیال آفرینی کی ہے ! اسی کی نسبت مشہور ہے کہ اسکی جائستار اداؤں نے مستقبل کے ایک بادشاہ سے اُسکا تاج و تخت چھڑا دیا ! میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں نے اسکی جو تصور اپنے ذہن میں کھینچ رکھی تھی، وہ اُس سے بالکل مختلف نکلی۔

یہ ایک نہایت حسین عورت ہے۔ عمر پیرس برس سے بھی کم ہوگی۔ بال سرخ نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہو گیا ہے۔ اُسکے بالوں کا رنگ پکے گہرے کیرنگ ہے جب قوتیے ہوتے سرخ کی زریں شعاعوں سے وہ چمک دار ہوجاتا ہے۔ چہرے کے گرد گہنے، ریشمی، سنہری بالوں کا چھپرہ ہے۔ بال نہایت شاندار ہیں۔ نئے فیشن کے خلاف اپنی پوری درازی رکھتے ہیں۔ وہ عورت نہیں ہے۔ گلاب کا نازک، تازہ، شگفتہ، خنداں اور دلغزب ہوتی ہے !

## حسن و عشق اور تاج و تخت

رومانیا کا تخت شاہی ایک فتنہ گر حسن کے رحم پر

(قیس کی داستان لیلیٰ کی زبانی)

الہلال کے مقالہ نگار پیرس کے قلم سے

اس وقت دنیا کے کسی ملک میں بھی وہ عجیب صورت حال درپیش نہیں ہے جو ایک برس سے رومانیہ کو ایک سخت داخلی اضطراب میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔ ملک میں ہر وقت خانہ جنگی اور خونریزی برپا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ نہیں کہا جاسکتا حالات کی یہ نازک صورت حال کس حد تک پہنچ کر رہیگی ؟

یہ تمام اضطراب و اختلال کیوں ہے ؟ صرف اسلیے کہ پرنس کارل سابق ولی عہد رومانیہ پر اماندار عشق کا بے پناہ تیر چل گیا اور وہ ایک فتنہ گر حسن کی نگاہ برق پاش کا مقابلہ نہ کرسکا :

عشق ازلین بسیار کورد ست و کند !

دوران جنگ میں جب جرمن فوجیں بخارست ( دارالحکومت رومانیہ ) پر قابض تھیں، تو یہ شاہزادہ اپنی فوج کے ایک افسر کی لڑکی پر فرائض ہو گیا اور اُس سے اودیسہ میں خفیہ شادی کر لی۔ لیکن جنگ کے بعد جب دونوں رومانیہ واپس آئے تو بادشاہ پر یہ رشتہ گواہ گزرا اور اسنے علیحدگی کا حکم دیدیا۔

مالکہ اور بھی زیادہ سخت تھی۔ عرصہ تک کشمکش جاری رہی۔ بالآخر شاہزادہ کو مجبور ہو جانا پڑا اور اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ ایک شیر خوار بچہ اُسکی گرد میں تھا۔ طلاق کے بعد مع اپنے بچے کے رومانیہ سے جلا وطن کر دی گئی۔

اسکے بعد شاہزادہ کی شادی یونانی شاہزادی ہیلینا سے کر دی گئی۔ اسوقت عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ اب ولی عہد مطمئن ہو کر شاہی زندگی بسر کریگا اور یہ ناگوار حادثہ فراموش ہو جائیگا۔ لیکن واقعات اسنے برخلاف ثابت ہوئے۔ چند ہی دنوں بعد شاہزادہ کو اپنی نئی بیوی سے نفرت ہو گئی اور اُس نفرت نے عشق و آفت کا ایک نیا محل ڈھونڈھ نکالا۔ دسمبر سنہ ۱۹۲۵ کی صبح کو اچانک معلوم ہوا کہ شاہزادہ بخارست سے پرشیدہ نکل گیا ہے، اور میڈم لوئسکو نامی ایک عورت بھی اسکے ساتھ فرار ہو گئی ہے۔ شاہزادہ کی ایک تحریر اُسکی نشست کے کمرے سے ملی۔ اس میں لکھا تھا کہ میں اب ولی عہدی سے دست بردار ہو جاتا ہوں۔ جس ولی عہدی سے مجھے اپنی زندگی کی ابتدائی راحت بھی نہیں مل سکتی، بہتر ہے کہ اُسے کسی دوسرے کیلئے چھوڑ دوں !

اس واقعہ نے تمام یورپ میں ہلچل مچادی۔ ۴۔ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء کو رومانی پارلیمنٹ کا جلسہ ہوا اور اُسنے طے کیا کہ شاہزادہ کا پانچ برس کا لڑکا جو پرنس ہیلینا کے بطن سے ہے ولی عہد مقرر کیا جائے۔ ساتھ ہی اعلان کیا گیا کہ دس برس کیلئے پرنس کارل کا داخلہ رومانیہ میں ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔

پرنس پریدہ دارروائی شاق گزری۔ اب وہ اپنے ملک میں واپس آنا اور اپنا حق واپس لینا چاہتا ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک درگروہوں میں بت گیا ہے۔ حلقہ حکومت پرنس کے خلاف ہے، مگر رعایا کی اکثریت اُسکی حمایت پر تلی ہوئی ہے۔ پرنس کی مخالفت میں سب سے زیادہ سرگرم خود اُسکی ماں ہے۔ اس ملکہ کی سختی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ

تسلی دے سکتا تھا کہ سچی دوستی کے معنی ہیں نفس کی کامل قربانی اور میں اپنی قربانی کر کے فرض دوستی ادا کر رہی ہوں۔ بلاشبہ جب کبھی میں دشمنوں کی تہمتیں سنٹی تو میرا دل پاش پاش ہو جاتا۔ لیکن پھر صبر و عزم سے کام لیتی اور سونچتی کہ یہ حالت زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہ سکتی۔ دراصل دشمنوں کی یہ تمام شرارت اسلئے تھی کہ شاہزادہ کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا جائے اس میں شک نہیں شرارت بہت دنوں تک کامیاب رہی۔ حتیٰ کہ ایسا وقت بھی ہم پر گزر چکا ہے جب اس دنیا میں ایک انسان بھی ہمارا ہمدرد نہ تھا۔

”تم نے بروقت کیوں ان تہمتوں کی اصلیت ظاہر نہیں کر دی؟“ میں نے سوال کیا۔

”میں متکبر تھی“ اُس نے تیزی سے جواب دیا۔ ”ہاں میں متکبر تھی۔ میری خودداری کو سخت تہیس لگی تھی۔ میں دنیا کو مخاطب کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ میں اس دنیا سے جو سنگ دل انسانوں سے بھری ہوئی ہے نفرت کرتی ہوں۔ شاید میں ہمیشہ نفرت کرتی رہوں۔ میں دیریں دنیا کی کمینہ تہمت تراشیوں کے جواب میں اپنے آپ کو نمایا کرتی؟ تم خود دیکھتی ہو معاملہ بالکل صاف تھا۔ کسی صفائی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ مجھے یقین ہے کہ میرا دامن بے داغ ہے۔ پھر میں اپنی صفائی کی کیوں کوشش کرتی؟ جو آدمی اپنی صفائی کرتا ہے وہ کرنا خود اپنے اوپر تہمت اڑھہ ایتنا ہے۔“

تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد وہ پھر بولی:

”اس تمام قصہ کی بنیاد صرف اتفاق پر ہے۔ اتفاقاً طور پر پرنس سے میری ملاقات ہو گئی۔ میں پرنس سے دوستی کا رشتہ جوڑنے پر مجبور ہو گئی کیونکہ اُس وقت اُسے دوستی کی ضرورت تھی۔ میں نے کوشش کی کہ تھیک وہ روش اختیار کروں جو ایسے حالات میں کسی مخلص دوست کی ہو سکتی ہے۔ کیا ایک دوست کیلئے اسکی ضرورت ہے کہ اپنی دوستی کیلئے اپنی برکت ثابت کرے؟“

”پھر اب کیوں تم نے راز بدل دی؟ کیا تمہارے اور پرنس کے درمیان کوئی نئی بات پیدا ہو گئی ہے یا عنقریب ہونے والی ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

اُس نے شائے ہلا کر بے صبری سے جواب دیا:

”ہمارے درمیان کوئی بات بھی واقع نہیں ہوئی اور نہ لہجہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ہمارا معاملہ ایسی محبت کا معاملہ نہیں ہے جو ہوا و ہوس کی محبت ہو اور جیسا کہ لوگ یقین کر رہے ہیں۔ ہمارا علاقہ نفس انسانی کے اُن پست درجوں سے نہیں بالا تر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دوستی، حقیقی دوستی؛ سورج کے نیچے کم باب ہے۔ اور مرد اور عورت کے درمیان تو آواز زیادہ ہے۔ لیکن میں یہ کہنے کی جرأت کرتی ہوں کہ میں نے اس دنیا میں ایک انسان کے ساتھ دوستی کی ہے۔ پرنس کو ایک دوست کی ضرورت تھی۔ میں اُسکی دوست بن گئی۔ اُسے اب تک دوست ہی ضرورت ہے، اس لئے میں اب تک اُسکے ساتھ ہوں۔ میں چونکہ اسکی دوست ہوں اسلئے اسکی تمام مصالح و فوائد کی بھی درست ہوں، اور ایک لمحہ کیلئے بھی گوارا نہیں کر سکتی کہ اسکی خوشحالیوں کی راہ میں رک ثابت ہوں۔“

مدم جرش سے تقریر کر رہی تھی۔ وہ مجھے یقین دلانا چاہتی تھی کہ پرنس اور اُسکی بیڑی ہیلینا کے ملاپ اور مفاہمت کو وہ ناپسند نہیں کرتی۔

اُس نے مجھے دیکھتے ہی جرش کے ساتھ کہا ”میرا نام ایلن ہے۔“ ایلن واقعی اپنے پورے معنوں میں منظر جمال ہے۔ قد درمیانی، جسم سڈول، نہ فربہ نہ لاغر، ہانہ پاؤں تناسب و اعتدال کا نمونہ۔ اسکا رنگ صاف بنا رہا تھا کہ پھر بھی ہے جیسا کہ مشہور ہو گیا ہے۔

میرے خیال میں اُسکی سب سے زیادہ عجیب چیز اُسکی آنکھیں ہیں۔ سچ مچ کر سحر کار، جادو بھری آنکھیں، نہ چھوٹی نہ بڑی، صاف اور سنہری، دراز پلکوں کے نیچے ساکن، لطیف ابرؤں کے سیاہ میں مطمئن، لیکن ہزاروں معانی و مطالب حسن سے لبریز!

اپنے خندہ جالستان سے بچیلل گرائی ہوئی میرے استقبال کو بڑھی۔ رسمی سلام و کلام کے بعد ایک صوفے پر بیٹھ گئی اور بغیر کسی انتظار کے اپنی باریک، ٹھنڈی، مگر سنجیدہ آواز میں گفتگو شروع کر دی:

”اب مجھے بے لاگ حقیقت کا اعلان کر دینا چاہئے“ اُس نے کہا ”میں بہت دن خاموش رہی لیکن اب تک خاموشی کے ساتھ دنیا کی تہمتیں برداشت کرتی رہوں؟ میں نے سخت عذاب جھیلا ہے۔ آہ! کیسا ناقابل تحمل عذاب! عالمگیر انسانی تحقیر کا عذاب! دشمنوں نے دنیا بھر میں مشہور کر دیا ہے کہ میں ایک بد چلن اور آوارہ گرد عورت ہوں! کیا میں بد چلن عورت ہوں؟ یہ کیسی خوفناک تہمت ہے!“

اب اُسکے چہرہ پر ہلکی سی زردی چھا گئی:

”لوگوں نے سب ہی کچھ کہا اور لکھا۔ وہ کون سا برا لفظ تھا جو میری نسبت نہیں لکھا گیا۔ کیا یہ سچ نہیں ہے؟“

ایک لمحہ خاموشی کے بعد اُس نے پھر تقریر شروع کی:

”دشمنوں نے دنیا کو یقین دلانے کی پوری کوشش کی کہ مجھے میں وہ تمام زلاتیں جمع ہیں جو کئی عورت میں ہو سکتی ہیں۔ میں ساحرہ ہوں۔ غارت گر ہوں۔ آوارہ ہوں۔ ہرجائی ہوں۔ پرنس کارل کو برباد کرے والی ہوں۔ اُسکی بیوی بچے سے اُسے جدا کرے والی ہوں۔ میں اُسے بھاگلائی ہوں۔ اُسکے خاندان میں پھوٹ ڈالنے والی ہوں۔ آہ! غریب و ناتواں ایلن رومانیہ کی جملہ مصائب کی تہ ذمہ دار ہے! جب میں اپنی انگلی یوں ہلاتی ہوں (اُس نے اپنی مخروطی انگلی اٹھا کر کہا) تو رومانیہ کا قدیم شاندار تخت شاہی لرز جاتا ہے۔ آلت کر پاش پاش ہو جاتا ہے!“

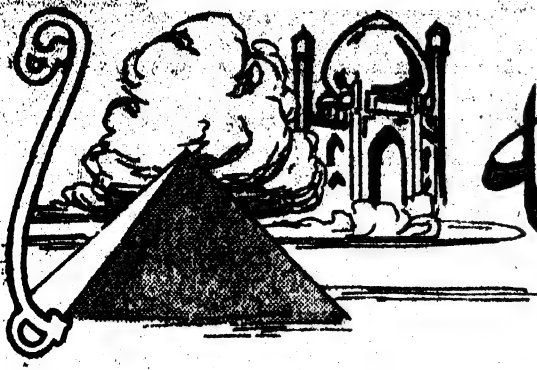
اُس نے ایک غم ناک قہقہہ مارا ”بلاشبہ یہ عجیب ہے اگر ہولناک نہیں ہے“ یہ کہہ کر وہ کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر بیٹھ گئی اور سنجیدگی سے کہنے لگی:

”میں تمہیں حقیقت بتاتی ہوں۔ تم نے سنا ہوگا میں گزشتہ سال میلان میں تھی۔ تمام اخباروں نے لکھ مارا کہ پرنس کارل میرے ساتھ بھاگ آیا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً جھوٹ تھا۔ اصلیت صرف اتنی ہے کہ رومانیہ میں سخت سیاسی مشکلات درپیش تھیں۔ مصائب نے پرنس کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اتفاقاً میری اُس سے ملاقات ہو گئی۔ اُسے ایک سچے رفیق و مونس کی ضرورت تھی۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور میں نے اُس کی رفاقت و ہمراہی کا فیصلہ کر لیا۔“

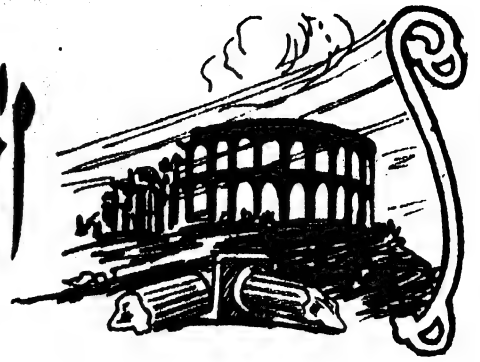
اُس نے پھر بدلا اور رسمی، اپنی انگلی سے کر دینے لگی:

”تم سمجھ سکتی ہو“ اُس نے زنجیدہ پیراہ میں کہا ”میں کیسی سخت مشکل میں پڑ گئی تھی؟ صرف یہی ایک خیال مجھے





# اثار عتیقہ



## اندلس میں اسلامی تمدن کا اخروی نقش قدم

(کنیسہ اسکریبال نے عربی آثار)

اندلس (اسپین) کے موجودہ دارالحکومت میدرد سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر ایک عظیم الشان مسیحی خانقاہ ”اسکریبال“ کے نام سے موجود ہے جسے شاہ فلپ ثانی نے سنہ ۱۵۸۴ میں تعمیر کیا تھا۔ جہاننگ عمارت کے طرز و قسم کا تعلق ہے، وسعت و بزرگی کے سوا اسمیں کوئی خاص بات ایسی نہیں جو قابل ذکر ہو۔ اندلس کے اخروی مسیحی عہد کی تمام عمارتوں کی طرح یہ عمارت بھی تعمیری فنون لطیفہ کی تمام خوبیوں سے خالی ہے۔ با ایں ہمہ اسکی دلکشی میں کلام نہیں۔ ہمیشہ دنیا کے سیاح اور محقق اسکی زیارت کیلئے آتے رہتے ہیں اور دنیا کی مشہور عمارتوں کے سلسلے میں اسکا نام بھی برابر لیا جاتا ہے۔

یہ اسلئے ہے کہ اسی عمارت کے ایک حصہ میں اندلس کا شاہی کتب خانہ محفوظ ہے۔ اندلس کے قبل از اسلام اور بعد از اسلام عہد کے متعلق جو کچھ بھی موجود دنیا کی وراثت میں آیا ہے، وہ اسی خانقاہ کی سنگین دیواروں کے قبضہ میں ہے، اور اسلئے علم و تاریخ کے سراج رسالوں کیلئے یہ مقام بھی لائق کے برٹش میوزیم، پیرس کے قومی کتب خانے، قاہرہ کے دارالانوار، اور برلن کے کتب خانہ مشرقی سے کم قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ بلکہ بعض حالتوں میں کہیں زیادہ قیمتی ہے۔

(کتب خانے کے دو حصے)

اس کتب خانے میں تقریباً ۴۵ ہزار نسخے کتابوں کے محفوظ ہیں۔ پرانے سکوں، تصویروں، نقوش، اور مختلف قسم کی تاریخی اشیاء و نوادر کی بھی ایک کافی مقدار جمع کی گئی ہے۔ ایک حصہ ان کتابوں اور تاریخی آثار کا ہے جو اندلس کے قبل از اسلام عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرا حصہ وہ ہے جسکا تعلق عہد اسلام کے آثار سے ہے۔ ان دونوں حصوں کی موجودگی بجائے خود تاریخ کی ایک نہایت عبرت انگیز داستان ہے!

پہلے حصہ میں قبل از اسلام عہد کے وہ تمام نوادر و آثار موجود ہیں جنکی اُس عہد کی تمدنی استعداد دیکھتے ہوئے توقع کی جا سکتی ہے۔ ثورات و انجیل کا وہ نسخہ جو اسپین کے مسیحی حکمرانوں کی تلارت کا خاص نسخہ تھا، لاپنی کامل و اصلی حالت میں موجود ہے۔ ایک سو سے زیادہ لاطینی زبان کی مذہبی کتابیں بھی اُس عہد کی یادگار ہیں۔ ایک بڑی تعداد ان نوشتوں کی بھی ہے جو قدیم اندلسی زبان میں لکھے گئے تھے اور اندلس کے ملکی و سیاسی انقلابات، انکے وجود پر کوئی مخالفت اثر نہ ڈال سکے۔ ایک خاص مقدار مسیحی مذہبی کتب کی یونانی زبان میں بھی ہے، اور ان میں سے اُس مذہبی و علمی اقتدار کا سراغ لگتا ہے جو ازمنہ وسطیٰ میں

وہ اچانک کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور چہرے کی طرف نظر اٹھا کر کہنے لگی۔ مجمع سخت حیرت ہرئی کیونکہ اب اسے ایک دلربا نازنین کی جگہ اچانک ایک حکیم اور فلسفی کا لب و لہجہ اختیار کر لیا تھا:

”دوستی اُس چیز سے بہت بلند ہے جسے محبت کہتے ہیں۔ دوستی سراسر قربانی اور اعتماد ہے، مگر محبت سراسر انانیت اور خود پرستی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب میں دیکھتی ہوں لوگ ہمارے باہمی تعلق کو عشق و محبت کا تعلق بتاتے ہیں تو میرے جذبات سخت معزاج ہوجاتے ہیں۔ اگر ہم میں عشق ہوتا تو میں اتنی خوش نصیب اور مطمئن نہ ہوتی جتنی اس وقت ہوں۔ محبت چند ہفتے، چند مہینے، شاید چند برس رہتی ہو۔ لیکن دوستی زندگی کا ایک ابدی معاہدہ ہے۔ جس جس وقت گذرتا ہے، اسکا جوش افسردہ نہیں پرتا بلکہ آواز زیادہ بڑھتا جاتا ہے“

”اعلیٰ خیال ہے“ میں نے اسکی تصدیق کی ”لیکن اب کیا ارادہ ہے؟ آئندہ کا پروگرام کیا ہے؟“

مقدم لوہسکر کرسی سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس گئی۔ ریشمیں پردہ ہٹا کر سورج پر نظر ڈالی۔ پھر لٹ آئی:

”سچ یہ ہے میں نے اب تک کچھ بھی غور نہیں کیا ہے“ اس نے بے پروائی سے جواب دیا ”در اصل کوئی پروگرام نہیں ہے، قدرتی طور پر معاملہ کا دار مدار.....“ وہ اچانک رک گئی ”میں پیرس میں بہت خوش ہوں“ بات ڈالنے کے لئے کہنے لگی ”میری دلی تمنا ہے کہ لوگ مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ بالکل بھول جائیں۔ میں خاموش زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں“

یہ اُس نے سچ کہا۔ یہ عجیب عورت پیرس سے صرف پندرہ منٹ کے فاصلہ پر مقیم ہے۔ مگر تین تین ہفتہ تک شہر نہیں جاتی۔ واقعی وہ تنہائی پسند ہے۔

”میں یہاں رہنا پسند کرتی ہوں“ اُس نے کہا ”کیونکہ یہاں ہر طرف خاموشی ہے۔ موسم بہار میں یہ درخت ہرے بھرے ہو جاتے“

میں نے اس افواہ کے متعلق سوال کیا کہ دونوں عاشق و معشوق عنقریب سیاحی شروع کرنے والے ہیں۔ اُس نے جواب دیا:

”مجمع سیاحی کا شوق نہیں ہے۔ میرے خیال میں رومانیہ دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت ملک ہے“

درحقیقت یہ نازنین حیرت انگیز جاذبیت اور کشش رکھتی ہے۔ کوئی شخص بھی اُس کے تاثیر جمال سے اپنی حفاظت نہیں کرسکتا۔ اُس کی شخصیت سادہ لیکن پورے معنی میں مؤثر ہے۔ اس ملاقات کے بعد مجھے کوئی تعجب نہیں اگر رومانیہ کا تخت شاهی اس عورت کے خوف سے تھو تھو رہا ہے!

کے جس انسان کو اتنے بڑے ذخیرہ عام و مدنیہ کے ضائع کردینے کی لازوال شہرت حاصل ہوئی \* وہ تاریخ اسپین کا مشہور ہارتیل فرانسسکوزی مینس Cordinal Francisco Ximenes ہے ۔

ہارتیل مذکور کو اسپین کی تاریخ میں وہی درجہ حاصل ہے جو ایک دوسرے ہارتیل ریشلیو Richelieu کو فرانس کی تاریخ میں حاصل ہوا ہے ۔ دونوں مذہبی حلقہ سے نکل کر حکومت و فرمانروائی کے حلقہ میں آئے \* اور ترقی دینے کے لئے نائب السطوت کے عہدہ تک پہنچ گئے ۔ یہی وجہ ہے کہ مورخین نے دونوں شخصیتوں کا مقابلہ کیا ہے اور ان کے خصائص پر بحثیں کی ہیں ۔ زمانہ حال کے بعض مورخوں نے زی مینس کو ریشلیو پر ترجیح دی ہے \* کیونکہ وہ آخر الذکر سے کہیں زیادہ عام و فن کا شائق تھا ۔ وہ کہتے ہیں کہ اسی کی کوشش سے اسپین کی پہلی یونیورسٹی وجود میں آئی جو الکا Alca میں قائم ہوئی تھی اور جسکی نسبت فرانس اول نے کہا تھا ”تمہارے زی مینس نے تمہارا وہ کام کیا جو فرانس میں پندرہ بادشاہوں کی ایک پوری صف کر سکی ہے“ اور پھر یہ اسی کی محنت و توجہ کا نتیجہ تھا کہ سنہ ۱۵۱۷ء میں کتب مقدسہ کی مختلف زبانوں کا ایک مکمل ایڈیشن مع ضمیموں اور تشریحات کے چھ جلدوں میں چھپ کر شائع ہوا ۔

تادم مذہبی تعصب و جنون کی یہ کسی عجیب مثال ہے کہ سنہ ۱۴۹۹ء میں یہی ہارتیل جو یونیورسٹی کا موسس اور فن طباعت کا قدر دان ہے \* ایک دوسرے مقدس آدمی فرڈیننڈ ڈی Talavera Ferdinand de کے ساتھ ملکر یہ فوری صدر کرتا ہے کہ غرناطہ کا شاہی کتب خانہ جلا دیا جائے \* کیونکہ خود اسی باپ دارالعلوم کے لفظوں میں ”اسکی کتابیں انجیل کی تعلیم سے مطابقت نہیں رکھتیں“ !

مشہور مورخ کانڈی Conde لکھتا ہے :

”ان اسی ہزار کتابوں کے علمی مطالب کی قدر و قیمت بجائے خود رہی \* ان میں سے ہر کتاب کی جلد اس درجہ بیش قیمت اور عجیب و غریب صنعتوں سے بنی ہوئی تھی کہ لوگوں نے جلتے ہوئے انباروں میں سے جلدوں کے پائے نکل لئے تو تاکہ آتے سونا چاندی اور قیمتی رنگوں کی بڑی مقدار حاصل کر لیں !“

یہ معاملہ اب تک پہنچ کر ختم نہیں ہو گیا ۔ شاہی کتب خانہ جلا دینے کے بعد محکمہ تفتیش مقدس Inquisition نے اپنے عمال شہر میں بدیعتے تاکہ مسلمانوں کے گھروں کی تلاشی لیں اور عورتی انہی جس قدر کتابیں ملیں ضبط کر لی جائیں ۔ مشہور فرانسیسی مستشرق پروفیسر دوژی Dozy کی تاریخ مسلمانان اندلس Histoire des Musalmans d' Espagne کی شہادت کے مطابق یہ ذخیرہ بھی شاہی کتب خانہ کے ذخیرہ سے کسی طرح کم نہ تھا ۔

کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کی کہانی میں بیان آیا تھا ہے کہ کتابیں چار مہینے تک شہر کے حماموں میں ایندھن کی جگہ جلتی رہی تھیں ۔ افسانہ میں کتابیں چار مہینے تک جل سکتی ہیں ۔ لیکن کسی واقعہ میں آگ کا عمل اتنا کمزور نہیں ہو سکتا کہ چار مہینے تک کتابوں کو مہلت بخشنے دے ۔ غرناطہ کا حادثہ افسانہ نہیں ہے ۔ واقعہ ہے ۔ اس لئے جو کچھ بیان آیا گیا ہے یہ ہے کہ ”مکمل سات دن تک کتابوں کے دھیر جلتے رہے تھے“ !

ان حالات کے بعد ظاہر ہے کہ اندلس کے اسلامی تمدن کا کوئی علمی ذخیرہ ایسا باقی نہیں رہا تھا جو موجودہ دنیا تک پہنچ سکتا ۔

یونانی زبان کو حاصل تھا ۔ اس عہد کی صنعت کتابت و تزئین کے آثار بھی محفوظ ہیں ۔ یعنی ایسی کتابیں بھی محفوظ ہیں جو مغل اور مذہب یا مصر لکھی گئی تھیں \* اور غنڈ کی جگہ ہرن کی جھلی استعمال کی گئی تھی ۔ مذہبی اعمال و رسوم کی بعض اشیاء بھی پائی جاتی ہیں جو اسپین کے آخری مسیحی فرمانروا راکرک کے استعمال میں آتی تھیں ۔

عمارت کا ایک دوسرا حصہ اندلس کے اسلامی عہد تمدن کی یادگاروں پر مشتمل ہے ۔ اسمیں تقریباً دو ہزار مجلدات عربی کتابوں کی ہونگی ۔ کچھ ذخیرہ تصاویر و نقوش اور صنعتی اشیاء و نوادر کا بھی ہے ۔

( اسکو ریال کی خاموش شہادت )

ایک کیا اندلس کے آٹھ سو برس کے اسلامی تمدن کا صرف اتنا ہی ذخیرہ دنیا کے حصہ میں آیا تھا جو اسکو ریال میں محفوظ ہے ؟ اور کیا یہ ذخیرہ بھی اندلس کے دوسرے مسیحی دور کی علمی حفاظت کا نتیجہ ہے ؟

نہیں \* تاریخ ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں دیتی ہے ۔

دنیا کی تاریخ میں شاید ہی علم و تمدن کے لئے ایسے تاریک و المناک ایام آئے ہوں جیسے اسلامی حکومت کے زوال و اخراج کے بعد اندلس میں آئے ۔ سنہ ۱۴۹۱ء میں جب غرناطہ کا آخری مسلمان فرمانروا ابو عبد اللہ اسلامی حکومتوں کی اعانت سے مایوس ہو کر سبکدور ہو گیا کہ غرناطہ دشمنوں کے حوالہ کر دے \* تو اسوقت فردی نڈ اور اہالی غرناطہ میں ایک معاہدہ ہوا تھا ۔ اسمیں ۶۷ شرطیں تھیں جو آجکل صفحات تاریخ پر ثبت ہیں ۔ ان شرطوں میں بعض شرائط اسلامی مدرسوں اور کتب خانوں کے بارے میں بھی تھیں ۔ جس طرح فردی نڈ نے مسلمانوں کی مذہبی آزادی اور شہری و مدنی حقوق کے احترام کا عہد کیا تھا \* اسی طرح اس بات کا بھی عہد کیا تھا کہ تمام اسلامی مدرسے قائم رکھے جائیں گے \* اور اسلامی کتب خانے مسلمانوں کی ملکیت تسلیم کئے جائیں گے ۔ لیکن اس معاہدہ اور اسکی ۶۷ شرطوں کا نتیجہ کیا نکلا ؟ مشہور مورخ لاس اور رامبو کے لفظوں میں یہ نکلا کہ ”دنیا میں شاید ہی کسی انسانی گروہ نے انسانوں کے قتل \* آبادیوں کی ویرانی \* علم و مدنیہ کی بربادی \* اور وحشت و بربریت کی اشاعت میں ایسی معجزانہ بینائی دکھلائی ہوگی جیسی کہ اسپین کے عام بوداران مسیحیت نے دکھلائی ۔ پچاس برس کے اندر نہ صرف مسلمانوں سے \* بلکہ علم و مدنیہ کی تمام علامتوں اور نشانیوں سے پورا جزیرہ نامے اندلس صاف کر دیا گیا“ !

اسپین میں علوم و کتب کی موجودگی اسلامی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت تھی \* لیکن جب مسیحی حکومت کا علم لہرائے لگتا تو اسکا پہلا نتیجہ یہ نکلتا کہ مدرسوں کی عمارتیں منہدم ہوجاتیں اور کتابوں کے انبار آگ کے حوالے کر دیے جاتے ۔ مکمل ذخیرہ سو برس تک ( جو اندلس میں اسلامی حکومت کے زوال اور مسیحی اقتدار کے عروج کا زمانہ ہے ) اسکا سلسلہ جاری رہا ۔ جب کسی شہر سے عرب خارج کئے جاتے \* تو فاتح جماعت کا پہلا کام یہ ہوتا کہ دھونڈھ دھونڈھ کنڈھ کنڈھ جمع کی جائیں اور آگ کے حوالے کر دی جائیں ۔ آخری کتب خانہ جو جلایا گیا \* وہ غرناطہ کا شاہی کتب خانہ تھا جسکی حفاظت کا خصوصیت کے ساتھ فردی نڈ نے معاہدہ تسلیم میں عہد کیا تھا ۔ مورخین یورپ نے اس کتب خانہ کی کتابوں کی تعداد اسی ہزار سے ایک لاکھ تک بیان کی ہے ۔ تاریخ

ایک مدت کے بعد جب اسپین کو مذہبی تعصب نے جنوں سے نجات ملی تو عہد اسلامی کے ذخیرہ علم و تمدن کی جستجو شروع ہوئی، لیکن اب قریب اور غوطہ کے کھنڈروں کے سوا اور کوئی چیز باقی نہ تھی۔ اس جو اس جستجو کا اسدھال کر لی ؟

ہاں اُس زرد پشیمان کا پشیمان ہونا !

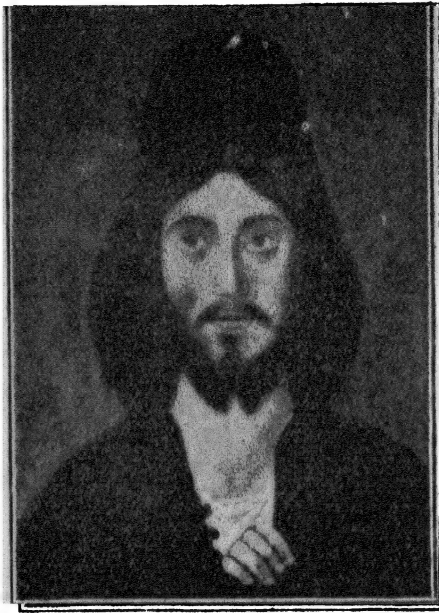
لیکن اتفاق سے انہی ایام میں ایک حادثہ ایسا پیش آیا جسے اسپین اٹھائے عربی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم کر دیا۔ سولہویں صدی کے آخر میں اسپین نے دو جنگی جہاز بحیرہ متوسط میں مشغول جنگ تھیں انہیں تین جہاز دولتہ مراکش نے ملگئے جو مولائی زیدان صاحب مراکش کیلئے نادر کتابوں کے ذخیرے کے حامل تھے۔ اسپینی جہازوں

نے بد جہازوں سے اور اپنے ساتھ اسپین لے گئے۔ چند اب اسپین کی مذہبی ذہنیت بدل چکی تھی۔ اسلئے اس نے آگ کے حوالے نہیں کیا گیا، خانقاہ اسکوریل میں رکھ دیا۔ موجودہ اسپین اسی ذخیرہ کا ایک حصہ ہیں۔ پروفیسر ہارٹویگ دارنبرگ Hartwig Derenbourg نے کتب خانہ اسکوریل کی عربی مخطوطات پر ایک مفید کتاب *Les Manuscrits de l'Escorial* لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ذخیرہ اگرچہ اندلس کا ذخیرہ نہ تھا۔ مولائی زیدان کی کتابیں تھیں جو اسلئے غالباً بلاد مصر و شام سے منگوائی گئیں۔ تاہم اگر یہ کتابیں بھی یورپی محفوظ رہجاتیں تو عربی علوم کے نوادر کا ایک نہایت قیمتی سرمایہ ہوتا۔ مگر معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کے اخراج کے بعد اندلس کی قسمت میں علم و تہذیب کی دائمی بربادی ہی آئی تھی۔ جب مذہبی جنوں نے کتابوں کا جلانا ضروری نہ سمجھا تو حوادث و فتنوں نے عمل شروع کر دیا۔ اس ذخیرہ نے اسکوریل میں رہنے سے دور سے عربی بعد یکایک وہاں آگ لگ گئی، اور دیگر اشیاء و نوادر کے ساتھ عربی ذخیرہ کتب کا بھی ایک بڑا حصہ جل گیا۔ اب جسقدر ذخیرہ موجود ہے۔ یہ وہ ہے جو اس آتش بھری تباہی سے اسی طرح بچ رہا تھا۔ یہ زیادہ سے زیادہ دو ہزار کتابیں ہرنگی۔ مشہور اسپینی مستشرق ف۔ کوڈیرا F. Codera نے بھی (جنہوں نے اسی کتب خانے سے ابن بشکوال کی کتاب الصلہ وغیرہ حاصل کرے شائع کی ہے) قریب قریب ایسا ہی لکھا ہے۔

( تاریخ کی صدائے عبرت )

کتب خانے کے ان درجنوں حصوں کی موجودگی۔ یہ ایک درد انگیز صدائے عبرت پیدا ہو گئی ہے جو ہر دانشور کو سنائی دیتی ہے۔

پچھلے حصے میں اندلس کے قبل از اسلام عہد کا تمام ذخیرہ کتب و آثار موجود ہے۔ حتیٰ کہ وہ انجیل بھی موجود ہے جسکی سلاطین اسپین تلاوت کیا کرتے تھے۔ ان اشیاء کی موجودگی اس حقیقت کا قطعی ثبوت ہم پہنچاتی ہے کہ عربوں نے فتح اندلس کے بعد جسقدر



مختار بن ابی اسحاق غرناطہ

بھی ذخیرہ علم و آثار کا پایا۔ علم و علم کی مقدس امانت سمجھ کر محفوظ رہا اور آج تک اس کی حفاظت کرتے رہے۔ یہ کتابیں جو غرناطہ پر محفوظ تھیں، ان کے اس وقت بھی اس امانت علم میں خیانت نہ کی۔ یہ پورا ذخیرہ اسی طرح چھوڑ دیا۔ جس طرح آئندہ سو برس پہلے حاصل کیا تھا۔ صدیوں تک ملکی لڑائیوں اور اسلامی اور مسیحی جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس انداز میں ہمیشہ مسیحیت کا ستون مسلمانوں کے ساتھ رہا۔ اسی طرح جو فرسوسطی میں اس کی مذہبی خصوصیت تسلیم کی گئی ہے۔ تاہم مسلمانوں نے علم و تاریخ کی وہ امانتیں کبھی ضائع ہونے نہ دیں جو سرزمین اندلس نے اُن کے سپرد کی تھیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اندلس کے اسلامی عہد میں بعض زمانے ایسے بھی گزرتے ہیں جب علماء مذہب کی تنگ نظری اور تعصب سے علوم حکمیدہ کی کتابیں ضائع ہو گئیں یا ضائع ہونے لگیں۔ اندلس میں ایسے زمانے بھی ہوئے ہیں۔ تاہم یہ جو کچھ بھی ہوا، خود مسلمانوں نے اندر ہوا۔ اندلس کا مسیحی ذخیرہ ہمیشہ محفوظ رہا۔ اندلس کی یورپی تاریخ میں ایک واقعہ یہی ایسا نہیں ملتا کہ کسی تنگ نظر سے تنگ نظر بادشاہ نے بھی مسیحی خانقاہوں کا عامی ذخیرہ تاراج کیا ہو۔ اگر ایسا کیا گیا ہوتا تو آج اندلس کے قبل از اسلام عہد کی ایک چیز بھی اسکوریل میں موجود نہ ہوتی۔

لیکن اس کے مقابلہ میں کتب خانے کے مشرقی حصہ کی شہادت کیا ہے؟ یہ ہے کہ ایک ایسے عظیم و وسیع تمدن کا جسکی کوئی دوسری مثال اُس عہد کی تاریخ میں موجود نہیں، تمام ذخیرہ علم و تمدن انتہائی وحشت و جنوں کے ساتھ ضائع کر دیا گیا۔ اور اب جو کچھ بھی موجود ہے، اندلس کا نہیں ہے۔ مراکش کے ایک مسلمان فرمانروا کے علمی ذوق کی بھی بجائی پونہی ہے !

اگر ”اسلامی“ اور ”مسیحی“ تمدن کی تقسیم کی جا سکتی ہے، تو اس تقسیم کی تاریخی خصوصیات کا اندازہ کر کے بدلے اسکوریل کے صرف یہ دو منظر ہی باقی ہیں !

( اسکوریل کے بعض قیمتی آثار )

اسکوریل کے مشرقی حصہ میں ذخیرہ کتب کے علاوہ چند تصاویر و آثار بھی موجود ہیں جو غالباً سولہویں صدی کے بعد مختلف مصادر سے جمع کی گئی ہیں۔ اس ذخیرہ میں جو اشیاء تاریخی حیثیت سے قدر و قیمت رکھتی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) غرناطہ کے آخری فرمانروا ابو عبد اللہ کی تصویر جو فرقی نیند کے حکم سے طیار کی گئی تھی۔

(۲) اُس منظر کا مرقع جب ابو عبد اللہ معاہدہ تسلیم کے بعد غرناطہ سے



ابو عبد اللہ کی اینٹھ مزکش تھا

ہشت صد سالہ نقش تمدن و عظمت  
بہی مت کیا :

ہمارے بعد بہت ہم کو روئے اہل وفا  
کہ اپنے منے سے مہر و وفا کا نام مٹا !

بہر حال ابو عبد اللہ کی یہ شہیدہ  
خاندان بنی احمد کے آخری فرمانروا

کی شہیدہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کے خال  
و خط کے پیچھے تاریخ عرب کی عظمت رفتہ کا ایک طویل سلسلہ

دیکھا جاسکتا ہے۔ اگر ممکن ہوتا تو ہم اپنے اقبال رفتہ کا ایک مرقع  
ماتم کہینچئے اور اُس میں بغداد کے معتصم اندلس کے ابو عبد اللہ

اور دھلی مرحوم کے بہادر شاہ کو پہلو بد پہلو جگہ دیتے تاد گاہ گاہ  
نظر حسرت ڈال لیتے اور زخمِ ہات لہذا کو کہہ ہی کہی نہ شترسم سے

چہرے دینے کیلئے ایک سامانِ عبرت و درد فراہم ہو جاتا۔ یہ تین  
شخصیتیں دراصل ہماری عظمت ماضی کے تین افسانے ہیں :

و ما کان قبیس ہلک ہلک واحد  
و لکندہ بذیان قوم تہدم !

(۱۲) دوسرا مرقع اسی منظر حسرت کا ایک دوسرا گوشہ ہے۔

یہ ابو عبد اللہ کی ایک ریشمی اور مزرکش قبا ہے جو اس وقت  
تک اپنی اصلی حالت و شکل میں محفوظ ہے۔ اس سے نہ  
صرف اس عہد کے وضع و قطع لباس کا ایک شاہی نمونہ ہمارے  
علم میں آ جاتا ہے بلکہ اسلامی اندلس کی مختلف صنایع کا بھی  
پورا سراغ لگتا ہے۔ کپڑے کی بنات، اُسکی خیاطی، زر تار کا مدانی  
کے مشجر اور گل بوٹے جن سے اسکا حاشیہ اور متن مزین ہے  
اس درجہ قیمتی اور صنعت گرانہ ہیں کہ بعض اہل نظر نے صرف  
اس قبا سے مستند صنائع پر ایک پوری تحریر لکھی ہے۔

(۳) تیسرا منظر ایک مرقع ہے جس میں غرناطہ کے قاضیوں  
کی ایک مجلس دکھائی گئی ہے۔ مرقع کے نیچے جو عبارت درج  
ہے، اُس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مرقع مشہور قصر "العمراء" کی  
ایک دیوار پر منقش تھا۔ سواریوں صدی کے وسط میں ایک مصر نے  
اُس سے یہ نقل طیار کی۔ اس مرقع کی ہر تصویر فنِ مصوری کے  
لحاظ سے اس درجہ صمیم اور باقاعدہ ہے کہ موجودہ زمانہ بھی  
بمشکل کوئی نقص نکال سکتا ہے۔ العمراء کی دوسری تصویریں  
کی طرح یہ مرقع بھی اندلس کے عربی عہد کی ان ترقیات پر گواہ ہے  
جو فنِ مصوری کی اعلیٰ اقسام میں اُسے حاصل تھیں۔  
تاریخی قدر و قیمت کا پہلو یہ ہے کہ اُس عہد کے شرفاء و علماء کی  
وضع قطع اور طریق لباس و نشست کا ایسا واضح منظر سامنے آ جاتا  
ہے جسکا کسی دوسرے ذریعہ سے علم ممکن نہیں۔

(۴) چوتھا منظر عربی فوج کی ایک جماعت کا منظر ہے  
جسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں اسی  
صنام نے طیار کیا تھا اور اُن عرب سپاہیوں کا ایک سایہ سا دکھلانا  
چاہا تھا جنہوں نے

فرائس پر فوج کشی  
کی تھی۔ اس سے  
عربی فوج کی وضع  
و قطع اور آلاتِ حرب  
اسلحہ پر نہایت قیمتی  
روشنی پڑتی ہے۔



غرناطہ کے قاضیوں کی مجلس

نکلا ہے اور شہر و محل کی  
کنجیاں فردی نیند اور ازاد  
کے حوالے کر رہا ہے۔

(۳) ابو عبد اللہ کی تلوار اور تھال۔

(۴) ابو عبد اللہ کی ایک ریشمی

اور مزرکش قبا۔

(۵) قرآن رکبے کی ایک طلائی

رحل جو سلطانین موحیدین کی خیال کی جاتی ہے۔

(۶) ایک قدیم تاریخی مرقع جس میں غرناطہ کے اسلامی دار

القضا کا منظر دکھایا گیا ہے اور جو قصور العمراء کی ایک دیوار

کے مرقع سے نقل کیا گیا ہے۔

(۷) "اے زہی زہی کوٹ" یعنی قاضی ابن رشد اعظم کی

تصویر جو اُس سنگی بت کی نقل ہے جو اُس کے بعض

یہودی شاگردوں نے طیار کیا تھا۔

(۸) اندلس کے عرب جنگ آزمائوں کا ایک منظر۔

(۹) غرناطہ کے محل شاہی کی طلائی کنجیاں جو عبد اللہ نے

فردی نیند کے حوالے کی تھیں۔

(۱۰) العمراء کے ایک سنگی بت کی نقل جسکی نسبت یقین

کیا جاتا ہے کہ وہ اسلامی عہدِ وسطیٰ کے ایک مسلمان فرمانروا

کی شہیدہ ہے۔

(پروفیسر امیلیو کی منتخبات)

ہم پروفیسر ایم امیلیو (M. Emilio) کے نہایت شگرفراز ہیں  
کہ انہوں نے الہلال میں شائع کئے کیلئے کتب خانہ اسکوریاں کے  
آثار و نوادر کے عکسی فوٹو اور ضروری تشریحات بھیج دی ہیں۔ پروفیسر  
موصوف اسپین کے مستشرقوں میں اپنے ذوقِ علم اور متعدد کتابیں عربی  
تصنیف کے لحاظ سے ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور متعدد کتابیں عربی  
علوم و آثار پر مرتب کر چکے ہیں۔ ہم وقتاً فوقتاً انکی فراہم کردہ  
معلومات الہلال کے صفحات پر شائع کرتے رہینگے۔ آج اس سلسلہ میں  
اسکوریاں کے چار آثارِ ہدیہ قاریں ہیں :

(۱) سب سے پہلا منظر اسلامی اندلس کی آخری نگاہ تودیع  
ہے۔ یہ غرناطہ کا آخری فرمانروا ابو عبد اللہ ہے جو سنہ ۸۹۷ ہجری  
میں اندلس سے خارج کیا گیا۔ اس کے اخراج پر یورپ کے ہشت صد سالہ  
عربی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ تمام مورخین عرب  
و فرنگ متفق ہیں کہ یہ نہایت کمزور دل و دماغ کا انسان تھا۔  
اُسکا ارادہ پست، دماغ دھمکی اور طبعیت عیش پسند واقع ہوئی  
تھی۔ وہ اپنی نسل کا ویسا ہی کمزور انسان تھا جیسا نسل عباسی  
کا آخری فرمانروا المعتصم باللہ یا نسل تیموری کا آخری نام لیوا بہادر  
شاہ تھا۔ لیکن تاریخ ان شخصیتوں کو انکی شخصیتوں میں نہیں  
دیکھتی۔ اُنکے زوال میں ایک پررے عہد و ایام کا زوال اُسکے سامنے آ جاتا

ہے۔ ابو عبد اللہ اپنی

ذات سے کتنا ہی برا ہو

لیکن وہ سر زمین یورپ

میں اسلامی و عربی

تمدن کا آخری نقش قدم

تھا۔ اُسکے منے سے صرف

اُسکی شخصیت ہی نہیں

مٹ گئی۔ بلکہ اسلام کا



عربی فوج کا ایک منظر جسے فرانس پر حملہ کیا تھا



# عالم شرق و اسلام

## شام کی حرکت استقلال

فرانسیسی مظالم کے چند خونی مناظر

الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیروت کے قلم سے



شام کی حرکت استقلال پر کامل بیس مہینے گزر چکے۔ ان بیس مہینوں کے اندر اس کے فرزندوں کا خون جس بے دردی کے ساتھ بہایا گیا ہے اور خود انہوں نے بھی جس بے پرواہی کے ساتھ اپنا خون بہنے دیا ہے وہ ایک ایسی سرزدشت ہے جو ظلم و مظلومی اور حق و استبداد کی تاریخ میں ایک بڑے ہی درد انگیز داستان کا اضافہ کرتی ہے!

میں آج آپ کو چند تصاویر بھیجتا ہوں۔ فرانسیسی حکومت کے محکمہ ڈاک اور تار پر جیسا جاہلانہ احتساب قائم رکھا ہے، اسے دیکھتے ہوئے اُمید نہیں کہ وہ سلامتی پہنچ سکیں۔ لیکن اگر پہنچ گئیں تو ہم از دم ایک لمحہ کے لئے آپ اُن قتیلان حریت و استقلال کی یاد سے اپنا دل و دماغ غمگین کر سکیں گے جنہیں بیسویں صدی کے سورج نے روشنی میں یورپ کی سب سے بڑی متمدن قوم کے علانیہ قتل کیا ہے اور صرف اسلئے قتل کیا ہے کہ اپنے وطن عزیز کی عداوت پر دل درمند اور زبان مائل سرا رکھتے تھے!

فرانس "انقلاب فرانس" کے مبادی حریّت و استقلال کا فرانس ہے۔ شمار انسانوں کا علانیہ قتل جائز رکھتا ہے۔ اسلئے کہ وہ اپنے وطن کیلئے حق اور استقلال کا لفظ بولنے کی جرأت کرتے ہیں!

ان تصویروں میں پہلا منظر دو شہیدان وطن کی نعشوں کا ہے جنہیں دمشق کے میدان مرجہ (ساحة المرجہ) میں پہانسی دی گئی تھی اور پہانسی کے بعد انکی نعشیں چھوڑ دی گئی تھیں تاکہ دو دن تک لٹکتی رہیں اور تمام باشندگان دمشق اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ پوسٹی کی سزا اس دنیا میں کیا ہے؟

ان میں پہلی نعش جس کے سر پر طربوش ہے شیخ احمد خیاط کی ہے۔ مشہور شامی زعمیم حرکت سعید عاشق کا عزیز ہے۔ دوسری نعش جس کے سر پر عمامہ ہے شیخ عبدالعزیز ہے۔ یہ اطراف دمشق کے ایک دروازے کے شیخ تھے۔

ان دونوں شہیدان وطن کا جرم دیکھنا تھا کہ ۱۶ مئی سنہ ۲۶ کو دروازہ دمشق کے سامنے دروزی قبائل کی ایک جانفرور جماعت نے

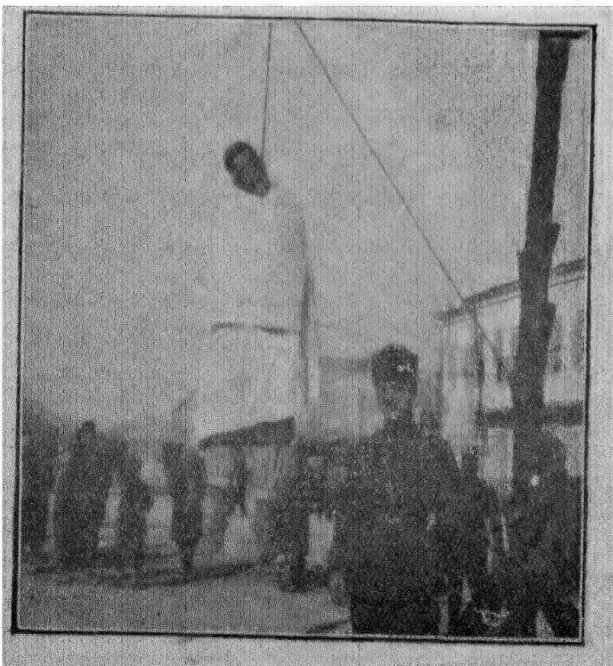
فرانسیسی فوج کو سخت ہزیمت دی تھی اور اس ہزیمت کی ذلت مٹانے کیلئے اس مہذب قوم کو ضرورت تھی کہ چند بے گناہ انسانوں کا خون بہا کر اپنے دل انتقام پرست کو تسکین دے۔ چنانچہ بہت سے آدمی گرفتار کئے گئے اور انہیں سے شیخ خیاط اور شیخ سلامی کو فوراً پہانسی پر چڑھا دیا گیا۔ ان کا جرم یہ قرار دیا گیا کہ یہ شیخ سعید عاشق کے دوستوں میں سے ہیں جسکا گروہ دمشق سے باہر فرانسیسی فوجوں کو بے در پے شکستیں دیرھا ہے۔ جب اسے دریافت کیا گیا کہ کیا وہ عاشق کے دوستوں میں نہیں ہیں؟ تو ان دونوں سر فرورشان حق نے بے تامل جواب دیا "شام کا کوئی ایسا بے عزت انسان ہوسکتا ہے جو عاشق جیسے بہادر اور جانفرور وطن کی دوستی سے انکار کرے؟"

دوسرے موقع میں بھی ایک نعش سولی پر لٹک رہی ہے۔ یہ بھی ایک وطن پرست غیور کی ہے جس کا نام احمد دہان تھا اور یہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے فرانسیسی فوج کی خدمت و اعانت سے انکار کر دیا تھا۔ اگر آپ تصویر کو غور سے دیکھیں گے تو نعش کے سینے پر کچھ حروف لکھے نظر آئیں گے۔ دراصل یہ ایک لفظ "موت" ہے۔ اسے دیکھنے کے بعد ہر نعش کے سینے پر چسپاں کر دیا جاتا ہے اور اس پر "مجرم" کے جرم کی نوعیت اور مقدار لکھ دی جاتی ہے۔ جب تک نعش لٹکتی رہتی ہے یہ کاغذ بھی چسپاں رہتا ہے تاکہ جب کسی شخص کی نظر پڑ جائے تو وہ اسکا جرم و گناہ معلوم کر لے۔ کونسا جرم؟ کونسا گناہ؟ حقوق وطن کی حفاظت کا جرم! اور حقوق ملت کے احترام کا گناہ! اس سے بڑھکر آج یورپ کی عدالت میں مشرق کا کوئی جرم نہیں ہے!

فمن شاء فلينظر الي فمظنري

نذير الى من ظن ان الامم سهل

اکتوبر سنہ ۲۵ سے لیڈر اسوقت تک جتنے آدمیوں کو پہانسی کے ذریعہ قتل کی سزا دی گئی ہے انکی تعداد سینکڑوں سے کسی طرح کم نہرہی۔ صرف دمشق کے میدان مرجہ میں ستر سے زیادہ آدمی سولی کے تختے پر کھڑے ہو چکے ہیں۔ انہیں سے چند سولوں کی تصویر لینے کا ایک مقامی عکاس کو موقع مل گیا تھا۔ بعض ذرائع سے انکی نقلیں مجھے تک پہنچ گئیں۔ اگر آپ اسے ذریعہ یہ مناظر شائع ہوسکے تو ممکن ہے برادران ہند کی آنکھیں چند قطرات اشک بہانے میں بخل نہ کریں۔ ان جاندارگان عشق وطن کیلئے آنسوؤں کے یہ چند قطرے بھی بہت قیمتی ہوں گے۔ کیونکہ انکی قربانیاں اسوقت تک دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور انہیں مرنے کے حقیقت سرا قام کا ابھی مدتوں انتظار کرنا ہے۔



# مقالہ

## اسلام اور شہنشاہ

بہ برستی سز و گنہگار سزا و مر اساقی  
ہندو آباد و شہنشاہ پریشا بوداردا

کو اُس کی موجودہ منزل حیات میں اس سے زیادہ کاوش کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ نہایت تیزی کے ساتھ اُٹھے، اور قبل اس کے کہ ذہن و خیال کو جنس و جنس کی مثلت لے، کام شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند صدیوں کے اندر ایک عام حرکت ظہور میں آگئی۔ مطالبہ خلافت ہندو مسلمانوں کا مشترکہ مطالبہ بن گیا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں ہندوؤں نے اس میں یوگ دے دی اور بے ریا دلچسپی ظاہر کی جیسی خود مسلمان ظاہر کر رہے تھے، بلکہ کہا جاسکتا ہو کہ بعض حالتوں میں خود مسلمانوں سے بھی اُنکے قدم پیش پیش تھے۔

لیکن جب ملی مشغولیت کا دور ختم ہو گیا تو ردِ فعل کا عمل در آمد شروع ہو گیا۔ وہی چیز جو چند دن پہلے ملک کا سب سے زیادہ مقبول عمل تھی، اب ایک مشتہ اور بحث طلب چیز بن گئی، اور فکر و خیال نے طرح طرح کی کاوشیں شروع کر دیں جو وقت ہزاروں کی تعداد میں لوگ قید خانے میں جابجہ ہوئے تاکہ ٹرکی کے ساتھ انصاف کیا جائے، اُس وقت کسی کو بھی یہ بات نہ سوجھی کہ اس مطالبہ کا اس درجہ اہمیت ہندوستانی قومیت کے ساتھ میل کھا آج یا نہیں؟ لیکن اب ہر شخص اسی خیال سے متعلق ہو، اور کوئی قلم و زبان نہیں جبریں یہ سوال طاری نہ ہوا

ایک طرف تو یہ لوگ ہیں جو کاتھولک یعنی کے رنگ میں اس مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں، دوسری طرف مسلمان اہل قلم ہیں، اور جو کہ خود انکے سامنے بھی کوئی کھمبات اور واضح حقیقت نہیں ہو، اس لئے کہ عجیب طرح کے افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اہلالت کے پچھلے صفحات پر اس قدر کتبیں لکھی ہیں کہ اسلام کی دستِ نظر وطنیت کی تنگ نظری کی محل نہیں، چونکہ بات کے محل اور موقع پران کی نظر نہیں ہو، اس لئے وہ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام شہنشاہ کا مخالف ہو اور کسی مسلمان کو "شہنشاہ" نہیں ہونا چاہئے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو مسلمان ہندو کی سیاسی بے حسیت سے سخت ناالا ہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ اہل اسلام مسائل کے لئے اُن میں جس قدر دلچسپی پیدا ہوئی ہے اُس قدر خود اپنے ملک کے لئے نہیں ہوتی تو وہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی دستِ علاقہ و احساس ہی اس صورت حال کے لئے ذمہ دار ہیں اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اب ایسے خیراد کہہ دینا چاہئے حالانکہ نہ تو اسلام کی وسعتِ نظر کے یہ معنی ہیں کہ وہ قومیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ نہ قومیت کے لئے اس بات کی ضرورت ہو کہ خواہ مخواہ اسلامی ذہنیت کا دائرہ تنگ کیا جائے۔ یہ دونوں صورتیں افراط و تفریط ہیں داخل ہیں، اور ہر معاملہ کی طرح یہاں بھی حقیقت اطراف میں نہیں بلکہ وسط میں ڈھونڈنی چاہئے۔

وہ "وسط" کیا ہو؟

اس تحریر سے مقصود اسی کی جستجو و تحقیق ہے۔ چونکہ مسئلہ کے اطراف دیکھیں ہیں اس لئے غرضی ہے کہ انہیں چند حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ آج پہلا حصہ دیکھتے ہیں۔

### حیاء اجتماعیہ اور اس کا سلسلہ ارتقاء

"قومیت" کیا ہو؟ انسان کی اجتماعی زندگی کے احساس و اعتقاد کی ایک خاص حالت کا نام ہو۔ یہ انسانوں کے کسی ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے ممتاز کرتی ہو اور اس کے ذریعہ اُس کی ایک بڑی جمیعت باہم مربوط ہو کر زندگی بسر کرتی اور اجتماعی زندگی کے کنش سے عہدہ برہوتی ہو۔ اس کے قبل اس کے کہ اس بارے میں اسلام کی تعلیم و دعوت پر غور و خوض کیا جائے خدا انسان کی حالت پر غور ڈالنی چاہئے کہ اُس کے اجتماعی رشتوں اور رشتہوں کے احساس و اعتقاد کا کیا حال ہو؟

جس طرح کائنات ہستی کی ہر شے پر قانونِ نشو و نما و تقاد باری ہو۔ ایسے جزیرہ ابتدائی حالت سے انتہائی دُعبہ تک، طغولیت سے رش و بلوغ تک، تنگی سے وسعت تک، پستی سے بلندی تک اور نقص سے کمال تک یہ تدریج ترقی کرتی ہو، اور اس رفتار ترقی میں اُسے مختلف درجوں اور

یہ عجیب بات ہو کہ ہندوستان میں جو زمانہ سب سے زیادہ باہر کے اسلامی معاملات کے اہمیت کا زمانہ تھا۔ یعنی حرکتِ خلافت کا زمانہ، اُس وقت کسی شخص کو بھی یہ خیال نہیں گزرا کہ باہر کے اسلامی معاملات میں اس قدر دلچسپی لینا چاہئے۔ یہ وقت تو تھا کہ مسلمانوں کا خیال یہ تھا کہ ہندو مسلمانوں کا مشترکہ مطالبہ کرنا ہندو مسلمانوں کے اسلامیت کے خلاف ہے۔ لیکن اُس میں ہندو مسلمانوں کے دونوں ہتھے، اور اُس کی مخالفت بھی اس بنا پر نہ تھی کہ یہ معاملہ ہندوستان کے جغرافیائی حدود سے باہر کا ہو بلکہ اس لئے تھی کہ وہ اس قدر دور تک جانا پسند نہیں کرتا تھا جس قدر وہ یہ حرکت جانا چاہتی تھی۔ مطالباتِ خلافت پر موقوف نہیں، خود ہندوستان کے سیاسی مطالب کے لئے بھی وہ اس طریق عمل سے متفق نہ تھا۔

لیکن جونہی ۱۹۲۲ء میں حرکت کی سرگرمیاں دیکیں اور لوگوں کے ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے فوراً طرح طرح کی بجیش اور کاوشیں شروع ہو گئیں۔ اب ہر شخص سوچنے لگا کہ ہندوستان کے جغرافیائی حدود سے باہر کے معاملات میں اس قدر دلچسپی لینا کہاں تک قومیت و وطنیت کے جذبات کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ مسئلہ نے ایک قدم اور آگے بڑھا یا اور مسلمانوں سے گور کر اسلام کی تعلیم تک پہنچ گیا۔ اب سیکڑوں دماغ و قلم ہیں جنہیں اس سوال کی بحث و کاوش سے فرصت نہیں ملتی کہ اسلام کی دین تعلیم کی روح قومیت کے موافق ہو یا مخالف؟

یہ حالت بظاہر کتنی ہی عجیب معلوم ہوتی مگر مگر مگر حقیقت عجیب نہیں ہو۔ علم الاجتماع کے مطابق کر لے والے ایسے ہی احوال و احوال و جماعت کے ذہنی قوانین کی جستجو کیا کرتے ہیں جب آدمی پیدا ہوتا ہو تو ضرورت سے زیادہ سوچنے لگتا ہو۔ مشغول آدمی کو زیادہ خیال آتا ہے کہ اُن کی فطرت ہی نہیں بلکہ یہی حال جماعتوں اور قوموں کا بھی ہو۔ جو وقت تک وہ ملی زندگی میں مشغول رہتی ہیں، ذہن و فکر کو ضرورت سے زیادہ دقیقہ سمجھوں کی ہمت ہی نہیں ملتی۔ لیکن جونہی ہاتھ پاؤں بیکار ہو جاتے ہیں، ذہن و خیال بھر آتا ہے اور اپنی کارستانیاں شروع کر دیتا ہے۔ پہلے ارادہ کی سادی قوت عمل میں مشغول تھی۔ اب عمل کی جگہ تخیل کے لئے وقف ہو جاتی ہو۔ پہلے کسی کو ذہنی بلندی پر دایوں کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ اب جس کسی کو دیکھو غیر ضروری بحثوں کے محل کا دشواری، فرضی صورتوں، تخفیفی سوالوں، بے قید تخیلات، اور مطلق العنان ادھام و طنزوں سے سرگراں ہو جاتا ہے!

ذہن و عمل کے توازن میں عدم توازن ہو جس سے جماعتوں کی زندگی میں ملی استعداد کی افسردگی اور قتل کی بنیاد پڑتی ہو، اور بعض اوقات یہ ملت یہاں تک بڑھ جاتی ہو کہ عمل کی استعداد بالکل مفقود ہو جاتی ہو۔ یا اس درجہ کمزور پڑ جاتی ہو کہ کوئی نمایاں اور عظیم قدم نہیں اٹھایا جاسکتا۔

ہر قدم کی تاریخ میں اس حالت کی مثالیں ڈھونڈی جاسکتی ہیں۔ توی عروج کے زمانے پر غور ڈالو گے تو وہ سرتاپا عملِ نظر آئے گا، لیکن تنزل کا عہد دیکھو گے تو عمل کی جگہ تخیل کی فرمانروائی ہوگی۔ پہلی حالت میں تخیل محدود مگر قدم بے روک ہوتا ہو۔ دوسری حالت میں قدم رک جاتا ہو مگر خیال آسمان پائیاں شروع کر دیتا ہو۔ ترقیوں نے جب ردم اور ایران کے تخت اُٹھائے تھے تو اُن کی سادگی فکر کا یہ حال تھا کہ قضا و قہد کے مسئلہ میں وہم و گمان کا دخل بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن جب قضا و قدر اور جبر و اختیار کی کتنی سلجھانے کے لئے اُنہوں نے پچاس سے زیادہ مذہب گروہ لئے، تو وحشی تاتاریوں کے جہلانِ قدم سے اُن کے تمام دارالامان پامال ہو گئے تھے!

آج بھی یورپ کی قوموں میں اس کی مثالیں صاف نظر آ رہی ہیں۔ ایچو سکسن نسل کے مقابلے میں فرانسیسی قوم زیادہ ذہنی اور تخیل پسند ہو، اور اس لئے کسی طرح بھی اپنا روزگار و تنزل روکنے پر قادر نہیں ہو۔

۱۹۲۲ء میں حالات کی رونے ذہن تخیل کو زیادہ بے لگام ہونے کی ہمت ہی نہیں دی تھی مہاتما گاندھی نے مسئلہ خلافت کو محض اُس کی سادہ اور ملی شکل میں دیکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے اُنہوں نے

وینح حلقہ انسانی کا رکن سمجھے لگتا۔ یہ تو حلقہ ایک خاص موٹا اٹلی کی طرف اپنے آپ کو منسوب اور اس کے وجود کو اپنی رشتہ داروں اور قرب جوڑوں کے لئے اعتقاد و شرف کا مرکز قرار دیتا ہے۔ اسے نسب کی بنیاد چلی اور اس کی حفاظت کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ عرب، افریقہ، ہندوستان، امریکا، اور اٹلیا وغیرہ میں آج تک قبائل کا نقش قدم ڈھونڈنا چاہتا ہے۔ عرب میں تو قبائل کی تقسیم اور نسب کی حفاظت کا ایسا دور دورہ دہا کہ تمدنی اور شہری زندگی کا اختلاط بھی اسے نہ ملا سکا۔ اس وقت بھی اندون عرب میں ہر قبیلہ پر حیثیت قبیلہ کے اسی طرح موجود ہے جو عربی مٹی کی عیسوی سے پہلے تھا۔ ہندوستان میں راجپوتوں کے مختلف نسلی سلسلے اور سوجھ بھٹی اور ہندوستانی کا اہتمام بھی اسی کا نتیجہ ہے۔

یہ جو نسل انسانی کی آج بڑی بڑی اصولی تقسیم کی جا رہی ہے۔ مثلاً ساقی، آریہ، منگولین تو ان کی بھی بنیاد جب پڑی ہوگی، اسی قبیلہ کی منزل میں پڑی ہوگی۔ اب اگر یہ نسل انسانی اس منزل سے بہت آگے بڑھ چکی ہو، لیکن اس کی انفرادی زندگی میں یہ اب بھی ایسی ہی رہی ہوگی منزل ہو، جیسی پر حیثیت نوع کے تاریخ میں پیش آئی تھی۔ اب بھی انسان کا پتہ بڑا ہوتا ہے اور طفولیت کے سادہ احساسات کی جگہ تربیت و صلاح کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں، تو وہ اپنے گھرانے کے حلقہ سے ایک زیادہ وسیع حلقہ شہر و دیہاتوں کا محسوس کرتا ہے۔ یہی احساس مائیک کے بعد قبیلہ کا احساس ہے۔

اس جو مٹی کڑی برکت کا حامل ہے، وہ اس کا رشتہ مہر کرتا ہے۔ اب تک انسان کا احساس اجتماع صرف نسل کے رشتے میں محدود تھا۔ کیونکہ اس کے دماغ کے لئے سب سے زیادہ قریبی رشتہ ہی تھا اور ہمیشہ اس کے ادراک کا سفر قرب سے بعد کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن اب ایک دروازہ رشتہ بھی دعوت اعتقاد دینے لگا۔ ابتدائیں انسان کی زندگی محض انفرادی زندگی تھی، پھر عالم اور خاندان کی بنیاد پڑی، لیکن پھر بھی وہ عرصہ تک ویسی ہی فیر شہری زندگی بسر کرتا رہا جیسی آجکل بھی صحرائی قبائل یا ایشیا اور یورپ کے صحرائوں کی زندگی ہے۔ وہ بانی، چاہے، اور فضا کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت کرتا رہتا تھا۔ لیکن جب ایک کافی مدت تک یہ حالت برقرار رہی، تو ہر قبیلہ اور گروہ کے لئے کوئی خاص حصہ زمین مسکن و مولیٰ کی شکل میں معین ہو گیا۔ مثلاً کوئی خاص قبیلہ تھا جو خزاں میں ایک جگہ رہتا اور بہار میں دوسری جگہ چلا جاتا۔ عرصہ کے تواتر قیام سے یہ دونوں مقام اس کے لئے مسکن و وطن بن گئے۔ یا کسی جماعت نے کسی ایک ہی مقام پر قیام اختیار کر لیا اور کچھ عرصہ کے بعد وہ اس جگہ میں اپنے لئے خصوصیت محسوس کرنے لگی۔ ساتھ ہی ایسا بھی ہوا کہ مختلف قبائل کسی ایک ہی حصہ ارضی میں اس پاس آئے اور عرصہ تک قرب رہنے کی وجہ سے ان میں باہمی قرب و علائق کی ایک خاص حالت پیدا ہو گئی۔ ان اسباب سے اس اجتماعی احساس اور جذبہ کی بنیاد پڑی جسے میں نے "بلدیہ" سے تعبیر کیا ہے۔ یہ اس احساس کی باجوہ نہیں ہے اس منزل میں پتھر انسان ایک نیا رشتہ محسوس کرنے لگا جو کسی ایک ہی جگہ رہنے سے اور وہیں پیدا ہونے کے اشتراک کا رشتہ ہے۔

ایک مدت تک جس مقام پر انسان رہتا ہے تو قدرتی طور پر اس سے زیادہ مانوس ہوتا ہے اس اس کے اسباب ایک سے زیادہ ہیں۔ اول تو اس مقام کی ارضی خصوصیات کے ساتھ اس کی زندگی کے حالات کچھ اس طرح مل جل جاتے ہیں کہ وہاں کے ہر موسم اور حالات کے ساتھ اس کی زندگی کی کوئی نہ کوئی حالت وابستہ ہوجاتی ہے، اور اس کے تقدیر میں اس کے لئے کشش پیدا ہوجاتی ہے۔ ثانیاً، مشاہدہ کے اعتبار و تواتر میں بجائے خود حیوانی دماغ کے لئے تاثیر ہے۔ جن چیزوں سے اس کا فضا اور واسطہ رہتا ہے قدرتی طور پر ان سے زیادہ مانوس ہوجاتا ہے۔ ثالثاً، مکان و قیام کے ساتھ نسل و نفاقت کے بھی تمام رشتے جمع ہوجاتے ہیں جس مقام پر انسان پیدا ہوا ہے اور وہاں پر پائی ہوئی اس کے تمام عزیز و اقارب اور جانے بچانے والے آدمی ہوتے ہیں اور اس لئے ان کی محبتیں کی یاد وہاں کے چہرے میں بس جاتی ہے۔ فکر انسان نے نسل کے بعد مکان و وطن کا رشتہ بھی محسوس کیا اور یہ تدریج اس کی گیرائیاں بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ اس کے جذبات و کامرکز اور مکانی دل بستگی کے دونوں کا محور بن گیا،

الادیت شہری مل ایتین لیلہ

بولی، دھولی اذختر و جلیل

"بلدیہ" کے بعد چھٹی کڑی "وطنیت" کی آتی ہے۔ وطنیت "بلدیہ" کے رشتہ کی ایک خاص ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔ جب تمدن میں مزید ترقی و وسعت ہوئی، اکثر آبادیاں اور شہر بن گئے، اور انسان کے ابھی ملائیں بھی زیادہ وسیع ہونے، تو "بلدیہ" کے جذبات میں بھی وسعت شروع ہو گئی، اور اب انسان نہ صرف اپنے مسکن و مولیٰ کو بلکہ اس تمام علاقے کو اپنا وطن محسوس کرنے لگا جس کے ایک گوشہ میں وہ آباد تھا۔ پھر تدریج اس دائرہ میں اور وسعت ہوئی، چھوٹے چھوٹے علاقوں کی جگہ زمین کے بڑے بڑے حصے داخل ہو گئے، یہاں تک کہ اب ایک بڑی اقلیم بھی مندر وطنیت میں داخل ہوجاتی ہے اور

نسل کے اجتماعی احساس نے انفرادی اکثریت اہل کے نقطہ وحدت میں محیط ہو گئی۔ اب تک

اور بالآخر وسعت و بلوغ تک پہنچ جاتا ہے۔ دنیا کی تمام چیزوں کی طرح اس کی بھی ایک کڑی ابتدائی ہو اور ایک انتہائی ہے۔ ابتدائی کڑی میں اس کا احساس اس کے جسم و دماغ کی طرح گہرا و لطیف میں متوازن نظر آتا ہے۔ پھر جوں جوں دماغی ادراک نشوونما پاتا ہے، اجتماعی رشتوں، علاقوں کا احساس وسعت پذیر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے رشتے اور پھیلتے پھیلتے اس نقطہ بلوغ و مکمل تک پہنچ جاتا ہے جو اس سلسلہ ارتقاء کی آخری کڑی ہے۔

### حلقات استعارہ وقت

انسانی حالت پر ہمیشہ دو مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالی جاتی ہے: نوعی اور انفرادی۔ نوعی سے مقصود یہ ہے کہ پر حیثیت ایک نوع کے اُس پر جو کچھ اس کی جماعت کی جائے۔ انفرادی سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ ایک انسانی وجود پر جو کچھ گزرتا ہے اس کی تحقیق کی جائے۔ پہلی کے لئے تاریخ و آثار کا اور دوسری کے لئے غذا انسان کی زندگی کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اس اعتبار سے اگر انسان کی حالت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی احساس و ادراک کا یہ سلسلہ ارتقاء نوع اور فرد دونوں زندگیوں میں یکساں طور پر موجود ہے، اور اس کی بڑی اور اصولی کڑیاں حسب ذیل ہیں:

(۱) اموتہ۔

(۲) البوۃ۔

(۳) عالم۔

(۴) قبیلہ۔

(۵) بلدیہ۔

(۶) وطنیت۔

(۷) جنسیت و قومیت۔

(۸) براعظمت یا تقسیم بحال و جغرافیہ۔

(۹) انسانیت و ارضیت۔

"اموتہ" کے معنی عربی میں ماں ہونے اور ماں کے رشتہ کے ہیں۔ اس سے مقصود انسان کی و ابتدائی حالت ہے جو وہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی ساقی دنیا صرف اس کی گدہ ہوتی ہے۔ اس ابتدائی منزل میں انسان کا علائقہ اجتماع صرف "اموتہ" میں محدود ہوتا ہے۔ فطرۃ کافرشتہ اس کی رہنمائی کرتا ہے اور اس کے معصوم ہاتھ ماں کی گردن میں محال ہوجاتے ہیں۔ یہ فردیت سے اجتماعیت کی طرف انسان کا پہلا قدم ہے۔

"البوۃ" سے مقصود باپ کا رشتہ ہے۔ ماں بچے کو باپ کے آغوش محبت میں رکھتی ہے اور باپ وہ ماں کے ساتھ ایک دوسرے وجود کا رشتہ بھی محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔

تمدن کے وجود میں آنے سے پہلے انسان انفرادی اور خلقی زندگی بسر کرتا ہے۔ اس وقت انفرادی مدنی (یعنی نعین والقرام کے ساتھ مرد و عورت کے لئے) کا وجود نہ تھا۔ لیکن ہر عام حیوانات کی طرح والد کا بنیادی رشتہ محض اموتہ کا رشتہ ہوا اور البوۃ کا تعین اور شخص مجرد میں نہ آیا ہو۔ میں نے "نمک" سے اس کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس باپ سے علماء و علم الا انسان کے نظریات مختلف ہیں اور کوئی واضح روشنی موجود نہیں۔ بہر حال ابتدائیں البوۃ کا شخص ہوا نہ ہو، جس دن سے یہ شخص شروع ہوا ہے، اموتہ کے بعد احساس اجتماع کی دوسری منزل یہی ہے۔

"عالم" عربی میں خانہ کو کہتے ہیں لیکن خانہ کا لفظ ہماری زبان میں زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ "عالم" کا اطلاق اس سے کم تر دائرے پر ہوتا ہے۔ اس سے مقصود وہ قریبی رشتہ دار ہیں جن کے اکٹھے ہونے سے ایک گھرانے کی مشرکہ زندگی کا نظام قائم ہوتا ہے۔ یہ اس سلسلہ ارتقاء کی تیسری کڑی ہے۔ انسان نے جب انفرادی زندگی کی جگہ بل جگہ رہنا شروع کیا تو اس کا پہلا نقطہ نظر یہ تھا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کا حلقہ بنا کر رہتا تھا۔ تاکہ زندگی کی کشش میں تنہا نہ رہے بلکہ ایک جھنڈا پیدا ہوجائے۔ "قریبی رشتہ داروں" کے اس احساس ہی سے اجتماعی ارتقاء کی تیسری منزل وجود میں آئی ہے۔ کیونکہ اب ماں باپ کے علاوہ دوسرے انسانوں کا بھی رشتہ محسوس کیا جاتا لگا اور اجتماعیت کے احساس میں وسعت ہو گئی۔

"قبیلہ" اس سلسلہ کی چوتھی کڑی ہے۔ اور یہ بہ نسبت "عالم" کے زیادہ وسیع حلقہ مہیا کرتی ہے۔ تمدن کے ابتدائی ایام میں جب کچھ عرصہ تک "عالم" کا نظام جاری رہا تو ہر خاندان کی نسل بڑھتی اور پھیلی گئی۔ یہاں تک کہ پانچ پانچ دس دس پشتیں گزرنے کے بعد ہر خاندان کے افراد کی تعداد سیکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ (جتنی بڑی تعداد صرف "عالم" کی چار دیواری میں سطح میں سکتی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر ایک وسیع تر حلقہ تعارف پیدا ہو گیا، اور باوجود مختلف جگہوں پر رہنے کے ہر فرد اس حلقہ کی نسبت سے بچا جاتا تھا۔ جگہ و صل کے موافق ہر بھی یہ حلقہ ایک دوسرے کے مقابل صفت آرا ہوتے ہوئے۔ اس طرح "قبیلہ" کی بنیاد پڑی، اسباب اس نسل میں ہر فرد دہی انسان جس کا احساس اجتماع صرف "اموتہ" اور "البوۃ" میں محدود تھا، اپنے آپ کو ایک



زیادہ دور تھا۔ قرب و بعد کے ان دونوں کے درمیان جس قدر فاصلہ پیش آئے، ان میں سے ہر منزل اپنی اہل منزل سے دور تر لیکن مابعد منزل سے قریب تر تھی۔ انسانی ادراک اس کے لئے سب سے زیادہ قریبی اور سامنے کا رشتہ کیا تھا، اس باپ کا رشتہ، اس لئے سب سے پہلے اسی کا احساس پیدا ہوا۔ سب سے زیادہ دور کا رشتہ کیا تھا؟ "انسانیت" اور انسانی اخوت کا رشتہ۔ اس لئے سب سے آخری منزل کی منہ ہوئی۔

انسانی اخوت کا رشتہ دور کا رشتہ اس لئے ہوا کہ یہ ایک غیر محدود کثرت کو وحدت میں گام کے بعد نمایاں ہو سکتا تھا اور چونکہ ہمیشہ کثرت وحدت کی دست میں انسانی عقل گم ہو جاتا کرتی ہے اس لئے وحدت تک پہنچنے پہنچنے آئے بہت دیر لگ جاتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ کائنات ہستی وحدت و کثرت کی صورت آرائیوں کا ایک عجیب غریب طرز ہے اس لئے جب بھی کاروان عقل مجبورے حقیقت میں پہنچتا ہے، تو اسے کثرت سے وحدت کی طرف ہٹنا پڑتا ہے، اور جب تک منزل بہ منزل پوری مسافت طے نہیں کر لیتا، حقیقت تک پہنچ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ عقائد ہستی کے ہر گوشہ میں انسانی علم کی تاریخ ایک پوری داستان سیاحت ہے۔ درجہ بدرجہ اور منزل بہ منزل علم نے ترقی کی ہے اور اجتہاد نے سراغ پایا ہے۔ جس طرح انسان کو صورت انتہائی بات معلوم کرنے کے لئے کہ ایک ہزار شکل جاندار ایک ہزار مرتبہ میں ہیں، بے شمار زمانہ مطلوب تھا، اسی طرح وہ خود اپنے وجود کی نوعی وحدت اور اس کے مالک پر یشتہ کا علم و احساس ہی فوراً حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ ناگزیر تھا کہ ایک پوری مسافت منزل بہ منزل طے کی جائے، چنانچہ طے کی گئی، اور بالآخر وحدت انسانی کی منزل منہ ہونے لگی!

### انسان کی حیات انفرادی

یہ انسان کی نوعی زندگی کی سرگزشت تھی اب کچھ دیر کے لئے اس کی انفرادی زندگی پر ایک نظر ڈال دو۔ نوعی زندگی کے علم کے لئے تاریخ کے ادراک اٹھنے پڑے تھے، لیکن فرد کی زندگی کا صفحہ تو ہر وقت ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ یہاں بھی دیکھو، کس طرح احساس اجتماع کا فطری سلسلہ ارتقا درجہ بدرجہ نمود کرتا ہے اور منزل بہ منزل آگے لے جاتا ہے؟ جب ایک بچہ ماں کی گود میں آنکھیں کھولتا ہے تو اس کے ہوا اور کسی انسانی رشتے کا احساس نہیں لگتا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کا ادراک ابھرتا اور پھیلتا ہے، اور احساس کی وہ کڑیاں نمودار ہونے لگتی ہیں جو قرب سے بعد کی طرف اس کی رہنمائی کرتی ہیں۔ پہلے صرف ماں باپ ہی کے دامن سے لپکتا تھا، یہ "امومت" اور "ابوة" کی ابتدائی کڑیاں تھیں۔ پھر اس کے گھر کی چار دیواری اس کی دنیا ہو گئی۔ نظر طفولیت کی انسانی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی یہ "عالم" کی منزل تھی۔ پھر اس کی عمر کچھ زیادہ ہوئی تو اپنے گھرانے اور خاندان کے تمام رشتہ داروں کو بھی جاننے پہنچانے لگا اگرچہ وہ اس کے گھر کی چار دیواری میں نہ رہتے ہوں۔ یہ وہی منزل ہے جسے پہلے "قبیلہ" کے نام سے پچان چکے ہو۔ اس اثنا میں مسکن و مکان کا رشتہ بھی بوجہ قریبی ہونے کے دائرہ احساس دادراک میں آ جاتا ہے۔ پہلے اپنے ہمسایہ سے پھر اپنے محلے کے لوگوں سے پھر پوری بستی اور شہر سے مانوس ہو جاتا ہے۔ یہ وہی منزل ہے جو "بلقیہ" کے نام سے لوح کو پیش آچکی ہے۔

ان ابتدائی احساسات کے بعد وہ وقت آتا ہے جب طفولیت کا عہد ختم ہو جاتا ہے اور نوجوان اس حد تک نشوونما پاتی ہے کہ مشاہد کی طرح سارے سے بھی علم و احساس حاصل کرے، تو تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اس کی ذہنیت اسی سانچے میں ڈھلنا شروع ہو جاتی ہے جو انسان کی تمدنی زندگی نے پیدا کر لی ہے۔ لیکن اب بھی احساس اجتماع کی رفتار وہی رہتی ہے جو قرب سے بعد کی طرف ہوتی چاہیے۔ وہ اپنے دل میں پہلی کشش وطن کی طرف پاتا ہے۔ پھر قوم و جنس کا سرکھینچتا ہے، سب سے آخر میں انسانیت آتی ہے اور اس کے دل کے دروازہ پر دستک دینے لگتی ہے!

اگر ایک بچہ کو باقاعدہ تعلیم و تربیت کی ہوا نہ لگے، تو اس صورت میں بھی اسے ایسی ہی منزل پیش آئیں گی۔ البتہ بعض کڑیاں جو تہذیب و تمدن کے افکار و عقائد سے پیدا ہوئی ہیں اس کے سامنے نہ آئیں۔ وہ تمدنی طور پر پہلے اپنے مولود و مسکن کا رشتہ محسوس کرے گا۔ پھر اطراف و جوار کی طرف مچنے لگے گا۔ پھر اپنے ملک و اقلیم کا تصور کرے گا، اور سب سے آخر دنیا اپنے رشتہ انسانیت کے ساتھ نمودار کیگی!

### جامع الشواہد

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر قلام میں لائے ہوئی تھی جب وہ ریاضی میں نظر نہ پڑے۔ موصوف اس تحریر کا یہ تحاکر اسلامی احکام کی روش سے مسجد بن کر ان افراد کے لئے استعمال کیا جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رسداری نے کس طرح اپنی مبادیات کا یہی کاہنہ ہمارا اختیار کرنا واجب دلت تمام نعم انسانی پر کھل دیا ہے؟ سلسلہ میں جس قدر غور کیے گئے، مدبر اسلام یہی راہی کرتے دیکھ گئے تھے جو بہت جلد ظہور گئے اب مصنف کی نظر ان کے بعد مدبرانہ تیسری چیز ہو گئی۔ قیمت بار بار دئے (۱۲)

میر تقی میر

وحدت نمایاں ہوئی اور ابھی فقط وحدت نے نسلی دائرہ سے زیادہ وسیع و عام دائرہ اپنے گرد کیا۔ یہ دائرہ مختلف قبیلوں اور نسلوں کو باہم دگر و بڑھ کر مربوط کر دیتا ہے۔

"وطنیت" کے بعد جذبہ اجتماع کے لئے "جنسیت" کی منزل نمایاں ہوئی ہے۔ اس سے مقصود انسانی علاقہ کا ایک ایسا وسیع دائرہ ہے جو تمام کھلے دائروں کو اپنے اندر سیٹ لیتا ہے، اور ان کے بالاتر رشتہ اشتراک پیدا کرتا ہے۔ مزدوری نہیں کہ یہ رشتہ کسی خاص اصل پر مبنی ہے۔ کہیں وطنیت نے ایک زیادہ وسیع صورت اختیار کر لی ہے اور دوسری وطنیت کو بھی اپنے اندر جذب کر لیتی ہے کہیں ایسا ہوا ہے کہ کوئی بعد تاریخی نسل کا اشتراک فقط اتحاد دین گیا ہے اور جس قدر انسانی جامعیت اس سے وابستگی پیدا کر سکتی ہے، پیدا کر لیتی ہے۔ مختلف اقطار ارضی میں آباد ہوں۔ رنگ اور زبان بھی ایسے ہیں جو اشتراک کا کام دیتی ہے اور وہ تمام مختلف وطنیت اور نسلی جامعیت شامل ہو جاتی ہے جو رنگ میں یا زبان کے ابتدائی مواد میں اشتراک رکھتی ہوں جنسیت کا یہ دائرہ تمدن کی دست دہی ترقی اور علمی و سیاسی مقاصد کی کشش سے بہ تدبیر نمودار ہوا۔ مختلف وطنیتوں نے دیکھا کہ وہ وطنیت کے دائرہ سے بھی زیادہ وسیع دائرہ اتحاد اور ہمبستگی کا پیدا کر سکتی ہے جو مختلف وطنیتوں کو اپنے اندر سیٹ لے گا، اس لئے انھوں نے "جنسیت" کی طرف گام بڑھایا۔ آخر تک جنسیت دنیا کی مختلف نسلوں اور وطنیتوں کا مجموعہ ہے۔ فلسفہ جنسیت اس فرد کو اپنے میں شامل کر لیتی ہے جو چند خاص اجتماعی و عیشی عقائد و اعمال سے محروم رہے۔ ان تمام قوموں کو منسلک کرتی ہے جو لاطینی ملت کی مختلف شاخوں سے منسوب ہیں۔ سینہ، سر، زرد، اور گندی رنگت کی بھی تقسیم پیدا ہو گئی، اور جنس کا کام دینے لگی۔

بہر حال احساس اجتماع کا یہ ایک ایسا دائرہ ہے جو تمام کھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہے اور انسانی نوع کی بڑی بڑی تعداد اس میں مل آتی ہے۔

جنسیت کے بعد اس سے بھی زیادہ وسیع دائرہ اس رشتہ کا پیدا ہو جاتا ہے جو جغرافیہ کی بڑی بڑی تقسیموں سے پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً ایشیا، افریقہ، مشرق، مغرب، اس دائرہ میں جو چھوٹا انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کے باہمی علاقہ کی دنیا وطن و جنس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ ایشیا کا باشندہ تمام ایشیا کو اپنا وطن سمجھنے لگتا ہے، اور یوں ب کا باشندہ تمام یورپ پر پڑنے والے جذبہ وطنیت محسوس کرتا ہے۔ جغرافیہ کی تقسیم پر چھوٹا انسانی دست کی تمام کڑیاں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ منزل سامنے آ جاتا ہے جو حقیقت کے عہد و اطلاقات کی آخری منزل ہے اور جہاں پہنچ کر سلسلہ ارتقا درجہ بلوغ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ منزل "انسانیت" اور "ارضیت" کی منزل ہے۔ یہاں پہنچ کر انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ ستوں و علاقوں کی تمام حدیں اور انسانی نسبتیں جو اسے بنا رکھی تھیں، ان میں سے کوئی حقیقی و فطری نہیں ہے۔ حقیقی رشتہ صرف ایک ہی ہوا اور وہ یہ ہے کہ تمام کرہ ارضی انسان کا وطن ہے، تمام نسل انسانی ایک ہی گھرانے کے افراد ہیں اور ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر انسان کے اجتماعی علاقہ کا سفر ختم ہو جاتا ہے اور وحدہ نسلی، وحدہ مکانی اور وحدت جنسی کی جگہ فاطر السادات والا ارض کی بنائی ہوئی ایک ہی وحدہ انسانی اپنی کامل اور بے پردہ صورت میں آشکارا ہو جاتی ہے!

انسانی علم و معرفت کے سفر میں یہ منزل وحدت اور کل کی منزل ہے، اس کا ہر سفر فرد و فرد سے شروع ہوتا ہے، اور کل اور نوع کی وحدہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں یقین اور یقینیت کے تمام پہلوئے اٹھ جاتے ہیں، اصناف اور نسبت کی تمام تنگ نظریاں اور حد بندیوں دور ہو جاتی ہیں، اور عارف منزل شناس دیکھ لیتا ہے کہ اس کا نسبت کثرت میں حقیقت بجز وحدہ کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہر گوشہ میں پہلے کثرت ہے، افراد ہیں، اجزاء ہیں، لیکن اگر جستجوئے حقیقت کا قدم رکھے نہیں تو بالآخر وحدہ، نوع اور کل کے ہوا کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ نسل، وطن، قوم، جنس، سفید سیاہ، افریقی، ایشیائی، بہت سے اسرار گردہ لئے گئے تھے، حالانکہ سبھی ایک سے زیادہ نہ تھا اور وہ صرف "انسان" ہی ہے!

عبادتنا شتی و حنک واحد

دکل الی ذاک الجمالیشیر!

وحدت سے کثرت کی طرف

تم نے فطرت انسانی کو اس کی طفولیت کے گمراہ میں بھیجا ہے، یہ وہی انسان ہے جس کی دست نظر و احاطہ کے لئے آج کرہ ارضی کا پورا دار و کربھی کافی نہیں ہے۔ وہ انسان کی طرف دیکھ رہا ہے کہ نظام کسی کے دوسرے ستاروں سے اپنا رشتہ وجود پر لے، لیکن اس وقت کیا حال تھا؟ اس وقت اس کے دماغ و احساس کی خلقت و مجموعیت کا یہ حال تھا کہ خدا اپنے وجود کی دست و ذمیت کی بھی خبر نہیں لیتا تھا۔ وہ اس طرح ابھرتا تھا کہ اس کی زندگی بڑھتا گیا تھا اگر ایک نوع کی جگہ مختلف انواع کے افراد ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے علم و ادراک کی بنڈا نکھیں کھلنے لگیں۔ وہ سونے لگا کہ اپنے انفرادی وجود میں تنہا نہیں ہے۔ ایک ایسے مجموعہ کا فرد ہے جس کا ہر فرد اپنی طرح انسان ہے۔ لیکن چونکہ علم و احساس کی یہ رفتار قرب سے بعد کی طرف تھی، اس لیے جو سب سے پہلے رشتہ نمایاں ہو جاتا ہے وہ رشتہ قریب تھا، اور سب سے آخر میں رشتہ کا سرا بھر جاتا ہے





ظلم ترقی کرے گا ان عناصر کے شمار میں تصنیف ہوتی جائے گی۔  
ہر ممکن ہو ایک زمانہ لے جب ہم دعویٰ سے کہہ سکیں کہ صرف  
ایک ہیٹرو دین ہی تمام عناصر و کائنات کی اصل ہے۔ سب کچھ  
اُسی سے نمودار ہو رہا ہے۔  
میں "خدا باطن" اگر کائنات، ہیٹرو دین سے بنی ہو تو بتاؤ کہ  
کی وہ معجزہ پردادی کیونکر ہو سکتی ہے؟  
ظاہر ہے وہ خود تو اُن سے پیدا نہیں ہو سکتی۔  
وہ "سب سے پہلی مری پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ نمودار ہوئی تھی۔"  
میں "کبر" کیونکر نمودار ہوئی؟  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"

میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"  
میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"  
میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"  
میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"  
میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"

میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"  
میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"  
میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"  
میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"  
میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"

میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"  
میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"  
میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"  
میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"  
میں "تو تم اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔"  
وہ "میں نہیں ہو سکتی۔"

وجود موجود ہو گئے؟  
وہ "موضوع نہایت دقیق ہے۔ میری ناقص عقل اس کے فہم کی طاقت  
نہیں رکھتی۔"  
میں "میرا سوال یہ ہے کہ ان عجیب خاص کا اٹھایا ہیٹرو دین  
کونسا جس سے تمام کائنات رونما ہوئی اور جس سے مادہ حیات اُچھل  
کر برآمد ہوا، ممکن ہے کہ بغیر کسی ذہانت اور عقلی قوت کے جوہر کے  
موجود ہو گیا ہو؟ اگر ہیٹرو دین میں عقل و ادراک نہیں تو تم جو اس  
سے بنے ہو، کیونکر مائل اور صاحب ادراک ہو؟  
وہ "میں آج فریڈ گفٹاؤینس کر سکتا۔ شب بیزا۔"

تیسری مجلس  
میں ایک رسالہ اٹھا کر دیکھ لگا۔ اتفاق سے اس میں یہ تصدیق  
تھا کہ ایک شہزادے نے اپنی محبوبہ کو ایک اپنی اٹھانے بھیجا۔  
اُسے دیکھ کر سخت برہم ہوئی اور اُسے زور سے زمین پر سے اُٹھا  
اُٹھا لٹ گیا، اُس کے اندر سفیدی چاندی کی تھی، زردی سونے کی  
زردی کی ڈلی کے اندر چٹا سا طلائی تلخ اور الماس کی انگوٹھی  
رکھی تھی۔ یہ تصدیق کر کے خیال ہوا کہ شہزادہ کا بھیجا ہوا یہ اٹھا  
عظیم اٹھ کے مقابلہ میں بیچ ہو جس کے اندر سوچ، چاند، ستارے  
ثرا، زمین، عالم نباتات و حیوان اور دنیا بھر کی عقل و حکمت بھری  
ہوئی ہو۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میرا بھائی آگیا اور کہنے لگا،  
"کس سوچ میں ہو؟"  
میں "کیا تم بتا سکتے ہو کہ دنیا میں کوئی دیا بھی ایسا ہو جس کی  
سرشت سے یہ نمودار ہو؟"  
وہ "بالکل معمولی سوال ہے۔ نہیں۔"

میں "کیا اثرات، بغیر مشرقات کے موجود ہو سکتے ہیں؟"  
وہ "ہر اثر کے لئے موثر سبب کا وجود ضروری ہے۔ لیکن بواؤ  
اسباب کی بحث نہایت پیچیدہ ہے۔ شاید آپ ڈیوڈ ہوم کے اس  
قول سے متفق نہیں کہ سبب اور سبب کے مابین وہی تعلق ہو جتنا  
اور دن کے درمیان؟  
میں "ہاں میری رائے نہیں۔ رات، دن کے بعد ضرور آتی ہے  
لیکن دونوں میں کوئی سببی ملاوٹ نہیں ہے۔ خیر، آؤ، ہم اُس عجیب  
طلسی اٹھ سے پروردہ کر۔" "خیر کیا ہو؟ کہاں سے آیا؟ کیسے  
آیا؟ کب آیا؟ کیا تم "نوجو" کی تعریف بیان کر سکتے ہو؟"  
وہ "نوجو کی تعریف آسان نہیں، بقول ایک حکیم کے "آسان کے  
بچے جلد اور بچہ کی تعلیمات و قوانین سے آگاہ ہو۔" بقول ایک دوسرے  
حکیم کے "نیچر کی توفیق پر نظر کرو۔ ذرے باہم وابستہ ہیں، جذبہ  
کرتے ہیں اور جذب ہوتے ہیں۔ نیچر کا قرب تمہیں اُس کے دل سے  
شاد کام کرے گا۔"

میں "تم کہہ چکے ہو کہ نیچر سے پہلا اٹھا لیا گیا اور اُسے تخلیق  
الاستیال زندہ ہر حال مرکبات بنانے کی قوت بخشی، میں بغیر وضو  
حاصل کے نیچر کی یہ قابلیت تسلیم نہیں کر سکتا۔ آخر بتاؤ تو نیچر کی کیا  
بلایا فرشتہ ہو؟ بھوت ہو؟ کیا نیچر سلف کلاؤ (فرنی گلابی رنگ  
کا بوڑھا جو کس میں اچھے بچوں کے لئے تحفے لاکر غائب ہو جاتا ہے)  
ہے، رات کو چپ چاپ آتا اور صبح ہوتے ہی غائب ہو جاتا ہے؟  
وہ "براہ غایت غلط خیال ہے۔"  
میں "تم کہتے ہو نیچر چیز کی ماں ہے اور اُس کی اولاد سندھ کے  
کناروں پر پھیلی ہوئی رنگ کے ڈنڈوں سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن پھر  
بھی تم میری اس سے تعریف نہیں کرتے۔"  
وہ "نیچر پر تم کی تعریف و تہنیت سے برتر ہے۔ اُس کے دہن  
میں زمین آسان دونوں بچوں کی طرح لگے ہیں۔"  
میں "تمہارے خیال میں نیچر ایک آن نیچر قوت نہیں ہے جو کہ  
مخصوص ذرات سے الگ ہو کر کارفرما کرتی ہو؟"  
وہ "ہرگز نہیں حکیم سلف بل کہتا ہے "نیچر جو کہ مالِ حیرت"

نام نہیں ہے بلکہ صرف اُس چیز کا نام ہے جو انسان کی قوت و ذہن  
کے بغیر واقع ہوتی ہے۔" وہ نیچر ہی کہتے ہیں آسان، زمین، پہاڑ  
پتی، گھٹیاں اور سندھ کی گھٹیاں بخشی ہیں۔"  
میں "لیکن تم کہہ چکے ہو کہ ہر چیز اولین ہیٹرو دین اٹھ سے  
ہوئی ہے۔ اور اس طلسی اٹھ سے اپنی قوت نیچر سے حاصل کی ہے  
پس اب بتاؤ اس اٹھ سے اور نیچر میں کیا فرق ہے؟"  
وہ "دونوں کا تجزیہ و فصل بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ ایک  
دوسرے کا سبب نہیں ہے۔"

میں "خیر ہم فرض کر لیتے ہیں کہ شروع میں ہیٹرو دین اٹھا موجود  
تھا اور اُس سے تمام کائنات وجود میں آئی، لیکن کیا تم یہ نہیں  
تسلیم کر سکتے کہ اس اٹھ کے لئے بھی کوئی خالق ہونا چاہئے اور  
اُسی خالق کو اُس کا نگراں اور مرنی ہونا چاہئے؟ کائنات کا یہ  
اور تعارض انہی دہائی خدا ہی کی قدرت کا ایک کرشمہ ہونا چاہئے؟  
وہ "میں یہ تسلیم نہیں کرتا۔"  
میں "پھر خدا کی جگہ پر کسے رکھتے ہو؟ اگر اٹھا خدا موجود تھا تو  
اُس کے لئے کسی مائل ہستی کا وجود ضروری ہے۔ اگر اٹھا خود خود  
موجود ہوا اور خود اُس نے اپنے آپ کو بنایا ہو اور خود ہی اپنا  
مرئی دماغ تھا تو بس وہی وہ ہستی ہے جسے ہم خدا کے نام سے یاد  
کرتے ہیں لیکن اگر اُس اٹھ سے میں اپنے سبب لے اور حرکت کرنے  
کی ذاتی قوت نہیں تو ضرور کوئی اُس سے بھی بڑی قوت ہوگی جسے  
اُسے حرکت دی اور اُس میں جسے منی تعریف کیا۔"

اپنے اسے خود کرنے کی ہمت نہ تھی،  
جو تھی مجلس و مجلس  
دوسرے دن آنے کے ساتھ ہی کہنے لگا،  
"جس چیز کو تم خدا کہتے ہو وہ محض غلط ہے جو کائنات میں  
جاری و جاری ہے۔ سٹارٹ کل کہتا ہے: "استثنا تمام ظہور  
اُل قوانین کے تحت ہیں جن کی ماہ میں کوئی طبیعی یا غیر طبیعی  
مائل نہیں ہو سکتی۔"

میں "بل نے واقعی، علم منطق میں نہیں کتابیں تصنیف کی ہیں،  
کیا اچھا ہوتا اگر فلسفہ پر گفتگو کرنے دت بھی وہ منطق ہی کی پوری  
کرتا، مگر انہوں نے اس بحث میں اگر وہ اپنی ساری منطق بھیل جاتا  
ہو۔ وہ کہتا ہے "تمام ظہور یعنی مادوں کی حرکت، آؤ کی پیدا  
کرکٹ کا کھیل۔ شراب کا لٹھ" اگر معاملہ کو صرف مادوں ہی تک  
محدود رکھتا تو شاید ہم مخالفت میں زبان نہ کھول سکتے، مگر لٹھ  
آؤ، کرکٹ کے ذکر پر اگر ہم اُسے خاموش کر سکتے ہیں، ساڈ  
نوجو کہہ سکتا ہے کہ ان امد کا کسی دوسری قوت سے کوئی تعلق  
نہیں، لیکن مقلد جانتا ہے کہ اُل قوانین کے اندر کوئی حقیقی قوت  
موجود ہے جس کی اور تعویذ کی طرف آؤی کو لے جاتی ہے۔ خود کہنے  
بھی اپنی منطقی کتاب میں تصریح کی ہے کہ اُل قوانین کے اندر کائنات  
قوت غنی ہے۔ یہ قوت اگرچہ حکومت نہیں کرتی مگر موجود ضرور ہے  
پس اب بتاؤ "نیچر" سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ "نیچر" اور نیچر  
کے قوانین میں کیا فرق ہے؟ میں کہتا ہوں امد اٹھل وغیرہ کی کتابیں  
پڑھتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ خواہیں اعضا، بجلی، کیمیا،  
نباتات، حیوانات، وغیرہ مباحث پر بڑے سلیقے سے گفتگو کرتے  
ہیں، لیکن جہاں فلسفہ میں اُن کے حواس کم ہو گئے، محض معمولی  
سطح کے آدمیوں کی طرح گفتگو کرنے لگتے ہیں۔۔۔ اُن کی تمام تر  
ذہانت اس پر صرت ہوتی ہے کہ "خدا" "معجزہ" اور "خلق" کے  
اظہار و بحث شروع کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ یہ ہر دھمکتے ہیں  
کہ ان الفاظ کو دوسرے الفاظ "نیچر" "ظہور" "توازن" "توازن"  
سے بدل دیتے ہیں۔ میں "نیچر" اور "توازن" دونوں کی ملحدہ طرز تعریف  
جانتا چاہتا ہوں۔ تم کہتے ہو قانون، قوت، فعل اور یعنی زبردست  
حرکت۔ لیکن اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔ یہ محض غرضی

میں ”ہمارے ملک کی تمام تجارت، مال، کے ذریعہ چل رہی ہو لیکن ظاہر ہے خود مال اپنے ارادہ سے تجارت نہیں چلا رہا ہو۔ مال، قادر یا عاجز قوت نہیں ہو۔ تمام سلطنت قانون سے چل رہی ہو، مگر خود قانون حکمران نہیں ہو، بلکہ راج اور مٹریٹ قانون کے بموجب چل کرتے ہیں، کہا جاتا ہے خیر میں کچھ قدیم موروثی قوی ہیں اور قداردن کے بقول وہی فعال و متحرک قانونی قوت ہے جو نظام عالم میں جاری مابین ہے۔ بہت بہتر مگر آپ کچھ بہت دُر کی کوڑی نہیں لائے، زیادہ سے زیادہ آپ یہ کر سکتے کہ ”خدا“ کے لفظ کی جگہ دو لفظ: ”تجبر اور قانون“ رکھ دیے۔ یعنی داد و اندھے، بہرے، گونگے وجود۔ تو تو ان یونانیوں سے بھی بدتر ہو چکا ایک نامعلوم دیوتا کی پرستش کرتے آتھے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ وجود میں کوئی ایک قوت یا فعال ہستی موجود ہو۔ یا یہ کہ ہیڈلہ یعنی اندھے میں حیات پائی گئی۔ لیکن اس بارے میں کچھ نہیں جانتے کہ آخر یہ انداز بتا کیسے؟ کیونکہ محض وہاں کہ جس طرح ایسے عجیب و غریب بھروسہ کا جو اختلائی عقل و ذہانت پر دلایا گیا ہے جو ہم دوجا بنو بیٹ خدا کی جگہ ایک غیر موجود کو بٹھاتے ہو حالانکہ ساتھ ہی ایک فعال قوت کے وجود کو بھی لٹھتے ہو اور یہ کہ ذات، ازلی ابدی قوی سے دُعا جمنے ہیں۔ اب براہ عنایت مجھے بتا دو کہ اس ہیڈلہ یعنی اندھے کا جدا کس سے لگا؟ کیونکہ لگا و کب لگا؟ کون اُس کے بچے اپنے پیٹ کے بچے رکھ کر سینے بیٹھا؟ کس نے بچہ پیدا کر لیا؟ تھیں ”خدا“ پس نہیں ”قانون“ اور ”تجبر“ کے لفظوں پر فرقیہ ہو گئے ہو بہت بہتر یہ ذلتہ مبارک ہوا دراصل پھول لائے، لیکن تم یہ بتانے پر راضی نہیں کہ آخر ”میاں قانون“ نے ”بی خیر“ سے کیونکر شادی کی اور بچے کیسے جنے؟ انسان فی قلوب میں کوئی حکمران قوت ضرور موجود ہو لیکن ہر ریٹ اسپنسر کہتا ہے ”ہم اس قوت کو ہرگز نہیں جان سکتے“ میں تم سے اس معاملہ میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ عقل و وحی کی حقیقت کھنے سے قاصر ہو، مثلاً پتھر سے بھی کہتا ہے کہ ”تجبر ایک نامعلوم قوت کا مظہر ہو اور یہ کہ انسان اس قوت کے عہدے سے قطعاً جاہل ہے لیکن اسپنسر کیونکر سمجھ سکے کہ قانون قدرت کے بچے ایک قوت مروجہ ہو؟ نیز مٹر ڈنٹل نے اس خیال کی کس بنیاد پر تائید کی اور کیوں یقین قائم کیا کہ ہم سب اہل عالم کسی طرح بھی حاصل نہیں کر سکتے؟ ابن اقبال کی روشنی میں تم دیکھ سکتے ہو لاء نہیں اور اہل مذاہب میں لفظ عقلی جھگڑا ہو۔ اہل مذاہب جس چیز کو ”خدا“ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اپنے اُسی چیز کو لاء مذاہب، ”تجبر“ کے اُفق قوت بتاتے ہیں، دونوں گروہ اس قوت کو فعال اور ازلی ابدی قرار دیتے ہیں، سارا جھگڑا اثر لفظ ”خدا“ میں ہے۔“

وہ ”لیکن فلاسفہ تمھارے خدا کا مذاق اڑاتے ہیں کیونکہ تم نے اسے ایک خاص شخصیت، اخلاق، اور عقلی و ذہنی اوصاف کا مالک بنا رکھا ہے۔“

میں ”لیکن تم بھی تو تسلیم کرتے ہو کہ اگر وہ قانون خلقت قوت معدوم ہو جائے تو کائنات میں کوئی چیز بھی رو نہ مانتیں ہو سکتی۔ پس تسلیم کرتے ہو بھی میرے اس ایمان میں خیر کیک ہو جائے ہو کہ ایک فعال قوت موجود ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا یہ قوت کوئی ایسا اثر ظاہر کر سکتی ہے جو اُس کے اندر ذاتی طور پر موجود نہیں؟ زیادہ صاف لفظوں میں یوں سمجھو کہ اگر وہ قوت خود عاقل و مدبر نہ ہو نہیں سکتی تو اُس نے تمھیں کیونکہ عاقل و مدبر نہ بنا دیا؟ تمھارے اندر یہ ذہانت و عقل کس سرچشمہ سے آئی؟“

وہ ”مجھے اپنے آباؤ اجداد بت دیتے ہیں، بل کہ وہ میں ”دُستِ ادا“ یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ تمھارے ایک جدِ امجد حضرت بنو ہاشمی ہیں۔“

اس جملہ پر وہ غصہ ہو گیا۔ میں مغفرت کر کے آگے بڑھا،  
 • استفسار عزیز و فلاسفہ تسلیم کرتے ہیں کہ نیچر کے بڑے ایک اصول  
 قوت موجود ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی سوجھا  
 کرتے ہیں۔ ذرات و جزئیات کا ذکر کرتے ہیں، ان کا حجم و وزن بتاتے  
 ہیں اور انھیں جمع کرنے والی قوت کا بیان کرتے ہیں۔ یہ ب کچھ  
 کرتے ہیں مگر جب میں پوچھتا ہوں یہ ذرات و جزئیات کیا چیز ہیں؟  
 تو کوئی جواب نہیں دیتے۔ مثلاً کہتے ہیں "۶۴ عنصر موجود ہیں اور یہ  
 سب ہر ذرہ جو مٹی کی مختلف شکلیں ہیں" بہتر۔ لیکن خود ہر ذرہ جو مٹی  
 کیلچر؟ کہاں سے آئی؟ کیونکر آئی؟ جواب نہادو۔ اصل یہ ہے  
 فلاسفہ کا گروہ ظلم اور دین دونوں سے بے بہرہ ہو۔ قانون کش  
 کو بیسے شد و مد سے بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں اسی قانون کے  
 بموجب میب زمین پر گرنا ہو۔ سوچ، زمین کو اپنی طرف کھینچتا  
 ہے اور زمین، سوچ کو۔ آتا ہوں مگر خود کشش، جذب، جاذبیت  
 کیا چیز ہو؟ کوئی جواب نہیں ملتا۔ "استفسار کا ذکر کرتے ہیں جو ہوا  
 سے کیس زیادہ لطیف ہو۔ اور کہتے ہیں "روشنی اسی، اتھیر کے  
 اتھیر ذرات کا نقاش کا نتیجہ ہو" بہت خوب۔ مگر خود "استفسار کیا ہو؟  
 خاموشی! آخر مجبور ہو کر لایٹ تک کہ اعتراض کر لینا پڑا کہ "ہمیں یقین  
 ہے ہم اشیاور کی ماہیت و حقیقت نہیں جانتے۔ لیکن باس یہ یہ بھی  
 اتھین ہو کر اشیاور کا سلسلہ معقول ہو۔  
 اس پر گفتگو ختم ہو گئی۔  
 پانچویں مجلس  
 دوسرے دن پھر میں نے کہا،  
 "ایسا ہے کہ اگرچہ ذرہ سے لیکر سکے زیادہ تر قی یا اتھیر ذرات  
 حتیٰ کہ انسان تک کی پوری زنجیر میں کوئی کڑی الگ نہیں ہو؟"  
 وہ "ہرگز نہیں۔ اگرچہ ہر ذرہ و ایٹم کتاب ہو کہ نیچر میں متعدد ایسے  
 ذرات اور بکثرت ایسے حالات پائے گئے ہیں جن میں خارجی موثرات  
 نے مداخلت کی ہو لیکن ڈارون نے اس قول سے اختلاف کیا ہو؟  
 اہل اللہ کوئی لئے اگرچہ قابل احترام ہو لیکن محض ایک بے دلیل ہو گیا  
 ہے۔"  
 میں "ولس یہ بھی تو کہتا ہو کہ" انسان میں موسیقی، ریاضی، ذہن،  
 اور رقت کے اوصاف اسے ہرگز اپنے اسلاف حیوانات سے ورثہ  
 میں نہیں ملے ہیں۔"  
 وہ "یہ دعویٰ ہے مگر دلیل؟"  
 میں "نیز وہ کہتا ہو: انسان میں جو ایک خاص قابلیت ہو وہ  
 اس کے اندر ایک خاص روح یا طبیعت کا پتہ دیتی ہو۔"  
 وہ "لیکن یہ بھی کوئی دلیل نہیں۔"  
 میں "اگر ہم اس علامہ کے قول سے متفق نہیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا  
 کہ نیچر ایک ایسی بڑبڑاتی ہے، اس کے پیٹ میں مودہ اندکی شکر  
 کے ذرات بھرے پئے تھے جو تیار کی میر بعض اتفاقات سے بڑھے  
 اور پکے حالانکہ اس فیلرین کا نظریہ یہ ہو کہ "عالم مادہ میں ایک  
 دوسرا عالم روح بھی ہو جو ذرات کی ابد کرتا اور ان میں قوت و  
 حرکت پیدا کرتا ہو۔"  
 وہ "لیکن یہ بھی دلیل نہیں۔"  
 میں "تم قائل ہو کہ بسا اظہر (غیر راکب) یا جزئیات یا ذرات اولین  
 مادہ ہیں۔ یہی سب سے پہلے ہوئے اور تمام کائنات ابھی سے مٹی  
 نیز تم یہ بھی مانتے ہو کہ یہ بسا اظہر یا ذرات اپنی حرکت اور تشدد و  
 کے لئے ایک اور قوت کے محتاج تھے۔ لیکن جب میں تم سے اپنی  
 قوت کی حقیقت دریافت کرتا ہوں تو تم سے کوئی جواب نہیں  
 پڑتا۔ اس بلے میں زیادہ سے زیادہ تمہاری پروا نہ ہو سکتی ہو  
 گزشتہ گزشتہ دواہر دیکھ کر اس وقت کے متعلق کچھ شریعی ملنے والی  
 کرد۔ لیکن مٹر و ایٹم کا نظریہ یہ ہو کہ غیر معنوی مواد سے  
 خورشیات ہو کر کیا، اسی خم سے نباتات کا ظہور ہوا، نباتات سے

حساس حیوان پیدا ہوا اور احساس حیوانیت سے مائل ذہن حیوان یا انسان ظاہر ہوا۔ یہ عقیدہ کتا ہے۔ یہ تمام اعداد ایک عجیب دانا کی اور مکمل نظام پر مبنی رکھتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ ایک عالم روحانی ضرور موجود ہے جس کی ہم گیری کے سامنے عالم انسانی دوسرے درجہ کی چیز ہے۔

وہ "یہ تو اس علامہ کا قول ہے جو عالم روح کے وجود کا ثبوت ہے" میں "قطعی شوق پیش کرنا تو بہت مشکل ہے۔ لیکن میں تمام نظریوں کو سامنے رکھ کر اس نظریہ کا بہر حال قبول کرنا چاہتا ہوں جو عقل سے زیادہ قریب ہو۔ جذب، انصال، کشش، نفی، طبعی قوت کہاں سے آئی؟ غرض ارفع ازہیں کوئی نہیں دیتا۔ تجربہ کا قانون جو کہ سب کچھ ان پر اثر کر رہا ہے بلکہ ہمیشہ لوٹ کر زمین ہی پر گر رہا ہے۔ لیکن کل ہر چیز کی راہ میں سب راہ ہوگی۔ اُس کے لئے ہر چیز کی راہ میں سب راہ ہوگی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور حقیقی قوت بھی ضرور موجود ہے۔

وہ "اگر تم اُس عالم روح کا مجھے یقین دلادو تو از حد ممنون رہتا ہوں۔ محبت کل کے لئے ملتی ہوگی۔"

چھٹی مجلس

میں: "ماتے ہو کہ ابتداء آفرینش سے بہت ترین اقوام تک میں بھی مذہب موجود تھا؟"

وہ: "ہاں"

میں: "تو انسان میں مذہب کا خیال اُسی طرح جنی ہو جس طرح چڑیوں میں اپنا گھونسلہ بنانے کا اور شہد کی مکھی میں چھتا ہار کرنے کا؟"

وہ: "ہاں"

میں: "مذہب کا یہ خیال انسان کی فطرت میں کیسے پیدا ہوا؟"

وہ: "ترقی دار ارتقاء کے ذریعہ"

میں: "یعنی جس طرح حیثیت جنگلی سب سے، ہمارے جنگلی اُدام سے ترقی کر کے ظاہر ہوا ہے اُسی طرح انسان نے بندہ کے درجے سے ترقی کی ہے؟"

وہ: "ہاں، علماء و فلاسفہ کا ہی خیال ہے"

میں: "تو بندہ میں بھی، اگر جس سے انسان نے ترقی کی ہے، ضرور ناقص اخلاقی شہد یعنی غیر موجود ہوگا؟ ضرور وہی حیوانات میں اس قسم کا کچھ نہ کچھ شعور موجود ہو، ورنہ اُن کی ترقی یا نہ موت انسان میں ہرگز نہ پایا جاتا۔۔۔ اگر یہ صحیح ہے تو انسان کی اخلاقی ذہنیت نے اسی بندہ سے تدریج ترقی کی ہوگی اور وہ آہستہ آہستہ مذہب، عقائد وغیرہ پر غور کرنے لگا ہوگا پھر مثلاً اُسے تو رات بنائی، اُسے انجیل لکھی، قرآن مرتب کیا، اور دنیا میں مذہب پھیل گیا؟"

وہ: "بیشک"

میں: "تو اب ہیں بندہ سے آکر کرسان پکچر، پھلی اور چڑیل کی بابت بھی یہی کہنا چاہئے کہ ان میں بھی یہ دینی شعور موجود تھا، پھر ادینے آکر کرکٹر دیکھنا چاہئے جو اُن کی حیات کا ابتدائی حربہ ہے۔ پھر چونکہ کچھ نئے نئے ذمات و درجات سے مرکب ہو اس لئے ان ذمات میں بھی اس شعور کو تسلیم کرنا چاہئے۔ پھر اوجیزوں نے اپنے آکر کرکٹر روہین کو اُسی اندے کے سامنے دست بستہ کرا ہونا چاہئے جو تمام کائنات کی اصل الاصل ہو اور بعد ازاں ان لینا چاہئے کہ اس اندے میں بھی یہ شعور موجود تھا۔ واقعی یہ عجیب آئینہ تمام تجربوں کا باپ ہے۔"

وہ غصا ہو گیا کیونکہ میں نے مغیرہ کا مفظہ استعمال کیا تھا، کفہ لگا،

عجیب کفہ گرہاء منایت مجوزہ لکھے۔





کتاب نگاہ

طرکی کامیڈی

۱۹۵۷ء کے میزبانہ (ہجرت) کی تحقیقات ختم ہو گئی۔ اعداد و شمار کو معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی آمدنی ۴۵،۵۵۸،۸۰۴،۱۹ ترکی پونڈ چار خرچ ۴۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ترکی پونڈ ہے۔ یعنی آمدنی خرچ سے کسی تصدیقاً ۱۹۰،۰۰۰،۰۰۰ ترکی پونڈ ہے۔

کیشی کی ریورٹ سے واضح ہوا کہ کبھی بحری فوج کبندہ (یعنی فوجی پولیس) اور چند دوسرے حکمران کے علاوہ حکومت کے پاس ۸۰،۷۰۰ چھوٹے بڑے ہتھیار دار اور ۷،۰۰۰ سمیٹا نامن اند خدمت گار ہیں۔

ذیل کے نقشہ سے موجودہ سال کے مصارف کی اہم ترین معلومات  
ہوں گی:

۳۳۱۱۳۳	توی پاریس
۳۱۱۳۳۳	صد جبر
۳۳۳۳۳۳	محکم حسابات
۳۳۳۳۳۳	محکم مشورت
۱۶۱۹۹۲۳۰	صد معاملات مذہبی کا علم
۲۱۹۳۸۱۸۱۱	ذرات ال
۹۸۱۴۳۱۴۰۹	عام ترغی
۵۸۱۴۲۱۴۴۳	ذرات داخلیہ
۵۳۱۴۱۴۵۶۸	لگاں اور تار
۵۹۱۵۵۰۶۳۳	امن عام
۵۱۰۹۵۰۲۹۲	جندہ
۲۵۱۴۵۰۸۵۹	ہاجرین کی آبادی
۳۲۱۱۳۰۰۹۶	ذرات خارجیہ
۳۱۹۳۰۰۶۸	طبیرویات
۳۲۱۰۲۱۸۸۰	محکمہ حفظان صحت
۵۱۰۹۵۰۱۴۵۶	محکمہ عدالت
۶۱۰۵۸۰۹۳۰	ذرات تعلیم
۲۱۵۴۰۲۳۱۰۳۳	پبلک ورکس
۱۰۰۵۱۶۱۱	ذرات تجارت
۳۱۲۳۱۶۲۳	بندہ گاہوں کا محکمہ
۲۴۱۲۴۰۱۲۹۸	ذرات زراعت
۵۱۸۰۰۹۶۰۱۱۳۴	ذرات جنگ
۵۱۰۹۰۰۳۵۴	جنگی ضروریات
۴۱۳۵۴۰۶۴	محکمہ نقشہ کشی
۵۶۱۲۴۱۸۰	ذرات بحر

محکمہ قانون و عدالت

بحث پر بحث کے سلسلہ میں حکومت کے مختلف شعبہ کی کارگزاریوں پر بھی پارلیمنٹ میں دلچسپ تبصرے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ عمود اسعد بک نے محکمہ مواصلات کے متعلق حریفانہ تقریرات کیں۔

”عالمات کی وزارت پوری کوشش کر رہی ہو کہ اپنے مسک داروں کو خوش حال بنائے تاکہ وہ دیانت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ چنانچہ عدالت عالیہ کے ججوں کی تنخواہ پہلے ۱۹ لاکھ تھی اب ۲۰۰ لاکھ (ترکی) کا ہوا کر دی گئی ہو۔ اسی طرح تمام مسک داروں کی تنخواہ میں ۹۵ فی صدی کا اضافہ کر دیا گیا ہو۔ اس وقت پورے ملک میں سات سو سے زیادہ چھوٹی بڑی عدالتیں موجود ہیں، وزارت نے پوری کوشش کی ہو کہ اس کے تمام ملازم، عداres کے بقا معالیم یافتہ ہوں۔ چنانچہ خاص اس مقصد سے آئے بکثرت تعلیم کا ہیں جاری کی ہیں، وزارت کی مستعدی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہو کہ اس قلیل مدت میں اس کے ۸۰ فیصدی ملازم باصلاحیت بن چکے ہیں، انکو کے مدرسہ قانونی (لاکالہ) میں جو صرف سال پہلے جاری تھا، اس وقت ۲۰۰ طالب علم موجود ہیں۔ سال بعد

جتنے میں تنہا شامل ہو جا اچاہتا ہو گر اپنے قریبی پڑوسی، ٹرکی، ہکا کوئی خیال نہیں کرتا»

اس کے جواب میں بمباری اخبار کا یہ طبع بہت معنی خیز ہے،  
 وہ محدود کہ بمباریہ کو الزام دیتے ہیں مگر حقیقت بالکل بھوکھ جاتی  
 ہیں کہ بمباریہ نے اب تک کوئی عملی کارروائی نہیں کی ہے۔ بلاشبہ  
 بمباری اتحاد کی بحث، پیش ہو، لیکن اسے بمباریہ نے پیش نہیں کیا  
 ہے، بمباریہ اس وقت اپنی داخلی مشکلات میں اس درجہ منہمک ہے  
 کہ ہرگز اس قسم کے کسی اتحاد کا خیال نہیں کر سکتا۔ اٹلی سے بمباریہ کے  
 تعلقات دوستانہ ہیں اور ان کی بنیاد بمباریہ کے امن و سلامتی پر  
 ہے۔ پھر ترکی جمہوریہ اور اس کے محرم صدر سے بھی ہمارے اخلاص  
 میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ ہم ترکی کے موجودہ انقلاب کی پوری  
 غرت کرتے اور اس کے حیرت انگیز نتائج سے ہرگز چشم پوشی نہیں  
 کر سکتے۔"

بہر حال مسئلہ ۱۹ء کی طرح اس وقت بھی بمقام کی گنتی بہت زیادہ  
الٹھی ہوئی ہے۔ مستقبل کے متعلق سُر دست پشین گوئی کرنا مشکل ہے۔

لوہا ملک سیاہی بخائے

قومی رافعت کی تحیض کے افس مسودہ قانون کو تحقیقاتی کمیٹی نے پاس کر کے وزارت کے حوالہ کر دیا جو تمام ملک کو سپاہی بنا دینے کے متعلق ادھر ایک برس سے زیر غور تھا۔ وزارت نے بھی اسے منظور کر لیا ہے اور معترب پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے والی ہو۔

اس مہتمم اہل ان تالین کا خلاصہ یہ ہو کہ تین سال کی عمر سے ۶۶ سال کی عمر تک ہر اشد فوجی خدمت کے لائق ہی۔ فوجی خدمت جبری ہوگی۔ پیدل فوج میں خدمت کی مدت ڈیڑھ سال ہوگی جنگی موسمی میں دو سال۔ جندرمہ میں ڈھائی سال اور بحری فوج میں تین سال۔ بحری فوج، جندرمہ اور افسروں کے عرصہ میں اٹھارہ سال سے کم عمر کا کوئی رضا کار منظور نہیں کیا جائے گا۔

ابن تائون نے طالب علموں کے لئے بڑی سہولتیں پیدا کر دی ہیں اعلیٰ تعلیم یافتوں کے لئے فوجی خدمت کی مدت صرف ۶ مہینے رکھی گئی ہے۔ ثانوی (سکنڈری) تعلیم پانے والوں کے لئے ۸ مہینے ابتدائی ڈگری حاصل کرنے والوں کے لئے دس مہینے۔ نیچے درجہ میں پڑھنے والے طالب علم اس وقت تک معاف ہیں جب تک اپنی تعلیم ختم نہ کر لیں۔ اگر شرط یہ ہو کہ یہ زمانہ انٹیمیشن کی عمر سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔ جو طالب علم اس عمر میں بھی فلاح تحصیل نہیں ہوگا اسے فوجی خدمت میں زبردستی داخل کر دیا جائے گا۔ جو اعلیٰ فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہنا چاہتے ہیں انھیں چھ تہائی کی پونڈ ادا کرنا چاہئے۔ نیز کم از کم ۶ مہینے کسی مقام پر رہی ہو تو وہ سیکھنے پڑھنے کے قابل ہو جائے۔

اس قانون سے حکومت کا سامان مقصد یہ ہے کہ توہی ان کی قوم کو سپاہی بنایا جائی ہو۔ یہ موجودہ حکومت کی بیلہ منہی اور منہی کی ایک بین دلیل ہے۔ امید ہے کہ اس کے نتائج قریب میں نہایت قابلہ ظاہر ہوں گے۔

طرکی اور بلغاریہ

مشہور معاہدہ طبرستان کے بعد بلقان میں ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی ہو۔ یہ معاہدہ اٹلی اور البانیا کے امین اسی سال ہوا جو اور اس کی رو سے البانیا تقریباً اٹلی کی سختی مرہا گیا جو اب معاہدہ نے یوگوسلاویا (سربیا) کو بہت ناراض کر دیا ہے، اور اٹلی کے میدان میں آجائے کے بعد بلقان کا سیاسی توازن ٹوٹ گیا ہو۔ اس کے بعد ہی اٹلی نے ہنگری سے بھی ایک معاہدہ حال ہی میں سرانجام دیا جو اسے صورت حال میں اور بھی زیادہ پیچیدگی پیدا کر دی ہو۔ یہی نہیں بلکہ مغرب و دانا بھی اٹلی کی گود میں جا رہا ہے۔ اور کوشش کی جا رہی ہے کہ بلقان کو بھی ملایا جائے، اس کے مات منہ ہے جس کو بلقان میں ایک نئی سرگرمی رونما ہو رہی ہے اور اٹلی، ہنگری، دانا، البانیا اور بلغاریہ کا جتا بن گیا ہو یا مغرب بن جانے والا ہو۔ اس جتے کی اصل غرض کیا ہے؟ تو سمجھی جاتی ہیں:

(۱) البآئید پر اٹلی کا قبضہ

(۲) انشویک روس کے خلاف مشرقی یورپ کی سلطنتوں کا اتحاد۔  
 و حقیقت یہ صورت حال برطانیہ کی خارجہ پالیسی نے پیدا  
 کی چہ اند روس کے خلاف عالمگیر جہاد شروع کرنے کی طرہ یہ اس  
 کا خطرناک عملی تمہیہ۔

اس بلقانی اچھدگی نے یوگوسلاویا کی پذیرش بہت خراب کر دی ہے، وہ اس جتنے میں شریک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ البانیہ پر اٹلی کا اقتدار اسے کسی حال میں بھی گوارا نہیں ہو سکتا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل بے یار و مددگار رہ گیا ہے اور اس کی سلامتی کو واقعی خطروں میں پیش ہے۔ یوگوسلاویا کے بعد اس قدر حال کا سب سے زیادہ اثر ٹرکی پر پڑتا ہے، کیونکہ بلقان کی ہر تبدیلی اس کے حال مستقبل پر گہرا اثر ڈال سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹرکی بھی پریشان ہے اور یوگوسلاویا کے ساتھ علاحدہ الگ ہیڈ دی نظار کر رہا ہے۔

ٹوکی کی بغا ہر یہ کوشش ہو کہ مذکور بالا جتنے کے مقابلہ میں دیگر  
سلاوا، بلغاریہ، یونان اور ٹرکی بل کر ایک حقیقی قائم کریں۔ مگر اس  
راہ میں سخت مشکلات ہیں۔ یوگوسلاوا، بلغاریہ کے بہت سے علاقے  
دبائے بیٹھا جو اس نے بلغاریہ اُس سے لینے پر تیار نہیں۔ ادھر  
یونان اپنی ناقابل فراموش بربادیوں کے وجہ سے ٹرکی کا ساتھ دینے  
پر آمادہ نہیں۔ تاہم کوششیں جاری ہیں۔ اس کوشش کی ایک تازہ  
مثال وہ ہم مغربیوں کو قنوک نے اپنے نیم سرکاری اخبارات  
ملت میں بلغاریہ کے متعلق شائع کر رکھی، وہ لکھتے ہیں:

”حرکی جمہدیت نے بلغاریہ سے تعلقات بڑھانے میں ہر ممکن سعی کی اور پورے اعلان سے کام لیا۔ چنانچہ ایک خاص سفیر صدقیا بھیجا اور تجارتی معاہدے کے لئے گفت و شنید کی۔ بڑی جلد و جہد کے بعد بالآخر معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ مگر بعض شخصی اسباب کی وجہ سے دوستانہ تعلقات پھر بھی قائم نہ ہو سکے۔ ہیں تعجب ہو کہ بلغاریہ کا سرکاری اخبار لا بلگارہ بلغاتی اتحاد پر شروع و بسط سے گفتگو کرتا ہے مگر اس سلسلہ میں ترکی کو سلطان و ذکر نہیں کرتا۔ بلغاریہ، بلغاتی

## مکتوب مصر

(الہلال کے مفاد نگار قلم کے قلم سے)

(اصل عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا)

### جدید وزارت

مدنی پاشا کین کی وزارت پچھلے دنوں ستغنی ہو گئی تھی۔ استعفا کا سبب بالکل معمولی تھا۔ پارلیمنٹ میں مصری بینک کی امانت کے سلسلہ میں بعض ممبروں نے تجویز پیش کی تھی کہ اس امانت پر وزارت کا شکریہ ادا کیا جائے۔ مجلس نے اتنی ذرا سی بات پر شکریہ غیر ضروری سمجھا اور تجویز مسترد کر دی۔ وزارت نے پارلیمنٹ کے اس نحل کو بے اعتدالی پر عمل کیا اور استعفا دیدیا۔ حالانکہ یہ محض غلط فہمی تھی جیسا کہ سرکاری طہر پر اعلان ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ استعفا پیش کیا جا چکا تھا اس لئے وزارت نے واپس لینے میں اپنی تنگی دیکھی اور فیصلہ پر قائم رہی۔ مقام سرت پر کہ اس واقعہ سے سیاسی پارٹیوں کے اتحاد میں کمی خلل پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ مصر کے برطانیہ دوستوں نے اس کی بہت کوشش کی تھی۔ چنانچہ نئی وزارت میں پارٹیوں کا وہی تناسب ہے جو پرانی وزارت میں تھا۔ بلکہ اس کے تمام رکن بھی وہی ہیں جو سابق وزارت میں تھے۔ صرف سابق وزیر اعظم مدنی پاشا نہیں ہیں لیکن انہی کی پارٹی کے ایک رکن عبدالقادر ثروت پاشا جدید اعظم ہیں۔

### مصر ترکی کی روش اختیار کر رہا ہے

ترکی کے موجودہ انقلاب نے مصر کی اجتماعی ذہنی حالت پر بہت اثر ڈالا ہے۔ مصر اگرچہ موجودہ تمدن سے مت ہوتی سنا کر ہر چہ تھا لیکن ملایا، آذربائیجائی، اتر ایشیائی اصلاحات کا مخالف تھا، اور دنیا طبقہ ان کی مخالفت پر قائم رہتا تھا۔ اب ترکی انقلاب نے ملک میں ایک نئی ذہنیت پیدا کر دی ہے۔ مواد پہلے سے بچہ ہو چکا تھا۔ ایک نئی جنبش کی ضرورت تھی اور وہ ترکی کے انقلاب سے پیدا ہو گئی۔ اب اچانک صورت حال اس قدر متغیر ہو گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے آذربائیجان بھی ختم ہو چکا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ اور موجودہ پارلیمنٹ، دونوں کی کوششوں سے ترکی کی طرح مصر کی سیاسی زندگی پر بھی سرکاری ملایا کا اقتدار اٹھایا گیا تاکہ سیاسی اصلاحات بے روک ٹوک نافذ کی جاسکیں۔ لیکن جو لوگ قدیم و جدید کی نزاع میں معتدل روش رکھتے ہیں وہ بجا طور پر اندیشہ ظاہر کرتے ہیں کہ ملایا قدیم کے جوہر کا یہ رد و فضل (دری انکیشن) افراط و تفریط تک پہنچ جائے گا۔

یہ جدوجہد اخبارات کے کالموں، کتابوں کے صفحوں، پارلیمنٹ کے جلسوں، مقروء کی تقریروں، اسکولوں کے کمروں، حتیٰ کہ گلیاں خانوں تک میں نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ ملایا پر بری طرح لے لے ہو رہی ہے اور انہیں ترقی و اصلاح کا دشمن ثابت کیا جا رہا ہے۔ یہ جدوجہد اتنی وسیع اور قوی ہے کہ ملایا اس کے مقابلہ میں پیچھے ہٹتے چلے جاتے ہیں اور شکستوں پر شکستیں اٹھاتے ہیں چنانچہ بکراچ و طلاق اور نقد ازدواج کے مسائل میں ملایا اب ہر کی سلسلے کے خلاف حکومت نے بے تامل فیصلہ کر دیا۔ نئے اصلاحی قوانین ہیئت کے سلسلے میں یہ مسائل زیر بحث تھے۔

ملایا اب ہر کی بے وقوفی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گزشتہ پارلیمنٹ میں شیخ الاسلام پریخان، جن، اور فریب دی کا ملایہ الزام لگایا گیا اور سربراہ مذہب ممبروں نے مطالبہ کیا کہ ان پر مقدمہ چلایا جائے۔ اس معاملہ کا تعلق اس خلافت کا نفرت سے تھا جو دہ برس پہلے ملایا اب ہر کے متعقد کی تھی۔ شیخ اب ہر کے حکم و اذات تین نزار پولیٹ (۴۴ ہزار روپیہ) ہر کے وصول کئے تھے کہ دینی ممالک پر خرچ کئے جائیں گے، لیکن اب یہ ماز شت از بام ہو گیا ہے کہ قلم

کے لئے قوری طبع آراستہ مستقبل قریب میری مراد یہ ہے کہ کل! دیر بھر احسان تک نے کہا: ”میری وزارت جمہوری طبع کی تقویت کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔“

### ہیٹ کا قضیہ

جزیرہ قبرص کے شرعی حکم کے ایک مسلمان کو اس جرم پر بریٹ پانے سے محروم کر دیا ہے کہ اس نے ہیٹ پہنا شروع کر دیا ہے۔ ترکی میں یہ خبر پہنچی تو اخبارات کے نامہ نگار یہاں کے مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سوال کیا۔ مفتی کا جواب حب ذیل تھا: ”ترکی میں لاکھوں نمون، ہیٹ پہنتے ہیں۔ مگر اس سے ان کے دینی عقائد میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ قبرص کے شرعی حکم کا یہ حکم، جہاں تعصب اور ریاکاری پر مبنی ہے۔ شریعت کی نظر میں اس کی کوئی قدر قیمت نہیں۔“

### مردوروں کا قانون

مغرب انگلہ کی قومی پارلیمنٹ اس سوسہ قانون پر مقرر کرنے والی ہے جو مردوروں اور کارخانہ داروں کے متعلق طیار کیا گیا ہے۔ اس قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ دس سال سے کم عمر بچوں کو مردور نہیں بنایا جائے گا۔ مردوری کا وقت روزانہ دس گھنٹے ہو گا۔ دیرپا میں ایک گھنٹہ آرام کے لئے مختص ہو گا لیکن اگر کوئی ناگزیر ضرورت پیش آجائے تو حکومت کی اجازت سے بارہ گھنٹے بھی مردوروں سے کام لیا جاسکتا ہے۔ مگر اس صورت میں زیادہ گھنٹوں کی مردوری دینی دی جائے گی اور اس کے بعد مردور کو بارہ گھنٹے آرام کے لئے دیئے جائیں گے۔ کوئی مردور اچانک کام سے عہدہ نہیں کیا جاسکتا۔ طرین کو پندرہ دن پہلے نوٹس دینا ضروری ہے۔ عہدگی کے وقت مردور کو اس کی قوری اجرت دی جائے گی۔ کارخانہ داروں کے لئے ضروری ہے کہ مردوروں کی تندرستی کی حفاظت کریں۔ ان کے لئے معیت دہانے اور ڈاکٹر ہر آکر اس اور انہیں زیادہ سے زیادہ آرام دینے کی کوشش کریں۔ جو مردور کام کے دوران میں مری جائیں، ان کی خیمہ و کفن کا کفہ داروں کے ذمہ ہوگی۔ نیز ان کے خاندان کو ان کی روزانہ ضروری کا چھ سو گنا تا دکان ادا کرنا پڑے گا۔

### ٹرول کے ختم

عباس علی پاشا سابق خدیو مصر کا قائم کردہ جسٹس و تجارتی بینک ”موفتہ“ اور ”شار کوئی“ کے ملازمین ٹرول کے ختم تلاش کر رہے ہیں۔ حکومت نے اسے زمین کوٹنے کی اجازت دے دی ہے اگرچہ ختمے بل گئے تو ان سے کام لینے کے لئے بینک سربراہ داروں سے معاملہ طے کرے گا۔

### ترکی کلب

جدید قومی حرکت کے ساتھ اناتولیک کے طول و عرض میں بکثرت کلب قائم ہو گئے تھے، یہ کلب پچھلے ناک ناز میں ملی جہاد کے مرکز تھے اور اب ان کے زمانہ میں قوت کے مد سے بن گئے ہیں۔ حال میں تمام کلب گھوڑوں کی ایک بڑی کانفرنس انگوتہ میں منعقد ہوئی، دوسرے مناظر مختلف علاقوں سے منتخب ہو کر شریک ہوئے۔ محمد اسعد یک وزیر عالم عدالت نے صلاحت کی۔ ان کا خلاصہ اس جملہ سے شروع ہوا ”جمہوریت ہی وہ بنیادی پتھر ہے جس پر ترکی کلب قائم ہیں“ اس جملہ عبارت پر ختم ہوا ”قوی جذبہ جیسا کہ ہمارا داخلی خواہش ہے، ایک بے دوک سیلاب ہے جو زمانہ شکم توڑ کر بتا اسدہ کی تمام رکاوٹیں اپنی قوت قاہرہ سے دور ہینک دتا ہے“ میں اس پر یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ قوی جذبہ، روشن حقیقت کا سیلاب ہے جو تمام تاریکیاں نابود کر دیتا ہے اور قوموں کو ان کی قوی زندگی کی درخشاں صبح میں پہنچا دیتا ہے۔“

خط و کتابت کے وقت خبر فرمادی ضرور تحریر فرمایا کریں،

میرزا الہلال، کلکتہ

سے پہلے ان کی تعداد ۹۰ تک پہنچ جائے گی، وزارت جہاں کا نام، وہ قانون ہو جو حکام کے لئے بنایا گیا ہو اور انہوں نے حکام کے فرائض و اختیارات صاف صاف واضح کر دئے ہیں اور انہیں بے سبب مروتی کے خطرہ سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔“

تغیرری قوانین کے متعلق وزیر نے بیان کیا:

”یہ ضابطہ قوانین صرف دس مہینے سے جاری ہوا ہے، پہلے ۲۹۰ دفعات تھیں مگر اس میں ۶۴۰ دفعات ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پہلے انصاف کی جگہاں بندھیں، اب کل تھی ہیں۔ پہلے انصاف، سب کے لئے یکساں نہ تھا، امیرن و اوقات دروں کے ساتھ رعایتیں کی جاتی تھیں اور غریبوں اور کمزوروں کا حق مارا جاتا تھا۔ مگر اب یہ ناممکن ہے۔ قانون کی نظر میں سب بالکل برابر ہو گئے ہیں۔“

وزیر کے بیان میں سب کے اہم حصہ وہ محتاج ہیں انہوں نے موجودہ ترکی عدالتوں کی حیثیت کے متعلق یہ بھی بتا دیا ہے کہ شہادتیں پیش کی تھیں، انہوں نے کہا۔

”معاہدہ لوزان کے بموجب ہر ۵ سال کے لئے چار تیرین قانونی مشیر نامہ لکھتے تھے۔ ہم نے ان سے اپنی عدالت کی موجودہ حیثیت کے متعلق رپورٹ طلب کی تھی۔ انہوں نے اب یہ رپورٹ پیش کر دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ”اس تمام مدت میں ترکی عدالتوں کے خلاف ہلے سنائے ۶ شکایتیں پیش ہوئیں۔ ہم نے جانچ کر کے معلوم کر لیا کہ وہ سب کی سب بالکل مبہتان ہیں۔ ہماری ملازمت مغرب سے ختم ہونے والی ہے۔ ہم اپنے ملکوں کو واپس جائیں گے اور ہر ملک یہ اعلان کرینگے کہ موجودہ ترکی عدالتیں، اپنے افسروں کی دیانت، قابلیت، انصاف پسندی، اور مقدمات کے جلد سے جلد فیصلہ کرنے کے وجہ سے دنیا کی ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ عدالتوں سے کسی طرح بھی کم درجہ نہیں ہیں۔“

### وزارت تعلیم

مصطفیٰ خانی یک وزیر تعلیم نے اپنے حکم کے متعلق بیان کیا: ”مصر میں ابتدائی مدارس کی تعداد ۵۱۶۵۵ تھی، مدرسوں کی تعداد ۱۰۱۵۳۹ اور طالب علموں کی ۲۴۱،۴۵۹ تھی، لیکن اب مدرسے ۵۱۸۸۴ ہیں، مدرس ۱۱۴۶۶۱ ہیں اور طالب علم ۲،۸۵۵،۴۵۵ ہیں۔“

اس کے بعد وزیر نے قوری تفصیل سے اپنی وزارت کی کوششوں پر تبصہ کیا اور بتایا کہ قوری اور اعلیٰ تعلیم میں کیا کیا ترقیاں ہوئی ہیں۔ پھر تعلیم و تربیت کے اس بود کا ذکر کیا جو انگوتہ میں قائم ہوئے۔ نیز تعلیمی انسپکٹروں کی کارگزاریاں سنائیں جو تمام ملک میں دورہ کرتے پھرتے ہیں، انہوں نے اپنی تقریر اس نتیجہ پر ختم کی: ”اتنے پہلے ہمارے ملک میں تعلیم نہ دینا کے لئے مفید تھی وہیہ کے لئے لیکن اب اس کی حالت بالکل بدل گئی ہے اب ہماری تعلیم ہر قسم کے با آسانی آجادی، دل دل کو آزاد کر رہی ہے۔ جدید ترین علمی اصول پر جاری ہے۔ ترکی قومیت کا جذبہ بھگتا رہا ہے، ترکی قوم کو کچھ معاف میں زندہ قوم بنا دی ہے جو مختصر یہ کہ اب ہماری تعلیم کا سطح نظر ترکی صدر جمہوریت کے نقطوں میں ہے۔“

”تعلیم کی غرض یہ نہیں ہوتی چاہئے کہ اس سے مستفید ہو کر لوگ با توئی اور مغرب میں تعلیم کا اصلی مقصد یہ بننا چاہئے کہ اپنی مادہ معنوی زندگی میں کامیابی حاصل کی جائے۔“

### تربیتی و جسمی فوج

جبکہ وزیر جنگ نے قوری فوج کے متعلق یہ نہایت مختصر مگر اہم نتیجہ کی: ”جمہوری فوج، اپنے جملہ اطاعت و ترقیات کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہے۔ فوج کی صحیح حالت بیان کرنے کے لئے میں صرف اسی قدر کہوں گا کہ مستقبل قریب میں وطن مقصود کی تالیف و تالیف



رقم خلافت کا فرض پرمٹ کر دی گئی۔ اخبارات نے اس سال کو بہت اچھا اور بھلا کے خلافت کا مظاہرہ شروع کر دیا حتیٰ کہ بات پارلیمنٹ تک پہنچ گئی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ شیخ ازہر کی حیثیت محض ایک عالم ادب پر نہیں تھی جو ان کا درجہ مصر میں دہی تھا جو ترکی میں شیخ الاسلام کا مقام ہمیشہ اس لقب سے مخاطب بھی کئے جاتے تھے۔ مگر دورانِ بحث میں پارلیمنٹ کے ممبروں نے صاف اعلان کر دیا کہ "مصر میں شیخ الاسلام کا کوئی عہدہ نہیں ہے" اس اہم اعلان پر کسی ممبر نے اعتراض کیا نہ صدر نے نہ کسی نے ضرورت محسوس کی۔ گویا اعلان لیا گیا کہ مصر کی شیخ الاسلام کا وجود تسلیم نہیں کرتا!

یہ اور اس ہی قسم کے واقعات یقین دلاتے ہیں کہ مصر میں بھی ترکی جیسا ایک انقلاب انگریز ذہنی انقلاب جلد رونما ہونے والا ہے۔ دراصل بلاد اسلامیہ کے لئے اب اس انقلاب کی منزل سے گزرنے والا ہے۔ ہو گیا جو۔ علماء و قدامت اصلاح و تجدید کی جگہ اصلاح کی مخالفت اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ رائے نواز ایچ بی کی قاتل نہیں۔ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی مسئلہ اور صحیح استراحتی حالت کی فکر و فعل شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے افراد تھے تو اب تقریباً کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ ترکی میں بھی ہوا۔ مصر میں ہو رہا ہے، اور دیگر اسلامی ممالک بھی جلد ایسی حالت میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ شاید اس افراد و تقریب کے بعد اعتدال و قیام کا دور شروع ہو۔ بظاہر حال تو اصحاب اعتدال کے لئے کوئی قریبی امید نظر نہیں آتی۔

### عربی انسانیت کو پیٹا

مصر میں علی بیادری غیر معمولی وسعت اختیار کر رہی ہے۔ جنگ کے بعد سے رفتار ترقی بہت تیز ہو گئی ہے۔ ایچ بی اچھے اہل علم و قلم پیدا ہو رہے ہیں۔ بڑی سرگرمی سے کوشش ہو رہی ہے کہ ملک جلد سے جلد تمدنِ ممالک کے قریب پہنچ جائے۔ اس وقت تقویت و ترجمہ کی سطح بھی سابق سے بلند ہو گئی ہے۔ قومی اخبارات نے بھی بہت زیادہ ترقی کی ہے اور قریب ہو کر یورپین اخبارات کے درجہ پر پہنچ جائیں۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم تجویز عربی انسانیت کو پیٹا، دائرۃ المعارف کی تجویز ہے۔ یہ تجویز اگرچہ پرانی ہے اور گیارہ صدوں کی ایک ابتدائی دائرۃ المعارف ہے جو وہ بھی تو لیکن اس پر پہلے بھی تجدید کے ساتھ فو نہیں کیا گیا تھا اب خود حکومت نے اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وزیر اعظم اور وزیر تعلیم دونوں نے فکر ایک ایسی مقرر کی ہے جس کا کام یہ ہو گا کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے طریقے پر غور کرے۔ وزیر اعظم نے تصریح کی ہے کہ انگریزی، فرانسیسی اور دوسری زبانوں کی انسائیکلو پیڈیا کا عربی زبان میں حداثہ اضافہ کے ساتھ ترجمہ عربی انسائیکلو پیڈیا مرتب کرنے کی بہترین صورت ہے۔ ملک کے علمی حلقے اس لئے کی تائید کر رہے ہیں۔ بلکہ بعض اہل علم نے تو انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مترجم کا ترجمہ بھی شروع کر دیا ہے۔ ایک مقرر مصری اخبار نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اصل کتاب شروع کرنے سے پہلے اس کی انڈیکس یعنی فہرست اسامیہ الفاظ ترجمہ کر لی جائے تاکہ علمی اصطلاحات کے وضع و انتخاب کا مرحلہ طے ہو جائے۔ عربی انسائیکلو پیڈیا کی تجویز جس درجہ اہم ہے، حاجت بیان نہیں لیکن ہمیں اس لئے سے قطعاً اختلاف ہو کہ انگریزی اور فرینچ انسائیکلو پیڈیا کا ترجمہ جصل مقصد کے لئے کا نہ ہو گا۔ بغیر مستقل ادارہ تقویت و تربیت کے یہ سلسلہ نہیں ہو سکتا اور جب خود حکومت کا حکمہ تعلیم اس کے لئے آمادہ ہو گیا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس درجہ کا اہتمام نااہل عمل ہو۔

### عربی کا موجودہ ملک شہزاد

چند دن ہوئے مصر میں عجیب ادبی چل پل بھی گئی۔ اس تقریب تمام سربراہان و اہل دانش و ادب و شعراء نے حصہ لیا۔ صرف مصری کے آواز نے نہیں بلکہ فلسطین، شام، عراق، بحرین و مغربی مالک بھی کافی دبی ظاہر کی۔ بہت سے ادیب و شاعر غائب خود شرکت ہوئے، بہتوں نے اپنا کلام بھیجا۔ تقریب یہ بھی کہ مصر کے مشہور ادیب سابق و جاری شاعر

شوقی ملک کے کمال فن کے اقوال میں قوی مظاہرہ کرتے ہوئے ایک شعر عربی (عربی کا نفرنس) منفذ کی جائے، سلطان مصر نے مقرر کی سرکاری کی اور جلد ارکان حکومت اور اہل اسلطی سلطنتوں کے سفراء شرکت کیے۔ مقرر کے جلسے کو روز تک جاری ہے۔ عربی زبان اور اس کی شاعری پر مبسوط مضامین پڑھے گئے۔ جب حق تعالیٰ نے سائے گئے فلسطین کے مفتی اعظم سید امین جینی اور سید ول کے "حکام اکبر" بھی مقرر کی شرکت کی غرض سے مقرر کئے تھے۔

دو پہل مصریوں میں وطن کے جذبات بہت ترقی کر گئے ہیں، وہ اپنے وطن کی عزت بڑانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور اس میں کبھی کمی حد اعتدال سے بھی تجاوز کرتے ہیں۔ مثال میں خود بھی واقف ہیں کیا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ احمد شوقی موجودہ مصر کے کہن شاعر ہیں۔ مگر اس کے چہ نہیں جو مصریوں نے اپنی سافہ بندی سے انھیں سے دیا ہے۔ انھیں "اکبر الشعراء" اور ملک الشعراء کا خطاب دینا اہلیت سے زیادہ جو وقت کے عربی شعرائں ان سے لہذا پائے گئے۔ اسے شاعر و دھرم میں موجود ہیں۔ ہمارے خیال میں عراق کے مشہور فلسفی شاعر جمل صدیقی نے انہی نے شوقی پر صحیح تنقید کی ہے۔ ہم اسے یہاں نقل کئے بغیر نہیں دے سکتے۔ نہایت لکھتے ہیں:

"شوقی بڑے شاعر ہیں مگر ملک الشعراء نہیں ہیں۔ شوقی حال کے نہیں اسی کے شاعر ہیں۔ شوقی آگے کی طرف چل رہے ہیں مگر ان کا چہرہ بھی کی طرف مڑا ہوا ہے۔ موجودہ عربی نسل انھیں اس لئے پسند کرتی ہے کہ ان کا کلام اس کی ذہنیت و ذوق کے مطابق ہے۔ لیکن جب عربی عقل و ذہنیت متحمل قریب میں اپنی موجودہ سطح سے بلند ہو جائے گی تو شوقی کا شعر مر جائے گا"

بہر حال یہ مظاہرہ نہایت شاندار اور پر اثر تھا۔ کئی دن تک عظیم الشان اجتماع جاری رہا جس تمام ادباء و شعراء عصر کے برنی اور بریدی مایہ نظم و شعر سائے گئے اور شکرانے تقریریں کیں۔ تیسرے دن رات کو ایک مایشان ٹورنہ ہوا۔

### مصر فلطینی اور حجاز

مشہور انگریز مشرقی فلسطینی جو کچھ عرصہ سے جدہ میں مقیم ہیں، پچھلے دو مقرر کئے تھے۔ مصری اخبارات نے ان کی حثیت بل گفتگو شائع کی ہے: "میں حجاز کی موجودہ تاریخ مرتب کر رہا ہوں۔ اس میں شریعت میں کی خود مختاری کے دن سے سلطان ابن سعود کے قبضہ تک تمام متذہبات جمع کئے جائیں گے۔ اس کام سے ظاہر ہوئے کہ بعد میں جزیرہ ہمارے عرب کی مفصل تاریخ لکھوں گا۔ کیونکہ ایک انگریزی کہنی نے اس کی فراش کی ہے"

سلطان ابن سعود کی شخصیت کے بارے میں فلسطینی نے کہا: "مجھے یورپین ہو کہ ابن سعود موجودہ زمانہ کے عظیم ترین آدمیوں میں سے ہے۔ وہ صرف سپہ سالار اور دہری نہیں ہو بلکہ اس سے بھی کچھ بڑہ کر ہے۔ بلاشبہ اب تک دنیائے انکی صرف جنگی قابلیت ہی دیکھی ہے، انتظامی قابلیت نہیں دیکھی ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ انتظامی قابلیت میں کم درجہ ہیں۔ انتظامی قابلیت ملک کی نظم و ترتیب اور سیاسی اصلاحات کا نام ہے۔ یہ چیز مفتوں اور مینڈ میں ظاہر نہیں ہو سکتی۔ ابن سعود کی انتظامی قابلیت کا یہ کارنامہ یہ کیا کہ ہم کہ انھوں نے نہایت قلیل وقت کے اندر حجاز میں ایسا امن و امان قائم کر دیا جیسا اس ملک میں عرصہ سے نہیں دیکھا گیا ہے"

"مسئلہ خلافت" کے متعلق فلسطینی نے کہا: "مجھے نہیں معلوم ابن سعود منصب خلافت حاصل کرنے کا ارادہ کتو ہیں یا نہیں لیکن مجھے یقین معلوم ہے کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ مجھے جہاں تک اس شخص کی ذہنیت کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ خود کسی جزئی طرف توجہ نہیں دیتے۔ ان کے لئے وہ خدا کے سامنے آجائے۔ فتح و ترقی کی بھی انھوں نے کوئی کوشش نہیں کی تھی لیکن وہ خود غور و حاصل ہو گئی"

بنو و توحید کی کشیدگی کے متعلق انھوں نے کہا: "ابن سعود نے بار بار اعلان کر دیا ہے کہ انھیں اللہ کی سزا کرنے کا ہرگز شوق نہیں۔ وہ اس لڑائی کو محنت ناپسند کرتے ہیں اور بغیر شدید مجبوری کے اس کی طاقت کبھی تم نہیں اٹھائیں گے۔ شدید مجبوری کی خود انھوں نے یہ تفسیر کی ہے کہ امام بھی ان کی سرمدوں پر علامہ جملہ کریں۔ میرے خیال میں امام بھی ایسا بھی نہیں کریں گے۔ اہل یہ کہ اہل انھیں اس پر مجبور کریں"

مشرق فلسطینی کے اس آخری جملہ کو مصری اخبارات نے بہت اہمیت دی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اہل عرب کے دونوں بادشاہوں کی لڑائی میں بہت نفع ہے۔ اہل عرب جانتا ہے کہ امام بھی ابن سعود کو کامل شکست دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ان کے حکم کا نتیجہ ہو گا کہ ابن سعود بھی جملہ آور ہونگے۔ اس وقت اہل سیاسی میدان میں آکر دیکھا اور سلطان نجد سے مطالبہ کرے گا کہ کتنے میں میں قیدی نہ کریں کیونکہ عین کے ساتھ اس کا معاہدہ حاکمیت ہو چکا ہے اس طرح اسے عرب کے معاملات و مسائل میں مداخلت کا کوئی موقع مل جائے گا۔

جدید انگریزی قیدی معاہدہ کے متعلق فلسطینی نے کہا: "ابھی تک معاہدہ طے نہیں پایا ہے۔ لیکن گفت و شنید جاری ہے۔ اسید و طرین جلد ایسی شرطوں پر پہنچ جائیں گے جو دونوں کے لئے بافرت اور مفید ہوں گی"

### مسجد میرٹس

سلطان تراکش کے وزیر تشریفات (جسٹس) قاترہ نے کہا: "ان کا نام سید قاترہ بن قریط ہے۔ یہ تراکش کے سربراہ اور وہ شخص تھا جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہیں۔ اپنے درباری عہد کے علاوہ شالی اقریب کے حکمران اوقات کے صدر بھی ہیں۔ تیسریں میں عظیم الشان مسجد تعمیر ہوئی ہے وہ زیادہ تر اس کی سامی کا نتیجہ ہے۔ آج کے مصری اخبارات میں ان کا حثیت بل بیان شائع ہوا ہے: "میں مقرر اس لئے آیا ہوں کہ یہاں کے پیر اور فیاض مسلمانوں سے مسجد تیس کی بعض لحاظ تامل عادات کی تکمیل کے لئے امداد حاصل کروں۔ یہاں سے میں فلسطین اور شام بھی جاؤں گا۔ شام میں میری ایک کوشش یہ بھی ہوگی کہ فرانسیسی حکام کو حجاز ریل کے دوبارہ اجراء پر آمادہ کروں تاکہ حاجیوں کو سفر میں آسانی ہو"

مسجد تیس کی تاریخ تعمیر بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا: "تیس میں جابجہ مسجد تعمیر کرتے کا خیال ۵۰ برس سے موجود تھا مگر عمل میں نہ آ سکا۔ پہلے فرانس میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ لیکن حالات میں جلد جلد تبدیلی ہوئی اور مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ ۵۰ ہزار سے بھی زیادہ ہو گئی۔ ظاہر ہے اب مسجد کا قیام ضروری تھا چنانچہ سلطان مغرب "بابی ٹیونس" امداد اور انگریزی فیاض میں نے یہ عظیم الشان مسجد عروس البلاد تیس میں تعمیر کر دی۔ مسجد ہزار ہا عرصہ کے وسیع و بے بنیاد بنائی گئی ہے۔ اس کے ساتھ انتہائی وضع کا نہایت و نفیر ہے۔ چھوٹے چھوٹے مکان میں باقی کا عظیم الشان فناء ہے اور اس کے گرد عربی طرز کے خوبصورت ستون کھڑے کئے گئے ہیں۔ مسجد کے ساتھ شفاخانہ بھی ہے جہاں میں تین دن اس کے دروازے کھلتے ہیں اور غریب مسلمانوں کو مفت علاج کیا جاتا ہے۔ ایک کتب خانہ بھی قائم کیا گیا ہے یہ اگر چاہیے حالت میں ہے، لیکن بتدریج ترقی کر جائے گا۔ اس میں وہ تمام باتیں جمع کی جائیں گی جو دنیا کی مختلف زبانوں میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ ایک علمی ایوان بھی جس میں علم اور ترقی علم و ادب اور جمع ہونے اور تبادلہ خیالات کریں گے۔ ساتھ ہی مشرقی طرز کا ایک علم بھی بنایا گیا ہے جو تمام تہذیب میں دنیا کا تہا علم ہے۔ ایک مشرقی ہڈی بھی کھلا گیا ہے۔ اس میں مشرقی عربی کھانے کے متعلق جمع ہونے ہیں۔ جلد سے جلد یہ مسجد تعمیر ہو جائے گی۔





# خط و سوانح

## میری اخباری زندگی کا ایک لمحہ

### اخبار نویس کی ڈاک

حال میں ایک نہایت دلچسپ کتاب ابن نام سے فرائض میں شائع ہوئی ہے۔ اس فن اخبار نویسی کے تیس سو پچاسی اترنے والی ہے اس میں سماجی زندگی کا سب سے زیادہ دلچسپ اور دلچسپ مادہ لکھ کر ایک کتاب از حد متیل ہوئی ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں اس کے نسخے پھیل چکے ہیں کئی دوسری زبانوں میں بھی ترجمے شائع ہو چکے ہیں تاہن کی دلچسپی و دلچسپی کے لئے ہم اس کا ترجمہ اب اس ماحول سے کرینگے۔ کیج اس کا پہلا مضمون ملاحظہ ہو۔ یہ مشہور اخبار نویس میر تقی میر کی زندگی کے متعلق لکھا ہے:

### اخبار نویس اور مجنوں

مجھ سے داغی امراض کے ایک امیر ڈاکٹر نے کہا: ”میں اپنے مریض سے پہلا سوال یہ کرتا ہوں کہ کیا تم اخبار نویس ہیں؟“

”یہ کیونکر؟“ میں نے تعجب سے سوال کیا۔

”میں یہ نہیں کہتا کہ اخبار نویسوں سے خط کتابت کرنے والے سب لوگ مجنوں ہوتے ہیں، اُسے جواب دیا، لیکن مجھے یقین ہے کہ ان میں سے اکثر مزاج پر پاگل ہوتے ہیں!“

مذہب کے بعد مجھے خاک و گلی کی سہاٹی پر ایمان لانا پڑا۔ میرا تجربہ بھی یہی ہے کہ ہرگز نہ داغ ادھار لگایا ہی زیادہ تر اخبار نویسوں سے خط کتابت کرتے ہیں۔ اس مصیبت کو میرے ہم پیشہ بھی بہتر سمجھتے ہیں۔ روز ڈاک میں میرے پاس ہزاروں خطوں کا بچہ ہے۔ لکھنے والے ان کی زمین و آرائش میں فیر معمولی محنت کرتے ہیں، سترم کی بنائی استعمال کی جاتی ہے۔ کوئی عبارت صحیح ہو، کوئی غلطی، کئی سترمیں پر بڑے بڑے حروف، کہیں ہر حرف کے گرد پھول پتیاں بنی ہوئی ہیں۔ بنا اوقات عبارت کا آغاز سجدے سے ہے تو آخر سجدے سے ختم ہوتا ہے۔

یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی مجنوں کا خط ہے۔

مثلاً ایک واقعہ ہے۔ جس کے باشندوں کو شہادت پیدائی کہ مولویوں کی کشتی کے راستہ چلنا مشکل کر دیا ہے۔ اخبارات میں بھی اس کا ذکر ہوا۔ اب کیا تھا؟ ہزاروں خط روزانہ ہمارے پاس آنا شروع ہو گئے۔ ہر خط میں اس مشکل کا ایک یا کئی ماحول بیان تھا۔ کیا اصل؟ ایسا حل کہ اگر میں بیان کوئی شاید آپ یقین کر لیں۔ ایک صاحب نے لکھا: ”اس مشکل کا بہترین حل یہ ہے کہ مدیائے سین اسفل سے پاؤں دی جائے اور شہر کی سڑکوں کے بجائے اسی پر مولوی چلیں!“

اور سنے امن دہان کے حامیوں نے یہ خوبز کو بھیجی۔ نام تو یہ ایک جمہوریت کے اقتدار ہوا ہے! یہی نہیں بلکہ از حد غایت اس ماحول کی جو بہت کم دیکھنے والی ہے کہ یہ بھیج دیا۔

ایک امیر اقتصادیات نے لکھا: حکومت، پارلیمینٹ کے بینک نوٹ تیار کرے تاکہ اقتصادیات کی تبدیلی کے ماحول میں کارنگ

دن، اندر نہ بھی خود بخود تبدیل ہو جائے۔

یہ ماحولہ تحریریں، غلطی سے پیش نہیں کی جاتی۔ بلکہ حسب

مصری کا فخر پر لگی ہوئی تحریریں بھی بخیر کی گونکہ پہلے مصر میں انکی افش مصری طریقہ پر دین کی گئی تھی، وہاں سے کسٹان میں لائی گئی۔ اگر یہ امیدیں کامیاب ہوں تو یقیناً اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا کہ حضرت یوسف کے جبر کا ذمہ کون تھا؟

اسی شہر میں ایک ٹیلر پر کھدائی کرنے ہوئے ایک ادیب شہرہ بردن کے نشان لے رہے ہیں۔ مدار آدرا کا خیال ہے کہ یہ عبارت مشہور اسرائیلی بادشاہ فریم اول کا قلم ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اسی ٹیلر میں حضرت یعقوب کی قوم کے دیوتا اور دوسری یادگاریں بھی مدفون ہیں۔

سینم فلیٹین کا ایک نہایت ہی قلم شری۔ اس کی تاریخ کا آغاز اس وقت سے ہوا جب نئے نئے عربی، کسٹان کی سرزمین پر نمودار ہوئے تھے۔ خوش ہستی سے اب تک اس شہر کے بہت سے آثار و آثار ہو چکے ہیں۔ اس کی شہرناہ اور دیکھت ہی عظیم الشان عجائبات نظر آتے ہیں۔ نیز ایک محل کی مینا میں بھی ملی ہیں جو نوٹوں پر قائم تھا اور اس کے بڑے بڑے کمرے بھی مل گئے ہیں۔

غرضکہ یہ تحقیقات دنیا کے علم میں مقبول امانداز کی گئی اور اسرائیلی تاریخ کے وہ پہلو روشنی میں آجائیں گے جو اب تک تاریکی میں تھے۔

### (پارٹیکل کا اختصار)

سیاسی جماعتوں کے اختلافات کی زبان فلیٹین میں بھی انگریزی قبضہ کے ساتھ پہنچی اور قومی اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ مصلحتیں مدت سے کوشش کر رہے ہیں کہ سیاسی پارٹیکل میں اتحاد قائم ہو جائے مگر آج تک کوئی صورت نہ بن سکی۔ اب کچھ مدت کی خاموشی کے بعد پھر اس قسم کی کوششیں شروع ہوئی ہیں، البتہ ہر سیاسی کی امیدیں۔ کیونکہ اکثر لیڈر اپنی ذاتی اغراض کے بندے ہیں۔

### اور تھوڑے سیکی

کل ارتھوڈوکس مسیحیوں کی کانفرنس منعقد ہوئی، میاں میں یہ فرقہ یہاں سب سے زیادہ مظہم ہے۔ کیونکہ کوئی طاقت و سلطنت اس کی پشت پناہی پر موجود نہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اب یہ فرقہ بھی اپنے حقوق کے لئے عملی کوششیں شروع کرنے والا ہے۔

### شریعت ملی

مجھے معتز زیدی سے معلوم ہوا کہ شریعت ملی سالن شاہ قجارت بہت جلد یہاں آنے والے ہیں۔ آدرا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ محض تبدیل آب دھوا مقصد ہے۔ لیکن بعض معلقوں میں یقین کیا جاتا ہے کہ انھیں اس لئے لایا گیا ہے کہ فلیٹین کے مسلمانوں میں بطلان کے موافق جذبات کو ترقی دیں۔ فلیٹین میں شریعت حسین امدان کے خاندان کا بڑے بچہ تھا سالہا سال سے جاری ہے۔ عوام کی ایک محنت اس سے متاثر ہو چکی ہے۔ بطلان کا ایک زمانہ میں خیال تھا کہ اگر اس ملک نے براہ راست بطلانی حکومت منظور نہیں کی تو یہاں بھی شریعت حسین کا کوئی اثر لگا دیا جائے گا، مگر بعد کے حالات نے یہ خیال پورا نہ ہونے دیا۔

شرفاؤں کے اس خاندان کی بدبختی جس قدر قدیمی افسوس کیا جائے کم ہے۔ بطلان کے ہاتھ لایا اور دیکھتے کے بعد بھی وہ اب تک اس کی انگلیوں پر ناچ رہا ہے۔ عراق میں انھیں قیام جو بدیت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ شرق یروڈن میں ابتر ہے۔ غلام بنا ہوا ہے، اور اب امیر ملی فلیٹین کو گراہ کرنے آئے ہیں!

### تذکرہ

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے ناٹہ نظریہ کی یادگار یقین تاریخ وادجک ملانہ حقانیت میں اور سعادت تجدید و دعوت کے کام مباحث کا مجموعہ۔ آخر میں اپنے سوانح و داخلات پر بے نظیر تحریر اب درجہ اول کا کوئی نسخہ باقی نہیں رہا۔

دوم دومیت سے دوہرہ سیم، غار  
میر البلاغ پر ہیں۔ ابانی غور سکر و سکلتہ

نجدی تحریک نہایت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ بکثرت قبیلہ نجدی منصب اختیار کر چکے ہیں اور بہت سے اختیار کرنے کی تیاری میں ہیں۔ بطلانی حکم اس میں تحریک سے مخالف ہیں اپنے علاقوں میں یکھنا نہیں کرتے۔ ابھی چند دن ہوئے بطلانی حکام نے دو عرب سرداروں کو نیفا باشا الحالی شیخ المشائخ اور مشال باشا الفانز شیخ قبائل محروک طلب کیا تھا اور بڑی آؤ بیعت کی تھی۔ مگر انھوں نے حکومت کا ساتھ دینے کو صاف استکار کر دیا۔

اس علاقہ کے باشندوں میں یہ تحریک بھی پھیل رہی ہے کہ امیر عبداللہ کی حکومت الٹ دی جائے اور ملک کا تعلق براہ راست بطلانی حکام کو ہو جائے۔ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ اگر ملک بطلانی اقتدار سے نجات حاصل نہیں کر سکتا تو کم از کم برائے نام عربی حکومت کی دہری مصیبت تو نجات حاصل کر لے۔ یقیناً بطلانیہ کی براہ راست حکومت اس کی کمزوری زیادہ بہتر اور ذمہ دار ہوگی جبکہ اس کے بجائے پہلے امیر عبداللہ کی ہے۔

### (فوجی قانون کا اعلان)

شرق اردن کی مذکورہ بالا بیلادی اور دروزی مجاہدین کی آؤت کی وجہ سے امیر عبداللہ نے علاقہ اذوق میں فوجی قانون نافذ کیا کا اعلان کر دیا ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ ایک طرف ملک کی عام رائے مرعوب کر دی جائے، دوسری طرف فرائض بھی خوش ہو جائے۔ فرائض مدت سے شاک تھا کہ دروزی مجاہدین اس علاقہ میں پناہ لیتے اور یہاں سے ترقیادہ ہو کر واپس آتے ہیں۔

### یہودی بیت المال

گزشتہ ماہ یہودی بیت المال کی آمدنی ۱۰۷۷ پونڈ یعنی ۱۰۷۷۵۰ روپے ہوئی۔ اس میں تحریک کے یہودیوں کا عطیہ ۳۲۸۸۲ پونڈ یعنی ۳۲۸۸۲۰ روپے اور دروزی کا ۳۵۹۰ پونڈ ہے۔ دنیا کی ترقی خواہ قوتوں کی اولوالعزمیاں ایسی ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہماری ہمتوں کا جو حال ہے وہ معلوم ہو!

### حضرت یوسف کی قبر

فلیٹین کے ایک قدیم شہر سینم میں کھدائی ہو رہی ہے اگر یہ تحقیقات کامیاب ہوں تو ۳۰ صدیوں کے مادے نیا کے سامنے آجائیں گے۔ اس شہر میں یوسفین کے ایک جماعت حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر تلاش کر رہی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس شہر سے بے شمار اسرائیلی روایا وابستہ ہیں اور ان پرست جلد پورہ آئیں گے والا ہے۔

بروایت قدامتہ سینم میں حضرت ابراہیم نے عروب بنائی تھی اور شاہ بطوطہ کے ایک بڑے درخت کو بطور مقدس علامت کے قرار دیا تھا۔ نیز اسی شہر میں حضرت یعقوب نے مانر کی اولاد سے زمین خریدی اور مقدس عراب بنائی۔ نیز سنگلاخ زمین میں ایک کنواں بنایا تھا جو ۸ فٹ گہرا اور ۵ فٹ کے قطر میں تھا۔ لیکن شیشا میں عامر جسے زمین بھی تھی، یعقوب کی لڑکی ”دینا“ پر عاشق ہو گیا اور اسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ عقد سے پہلے ہی اس کے ساتھ دن و شو کی زندگی بسر کرے۔ امیر یعقوب کے لڑکوں کو غصہ آدا انھوں نے ”دینا“ کو قتل کر ڈالا۔ پھر یعقوب (علیہ السلام) اس طمان سے چلے گئے۔ مگر جانے سے پہلے انھوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ مخالف قبیلہ کے تمام دیوتا اور عبادت کے آلات ایک غار میں بچھیکے جائیں۔

موجودہ کھدائی سے ایک غرض ابن دیوتاؤں کی تلاش بھی ہو رہی ہے یعقوب علیہ السلام کا کنواں اب تک موجود ہے۔ روایت ہے کہ یوسف علیہ السلام کی لاش بھی قبر سے لاکر اسی علاقہ میں دفن کی گئی تھی، ایک مقبرہ جسے حضرت یوسف کی طرف منسوب ہو چکا ہے عربی قبائل کے تحت و تقریر میں تھا اس لئے اب تک اسکی تحقیقات نہ ہو سکی۔ لیکن اب ڈاکٹر ارتھ سلین کو، جو اس تحقیقاتی جماعت کے صدر ہیں، قبر کھدائی کی اجازت مل گئی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ حضرت یوسف کی لاش مومیائی ہوئی مسیح و مسلم دستیاب ہو جائے گی نیز قلم

## نہایت الارباب اور مالک الالبصا

کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ یہ دراصل ان کی چار تقریروں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے گزشتہ سال بوشن نیو یورک میں کی تھیں۔ جو حضرت انگریزی کی جدید الطبع مصنفات پر نظر رکھتے ہیں، انھوں نے پرفیسر موصوف کی وہ کتاب ضرور دیکھی ہوگی جو پچھلے دنوں "علم اور دنیا" جدیدہ کے نام سے شائع ہوئی تھی، وہ بھی ان کی بعض تقریروں کا

ہوتی ہے۔ مگر ہندو کی عین ہی پٹ بھن بن رہا ہے۔ اب ایک حکمت

اب آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ آپ میرا



## اعلام عمومی

امسوس ہے کہ اہل دیہات کی اشاعت کی تعداد میں  
بعد دیگرے پیش آنی رہا اور تاریخ اشاعت اب ان کی تعداد  
جاری رہا۔ یہ پہلا امر جس کی تاریخ اشاعت ۱۰ جون ۱۹۴۷ء  
متعدد رپورٹوں کی وجہ سے آج ۱۲ جون کو اب میں دیا جا رہا  
ہے۔ اب آئندہ جمعہ اب سب دن میں باقی رہے ہیں  
میں نہیں ہے۔ یہ امر مرقہ وقت پر نقل کے اس لئے مقرر کیا گیا  
جمعہ قائد کے لئے اس لئے جمعہ کے اشاعت شروع کی جاتی  
بیچے اس لئے کہ آئندہ اب میں باقی رہے ہیں اشاعت پیش کی جائے گی  
کہ آئندہ میں اب مرقہ وقت دنوں کی اشاعت کر رہا ہوں۔

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.



# حیات

جملہ اقسام کی انسانی و حیوانی بیماریوں کا فوری علاج جس کے متعلق  
بیس سال میں تیس سال ہزار ستر فیکٹ موصول ہو چکے ہیں  
قیمت فی شیشی صرف دو روپیہ (عمر) نمونہ کی شیشی ۸  
اکسیر عنبری مقوی اعضائے ریشیہ اور مردانہ طاقت بڑھانے  
والی گولیاں قیمت فی شیشی چار روپیہ  
منک لیمائی معدہ کی خستہ میوں کو دور کرنے اور  
قیمت فی شیشی بارہ آنے (۱۲)

مفصل فہرست ادویہ مفت  
مینجر کا رخاہ آب حیات شہید ہاؤس  
(پنجاب)

Ab-i-Hayat Pharmacy,

PINDI BAHU-UD-DIN, PUNJAB.

ہندوستان کا بہترین قومی اور ادبی ہفتہ روزہ اخبار

استقلال ہند (دہلی)

ایڈیٹر — ایچ۔ سنگھ

(دنیا کی صحافت کا یہ روشن ستارہ ۲ جون سنہ ۱۹۲۷ء کو طلوع ہوا)  
آپ کو استقلال ہند کبھی ضرور مطالعہ کرنا چاہئے؟ اس لئے یہ

- (۱) استقلال ہند ہندوستانیوں کو پیام اتحاد سناتا ہے۔
- (۲) استقلال ہند غلامی کی زنجیروں کو توڑتا ہے۔
- (۳) استقلال ہند غریبوں کو سرمایہ داروں سے دام تزیینت رهائی دلاتا ہے۔
- (۴) استقلال ہند ہندوستانی ریاستوں کو غیر ملکی اقتدار سے بچاتا ہے۔
- (۵) استقلال ہند میں بلند پایہ سیاسی و ادبی مضامین شائع ہوتے۔
- (۶) استقلال ہند سے بہتر اخبارات آپ کو دیگر اخبارات میں نہ مل سکیں گے۔
- (۷) استقلال ہند میں ہر ہفتہ غیر ملکی وقایع نگاروں کے مضامین شائع ہوتے۔
- (۸) استقلال ہند میں طائفانہ مضامین کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔
- (۹) استقلال ہند میں واقعات حاضرہ کے متعلق ہر لطف کا قیام شائع ہوتا ہے۔

- (۱۰) استقلال ہند نامور شعراء ملک کا تازہ ترین کلام پیش کرتا ہے۔
- (۱۱) استقلال ہند کے دائرہ ادارت میں اکثر محبوب وطنی انشاء پرداز منسلک ہیں۔
- (۱۲) استقلال ہند بہترین ناقد پر دیدہ زبیب لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔

ان تمام محاسن کے باوجود قیمت فی پرچہ صرف ایک آنہ  
قیمت سالانہ چار روپے — ششماہی در روپے آٹھ آنے

آج ہی نمونہ کے لئے خط لکھئے  
مینجر استقلال ہند — چاندنی چوک — دہلی

## اسلامی مذاق کی کتابیں

قرآن - حدیث - تصوف - فقہ - عقائد - تاریخ - اور علم ہدایت

کتابیں دیکھنا چاہیں تو ہماری خدمت بنگائیں برسر دروازہ کر دیں

تجارت پر روپیہ کار کاغذہ اٹھانا چاہیں تو قواعد حکمرانہ اخذ فرمائیں

مینجر صوفی رشتہ نگار پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پٹیالہ

he PRINTING and PUBLISHING Co. Ltd  
— PINDI BAHU UD DIN, PUNJAB

## قرآن مجید

(مترجمہ حضرت شیخ الہدای مولانا محمد حسن رح)

یہ ترجمہ جسے نئے مسلمان مدنیوں سے سب سے زیادہ انتظار تھا  
تعالیٰ نہایت آب و تاب کے ساتھ چھپ کر مکمل ہو گیا ہے  
بندرت طلب کیا جا رہا ہے۔ آج تک جسطورہ ترجمہ قرآن پاک  
ہو چکا ہے میں یہ ترجمہ بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے سب پر فوق  
رہتا ہے۔ تحت لفظی ہونے کے باوجود با محاورہ اور سلیس  
زبان ایسی سستہ اور صاف ہے جس کو سمجھ سکیں۔  
بخوبی سمجھ سکے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ  
چھپی ہوئی پختہ ہے۔ ہدیہ معلوم چرمی مقفص نقار  
روپے۔ جلد اعلیٰ مقفص طلائی ۱۸ روپیہ مضمون و ادب  
پیننگ ۲ روپیہ فرمائش کے ساتھ ۵ روپیہ پیشگی آنا ضروری  
نمونہ مفت

## اخبار مدینہ (بجنور)

(ہفتہ میں دو بار)

سنہ ۱۹۴۲ء سے قابل اہل قام ادیبوں کی زیر ادارت جاری ہے  
خدمت قوم و ملک پاسداری مذہب و ملت اس کا شعار ہے  
آزادی وطن اور قومی مطالبات کا علمبردار آرڈر جراند میں  
الاشاعت شایست حاضرہ کا مفسر حق و صداقت کا مشہور عربی  
انگریزی اخبارات کا خلاصہ دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچنے والا  
مطالعہ خود ہمارے دیان کی تصدیق کر دیتا ہے۔ نمونہ  
قیمت سالانہ ۶ روپیہ ششماہی تین روپیہ آٹھ آنہ۔ سہ ماہی ۲ روپیہ  
فی پرچہ ایک آنہ ممالک غیر سے ۸ روپیہ سالانہ۔

## غنیچہ رسالہ ہفتہ روزہ

بچوں کا معلم بچپن کا اتالیق طالب علموں کا استاد علم و فن  
کا خزینہ معلومات کی فن اخلاقیات و ادبیات کا نصیب  
خاص ملک و ملت کے نوجوانوں کیلئے شائع ہوتا ہے۔  
اور عام فہم ہے اپنے بچوں کیلئے ضرور طلب قرمانا۔  
۴ روپیہ۔

(محمد مجید حسن مالک اخبار مدینہ و غنیچہ)



صلوات  
منزلة  
۴۴ روز

الحمد لله

لغزانه پر کلته  
ابن پیر

قیمت فی ہرچہ ہانچ آنہ

# الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی کڈج سرکار روڈ - کاکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	پانچ آنہ

( ۱ ) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”منیجر الہلال“ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لئے ”ایڈیٹر“ کا نام ہونا چاہیے۔

( ۲ ) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا

( ۳ ) براہ مناسبت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے۔

( ۴ ) خط و کتابت میں نمبر خبرداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔

( ۵ ) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔

( ۶ ) اگر آپ در تین ماہ کیلئے ایک جگہ بیٹے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ فرمائیے، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل تمام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں۔

( ۷ ) منیجر اردر روانہ کرتے وقت فارم کے کویں پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں۔

( ۸ ) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے نکت ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا۔

لَا تَهْنُؤُوا بِالْجَنَافِ وَالْعِظَامِ إِنَّكُمْ مِنْكُمْ وَمِنْكُمْ

# الهِلَال

ایک ہفتہ وار موصوٰر سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۲۳ جون ۱۳۴۵ھ - ۱۳۴۵ھ

Calcutta : Friday, June 24, 1927.

نمبر ۲

## اطلاعات ضروری

## فہرس

(۱) ہر چیز کی ابتدا ہوتی ہے اور تکمیل - الہلال کے یہ دو نمبر ایک سلسلہ اشاعت کی ابتدا تھی - ہمیں امید ہے کہ دوسرے نمبر سے اس کی ظاہری و معنوی تکمیل شروع ہو جائیگی -

(۲) ان دونوں نمبروں میں متعدد اہم ابواب شروع نہ ہو سکے - اب آئندہ نمبر کی ترتیب ابتدا سے ایسی اختیار کی جائیگی کہ زیادہ سے زیادہ ابواب و اقسام کی کنجائش نکل آئے - خاص مضامین میں سے ملکی و سیاسی مباحث اور باب التفسیر کے مختلف عنوان اور عام قسم کے مضامین میں سے افسانہ و تاریخ کا حصہ اہم ہے - امید ہے کہ آئندہ نمبر سے شروع ہو جائیگا -

(۳) تصاویر کا بھی مطالبہ ذخیرہ طیار ہو گیا ہے - ٹائپ کے حصہ کے تمام مضامین تقریباً موصور ہوئے - ایک خاص صفحہ صرف تصاویر کا بھی بڑھا دیا جائیگا - بعض مضامین کیلئے متعدد رنگوں میں چھپی ہوئی تصاویر ضروری نہیں - ان کی اوجھیں بھی بنکر طیار ہو گئی ہیں -

(۴) مصر اور جرمنی کا ٹائپ بھی آگیا ہے - امید ہے کہ مزید حسن و زینت کے باعث ہوگا -

(۵) عالم شرق و اسلام کے مشاہیر اہل قلم کے متعدد اہم مقالات (علاوہ ہفتہ وار چھٹیوں کے) پچھلی ڈاک میں آگئے ہیں - اور آئندہ درج ہونگے -

(۶) شائقین الہلال سے امید ہے کہ توسیع اشاعت کیلئے پوری کوشش کریں گے کیونکہ الہلال کے گرانقدر مصارف صرف اس کی غیر معمولی اشاعت ہی سے پورے کیے جاسکتے ہیں -

(۷) رسالہ کی خریداری وغیرہ امور کے متعلق جو خطوط ہوں براہ عنایت انہیں مولانا ابوالکلام کے نام نہ بھیجئے - اس کی وجہ سے تعمیل میں تاخیر ہو جاتی ہے - براہ راست "منیہر" کے نام سے آنا چاہئیں -

انتخابیہ

ادبیات

شاعر اور ناول

مادری معذرت و شعور

مطبوعات جدیدہ

فرائض میں نئی نسل

مذاکرہ علمیہ

برقی صحیفیں

عالم شرق و اسلام

جم سہ ۱۹۲۷

شام کی حریت استقلال

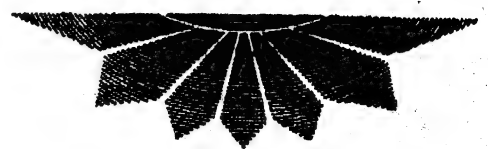
بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر

مقالات

اسلام اور نیشنلزم

عالم مطبوعات و صحائف



## الہلال کا تیسرا دور

باز نوائے بلبلاں عشق تو یاد می دہد !  
ہر کہ بعشق نیست خوش عمر بہ باد می دہد !

### (مقاصد و مطالب)

جب کسی چیز کے اوصاف اسکی خصوصیات کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں تو پھر ذات اور صفات کی تفریق اٹھ جاتی ہے۔ ذات کا تصور ہی اوصاف کے تصور کیلئے کافی ہوتا ہے۔ الہلال کے ظاہری و باطنی اوصاف جننے بھی تھے اور جیسے کچھ بھی تھے، خصوصیات کا درجہ رکھتے تھے۔ اور اب بھی کہ گیارہ برس کی کافی مدت گزر چکی ہے، بدستور خصوصیات ہیں۔ پس جہاننگ مقاصد و مطالب کا تعلق ہے، کسی تشریح و تفصیل کی ضرورت نہیں۔ صرف اسقدر کہہ دینا کافی ہے کہ الہلال تیسری مرتبہ اسلئے نکل رہا ہے تاکہ تیسری مرتبہ الہلال نکلے۔ الہلال کے مقاصد و مطالب کی تشریح میں اگر صفحے کے صفحہ لکھ دالے جائیں، جب بھی انہی وضاحت نہ ہو سکے گی۔ جنہی اس ایک جملہ میں موجود ہے :

تو خود حدیث مفصل بخوان ازین مجمل

لیکن ممکن ہے بعض طبیعتیں کیلئے کہ معانی و حقیقت سے نہیں زیادہ صورت و لفظ سے آشنا رہتے ہیں، یہ کافی نہیں اور انکا انتظار باقی رہے، اسلئے بہتر ہوگا کہ چند الفاظ اس بارے میں بھی حوالہ قلم کر دیے جائیں۔

### (مقاصد خاص و مقاصد عام)

الہلال جب سنہ ۱۹۱۲ء میں نکلا تھا تو اس کے پیش نظر کچھ مقاصد تو خاص قسم کے تھے اور کچھ عام قسم کے۔

عام مقاصد کا تعلق عام و ادب اور سیاست و صحافت کے عام مباحث سے تھا، اور مقصود یہ تھا کہ اردو زبان میں ہر اعتبار سے ایک ایسا بلند پایہ رسالہ وجود میں آجائے جو زمانہ کی رفتار ترقی کا ساتھ دے سکے، اور فکر و نگارش کے ہر میدان میں ایک اعلیٰ قسم کی بلندی پیدا کر دے۔

خاص مقاصد کا تعلق اس کی ”دعوت“ سے تھا۔ وہ دعوت جو مذہب میں مجتہدانہ نظر و فکر کا ایک نیا دروازہ کھولتی تھی، اور سیاست میں آزادی فکر و عمل اور علوئے نظر والے نئے طرف مسلمانوں کو لیجانا چاہتی تھی۔ اس نئی دعوت کا معاملہ اس درجہ وسیع اور گہرا ہے کہ یا تو صرف مجمل اشارہ کیا جا سکتا ہے، یا پوری تفصیل کی جاسکتی ہے۔ ادھوری تفصیل یا تفصیل نما اجمال سود مند نہ ہوگا۔ اس لئے صرف اشارہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

بہر حال اس کے مقاصد کا ایک حصہ ”دعوت“ تھا اور یہ خاص تھا۔ ایک حصہ علم و ادب اور صحافت و کتابت کے اعلیٰ نمونوں پر مشتمل تھا اور یہ عام تھا۔ اس کی ”دعوت“ کے اگر قوم کی سیاسی و دینی ذہنیت (منٹیلٹی) میں انقلاب پیدا کرنا چاہا تھا، تو تحریر و کتابت کے اردو ادبیات کی رفتار بدل دینی چاہی تھی۔ ان دونوں قسموں کے مقاصد میں اسے کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی؟ اس کے جواب کا معاملہ اب تاریخ کے سپرد ہو چکا ہے۔ بہتر ہے کہ اس میں مداخلت نہ کی جائے۔

دنیا اور دنیا کے ساتھ ہندوستان گیارہ بارہ برس آگے بڑھ چکا ہے۔ سنہ ۱۲ اور ۲۷ کے درمیان تغیر و ترقی کی ایک بڑی مسافت طائر ہے۔ تاہم جہاننگ الہلال کے عام و خاص مقاصد کا تعلق ہے، صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اسلئے اب بھی دونوں میدان عمل ویسے ہی منتظر و باز ہیں، جیسے سنہ ۱۲ اور ۱۶ میں تھے۔ اب بھی اسکی ”دعوت“ کیلئے وقت کی احتیاج راہ نگ رہی ہے۔ اور اسکی تحریر و کتابت اور آرائش اوراق و صحائف کی جگہ بزم سخن میں خالی ہے۔ البتہ حالات کی تبدیلی کے سفر میں نہیں لیکن منزل کے محل میں ضرور تبدیلی کر دی ہے۔ پہلے اگر اسکا سفر ابتدا کے نقطہ سے شروع ہوا تھا تو اب بعد کی منزلوں سے شروع ہونا چاہیے۔ پہلے دعوت کی ضرورت اسلئے تھی کہ راہ کھلے اور سفر شروع ہو۔ اب کہ دروازہ کھل چکا ہے اور قدم بھی رسم و راہ سفر سے نا آشنا نہ رہے، اسکی صدائیں اسلئے مطلوب ہیں کہ راہ کی مشکلیں حل کی جائیں، اور سعی و طلب کے جو قدم اٹھ چکے ہیں وہ بے راہہ روی سے محفوظ رہیں :

مرا در خضر عسل گیر باید از چپ و راست

اے کم رہی نہ کنم ورنہ عزم راہ خطاست !

اس سلسلہ میں اگرچہ بہت سی چیزیں اہم ہیں اور انہیں جلد از جلد بیان میں آنا چاہئے، لیکن خصوصیت کے ساتھ تین موضوع وقت کی ضروریات کے اصلی موضوع ہیں، اور اسلئے الہلال کے صفحات پر انکا خصوصیت کے ساتھ انتظار کرنا چاہئے :

- (۱) ملک کی موجودہ سیاسی زندگی کے عملی مسائل۔
- (۲) مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا موجودہ ذہنی اور عملی انتشار جو پچھلی حرکت کے رد فعل (ری ایکشن) کی صورت میں نمایاں ہوا، اور اسکی عملی مسائل و مباحث۔
- (۳) مسلمانان ہند کی قومی و اجتماعی ذہنیت کی تشکیل اور اسے اہم مباحث۔

### (الہلال کے دینی اور علمی مباحث)

انکے علاوہ ایک اور قسم بھی اہم ہے۔ الہلال نے اپنے دینی و علمی مباحث میں نظر و تحقیق کا ایک خاص دروازہ کھولا تھا، لیکن وہ بعض ابتدا تھی۔ ضرورت تھی کہ ان بنیادوں پر عمارتیں اُٹھائی جائیں۔ بارہ سال گزر گئے۔ لوگ انتظار کرتے کرتے تھک گئے۔ انتظار و طلب کے مایوسی کی شکل اختیار کر لی۔ لیکن مجھے مہلت نہ ملی کہ اس کام کی تکمیل و اشاعت کی طرف متوجہ ہوتا۔ جو اصحاب عام و ذوق آن چیزوں کے طلب گار تھے، ان پر میری ملکی مشغولیتیں شاق گزرتی تھیں۔ وہ چاہتے تھے، ہمہ تن الہی کاموں کیلئے وقف ہو جاؤں۔ میں اپنی سیاسی مشغولیت ترک کر دینے پر قادر نہ تھا۔ اب بھی قادر نہیں ہوں۔ لیکن ساتھ ہی یقین رکھتا ہوں کہ نہ صرف علمی و دینی تحقیقات کے لحاظ سے بلکہ خود قوم کی عملی زندگی کی صحیح نشرو نما کیلئے ان کاموں کی تکمیل سب سے زیادہ ضروری ہے۔

## (حکایت برق و خرمن)

اس بارے میں میرے اجزاء فکر اور اوراق نظر کی پریشان حالیوں کا بھی کچھ عجیب حال ہے۔ علم کی زندگی سیاست کی زندگی سے کچھ اس طرح مختلف واقع ہوئی ہے کہ دونوں کا ایک وقت اور ایک محل میں جمع ہونا بہت مشکل ہے۔ میری زندگی کی مشکلات میں پہلی مشکل یہ واقع ہوئی کہ میں نے چاہا دونوں کو بہ یک وقت اور بہ یک محل جمع کر دوں :

پنبہ را آشتی این جا بہ شرار آفتادست !

دراصل ذوق کی وسعت، طلب کی عدم قناعت، نظر کی بلند پیمائیاں، اور فکر کی مشکل پسندیاں نہ تو ایک راہ پر صبر کرسکتی ہیں، نہ سہل و آسان روشیں اختیار کرسکتی ہیں۔ دنیا نے فکر و عمل کے الگ الگ گوشے بنائے ہیں، اور استعداد و صلاحیت کے دائرے بناکر ان میں لکچریں کہینچ دی ہیں، قانہ تقسیم عمل کے حدود قائم ہو جائیں۔ لیکن یہ تقسیمیں اور حد بندیاں ہمیشہ نہیں چل سکتیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ طبیعت کا جوش اور فکر کی وسعت ان چھوٹے چھوٹے خانوں کی تنگ نالیوں میں قانع نہیں رہسکتی، اور حد بندیاں توڑ کر باہر نکل جاتی ہے۔ میں فکر کی یکسوئی اور ایک ہی راہ پر پڑ جانے کی آسائشوں سے بے خبر نہیں ہوں۔ لیکن کیا کروں؟ مبداء ازل سے طبیعتیں تقسیم کرتے ہوئے مجھے نا مراد کیلئے یہی پسند آیا کہ ہر راہ کی پیمائش اور ہر کوچ کی گردش کا اضطراب آسمیں ردیعت نہ دیا جائے۔ عام کا استغراق اور سیاست کی خود فرشتیاں دنیا کیلئے متضاد ہوں تو ہوں، لیکن میرے لیے تو ایک ہی دماغ کا سودا اور ایک ہی دل کی تیش تھی :

روئے دریا سلسبیل و ہجر دریا آتش ست !

جہاں تک بن پڑا، آب و آتش ہی اس یک جانی اور برق و خرمن کی اس بہم آمیزی میں کوتاہی ہی نہ ہوئی۔ سیاسی زندگی کی سرگردانیاں کیسی ہی سخت کیوں نہ رہی ہوں، لیکن دھن و فکر کی مشغولیتوں میں ادبی خلل نہ ڈال سکیں۔ لوگوں کے گوشہ ہائے چمن کے سکون اور لقمہ خانوں کے بے خلل استغراق میں علم و نظر کے مرحلے طے کیے ہیں، لیکن یہاں جو کچھ پیش آیا ہے کہ سیاسی و ملکی صف آرائیوں کے ہنگامے تھے، یا نظر بندیاں کی سختیاں اور قید خانے کی کوٹھڑیاں تھیں۔ تاہم دماغ اپنے کاموں میں مشغول اور فکر اپنی دوشوں میں سرگرم تھا :

تا دست رسم بود ز دم چاک کریں

شرمندگی از خرقہ پشمینہ نہ دارم

لیکن اس کارخانہ طبیعت میں کوئی چیز بھی اپنے قدرتی خواص معطل نہیں کردے سکتی۔ برق کے لیے گزرا اور خرمن کے لیے جلنا ناگزیر ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ایک طرف ذوق عام کاغذ و قلم کے انبار لگا رہا تھا، تو دوسری طرف سیاسی مشغولیت کی آتش افزایاں بھی اپنے کام میں سرگرم تھیں :

مقامی جمع کن شاید کہ غارتگر شود پیدا !

سنہ ۱۶ - سے لیکر سنہ ۲۱ - تک یکے بعد دیگرے اس طرح کے حالات پیش آئے رہے کہ ایک طرف میں اپنا سرمایہ فکر جمع کرتا جاتا تھا۔ دوسری طرف دست برد زمانہ انہیں پوری بے دردی کے ساتھ منتشر کرتا جاتا تھا۔ اور چونکہ یہ خود اپنی اختیار کردہ زندگی کا لازمی نتیجہ تھا، اس لیے صبر کے سرا چارہ کار بھی نہ تھا :

ایں کار چرخ خود کردم، با خود چہ توانم کرد ؟

## (سنہ ۱۶ - سے ۲۱ - تک)

سنہ ۱۶ - میں جب بنگال سے مجھے خارج کیا گیا اور رانچی گیا، تو یہ وہ وقت تھا کہ البلاغ اور دارالارشاد کی مشغولیت کے ساتھ میں نے اپنے افکار و تحقیقات کی تحریر و ترتیب بھی شروع کر دی تھی۔ جن امور کی تکمیل و ترتیب پیش نظر تھی، وہ کسی ایک ہی موضوع سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ بے شمار گوشے سامنے آتے تھے، اور ہر گوشہ نظر میں اس کثرت سے متفرق اور منتشر حقیقتیں نمایاں ہوتی تھیں کہ ان سب کا جمع کرنا، اور اصول و کلیات کے ماتحت لانا آسان نہ تھا۔ ضرورت تھی کہ عرصہ تک فکر و دانش کا معاملہ جاری رہے۔ بہت سی چیزیں ابتدائی شکل میں مرتب ہوئی تھیں۔ بہت سی ناتمام تھیں۔ برسوں سے دماغ اس کا عادی ہو گیا ہے کہ ہمیشہ کسی نہ کسی گوشہ تحقیق کی فکر اور کسی نہ کسی عقدہ کار کے حل میں مشغول رہتا ہے، اور اسلئے بے شمار یاد دہانیوں جو فی الحقیقت کسی نہ کسی معاملہ علم و تحقیق کی اصولی بنیادیں ہوتی ہیں، قلم سے نکلنے لگتی رہتی ہیں۔ اس وقت تک کم از کم ایک ہزار چوتھے برس پرچے تو صرف یاد دہانیوں ہی کے سیاہ ہوجکے ہوئے !

تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں

مجموعہ خیال ادبی فود فود تھا !

یہ تمام ذخیرہ، دماغ کا حاصل اور زندگی کا سرمایہ تھا۔ اسمیں سے کچھ حصہ تو اپنے ساتھ رانچی لے گیا تھا، باقی حصہ کلکتہ کے سکونت گاہ میں چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ اس وقت حالات کی رفتار کچھ عجیب طرح کی تھی۔ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ مستقبل میں کیا پیش آگیا۔ لیکن جب پانچ ماہ کے بعد حکومت ہند نے میری نظر بندی کے احکام جاری کیے، تو ایک ہی وقت میں رانچی اور کلکتہ، دونوں جگہ خاندان تلاشی کی گئی۔ اور پھر اس وقت سے لگاتار سلسلہ اس کا جاری ہو گیا۔ رانچی میں دو مرتبہ اور کلکتہ میں تین مرتبہ یہ معاملہ پیش آیا۔ کلکتہ میں نہ صرف میرے سکونت گاہ میں، بلکہ ان کے علاوہ تمام مقامات میں بھی لی گئی تھی جہاں کوئی ادنیٰ سا شہر بھی میرے لغذات کی موجودگی کا ہوسکتا تھا۔ کاغذات زیادہ تر متفرق مسودات تھے۔ یاد دہانیاں تھیں۔ معمولی اشارات تھے۔ میں عموماً یادداشت فارسی میں یا عربی میں لکھا کرتا ہوں، نیزکہ اردو میں اختصار ممکن نہیں۔ تلاشی کا کام زیادہ تر انگریز حکام یا بنگالی ماتحتوں کے ذمہ تھا۔ اگر ان میں کوئی مسلمان تھا بھی تو توڑی پھوٹی اردو کے سوا کچھ نہیں جانتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر دن پر اسرار اور ہر سطر سیاسی راز بندھی، اور سب کو ایک دھیر کی شکل میں جمع کر کے قبضہ میں لے لیا گیا۔ اس احتیاط کے ساتھ جمع کرتے اور احتیاط کے ساتھ رکھتے۔ لیکن ان میں کون تھا جسے ان چیزوں کا درد ہوتا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ نصف سے زیادہ اوراق تو تلاشی کے وقت کی بے احتیاطیوں میں ضائع گئے، اور نصف جو باقی رہے، انہیں بھی اس بے احتیاطی کے ساتھ ادھر ادھر جڑ دیا گیا کہ کوئی ایک چیز بھی اپنی اصلی شکل میں باقی نہ رہی۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ یہ برباد شدہ ذخیرہ بھی پورا واپس نہیں ملا۔ جو کاغذات کلکتہ سے لیے گئے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ دنوں تک پولیس کمشنر کے دفتر میں جمع گئے۔ اتفاقاً وہاں ایک گوشہ میں آگ لگ گئی۔ اور دفتر کے سامان کے ساتھ بعض اوراق بھی جل گئے۔ پولیس کے دفتر میں آگ بھی لگی تھی تو اسی وقت، جب یہ دفتر پریشان رہا جمع تھا !

کری تھی جسپہ کل بجلی وہ میرا آشیل کیوں ہو ؟



پڑا کہ یا تو اس طرح کی زندگی اختیار نہیں کر لی تھی۔ یا کہی ہے تو پھر اس کے تمام لازمی نتائج گوارا کر لینے چاہئیں۔ سرمد کا فیصلہ صرف ایک گوشہٴ عشق ہی کا نہیں بلکہ انسانی کی تمام مصیبتوں کیلئے عام و ابدی فیصلہ ہے :

یا تن بہ رضا دوست می باید داد \* یا قطع نظر ز یار می باید کرد !  
قصد کے خلاف اس حصہٴ بیان میں بہت طویل ہو گیا۔ مختصر یہ ہے کہ جہاننگ میری مذہبی اور علمی تدبیرات کا تعلق ہے۔ حالات کی رفتار کچھ عجیب طرح کی رہی ہے۔ عرصہ کے انتظار و التواء اور بار بار کی تعمیر و تخریب سے طبیعت کچھ اس طرح اکٹا گئی ہے کہ اب نہ تو ترتیب و ضبط کی طرف مائل ہے نہ آرائش و گفٹار اور زینت بیان کا شوق ہے۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح بھی بنے۔ اور جس شکل و حالت میں بھی ممکن ہو، وہ تمام مطالب و تحقیقات ایک مرتبہ شائع ہو جائیں، جو اس تمام مدت کی دماغی گردش و جستجو کا نتیجہ ہیں۔

چنانچہ اب کہ الہلال تیسری مرتبہ شائع کرنا پڑا ہے، اس کے صفحات کا ایک خاص حصہ اس مقصد کیلئے بھی وقف رہیگا۔

البتہ یہ یاد رہے کہ نہ تو ہر طبیعت ان مباحث کی شائق ہے اور نہ ہر مخاطب ان کے بار فہم کا متحمل :

بزم میں اہل سخن بھی ہیں تماشائی بھی !

رسالہ کی حسن ترتیب بھی اسکی متحمل نہیں کہ کوئی ایک ہی قسم کی چیز زیادہ جگہ رک لے۔ اسلئے ناگزیر ہے کہ حسب گنجائش جتنے جتنے جگہ نکالی جائے۔ اور ترتیب اشاعت ایسی اختیار کی جائے کہ صحبت کا ذائقہ بدلنا نہ رہے۔ ایک ہی سلسلہ بیان سے طبیعتیں اکٹا نہ جائیں۔

(عام مقاصد)

لیکن اگر ان خاص مقاصد سے قطع نظر کر لی جائے، جب بھی عام مقاصد کی ضرورت و اہمیت کا یہ حال ہے کہ اگر اہل لال کے درجہ کے دس رسالے بھی ملک میں شائع ہوں جب بھی ضرورت پوری نہ ہوگی۔ چند حقیقتیں صاف اور تسلیم شدہ ہیں۔ یقیناً ان میں دو راہوں کی گنجائش نہیں : موجودہ زمانہ ”پریس“ اور مطبوعات کا زمانہ ہے۔ نہ صرف عام و ادب کی ترقی کیلئے بلکہ قومی و اجتماعی زندگی کی نشرو نما کیلئے بھی انکا وجود ناگزیر ہے۔ علم و ادب کی صحیح ترقی بجائے خود قوم کے اجتماعی ذہن و فکر کی ترقی ہے۔ جیسی جیسی اسکی سطح بلند ہوگی، اتنی ہی قومی زندگی کی سطح بھی بلند ہوگی۔ جہاننگ ”پریس“ اور صحافت (جرنلزم) کا تعلق ہے۔ دنیا اسقدر آگے نکل چکی ہے کہ اب دس برس پیشتر کی صحافت صدیوں کی پرانی چیز معلوم ہوتی ہے۔ قومی زندگی کی تعمیر کیلئے ایک بنیاد کی اہمیت رہا ہے۔ زبان کی ترقی کے لئے پہلی چیز اسکی ادبیات (لٹریچر) ہیں۔ ادبیات کی نشرو نما بغیر اعلیٰ درجہ کے رسائل و مطبوعات کے ممکن نہیں۔

یہ، اور اس طرح کی وہ تمام باتیں جو معروف و معلوم ہیں، اگر صحیح ہیں، تو کیا اسکی ضرورت لوگ محسوس نہیں کرتے کہ تمام بر اعظم ہند میں کم از کم ایک رسالہ اردو کا ایسا موجود ہو جو اپنی ظاہری اور باطنی خصوصیات میں دنیا کی ترقی یافتہ صحافت کا نمونہ پیش کر سکے ؟

دنیا نے انیسویں صدی کے اوائل میں طباعت و صحافت کا نام جس نقطہ پر چھڑا تھا، اردو زبان کی صحافت سنہ ۱۹۲۷ء میں اس پر قناعت کیسے کرے ہے۔ آخر یہ حالت کب تک باقی رہیگی ؟

ان مسودات میں حسب ذیل کتابیں ایک حد تک مرتب تھیں : تاریخ معقولہ - سید شاہ ولی اللہ - دیوان غالب اردو پر تبصرہ - خصائص مسلم - امثال القرآن - شرف جہاں قزوینی پر تبصرہ - مقدمہ تفسیر کے نا تمام اجزاء - ترجمان القرآن کا مسودہ سورہ ہود تک - تفسیر البیان سورہ نساء کے ابتدائی حصہ تک - مضامین اور یادداشتوں کا ذخیرہ انکے علاوہ ہے - قیام رانچی کے ابتدائی زمانے میں دو رسالے نئے لکھنا شروع کیے تھے - ایک وحدۃ قوانین کاغذات پر - دوسرا قانون انتخاب طبعی اور معنوی کاغذات پر - انکے اوراق بھی اسی ذخیرہ میں شامل ہو گئے۔

اسکے بعد رانچی کی زندگی میں وہاں کی مقامی خدمات سے جسقدر وقت بچا، تصنیف و تالیف میں صرف ہوا - مقدمہ، ترجمہ، اور تفسیر کے بارے میں بہت سی تبدیلیاں فکر و خیال میں ہو گئی تھیں - تقریباً از سر نو ہم شروع ہوا تھا - جنوری سنہ ۲۰ء میں اپنا تمام نیا ذخیرہ لیکر رانچی سے نکلا - اس مرتبہ ارادہ کر لیا تھا کہ کم از کم ترجمان القرآن کسی نہ کسی طرح شائع کر دینا چاہئے۔ اسی خیال سے عمن قرآن کی کاپیاں ایک دوست عزیز نے اپنے اہتمام و صرف سے لاہور میں لکھوائیں، اور ترجمہ کی کتابت کا کام بھی ستمبر ۱۹۲۱ء میں شروع ہو گیا۔

اگر پانچ چھ ماہ تک بھی یہ حالت باقی رہتی، تو باوجود ہر طرح کی سیاسی مشغولیت کی سرگرائیوں کے، عجب نہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ ایک چیز مکمل ہو جاتی - لیکن اسے کیا کیجیے کہ اگر ایک طرف ان خرومن سازوں اور سرمایہ اندوزوں کی نوبشیں جاری تھیں - تو دوسری طرف نگاہ برق کی دعوت میں بھی کوتاہی نہیں ہوتی تھی - ۱۰ - دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء - کو میں گرفتار ہوا، اور پھر خانہ تلاشیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا - مختلف اغراض سے (جنکی تشریح کا یہ موقع نہیں) بے در پے تلاشیاں لی گئیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف بے شمار مسودات و اوراق، بلکہ کتابت کی ہوئی کاپیوں کا بھی تمام ذخیرہ پریشان و منتشر ہو کر پولیس کے قبضہ میں چلا گیا - ۶ - جنوری سنہ ۲۳ء - کو جب رہا ہو کر واپس آیا، تو سنہ ۱۹۱۶ء سے لیکر سنہ ۲۰ء تک کی تمام محنت تقریباً رائیگاں ہو چکی تھی !

و ملتی یسا عدنا الوصال و دھرتا \* یومان \* یوم نوی و یوم صدور عرصہ کی رد و رک کے بعد اوراق واپس ملے، لیکن تمام تر ناقص، منتشر، اور برباد شدہ تھے - اب بغیر نئی محنت کے ان کا کوئی حصہ بھی کام نہیں دے سکتا تھا - یہ بربادی پہلی بربادی سے بھی زیادہ ہمت شکن تھی، لیکن چونکہ خود اختیاری حالات کا نتیجہ تھی، اس لئے جس طرح پہلی مرتبہ صبر و خاموشی کے ساتھ بربادیت اُڑی گئی تھی، اس مرتبہ بھی برداشت کر لینی پڑی - حتیٰ کہ آج سے پہلے شاید اسکا تذکرہ بھی قلم و زبان سے آشنا نہیں ہوا۔

جن لوگوں کو تصنیف و تالیف کے معاملات کی خبر ہے، وہ جانتے ہیں کہ ایک مفکر اور اہل قلم کے لئے یہ بات کتنی مشکل اور اذیت دہ ہوتی ہے کہ اپنی لکھی ہوئی چیز برباد دیکھے اور دوبارہ قلم اُٹھائے پر مجبور ہو - مشہور ہے کہ جب کارلائل کی تاریخ انقلاب فرانس کا مسودہ جل گیا، تو عرصہ تک اس کا یہ حال تھا کہ قلم پکڑتا اور بغیر ایک حرف لکھے چھوڑ دیتا - کارلائل کا حادثہ اتفاقی تھا - اس لیے اسے شکایت بظہر دیتی تھی اور اس کی بے شکایتی بھی قابل ملامت نہیں - لیکن مجھے جو حوادث پیش آئے، اتفاقی نہ تھے - اختیاری تھے - اس لیے دل کے لیے کتنے ہی درد انگیز اور ہمت شکن ہوں، لیکن دماغ کے لیے ان میں کوئی وجہ شکایت نہیں ہو سکتی تھی - مجھے دلوں مرتبہ تسلیم کر لینا

شاعر جمع تیر - رات کا وقت تھا - تاریکی پھیلی ہوئی تھی -  
چمن زار سے بلبل نکلی - قریب کے درخت پر آئینہ  
دلکش نغمے بلند ہو گئے - ہر شاعر کا سر بے اختیار اٹھ گیا -

مجمع پر کامل خاموشی چھائی تھی !

راگ دلفریب اور فضا غمناک تھی !

ایک شاعر کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں :

”جا، جا“ — آرخوش گلو گوئے جا — دوست عزیز — آہ تر  
نے میرے وطن کے شفاف آسمان کے نیچے پرورش پائی ہے —  
میرے دل کے دنوں پت تیرے لئے کھل گئے — میں تجھے محبت  
کرتا ہوں — وطن عزیز اور میرے دوستوں کا حال سنا — مجھے  
وہ دل کشا باغ و چمن یاد ہیں — وہ بلوریں لہر — وہ چھوٹی سی  
پہاڑ کی چوٹی — زرافشاں کرنوں میں چمکتی ہوئی — وہ آباد شہر  
مجھے سب کچھ اب تک یاد ہے — تیری شیریں آواز نے فراموشی  
کے بادل میرے دماغ سے ہٹا دیے — یاد داشت رفتہ واپس آگئی —  
تذکار محزون نے پھر زخم دل بکر نشتر چھو دیا — آہ ! مجھے ایسا  
معسوس ہوتا ہے کہ میرے کان پانی بہنے کا شور سن رہے ہیں —  
پہاڑوں اور جنگلوں سے پانی لہراتا ہوا باغوں میں چلا آ رہا ہے —  
ہرے بہرے باغ — سرد و شیریں پانی — افسوس ! میں پردیس  
کی مصیبتیں کیوں جھیل رہا ہوں ؟ رنج و کلفت میں کیوں  
اسیر ہوں — ؟“

بلبل نے راگ میں جواب دیا :

”آسمان پر سورج چاند کی جوڑی ہمیشہ بلی رہے ! ستاروں  
کی بزم عشرت کبھی برہم نہ ہو ! ہم ہر وقت آنے لطف اٹھاتے  
ہیں — چشموں کے منہ ہر انسان کیلئے کھاتے ہیں — امیدوں کا  
طائر میمون ہر دل پر بازو کھولے آ رہا ہے — محبت کی دیوی  
سب سے ہم آغوش ہونے کو طیار ہے — مسرت کی مقدار لامتناہی  
ہے — عیش حیات کی صراحی کبھی خالی نہیں ہوتی — کامرانی  
کا جام ہمیشہ سے گردش میں ہے — جتنا جی چاہے پی لو —  
آخر کار ہم ایک ہی مکان کے صحن میں جمع ہو گئے — وہاں  
اُس آخری وطن میں اپنے محبوب عزیز کو گلے لگالینے —“  
روئے ہوئے شاعر نے تھنڈی سانس بھری اور چپ ہو گیا ۔

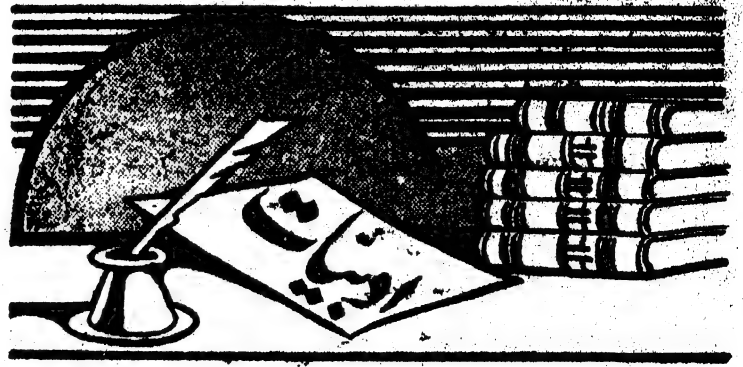
\*\*\*

دوسرے شاعر کی اکتھوی آواز بلند ہوئی :

”میرے وطن کی سرحدیں کس طرح طے کیں ؟ — خوبصورت  
چوٹیا ! ہم وطنوں نے تجھے کیوں جانے دیا ؟ — کسی نے بھی تجھے  
نہیں روکا ؟ — کیا تو پھر وہاں جالینگے ؟ — اگر جالگو تو مجھے بھی  
ساتھ لیتی جائیو — پھلوں سے لدے پھندے باغ اپنے ساتھ لے چلا  
آہ وہ باغ جنکی مغملی زمین پر میری مسین بھیگی تھیں — میں  
یہاں غمزدہ ہوں — زندگی اور کامرانی کا بوسہ حاصل کرنے سے پہلے  
ہی قبر کی آغوش میں چلا جاؤنگا — آہ ! زندگی اور کامرانی کا بوسہ —  
لئے چمکتے ہوئے آفتاب کا بوسہ — ماہ دو ہفتہ کی سرد اور پریش  
کرنوں سے ہم آغوشی — لیکن میری قبر پر ایک فاتمام آنسو  
بھی نہیں بہایا جالینگا —“

بلبل نے جواب دیا :

”آفتاب و ماہتاب کی جوڑی سلامت رہے — زندگی میں  
سب اُسے مسرت لڑتے ہیں — ہم سب کے سروں پر آسمان کی  
نیلی شبنمی تھی ہے — ہر دل میں آرزوئیں ہیں — ہر روح



## موجودہ ترکی شاعری کا ایک نمونہ

شاعر اور بلبل

موجودہ عہد کے ترک اہل قلم نے جدید ہوئی علم ادب کو در  
قسموں میں منقسم کر دیا ہے۔ پہلی قسم ”قبل از دستور“ کی ہے۔  
دوسری ”بعد از دستور“ کی۔ ”دستور“ سے مقصود سنہ ۱۹۰۸ کا  
انقلاب ہے جب عثمانی پارلیمنٹ قائم ہوئی تھی۔

عہد ”بعد از دستور“ کے شعرا میں ضیاء الدین خسرو زائدہ  
خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ عالمگیر جنگ سے پہلے انکے  
کلام کا ایک مجموعہ ”نغمۂ فلک“ کے نام سے شائع ہوا تھا اور اس  
درجہ مقبول ہوا تھا کہ فرانسیسی اور طلیانی زبانوں میں بھی اسکا  
ترجمہ ہو گیا۔ اب انکے کلام کا ایک نیا مجموعہ ”نغمۂ ارض“  
شائع ہوا ہے۔ ”نغمۂ فلک“ میں احرام سماری کی بزم طرب  
آراستہ کی گئی تھی۔ لیکن نغمۂ ارض زمین کے مناظر حسن اور  
سامان جمال کی طرف دعوت نظر اور صلاہ ذوق ہے !

اس مجموعہ میں پہلی نظم ”شاعر اور بلبل“ کے عنوان سے ہے  
اور چار حصوں میں ختم ہوئی ہے۔ ہم اُسکے ایک حصہ کا ترجمہ آج  
شائع کرتے ہیں۔ اردو کے شائقین ادب اس سے اندازہ کرسکیں گے کہ  
موجودہ ترکی شاعری کے ذوق و تخیل کا کیا حال ہے ؟

\*\*\*

”شاعر اور بلبل“

شعراء نے بلبل دیکھی اور اُس سے سوال کیا :

”کانا ختم کرنے کے بعد تیری جگہ کہاں ہوگی ؟“

بلبل نے جواب میں اپنے شیریں راگ شروع کر دیے۔ سب کے  
دل گرما گئے۔ سب کے سر جھک گئے۔ ایک لمحہ کامل خاموشی  
میں گزر گیا !

آخر ایک شاعر نے سر اٹھایا :

”کیسی عجیب چوٹا ہے ! دنیا کی تمام زبانیں سمجھتی  
ہے۔ اسی لیے روئے زمین کے سب ملکوں کی سیلحت کر چکی  
ہے !“

دوسرے نے کہا :

”بے شک یہ تمام زبانیں سمجھتی ہے۔ لیکن خود ایک ایسی  
زبان بولتی ہے جسے گر سمجھتے سب ہیں مگر بول کر لہی نہیں  
سکتا۔“

سب گردنیں جھکا کر بحر خیال میں توب گئے۔ پھر کسی نے  
ایک لفظ بھی نہ کہا !

\*\*\*

جوانی بنا سکتا ہے۔ بشرطیکہ جوانی کا پرورش پانی پر ہوا ہے۔  
ساکن پانی میں ملا دے۔ مسرت کے دنوں کی یاد سے  
بڑھکر بھی کیا اس دنیا میں کوئی مسرت ہو سکتی ہے؟“  
پھر وہ چارپائی پر لیٹ گیا اور بلبل کے نغموں میں بے خبر  
سو گیا!

## مان

(مادری محبت و شعور پر چند خیالات)

”دنیا کا سب سے زیادہ دلکش اور مؤثر منظر کیا ہے؟ مان کے رجوع  
کا منظر ہے جب وہ اپنے بچہ کو مامتا بھری نظروں سے دیکھتی ہے!  
اس سے زیادہ دلغریب نظارہ کوئی نہیں ہو سکتا کہ ہر قسم کے انکار  
و خیالات سے خالی الذہن، سادہ دل بچہ کودتا اچھلتا پھرتا ہے، اور  
اُسکی ماں مادرانہ محبت و ہوشیاری سے اُسکی معصومانہ حرکتوں  
کی نگرانی کر رہی ہے!“ (نامق کمال)

\*\*\*

”اُس احساس سے زیادہ خوشگوار احساس شاید کوئی نہیں جو  
ماں کے دل میں اپنے بچہ کے کھلانے کے وقت پیدا ہوتا ہے۔ اس  
احساس سے زیادہ الم ناک احساس کوئی نہیں جو ماں اپنے بچہ کو  
تکلیف میں دیکھکر محسوس کرتی ہے۔ اس باب میں عورت، مرد  
سے کہیں زیادہ زندگی اور زندگی کی حقیقت کا شعور رکھتی ہے۔“

”انسان، باپ سے زیادہ ماں سے متاثر ہوتا ہے۔ سب سے پہلی  
صورت جو ہمارے ذہن میں قائم ہوتی ہے وہ ہماری ماں ہی کی  
صورت ہوتی ہے۔ ہم زندگی بھر اُس صورت سے متاثر رہتے ہیں۔  
جب ہم حسن کا احساس کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اپنی ماں کا  
وہ چہرہ آجاتا ہے جو ہمیں ہنسیا کرتا تھا۔ کبھی ہم اُسی کے خط و خال  
کو نا دانستہ حسن کا معیار قرار دیتے ہیں۔ ہم اپنی ماں کے کس  
قدر مزاج دان ہوتے ہیں؟ صرف اُس کی آنکھیں دیکھکر ہم سمجھ  
جاتے ہیں کہ وہ خوش ہے یا ناخوش، حالانکہ ہم بالکل بچہ ہوئے  
ہیں اور ہمارا سادہ ذہن دنیا کی کوئی بات بھی سمجھنے کی  
صلاحیت نہیں رکھتا“ (بونی)

\*\*\*

”دنیا کی کوئی زبان بھی مادری محبت کی قوت، خوبصورتی،  
اور بہادری کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ مرد جھجک کر رہ جاتا  
ہے۔ اُس کی قوت جواب دے جاتی ہے، مگر ماں اپنے بچے کی  
محبت میں کبھی کمزور اور سست نہیں پڑتی۔ ماں ہمیشہ امانت  
و اخلاص کا ستارہ بنکر زندگی کے اُس صحرا میں اپنے بچے کی رہنمائی  
کرتی رہتی ہے“ (شاہین)

\*\*\*

”باپ بے اعتنائی کر سکتا ہے۔ بہائی دشمن بن سکتا ہے۔ (زن  
و شو میں عداوت پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن ماں کی محبت میں کبھی  
فتور نہیں پڑ سکتا۔ وہ زندگی بھر یکساں حالت میں تر و تازہ رہتی  
ہے۔ لڑکا کتنے ہی قصور کرے، ماں کی محبت برقرار رہتی ہے۔ وہ  
ہمیشہ اُس لگائے بیٹھی رہتی ہے کہ کسی نہ کسی دن اُس کا  
لخت جگر نام ہو کر اُس کی شفقت بھری گود میں ضرور آجائگا۔  
ماں زندگی بھر بچہ کی مسکراہٹ یاد رکھتی ہے۔ وہ مسکراہٹ جو  
اُس کے سینہ کو مسرت سے لبریز کر دیتی تھی! اُس یاد کی موجودگی  
میں وہ کسی طرح بھی اپنی مادری محبت سے دست بردار نہیں  
ہو سکتی“ (راشنگٹن اورنگ)

میں امیدوں کا بسیرا ہے۔ سب کا مسرت میں حصہ ہے۔  
نہ تو سورج کی کرنوں نے کبھی بھل کیا۔ نہ چاند کی بخشش  
جمال میں کبھی کوتاہی ہوئی۔ آخر کار ہم سب ایک ہی  
چار دیواری میں جمع ہونگے۔ وہاں اپنے محبوب عزیز کے بوسہ ہاے  
عشق سے لذت دوام حاصل کریں گے!“

\*\*\*

عین اُس وقت کالی گھٹائیں ہٹ گئیں۔ ستاروں کے جھومت  
میں بدر منیر جھومتا ہوا برآمد ہوا۔

تمام تاریکیاں معدوم ہو گئی تھیں۔ آسمان کی مجلس شب  
افروز آراستہ تھی۔ نور کے فرشتے صف بستہ کھڑے تھے!

ایک شاعر نے دبی زبان سے کہا:

”بلبل اپنی نغمہ سرائی میں صادق اور اپنے زیر و بم میں  
معصوم ہے۔ یہ دیکھو ماہتاب سامنے ہے۔ اُسکی روپہلی چاندنی  
ہمیں دعوت نشاط دے رہی ہے! آخر کار دوستوں سے ملاقات  
یقینی ہے۔ پھر ہم کیوں رنج کریں؟ کیا سورج کی چمک،  
چاند کی مسکراہٹ، ستاروں کی شب افزوی، پھولوں کا قہقہہ،  
شاخوں کا رقص، باد صبا کی اٹکھیلیاں، دریاؤں کی خوش خرامی، اور  
پھر فطرۃ کے اس تمام جلوہ زار عیش و جمال کے سامنے اس مطرب  
کائنات کی نغمہ سنجی، ہمارے سرور روح کیلیے کافی نہیں؟“

سب کے چہروں پر اطمینان کا سکون پھیل گیا۔ لبوں پر تبسم  
دروڑنے لگا۔ گویا اُس طائر میمون نے فکروں کا پہاڑ سر سے گرا دیا۔

اب ہجر و فراق کا تلخ جام سب کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ عیش  
دوام کی صراحی سب کے منہ سے لگی تھی!

\*\*\*

آتش دان کے سامنے ایک بڑھا چپ بیٹھا تھا۔ انسرودہ نگاہیں  
آگ پر تھیں۔ تھنڈی، انس لیکر بولا:

”اُہ! میں اِس ایندھن کی طرح ہوں۔ قریب ہے کہ سب  
لکڑی جل جائیگی۔ بالکل جل جائیگی۔ اِسی طرح میں  
بھی عنقریب جل جاؤنگا۔ سرتا سر جل جاؤنگا۔“

لیکن فوراً بلبل کی آواز کان میں آئی۔ مایوس بڑھا جھنجھلا کر  
بولا:

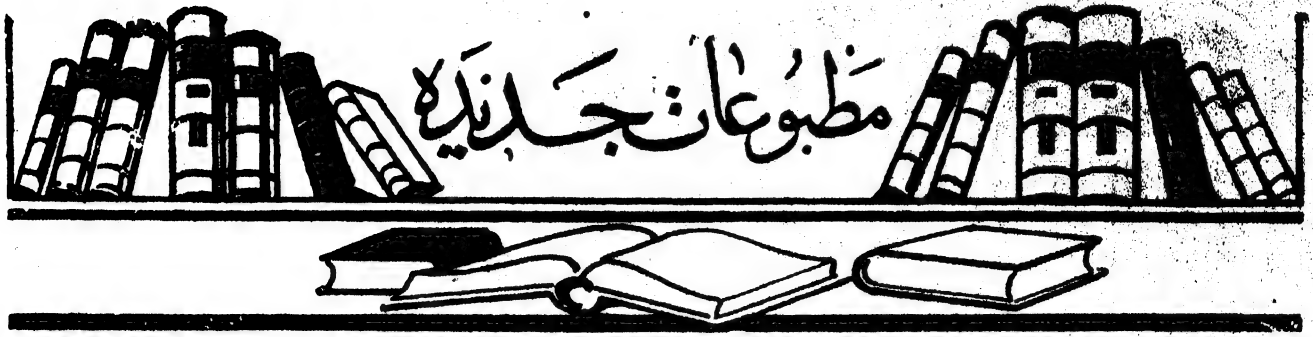
”چپ آؤ زبان دراز چیز! چپ — جوانی کے دن یاد نہ دلا —  
وہ دن جب جسم میں قوت اور چستی تھی — جب نہ آنکھیں  
دیکھنے سے تھکتی تھیں، نہ کان سننے سے — خوشی کے دنوں کی یاد  
تازہ نہ کر — میں اب زندہ اور پر امید انسان کی جگہ ہڈیوں کا  
ایک ڈھیر ہوں — مجھے بچھلا زمانہ بھول جانے دے۔“  
بلبل نے جواب دیا:

”ماضی بعینہ مستقبل ہے۔ اگر مستقبل تاریک ہے تو ماضی  
کی یاد اُسے روشن کر دیگی۔ ماضی کی روح پرور نسیم، حاضر کی  
گرمی ہلکا کر دیگی۔ آفتاب زندگی ہر وقت درخشاں ہے —  
خود ہم اُسے اپنے فکروں کے بادلوں سے چھپا دیتے ہیں۔“

ماضی، حاضر، مستقبل، تینوں بڑے کے دماغ میں آگئے اور  
مل جل گئے۔ دل میں گدگدائی پیدا ہوئی۔ آرزوں کے معطر پھول  
شگفتہ ہو گئے۔ وہ پھول جو چالیس برس کی عمر میں کلیوں کی  
پندھریاں توڑ کر مسکرائے تھے!

بڑے نے آہستہ سے کہا:

”بلبل نے سچ کہا — بے شک زندگی کا آفتاب ہر وقت روشن  
ہے — شباب اور پیری ایک ہی ہے — عاقل پیری کر بھی



## کیا یورپ میں عربی نسل موجود ہے ؟

فرانس کے اندرونی علاقوں میں بکثرت ایسے دیہاتی موجود ہیں جو اپنے رنگ، ذہانت، اور معنیت و مشقت میں عام فرانسیسیوں سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ لوگ بھی دراصل عربی نسل سے ہیں۔ ملک کی آب و ہوا نے انہیں زیادہ اثر نہیں ڈالا۔ صرف زبان بدل گئی ہے۔ تاہم ”اللہ“ کا تلفظ اس وقت تک صاف کرتے ہیں۔ اس لفظ کا استعمال انکی زبان میں عام ہے۔ اور بھی بہت سے عربی لفظ انکی بول چال میں موجود ہیں۔

یہی باعث ہے کہ مشہور فرانسیسی مورخ مسیور جیمو نے لکھا ہے :

”جب کسی کسان کو دبلا، سانولا، تیز نظر، اور جری پاؤ، تو سمجھ لو کہ وہ قدیم عربوں کی نسل سے ہے“

ایک دوسرا مورخ تصریح کرتا ہے :

”میں نے بہت سے فرانسیسی کسان ایسے دیکھے ہیں جنکے نام اب تک عربی ہیں۔ مثلاً فتح اللہ، عبد اللہ، باب اللہ وغیرہ۔ ان کی زبان بھی عربی ہے اگرچہ بگڑ گئی ہے۔ میرے سوال پر انہوں نے بتایا کہ ان کا نسب محفوظ ہے اور یہ کہ وہ عربی النسل ہیں“

دوسرے اور دوریان لوگ کے علاقوں کے باشندے اب تک عربوں کو یاد کرتے اور ان کی بڑی تعریفیں کرتے ہیں۔ وہ تمام قدیم آثار اور شکستہ قلعوں کو عربی بناتے ہیں۔ مغربی اور متوسط فرانس میں اب تک بہت سی عربی یادگاریں مثلاً پھاٹک اور کنوئیں وغیرہ موجود ہیں۔ ان کے نام بھی عربی ہیں۔ اگرچہ انہیں فرانسیسی لب و لہجہ نے مسخ کر ڈالا ہے۔

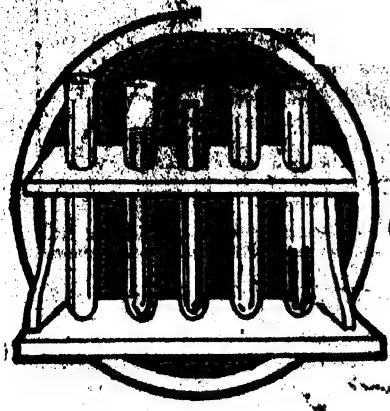
تاریخ، عربی فتوحات کی برکتوں کے ذکر سے لبریز ہے۔ انہوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ ان تاریک زمانوں میں علم کا نور فرانس میں پھیلایا بلکہ ہر طرح کی تمدنی اصلاحات بھی جاری کیں۔ چنانچہ آب پاشی کے ذرائع انہی نے مہیا کیے اور باشندوں کو ان سے فائدہ اٹھانے کے طریقے سکھائے۔ مختلف قسم کے غلے لے گئے اور انکی کاشت رائج کی۔ الپس کے پہاڑوں پر عمدہ گھاس مویشیوں کیلئے انہی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اربوسوں کے علاقے میں دری اور قالین بننے کے کارخانے قائم کئے۔ کورٹین نامی گاؤں میں اب تک ان کارخانوں کے عرب مزدوروں کی نسل موجود ہے۔ عربوں کے جانے سے پہلے فرانسیسی کشتی اور جہاز بنانا نہیں جانتے تھے۔ عربوں ہی سے انہوں نے یہ فن سیکھا۔ موسیور فرمونین اور گیلرمیہ وغیرہ مورخین نے اپنی کتابوں میں ثابت کیا ہے کہ اہل فرانس نے فن تعمیر بھی عربوں ہی سے سیکھا تھا۔ اسکا زندہ ثبوت اب تک موجود ہے۔ فرانس کا موجودہ فن تعمیر صاف بتا رہا ہے کہ عربی ذوق اس میں کار فرما ہے۔“

مندرجہ صدر سوال کے جواب میں ڈاکٹر احمد شاہین ایک مصری اہل قلم نے ایک دلچسپ کتاب شائع کی ہے جو مصر کی تازہ ذاک میں آئی ہے۔ اس میں مختلف تاریخی اور جغرافیائی مصادر سے ثابت کیا ہے کہ اس وقت تک براعظم یورپ کے مختلف مقامات میں عربی نسل کی آبادیاں موجود ہیں۔ غالباً اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جو تاریخی تحقیقات کا ایک نیا میدان اہل نظر کیلئے مہیا کرتی ہے۔ مصنف نے فرانس کی عربی النسل آبادی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، ہم اس کا خلاصہ یہاں ترجمہ کر کے درج کرتے ہیں :

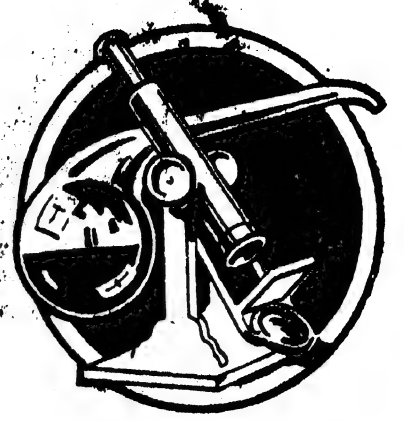
”ساتویں صدی کے اوائل میں عربوں نے فرانس پر حکمرانی کی تھی۔ کاسوں کے علاقہ پر انکا پورا قبضہ تھا اور یگور، روگ، جیو، وان، ڈگے، لورا، اور رادی رزن۔ تک انکی فوجیں بڑھتی رہتی تھیں۔ انکا سب سے بڑا حریف دیوک، ڈاکٹن، تھا، اور برابر مقابلے کر رہا تھا۔ لیکن جب اسکا ایک نیا دشمن پرنس چارلس مارٹل پیدا ہو گیا، تو اس نے عربوں سے صلح کر لی اور اپنی لڑکی عرب سپہ سالار عثمان بن علی سے بیاہ دی۔ اس کے بعد سنہ ۲۵۵ھ میں خود عربوں میں پھرت پڑ گئی۔ سپہ سالار عثمان نے خلیفہ اندلس سے الگ ہو کر خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ خلیفہ نے اسکی سرکوبی کیلئے ایک قریب گراں بیدیجی۔ اہل یورپ نے یہ حالت دیکھی تو باہم متفق ہو کر عربوں کے مقابلہ پر آ گئے اور ”بوتیہ“ کا تاریخی معرکہ رافع ہوا۔ عربوں کو شکست ہوئی، اور وہ فرانس میں ہر طرف بھاگ نکلے۔ فرانس کے عام باشندوں نے انکے ساتھ بد سلوکی نہیں کی، بلکہ مغربیوں کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ انکی شرافت، نیکی، اور اخلاق کی شہرت وہ مدت سے سننے آئے تھے۔“

فرانسیسیوں کا یہ حسن ظن آج تک باقی ہے۔ دیہاتوں میں اب تک عربوں کی شجاعت اور فیاضی کی داستانیں پھیلی ہوئی ہیں جب کاموں سے فارغ ہو کر فرانسیسی کسان رات کے وقت بیٹھتے ہیں تو یہ پرانی کہا نیاں ایک دوسرے کو سنایا کرتے ہیں۔

مقام کونٹرکسویل کے قریب ایک گاؤں ”کرنلیہ“ نام موجود ہے۔ یہاں کے باشندے عام فرانسیسیوں سے بالکل علیحدہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ انکے رشتہ داروں بھی منظور نہیں کرتے۔ انکی زبان بھی خاص ہے دوسرے لوگ آئے نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس میں عربی الفاظ بکثرت موجود ہیں۔ یہ لوگ شادی کی تقریب میں فرانسیسیوں کی طرح ناچنے جلنے بھی نہیں کرتے۔ اپنی عزتوں کو باہر نکلنے سے بھی روکتے ہیں۔ انکی اکثر عزتیں اب تک برقعہ پہنتی ہیں۔



# مذاکرہ علمیہ



(پر اسرار جانور)

## برقی مچھلیاں

سنہ ۱۸۸۲ء - ۱۸۸۳ء میں جب پروفیسر ڈیوڈ اسٹار جارتون مقام کی وبسٹ Key west کی مچھلیوں کی اقسام و عادات کی تحقیق میں سرگرم تھا، تو ایک سیاح ایک چھوٹی سی مچھلی اپنے ہاتھ میں لے کر اس کے دفتر میں وارد ہوا اور ایک دلچسپ قصہ بیان کیا۔ اس نے کہا میں نے یہ مچھلی ساحل کے قریب دیکھی تھی۔ میں نے اس کے جسم میں چاقو بونکدیا، مگر جوں ہی چاقو کا لوہا اس سے مس ہوا، ایک سخت صدمہ میں نے محسوس کیا اور میرا بازو شل ہو گیا!

برقی مچھلی کا یہ پہلا انکشاف تھا۔

(تاریخ مچھلی)

یہ مچھلی اس جنس کی تھی جسے اب ٹارپیدو Torpebo یا برقی رے (Electric ray) کہتے ہیں۔ اس جنس کی بھی یہ سب سے چھوٹی قسم کی مچھلی تھی۔ ہاما (Bahama) اور مغربی کی (Key west) کے مقامی ماہیگیر اسے ”نمب فش“ (numb fish) یعنی شل کر دینے والی مچھلی کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اس طرح کی مچھلیاں جن اور بہت کا جامہ بہ آسانی پہن لیتی ہوئی تھیں۔ معلوم نہیں الف لیلہ کے سند باد کا کبھی ان دریاہی بہتوں سے سابقہ پڑا تھا یا نہیں؟

ان مچھلیوں کا جسم بہت نرم، جسم کی ساخت مدور، اور کھال ہموار اور چمکی ہوئی ہے۔ یہ برقی مچھلیاں تمام گرم سمندروں میں ساحل کے قریب پائی جاتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں جو امریکہ کی ریاستہائے متحدہ میں کمیاب ہیں، بحر اطلس اور بحر الکاہل کی ٹارپیدو کہلاتی ہیں۔ انکا طول تین فٹ تک ہوتا ہے اور وزن ایک من دس سیر سے زیادہ نہیں ہوتا۔ رنگ عموماً سیاہ ہوتا ہے۔ عام طور پر غذا کے لئے استعمال نہیں کی جاتیں۔

تمام تاریخ مچھلیوں کا برقی آلہ ساخت ایک ہی وضع کا ہوتا ہے۔ یہ آلہ ایک بڑی تھیلی کی طرح ہوتا ہے جس میں شہ کی مکلیوں کے چھتے کی طرح چھوٹی چھوٹی شش پھل کوٹھریاں بنی ہوتی ہیں۔ بڑی جنسوں میں ایسی کوٹھریاں چار سو تک دیکھی گئی ہیں۔ اس طرح کی تھیلیاں کھال کے نیچے سر کے دونوں جانب، آنکھوں کے پیچھے، اور بازو یا پیروں کے جڑ سے ملتی ہوئی پائی گئی ہیں۔ اس تھیلی کی ہر کوٹھری گویا جسم کے پٹھوں کی ایک تبدیل شدہ صورت ہے۔ وہ ایک شفاف اور متحرک گڑے قوام (Jelly) سے بھری ہوتی ہے۔

تاریخ مچھلی میں اس تھیلی کا برقی خزانہ سب سے بڑا ہوتا ہے۔ وہ اپنے دشمن پر اسی ہتیار سے حملہ کرتی اور اسے شل کر دیتی ہے۔ چاقو، برجمی، تلوار سے اس پر حملہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دھات کی اشیاء فوراً برقی لہر قبول کر لیتی ہیں اور ان کے

حکمت الہی کی کارفرمائیاں بھی کیسی عجیب و غریب ہیں! انسان نے لاکھوں برس کی سراغ رسائیوں کے بعد کائنات کی ایک سب سے بڑی قوت کا کھوج لگایا جسکا نام قوت برق ہے۔ یہ قوت آج اس کی کاربراہی کا سب سے بڑا خزانہ ہے۔ زمین اس سے روشن ہوتی ہے۔ آسمان پر طیارے اسی کے ذریعہ اڑتے ہیں۔ سواری کیلئے سب سے بڑا مرکب یہی ہے۔ کارخانوں کیلئے سب سے بڑی قوت حرکت اسی سے ملتی ہے۔ خبر رسائی میں اسی کی پیغام بری پر آج بحر و بر کا دار و مدار ہے۔ زمین کی طاقت کے تمام خزانے خالی ہو جائیں، لیکن اس لازوال خزانے کے ختم ہو جانے کا کبھی اندیشہ نہیں۔

لیکن جب انسان نے اس عجیب خزانہ قوت پر قبضہ کر کے فخر و غرور سے سر اٹھایا، تو قدرت نے اپنے پردہ اسرار کا ایک نیا گوشہ کھول دیا۔ انسان نے دیکھا اور دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ جس چیز کو وہ اپنی طاقتوں کا سب سے بڑا خزانہ سمجھ کر اسقدر مغرور ہو رہا ہے، وہ قدرت کے کارخانہ حیات میں اس سے زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتی کہ چند حقیر اور مجہول جانوروں کے جنگ و شکار کا ایک معمولی سا ہتیار ہے!

قدرت نے ہر جاندار کو اسکی غذا کے حصول کیلئے مختلف قسم کی قوتیں اور طرح طرح کے آلات دیے ہیں۔ کسی جانور کے پاس بڑے بڑے پنچے ہیں۔ کسی کے پاس لنبے لنبے دانت ہیں، کوئی سینگ کے ہتیار سے لڑتا ہے، کوئی اپنی تیز سانس کے ذریعہ اپنا شکار کھینچ لیتا ہے۔ ایسا ہی ایک ہتیار برقی قوت کا خزانہ (بیٹری) بھی ہے۔ جن جانوروں کے پاس یہ خزانہ ہے، وہ اسے ایک ہتیار کی طرح کام میں لاتے ہیں۔ جب انکا شکار قریب آتا ہے، تو برقی قوت کی لہر اسے بے ہوش یا شل کر کے ڈال دیتی ہے، اور وہ اسے بہ آسانی لپٹا نوالہ بنا لیتے ہیں!

ان جانوروں کا برقی خزانہ انکے دوران خون کی حرکت سے کچھ ایسا عجیب تعلق رکھتا ہے کہ ہمیشہ برقی قوت اس سے حاصل ہوتی رہتی ہے۔ قوت کی تیزی اور اجزاء کیلئے معرک کی ضرورت ہے۔ یہ کام انکے جوش اور غضب کے ہیجان سے لیا جاتا ہے۔ جڑی وہ جوش میں آتے ہیں، غضب و ہیجان کی حرارت برقی خزانہ کیلئے تازہ قوت بہم پہنچا دیتی ہے، اور برقی لہریں تیزی کے ساتھ اٹھنے اور گھرانے لگتی ہیں!

ان جانوروں میں سب سے زیادہ عجیب برقی مچھلیاں ہیں۔ آج ہم انکی بعض اقسام کی تشریح کرتے ہیں۔ یہ تشریح اس دلچسپ اور معقنہ مضمون سے ماخوذ ہے جو رسالہ سالٹنگک امریکن کی پچھلی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔

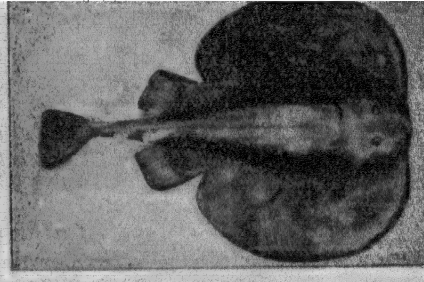
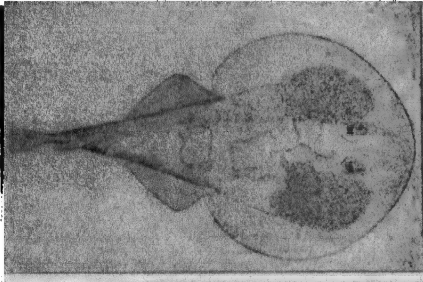


## (برقی ایل)

جس مچھلی میں سب سے زیادہ برقی قوت ودیعت کی گئی ہے وہ برقی ایل (El) ہے جسکا اصطلاحی نام الکٹروکس الکٹروفورس (Electricus Electroforus) ہے۔ یہ مچھلی برازیل اور گالنا کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے۔ ایل مچھلی کو ہڈیوں میں بام مچھلی کہتے ہیں اور کھائی بھی جاتی ہے۔ برقی ایل اگرچہ اپنی لمبی اور سانپ نما شکل میں بام مچھلی سے مشابہ ہوتی ہے مگر عام حیوانات کی تحقیقات میں اسکی باطنی ساخت بام سے مختلف ہے۔

برقی ایل اپنی برقی قوت میں تمام برقی مچھلیوں سے زیادہ طاقتور ہے۔ یہ برقی آلات کے درجہ رکھتی ہے اور دروں میں بہ کثرت چھوٹی چھوٹی کڑھریاں ہوتی ہیں۔ اس برقی آلہ کا ایک جزا اسکی دم کے اوپر ہوتا ہے۔ دوسرا پچھلے پیروں کی جڑ میں۔ برازیل کی برقی ایل کی لمبائی چھ فٹ تک ہوتی ہے۔ اس کا برقی صدمہ ایسا تیز و شدید ہوتا ہے کہ مس ہونے ہی جسم کو بالکل شل کر دیتا ہے۔

ڈاکٹر ایم۔ ای۔ بلاک (M. E. Block) مچھلیوں کی طبعی تاریخ (Natural History) میں برقی ایل پر متعدد تجربوں کا بیان کرتے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مچھلیاں جب سکون و عافیت میں ہوتی ہیں تو برقی صدمہ نہیں پہنچاتیں۔ لیکن اگر انہیں جھڑپوں پر انگلیختہ دیا جائے تو تیز برقی لہر اٹھنے لگتی ہے۔ انہیں جھکنا سخت غصہ آتا ہے۔



ناریڈو برقی مچھلی

جب برقی مچھلی مرے لگتی ہے تو اسکی برقی قوت بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مرے کے بعد بالکل زائل ہو جاتی ہے۔ ان مچھلیوں کی برقی لہر دھات کی اشیا اور تمام برق پذیر conductor اشیا میں فوراً سرایت کر جاتی ہے مگر شیشہ اور ریشم پر اثر نہیں کرتی۔ چھوٹی مچھلیاں ان سے مس ہونے ہی شل ہو جاتی ہیں اور یہ بہ آسانی ان کا شکار کر لیتی ہیں۔

بعض لوگوں نے دعویٰ کیا کہ اکر دھات کے دو ٹکڑوں سے یہ مچھلی چھو دی جائے تو دونوں ٹکڑوں کے درمیان ایک برقی سہارا پیدا ہو جائیگا۔ مگر یہ دعویٰ ابھی تجربے کا محتاج ہے۔ ایک ماہر بیان کرتا ہے کہ اٹھائیس آدمی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر حلقہ میں کھڑے ہو گئے اور اس حلقہ کے ایک سرے پر برقی ایل کا جسم چھو دیا گیا۔ معاً حلقہ کے تمام آدمیوں کو اسی طرح کا برقی صدمہ محسوس ہوا جیسا کسی بہت بڑے برقی آلہ کے استعمال سے ہو سکتا ہے!

ذریعہ جسم انسانی تک پہنچ جاتی ہیں۔ یہ اثر اگرچہ خطرناک نہیں ہے مگر کافی دھشت طاری کر دیتا ہے۔ اس مچھلی کی برقی قوت ایک عربہ عمل کرنے کے بعد پھر عارضی طور پر کم ہو جاتی ہے اور جب تک اچھے عرصہ سکون آرام کی زندگی بسر نہ کرے کام نہیں دے سکتی۔

ناریڈو کی تقریباً بیس قسمیں کم اور نیم گرم سمندروں کے متفرق حصوں میں پائی جاتی ہیں۔

## (نیل کی برقی مچھلی)

برقی مچھلیوں کی دوسری جس دریاے نیل میں پائی جاتی ہے جس کو علمی اصلاح میں الکٹروکس مالپٹیرورس (Electricus Malapterurus) کہتے ہیں۔ اس کی صورت ناریڈو مچھلی سے مختلف ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی مضبوط وزن دار مچھلی ہے جس کی کھال چکنی اور پر چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اسکی مچھلیں بھی ہوتی ہیں مگر چھوٹی۔ ہرے جسم پر چھوٹے بڑے سیاہ داغ ہوتے ہیں۔ اس مچھلی کا بھی برقی آلہ تقریباً ناریڈو مچھلیوں کی طرح ہوتا ہے۔

## (ستارہ بین)

برقی مچھلیوں کی تیسری قسم داغدار ہے۔ اس کا اصطلاحی نام ایسٹروسکوپس گوٹٹس (Astrascopus guttatus) ہے۔

اسکی شکل سب سے علیحدہ اور عجیب ہوتی ہے۔ یہ ایک چھوٹی مگر قوی الجھ مچھلی ہے جو ایک وقت امبی اور صورت میں میڈاک سے مشابہ ہوتی ہے۔ اسکا سر بڑا اور اوپر کی طرف

چبڑا ہوتا ہے۔ اسکے ٹھوس اور کھردرے بدن پر چھوٹے چھوٹے جھلکے ہوتے ہیں۔ جسم کے اوپر کا حصہ چھوٹے چھوٹے گول داغوں سے بھرا ہوتا ہے۔

اس کی اصلی خصوصیت اسکے سر کی ساخت ہے۔ یہ سر ایک مربع بکس کی طرح ہوتا ہے۔ دونوں آنکھیں سرے پر اس کی اٹکی ہوئی ہے کہ ادھر ادھر یا نیچے نہیں دیکھ سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسکا نام ستارہ بین (Star gazer) رکھا گیا ہے۔

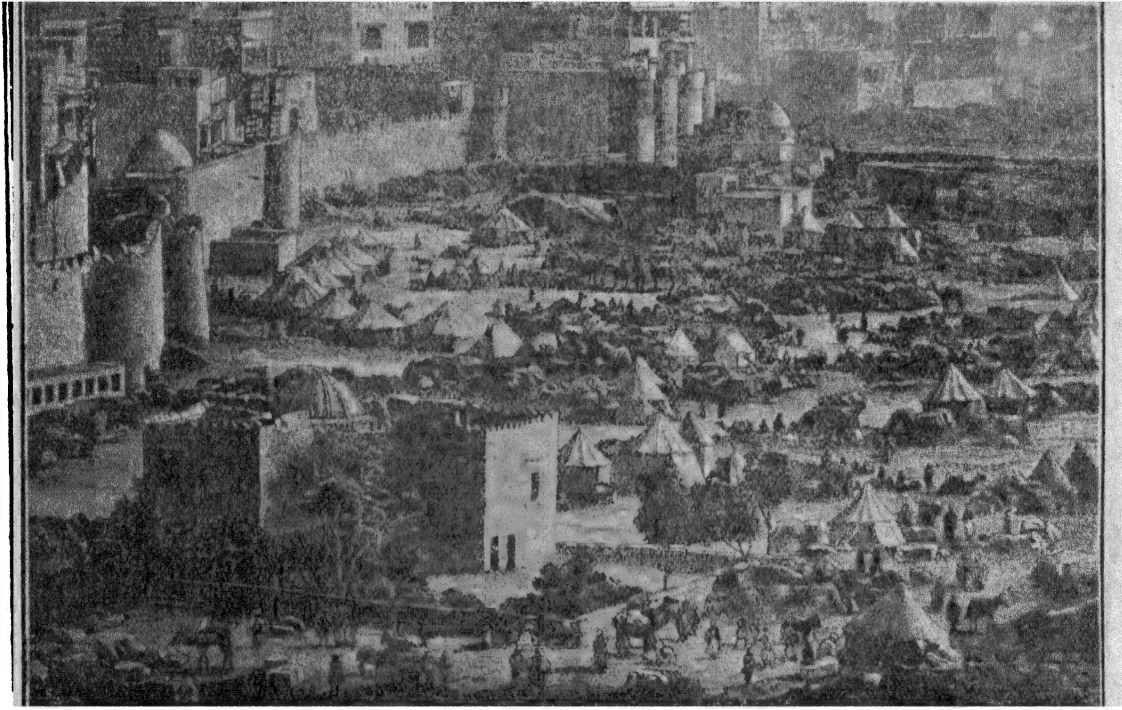
اس مچھلی کی آنکھوں کے پیچھے چمکے چمکے درجہ چھوٹے خزانے ہوتے ہیں۔ پرنسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر آلرک ڈاھلگرن (Ulric Dahlgren) نے اس برقی خزانے کے اجزاء کا مطالعہ کیا۔ برقی آلہ کی ساخت بالکل نئی وضع کی ہے۔ اس میں بہت سے مستطی پرت مساری مقدار کے ہوتے ہیں جنکو الکٹروپلیکس (Electroplax) کہتے ہیں اور ہر دو پرتوں کے درمیان ایک گاڑھا قوام ہوتا ہے۔ ستارہ بین مچھلیوں کی بہت سی دوسری قسمیں جاپان اور یورپ کے ساحلوں پر ملتی ہیں۔ چونکہ یہ مچھلیاں گوشت خوار ہیں اسلئے قرینہ یہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں برقی صدمے سے بچنے کے لیے اسلئے وسیع دھانے کا نوالہ بن جاتی ہوتی ہیں۔

# عالم شرق و اسلام

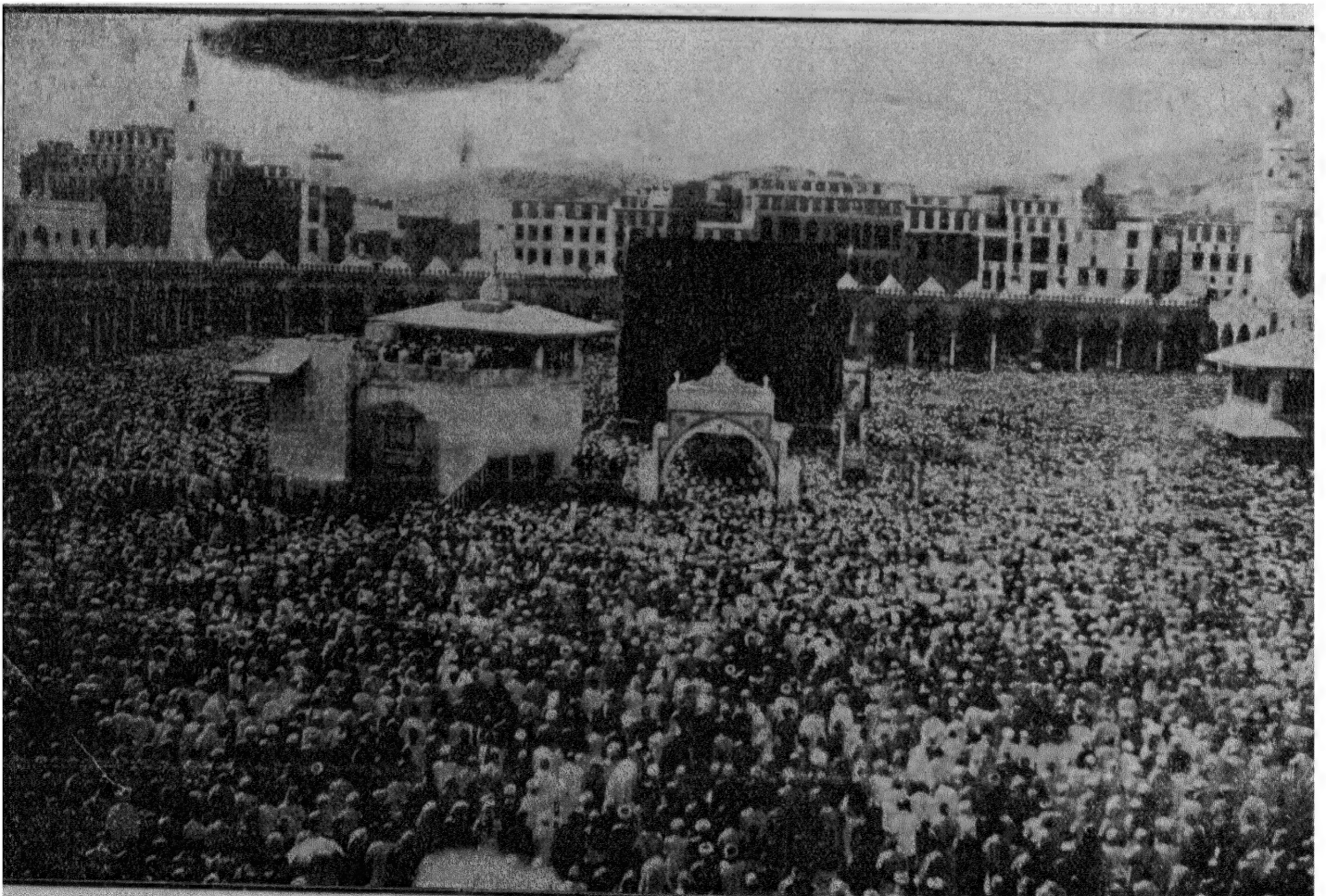
حج سنہ ۱۳۴۵

”وادي غير ذي زرع“ ميں قوموں کا هجوم از ملوک کا اتصال !

واذن في الناس بالحج ياتوك رجالا وعلى كل ضامر ياتين من كل فج عميق !



منہا میں حاجیوں کا پزار



موسم حج میں مسجد حرام کا اجتماع جمعہ

الہلال کے مقالہ نگار مقیم جدہ ۲۸ مئی کے مراسلہ میں لکھتے ہیں :

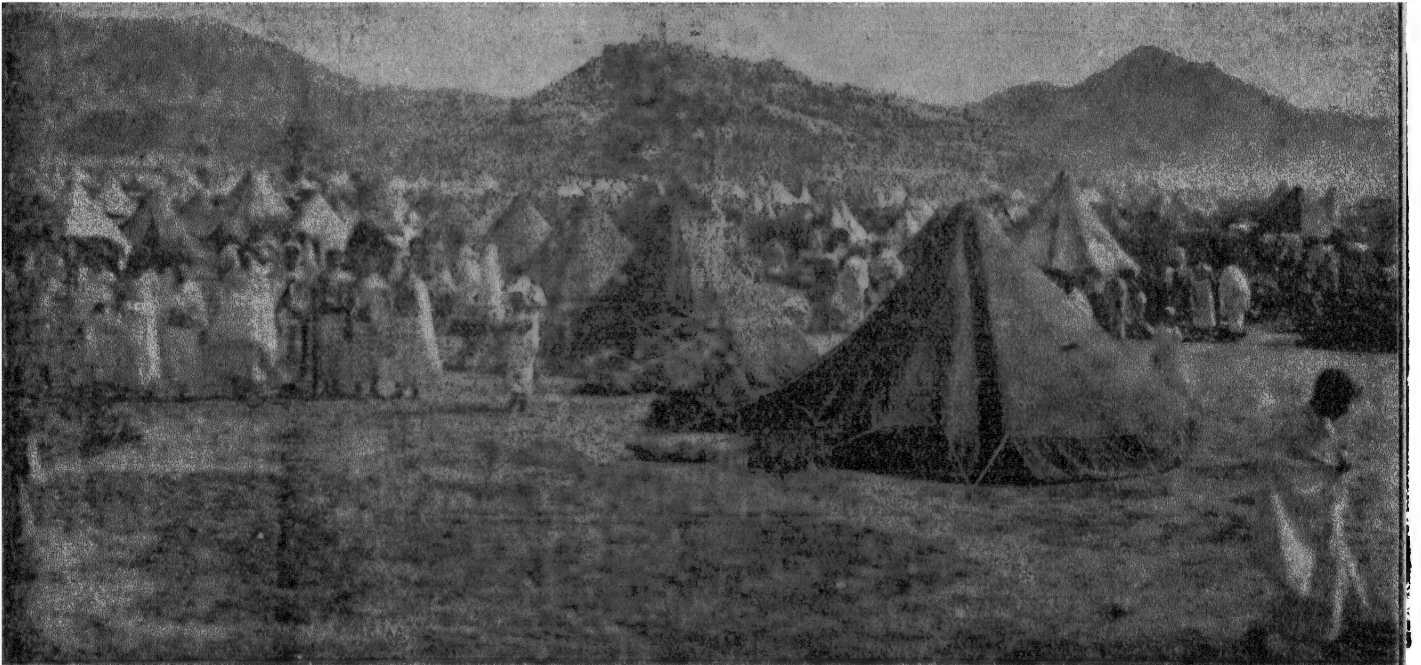
” آجکل بحیرہ احمر کا یہ ساحلی مقام تمام کراڑی ارضی کے انسانوں کا مرکز بن گیا ہے۔ خشکی اور قحطی کے دنوں میں وہاں سے قوموں اور ملکوں کے قبائل پہنچ رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جدہ کی زمین شوق ہو گئی ہے اور انسانوں کے انہو اُگل رہی ہے۔“

انہی باتوں سے آپکو معلوم ہو چکا ہوگا کہ برطانیہ نمائندہ جدہ میں مقیم تھا تاکہ سلطان ابن سعود سے نئے معاہدہ کے مواد پر گفتگو کرے۔ نمائندہ کے ساتھ سکریٹریوں کا بھی ایک پورا اسٹاف تھا۔ ایک دن میں نے مغرب کی نماز ساحل کی رنگ پر ادا کی جہاں بعض رؤساء جدہ نے کلب کی طرح ایک رزائلڈ ”سی الصلوٰۃ“ کے نام سے نام لگایا تھا۔ نماز کے بعد جب میں لوٹا اور بازار کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہاں برطانیہ نمائندہ کے اسٹاف کے چند افراد بازار کے نظارہ میں غرق ہیں۔ ان میں ایک شخص مسافر ریس نامی تھے جن سے میں ایک دو مرتبہ مل چکا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا ”آپ کس چیز کے نظارہ میں اس قدر دلچسپی لے رہے ہیں؟“ انہوں نے کہا :

موجودہ زمانے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بتلائی جاتی ہے کہ علوم و تمدن کی ترقی اور سیور حرکت کے حیرت انگیز وسائل نے قوموں اور ملکوں کا تفرقہ دور کر دیا ہے، بحر و بر کے قاذبے مل گئے ہیں، اور ساری دنیا ایسی ہو گئی ہے، جیسے ایک مسلسل آبادی کے مختلف محلے اور حصے ہوتے ہیں !

لیکن اس پر بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ قوموں اور ملکوں کے ممالک کا تفرقہ جس قدر کم ہوتا جاتا ہے، دل اور دماغ کا تفرقہ اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔ جس قدر قریبی سے بیسویں صدی کی موٹروں اور طیارے دور رہے ہیں، اتنی ہی تیزی سے قوموں کے دل بھی ایک دوسرے سے بڑھتے ہو رہے ہیں !

لیکن اب سے تیرہ سو برس پہلے جب دنیا موجودہ زمانے کے تمام وسائل قرب و اجتماع سے محروم تھی، بحیرہ احمر کے کنارے، ریگستان عرب کے وسط میں، حجاز کی ”ریگ“ اور بے زراعت راندی کے اندر، ایک صداۃ اجتماع بلند ہوئی، اور نسل انسانی کے منتشر افراد کا ایک نیا گھرانہ آباد کیا گیا۔ انسانی اجتماع و یگانگت کی یہ پکار صرف اتنا ہی نہیں چاہتی تھی کہ ملکوں کی سرحدیں اور جغرافیہ کی حدیں ایک دوسرے سے قریب ہوجائیں،



عرفات میں حاجیوں کا اجتماع !

”دیکھو، یہ ہندوستانیوں کا گروہ ہے۔ یہ پانچ پستہ قد جارجی کہتے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک چینی کی منگولیں صورت دکھائی دے رہی ہے۔ دوسری طرف ایک ترکستانی کی سیاہ ٹوپی اور افغانی کی بڑی سی پگڑی ہے۔ ان کے پیچھے ایک گروہ یمنی، عربوں کا سرخ جبے پہنے جا رہا ہے اور ان کے ساتھ اقصاء افریقہ کا ایک جزائری بیرو ہنس ہنس کر باتیں کر رہا ہے۔ تیسری طرف دو حبشی کہتے ہیں اور ایک مصری طرفوش ان کے پیچھے نظر آرہی ہے۔ اگر ان تمام قوموں کی آبادیاں جغرافیہ کے نقشے میں ڈھونڈھی جائیں، تو کیسے کیسے عظیم سمندر اور بے کنار صحرا ان میں حائل نظر آئیں گے؟ لیکن یہاں ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے۔ سال کے اس موسم میں خود بخود دنیا کے تمام گوشے اس جگہ یک جا ہوجاتے ہیں۔ کیا آج دنیا کے کسی حصے میں بھی ایسا منظر نظر آسکتا ہے؟ کیا اس منظر سے بھی بڑھ کر کوئی منظر ہے جو انسانی اجتماع کی ایک عجیب و غریب قوت کا پتہ دے؟ میں سوچ رہا ہوں کہ کس کے ہاتھوں میں اس رشتہ کا سرا ہے جس سے بحر و بر کے یہ تمام گوشے کھینچ لیے جاسکتے ہیں؟ اسلام کے ہاتھ میں! چھٹی صدی کے صحراء عرب کا اسلام آج بھی انسانی اخوت کی سب سے بڑی زندہ قوت ہے!“

بلکہ اس کا مقصد نسل انسانی کے بکھرے ہوئے دلوں اور برگشتہ رگوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دینا تھا۔

یہ پکار سنی گئی۔ کراڑی ارضی کے سارے گوشوں اور خشکی اور قحطی کی ساری راہوں سے اس پکار کی بازگشت بلند ہوئی۔ انجن اور برق کی برق رفتار سواروں کے ذریعہ نہیں، تار اور لاسلیکی کے گارے ہوئے ستونوں پر سے نہیں، بلکہ دل کے اعتقاد اور روح کے ایمان کے ذریعہ اُسکی پکار سب نے سنی، اور اسکی پکار کا جواب سب کی زبانوں سے نکلا !

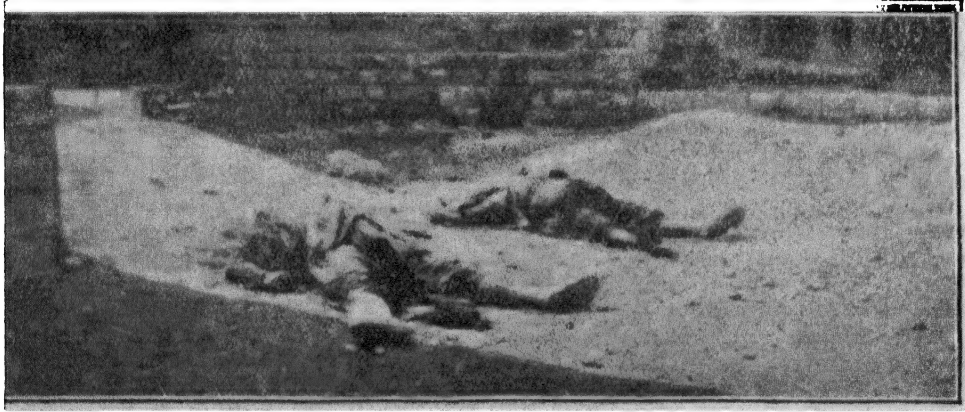
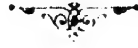
یہ اسلام کی پکار تھی ! یہ اسلام کا فرضہ حج تھا !

اس نے ملکوں کو اتھاڑ دیا، قوموں کو جوڑ دیا، نسل اور زبان و ممالک کے سارے تفرقے دور کر دیے، گورے کو کالے کے ساتھ اور بادشاہ کو فقیر بے نوا کے ساتھ ایک ہی مقام میں، ایک ہی وضع و لباس میں، ایک ہی صورت و اعتقاد کے ساتھ، اس طرح جمع کر دیا کہ انسانی گمراہی کے بنائے ہوئے سارے امتیازات مت گئے، انسانی اخوت و وحدت اپنی اصلی صورت میں بے نقاب ہو گئی !

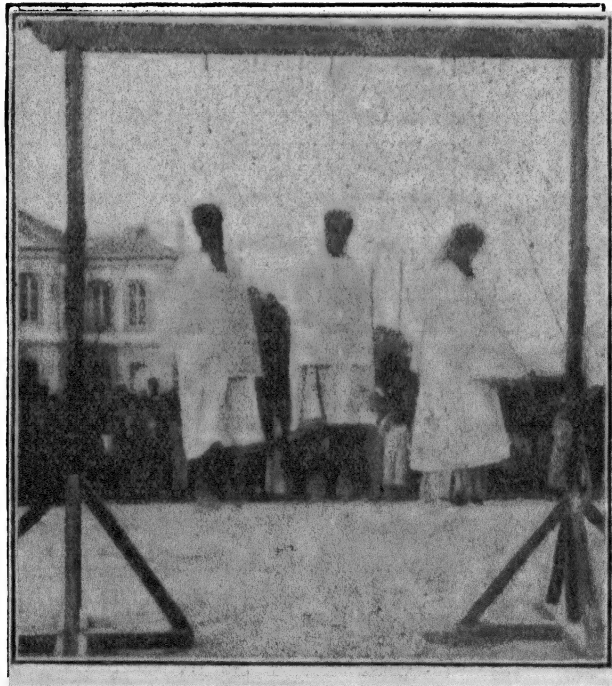


## شام کی حرکت استقلال

فرانسیسی مظالم کے چند خونی مناظر!



غولہ (دمشق) میں دو رطل پرست غیر گولیوں سے مار ڈالے گئے اور انکی نعشیں سڑک پر چھوڑ دی گئیں۔



۷ - اکتوبر کے حادثہ کے بعد بے شمار آدمی پھانسی پر چڑھائے گئے - ایک پھانسی کا منظر جسمیں تین نعشیں لٹک رہی ہیں!



دمشق کے محلہ میدان کا ایک منظر - بے گناہ اور غیر مسلح آبادی کا قتل عام - بے شمار لاشیں سڑک پر پڑی ہیں - عرصہ تک یہ اسی طرح پڑی رہیں!

بصائر و حکم

## انسانیت موت کے دروازہ پر!

شاہیر عالم اپنی زندگی کے آخری اوقائیل

امام علی علیہ السلام

ایک مغربی شاعر لکھتا ہے: "اگر تم ایک انسان کو اس کے تمام اوصاف و خصائص اور مجموعہ عریض کی اصلی صورت میں دیکھنا چاہتے ہو تو انتظار کرو۔ اس وقت تک انتظار کرو جب موت کا دلدلا دہر چکر لگ جائے۔ اس وقت وہ سارے بنائے ہوئے پرے چھایا جھکے جو انسان اپنی حقیقی صورت پر ظاہر کیا کرتا ہے۔ اس کی مدح و تنقید، اس کے شکر و تحسین، نقاب چھانڈنے کی ہر ادب و عجب چکر کو دنیا کے نیچے اتھان کی چوڑی یا کھل صحیح ہے۔ انسان کی حقیقت کا یہ چہرہ ماسخ صورت اس کی زندگی کی آخری لمحوں ہی میں کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ میں خیالی ہوا کہ اگر دنیا کے اکابر و شاہ پرہ کے صرف وہ حالات جمع کرنے جائیں جن کا نقل آدمی زندگی کی آخری گھڑی لکھتا ہے، تو یہ اخلاق، حکمت، اور موعظت کا نہایت جہت انگیز مجموعہ ہوگا۔ اور انسانی لطیف و مبالغہ کے بے شمار کئے ان کو حل ہو جائیگا۔ چنانچہ اس خیال سے شاہرہ عالم کے آثار پر نظر پڑا، گئی، اور جستجو، تحقیق کے بعد ایک ضخیم مجموعہ مرتب ہو گیا۔ اس میں تاریخ اسلام کے تمام اکابر و شاہرہ طغفار و ناشدین سے لیکر ملکہ و ملکہ نگار گزریں۔ ان کے علاوہ امام شاہرہ عالم کا ذات و ذات کا بھی کافی ذخیرہ موجود ہے۔ جیسا کہ فیروز بہار پڑاؤ لگائی، تو یہ دیکھ کر حیرت ہلائی کہ یہی متفق حال جو اپنی انفرادی صورت میں کسی خاص ترین شکل کو لے کر اب بھی کچھ تاریخ عالم کی کسی مفید پڑائیاں اور قیمتی چیزیں لکھتے ہیں؟ آج ہم اس مجموعہ میں سے حضرت علی و علیہ السلام کی صفات کے حالات شائع کرتے ہیں۔ آئندہ بھی اس کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یاد رکھو کہ اس سلسلہ سے متعلق مشور و قبل از مشورہ آقا کا بہت سیج کرنا ہے کیسے کیسے نہ نظر متعین نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ کے جمع کرنا کی پوری کاوش و جستجو لگائی ہے۔

جنگ قبل کے بعد اسلامی خلافت کی نزار و تحصیل میں محصور ہو گئی تھی۔ امام علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان۔ ان کے درمیان قسری شخصیت عمرو بن العاص کی ممتی اور اپنے سیاسی اثر کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔

جنگ منین نے مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ "خوارج" کا پیدا کر دیا تھا۔ یہ اگرچہ قاتر سیاسی اغراض و مقاصد رکھتا تھا لیکن مسلمانوں کے دوسرے سیاسی فرقوں کی طرح اُس کے مقاصد بھی وہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اسنے اپنا سیاسی مذہب یہ آیت قرآنی پھی کر "ان الحكم الا لله" یعنی حکومت کسی آدمی کی نہیں ہونی چاہئے۔ دراصل تاریخ اسلام کے خواجہ موجودہ تمدن کے زار و گسٹ تھے۔ لہذا وہ کوثر اور دمشق، دونوں حکومتوں کے مخالف تھے۔

کہیں ٹھیکہ خازموں نے سازش کی۔ تین آدمیوں نے ہڑتال  
 اٹھایا کہ توڑی تاریخ اسلام بدل دیں گے۔ اداؤں نے بدل ہی  
 عروبن بن جحیر بنی نے کہا "میں حکم معرور بن العاص کو  
 قتل کر دوں گا، کیونکہ وہ فتنہ کی شہرک رہا ہوا"  
 بزرگ ابن عبداللہ بنی نے کہا "میں معاویہ بن ابی سفیان  
 کو قتل کر دوں گا کیونکہ اسے شام میں قیصریت قائم کی ہوا"  
 ایک لہو کے لئے خاموشی بجا بھی۔ علی بن ابی طالب کے نام  
 سے دل خراتے تھے۔ بالآخر عبدالرحمن بن لہو امدی نے ہمر کو  
 توڑی: "میں علی کو قتل کر دوں گا"

ان ہونا تک صہوں کے لئے، اور رمضان کی تاریخ مقرر کی گئی۔ دہ پہلے شخص، اسپیٹھم میں ناکام رہے۔ لیکن عبدالرحمن بن الحکم کامیاب ہو گیا۔ اسل جہاں کی تفصیل حسبِ بلِ حجہ، کتاب سے چلکر عبدالرحمن کو رہ پھونچا۔ یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ عبدالرحمن اُن کے ہاں تاجا حاتا تھا۔ ایک ہی قبیلہ تم الرباب کے بعض خادموں سے اسکی لٹا بڑی۔ انہی میں ایک خوبصورت عورت نظامِ زندہ شہزادہ صی

بنی عابری بھی تھی۔ عبدالرحمن اُس پر عاشق ہو گیا۔ سنگ بدل نازنین نے کہا "میرے وصل کی شرط یہ ہو کہ جو میرے طلب کر دے ادا کر دے" ابن حجر راضی ہو گیا۔ قظام نے اپنا سر پہ بتایا "تین ہزار دوسم ایک غلام، ایک کتہ، امدلی کا نسل" عبدالرحمن نے کہا "منظور کمر علی کو کھڑے جو قتل کر دے؟" خود بخود معشورۃ نے جواب دیا "چھکر اگر تو کامیاب ہو کر لوٹ آئے گا تو مخلوق کو شر سے نجات دے گا ادا پانے اہل دعیال کے ساتھ مسرت کی زندگی بسر کرے گا۔ اگر ادا جانے کا قوت اور لازوال نعمت حاصل کرنے کا" عبدالرحمن نے اسطن ہکر شیخ فریدؒ:

ثلاثة آلاف وعبد قتيبة  
فلاهرغلي من علي ولان غلي  
(ملحقا ابن سعاد - كاشي البير وغيره)  
وضرب علي الحسام الصمصم له  
ولا تفك لادون خيلان لمحم له

روایتوں سے ثابت ہو کہ حضرت عائلی کے قلب میں آنے والے حادثہ کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ عبدالرحمن ابن لؤی کی طرف جب تھوڑے توڑھیں کرنے کے بعد خون سے رنگین ہونے والے ہیں۔ ابن سعد کی ایک روایت میں ہو کہ آپ فرماتے تھے "مذاکی قسم بھے آں حضرت مسلم نے بتلایا ہو کہ میری موت قتل سے ہوگی"

عبدالرحمن بن ملجم در تبرہ بیعت کے لئے آیا مگر اپنے لڑکا دیا عزیز  
 دلفن آیا تو فرمایا سب سے زیادہ بدعت آدمی کو کن چیز روک رہی  
 ہے؟ والدہ یہ چیز (اپنی ڈاڑھی کی طرف اشارہ کیا) اس کے خون  
 سے (سر کی طرف اشارہ کر کے) مزید رنگ جانے والی ہو، (ابن حاتم  
 کہہ بھی جب اپنے ساتھیوں سے غفا ہوتے تو فرماتے تھے کہ  
 سب سے زیادہ بدعت آدمی کو آنے اور میرے قتل کرنے سے کن چیز  
 روک رہی ہو؟ خدایا میں ابن سے اکتیا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اکتیا  
 گئے ہیں۔ مجھے ابن سے راحت ہے، اور انھیں مجھ سے راحت ہے  
 (ابن حاتم)

ایک دلی خطبہ میں فرمایا: تم اس پروردگار کی جس نے حج ادا کیا اسے بھائی پیدا کیا! یا اس سے عنوننگ جانے والی ہو (اسی ٹاٹھی

اور سر کی طرف اشارہ کیا) بدبخت کیوں انتظار کر رہا ہو؟  
لوگوں نے عرض کیا "اے اے المؤمنین! ہمیں اس کا کلمہ بتائیے  
ہم ابھی اس کا فیصلہ کرنا نہیں گئے" فرمایا "تو تم ایسے آدمی کہ لوگوں  
کو گمراہ کرنے کے لیے تیار ہو کر بیٹھ رہے ہو"  
عرض کیا گئی "تو میری کوشش نہ کرنا" فرمایا "میں نہیں ہوں  
میں تمہارے اسی حال میں چھوڑ دیا، لیکن حال میں تمہیں انہوں نے  
اور مسلم چھوڑ گئے تھے"  
لوگوں نے عرض کیا "اس مسئلہ میں آپ خدا کو کیا جواب  
دینگے؟"

فرمایا کہوں گا "خدیا میں ان میں تجھے چھوڑ کر آجوں، تو  
چاہے تو ان کی اصلاح کرے اسچاہے انھیں بھگا دے،  
(مسند امام احمد، مسند طبرانی)

حادثہ سے پہلے  
 آپ کی کثیر التعداد جمعہ کی روایت ہو کہ واقعہ قتل سے چند دن پہلے میں  
 آپ کے ہاتھ و ملامتیں ملنے لگی کہ آپ نے سر اٹھایا۔ میرا دایاں ہاتھ میں لٹاؤ  
 فرمایا۔ حجت تجھ پر، تو خون سے رنگی جائے گی“ (ابن سعد)  
 آپ کے بعض اصحاب کو بھی اس سانس کا کچھ تپ چل گیا تھا۔  
 چنانچہ خود ہی مکراد میں سے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا اے رسول  
 ہوشیار رہئے۔ یہاں کہہ لوگ آپ کے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں۔  
 (الامامہ والاساء)

یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے؟ چنانچہ ایک دہن آب ناز فرہمہ تھے۔ ایک شخص نے ان کو عرض کیا کہ "میرا  
بھائی کیونکہ قبیلہ مراد کے کچھ لوگ آپ کے قتل کی فکر میں ہیں" (ابن حاتم)  
یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ کن شخص افراد کر رہا ہے؟ اشعث  
نے ایک دہن ابی نجم کو تلوار لگائے دیکھا اور اس سے کہا "مجھ  
اپنی تلوار دکھاؤ" اُس نے تلوار دکھائی تو وہ بالکل نئی تھی۔ اُصول  
نے کہا "تلوار لگانے کی کیا وجہ ہو حالانکہ یہ نانا جنگ کا نہیں"  
عبدالرحمن نے کہا "میں گاؤں کے ادنیٰ بیچ کر بچا رہتا ہوں"  
اشعث سہو گئے اور اپنے خیمہ پر سوار ہو کر حضرت علیؑ کے سامنے  
حاضر ہوئے اور کہا "آپ ابن نجم کی جرأت و شجاعت سے واقف  
ہیں" اپنے جواباً "لیکن اُس نے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے!"  
(الکامل)

ایک دن آپ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ ابن کلبی نے کہا کہ اس میں مٹا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ دانت بیسکر کہہ رہا ہے۔ واقعہ میں انھیں تیسے شر سے نجات دیدی گئی۔ "امیر المومنین جب مسجد سے اپنے گھر کو لے کر لوگ اسے گریبان سے بیٹھ کر لائے اور تمام واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا: "لیکن ابھی تک اس نے مجھے قتل نہیں کیا۔" (تحریر: "میرٹو" (الکابل)

ابن لجم کا ارادہ اس قدر شہو ہو گیا تھا کہ خود آپ ہی اسے دیکھ کر عروہ بن سعد کی یہ شہرہ لگا کر نہ تھے:

ابید جاورہ ویرید قتلی  
فدیرک من خلک من مرد

ابن لجم برابر رات ظاہر کیا کرتا تھا لیکن ایک دن مجاہد لڑا کہ

کنے لگا یہ جرات ہونے والی جو مرد نہ ہو کر بچہ ہو

اس پر بعض لوگوں نے کہا: آپ اسے پہچان گئے ہیں۔ پھر

اپنے قتل کیوں نہیں کر دلتے؟ فرمایا: اپنے قاتل کو کیسے قتل کر دے؟ (کمال)

صبح شہادت  
 اذ تم قتل جمعہ کے دن نماز فجر کے وقت ہوا۔ مات بھروسہ  
 لعم اشق ابائیں گندی کی مسجد میں اس کے ساتھ بائیں کمرے

۱۰۔ تیرے خاندان پر غم، انداز اور بے پناہ غور و تحقیق ہو سکتا ہے۔  
۱۱۔ اُن کی طرف سے یہ بات سمجھا کر کہیں نہیں کہہ سکتے کہ وہ جگہ جگہ اُن کی بات کو سمجھ کر ہی کہہ سکتے ہیں۔



۱۔ اُس نے کوئٹہ میں شہید بن بھونامی ایک اور حاجی کو بھی اپنا شریک بنالیا تھا۔ دونوں تلوار کے چلے اداس دردناک کے مقابل بیٹھے گئے جس سے امیر المؤمنین بھلا کرتے تھے۔ (ابن سعد)

اُس رات امیر المؤمنین کو منینس آئی۔ حضرت حق سے موی ہے کہ سحر کے وقت میں حاضر ہوا تو فرمایا: "فرزندان بھلا گاتارم ہوں۔ غلام ربی بیٹھے بیٹھے لگے لگے گئی تھی۔ خواب میں رسول اللہ صلیم کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی امت سے میں نے ٹہری تخلیق پائی" فرمایا: دعا کر خدا تجھے ان سے بھلا دے (دعا کا)

اس پر میں نے دعا کی: "خدا! اچھے ان سے بتر فریق مٹا دے" انھیں مجھ سے بدتر سمجھئے" (ابن سعد)

حضرت حق (علیہ السلام) فرماتے ہیں اسی وقت ابن کثیر نے مؤذن بھی حاضر ہوا اور پکارا: "اصلوٰۃ" (نماز) میں نے آپ کا ہاتھ حاتم لیا۔ آپ اٹھے۔ ابن کثیر اٹھے۔ میں بھی اٹھا۔ درمیان سے باہر نکل کر اپنے پکارا: "لوگو، نماز! روز آپ کا یہی دستور تھا کہ لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں بٹکتے پھرتے تھے" (ابن سعد)

ایک اور روایت میں ہے کہ مؤذن کے پکارتے پر آپ اٹھے نہیں۔ بیٹھے رہے۔ مؤذن دوبارہ آیا اگر آپ سے پھر بھی اٹھا دیا۔ سب بارہ اُس کی آواز سننے پر آپ پر شکل اٹھے اور یہ شہر پر تھے مسجد کو چلے:

اشد حیا ز نیک الموت فان الموت لانتیکا  
(موت کے لئے کس کرے کیونکہ موت تجھ سے ضرور ملاقات کرے گی)  
ولا تجزع من الموت اذا حصل لوادیک  
(موت سے نہ ڈر اگر وہ تیرے یہاں نازل ہو جائے)  
(احیاء العلوم جلد ۱۴)

"فرت برب الکعبہ"

آپ جوں ہی آگے بڑھے، دو تلواریں چمکتی نظر آئیں، اور ایک آواز بلند ہوئی: "حکومت خدا کی ہے نہ کہ علی تیری" شہید کی تلوار تو طاق پر پڑی۔ لیکن ابن لجم کی تلوار آپ کی پیشانی پر لگی اور دماغ تک اتر گئی۔ (ابن سعد)

زخم کھاتے ہی آپ چلائے: "فرت برب الکعبہ" (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا) (احیاء ج ۴)

نیز پکارتے: "قاتل جانے نہ پائے" لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ شہید تو بھلا بھاگا۔ (ابن سعد)

عبدالرحمن نے بھی تلوار گھما کر شروع کر دی۔ اور مجمع کو چڑھاوا آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ ہاتھ سے بھل جائے لیکن معیونہ ذوالنہین حارث بن عبدالمطلب جو اپنے وقت کے پہلوان تھے دوڑے اور بھاری کپڑا اُس پر ڈال دیا اور زمین پر سے مارا (الکامل)

قاتل اور مقتول

امیر المؤمنین گھر پہنچائے گئے۔ اپنے قاتل کو طلب کیا جب وہ سامنے آیا تو فرمایا: "اے دشمن خدا! کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کئے تھے؟ اُس نے کہا: "ہاں" فرمایا: پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی؟" کہنے لگا: "میں نے اسے (تلوار کو) چالیں ن تیر کیا تھا اور خدا سے دعا کی تھی کہ اس سے اپنی بدترین مخلوق قتل کرے" فرمایا: "میں سمجھتا ہوں تو اسی سے قتل کیا جائے گا۔ اور خیال کرنا ہوں تو یہی خدا کی بدترین مخلوق ہو" (طبری جلد ۶)

آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم نے پکار کر کہا: "اوشین خدا تو نے امیر المؤمنین کو قتل کر ڈالا" کہنے لگا: "میں نے امیر المؤمنین کو قتل نہیں کیا البتہ تیرے باپ کو قتل کیا ہوا" انھوں نے خفا

ہو کر کہا: والد میں امید کرتی ہوں امیر المؤمنین کمال سیکانہ ہوگا کہنے لگا: پھر کیوں شوشے بہاتی ہوا؟ پھر لگا: "بھائی میں نے مینہ بھرا ہے (تلوار کی زہر پلا ہوا)۔ اگر آپ بھی یہ بے وفا کی ہو تو خطا سے فارت کو ہے" (ابن سعد)

امیر المؤمنین نے حضرت حق سے کہا: یہ قیدی ہے۔ اس کی خاطر تو اسے کر۔ اچھا کھانا دے، نرم بھونا بچھا دے۔ اگر زندہ رہا گا تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعویدار میں ہو گا۔ قصاص لوں گا یا سعاد کو قتل گا۔ اگر جواہل تو اسے بھی میرے پیچھے رو کر دینا۔ رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کر دیا گا۔

(ابن سعد) اے نبی عبدالمطلب! یہاں ہر کسلاؤں کی خوریزی شروع کر دو اور کہو کہ: امیر المؤمنین قتل ہو گئے! امیر المؤمنین قتل ہو گئے! خبر دہریسے قاتل کے ہوا کوئی دوسرا قاتل نہ دیا جائے۔ لے حسن لکھیں اس کی اس ضرب سے مر جاؤں تو اسی ہی ضرب سے اُسے بھی مارنا۔ اس کے ناک کان کاٹ کر لاش خراب کرنا کیونکہ میں نے نبی صلیم کو فراتے شاہو کہ خبردار ناک کان نہ کاٹو اگرچہ وہ کتا ہی کیوں نہ ہو" (طبری)

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: اگر تم قصاص لینے ہی پر اصرار کرو تو چاہئے کہ اسے اسی طرح ایک ضرب سے مارو جس طرح اسے مجھے مارا ہو لیکن اگر سعاد کو قتل نہ تو یہ نفی سے زیادہ قریب ہو گا دل دیکھو زیادتی نہ کرنا۔ کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (ابن سعد)

وصیت

پھر آپ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو حذیب بن عبداللہ نے حاضر ہو کر کہا: "خدا تمہارے ارگم لے آپ کو کھو دیا تو کیا حق کے ہاتھ پر سبقت کریں؟" آپ نے جواب دیا: "میں نہیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ اپنی مصیحت تم بہتر سمجھتے ہو" (طبری)

پھر اپنے صاحبزادوں حسن اور حسین کو بلا کر فرمایا: "میں تم دونوں کو تقویٰ الہی کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اس کی کہ دنیا کا چھٹا دن کرنا اگرچہ وہ تمہارا چچا کرے۔ جو چیز تم سے دند ہو جائے اُس پر کوڑھنا بہتہ حق کہنا۔ یتیم پر رحم کھانا۔ بیس کی مدد کرنا۔ آخرت کے لئے عمل کرنا۔ ظلم کے دشمن بننا۔ مظلوم کے حامی ہونا۔ کتاب اللہ پر چلنا۔ خدا کے باب میں ملامت کھانے والوں کی ملامت کی پرداہ نہ کرنا"

پھر اپنے تیسرے صاحبزادہ محمد بن الحنفیہ کی طرف دیکھا جو نصیحت میں نے تیرے بھائیوں کو کی تو نے حفظ کر لی؟" انھوں نے عرض کی: "جی ہاں" فرمایا: میں تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں نیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے ان دونوں بھائیوں کے غلط حق کا خیال رکھنا۔ ان کی اطاعت کرنا۔ بغیر ان کی رائے کے کوئی کام نہ کرنا"

پھر ام حسن حسین (علیہما السلام) سے فرمایا: میں تمہیں اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے۔ تمہارے باپ کا بیٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ اس کو بھرت کرتا تھا"

پھر ام حسن سے فرمایا: "فرزند! میں تجھے وصیت کرتا ہوں جو خدا کی۔ اپنے اوقات میں نماز قائم کرنے کی۔ میعاد پر زکوٰۃ ادا کرنے کی۔ ٹھیک دھنور کرنے کی۔ کیونکہ نماز بغیر طہارت مکمل نہیں اور انے زکوٰۃ کی نماز مقبول نہیں۔ نیز وصیت کرتا ہوں غلامین معاف کرنے کی۔ غصہ پی جانے کی۔ دیشے جوڑنے کی۔ برباری کی۔ دین میں مغل و دانش کی۔ ہر معاملہ میں تحقیق کی۔ قرآن

مزاولت کی۔ پڑوسی سے حق سلوک کی۔ امر بالمعروف اور نہی منکر کی۔ فراحت سے اجتناب کی" (طبری جلد ۶)

پھر اپنی تمام اولاد کو مخاطب کر کے کہا: "خدا سے ڈرتے ہو اُس کی اطاعت کرو۔ جو تمہارے ہاتھ میں نہیں ہو اُس کا غم نہ کرو۔ اپنے پردہ نگار کی عبادت پر کمر بند رہو۔ جنت و جہانک بندہ مست نہ ہو۔ ذلت قبول نہ کرو۔ خدا یا ہم سب کو ولایت پر جمع کر۔ ہیں اور انھیں دینا سے بے رحمت کر دے۔ پہلے ادا رکھے لئے آخرت آدلی سے بہتر کر" (الامامہ دالیات)

آخری وصیت

وفات کے وقت یہ وصیت لکھوائی: "یہ علی بن ابی طالب کی وصیت ہے۔ وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے ہوا کوئی سمجھ نہیں، اور یہ کہ تمہارے ہندے اور رسول ہیں۔ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا رزق، سب کچھ اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اچھا مجھے ملے دیا گیا ہے اور میں جسے پہلا فرزند ہوں۔ پھر لے حق میں مجھے اور اپنی تمام اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا خوف کرنا اور جب نماز تو اسلام ہی پر پڑنا۔ سب بلکہ اللہ کی دینی کو مضبوطی سے پکڑو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ کیونکہ میں نے ابو القاسم (رسول اللہ صلیم) کو فراتے شاہو کہ آپ کا لاقام رکھنا روزے نماز سے بھی نفیل ہے۔ اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو، ان سے بھلائی کرو، خدا پر حساب آسان کر دے گا۔ ادا ہاں، یتیم، یتیموں کا خیال رکھو۔ اُنکے منہ میں خاک مت ڈالو۔ وہ تمہاری موجودگی میں میل نہ ہونے پائیں۔ اور دیکھو تمہارے پڑوسی! تمہارے پڑوسی! اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔ کیونکہ یہ تمہارے نبی کی وصیت ہے۔ رسول اللہ صلیم دلم برابر پڑوسیوں کے حق میں وصیت کرتے ہے یہاں تک کہ تم سمجھے شاید انھیں درہ میں شریک کر دینگے۔ اور دیکھو، قرآن قرآن! ایسا نہ ہو قرآن پھیل کرے میں کوئی تم سے بازی لے جائے۔ اور نماز! نماز! کیونکہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے۔ اور تمہارے رب کا گھر! اپنے رب کے گھر سے غافل نہ ہونا اور جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی سبیل اللہ! راہ میں اپنی جان و دل سے جہاد کرتے رہو۔ زکوٰۃ! زکوٰۃ! زکوٰۃ! زکوٰۃ! زکوٰۃ! کا فصد خدا کو دیتی ہو اور ہاں، تمہارے نبی کے ذی اختیار نبی کے ذی! (یعنی وہ غیر مسلم جو تمہارے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں) ایسا نہ ہو ان پر تمہارے سامنے ظلم کیا جائے۔ اور تمہارے نبی کے صحابی! تمہارے نبی کے صحابی! یا در کھو رسول اللہ صلیم علیہ وسلم نے اپنے صحابہوں کے حق میں وصیت کی ہے۔ اور ان قرار دسائیں! ان قرار دسائیں! انھیں اپنی روزی میں شریک کرو۔ اور تمہارے غلام! تمہارے غلام! غلاموں کا خیال رکھنا خدا کے باب میں اگر کسی کی بھی پرداہ نہیں کر دے تو خدا تمہارا دشمنوں سے تمہیں محفوظ کرے گا۔ خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرو۔ جب بات کرو تو میٹھی زبان میں بات کرو ایسا ہی خیلے حکم دیا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ چھوڑنا، درد تمہارا اشتراک پر مسلما کر دے جائینگے، پھر تم دعا میں کرو گے مگر قبل نہ ہوگی۔ باہم بے صلہ رہو۔ بے خلعت اور سادگی پسند ہو بخیر ایک دوسرے سے نہ کشا اور دہ آپس میں پھوٹ ڈالنا۔ نیکی اور تقویٰ پر باہم مددگار رہو۔ مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کی نہ کرو۔ خدا سے ڈو کیونکہ اس کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ لے اہل بیت! خدا تمہیں محفوظ رکھے اور اپنے نبی کو تم میں یاد کر

۱۔ اُس نے کوئٹہ میں شہید بن بھونامی ایک اور حاجی کو بھی اپنا شریک بنالیا تھا۔ دونوں تلوار کے چلے اداس دردناک کے مقابل بیٹھے گئے جس سے امیر المؤمنین بھلا کرتے تھے۔ (ابن سعد)



Fl

اس بارے میں اسلام کی بنیادی تصریحات اس درجہ مشہور و معلوم ہیں کہ یہاں اُن کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں مقتضیٰ مرقبہ  
 اشارہ ہو۔ مین جلد اُن قرآنی تصریحات کے جو انسانی وحدۃ کا اعلان کرتی ہیں، وہ تمام آیتیں ہیں جن میں ظاہر کیا گیا ہو کہ جمع انسانی کی  
 اصل وحدۃ تھی۔ تفرق گمراہی اور فطرت الہی سے دوری کا نتیجہ ہو،  
 ما کان الناس الا امۃ واحداً فاختلوا ولو کلمۃ سبقت  
 من ربک لقضیٰ بملہم ضمایہ یخلفون (۲۰: ۱۹)

داعی اسلام تعہد اور رسالت کے بعد جس حقیقت کا اعلان  
 عالم کو کرنا چاہتا تھا، وہ انسان کی انسانی برادری تھی!  
 اس مودود پر یہ بات بھی یاد رکھی جائے۔ کہ قرآن و اسلام



انسانیت کی آخری بلندی صرف ایک درجہ بلند ہو۔ وہ دنیا کے قدم اُس سطح تک پہنچا دیتا جو جہاں سے صرف ایک قدم آگے بڑھنا پڑتا ہو۔ حالانکہ دنیا کی تمام قوموں کے لئے ابھی منزلوں کی منزلیں باقی ہیں!

اس اعتبار سے اگر شہادت اجتماع کی تمام کڑیوں پر رد و باوجود نظر ڈالی جائے، تو ان میں ایک نئی کڑی ساری کڑیوں سے ادا ہو کر آخری "انسانیت دارضیت" سے نیچے ٹہرنا دینی ٹہرے گی، اور اس سلسلہ ارتقاء کی منزلوں کی جگہ دس منزلیں بن جائیں گی:

(۱) اہمیت

(۲) اہمیت

(۳) عالم

(۴) قبیلہ

(۵) اہمیت

(۶) وطنیت

(۷) قومیت و جنسیت

(۸) براعظمت یا قسیم بہ لحاظ جغرافیہ

(۹) اسلامیت

(۱۰) انسانیت دارضیت

"اسلامیت" کی سرحد "انسانیت" کی سرحد سے متصل ہو اگر دنیا چاہے تو صرف ایک قدم میں منزل مقصود تک پہنچ جاسکتی ہو!

لیکن کیا دنیا میں اس کی طلب موجود ہو؟ اس کے جواب کے لئے ہیں دوسری مجلس کا انتظار کرنا چاہئے۔

پھر اس کے ساتھ ہی اُسے اپنے اعمال کا جو نظام طیار کیا، اُس کے ہر گوشہ کی وضع و قطع ایسی رکھی جس کے ساتھ امتیاز نسل و قوم جمع ہی نہیں ہو سکتا۔ روزانہ اعمال و عبادات میں ایسی چیزیں رکھ دی گئیں کہ ہمیشہ انسانی وحدت و مساوات کا عملی اقرار ہوتا رہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، سب میں یہ روح کام کر رہی ہو۔ انسانی اخوة کے قیام و نفوذ کا ایک پورا نظام ہو جو اپنے ہر فرد کو مجبور کر دیتا ہو کہ اس حقیقت کا اقرار کرے، اُس کے سامنے سہرطاطت ختم کرے، اس کے عقین و ایمان کی عملی تصدیق بن جائے!

اس بارے میں بے شمار چیزیں کھولنے اور بیان کرنے کی ہیں لیکن یہاں یہ کرنا آگیا ہو، انہیں نے صرف اشارات پر اکتفا کیا گیا۔

اسلام کو اپنی اس دعوت میں کہاں تک کامیابی ہوئی؟ انسانی برادری کا کچھ حلقہ قائم ہو گیا یا نہیں؟ اس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔ لیکن تاریخ اور مشاہدہ کا یہ فیصلہ تو بلا نزاع مسلم ہو کہ:

(۱) عرب کی نسلی اور وطنی عصیت پر ایسی کاری ضرب لگی کہ پھر سزا اٹھا سکی۔

(۲) عرب سے باہر وہ جہاں جہاں پہنچا، ایک ایسی انسانی خفہ کی دعوت جو وطنی اور نسلی امتیازات سے بالاتر تھی، اُس کے ساتھ ساتھ تھی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں جب یورپ کی ختمی زندگی "عالم" اور قبیلہ کی سرحد سے آگے نہیں بڑھی تھی، اسلام اسپین اور فرانس میں انسانی اخوة کا پیغام شہر آٹھا! (۳) اُس نے ایک عالمگیر معاشرتی نظام قائم کر دیا جو ہر طرح کے نسلی و وطنی تعصبات سے بالاتر ہو، اور جس کی بنیاد انسانی اخوة اور وحدہ پر ہو۔

(۴) ترون وسطی (مڈل ایجز) کے بعد یورپ کے تمدن کا نیا دور شروع ہوا، اور اس نے قومیت و جنسیت کا تصور اس زور سے چھوٹکا کہ تمام دنیا اس کی صلائے بارگشت سے گونج اٹھی۔ اب "انسانیت" کی راہ میں جنسیت و قومیت کی کڑی حائل ہو گئی ہو لیکن اسلام نے اب سے تیرہ سو برس پہلے یہ تمام کڑیاں طو کر لی تھیں۔

(۵) اگر کہا جائے کہ اسلام کی دعوت سے بھی انسانیت کا عام حلقہ پیدا نہ ہو سکا۔ بلکہ "اسلامیت" کا ایک نیا حلقہ بن گیا، تو یہ صحیح ہو لیکن چند حقیقتیں تسلیم کرنی پڑیں گی: اولاً یہ تصور زمانے کی استعداد کا ہونہ کہ اسلام کی دعوت کا مختلف وجوہ سے جن کی تشریح آگے آئے گی دنیا کو علمائے منزل انسانیت تک پہنچنے کے لئے ابھی طراوت درکار تھا۔

ثانیاً اگرچہ "اسلامیت" کا ایک نیا حلقہ پیدا ہو گیا مگر کیا وسیع حلقہ؟ ایسا وسیع حلقہ کہ اس وقت تک کے تمام عالمی حلقوں میں سے زیادہ وسیع حلقہ وہی ہو۔ بلاشبہ وہ بھی ایک چار دیواری کھینچ دینے پر مجبور ہو گیا، لیکن کسی چار دیواری؟ اس درجہ وسیع چار دیواری کہ دنیا کے تمام بڑے چھوٹے اُس کے پھیلاؤ کے اندر آگئے۔ اُس نے کسی گوشے، کسی دائرہ، کسی ہیئت اجتماعیہ (سوسائٹی) کو بھی اپنی چار دیواری سے باہر نہیں کیا۔ اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہو کہ کم از کم اسلام کی دعوت نے انسانی اجتماع کا ایک ایسا دائرہ پیدا کر دیا جو نوع انسانی کے تمام پچھلے دائروں سے اوپر اور صرف ایک ہی دائرہ مطلقہ انسانیت سے نیچے ہو۔ وہ انسان کو تمام پچھلے درجوں سے بلند کر کے ایک ایسی سطح تک پہنچا دیتا جو جہاں سے

کی بولی میں "شہادت" کے لفظ کے ساتھ جب کسی عقیدے کا اظہار کیا جاتا ہو، تو اُس کی ایک خاص حیثیت ہوتی ہو۔ یہ موقع تفصیل کا نہیں۔ مختصر یوں سمجھنا چاہئے کہ شہادت کے معنی گواہی دینے کے ہیں اور یہ اُسی وقت دی جاسکتی ہے جبکہ دو باتیں موجود ہوں: ایک یہ کہ جس بات کی گواہی دی جائے، اُس پر گواہ کو پورا پورا یقین ہو۔ ایسا یقین جیسا اپنی آنکھ سے دیکھی بجالی چیز پر ہوتا ہو۔ دوسری یہ کہ وہ کوئی ایسی بات ہو جس کی سچائی اور حقیقت پوشیدہ ہوگی ہو اور دنیا میں عام طور پر اسے جھٹلایا جا رہا ہو، اس کو ضرورت ہو کہ اُس پر گواہی دیکر اُسے نمایاں اور عالم آشکارا کر دیا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہو تو اُس کے لئے "شہادت" کا لفظ موزوں نہ ہوگا۔ اظہار خیال کے دوسرے الفاظ کافی ہونگے۔

یہی وجہ ہو کہ اسلام نے "شہادت" کے لفظ کے ساتھ جن جن امور کا اعلان کیا ہو، وہ تمام تردیدیں ہیں جو عقائد و ایمان کی بنیاد سچائیاں ہیں اور جن کی حقیقت انسان کے جمل دگرہی سے اس درجہ پوشیدہ ہو گئی تھی کہ اُن کے جھٹلانے پر تمام دنیا نے ایجا کر لیا تھا۔ ضرورت تھی کہ اُن کے لئے نوع انسانی کے دل و زبان سواز شہر نو گواہی دلوائی جائے۔ تاکہ ایک طرف اُن کے عقین و اعتقاد کا اعلان ہو جائے، دوسری طرف اُن کے جھٹلانے کی تکذیب ہو جائے۔ پھر اس شہادت کے بھی مراتب اور اقسام ہیں لیکن ان کی تشریح کا یہ موقع نہیں۔

اب غور کرو کہ اس دعا میں جس طرح توحید اور رسالت کا اقرار لفظ شہادت کے ساتھ کیا گیا ہو، ٹھیک اُسی طرح انسانی برادری کی حقیقت پر بھی "شہادت" دی گئی ہو۔ اس سے تین باتیں واضح ہو گئیں:

اول یہ کہ اسلام کے نزدیک انسانی برادری کا قیام اس بڑے اہم تھا کہ اس کے اقرار کے لئے بھی "شہادت" کا لفظ اختیار کیا گیا جو اُسے ایمان و عقائد کی بنیادی صداقتوں کے اقرار کے لئے مخصوص کر دیا ہو۔

دوسرے یہ کہ یہ ایک ایسی بات تھی جس کے لئے زیادہ سوزنا و مضبوط یقین و ایمان مطلوب تھا۔ ایسا یقین جو ایک گواہ گواہی دیتے ہوئے کسی بات کی داغیت پر رکھتا ہو۔

تیسرے یہ کہ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جو ہر طرف جھٹلائی جا رہی تھی۔ اور چونکہ جھٹلائی جا رہی تھی، اس لئے ضرورت تھی کہ اُس پر گواہی دی جائے، اور اُس کی گواہی ہمیشہ کے لئے قائم کر دی جائے۔

انسان کی عالمگیر اخوت کی راہ میں جسے بڑی روک چا چیزیں تھیں: نسل، وطن، رنگت، زبان۔ انہی چار امتیازات کی بنا پر الگ الگ حلقے بنائے گئے تھے، اور انسانیت کا ایک دائرہ بنے شمار چھوٹے چھوٹے دائروں میں بٹ گیا تھا۔ اسلام نے نہ صرف ان چاروں سے ابھار کیا، بلکہ ان کے خلاف اثر بہ واضح اور قطعی اعلانات کر دیے کہ کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ "نسل" کی نسبت صاف صاف کہہ دیا کہ سب کی نسل ایک ہی ہے۔ "وطن" کی نسبت کہہ دیا کہ عرب ہوا عجم سب ایک ہی خدا کی زمین کے باشندے ہیں۔ "زبان" اور "رنگت" کی نسبت فیصلہ کر دیا کہ یہ خدا کی حکمت و قدرت کی نشانیاں ہیں۔ کسی جگہ کی آب و ہوا ایک رنگ پیدا کرتی ہو۔ کہیں کی آب و ہوا دوسرا رنگ۔ کہیں ایک خاص طرح کی زبان اور مطلب کے لئے وجود میں آئی۔ کہیں دوسری زبان۔ لیکن یہ اختلافات انسان کے امتیاز اور تفرق کی بنیاد نہیں ہیں۔

## دنیا کی بہترین پینل

امریکن کارخانہ "شیفر"

کی

"لائف ٹائم" پینل ہو

اس لئے کہ

(۱) "لائف ٹائم" یعنی عمر بھر کے لئے کافی ہو۔

(۲) اُس کا دخل اس قدر خوشنما اور دیدہ زیب ہو کہ دنیا کی کوئی پینل خوبصورتی میں اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(۳) ارزانی میں بھی تمام تنہائی پینلوں کا مقابلہ کرتی ہو۔

آپ کو "لائف ٹائم" پینل خریدنی ہو!

## عالم مطبوعات صحف

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ اس کے نیچے وہ تمام مفید اور دلچسپ معلومات جمع کی جاسکیں جو مشرق و مغرب کی مطبوعات و صحائف سے اخذ کی جاسکتی ہیں۔ "صحافت" کے ساتھ مطبوعات کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے تاکہ اخبارات و رسائل کے علاوہ ہر قسم کی مطبوعہ چیزیں بھی اس کے دائرہ نظر میں آجائیں۔ ہر شے دنیا کے مختلف حصوں میں ایک بڑی تعداد میں لوگوں کی شائع ہوتی ہے۔ ان کا مطالعہ ایسا ہی جیسا کہ آسان میسر آتا ہے اور ایک اہم علمی اخبارات و رسائل کے ذریعہ ان کے ضروری مطالب و اہم امور پہنچاتے ہیں۔ اس عنوان کے نیچے ان کا تذکرہ کیا جاسکے گا، ضروری مطالب اخذ و نقل کئے جاسکیں گے، اور بعض حالتوں میں مختصر نقد و تبصرہ بھی ہوتا ہے گا۔

اخبارات و رسائل کا سال ہر سال ہر نام نہادوں کے اخبارات میں سے صرف انگریزی، عربی، اور ترکی زبان کے اخبارات ہی چن لئے جائیں اور ان میں سے بھی صرف وہی چن لئے جائیں جو نہایت دلچسپ اور دلچسپ کے ہیں، جب بھی ان کی اقتداء اتنی بڑی ہوگی کہ نہ تو یہ آسانی خریدی جاسکتی ہے، نہ ہر شخص اپنے وقت فراغ میں ان کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس لئے علم و اطلاع کا بہتر وسیلہ درپیش ہے کہ ان کا خلاصہ نظر سے گزرا جائے۔ ہر اخبار میں خواہ وہ کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا کیوں نہ ہو کام کی چیزیں چھپی ہوئی ہوں اور یہ آسانی چن لی جاسکتی ہیں۔ یہی حال کتابوں کا ہے۔ یورپ کی زبانوں میں متعدد رسائل کا موضوع یہی ہے۔ اردو پریس نے ابھی ختم ہونے کے ہیں اور یہ تک کہاں ترقی کی ہے کہ اس قسم کے پرچے شائع ہوں؟ البتہ یہ ممکن ہے کہ چند صحائف اس کے لئے مخصوص کر لئے جائیں، انہماں میں یہ باب اس اہمیت سے قرار دیا جائے۔

اس باب کی اہمیت اور فائدہ کا اندازہ شاید ذرا نہ ہو سکے، خصوصاً اس وقت کے اس نمبر میں بہت کم نگاہ اس کے لئے نکل سکی، لیکن اگر چند نمونوں تک اس کا مطالعہ جاری کرنا تو آپ کو یقین دلانے کے لئے کہ اس درجہ مفید اور دلچسپ چیز ہے، انہماں کے ان چند صحائف کا مطالعہ کرنا مغرب و مشرق کی مطبوعات کے تمام مرقع و ذخیرہ کا مطالعہ کرنا۔

الہام کے انہماں کے لئے جس محنت و مصرت کی ضرورت ہے، مثلاً یہ کہ آپ اس کا اندازہ نہ کر سکیں۔ جو غیر منتہی بھر کی نگاہ محنت و کاوش کے بعد لکھی جائے گی، وہ اندازہ ہی زیادہ پندرہ میں منط کے اندر آپ پر نہیں آئے گا۔ ممکن ہے مطالب کی دلچسپی ابتداء میں محسوس نہ ہونے لے۔ تاہم اس واقعہ سے آپ کو یہ یقین دلانا چاہئے کہ یہ سب کچھ دوسرے کے صرف اور ایک اہل قلم کے پورے سات دن کی محنت سے یہ چند کا تیار کئے جاتے ہیں، لہذا اوقات اس کی صرف ایک منٹ لکھنے کے لئے ضرورت ہوگی کہ کئی کئی سو گھنٹوں کی کتاب یا اخبارات و رسائل اول سے لیکر آخر تک پڑھ ڈالے جائیں، اور بعض اوقات انہماں کے بعض مرقع و ذخیرہ کے صفحے پر کرکھ دینے پڑینگے اور ایک مطبوعہ میسر نہ آئے گی!

اس وقت تقریباً انہماں میں مغرب و مشرق کے قریب اخبارات و رسائل کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہے۔ انگریزی، فرانسیسی، اٹلیائی، جرمن، اسپینی، عربی، ترکی، فارسی اور پنجابی زبان کے روزانہ، ہفت روزہ، ہفتہ وار، ماہوار، سہ ماہی، ہر قسم کے اخبار و رسائل دیا کئے گئے ہیں اٹلیائی اور اسپینی زبان کے سب سے اہم اخبارات و رسائل کے مطالعہ اور اخذ و ترجمہ کا انتظام موجود ہے۔ اور انہماں کو بہت جلد ان دونوں کے مطالعہ کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ یہی حال نئی کتابوں کا ہے۔ شاید ہی کوئی ہفتہ اس سے خالی جاتا ہو کہ نئی مطبوعات کا ذخیرہ یہاں نہ پہنچتا ہو۔ ہم کو شکر ہے کہ حق اوست اس تمام ذخیرہ کا بہترین خلاصہ ہر شے جمع کر دیا گیا ہے۔

یہ واضح ہے کہ عالم مطبوعات و صحائف کا باب مطبوعات جدیدہ سے مختلف ہے۔ مطبوعات جدیدہ کا عنوان اس لئے رکھا گیا ہے کہ ان کتابوں پر نقد و تبصرہ کیا جائے، یا انہماں سے خاص کتاب کا کوئی اہم حصہ نقل کیا جائے، لیکن عالم مطبوعات و صحائف کا دائرہ نظر عام وسیع ہے۔ اس لئے انہماں کی مطبوعات سے ہر طرح کی ضروری معلومات منتخب کر کے جمع کی جائیں گی۔

### تاریخ گزشتہ

تاریخ اسلام کے بعد اسلامی دنیا میں امام حسن الدین اللہ علیہ السلام (المتوفی ۵۰۵ھ) کے بعد امام حسن کا دور دورہ حاصل ہے، وہ اہل نظر سے تھے، غنی نہیں۔ ان کی کتاب "تاریخ الامم و الملوک" کا نام تھا، تاہم جو قابلیت و شہرت ان کی مصنفات کو حاصل ہوئی، اس سے ان کے بڑے معاصرین کا شہرہ و نام نہایت کمزور ہے۔ ان کی مصنفات میں ایک بڑا حصہ تاریخ و زمانہ کا ہے۔ لیکن انہوں نے کمال شہرت تک میرزاں الاحسان کے سوا دوسرے کسی نے نہیں پہنچے۔ ہندوستان کے ایک عالم مولانا عبدالحی رحیم دہلوی نے بھی ان کے لئے چھپوا کر شائع کیا، اور کوئی مطبوعہ کتاب شائع نہیں ہو سکی۔

تاریخ میں ان کی سب سے بڑی کتاب "تاریخ اسلام و طبقات المشاہیر الاسلامیہ" جو تاریخ گزشتہ ہی کے نام سے مشہور ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کے بعد اسلام کی حقدار تاریخیں لکھی گئیں،

اکسفرڈ میں ہے۔ تیسری آدم اور قابو میں ہے۔ چھٹی، ساتویں، اور آٹھویں برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ہے۔ نویں سے لے کر بارہویں جلد تک متعلقہ کتب خانہ یا قفسہ میں موجود ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر جلدیں ناقص ہیں اور جب تک ان کے ناقص اجزاء کے مقابلہ میں دوسرے نسخوں سے کامل اجزاء مل جائیں، مکمل نسخہ کی ترتیب مشکل ہے۔ اس یادداشت میں ان اجزاء کا بھی حال درج تھا، اور امید کی گئی تھی کہ مکمل نسخہ مرتب ہو جائیگا۔ ہندوستان میں بھی اس کے نسخے جا بجا پائے جاتے ہیں مگر مکمل نسخہ کہیں نہیں ہے۔ واسطے کے کتب خانے میں تین جلدیں ہیں۔ لکھنؤ کے کتب خانہ مولانا حامد حسین مرحوم میں بھی تین ہیں۔ بانسکی پور میں ایک جلد ہے۔ مولانا ابوالکلام کے کتب خانہ میں دو جلدیں ہیں دوسری اور چوتھی۔ غالباً حمید آباد میں بھی بعض جلدیں پائی جاتی ہیں۔

اصل کتاب کی ایک کتابت میں بارہ جلدیں ہیں اور ایک میں تیرہ۔ نصف نے ابتداء اسلام سے اپنے عہد تک اپنے ساتویں صدی ہجری تک کے حالات و تراجم جمع کرنے کا التزام کیا تھا۔ ترتیب یہ اختیار کی ہے کہ پوری مدت شش ماہوں میں تقسیم ہے یعنی ہر مہینہ برس کے لئے ایک باب ہے۔ ہر باب میں پہلے واقعہ و حوادث بہ ترتیب سن جمع کئے ہیں۔ پھر دیات و تراجم بہ ترتیب حداثہ بھی بیان کئے ہیں دوسری اور چوتھی جلد مولانا کے کتب خانہ میں موجود ہیں، ان میں سلسلہ سے سترہ تک کے، اور سترہ سے سترہ تک کے حالات ہیں۔

دینا اس کتاب کی اشاعت سے مایوس ہو چکی تھی، لیکن اب شایعین علم یہ سکر نہایت خوش ہوئے کہ نہ صرف اس کا مکمل نسخہ مرتب کر لیا گیا ہے، بلکہ اس کی طباعت کا کام بھی شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ جرمنی سے پروفیسر آرٹس من لکھتے ہیں کہ تاریخ کا مکمل نسخہ جو گزشتہ پندرہ سال سے زیر تصحیح و تکمیل تھا اب مکمل ہو گیا ہے۔ ادب کی جلد کی چھاپی بھی شروع ہو چکی ہے۔

پروفیسر موصوف کا یہ خط مولانا ابوالکلام کے نام آیا ہے جن سے ان کی خط و کتابت سترہ سال سے جاری ہے۔ اس میں انہوں نے مولانا کے کتب خانہ کی دونوں جلدیں طلب کی ہیں، اور اس کام کی نہایت دلچسپ تاریخ بھی بیان کی ہے کہ انہماں میں شائع کی جائے۔ پروفیسر موصوف یورپ کے ان مشاہیر اہل علم میں سے ہیں جنہوں نے ازراہ عنایت الہام کے لئے تحریر مقالات کا وعدہ فرمایا تھا۔ ہم آئندہ ان کی تحریر کا ترجمہ سلسلہ مقالات شائع کرینگے۔

### پیم

#### R. Tale of Modern India

مندرجہ ذیل نام سے مطراچ کے۔ گوڈون نے ایک ناول لکھا ہے جو پنجابی ڈاک کی نئی کتابوں میں ہمارے پاس پہنچا ہے۔ اس میں پنجاب کی دیہاتی زندگی کی ایک دلچسپ داستان بیان کی گئی ہے، اور مصنف کا بیان ہے کہ یہ داستان نہیں ہے کہ ایک سچی سرگزشت ہے۔ سرائیکل اور دوار (سب ان گورنر پنجاب) نے اس پر دیا ہے کھا ہے اور یہ لئے قائم کی ہے کہ "رائہ حال کی ہندوستانی زندگی کے مسائل سمجھنے میں یہ سرگزشت بہت مدد دے گی"۔

اس انسانہ میں اگرچہ متعدد سیرس (دیکر کینڈا) دکھائی گئی ہیں لیکن دوسرے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ایک تو خود پریم کی جاپانی کاشتکاری کی خصوصیت زندگی شروع کرنا

سب کی سب اس سے اخذ ہیں۔ کوئی متاخر مرقع ایسا نہیں جو اس کا حوالہ نہ دیتا ہو۔ اس کے مختلف نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں لیکن تمام ناقص ہیں۔ بدقسمتی سے کسی ایک عام بھی کوئی مکمل نسخہ موجود نہیں۔

یورپ کے مشرقین اور مشرق جماعتوں کا ایک خاص طین کا یہ ہے کہ وہ جب کوئی خاص کتاب شائع کرنی چاہتے ہیں تو پہلے اس کے تمام موجود نسخوں کی ایک یادداشت تیار کر لیتے ہیں۔ یہ یادداشت نہایت قیمتی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا کے مختلف مقامات میں اس کے کون کون سے نسخے موجود ہیں، اور کون کون سے اس کا ایک مکمل اور صحیح نسخہ مرتب کیا جا سکتا ہے؟ ۱۹۱۸ء میں ہالینڈ کے مشہور مشرق پروفیسر دی گونے نے ایک یادداشت اس کتاب پر شائع کی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پہلی اور پانچویں جلد پریس کے تو کتب خانہ میں موجود ہے۔ دوسری اور چوتھی



نہیں رکھی گئی تھی۔ پھر کیا مسلمانوں کے لئے اس کوئی قربت نہیں ہوگی؟ کاش ہندوستان میں بھی کسی نوزائیدہ کی صدا بلند ہوا۔

## طرکی کی جدید مردم شناری

ترکی حکومت نے نئی مردم شناری کا اہتمام کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اخبار نیوز ایٹ لندن نے لکھا تھا کہ "طرکی حکومت کی جانب سے بار بار ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کی موجودہ آبادی ساڑھے تیرہ ملین (ایک کروڑ بیس لاکھ) سے کم نہیں ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس بہت کم ہے"۔ اس پر مطلب ہے کہ جو موجودہ ترکی حکومت میں دیوانی امور کے ڈائریکٹر جنرل ہیں، ایک بیان شائع کیا ہے کہ "نیوز ایٹ کی تغلیط کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ" یہ تخمینہ تمام سرکاری کاغذات سے ثابت شدہ ہے، اور بہت ممکن ہے کہ آئندہ مردم شناری میں اس سے بھی زیادہ تعداد ثابت ہو۔"

## آزادی پر دنیا کی نئی نظر

منی کے کیمپ پر پریس رپورٹیں سرسبز سیموں نے ایک مستقل مقالہ "لبرٹی" (آزادی) کے عنوان سے لکھا ہے۔ انگلستان کے درمیانی طبقہ کا زیادہ بچھا، معلوم کرنے کے لئے یہ ایک بہت مفید تحریر ہے۔ یہ نہ تو اس میں ان میں زیادہ دور تک جانا چاہی ہو۔ نہ اس پر قانع ہو کہ قدم نہ اٹھائے۔ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ اسے ایک درمیانی نگاہ مل گئی ہے۔

مقالہ شکار نے آزادی کی وہی پانچ باتیں کی ہیں جو اب تک عام طور پر کی جاتی ہیں:

- (۱) شخصی
- (۲) دماغی
- (۳) سیاسی
- (۴) اقتصادی
- (۵) قومی

پھر بتایا ہے کہ ان میں سے ہر آزادی کا ایک حلقہ ہے لیکن شکل یہ پیش آجاتی ہے کہ ہر حلقہ دوسرے حلقے سے متناقص ہو جاتا ہے۔ مجبوراً ان سب میں اتنی کمی بیشی کر دینی پڑتی ہے کہ مجموعی حالت میں اعتدال پیدا ہو جائے۔ کبھی شخصی آزادی گھٹا دی جاتی ہے تاکہ سیاسی آزادی کو وسیع نہ بنے۔ کبھی سیاسی آزادی محدود کر دی جاتی ہے تاکہ شخصی آزادی کا درجہ گھٹ نہ جائے۔ ان تمام مفقوتوں کے ایسے حدود قائم ہو جانا جو اب ہرگز موافق و مطابق ہوں، دنیا کی علمی مشکلات میں سے سب سے بڑی مشکل ہے۔ جس دن ہم یہ شکل حل کر لیتے، آزادی کا علمی عقدہ بھی حل ہو جائے گا۔

## جدید روس کا جدید تمدن

اسی رسالہ میں مسٹری۔ ایچ ہر فورڈ کا ایک نہایت دلچسپ اور "بالشویزم کی تہذیب" پر لکھا ہے۔ مسٹر موصوف لکھتے ہیں: "بالشویٹ روس کو ہم اس وقت تک صرف غصہ ہی کی عینک میں سے دیکھتے رہے ہیں لیکن یہ حالت کب تک باقی رہے گی؟ کب تک حقیقت سے زیادہ ہم اپنے متعصبانہ جذبات کا پاس لے رہے ہوں گے؟ روس کے اس انقلاب کو ہم دن کا مترنل

کتاب لکھی ہے۔ ہندوؤں کے علم الامنام میں سانپ کے وجود نے کیوں اہمیت حاصل کر لی؟ اور کبر طبع اس کی پرستش کا رواج ہوا؟ اس کتاب میں اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کی ہے جو مصنف نے پہلے ہندوستان میں سانپوں کی کثرت اور ان کے اثرات پر بحث کی ہے۔ پھر "ناگ" اور اس کے تحمل پر نظر ڈالی ہے اور اس سلسلہ میں وہ تمام انسان بھی درج کرتے ہیں جن کا تعلق ناگ پادشاہوں اور ناگ کی قوم سے ہے۔

کتاب بہ حیثیت مجموعی دلچسپ ہے اگرچہ تحقیقات کا پایہ بلند نہیں ہے۔ ہم اس کے بعض حصوں کا ترجمہ آئندہ شائع کریں گے۔

## تجزیہ و تکفین کی فوضو خیریاں

*Funeral Customs: Their Origin and Development*

سٹری۔ ایچ۔ ایس۔ پکلی Puckle نے یہ کتاب اس نثر سے لکھی ہے کہ مسیحی رسوم کے مطابق تجزیہ و تکفین کے جو طریقے پورے میں رائج ہیں، ان پر تاریخ و فلسفہ کے نقطہ خیال سے نظر ڈالی جائے، اور اقتصادی حیثیت سے ان کا مرقعہ پہلو بھی واضح کیا جائے۔ کتاب کا موضوع اگرچہ صرف توہن کی زندگی سے متعلق دکھاتا ہے لیکن تجزیہ و تکفین کا مسئلہ عام ہے، اس لئے جا جانا بہت دلچسپ اور مفید مباحث آگئے ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ موت جو زندگی کا خاتمہ اور حسرت و ماتم کا پیغام ہے، اس ساز و سامان سے غلو نہ ہو سکی جو انسان نے زندگی کی شان شوکت اور نہنگامہ آرائیوں کے لئے اختیار کئے تھے؟ وحشی قوموں سے لے کر موجودہ عہد کی تمدن قوموں تک، کوئی بھی اس پر راضی نہیں ہوتا کہ موت کا مرحلہ محض خاموشی و غمی کے ساتھ طے کر لے؟ مصنف اس کے جواب میں چار سبب بتلاتا ہے:

(۱) یہ قدیم اور عالمگیر اعتقاد کہ بعض رسوم کی ادائیگی پرست کی آئندہ عافیت موقوف ہو۔

(۲) اگر میت کے ساتھ انصاف اور فیاضی ملحوظ نہ رکھی گئی تو وہ زندوں کو شائے لگے گا۔

(۳) لئے عامہ جسے حق حاصل ہو کہ جنازوں کی شان شوکت یا سادگی دے دیتی ہے پر اظہار خیال کرے۔

(۴) میت کے عزیزوں قریبوں کے دماغ کی وہ عارضی حالت کچھ عرصہ کے لئے دنیا اور دنیا کے تمام مصلح و فوٹام سے پردا ہو جاتی ہے اور فضول خرچی کی مفروضات کا احساس باقی نہیں رہتا۔

## لوزان کی آئندہ مسیحی کانفرنس

معلوم نہیں تاریخین الہلال کو اس کانفرنس کا حال معلوم ہو یا نہیں جو سلسلہ میں اس لئے قائم کی گئی تھی تاکہ تمام مسیحی ممالک کے مذہبی عقائد و نظام کی وحدت و یک جہتی کے لئے مسلسل کوشش شروع کی جائے؟ یہ کانفرنس لوزان میں منعقد ہوئی تھی جس کا نام ترکی معاہدہ صلح کے سلسلہ میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اب آئندہ اگست میں اس کا دوسرا اجلاس منعقد ہوگا۔ پچھلی بار کے تمام اخبارات اس کے تذکرہ سے بھرپور ہیں۔ مسیحی مذہب کا حال جو جسے اول دن سے اصول و عقائد کے فرقہ میں پرورش پائی تھی، لیکن اسلام کی بنیاد اس حالت میں پڑی کہ کلیتہً اور کلیتہً کے اختلافات کے لئے کوئی جگہ ہی

نہیں رہی تھی۔ یہ کتنا ضروری نہیں کہ ہندوستانی زندگی کے جس انسان پر ہندو دائر کے قلم سے دیباچہ نکلے گا، سیاسی حیثیت سے اس کی کیا ہوگی؟ انسان کا معاشرتی حاصل جو کچھ بھی ہو لیکن سیاسی حاصل یہ ہے کہ ہندوستان کی اصلی آبادی دیہات کی آبادی ہے۔ اس کے حقیقی اور عملی مسائل اقتصادی اور زرعی ہیں نہ کہ سیاسی ضرورت اس کی اصل اور اصلاح کی ہے۔ سیاسی نظام کی ترقی نہ

ضروری ہے نہ سود مند! قصہ کو نہ گشت در نہ در سر بسیار بود!

## آشور اور بابل کی نئی تاریخ

*Ancient Records of Assyria And Babylonia*

آشور (اسیریا) اور بابل کا امین النہرین تمدن، تاریخ قدیم کی وہ عجیب داستان ہے جو صرف ہزاروں برس پہلے کے گھڑی اور زریر زمین انیٹوں ہی کی بانی سنی جاسکتی ہے۔ قلم و کتابت کے ذریعہ بہت کم صدائیں ہم تک پہنچی ہیں۔ علماء آثار نے اس عہد کے آثار سے بہت کچھ ذخیرہ علم حاصل کر لیا ہے۔ یہ اب تاریخ کی ایک مستقل شاخ ہو گئی ہے۔ تاہم بحث و تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔ حال میں شکارگوئیورٹھی (امریکہ) کے ایک پروفیسر ٹی۔ ڈی لکنل (L. Luckenhill) نے اس (۵۰۰) کے لئے اس موضوع پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے جو پچھلے اوشالے گنگا اس میں کوشش کی ہے کہ جس قدر بھی معلومات آثار قدیمہ کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں، وہ سب تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کر دی جائیں۔ تاریخ کی ابتدا اس زمانہ سے کی ہے جو تاریخ کی ابتدائی روشنی کا زائا ہے، اور ختم اس عہد پر کیا ہے جب سرزمین تینو آبتاب ہو جاتی ہے۔ مصنف نے دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ:

"اس تاریخ کا تمام تر دار و مدار آثار قدیمہ ہے۔ آثار سے جو معلومات حاصل کی جاتی ہیں وہ بہت حد تک ایک خاص طریقہ استدلال پر مبنی ہوتی ہیں۔ اگر اس طریقہ استدلال کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ بھی غلط ثابت ہو جائے تو نتائج کا بہت بڑا سلسلہ نظر انداز کر دینے کے قابل ہو جائے گا۔ اس لئے میں نے کوشش کی ہے کہ حتی الامکان استدلالی طریقہ کی جگہ استنباط و استخراج کے سادہ طریقہ پر قناعت کروں لیکن یہ ہر جگہ کام نہیں لے سکتا تھا۔ بعض مقامات ایسے ہیں کہ استدلال کے بغیر قدم بڑھایا ہی نہیں جاسکتا۔ ایسے موقعوں پر طریقہ استدلال کام میں لایا گیا ہے مگر یہ احتیاط کرنا ہے کہ اول تو صرف مستند علماء آثار کے بیانات پر قناعت کر لی جائے۔ ثانیاً حتی الوسع استدلال میں ہی قریبی احوالات استدلال سے بچائے ہوئے نتائج لئے جائیں۔"

## قدیم ہندوستان میں سانپ کی حیثیت

*Indian Serpent - Lore are the Nagas in Hindou Legend*

ڈاکٹر جے۔ وگل Vagel نے مندوہ صدمام سے ایک

بتلاتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ طرح طرح کے تمدنی اور علمی ترقی کے ذرائع کو بے سرعت کے ساتھ طے کر رہا ہو۔ دقت آگیا ہو کہ ہم طرح کے تقصبات سے الگ ہو کر اعتدال فکر کے ساتھ ردی انقلاب کا مطالعہ کریں۔

## ترک اور نسل ابراہیمی

پچھلے دنوں پر دغیر حقیقی بے نے جو جامعہ منتظنین میں اسلامی تاریخ کے مدرس ہیں، ایک عجیب نظریہ اخبارات میں شائع کیا تھا۔ حاصل اس کا یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی نسل سے تھے جو ترکوں کی نسل ہے۔ نظریہ کے اثبات میں تو قرآن، اور علم الاقدام سے دلائل پیش کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن جتنی باتیں ڈھونڈ ڈھونڈ ڈھا کر نکالی گئی تھیں، ان میں ایک بھی ایسی نہ تھی جو اہل علم کے لئے قابل التفات ہو خصوصاً قرآن سے استدلال تو نہ صرف غیر مفید بلکہ عدم فہم و تدبر پر مبنی تھا۔ پچھلی ڈاک کے ترکی اخبارات میں ابھر یہ بحث پھر گئی جو توحید افکار میں ایک اہل قلم نے طول طویل مضمون لکھا ہے، دقت کے مقالہ نگار نے اس کے رد پر زور دیا ہے۔ توحید افکار کا مضمون حقیقی تب کی تائید میں ہے۔ دقت کا مضمون غلطی میں۔ ضمایہ بحث بھی پھر گئی ہے کہ قدیم تقسیم اقوام کی بنا پر نسلوں نسل کا ایک حلقہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ کہاں تک تھکتے جینوں سے محفوظ ہے؟ توحید افکار کے مقالہ نگار نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قدیم تاریخی نسل اپنی ایک مستقل شاخ رکھتی ہے۔ مشرق وسطیٰ اس کا محل و وطن نہ تھا۔ یہ دنیا کے وسطی حصوں سے وہاں پہنچی تھی۔

اس سلسلہ میں لفظ ”تاریخ“ اور ”آذر“ کی اصلیت نے بھی ایک سخت نزاع پیدا کر دی ہے۔ یہ بحث بھی پھر گئی ہے کہ ”تاریخ“ اور ”آذر“ اصلاً ایک ہی لفظ ہیں یا دو مختلف نام ہیں؟ قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم کو ”آذر“ کا بیٹا بتلایا گیا ہے، اذ قال ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم ”لیکن تو رات میں“ ”تاریخ“ ہو مفسرین اس کی یوں توجیہ کی ہے کہ ”آذر“ حضرت ابراہیم کا باپ تھا چچا تھا۔ باپ ”تاریخ“ ہی تھا۔ لیکن چونکہ اسی نے حضرت ابراہیم کی پرورش کی تھی۔ نیز عربی میں چچا پر بھی باپ کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے قرآن نے ”آذر“ کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا۔ بہر حال یہ، اور اس طرح کی بحثیں ایک طرح کی کاوش فکر اور تفنن طبع ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی کوئی وقعت نہیں جہاں تک حضرت ابراہیم کے باپ کی شخصیت کا سوال ہے، صاف بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ ”تاریخ“ اور ”آذر“ سے ایک ہی شخصیت مراد ہو۔ قدیم الفاظ و اعلام میں اس طرح کے تبدلات بکثرت ہوئے ہیں۔

## امریکہ کے شامی اور استقلال شام

تاریخین الہلال کو غالباً معلوم ہو گا کہ امریکہ میں شامی مہاجرین کی بڑی بڑی نو آبادیاں ہیں۔ انھوں نے امریکن جنسیت قبول کر لی ہے۔ اور عام امریکن آبادی کی طرح تولد و خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے خاص عربی اخبارات ہیں، کلب ہیں، ہوائی ہیں، جام زراعی کی کھیتاں ہیں، اور خاص تھیوٹرک میں بڑے بڑے آباد محلے ہیں۔ غالب تعداد وہیں کھڑک سچی ہے۔ کٹر مسلمان

بھی ہیں۔

چونکہ ان کی جدید تمدنی زندگی کی ابتدائی نشوونما فرانس کے زیر اثر ہوئی تھی، اس لئے قدرتی طور پر جذبات کا میلان اسی طرف رہتا ہے۔ جنگ کے بعد جب فرانس نے شام پر فاعشا قبضہ کیا، تو انھوں نے شام کو مبارکباد دی۔ پھر جب شامیوں نے فرانسیسی مظالم سے عاجز آکر اعلان جنگ کر دیا، تو ان کے اخبارات علانیہ فرانس کے حامی اور دروڑوں کی ”دشت و جہالت اور ناشکر گراہی“ پر متانت تھے!

چونکہ مہاجرین امریکہ آباد ہوا، اس لئے قدرتی طور پر ان کے خیالات کا مسئلہ شام پر نہایت مضرت پڑتا تھا۔

یہ حال دیکھ کر متعدد شامی لیڈروں نے امریکہ کا سفر کیا۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر عبدالرحمن شہند گئے تھے، جنھوں نے امریکہ کی تمام شامی آبادیوں میں پھرنے اور صورت حال سے مطلع کیا۔ ان کے بعد مشہور شامی زعم، امیر شکیب ارسلان نے اسی غرض سے امریکہ کا سفر کیا اور کئی ماہ تک مقیم رہے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام کوششیں بوری طرح بار آور ہوئی ہیں اور امریکن شامیوں کی رائے عامہ میں بہت کچھ تبدیلی ہو گئی ہے۔ کئی ہفتے سے امریکہ کے جس قدر عربی اخبارات آرہے ہیں، سب سے اس تبدیلی کا پتہ چلتا ہے۔ پچھلی ڈاک کے البیان اور الہدیٰ میں کئی مضامین شام کے مسئلہ استقلال پر لکھے ہیں۔ سب میں وہی نقطہ خیال کام کر رہا ہے جو شام کا مخلصانہ وطنی نقطہ خیال ہے۔ الہدیٰ لکھتا ہے: ”بلاشبہ ہم فرانس کے علم و ادب کے مقروض ہیں۔ یہیں اس قرضہ کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن ہم اس کے لئے طیار نہیں کہ اس کے معاوضہ میں اپنا وطن غرور اور اس کا وطنی استقلال الٰہی عنیت کی طرح حوالہ کر دیں۔ ہم فرانس کے آگے عبودیت و محکومت کا سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہیں“

## پارہ کا فوری علاج

ہر شخص جانتا ہے کہ کچا پارہ اگر جسم کے اندر چلا جائے تو نہایت مضر ہوتا ہے۔ پارہ کا پھوٹنا مشہور ہے ایک مدت سے طبی حلقوں کو تلاش تھی کہ اسکا کوئی فوری اور قطعی علاج معلوم ہو جائے۔ اب امریکہ کے مشہور طبی رسالہ ”جرنل ان دی میڈیکل ایسوسی ایشن“ میں اس کا تجربہ اور نسل علاج بتلایا گیا ہے۔ امریکہ کے تمام مشہور طبی حلقے اس کی تصدیق کرتے ہیں:

”اگر کوئی شخص پارہ کھا گیا ہو تو پہلے ایک یا دو گلاس ڈوڈ ملاد۔ پھر چند کچے انڈے کھلا دو۔ یہ چیزیں جب پائے سے لپٹی ہیں تو فوراً ایک ننگ طیارہ جاتا ہے۔ اس سے یہ ناکرہ ہو گا کہ معدہ میں پارہ مضم نہ ہو سکے گا اور دودھ اور انڈے کی چکنارٹ معدہ کی دیواروں کو چکنا بھی کرنے لگی تاکہ پارہ جذب نہ ہو سکے۔ البتہ یاد رہے کہ ہر حال میں دباؤں کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔ ایک یہ کہ پارہ جذب جہاں تک جلد ممکن ہو یہ علاج عمل میں آجائے۔ دوسرے یہ کہ معدہ کی صفائی اچھی طرح کر دی جائے“

خط و کتابت کے وقت ہر خریداری مزد تحریر فرمایا کریں دینر نام اور پتہ صاف ہونا چاہئے ورنہ تعمیل میں دیر ہوگی۔  
نیر الہلال“ مکتبہ

## کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا میں بہترین فائنٹن قلم

امریکن کارخانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“ قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی

حصہ نزاکت یا پیچید ہونے

کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا۔

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو

آپ کی زندگی بھر کام دے سکتا

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ

اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین

کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں۔

کم از کم تجربہ کئے

یا دیکھئے جب آپ کسی دکان

سے قلم لیں تو آپ کو ”شیفر“

”لائف ٹائم“

لینا چاہئے!

# برید شرق

## مکتوب قسطنطنیہ

(اموال کے متعلق قسطنطنیہ کے قلم سے)

### دو تاریخی دشمنوں در درو

### سابق خدیو مصر کا مقصد

عباس پاشا ملی، دور حاضر کے سربراہ اور وہ مشاہیر میں سے ہیں۔ جنگ عمومی کے آغاز تک مصر کے فرما رہے تھے۔ برطانیہ سے ان کی مخالفت تاریخی واقعہ بن گئی ہے۔ باہمی عدالت کی سرگزشت خود لارڈ کرڈرن نے اپنے پروردہ سیاسی قلم سے لکھی ہے اور عباس ثانی کے نام سے دنیا کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ لارڈ موصوف نے عباس کی خدمت میں اپنی تمام قوت کتابت صرف کر دی ہے۔ مگر شروع سے آخر تک کتاب پڑھ ڈالنے کے بعد اس کے سوا کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خدیو برطانیہ کا دشمن تھا، کیونکہ برطانیہ نے اس کے ملک غاصب قبضہ کر لیا تھا۔

یہاں ہم خدیو کی وطن پرستی کی تاریخ بیان کرنی چاہتے ہیں لیکن یہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آخر کار اسی وطن پرستی نے عباس ملی کو اپنے تاج تخت سے محروم کر دیا۔ ایتنا ہی نہیں بلکہ برطانیہ نے مصر میں اس کی تمام ذاتی جائیداد ضبط کر کے پورا پورا اہتمام لے لیا۔

آج مصر میں خدیو کی کوئی ملکیت باقی نہیں ہو حالانکہ جنگ سے پہلے وہ مصر کا سب سے بڑا صاحب المال تھا۔ خدیو کسابق دولت کے متعلق بہت سے قہقہے شہور ہیں۔ وہ اپنے عہد حکومت میں دنیا کے چند سب سے زیادہ دولت مند فرماؤں میں سے تھا بہر حال وہ قدیم تاریخی دشمنی آج پھر منظر عام پر آگئی ہے۔ پہلے اس کا دائرہ شاہی محل، انگریزی ویزٹنس اور سیاسی حلقوں میں محدود تھا۔ آج وہ عدالت کے ایوان میں جلوہ آ رہا ہے اور ہر لمحہ اس پر ہی کہنے بیٹھے ہیں۔

#### مقدمہ کی نوعیت

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سابق خدیو نے قسطنطنیہ کی مخلوط اعلیٰ عدالت میں حکومت برطانیہ پر دعویٰ دائر کیا ہے اور اپنی جائیداد کا معاوضہ طلب کیا ہے جو دوران جنگ میں ضبط کر لی گئی تھی۔ خدیو کا دعویٰ یہ ہے کہ برطانیہ نے اس کی جائیداد ضبط کرنے کے بعد اسے صرف ۶۰,۰۰۰ پونڈ معاوضہ ادا کیا یہ رقم بہت کم ہے۔ اسے ۲۸,۱۳۱,۸۰۲ پونڈ معاوضہ ملنا چاہیے۔

#### مدعا علیہ کا جواب دعویٰ

دعویٰ کرنے اجمال میں صاف ادا ہوا ہے۔ لیکن تفصیل سے بہت سی پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں جن کے حل کرنے میں اہمیت

ترکی، مصر، برطانیہ اور بعض دوسرے یورپین ملکوں کے قابل ترین علماء قانون مشغول ہیں۔ یہ پیچیدگیاں دراصل برطانیہ کی طرف سے پیدا کی گئی ہیں۔ برطانوی وکیل مورس اموس نے کل عدالت میں اپنے اعتراضات پیش کئے تھے۔ سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ موجودہ عدالت، جس کے سامنے مقدمہ پیش ہے، اس مقدمہ کی سماعت کا اختیار نہیں رکھتی۔ برطانیہ نے اپنے عدالت کے لئے دو دلیلیں پیش کی ہیں۔ اول مدعی کی شخصیت۔ ثانیاً دعویٰ کا موضوع۔

انگریزی وکیل نے قابل تین گھنٹے تقریر کی۔ اور ان دونوں نقطوں پر پہلو سے روشنی ڈالی۔ اس کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے: ”مدعی کی شخصیت، موجودہ عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ یہ اس لئے کہ خدیو کی جنسیت مصری ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ اس عدالت کے سامنے صرف انہی لوگوں کے دعوے اسکے ہیں جو ترکی جنسیت رکھتے ہوں اور برطانیہ یا اس کی رعایا کے خلاف دعویٰ رکھتے ہوں“ اپنے دعوے کے ثبوت میں وکیل نے کہا ”اب تک مصری حکومت سابق خدیو کو ”مصری“ ہی گردانتی ہے اور ان کی ترکی جنسیت تسلیم نہیں کرتی۔ اس بارے میں مصری اور ترکی حکومت میں گفت و شنید بھی ہو چکی ہے۔ مگر مصری حکومت نے فیصلہ برقرار قائم ہے۔ میرے لئے سرکاری کاغذات پیش کرنا مشکل ہے۔ لیکن میرے پاس موجودہ مصری وزیر اعظم عبدالقادر ثروت پاشا کا خط موجود ہے جو ان سے خاص اس موقع کے لئے حاصل کیا گیا ہے“

اس کے بعد وکیل نے وزیر اعظم مصر کا خط پیش کیا جو جتنی بھی ”آپ کا خط پہنچا۔ اسوس جواب میں بہت تاخیر ہوئی۔ اس کا اصلی سبب وزارت کا استعفا تھا۔ اسی استعفا کی وجہ سے اس نوٹ پر دستخط بھی دیر سے ہوئے جو سابق خدیو عباس پاشا کے متعلق مصری حکومت ترکی سفیر کے حوالہ کرنے والی تھی۔ آج اس نوٹ پر دستخط ہو گئے اور ترکی سفیر کو دیا گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصری حکومت سابق خدیو کی جنسیت کی تبدیلی تسلیم نہیں کرتی۔ میں آپ کی اس ہم پیروی کا میاں باکی کا خواہشمند ہوں“

خط سنانے کے بعد انگریزی وکیل نے کہا:

”اب یہ مسئلہ بالکل صاف ہو گیا کہ عباس ملی مصری ہیں۔ ترکی

نہیں ہیں۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۳ء میں برطانیہ نے مصر پر اپنے حمایت (پروٹیکٹوریٹ) کا اعلان کیا۔ اس وقت سے خدیو انگریزی ولاء ہو گئے۔ لہذا ان کا موجودہ دعویٰ برطانیہ کا ایک داخلی معاملہ ہے۔ یعنی برطانیہ کی ایک عدالت نے حکومت برطانیہ پر دعویٰ کیا ہے۔ موجودہ عدالت کو ایسے مقدمات سننے کا قانوناً حق نہیں ہے۔ بنا بریں عدالت کو اس مقدمہ پر غور نہیں کرنا چاہئے“

اس کے بعد وکیل نے دوسرے نقطہ پر بحث شروع کی: ”خدیو اپنی جائیداد کا معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ موجودہ عدالت کو معاوضہ کے دعوے پر غور کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عدالت، معاہدہ لوزان کے بموجب وجود میں آئی ہے اور معاہدہ میں صاف تصریح موجود ہے کہ ترکی برطانی عدالت موصوفہ ان دعووں پر غور کرے گی جو ترکی یا بدل اتحاد طرفین پر کسی جائیداد کے متعلق دائر کیے بشروط کہ اس جائیداد کا طرفین کو علم ہو۔ لیکن خدیو کسی جائیداد کا مطالبہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ معاوضہ کا معاملہ اس عدالت کے اختیار سے باہر ہے“

یہ اسکر وکیل نے معاہدہ لوزان کی دفعہ ۸ پر بھی جس کا مفہوم یہ ہے:

”ترکی اور دول اتحاد باہمی رضامندی سے ان تمام فقہی معاوضوں کے مطالبہ سے دست بردار ہوتے ہیں جن کا تعلق یکم اگست ۱۹۱۳ء سے تاریخ معاہدہ تک طرفین کی جائیداد سے ہے عام اس سے کہ وہ جائیدادیں تباہ ہو گئی ہوں یا ضبط کر لی گئی ہوں“ وکیل نے کہا ”اس تصریح کے بعد خدیو کا دعویٰ بالکل بے بنیاد ہو جاتا ہے“ یہاں پر انگریزی وکیل کو اعتراض کرنا پڑا کہ ”لوزان کا معاہدہ ان معاہدوں سے بالکل مختلف ہے جو دول اتحاد نے جرمنی، آسٹریا اور بلغاریہ سے کئے ہیں۔ یہ معاہدہ غالب اور مغلوب کے مابین ہوئے تھے، اسی لئے ان میں غلبہ کی سخت شرطیں موجود ہیں۔ لیکن لوزان کا معاہدہ دو برابر کے حریفوں میں ہوا تھا غالب اور مغلوب میں نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے اس کی تمام شرطوں کی بنیاد مساوات پر ہے“

یہ تاریخی واقعہ بھی اسے تسلیم کرنا پڑا کہ ”لوزان کانفرنس میں اتحادیوں نے ترکی کو دبانے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ تین کروڑ پونڈ کا دان جنگ طلب کیا تھا۔ مگر ترکی نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد ڈیڑھ کروڑ طلب کیا۔ اس پر بھی ترکی نے رضی نہ ہوا۔ آخر ایک کروڑ میں لاکھ پر اصرار کیا گیا۔ مگر ترکی نے اس بار میں گفتگو کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ مجبوراً اتحادیوں کو مذکورہ بالا دفعہ ۸ پر راضی ہونا پڑا، جس کی رو سے طرفین ہر قسم کے مالی معاوضوں سے دست بردار ہو گئے“

اس کے بعد وکیل نے معاہدہ کی دفعہ ۶۵ اور ۶۶ پر بحث کی۔ بلاشبہ ان دفعوں میں طرفین نے تسلیم کیا ہے کہ ضبط شدہ جائیدادیں واپس کر دیں گے یا ان کی قیمت ادا کر دیں گے۔ مگر اس میں صاف تصریح موجود ہے کہ ایسے دعوے اس عدالت میں پیش ہو سکتے ہیں جو طرفین خاص اسی غرض سے مقدمہ کر چکے ہیں کہ موجودہ عدالت کی حیثیت نہیں ہے، لہذا اس مقدمہ پر غور کرنا اس کے اختیار سے باہر ہے“

اس کے بعد وکیل نے یہ اقراض پیش کیا کہ ”معاہدہ لوزان کی رو سے طرفین ایسی ہی جائیدادوں کا مطالبہ کر سکتے ہیں جو کسی ایک فرقہ کے قبضہ میں ہیں۔ کیونکہ اگر قبضہ میں نہیں ہیں تو ان کی واپسی بھی ناممکن ہے۔ مدعی عباس پاشا کی فی الحال کوئی

جائداد بھی برطانیہ کے قبضہ میں نہیں ہو۔ کیونکہ مصر ایک خود مختار سلطنت ہو اور برطانیہ کو اس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا حق باقی نہیں رہا۔

”علاوہ بریں“ دکیل نے فریڈا استدلال کرتے ہوئے کہا ”معاہدہ لوزان نے یہ بھی تصریح کر دی ہو کہ برطانیہ اُنہی ملکوں کی جائیدادیں واپس کرے گا جو اس معاہدہ کے وقت ترکی کے قبضہ سے نکلے ہیں۔ ظاہر ہے مصر کا شمار ایسے ملکوں میں نہیں ہو جسے مصر جنگ سے پہلے ہی ترکی سے ملحد ہو چکا تھا۔“

اس موقع پر دکیل نے لاہانی کی عدالت عالیہ کے شیڈولج موسیو کو براہِ قریب نقل کیا کہ کسی ملک کے اپنی سلطنت سے ملحد ہونے کے لئے ضروری نہیں ہو کہ وہ سلطنت یہ ملحد کی تسلیم بھی کھلے غلط کسی ملک کی حکومت کا ہے اختیار ہو جائے اس کے لئے کوئی چیز ہو کہ اسے حکومت کے امتیاز سے محروم تسلیم کر لیا جائے۔“

اس قول سے دکیل نے یہ استدلال کیا کہ ”ترکی نے اگرچہ مصر کی ملحدگی سرکاری طور پر اس وقت تسلیم نہیں کی تھی۔ مگر مصر غلطاً اُس سے ملحد ہو چکا تھا اور اگر اُس وقت کی ملحدگی قانوناً جائز نہ ہو تو پھر مسئلہ میں انگریزی حمایت نے تو مصر کو قطعاً اہل کر دیا تھا اور ردِ دل نے بھی اسے تسلیم کر لیا تھا۔ اگر یہ بھی معتبر نہ ہو تو اربع سالہ میں مصر کے اعلان خود مختاری پر تو کوئی ردِ قدر نہیں ہو سکتی۔ یہ اعلان صرف دولِ یورپ ہی نے نہیں بلکہ خود ترکی نے بھی تسلیم کر لیا ہو۔“

غرض کہ انگریزی دکیل نے ہر ممکن دلیل سے ثابت کرنا چاہا کہ خدیو عباس کا موجودہ دعویٰ اگر بے بنیاد نہ ہو تو بھی اس عدالت میں پیش نہیں ہو سکتا۔ عدالت میں ۹۰ سے زیادہ سربراہِ اردوہ ترک اور سفراءِ دول موجود تھے۔ مگر کسی نے بھی انگریزی دکیل کی تقریر پر نہیں کی۔ اُس کی تقریر پر دلچسپی اور افسردہ کن بھی تمام حاضرین اس بات پر شکر ادا رہے تھے کہ وہ بار بار جوشِ ملیح تنسیخ انگریز کیتس کرنے لگتا تھا۔ سب سے زیادہ متحرک انگریز منظر اُس کی مینک میں تھا۔ وہ اپنی مینک کی طرح بھی بھال نہیں کھاتا تھا۔ بار بار ناک پر رکھتا اور پھر گہرا آد دیتا۔ جب رکھتا تھا تو اس طرح جوں کو دیکھنے لگتا تھا گویا کتاب پڑھ رہا ہو۔ جب اُتار دیتا تھا تو اس طرح نظریں اٹھاتا تھا گویا اندھیرے سے اچانک بجائی ہو گیا ہو!

برخلاف اس کے خدیو کے پیر کار بڑے سلیقہ اور وقار کے وکیل تھے۔ ان کے سرگروہ مشہور قانون دان طاہر تک ہیں۔ یہ آستانہ کدوہ قانون کے ہتم ہیں اور لوزان کانفرنس میں ترکی وفد کے قانونی مشیر تھے۔

خدیو کے دیکھا کی بحث

خدیو کی طرف سے تین دکیل تھے۔ تینوں نے انگریزی دکیل کی بحث کے تین اہم نقطوں کو باہم تقسیم کر لیا تھا۔

طاہر تک نے خدیو کی حیثیت پر بحث کی اُنہوں نے کہا: ”خدیو، ترکی رعایا ہیں۔ کیونکہ ترکی قانونِ حیثیت اُنہیں ترکی رعایا قرار دیتا ہے اور مصری قانونِ حیثیت اُنہیں مصری تسلیم نہیں کرتا۔ خود برطانیہ مقرر ہو کہ ہر نو برسلطہ ملک خدیو کا شمار ترکی رعایا میں تھا۔ پھر اس تاریخ کے بعد بقول اُس کے خدیو مصری رعایا ہو گئے۔ حالانکہ برسلطہ کے مصری قانونِ حیثیت کی دفعہ خدیو کو مصری حیثیت سے خارج کر رہی ہو۔ کیونکہ مصر میں اُن کی عدم موجودگی اور مصر میں اُن کے داخلہ کی ممانعت کی وجہ سے ان پر وہ شرطیں مائیں ہوتیں جو مصری رعایا ہونے کے لئے قانون

میں درج ہیں۔ اس قانون میں صاف لکھا ہو کہ یہی لوگ مصری رعیت ہیں جو ہر اکو برسلطہ کو مصر میں موجود تھے اور اسکے بعد بھی برابر وہاں بود باش رکھتے ہیں۔ خدیو عباس میں یہ دونوں شرطیں پوری نہیں ہوئیں۔ بلاشبہ برسلطہ میں خدیو اپنے ملک واپس جانا چاہتے تھے مگر خود انگریزی سفیر مقیم قسطنطنیہ نے اُنہیں واپس سے روک دیا۔“

اس کے بعد طاہر تک نے مصری وزیر اعظم عبدالفتاح ثروت پاشا کے مذکورہ بالا خط پر گفتگو کرتے ہوئے کہا:

”یہ نام نہاد خط، اس مقدمہ میں پیش کرنا درست نہیں۔ کیونکہ طرفین نے عدالت کے سامنے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ اسے کاغذات پیش نہیں کئے جائیں گے جو پہلے سے طرفین کے معاہدے میں نہیں آچکے ہیں۔ انگریزی دکیل نے یہ کارروائی بالکل غلط اصول کی ہو۔ تاہم میں اس خط پر چند نقطے لکھ کر نہیں رہ سکتا۔ یہ خط محض شخصی اور سچ کا خط ہے۔ سرکاری دستاویز نہیں ہو سکتا۔ خود میرے پاس ترکی حکومت کے سرکاری کاغذات موجود ہیں جن سے میرے موکل کی ترکی حیثیت پوری طرح ثابت ہوئی ہو مگر میں نے پیش نہیں کئے کیونکہ میں کوئی کارروائی باہمی معاہدہ کے خلاف نہیں کرنی چاہتا۔ ثروت پاشا کے خط پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ خط صرف اس لئے حاصل کیا گیا ہو کہ معاہدہ مقدمہ پر اپنے موافق اثر ڈالے۔ نیز یہ ایک ایسی حکومت کے وزیر اعظم نے لکھا جو جس کی مصلحت اسی میں ہو کہ میرا موکل مقدمہ ہار جائے۔ کیونکہ اُس کی جائداد اسی حکومت کے ہاتھ میں ہو اور وہ اس سے متمتع ہو رہی ہو۔ اس خط کو کوئی ہی اہمیت دی جائے گروہ مصری قانونِ حیثیت کی دفعہ ۲ کو باطل نہیں کر سکتا جسے خدیو کو مصری حیثیت سے محروم کر دیا ہو۔ اس کے بعد ترکی دکیل نے اپنے حریف کے اس بیان کی تردید کی کہ خدیو کی حیثیت کے بارے میں مصری اور ترکی حکومتوں کے مابین گفت و شنید ہوئی تھی۔ اُنہوں نے کہا:

”ترکی حکومت نے اس بارے میں مصری حکومت سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ ترکی حکومت پوری تاکید سے خدیو کو ترکی سمجھی ہی ہے۔ پھر وہ ایک ایسے صاف معاملہ پر گفتگو کرے کہ اسے شبہ کیسے بنا سکتی تھی؟ ممکن ہو حقیقت ثروت پاشا کے لئے تکلف وہ ہو۔ ممکن ہو حکومتِ برطانیہ کو موجودہ مشکل سے نکالنے کے لئے مصری حکومت اپنے سرزمرہ داری لے لے کر ان تمام کوششوں کے بعد بھی حقیقت، حقیقت ہی ہے کہ خدیو، ترکی سے مصری نہیں ہو جائیں گے۔ ہمارے موکل نے انگریزی دکیل کے اس بیان پر عصمت پاشا کو توجہ دلائی تھی۔ اس پر اُنہوں نے جواب بھیجا ہے وہ میں عدالت کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔“

اس کے بعد اُنہوں نے عصمت پاشا کا حنبلی خط پڑھ کر سنا:

”اُن کی حیثیت کے متعلق ہیں حکومت مصر کے کسی اعتراض کا آج تک علم نہیں۔ ہماری وزارت خارجہ بھی اب تک ناواقف ہو کہ مصر میں ترکی سفیر کو مصری حکومت نے اس بارے میں کوئی نوٹ دیا ہو۔ اُن کی حیثیت کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ معاملہ کسی حال میں بھی معروض بحث میں نہیں لایا جاسکتا۔“

طاہر تک کے بعد خدیو کے دوسرے وکیل سیویرگری نے اس نقطہ پر بحث کی کہ مصر، ترکی سے کب ملحد ہوا؟ اُنہوں نے ثابت کیا کہ ترکی مصر سے معاہدہ لوزان کے وقت سے دست بردار ہوا ہو نہ کہ اس سے پہلے۔ معاہدہ کی دفعہ ۱۹ میں صاف لکھا ہو

کہ ترکی اپنی حدود کے باہر ملحد مقبوضات سے دست بردار ہوتا ہو پھر مصر اور سوڈان کے متعلق ایسی دفعہ میں فرید تصریح ہو جو کہ ان دونوں ملکوں سے دست برداری ہر نو برسلطہ میں تصور کی جائے گی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مصر کی اٹھا ملحدگی معاہدہ لوزان سے ہوئی ہو۔ نہ کہ کسی اور معاہدہ یا دفعہ سے۔

اس کے بعد خدیو کے تیسرے وکیل سیویرگری نے دکیل کے اس اعتراض پر بحث کی کہ موجودہ عدالت اس مقدمہ پر غور نہیں کر سکتی اُنہوں نے کہا:

”میرے موکل کی جائداد مصر میں تھی۔ برطانیہ نے اُسے ضبط کر لیا۔ ثبوت یہ ہو کہ ۲۹ اکتوبر برسلطہ کو جبکہ یہ واقعہ پیش آیا مصر برطانیہ کے قبضہ میں تھا اگرچہ اس قبضہ کا باضابطہ اعلان ۱۸ دسمبر برسلطہ میں ہوا ہو۔“

اس کے بعد دکیل نے بین الاقوامی قوانین کی بہت سی کتابوں کے حوالے پڑھ کر بتایا کہ کسی ملک پر قبضہ اگر غلطاً موجود ہو اور اس قبضہ کے لئے کوئی معاہدہ یا اعلان نہیں ہوا تو جب بھی وہ قبضہ قانوناً تسلیم کیا جائے گا۔ غلطاً اُس کا موجود ہونا اُس کی موجودگی کی سب سے بڑی دلیل ہو۔ تمام علماءِ قانون نے قبضہ کی تعریف یہ کی ہو کہ کسی ملک کی مداخلت کی ذمہ داری اور اُس کے معاملات میں مداخلت کا نام قبضہ ہو۔ یہ چیز اُس وقت سے موجود تھی جب سے برطانیہ کی فوجیں مصر میں داخل ہوئیں۔

اپنے دعویٰ کی دلیل میں دکیل نے لاؤڈ کلر اور دوسرے ذمہ دار انگریزوں کی تصریحات بھی پیش کیں اور بتایا کہ مصر غلطاً انگریزی حمایت میں تھا اگرچہ اُس کا باضابطہ اعلان ۱۸ دسمبر برسلطہ کو ہوا۔ دکیل کی سب سے بڑی دلیل جسے پوری عدالت کو سکتے میں ڈال دیا، انگریزی سپر سالار مصر کا وہ اعلان تھا جو اُسے اگست برسلطہ میں شائع کیا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ برطانیہ نے اُسے مصر کی حمایت و مداخلت کے لئے مقرر کیا ہو۔

غرض کہ دکیل نے قطعی طور پر ثابت کر دیا کہ ۲۹ اکتوبر برسلطہ میں جبکہ خدیو کی جائداد ضبط ہوئی ہو، مصر برطانیہ ہی کے قبضہ میں تھا۔ اس کے بعد دکیل نے اُن تمام اعتراضوں کو ایک ایک کر کے رد کر دیا جو انگریزی دکیل نے معاہدہ لوزان پر بحث کرتے ہوئے ضبط شدہ جائیدادوں اور اُن کے معاوضہ کے متعلق پیش کئے تھے۔

ترکی حکومت کا بیان

تمام کارروائی ختم ہونے کے بعد ترکی حکومت کے نمائندے وضعی راجدبک نے عدالت کے سامنے ۱۹ بڑے صفحوں پر لکھی ہوئی ایک دستاویز پیش کی۔ اس میں ترکی حکومت نے مقدمہ کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کئے تھے۔ اس کے بعد ترکی وزیر خارجہ کا یہ پیغام پڑ گیا:

”عباس علی پاشا ترکی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم نے مصری حکومت سے جو گفت و شنید کی تھی وہ خدیو کے بارے میں نہیں بلکہ مصری قانونِ حیثیت کے بارے میں تھی۔ چونکہ خدیو جنگ عوامی کے قبل ہی سے قسطنطنیہ میں مقیم ہیں اس لئے مصری قانون کی دفعہ ۲۳ کی رو سے وہ مصری رعایا نہیں ہو سکتے۔“

آخر میں عدالت نے انگریزی دکیل سے پوچھا کہ اُسے کچھ اور کہنا ہو؟ دکیل نے انکار کیا۔ اس پر عدالت برخوات ہوئی فیصلہ کی تاریخ کا بعد میں اعلان کیا جائے گا۔



# مکتوب فلسطین

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیت المقدس کے قلم سے)  
(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

## جامعہ عربی

فلسطین کی عربی یونیورسٹی نے اعلان کیا ہے کہ وہ عربی زبان کا شعری نعت مرتب کر رہی ہے۔ اس سے مقصد وفت کی ایک ایسی کتاب ہے جس میں ان تمام غزلوں اور محاوروں کی تحقیق کی جائے گی جو عربی اشعار میں استعمال ہوئے ہیں۔

یہ تجویز نہایت اہم اور ایک بڑی ضرورت پوری کرنے والی ہے عربی علم ادب سے مارت رکھنے والے جانتے ہیں کہ عہد جاہلیت اور مولدین کے کتبہ اشعار محض اس لئے شکل ہو گئے ہیں کہ موجودہ کتب لغت میں ان کے الفاظ اور محاوروں کی پوری تحقیق موجود نہیں۔ تحقیقات سے مجھے معلوم ہوا کہ اس غرض کے لئے یونیورسٹی نے علماء کی ایک کمیٹی بنائی ہے۔ مشہور یہودی علامہ ہر قمر اس کے صدر ہیں۔ کام شروع ہو گیا ہے۔ لیکن اس کی تکمیل میں تقریباً پندرہ برس لگیں گے۔

اسی سلسلہ میں یونیورسٹی کی ایک اور تجویز بھی قابل ذکر ہے۔ عربی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں نے عربی کے مشہور مستشرق پروفیسر سیک کا نام سنا ہوگا۔ یہ اس وقت پریشا کے وزیر تعلیم ہیں۔ انھوں نے ساہا سال کی کوششوں سے عربی زبان کی بکثرت قدیم کتب عربی جمع کی ہیں۔ علمی دنیا میں ان کا مجموعہ نہایت نامور اور قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ فلسطینی کی یہودی یونیورسٹی نے گزشتہ ماہ یہ تجویز منظور کی ہے کہ پروفیسر سیک کو اسے یہ نامی مجموعہ خرید لیا جائے اور پورے اہتمام کے ساتھ شائع کر دیا جائے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر یہ مجموعہ شائع ہو تو دس جلدوں میں ختم ہوگا۔

عربی یونیورسٹی کے کارناموں میں مشرق کی اکثر قوموں کے لٹری جی حیرت ہے۔ عربی اپنے اپنے لٹری والوں کی پراگندگی و بربادی کے بعد خود بھی برباد ہو گئی تھی۔ مژدہ زبانوں میں اس کا شمار تھا۔ مذہبی کتابوں اور عبادت خانوں کے باہر اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا تھا۔ لیکن سخت جان یہودیوں کی تیس برس کی کوششوں نے آج اسے ایک زندہ زبان بنایا ہے۔ اس وقت فلسطین میں عربی کے بعد سے زیادہ استعمال ہونے والی زبان ہے۔ عدالتوں اور بازاروں میں بولی جاتی ہے۔ اس میں نئے علوم و فنون ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہے۔ اپنی خاص یونیورسٹی رکھتی ہے جس کا شمار موجودہ عرب کی بہترین یونیورسٹیوں میں ہے۔

عربی یونیورسٹی کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ دو سال کی تلیس مدت میں اسے ایک لاکھ ۴۰ ہزار کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کر لی ہیں جو متاثر یہودی علوم اور یہودی قوم سے تعلق رکھتی ہیں!

## قومی مکتب

فلسطین کی قومی مکتب (کانگریس) نے ایک عام اجتماع منعقد کرنے کی دعوت شائع کی ہے۔ اس سے غرض اس قانون پر بحث و اعتراض ہو جو گورنر نے فلسطینی قومیت یا جمیعت کے متعلق حال

میں بنایا ہے۔ یہ قانون ان تمام لوگوں کو فلسطینی جمیعت خارج کرتا ہے جو فلسطین کے باہر رہ رہے ہیں۔ نیز انھیں اپنے ملک میں واپس آنے سے بھی منع کرتا ہے۔ اس قانون کی وجہ سے فلسطینی قومیت بھانج کر رہی ہے۔

## مجلس تشریع

ملک میں مجلس تشریع (مجلسیہ کونسل) کے قیام کا مطالبہ عام ہے۔ گورنر بھی اس پر غور کر رہی ہے۔ اس راہ میں بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ جن لوگوں پر قوم کو اعتماد ہے، حکومت انھیں پسند نہیں کرتی۔ حکومت کے آدمیوں پر قوم کو اعتماد نہیں۔ اس صورت میں کونسل کا قیام کیسے ہو سکتا ہے؟ حکومت ڈرتی ہے کہ اپنا ایک نیا دشمن پیدا کرے؟ قوم خیال کرتی ہے حکومت کے ہاتھ میں ایک نیا ہتھیار ڈال دے؟ لیکن متعدد سیاسی رہنماؤں نے اعلان کیا ہے کہ حکومت کے ساتھ اتحاد و مل کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ وہ سچائی کے ساتھ قومی مطالبے کی طرف عملی قدم اٹھائے۔ ایسے معاملات میں سچائی کی قید ہمیشہ شائبہ ہوتی ہے!

## ایک اہم اکتشاف

پروفیسر ولیم ہاں آثار قدیمہ تلاش کر رہے ہیں۔ حال میں انھیں "تل حیشا" زمین کے اندر ایک دیوار ملی ہے۔ سولہ سے بیس فٹ تک موٹی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے یہ سنہ ۱۰۰۰ قبل مسیح میں تعمیر ہوئی تھی۔

## ڈاکٹروں کی تعداد

آخری اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ اس وقت فلسطین میں کل ۵۳۴ ڈاکٹر ہیں۔ ان میں ۳۷۳ یہودی ہیں۔ ۴۰ عرب ہیں ۱۲۳ یونین ہیں۔ یہودی ڈاکٹر ان میں ایک تہائی عورتیں ہیں۔

## امیر عبداللہ

اخبارات نے امیر عبداللہ کی ایک ملاقات کا حال شائع کیا ہے جو انھوں نے ایک مصری اخبار نویس سے حال میں کی تھی۔ امیر نے کہا: "مصر میں مذہبی بربادی اس طرح آہل عربی ہونے لگی ہے کہ اٹھنا اُلٹنا ہے۔ اس کے مستقبل اور خیر کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ قدیم خیالات و افکار کے باب میں فکر کی آزادی میرے نزدیک نہایت مستحسن ہے۔ تجدد و اجتہاد میں جو چیز مجھے بہت پسند ہے وہ اعتدال ہے جلد بازی اور شرقی فضائل و اخلاق کی تحقیر مجھے پسند نہیں۔" مصر کی سیاسی بربادی کے متعلق امیر نے گفتگو کرنے سے انکار کیا۔ البتہ ڈرتے ڈرتے اپنی تصریح کی "مصر کے دوستوں کو یہ بتاد بہت مرغوب ہے"

اپنی ریاست کے متعلق انھوں نے کہا "میں اپنے ملک کو وہ تمام دستوری (پارلیمنٹری) حقوق دینا پسند کرتا ہوں جو اس کے لائق ہے۔ نہ ہوں" اور اس کی "عقلی استعداد" کے مطابق ہوں۔ انگریزی معاہدہ کے متعلق کہا "معاہدہ ابھی آخری منزل میں نہیں پہنچا ہے۔ البتہ گفت و شنید ختم ہو گئی ہے۔ ممکن ہے یہ زبردست ہو۔ بہر حال مجھے یقین ہے کہ یہ دلیا ہی معاہدہ ہوگا جیسا برطانیہ نے عراق سے کیا ہے"

اپنے والد شریف حسین سابق شاہ تھانہ کے بارے میں انھوں نے کہا "اپنی آخری حاضری کے وقت میں نے عرض کیا تھا کہ کسی دوسرے ملک میں اقامت اختیار کریں۔ مگر انھوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے والد قبر میں محض اپنی خوشی سے مقیم ہیں۔ وہ بالکل آزاد ہیں جس ملک میں چاہیں قیام کر سکتے ہیں"

## فلسطین کی ایک طبی شخصیت

فلسطین کے ایک ممتاز اور مغز سیاسی رہنما موسیٰ کامل پاشا حسینی

ہیں۔ شروع سے وطن کی آزادی کے لئے کوشاں ہیں۔ قومی انجمن کی الحال صدر ہیں۔ اخبارات نے ان کی ایک سیاسی گفتگو شائع کی ہے۔ یہ فلسطین کی عام رائے کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل ہے:

"ملک کا مطالبہ یہ ہے کہ قومی حکومت دستوری بنیادوں پر قائم ہو۔ قومی مجلس اس کی پشت پناہ اور گراں ہو دنیا کی تمام حکومتوں کی طرح یہ حکومت بھی صرف ملکی مجلس ہی کے سامنے جوابدہ ہے۔ ہم برطانوی حکمرانی تسلیم نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک مین مدت تک کے لئے اپنے خارجی معاملات انجمنیوں کے ہاتھ میں رہنے دیں۔ لیکن ہم کامل اندرونی آزادی چاہتے ہیں ہم سرحد اپنے ملک کے لئے وہی سیاسی حیثیت چاہتے ہیں جو عراق کو حاصل ہے۔ یعنی ہم انگریزوں سے اس شرط پر معاہدہ کر سکتے ہیں کہ ملک کی اندرونی آزادی محفوظ رہے اور دستوری حکومت قائم کرنے دی جائے۔ ہماری راہ میں سب سے بڑی شکل یہودی قوم ہے ہم یہودیوں سے کوئی عداوت نہیں رکھتے۔ ہم اپنے ملک میں ان کا خیر مقدم کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ مگر وہ زیادتی کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ملک کو غصب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات ہم کبھی منظور نہیں کر سکتے۔ عربوں کو برطانیہ سے بیزار شکایتیں ہیں۔ سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ اس نے ان کی آزادی سلب کر لی۔ دو بڑی شکایتیں یہ ہیں کہ تقریباً تمام اعلیٰ اور میانہ عہدے یہودیوں اور انگریزوں کے لئے خاص کر دیے، تیسری یہ کہ انگریزی حکومت نے ہماری تعلیم اپنے قبضہ میں کر لی ہے جس سے ملک کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ چوتھی یہ کہ بیزار طبع غریب ملک کو تباہ کر رہی ہیں۔ پانچویں یہ کہ ظالمانہ قانون جاری کئے گئے ہیں۔ اس قانون سے بڑھ کر اگر کیا ظلم ہوگا کہ حکومت جسے مشتبہ سمجھے ۶ مہینے کے لئے بغیر مقدمہ چلا کر قید کر سکتی ہے"

# مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

(اصل عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا)

## مصر و برطانیہ کی نزاع

"قوم کی روح کو نہ جنگی قانون مغلوب کر سکتا ہے نہ ظالم کا ظلم، نہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کی قوت"

(سعد شاہ زفلول)

مصر کی موجودہ سیاسی جدوجہد کی پوری تاریخ اس ایک فکر میں پنہاں ہے۔ برطانیہ نے ہر ممکن ذریعہ سے اس چھوٹی سی قوم کو مغلوب و مقہور کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس ہستی قوم نے مغلوب ہونے سے ہمیشہ اپنے آپ کو برطانیہ کو مجبور و ظالم دیکھ کر ہتیار رکھ کر دینا پڑے۔ سیاسی بازی گری شروع کی۔ مگر اس قوم نے فریب کھا کر سے بھی انکار کر دیا۔ برطانیہ کا آخری اور خطرناک حربہ، زیور پاشا کی وزارت تھی۔ یہ شخص مصری تھا مگر برطانیہ سے زیادہ مصر کے لئے مقرر تھا۔ اس نے ملک کی سیاسی زندگی کا گھلا گھونٹنے کی پوری کوشش کی، مگر قوم نے اسے بھی چشم زدن میں گرادیا۔ آج مصر حکومت خود مصری کی ہے۔ آج مصر کی حکومت، عام رائے کے ماتحت ہے۔ عام رائے برطانیہ کے خلاف ہے، اس لئے ملک کی حکومت بھی برطانیہ کے خلاف ہے۔ عام رائے ملک میں برطانیہ کا کوئی امتیاز باقی نہیں



دینا نہیں چاہتی، اس لئے حکومت بھی برطانوی امتیازات اٹھا لینے پر تلی ہوئی ہے۔

مصر کی خود مختاری تسلیم کرنے کے بعد بھی برطانیہ نے اپنے لئے کئی ملکات امتیازات باقی رکھے ہیں۔ انگریزی فوج مصر کی سرزمین پر موجود ہے۔ مصری فوج کا سپہ سالار انگریز ہے۔ متعدد انتظامی محکموں پر انگریز عہدہ داروں کی نگرانی ہے۔ طور سینا اور حلوان کے سرحدی علاقے انگریز افروں کی ماتحتی میں ہیں۔ ظاہر ہے یہ امتیازات ملکی آزادی اور قومی خود مختاری کے قلعی ستانی ہیں۔ ان کی موجودگی میں مصر کا اعلان خود مختاری بکل بے معنی اور مضحکہ انگیز رہتا ہے۔ مصر نے سالہا سال ہر کیا، لیکن اب وہ طیار ہو گیا ہے کہ اپنے حقوق کا آخری مطالبہ شروع کرے۔

انگریز افروں اور سپہ سالار کی موقوفی اس سلسلہ میں مصری حکومت کی پہلی کارروائی یہ تھی کہ آئینے انتظامی محکموں کے تمام انگریز عہدہ دار برخواست کر دیے صرف محکمہ عدالت، محکمال اور بعض دوسرے عہدوں پر گنتی کے انگریز نوے، لیکن انکے لئے بھی خاص خاص شرطیں مقرر کر دی گئیں یہ واقعہ عدلیہ پاشا کی وزارت میں ہوا تھا۔ اب ثروت پاشا نے اگر دوسرا قدم اٹھایا، اور یہ قدم نہایت نتیجہ خیز ہو۔ مصری پارلیمنٹ کی خجگی کمیٹی نے طے کر دیا کہ سرحد سپاہ کا عہدہ توڑ دیا جائے اور اس کے اختیارات ایک خجگی مجلس کے سپرد کر دیے جائیں۔ حکومت نے بھی یہ تجویز پسند کی اور اسے جاری کرنا چاہا۔ مگر انگلستان اپنے غاصبانہ دعوؤں سے دست بردار ہونے کے لئے طیار نہیں ہو۔

برطانیہ کا دعویٰ ہے کہ ۲۸ فروری ۱۹۲۲ء کی تصریح میں یہ طے پایا ہے کہ مصری فوج انگریزی سرحد سپاہ کے ماتحت رہے گی۔ حالانکہ یہ دعویٰ سرسریں بنیادوں پر ہے۔ اس تصریح میں فوج کا مطلقاً کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ صرف اس تصریح میں بلکہ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۶ء تک کسی معاہدہ یا گفت و شنید میں اس کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ مصری حکومت کی حجت یہ ہے کہ انگریزی حمایت (پروٹیکشن) کے زمانہ میں مصری فوج "سرحد" کے ماتحت تھی۔ لیکن اب اعلان خود مختاری کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ قدیم نظام باقی رکھا جائے۔

غرض کہ اس وقت یہ مسئلہ برطانیہ اور مصر کے درمیان سخت نزاع کا موجب ہو گیا ہے۔ طرفین اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور ایک قدم بھی پیچھے ہٹنا منظور نہیں کرتے۔ اس مسئلہ کی اہمیت متا ظاہر ہے۔ انگریز سپہ سالار کی ماتحتی میں مصری فوج رہنے کے معنی بحر اس کے کچھ نہیں ہیں یہ فوج بھی انگریزوں ہی کی ہے۔ برطانیہ خوب سمجھتا ہے کہ "سرحد" کی موقوفی کے بعد مصر کو خجگی قوت حاصل ہو جائے گی اور زبردستیوں کا وہ سلسلہ بند ہو جائے گا جو مدت سے برطانیہ جاری کئے ہوئے ہے۔

### لاڈ جارج لائٹ کی بے ضابطگی

ابھی یہ معاملہ طے نہیں ہوا تھا کہ ایک اور نئی شکل پیدا ہو گئی۔ شکل برطانوی لائٹ کی کثیر لاڈ جارج لائٹ نے پیدا کی ہے۔ موصوف چند سال پہلے ہندوستان کے ایک صوبہ کے گورنر تھے۔ ہندوستان انگلستان واپس آئے اور فوراً مصر بھیج دیے گئے۔ مصر ہو چکر انھیں ایڈمنسٹریٹر اب ایک ایسے ملک میں آئے ہیں جو ہندوستان کی طرح برطانیہ کے ماتحت نہیں ہے۔ بات بات میں مالکاتہ شان دکھانے لگے۔ قاترہ میں ان کی آنکھیں شاہی استقبال اور مظهر عبودیت دیکھ رہی تھیں۔ یہاں اس کا امکان نہ تھا۔ یوں ہو کر دیہاتی علاقوں پر نظر ڈالی۔ وہاں ملاقات "منیا" میں چند

قدیم الدار خائن موجود ہیں۔ انھوں نے متحد کی خواہش پوری کر دی۔ ایک پرتخت دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ یہ اسپٹل ٹرین پر ہم دھام سے پہنچے خوشتر و خضوع کے مظاہرے قبول کئے اور کئی دنوں میں بالکل دیسی ہی حالانکہ تقریر کی جیسی تقریروں کے وہ ہندوستان میں عادی رہ چکے ہیں۔

لیکن جب اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی، تو عام رائے سخت برسی پیدا ہو گئی۔ ہر طرف سے اعتراض شروع ہوا کہ برطانوی لائٹ کشن کو اس کا رور دانی کا کیا حق تھا؟ اخبارات سے گزر کر یہ حال پارلیمنٹ تک پہنچا۔ وہاں ممبروں نے نہایت سخت مکہ جینی کی اور حکومت کو مجبور کیا کہ جواب طلب کرے۔

سب کو معلوم ہے کہ مصری پارلیمنٹ پر ذلول پاشا کی وطن پر پارٹی حاوی ہے۔ اس واقعہ سے فائدہ اٹھا کر انگریزی اخبارات نے لکھنا شروع کر دیا ہے کہ برطانیہ کی مخالفت صرف یہی جماعت کر رہی ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ برطانیہ کی مخالفت پر تمام جماعتیں متحد ہیں۔ ذیل میں ہم چند اقتباس صرف ان تقریروں کے دیتے ہیں جو معتدل جماعت کے سربراہ اور دہ ممبروں نے اس معاملہ پر پارلیمنٹ میں کی ہیں۔

حسین یوسف عامر آفندی نے کہا "ہمیں برطانوی مائندوسے صاف کہنا چاہئے کہ بقراہی آزادی کسی حیت پر بھی فروخت کرنے کے لئے طیار نہیں۔ اگر ہم نے برطانیہ کے ساتھ منافقت کی پالیسی پسند کی تھی تو صرف اس لئے کہ ہمیں یہ پالیسی مصر کی خود مختاری کے لئے مفید معلوم ہوئی تھی۔ اگر برطانیہ ہماری ملائت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے تو ہم اپنی پالیسی بدل ڈالنے میں ایک لمحہ بھی پس و پیش نہیں کریں گے۔"

ابراہیم دسوقی آفندی نے کہا "برطانوی نمائندے کو حق ہے کہ ملک کے جس حصہ میں چاہے سیر کرے۔ نیز ملکی خزانوں کو بھی حق ہے کہ جس طرح چاہیں اس کی آؤ بھگت کریں لیکن ساتھ ہی برطانوی نمائندے کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مصر ایک آزاد ملک ہے، اور یہ کہ اس سرزمین میں جب ملک کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کو مقصود صرف وہ ہستی ہوتی ہے جو مصر کے تحت پر تھی ہے۔ میں اس پالیسی کے ہرگز کوئی معنی نہیں سمجھتا جس کا نتیجہ ملک کی خود مختاری کی نظمی پالی ہو۔"

طرات علی آفندی نے کہا "مصر کی مصالحانہ پالیسی کو اس کی کمزوری پر محمول نہیں کرنا چاہئے۔ ہم کمزور نہیں ہیں۔ ہمارے پاس حق ہے اور ہم حق کی قوت سے قوی ہیں۔"

سے زیادہ اہم اور پر زور تقریر، معتدل جماعت کے مشہور زعمی ابراہیم لہادی کی تھی۔ یہ وہی شخص ہیں جو ایک زمانہ میں برطانیہ کے بڑے ماح اور مخلص خدمت گذار تھے۔ ۱۹۱۸ء کے مشہور حادثہ "دشوائی" میں انہی نے انگریز مجرموں کی طرف سے قانونی پردہ کی تھی اور انھیں سزا سے بچا لیا تھا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا:

"بہت سی تقریریں ہو چکی ہیں۔ لیکن معاملہ اس قدر اہم ہے کہ میں بھی گفتگو کرنے پر مجبور ہوں۔ دنیا دیکھ لے کہ میں فوجاں نہیں ہوں، میرا سر سفید ہو گیا ہے۔ بڑا بڑا اپنی جملہ کمزوریوں کے ساتھ مجھ پر ٹوٹ پڑا ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ مصری پارلیمنٹ پر جویشن فوجاؤں کے ہتھ کا ساتھ دے رہی ہے۔ میں سب پاشا کی جماعت میں سے بھی نہیں ہوں۔ البتہ میں مصری ہوں، اور چونکہ تمام مصر برطانوی نمائندے سے نالاں ہے اس لئے قدرتی طور پر میں بھی نالاں ہوں۔ اس برطانوی نمائندے نے سیاسی دستور لہل کی

خلات درزی کی ہے۔ اسے ہمارے ملک کی آزادی کے لئے خطرہ پیدا کرنا ہے۔"

پارلیمنٹ میں اس مصری پولیس افسر پر بھی طرے لے دے ہوئی تھی جسے "منیا" میں لاڈ جارج لائٹ کی تقریر پر جوابی تھی۔ ایک مقرر نے اس مناسبت سے نوٹیں اعلیٰ کا یہ تاریخی واقعہ بیان کیا "ایک جنگ میں دشمن فوج کے ایک بڑے افسر نے نوٹیں کے لئے جاسوسی کی تھی جس سے بالآخر بادشاہ کو فتح ہوئی۔ فتح کے بعد جاسوس طرح طرح کی امیدیں لے کر نوٹیں کے خیمہ کی طرف دوڑا۔ وہ یقین کرتا تھا کہ پتہ اس شاندار خدمت پر اس سے معاف کر دے گا اور اپنے سینہ سے لگائے گا۔ لیکن نوٹیں نے جونی آسے دیکھا، ناگوار سے ساتھ اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ایک لمبی لاشی کے سرے پر اشرافیوں کی کھلی ہاتھ اور جاسوس سے کہا "یہ ہو تیرا صلہ لے لے۔ تیرے جیسے خائن کو میں اپنا ہاتھ مس کرنا پسند نہیں کرتا۔"

ابراہیم لہادی ایک نے سلطان عبدالعزیز کا بھی ایک کپ داقتہ بیان کیا۔ انھوں نے کہا "شہر شہر گزرتے سلطان عبدالعزیز نے فرانس کی سیاحت کی تھی۔ ایک دن وہ پیرس میں جا رہے تھے۔ نوٹیں ثالث شاہ فرانس انکے پہلو میں بیٹھا تھا۔ سلطان زراعتی زبان نہیں جانتے تھے۔ لیکن ترکی وزیر خارجہ رائٹ پاشا جانتے تھے اور دونوں فرانسوں کی گفتگو کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ نوٹیں نے رائٹ پاشا سے کہا "سلطان اعظم کے کہو کہ جزیہ کوٹ میں اپنی رعایا پر دھم کریں اور نئے انتظامات جاری کریں" رائٹ پاشا نے اس جملہ کا ترجمہ ترکی میں اپنے آقا کو سنایا۔ اس پر سلطان کا جواب کیا تھا؟ وہ بالکل خاموش ہو گئے، گویا سنا ہی نہیں۔ نوٹیں نے خیال کیا سلطان مطلب نہیں سمجھے۔ رائٹ پاشا سے پھر ترجمہ کر لے کر کہا "مگر انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ سلطان ناراض ہو گئے ہیں چنانچہ دوبارہ ترجمہ کرنے سے معذرت کی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ سلطان نے اپنی قیام گاہ پر پہنچتے ہی عالی پاشا وزیر اعظم کو طلب کیا اور حکم دیا کہ فوراً رائٹ پاشا وزیر خارجہ کو برطون کر دو۔ وزیر کو اس اچانک عتاب پر بہت تعجب ہوا۔ ڈرتے ڈرتے سب بوجھا۔ سلطان نے کہا "رائٹ پاشا نے ایک ایسے جملہ کا ترجمہ مجھے سنایا جو ہرگز سنا نہیں چاہئے تھا کیونکہ وہ میرے ساتھ بطور مترجم کے نہیں تھے۔ وزیر خارجہ کی حیثیت سے تھے۔ میرے وزیروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ کون بات میری سلطنت کے مصلح اور عزت کے مطابق ہے کون مخالف ہے۔ جب ایک اجنبی بادشاہ نے ایک ایسی بات منہ سے سنائی تھی جس میری سلطنت کے معاملات میں مداخلت پائی جاتی ہے تو میرے وزیر خارجہ کا فرض تھا کہ اس بات کا مجھے ترجمہ سنانے سے صاف انکار کر دیتا۔"

### ایک اور شکل

لاڈ جارج لائٹ کی اس کارروائی نے ایک اور معاملہ کی یاد بھی تازہ کر دی ہے۔ عام سیاسی دستور یہ ہے کہ جب کسی سلطنت کا سیر یا نمائندہ دوسرے ملک میں پہنچا ہے تو اس ملک کی حکومت کے سامنے اپنی تقریر کے کاغذات پیش کرتا اور اس کی منظوری حاصل کرتا ہے۔ مصر میں بھی یہی دستور جاری تھا۔ جنگ سے پہلے تک جتنے برطانوی نمائندے آئے اپنے کاغذات خدو کے سامنے پیش کر لے۔ لاڈ جارج نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ لیکن وہاں جنگ میں یہ رسم موقوف ہو گئی کیونکہ اب مصر خود مختار نہیں رہا تھا۔ برطانیہ کا ایک مقبوضہ ملک تھا۔ مصر کے اعلان خود مختاری کے بعد سب پہلا برطانوی نمائندہ، یہی لاڈ جارج لائٹ تھے۔ یہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں پہنچے۔ خیال تھا کہ اپنے کاغذات شاہ مصر کے سامنے پیش

اتحاد عام ہوتا دنیا کی باقاعدہ سے باقاعدہ حکومت میں ہو سکتا ہے۔ یہاں چوری خزانہ کی دار دایتیں سنیں جاتیں۔ تقریباً روزہ بڑے بڑے شہروں میں عظیم الشان جلوس اور مظاہرے ہوتے رہتے ہیں مگر انتظام ایسا مکمل ہے کہ کبھی کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ پھر یہاں ہندوستان کی طرح مذہبی تھگڑے بھی پیدا نہیں ہوتے۔ کوئی مقام نہیں جہاں بودھ، کنفیوئس اور اہل اسلام موجود ہوں۔ بہت سے علاقوں میں ایسی عیسائیوں کی بھی آبادیاں ملی جلی موجود ہیں۔ لیکن سب اس درجہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ حکومت بھی ہے اس لئے کبھی کوئی باہمی نزاع پیدا نہیں ہوتی۔ دنیا بھر میں یہ بھی مشہور کر دیا گیا ہے کہ جہل جنک کے شیک کی علامت کے بعد قومی حکومت بہت کم رہ گئی ہے۔ حالانکہ یہی غلط ہے۔ بلاشبہ جہل مذکور یوں اثرات سے متاثر ہو کر قومی حکومت سے باہمی ہو گیا۔ یہ بھی سچ ہے کہ اس کے ماتحت ایک بڑی فوج بھی ہے۔ کئی علاقوں پر قابض ہے اور ان کنگ اس کا صدد مقام ہے لیکن اس سے مرکزی حکومت کی قوت میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی ہے۔ وہ آج بھی کافی طاقتور ہے اور اسکی مظفر و سفوف فوجیں شمالی چین کو فتح کرتی ہوئی برابر رہی ہیں۔

پھر جہل کے شیک کی بنیاد بھی اب تک ایک سما ہے۔ اب تک مرکزی حکومت سے اس کا کوئی قابل ذکر اقدام نہیں ہوا۔ اسے ہانگو پر علم نہیں کیا بلکہ سیدھا شمالی چین کی طرف روانہ ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی بنیاد برطانیہ کے لئے علامت مفید نہ ہو سکی بلکہ سرسرفعال ہی پہنچا۔ پہلے اس کے حلیف شمالیوں پر مشتمل کنٹون کا دباؤ تھا۔ اب یہ جہل الگ ہو کر نئی طاقت سے دہرا دباؤ ڈال رہا ہے۔

علامہ بریس اگر قوم پرست حکومت کو اس بار پر سالار کی علمدگی سے نقصان پہنچا تو ساتھ ہی قدرت نے اس کی فوراً تلافی بھی کر دی عین دقت پر چین کا مشہور عیسائی جنرل "فنگ" (جو کئی سال تک چین کا حاکم رہ چکا ہے) اس سے امداد اپنی تازہ دم فوج لا کر اس کی قوت میں نمایاں اضافہ کر دیا۔ یہ جنرل اپنی جنگی قابلیت کی ایک پوری تاریخ رکھتا ہے۔ تمام یورپ و امریکا اور جاپان کے اجازات اب اسے چند سال پہلے تسلیم کر چکے ہیں کہ عیسوی باقاعدہ فوج اس کے پاس ہے، اسی دوسرے چینی جنرل کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اب جبکہ وہ کیولٹ ہو کر قوم پرست حکومت کے جھنڈے تلے آ گیا ہے تو کہا جا رہا ہے کہ اس بڑا بنگر کوئی نہیں!

یہ اسی جنرل کے اتحاد کا نتیجہ ہے کہ قوم پرست فوجیں تیزی سے "پیکین" - "ہانگو ریلوے" اور "مین سن" پاکو" لائن پر بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی قوت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ نئی نئی قوتیں ان کی فتوحات دیکھ کر ان سے ملتی جاتی ہیں اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم خبر یہاں کے چینی حلقوں میں پھیلی ہوئی ہے کہ مغرب صوبہ "شالی" کا حکم جنرل "مین" ہے۔ "شین" قوم پرستوں کی جاعت میں شامل ہونے والا ہے۔ اگر یہ خبر صحیح ہوگی تو قومی حکومت کو غیر معمولی قوت حاصل ہو جائے گی۔ (۱۳)۔ جون کی سرکاری خبر منظر ہے کہ یہ جنرل قوم پرستوں سے مل گیا۔ (الامال)

غرض کہ اس وقت چین کی حالت قومی نقطہ نظر سے نہایت غم اور امید افزا ہے۔ قومی حکومت و وزیر و طاقت ور ہو رہی ہے۔ پیکین کی دشمنی حکومت کو سخت زوال ہو رہی ہے۔ برطانیہ اور دوسری سلطنتوں میں اس صورت حال سے سخت بھی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ پیکین کے بچانے کی فکر کر رہی ہیں۔ لیکن کامیابی کی کوئی امید نظر

زیادہ بڑھ گیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ محل کی رہائی ملتی رہی۔ سلطان ابن ستود نے اپنی خواہش کے مجاز پر چین ولس میں کی تھیں۔ ایک یہ کہ اب مجاز میں ہر طرح میں امان ہے اور مجاز کی حکومت محل اور مجاز کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کبھی سلطنت میں غیر سلطنت کی سطح فوج کا داخل ہونا، اس کی خوشنوی کے منافی ہے۔ تیسرے یہ کہ شری احکام کے بموجب بھی یہ مناسب تھا کہ ہتیار بند فوج بلا ضرورت حدود حرم میں داخل ہو۔

مصری حکومت نے اپنے انکار کی دعوہیں قرار دی ہیں۔ ایک یہ کہ کئی صدیوں سے برابر یہ رسم چلی آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس حکومت مجاز کی اس ذمہ داری پر پورا اطمینان نہیں ہے کہ وہ محل اور مصری حاجیوں کی حفاظت کر سکے گی۔

بہر حال اس سال محل نہیں گیا۔ البتہ مصری حاجیوں کی ایک بڑی تعداد جمع کے لئے روانہ ہو گئی ہے۔

## مکتوب چین

(الامال کے مقالہ نگار مقیم شنگائی کے قلم سے)

اس وقت چین کی کیا حالت ہے؟

یہ سوال ہے جو برہمنی دنیا میں عام طور پر پوچھا جا رہا ہے۔ مگر کوئی صاف جواب نہیں ملتا۔ کیونکہ برطانیہ (پر دیکھنا) اصلیت پر پورے ڈال دیتے ہیں اور اس قدر غلط فہمیاں پھیلا دی ہیں کہ حقیقت معلوم نہایت مشکل ہو گیا ہے۔ برطانیہ کو پورے چین سے پر غش نہیں ہے۔ شمالی حکومت تو اس کے زیر اثر ہے۔ اس لئے باوجود دہرہ درجہ برہمنی اور عام برہمنی کے اس حکومت کے خلاف اس کی زبان نہیں کھل سکتی۔ بلکہ ابھی تقریض کی جا رہی ہیں۔

لیکن چین کی جنوبی حکومت کے خلاف اس کے پریس کی تمام قوتیں وقف ہو گئی ہیں۔ جتنی بھی برائیاں ہیں۔ سب اس کے سر ہتھی جا رہی ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ حکومت قوم پرستوں کی حکومت ہے اور برطانیہ ملک گیر بائیس کے خلاف تشریف ہے!

برہمنی دنیا کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ جنوبی چین کیولٹ روس کے اثر و اقتدار میں ہے۔ وہاں سرے سے کوئی باضابطہ حکومت ہی نہیں ہے۔ قتل و غارت اور بے امنی عام ہے۔ حالانکہ یہ صریح کذب افرا ہے۔

قوم پرست چین ہرگز روسی کیولٹوں کے اثر میں نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس میں کیولٹوں کو بہت قوت حاصل ہے۔ مگر کیولٹ اپنی نہیں خود چینی ہیں۔ کیولٹ کچھ روس کی ذاتی جامدات نہیں ہے۔ وہ معاشرتی عقائد کا ایک مذہب ہے اور ہر قوم اسے قبول کر سکتی ہے بغیر اس کے کہ کیولٹ، روس کے ماتحت یا زیر اثر ہے۔ بلاشبہ قوم پرست چین، روس کی طرف مائل ہے۔ لیکن اس کی وجہ بالکل معقول ہے۔ وہ روس ہی ہے جس نے دول یورپ کے جتنے بڑے جنگل چین کے ساتھ انصاف کیا اور وہ تمام مراعات از خود چھو دیں جو اسے پچھلے غاصبانہ معاہدوں کی رو سے حاصل تھیں اور جن کے برقرار رکھنے کے لئے برطانیہ جنگ بڑھا ہوا ہے اور تمام دول یورپ اور امریکا کو ٹھکرا رہا ہے۔

اسی طرح قومی حکومت کی سرحدوں میں امن و امان بھی عام ہے

کریچے۔ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس وقت مصر کے وزیر اعظم نے اپنے کمانے کے ساتھ احمد زور پاشا تھے۔ انھوں نے اس اہم واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اب لاڈ جابج کی سیاحت گیا۔ یہ سوال مصری پارلیمنٹ میں پیدا کر دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ لاڈ جابج مصر میں برطانوی نمائندے کیونکر ہو سکتے ہیں جبکہ انھوں نے مصر کے سامنے اپنے کمانے کے خلاف پیش نہیں کئے؟

اس قانونی سوال کا جواب وزیر اعظم نے یہ دیا ہے کہ "سفر اور اپنے کمانے کے خلاف پیش کرنا، قرون وسطی کی رسم ہے جبکہ بادشاہ یا امیر ایک دوسرے سے خط و کتابت کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں یہ رسم کوئی معنی نہیں رکھتی اور بعض حکومتوں، مثلاً سوئٹزرلینڈ نے اسے بالکل روت کر دیا ہے۔ تاہم اب تک یہ رسم اکثر ملکوں میں باقی ہے اور مصر میں بھی تھی۔ لہذا اگرچہ زور پاشا کی وزارت نے برطانوی نمائندے کی اس فرودگراشت پر کوئی اعتراض نہیں کیا تاہم ابھی وقت ہے، موجودہ وزارت حکومت برطانیہ سے اس بارے میں گفتگو کرے گی۔

"ہائی کمشنر؟"

دوران بحث میں ایک اور قانونی سوال پیدا ہو گیا۔ برطانوی نمائندہ "ہائی کمشنر" کیوں کہلاتا ہے؟ حالانکہ عام طور پر سیاسی نمائندے اس لقب سے نہیں سنا جاتے۔

اس کے جواب میں وزیر اعظم نے بیان کیا "بین الاقوامی کتب قانون میں عام طور پر سیاسی نمائندوں کا لقب

"Ministre Plenipotentaire" یا "Ambassadeur" ہے۔ لیکن بعد میں ایک نائب "ہائی کمشنر" کے نام سے رائج ہو گیا۔ یہ لفظ بین الاقوامی کتب قانون میں شاذ و نادر ہی کہیں نظر آتا ہے۔ بین الاقوامی طریق عمل نے بھی اس کے معنی اب تک پوری طرح متعین نہیں کئے ہیں۔ تاہم اس قدر طے پا گیا ہے کہ یہ لقب ایسے دول ملکوں کے سیاسی نمائندوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جن کے سیاسی علاقہ صاف بنیادوں پر قائم نہیں ہوتے۔ یہی سب ہے کہ معاہدہ لوزان سے پہلے جدید ترکی میں انگلستان اور فرانس کے سیاسی نمائندے "ہائی کمشنر" کہلاتے تھے۔ اسی طرح اس وقت ولایات متحدہ امریکہ میں کنڈاکا یا سیٹو "ہائی کمشنر" کہلاتا ہے۔ حالانکہ ایک لمحہ کے لئے بھی کنڈاکا امریکہ کے زیر اثر نہیں کہا جاسکتا۔ اعلان خود مختاری سے پہلے مصر میں انگریزی نمائندہ اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا اس لئے اب تک اسی لقب سے پکارا جاتا ہے، کیونکہ مصر اور برطانیہ کے سیاسی ملازمین متعین اور صاف بنیادوں پر قائم نہیں ہیں۔

محل مصری

اس سال محل مصری کہ منظر میں گئی۔ وجہ یہ ہوئی کہ گزشتہ سال موسم حج میں ایک ناگوار واقعہ پیش آ گیا تھا۔ کئی صدیوں سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ محل کے ساتھ ایک مصری فوج اور توپخانہ جاتا ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ اس وقت حجاز میں اس بوری طرح قائم تھا اور مقامی حکومت، محل کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لیتی تھی جب عادت گزشتہ سال بھی محل کے گشتا مصری فوج گئی۔ نجدیوں سے اس کا بعض امور میں اختلاف ہوا اور اختلاف نے کشت و خون کی صورت اختیار کر لی۔ اس نزاع میں بہت سے نجدی مارے گئے کیونکہ وہ پیٹھے تھے اور مصری فوج کا کوئی قابل ذکر نقصان نہیں ہوا۔

اس واقعہ کے بعد سلطان ابن ستود نے حکومت مصر کو لکھا کہ آئندہ سے محل کے ساتھ مسلح فوج نہ آئے۔ مصری حکومت نے اسے منظور نہیں کیا کیونکہ گزشتہ سال کے واقعہ کے بعد خطرہ کا امکان اور

# برید فرنگ

## جرمنی کی چھٹی

### مزدوروں کے لیے عزت

(الملال کے مقالہ نگار نعیم برٹن کے قلم سے)

گزشتہ جنگ عمومی میں جرمنی بربادیاں جرمنی پر آئیں، ان کا تصور بھی برونی دنیا میں کرسکتی۔ جنگ نے جرمنی کو بالکل دیوالیہ کر دیا تھا۔ تمام خزانے خالی ہو گئے تھے۔ صنعت و حرفت فنا ہو گئی تھی۔ لاکھوں کی تعداد میں نوجوان قتل ہوئے تھے اور لاکھوں کی تعداد میں بیکار ہو گئے تھے۔ پورا ملک فقر و فاقہ میں مبتلا تھا پھر جنگ، شکست ختم ہوئی۔ ایسی شکست جس کی نظیریں تاریخ میں کم ملتی ہیں۔ تمام بیرونی مقبوضات بھل گئے۔ ۱۳ فی صدی اصلی ملک کم ہو گیا۔ ۱۰ فی صدی آبادی بھل گئی۔ ۲۵ سے ۴۵ فی صدی تک قیمت کی خام پیداوار جاتی رہی۔ خرید براں یہ کہ اس برباد شدہ ملک پر تادان جنگ کا اتنا بھاری بوجھ ڈال دیا گیا کی مثال دنیا نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

جرمنی کے دوست اور دشمن دونوں یقین کرتے تھے کہ اب اس ملک کی تاریخ ختم ہو گئی۔ اتنی سخت ضرورتوں کے بعد بھی کوئی بچاؤ ہو؟ لیکن پچھلے دس برس بھی ابھی اس پر نہیں گزے تھے کہ میرے پھر ترسے بھل آیا اور اس طرح زندہ ہو گیا کہ سچے علم معلوم ہوا ہو، جرمنی نے جو معجزہ دکھایا ہو اس کے بیان کے لئے ہر جیسے شاعر کی ضرورت ہو۔

آج جرمنی، پھر اہل دربار کی یورپین طاقت بنی جاتی ہو۔ اقسام میں اس وقت اُسے وہی مرتبہ حاصل ہو جو برطانیہ اور فرانس کو ہے جنھوں نے آج سے ۸ برس پہلے ورسلز کے محل میں بیٹھ کر اُس کا کھانا کھوٹا تھا۔ آج سے دو برس پہلے جرمنی کا سکہ تباہ ہو گیا تھا۔ نجات کی کوئی صورت بھی نظر نہ آتی تھی۔ مگر آج جرمنی دنیا کی تیسری اقتصادی قوت ہو اور برطانیہ اور امریکہ کے بعد سے بڑی تجارت کا مالک بن گیا ہو۔ اس وقت اُس کی صنعت و حرفت نہایت تیزی سے اُس سطح تک آ رہی ہو جہاں جنگ سے پہلے تھی! آخر اس حیرت انگیز کامیابی کا راز کیا ہو؟ جواب بالکل صاف ہے۔ اس ملک پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے معلوم ہو جاتا ہو۔ جرمنی کو جس چیز نے موت کے منہ سے نکالا وہ اسکی ہمت، محنت، اشتراک عمل اور اپنی حالت کا صحیح اندازہ لگا لینا ہو۔ جرمن قوم کی یہ امتیازی صفت ہو کہ نفع و شکست دونوں حالتوں میں بہادر رہتی ہو۔ قوم کے تمام افراد اور جماعتیں اپنی بڑی خود اعتمادی موجود ہو جو دنیا کی کسی دوسری قوم میں پائی نہیں جاتی۔ دراصل یہی خود اعتمادی اُس کی کامیابی کا اصلی راز ہو۔

جرمنی کی موجودہ ترقی صرف پچھلے تین سال سے شروع ہوئی

ہو۔ یہ ملک تقریباً ان تمام اقتصادی مشکلات پر غالب آ گیا ہو جو یورپ کی اکثر سلطنتوں کی زندگی خطرے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ جرمنی نے سب سے پہلے اپنے سیکے کی طرف توجہ کی۔ اس وقت دنیا میں جرمنی ہی وہ ملک ہو جس کا سکہ اپنی حقیقی قیمت پر قائم ہو۔ جن لوگوں نے جرمنی کو دوران جنگ میں دیکھا ہو وہ موجودہ حالت میں دیکھ کر مزدور دنگ ہو جائیں گے۔ جرمنی کے ایک دن بھل گئے۔ درخشاں مستقبل صاف نظر آ رہا ہو۔ برٹن اب پھر عروس البلاد ہو۔ جنگ سے پہلے پیرس، وائٹا، اور برکسل میں بھی وہ عظمت و جلال موجود تھا جو آج برٹن میں ہر طرف دکھنا جاسکتا ہو!

نعمت فرانس منجوس دلوں کا انتظار کر رہا ہو صبا کہ ایک فرانسوی وزیر نے حال میں اعلان کیا ہو۔ صرف دو ہفتوں نے پیرس کی طرف سے ستر پھر لیا ہو، اس لئے فرانس کے پائے تخت پر ہر جگہ اُدا سی چھا گئی ہو۔ لیکن برٹن کے تعمیر اور ملک گھر میں بندائیں سے لبریز ہیں۔

آج جبکہ تمام یورپ فقیر ہو رہا ہو اور دربروز دولت کم ہو رہی ہو، جرمنی کی دولت میں روز افزوں ترقی ہو۔ سرکاری اعداد و شمار سے معلوم ہوا ہو کہ گزشتہ سال جرمن عورتوں نے صرف اپنے لباس پر ۳ کروڑ روپیہ صرف کیا تھا! ممکن ہو آپ خیال کریں بحالت موجودہ یہ جرمن عورتوں کا تباہ کن اسرار ہو، لیکن ایک جرمن وزیر نے جس روشنی میں اسے دیکھا ہو وہ آپ کے خیال سے بالکل مختلف ہو۔

ذمیرہ صوف نے عورتوں کے اس اسرار کے بارے میں کہا "گزشتہ زمانہ میں ہمارے لئے کچھ مشکل نہ تھا کہ سال میں کپڑوں کے دو جوڑے دیکر عورتوں کو مطمئن کر دیتے۔ ایک جوڑے میں بھی کام بھل جایا کرتا تھا۔ لیکن اب حالت بالکل بدل گئی ہو۔ پہلے سال بھر کے کپڑوں میں جتنا خرچ ہوتا تھا اُس سے زیادہ اب عورتوں کی ریشمیں جرابوں میں صرف ہو جاتا ہو۔ اگر گھر میں سے کم باجوڑ موجود نہ ہوں تو عورت شکایت کرتی ہو کہ پہننے کو کچھ بھی نہیں ہو! لیکن میں عورتوں کو ہرگز اطمینان نہیں کروں گا۔ دراصل میں ان کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ اس اسرار سے وہ ملک کی بڑی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ جنگ نے ہماری ہمتیں پست اور دلوں سے سرد کر ڈالے تھے۔ ہم کرکھو کرکھو کاپلی کی زندگی پر اتر گئے تھے۔ مگر ماری عورتیں اُنھیں دل کو کھول کر خرچ کرنے لگیں، اور اس طرح مردوں کو مجبور کر دیا کہ زیادہ سے زیادہ محنت کر کے ملک کے لئے دولت پیدا

کریں

تازہ ترین اعداد و شمار سے ثابت ہوا ہو کہ اس وقت افراد کی شخصی آمدنی ۵۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ مارک سالانہ ہو۔ گویا ہر فرد کی آمدنی ۴۹۰ مارک ہو۔ اس سے معلوم ہوا ہو کہ جرمنی اپنی جنگ سے پہلے کی خوشحالی کے قریب پہنچ گیا ہو۔ جنگ سے پہلے افراد کی آمدنی اس صورت ۱۵ فی صدی زیادہ تھی۔

جرمنی کی صنعتی ترقی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہو کہ ۱۹۲۳ میں برآمد کی قیمت ۱،۵۵،۰۰۰،۰۰۰ مارک تھی لیکن ۱۹۲۲ میں بڑھ کر ۹،۸۸،۰۰۰،۰۰۰ مارک تک پہنچ گئی ہو۔ جرمنی کا تجارتی بیڑہ تباہ ہو گیا تھا لیکن اب پھر اس کا بیڑہ سندر دل میں بھیلنا نظر آ رہا ہے۔ مسئلہ میں یہ بیڑہ صرف ۱،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ٹن وزن کا تھا۔ اب مسئلہ میں اس کے وزن ۲۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ٹن ہو گیا ہو۔ جرمنی کی خوشحالی اب اس درجہ پہنچ گئی ہو کہ حکومت نے ارادہ کیا ہو "این" اور "مالیڈی" کے دو وزیر علاقے ملجھ کر خرید لے!

جرمنی کی موجودہ خوشحالی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہو کہ اس وقت کام کرنے والوں کی تعداد پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہو۔ جنگ سے پہلے جو لوگ بیکاری کی زندگی بسر کرتے تھے اب وہ کام کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اس وقت ملک میں ۵۰،۰۰۰،۰۰۰ آدمی شدید محنت کے کام کر رہے ہیں، حالانکہ جنگ سے پہلے ایسے تھے کارکنوں کی تعداد اس سے آدھی تھی۔

## مکتوب فرانس

(الملال کے مقالہ نگار نعیم برٹن کے قلم سے)

### فرانس کی عظمت!

۸ مئی کو ڈر کے ڈر کے پیرس کے آسمان پر ایک عظیم فٹش آگنی دکھائی دی۔ اس پر ایک بڑی انسانی کھوپڑی، دو بیٹی لڑکیاں اور دو درخشاں شمعوں کی تصویریں بنی تھیں! یہ فٹش نہ تھی، فرانس کی قومی عظمت تھی، اور تاریخ کی اہمیت کی طرف جارہی تھی۔ یہ علم و حکمت امداد انسانی اور انگریز کے میدان میں فرانس اور امریکہ کا مقابلہ تھا، اور بالآخر خرقا کی موت کی طرف جانے والا تھا۔

امریکہ کی طرف سے اعلان ہوا کہ ہم بحر اظم آٹلانٹک کو بلا طرح ایک ہی پر دراز میں جبر کر لیں گے۔ تیار ایک سے آڑھٹیک اور پیرس میں جا کر دم لیں گے! فرانس نے سنا تو اسے اس اعلان میں اپنی عظمت کی تحقیر محسوس ہوئی۔ اُسے کہا "قبل اس کے کہ تم پیرس آؤ اور تاریخ کی لازوال شہرت حاصل کرو۔ ہم تم سے بادی لے جائیں گے! امداد یارک پر اپنے جلال کا پرچم آٹلائیں گے!"

یہ بہادرانہ الفاظ تھے جو فرانس کی طرف سے کپتان نیچمیر نے کہے۔ ۳۵ سال کی عمر بھر لڑ جوائی، دلفریب مرداد حسن، نازنینا پیرس کی دل پسندیوں کا مرکز۔ یہ نیچمیر ہے! مگر فرانس کی عظمت سے بالاتر ہے!

وہ اٹھا! اپنے ایک رفیق کو ساتھ لیا۔ اور ہوائی جہاز میں اُڑ چلا۔ اتنی بڑی مہم اور صرف ایک لجن کا جہاز! مخلوق چلائی "موت امت!" مگر کپتان نے جواب دیا "ہاں فرانس کی عظمت





ایک بیٹے کے اندر صرف آدمی نوشمان کئے۔ باغ عورتیں اور ایک طالب علم! یقیناً انکے نزدیک انسانی گوشت کی ایک خاص قسم طالب علم کا گوشت ہو گا!

انہوں نے اپنا مذہب بیان کیا کہ ہم کلام نہ ملنے کی وجہ سے بالکل غریب ہو گئے تھے۔ گوشت خرید نہیں سکتے تھے۔ صرف چاول اور آدرا پر گزرتی! مجبور ہو کر یہ طریقہ اختیار کیا!

انہوں نے آدمی شکار کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے: ”جب کئی شخص اس راستہ پر نظر آتا تھا، ہم اس سے بڑے اخلاق سے ملتے تھے۔ بیٹھی بیٹھی باتیں کرتے تھے اور دم دلاسا دیکر اپنے خیال میں لے آتے تھے۔ پھر اسے انوس اور غافل کرنے کے لئے یوپ کی اقتصادی دیاسی حالت پر گفتگو شروع کرتے تھے۔ جب وہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا اور وقت کے سیاسی مباحث میں غور و فکر کرنے لگتا تو پچھلے سے اس کے سر پر کھڑی ادا دیتے تھے۔ پھر اس کے کباب بنا کر کھا لیتے تھے!“

اس بیان کی سادگی اور واقعت کا تو اعتراف کرنا چاہئے۔ لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ کھڑا آدمی لانے کے فیصلہ کن عمل سے پہلے ”اقتصادی اور سیاسی مباحث“ کا تذکرہ کیوں ضروری سمجھا گیا تھا۔

## طالب علم کی عمر صرف ۷ برس ہے

پچھلے دنوں فرائض کی شہرہ آفاق یونیورسٹی سٹوڈنٹس کے اعلیٰ علمی امتحان میں ایک طالب علم دیکھا گیا جس کی عمر اسی ۷ برس ہے۔ حاضرین کو زیادہ حیرت اس لئے بھی ہوئی کہ یہ عجیب طالب علم ملک کا ایک مشہور آدمی ہے۔ اس کا نام سیوٹوئی انڈریس ہے۔ یہ فریج پارلیمنٹ کا ایک سابق ممبر پولیس کا سابق کمانڈر، اور کئی نام میں فرائض کا دوسرے مالک میں سفر بھی رہ چکا ہے!

لوگوں کی حیرت دیکھ کر اسے سنجیدگی سے کہا ”میں بوڑھا ہو گیا ہوں مگر میرا علمی شغف بدستور جوان ہے!“

اسنے کمال ۳ گھنٹہ امتحان کی کمیٹی کے دروز بانی تھان دیا۔ اور قوی دلائل سے اپنا تاریخی موضوع بحث ثابت کر دیا۔ تھوٹوں نے بڑی سستی برقی اور اعراض کرنے میں اس کی عمر کی کوئی رعایت نہیں کی۔ جب پوری طرح اس کا علمی تجربہ ثابت ہو گیا تو فن تالیف میں ڈاکٹر کی سند دی گئی۔

امتحان کا ایوان بڑے بڑے علماء و مشاہیر سے پر تھا۔ مشہور مسیو کلینشو بھی موجود تھے۔ یہ طالب علم کے پڑانے دوست ہیں۔ کامیابی پر بے پہلے انہی نے نالی بجائی۔ پھر قہقہے و آفریں کی صداؤں سے پورا ایوان گونج اٹھا۔

یہ طالب علم اپنی حاضری میں قدیم سے مشہور ہے۔ اسکا یہ واقعہ اب تک لوگوں کو یاد ہے کہ ایک مرتبہ وہ پارلیمنٹ میں تقریر کر رہا تھا۔ ایک ممبر نے اٹھ کر اس پر اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ مقرر نے طعنہ زنی کی راہ سے مقرر کو مخاطب کیا ”میں نامعلوم“ مگر ممبر کا نہایت شکر گزار ہوا کہ اگر وہ مجھے اپنی تقریر ختم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں“ مقرر نے غصہ سے کہا ”مسیو انڈریس! میں نامعلوم نہیں ہوں، آپ مجھے خوب جانتے ہیں“ مقرر نے فوراً یہ مسکت جواب دیا ”میں نے کب کہا کہ آپ میرے لئے نامعلوم“ ہیں۔ البتہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ دنیا کے نزدیک بھی ”معلوم“ ہیں!“

کرتارہا۔ پھر میں نے واسی کا خیال کیا۔ وہ سمجھ گیا: ”میں آپ کے ساتھ وہ آدمی بھیجے کہ مستعد ہوں۔ وہ آپ کو حفاظت سے پہنچا دیں گے۔ لیکن ممکن ہو کسی کی تحس نظر میں پڑ جائیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ یہیں سوجائیں؟ صبح قریب ہو؟“ اس نے پھر تالی بجائی۔ خادم کو قائلین لانے کا حکم دیا۔ مجھ سے کہنے لگا: ”آپ اسی جگہ سوئیں گے جہاں بیٹھے ہیں۔ آپ جانو؟ ہیں کس چیز پر آپ بیٹھے ہیں؟ آپ محمد سعید کی تھوڑی سی مگر پوری دولت پر بیٹھے ہیں“

یہ ککر اسنے اس جھجک کا فرش حقارت سے الٹ دیا۔ چہرہ ہم بیٹھے تھے اور اوپر کا تختہ ہٹا کر جوش سے کہنے لگا: ”دیکھو“

میں نے دیکھا۔ مگر کیا دیکھا؟ عمر بھر اسے نہ بھولوں گا۔ میں نے دیکھا۔ عظیم صندوق میں سونا اس طرح بھرا ہوا ہے جس طرح کوٹھی میں فلہ بھرا ہوتا ہے!

”یہ سب مجھے اپنے چچاؤں سے ملا ہے۔ قافلہ والوں سے اور خود میں نے کیا ہے!“ اسنے سادگی سے کہا ”اگر اس کے لئے میں سے میری قوم کی جان بچ سکتی ہے تو میں اسے لٹا دیتا ہوں“

پھر اسنے بے پردہی سے ڈھکنا چھوڑ دیا۔ وہ زور سے صندوق پر گرا۔ اور محمد سعید باہر چلا گیا۔ اسنے اپنے خزانہ میں قتل کماندین لگایا۔ میں نے عربی شب بھری کی آواز سنی اور پھر اس کا پرجوش چہرہ غائب تھا!

میں آرام کی نیند سو گیا۔ میں اس قدر متاثر تھا کہ یہ خیال بھی نہیں ہوا کہ میں صحرا کے خزانہ پر لیٹا ہوں!

کیا یہ خواب تھا؟ نہیں، لیکن جب غور کرتا ہوں تو یہ واقعہ بھی کم از خواب نہیں! محمد سعید کی آرزو پوری نہیں ہوئی۔ اس کا ملک اس کی قوم کے لئے آزاد نہ ہو سکا۔ مگر اس کا پراسرار ذخیرہ کبھی ابھی مجھے اس عظیم خاک صندوق کی یاد آ جاتی ہے!

## بیسویں صدی کا آدم خور گروہ

یورپ کی زبانوں میں ایک لفظ قدیم سے موجود ہے جس کا تلفظ انگریزی میں *Canine* ہے۔ یعنی انسانی گوشت کھانے کا مذہب اور طریقہ۔ ازس و سلی (ڈنل ایجر) کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ یورپ میں انسانی گوشت کھایا جاتا تھا۔ صلیبی لڑائیوں کے سچی مجاہدین جب اسلامی مالک میں پہنچے تھے تو جب بھی غذا کی قلت ہوتی انسان کا گوشت کھانا شروع کر دیتے تھے۔ مشہور مورخ گئوٹ اور چارڈ شہادت دیتے ہیں کہ انطاکیہ، طرابلس، عکا، اور خود بیت المقدس میں صلیبی مجاہدین انسانی گوشت کا علانیہ استعمال کرتے تھے!

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب کے پیروں سے اب بھی سرین یورپ خالی نہیں ہے۔ پچھلی ڈاک کے انگریزی اخبارات میں ایک عجیب تفصیل آئی ہے۔ وسط یورپ سے ایک ماہر شکار لکھتا ہے کہ ”ریگوسلاویا میں چھپنٹا آدمی اس جرم میں گرفتار کئے گئے ہیں کہ ان کی سب سے زیادہ مرغوب غذا آدمی کا گوشت ہے!“

پولیس کی تحقیقات ظاہر کرتی ہیں کہ یہ لوگ ایک جنگل کے قریب خیموں میں رہتے تھے۔ اس طرف سے جو آدمی نکلتا تھا اسے قتل کر کے کھا جاتے تھے۔ مجربوں نے عدالت میں اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے

ہم دونوں شہر کے بازار سے گزر کر تنگ گلیوں میں داخل ہو گئے۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ پورا شہر سو رہا تھا۔ بندوٹوں کی آواز بھی بہت کم سنائی دیتی تھیں۔

میں نے اپنے تئیں اچانک عربوں کے محل میں پایا۔ الف لیل کے پراسرار اور ادبی دیواروں سے گھرے ہوئے مکانات سیر و نوا طرت تھے!

علی ایک پست اور گول دروازے کے سامنے ٹک گیا، اپنے دونوں ہونٹھ پیچھے اور ایک خاص قسم کی شیریں آوازیں چلایا:

”محمد! محمد!“

فوراً دروازہ کھلا۔ میں اندر داخل ہوا۔ خادم کے ہاتھ میں شیخ تھی۔ اس کی روشنی میں مجھے ایک بھاری بھر کمزور دکھائی دیا۔ ”آپ محمد سعید کے گھر میں ہیں؟“ شیخ نے اپنی فصیح زبان میں کہا ”گویا آپ خود اپنے گھر میں ہیں۔ محمد سعید ہی ہوں۔ میرا بچا منتظر تھا۔ میری زندگی آپ کے لئے حاضر ہے۔ کیا آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں گے؟ یہاں جتنے لوگ ہیں، سب میرے فرمانبردار اور آپ کے دوست ہیں“

محمد سعید کی ظاہری ہیبت تانی تھی کہ الدارہ اور دوسرے بہت سے شیخوں کی طرح اس فنہ کی وجہ سے خاندان نشین ہو گیا ہے۔ وہ مجھے ایک غلام گردش میں لے چلا میں نے دیکھا وہاں بہت سے لوگ سو رہے ہیں۔ پھر ہم ایک بڑے ایوان میں پہنچے۔ شیخ نے نالی بجائی اور ایک خادم نے پستل کی صینی لاکے رکھ دی۔ صینی میں ٹپٹے پانی سے لبریز گلاس، اٹھائی کی تشری، اور قہوہ کی پیالیاں تھیں۔ محمد سعید نے ایک بلند جھیک پر بیٹھ گیا۔ اس پر وزیر درازم قائلین بچھا تھا۔ خود بھی میرے سامنے بیٹھ گیا۔

”میں اپنے مکان میں آپ کا استقبال کرتا ہوں“ محمد سعید نے میرے چہرے پر اپنی تیز سیر آنکھیں جا کر کہا ”یہاں آپ کو آئے کی زحمت دیکھ میں نے عربی اخلاق کے خلاف عمل کیا ہے۔ معافی چاہتا ہوں۔ لیکن مجھے یقین تھا۔ آپ ایک ایسے شخص کو تسلی دینے کی ضرورت تکلیف گوارا کریں گے جس کی زندگی ختم ہو چکی ہے، اور جو یہاں اپنے گھر میں بیٹھا اپنے ملک کی بربادی دیکھ رہا ہے، میں بغیر کسی تہید کے اپنی دعوت کا مقصد بیان کرتا ہوں۔ یہاں طرابلس میں آپ تین فرانسیسی موجود ہیں۔ میں جانتا ہوں آپ ان غاصب طلاؤں کی طرح نہیں ہیں۔ آپ عربوں سے محبت کرتے ہیں۔ محمد سعید اس شخص کا بیٹا ہے جس نے آپ کی قوم کے ایک بڑے آدمی کی خدمت کی تھی اور اس سے اپنے خدمت پر اعلیٰ سندیں حاصل کی تھیں۔ میرا آپ طوائف میں فرائض کے سپہ سالار اعظم اسکوٹ کا متعلق تھا۔ محمد سعید نے میرا تعجب محسوس کر لیا۔ وہ مسکرایا: چند دن پہلے آپ خود اس کا ذکر کر رہے تھے۔ مجھے خبر پہنچ چکی ہے“ شیخ نے پہلو بٹل کر کہا ”مجھے آزادی سے گفتگو کرنی اجازت دیجئے میں مطمئن ہوں کہ خدا کے سامنے بے غوث کھڑا ہوں گا۔ کیونکہ مجھے اپنا کوئی ایسا گناہ معلوم نہیں ہے جس میں ادا ہوں۔ لیکن اس بے نصیب ملک کی جنت معلوم کرنے سے پہلے مر جانا میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہے۔ اپنے خود اپنی آنکھوں سے پرسوں چورہ لاشیں پھانسی پر لٹکی دیکھی ہوگی۔ خدا انہیں کبھی معاف نہ کرے گا جھوٹ نے ان معصوموں کی جان لی ہے! میں نے سنا ہے آپ نے ان بے گناہوں کے لئے چند کلمے شفقت کے کہے تھے۔ آپ میری بات غور سے سنئے اور صاف جواب دیجئے۔ کیا واقعی میری قوم فنا کر ڈالی جائے گی؟“

میں نے معطرب شیخ کو ہر طرح اطمینان دلایا اور دیر تک باتیں





# آب حیات

بمقام کی انسانی و حیوانی بیماریوں کا فوری علاج جس کے متعلق  
بیس سال میں تیس ہزار سفیکسٹ موضوعات ہو چکے ہیں  
قیمت فی شیشی صرف دو روپیہ (عمر) نمونہ کی شیشی  
اکسیرنبری مقوی عضلاتی ریشہ اور مردانہ طاقت بڑھانے  
نکاس لیمائی معدہ کی خرابیوں کو دور کرنے اور  
قیمت فی شیشی بارہ آنے (۱۲)

مفضل فہرست ادویہ مفت  
مینجر کاخانہ آب حیات پٹیالہ  
(پنجاب)

Ab-i-Hayat Pharmacy,  
PINDI BAHU-UD-DIN, PUNJAB.

اسلامی مذاق کی کتابیں  
قرآن - حدیث - تصوف - فقہ - عقائد - تاریخ - اور علوم جدید بہترین اور تازہ  
کتابیں دیکھنا چاہیں تو ہماری فہرست ہنگامین برسرِ دروازہ مذہبی کتابوں کی  
تجارت پر روپیہ گارنٹیڈ اٹھانا چاہیں تو قواعد کا ملاحظہ فرمادیں یہ تہہ بہ تہہ  
مینجر صوفی از پنگت اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پٹیالہ  
The SUFI PRINTING and PUBLISHING CO. LTD  
— PINDI BAHU-UD-DIN, (PUNJAB) —

## قرآن مجید

(مترجمہ حضرت شیخ الہدٰی مولانا محمد حسن رح)  
یہ ترجمہ جس کے لئے مسلمان مددگار سے سراپا  
انتظار تھے بفضلہ تعالیٰ نہایت آب و تاب کے ساتھ  
چھپ کر مکمل ہو گیا ہے اور بکثرت طلب کیا جا رہا  
ہے۔ آج تک جس قدر ترجمہ قرآن پاک کے ہو چکے  
ہیں یہ ترجمہ بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے سب پر  
فوقیت رکھتا ہے۔ تحفہ لفظی ہرے کے باوجود  
با معارفہ اور سلیس ہے۔ زبان ایسی شستہ اور صاف  
کہ جس کو معمولی لکھا پڑھا بھی بخوبی سمجھ سکے  
لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ زمین خفائی  
چھپی ہوئی پختہ ہے۔ ہدیہ مجلد چرمی منقش  
نقرئی پندرہ روپے۔ جلد اعلیٰ منقش طلائی  
۱۸ روپیہ محصول ذاک و خرچ پینک ۲ روپیہ فرمایش  
کے ساتھ ۵ روپیہ پیشگی آنا ضروری ہیں۔ نمونہ  
مفت

## اخبار مدینہ (بجنور)

(ہفتہ میں دو بار)

سنہ ۱۹۱۲ء سے قابل اہل قلم ادبیتوں کی  
زیر ادارت جاری ہے خدمت قوم و ملک پاسداری  
مذہب و ملت اس کا شعار ہے۔ آزادی وطن اور  
قومی مطالبات کا علمبردار۔ اردو جرائد میں کثیر  
الاشاعت، سیاست حاضرہ کا مفسر حق و صداقت کا  
مشہر، عربی و انگریزی اخبارات کا خلاصہ، دنیا کے ہر  
کوشہ میں پہنچنے والا، ملاحظہ و مطالعہ حود ہمارے  
دیوان کی تصدیق کر دینا۔ نمونہ مفت۔ قیمت سالانہ  
۶ روپیہ۔ ششماہی تین روپیہ آٹھ ماہی ۴ روپیہ  
۲ روپیہ فی پرچہ ایک آنہ مالک غیر سے ۸ روپیہ  
سالانہ۔

## غنیچہ رسالہ ہفتہ وار

بچوں کا معلم بچوں کا اتالیق، طالب علموں کا  
آستان، علم و فن کا خزینہ، معلومات کی فن اخلاقیات  
و ادبیات کا گنجینہ، ہفتہ وار خاص ملک و ملت  
کے نو نھالوں کیلئے شائع ہوتا ہے۔ زبان سلیس اور  
عام فہم ہے اپنے بچوں کیلئے ضرور طلب فرمائیے۔  
قیمت سالانہ ۴ روپیہ۔

(محمد مجید حسن مالک اخبار)

مدینہ و غنیچہ - بجنور

مکتبہ سید

مدینہ

یکم دہرہ ویدل ۶۷

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

ابن عربی

# الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے۔

قیمت سالانہ مع محصول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”منیجر الہلال“ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفاظہ پر ”ایڈیٹر“ کا نام ہونا چاہیے۔

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے۔

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو قاریب اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرائیے، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں۔

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کورن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں۔

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهُ الْإِسْلَامُ الْاِخْلَاقُ الْاِكْتِمَامُ

# الاملا

ایک ہفتہ وار موصوٰر سال

جلد ۱

کلکتہ: جمعہ ۱ - ۸ - ۱۳۴۶ھ - ۱۳۴۶ھ

نمبر ۳۴

Calcutta : Friday, 1 & 8. July 1927.

پنجاب ہائی کورٹ کا ایک فیصلہ

فہرس

نیا ہندوستان میں دلازار اور نفرت انگیز مذہبی حملوں کی رک کیلیے  
کوئی قانون نہیں ہے ؟

مولانا ابوالکلام نے حسب ذیل تحریر بعض اخبارات میں بغرض  
اشاعت بھیجی ہے :

جناب من ! بکثرت لوگوں نے بذریعہ خطوط اور تار دریافت کیا ہے  
کہ ” رنگیلا رسول “ نامی کتاب کی اپیل کے فیصلہ سے جو صورت حال  
پیدا ہوگئی ہے ، اسکی نسبت میری رائے کیا ہے ؟ میں چاہتا  
ہوں مندرجہ ذیل سطور اس بارے میں شائع کردی جائیں :

میرے خیال میں بلاشبہ اس فیصلہ سے وقت کا ایک نہایت  
ضروری سوال پیدا ہو گیا ہے۔ وہ صرف مسلمانوں ہی کیلئے نہیں بلکہ  
ان تمام لوگوں کیلئے قابل غور ہے جو چاہتے ہیں کہ ملک کی اخلاقی  
اور دماغی مضا شائستہ اور پاک رہے اور لوگ قام و زبان کی گندگیوں  
سے آلودہ نہوں۔ ہندوستان جیسے مختلف المذاہب ملک میں تو صلح و  
امن کا قیام بھی بہت کچھ اسی پر موقوف ہے۔ اگر فی الحقیقت اس  
بارے میں کوئی قانونی رزک موجود نہیں تو ہمیں منتظر رہنا  
چاہیے کہ ہر مذہب کا پیرو دوسرے مذہب اور اسکے رھنماؤں کو علانیہ  
گالیوں دینا شروع کر دیکا۔ اور ظاہر ہے کہ اسکے نتائج کد ہونے ؟

میں نے کتاب زیر بحث نہیں دیکھی ہے۔ لیکن اب اسکے دیکھنے  
کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔ جسٹس کنور دلیپ سنگھ اپنے  
فیصلہ میں تسلیم کرتے ہیں کہ ” کتاب یقیناً بائی ( داعی ) اسلام  
کی ہجو پر مشتمل ہے۔ طرز تحریر معاندانہ ہے۔ اور مسلمانوں کے  
احساسات مجروح ہونے کا احتمال ہے۔ بلکہ ان کے دلوں میں نفرت  
کے جذبات پیدا ہونے کا خیال بھی حق بجانب ہے “ با ایں ہمہ

پنجاب ہائی کورٹ کا ایک فیصلہ

مذاکرہ علمیہ

انسان کی پیدائش کا اولین مقام

عمالیتی یا دراز قد آدمی

مطبوعات جدیدہ

انسانی قابلیت کا مقیاس

برید فرنگ

فرانس کی اولوالعزمی کی قربانی

سنہ ۲۷ - میں ۲۵ - پر ایک نظر

دیش بندھو چترنجن داس

سیر فی الارض

ایک سیاح کے تاثرات

برید شرق

مکتوب قسطنطنیہ

وراق

فلسطین

شام

مصر

آثار عتیقہ

کسلا کے آثار

برید فرنگ ( بقیہ )

مکتوب فرانس

مقالات

اسلام اور خوشنظمی



رکھی گئی تھیں۔ پہلی دفعہ کا تعلق مذہبی معابد اور منبرک مقامات کی توہین سے تھا۔ دوسری کا مذہبی اعمال و رسوم سے تیسری کا اموات و قبور سے۔ چوتھی دفعہ ۲۹۸ - تھی اور اس کے الفاظ یہ تھے :

”جو شخص سوچ بچار کو مذہب کی نسبت کسی شخص کا دل دکھانے کی نیت سے کوئی بات کہے یا کوئی آزار نکالے یا کوئی حرکت کرے یا کوئی چیز سامنے لائے تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائیگی“

راضعان تعزیرات ہند کے خیال کیا تھا کہ یہ دفعات کافی ہیں لیکن بعد کو تجربے سے معلوم ہوا کہ کافی نہیں ہیں۔ سنہ ۱۸۹۸ - میں ایکٹ نمبر ۴۰ کے ذریعہ تعزیرات ہند کی ترمیم کی گئی اور دفعہ ۱۵۳ - الف - کا اضافہ کیا گیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس دفعہ کے الحاق سے اصلی مقصود گورنمنٹ کی سیاسی اغراض کا پورا کرنا تھا لیکن میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ اس کا دائرہ اس درجہ تنگ ہے جس درجہ جسٹس مورف نے قرار دیا ہے۔ اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں :

”جو کوئی ایسی باتوں کے ذریعہ جو تلفظ سے ادا کی جائیں یا لکھی جائیں یا اشاروں کے ذریعہ یا نقوش مرئیہ کے ذریعہ یا آرکسی ذریعہ سے ملک معظم کی رعایا کے مختلف طبقات کے درمیان دشمنی یا نفرت کے خیالات برھانے یا بڑھانے کا اقدام کرے تو اسے ایسی قید کی سزا دی جائیگی..... الخ“

اب تعزیرات ہند میں دو دفعہ ہو گئیں - ۲۹۸ - اور ۱۵۳ - الف - پہلی دفعہ ہر طرح کی مذہبی ”دلزاری“ کو جرم قرار دیتی ہے جو عمداً عمل میں لائی جائے۔ دوسری دفعہ ہر ایسے فعل کو جس کے ذریعہ برطانوی ہندوستان کی دو مختلف جماعتوں کے درمیان دشمنی اور نفرت کے خیالات پیدا ہوں یا برھانے ہوں تعزیری جرائم میں شمار کرتی ہے۔

میں نے اپنی عادت کے خلاف بار بار یہ دفعات پڑھیں اور صورت حال پر غور کیا۔ میں کوئی معقول وجہ نہیں دیکھتا کہ اس قسم کی تحریریں جیسی کہ زیر بحث تحریر ہے کیوں ان دونوں دفعات کی زد میں نہیں آئیں؟ جسٹس دلپ سنگھ کہتے ہیں ”اگرچہ کتنی ہی دلآزار اور سفیانہ کیوں نہ ہوں اس کی زد میں نہیں آئیں“ مگر میں یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں کہ اگرچہ کتنی ہی ’م دلآزار اور کم سفیانہ کیوں نہ ہوں لیکن اگر وہ واقعی دلآزار اور سفیانہ ہیں تو ان دفعات کی زد سے بچ نہیں سکتیں۔

امر تنقید طلب صرف یہ ہے کہ اس قسم کی چیزوں سے ”دو مختلف جماعتوں میں دشمنی اور نفرت کے خیالات“ پیدا ہوتے ہیں یا نہیں؟ نیز اس سے ”کسی فرد یا جماعت کی دلآزاری“ ہوتی ہے یا نہیں؟ سب سے پہلے دفعہ ۱۵۳ - الف کو لیجیے۔ جسٹس مورف کی نظر صرف فرد اور جماعت کے فرق کی طرف گئی ہے۔ بلاشبہ یہ فرق پیش نظر رکھنا چاہیے۔ مگر سوال یہ ہے کہ دفعہ کا منشا صرف فعل کی صورت اور اس کی لفظی نسبت سے تعلق رکھتا ہے یا اس کا زور فعل کے اثر اور نتائج پر ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ قانونی نقطہ خیال سے اس کا صرف یہی جواب ہو سکتا ہے تو پھر معاملہ کا فیصلہ نہایت آسان ہے۔ یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں ہے۔ تامتر واقعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ اس قسم کی مذہبی بد زبانی اور ہجوگرانی کا برطانوی ہندوستان کی مختلف جماعتوں میں کیا اثر پیدا ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہر سو سے ملک کی دو جماعتیں یعنی مسلمانوں اور آریا سماجیوں میں بلاشبہ

وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا فعل دفعہ ۱۵۳ - الف کی زد میں نہیں آتا جو پراسیکیوٹر کے طرف سے لگائی گئی ہے۔ کیونکہ ان کے لفظوں میں ”یہ دفعہ ایسے وسیع مفہوم کیلئے وضع نہیں ہوئی ہے۔ یہ صرف اسلیے وضع ہوئی ہے کہ کسی شخص یا جماعت پر جو اس وقت زندہ موجود ہے کسی کو حملہ کرنے کی جرأت نہر۔ گذشتہ مذہبی رہنماؤں کے خلاف حملے اگرچہ کیسے ہی شرارت انگیز اور سفیانہ کیوں نہ ہوں اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہو سکتے“

دوسرے لفظوں میں جسٹس مورف کی رائے یوں بیان کی جا سکتی ہے ۱۵۳ - الف کا تعلق ایسی تعزیرات سے ہے جس کے ذریعہ کسی جماعت کے خلاف دوسری جماعت میں دشمنی و نفرت پیدا کی جائے۔ لیکن اگر ایک شخص کسی مذہب یا بانی مذہب کے خلاف بد زبانی کرتا ہے تو اسے یہ نہیں قرار دیا جاسکتا کہ اس نے دو جماعتوں کے اندر دشمنی و نفرت پیدا کرنی چاہی ہے۔ کیونکہ یہ ایک شخص کا ذاتی فعل ہے۔ اس کی وجہ سے خود اس کی ذات اس مذہب کے پیروں کے نزدیک قابل نفرت ہو جاسکتی ہے لیکن اسے ”دو جماعتوں میں دشمنی و نفرت پیدا کرنا“ نہیں کہا جاسکتا۔

نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ جسٹس مورف نے دو صورتیں قرار دی ہیں : ایک یہ کہ مثلاً ایک شخص کوئی ایسی کتاب لکھے جس سے مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے اندر یا ہندوؤں کے برخلاف مسلمانوں کے اندر دشمنی و نفرت پیدا ہو سکتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مذہب یا بانی مذہب کے خلاف دلآزار حملہ کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں دفعہ ۱۵۳ - الف کا تعلق پہلی صورت سے ہے۔ دوسری صورت سے نہیں ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں صورتیں مختلف ضرور ہیں۔ اس میں بھی شک نہیں کہ دفعہ ۱۵۳ - الف کا ابتدائی مفہوم جماعتوں سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ افراد سے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں ان کے خیال سے متفق نہیں ہو سکتا کہ زیر بحث معاملہ پر اس دفعہ کی زد نہیں پڑتی اور وہ اس دائرہ اثر سے بالکل باہر ہے۔

بلاشبہ میں ماہر قانون نہیں ہوں۔ میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ جسٹس مورف کی قانونی قابلیت کے اعتراف میں کوتاہی کروں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ معاملہ اس قدر صاف اور واضح ہے کہ اسمیں کسی طرح کی قانون موٹگانی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہر شخص جو قانون کے منشاء الفاظ اور حالات پر معمولی درجہ کی نظر بھی رکھتا ہے بغیر کسی کوشش کے معلوم کر لے سکتا ہے کہ جسٹس مورف کی نظر صرف ایک ہی پہلو پر گئی ہے۔ دوسرا پہلو انہوں نے نظر انداز کر دیا ہے۔

علامہ بریں اگر دفعہ ۱۵۳ - الف کی زد اس طرح کے افعال پر نہیں پڑتی تو دفعہ ۲۹۸ - بھی موجود ہے۔ لیکن مشنل یہ ہے کہ جسٹس مورف کی تنقید میں اس طرح کے معاملات دفعہ ۲۹۸ - کے ماتحت بھی نہیں آ سکتے۔

پہلے میں چند الفاظ ان دونوں دفعات کی نسبت کہنا چاہتا ہوں۔ سنہ ۱۸۹۸ - میں جب ایکٹ نمبر ۴۵ - یعنی مجموعہ تعزیرات ہند نافذ ہوا تو اس میں کوئی دفعہ ایسی موجود نہ تھی جس کے ذریعہ ”مختلف طبقات میں دشمنی و نفرت پیدا کرنے“ کے افعال صاف اور صریح لفظوں میں روکے جاسکیں۔ اسمیں آٹھواں باب ان جرائم کی نسبت موجود تھا جو آسودگی عامہ خلافت میں خلل انداز ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس کی تمام دفعات زیادہ تر بلوے اور بلوے کے اشتعال وغیرہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ البتہ ایک باب ”جرائم متعلق مذہب“ موجود تھا۔ اسمیں ۲۹۵ - سے لیکر ۲۹۸ - تک چار دفعات

تین چیزیں ہیں اور تینوں کا حکم ایک نہیں ہوسکتا۔ ایک چیز نکتہ چینی ہے۔ ایک سخت نکتہ چینی ہے۔ ایک بدزبانی اور ہجو ہے۔ دفعہ ۲۹۸ - مذہبی "دلزاری" کو روکتی ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ ان تینوں قسم کی چیزوں میں سے کونسی چیز اس "قانونی دلزاری" کے ماتحت آتی ہے؟ بلاشبہ ہر مذہب کے ماننے والوں میں ایسے غیر روادار لوگ موجود ہیں جو اپنے عقیدہ کے خلاف کسی طرح کی نکتہ چینی بھی نہیں سن سکتے۔ ہر طرح کی نکتہ چینی ان کے لیے دلزار ہو جاتی ہے مگر یہ معلوم ہے کہ اس طرح کے معاملات میں قانون کسی خاص انتہائی حالت کا اعتراف نہیں کرتا۔ بلکہ ہر طرح کی نرم و گرم حالتوں سے ایک معتدل اور مناسب اوسط نکال لیتا ہے۔ دلزاری کے احساس کی ایسی حالت ایک انتہائی درجہ کی حالت ہے۔ قانون اسکا لحاظ نہیں دے گا۔ وہ ہر طرح کی گرم اور نرم طبائع سمیٹے رکھ کر معلوم کرے گا کہ اس بارے میں احساس دلزاری کا اوسط درجہ کیا ہوسکتا ہے؟ یہ اوسط بالکل واضح ہے۔ یہ ایک ایسے ادبی یا جماعت کا احساس ہے جو ایک طرف تو ہر انسان کے آزادانہ حق رائے زنی کا پورا احترام کرتا ہے۔ دوسری طرف اس حق کا بے اعتدالانہ اور حملہ آورانہ استعمال بھی آوارانہ نہیں کرتا۔ ایسے شخص یا ایسی جماعت دلیلیے مذہبی نکتہ چینی اگرچہ کتنی ہی آزادانہ کیوں نہ ہو، یہی "دلزار" نہیں ہوسکتی۔ البتہ ہر طرح کی بد زبانی، ہجو، تذلیل و تحقیر اور ہنسی اوزارے کی کوشش ضرور "دلزار" ہوگی۔ یہی "دلزاری" دفعہ ۲۹۸ - کی زد میں آتی ہے اور اگر زیر بحث رسالہ کی روش اور زبان ایسی ہی ہے (اور خود جسٹس موصوف نے تسلیم کیا ہے کہ ایسی ہی ہے) تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ لیور وہ اس دفعہ کی زد میں نہ آئے؟

بہر حال ہندوستان کی اعلیٰ عدالتوں میں سے ایک عدالت کا فیصلہ اسنے خلاف ہو گیا ہے اور اب اسے سوا چارہ نہیں کہ ایک صاف اور غیر مشتبہ قانون کے ذریعہ اس طرح کی مذہبی دلزاروں کا (نہ نہ نکتہ چینی کا) سد باب کر دیا جائے۔ ہر یکسانی اور پندجاب کے بھی مسلمانان پندجاب کے وفد کا جواب دینے ہوئے اسکی ضرورت تسلیم کر کے پر میلان ظاہر کیا ہے۔ میں بیدہ زیادہ تفصیل کے ساتھ اس بارے میں اپنا نقطہ خیال ظاہر کر رہا ہوں۔

## اطلاع

افسوس ہے کہ ہمارا پچھلا اندازہ صحیح نہ نکلا اور طباعت و اشاعت کی مشکلات دور نہ ہوسکیں۔ اب اسے سوا چارہ نہ تھا کہ ہر ہفتہ کے پرچے یکجائی نکال دیے جائیں۔ چنانچہ یہ نمبر ۳ اور ۴ کا مجموعہ ہے جو شائع ہو رہا ہے۔ اسے بعض فارم پہلے چھپ چکے تھے جنکی پدشانی پر صرف یکم جولائی ہے۔ لیکن بعد کو جو فارم چھپے انپر ۱-۸ جولائی بنا دیا گیا ہے۔ ضخامت بھی اسکی اس سے زیادہ ہے جسقدر آخری صفحہ کے عدد سے معلوم ہوتی ہے۔ قاپ کے آخری حصہ میں ۱۲ الف - سے ۱۲ د - تک چار صفحے مزید بڑھا دیے گئے ہیں اور رسالہ کی ضخامت پوری درجہ ہے۔

ہمیں اس بد نظمی کے لیے جسقدر افسوس ہے اسکا اظہار الفاظ میں سوسمند نہ ہوگا جب تک عمل کے ذریعہ ظہور میں نہ آئے۔ ہم اس بارے میں بجز اس کے اور کچھ نہیں چاہتے کہ انتہائی کوشش جو مطبع کی دقتیں دور کرنے کے لیے کی جاسکتی ہیں ہم کر رہے ہیں اور انشاء اللہ ہمیں امید ہے کہ یہ اس مطبع کی آخری بد نظمی ثابت ہوگی اور آئندہ ہر نمبر ٹھیک اپنے وقت پر شائع ہوگا۔

متعدد باب جو اس وقت تک شروع نہ ہو سکے تھے، وہ بھی آئندہ نمبر کے لیے کمپوز ہو رہے ہیں۔

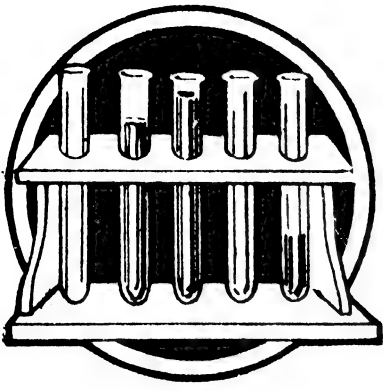
ملیجر

دشمنی اور نفرت کے جذبات بڑھ رہے ہیں اور انکا سب سے بڑا باعث اسی طرح کی مذہبی بد زبانی اور مذہبی دلزاری کی کوششیں ہیں؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اب مسلمانوں اور آریا سماجیوں سے بھی گزر کر معاملہ مسلمانوں اور ہندوؤں کا بن گیا ہے اور اس قسم کے حملوں سے روز بروز دونوں جماعتوں کے دلوں کی برگشتگی بڑھ رہی ہے؟ یقیناً جج کی نظر قانون پر رہنی چاہیے۔ لیکن قانون پر نظر رکھنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ تعزیرات ہند کے صفحات سے باہر کے لیے اپنی آنکھیں میچ لے۔ یقیناً جج کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیرونی اثرات سے متاثر نہ ہو، لیکن بیرونی اثرات سے متاثر نہ ہونے کا یہ منشا نہیں ہے کہ مقدمہ کی نوعیت اور حالات کی افتاد کے لیے بھی اس کے پاس کوئی گوشہ نگاہ نہ ہو۔

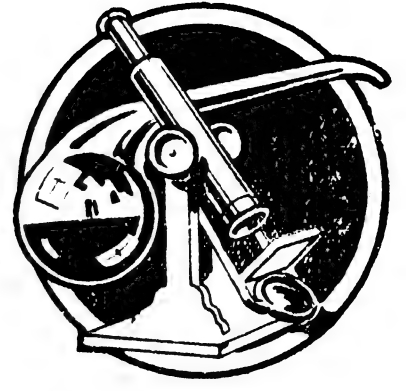
یاد رکھنا چاہیے کہ قانون اور اخلاق دونوں کا حکم بہت حد تک حالات اور گرد و پیش کے تابع ہوتا ہے۔ ایک ہی فعل ایک وقت اور جگہ میں جرم نہیں ہوتا، مگر دوسری جگہ اور دوسری حالت میں جرم ہو جاتا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اثر یورپ یا امریکہ میں اس قسم کی کتاب حضرت مسیح کی نسبت لکھی جائے اور وہاں دفعہ ۱۵۳ الف - کے مضمون کی کوئی دفعہ موجود ہو، تو اسکی زد میں کتاب نہیں آئیگی۔ اُسے قانونی گرفت میں لائے کے لیے کسی دوسرے قانون کی ضرورت ہوگی۔ یا غالباً گرفت میں لائے کی ضرورت ہی پدش نہ آئے۔ لیکن ہندوستان جیسے ملک کی حالت وہاں سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں اثر ایل شخص اس طرح کی مذہبی بد زبانی اور ہجو سرائی کرتا ہے، تو قطعاً اس کے اثرات بہت زیادہ شدید اور بہت زیادہ وسیع ہوتے ہیں اور اسکی وجہ سے صرف لکھنے والے ہی کے برخلاف نہیں، بلکہ اس کے ہم مذہبوں کے خلاف بھی نفرت کے خیالات پھیل جاتے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے عوام کی یہ ذہنیت غلط ہے اور اس میں اصلاح ہونی چاہیے۔ لیکن میں یاد دلاؤنگا کہ قانون اور عدالت کا فرض اصلاح (ریفارم) نہیں ہے، بلکہ صورت حال کے مطابق لوگوں کے عقائد و جذبات کا اعتراف کرنا ہے۔ یہ صورت حال اچھی ہو یا بری لیکن موجود ہے یا نہیں؟ اگر موجود ہے، تو جب تک موجود ہے، دفعہ ۱۵۳ - الف کی زد میں اس طرح کے تمام مذہبی حملے آئے چاہئیں۔ تعزیرات ہند کا مجموعہ ہندوستان کی دماغی اصلاح دلیلیے مرتب نہیں ہوا ہے۔ امن و امان کے قیام کے لیے مرتب ہوا ہے۔ اُسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ کیا ہونا چاہیے؟ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے؟ اور جو بچہ ہو رہا ہے، اُسے ملحوظ رکھتے ہوئے باشندوں کے جذبات و مصالح کا کیونکر تحفظ کیا جاسکتا ہے؟

اب دوسری دفعہ ۲۹۸ - پر نظر ڈالیں۔ اپنے مقصد اور مقصد کے بیان میں یہ کسقدر واضح ہے؟ مگر جسٹس موصوف کہتے ہیں، اس قسم کے افعال کے لیے یہ بھی سوسمند نہیں، دفعہ میں "دلزاری" کا لفظ ہے۔ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب دلزار ہے۔ تاہم ان کے خیال میں یہ دلزاری وہ "دلزاری" نہیں ہے جو ۲۹۸ - میں مقصود ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اس قسم کی کتابیں اس دفعہ کے ماتحت لائی جائیں، تو نتیجہ یہ نکلیگا کہ ہر طرح کی آزادانہ نکتہ چینی جرم ہرجائیگی۔ کیونکہ کوئی نکتہ چینی کسی پیشواے مذہب کے خلاف کتنی ہی معتدل کیوں نہ ہو، اُس کے پیروں کیلئے ضرور دلزار ہوگی۔

مجھے افسوس ہے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پہلے جسٹس موصوف کی تقسیم پہلی تقسیم سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے۔ اگر یہ طرز تقسیم تسلیم کر لیا جائے تو مجھے خوف ہے کہ صرف ۲۹۸ - ہی نہیں بلکہ تعزیرات ہند کی پانچ سو گیارہ دفعات میں سے ہر دفعات کا نفاذ مشتبہ ہو جائیگا۔



# مذاکرہ علمیہ



## انسان کی تخلیق و ظہور کا اولین محل

— — —

( صحراء ”گوبی“ انسانیت کا اولین گہوارا ہے )

ایک نیا نظریہ

صحراء ”گوبی“ واقع منگولیا میں یورپین علماء نے ایک جماعت تحقیقات میں مصروف ہے۔ اسکی غرض یہ جدید نظریہ ثابت کرنا ہے کہ یہی صحراء انسانیت کا اصلی گہوارہ ہے۔ یہیں سے نکل کر انسان کی نسل تمام دنیا میں پھیلی۔

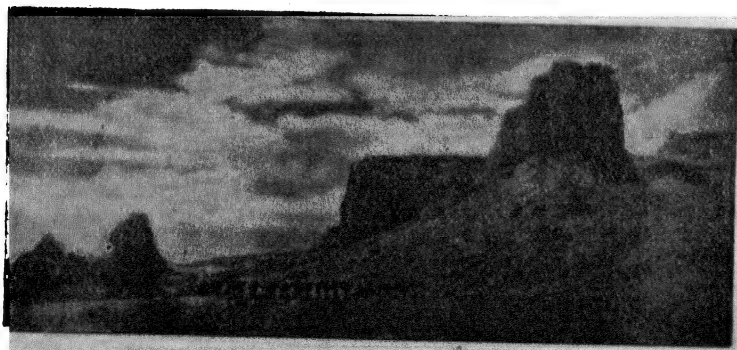
اس جماعت کے صدر پروفیسر انڈروز نے یورپ و امریکہ کے علمی رسائل میں حسب ذیل بیان شائع کیا ہے :

”اس بات کے ثبوت میں متعدد دلائل موجود ہیں کہ انسان نے اپنی سب سے پہلی نشوونما صحراء گوبی میں حاصل کی ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اُن نہایت پرانے زمانوں میں جبکہ تمام یورپ اور امریکا برف سے ڈھکا ہوا تھا، وسط ایشیا میں ایک خطہ ایسا موجود تھا جو طوفان برف سے محفوظ تھا۔ یہ خطہ یہی صحراء تھا۔ اُس وقت صرف یہی ایک زمین زندگی کی نشوونما کی صلاحیت رکھتی تھی۔

پھر ہمارے سامنے اس امر کے بھی دلائل موجود ہیں کہ انسان جس راستہ سے دنیا کے دوسرے خطوں میں آباد ہونیکے لیے پہنچا، وہ راستہ یورپ اور امریکا کے درمیان واقع تھا۔ علماء کو فرانس اور امریکا کی زمینوں کے اندر سے ایسے آثار دستیاب ہوئے ہیں جو باہم مدگر پوری مشابہت رکھتے ہیں اور صاف بتا رہے ہیں کہ اُنکی اصل اور سرچشمہ ایک ہی ہے۔ نیز اُنسے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وسط ایشیا سے تعلق رکھتے ہیں۔

اکثر علماء یقین کرتے ہیں کہ تاریخی زمین ایک کروز برس پہلے عظیم الخلقیت حیوانوں سے آباد تھی۔ یہ تمام حیوان نابود ہو گئے۔ بعض کی ہڈیاں ملتی ہیں۔ انمیں سب سے اہم حیوان وہ ہے جنہیں آجکل علماء علم حیوان ”ڈینوسر“ اور ”سٹوڈن“ کے نام سے مرسوم کرتے

ہیں۔ صحراء گوبی ان حیوانوں سے اہمیز تھا۔ اسی نامعلوم زمانہ میں وہ منتشر ہوئے۔ ایک طرف سے چین پہنچے۔ دوسری طرف سے امریکا میں وارد ہوئے۔ یہی سبب اُس مشابہت کا ہے جو امریکا اور مہرق کریم کے زیر زمین آثار میں ہم دیکھ رہے ہیں۔



صحراء گوبی کے ایک سرسبز گڑھ کا منظر

ممکن ہے اعتراض کیا جائے کہ ایسے بے آب و گیاہ ریگستان میں زندگی کیونکر قائم رہ سکی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تقریباً ایک کروز سال پہلے یہ صحراء ریگستان نہ تھا۔ سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ ہر طرف درختوں کی کثرت تھی، دریا بہہ رہے تھے، زمین صاف تھی اور پہلوں اور ترکاریوں سے اہمیز تھی۔ اُس وقت یہ صحراء انسان کے ظہور اور نشوونما کیلئے سب سے زیادہ موزوں مقام تھا۔

زندگی یہاں برابر بڑھتی اور ترقی کرتی رہی۔ یہاں تک کہ رہنے والے جاندار ظاہر ہوئے۔ پھر چھاتیار رکھنے والے حیوان پیدا ہوئے۔ پھر انسان نے ظہور کیا۔ قدیم انسان موجودہ انسان سے کسی قدر مختلف تھا۔ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اُسے بھی ترقی ملی۔ اُسکی نسل بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ یہ علاقہ اُسکے لیے ناگہانی ہو گیا۔ پھر یہ مصیبت بھی پیش آئی کہ یہاں کا جنگل خشک ہونا شروع ہو گیا۔ آہستہ آہستہ درخت سوکھنے لگے۔ پانی کم ہونے لگا۔ مجبوراً انسان نے ہجرت کی اور یہ جنگل ریگستان ہو کر رہ گیا جیسا کہ اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں۔

یہاں سے نکل کر انسان سب سے پہلے چین، ہندوستان، روس، فرانس، جرمنی، برطانیہ اور امریکا پہنچا۔ اُسکی جماعتیں برابر آگے بڑھتی اور نئی نئی زمینیں تلاش کر کے آباد ہوتی گئیں۔ حتیٰ کہ تمام قابل بود و باش سر زمینوں پر اُسکا قبضہ ہو گیا۔

یہ اس جدید نظریہ کا خلاصہ ہے۔ پروفیسر انڈروز کی جماعت بحث و تمحیص کے بعد ایسے نتائج پر پہنچی ہے جو اس نظریہ کی پر زور تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ اُسے ”ڈینوسر“ اور ”سٹوڈن“ اور چھاتی رکھنے والے حیوانات کی ہڈیاں ملی ہیں۔ ان ہڈیوں کی کثرت اس یقین پر مجبور کرتی ہے کہ یہ حیوانات اس صحراء میں باہر سے آئے ہوئے مسافر نہیں تھے۔ بلکہ مقیم تھے۔ یہ مان لینے کے بعد قدرتی طور پر یہ بھی تسلیم کر لینا پڑیگا کہ اُس وقت یہ مقام صحراء نہ تھا۔ سرسبز جنگل تھا۔ اور یہ کہ انمیں سے بعض حیوانوں کی بلندی چھ میٹرز سے بھی زیادہ تھی۔

اس تحقیقاتی کمیشن کو سب سے اہم چیز جو ہاتھ لگی ہے،

وہ ڈینو سر جانور کے اندے ہیں۔ ایسے قرائن موجود ہیں جسے خیال کیا جاتا ہے کہ ڈینو سر کی مادہ نے حسب عادت ریت کے گڑھے میں اندے دیے تھے۔ مگر اچانک آندھی آئی اور ریت نے اندوں کو چھپا لیا۔ لاکھوں برس نیچے رہنے کے بعد بالآخر یہ اندے

ایک جرمن عورت جس کا قد ۲۸۵  
سنٹی میٹر تھا

آئر لینڈ کا ایک عملاق جس کا قد ۲۰۰  
سنٹی میٹر تھا۔

## عمالیق یا دراز قد آدمی

درازی قد کی علمی ترجیح



قد کی درازی اثر ایک خاص معتدل حد تک ہو تو حسن و جمال کی دلائل میں سے شمار دی جاتی ہے۔ خواجہ حافظ نے اسی قد کی درازی میں اپنی ”عمر دراز“ کی ”کوتاہی“ کا پیغام سنا تھا :

بالا بلند \* سرور قد خوش خرام من  
کوتاہ کرد قصہ عمر دراز من !

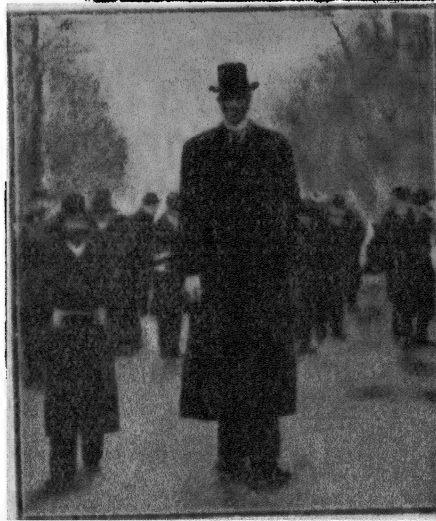


آج کل یورپ کے بعض علمی رسائل میں یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ اس طرح کی غیر معمولی دراز قدی ہی علت کیا ہے ؟

عام طور پر علماء کا خیال ہے کہ ایسی علت دماغی گلٹی ہے۔ مشاہدہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر انسان میں دماغ کے اندر ناک کے پیچھے ایک گلٹی ہوتی ہے۔ اسے عربی میں ”الغدة اللغیة“ اور انگریزی میں Parotid gland کہتے ہیں۔ یہی گلٹی قد کی کمی بیشی کی علت ہوا کرتی ہے۔

انسانی جسم گلٹیوں سے بھرا ہوا ہے۔ رہی ات قائم رکھتی ہیں اور اسیکے اجزاء سے جسم کا توازن برقرار رہتا ہے۔ چنانچہ فرہی ر لاغری، بلند قامتی و پستہ قدی، ذہانت و بلاغت، دوران خون کی تیزی و سستی، سب کا تعلق انہی گلٹیوں سے ہے۔ اس دماغی گلٹی کا ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ وہ اسے مواد خارج کرتی رہتی ہے جو خون کے ساتھ جاری رہتے اور ہڈیاں بڑھاتے ہیں۔ جب ان مواد کا اخراج کم ہو جاتا ہے تو ہڈیاں بڑھتی ہیں۔ جب ضرورت سے زیادہ ہو جاتا ہے تو ہڈیاں غیر معمولی طور پر لمبی ہو جاتی ہیں اور آدمی کا قد بھی بہت بڑھ جاتا ہے۔

یہ دماغی گلٹی دو حصوں میں منقسم ہے : ایک حصہ آگے ہوتا ہے۔ دوسرا پیچھے ہوتا ہے۔ دونوں ایک عظمی ( ہڈی کے ) صندوقچہ میں بند ہوتے ہیں۔ یہ صندوقچہ کھوپڑی کے اندر بطور ایک چھوٹی سی گولہ کی شکل میں رکھا ہوتا ہے۔ روتھجن شعاعوں کے ذریعہ تحقیق سے اس کے اندر دو



موجودہ زمانے کا سب سے بڑا عملاق ایک روسی  
ماشروف نامی ہے۔ قد ۲۸۵ سنٹی میٹر۔

غاروں میں رہنے والے انسانوں کے نہیں ہوسکتے ( کیونکہ ان زمانوں میں زمین پر غار موجود ہی نہ تھے ) خیال کیا جاتا ہے کہ انسان نہروں اور جھیلوں کے کنارے رہنے لگے۔ مکان بھی نہ تھے۔ آسمان کی چھت کے نیچے سوتے ہوئے۔ اسے بعد بتدریج گھر بنانا شروع کیا۔ پھر پتھر کے اوزار طیار کئے۔ اسی لئے اس عہد کو ”عہد حجری“ کہتے ہیں۔

یہ تحقیقاتی کمیشن اس صحرا میں ابھی تین سال اور رہیگا۔ اسے یقین ہے کہ مزید تحقیقات کا دروازہ عنقریب کھلنے والا ہے دنیا کا تمام حلقہ علم اس کے آخری نتائج کی راہ نگار رہا ہے۔

لیکن یہی ”بالا بلندی“ جب حد سے گزر جاتی ہے تو حسن و دلاویزی کی جگہ عجائب الخلقہ میں شمار ہونے لگتی ہے۔ مختلف قوموں میں ایسے عجیب الخلقہ دراز قد آدمی پائے گئے ہیں اور اب بھی پائے جاتے ہیں۔ عربوں کی ایک قدیم شاخ نے مصر پر حملہ کیا تھا۔ اس کے اکثر افراد قد آرتھ۔ اسی لئے عربی میں انکا نام ”عمالیق“ پڑ گیا تھا۔ غیر معمولی دراز قد کو عربی میں ”عملاق“ کہتے ہیں۔

تھوڑی مدت گزری نیویارک میں ایک عجیب آدمی ظاہر ہوا تھا اسکی عمر ۲۴ سال تھی۔ یہ شخص اس قدر لالچا تھا کہ جب موٹر میں بیٹھا تو اسکی چہرے میں سوراخ کرنا پڑا تاکہ اسکا سر باہر نکلا رہے۔ کیونکہ وہ کسی طرح بھی موٹر میں سما نہ سکا تھا۔ بازاروں میں لوگوں نے اُسے دیکھا تو تصویروں لینے لگے۔ اسکا قد ۸ - فٹ تھا !

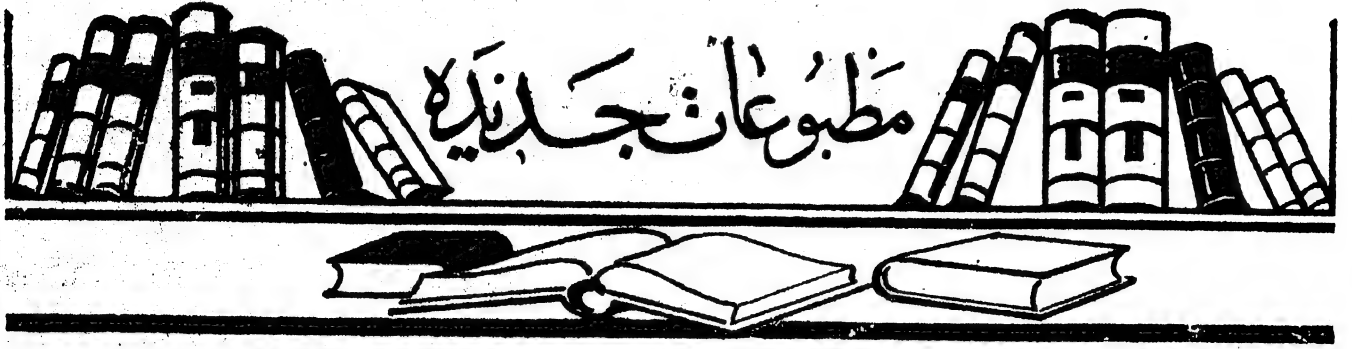
سنہ ۱۹۲۴ء میں ممبئی ( لندن ) کی مشہور نمائش میں ایک

عملاق نمودار ہوا تھا۔ اسکی عمر صرف ۲۳ سال تھی مگر قد دو میٹر ۸۴ - سنٹی میٹر تھا۔ یہ لندن اس لئے آیا تھا کہ اجرت لیکر اپنی نمائش کرے۔ وہ اپنے قد کی درازی کی وجہ سے ہمیشہ اپنی خاص چارپائی اور پائی کا ٹپ ساتھ رکھتا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں اس کے مناسب حال نہیں بھی دستیاب نہیں ہوتی تھیں۔ اسکی خوراک لگتی تھی ؟ اسکا اندازہ اس سے ہو ۔  
۱ - اس کے روز کے ناشتہ میں ۱۵ - انڈے  
۲ - بڑی مچھلیاں ۵ - پلیٹ سالن کے  
۱۲ - روغنی تکیاں اور ۸ - پیالیاں چائے ہی ہوتی تھیں !

پتھر کئے۔ معلوم ہوتا ہے رنگ کے بوجھ سے انکا چھلکا چٹک نیا تھا اور رنگ کے ذریعے اندر پہنچ گئے تھے۔ امتداد زمانہ سے اندرونی اور بیرونی دونوں حصے پتھر کئے ہیں اور لکھو کا برس سے قائم ہیں۔

اس کے علاوہ بعض آئر یادگاریں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ شاید ان اندر سے بھی زیادہ قیمتی ثابت ہوں۔ یہ یادگاریں پتھر کے ہوئے انسانی دانت ہیں اور کئی ہزار برس کے پرانے ہیں۔ وہاں انکی موجودگی اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ کسی زمانہ میں یہ صحرا انسانوں سے معمور تھا۔ تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ یہ دانت





(انتخاب اصلع)

”تمام کام جیسی انجام پاسکتے ہیں جب اہل آدمیوں کے سپرد کئے جائیں، رزقہ آلات کی ایجاد، بجلی کے استعمال، اور کوئلہ کی کفایت سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ یہ چیزیں کام میں مدد دیتی ہیں، لیکن کام کو کامیاب نہیں بنا سکتیں۔ کامیابی صرف اہل ر اصلع کارکنوں، انتخاب پر موقوف ہے۔“

ہم ہر چیز انتخاب کرتے ہیں۔ کوئی چیز خریدنا انتخاب کر کے خرید۔ ہیں۔ تم بازار میں ایک دانہ سیب لیدے جاتے ہو تو ایک ایک چن کر لیتے ہو۔ یہ نہیں کہتے کہ سب سیب ہی ہیں، بغیر انتخاب کے لے لیں۔ یہی حال آدمیوں کا بھی ہے۔ سیب کی طرح سب آدمی بھی یکساں نہیں ہوتے۔ کچھ اچھے ہوتے ہیں، کچھ برے۔ کچھ اہل ہوتے ہیں، کچھ نا اہل۔ لہذا انہیں بھی انتخاب ہونا چاہئے۔ اچھا اور قابل لے لینا چاہئے۔ برا اور نا گارہ چھوڑ دینا چاہئے۔ پھر معض اٹنا ہی کافی نہیں ہے کہ اہل و قابل کا انتخاب کر لیا جائے، بلکہ اُسے اُسی حیثیت میں بھی رکھنا چاہئے جسکا وہ مستحق ہے۔ مثلاً اگر ایک موسیقی دان کو موسیقی کی خدمت کیلئے منتخب کیا جائے، تو اُسے در بدر پھر کر رہتی کمانے سے مستغنی کر دینا بھی ضروری ہے۔ تاکہ بے فکر ہو کر اپنی پوری قابلیت سے فائدہ پہنچا سکے۔“

(معیار انتخاب)

اسکے بعد اس سوال پر بحث کرتے ہوئے کہ ”ہر کام کیلئے اہل اور صالح شخصیت کے انتخاب کیلئے کوئی معیار اور قاعدہ بن سکتا ہے یا نہیں؟“ لکھتا ہے:

”میرے دفتر میں چالیس آدمی کام کرتے ہیں۔ جب میں کوئی نیا کام شروع کرتا ہوں اور نئے آدمیوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، تو سب سے پہلے غور کرتا ہوں کہ یہ کام آلہ کے ذریعہ سے کیا جاسکتا ہے، حیوان کے ذریعہ، یا آدمی کی ضرورت ہے؟ اگر پہلی صورت ممکن ہوتی ہے تو وہی کام میں لاتا ہوں۔ کیونکہ آلات حیوان و انسان سے بہتر کام کرتے ہیں۔ مثلاً پس چکی، آب پاشی، بھاری بوجھ اٹھانا۔ ظاہر ہے یہ کام آلات کے ذریعہ آسانی اور

## قابلیت کا مقیاس و میزان

انسان کے انتخاب میں انتخاب اصلع

ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا میں وہی کام کامیاب ہو سکتا ہے جسے اُس کا اہل اور قابل آدمی انجام دے۔ بہتر سے بہتر کام بھی کامیاب نہیں ہوگا، اگر اسکے لیے اہل آدمی میسر نہ آئیگے۔ لیکن ہر کام کیلئے اُسکی ضرورت کے مطابق اہل آدمی کیونکر چنا جائے؟ اسکا فیصلہ آسان نہیں ہے۔

دنیا میں قدرت الہی کے قوانین عمل میں سے ایک قانون ”انتخاب اصلع“ کا ہے۔ یعنی قدرت ہر چیز میں اصلع اور بہتر کو چھانت لیتی ہے۔ غیر صالح اور کمتر کو چھوڑ دیتی ہے۔ زندگی، صحت، طاقت، اور کامرانی کی ساری بنیاد اسی قانون پر ہے۔ انیسویں انسان کی نا مرادی پر، اگر وہ خود اپنی جنس کے انتخاب میں ایسا نہ کرے!

موجودہ زمانے میں ”اہل آدمی کا انتخاب“ ایک مستقل علمی موضوع ہو گیا ہے۔ اسکے بڑے بڑے ماہر فن ہیں۔ حال میں اس فن کے ایک بہت بڑے امریکن ماہر نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جو امریکہ کی ایک تجارتی انجمن کے اہتمام سے شائع ہوئی ہے۔ یہ دراصل اُن مقالات کا مجموعہ ہے جو مصنف کتاب نے وقتاً فوقتاً اس موضوع پر لکھے تھے، اور امریکہ کے مختلف علمی رسائل میں شائع ہوئے تھے۔ کتاب نہایت مفید اور دلچسپ ہے، اور چونکہ ایک خالص نظری مسئلہ کو عملی اصول و قواعد کی شکل دی گئی ہے، اسلیے علمی حلقوں نے اُس کا نہایت پرجوش استقبال کیا ہے۔ ہم وقتاً فوقتاً اسکے بعض ضروری مباحث الہلال میں شائع کرتے رہینگے۔ آج اسکے بعض ابتدائی مباحث کا ترجمہ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔

پہلے باب میں انتخاب اہل کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے:

مرنے پر اُس کے دماغ کا وزن کیا گیا تو در سیر دھائی اونس تھا۔ سر کی جانچ کرنے پر معلوم ہوا کہ اُس کی دماغی گتلی بہت بڑی تھی۔

ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ وہ زمانہ جلد آنے والا ہے جب انسان چند نشتر کی پچکاریاں (یعنی انجیکشن) لیکر اپنا قد جتنا چاہے بڑھا لے گا۔ اگر کئے کو انجیکشن دیدیا جائیگا تو وہ گھڑے کے برابر ہو جائیگا۔ یہ بات بظاہر عجیب معلوم ہوتی ہے۔ مگر علم جس سرعت سے ترقی کر رہا ہے، اُسے دیکھتے ہوئے اب کوئی بات بھی عجیب نہیں رہتی ہے۔

میں یہ گتلی بہت بڑی ہوتی ہے، اور بونوں میں بہت ہی چھوٹی ہوتی ہے۔ اس گتلی کی ایک خاصیت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ وہ خون میں نمکین مادہ کو معتدل رکھتی ہے، اور اُسے اُنہی مقدار میں کر دیتی ہے، جتنی سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔

تاریخ میں بہت سے عمالیق کے نام محفوظ ہیں۔ فرانس میں ایک شخص ”جان ٹرنر“ نامی گزرا ہے۔ ۱۵ برس کی عمر میں اُس کا قد غیر معمولی سرعت سے بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ ۸ فٹ ۳ انچ تک پہنچ گیا۔ اُس کا جوتا ۱۴ انچ لمبا ہوتا تھا۔

ضرورت ہوگی۔ مثلاً تعلیم، جنسیت، تربیت وغیرہ۔ اور کچھ ایسے ہیں جنکے لیے بے خطا قیافہ شناسی کی ضرورت ہوگی۔ قیافہ شناسی کی یہ استعداد بغیر اسکے حاصل نہیں ہو سکتی کہ انسانی دماغ و جسم کے علوم میں سے ہر علم سے ضروری واقفیت حاصل کر لی جائے۔

انسانی مزاج اور قابلیت کا صحیح طور پر معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔ قد و قامت، رنگ روپ، اور جسم کی کٹھنی سے بھی طبیعت کا اندازہ کرنا آسان نہیں۔ اس بارے میں انسان، حیوان سے بہت کچھ مختلف ہے۔ طویل تجربہ کی ضرورت ہے کہ انسان، انسان شناس نگاہ پیدا کرلے۔ بارہا ایسا ہوا کہ میں کسی مرد کی ذہانت یا کسی عورت کے حسن سے دھوکا کھا گیا ہوں۔

انہی تجربوں کی بنا پر میری پختہ رائے ہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق یقین ہو جائے کہ وہ زندگی بھر کام میں لگا رہے گا۔ تو اس کے امتحان میں دس بیس ہزار ڈالر اور چار پانچ سال خرچ کردالنا کچھ بیجا نہ ہوگا۔

بلا شبہ مناسب اور اصلاح آدمی کا انتخاب مشکل ہے۔ لیکن مذکورہ بالا پیمانہ اگر کام میں لایا جائے تو بڑی حد تک انسانی ہوجاتی ہے اور انتخاب میں زیادہ غلطی نہیں ہوتی۔

(ایک مثال)

کچھ مدت پہلے ریلوے میں ایک معمولی جگہ خالی ہوئی تھی۔ اس کے لئے آدمی کا انتخاب میرے سپرد کیا گیا۔ میں نے اخبارات میں حسب ذیل اعلان شایع کیا:

”ریلوے میں کام کرنے کیلئے ایک امریکن نوجوان کی ضرورت ہے۔ اسے تجربہ کار اور خوش اخلاق ہونا چاہئے۔ ساتھ ڈالر تنخواہ دی جائیگی۔ تین مہینے امتحان کیا جائیگا۔ پھر اضافہ و ترقی کا سوال پیدا ہوگا۔ درخواست کرنے والوں کو اپنی تین تصویریں بھیجنی چاہئیں: ایک اپنے رخسار اور نپٹھی کی، دوسری پورے چہرہ کی، تیسری پورے قد کی“

تین سو درخواستیں آئیں اور چھ گھنٹے معاینہ میں صرف ہونے۔ ۲۹۰- میں نے پہلی ہی نظر میں مسترد کر دیں۔ کیونکہ انکی شکلوں میں کوئی نمایاں عیب موجود تھا۔ بعض کے لباس اور خط و خال سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ محض ناکارہ ہیں۔ بعض کی ہیئت اور قطع بتلا رہی تھی کہ بڑے ضدی ہیں۔ سیکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ بعض کے دل و دماغ اور اخلاق کی کمزوری عیاں تھی۔ باقی دس تصویریں کی میں نے پوری دیدہ ریزی سے جانچ کی۔ دو آدمی مطلوب تھے۔ مگر جانچ میں چار پورے اترے۔ اور تجربہ نے بتا دیا کہ میری جانچ درست تھی۔ خود آدمیوں سے ملاقات کرنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ان کی تصویریں منگا لی جائیں اور انکا وقت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے“

(چار تصویریں)

اس کے بعد مصنف نے نو آدمیوں کی تصویریں درج کی ہیں اور ہر تصویر کے نیچے صاحب تصویر کے اوصاف بھی درج کر دیے ہیں:

(۱) دماغی آدمی۔ یہ شکل ایک ایسے آدمی کی ہے جو سنجیدہ، مطمئن، حلیم ہے۔ کم منفعل ہوتا ہے۔ زیادہ غور کرتا ہے۔ سوچ سمجھ کر رائے قائم کرتا ہے اور اس سے کبھی ہٹتا نہیں۔ حل سے زیادہ ماضی پر نظر رکھتا ہے۔ شہت عمل ہے۔ مگر ہوشیاری سے کام کرتا ہے۔ ہمیشہ ایک ہی طریقہ پر رہتا ہے۔

عملی سے کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن اگر دوسری صورت ہوتی ہے تو حیوان سے کام لیتا ہوں۔ مثلاً ان مقامات میں جہاں ریل اور سڑکیں نہیں ہیں باربرداری کا کام جانور زیادہ اچھا کر سکتے ہیں۔ آخری درجہ میں انسان سے کام لیتا ہوں۔ یہ اصول اگرچہ ہمارے اسلاف کو معلوم تھا مگر ان سے عملاً کام لینا صرف پچاس برس ہی سے شروع ہوا ہے۔

اب غور کرنا چاہئے، اہل و قابل اشخاص کا انتخاب کیونکر کیا جائے؟ فرض کر دو، حکومت امریکا کو ایک مرد یا عورت کی ضرورت ہے۔ امریکا کی آبادی دس کروڑ ہے۔ وہ کیا مہنیں ہیں جو مطلوبہ مرد اور عورت میں ہونی چاہئیں؟

عام طور پر پہلی شرط یہ قرار دی جاتی ہے کہ وہ شخص امریکن ہو۔ یہیں پیدا ہوا ہو، یا امریکن قومیت اختیار کرچکا ہو۔ دوسری شرط یہ سمجھی جاتی ہے کہ اس کی عمر سولہ برس سے زیادہ اور ساٹھ سے کم ہو۔ اس شرط کی رو سے دو ٹلٹ آبادی دائرہ انتخاب سے باہر نکل جاتی ہے۔

حالانکہ انتخاب میں ہمیں کسی ایک شرط یا صفت ہی پر ارجحان نہیں چاہئے۔ کیونکہ کبھی عمر کا معاملہ قومیت سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ کبھی تربیت، قدرتی قابلیت سے زیادہ کار آمد ہوتی ہے۔ کبھی تجربہ، قابلیت سے زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ ہمیں اگر اصلہ انسان کی ضرورت ہے تو اس کے لیے قومیت، وطنیت، اور عمر کی شرطیں ابتدائی شرطیں کیوں سمجھی جائیں؟

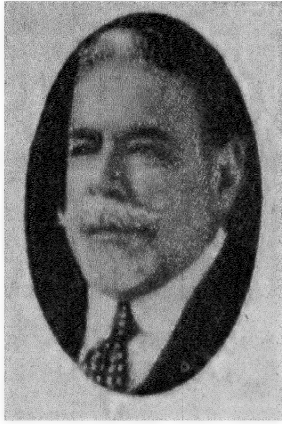
طویل غور و فکر اور تجربہ کے بعد میں نے انسانی انتخاب کا ایک پیمانہ طیار کیا ہے۔ اسی میں ۲۳ - درجے رکھے ہیں۔ انتخاب کے وقت اس پیمانہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

(۱) قومیت	(۲) نسل
(۳) شہریت	(۴) عمر
(۵) ابتدائی تربیت یا وراثت	(۶) ذہنی قابلیت
(۷) جسمانی قابلیت	(۸) عملی قابلیت
(۹) اولین ماحول	(۱۰) تعلیم
(۱۱) عام تربیت	(۱۲) تجربہ
(۱۳) فطری قابلیت	(۱۴) فنی مہارت
(۱۵) مزاج	(۱۶) سیکھنے کی قابلیت
(۱۷) حرکات و سکنات	(۱۸) عام ذہنی یا بدنی شکل
(۱۹) قد و قامت	(۲۰) سختی یا نرمی
(۲۱) رنگ	(۲۲) کٹھنی
(۲۳) مجموعی ہیئت	

جب مجمع کسی آدمی کی ضرورت ہوتی ہے تو میں یہ پیمانہ سامنے رکھ لیتا ہوں اور ہر شخص کو ان تینیس وجوہ انتخاب کی بنا پر جانچتا ہوں۔ جس کے نمبر زیادہ نکلتے ہیں، اسے انتخاب کر لیتا ہوں۔ البتہ جانچنے والے کیلئے بھی صاحب نظر ہونا ضروری ہے۔

عام طور پر لوگ انتخاب میں فنی مہارت (اکسپرٹ نس) کو دیکھتے ہیں اور دوسری تمام صفات نظر انداز کر جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سخت غلطی ہے۔ جانور اور چڑیاں پالنے والے مذکورہ بالا صفات تمام کے تمام ملحوظ رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ سب ضروری، اور انسان و حیوان کے مفید و مضر ہونے کا سبب ہوتی ہیں۔

ان تینیس وجوہ انتخاب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ ان میں کچھ تو ایسے ہیں جنکے لیے خارجی معلومات حاصل کرنے کی



نمبر ۲

(۱) دماغی عملی آدمی — صاف رائے رکھتا ہے، بحث میں قوی دلیلیں لاتا ہے، مخلص ہے، حق کا جویا ہے، زندہ ضمیر کا مالک، معتمد ہے، مخاطب کو اپنی گفتگو سے قائل کر دیتا ہے۔

ان نو قسموں میں اصولی قسمیں دراصل چار ہیں: دماغی، عملی، دماغی عملی، عملی دماغی۔ اور انہی کے متعدد نمونے دکھائے گئے ہیں۔ دماغی اور عملی کا مطلب واضح ہے۔ ”دماغی عملی“ سے مقصود ایسی شخصیت ہے جس کے خصال میں اترچہ عملیت کا عنصر بھی موجود ہے لیکن غلبہ دماغیت کر ہے۔ ”عملی دماغی“ اس کے برعکس ہے۔ اسمیں عملیت غالب اور دماغیت مغلوب ہوتی ہے۔ خالص ”دماغی“ عملی قوت سے اور خالص ”عملی“ دماغی اوصاف سے عاری ہوتا ہے۔

ہم اس مضمون کی وضاحت کے لیے چار تصویریں بھی کتاب سے نقل کر دیتے ہیں جن سے چار اصولی قیامے واضح ہو جائیں گے:

(۱) دماغی

(۲) عملی

(۳) دماغی عملی

(۴) عملی دماغی

تصویر نمبر (۱) خالص دماغی کی ہے۔ ہر شخص جو انسان شناسی کی علمی نظر رکھتا ہے، پہلی نگاہ ہی میں اسے قائم کر لیتا کہ اس کے خط و خال میں مجموعی شہادت ذہن و فکر کا اعلان ہے۔ عملیت سے خالی ہے۔ مگر نمبر (۲) اس کے برعکس ہے۔ یہ ایک ٹھوس عملی قیامہ ہے جس میں ذہنیت کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ نمبر (۳) اور (۴) میں پہلی ذہنیت کے غلبہ اور عملیت کی موجودگی کا پتہ دیتی ہے، اور دوسری میں عملیت کے غلبہ کے ساتھ ذہنیت کا عنصر بھی نمایاں ہے۔



نمبر ۴



نمبر ۱

(۲) دماغی عملی آدمی — اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا ہے۔ بلند ہمت ہے۔ معذرتی ہے۔ مضبوط ارادہ رکھتا ہے۔ شک کو پاس آنے نہیں دیتا۔ فصیح اللسان ہے۔ اپنی قوت اور اپنے کام کی اہمیت پر یقین رکھتا ہے۔ صاف دماغ کا مالک ہے۔

(۳) عملی دماغی آدمی — خوش کلام۔ دلوں کا محبوب۔ سب کو راضی رکھنے والا، بلند ہمت، فراخ دل، ترقی اور معذرت کا شیدائی۔ بہت حرکت کرنے والا، بہت نفع پہنچانے والا، تنہائی میں کام کرنے والا، مستقل مزاج۔

(۴) عمل کی قوت نفوذ رکھنے والا آدمی — مضبوط ارادہ، مضبوط رائے، سخت مزاج، سنگ دل، جلد منفعل ہوجانے والا، تنہائی پسند، بھروسہ اور اعتماد کے لائق۔ اس کی مثال اُس ہیرو کی سی ہے جو خوراک سے ہنوز محروم ہے۔

(۵) مستعد عملی آدمی — سخت اور درشت مزاج، عزم صادق کا مالک، کم غور کرنے والا، اپنے نفس پر بھروسہ رکھنے والا، کتنی ہی مشکلات ہوں مگر اپنے ارادہ پر عمل کرنے والا۔

(۶) دماغی عملی آدمی — خوش گفتار، بڑی بڑی اسکیمیں سوچنے والا، دوسروں پر اثر ڈالنے والا، اپنے اصلی خیالات چھپانے والا، اپنی رائے پر جما رہنے والا، گرد و پیش پر نظر رکھنے والا، اپنے اوپر بہت بھروسہ رکھنے والا، صاف دماغ کا مالک۔

(۷) دماغی عملی آدمی — مستقل رائے رکھتا ہے، زیادہ نفع پہنچاتا ہے۔ معاملات پر صحیح رائے رکھتا ہے۔ خوش تقریر ہے۔ صاف بیان ہے۔ فراخ دل ہے۔ ترقی اور رفاه عام کے کام زیادہ پسند کرتا ہے۔

(۸) دماغی آدمی — نرم مزاج، محبوب، حلیم، مضبوط رائے رکھنے والا، سست عمل، مفکر، متاثر نہیں ہوتا، حق کو سنتا ہے اور قبول کر لیتا ہے۔



نمبر ۳



## فرانسیسی اولوالعزمی کی قربانی

— خبر —

کینان ندجبر کی مفقودہ خبری!

— خبر —

بیسویں صدی کے تمام وسائل نام و احاطہ کی شکست!

— خبر —

انسان کی علمی اولوالعزمیوں اور قدرت ہی قہر مان حکومت میں ایک مسلسل جنگ جاری ہے!

اُس نے سمندر کے طوفانوں کا مقابلہ کیا اور طاقوتور سے طاقتور جہاز طیارہ کو لیتے!

اُس نے زمین کی پہاڑی کا مقابلہ کیا اور بہان اور بجلی پر قبضہ کر کے ایسی سواریاں بنائیں جو ایک مدت میں دو دو میل طے کر لیتی ہیں!

اُس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ہوا میں پلند ہو طرف اڑ رہے تھے۔ لیکن انسان بلیکے کوئی جگہ نہ تھی۔ بالآخر اُس نے پہاڑ بھی کامیابی حاصل کی اور اسے طیارے ایجاد کر کے جو تمام کوہ ارضی کی فضا میں چکر لگا رہے ہیں!

ان بے درپے کامیابیوں کے بعد اُس نے دم لیا اور فکروں و غوروں سے سو اٹھایا۔ خشکی، قہر، ہوا، تیلوں مستحضر ہو چکے ہیں!

لیکن قدرت! اٹل ہے پیرا، نے پہر اور قہر مان قدرت! کیا اُس کے حاکمانہ قوانین بھی مستحضر ہو گئے؟ کیا سچ سچ کو انسانی اولوالعزمی نے اُسے شکست دیدی؟

اولوالعزم انسان کا سر اپنی بے بسی کے تصور سے جھل گیا۔ لیونکہ اُس نے دیکھا کہ ان ساری اولوالعزمیہ کامرانیوں کے بعد بھی اُس تقدس میں کوئی فوق نہیں آیا ہے جو اُسکی بے بسی اور قدرت کی حاکمانہ سطوت کا روز اول سے قائم ہو چکا ہے!

پلے وہ چھوٹی چھوٹی دہ بانی کشمیں، جانوروں کی سواروں اور دشت و جبال کے قافلوں میں قوانین قدرت کے سامنے بے بس تھا۔ اب بیسویں صدی کے دھاتی جہازوں، زیر آب کشتیوں، برق رفتار ریلوں اور باد پیم طیاروں کے اندر بے بس ہے!

قدرت اُسے بڑھنے سے نہیں روکتی۔ خود آکسانی رہتی ہے کہ آگے بڑھے۔ لیکن یہ گوارا نہیں کرتی کہ اُسکی بے بسی کی حدیں ٹوٹ جائیں۔ وہ بوابر بڑھتا رہیگا۔ قدرت اُسے بوابر دعوت اقدام دیتی رہیگی۔

لیکن اُس کی بے بسی، بیچارگی، بے دست و پائی! تو وہ اٹل ہے، اُمت ہے، ناقابل تغیر ہے، اندی ہے، اُس کی پیشانی خلقت کی سر نوشت ہے جو قلم قدرت کے صبح ازل کی روشنی میں نقش ہو چکی ہے۔ اُس کا مقام بدلنا نہیں ہوگا۔ کل تک وہ جس جگہ کھڑا تھا، آج اُس سے سیلوں کوں اونچا ہو گیا ہے۔ کل اس سے بھی باندی پر ہوا، مگر فضاء عالم لا متناہی ہے۔ وہ کتنا ہی بلند ہوتا جائے، پھر بھی بلندی باندی ہی رہیگی!

قاریں! اللہ تعالیٰ کینان ندجبر کی عوامی مہم اور اُسے لکھنے سے خبر نہیں ہیں۔ گذشتہ نمبر میں ہمارے مقالہ نگار بیسویں صدی کے شائع ہو چکی ہیں جس کے نہایت مومنین نے اس مہم کی مفقودہ خبری کی سرکشت سنا لی تھی۔ اب انکی عقل اور انور چمکتے۔ اس عرصہ میں زلزلے، دو موندہ ایسی خبریں دیں، جسے امید بندھی کہ کم از کم کینان کی موت کا سراغ لگ جائیگا۔ لیکن بعد دو ہوا انکی بغلط فہمی گئی۔ لکھنے یہ دلا کہ دنیا اب اب اس اولوالعزمی کے تقدس سے خبر ہے!

ہر ایجاد کی طرح طیاروں کی ایجاد بھی علمی قربانیوں کی ایک بہت بڑی داستان ہے، لیکن موجودہ عہد میں عوامی مہم کی مفقودہ خبری کا یہ غالباً جمنا یا ستوں واقعہ ہوگا۔ اس سے پہلے انکلسان، امریکہ، اٹلی اور ہالینڈ کے متعدد طیارے مفقودہ ہو چکے ہیں۔



کینان ندجبر

لیکن موجودہ عہد میں انسانی قافلوں کی مفقودہ خبری کس درجہ عجیب واقعہ ہے؟ ریل، کاب، تیل، آکسانی، نے تمام دنیا کو ایک کر دیا ہے، خشکی اور قہر کا جیہ جیہ اور گوشہ گوشہ ایک دوسرے سے مل گیا ہے۔

بیسویں صدی کی معلوم، محکوم اور مستحضر دنیا ہے، اور انسان کی علمی اور عقلی فتح مندیوں کے مقابلے میں پہنچ چکی ہیں۔ تاہم قدرت کی حاکمانہ سطوت کے مقابلے میں انسان اب بھی اس درجہ بے بس ہے کہ دنیا کے تمام وسائل نام و احاطہ جواب دہ گئے ہیں اور اب تک وہ تو اس عوامی مہم کا کچھ سراغ لگا سکا ہے۔ وہ اُسے اولوالعزم سائق کا کچھ ہتھ چلا ہے۔ دنیا فرانس اور امریکہ کے عوامی مقابلے کے نتیجہ کیلئے مضطرب تھی، لیکن اُسے ایک دوسرے ہی مقابلے کے نتیجہ کی خبر سننی پڑی۔ وہ مقابلے، جسمیں ایک طرف قدرت الہی کی اٹل حاکمانہ سطوت ہے، دوسری طرف انسان کے ناقص اور محدود نام کی بلند پروازی ہیں! و ما اوتقدم من العلم الا قليلا۔

# ان تمام اصحاب کیلی

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، ایرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، ایرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زبور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ ہم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجیے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کیلئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادار عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مصاعبی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔

دنیا کے تمام قدیم تمدنی موزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

## با این ہبہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں!

## براعظم یورپ، امریکہ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کیے ہیں۔

## اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو آپ فروخت کرنے کیلئے بھی پلے ہم ہی سے خط و کتابت کیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔



## جولائی سنہ ۱۹۲۷ میں جولائی سنہ ۱۹۲۵ پر ایک نظر!

### دیش بندھو چترنجن داس

ہندوستان جو بد قسمتی سے زندگی کے ہر گوشے میں طرح طرح کے تفرقوں میں بٹ چکا ہے، موت کے اس ماتم میں اس طرح متحد ہو گیا تھا؟ مذہب، نسل، جماعت، کوئی اختلاف بھی یہ اتحاد نہ روک سکا۔ سب نے یہ ایک وقت محسوس کیا کہ ہم میں سے ایک بری زندگی جدا ہو گئی ہے۔ ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جو انکی زندگی میں انکی بددعویٰ نہ دے رہے تھے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جنکے قدم ہمیشہ انکے خلاف اٹھائے گئے تھے۔ تاہم جب وہ سو گئے تو ان میں سے کوئی بھی اپنے ایسے انکی عزت سے نہ روک سکا۔ زندگی بدلنے، موت کا بھی فیصلہ ہے جسکا تاریخ انتظار کیا کر رہی ہے!

(موت کا ماتم اور زندگی کے آثار)

ہندوستان کے کزوں داؤں کا یہ متحدہ احساس ہندوستان کی موجودہ تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ ایسے ہی واقعات سے احساس قومیت کے ضعف و قوت اور اس کے نشوونما کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس میں صرف ایک ہر داعوز انسان کی موت کا غم ہی نہیں ہے۔ بلکہ کزوں داؤں کی زندگی ہی جملک بھی دکھائی دے رہی ہے۔ یہ موت ہی مایوسی میں زندگی کی امید ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک ہی عالم زندگی میں نفقات اور افسردگی کتنی ہی نمایاں ہو گئی ہو، لیکن اس کی تہ میں ایک گہری اور حقیقی بیداری جگہ پکڑ چکی ہے۔ اور جیسا کہ تاریخ کا تجربہ شہادت دیتا ہے، بیداری ہی یہ اندر لپی قوت جب ایک مرتبہ جگہ پکڑے تو پھر اسے پامال نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اپنے نشوونما اور تکمیل میں ہمیشہ سے اٹل رہی ہے اور ہمیشہ اٹل رہیگی!

(دیش بندھو کی ہمدانی کا راز)

لیکن میں اسوقت اتنا دُور نہیں جانا چاہتا۔ میں تو صرف اس بات پر غور کرنا چاہتا ہوں کہ اس شخصیت کے یہ حقیقت ایک سیاسی رہنما کے جو ہمدانی حاصل کی، اسکا راز کیا ہے؟ ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان کی ملکی رہنمائی کی عمر کوئی بڑی عمر نہیں ہے۔ ان کی نمایاں قابلیتوں پر اگرچہ عرصہ سے نظریں پڑ رہی تھیں اور سنہ ۱۹۱۷ء میں وہ اچھی طرح پبلک پلیٹ فارم پر نمایاں ہو گئے تھے، تاہم ان کی رہنمائی کا اعلیٰ زمانہ تحریک لا تعازن (نوان کوا پریشن) سے شروع ہوتا ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ پانچ سال کا زمانہ ہے۔ اتنے قلیل عرصہ کے اندر ہی انھوں نے ہندوستان کی تاریخ میں اپنی نمایاں جگہ بنا لی اور تمام ملک کے قلوب قدم کر لیے۔ ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ اس غیر معمولی ہمدانی میں انکے ان غیر معمولی اوصاف کو زیادہ دخل تھا؟

جس طرح ایک مکمل تصویر بنانے کے لیے کوئی ایک رنگ ہی کافی نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک بڑے آدمی کے لیے بھی کوئی ایک قابلیت کافی نہیں ہو سکتی۔ اتنے ہی مختلف رنگ چاہئیں جسے کمال اور بڑائی کی ایک شاندار تصویر کھینچی جا سکتی ہے۔ دیش بندھو میں یہ مختلف اوصاف اپنی کافی مقدار میں جمع ہو گئے تھے۔ وہ دماغی اور اخلاقی دونوں طرح کے وصفوں سے مالدار تھے۔ انکی ذہانت غیر معمولی تھی۔ انکی رائے تعجب انگیز حد تک صائب اور بحث و استدلال کی قوت اعلیٰ درجہ

۱۷ - جن سے پہلی جولائی تک تمام ملک کے دیش بندھو چترنجن داس کی یادگار میں جلسے منعقد کیے گئے۔ یہ دیکھ کر بے اختیار خیال سنہ ۱۹۲۵ء کی طرف منتقل ہو گیا۔ سنہ ۲۵ - اور سنہ ۲۷ - میں صرف دو برس کی مدت حائل ہے، لیکن ان دو برسوں کے اندر ملک کی سیاسی و قومی زندگی میں کیسی کیسی عظیم تبدیلیاں ہو گئیں؟ سنہ ۲۵ - اگرچہ سنہ ۲۰ - اور سنہ ۲۱ - نہ تھا۔ مگر پھر بھی سنہ ۲۵ - تھا۔ ۲۶ - اور ۲۷ - نہ تھا۔ کاش سنہ ۲۷ - میں ہم سنہ ۲۵ - کی زندگی ہی واپس لا سکیں!

اس تقریب سے مستر سی۔ آر۔ داس کی شخصیت بھی سامنے آگئی۔ فی الحقیقت ملک کو اسکی موجودہ منزل حیات میں ایسے ہی سیاسی رہنماؤں کی ضرورت تھی۔ دو سال گز گئے مگر اب تک داس کی جگہ ملکی رہنماؤں کی صف میں خالی ہے۔ اور نہیں معلوم کب تک خالی رہیگی!

جولائی سنہ ۲۵ - میں مسٹر داس کی وفات پر ایک تحریر حوالہ قلم ہوئی تھی، تاکہ ایک مقامی انگریزی اخبار کے خاص نمبر میں شائع ہو۔ مناسب معلوم ہوا کہ اس موقع پر اسے شائع کر دیا جائے۔ جولائی سنہ ۲۷ - میں جولائی سنہ ۲۵ - کے افکار و خیالات پر یہ ایک نظر باز گشت ہے!

(تاریخ کا انتظار)

فرانس کے مشہور مصنف ویکٹر ہیگو Victor Hugo کے والٹر Voltaire کی صد سالہ یادگار منائے ہوئے کہا تھا "زندگی کتنی ہی شاندار اور عظیم ہو لیکن تاریخ اپنے فیصلہ کیلئے ہمیشہ موت کی منتظر رہتی ہے" اگر یہ سچ ہے تو ہندوستان کے مورخ کا انتظار ختم ہو چکا۔ دیش بندھو چترنجن داس کی زندگی کی عزت اب تاریخ کے اوراق کیلئے ایک فیصلہ شدہ واقعہ ہے۔ وہ اپنی زندگی میں اپنے لیے جوبات نہیں بنلا سکے تھے، اپنی موت سے دنیا پر آشکارا کر گئے!

ہندوستان نے اپنی جدید تاریخ میں شاید ہی کسی قومی رہنما کی موت پر ایسا عالمگیر ماتم کیا ہوگا، جیسا دیش بندھو کی ناگہانی وفات پر ہوا۔ ۱۹ - جن کو جب انکی نعش، لکھنؤ کی طولانی سڑکوں پر سے گزری تو اس عظیم الشان شہر نے اپنی پوری آبادی استقبال کیلئے صف بستہ کر دی تھی۔ ماتمی انسانوں کا ایک صحرا تھا جو ایک کنارہ سے دوسرے تک پھیلا ہوا تھا۔ نمکین دلوں اور اشکبار آنکھوں کی وہ آن گنت تعداد اسکے علاوہ تھیں جو اس کامیابی سے لیکر کشمیر تک، ہر جگہ ہندوستان میں دیکھی جاسکتی تھی!

پہلی جولائی کی مغموم اور خاموش سہ پہر کے اضافہ نے اس ماتم کی تاثیر اور زیادہ مکمل کر دی۔ اس دن ہر اعظم ہند کے گوشے گوشے میں ماتمی مجلسیں منعقد ہوئیں جنکی روئداد سے اسوقت تک اخباروں کے صفحے رگے ہوئے ہیں۔



’جن لوگوں کو ہندو مسلم مسئلہ کی عملی مشکلات کا علم ہے‘  
 وہ جانتے ہیں کہ معاملہ کس درجہ مشکل اور پیچیدہ ہے ؟  
 معاملہ کی کوئی جانب اختیار کی جائے‘ ضروری ہے کہ مشکلوں  
 اور مزاحمتوں کا ایک طرفان عظیم سامنے آجائے - گزشتہ فروری  
 (سند ۱۹۲۴) میں دہلی کی آل پارٹیز کانفرنس نے حامل ایک  
 ہفتہ تک نشست جاری رکھی لیکن بالآخر بلا کسی فیصلہ کے منتشر  
 ایسا مشکل اور ہمت آزما معاملہ جب دیش بندھو کے  
 سامنے اچانک آگیا تو انہوں نے کیا کیا ؟ میں پہلی مرتبہ لوگوں کو  
 بتانا چاہتا ہوں - پانچ منٹ کے اندر فیصلہ کر دیا !

یہاں میں نے پانچ منٹ تھوڑے سے معنی میں مجازاً  
 استعمال نہیں کیا ہے - بلکہ سچ مچ کھڑی کے پانچ منٹ مراد  
 ہیں - بنگال لیجس لیٹو کونسل کے انتخاب سنہ ۲۳ - جب  
 ہم فارغ ہوئے تو ’مخالفین‘ کے کانگریس کو ناہم رہنے کے

بات کے قائل نہیں تھے کہ انتظار کرو اور سونچو - ”جو پتھر راستے  
 میں آجائے اسے فوراً ہٹا دینا چاہیے اور رکنا نہیں چاہیے“ یہی  
 اُنکے سفر کا دستور العمل تھا - شکسپیر نے ہملت میں انسانی  
 دماغ کی وہ حالت بتلائی ہے جب وہ حیران ہوا تو سونچتا ہے  
 ”کروں یا نہ کروں ؟“ یہ ”کروں یا نہ کروں“ ان میں نہ تھا !

اُنکا دوسرا وصف یہی ایک طرح اسی وصف کے ساتھ بیان  
 کیا جا سکتا ہے - ہندوستان کی قومیت کی راہ میں سب سے زیادہ  
 مشکل روک ہندو مسلم مسئلہ کی پیچیدگیاں ہیں - حالات ایسے  
 گہرے اور شدید ہیں کہ بسا اوقات ایک بڑا سے بڑا ہندو  
 محب الوطن بھی فرقہ وارانہ تنگ نظری سے اپنے دماغ کی  
 نہیں کر سکتا - بڑی ہی ہمت، عشق وطن اور جدوجہد آزادی کا بڑا  
 ہی طاقتور جذبہ چاہیے جو ہمیں ایسی بلندی پر پہنچائے کہ  
 تک ان نچلے جذبات کی رسائی نہ ہو - ہمیں زون -



موت سے دزدن پہلے

لئے ہر طرح کے ہتھیار آزمائنا شروع کر دیے - ان میں سب سے زیادہ  
 موثر اور آزمودہ ہتھیار فرقہ وارانہ حقوق کا مسئلہ چھیڑ دینا تھا -  
 اُس وقت کانریسل کے اندر اور باہر ’دراوڑ جگہ جماعت کی  
 کامیابی بہت کچھ اس پر موقوف تھی کہ مسلمان کیا طرز عمل اختیار  
 کرتے ہیں ؟ جیسا کہ معلوم ہے ’مسلمان در جماعتوں میں منقسم  
 تھے : ایک جماعت کانگریس کے ساتھ تھی - ایک باہر - کانگریس کی  
 کوشش تھی کہ تمام مسلمان کانگریس کا ساتھ دیں - مخالفین کوشش  
 کر رہے تھے کہ ہندو مسلم مسئلہ چھیڑ کر انہیں اس سے باز رکھا جائے - اس  
 اثناء میں وہ ایک عجیب چال چلے - انہوں نے ممبران کانریسل سے  
 کہا کہ اگر کانگریس پارٹی میں شامل ہی ہونا چاہتے ہو تو کم از کم  
 اس کا فیصلہ کرلو کہ ’عزاد سیاسی حقوق ملنے پر مسلمانوں کی  
 نمائندگی کا کیا حال ہوگا ؟ یہ انہوں نے ان کا خیال  
 تھا‘ مسلمانوں کی جانب سے جو مطالبات پیش ہوئے انہیں کانگریس

کہہ سکتا ہوں کہ چترنجن داس نے ایسی بلندی حاصل کر لی  
 تھی اور وہ کسی حال میں بھی اُس سے اُنکے کیلئے طیارہ نہ تھے -  
 اس بارے میں اُنکا دل فراخ اور فیاض تھا - ’بنگلہ کی آزادی  
 اور نجات کیلئے وہ ساری چیزیں قربان کر دینے کیلئے طیارہ تھے‘ جو اس  
 اعلیٰ مقصد سے کمتر درجہ کی ہو سکتی ہیں - صرف یہی روح  
 ہندوستان کا مسئلہ حل کر سکتی ہے - انسوس کے ساتھ اعتراف کرنا  
 پڑتا ہے کہ یہ مقام اسوقت تک بہت کم ہندوستانی رہنماؤں کو  
 حاصل ہو سکا ہے -

(میثاق بنگال)

ہندو مسلم مسئلہ کے سلسلے میں ”میثاق بنگال“ (بنگل پیکٹ)  
 ان کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے - اس پر موافق مخالف دونوں طرح  
 کی رائیوں کا نہایت پر جوش مظاہرہ ہو چکا ہے - لیکن اسوقت تک  
 بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ یہ میثاق وجود میں کیونکر آیا تھا ؟

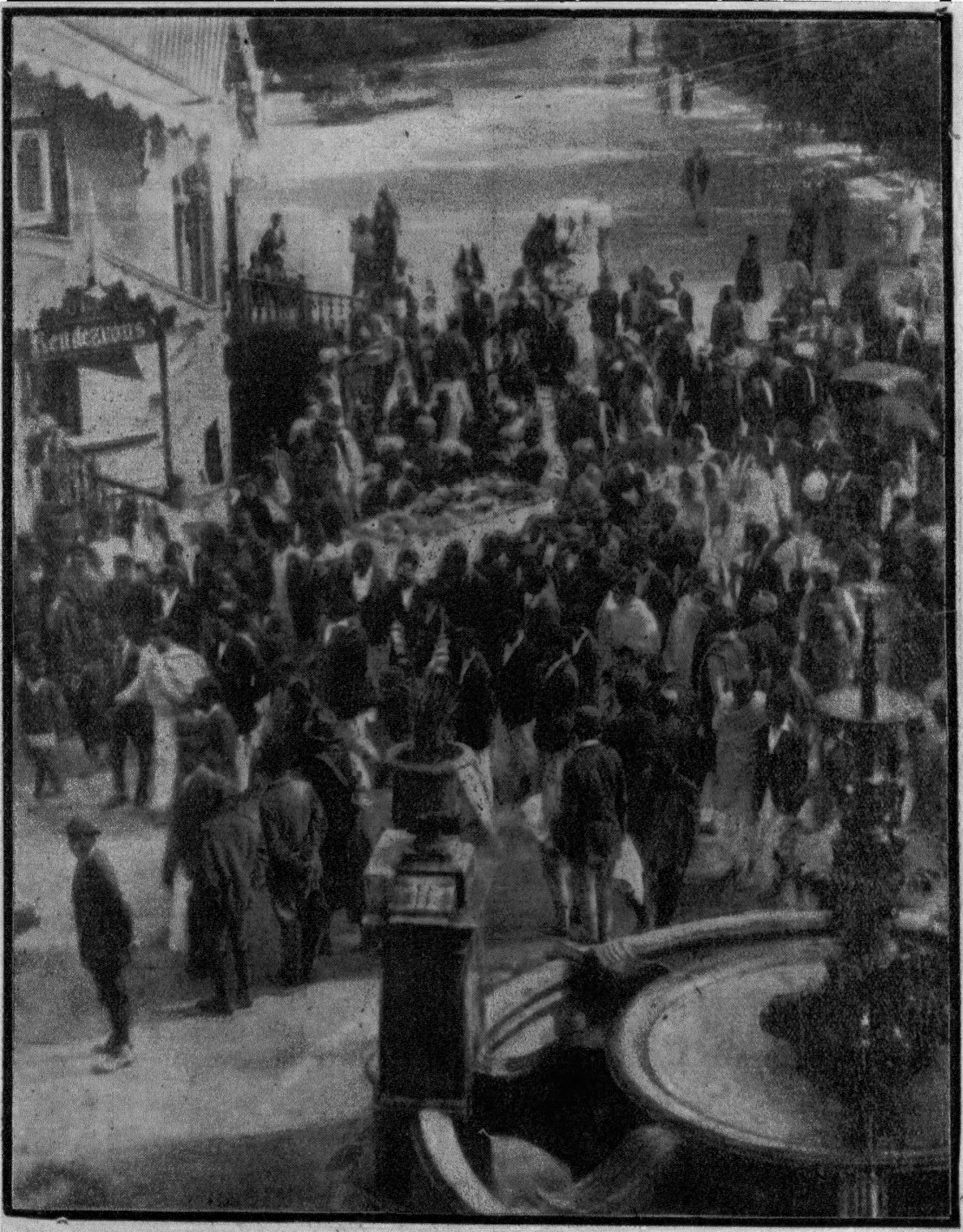
دوسرا خطرہ پیدا ہو گیا - یعنی مخالفت کا وہ طوفان عظیم جو اس کے خلاف شروع ہوا - لیکن اس کے فروز کرنے کیلئے بھی ہم اس وقت کافی طاقتور تھے -

( کارپوریشن کی میرشپ )

شاید کلکتہ سے باہر بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جب کارپوریشن کلکتہ کے پچھلے انتخابات میں کانگریس کو کامیابی ہوئی، اور کارپوریشن کے پچھلے انتخابات کا مسئلہ پیش آیا،

پارٹی منظور نہ کر سکے گی - نتیجہ یہ نکلیا کہ مسلمان مایوس ہو کر الگ ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی علیحدگی کے بعد کانگریس پارٹی نہ تو کونسل کے اندر کچھ کر سکیگی - نہ باہر مضبوط ہو سکیگی -

چنانچہ مسلمانوں کے مطالبات کی ایک فہرست ایک بڑے سرکاری افسر کے یہاں طیار کی گئی - اچانک ایک دن صبح مجمع معلوم ہوا کہ آج مطالبات پیش کیے جائیں گے - میں نے اسی وقت مسٹر داس سے بذریعہ قبیلی فون گفتگو کی - میں نے دریافت کیا کہ



دارجلنگ میں جنازہ کا کلکتہ کی طرف کوچ

تو مسٹر داس بالکل طیار نہ تھے کہ خود میر منتخب ہوں - پہلی مرتبہ جب اس بارے میں مجھے میں اور اُن میں مشورہ ہوا تو انہوں نے زور دے کر کہا ”میں چاہتا ہوں پہلا میر ایک مسلمان ہو - یہ اُس روح کا عملی ثبوت ہوگا جو کانگریس پارٹی نے مسلمانوں کی نسبت ظاہر کی ہے - اور چونکہ بجز تمہارے اور کوئی مسلمان ایسا موجود نہیں جسے ہم سب بالاتفاق منتخب کر لیں“ اسلئے تم اس کے لیے

اگر یہ مطالبات پیش ہوئے تو آپکا طرز عمل کیا ہوگا ؟ انہوں نے بلا کسی تامل کے جواب دیا ”میں فوراً منظور کر لوں گا - کوئی وجہ نہیں کہ ایک معقول مطالبہ منظور نہ کیا جائے اگرچہ بے مرقعہ پیش ہوا ہو“ - یقیناً انہوں نے یہ فیصلہ پانچ منٹ سے بھی کم میں کر دیا تھا !

اس طرح ایک سخت خطرہ سے فوراً نجات مل گئی - البتہ ایک







دو بچے تک اٹنے بیٹھتے اور دوسرے دن کا پروگرام تجویز کرتے۔ ۹ ستمبر سنہ ۲۱ - کو ہمیں معلوم ہو گیا کہ اب ہماری گرفتاری میں تاخیر نہیں کی جائیگی۔ اس دن رات کے گیارہ بجے مسٹر کپور شکر رائے کے مکان پر ہمارا آخری اجتماع ہوا اور دوسرے دن سے پہر کو بہ یک وقت گرفتار کر لیے گئے۔ قید خانہ میں بھی ہماری یک جالی قائم رہی۔ البدھ انہیں چھ ماہ کی سزا دی گئی تھی۔ مجھے ایک سال کی۔ اس لیے وہ مجھ سے چھ ماہ پہلے رہا ہو گئے۔

۶ - جنوری سنہ ۲۳ - کو جب میں رہا ہوا تو کانگریس دو جماعتوں میں بت چکی تھی۔ اور نئی سراجیہ پارٹی کے لیڈر مسٹر داس تھے۔ دونوں جماعتیں مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھیں لیکن میں کسی میں بھی شریک نہیں ہوا اور اپنا وقت تمام تر اس کوشش میں صرف کر دیا کہ کسی طرح یہ اختلاف دور ہو جائے۔ یا کم از کم ایسی شکل اختیار کر لے کہ کانگریس کی مجموعی طاقت باہمی جنگ و جدال میں ضائع نہ جائے۔ چونکہ دونوں طرف جماعت ہندی کے شدید جذبات کام کر رہے تھے اور متحدہ نقطہ عمل اپنی جگہ سے ہٹ چکا تھا، اسلئے قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں۔ بالآخر کامل آٹھ ماہ کی جد و جہد کے بعد مجھے اپنی کوشش میں کامیابی ہوئی اور دھلی کے خاص اجلاس کانگریس میں ایک متفقہ فیصلہ ہو گیا۔

اس کوشش کے اثنا میں مسٹر داس کا جو طرز عمل ظاہر و باطن رہا اسنے میرے دل پر انکی غیر معمولی صفات کا اثر آور زیادہ گہرائی کے ساتھ نقش کر دیا۔ میں اس کام میں بہ حیثیت ایک صلہ جو (پیس میکر) کے مجبور تھا کہ حسب ضرورت دونوں طرف رد و کاروں اور کبھی ایک جماعت کو دباؤں۔ کبھی دوسری کو۔ بارہا میں نہایت تیز اور سخت بحثیں بھی ہو گئیں۔ مجھے جس طرح ”نوجینجز“ کے جمود و تقلید سے اختلاف تھا۔ اسی طرح ”پروچینجز“ کی بے قیدی سے بھی متفق نہ تھا۔ با ایں ہمہ ان تمام حالات کے اندر بھی جو حقیقت برابر مجھ پر کھلتی گئی، وہ بہ حیثیت ایک سیاسی قائد اور مدبر کے مسٹر داس کی شخصیت تھی۔

جہاننگ ہندو مسلم مسئلہ کا تعلق ہے، میرا انکا معاملہ کچھ عجیب طرح کا تھا۔ میں دترتا ہوں کہ ملک کی موجودہ آب و ہوا میں بہت کم لوگ اسے ٹھیک طور پر سمجھ سکیں گے۔ ہم جب کبھی اس طرح کے معاملات پر گفتگو کرتے تھے تو بلا مبالغہ ہمیں ایک ادنی احساس بھی کسی طرح کی تفریق کا نہیں ہوتا تھا۔ بارہا وہ کسی معاملہ میں ہندوں کی کسی جماعت کے نقطہ خیال کے خلاف رائے دیتے۔ اور میں مسلمانوں کے کسی گروہ کی رائے سے متفق نہ ہو سکتا۔ میرے دل میں کبھی یہ گمان بھی نہیں گزرتا کہ ان میں میرے ہم مذہبوں کے خلاف کوئی فرقہ وارانہ جذبہ ہے۔ اسی طرح وہ بھی کبھی اس کا خیال نہیں کر سکتے تھے کہ میری حق پسندی فرقہ وارانہ خود غرضی سے آلودہ ہو سکتی ہے۔ وہ تمام معاملات جو آج ملک میں فرقہ وارانہ نزاعات کا ایک طوفان برپا کر دیتے ہیں، ہمارے سامنے آئے تھے اور ہم اس آسانی کے ساتھ فیصلہ کر لیتے تھے کہ ہم دونوں کے علاوہ کسی تیسرے کو انوں کاں خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ بارہا ہم نے ایک دوسرے سے یہ سوال کیا کہ کیا تمام ملک کے اندر دینی پیش انسان بھی ایسے پیدا نہیں ہو سکتے جو اسی طرح انصاف پسند پسندی کے ساتھ ہر معاملہ پر نظر ڈالیں؟

طیار ہو جاؤ“ اسوقت تک الڈرمین کا انتخاب بھی نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے پانچ الڈرمین میں ایک نام میرا اسی غرض سے رکھا تھا تاکہ مجھے میرا منتخب کیا جاسکے۔

لیکن میں نے نہایت اصرار کے ساتھ اس سے اختلاف کیا۔ میں نے کہا۔ جہاننگ میری ذات خاص کا تعلق ہے میں نہ تو اب اور نہ کبھی آئندہ اپنے آپ کو ان مناصب کے لئے مستعد کر سکتا ہوں۔ میری زندگی کی رفتار ابتدا سے دوسری ہے۔ وہ کسی طرح ان مناصب کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا کسی مسلمان کا میرا ہونا تو بلا شبہ مسلمانوں کو پوری کشادہ دلی کے ساتھ مرقعہ دینا چاہیے۔ لیکن اسوقت ہر اعتبار سے ضروری ہے کہ آپ ہی میرا منتخب کیے جائیں۔ خود مسلمانوں کی بھی خواہش یہی ہے۔

(میرا اُن کا باہمی تعلق)

میں چند الفاظ اپنے اور اُن کے باہمی تعلقات کی نسبت کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اُن کی برادرانہ محبت کی یاد میرے دل کا ایک نا قابل اندمال زخم ہے۔ ہمارا ایک دوسرے سے تعارف سوسائٹی میں نہیں ہوا۔ نہ ہم میں آزر کسی طرح کا ذاتی تعلق تھا۔ محض قومی خدمت کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے روشناس ہوئے۔ لیکن طبیعتوں کی مذاہبت نے بہت جلد دلی علاقہ کی صورت اختیار کر لی۔ حتیٰ کہ ہم محسوس کرنے لگے کہ دو بھائیوں کی طرح ایک دوسرے سے منسلک ہو چکے ہیں۔

سنہ ۱۹۱۷ - سے پہلے ان کی شہرت زیادہ تر بہ حیثیت ایک کامیاب بیرسٹر کے تھی۔ اسی سنہ میں وہ پبلک پلٹ فارم پر نمایاں ہوئے۔ میں اسوقت نظربند ہو چکا تھا اور رانچی میں مقیم تھا۔ اخبارات میں ان کی سرگرمیوں کا حال پڑھتا رہا۔ جنوری سنہ ۲۰ میں جب رہا ہو کر واپس آیا تو پہلی مرتبہ اُن سے شناسائی ہوئی۔ ایک دعوت میں جو مجھے دی گئی تھی وہ بھی شریک تھے۔ لیکن یہ شناسائی محض سرسری تھی۔ اس کے بعد ہی ”نران کوارپیشن“ کی تحریک کا ابتدائی زمانہ شروع ہو گیا اور اگست میں کانگریس کا خاص اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر وہ اس نظام عمل سے متفق نہ ہوئے۔ سال کے آخر تک مخالف رہے۔ اور اس لئے یہ زمانہ ہم دونوں نے باہمی مخالفت میں بسر کیا۔ وہ ناگیور کانگریس کے لئے مخالفانہ طیاراں کر رہے تھے۔ میری کوششیں موافقانہ نہیں۔

ناگیور کانگریس میں وہ اس لائحہ عمل سے متفق ہو گئے اور پھر ہم دونوں از سر نو ملے تاکہ بنگال کے کاموں کی نسبت مشورہ کریں۔ فی الحقیقت اسی زمانہ سے میرے اُن کے تعلقات کا اصالی زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اس تاریخ سے لیکر اُن کے انتقال تک میرا اُن کا شب و روز ساتھ رہا۔ روز بروز باہم ایک دوسرے سے قریب تر ہوئے گئے۔ انہیں مجھ پر اعتماد تھا۔ اور میرے دل پر ان کی خوبیاں نقش تھیں۔

باہمی علائق کا یہ زمانہ کچھ عجیب گونا گوں حالات میں بسر ہوا۔ اس میں ستمبر سنہ ۲۱ - کا وہ یادگار وقت بھی شامل ہے جب سب سے پہلے بنگال میں ”سول ڈس اوبیڈینس“ کا قدم اٹھایا گیا اور دو ہفتہ کے اندر اُس نے حکومت کو مجبور کر دیا کہ سختی و مقابلہ کی جگہ صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھائے۔ اس زمانہ میں ہم رات کے دو

# سیر فی الارض

اولم یسیر فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلہم؟  
(۸: ۳۰)

## سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

### مغربِ قسبی اور اندلس کی نظر اعتبار!

#### ایک مصری سیاح کے تاثرات

#### الجزائر

۹ سال سے الجزائر پر فرانس کا قبضہ ہے۔ فرانسیسیوں کی جستی و چالاک، ذہانت و ذوقِ شہو ہے۔ الجزائر اس کی بہترین نمائش گاہ ہے۔ ملک کا اکثر حصہ، جنت کا منہ بن گیا ہے۔ سیاحانِ پاشا خدیو نے مصر کے لئے دعا کی تھی کہ ”افریقہ کا یہ خطہ یورپ بن جائے“ خدا نے الجزائر میں اُن کی دعا قبول کر لی۔ محال ہے کہ کوئی سیاح ایسے نیم تمدنِ افریقہ سمجھے۔ اب یہ یورپ کا ایک ٹکڑا اور بہترین ٹکڑا ہے، فرانس کا ٹکڑا ہے، بلکہ فرانس کا سب سے بہتر ٹکڑا — پیرس ہے!

الجزائر پیرس ”بن گیا ہے۔ یعنی الجزائر کی سرزمین لیکن اس سرزمین کے باشندوں کا کیا حال ہے؟ کیا اُنھیں بھی ”پیرس“ کے باشندوں کی زندگی حاصل ہے؟ انھیں اس زمین ”بہشت“ بن گئی ہے مگر اس کے بد نصیب باشندوں کے کوغلامی اور غلامی کی زندگی کے ”جہنم“ کے سوا کچھ نہیں ہے! وہ نہ تو اُتر رہے اور نہ ”فرانسیسی“ بن سکے۔ فرانسیسی تمدن اس سرزمین پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اور وہاں کے اصلی باشندے جگہ چھوڑتے جاتے ہیں گویا نئی تہذیب انہیں دھکیل رہی ہے، اور ملک کے اُن گوشوں کے اندر قید کر رہی ہے جو علم و تمدن کی روشنی سے محروم ہیں۔

الجزائر کے بڑے شہروں میں ایسی باشندوں کا کوئی گھر نہیں آتا، بازادوں میں ان کی کوئی بڑی دکان نہیں۔ چائے خانوں، سیرگاہوں، درجہ اول کی گاڑیوں میں بھی الجزائر کی نظر نہیں آئے گا۔ گویا تو رمالک اپنے اصلی باشندوں سے خالی ہو گیا ہے بڑی تلاش کے بعد شہروں میں دو چار حقیر ادیلے کچیلے محلے لڑے ہیں۔ الجزائر کی انھیں محلوں میں قید ہے۔ یورپین محلوں اور بازادوں میں اگر آئے بھی ہیں تو بیک مانجھے، فردوری کرنے، گاڑیاں چلانے دھاکان اللہ لیظلمہم، لیکن کاؤا انھیں لیظلمہم!

الجزائر میں الجزائر کی تعداد بڑھ چکی ہے۔ اندلسی بڑھ رہے ہیں۔ اُن کا اندلی دل یورپ سے چلا رہا ہے اور الجزائر

جو حق پرستوں اور بیادوں کی طرف بھاگ رہی ہیں جتنی کہ اس وقت ان کی آبادی چھ میں ایک رہ گئی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں ان کی تعداد اور بھی کم ہے۔ پائے تخت میں ایک چوتھائی سے بھی کم ہو گئے!

اگر تاریخ کا انسان صحیح ہے اور تو میں اُسی طرح فنا ہو جاتی ہیں جس طرح افراد اور حیوانات و نباتات، تو تاریخ کو اپنے دہن میں ایک نئے انسان زوال کے لئے گنجائش بھال لینی چاہئے۔ عقرب ایک بڑی قوم صغیر، روزگار سے حزن غلط کی طرح مٹ جاتی ہے۔ یہ قوم الجزائر کی سرزمین پر بڑی سسک رہی ہے! سے زیادہ سو برس اُسے دم توڑنے میں آد لگیں گے۔ کون کہتا ہے جہل و غفلت کے ہاتھ پاؤں نہیں؟ جسے دیکھا ہو الجزائر میں آئے۔ یہاں جہل کے ہاتھ ایک قوم کا گلا گھونٹ رہے ہیں اور غفلت اپنے پیروں سے اسے کچل رہی ہے!

#### مراکش

مراکش اور الجزائر میں بہت فرق ہے۔ زمین میں بھی اختلاف ہے۔ باشندوں کے طبائع و خصوصیات میں بھی اختلاف ہے۔ مراکش زیادہ سرسبز اور خوشبود ہے۔ مراکش، اسپین سے بہت مشابہ ہے۔ وہ دراصل اسپین ہے جو صرف سمندر کی گردن کے دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ مراکش اور اسپین کے باشندوں میں بھی بہت مشابہت ہے۔ ایک ہی خاندان کی دو شاخیں معلوم ہوتی ہیں!

اہل مراکش کی معاشرتی زندگی اور قدیم تاریخ، دونوں ہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت میں یہ قوم بہت بڑے تمدن کی مالک تھی۔ جزیرہ اور مغرب کے مابین درمیانی کڑی تھی۔ آسان تمدن پر ایک کڑی سورج تھی اور چار دہائی عالم کو روشن کر رہی تھی۔ لیکن جس قدر اس کی ترقی کی رفتار تیز رہی تھی، اُسی قدر اس کا زوال بھی سریع السیر ہوا۔ یوں کہنا چاہئے کہ اسپین قبل از وقت بڑا باغیا مراکش کی موجودہ معاشرتی زندگی کی ایک عجیب خصوصیت

اُن کے ہر طبقہ اور ہر درجہ کی یکساں معنویت ہے۔ ایسی معنویت جو ایک امارت و تمدن رفتہ کی خبر دیتی ہے۔ سب پرانے پادشاہوں

کا سا دروازہ طویل الذیل لباس پہنتے ہیں۔ بکے چہروں پر دلہن کی سی متانت اور سنجیدگی نظر آتی ہے۔ ہر راکشی اپنی دائرہ کی اور وضع قطع میں ایک پُر رشاد اور ثقہ عالم معلوم ہوتا ہے۔ سکوت، آہستگی، سنجیدگی، ہر حال میں ملحوظ رہیگی۔ ہاتھ لائینگے تو رک رک کر، سرگھبراہٹ کے تو سو پرخ سو پرخ کر، بولیں گے تو بڑے مہر کر، چلیں گے تو متانت و مکت سے دامن لباس بھالتے ہوئے! میرے خیال میں یہ لباس عیش پسند پادشاہوں کا تھا لیکن پوری قوم عیش پسند ہو گئی اور سب نے پادشاہوں کا لباس پہن لیا!

ناممکن ہے کہ آج کے مراکش نے اسپین فتح کیا ہو اور آدھا فرانس نہ والا کر ڈالا ہو۔ ناممکن ہے کہ جوتیاں پہنے والا ہاتھوں پر کیسے دوڑ سکتا ہے؟ بے لے بے جے، بھاری بھاری غمے، انسان کو کب چٹہ چالاک بنے دے سکے ہیں؟ لیکن نہیں وہ یہی مرگئے تھے۔ اس وقت مراکش جوان تھا۔ اب بوڑھا ہو گیا ہے!

#### مراکش اور جزائر میں فرق

اہل مراکش کے چہروں پر مجھے وہ نیکی دکھائی دی جو اہل جزائر کے چہروں پر موجود نہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا یہ محض ظاہری فرق ہے یا حقیقی ہے؟ مراکش و اسپین کی پرورش کرتے ہیں۔ خدا انکے لئے اہل میں برکت ہے! برخلاف انکے جزائر کی ملکوں کی صفائی کرنے اور نوکریں بڑھاتے ہیں۔ خدا انھیں طبعاً دعویٰ میں پھیلائے! مراکش کی ہر غلطی و غضب کا اظہار کرے مگر بغض دینے سے اُس کا دل خالی ہے وہ واقعی نیک آدمی پاک دل ہوتا ہے۔

مراکش کی ساکن نظرس اُس کے باطنی سکون کی خبر دیتی ہیں۔ لیکن اس سکون کے ساتھ غفلت بھی نمایاں دکھائی دیتی ہے اور بسا اوقات حماقت تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اُن میں غفلت و حماقت کہاں سے آئی؟ حالانکہ وہ خراب اور ہر قسم کے نشوونما سے قطعی طور پر دور ہیں۔ اگر واقعی ان میں غفلت و حماقت موجود ہے تو یہ اُس عیش و راحت کا نتیجہ ہو گیا ہے جس میں وہ صدیوں سے مبتلا ہیں۔

میرے خیال میں مراکش غفلت و حماقت کے اس قدر شکار نہیں ہوئے ہیں۔ جس قدر معاصر نے اُنکے جو اس گم کر دیے ہیں ہر طرف سے اُن کے وطن پر اغیار کی پوش ہے۔ وہ بے بسی محسوس نہیں۔ چارہ کار نظر نہیں آتا۔ اس حالت نے اُنھیں مہوش بنادیا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں مہوش نہیں ہیں: دوسری اہل سکاڑی، دماہم بشکاری، لیکن عذاب اللہ شکید! برخلاف ان کے جزائر کی نظرس تیز اور دلوں کو لرزاتے ہیں۔ لیکن کمزوری اُنھیں نیچا کئے دیتی ہے۔ اُن کی نظرسوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا بیمار شیر ہیں، اور زخمیوں میں سے ہوتے ہیں۔ اُن میں زندہ دلی بھی ہے، اور اتنی بڑی کہ اگر میدان خالی پائے تو خطرناک صورت اختیار کر لے!

اہل مراکش کی عربیت میرے لئے بہت مشکل تھی۔ برخلاف اس کے الجزائر کی زبان مصر و شام کی عربی سے زیادہ قریب اللہ الجزائر کی زبان میں یہ خرابی بہت نمایاں ہو گئی ہے کہ غلو نے بحیرت فرانسیسی لفظ داخل کر لئے ہیں فصیح عربی وہاں تقریباً مفقود ہوتی جاتی ہے۔

#### اندلس

اندلس (اسپین) اسلام و عرب کی آٹھ صدیوں کا اندلس، بہت مفصل ہے۔ لاکھ مختصر کیا جائے مگر اُس کا نقشہ کھینچنا

## برید شرق

### مکتوب قسطنطنیہ

(الامال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

ترکی کا محرم - امیر البحر لٹل کابیان - انگورہ قیصریہ ریلوے - روسی انگریزی جھگڑا اور ترکی  
ترکی کا محرم

کئے دیتا ہوں۔

#### پُرانی خانقاہ

باسفوس کی نیلگوں سطح کے کنارے، ایک سرسبز بلند پہاڑ پر، ایک عظیم خانقاہ تھی۔ محرم کے دنوں میں ایک دوست کے ساتھ میں اس خانقاہ میں گیا۔ تیسرا پہر تھا۔ پہاڑ دشوار گزار تھا۔ میں بہت تھک گیا تھا۔ پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ عمارت میں داخل ہوتے ہی میں نے بے اختیار پانی مانگا۔ اپنی غلطی پر میں اب تک نادم ہوتا ہوں۔ ہر طرف سے دردیشوں کی سیاہ تیز آنکھیں مجھ پر راہ گئیں اور غیظ و غضب سے گھونٹے لگیں ایک آواز بلند ہوئی "خارجی!" دوسری آواز بلند ہوئی "زید کیا؟" تیسری آواز بلند ہونے والی تھی کہ میرے دوست نے اُسے روک دیا۔ دردیش میرے رفیق سے واقف تھے۔ اُسے اُنھیں تعین دلایا کہ یہ شخص (یعنی میں) خارجی نہیں ہوں۔ محب اہل بیت کرام اُد صوفیوں کا متفقہ ہے۔ یہ حرکت محض نادانانہ ہوئی ہے!" اگر میں اس سکاری اور باریک کاری کی حقیقت سے واقف نہ ہوتا تو یقیناً متاثر نہ ہوتا اور عجیب نہیں ان دردیشوں کے ہاتھ چوم لیتا جو حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے غم میں پیاسے رہتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ہم ایک سیح ایوان میں دعوئے گئے۔ نماز باجماعت ہوئی۔ پھر شریعہ شروع ہوا۔ ذاتی بنائیت پر تاثر شریعہ تھا۔ حاضرین کی روتے روتے پہلی بندہ گئی تھی۔

#### نماز کی جگہ دسترخوان

مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہم کچھ اب نماز ہوگئی۔ مگر نماز کے بجائے ہم "عاشوراء کی دعوت" پر بلائے گئے۔ دردیشوں کو ہارسی یہ حرکت بہت ناگوار گذری کہ ہم کھانے پر ناز پڑے تو کیوں مقدم رکھا؟ جب ہم دسترخوان پر پہنچے تو کھنی دار پہلوں کے اندر ان کے کال مندر سے لال نظر آتے تھے! کھانا پر تکتا تھا۔ مگر پانی کا نام نہیں۔ میں شروع ہی بہت پیاسا تھا۔ حلق میں لقمے اٹکتے تھے۔ مگر خون سے پانی کا نام بھی نہیں لے سکتا تھا۔ کھانا ختم ہو گیا۔ اب پانی کی امید بندھی مگر بالکل بے ثمر تھی۔ جیسی پیاس کے ساتھ ٹھیا میں دل ہی دل میں اپنے رفیق کو کوس رہا تھا۔

#### سیاہ پوش پروں کا غول!

ایک ایک دروازہ کھلا اور ایوان میں سیاہ پوش پروں کا غول داخل ہو گیا! مجھے کوئی تعجب نہیں تھا کیونکہ حقیقت سے

ہجری سال ختم ہو رہا ہو۔ نئے سال کی آمد ہو۔ یہاں چلے خانوں میں آجکل بعض لوگ جاہلیاں لے رہے ہیں۔ اُنھیں سال نو کی ذرا بھی خوشی نہیں۔ محرم کے غم میں گھٹے جاتے ہیں۔ محرم کے پرانے جلسوں اور مجلسوں کی موت تو پڑی پڑی

ان کا غم ایک مذہب کا ہے۔ واقعی ترکی خصوصاً قسطنطنیہ کا محرم بہت دلچسپ ہوتا تھا۔ نئی حکمران نے جہاں ادب و سب سے پرانی رسمیں موقوف کر دی ہیں، محرم کے جلے بھی روک لئے ہیں۔ کچھ کی یہ کہتی ہی بڑی اصلاح کیوں نہ ہو لیکن جنہیں ان جلسوں کی جاٹ پڑ چکی ہو، اُنھیں ناراض ہونے سے نہیں روکا جاسکتا۔ وہ کہتے ہیں "زندگی کا آدھا مزہ جاٹا رہا"

حکومت نے مسئلہ میں محرم کے مراسم موقوف کر لئے۔ اب وہ انسان نہ بن گئے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ دنیا اُنھیں فراموش کرے یا تاریخ اپنے صفحات میں ان کے لئے جگہ نکالے، ہم ایک تحریر اور اُنھیں یاد کر لیتا چاہتے ہیں۔

میں جو کچھ لکھنے والا ہوں، سنی سنائی باتیں نہیں ہیں چشم دید واقعات ہیں۔ زیادہ تفصیل کا موقعہ نہیں۔ صرف خانقاہوں کے محرم کا ذکر کر رہا ہوں۔

حالت یہ تھی کہ خانقاہوں کے لئے نکر لانا اور نام کے صوفی سال بھر تک محرم کا یعنی سے انتظار کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کی کمائی اور خوش وقتی کا اصلی موسم ہی تھا۔ پہلی محرم سے خانقاہوں میں سیاہ پوش پڑے پڑ جاتے تھے۔ اُنکے پر اسرار رہنے والے اپنے سفید اور سبز عمامے آدھا کر سیاہ عمامے پہن لیتے تھے۔ پانی کے ٹل بند کر دئے جاتے تھے۔ لاکھ پیاس لگی ہو کر وہاں پانی مل نہیں سکتا تھا۔ پانی کے ظرف تک ہٹا دیے جاتے تھے۔ جہلا کھتے تھے یہ لوگ اہل بیت کے محب ہیں، پانی تک نہیں پیتے حالانکہ یہ محض فریب تھا۔ یہ محرم بھر سربا رہتے تھے۔ پانی رنگین کر لیں میں بھر کر مکان کے کونوں، غسل خانوں، اور یا خانوں میں بھرا دیا جاتا تھا اور یہ محرم کے روزے دار، وہاں جا جا کر اپنی پیاس بجھا لیا کرتے تھے!

مجھے بارہا خانقاہوں میں محرم کی مجلسیں دیکھنے کا موقع ملا۔ سب سے آخری مجلس کی یاد اب تک میرے دل میں تازہ ہے۔ چونکہ یہ سب سے آخری مجلس تھی۔ اس کے بعد قانون نے اس طرح کی مجلسیں منع کر دی ہیں۔ اس لئے اسے ایک تاریخی اہمیت حاصل ہو گئی ہو۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے میں اُس کا مختصر حال درج

جاسکتا۔ اسپتہ کے چھ چھپس عرصہ ہیں۔ دنوں زمانے کی یادگار ہیں اس سے پہلے کی "اداس" کے بعد کی یادگار ہیں۔ لیکن تمدن تعلیم کے سرفراہاں عربی یادگاروں ہی کی قدر کرتے ہیں، اور انہی کے شاہدے کے لئے تمام دنیا سے شہد حال کر کے آتے ہیں۔

انڈس میں اب تک بہ کثرت عربی آثار باقی ہیں اگر متعلقہ جاہل اسپینوں نے ان کے مٹانے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں کی تھی انھوں نے عرب اور عربوں کو اندھے دینی جوش کے ساتھ برباد کیا عربوں کا سمندر تک بچا گیا، اور اب خود عربی مالک میں ان کا تلخ قمع کر رہے ہیں!

اسپینوں نے عربی یادگاریں محو کرنے کی پوری کوشش کی مگر خدایا کمال تباری سخت جان تھیں کہ اب تک موجود ہیں۔ پھر اور چلنے کی یادگاروں کے علاوہ بہت سی سموری یادگاریں بھی ایسی قائم ہیں کہ اُنھیں کی انسانی قوت بٹانیں سکتی۔ اسپینی زبان، بے شمار عربی الفاظ سے لبریز ہے۔ ان الفاظ کا بکھال دینا ناممکن ہے۔ انکے بکھال دینے کے بعد اسپینی زبان، زبان ہی نہیں رہے گی۔ پھر اسپین میں کتنے بے شمار چہرے ہیں، جو بیکار بیکار کر اعلان کر رہے ہیں کہ ہم عربی ہیں! بیٹائی کی ساخت، ناک کی قطع، بالوں کی سیاہی، زبانی، اور بیچ دم سب عربی ہیں۔ کتنی اُنھیں ہیں جو عربی سیاح کی آنکھوں سے لپک کر معائنہ کرش اور زبان حال سے بھارتی ہیں!

دانا شری اقدامانی لخالعہم دافنا میں اللہ والحق حبیب! پھر اسپین کی پوری سرزمین، اور اُس سرزمین کا ذرہ ذرہ عرب شہیدوں کے خون سے تر ہے! اسپینی لاکھ کوشش کریں! اپنی سرزمین سے شہیدوں کا خون جلا وطن نہیں کر دے سکتے!

اسپین میں اب تک عربوں کے محلے موجود ہیں اگرچہ عرب ان میں آباد نہیں ہیں۔ کہیں نہیں رہتے۔ لیکن مکان اب تک موجود ہیں۔ عربی بازار ہیں، عربی تلے ہیں، عربی محل ہیں، عربی باغ ہیں۔ مسجدیں بھی ہیں جن کے میناروں پر اب سون کی صداؤں کی جگہ سنہری صلیبوں کی منائش ہوئی ہے!

عبرت کے مقامات میں بھی کبھی کوئی ہنسنا ہو، لیکن میں اپنے تئیں انڈس کی عبرت گاہوں میں حیرت سے دیکھا کر مسکرا رہا ہوں! میں قصر الحرام کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کیونکہ مجھے وہ بادشاہ اُد امرار سر پہنے گئے اور کچھ کھلائے۔ رنگتے نظر آتے تھے جنھوں نے آباد اجداد کی عظمت اپنی ہمیشہ پسندی کی تذکرہ کردی اور خود دلیل و خوار ہو کر خوں ناشاک کی طرح رہ گئے! میں نے اُنھیں بیکار کرنا۔ قد دہا، ناسا دعل و ناسا شفا، اشل و دجلہم ما و عد و دیکھ جھکا۔ لیکن میرا یہ جذبہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہا۔ سک۔ نور اُد لے آہ کی اور دل کی آہ نے اُنھوں میں کچھ بیکار کرنا۔ اشک کی صورت اختیار کر لی۔ قرآن کی تم کی آیت کہ میری زبان یقینی، کہ تو کو احیاء و حیوت و درود و مقامات کمال و رفعت کا ذوق تھا ذاکہ میں اُنڈس کے دار شفا و دوا آخر میں۔ ذاکہ میں اُنڈس و ادا لاض و ماکر و صفت! (علی عبدالرزاق)

#### جامع الشولہ

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کے یہ ترجمہ قرآن عظیم شائع ہوئی تھی جبہ و تاریخی موزن بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا اسلامی احکام کی روش سے سمجھ کر کرنا ان کے لئے اہم تھا۔ کیا سکتی ہو؟ اور اسلام کی زوادی نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا اختیار نہ ہر ملت نام نوع انسانی پر کھول دیا ہو؟

نیز اہللال" کا کہتے

بے خبر تھا۔ عاشورا کی مجلس کا خاتمہ ابھی اذانوں کے اہل پر ہوا کرتا تھا۔ انکے چہرے جھکے ہوئے زہر شکر جن سے ترانہ آنکھوں سے خوشی ٹپک رہی تھی، ادائیں ستانہ۔ اور ہاتھوں میں جام اور بلوری صراحیاں، آموجود ہوئیں۔ دودھ چلنے لگا۔ کس چیز کا دودھ؟ پانی کا؟ نہیں۔ شربت کا؟ نہیں۔ بے کا! یا مددیشن کی اصطلاح میں شربط لہورہ کا! محرم کی مجلس! حسین علیہ السلام کا نام! اور ساغر و بیاض! یہ ساتی! یہ سال بھگے بھگے خائفانہ نشین درویش!

ساتی نے تین پھیرے کئے۔ یارانِ قدح نوش پرستی چری کچھ عجیب ”سرد“ کا عالم ہوا۔ ہر پہلو میں ایک ایک ساتی نے جگر لے لی۔ پھر نغمہ ”سورق“ شروع ہوا۔ تمام حاضرین نے دھبے کے ساتھ گانا شروع کیا۔ صرف ایک میں اپنی خشک لمبی کی دھبے سے اس ”سعادت سے محروم رہا تھا۔

اس ”نغمہ سورق“ کے چند ملاحظہ ہوں: ”کات اور نون“ (کُن) کے خطاب سے بھی پہلے ہم موجود تھے۔ قبل اس کے کسی کو دیدارِ ربانی حاصل ہو، ہم رب سے قاب تو سین ادائی تھے! ”

”آدم سے پہلے، حواء سے پہلے ہم حق تھے اور حق کے ساتھ ”بزمِ بہیم“ میں ہم آغوش تھے! ”

”ہم ایک رات مریم قبل کے ساتھ لہے (معاذ اللہ!) ہمیں صیسی سس کے باپ تھے! (معاذ اللہ)

”ہمیں کو موسیٰ کلیم نے پیچھا رہا تھا۔ رب ارئی“ (خدا یا مجھے اپنا جلوہ دکھا)

”ہم نے موسیٰ کو جواب دیا تھا ”لن ترانی“ (تو مجھے ہرگز دیکھ نہیں سکتا)

”ہم بھی طور سینا پر جلوہ گر ہوئے تھے!.....“

جب رات زیادہ گئی۔ درویش اور نازنین جھول کی طرف بڑھ توں اپنے رفیق کے ساتھ دہن بھر کی پیاس سے قریب موت پہنچا سے نیچے اتر رہا تھا۔

حکومت نے اب ”غمِ دہل“ کی یہ مجلس موقوف کر دی ہیں۔ استنبیل کے عیاش، سابق خائفانہ نشین درویش، انکے غم میں مددوں رد میں گئے۔

موجودہ ترکی حکومت کی اصلاحات اتحاد بے دینی سے تعبیر کی جاتی ہیں کہ اسے اس طرح کے تمام ”مذہبی“ اور ”مقدس“ اعمال درصوم بند کر دیتے ہیں۔ لیکن کیا آپ کے قارئین کرام میں سے کوئی بزرگ مجھے بتلا میں گئے کہ اسلام کے نقطہ خیال سے اس طرح کی رسوم کیا حکم رکھتی تھیں؟ امدان کا استناد ”الحاد“ اور بے دینی ہو، یا امر بالمعروف“ اور نہی عن المنکر کا قیام جو؟

## امیر البحر بسطیل اور ترکی انقلاب

امیر البحر بسطیل، ترکی میں امریکہ کے سیاسی نمائندے ہیں اس ہفتہ انھوں نے ترکی انقلاب کے متعلق اپنے خیالات یہاں کے اخبارات میں شائع کئے ہیں۔ انکے خیالات کا خلاصہ صرف یوں ہے:

”مشرق قریب میں میری زندگی کے یہ برس میری پوری پھلی زندگی کے اہم ترین سال ہیں۔ میں نے اس مدت میں بے شمار عقلی و ذہنی فوائد حاصل کئے ہیں نے ایک قوم کی موت اور اس کی دوبارہ زندگی اپنی آنکھوں سے دیکھی!

”ترکی کا موجودہ انقلاب، حقیقت تاریخ جدید کا سچا آغاز ہے۔ یہ انقلاب ایسا ملک نہیں ہو گیا جیسا کہ بہت سے لوگ

فعلی سے سمجھتے ہیں۔ یہ سالہا سال سے انڈی اندر اپنی نگرین بچھا رہا تھا، یہاں تک کہ مناسب موقع پر نمایاں ہو گیا۔ بلاشبہ انقلاب بہت جلد ہو گیا۔ لیکن اس کی اصلی وجہ یہ ہو کہ خوش ہستی سے ترکی کو صین قوت پر ایسے دولہانوں، دہرہ بہاد اور قابل رہنما بن گئے، جو بجا طور پر تاریخ کی عظیم ترین شخصیتوں کے ساتھ فتن کے جاسکتے ہیں ان ترکی رہنماؤں نے اپنی ان خشک کوششیں اور حیرت انگیز خوش سے ایک نہایت قلیل مدت کے اندر وہ نتائج حاصل کر لئے جنکے لئے قومن کو صدیوں تک انتظار کرنا پڑا ہو!

”کوئی شخص بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ترکی کی آخری جنگ، وطنی حکومت کا قیام، پھر سابق حکومت کی برطانی، اڈ جمہوریت کی اس میں، ایسے عظیم انسان و انجات ہیں جو ہیشہ یادگار رہیں گے اور انکے ساتھ فاضل صلیف کمال پاشا اور انکے رفقاء کے نام بھی ہیشہ زندہ رہیں گے!

۱۹۱۹ء میں جب میں یہاں پہنچا، تو قریب تھا، یہ ملک دنیا کے نقشے سے مٹ جائے۔ لیکن آج کیا حال ہے؟ آج ترکی صحیح معنوں میں خود مختار، طاقتور اور زندہ ملک ہے۔ ایک امید افزا مستقبل اس کے سامنے ہے۔ میں بغیر کسی جھجک کے اعلان کرتا ہوں کہ جب کبھی مجھے ترکی کی جنگ آزادی کا خیال آتا ہو، میرا کوشش اور بہادر قوم کی عظمت کے سامنے جھک جاتا ہوں!

”تلوار کا چادہ ختم ہو چکا۔ اب تجارتی و اقتصادی جہاں شروع ہوا ہے۔ یہ جہاد پہلے جہاد سے بھی زیادہ سخت ہے اور عظیم قربانیاں طلب کرتا ہے۔ اس میدان میں بھی ترکی پوری طرح ساعی ہیں لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اب تک انھیں نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ملک کی نا تجربہ کاری ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر کوششیں جاری رہیں تو ترک یہ میدان بھی سر کر لیتے۔ نئی ریلوں کا جاری ہونا، نئی بندرگاہوں کا کھلنا، نئی طرکوں کی تعمیر، زراعت کی ترقی، تعلیم کا عموم، حفظانِ صحت کا انتظام اور اقتصادی معاملات سے عام دلچسپی یہ ساری باتیں ایک نہایت روشن مستقبل کی خبر دے رہی ہیں!

”عدل و انصاف اور امن امان کا دور دورہ اور امر میں فن الیات و اقتصادیات کی کثرت میں بہت کچھ امیدیں دلاری ہے۔ پھر ترکی کا صلح جوئے مسلک، اپنے پڑوسیوں سے دوستانہ تعلقات جنگی قوت کے عاجلانہ استعمال سے پرہیز ایسی باتیں ہیں جو دنیا بھر میں ترکی کو مغرور بنا رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ترکی، برامنی اور اناد کے اس نمود (مشرق قریب) کی ہیشہ یوں ہی برگانی کرنا ہے گا اور اسے کبھی چھٹنے نہیں دے گا۔“

”میں خیال کرتا ہوں کہ اب امریکہ، ترکی کو پہلے سے زیادہ جاننے پہچاننے لگا ہے۔ اہل امریکہ علی توگ میں، اور ہیشہ صرف نتائج ہی پر نظر رکھتے ہیں۔ قدیم ترکی کے متعلق مشہور تھا کہ یہاں ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن اگر موجودہ حکومت نے موجودہ مسادات کو ہیشہ کے لئے قائم کر دکھایا جیسا کہ مجھے امید ہے کہ وہ کر دکھائیگی) تو کوئی وجہ نہیں کہ امریکہ میں بہت جلد عزت و عظمت حاصل نہ کر لے“

انگورہ۔ قیصریہ ریلوے

گزشتہ ہفتہ ”انگورہ، قیصریہ“ ریلوے..... لائن کا افتتاح ہو گیا۔ یہ ریلوے مختلف جنیتوں سے غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ جنگی نقطہ نظر سے تو یہ ترکی کے لئے بہتر اور صوح ہے۔ جنگ آزادی کے زمانے میں ترکوں نے یہ حقیقت معلوم کر لی تھی۔ دشمن انگورہ کے دروازوں پر کھڑا دستک دے رہا تھا اور ترکی

فوجیں دور دراز علاقوں میں بکھری پڑی تھیں۔ کیونکہ اندرون ملک میں کافی ریلوے لائنیں نہ تھیں۔ پہلے انگورہ سے قیصر تک گھوڑوں اور گاڑیوں پر چھ اور نو دن لگتے تھے۔ فوجی اہل حرکت کے لئے اس سے بھی مدت صرف ہوتی تھی۔ اب ریل بنانے کے بعد یہ پوری مسافت صرف چند گھنٹے کی مسافت ہو! تجارتی اور اقتصادی لحاظ سے بھی یہ ریلوے بہت مفید ہوگی۔ اندرون ملک کی پیداوار بے آسانی اور محنت قتل کی جائے گی اور ضروری اشیاء بے آسانی دہاں پہنچ جایا کرے گی۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس ریلوے نے ترکی غم و اہمیت کا ناقابل رد ثبوت ہم پہنچا دیا ہے۔ یہ ریلوے صرف ترکی کی ترقی اور ترکی محنت سے طیار ہوئی ہے۔ باہر کے کسی آدمی سے کوئی مدد نہیں لی گئی۔ جب ترکی پارلیمنٹ نے اس کی اسکیم منظوری تھی تو یورپ کے سرمایہ دار سننے تھے۔ وہ کہتے تھے ترک یہ کام تنہا انجام نہیں دے سکیں گے۔ لیکن ترکوں نے حیرت انگیز محنت کے ساتھ انجام دے دیا اور یورپ کی زبانیں حیرت سے بند ہو گئیں یہی سب ہے کہ اس کے افتتاح پر تمام ملک نے مسرت کا عام مظاہرہ کیا۔ افتتاحی جلسہ بھی بڑا شاندار تھا۔ اس جلسہ میں عصمت پاشا وزیر اعظم نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

”قیصریہ کے باشندے ۳۰ سال سے کوشاں تھے کہ یہ طرح انکے زرخیز علاقے میں ریل جاری ہو جائے۔ مگر کھیلی حکومتوں کو اس کی توفیق نہ ملی۔ موجودہ جمہوریت نے ملکی آزادی کی طرف سے اطمینان حاصل کرتے ہی سب سے پہلا کام اپنے سامنے ہی رکھا تھا جسکی تکمیل آج ہمارے سامنے ہے۔ جب ہم نے اپنے داخلی پروگرام پر عمل کرنا چاہا اور ریلوے لائنوں کی تعمیر کا ارادہ کیا، تو ہر طرف سے صدائیں اٹھیں ”یہ ناممکن ہے“ ہم نے کہا ”ناممکن کیسے ہے؟ ہر باشندے کا فرض ہے کہ اپنے ملک کی خوش حالی کے لئے کوشاں ہو۔ فرض بھی ناممکن ہوا کرتا ہے؟ ہم اپنی قدرت و قابلیت کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر دوسرے حلقوں سے ہماری بے چارگی اور بے قدرتی کا اعلان کیا جاتا تھا۔ لیکن آج کسی کو ہمیں ناقابل کئے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ یہ ریلوے و حقیقت ہماری ایک داخلی اور خارجی فتح ہے۔ لیکن جس طرح ہماری جنگی فتوحات تھے ہیں مغرور اور غافل نہیں کیا تھا، اسی طرح یہ فتح بھی ہماری ہمتوں کو اد اگے بڑھائے گی۔ یہ ریلوے محض ایک ابتداء ہے۔ کئی اور اہم لائنیں طیار ہو رہی ہیں بہت سی عنقریب شروع کی جائے والی ہیں۔ ہم جلد تمام ملک میں، ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنی خطوط کا جال بچھا دیں گے۔“

دوسری انگورہ ریلوے

اور کئی ہینہ سے انگورہ اور روس کے تعلقات کی کشیدگی نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ ابھی تک جنگ کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ لیکن اگر جلد بغیر نہ ہو تو مستقبل قریب میں جنگ یقینی ہے۔ اگر یہ جنگ ہوئی تو اس میں ترکی کی کیا حیثیت ہوگی؟ یہ سوال ہے جو اس وقت انگلستان، روس اور خود ترکی میں ہر جگہ پوچھا جا رہا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس جنگ میں ترکی اپنے جغرافیائی محل و اطراف کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت حاصل ہوگی۔ طرین کوشاں ہیں کہ اسے اپنے ساتھ لائیں۔ مگر جیسا کہ ترکی کی عام رائے کا تقاب ہے، روس کی طرف رجحان عام ہے ترکی اخبارات روس کی حمایت میں مضامین شائع کر رہے ہیں اور کہتے ہیں روس نے ترکی کی اس وقت مدد کی تھی، جب انگلستان نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ بلکراس سے فیت دنا پور کر دینے کی



ٹھان لی تھی۔

اس سول پر ترکی حکومت بھی سنجیدگی سے غور کر رہی ہو، کیونکہ جنگ کی صورت میں اسے لامحالہ کسی ایک فریق کا ساتھ دینا پڑے گا۔

## مکتوب عراق

(الہلال کے مقالہ نگار تقیم بغداد کے قلم سے)  
(عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا)

### تعلیم

مجھے اپنے اس پہلے مراسلہ میں عراق کی تعلیمی حالت پر کچھ کچھ تبصرو ضرور کرنا چاہئے۔ کیونکہ تعلیم کا معاملہ نہایت اہم ہے خصوصاً عراق جیسے ملک کے لئے جو خود مختاری کے لئے یحییٰ ہو مگر تقدیر علم کی وجہ سے اپنی آرزو پوری نہیں کر سکتا۔

بعضی سے عراق میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کوئی درس گاہ موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عراقیوں کو بیرونی دنیا پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ زیادہ تر طالب علم منطقینہ اور بہت جاتے ہیں۔ کچھ کلکتہ بھی بھیجے گئے ہیں۔ یورپ اور امریکہ جانے والوں کی تعداد ابھی بہت کم ہے۔

موجودہ حکومت نے یا تو اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ ہی نہیں کی یا کی مگر موافقہ حاصل ہو گئے۔ بہر حال عراق میں اعلیٰ تعلیم بالکل مفقود ہے۔ البتہ حکومت ابتدائی تعلیم کی اشاعت میں زیادہ مستعدی کا اظہار کر رہی ہے۔ اس وقت ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد ۲۳۸۰۰ ہے۔ مکتب میں ۱۳۴۵۵ ہے۔ اور شبانہ مدرسوں میں ۲۰۷۸۰ ہے یعنی کل تعداد ۳۹۳۳۳ ہے۔ یہ تعداد اگر گذشتہ سالوں کے مقابلہ میں رکھی جائے، تو تقریباً ڈیڑھ بڑھ چکی ہوگی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد ثانوی (سکندری) تعلیم کا درجہ جو اور ابھی مناسب سے اس کی ترقی بھی ہونا چاہئے لیکن یہاں صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔ حکومت نے بغداد، موصل، نجف، بصرہ، جلا، عمادہ، کرک، سلیمانہ میں ثانوی مدرسے قائم کئے ہیں مگر طالب علموں کی تعداد اب تک ۶۱ سے زیادہ نہیں ہو سکی!

ابتدائی اور ثانوی کے علاوہ دوسرے معین کی تعلیم کے لئے بھی ہیں۔ ایک مردوں کے لئے اور ایک عورتوں کے لئے۔ اولاً میں طالب علموں کی تعداد ۲۹۵ ہے اور ثانی الذکر میں ۸۸۔

تعلیم کی زبان عربی ہے اور درجہ تعلیم کچھ زیادہ پست نہیں ہے۔ البتہ مدرسہ الحقوق (یعنی مدرسہ قانون) اور مدرسہ المندسہ (یعنی انجینیری کے اسکول) میں تعلیم کا معیار نہایت ناقص ہے۔ اس لئے کہ یہاں بھی تعلیم عربی ہی میں ہوتی ہے۔ اور عربی زبان میں ان علوم پر کتابیں بہت کم ہیں۔ عراقی طالب علم چونکہ کوئی یورپین زبان جانتے نہیں، اس لئے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا ہے کہ صرف ان یادداشتوں کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے جو طلبہ اساتذہ کی تقریروں سے طیار کر لیتے ہیں۔

البتہ ایک بات بہت امید افزا ہے اور وہ یہ ہے کہ اب حکومت نے اپنے خرچ سے طالب علموں کو یورپ اور امریکہ سمیت مشرق کر دیا ہے۔ اس وقت ان طالب علموں کی تعداد چالیس تک پہنچی ہے

لیکن اسی سال ۷۷ کا ادراخاندہ بھی ہونے والا ہے۔ ان کے علاوہ چند طالب علم وزارت جنگ نے انگلستان بھیجے ہیں اور حکمہ بطری نے چند لاکھوں کو کلکتہ کی درس گاہوں میں بھیج دیا ہے۔

### امیر فیصل سے ملاقات

چند دن ہوئے امیر فیصل شاہ عراق نے ایک مصوری اخبار نویس کو اپنی ملاقات کا موقعہ دیا۔ مقامی اخبارات نے ملاقات کی حب ذیل تفصیل شائع کی ہے:

انگریزی عراقی معاہدہ کے متعلق امیر فیصل نے کہا "اس معاہدہ کی مدت، مسئلہ کے آغاز میں ختم ہو جائے گی۔ معاہدہ میں ایک دفعہ اس بارے میں موجود ہے کہ ہر چار سال بعد معاہدہ کی تجدید یا ترسیم ہونا کرے گی۔ عراق میں جوں جوں قابلیت پیدا ہوتی جائے گی، اٹلانٹک سے زیادہ آزادی اور حقوق دیتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ ایک دن مجلس اتوم (لیگ آف نیشنز) کا ممبر ہو جائے گا، اور دنیا کے دوسرے خود مختار ملکوں کی طرح ایک خود مختار ملک کی زندگی بسر کر سکے گا"

امیر فیصل نے کہا مجھے یقین ہے عراق بہت جلد یہ درجہ حاصل کرے گا۔ بہت جلد سے میری مراد ایک دوسال ہے"

مجھے امید ہے آپ کے تادمین کرام کا ذوق سیاسی اس سے مستغنی ہو گا کہ میں امیر کے بیان پر ملے زنی کر دوں۔

عراق کی حکومت کو اب تک بیرونی سلطنتوں نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس کے متعلق امیر فیصل نے کہا:

"ہماری نظر میں اس مسئلہ کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ جن سلطنتوں کے نوادہ عراق سے وابستہ ہیں، وہ ایک نہ ایک دن ہماری حکومت کے اعتراف پر ضرور مجبور ہو جائیں گی۔ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ہمارے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں مستقبل قریب میں ہم ترکی سے سیاسی تعلقات قائم کر سکیں گے۔ حکومت ایران کے نمائندے نے اگر مجلس اتوم میں عراقی حکومت کا وجود تسلیم کر لیا ہے مگر طرآن کی مرکزی حکومت نے اب تک اعلیٰ اعتراف کا کوئی ثبوت نہیں دیا"

اب تک عراق کے قسقل دوسرے ملکوں میں موجود نہیں ہیں۔ بیرونی دنیا میں عراق کے معاملات کا ذمہ دار صرف برطانیہ ہے۔ اس صورت حال کی تاویل ہمارے "خود مختار بادشاہ" نے یہ کی:

عراق کو اس کی ذرا بھی ٹک نہیں ہے۔ کیونکہ سجز ایران اور ترکی کے بیرونی دنیا میں ہمارے مصالح کیس بھی نہیں ہیں۔ جب ان دنوں پڑوسیوں سے ہماری مفاہمت ہو جائے گی تو ہم سیاسی نمائندہ کا تبادلہ کر سکیں گے۔ دوسرے ملکوں سے اس طرح کے مصلحتی پیدا کرنے کا ہمیں کوئی خیال نہیں ہے!"

یہ کتنا ضروری نہیں کہ عراق کی "دوسال کے اندر" طمانیالی "خود مختاری" کے ساتھ یہ توجہ کہاں تک جمع ہو سکتی ہے؟ مصحک موجودہ ذہنی انقلاب کے متعلق امیر نے یوں اظہار خیال کیا:

"میں نے اس ہی انقلاب کی پوری تحقیق نہیں کی ہے۔ اس لئے میری رائے چندال اہمیت نہیں رکھتی۔ تاہم اپنی محدود واقفیت کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر مصر پر ابھی طرح ذہنی ترقی کر آگیا تو بہت جلد مغربی قوتوں کے برابر ہو جائے گا۔ البتہ یہی ضروری ہے کہ ذہنی انقلاب کی بنیادیں ہمیشہ قومی ردایات پر قائم ہونا چاہئیں۔ اس وقت مصر، قیام عربی ممالک کے لئے شیخ ہدایت بنا ہوا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کی ذہنی ترقی صلح ردایا پر مبنی ہو تاکہ دوسری عربی قوتیں بھی اپنی عربیت و قوتیت قائم

رکھتے ہوئے اس کا ساتھ دے سکیں۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ قومی بیداری صرف عقل و ذہن ہی تک محدود نہیں رہنا چاہئے۔ ملی بیداری بھی ہونی چاہئے۔ مجھے انیسویں کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مشرق کی موجودہ بیداری محض ذہنی و فطری ہے۔ حالانکہ قومیں ملی بیداری ہی سے کامل قومی ترقی حاصل کر سکتی ہیں"

### عراقی فوج اور برطانیہ

انگریزی عراقی معاہدہ کی ایک دفعہ یہ کہ مسئلہ عراق میں ہمارے پر نظر ثانی کی جائے گی، اور برطانیہ اپنی تمام فوجی قوت ملک سے ہٹائے گا۔

اب جبکہ یہ مدت ختم ہو رہی ہے تو قدرتی طور پر عراقی حکومت کو خیال ہوا کہ اپنی قومی فوج میں اضافہ کرے۔ چنانچہ اُسے جبری بھرتی کی تجویز منظور کر لی۔ برطانیہ کی کٹھن پہلے تو برابر خاموش رہا، لیکن جب حکومت نے علما کا مدد والی شروع کر دی چاہی تو اُسے اقرار کرنا پڑا کہ اس تجویز سے حکومت کی مخالفت ظاہر کی۔ اُسے اپنے لٹ میں لکھا ہے

"عراق کی مدافعت صرف عراقی فوج نہیں کر سکتی۔ اُسے برابر انگریزی قوت کی ضرورت ہے۔ عراق کے پاس ہوائی بیڑے موجود نہیں ہیں۔ اس بیڑے اور فوج کی تعلیم کے لئے کافی روپیچا نہیں ہے۔ لہذا جبری بھرتی کی تجویز ناقابل عمل ہے۔ علاوہ بریں یہ غیر ضروری بھی ہے۔ کیونکہ برطانیہ اپنی "دوستی" میں برابر "دفا دار" ہے اور عراق کی مدافعت کی ذمہ داری قبول کر چکا ہے!"

یہ کہ ہمارے ہر کہ وہ موجودہ خود مختاری جس کا دین میں سال کے اندر اس میں انتظار ہے!

برطانیہ کی کٹھن کے اس اعتراف پر عراقی وزارت نے اپنا استعفا پیش کر دیا۔ مگر امر نے منظور نہیں کیا اور اسپر زور دیا کہ حکومت برطانیہ سے مزید گفت و شنید جاری کی جائے۔

اس وقت صرف یہ فوج ہی کی شکل درپیش نہیں ہے بلکہ ایک دوسرا معاملہ بھی درپیش ہے۔ عراقی حکومت نے برطانیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ریلوے اور بند گاہ سے دست بردار ہو جائے جیسا کہ اُسے وعدہ کیا تھا مگر برطانیہ اسپر آمادہ نہیں ہے، اندھا نظر ہے کہ کیوں آمادہ ہو؟

### کویت کی بنیاد

نجد و عراق میں کئی سال پہلے ایک معاہدہ ہوا تھا اور فریقین نے اتفاق کیا تھا کہ وقتاً فوقتاً عراقی اور نجدی نمائندوں کی بنیاد منعقد ہو کرے اور قبائل کے تمام باہمی معاملات کا فیصلہ اُسی کے ہاتھ میں ہو۔ چنانچہ اس قسم کی ایک بنیاد اسی امر کویت میں منعقد ہونے والی ہے۔ کیونکہ ادھر عراقی نجدی قبائل میں کئی لڑائیاں اور فسادات گریں ہو چکی ہیں۔

### مردوستان

سلیمانہ کی کٹھن میں کردوں کے دو علاقے "شاہ بازاہ" اور "نجون" اب تک حکومت عراق کے مطیع نہیں ہوئے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان علاقوں کے باشندے قرب و حوالہ کے علاقہ پر حملے بھی کرتے رہتے تھے۔ اس ہفتہ حکومت نے "نجون" کے شہر رنجی قبضہ کر لیا ہے اور شہر کو دی و زمین شیخ محمد لڑائی ہو سکتا





## فلسطین

### قویم کر پھر کس طرح جی ٹھتی ہیں؟

### اسرائیل کے منتر گھرانے کا جھاج

### صیہونی تحریک

اس ہند کی ڈاک میں ہمارے مقالہ بخلاف فلسطین کی کوئی تحریر نہیں کی جو۔ لیکن جو کسی وجہ سے تاخیر ہو گئی ہو۔ لیکن مصری محاصرہ السیاسہ میں اس کے نام بخلاف کی ایک نہایت دلچسپ تحریر منسلک ہوئی ہو۔ چونکہ اسکا موضوع اہم اور ضروری ہے اس لئے ہم بریڈ شرق کے سلسلہ میں اس کا ترجمہ بیان درج کرتے ہیں۔

### یہودیوں کی براگندگی

پہلی صدی مسیحی میں رومن بیڑے نے اسرائیل کی بھڑوں کا مارغ لگالیا، اور پھر اس طرح حملہ آور ہوا کہ اس گھرانے کا پورا گھرانہ ہلاک ہو گیا، یا منتشر ہو گیا۔ اپنے وطن سے بھاگ کر یہودی دنیا بھر میں پھرتے گئے۔ لیکن جہاں بھی پناہ ملی، امانے، تسلیے، اور ذلیل گئے گئے۔ لیکن یہ قوم ایسی سخت جان تھی کہ ہر قسم کی برائیوں اور قتل عام پر بھی زندہ رہی۔ صرت زندہ ہی نہیں رہی بلکہ اپنا اجتماعی شیرازہ بھی دست برد ناز سے محفوظ رکھا۔

عربوں یا مسلمانوں کا عہد، یہودیوں کے لئے سب سے زیادہ مبارک ثابت ہوا۔ اسلامی ملکوں میں وہ ظلم و ستم سے محفوظ ہو گئے۔ آہنا ہی نہیں بلکہ انھیں پوری شہری اور مدنی آزادی حاصل ہو گئی۔ وہ اپنے تمام مذہبی شائرا قائم رکھ سکتے تھے اور اپنے تمام اجتماعی و خانگی اعمال میں خود مختار تھے۔ مستند یہودی مورخوں نے تسلیم کیا ہے کہ اگر اسلام کی سیاسی قوت قائم نہ ہو جاتی، تو یہودی قوم قطعاً برباد ہو جاتی۔ اپنی آخری بقیہ کی ابتدا کے بعد اس قوم کے لئے سب سے زیادہ سخت زمانہ وہ تھا، جب اسلامی سلطنتیں تہ و بالا ہونے لگیں اور مسیحیت نے از سر نو سنبھال لیا۔ اس بنیوی عہد میں یہودیوں کی براگندگی آخری حد تک پہنچ گئی۔ تاریک قرون وسطیٰ (مڈل ایجز) کے مسیحی تعصب نے انھیں برقی طرح برباد کیا۔ کوئی مسیحی ملک تھا جہاں یہودیوں پر عام جہاد کا اعلان نہ کر دیا گیا ہو۔ ان کے مذہب بے مذکر رہ گئے۔ ان کی انجمنیں توڑ دی گئیں۔ ان کی کتابیں جلادیں گئیں۔ ان کے علماء و پائنتی پر لٹکا لئے گئے۔ انھیں مجبور کیا گیا کہ اپنا دین چھوڑیں یا قتل اور آگ میں جلنا منظور کریں!

بالآخر یہ تاریک دن بھی بھل گئے۔ نئی تہذیب کا سورج طلعت کرہ مغرب میں طلوع ہوا اور اسرائیل کی مرہ لاش نے آہستہ آہستہ سانس لینا شروع کیا۔ دنیا بھی نئی ہی یہ قوم فنا ہو گئی۔ مگر اچانک کیا دیکھتی ہو کہ اس میں زندگی کے آثار پوری طرح موجود ہیں۔ اب یورپین ملکوں میں یہودیوں کو دینی و اجتماعی آزادی مل گئی اور وہ امن سے زندگی بسر کرنے لگے۔

مگر یہ دن زیادہ دیر نہیں بچھے۔ مسیحی یورپ نے یہودیوں

سے سیاسی خطہ محسوس کیا اور از سر نو ظلم شروع کر دیا۔ اس مرتبہ دینی تعصب کی جگہ سیاسی تعصب کا وزنا تھا۔ انیسویں صدی کے آخر تک تقریباً یہی حالت رہی۔ یہودیوں کی مخالف تحریک کا قیام کی بول چال میں "ANTI-SEMITIC" یعنی مخالف سامی تحریک کہتے تھے۔ حالانکہ یہودیوں کو غیر سامی قرار دینا خود ایک سخت ظلم تھا۔ یہودی ہی دنیا میں خاص ترین سامی ہیں۔ یہودی مفکرین نے نہایت دانشمندی سے اب یہ طے کیا کہ انہیں ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہر اس کے کوئی صورت نہیں کہ اپنی ظاہری قومی خصوصیات، مثلاً زبان، لباس، طرز بود باش و سورت بردار ہو جائیں، اور جس ملک میں رہیں، اسی کی وضع قطع اختیار کر لیں تاکہ مخالفین کا تعصب اور ظلم کم ہو جائے۔ لیکن یہ تجویز بھی کچھ زیادہ سودمند ثابت نہ ہوئی خصوصاً دوس میں جہاں یہودیوں کا قتل عام جاری تھا۔

### دینی مرکز کی طرف عود

اب یہودیوں میں اچانک ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ فلسطین کی یاد ہر زمانہ میں انھیں ہمیں رکھتی تھی۔ لیکن یہ یاد محض روحانی تھی اب جو خیال پیدا ہوا اسے فلسطین کو ایک نئے روپ میں دکھایا۔ انھیں نظر آیا کہ یہ مقدس وطن جس سے بچھے ہوئے وہ ہزار برس ہو چکے ہیں، از سر نو ان کا وطن بن سکتا ہو۔

اس دعوت کا مبشر ایک روشن خیال، متدین، آسٹریا کا یہودی اخبار نویس تھا۔ اس کا نام ڈاکٹر ٹیڈور ہرٹزل تھا۔ اس نے اپنی دعوت اس وقت شروع کی جبکہ دوس اور فرانس میں یہودیوں کے حقوق تلف ہو رہے تھے۔ اس نے ۱۸۹۶ء میں ایک کتاب "ہیوئی سلطنت" کے نام سے شائع کی اور قومی دلائل سے ثابت کیا کہ "یہودی مسئلہ کا تہا صل یہی ممکن ہے کہ تمام یہودی ایک ملک میں جمع ہو جائیں، اور تمام سلطنتیں ان کے ملک کی خود مختاری تسلیم کر لیں" یہ دعوت دنیا بھر کے یہودیوں نے پسند کی اور ۱۸۹۷ء میں اپنی پہلی کانفرنس شتر بال میں منعقد کی۔ اس میں مختلف ملکوں کے دوسو یہودی نمائندے شریک ہوئے تھے۔

اب سے تیس برس پہلے دوس کے یہودیوں میں فلسطین کی طرف ہجرت کرنے کی تحریک موجود تھی۔ کئی سو یہودی ہجرت کر چکے تھے اور بیت المقدس میں ایک انجمن "محبین صیہون" کے نام سے قائم بھی ہو گئی تھی۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ دنیا بھر کے یہودیوں کو سرزمین مقدس کی طرف ہجرت کی دعوت دی جائے۔ مگر یہ انجمن کامیاب نہیں ہوئی۔ صرت چند زراعتی نوآبادیاں فلسطین میں قائم ہو سکیں۔

لیکن "بال کانفرنس" نے قومی وطن کی تحریک منظور کی اور اسے یہودیوں کی قومی تحریک بنا دیا۔ اس تحریک کا نام ہیوئی تحریک "تراپا" (صیہون) ایک پہاڑ کا نام ہے جس کی بابت تورات میں لکھا ہے کہ بیت المقدس اسی پر تعمیر ہوا تھا (اور اس کے لئے ایک قابل محل پر درگاہ طیار کیا گیا۔ پر درگاہ حنیل تھا)۔

"صیہونی تحریک کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کے لئے ایک ایسا قومی وطن پیدا کیا جائے جس کی حمایت بین الاقوامی قانون کے ذریعہ ہو اس مقصد کی تکمیل کے لئے مندوبین کو اختیار کئے جائیں:

(۱) یہودی کاشتکاروں اور دستکاروں کو فلسطین کی طرف ہجرت پر آمادہ کیا جائے۔

(۲) مقامی اور بین الاقوامی انجمنوں کے ذریعہ یہودیوں کی شیرازہ بندی کی جائے۔

(۳) یہودی قومیت کا جذبہ تمام قوم میں جگایا جائے۔  
(۴) عثمانی حکومت کو یہودی وطن کی تجویز قبول کر لینے پر آمادہ کیا جائے۔

### عملی جدوجہد کا آغاز

اس پر درگاہ کو کامیاب بنانے کے لئے دو آئین مرکزی انجمن قائم کی گئی اور ڈاکٹر ہرٹزل نے جدوجہد شروع کر دی۔ ۱۸۹۷ء سے مسئلہ تک کئی مرتبہ سلطان عبدالحمید سے ملاقاتیں کیں اور انھیں یہ تجویز قبول کر لینے پر بہت بہت راضی کیا، مگر وہ برابر استغاثہ ہی کرتے رہے۔ جب اس پر سے بالکل ناامیدی ہو گئی تو ڈاکٹر نے برطانیہ سے گفت و شنید شروع کی اور جزیو نمائے بیتان میں یہودی نوآبادی قائم کرنے کی اجازت چاہی برطانیہ نے اسے منظور کر لیا، اور مصری حکومت بھی آمادہ ہو گئی کہ یہ علاقہ یہودیوں کے حوالہ کرے۔ مگر بعد میں اس تجویز میں ہنس کیا جاسکا، کیونکہ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ یہ صحرا، آب و ہوا کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ڈاکٹر ہرٹزل نے پھر انگریزی حکومت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اسے یہودیوں کو جنوب افریقہ میں ایک وسیع علاقہ پیش کر دیا۔ لیکن چھٹی یہودی کانفرنس نے اسے بھی مسترد کر دیا کیونکہ زمین کے اسروں نے اپنی رپوٹ میں لکھا تھا "یہ زمین بھی آبادی کے لئے موزوں نہیں ہے"

ڈاکٹر ہرٹزل کا مسئلہ میں انتقال ہو گیا۔ لیکن مرنے سے پہلے دو کام ایسے کر گیا جو یہودی قومیت کے لئے عملی بنیاد بن گئے۔ ایک "یہودی نوآبادی بینک" (دوسرا "یہودی مالی ادارہ" کے بعد بھی صیہونی کانفرنس براب منعقد ہوئی تھی اور یہودیوں میں قومی روح بھڑکتی رہی۔ ان کی نظر فلسطین پر لگی ہوئی تھی، مگر شکل یہ تھی کہ ترکی حکومت وہاں کے مل ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔ خود فلسطین کے مسلمان اور عیسائی باشندے بھی اسے گوارا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

### عالمگیر جنگ کا ظلم

سندھ میں جنگ عوی کی پہلی توپ اعلیٰ، اور اس کے ساتھ ساتھ یہودیوں میں بھی نئی حرکت پیدا ہو گئی۔ ان کے مدبروں نے فیصلہ کیا کہ جزیو، ٹرکی اور اس کے اتحادیوں کی فتح سے ان کا کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا لہذا انھیں نقصان ہوگا۔ لہذا انھوں نے برطانیہ کا ساتھ دیا اور جنگ میں اپنی دولت و اثاثے اس کی بہت بڑی مدد کی۔

اس تمام جدوجہد کا نتیجہ آٹا نرہ نکلا کہ یہودیوں کو اپنے مقصد میں کامیابی ہو گئی۔ ۲۰ نومبر ۱۹۱۷ء کا دن ان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہی وہ دن ہے جس میں برطانیہ نے یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کی تجویز منظور کی۔ یہ یادگار دستاویز "نقصان بانو" کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ اس وقت لاڈ بانو برطانیہ کے وزیر خارجہ تھے۔ انہی نے انگلستان کے مشہور یہودی ساہوکار لاڈ راجچیلڈ کے نام سرکاری سرسل بھیجا تھا۔ اس اسلہ کا لفظی ترجمہ حنیل ہے:

### تصریح بانو

• میں انتہائی مسرت سے حکومت برطانیہ کی جانب سے آپکو اطلاع دیتا ہوں کہ ہر ممکن کی حکومت فلسطین میں یہودی قومی وطن کا قیام پسند کی گئی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرے گی۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ برطانیہ کوئی ایسی بات نہیں کر سکتی جو فلسطین کے غیر یہودی باشندوں کے

کی کسی برائے نام ریاست قائم کرے۔ کبھی امیر عبدالقادر خان کی مرحوم کی اولاد کی طرف میلان ظاہر کرتا ہو۔ کبھی شام کے تحت کے لئے سلطان عبدالحمید کے کسی لڑکے کو ڈھونڈتا پھرتا ہو۔ کبھی شریف حسین سابق شاہ حجاز کے بیٹوں پر اُس کی نظر پڑتی ہو۔ غرض کہ اُس کا مسلک اب تک استوار نہیں ہوا ہو۔

شام کی موجودہ مشکلات و حقیقت اس سیاسی اضطراب کا نتیجہ ہیں۔ جب تک فرانس اپنی روش مضبوط بنادیں اور پرقائم نہیں کرے گا، اُس وقت تک یہ مشکلات دور نہیں ہوں گی۔

### ایک نیا نظریہ

آج کل دمشق میں مغرب اقصیٰ کے ایک ذریعہ قدورین غریب لکے ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی آمد کی غرض یہ بتائی ہے کہ پیرس کی مسجد کے لئے چندہ جمع کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہاں کی عام لئے اسے تسلیم نہیں کرتی۔ لوگ کہتے ہیں یہ کام اتنا اہم نہ تھا کہ اس کے لئے ایک ذریعہ فرانس وزارت چھوڑ کر اربابوں کو سرفراض کرنا۔ پھر اگر یہ کام اتنا ہی اہم تھا تو بھی شام میں چندہ کی تحریک کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ ملک اندرونی شورشوں سے زیادہ ہوا ہو۔ چندے کے لئے سب سے مناسب مقام، مصر اور ہندوستان تھے۔ (ہم اس پر اتنا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ "سب سے مناسب مقام" اب اگر صرف مصر ہی کو سمجھا جائے تو ہندوستان کو کوئی شکایت نہ ہوگی۔) (الہلال)

پھر آخر یہ قدورین غریب کیوں آئے ہیں؟ اس کا جواب وہی دیا جا رہا ہے جو ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں، یعنی فرانس کی سیاسی حکمت عملی کا اضطراب۔ خیال کیا جا رہا ہے کہ فرانس، شام کو کوشش کے تحت کر دینا چاہتا ہو۔ اس کی صورت یہ تجویز ہوئی ہے کہ "سلطان" مراکش کے بھائی یا لڑکے کو شام کا "بادشاہ" بنا دیا جائے گا۔ اور حکومت کی باگیں مراکش کے فرانسیسی حکام کے ہاتھوں میں ہوں گی!

اگر یہ افواہ صحیح ہو تو بد نصیب شام کی طرح فرانس کے تدبیر پر بھی قائم کرنا چاہئے۔ شام، مراکش سے کہیں زیادہ متدن اور ترقی یافتہ ملک ہو۔ بھلا شامی یہ تجویز ایک لمحہ کے لئے بھی قبول کر سکتے ہیں کہ مراکش کے تحت ہو جائیں؟ جب یہ افواہ مشہور ہوئی ہو ہر طرف عام ناراضی کا اظہار کیا جا رہا ہو۔ شام کے باشندے بڑے ہمارے نواز ہیں، مگر اس افواہ نے انھیں سیدہ قدور سے سخت متنفر کر دیا ہو۔ چند دن کی بات ہے کہ دمشق کی بلدیہ (میونسپلٹی) کے رئیس نے مراکشیمان کے اغوازیں ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا اور مغربین شہر کو خطوط کے ذریعہ دعوتیں بھیجی تھیں۔ مگر چونکہ اُس وقت تک یہ افواہ پھیل چکی تھی، اس لئے چھ سات آدمیوں سے زیادہ دعوت میں مجمع نہ ہو سکا اور اس زمانہ "غزوہ" نے معلوم کر لیا کہ شام اب انھیں اُنکے مقصد سفر سے الگ کر کے نہیں بکھ سکتا!

### جہاد آزادی

"دور" اب تک جہاد آزادی سے تھکے نہیں ہیں۔ بلاشبہ انھیں سخت نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ مگر پھر قوم اور فرانس جیسی سلطنت سے جنگ تاریخ کی بڑی سے بڑی حیرت انگیز بات ہو۔ مگر یہ بہادر قوم کسی طرح بھی ہتیار رکھنے پر آمادہ نہیں ہوتی!

دروزیوں کی موجودہ قوت کیا ہے؟ اُن کا پروگرام کیا ہے؟ یہ بات بھی دیسی ہی مبہم ہے جیسی خود فرانس کی شکست علی ہے۔ ہائی کشر نے پیرس میں تقریر کرتے ہوئے شام کی حالت یہ بتائی

تیس لاکھ پونڈ ہو۔

(۲) فلسطینی انگریزی انجن۔ اس کا راس المال بھی ۲۰ لاکھ پونڈ ہو۔  
(۳) یہودی بیت المال۔ اس کا دفتری لندن میں ہے اور سٹاک ۲۲ لاکھ پونڈ ہو۔

یعنی یہودیوں کی قومی تحریک کے پاس اس وقت ۸۰ لاکھ پونڈ ۱۲ کروڑ روپیہ موجود ہے۔

یہ سب وہ مالی قوت جس سے قومیں مرکزہ ہوتی ہیں! یہ وہ قوت تھی جس کا عوام عالم خاتمہ کر چکے تھے۔ جس کی پیشانی پر ذلت و سکت کی ہر لگ چکی تھی۔ جو دنیا کے ہر گوشہ میں مظلوم، بے بس، اور تباہ حال تھی۔ جس کی کل تعداد چندین نفوس سے زیادہ نہیں۔ با اس ہم جب اُسے زندہ ہونے اور زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیا تو دنیا کی کوئی کاوش بھی اس کی راہ نہ روک سکی۔ حتیٰ کہ بڑی بڑی طاقتور حکومتوں کو بھی راستہ خالی کر دینا پڑا!

لیکن اُس کے مقابلہ میں ہمارا کیا حال ہے؟ اُن مشرقی اقوام کا کیا حال ہے جو صدیوں سے عسکری قوت رکھتی آئی ہیں۔ جو اب بھی حکومت کی عزت سے محروم نہیں، جنھیں حکومت کے تحت سے اُترے ابھی پوری ایک صدی بھی نہیں گزری ہے۔ جن کی تعداد کروڑوں نفوس سے متجاوز ہے۔ اور جو اپنی قومی کاروائیوں اور فتنہوں کی ایک مسلسل اندر قریبی تاریخ رکھتی ہیں؟

جواب کی ضرورت نہیں، لیکن یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا جب مغفلت دور ہوگی اور دانش رفتہ واپس آجائے گی؟ ان دنوں ذلک لڑکھائیوں کا لہر قلبِ ادھنی السع دہوشہ پھیلا!

## مکتوب شام

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بریت کے قلم سے)

(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

### شام کا مستقبل

شام کے فرانسیسی ہائی کشر ایم مہری پونسو، مدت سے پیرس میں مقیم ہیں۔ ملک میں عام طور پر خیال کیا جا رہا ہے کہ ان کی فیاضی محض اس وجہ سے ہے کہ نئی اصلاحات کے اجراء کے لئے وہ مرکزی حکومت سے مشورے کر رہے ہیں۔

کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی اس پراسرار غیر حاضری کی اصلی وجہ کیا ہے؟ لیکن اس کی وجہ سے ملک میں عام عین پھیلی ہوئی ہے ایک گروہ اس صورت کو نیک شگون سمجھتا ہے اور بڑے بڑے ہوائی قلعے بنا رہا ہے۔ دوسرا گروہ اسے شگون بد سمجھتا ہے اور نا اُمیدی کا اظہار کر رہا ہے۔ شاید ہائی کشر کے رپورٹ کر دینے میں حکومت کی بھی یہی مصلحت تھی کہ ملک کے جذبات میں اختلاف حال پیدا نہ ہو اور متحدہ مطالبے کی قوت کمزور نہ ہو جائے۔ اگر سبھی مصلحت تھی تو اس میں شک نہیں کہ یہ ایک حکمت کامیاب ہوئی ہو!

آئندہ شام کا نظام حکومت کیا ہوگا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب اس وقت کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ حتیٰ کہ خود فرانس بھی نہیں دے سکتا۔ شام کے بارے میں فرانس کی پالیسی اب تک نہایت مضطرب رہی ہے۔ کبھی وہ چاہتا ہے کہ اس ملک کو الجزائر کی طرح اپنا ایک محکمہ نوآباد علاقہ بنائے۔ کبھی سوچتا ہے کہ یونٹ

دینی یا شہری حقوق کے منافی ہو۔ میں ممنون ہوں گا اگر آپ یہ تصریح صیہونی انجن تک پہنچا دیں۔

یہ تصریح دراصل ڈاکٹر حامد دیزان کی کوششوں سے حاصل ہوئی تھی۔ یہ اُس وقت صیہونی انجن کی انتظامی مجلس کے ممبر تھے اور اب اُس کے صدر ہیں۔ اس تصریح کے صادر ہونے سے ہی فرانس، اٹلی، جاپان، اور امریکہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ یہودیوں نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر علی کارروائیاں شروع کر دیں۔ ڈاکٹر دیزان کی صدارت میں ایک نمائندہ وفد فلسطین بھیجا گیا تاکہ برطانوی حکام کی تائید سے یہودیوں کی ہجرت اور آبادی کا سامان بنایا کرے۔

یہودیوں نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ مجلس اقوام سے بھی اس کی تصدیق چاہی۔ چنانچہ فلسطین کی برطانوی وصایت (میٹڈ) کی دستاویز کے دیباچہ میں تحریر ہے: "تمام دہل اتحاد اس بات پر متفق ہیں کہ برطانوی سلطنت اُس تصریح کو عمل کا بنیاد بنانے کے لئے ذبحہ وار ہے جو ۲۰ نومبر کو اُس کی جانب سے ظاہر کی گئی ہے"

اس دستاویز کی دفعہ ۲ میں ہے:

"حکمران حکومت اس امر کی ذبحہ وار ہے کہ ملک (فلسطین) میں ایک ایسی سیاسی، انتظامی، اقتصادی صورت حال پیدا کر دے جو یہودی وطن کے قیام کے لئے ضروری ہو"

جو بھی وہیں ہو:

"یہ طے پا گیا کہ یہودیوں کی نمائندہ مجلس فلسطین میں ایک ذبحہ وار مجلس تسلیم کی جائے گی، اور اُن تمام اقتصادی و اجتماعی معاملات میں اُس سے مشورہ لیا جائے گا جن کا تعلق "یہودی وطن" سے ہو۔ یہ بھی طے پا گیا کہ صیہونی انجن ہی ایک ایسی مجلس ہے جو یہودیوں کی قائم مقام اور ذبحہ وار ہے۔ لہذا وہ اُس وقت تک یہودی کی نمائندہ مجلس سمجھی جائے گی جب تک اپنی یہ حیثیت برقرار رکھو گی۔ لہذا صیہونی انجن کو اختیار دیا جاتا ہے کہ برطانیہ کے مشورے سے وہ تمام تدابیر اختیار کرے جس سے "قومی وطن" کے لئے دنیا بھر کے یہودیوں سے امداد و اعانت حاصل کی جاسکتی ہو"

غرض کہ اس دستاویز کی سیاسی طرح کی اور بھی کئی تصریحیں جو ہیں۔ اجراء و عمل، اندر ترقی!

جس دن سے باغیہ کی تصریح جاری ہوئی ہو، یہودی اپنی تجویز کو حیرت انگیز سرگرمی اور جوش سے عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ ان مقصد کے لئے انھوں نے کئی مجلسیں بنا رکھی ہیں:

(۱) عام صیہونی انجن۔ اس کی ۶ شاخیں ہیں اور دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس انجن میں ہر یہودی مقررہ فیس ادا کر کے داخل ہو سکتا ہے۔ ۱۹۲۱ء میں اس کے ممبروں کی تعداد ۶ لاکھ تیس ہزار تھی۔ اس انجن کی سالانہ کانفرنس حقیقت صیہونی تحریک میں سب سے زیادہ با اختیار مجلس ہوئی ہے۔ یہی پروگرام بناتی، غزل و نصب کرتی، میزائینہ سنوار کرتی اور نئے سال کے لئے مختلف مجلس منتخب کرتی ہے۔

(۲) ان کیٹیوں میں سب سے زیادہ اہم اُس کی جمعیت عالمہ اور مرکزی جمعیت ہے۔ جمعیت عالمہ میں دس ممبر ہوتے ہیں۔ ہر ہفتہ لندن میں ہوتے ہیں اور بیت المقدس میں۔ ان کا کام اُن تمام قہولی سیاسی مسائل کا حل کرنا ہے جن کا تعلق فلسطین کے یہودیوں سے ہے۔

(۳) مالی مجلس۔ ان سے مقصد یہودی وطن کی مالی ضرورت کا پورا کرنا ہے۔ یہ مجلس دراصل تین بینک ہیں:

(۱) یہودی نوآبادی بینک۔ اس کا دفتر لندن میں ہے اور راس المال

ہے کہ ملک میں ہم نے پوری طرح امن و امان قائم کر دیا جو اگرچہ کبھی کبھار بندہ لڑیاں غارت گری کر جاتی ہیں۔ ایک اعتبار سے یہ بیان صحیح ہو۔ بلاشبہ اس وقت درود کوئی قابل ذکر جنگی کارروائی نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن یہاں ہر شخص جانتا ہے اور خود حکومت فرانس بھی جانتی ہے کہ یہ سکون، ایک آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہے۔

### شام کی قومی تحریک

اس نقطہ پر پہنچنے کے بعد قدرتی طور پر سوال ہوتا ہے کہ آخر شام کی قومی تحریک کیا ہے؟ اس کے مقاصد کیا ہیں؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟ جواب کے لئے بڑی تفصیل کی ضرورت ہے اور وہ اس مراسلہ میں ممکن نہیں۔ تاہم ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ آپ کے قارئین حقیقت حال سے بے خبر نہ رہیں۔

شام کی قومی تحریک کے متعلق یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ وہ فرانس کی حکومت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ تحریک جنگ عظیم سے پہلے بھی موجود تھی اور خود عثمانی حکومت کے مقابلہ میں شروع ہوئی تھی۔

جنگ عام میں شام کا رجحان دول اتحاد کی طرف تھا اور اسی رجحان کی وجہ سے شام کو مرحوم جمال پاشا کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلی ہیں۔ اتحادیوں کی طرف یہ رجحان محض اس لئے تھا کہ شام امید کرتا تھا وہ اتحادیوں کے ذریعہ اپنی وطنی آزادی حاصل کر سکتے گا۔ اتحادیوں میں فرانس سے اسے بڑی عقیدت تھی۔ کیونکہ فرانس ۵۰ برس سے یہاں اپنا اثر پھیلا رہا تھا، اور شامی تحریک کی علامتیں چھٹھوٹتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب جنگ کے خاتمہ پر فرانس کو شام کی وصایت (میڈٹ) ملی تو ملک میں مسرت کے نعرے بلند ہو گئے اور سادہ لوح باشندوں نے یقین کیا کہ اب فرانس کے ہاتھوں آزادی کی دولت ضرور مل جائے گی۔ مگر انھیں جلد ہی اپنی غلطی معلوم ہو گئی۔ انھیں دیکھ لیا کہ فرانس ترکوں سے بھی زیادہ مستبد اور سخت گیر ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ آزادی دینی نہیں چاہتا، بلکہ ان کی توثیق بھی برباد کر ڈالنا چاہتا ہے۔

فرانس نے قبضہ حاصل کرتے ہی یہ کیا کہ ملک کے چائیکو کر ڈالے، اور چاروں کو ایک دوسرے سے بالکل مختلف نظام اور دستور کے ماتحت رکھا۔ چنانچہ لبنان ایک علمی جمہوریت بنا دی گئی۔ دمشق کی حکومت الگ کر دی۔ جبل حرمان کو بھی ایک علمی قطعہ بنا دیا۔ اور اسی طرح بلاد علین کو بھی ایک مستقل ملک قرار دے دیا۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے ان چاروں حصوں میں کسی قسم کا سیاسی، اجتماعی، اور انتظامی رشتہ و ارتباط باقی نہ رہے، بلکہ الگ الگ ہو کر ایک دوسرے کی مخالفت شروع کر دیں۔

یہی نہیں بلکہ مرحضہ ملک میں فرقہ وارش کش بھی پیدا کر دی جو مشرق میں مغربی حکومتوں کا ست بڑا آکر رہا ہے۔ پہلے مسلمانوں مسیحائیوں، یہودیوں میں چھوٹ ڈال دی۔ پھر ان میں سے ہر فرقہ کی مختلف شاخوں کو ایک دوسرے کے خلاف براہیکھتہ کر دیا۔ عرب اور غیر عرب کا جھگڑا، شیخ اور عسکری کا جھگڑا، ترکوں اور چرکسیوں کا جھگڑا، اسی اور یہودیوں کا جھگڑا، غرض کہ ہر شے فتنے پیدا کر دئے۔

لیکن باوجود ان تمام ریشہ وارانوں کے مجموعی طور پر شام کے وطن پرست اب تک اپنی اصلی تحریک بچائے ہوئے ہیں۔ ان کا مطالبہ صرف ایک ہے، اور وہ یہ ہے کہ فرانس شام کو خالی کر دے۔ وطنی جماعت سے اثر کر مقلد پابی ہو، اللہ کا

مطالبہ یہ ہے کہ شام کی سبوجہ تقسیم منسوخ کر دی جائے، اور ملک کو اندرونی خود مختاری دیدی جائے۔ تیسرا گروہ ابن اوتق گول کا ہے۔ وہ فرانس کے بھی حامی ہیں اور گاہ گاہ ملک کے بھی حامی ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ جس طرح برطانیہ نے عراق اور مشرقی یمن میں دو بڑے نام یا شاہ بٹھائے ہیں، اسی طرح فرانس کو بھی شام میں ایک "بادشاہ" کا پتلہ بٹھادینا چاہئے۔ اس سلسلہ میں متحدہ شاہزادوں اور امیروں کا نام لیا جاتا ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ لیکن زیادہ میلان عباسی طبع سابق صدر پوتھریا ان کے چھوٹے بھائی پرنس محمدی اور پرنس یوسف کمال کی طرف متاثر کیا جاتا ہے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک اھل۔

## مکتوب مصر

(التمال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

### انگریزی مصری نزاع

پچھلے مکتوب میں اس نزاع اور اس کے بنیادی نقطوں پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ نزاع کی اصلی بنیاد حقیقت مصری فوج کا معاملہ ہے۔ مصری حکومت انگریزی "سردار" کا عہدہ منسوخ کر کے فوج اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہے۔ برطانیہ اسے منظور نہیں کرتا۔ اور مصر کو مصنوعی آزادی اور نام نہاد خود مختاری دیکر بدستور محکوم رکھنا چاہتی ہے۔

اس نزاع میں برطانیہ نے اپنے وہ تمام حربے استعمال کیے جن کا وہ مدت سے عادی ہے۔ سر آسٹن چمبرلین نے پارلیمنٹ کے ایوان میں کھڑے ہو کر اپنا وہی برائے ناگ الاہ "یورپین باشندوں کی زندگی خطرے میں ہے" کا ساتھ ہی جنگی جہاز بھی بھیج دئے۔ ہر براں تمام یورپ میں مصر کے خلاف دعایت (پروپگنڈا) شروع کرنا گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس، اٹلی، اور بعض دوسرے یورپین ممالک کے اخباروں نے مصر کے خلاف زہرا گنا اور برطانیہ کو سخت سے سخت کارروائی کا مشورہ دینا شروع کر دیا۔ حقیقت فرانس اور اٹلی، دونوں مصر کی بیداری سے اسی طرح خائف ہیں، جس طرح خود برطانیہ ہے۔ اٹلی کو خود اطرابلس کی وجہ سے ہے فرانس کو الجزائر، ٹیونس، مراکش، اور خود شام کی وجہ سے۔

لیکن ان تمام دھمکیوں اور تہدیدوں کا اثر کیا ہوا؟ علم طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ مصری حکومت انگریزی قوت کے ساتھ فوراً جھک جائے گی۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ زانے لگ گئے جب اس طرح کے مظاہرے رعب پیدا کر دیا کرتے تھے۔ مصری حکومت خلافت تو قے اس وقت تک اپنے مسلک پر قائم رہی ہے۔ جان بول کی عادت ہے کہ جبے ہلکی سے حریت مرعوب نہیں ہوتا تو خود دم بٹھا جاتا ہے۔ چنانچہ مصری حکومت کی استقامت دیکھتے ہی لادو لایڈ جارج بہت کچھ نرم ہو گئے ہیں اور اپنے مطالبات ہلکے کرنے لگے ہیں۔ ابھی تک نزاع ختم نہیں ہوئی ہے۔ لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ امروز فردا میں نرم گرم تصفیہ ہو جائے گا۔

انگریزی مصری گفت و شنید پردہ راز میں ہے۔ لیکن یہاں

اخبارات نے وہ بنیادی نقطے شائع کر دئے ہیں جن پر مصری حکومت کی آخری یادداشت مبنی ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) مصری پارلیمنٹ بدستور تصفیہ قوت کی ہنگامی حاجت رکھتی ہے۔

(۲) وزارت جنگ اور اس کی تمام شاخوں پر مصری پارلیمنٹ کا اقتدار قائم ہے گا۔

(۳) وزارت جنگ کی تمام محاسن بدستور قائم رہیں گی اور ان کی موجودہ قوت و اختیارات کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۴) تمام سرزمین مصر پر مصری حکومت کا اقتدار برقرار ہے گا، اور پوری ملک کی ہنگامی مصری پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہوگی۔

اگر برطانیہ نے یہ بنیادیں تسلیم کر لیں، جس کو قوی اسکان ہے، تو موجودہ نزاع کا خاتمہ ہو جائے گا۔

### مصر کی ذہنی و اجتماعی ترقی

جنگ عظیم کے بعد مصر نے صرف سیاسی ترقی ہی نہیں کی بلکہ اس کی ذہنی و اجتماعی حالت میں بھی عظیم تغیرات ہوئے۔ یہ تغیرات کس درجہ تک پہنچ چکے ہیں؟ اس کا جواب مشکل ہے۔ یورپی دنیا اس کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ البتہ سیاسی ترقی، ہمیشہ ذہنی و اجتماعی ترقی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مصر کی موجودہ سیاسی بیداری سے اس کی ذہنی و اجتماعی بیداری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ پچھلے دنوں یہاں کوثر عربی، مستعد ہوئی تھی، جس کا تذکرہ اپنے پچھلے خط میں کر چکا ہوں اس کوثر میں دوسرے عربی مالک کے جو فضلاء اگر شریک ہوئے تھے، انھیں مصر کی حالت دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ ذیل میں ایک مشہور شامی فاضل علامہ محمد کریم علی کے تاثرات درج کئے جاتے ہیں جن کا اظہار انھوں نے شام میں جا کر کیا ہے۔ موصوفت کہتے ہیں:

"سب سے پہلے میں نے ۱۹۱۷ء میں مصر کی زیارت کی تھی آخری سفر کا ۲۶ سال کے بعد اب اتفاق ہوا۔ مجھے وہ انقلاب عظیم دیکھ کر سخت حیرت ہوئی جو اس چوتھائی صدی کے اندر مصر پر طاری ہو گیا ہے۔ میں نے اپنے اس آخری سفر میں مصر کا پوری طرح مطالعہ کیا۔ ہر طبقہ کو غور سے دیکھا۔ تیسریں سیں، فقیر، سنے، انجمنیں دیکھیں۔ تھیں دیکھیں۔ اخبارات کا معائنہ کیا۔ کتب خانوں کی سیر کی۔ غرض کہ ہر طبقہ پر نظر ڈالی۔ مجموعی طور پر میں نے یہ اثر قبول کیا کہ مصر نے حیرت انگیز ترقی کر لی ہے۔ سب سے زیادہ نمایاں حقیقت میں نے یہ دیکھی کہ فرانسیسی تہذیب، جس کی ہم روزی فرانسیسی علماء نے انیسویں صدی کے اوائل میں کی تھی وہ مصر کے انگریزی اقتدار سے مغلوب نہ ہو سکی، بلکہ اسے انگریزی تہذیب کی خصوصیات کو شکست دیدی۔ مصر نے اس تمدن میں تراش خراش کر کے ایسی تبدیلی پیدا کر لی ہے کہ وہ فرانسیسی کی جگہ مصری یا عربی تمدن بن گیا ہے۔ اس وقت کا قاہرہ، برائے زانہ کا بغداد، قرطبہ، اشبیلیہ، طلیطلہ، غرناطہ ہے اسے صحیح معنوں میں تمام عربی دنیا کا علمی و ذہنی مرکز تسلیم کرنا چاہئے۔ اس وقت ملک میں ہزار کتب جاری ہیں۔ لیکن مصری حکومت اسے کافی نہیں سمجھتی۔ دس ہزار فرید جاری کرنا چاہتی ہے"



۱۱

(از جناب میر ولی اللہ صاحب وکیل ایٹ آباد)

اس اکتشاف کے جستہ جستہ حالات اگرچہ شائع ہو چکے ہیں لیکن اس وقت تک پوری شرح و تفصیل کے ساتھ کوئی نظر نہیں ڈالی گئی تھی۔ امید ہو میر دلی اللہ صاحب کی مندرجہ ذیل تجرید لکچس کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ ہم کسی آئندہ اشاعت میں ٹکڑا کے ضروری نقوش و تصاویر بھی شائع کریں گے۔

## اکتشاف

راؤ پٹنڈی کے شمال مغرب میں میں میل کے فاصلہ پر، ٹھکرا دیلوی  
سٹیٹس کے شمال مشرق، ایک قطعہ زمین ہو۔ یہاں آج سے جن سال  
پہلے صرف بے رونق زمین، اونچے اونچے ٹیلے، اور چوٹی چوٹی خشک  
پہاڑیاں تھیں، اور اب کچھ عرصہ سے زمین سے پھلے ہوئے سکاڑوں،  
خانقاہوں، مسندوں کے گھنڈر .. دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن آج  
سے ڈیڑھ دو ہزار برس پہلے اسی قطعہ میں عظیم الشان شہر آباد تھے۔  
ایسے شہر جن کی دولت و شوکت اور علمی کازاموں کو یونان اور ایران  
کی شاندار سلطنتیں بھی حیرت و رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتی  
تھیں!

یہ علاقہ ایک شاداب وادی میں واقع ہو جو دیائے ہرود اور اس کے دو معاونوں لنڈی اور ترمزہ سے سیراب ہوتی ہے۔ اس علاقہ کی حفاظت کے لئے قدرت نے ایک طرن مارگلہ اور دوسری طرن مری اور ترمزہ کے پہاڑوں سے ایک قطعہ بنا دیا ہے۔ یہی دیا اور پہاڑ زانہ قدیم میں ٹیکسلا کی آبادی اور رتن کا باعث تھے۔ چونکہ یہ علاقہ ہندوستان اور وسط ایشیا کی شاہراہ پر واقع ہے اس لئے ہندوستان کی پرانی تاریخ میں اس علاقہ کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی ہے۔ انگریزوں سے پہلے ہندوستان پر جتنی برہمن قویں حملہ آور ہوئیں اسب کی سب اسی راستہ سے داخل ہوئی تھیں۔ اور اسی وجہ سے اس علاقہ پر یکے بعد دیگرے کئی قویں تھوڑے بڑے عرصہ تک حکم ادا بھی رہی ہیں۔

چین کا مشہور سیاح ہوان چوانگ ساتویں صدی عیسوی میں  
ایترائی غرض سے ہندوستان آیا تھا۔ اس کے سفرنامہ کی ان  
یادداشتوں نے جو کھلا کے متعلق تھیں، غالباً سب پہلے آثار قدیمہ  
ماہرین کی توجہ اس طرف مبذل کی۔ ایک مدت سے گرد و نواح  
کے زمینداروں کو اس علاقہ میں پُرانے سکے اور دیگر آثار ملتے  
رہتے تھے اور علم الآثار کے بعض انگریز شائقین بھی یہاں سے کچھ نہ  
کچھ ڈھونڈ نکالتے تھے۔ لیکن آثار کے ان بیش بہا فیضوں کی  
باقاعدہ اور منظم کھدوائی چند سال ہوئے سر جان مارشل سی، آئی،  
ای، ڈائرکٹر جنرل محکمہ آثار قدیمہ ہند نے شروع کی اس کا نتیجہ  
ہو کہ آج ہمارے سامنے تین شہروں کے قریب قریب مکمل کھنڈر  
اور مختلف قوموں کے بے شمار سچے، زیور، برتن، اور بتوں کا  
ایک عظیم الشان عجائب خانہ موجود ہے!

ریلوے اسٹیشن ٹھکانا نام بیٹے "سر رائے کالا" تھا۔ اب چند  
چند سال سے اسے ٹھکانا کہتے ہیں۔ اسٹیشن کے قریب جو گاؤں آباد  
ہو۔ اس کا نام "سر رائے کالا" یا "ٹوہتری شاہان" ہے۔ ممکن ہو یہ نام  
شاہان قدیم کے بسائے ہوئے شہروں کے ان گھنٹوں کی وجہ  
سے پڑ گیا ہو جو اس علاقہ میں ہجرت موجود ہیں۔

اب تک تین چار میل کے فاصلہ کے اند تین پچانے شہروں  
کے گھنڈر... مل چکے ہیں۔ ان میں سب سے پُرانے شہر کا نام "بطرہ"

ہے۔ اس شہر کے کھنڈر سرسراٹے کالا حویلیان ریلوے لائن اڈا  
 تھرا ناگہ کے درمیان واقع ہیں۔ اس شہر کی لمبائی شاٹا لجنہ ۱۲۱  
 گز اور چوڑائی شرقاً غرباً ۳۰، گز جو۔ یہ شہر لونا پینڈ کے آگے سے  
 کئی سو سال پہلے آباد تھا۔

دوسرا شہر ترکیہ "ہو اس کی تفصیل اب تک موجود ہے  
تفصیل کا محیط ۶ ہزار گز اور موٹائی ۱۵ میں فٹ ہے۔ تفصیل کے  
بروزی جانب تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر حفاظت کے لئے سبج بھی  
بنے ہوئے ہیں۔ یہ شہر غالباً دوسری صدی مسیحی میں آباد ہوا  
تھا۔

مُحَلّا کا تہ لڑتہ سرکہ" ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ شہر شاہان  
کشاں (غالباً راجہ کشک) کا آباد کیا ہوا ہے۔ تفصیل کا دور قریباً  
تین میل ہزار دیوار ۱۸ فٹ موٹی ہے۔ تفصیل کے باہر ۹۰۔  
فٹ کے فاصلہ پر برج بھی بنے ہوئے ہیں۔ "سرکہ" کی تفصیل  
کے اندر آجکل تین چھوٹے چھوٹے گاؤں میر تپہ، تو فکیاں اور  
بڑا کھار آباد ہیں۔

ان شہروں کے علاوہ بھہ غریب دالوں کے بنائے ہوئے  
ستوپوں، خانقاہوں، اور دیگر قدیم عمارت کے آثار بھی بکثرت  
پائے جاتے ہیں جن کا ذکر آگے آئیگا۔

## تاریخی حالات

اس شہر کا اصلی نام "ٹیکسلا" یا "تیکم شلا" تھا۔ یونانی مؤرخین نے اسے "ٹیکسلا" لکھا ہے۔ شہر کی قدامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مہابھارت میں اس کا ذکر موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی قبل مسیح میں یہ علاقہ سلطنت ایران کا ایک حصہ تھا۔ اس کی تقدیر ان کتبوں سے ہوتی ہے جو نقش رستم میں داتا کی قبر اور خود ٹیکسلا میں بھی ملے ہیں۔ بدھ مذہب کی کتابوں میں معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکسلا میں ایک بہت بڑی یونیورسٹی تھی جو علوم و فنون کی تعلیم و تحقیق کے لئے دنیا بھر میں مشہور تھی۔

سکندر اعظم کا حملہ

چوتھی صدی قبل مسیح کے اواخر میں سکندر اعظم نے پنجاب پر حملہ کیا۔ سکھلا کی سلطنت اس وقت دریائے اہک کے دریائے جہلم تک پھیلی ہوئی تھی یہ بغیر کسی لڑائی کے سکندر اعظم کے حوالے کر دی گئی۔ جب سکندرنے راجہ یوڈس پر حملہ کیا۔ تو راجہ اسے بھیج کر سکھلا نے فوج سے سکندر کی امداد کی۔ اس کے صلہ میں سکندر نے راجہ کو نہ صرف سلطنت سکھلا ہی پر بحال دینے دیا۔ بلکہ اپنے مفوضہ علاقے کا ایک حصہ بھی دے دیا۔ ۳۲۳ قبل مسیح میں سکندر اعظم کی وفات کے بعد راجہ چندر گپت نے یونانی فوجوں کو دریائے اہک کے پار بٹا دیا اور پنجاب اور سکھلا کی تمام ریاستیں اس کے تصرف میں آگئیں۔ چندر گپت کی حکومت کی تخت گیری سے تنگ آکر سکھلانے خود مختاری کے لئے جدوجہد کی اور بالآخر مہابھکت کی انتہی سے آزاد ہو گیا۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد راجہ کادئی عہد شہزادہ آشوک آہو بچا۔ اور اس علاقہ کو دوبارہ فتح کر کے سکھلا میں بحیثیت نائب السلطنت کے ممکن ہو گیا۔ تیسری صدی قبل مسیح کے آخری سالوں میں راجہ آشوک کی وفات پر سلطنت موریہ کا شیرازہ پھر ریشاں ہونا شروع ہو گیا۔ چنانچہ سکھلا بھی سلطنت کے دوسرے صوبوں کی طرح خود مختار ہو گیا، اور اس کی آزادانہ حکمرانوں کا تہذیب و تمدن شروع ہوا۔

دوسرا ہونانی دور

یونانی حملہ آوروں کی ایک جماعت جو سکندر اعظم کے ساتھ  
آئی تھی، باختر میں آباد ہو گئی تھی۔ یہ نوا آباد جماعت ابداس کی



اولاد میدان محل میں ہمیشہ سرگرمی دکھائی دیتی تھی۔ پنجاب میں آباد ہونے والے عام یونانیوں کے برعکس اس کی جدوجہد برابر جاری تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسی باختری یونانیوں نے مسئلہ قبل مسیح میں دہاؤ ٹھکلا اور دیگر قریبی علاقوں پر اپنا قبضہ جمایا۔

#### یونانیوں کا دور

یونانیوں نے ٹھکلا پر کچھ اور ایک سو سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد سیستان کے رہنے والے یونانیوں نے جوہندوستان میں آکر شاہ کاہلے تھے، دیائے الگ کو عبور کر لیا اور پنجاب پر حملہ کر دیا۔ قریب ایک صدی قبل مسیح میں ٹھکلا پر ان کا قبضہ ہو گیا تھا۔ ان کے بعد اہل پارٹھیا پہنچے اور ان کا دور دورہ رہا۔

#### اہل کشاں کا حملہ

سہ ستر یا سترہ میں اہل کشاں نے جو اول اول چین کے شمال مغرب آئے تھے، اہل پارٹھیا کو مغلوب کر کے وادی کاہل اور ٹھکلا پر قبضہ کر لیا۔ دوسری صدی عیسوی میں اہل کشاں کا ایک عظیم الشان بادشاہ کشنگ تخت نشین ہوا۔ اس کی سلطنت وسط ایشیا سے حدود بنگال تک پھیلی ہوئی تھی۔ پشاور (پرش پور) اس کا سرانی دارالخلافہ تھا۔ پانچویں صدی عیسوی تک اہل کشاں کا عروج رہا۔ پھر ان کا زوال شروع ہو گیا۔ ٹھکلا کی کھدائی میں بت سے ساسانی سیکھے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ان سے قیاس کیا جاتا ہے کہ اہل کشاں کے زوال کا ابتدائی باعث کوئی ساسانی حملہ ہوا تھا۔

#### ٹھکلا کی تباہی

لیکن اس خاندان کی آخری اور مکمل تباہی اس وحشی قوم کے ہاتھوں ہوئی جس کو کشانی کہتے ہیں۔ یہ لوگ سہ سترہ میں ایک بہت بڑی فوج لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ کشاں کی سلطنت زیرِ نگیں کر لی۔ اور خاندان کشاں کی عظیم الشان سلطنت کو بھی تباہ اور برباد کر دیا۔ ایک چینی سیاح فاہیان نامی نے سہ سترہ میں ٹھکلا کو بڑھ مذہب کے مقدس مقامات کی زیارت کی تھی۔ اس کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شمال مغربی ہندوستان میں بڑھ مذہب کی زیارت گاہیں بہت آباد اور شہر تھیں۔ لیکن ان مقامی دشمنوں نے یہ تمام علاقہ بڑی بے دردی سے ویران کر دیا۔ ٹھکلا اور دوسرے مقامات کی خانقاہیں اور مندر انہی لوگوں کے ہاتھوں برباد ہوئے۔ اس مقامی فتنہ کے بعد ٹھکلا کو کبھی عروج نصیب نہیں ہوا۔ ساتویں صدی عیسوی میں ٹھکلا سلطنت کجتر کا ایک صوبہ بن چکا تھا۔ اور مقامی حکام کی خانہ جنگیاں اس کے باقی ماندہ مندروں اور خانقاہوں کی تباہی کا باعث ہو رہی تھیں موجودہ آثار

اب ہم ان خانقاہوں مندروں اور دوسری چھوٹی چھوٹی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جو ٹھکلا کی کھدائی سے برآمد ہوئی ہیں۔

#### دھرم راجیکا ستوپہ

اس سلسلہ میں جسے پہلے قابل ذکر دھرم راجیکا ستوپہ (انتہا میں لفظ "ستوپہ" صرف ان ٹیلوں کے لئے استعمال ہوا تھا جو مرنے کو دفن کرنے کی غرض سے بنائے جاتے تھے۔ لیکن بعد کو اس کا اطلاق ان ٹیلوں کے لئے مخصوص ہو گیا جو بڑھ یا بڑھ کے حوالوں کے برکات محفوظ کرنے یا کسی متبرک مقام کی یادگار قائم کرنے کے لئے بنائے جاتے تھے) یہ ستوپہ چیر لپ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ستوپہ قمرانہ کی سطح سے بہت اوپر ایک اونچے میدان میں واقع ہے۔ اس کے نزدیک دوسرے چھوٹے چھوٹے ستوپے، مندراؤں، بجا دیوں کے پھنے کے مکان بھی ہیں۔ بڑا ستوپہ گول ہے۔ اس کے گرد ایک بلند چوتروہ جس میں چاروں طرف زمین لگے ہیں۔ یہ چوتروہ

ستوپے کے گرد طواف کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ چھوٹے ستوپوں میں سے ایک ستوپے کا تبرک خانہ پتھروں کا بنا ہوا ہے۔ اس خانے کے اندر سے ایک ڈیمیا لی جو چار رخ ادبھی ہے۔ اس ڈیمیا کے اندر ایک اور چھوٹی سی ڈیمیا ہے اور اس میں کچھ جلی ہوئی ٹہنی، کچھ راکھ، ادھوٹے، موتی، اور بڑی کے چند دانے پائے گئے ہیں۔ اسی خانہ میں پتھر کا ایک چھوٹا سا ستوپہ بھی دستیاب ہوا ہے جس کے نیچے کی طرف لعل، بلور، سنگ سیلانی، یا قوت، نیکم، عقیق، یزورہ، صند، پتھر آج، اور بڑی کے متعدد دانے اور نیچے بڑی تعداد میں موجود تھے۔ ایک اور چھوٹے ستوپے کے تبرک خانہ سے کئی پرانے مسکے سنٹی پن کی طرح سونے کا ایک زیورہ نیکم، بلور، اور یا قوت کے دانے، اور تونگے کے ٹکڑے دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں سرکار سندھ لٹکا کے پروران بڑھ کو تحفہ کے طور پر دیدی ہیں اور اب لٹکا کے ایک مندر میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ مندروں میں جوئے اور مٹی کی کئی مورتیاں بھی ملی ہیں ایک اور چھوٹے ستوپے کے اندر سے چاندی کی ڈیمیا لی ہے جس کے اندر ایک اور چھوٹی سنہری ڈیمیا بھی اس میں بڑیوں کے چند باریک ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں۔ ان ٹکڑوں اور جسم انسانی کی سوختہ راکھ کی نسبت علماء آرائے مختلف قیاسات لگاتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ خود بڑھ اعظم کے نش کی راکھ ہے، لیکن اس وقت تک بڑھ کے جس تذرا حالات معلوم ہوئے ہیں ان سے اس قیاس کی بڑی طرح تصدیق نہیں ہوتی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ بڑھ اعظم کی نہیں لیکن دوسرے کا برہمذہب کی نش کا بقیہ ہے۔ غالباً یہ دوسرا قیاس ہی قرین صواب ہے۔

ایک مندر میں بڑھ کے ایک مجسمہ کا ٹکڑا ملا ہے اس میں صرف پاؤں اور لباس کا بچلا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ یہ پاؤں اڑی سے آنچوٹھے تک ۵ فٹ ۳ انچ لمبے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجسمہ قریباً ۲۵ فٹ بلند ہوگا ایک اور چھوٹے ستوپے سے سلطنت کشاں کے ۵ فٹ لمبے سیکھے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔

ان ستوپوں اور مندروں کے ساتھ بعض دوسری عمارت بھی ہیں۔ ایک گلی میں بڑھ کی دو بڑی بڑی مورتیں پائی گئی ہیں جن کے سر منائے ہوئے ہیں لیکن مورت کی وضع سے حالت استعراق ظاہر ہوتی ہے۔ ان ستوپوں سے ذرا آگے ایک کھلے میدان میں ایک تالاب برآمد ہوا ہے جس کے پہلوؤں میں چار چھوٹے چھوٹے ستوپے اور ہیں۔ یہ تالاب تو آبی یا ریتھیا کی عمدہ بنا ہوئی ہوگی ہے۔ ایک ستوپے کے اندر سے برتن میں رکھی ہوئی کچھ راکھ اور عمدہ کشنگ کے چند سیکھے بھی ہیں۔

ان کے علاوہ اور کئی طرح کے تبرکات اور بڑھ کی مختلف حالتوں کی مورتیاں اور قدیم سیکھے بھی ہیں جن سے ٹھکلا کی تاریخ پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے۔

#### کنال ستوپہ

دوسرا ستوپہ جو کھدائی سے برآمد ہوا ہے وہ ستوپہ کنال کے نام سے موسوم ہے۔ ہوائی جو آنگ (چین کا شہر سیاح) جب ٹھکلا آیا تھا تو وہ اسی شہر میں مقیم ہوا تھا۔ اسے آجکل سرسک کہتے ہیں۔ شہر کے مضامین میں جن چار بڑھ یا دکاروں کا اس سیاح نے ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک راجہ ایلا پتراسکا تالاب تھا۔ یہ متبرک تالاب جن آدمیوں میں واقع تھا جسے آجکل پتھر صاحب کہتے ہیں اور جس کے متعلق ان کی کئی عجیب غریب روایات مشہور ہیں۔ دوسرا ایک ستوپہ ہے جس سے بڑھ کی ایک پیشین گوئی کے مطابق خزانہ برآمد ہونا چاہئے تھا۔ تیسرا دیہہ سردالا ستوپہ ہے جسے راجہ اشوک نے تعمیر کرایا تھا۔ جو چھوٹا ستوپہ ہے جسے راجہ

اشوک نے اس مقام پر بنوایا تھا جہاں ایک روایت کے مطابق اس کے بیٹے کنال کی آنکھیں اُس کی سوتیلی ماں نے بھڑکادی تھیں۔

ستوپہ کنال شہر سرکپ کے مشرقی جانب واقع ہے۔ اس کی کرسی شمالاً جنوباً ۱۰ فٹ لمبی، اور شرقاً غرباً ۶ فٹ چوڑی ہے۔ یہ ستوپہ تیسری یا چوتھی صدی عیسوی کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کچھ چھوٹا سا ستوپہ اس ستوپے کے اندر سے بھی برآمد ہوا ہے۔

ستوپہ کنال کے نزدیک ایک خانقاہ بھی ہے۔ اس کی دیواریں جو ۱۳-۱۴ فٹ بلند تھیں اب بھی کبھی کبھی باقی ہیں۔ یہ خانقاہ قریباً دو سو فٹ لمبی اور ڈیڑھ سو فٹ چوڑی ہے۔ چاروں طرف برآمدے اور حجرے بنے ہوئے ہیں۔

#### شہر سرکپ

شہر سرکپ کے کھدائیوں سے تمام شہر کا پورا پورا نقشہ ظاہر ہوتا ہے۔ مکانات، بازار، دکانیں، گلیاں، چوک، شاہی محل، چھوٹے چھوٹے ستوپے، مندر، یونیورسٹی کی عمارت، تمام کی تمام نمودار ہو چکی ہیں

#### برآمد شدہ اشیاء

اس شہر کی کھدائی سے ایک کثیر تعداد مختلف اشیاء برآمد ہوئی ہے۔ جن کا صرف اجمالی ذکر کیا جا سکتا ہے:

مٹی کے مختلف برتن۔ پانی پینے کے پیالے۔ بڑے بڑے گھڑے۔ بچہ مٹی کی چھوٹی چھوٹی مورتیں۔ کھلونے۔ سادہ اور نقش دار پشتریاں۔ آہنی برتن، پھاڑے۔ کرسیاں۔ تپائیاں۔ گھوڑوں کی لٹکائیں۔ کجیاں۔ تلواریں۔ تیر کاٹنی اور تانے کے برتن۔ عطر دان کئی ہزار سکے۔ سونے چاندی کے زیور۔ مثلاً طلائی کنگھنوں کی جوڑیاں۔ طلائی بالیوں کا ایک جوڑا۔ طلائی جھکے طلائی جھومر۔ سونے کی انگشتریاں۔ طلائی زنجیریں۔ طلائی ہار۔ طلائی توڑے طلائی آویزے جن میں یا قوت کے نیچے لٹھے ہوئے ہیں۔ طلائی سیکے۔ طلائی تمنے۔ عقیق۔ یا قوت اور شیشے کے نیچے مختلف سیکے اور سیکے ڈھالنے کے سانچے وغیرہ وغیرہ۔

بہت سی چیزیں جو اس وقت کی تہذیب، تعلیم، تاریخ، اور مذہب پر روشنی ڈالتی ہیں۔ دستیاب ہو چکی ہیں۔

#### جندیاں کے ٹیلے

شہر سرکپ کے شمال کی جانب کچھ کھدائی سے گزر کر جندیاں کے دو ادبے ادبے ٹیلے ہیں ان میں سے ایک ٹیلے کی کھدائی سے ایک مندر کے کھنڈر... برآمد ہوئے ہیں۔ یہ مندر ایک مصنوعی ٹیلے پر جو سطح زمین سے ۲۵ فٹ بلند ہے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس مندر کا طول ۸۰ فٹ ہے۔ اب تک یقین معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ مندر کس مذہب کا ہے؟ البتہ یہ ظاہر ہے کہ تواری پارٹھیا کی مہم میں جب ٹھکلا میں زرتشتیوں کا زور تھا، تعمیر ہوا تھا۔

دوسرا ٹیلہ پہلے ٹیلے سے ذرا پچھم کی طرف ہے۔ اس ٹیلے پر بھی ایک بہت بڑی عمارت کے کھنڈر... موجود ہیں انہی ٹیلوں کے قریب دو اور چھوٹے ٹیلے بھی ہیں۔ ان میں سے ایک کے اندر سے ایک ستوپہ برآمد ہوا ہے اور دوسرے سے ایک ستوپہ کے آثار۔

#### شہر سرسک

سرسکپ والے مندر سے قریب ڈیڑھ میل خانہ کی طرف شہر سرسک کے کھنڈرات ہیں۔ یہ شہر ٹھکلا کا سب سے آخری اور جدید شہر ہے۔ غالباً راجہ کشنگ نے آباد کیا تھا۔ شہر کی فصیل ساڑھے اٹھارہ فٹ موٹی ہے۔ اور فصیل کے باہر بیچ میں سرسک کا عام نقشہ قریب قریب متطبیق ہے۔ یہاں سو چند تانے کے بچے

## کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا میں بہترین فائنٹن سٹلم

امیرکن کاخانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“ قلم ہو؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ

یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی

زندگی بھر کام دے سکتا ہو۔

(۳) آتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور زری

بیل بوٹوں سے فرین کہ آتنا خوبصورت

قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے سیکھے

یا درکھے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو

آپ کو ”شیفر“ کا

”لائف ٹائم“

لینا چاہئے!

اس ستوپے کا کوئی نشان باقی نہیں کیونکہ جو ستوپہ موجود ہو وہ  
تیسری یا چوتھی صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں ہو سکتا۔ ستوپے  
کے سامنے ایک وسیع صحن ہو اور چاروں طرف کدوں اور ایک  
خانقاہ کے آثار ہیں۔

شہر ”بھڑ“

شہر بھڑ جو بھڑا کا سب سے قدیمی شہر، موضع بھڑ درگاہی  
کے پاس ہو۔ یہاں سے مٹی کے برتن، مٹی کی موتیں، چاندی  
کے کھوٹے سبکے، طلائی زیورات (چوڑی اور آویزہ وغیرہ) موتی  
نیل، یا قوت، مونگے، اور دیگر قیمتی پتھروں کے منکے، ایک تنگ  
ڈارک کدوں، اور اس کنویں سے خالی سبکے ایک دوسرے کے  
اوپر رکھے ہوئے، برآمد ہوئے ہیں۔ بعض اندرونی شہا دتوں کو  
معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیور... تیسری صدی قبل مسیح میں یہاں لکھو گئے تھے۔

## اگر آپ کو

دومہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی

شکایت ہو، تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے

سے قریب دوا فروش کی دکان

سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی مشہور عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجئے!

بھی دانت کا بنا ہوا ایک آئنے کا دستہ، اور شاہنشاہ اکبر کے  
زمانے کے کچھ پیسے برآمد ہوئے ہیں۔

لال چک کے آثار

سر سیک کے شمال مشرق میں ڈیرہ سوگر کے فاصلہ پر چار چھوٹے  
چھوٹے ٹیلے تھے جنہیں آجکل لال چک کہتے ہیں۔ ان ٹیلوں کے  
نیچے سے بچھ مذہب والوں کی ایک آبادی کے آثار نکلتے ہیں۔ ان  
میں ستوپے، مندر، اور خانقاہیں ہیں۔ یہ غالباً چوتھی صدی عیسوی  
کی تعمیرات ہیں۔ ان کھنڈروں سے عہد قلاتی کے کئی نفرتی سبکے  
بھی برآمد ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارتیں چھٹی یا ساتویں  
صدی عیسوی سے پہلے بلکہ سونڈ زمین ہو گئیں۔ ایک ستوپے کی  
اندرونی بھرتی سے مختلف زمانوں اور مختلف بادشاہوں کے ایک  
سوچا لیس سبکے دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک اور چھوٹے ستوپے کی  
بنیادی چٹائی میں سے سونے، یا قوت، نعل، شیش، اور سیت  
کے تیس منکے ملے ہیں۔ لیکن یادگاری ٹیڈی کا کوئی نشان باقی  
نہیں رہا ہے۔

بادل پور کا ستوپہ

بادل پور کا ستوپہ جو موضع بھیر کے قریب واقع ہو، دستبرد  
زمانہ کا زیادہ شکار ہوا۔ کرسی کے سوا اس کے آثار بہت کم باقی  
ہیں۔ اس ستوپے کے مشرق کی طرف ایک وسیع خانقاہ کے بھی  
کھنڈروں ہیں جو سبکے یہاں سے برآمد ہوئے ہیں، وہ تمام کھنڈر  
ہوشک، اور واسو دیو (یعنی شاہان کشان) کے عہد کے ہیں۔ یہ  
غالباً تیسری صدی عیسوی کی تعمیر ہے۔

مصور دیواریں

مذہب عمارات کے وہ سلسلے جو موٹرو مراد اور جلیان کے نزد  
واقع ہیں، نہایت محفوظ حالت میں برآمد ہوئے ہیں۔ یہاں  
بعض ستوپے ایسے ہیں جن کی تمام سطح پر تصویریں ہی تصویریں بنی  
ہوئی ہیں۔ ان ستوپوں کے ساتھ خانقاہیں بھی ہیں۔ کچھ عرصہ  
پہلے بعض پرانے کنوؤں کے کھنڈر... بھی نظر آتے تھے جو اب بھر  
چنے ہیں اور ان پر کاشت ہوئی ہو۔ خانقاہوں میں چاروں طرف  
حجرے تھے۔ ایک گوشہ میں نل خانہ، مجلس خانہ، بادچی خانہ، نعت  
خانہ، اور اخبار خانہ تھا۔ ان مقامات پر مذہب کی حالت استغراق  
کی کئی مورتیاں ہیں۔

نگہلائی آتشزدگی

جس آگ سے یہ عمارات تباہ ہوئیں وہ پانچویں صدی عیسوی  
سے پہلے کی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان چھوڑوں میں سے ایک یا قوت  
کی جلی ہوئی مہر برآمد ہوئی ہو جس پر عہد گپتا کے براہمی خط میں یہ  
الفاظ کندہ ہیں ”سری کلپش را داسی“ اسی عہد کی ایک اور  
تخیر بھوج پتھر لکھی ہوئی بھی ملی ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ  
آتش زدگی کا حادثہ عہد گپتا سے پیشتر کا نہیں ہو سکتا، اور اس  
کا زمانہ پانچویں صدی عیسوی کا زمانہ ہو۔ یہاں سے سانسانی  
کشانی نمونے کے چند کھوٹے سکے، آہنی تینجیں، قبضے، تانبے  
کے زیور، اور مٹی کی مورتیں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔

ایک زیر تعقیب حصہ

بھلڑ ستوپہ کے قریب بچھ مذہب کی یادگاروں کا ایک اہم  
سلسلہ بھی زیر تعقیب (کھدائی) ہو۔ یہ سلسلہ سرے کا لاکھلیان  
ریلوے لائن کے قریب، سرے کا لاسے ہیل اور دریائے ہرد  
سے نصف میل کے فاصلہ پر واقع ہو۔ ہولان جو آگ کا بیان ہو  
کہ بھلڑ ستوپہ شاہنشاہ اشوک نے اس مقام پر بنایا تھا، جہاں  
ہماتیا بچھ نے اپنے سابق جنم میں اپنا سر قربان کیا تھا۔ اس وقت

# برید فرنگ

## مکتوب فرانس

(الہلال کے مقالہ نگار پیرس کے قلم سے)

### شیخ سنوسی - اور امریکہ کی کامیابیوں کی مہم

#### شیخ سنوسی

اس مہمہ اخبار "طان" نے اپنے ایک نامہ نگار کا ہنایت دلچسپ مضمون شائع کیا ہے۔ یہ نامہ نگار ملک عسیر (سین) گیا تھا اور مشہور مجاہد المہدی السید احمد الشریف یعنی شیخ سنوسی سے ملاقات حاصل کی تھی۔ یہ مضمون دراصل اسی ملاقات کے متعلق ہو ذیل میں اس کے اہم حصے ملاحظہ ہوں:

#### شیخ سنوسی کی شخصیت

شیخ سنوسی بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو کچھ مدت پہلے صاحب اختیار وقت تھے۔ ان کا نام دول یورپ کے دلوں پر برعکس کر دیتا تھا۔ ان کی شخصیت تمام دنیا میں خاص اہمیت رکھتی تھی لیکن جس طرح جنگ عظیم نے بڑے بڑے بادشاہوں کے تاج ان کے سروں سے اتار بیٹھکے، اسی طرح صحرا کے اس درویش پادشاہ کو بھی اس کی حکومت سے محروم کر دیا۔ آج یہ اولو عزم انسان جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ لیکن اس پر بھی اس کی شخصیت اب بھی اتنی ہی دزنی ہو جتنی کبھی تھی، بلکہ وہ مغزوں فرماؤں دلوں میں اس وقت سب سے زیادہ با اثر، مغز، اور طاقتور ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کی پادشاہی صرف گوشت پوست کے پتلوں پر قائم نہ تھی کہ ان کے ڈٹتے ہی وہ بے حد قدرت ہو جاتا۔ اس کی حکومت جہوں کے ساتھ ساتھ دلوں اور دلوں پر بھی قائم تھی۔ وہ اب بھی قائم ہے اور کوئی انسانی قوت اسے زائل نہیں کر سکتی۔

شیخ سنوسی آجکل عسیر میں موجود ہیں۔ عسیر سے ان کے دینیہ خاندانی تعلقات ہیں۔ شیخ سنوسی کے دادا سید محمد سنوسی، سید احمد ادیبی کے شاگرد اور مرید تھے اور انہی کے حکم سے طرابلس گئے تھے اس رشتہ کی وجہ سے شیخ سنوسی کا عسیر میں بہت اثر ہے۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت عسیر کی حکومت شیخ سنوسی ہی کے ہاتھ میں ہے۔ عسیر میں اگر انھوں نے دو کام بہت اہم کئے۔ ایک یہ کہ امیر علی ادیبی کو مغزوں کر دیا جو ایک اسمیہ نوجوان تھا اور اس کی جگہ اس کے چچا امیر حرن ادیبی کو حاکم بنا دیا جو مدبر اور دانشمند آدمی ہے۔ دوسرا کام یہ کیا کہ محمد عسیر میں معاہدہ کر کے عسیر کو یورپین اقتدار سے بچالیا۔

#### عسیر کے قلعہ میں

شیخ سنوسی سے مجھے قلعہ میں شرف ملاقات حاصل ہوا۔ رات کا وقت تھا۔ ڈو غلام ہائے سامنے روشن موی بیتاں لئے چل رہے تھے اور پیچھے دس بارہ سپاہی تنگی تلواریں لئے ساتھ

درویشوں کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنے والوں کی غلطی ہے۔ ہماری خانقاہ بیک وقت مسجد، مسافر خانہ، مدرسہ اور فوجی بارک ہے۔ ہر خانقاہ کا شیخ بیک وقت مہاذ کا امام، مدرسہ کا معلم، مجلس کا داعی اور فوج کا سپہ سالار ہے۔ تمام صحرا و افریقہ ہماری خانقاہوں سے لبریز ہے۔ تمام خانقاہیں صرف ایک مرکز کے تابع ہیں اور اس مرکز کا امام خود ہیں!

”ہماری تحریک صرف طرابلس ہی میں عام نہیں ہے بلکہ سوا مصر، حجاز اور یمن تک میں پھیلی ہوئی ہے۔ بلاشبہ ان ملکوں میں اسے سیاسی قوت اپنے ہاتھ میں نہیں لی ہے لیکن جب ہم چاہیں ہزاروں مجاہدان علاقوں سے حاصل کر سکتے ہیں“

#### اٹلی نے کیا حاصل کیا؟

”میری عدم موجودگی میں بھی طرابلس اور بنی غازی میں سنی اٹلی سے نبرد آزما کر رہے ہیں اور ہمیشہ یوں ہی کرتے رہیں گے۔ وہاں میرے چچا کا لڑکا میرا قائم مقام ہے اور مرکز ذلت قبول نہیں کر سکتا۔ اتنی طویل اور خونریز جنگوں کے بعد بھی اٹلی اس مسئلہ سے کچھ زیادہ دور تک نہ جاسکا۔ اندرون ملک پر اٹلی کا قبضہ بحال ہے“

#### صحرائی جنت

”مصریوں کے ہاتھ سے جنوری“ جنت ہے، جنتیں کراٹلی طے خوش ہو رہی ہیں کہ اب ہم سنوسوں کو ماریں گے!“ لیکن یہ بھی ان کی سخت غلطی ہے۔ جنوری ہمارا ایک مقدس شہر ہے، صرف اس وجہ سے نہیں کہ وہاں محمد سنوسی (رح) کی قبر ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ وہ ہمارا عقلی مرکز ہے۔ وہیں ہماری سب سے بڑی علمی جامعہ (یونیورسٹی) ہے ہم نے اس صحرائی خطہ کو جنت بنا دیا ہے۔ اس میں ہنس جاری کی ہیں اور پورا شہر آباد کر دیا ہے۔ جنوری پر قبضہ اٹلی کی ایک بڑی سیاسی غلطی ہے۔ مغربی اُسے اپنی اس حالت کی سزا دل جائے گی۔ ہم اپنے اس متبرک شہر کو مرکز اٹلی کے علم کے نیچے نہیں دیکھ سکتے۔ ہم اپنے خون سے اسے دوبارہ خرید لیں گے!

#### طرابلسی جنیت

”ہم سے اٹلی کہتا ہے“ ہماری جنیت قبول کرلو“ ہرگز نہیں! یہ ہمارا جواب ہے اور قیامت تک یہی جواب رہے گا۔ میں اپنی اڑ اپنے چہرے بھائی اور تمام سنوسوں کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اپنی محمدین کٹاؤ دینا ہمارے لئے اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ طرابلسی (اٹالین) جنیت کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر لیں میں صحرا کا باشندہ تھا۔ اب حکومت حجاز کی رعیت ہوں۔ اگر حالات مجھ پر اس جنیت کی محافظت نہ کرنے دیں تو میں مصری ہونا پسند کروں گا۔ میں مصریوں سے محبت کرتا ہوں۔ میں مصریوں کا شکر گزار ہوں۔ میں مذکی بھران کا احسان مند ہوں گا۔ کیونکہ انھوں نے اپنے طرابلسی بھائیوں کی بڑی مدد کی تھی اور جنوری کی بڑی شجاعت سے مدافعت کی تھی۔ وہ جنوری جو سلطان محمد نے ہیں مصری دفع سے بخش دیا تھا“

#### اسلامی روح

شیخ سنوسی بڑے عہد، جوش، اور تلخی سے تقرر کر رہے تھے۔ اچانک وہ چپ ہو گئے۔ شاید سناٹے لگے۔ پھر انھوں نے مجھ سے کہا:

”جب تم یورپ پہنچا تو اٹلی والوں سے کہنا کہ انھوں نے اب تک اسلامی روح نہیں سمجھی ہے۔ اگر کبھی ہونی تو ہرگز بغل نہ کرتے کہ جنوری پر قبضہ کر کے وہ ہیں زیر کر لیں گے۔ بہت سی ملتیں جو آج بڑی ہیں کل چھوٹی ہو جائیں گی۔ جرمنی اور روس کو دیکھو

تھے۔ پچھلے پر ہم ایک لمحہ رکنے پر مجبور ہوئے کیونکہ ایک سنوری کو بچھڑنے کاٹ لیا تھا۔

ہم صحن میں پہنچے۔ جا بجا نوکر چاکر بیٹھے تھے۔ ہمیں کچھ کھڑک ہو گئے۔ پھر ایک تنگ دروازے میں گھسے اور ایک دوسرے صحن میں پہنچے۔ یہ بالکل خالی تھا۔ ہم برابر ایک صحن سے دوسرے صحن میں پہنچتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک کعبہ شکل کی مختصر عمارت کے سامنے پہنچے۔ یہی شیخ سنوسی سے ملاقات کی جگہ ہے۔

#### شیخ سنوسی کا حلیہ

میں اندر داخل ہوا تو جلیل القدر شیخ کو اپنے انتظار میں پایا۔ موصوف کا قدریہ، جسم لاغر، صورت مراکشی، رنگ گرا، ناک بڑی اور غیبی، داڑھی لمبی اور چھوٹی، مونچھیں لمبی اور تلی۔ لباس مراکشی۔ اس حال میں وہ مجھ سے ملے۔ ملاقات کے وقت ان کے اعصاب میں سخت ہجماں تھا اور نہایت غضبناک معلوم ہوتے تھے۔ میں تالین پر بیٹھ گیا۔ شیخ میرے سامنے تھے۔ ذرا نے میرا تارن ان غفلتوں میں کرایا۔ یہ بڑے شریف آدمی ہیں ان کی بات پر بھر دیکھا جاسکتا ہے“

#### شیخ سنوسی کا جوش

شیخ نے بڑے ہی جوش سے تقریر شروع کر دی۔ اٹلی کا نام جب زبان پر آتا تھا تو دانت پیستے تھے ”ہم سنوسی آزادی کیساتھ زندہ رہیں گے اور آزادی میں گئے“ شیخ نے قراؤد آواز میں کہا ”ہم موت کے آخری لمحہ تک یورپین ملک گیری سے لڑینگے بہت ممکن ہے کہ آج ہم فتح حاصل نہ کر سکیں۔ لیکن میدان سیاست میں ہمیشہ اچھے موٹے آتے رہتے ہیں۔ مغرب ہمارا مودعہ بھی آجائے گا“

#### آزادی کی قیمت

”بعض ایسی سلطنتیں بھی موجود ہیں جو ہم سے کہتی ہیں اپنی تلوار نیام میں رکھ لو، ہم تمہیں اتنی اتنی دولت دیتے ہیں!“ یہ وہ سلطنتیں ہیں جو علم و حکمت کی دعویٰ دہیں۔ مگر وہ عربی علم النفس سے قطعاً جاہل ہیں۔ اگر وہ باطل اُحد کے برابر بھی ہیں سو فاقول دیں، اور افریقہ کی پوری ریگ کو الماس زمر دبا دیں، جب بھی ہمارا یہی جواب ہوگا ”نہیں!“ آزادی، چاندی سونے اور ہیرے اور موتی سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہے۔ وہ کسی حیت پر بھی فروخت نہیں کی جاسکتی“

#### سنوسی طریقہ

یورپ میں شاید ہی سمجھا جاتا ہے کہ سنویت محض ایک بدوی

آدل نے کیسی سخت شکست اٹھائی؟ دوسری طرح پارہ پارہ ہو گئی؟ لیکن پھر چند دنوں کے بعد صورت حال میں انقلاب ہوا۔ آج وہ پھر دنیا کی عظیم سلطنت بن گئی ہیں۔ اسی طرح آج اٹلی تو ہوا درہم ضعیف ہیں، لیکن کون جانتا ہے کل کیا ہوگا؟ کیا اٹلی کے پاس کوئی ضمانت موجود ہے کہ اس کی قوت ہمیشہ لوں ہی برقرار رہے گی اور ہم کبھی کرپٹ نہیں لینگے؟ میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔“

غلامی یا سیاہ موت!

”میں ہرگز ہرگز اٹلی کی ملک گیر پالیسی کے آگے جھک نہیں سکتا۔ یہ ناممکن ہے! بالکل ناممکن ہے! قیامت تک ناممکن ہے! میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے خوں ریزی مرغوب ہے۔ میں ہرگز جنگ کا خواہشمند نہیں ہوں۔ میں صلح چاہتا ہوں۔ اٹلی سے بھی صلح چاہتا ہوں۔ مگر صلح کی بنیاد کیا ہے؟ کیا غلامی؟ ہرگز نہیں۔ غلامی سے پہلے موت سیاہ موت! پھر کیا ہو؟ اقتصادی اقتیارات؟ میں شروع سے کہہ رہا ہوں کہ اقتصادی اقتیارات دینے کو آمادہ ہوں۔ لیکن یہ اس وقت جب طرابلس کی سرزمین پر اٹلی کا ایک سپاہی بھی باقی نہ ہو اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر اس کے ہوا پارہ نہیں کر جنگ! موت تک جنگ! قیامت تک جنگ!“

شیخ سنوسی کا غصہ

اب شیخ سنوسی کا غصہ حد بیان سے تجاوز کر چکا تھا۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہے تھے۔ آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ میں نے آج تک کبھی کسی آدمی کو اتنے غیظ و غضب میں نہیں دیکھا۔ ہرگز اپنی اس حالت کی پردہ پوشی نہیں کرنی چاہتا کہ ان کا غصہ دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا تھا!

دیر تک چپ رہنے کے بعد انھوں نے جرمنی کی تعریف شروع کی اور ہنٹنبرگ کو بہت سراہا۔ میں سمجھا اب غصہ ٹھنڈا ہو گیا مگر اچانک وہ پھر زور سے چلائے، ”جنوب! اٹلی والوں سے کہدینا کہ آزادی یا موت!“

وہ جوش سے بالکل بخود ہو گئے۔ کچھ اور کہنا چاہتے تھے۔ مگر ان کا جوش و غضب دیکھ کر میں نے یہی بات موزوں سمجھی کہ مجلس ختم ہو جائے۔ خلاف دستور میں نے رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔ شیخ بالکل خاموش ہو گئے۔ مگر تمام بدن سے کانپ رہے تھے انھوں نے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید کہہ ہی نہ سکے صرف ہاتھ کے اشارے سے مجھے خدا حافظ کہا۔

نیویارک سے پریس تک

میں اپنے پچھلے کتب میں کپتان نجیب کا مفصل ذکر کر چکا ہوں کہ کس طرح وہ پریس سے ہوائی جہاز پر نیویارک کے لئے روانہ ہوا اور لاپتہ ہو گیا۔ کپتان نجیب کی داستان، فرانس کی عظمت کی داستان بھی، اب امریکہ کی عظمت کی داستان بھی سن لیجئے۔ آج پورا پریس، دل شکستہ پریس، چارلس لنڈرگ کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہے۔ یہ ۲۲ سالہ نوجوان، امریکہ کی پوری عظمت کا نشان ہے!

کپتان نجیب ایک پرباد میں بحر اعظم اٹلانٹک بحر نہ کر سکا۔ اس کی عمر ۳۳ سال کی تھی۔ امریکہ کا ہوائی خارجہ چارلس سم میں کامیاب ہو گیا۔ آج تمام دنیا کی نظریں اس نوجوان کے چہرے پر گڑھی ہوئی ہیں جس کے رخسار ہنوز بچپن کے بھولے پن سے لبریز ہیں مگر جس کے دلیں بچپن اور دانشمندی کا خون بھرا ہوا ہے!

اس نے اپنا ہوائی جہاز خود اپنی گمرانی میں بنوایا تھا اس کا نام ”گوارہ موت“ رکھا تھا۔ اس کی چھت اکری تھی۔ لوگوں کو حیرت

تھی کہ ایسے معمولی جہاز سے یہ ہم کیسے سر کی جاسکتی ہو؟ روانگی کی رات کو ہوا باز نے اپنا بہت سادہ نیویارک کے ایک سینا میں گزارا۔

والسی پر اسے خادم کو ہدایت کی کہ ٹھیک بجے رات کو جگائے۔ چنانچہ اس وقت سے اپنے جہاز کے پرزدوں کا معائنہ کرتا رہا۔ پھر امریکن گھڑی کے حساب سے ٹھیک بجکر ۱۲ منٹ صبح، اور یورپین گھڑی کے حساب ۱۰ بجکر ۱۲ منٹ پر کو نیویارک پہنچی ہوئی اسٹیشن کو آگیا۔ یہ اسٹیشن کھلا کھلا۔

اس کی گود میں اس کی عزیز سیاح بلی بھی تھی اور وہ اسے اپنے ساتھ لیجا چاہتا تھا۔ مگر بعد میں یہ خیال کر کے کراہتی لمبڈی پر پہنچ کر وہ شاید زندہ نہ رہے گی، اپنے ایک دوست کو یہ کہتے ہوئے دیدی۔ ”یہ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ اس کی خوب خاطر کرنا!“ جب جہاز کے انجن نے حرکت کی تو اس کا ایک دوست رونے لگا۔ ہوا باز نے کہا ”کیوں روتے ہو؟ رونے کی کوئی وجہ نہیں خدا حافظ!“ اب گوارہ موت“ ہوا میں تھا!

روانگی کے بعد نوجوان کی ماں نے کہا ”چاؤلی، ضرور پریس پہنچ جائے گا۔ مجھے یقین ہے۔ اگر جہاز میں جگہ ہوتی تو میں بھی اس کے ساتھ سفر کرتی!“ زندہ قوم کی عورتوں کا یہ حال ہے!

۲۱ مئی کی شام کو ”گوارہ موت“ پریس میں تھا اچانک اترتے ہی امریکن سفارتخانہ کا ڈاکٹر دوڑا اور ہوا باز کی سائنہ کرنا چاہا۔ بہادر لڑکے نے ڈاکٹر کو روک دیا ”کوئی ضرورت نہیں میں ذرا بھی تھکا نہیں ہوں“

پھر حاضرین کے اصرار پر اسے اپنے اس حیرت انگیز سفر کے متعلق صرف اس قدر کہا:

”نیویارک کے صدر خانے نے اڑنے سے پہلے مجھے خبر دی کہ فضا کی حالت بہت ہی خراب ہے۔ راستہ میں مجھ اس کی پوری دیکھنا ہو گئی۔ ۱۶۰۰ کیلو میٹر مسافت میں نے سخت برفانی آندھریوں میں طے کی۔ میں اس طوفان سے بچنے کے لئے کبھی ۳۰۰۰ فٹ بلندی پر اڑتا تھا اور کبھی اتنا نیچا ہوتا تھا کہ سمندر کو چھو سکتا تھا میں اس حال میں سطح سمندر سے صرف ۲ فٹ بلندی پر ہوتا تھا۔ راستہ بھر مجھے ذرا بھی نیند محسوس نہیں ہوئی۔ میں ایک ایسی حالت میں تھا جو نیند کی حالت قبول نہیں کر سکتی تھی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ پریس سے بھی آگے تک میں جا سکتا تھا۔ کیونکہ میرے جہاز میں کافی ٹیبلرینج رہا ہے“

اس گفتگو کے بعد ہوا باز آرام کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے دن امریکن سفارتخانے میں اسے مدعو کیا۔ یہاں سیف نے بے تار کی تابرقی کے ذریعہ نوجوان کی ماں سے گفتگو کا انتظام کر رکھا تھا۔

”ہیلو“ ہوا باز نے اپنی ماں کو مخاطب کیا ”معاذ کچھ بھی نہ تھا! تم خیریت سے ہو گی۔ میں بالکل تندرست ہوں۔ تم سر ہو گئی!“

”سب سے زیادہ کٹھن گھڑی کون سی تھی؟“ اخبار نویسوں نے سوال کیا۔

”سب سے زیادہ کٹھن گھڑی، پریس پہنچنے اور لاکھوں آدمیوں کے ہجوم میں کھڑے ہونے کی گھڑی تھی“ ہوا باز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ”نیویارک سے پرواز بہت ہی تکلیف دہ تھی میں سمجھتا تھا اس سے زیادہ تکلیف پیش نہیں آئے گی۔ لیکن ہمنڈ پر پہنچنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ تکلیف کچھ بھی نہ تھی۔ میں اب نہایت ہی تکلیف کمر میں گھر گیا تھا۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا برت کی ہولناک بارش ہو رہی تھی اور میں بار بار بہت ہار جاتا تھا میں نے ٹری کو شیش کی کبرفانی طوفان کے ادھر بیکل جاؤں مگر

کامیابی نہیں ہوئی۔ اس وقت میں نے ناامیدی محسوس کی اور دلچسپی کا خیال کیا۔ مگر کامیابی کی ذلت، موت سے زیادہ سخت تھی۔ میں نے اپنے دل سے کہا ”ایک دن مرنا ہو۔ کچھ پرواہ نہیں اگر اسی سمندر میں قریب جائے“ میں برابر جدوجہد کرتا رہا یہاں تک کہ طوفان بیکل گیا اور موسم خوشگوار ہو گیا۔ دو چکر دن دوپہر کے قریب مجھے سمندر میں ماہی گیروں کی چند بادبانی کشتیاں نظر آئیں۔ اب میری مسرت ناقابل بیان تھی۔ میں بالکل نیچے اتر آیا۔ قریب تھا میرا جہاز کشتیوں کے مسئول سے ٹکرا جائے۔ میں نے غصا کر کہا ”کیا یہی آرٹیکٹڈ کا راستہ ہے؟“ وہ حیرت سے میرے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ شاید مجھے مجبور سمجھے۔ انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور میں نے سنا نہیں۔ بہر حال تقریباً ۱۰ بجے شام کو مجھے دُور زمین دکھائی دی۔ میں پھر نیچے اتر آیا اور غصے سے وہ منگلا چٹانیں دیکھیں جو سمندر میں بھوتوں کی طرح سرکلے کھڑی تھیں۔ میں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ آرٹیکٹڈ ہے۔ اب مجھ اس کی کامیابی کا یقین تھا۔ میں آرٹیکٹڈ اور انٹیکٹڈ کی فضا میں بالکل نیچے اڑ رہا تھا مگر کسی نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں راستہ بھول نہیں۔ سیدھا پریس آگیا۔ لیکن عین وقت پر یہاں کے ہوائی اسٹیشن کا راستہ بھول گیا۔ مگر زیادہ وقت نہیں ہوئی۔ اسٹیشن کی روشنی نے میری رہنمائی کی“

اس گفتگو کے بعد ہوا باز کپتان نجیب کی ماں سے مل گیا۔ پریس کی نا زنینوں نے جو خوبصورت تجزیہ کھینچا ہے، اسے دیکھا تو چلا میں ”واقعی یہ خوبصورت جواب“

غرض کہ وہ ہوائی مہم سر ہو گئی جواب تک ناممکن معلوم ہوتی تھی، نیویارک سے پریس تک ۶ ہزار کیلو میٹر کی مسافت ایک پرواز میں طے ہو گئی اور صرف ساڑھے ۲۳ گھنٹوں کی مدت میں! ۲۵ ہزار ڈالر مہم سر کرنے والے کے لئے انعام تھا۔ ۲۲ سالہ نوجوان چارلس نے اسے حاصل کر لیا!

دنیا کی بہترین پینل

امریکن کارخانہ شیفر کی

”لائف ٹائم“ پینل ہے

اس کے

(۱) ”لائف ٹائم“ یعنی عمر بھر کے لئے کافی ہے۔

(۲) اس کا خول اس قدر خوشنما اور دیدہ زیب ہے کہ دنیا کی کوئی پینل خوبصورتی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(۳) اندازنی میں بھی تمام قسم کی پنلوں کا مقابلہ کرتی ہے

یاد رکھئے

”ایکولائف ٹائم“ پینل خریدنی ہے!



# مقالہ

## اسلام اور شناسم

۳

### عصیت نسل وطن

گذشتہ مجلس میں ہم اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ اسلام کی دعوت "انسانیت" اور "انسانی برادری" کی دعوت تھی۔ اس لئے اس کا رجحان ان تمام تعصبات کے خلاف تھا جو نسل و وطن کے فوارے سے پیدا ہو گئے تھے۔ اب ضروری ہے کہ مختصر عصیت نسل وطن کی بھی تشریح کر دی جائے تاکہ واضح ہو جائے کہ اسلام کی روح جس چیز کی مخالفت ہے، وہ صلات اور زمین میں کیا ہے؟ دو چیزیں ہیں: ایک نسل و وطن کا تحفظ ہے۔ ایک نسل و وطن کا تعصب ہے۔ اسلام کی روح تعصب کی مخالفت ہے۔ تحفظ کی مخالفت نہیں ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ جب کبھی کوئی اس طرح کا دائرہ بناتا ہے، تو گو اس کی ابتدا تحفظ کے جذبات سے ہوتی ہے، لیکن آگے چل کر تحفظ تعصب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پہلے انسانوں کی ایک جماعت و وطنیت اور قومیت کا دائرہ اس لئے کھینچتی ہے تاکہ اس کے اندر دوسروں کے غلوں سے اپنی حفاظت کرے، یہ قومیت "دفاعی قومیت" ہوتی ہے لیکن جب کچھ عرصہ تک یہ دائرہ قائم رہتا ہے تو پھر قومی حفاظت کی جگہ قومی برتری اور وطنیت گھٹنے کا بنا رہتا ہے اور "دفاعی قومیت" اچانک "ہجومی قومیت" کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اب قومیت اپنا بچاؤ ہی نہیں چاہتی۔ دوسروں پر حملہ بھی کرنا چاہتی ہے ساتھ ہی لٹتی اور قومی برتری کا نشہ دوسرے انسانوں سے غلو کی ان کی تحقیر و تذلیل کے جذبات بھی برانگیختہ کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مختلف قومی حلقوں میں باہدگر تقادم شروع ہو جاتا ہے اور انسانیت کے تمام اعلیٰ جذبات افسردہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اس صورت حال کا علاج صرف یہی تھا کہ حتی الامکان تنگ دائرہ کا قیام ہی روک دیا جائے۔ جب کبھی کوئی تنگ دائرہ بنے گا، تو چونکہ یہ حقیقی انسانی دائرہ کی وسعت میں قطعاً برید ہوگی، اس لئے ضروری ہے کہ وسعت نظر و احساس کی جگہ تنگی نظر و ضیق صدر کی بنیادیں پڑ جائیں۔ اسلام نے اسی لئے ان تمام تنگ دائروں کی ہمت افزائی کرنے سے انکار کر دیا، لیکن افسوس ہے کہ دنیا ابھی اتنی بلند نہیں ہوئی تھی کہ اس وسعت نظر کی عمل ہو سکتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کا ایک ایسا دائرہ تین گیا جو تمام پہلے دائروں سے زیادہ وسیع ہو لیکن نوع انسانی کی حد بندیں نہ ٹوٹ سکیں!

وطنی و نسلی عصیت کی اگر تحلیل کی جائے تو تین چیزیں ایسی پائیں گی جن میں خاص خاص نفعوں میں تغیر کر کے بتلایا جاتا تھا کہ اس عصیت کے عناصر کیا ہیں:

(۱) جماعتی تنگ نظری۔

"جماعتی تنگ نظری" سے مقصود یہ ہے کہ جب انسانوں کا کوئی گروہ دوسروں سے الگ ہو کر ایک چھوٹے سے دائرہ کے اندر محصور ہو جاتا ہے، تو اس کا دل تنگ، نظر محدود، اور ظرف کوتاہ ہو جاتا ہے اس کی ذہنیت ایک محدود گوشے کے اندر سسکتے ہو جاتی ہے۔ اس کا جماعتی دماغ تنگی و وسعت، حوصلہ کی فراخی، اور رادوں کی بلندی پیدا نہیں کر سکتا۔ زندگی اور زندگی کے ہر گوشہ میں جان نہ کر و وسعت سے نا آشنا ہو جاتا ہے۔ انسانی ہمدردی کے جذبات بھی بنایت تنگ اور محدود ہو جاتے ہیں۔ وہ صرف اپنے گروہ کے تنگ گوشے ہی کو دیکھتا رہتا ہے۔ اس سے باہر کونسی آخر قابل نہیں کر سکتا۔ وہ انسان ہونے پر بھی نوع انسانی سے الگ ہوتا چاہتا ہے۔ اس میں اور انسانیت میں ایک ناقابل عبور دیوار کھڑی جاتی ہے!

جماعتی مزاج کی اس حالت کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے زیادہ واضح مثال ہندوستان کی ۱۹ ذاتوں کا نظام دکھائی دیتا ہے۔ یہ دنیا کے اس عہد کی سب سے زیادہ طاقتور اور پربالا گروہ ہے جب اس کے قدم "قبیلہ" کی منزل میں ہم چلے گئے۔ "قبیلہ" کی صہندی کو منونے ذات کی تقسیم میں تقسیم کر دیا اور جماعتی صہندی کی حفاظت کے لئے اُنکے اُنکا تنگ کام اور اپنے قرواق کے نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان انسانیت کے تمام اعلیٰ جذبات فنا ہو گئے، اور حلقہ بندی کی ساری تنگ نظریاں اپنی انتہائی حالت میں پیدا ہو گئیں۔ اب دنیا منونے کے عہد سے ہزاروں برس آگے بڑھ چکی ہے لیکن ہندوستان اب بھی طیارہ نہیں ہو کہ ان صہندیوں کی سرحد عبور کر کے انسانیت کی وسعت کی طرف قدم اٹھائے!

(۲) نسلی اور وطنی غرور و دگر۔ دوسری چیز نسلی اور وطنی غرور کی گھٹن ہے اور اس سے بڑھ کر انسانیت اور انسانی حقوق کے لئے کوئی جذبہ ہلک نہیں یہ اعتقاد اور عمل کے تمام گوشے پامال کر دیتا ہے۔ انسانیت، عمل، استعداد، اور حق کی جگہ ایک غیر شعبی معیار فضیلت اپنے نسل اور وطن کا معیار قائم ہو جاتا ہے۔ اس کے قدیم منونے عرب جاہلیت کے غرور و نسب اور ہندوستان کے برہمنوں کے نسلی گھٹن میں نیچے جاسکتے ہیں۔ نئے منونے یورپ کی قومیتوں اور جینیوں کی شکل میں دنیا کے سامنے ہیں۔ علم، استعداد اور رسادات کی اس سے بڑی صدی میں بھی ایک انگیزہ سب سے پہلے انگیزہ ہونے کو اور ایک امر کہ سب سے پہلے امر کہ ہونے پر نظر رکھنا ہے!

البتہ یاد رہے کہ "غرور" اور "خود داری" میں فرق ہے۔ جماعت اور فرد دونوں کے لئے مذہم غرور و دگر ہے۔ خود داری نہیں ہے۔

(۳) جماعتی برتری کا غرور۔ جماعتی برتری کے غرور سے تغیر کرنا چاہئے۔ جب ایک دائرہ وطنیت اور قومیت کا بن جاتا ہے، تو

آہستہ آہستہ قومی برتری کے جذبات نشوونما پانے لگتے ہیں ایک خاص حد تک تو ان میں غلو نہیں ہوتا، لیکن جب اس حد سے تجاوز ہو جاتے ہیں، تو پھر قومی گھٹن اور کربالی کا ایک جھنڈا ہوتا ہے جس کے نشہ سے قوم کا ہر فرد متوالا ہو جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے نوع انسانی کا ہر فرد اس کی قومی برتری کے سامنے سرسبز ہو جائے اور زمین کا ہر ٹکڑا اس کے قدموں سے پامال ہو۔ اسی حرص غیر محدود اور اس کے قومی مطامع لا انتہا ہی ہوتے ہیں۔ رومیوں نے ساری دنیا کو دستوں میں بانٹ دیا تھا۔ حاکم اور محکوم۔ وہ صرف اپنے کو حاکم قوم سمجھتے۔ باقی ساری دنیا محکومیت کے لئے تھی۔ پولین کی پے در پے لڑائیوں نے فرانس کی آبادی ۱۸ فردوں سے خالی کر دی۔ اس کی عالمگیر اولوالعزمیوں کی وجہ سے تمام یورپ فرانس کا دشمن ہو گیا۔ تاہم پولین جو جماعتی دماغ کے بھیدوں کا سب سے پراگیا تھا، جب کبھی عوام کے سامنے آتا اور غرور لگاتا، فرانس کی عظمت، فرانس کا جھنڈا، فرانس کے جھنڈے کے تین رنگ، تو فرانس اپنی ساری بربادیاں اور توڑیاں بھول جاتا اور وطنیت کے جھنڈے سے بخود ہو کر بھانپنے لگتا۔ "زندہ باد فرانس" اتنا ہی نہیں بلکہ قومی اور وطنی گھٹنے کے اس نشیونما وہ بھی بھول جاتا کہ جس شاہی استبداد سے نجات پانے کے لئے اس نے ہزاروں فرانسیسیوں کے سرگلوں کی گھری سے جدا کر دیے تھے۔ وہی استبداد آج پولین کی شخصیت میں ایک دہرہ اور شدید ہو کر وجود ہو گیا ہے، اور شاہی کی جگہ "مشہنشاہی" اور سلطنتی۔ وہ دیوانہ وار چکارتا۔ زندہ باد مشہنشاہ!

پہلے اور برن ہارڈی نے جینی کو "حاکم قومیت" اور گھوٹا "نیا" کا جو جام پلایا تھا، اس کی سیہ مستیاں بھی دنیا دیکھ چکی ہیں۔ "نیا" میں سب سے بڑی قوم جن کو ہونا چاہئے یا برطانیہ کو؟ اس سوال نے ہر برس تک تمام گروہ اومی کو خزانہ اور آگ کے حوالے کر دیا۔ آج "برطانیہ مشہنشاہیت" کا بے پناہ جذبہ دنیا کی کسی قوم کو سر اٹھانے نہیں دیتا۔ سب کو پامال اور سرسبز دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ کیسی برتری؟ یہ بھی قومی برتری کا غلو اور جھنڈا ہے۔ قومیت کا وہی حلقہ جو کبھی اس لئے بنا تھا کہ اپنی حفاظت کرے۔ اب اس لئے بنی ہے کہ دنیا کی کسی قوم اور گروہ کے لئے حفاظت باقی نہ رہے!

اسلام کی دعوت جس عصیت کی مخالفت تھی اور جسے اس نے "عصیت جاہلیہ" سے تغیر کیا، وہ یہ عصیت ہے۔ اس سے یہ اسامی نظریہ سرگرمی کے لئے "وطنیت" اور "قومیت" کی جس حالت سے اختلاف کیا، وہ وہی حالت ہے جو جب نوع اور تحفظ کی جگہ ہجوم اور تعصب کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں البتہ چونکہ اصل بنیاد اس حالت کی یہی ہے کہ انسانیت کے وسیع ہشتے کی جگہ تنگ اور محدود دائروں کا پیدا ہو جانا، اس لئے اس کی قومیت کا عام رجحان اسی طرف ہمارا کہ سرسبز سے تنگ دائرے و جہد ہی میں نہ آئیں۔

### یورپ کی جدید قومیت

"قومیت" اپنے سادہ معنی میں اگرچہ پہلے سے موجود تھی لیکن موجودہ زمانے میں "قومیت" کے لفظ سے جن اجتماعی حلقہ و جذبات کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے، یہ دراصل یورپ کے نئے عہد تمدن کی پیداوار ہے۔ اس کی بنیاد انسانی آزادی و حقوق کی حفاظت کے لئے ہوئی تھی، لیکن اب انسان کی آزادی و حقوق کے لئے یہی چیز سب سے بڑی عصیت بن گئی ہے!

## دفاعی قومیت کی پیدائش

ادرم و سلمیٰ (دلیل ایجنس) کے بعد جب یورپ نے کوڑھ بٹلی اور نئے تمدن کی نشوونما شروع ہوئی، تو اس کے ساتھ ساتھ ایک نئے قسم کی اجتماعی زندگی بھی نشوونما پانے لگی۔ یہ وہ وقت تھا جب ایک طرف تو آزادی کی روح تمام یورپ میں پھیلی رہی تھی، دوسری طرف شخصی حکومتوں کا استبداد اور اجتماعی تسلط کا نظم اپنی تمام برائیوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک نئی شخص کشش شروع ہو گئی۔ ایک طرف شاہی تاج و تخت اور اس کے غیر محدود عوسے تھے۔ دوسری طرف علم و آزادی کے پیدائش کے نئے نئے اصول اور نئے نئے دعوے تھے۔ تاج و تخت کے مقابلے میں جب عوام کے جذبات آزادی و جوش میں آئے تو خود بخود ایک نہایت موثر اور طاقتور لفظ وجود میں آ گیا یہ لفظ پہلے سے موجود تھا لیکن اس کے ساحرانہ معانی لوگوں کو معلوم نہ تھے۔ اب ہر شخص کے سامنے آ گئے۔ یہ لفظ ”قوم“ تھا، اور یہ انکشاف ”قوم ہونے“ یعنی ”قومیت“ کا انکشاف تھا۔ شاہی تاج و تخت کا دعوہ تھا جیسا کہ بد نصیب لوگ شانزدہم نے بعد کہا: ”حق اور طاقت میں ہوں“ عوام اب اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ خود بخود سوال پیدا ہو گیا کہ اگر شاہی تسلط اور تاج و تخت کی وراثت، حق اور طاقت کا جائز حشر نہیں ہو تو پھر کون ہو؟ وہ کونسی قوت ہو جس کے سامنے شاہی تاج و تخت کو بھی سر جھکا دینا چاہئے؟ خود بخود جواب پیدا ہو گیا کہ ”قوم“ ہے۔ صرف ”قوم“ ہی ہر طرح کے حق و طاقت کا حشر ہے۔ صرف ”قوم“ ہی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنے اوپر حکومت کرے!

”قومیت“ اور ”قوم“

اس وقت تک عوام کا عقیدہ یہ تھا کہ طاقت کا مرکز شاہی تاج و تخت ہے۔ اب طاقت کا ایک نیا مرکز نمودار ہو گیا جو خود اس کے اندر پوشیدہ تھا مگر اسے خبر نہ تھی۔ یہ ”قوم“ اور ”قوم ہونے“ کی طاقت تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یکایک صورت حال میں ایک عظیم انقلاب ہو گیا۔ یعنی ”رعیت“ کی جگہ ”قومیت“ نے لی۔ آپ عوام ”رعیت“ نہ تھے۔ ”قوم“ تھے۔ جب تک وہ ”رعیت“ تھے، تو شاہی اور شاہیت میں مرکز تھی۔ اب وہ ”قوم“ ہو گئے تو ہماری قوت خود انہی میں سر مل آئی۔ صرف اتنی تبدیلی نے دنیا کی اجتماعی زندگی کا پورا نقشہ بدل دیا۔ کارلائل CAULAYL کے بلاغت طراز لفظوں میں ”رعیت کا قوم ہونا دنیا کا ایک ہی مرتبہ اُلٹ پلٹ ہونا تھا۔ زبانوں کا کوئی لفظ بھی اس انقلاب طالع کی تعبیر نہیں کر سکتا جو صرف ان دو سادہ لفظوں کے ادل بدل ہو جانے سے نوع انسانی کی تاریخ میں پیدا ہو گیا!“

دنیا میں صرف انسان ہی پیدا نہیں ہوتے۔ الفاظ بھی پیدا ہوتے ہیں، اور جیسے ایک عظیم انسان کی پیدائش دنیا کے انقلاب کی پیدائش ہوتی ہے، اسی طرح بعض عظیم لفظوں کی پیدائش بھی عظیم انقلابات مضمون ہوتے ہیں۔ بلاشبہ لفظ ”قوم“ کی پیدائش تاریخ کا انقلاب عظیم تھا، لیکن اگر کارلائل چند قدم آگے بڑھ سکتا تو دیکھتا کہ دنیا کا سب سے بڑا انقلاب لفظ ”قوم“ کی پیدائش میں نہیں بلکہ انسان کی پیدائش میں مضمر ہے۔ کون ہو جو اس انقلاب کی عظمت کا نقشہ کھینچ سکتا ہو؟

جن باتوں نے انقلاب فرانس کی ابتدائی تحریکی کی تھی، ان میں دالیر Voltaire اور روسو Rousseau سب آگے ہیں۔ روسو کی کتاب عقدا اجتماعی Social Contract دنیا کے جدید جمہوری حکماء اور لیون صوفی بھی جاتی ہے۔ یہ کتاب جب

لکھی گئی تھی، تو لوگ اس کی خیالی نقشہ آرائیوں پر ہنسنے لگے، لیکن کارلائل کے تاریخی اور ضرب المثل لفظوں میں جیسا کہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو اس کی جلد باندھنے کے لئے ان لوگوں کا چمڑا استعمال میں لایا گیا جنہوں نے اس کی ہنسی اڑائی تھی! روسو نے انسانی آزادی و حقوق کا نقشہ کھینچتے ہوئے قوم اور قومیت کے بھی خال دخل راستہ کئے ہیں۔ وہ انسان کی انفرادی آزادی کے اعتقاد کے ساتھ ”قوم“ کا حلقہ ارتباط بھی قائم کرتا ہے اور اسے ایک معاشرتی معاہدہ ”سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے سو ساسٹی کا ہر فرد آزاد ہو اور تمام افراد کے حقوق میثاد دیں، لیکن سو ساسٹی کا انتظام قائم رکھنے کے لئے ایک منظم حلقہ کی ضرورت ہے۔ یہ حلقہ قومی نظام کا حلقہ ہے۔ ”قوم“ اور ”قوم ہونا“ ہی وہ تہنا نظام ہے جو جس حکم اور نظم کی ساری قوتیں حاصل ہوتی چاہیں۔ اس میں شک نہیں کہ روسو جس آزادی نظام معاشرت اور دنیا کے ”آزاد اور دشمن عہد“ کا خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر دنیا کو نہیں ملی، لیکن اس کے ”قومیت“ اور ”جمہوریت“ کے اصول دنیا نے بغیر کسی تامل کے قبول کر لئے، اور پھر انقلاب فرانس کا وہ خوش سیلاب نمودار ہوا جو بعد قیام کے تمام شخصی اور شاہی اصول و عقائد بہانے لگے!

گذشتہ دو صدیوں سے دنیا ”قومیت“ کے انہی بنیادی اصول پر گامزن ہے۔

## جدید قومیت کے مبادیات

یہ جدید ”قومیت“ جن مبادیات اور عقائد پر قائم ہوئی، اسکے اہم اصول حسبِ ذیل ہیں:

(۱) باشندوں کا جو گروہ کسی خاص جغرافیائی حدود کے اندر نسل، یا وطن، یا زبان، یا معاشرت کی یکسانیت کی بنا پر آباد ہو، جب اس کے افراد اپنے آپ کو ایک ”قوم“ محسوس کریں، تو وہ ایک ”قوم“ ہیں، اور کسی کو حق حاصل نہیں کہ ان کے ”قوم“ ہونے سے انکار کرے۔

(۲) ہر قوم کا پیدائشی اور فطری حق ہے کہ وہ آزاد ہو، اور اپنی پسند کے مطابق اپنے تمام حالات کا فیصلہ کرے۔ کسی دوسری قوم کو حق نہیں کہ اس میں مداخلت کرے۔

(۳) قومی آزادی کے حق کی بنا قدرتی حق ہے، نہ کہ طاعت اور تحفظ۔ اگر ایک قوم گمراہ ہو، یا اپنے معاملات کا بہترین انتظام نہیں کر سکتی، تو اس کی وجہ سے کسی دوسری طاقتور یا زیادہ شائستہ قوم کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ اس پر حکومت کرے۔ طاقت کے ذریعہ کسی قوم کے حق قومیت کو سلب کرنا، دنیا کے عالمگیر قدرتی قانون کی خلاف ورزی ہے۔

(۴) ہر طرح اور ہر نوعیت کی بالادستی اور اقتدار کا مرکز ”قوم“ ہے۔ کوئی جماعت یا کوئی فرد کوئی ایسا اختیار کام میں نہیں لاسکتا جسے براہِ راست قوم سے بطریق جائز حاصل نہ کیا گیا ہو۔

(۵) قوم کے تمام افراد اپنے تمام شہری، معاشرتی، اور قانونی حقوق میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ نسل، خاندان، اور مذہب کی وجہ سے کسی کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہو سکتا۔ معاشرتی ترقی و تزلزل کا معیار ہر فرد کی قدرتی اور ارکستابی قابلیت ہے۔ نہ نسل و خاندان۔

قوم، قومیت، اور قومی حقوق کے یہ مبادیات دراصل انسانی آزادی و حقوق کے اسی مواد سے پیدا ہوئے تھے جن میں یورپ میں نئے تمدنی عہد نے پیدا کیا تھا۔ اور جن کے داعی دالیر، روسو، اند فرانس کے انشائیکو پٹین اصحاب ”قوم“

اور ”قومیت“ کے حقوق اس نقطہ سے شروع ہوتے ہیں کہ انسان انسان کے حقوق کیا ہیں؟ اس اصل نے کہ ہر انسان فطرتاً ہی آزاد ہے اور اس کی آزادی کے لئے کوئی روک نہیں چھو چکے جب تک وہ کسی دوسرے کی آزادی کے لئے روک نہ ہو۔ یہ قاعدہ بھی پیدا کروا کہ ”ہر قوم کو آزاد ہونا چاہئے۔ اور کسی فرد یا جماعت کو یہ حق نہیں کہ اس کی آزادی میں خلل انداز ہو۔“

ان مبادیات کا جس سرزمین نے جیت لیا ایک قوم کے دنیا میں اعلان کیا وہ امریکہ اور فرانس ہے۔ امریکہ کے اعلان کے بعد اور بعد کے عہد کے تاریخ میں ثبت ہو چکے ہیں۔ اس نے انہی مبادیات کی بنا پر انگلستان کا مقابلہ کیا اور فتح ہوئی۔ فرانس کا اعلان اس کے انقلاب کا اعلان ہو جو تاریخ میں ”اعلانِ حقوق انسانی“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جسے فرانسیسی اسبلی نے ۲۰ اگست ۱۷۸۹ء میں منظور کیا تھا۔

## ”بھجوی قومیت“

گذشتہ تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یورپ کی جدید ”قومیت“ کے عناصر انسانی آزادی و حقوق کے مواد سے حاصل کئے گئے تھے، اس کا تعلق ہجوم کے لئے نہیں بلکہ قاعدہ کے لئے ہوا تھا۔ یہ دراصل پورے مضمون میں دفاعی قومیت ”تھی جو شاہی استبداد اور اجتماعی تسلط کا مقابلہ کرنے کے لئے وجود میں آئی تھی۔ ایک طرف منظم اور با مال رعایا اٹھتی تاکہ بادشاہوں اور امیروں کے ظلم و ستم کے مقابلے میں ”قومی حق“ کا علم بلند کریں۔ دوسری طرف کمزور قوموں نے سمجھا لیا کہ انہی حکمرانی کا مقابلہ کرنے کے لئے مرکز ”قومیت“ میں اپنی مشترک قوتیں جمع کر لیں۔ انگلستان اور فرانس نے شاہی تاج و تخت کے استبداد کا مقابلہ کیا۔ امریکہ نے انگلستان کی حکومت سے انکار کر دیا۔ لیٹان اور بلقانی قوموں نے عثمانی شہنشاہی سے آزادی حاصل کر لی۔ پولینڈ روسی تسلط کے خلاف بار بار اٹھا اور مقابل ہوا۔ اٹلی نے اسطریا کی فوجیں ہیشہ کے لئے اپنے وطن سے باہر کر دیں۔ اسی طرح یورپ کے ہر گروہ نے اپنے اپنے وطن کے جغرافیائی حدود بدلنے اور ان کے حصا میں اپنی قومیت ”کا قلعہ تعمیر کر لیا۔ پولینڈ کے زوال کے بعد جب یورپ کا نقشہ از سر نو بنایا گیا، تو یہ دینی اور قومی حد بندیوں نقشہ کے خطوط میں داخل ہو گئیں۔

لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ کیا انسانی آزادی و حقوق کے وہ تمام اصول جو ان قومیتوں کا مایہ خیر تھے، دنیا میں قائم ہو گئے؟ کیا امریکہ کے ”اعلانِ آزادی“ اور انقلاب فرانس کے ”اعلانِ حقوق انسانی“ کے مبادیات نے دنیا کی تمام قوموں کے لئے حق آزادی کی نعمت میا کر دی؟ کیا دفاعی طاقت کی جگہ حق کا اور استبداد کی جگہ آزادی کا دھوی تسلیم کر لیا گیا؟

دنیلے حیرت و دہشت کے ساتھ دیکھا کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ وہی ”قومیتیں“ جو انسان کے انفرادی و قومی حقوق کی حفاظت اور دفاع کے لئے وجود میں آئی تھیں کچھ دنوں کے بعد انسانی آزادی و حقوق کی پامالی و آفات کا ذریعہ ہو گئیں۔ ان کی ابتداء ”دفاعی قومیت“ سے ہوئی تھی لیکن ان کا تعلق ”بھجوی قومیت“ کی شکل میں ہوا جماعتی جنگ نظری، وطن پرست دیکر، اور قومی برتری و اقتدار کے تمام جذبات ابھر آئے، اور انسانی آزادی و حقوق کے مبادیات و اصول اس لئے رہ گئے کہ ہر قوم صرف اپنے لئے ان کا نفاذ چاہئے اور اپنے مواد کو ان سے محروم نہ دیکھے!

یہ وہی ”دینی و قومی مصیبت“ کی حالت ہے، جس کی تشریح اور

گزشتہ جہاز۔ یہ قومیت کا تحفظ نہیں ہو۔ قومیت کا تعصب ہو۔ یہ انسانیت اور انسانی برادری کے عین ضد ہو۔ یہ انسانی آزادی و حقوق کے استحفاظ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ یہ آزادی کے نام سے آزادی کی پامالی اور قومیت کے نام سے مرگ طاقت کی تصدیق ہو!

نئی قومیت کے محاسن مفاسد  
اگر یورپ کی قومیتوں اور ان کے اعمال پر نظر ڈالی جائے تو جب ذیل حقیقتیں سامنے آئیں گی:

(۱) "انسانی آزادی" اور "قومی حقوق" کے مبادیائے قائم ہو گئے اور ان کی وجہ سے یورپ کے ذہن میں مابعدیہ کا انقلاب عظیم وجود میں آگیا۔ جدید قومیت کے اصول و عقائد نے جانوروں کے اندر ایک ایسی نئی اجتماعی طاقت پیدا کر دی جو تمام کھلی ہوئی طاقتوں سے زیادہ منظم اور قوی تھی۔

(۲) قومیت کے نشو و نما سے پہلے یورپ مذہبی تعصبات پر تھا۔ تعصبیت کی مذہبی محرک بنیدیاں اتنی سخت تھیں کہ ذہن دماغ کو اپنے نہیں جیتی تھیں۔ اب "قومیت" کے فروغ نے مذہب کے تعصبات دھیسے کر دیے۔ مذہب کی جگہ قومیت اجراع و ارتباط کا رشتہ بن گئی۔ قومیت نے جب سر اٹھایا تھا، تو اسے شاہی استبداد سے نہیں زیادہ یورپ اور کلیسا کے استبداد کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ والٹر لٹیرنے بیت المقدس کی جگہ انسانی آزادی کے لئے جنگ مقدس (کرو) کا اعلان کیا تھا۔ جب اس سوکر میں قومیت فتنہ ہوئی تو یہ فتح شاہی اور کلیسائی و دونوں طرح کے استبدادوں پر فتح تھی۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ قومیت جڑ بٹرتی جاتی تھی، اور یہی جوہر اکٹھا جاتا تھا۔

(۳) "قومیت" کے فروغ سے پہلے یورپ ذہنی اعتقاد کے جن واروں میں بند تھا، وہ حدود رہے تنگ تھے۔ اس لئے قومیت نے پچھلے واروں سے ایک زیادہ وسیع دائرہ مہیا کر دیا اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ ہر گوشہ دنیا میں ایک ایسی وسعت پیدا ہوئی جس کا اس سے پہلے وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

(۴) مذہبی اور نسلی تعصبات کی جگہ "قومیت" کے قائم ہونے کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کے اندر تمام جماعتیں اور تمام طبقات باہر گروہ متحد اور منسلک ہو گئے۔ یہ احساس کہ "فلاں انسان ہمارا ہم قوم اور ہم وطن ہو" اتنا قوی اور موثر ہو گیا کہ سیر کوئی تعصب غالب نہ آسکا۔ مسیحیت اور یہودیت کی تاریخی اور دینی دشمنی ختم ہو۔ دین کے کسی گوشہ میں بھی بدغیب یہودیوں نے وہ ظلم و ستم برداشت نہ کئے ہوئے جو یورپ کی مسیحی حکومتوں میں انھیں صدیوں تک جھیلنے پڑے۔ اٹھارویں صدی کے آخر تک کسی انسان کے لئے یہودی ہونا ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ لیکن اب "قومیت" کے جذبے نے یہ تمام جذبات مغلوب کر دیئے۔ سب سے پہلے انگلستان اور فرانس نے، پھر برطانیہ یورپ کی دوسری قومیتوں نے ان کا حق قومیت بھی اسی طرح تسلیم کر لیا، جس طرح ان ملکوں کے سیمی باشندوں کا تسلیم کیا تھا۔ ایک یہودی، انگریز، فرانسیسی یا جرمن ہو کر اسی طرح ان ملکوں کے شہری اور قومی حقوق سے مستحق ہونے لگا، جس طرح سیمی باشندے ہوتے تھے۔ انیسویں صدی میں انگریز یہودیوں کے لئے تمام برطانوی حدود اور خصوصیات کے کوہ زانے کھول دیئے گئے جتنی کہ وزارت کے بڑے بڑے مقام کے لئے بھی یہودیت ماننے نہ رہی۔

یہاں قومیت کے محاسن تو۔ لیکن اس کے ماحول:

(۱) یہ جو کچھ بھی ہو! مرگ یورپ میں اور یورپ کے باشندوں میں ہوا۔ یورپ کے معدے سے باہر کے لئے تو انسانی آزادی کا اعلان موثر ہو سکا، نہ قومی حقوق کا اقتدار۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم رومن اصول کے مطابق یورپ نے فیصلہ کر لیا کہ دنیا بھر اور کٹر اقوام میں تقسیم ہو۔ آزادی اور حقوق کے تمام اصول بڑے اقوام کے لئے ہیں نہ کہ کمتر اقوام کے لئے۔ یورپ اور امریکہ دنیا کا نصف برتر حصہ ہو، بغیر دنیا کے تر حصہ ہو۔ اس لئے اسے کوئی حق نہیں کہ انسانی آزادی اور قومی حقوق کا مطالبہ کرے جو برتر اقوام کے لئے مخصوص ہیں!

(۲) فرانس جو قوم اپنے ملک کے اندر غیر انقلابی آزادی کی طیاریاں کر رہا تھا، تو اس وقت کسی فرانسیسی کے ذہن میں اس بات کا خطرہ بھی نہیں گزرا کہ اسی آزادی کی امیر عہدہ اقتدار جبری اور اس کی بدعت قوم کو کبھی ضرورت ہو یا نہیں جسے فرانس نے اپنی قومی طاقت سے غلام بنے پر مجبور کر دیا ہو؟ آج فرانس کی عظیم حریت "قومیت" شام میں جو کچھ کر رہی ہو، دینکے سامنے ہے۔ انگلستان کا یہی وہ چھوٹی قوموں کا محافظ ہے۔ آزادی کا پشت پناہ ہے۔ محب الوطنوں کے لئے گوشہ امن ہے۔ لیکن یہ سب کچھ کن حالات میں اور کن کے لئے ہو؟ بلاشبہ اسے دوس کے فرار کو پناہ دی، فرانس کے جلا وطنوں کے لئے دروازے کھول دیئے، یونان کی آزادی کے لئے اپنا قومی شاعر بارن پید کر دیا، اٹلی کے میٹری کو اپنی آبادیوں میں جگہ سے دی۔ اور یورپ کے منہار انقلابی نقشے لندن کی گلیوں اور مکانوں میں ہی کھینچ گئے، مگر مشرق اور ایشیا کے لئے اس کی یہ "حریت برادر" قومیت کیا فیصلہ کرتی رہی؟ وہ دوس اور اسٹریکے منظر میں کو پناہ دیتا رہا، لیکن خود اس کے ظلم و تسلط کے مظہروں کے لئے اس کے پاس پناہ دینے کا کیا سامان تھا؟ جواب کی ضرورت نہیں کیونکہ آج مشرق اور ایشیا کا ہر گوشہ زبان حال سے جواب دے رہا ہے!

(۳) چونکہ "ذاتی قومیت" کی جگہ "جمہوری قومیت" کا جاتی مزاج پیدا ہو گیا تھا، اس لئے خود یورپ کو بھی اپنی "قومی عصبت" کے نتائج سے نجات نہ مل سکی۔ بلاشبہ غیر یورپین اقوام دہلا دے مقابلہ میں اسے اپنے لئے آزادی و حقوق کا ایک بلند معیار قرار دے لیا، لیکن یہ معیار اگر وہ بندی کی تنگ نظری اور قومی برتری و تسلط کے جذبات پر غالب نہ آسکا جو جمہوری قومیت کے لائی خواص ہیں۔ "قومی برتری" کی حرص نے تعادم و کشاکش کی حالت پیدا کر دی، اور جماعتی بدبینیوں پر "حق" کی جگہ "اسی" طاقت کے ..... اصول کی فرازدانی قائم ہوئی جس کے خلاف اس دور و زور سے اعلان جنگ کیا گیا تھا۔ "قومی برتری" کی اس کشاکش نے یورپین طاقتوں کے لئے ایک کبھی ختم نہ ہونے والی باہمی جنگ کی حالت پیدا کر دی ہے۔ ہر قومیت دوسری قومیت کو پیچھے ہٹانا اور خود آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ مقابلہ کا ایک بڑا میدان مشرق کی کرودوں نے ہم پہنچا دیا۔ ہر قوم چاہتی ہے اس میدان میں سب سے بڑے کر غاصب اور سب سے زیادہ طامع ثابت ہو۔ استعارہ تجارت، اسلحہ سازی، ادبی تقدم، اور معنوی نفوذ، ہر گوشہ میں دھڑلے ہو چکے۔ عالمگیر جنگ قومی مزاج کی اسی مجنونانہ حالت کا نتیجہ تھی، اور ابھی اس کے عالمگیر شیع کا خون خشک نہیں ہوا تھا کہ ایک دوسرے تعادم کا میدان طیار ہونے لگا۔

(۴) اسی طرح قومی "عصبت" کی ساری مزاحیہ کیفیتیں اپنی پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو گئیں۔ تمدن کی ترقی و جدت و امیال کی متبدل بدل دیتی ہو، نوع نہیں بدل سکتی۔ عصبانیت

مقام بحالت موجود ہیں کیا ناچا ہے؟ یعنی جہل تک "قوم" اور "قومیت" کا تعلق ہو، ہمارا طریق کار کیا ہونا چاہئے؟ تاہم جو اس موضوع کے لئے ایک اور مجلس بحث و فکر آراستہ کھائے۔

کا فرد اور ہندوستان کے برہمنوں کی منور ذات تنگ کی ایک مسموم صورت میں ابھرا کی جو پہلی صورت سے کہیں زیادہ طاقتور اور بے پناہ ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسانیت کا دائرہ اب بھی دیا ہی تنگ ہے جیسا پہلے تھا۔

### رَدِ فعل

ضروری تھا کہ اس حالت کا ردِ فعل پیدا ہو۔ "جمہوری قومیت" کا مجنونانہ غلو اس حد تک پہنچ گیا کہ اب دنیا کا تیسرا بند فزع زیادہ عرصہ تک تحمل نہیں ہو سکتا۔

انیسویں صدی ابھی زیادہ آگے نہیں بڑھی تھی کہ اس کے آثار شروع ہو گئے۔ سوسائٹی کے پچھلے طبقوں نے دیکھا کہ آزادی اور مساوات کی اتنی ہنگامہ آرائیوں کے بعد بھی جمہیتی آزادی اور مساوات بدستور مفقود ہیں۔ موجودہ نظام قومیت جو آزادی و مساوات کی بنیادوں پر قائم ہوا تھا، اب خود آزاد مساوات کی راہ میں روک بن گیا ہے۔ نئے دور سے پہلے دنیا کا استبداد اور فرسادیاد امتیاز چند افراد اور خاندانوں میں محدود تھا۔ اب وہ بڑے گرد ہوں میں پھیل گیا ہے۔ اس لئے حق و مساوات کے مقابلہ میں طاقت اتنی سوجھی ہوئی اور مرکز کی حالت میں نہیں ہے جس قدر پہلے تھی۔ تاہم جہاں تک انسانی آزادی و مساوات کا تعلق ہے، نوع انسانی اب بھی اُس سو اُسی طرح مودم جو جس طرح پہلے تھی!

اس سے بھی زیادہ یہ کہ سرمایہ داری کی طاقت نے ابھی کبھی کبھی زیادہ اختیار حاصل کر لیا ہے۔ پہلے انسانوں پر جبر اختیار و تسلط صدیوں کی شاہی نسل اور امیرانہ روایت حاصل کر چکی تھی اب وہ اختیار چند میزوں اور برسوں کے اندر ایک سرمایہ دار و محض روپیہ کے ذریعہ حاصل کر لیا ہے اور دنیا کی صلح و جنگ اور ملکوں اور قوموں کی حکومت و محکومی کی باگ فوراً اُس کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے!

انیسویں صدی کے "سوشلزم" کی تخم ریزی اسی ردِ فعل کا نتیجہ تھی۔ اب یہ بڑھتے بڑھتے "کمونیزم" تک پہنچ گیا ہے، اور مشرق یورپ کا نظام قومیت بلکہ بنیہ اجتماعیہ (سوسائٹی) کا پرور نظام اُلٹ دینا چاہتا ہے۔

عالمگیر جنگ یورپ اس نظام قومیت کی نامرادیوں کا بے پناہ اعلان تھا۔ سال تک خون اور آگ میں ڈھکرجب دہلنے دوبارہ سمٹا لایا تو زندگی اور امن کی جستجو اور سرزور شروع ہو گئی۔ ان تمام لوگوں نے جن کی ذہنیت کسی قومی نظام حکومت کی فرض پرستیوں سے آلودہ نہ تھی، محسوس کر لیا کہ پچھلا نظام اب دنیا کو زبوا عرصہ تک مطمئن نہیں رکھ سکتا۔ یورپ کے حکماء اور مفکرین میں ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو قومیت کی اس عصبت سے استغناء کیا ہے اور "قومیت" کی جگہ "انسانیت" کی وسیع فضا کو بڑھ رہا ہے۔ طرح طرح کے نئے نظریے اور نئی تجویزیں دماغوں میں نشوونما پا رہی ہیں۔ "دنیا کے نظام اجتماع کی نئی تقسیم" اور "انسانی برادری کا غیر مشروط ملحقہ" وقت کا سب سے زیادہ اہم اور بڑھتی ہوئی فکر ہے۔

اگر بحیثیت مجموعی دنیا کی موجودہ ذہنی فضا پر نظر ڈالی جائے، تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک موہم ہو رہا ہے اور دوسرے کی آہ آہو۔ جس زمانہ سے ہم گذر رہے ہیں، عجب نہیں مستقبل کا شمع اس میں عہد مداخلت کے آثار کی جستجو کرے۔ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ موم کا پیغام کیا ہوگا، لیکن یہ ضرور کہہ دینا اہم ہے کہ جن اجتماعی دائروں میں محسوس رہی ہے اُس سے ایک زیادہ وسیع

کا فرد اور ہندوستان کے برہمنوں کی منور ذات تنگ کی ایک مسموم صورت میں ابھرا کی جو پہلی صورت سے کہیں زیادہ طاقتور اور بے پناہ ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسانیت کا دائرہ اب بھی دیا ہی تنگ ہے جیسا پہلے تھا۔

# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھر آگئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے:

**J. & E. Bumpus Limited**  
**350. Oxford Street**  
**LONDON, W. I**

جو

دنیا میں کتبِ فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہوا

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوتا ہے۔

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ۔

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں۔

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں۔

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے۔

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی قیمتی، اور سستے سے سستے ایڈیشن۔

آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمارے میل اور ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے۔



# حیات

بمقام کی انسانی و حیوانی بیماریوں کا فوری علاج جس کے متعلق  
بیس سال میں تیس ہزار سرٹیفکیٹ موصول ہو چکے ہیں  
قیمت فی شیشی صرف دو روپیہ (عمر) نمونہ کی شیشی  
اکسیر عمربری مقوی اعضائے رئیسہ اور مردانہ طاقت بڑھاتا  
نمک سلیمانی معدہ کی خرابیوں کو دور کرنے اور  
قیمت فی شیشی بارہ آنے (۱۲)

مفضل فہرست ادویہ مفت  
مینجر کا خانہ حیات پٹی ہاؤس  
(پنجاب)

b-i-Hayat Pharmacy,  
PINDI BAHA-UD-DIN, PUNJAB.

## قرآن مجید

(مترجمہ حضرت شیخ الہدٰی مولانا محمود حسن)  
یہ ترجمہ جس کے لئے مسلمان مدتوں سے سراپا  
انتظار تھے بفضلہ تعالیٰ نہایت آب و تاب کے ساتھ  
چھپ کر مکمل ہو گیا ہے اور بکثرت طلب لیا جا رہا  
ہے۔ آج تک جسقدر ترجمہ قرآن پاک کے ہو چکے  
ہیں یہ ترجمہ بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے سب پر  
فوقیت رکھتا ہے۔ تحت لفظی ہونے کے باوجود  
با محاورہ اور سلیس ہے۔ زبان ایسی شمسہ اور صاف  
ہے جس کو معمولی لکھا پڑھا بھی بخوبی سمجھ سکے  
لکھائی چھپائی اور فائدہ نہایت اعلیٰ زمین حنائی  
چھپی ہوئی پختہ ہے۔ ہدیہ جلد چرمی منقش  
نقرئی پندرہ روپے۔ جلد اعلیٰ منقش طلائی  
۱۸ روپیہ۔ حصہ اولاداد و خرچ پیننگ ۲ روپیہ فرمایش  
کے ساتھ ۵ روپیہ ہدیشگی آنا ضروری ہے نمونہ  
مفت۔

## اخبار مدینہ (بجنور)

(ہفتہ میں دو بار)

سنہ ۱۹۱۲ع سے قابل اہل قلم ادیبوں کی  
زیر ادارت جاری ہے خدمت قوم و ملک پاسداری  
مذہب و ملت اس کا شعار ہے۔ آزادی وطن اور  
قومی طالبات کا علمبردار۔ اردو جرائد میں انیسویں  
الاشاعت، سیاست حاضرہ کا منہاسر حق و صداقت کا  
مشہور، عربی و انگریزی اخبارات کا خلاصہ، دنیا کے ہر  
کوشہ میں پہنچنے والا، ملاحظہ و مطالعہ خور ہمارے  
بیان کی تصدیق کر دیتا۔ نمونہ مفت۔ قیمت سالانہ  
۶ روپیہ۔ ششماہی تین روپیہ آٹھ آنہ۔ سہ ماہی  
۲ روپیہ فی پرچہ ایک آنہ۔ مالک غیر سے ۸ روپیہ  
سالانہ۔

## غنیچہ رسالہ ہفتہ وار

بچوں کا معلم بچپن کا اتالیق، طالب علموں کا  
آسناد، علم و فن کا خزینہ، معلومات کی کان اخلاقیات  
و ادبیات کا گنجینہ، ہفتہ وار خاص ملک و ملت  
کے نو نہالوں کیلئے شائع ہوتا ہے۔ زبان سلیس اور  
عام فہم ہے اپنے بچوں کیلئے ضرور طلب فرمائیے۔  
قیمت سالانہ ۴ روپیہ۔

(محمد مجید حسن مالک اخبار)

مدینہ و غنیچہ - بجنور

## اسلامی مذاق کی کتابیں

قرآن - حدیث - تصوف - فقہ - عقائد - تاریخ اور علوم جدید پر بہترین اور تازہ  
کتابیں دیکھنا چاہیں تو ہماری فہرست کتابیں بریل دار اگر مذہبی کتابوں کی  
تجارت پر روپیہ کا گائیڈ اٹھا تا چاہیں تو قواعد نگار ملاحظہ فرمادیں یہ سب  
مینجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پٹی ہاؤس پٹی ہاؤس

The SUFI PRINTING and PUBLISHING Co. Ltd  
— PINDI BAHA-UD-DIN, (PUNJAB)

## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

رہنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور قیمتی تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

## برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ باکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میوز کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میوزوں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے منمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار خریدیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گور اور بہت سی سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کریں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

السلام

ابن عربی

# الاملا

ہر جمعہ اور نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ - شام ہوتا ہے

قدمت سالانہ مع معقول	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	سواہ روپیہ
قدمت شش ماہی	سات روپیہ
قدمت فی پرچہ	پانچ آنہ

۱۔ تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”مدیجہ الہدٰی“ کے نام سے  
کئی جگہ لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں  
انکے لغات پر ”ایڈیٹر“ کا نام ہونا چاہیے۔

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔

(۳) براہ عداست خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور  
خوش خط لکھیے۔

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو  
وہ دن قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاہم  
اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ نہ ضرورت تاخیر  
بعد قدمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے  
ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرائیے، مقامی داکخانہ کو اطلاع  
دینا انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے  
تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دینا  
پتہ تبدیل کرائیں۔

(۷) مدنی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ  
ضرور لکھ دیں۔

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری مواضع  
(مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے  
تک ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت  
کے مصارف کا بار پڑیگا۔



# الہلال

ایک ہفتہ وار موصوٰر سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۵ - محرم ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۵

Calcutta : Friday, 15, July 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلی موزون نہیں ؟

ضروری ہی کہ ہم اسکا اب فیصاہ کر لیں

اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس میں  
یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سی  
جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی  
اپنی زبان کو نجات دلائیں۔

ہماری رای میں بہترین حروف یہی ہیں۔ اگر  
فارسی اور ترکی کیلی یہ نا موزون نہیں تو اردو کیلی  
کیون نا موزون ہوں ؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رای سی  
ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔ طباعت کا مسئلہ آج  
زبان و قوم کیلی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی۔  
ضروری ہی کہ اسکی تمام تقایص ایک بار دور کر دی  
جائیں۔

الہلال

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی  
یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔

طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں  
کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔ پتھر کی چھپائی  
میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں  
کر سکتی۔

ہندی اور ہندوستان کی تمام زبانوں نی، نیز عربی،  
فارسی، ترکی، تینوں سامی زبانوں نی حروف کی  
چھپائی اختیار کر لی ہی اور انکی طباعت یورپ کی طباعت  
کا مقابلہ کر رہی ہی۔ کیون اردو زبان بھی ایسا  
نہ کرے جو اسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تک  
بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہی۔

# ان تمام اصحاب کیلی

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزیین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجیے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کیلئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

## با این ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں !

## بواعظم یورپ، امریکہ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کیے ہیں۔

## اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو آپ فروخت کرنے کیلئے بھی پتے ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔



( لیدمی اسٹن ہوپ )

سنہ ۱۷۷۶ء - میں ایک انگریز لڑکی پیدا ہوئی - باپ کی طرف سے اسکا رشتہ لارڈ اسٹن ہوپ سے ، اور ماں کی طرف سے لارڈ چٹم سے ملتا تھا -

لارڈ اسٹن ہوپ ” باغی لارڈ “ کے لقب سے مشہور تھا - کیونکہ وہ انقلاب فرانس کا بہت بڑا مداح اور جمہوریت کا حد غلہ رنگ حامی تھا -

لارڈ چٹم ، مشہور برطانوی وزیر اعظم ولیم پت کا باپ تھا - نپولین اعظم کے نام کے ساتھ پت کا نام بھی ہمیشہ زندہ رہے گا - دونوں کی دشمنی ، دشمنی کی حد سے بھی تجاوز کر گئی تھی - ولیم پت نے جب جان دی ، تو اس کے آخری الفاظ یہ تھے : ” جنگ ” جنگ “ یعنی فرانس سے جنگ !

یہ لڑکی بچپن ہی سے عجیب الاطوار تھی - انتہا پسندی اس کے اپنے دادھیال سے ورثہ میں ملی تھی - مستقل مزاجی اور خیال کی آزادی ننھیال سے پائی تھی -

جب وہ چار برس کی تھی ، اُسکی ماں مر گئی - باپ نے نئی شادی کر لی - لڑکی اپنے باپ کی بیوی سے نباہ نہ کر سکی اور اپنی نانی کے گھر چلی گئی - نانی کی موت کے بعد اپنے ماموں ولیم پت کے ہاں آٹھ آئی - یہاں آئے انگلستان کے مشہور ترین آدمیوں اور یورپ کے بڑے بڑے مدبروں کے دیکھنے کا موقع ملا ، اور یورپین سیاست کے بہت سے راز اُس پر کھل گئے -

سنہ ۱۸۰۶ء - میں ولیم پت کا بھی انتقال ہو گیا - مگر مرنے سے پہلے بھانجی کے نام پندرہ سو پونڈ سالانہ وظیفہ مقرر کر گیا - اب اُس نے متوفی ماموں کا گھر بھی چھوڑ دیا اور دیہات میں آٹھ ٹنی - کئی سال دیہاتی زندگی میں بسر کر دیے -

اپنے ماموں کے گھر اور دیہات میں انگلستان کے بہت سے معزز نوجوانوں سے اُسکی دوستی ہو گئی تھی - بعض کی محبت نے اُسکے دل کا التفات حاصل بھی کیا ، مگر نا معلوم اسباب آئی بنا پر وہ شادی نہ کر سکی ، یا شادی کرنی نہ چاہی -

یہ بات نہ تھی کہ وہ بد صورت ہو اور مرد اُس سے نفرت کرنے ہوں - اُسکا شمار حسینوں میں تھا - سر قامت اور چہرہ بدن رکھتی تھی - لیکن اُسکے خط و خال زنانہ ہونے کی جگہ زیادہ تر مردانہ تھے - اس لیے نسوانی کشش اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتے تھے -

( مشرق کی سیاحت )

سنہ ۱۸۱۰ء - میں اُسکا بھائی بھی مر گیا - اس سے وہ بڑی محبت کرتی تھی اور اپنی زندگی اُسکی خدمت کیلئے وقف کر دی تھی - یہ حادثہ اُسکے لیے ناقابل برداشت تھا - چنانچہ غم غلط کر کے کیلیے سمندر کے سفر کا قصد کیا - پہلے صرف جبل طارق تک جانے کا

## ایک صدی قبل ایک مغربی خاتون کی مشرقیت

— — —

ایک مرد نما انگریز خاتون جو شام میں

متوطن ہو گئی تھی -

— — —

لیدمی اسٹن ہوپ

— — —

حال میں ایک فرانسیسی اہل قلم موسیو بلوش نے ایک نئے قسم کے تاریخی موضوع پر کتاب لکھی ہے : ” اٹھارویں صدی میں مغرب و مشرق کا اتصال “ اسمیں اُن تمام یورپین اشخاص کے حالات جمع کیے ہیں جنہوں نے اٹھارویں صدی میں ” مشرقیت “ اختیار کر لی تھی - ” مشرقیت “ سے مصنف کا مقصود یہ ہے کہ مشرقی ممالک کی رسوم ، معاشرت ، وضع و قطع ، اور ذوق و فکر کا اس طرح اختیار کر لینا ، گویا مغربی ترک کر کے سرتاسر مشرقیت اپنے اوپر طاری کر لی ہے !

مصنف کو اس موضوع میں اُس سے کہیں زیادہ کامیابی ہوئی ہے ، جتنی کامیابی کی بظاہر توقع کی جاسکتی ہے - ایک بہت بڑی تعداد یورپ کی تمام اقوام کی نظر آتی ہے جس نے ” مصر “ ، ” شام “ ، ” عراق “ ، ” ہندوستان “ اور چین میں توطن اختیار کر لیا تھا - یا بہت زیادہ مدت تک کیلیے مقیم ہو گئی تھی ، اور اپنا مغربی جامہ اُتار کر سرتاسر مشرقی جامہ پہن لیا تھا - سترہویں اور اٹھارویں صدی کے ہندوستان کے ہندوستانی انگریزوں ، ہندوستانی فرانسیسیوں ، اور ہندوستانی ڈچوں کے حالات سے تو ہم بے خبر نہیں ہیں ، لیکن دوسرے مشرقی ممالک کے ان مشرقی مغربیوں کے حالات یقیناً ہمارے لیے نئی دلچسپی کا باعث ہونگے -

اب زمانے کی رفتار آلت چکی ہے - اب مغربیوں کی مشرقیت کا نہیں بلکہ مشرق کی ” مغربیہ “ کا دور دورہ ہے - یقیناً ایک ایسے عہد میں یہ حالات ہمارے لیے عبرت انگیز دلچسپی سے خالی نہ ہونگے -

آج ہم اس کتاب سے ایک انگریز خاتون کے حالات مع تصاویر کے نقل کرتے ہیں - یہ خاتون مشہور انگریز مدر سر ولیم پت کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی - اسے شام و لبنان کی مشرقیت نے کچھ اس طرح لہا لیا تھا کہ اپنا وطن ، اپنی قوم ، اور مغربی دنیا کے تمام علاقے ترک کر کے ہمیشہ کیلیے لبنان میں مقیم ہو گئی اور بالآخر وہیں پیوند خاک ہوئی :

جالا تھا جو عادی مجرموں کو قتل کیا تھا۔ قتل خانہ بھی بنایا تھا۔ مجرموں کو اسمیں قید کرتی تھی۔

۲۵۔ بیس یہاں بھی از اسطرح رہی کہ اس علاقہ کی ایک طاقتور تھی۔ بسا اوقات دہل یورپ بھی مجبور ہوئیں کہ اُسکی خوشامدیں اور انگریز ہوئے پر بھی وہ انگریزوں اور انگریز حکومت سے سخت نفرت کرتی تھی۔ اس جوار میں جب بھی انگریز ویشہ دہلائی دیتے یہ فوراً اُسکا نور کوبیتی۔ اُسوقت انگلستان کی خارجی نظارت لین کوبتی تھی کہ یہ عجیب و غریب انگریز عورت مشرق میں اُسکی ایک خطرناک دشمن ہے!

اس کے لئے 'شجاعت' قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ لبنان میں سرکاری سردار "امیر شہاب" جیسے جبار سے بھی اسنے مقابلہ کیا تھا!

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ محمد علی خدیو ازل کے بیٹے ابراہیم پاشا نے جب شام پر حملہ کیا تو اس سے درخواست کی کہ یہ غیر جانب دار رہے۔ یہ ابراہیم پاشا بھی تھا جس نے ایک طرف حجاز میں نجدیوں کا تخت الٹ دیا تھا دوسری طرف سلطنت عثمانیہ کو اپنے جبروت کے آگے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا!

اسے گھڑوں کا بڑا شوق تھا۔ اسیل سے اسیل عربی گھوڑے اُسکے اسطبل میں بندھے رہتے تھے۔ بلیوں سے بھی بہت محبت تھی۔ اُسکا قلعہ بلیوں سے بھرا رہتا تھا۔ وہ جادو، نجوم اور تناسخ کی بھی فائل تھی۔ (لامارٹین سے ملاقات)

سنہ ۱۸۳۲ء - میں مشہور فرانسیسی شاعر مصنف لامارٹین (۱) اس سے ملا تھا جب اُس نے مشرق قریب کا سفر کیا تھا۔ اُسوقت وہ بڑھی ہو چکی تھی شاعر نے اسکی بابت اپنا تاثر جن لفظوں میں ظاہر کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:



ایڈی اسٹن ہوپ  
مشرق کے سارے علاقوں سے یہاں

(۱) لامارٹین انیسویں صدی کا مشہور فرانسیسی شاعر اور مصنف ہے جس کی نسبت تسلیم کیا گیا ہے کہ شعر موسیقی (لیریک) کے جدید مذہب (اسکول) کا بانی بھی ہے۔ مشرق اور مشرقی شاعری سے بھی اسے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ خیال کیا جاتا ہے اس کے کلام کا وہ حصہ جس میں خدا کی حمد و ثنا ایک نئے اسلوب میں کی گئی ہے اور اسکی صفات و تجلیات کے مظاہر کا استعراق نمایاں ہوتا ہے دراصل اسلامی الہیات و تصوف کے مطالعہ کا پرتو ہے۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں اُس نے اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ اُسوقت سلطان عبد المجید خاں مرحوم تخت عثمانی پر متمکن تھے۔ انہوں نے جب اس سیاح کے حالات سنے تو ملاقات کیلئے بلایا اور اسمرنا اور لبنان میں ایک بہت بڑا قطعہ زمین بطور جاگیر کے بخش دیا۔ اُس کے بعد سے لامارٹین کچھ عرصہ اسمرنا میں رہا۔ کچھ عرصہ لبنان میں۔ اسی زمانہ میں اس نے اپنا مشہور سفر نامہ 'مشرق مرتب کیا اور دولت عثمانیہ کی تاریخ آٹھ جلدوں میں لکھی۔ مندرجہ متن رائے اُسکے سفر نامہ سے ماخوذ ہوئی۔ اگرچہ مصنف نے حوالہ نہیں دیا ہے۔ (الہلال)

ازادہ تھا۔ لیکن جب وہان تک پہنچ گئی تو وہاں ہوا۔ یہاں تک کہ مشرق کے تمام مشہور مقامات یونان، بری، مالٹا، مصر وغیرہ کی اُس نے سیر و سیاحت کر لی۔ اُس وقت یہ تمام ممالک عثمانی سلطنت کے زیر نگین تھے۔ (مشرق کی ابتدا)

ایک مرتبہ اس سیاحت کے اتنا میں ایسا اتفاق ہوا کہ اُسکی کشتی سمندر میں ٹوٹ گئی۔ قریب تھا کہ سب دوب جائے۔ لیکن عین وقت پر بچا لیے گئے۔ چونکہ اس حادثہ میں اس خاتون کے کپڑے ضائع ہو گئے تھے اسلئے ایک ترک افسر نے اپنی جذبی رزمی آثار کو دیدی اور اُسنے شکرہ کے ساتھ قبول کر لی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ایسا مغربی اور جنسی لباس ترک کر کے اسے مشرقی اور مردانہ کپڑے پہنے۔ لیکن یہ وضع کچھ ایسی دل کو بھاگتی کہ مدۃ العمر کے لیے مردانہ مشرقی وضع اختیار کر لی!

لڑکی ایک ترک افسر کی درہی پہنے اسکندریہ میں داخل ہوئی اپنی سہیلی کو بھی مردانہ لباس اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ چند روز آرام کر کے فلسطین روانہ ہوئی۔ یہاں ترکی رزمی آثار مصری ممالک کا پر شوکت لباس اختیار کر لیا۔ سر پر عمامہ، جسم پر قضاں اور جبہ، سنہری تلوار کمر میں، اس انگریز خاتون کی جو سر زلیم پت وزیر اعظم برطانیہ کی بہانچی تھی، دلپسند وضع تھی!

ملکہ زنبوبیا (زباء) کی اس ویران راجدھانی کے کھنڈروں میں (کیونکہ وہ فلسطین ہی میں تھی) اسے غیر معمولی کیفیات محسوس ہوئی۔ یہاں اس مرد نما خاتون کو صحرا نشینوں نے ملکہ صحراء کا تاج پہنایا!

(مشرق کا فیصلہ)

معلوم ہوتا ہے اسی زمانہ میں اسے اندر مشرقی توطن اور مشرقی زندگی کا خیال پیدا ہو گیا تھا اور اُسنے اپنی بقیہ زندگی کیلئے

ایک آخری فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ حماہ اور انطاکیہ ہوتی ہوئی دیر الیاس نامی مقام پر پہنچی اور یہاں آبادی سے باہر پہاڑ پر اپنے لیے ایک قلعہ طیار کر لیا۔ یہی قلعہ اُسکا گھر اور یہی پہاڑ اُسکا وطن ہو گیا۔ یورپ اور یورپ والوں کو بالکل بدلتی عربی حقہ منہ سے لگا کر دھواں اراتی۔ گھوڑے پلاتی۔ غلام خریدتی۔ اور ایک مشرق نژاد امیر کی سی زندگی بسر کرتی۔ اس نے پاس چالیس غلام تھے۔ خود اسی نے انہیں جنگی قواعد بھی سکھائی تھی۔

آہستہ آہستہ اس نے بڑی قوت اور اہمیت حاصل کر لی۔ اب اُسکی حیثیت ایک طاقتور شیخ قبیلہ کی ہوئی تھی۔ بستی نے تمام قبائل اس کے مطیع ہو گئے تھے۔ یہ یورپی فیضی کے ساتھ انہیں روپیہ دیتی اور انہی کی زبان میں ان سے باتیں کرتی۔ اُنکے تمام جھگڑے قضیے اسی کے سامنے آتے۔ یہ تمام مقدمات کا ایک حکمران کی طرح فیصلہ کرتی اور مجرموں کو سزائیں دیتی۔ قرب و جوار کے سرکش لوگوں سے مقابلہ بھی جاری رہتا۔ اسکی دھات تمام علاقہ میں بیٹھ گئی تھی۔ لوگ اس کے رعب سے ڈرتے تھے۔ اُسکے پاس ایک



## افسانہ

### محبت اور قربانی یا سزا اور انتقام ؟

ویکٹر ہیگو کا "بشپ" اور تاریخ اسلام کا "بغدادی"

درس وفا اگر بود زمزمہ محبتی  
جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پای را

(۱)

انگریزی تعلیم یافتہ اشخاص میں بہت کم لوگ ہونگے جنہوں نے فرانس کے مشہور انشا پرداز ویکٹر ہیگو Victor Hugo کی مصنفات کے انگریزی ترجمے نہ پڑھے ہوں۔ نثر میں اُس کی بہترین کتاب "Les Miserables" تسلیم کی گئی ہے۔ اس قصہ میں اُس نے دکھلایا ہے کہ انسانی زندگی کی تمام شقارتیں اور مصیبتیں صرف اس لیے موجود ہیں کہ سوسائٹی کا نظام اور اخلاق غلط ہے۔ اس کے پاس رحم، محبت، نفور، اور اصلاح کے لیے، تو کوئی جذبہ نہیں، لیکن وہ قانون اور سزا پر پورا اعتقاد رکھتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو جرم اور مصیبت سے بچانے کے لیے وہ کچھ نہیں کرسکتی۔ لیکن جرم پر سزا دینے اور مصیبت پر نفرت کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے !

ایک شخص جو اپنی یا اپنے عزیزوں کی بھوک سے عاجز آکر چوری کرتا ہے، یا نیکی اور خدا پرستی کی تعلیم نہ ملنے کی وجہ سے گمراہ ہو جاتا ہے، آتے کتنی ہی سزائیں دی جائیں، وہ جرم کرتا ہی رہیگا۔ کیونکہ سزا نے نہ تو اس کی بھوک کا علاج کیا، نہ اس کی روح کی تاریکی کے لیے نیکی کی روشنی بہم پہنچائی۔ اس کا علاج رحم اور محبت ہے۔ مگر یہی چیز سوسائٹی کے پاس نہیں ہے !

وہ کہتا ہے، جرم اور گناہ روح کا زخم ہے۔ یہ محبت کے مرہم ہی سے اچھا ہوسکتا ہے۔ لیکن دنیا کے پاس مرہم نہیں ہے۔ صرف سزا کا تازیانہ ہے !

"اُس کی شخصیت، ذاتی عظمت اور انوکھے اطوار سے مراد ہے۔ اس مرکب کی تحلیل کرنے کی ناکام کوشش کی جگہ ہمیں اُسکا نام جنون رکھ دینا چاہیے"

یہ شاعر کی رائے ہے۔ لیکن خود خاتون نے شاعر کو کس نظر سے دیکھا؟ وہ اپنی یادداشت میں لکھتی ہے :

"یہ شخص تصنع کا عادی ہے۔ زنانہ اطوار رکھتا ہے۔ ہمیشہ اپنے پیروں کی سبکی اور نزاکت دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ مذہب کے بارے میں جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو صاف جواب دینے سے ڈرتا ہے"

وہ اپنے ملاقاتیوں کے ساتھ ایوان میں مردوں کی طرح بیٹھا کرتی تھی۔ گفتگو کا انداز یہ تھا گویا مقرر تقریر کر رہا ہے۔ رات رات بھر بانیں کرتی رہتی۔ یہاں تک کہ ملاقاتی بے اختیار ہو کر سو جاتے تھے !

(بڑھاپا اور خاتمہ)

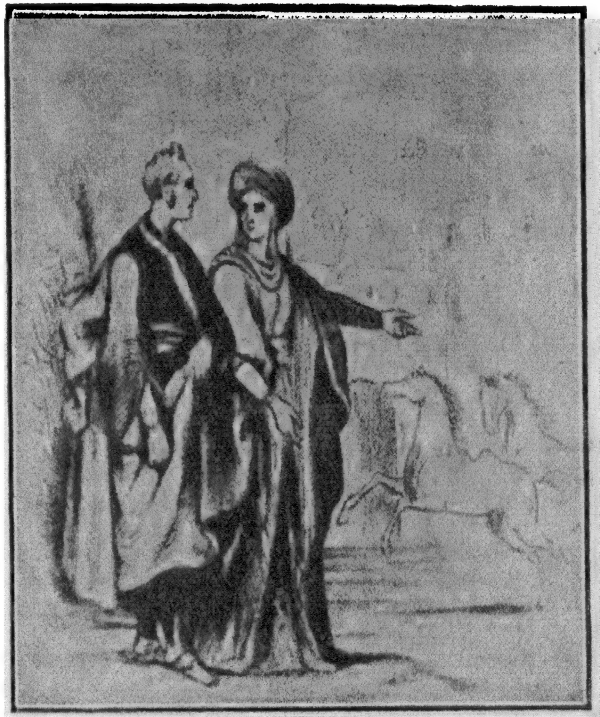
اسکی زندگی کے آخری دن بڑی ہی تکلیف میں گئے۔ بڑھاپے کے زمانہ میں سود خوار یہودیوں کا افسوس اُس پر چل گیا تھا۔ قرض ہی

عادت پڑ گئی تھی۔ اسراف کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دیوالیہ ہو گئی۔ صرف چار غلام باقی رہ گئے۔ باقی تمام خدم و حشم رخصت کرنا پڑے اور تمام جائداد ہاتھ سے نکل گئی۔ حتیٰ کہ ولیم پت کا وظیفہ بھی قرضہ کی نذر ہو گیا۔ سنہ ۱۸۳۸ء میں اُس خود دار خاتون نے ملکہ وکٹوریا اور وزیر اعظم انگلستان کو اپنی حالت زار سے آگاہ کیا اور اعانت کیلئے بڑی بڑی منڈیں کیں مگر کوئی شمولی نہ ہوئی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ صحت۔ رائے کی ملکہ فاقے کرنے لگی۔ عمر کی زیادتی، بڑھاپے کی کمزوری، پرانی عظمت کی یاد، موجودہ بے سروسامانی، غرضکہ سینکڑوں مصیبتیں بیک وقت

قوت پڑی تھیں۔ بالآخر بیمار ہوئی اور سنہ ۱۸۴۹ء میں اپنے پیچھے ایک عجیب تاریخ چھوڑ کر فوت ہو گئی۔ بیروت کے انگریز قونصل نے سنا تو فوراً پہنچا، اور تجہیز و تکفین کے رسوم انجام دیکر محل کے باغ میں نعش دفن کر دی۔

مدت کی غفلت کے بعد سنہ ۱۹۱۱ء میں انگلستان کو یہ خاتون یاد آئی اور اُس کی قبر پختہ بنوا دی گئی۔ مصنف کا بیان ہے کہ سنہ ۱۹۱۳ء میں اُس نے قلعہ کے کھنڈر اور اسکی نئی بنی ہوئی قبر دیر الیاس میں دیکھی تھی۔



لیڈی اسٹن ہوپ لا مارٹین کے ہمراہ اپنے قلعہ میں  
لیڈی کے سر پر بازی ہے اور لا مارٹین بڑھنے سے ہے۔



رہا شدہ قیدی ہوں۔ اگر تم میرے حال سے واقف ہوئے تو ایسا نہ کہتے، لیکن بشب کہتا ہے ”میں تم سے واقف ہوں۔ کیونکہ تم میرے بھائی ہو!“

کھانے کے بعد وہ جین کے لیے اپنے کمرے کے ساتھ کا کمرہ طیار کرا دیتا ہے۔ چاندی کا شمع دان روشنی کے لیے رکھ دیتا ہے، اور شب بخیر کہہ کر رخصت ہو جاتا ہے۔

جین شکر گزار ہو کر سو جاتا ہے۔ عمر بھر میں یہ پہلا موقع تھا کہ قید خانہ کے سخت اور ٹھنڈے فرش کی جگہ ایک نرم اور گرم بستر سے اس کا جسم مس ہوا تھا!

\*\*\*

اب ایسا ہوتا ہے کہ پچھلے بھر اُس کی آنکھ کھلتی ہے۔ اس کا دماغ جو شام کی مصیبتوں سے تھک کر معطل ہو گیا تھا، کئی گھنٹے آرام پا کر اپنی اصلی حالت میں واپس آ جاتا ہے اور اپنا گرد و پیش سونچنے لگتا ہے۔ اچانک اس کے خیالات میں جذبش ہوتی ہے۔ طمع و حرص کے مجرمانہ جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں۔ جرم کا ذوق خفته بیدار ہو جاتا ہے۔ اسے یاد آتا ہے کہ کھانے کی میز پر چاندی کے قیمتی برتن موجود تھے جو اسی کمرے میں ایک جگہ رکھے ہوئے ہیں۔ وہ اُٹھتا ہے۔ پلے بشب کے کمرے میں جاتا ہے۔ نہیں معلوم جرم و گناہ کے کیسے خوفناک ارادے اُس کے اندر کھول رہے تھے؟ لیکن جب بشب کے سائیں اور نورانی چہرے پر نظر پڑتی ہے تو جھجھک کے رہ جاتا ہے۔ گہراہت میں جلد جلد چاندی کے برتن اُٹھاتا ہے، اور باغ کی دیوار پھاند کر روانہ ہو جاتا ہے۔

\*\*\*

بشب صبح اُٹھتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اپنے مہمان کے لیے گہرا باغ کا تازہ دودھ مہیا کرے۔ لیکن اتنے میں خادمہ آتی ہے اور خبر دیتی ہے کہ یہ ”مہمان عزیز“ چاندی کے تمام برتن لیکر بھاگ گیا۔ بشب سڈتا ہے، لیکن اُس کی زبان سے شکایت کا ایک حرف نہیں نکلتا۔ وہ کہتا ہے ”لکڑی یا لوہے کے برتن بھی اُسی طرح نام دے سکتے ہیں جس طرح چاندی کے برتن، وہ بہ آسانی مہیا کر لیے جائیں گے!“

اتنے میں دروازہ کھلتا ہے اور پولیس کے سپاہی جین والجین کو گردن سے پکڑے نمودار ہوتے ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح یہ قصبہ سے نکل کر تیزی سے بھاگ جا رہا تھا۔ پولیس کے ایک سپاہی کو شبہ ہوا اور گرفتار کر لیا۔ شبہ کی تصدیق اُس بقیچہ سے ہوئی جو اُس کی بغل میں تھا۔ اُس سے چاندی کے قیمتی برتن نکلے۔

یہی موقع بشب کی سیر (کیریئر) کی سب سے زیادہ موثر تصویر پیش کرتا ہے۔ جونہی بشب کی نظر جین پر پڑی، بے تامل آگے بڑھا:

”میرے دوست کیا تم ہو؟“ بشب نے کہا ”میں تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ لیکن یہ کیا بات ہے کہ تم جاگے ہوئے اپنے شمع دان یہیں چھوڑ گئے؟ حالانکہ وہ بھی تو چاندی کے ہیں“ اُس نے چاندی کے لفظ پر زور دیا ”اور کم سے کم دو سو روپیہ میں فروخت ہو جا سکتے ہیں؟“

پولیس افسر ایک دوسرے ہی طرح کے معاملہ کا متوقع تھا۔ یہ صورت حال دیکھی تو گہرا گیا:

اس قصہ میں ایک نہایت ہی موثر سیر (کیریئر) ایک قصبہ کے بشب (بڑے پادری) کی ہے۔ اور اسی سے قصہ شروع ہوتا ہے۔ یہ بشب رحم اور محبت کا پیکر تھا۔ انسان کی شقاوت اور مصیبت کے لیے اُس کے دل میں نفرت کی جگہ رحمت تھی۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر نہ تھا کہ انسانی روح نفرت و بغض سے نہیں بلکہ محبت اور فیاضی سے شکار کی جاسکتی ہے۔ وہ اپنی تمام بدش قرار تندخواہ بے لواؤں کی اعانت اور بیماروں کی تیمارداری میں خرچ کر دالتا اور کہتا ”یہ میرے گھر کا خرچ ہے۔“ وہ اپنا تمام وقت اپنا جنس کی خبر گیری و خدمت میں صرف کر دیتا اور کہتا ”یہ میرے اوقات کی تقسیم ہے۔“ جب کبھی کوئی بیمار پڑتا، یہ اس کے سرہانے پہنچ جاتا۔ جب کبھی کوئی مصیبت میں مبتلا ہوتا، یہ اُس کے دروازے پر دستک دیتا۔ جب کبھی کوئی مجرم گرفتار ہوتا، یہ اسے توبہ و انابت کی تسکین دینے میں مشغول نظر آتا!

اُس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا۔ ہر آنے والے کے لیے وہ ایک ہی آواز رکھتا تھا ”اندر چلے آؤ“ اُس کی راتیں خدا کے تصور میں بسر ہوتی تھیں اور دن اس کے بندوں کی محبت میں!

\*\*\*

اُسی زمانہ میں ایسا اتفاق ہوا کہ فرانس کا ایک مشہور مجرم اٹھارہ برس کی سزا جیل کر توارن کے قید خانہ سے رہا ہوا اور اُسی قصبہ سے گزرا۔ جائے کا موسم تھا۔ ایک بھر رات گزر چکی تھی۔ بھڑک اور ٹھن سے چور چور ہو رہا تھا۔ سارے قصبہ کا بار بار چکر لگایا کہ رات بھر کے لیے کہیں پناہ مل جائے مگر میسر نہ آئی۔ وہ ایک رہا شدہ قیدی تھا۔ کون تھا جو ایسی قابل نفرت مخلوق کو اپنی چہت کے نیچے دیکھنا گوارا کرتا؟ مجبوراً اس نے ایک احاطہ کی شکستہ کونہی میں پناہ لی، لیکن وہ نئے کا گھر تھا۔ نئے نے بھی مگوارا نہ کیا کہ اُس کے ساتھ شب باس ہو! پھر اس نے سونچا، میرے لیے صرف قید خانہ ہی میں جگہ نکل سکتی ہے۔ وہ قصبہ کے قید خانہ کے دروازے پر پہنچا اور بڑی عاجزی سے درخواست کی کہ رات بھر کے لیے اسے جگہ دیدی جائے۔ لیکن دروازہ کے محافظ نے کہا ”یہ سرائے نہیں ہے۔ قید خانہ ہے۔ انہیں آنا چاہئے تو پہلے اپنے کو گرفتار کراؤ۔“

افسوس بد قسمت انسان! قید خانہ بھی اسے پناہ نہیں دے سکتا جب تک وہ جرم نہ کرے!

\*\*\*

آخر اتفاقات آتے بشب کے دروازے پر پہنچاتے ہیں۔ حسب معمول آواز آتی ہے ”اندر چلے آؤ“ یہ مکان میں جاتا ہے اور اپنی داستان مصیبت سناتا ہے۔ بشب ایک دوست اور بھائی کی طرح اُس کا خیر مقدم کرتا ہے اور اپنے اور اپنے خاندان کے ساتھ میز پر بٹھا کر کھانا کھلاتا ہے۔ گرم کمرہ، گرم غذا، آرام و عافیت سے رات بسر کرنے کا سامان؛ صورت حال کی یہ تبدیلی جین والجین کی طبیعت میں (کیونکہ رہا شدہ قیدی کا یہی نام تھا) شگفتگی پیدا کر دیتی ہے۔ وہ بشب سے بے تلف ہو کر باتیں کرنے لگتا ہے۔ لیکن وہ سخت متعجب ہوتا ہے جب دیکھتا ہے کہ بشب اسے گفتگو میں ”جناب“ کر کے مخاطب کرتا ہے۔ اُس نے اپنی زبان سے لاکھوں مرتبہ دوسروں کو ”جناب“ کہا تھا، لیکن خود اپنے لیے یہ لفظ کبھی نہیں سنا تھا۔ اُس کی ساری عمر قید خانے کے سپاہیوں کی گالیوں سننے میں بسر ہوئی تھی۔ وہ حیران ہو کر کہتا ہے ”میں ایک

میں نے جب ابھی قصہ کا یہ حصہ پڑھا ہے تو محسوس کیا ہے کہ کوئی چیز ضرورت سے زیادہ یہاں آگئی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اگر وہ گندہ گورو یہ منظر وہیں پر ختم کر دیتا جہاں شمعداں نے رہا تھا ”سلامتی کے ساتھ جاؤ“ تو یہ تصویر کہیں زیادہ موثر اور مکمل ہوتی۔ اس نے زیادہ بے خود اپنی زبان سے کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس سیدو (کیونکٹر) کی ساری تاثیر اس کی حالت کی رفعت اور کیفیت میں ہے۔ صراحت اور وضاحت میں نہیں ہے۔ بسا اوقات عمل کی تقدس دہانی ہوتی ہے جسے چھونا نہیں چاہیے۔ زبان کی گویائی اس میں مغل ہوسکتی ہے مگر اضافہ نہیں کر سکتی !

\*\*\*

بہر حال جین یہاں سے نکلتا ہے اور اب وہ وقت آتا ہے کہ زندگی بھر کی خواب گراں کے بعد اجانک اس کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ دیکھتا ہے کہ افکار و احساسات کی ایک بالکل نئی دنیا اس کے اندر پیدا ہوگئی ہے۔ یہ اس کی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ ”حقارت“ اور ”سزا کی جگہ رحم“ محبت اور غور و بخشش کی دل نواز صدا اس کے کانوں میں بڑی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے معلوم ہوا اس دنیا میں صرف ”قانون“ اور ”سزا“ ہی نہیں ہے بلکہ ان سے بھی ایک بالا تر حقیقت ہے جو ”محبت“ اور ”قربانی“ ہے اور جس کی وسعت اس کے کانوں کی گویائی انہیں نہیں دے سکتی۔ وہ سمجھتا ہے اس حقیقت کی تاثیر سے بچنا چاہتا لیکن یہ اس کا روح کا دل زخمی کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ قید خانہ تلواریں کا مشہور معجزہ سمجھتا ہے مگر پھر یہی انسان تھا۔ سانپ اور بھینسا کا وہ تھا۔ سانپ کا پھن اور بھینسا کا پنچہ بھی تو محبت اور قربانی کے سامنے نہیں آتے سکتا؟ نا ممکن تھا کہ وہ بے بے رحم کی رحمت و قربانی سے اپنی شقاوت و عداوت کا مقابلہ نہ کرتا۔ اس کا دل جسے سوسائٹی کی بے مہربانی، قانون کی سنگ دلی، اور زندگی کی محرومیوں نے پتھر کی طرح سخت کر دیا تھا اب محبت کی دل نوازیوں سے بے اختیار پگھلنے لگا۔ سچ ہے اس کی روح اس کی نہیں رہی تھی۔ اسے بے رحمی کی نگاہ محبت کے خرید لیا تھا۔ اس خرید و فروخت میں بے رحمی نے چند برتن کھوئے لیکن جین نے اپنی پوری زندگی جو گم ہوچکی تھی واپس پائی۔ اور بے رحمی جین کو قانون اور سزا کے حوالے کر دیتا تو کیا پاتا؟ چاندی کے چند برتن جو اس کے گھر سے چورائے گئے تھے۔ لیکن چاندی کے برتن زیادہ قیمتی ہیں یا خدا کے ایک بھٹکے ہوئے بندے کی خدا کے طرف واپسی؟ بے رحمی کا فیصلہ یہ تھا کہ چاندی نہیں بلکہ انسان قیمتی ہے! اس نے برتنوں کے ساتھ شمعداں بھی ملا دیے۔ کیونکہ یہ بھی یہ سودا بہت ارزاں تھا !

\*\*\*

”تو دیکھو بات دیکھ لے“ پولیس افسر نے مدعجب ہو کر کہا ”جو اس شخص کے ہم سے بیان لی تھی؟ جب ہم نے اس سے دریافت کیا کہ یہ قیمتی سامان تمہیں کدنگر ملا؟ تو اس نے کہا کہ.....“

بے رحمی نے اس کی بات سمجھ کر ہنسنا شروع کیا۔ خود ہی یہ ہنس پوری کر دی:

”اس نے کہا کہ یہ چیز مجھے ایک بڑے پادری کے دی تھی جس نے یہاں میں رہا۔ رات بسر لی تھی۔ مگر تم نے اس کی بات باور نہ کی اور گرفتار کر لیا۔ پھر اس نے آئے۔ کیوں؟ یہی بات ہے؟ اگر یہی بات ہے تو تم نے غلطی کی“

پولیس افسر نے جین کو چہرہ دیا۔ جین کی اند اور اہل طبیعت کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اس لطیف مگر حیرت انگیز طرز عمل کی نزاکت محسوس کر سکتا۔ صورت حال کی عجیب غیر متوقع اور انقلابی نوعیت نے اسے مبہوت کر دیا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں مگر اسے کچھ دہائی نہیں دیتا تھا۔ بے رحمی اٹھا اور چاندی کے دونوں شمعداں جو اس کی چوڑی سے بچ رہے تھے اٹھا سامنے کر دیے:

”میرے دوست! یہ اپنی چیز ٹیلو اور خدا کے امن اور سلامتی کے ساتھ جاؤ۔ مگر دیکھو جب کبھی تم واپس آؤ تو یاد رکھنا۔ تمہارے لیے بالکل غیر ضروری ہے کہ باغ میں سے گزرنے کی زحمت برداشت کرو۔ تم اس گھر میں ہمیشہ اس کے صدر دروازے سے داخل ہوسکتے ہو۔ رات ہو یا دن۔ وہ کبھی اندر سے بند نہیں دیتا جاتا۔ صرف بھڑا دیا جاتا ہے“

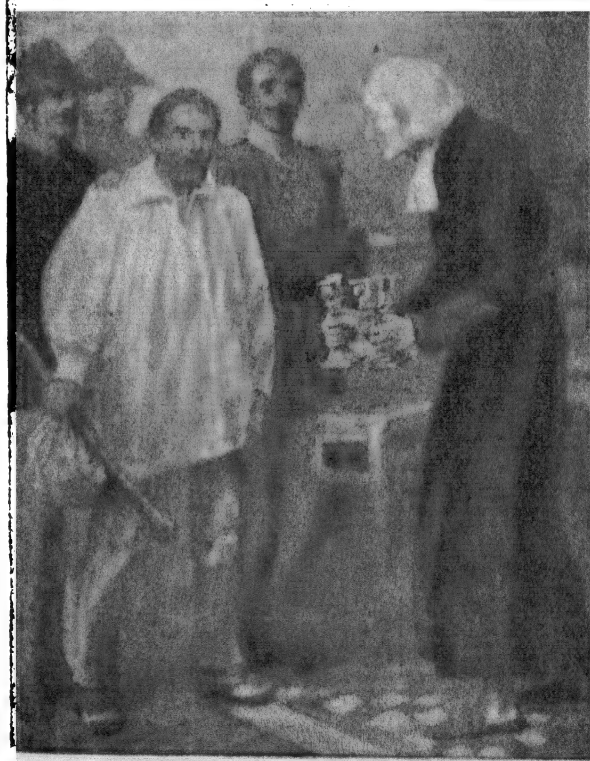
جین نے بغیر اس کے کہ صورت حال سمجھ سکا ہو ایک ایسے آدمی کی طرح جو اپنے ہوش و حواس میں نہ ہو ہاتھ بڑھا دیا اور شمعداں لے لیے۔ اب بے رحمی ایک قدم آگے بڑھتا ہے اور جین کے کان میں کہتا ہے:

”دیکھو یہ نہ بولنا کہ تم نے مجھ سے آج کیا وعدہ کیا ہے؟ تم نے وعدہ کیا ہے کہ اس سامان کی قیمت سے ایک راست باز آدمی کی زندگی بسر کرے“

جین نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ وہ تو مبہوت اور دم بخود کھڑا تھا۔ بے رحمی نے اس کے ہنسنے کا انتظار نہیں کیا۔ اسے جو کہنا چاہیے تھا وہ خود ہی اس کی طرف سے فرض کر لیا۔ قبل اس کہ منظر ختم ہو بے رحمی کی زبان بھر کھلتی ہے۔ وہ جین کے کاندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھتا ہے اور کہتا ہے:

”جین والے جین! میرے دوست! میرے عزیز بھائی! اب تم زیادہ عرصہ تک برائی کی زندگی میں نہیں رہ سکتے۔ میں نے آج تمہاری روح تم سے خرید لی ہے۔ میں اسے تاریکی سے نکال کر خدا کے حوالہ کرتا ہوں!“

\*\*\*



”میرے دوست! تم یہ اپنے شمعداں دیوں چھوڑ گئے؟ یہ بھی چاندی کے ہیں اور دوسروں میں فروخت ہوسکتے ہیں“

نہ ہوئی - وہ قربانیوں پر قربانیاں کرتا گیا - اس نے انسان کی خدمت اور محبت کیلئے اپنا سب کچھ دیدیا - لیکن انسان اُسے انصاف کا ایک کلمہ، اعتراف کا ایک اشارہ، عزت کی ایک غلط انداز نظر بھی نہ دے سکا !

\* \*

افسانہ بہت طویل کہینچتا ہے - سالہا سال گزر جاتے ہیں - یورپ کے بعض اہم واقعات شروع ہوئے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں - ”رائرلو“ کا معرکہ اور ”فرانس کا تیسرا انقلاب“ بھی ہو چکنا ہے، لیکن جین کی عجیب و غریب زندگی کی مسلسل اور غیر مختتم قربانیاں ختم ہونے پر نہیں آتیں - وہ اپنی زندگی کا تمام آخری حصہ صرف کر کے جس یتیم اور مظلوم لڑکی کی پرورش کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اُسکی زندگی کی ساری نامرادیوں اور شقاوتیں کا صلہ اس بچہ کی محبت میں مل جائیگا، وہ بھی اُس سے بے پروا ہو جاتی ہے - جس شخص کی زندگی کو وہ ایک ایسے زہرہ گداز اور دہشت انگیز خطرہ میں پڑ کر بچاتا ہے جس کا تصور بھی انسان کو سہما دے، وہ بھی اُسکے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا اور اُس سے منہ موڑ لیتا ہے - آخر وہ وقت آتا ہے جب اسی برس کی عمر میں تن تنہا بستر موت پر کر و تپیں بدلتا ہے - اسوقت انسان طیار ہوتا ہے کہ اُسکے ساتھ انصاف کرے -

ساری عمر کی نیکی اور قربانی کے بعد اعتراف کی یہی چند ٹھوڑیاں تھیں جو سوسائٹی اُسے دے سکی !

\* \*

ریڈنگر ہیگو کی یہ طیار کی ہری سیر (کیپرنگر) نہایت مقبول ہوئی ہے - یورپ کے بڑے بڑے مصور نے اسکا مرقع کہینچنے میں اپنے کمالات کے جوہر دکھلائے ہیں - سب سے بہتر مرقع مورس کا تسلیم کیا جاتا ہے جو گذشتہ صدی کا نامور فرانسیسی مصور تھا - اس مرقع میں اُس نے وہ منظر دکھلایا ہے جب پولیس کے سپاہی جین کو گرفتار کر کے لاتے ہیں اور بشپ کے سامنے پیش کرتے ہیں - جین دم بخود کھڑا ہے - اسکے ہاتھ میں چوڑی کے مال کا بچہ ہے - بشپ مسکراتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور چاندی کے شمعدان اُسے پکڑا رہا ہے - نیچے یہ عبارت درج ہے ”میرے دوست ! تم رات جاتے ہوئے یہ شمعدان کیوں چھوڑ گئے ؟ یہ بھی تو چاندی کے ہیں اور در سو ریہہ میں فروخت ہو سکتے ہیں ؟“

\* \*

کچھ عرصہ ہوا میں سفر میں تھا اور گزران وقت کے لیے یہ قصہ پڑھ رہا تھا - میں نے خیال کیا، ریڈنگر ہیگو نے اپنے زور تخیل سے انسانی سیرۃ کا ایک بڑا ہی بلند اور دلانیز نقشہ کہینچا ہے، لیکن اگر اُس نے مشرق کی شاعری کی طرح (کیونکہ اُس نے سعدی اور حافظ کا مطالعہ کیا تھا) مشرق کے اخلاق و تصوف کا بھی مطالعہ کیا ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس طرح کی اخلاقی سیرۃ یہاں کی عملی زندگی کے واقعات رہ چکے ہیں - پھر مجھے خیال آیا کہ سید الطائفہ جنید بغدادی (رح) اور ابن سابط کا واقعہ کس درجہ اس سے مشابہ، اور اپنی تفصیلات میں کیسا شاندار اور موثر ہے ؟

\* \*

”ابن سابط“ کی سرگزشت کیلئے آئینہ مجلس افسانہ سراہی کا انتظار کیجیے -

”وصاف“

نیکی اور بدی میں کشمکش شروع ہوگئی - مقابلہ سخت تھا مگر جیت نیکی ہی کیلئے تھی - جین نے تاریکی اور گناہ کا دشت بے کنار پیچھے چھوڑا، اور ایک ہی جست میں نیکی اور خدا پرستی کی بلندیوں پر پہنچ گیا :

بال بکشا و صغیر از شجر طوبی زن  
حیف باشد چو تو مرغی کہ اسیر قفسی !

نیکی کی دنیا بدی کی دنیا سے کس قدر دور معلوم ہوتی ہے اور پھر دیکھو تو کتنی نزدیک ہے ؟ جب تک تم نے اُسکی طرف قدم نہیں اٹھایا، وہ اتنی دور ہے کہ اُس کا نشان راہ بھی تمہیں دکھائی نہیں دیتا - لیکن جو نہی تم اُسکی طرف چلے، وہ اتنی نزدیک ہو جاتی ہے کہ ساری مسافت ایک قدم سے زیادہ نہیں ! یونانی علم الاصلام کی ضرب المثل تھی : ”مربح کے مندر اور عطارد کے مندر میں صرف ایک دیوار حائل ہے“ کیونکہ دونوں ایک ہی احاطہ میں تھے، اور جہل و خورنویزی کے مندر سے نکل کر علم و امن کے مندر میں جانے کیلئے صرف اتنا کرنا پڑتا تھا کہ پیچ کے ایک دروازے سے نکل کر دوسرے دروازے میں قدم رکھ دیا - یہ اس طرف اشارہ تھا کہ علم و جہل، محبت و جنگ، اور نیکی و بدی کی دنیاؤں کتنی ہی وسیع اور دراز نظر آتی ہوں، مگر اُسکے لیے جو ایک سے نکل کر دوسری میں قدم رکھنا چاہے، اس سے زیادہ مسافت نہیں ہے کہ ایک گھر کی چوکھٹ سے نکلے اور دوسری چوکھٹ میں قدم رکھ دیا !

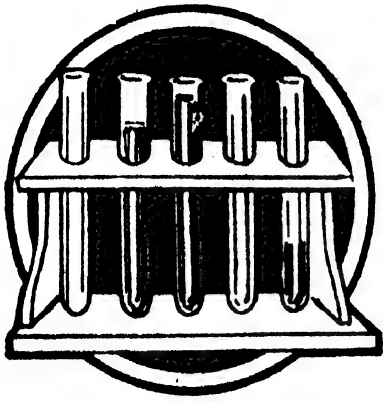
طے می شود این رہ بہ درخشیدن برق  
ماے خبراں منظر شمع و چراغیم !

\* \*

بالآخر فرانس کا وہ مشہور مجرم جسکے لیے جوڑی پیشہ اور قتل تعزیم تھی، جسے دنیا کا قانون اور سوسائٹی کا انصاف اٹھارہ برس عذاب میں رکھ کر بی جرم سے رک نہیں سکا تھا، جسمی شقاوت اور سیہ کاری اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ قید خانہ سے نکلتے ہی پہلا وار اپنے محسن پر کر گزرا، اور ذرا بھی ضمیر کی ملامت محسوس نہ کی ! اب ایک شریف، راست باز، خدا پرست، اور فیاض آدمی تھا جسمی دولت بندگان خدا کی بے لوث خدمت میں اور جسمی زندگی مصیبت زدوں اور بے سر سامانوں کی غمخواری میں صرف ہوتی تھی ! اتنا ہی نہیں بلکہ گذشتہ کے احساس اور مستقبل کی طلب نے اب اسکے اندر نیکی اور ایثار کی ایک ایسی اعلیٰ روح پیدا کر دی تھی جسمی طاقت کی کوئی انتہا اور جسمی وسعت کا کوئی کنارہ نہ تھا - بشپ کا نمونہ اُسے اپنی روحانی بلندی کی سطح سے بھی ایک زیادہ بلندی کی طرف دعوت دے رہا تھا !

\* \*

انسان کتنا ہی نیک بننا چاہے لیکن سوسائٹی اسے نیک بننے نہیں دیتی - وہ اُسکا زندگی کے ہر گوشے اور ہر موڑ پر تعاقب کرتی ہے - جین کچھ سے کچھ ہو گیا، اُسکی روح بدل گئی، اُسکا دل پلٹ گیا، اُس کا سینہ جو کبھی شیطان کا نشیمن تھا، مقدسوں کی نیکیوں کا آشیانہ اور فرشتوں کی پاکیزوں کا خربنہ بن گیا ! تاہم سوسائٹی نہ تو اُسے معاف کر سکی، نہ اُسکی راہ روکنے سے باز آئی - ایک کے بعد ایک آزمائشیں آتی گئیں، اور اُسکی وہ نیکی جو بشپ نے شمعدان پکڑائے ہوئے اسکے دل کے ریشے ریشے میں اتار دی تھی، متزلزل



# مذاکرہ علمیہ



## انسانی عمر کی درازی اور اعادۂ شباب



یورپ کے طبی حلقے سالہا سال سے اعادۂ شباب اور درازی عمر کے جن تجربوں میں مشغول تھے، ان میں سب سے زیادہ کامیابی ڈاکٹر ورورنوف کو رہی ہے جو بندر لی گلیوں کی قلم انسان کے جسم میں لگا کر بوڑھے کو جوانی سے بدل دیتا ہے۔ اس کی حیرت انگیز عملی کامیابیوں کا غلغلہ چار سال سے بلند ہے، اور اب اس درجہ مشہور ہو چکا ہے کہ ہر چوتھے پانچویں ہفتے اس بارے میں کوئی نہ کوئی خبر ریوٹر ایجنسی کے ذریعہ دنیا میں مشہور ہو جاتی ہے۔

سب سے پہلے سنہ ۱۹۲۲ء میں ریوٹرنوف نے یہ خبر مشہور کی تھی کہ سابق قیصر جرمنی نے ڈاکٹر ورورنوف کو بلایا ہے تاکہ اس عملیہ کا تجربہ کریں۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۲۴ء میں فرانس کی ہافاس ایجنسی نے خبر دی کہ حکومت فرانس نے ڈاکٹر موصوف کو الجزائر بھیجا ہے تاکہ وہاں کی بھیزوں پر اس عملیہ کا تجربہ کریں۔ اسی زمانے میں پیرس کے مشہور مصور رسالہ لا استراسیوں نے اس عملیہ کی تاریخ اور عملی نتائج پر متعدد مضامین لکھے، اور تھوڑے عرصہ کے بعد انگلستان کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ورورنوف نے لندن کا سفر کیا ہے اور شاہی طبی مجلس کے زیر اہتمام ایک رقیع جلسہ میں تقریر کی ہے۔ اس جلسہ میں انہوں نے ایک ۷۵- برس کا سالخوردہ آدمی بھی پیش کیا تھا جو حد درجہ کمزور ہو چکا تھا، مگر اب اس عملیہ کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ چالیس برس کا طاقتور جوان معلوم ہوتا تھا!

اس کے بعد فرانس اور انگلستان کے طبی رسالوں میں یہ مباحثہ از سر نو چھڑ گیا۔ مختلف پہاڑوں سے اس پر بحثیں ہوتی رہیں۔

شاید ہندوستان ہی وہ جگہ ہے، جہاں اس عملیہ کی کامیابی اور مقبولیت کا سب سے پہلے اور سب سے بہتر اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ بندر کی سب سے بڑی آبادی انڈیہ کے بعد ہندوستان میں ہے۔ اور اگر عمدہ نسل کے بندروں کی جستجو ہو تو وہ غالباً صرف ہندوستان اور اس کے جزیروں ہی میں مل سکتے ہیں۔ اس لیے ہر ایسے عملیہ کے لیے جس میں اس ”انسان سے ایک درجہ فروتر“ جالور کی ضرورت ہو، ضروری ہے کہ ہندوستان سے اپنی ضرورت پوری کرنے کا انتظام کرے۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں اچانک معلوم ہوا کہ شمالی ہند میں ایک نئی قسم کی تجارت شروع ہو گئی ہے اور خوب فروغ پا رہی ہے۔ یہ تجارت بندروں کے

فرانس بھیجنے کی تجارت تھی۔ معلوم ہوا کہ فرانس کی ایک حیوانات فروش دکان سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں عمدہ نسل اور قسم کے بندر طاب کر رہی ہے، اور بمبے، کلکتہ، کولمبو سے ایک ایک جہاز میں سو سو بندر بھیجے جا رہے ہیں۔ یہ صورت حال اس بات کا قاطعی ثبوت تھی کہ ڈاکٹر ورورنوف کا عملیہ کم از کم مقبول خوب ہو رہا ہے!

حال میں ریوٹر ایجنسی نے پیرس سے ایک نئی خبر شائع کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا تھا کہ حکومت فرانس نے ڈاکٹر موصوف کو فرانس اور اٹلی کے سرحدی مقامات میں سے ایک نہایت پر فضا اور معتدل مقام دیدیا ہے، اور انہوں نے وہاں ایک قدم قلعہ میں بہت بڑی تعداد بندروں کی جمع کر لی ہے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ خود یورپ میں بندر پال کر بڑی تعداد پیدا کر لی جائے، تاکہ اس عملیہ کے انجام دینے میں سہولت ہو۔

اس خبر کے دو ہفتہ بعد پیرس کے مشہور اخبار طان میں ایک ملاقات کا دلچسپ حال شائع ہوا جو اسی سرحدی مقام کے قدیم قلعہ میں (جواب بندروں کی قیام گاہ ہے) مسٹر چرچل اور ڈاکٹر موصوف میں ہوئی تھی۔ ملاقات کی سرگزشت ڈاکٹر ایم۔ لولی فارست کے قلم سے نکلی تھی جو ڈاکٹر ورورنوف کے رائے دوست ہیں۔

چونکہ یہ معاملہ موجودہ دنیا کا سب سے زیادہ اہم طبی انکشاف ہے، اس لیے ہم چاہتے ہیں ایک جامع تحریر اس موضوع پر شائع کر دیں۔ ہم نے مختلف مصادر سے اس مباحثہ کے تین اہم حصے لے لیے ہیں اور انہیں ضروری تضاریر کے ساتھ شائع کر دیتے ہیں۔ پہلا گذرہ نیوزبارک کے مڈیکل جرنل کے ایک مضمون سے ماخوذ ہے جو دنیا کے معتمد طبی رسائل میں سے ہے۔ دوسرا پیرس کے مشہور مصور رسالہ ”لا استراسیوں“ کے مضامین سے مرتب کیا گیا ہے جو اس موضوع پر شائع ہوئے تھے۔ تیسرا ”طان“ پیرس سے لیا گیا ہے جس میں مسٹر چرچل اور ڈاکٹر ورورنوف کی ملاقات کی سرگزشت بیان کی گئی ہے۔ اس کا مختصر خلاصہ ہندوستان کے بعض انگریزی اخبارات میں بھی شائع ہو گیا تھا، لیکن اب ڈاکٹر کے اخبارات میں ”طان“ آگیا ہے اور اس میں پوری سرگزشت درج ہے۔

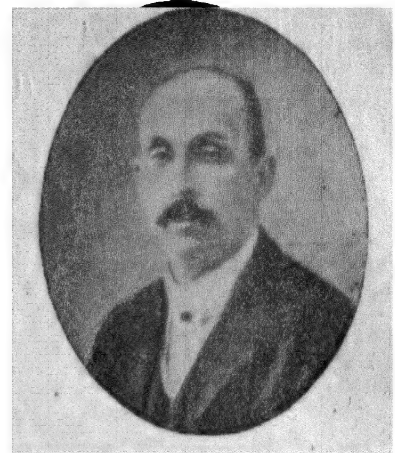
(۱)

(انسانی عمر کی درازی)

زندگی کی بیمہ کرنے والی کمپنیوں کی سالانہ رپورٹیں ظاہر کرتی ہیں کہ تیرہ صدی کے آخری پچیس برسوں میں انسان کی عمر پہلے سے بارہ برس زیادہ ہو گئی ہے۔ امریکن پرنسپل ڈاکٹر میو نے واشنگٹن یونیورسٹی میں پچھلے مہینہ تقریر کرتے ہوئے کہا:

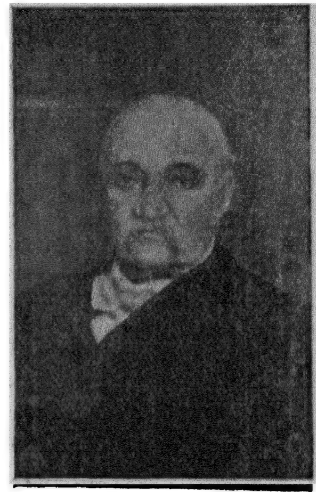


جس نے تجدیدِ خود کے ذریعہ اعادۂ شباب کے عملیہ میں کامیابی حاصل کی



مشہور عالم ڈاکٹر زور زوروف  
جو اعادہ شباب کے عجیبہ تعلیم کا مرقد ہے

ایک ۷۵ برس کا بڑھا آدمی  
عملیہ تقابلیت سے پہلے



چہرے پر بال نکلتے ہیں، اور وہ تمام حالات پیدا ہو جاتے ہیں جسے  
مرد، مرد ہوتا اور اُس میں رزق شباب ظاہر ہوتی ہے۔  
(گلائوں کے عملیات)

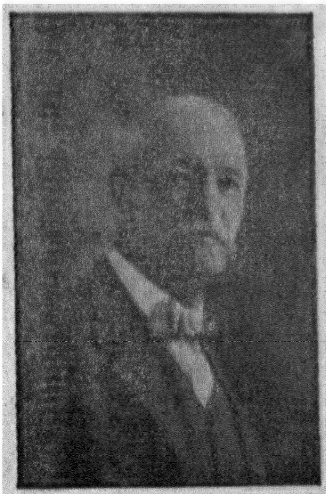
ان گلائوں کو قوی اور چست کیوں کر کیا جائے؟ علماء نے اس  
کے چند طریقے نکالے ہیں

ایک طریقہ یہ ہے کہ ان گلائوں پر عمل جراحی کرتے ہیں  
اور ان کی شرائین مختلف دواؤں کے ذریعہ تروتازہ کر دی جاتی  
ہیں، جن سے مادہ مغزیہ آتا ہے اور جو بڑھاپے میں خشک  
ہو جاتی ہیں۔ یہ طریقہ اب تک پوری طرح کامیاب نہیں ہوا ہے،  
اگر ہو بھی جائے تو صرف انہی بڑھوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے  
جن کے قوی ابھی مضبوط ہیں اور جسم میں مادہ مغزیہ کافی مقدار  
میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ لیکن جن کے قوی بالکل کمزور ہو گئے ہیں،  
ان کے لیے یہ طریقہ مفید نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طریقہ مقبول  
نہیں ہوا۔

دوسرا طریقہ پچکاری کے ذریعہ مواد داخل کرنے کا ہے۔ تندرست  
حیوان کی تناسلی گلائوں کے مواد کا خلاصہ حاصل کیا جاتا ہے، اور  
بڑھے جسموں کی گلائوں میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ طریقہ بھی  
زیادہ کار آمد ثابت نہیں ہوا۔ کیونکہ ازل تو ایسے مواد کا حاصل کرنا  
مشکل ہے۔ پھر اس کا اثر بھی زیادہ دیر پا نہیں ہوتا۔ کچھ مدت  
کے بعد جاتا رہتا ہے۔

یہ طریقہ سب سے پہلے ایک امریکن ڈاکٹر براؤن سینگر نے معلوم کیا  
تھا اور خود اپنے جسم پر اسکا تجربہ کیا تھا۔ یہ ڈاکٹر بہت بڑھا ہو گیا  
تھا۔ عمر ستر سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ علمی اشغال کی قوت باقی  
نہیں رہی تھی۔ بڑے غور و فکر کے بعد اسے خیال ہوا کہ اس طریقہ  
کا تجربہ کیوں نہ کیا جائے؟ چنانچہ تناسلی گلائوں کے مواد کا خلاصہ  
حاصل کیا اور اپنے جسم میں پچکاری کے نشتر کے ذریعہ داخل کر دیا۔  
نتیجہ حیرت انگیز تھا۔ اچانک شباب کی قوتیں عود کر آئیں!

تیسرا طریقہ وہ ہے جسے پیوند یا قلم لگانے سے تعبیر کیا جاتا ہے  
یعنی جس طرح درختوں کی دو مختلف شاخوں کا یا ہمدگر پیوند  
لگایا جاتا ہے، اسی طرح ایک جسم کا کچھ حصہ دوسرے جسم میں  
لگا دیا جائے۔ اسی لیے ہم نے اسے ”تقلیم“ کے لفظ سے تعبیر کیا  
ہے جو عربی میں قلم لگانے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ ایک  
دوسرا لفظ ”تطعيم“ بھی ہے۔ لیکن اسمیں قلم لگانے سے زیادہ ٹیکہ  
لگانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ مصر کے بعض رسائل نے غلطی سے اسے  
”تطعيم“ کہنا شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ تطعيم اس کے لیے مرزوں نہیں



وہی ۷۵ برس کا بڑھا  
عملیہ کے بعد

ان تجربوں کے بعد اُس نے انسان کو لیا اور خاطر خواہ کامیابی  
حاصل ہوئی۔ چالیس سے ساٹھ برس تک کے آدمیوں پر تجربہ  
کیا گیا جنکی شرائین سخت ہو گئی تھیں، اور پیری کے جملہ لوازم  
ان پر قوت پڑے تھے۔ جوان آدمیوں کا خرن ان کے جسم میں  
پہنچایا گیا اور یہ تمام عوارض دور ہو گئے۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے  
کہ اس طریقہ میں جوان آدمی کا بہت سا خرن لیا جاتا ہے۔ نہیں،  
بہت ہی کم خرن۔ اتنا کم، جتنا معمولی زخم سے بہہ جایا کرتا  
ہے۔ اور وہ اس عمل کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ایک سنٹی میٹر مکعب  
سے دو سنٹی میٹر تک خرن کافی ہوتا ہے۔ اس میں اصلی شرط یہ  
ہے کہ دونوں کے خرن کی فعالی خاصیت یکساں ہو۔ یہی سبب  
ہے کہ خرن لینے سے پہلے اُس کی طبی جانچ کرائی جاتی ہے۔ سب  
سے بہتر خرن باپ کے لیے چیتے کا ہوتا ہے۔ لیکن بہر حال طبی معائنہ  
ضروری ہے۔

## (۲) گلائوں کا نظریہ

دوسرا طریقہ گلائوں کی عملیات کا ہے۔ یہ طریقہ اُس نظریہ پر  
مبنی ہے جو آجکل بہت عام اور مقبول ہو رہا ہے۔ نظریہ یہ ہے کہ  
جسم کے پورے نظام کا دار و مدار ان گلائوں پر ہے جو خرن میں بلا  
واسطہ اپنا مادہ پہنچاتی رہتی ہیں۔ ان گلائوں کی مثال بالکل  
اُس نئے سے پرزہ کی ہے جو موٹر میں حرکت کے وقت پہلا شرارہ  
پیدا کرتا ہے۔

گلائوں کی جسم میں تئیر مسام ہے۔ مثلاً جب گردن کی  
”غده درقہ“ (Thyroid Gland) خراب ہو جاتی ہے تو  
انسان میں خفایات و حماقت کی سی ایک کیفیت پیدا ہو جاتی  
ہے۔ اس غدرہ یا گلتی کے اوپر دو گتیاں آ رہی ہیں موجود ہیں۔  
یہ اتنی چھوٹی ہیں کہ پن کے سر سے زیادہ نہیں ہیں۔ اگر یہ  
جسم سے نکال دی جائیں تو فوراً تشنج شروع ہو جائے اور زیادہ سے  
زیادہ چہہ گھٹنے کے اندر انسان مر جائے۔ اسی طرح گردن کے اوپر کی  
گلتیاں بھی اگر نکال دی جائیں تو چشم زدن میں اس طرح دم نکل  
جائے، گویا بجلی گر پڑی۔ وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں گتیاں ایک  
خاص طرح کا مادہ خارج کرتی رہتی ہیں جس کا نام ”ادریڈلین“  
ہے۔ یہی مادہ قلب کی حرکت کا اصلی موجب ہے۔

غرضکہ اس قسم کی بہت سی گلتیاں انسان کے جسم میں  
موجود ہیں۔ لیکن تجربہ کرنے والوں نے اپنے علاج میں صرف تناسلی  
گلائوں سے کام لیا ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تناسلی گلائوں ہی سے  
وہ مادہ خارج ہوتا ہے جس سے مرد کی آواز بھاری ہوتی ہے،

گنجا ہو رہا تھا ! ( صفحہ ۱۱ ) - کی دواؤں تصویروں اسی شخص کی تصویروں ہیں )

ڈاکٹر رورز نرف کا بیان ہے کہ سب سے بڑے پیرنڈ اُس قلم کا ہوتا ہے جو جوان آدمی کی تناسلی گٹھی سے لیا جاتا ہے ۔ علاج کو ایسے بہت ہی قلیل حصے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اتنے قلیل کی کہ آدمی کی صحت کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا مگر چونکہ دنیا بھر کی قوموں کے قوانین نے اسے ممنوع قرار دیدیا ہے اس لیے مجبوراً ترقی یافتہ بندر کی گلیوں سے کام لیا جاتا ہے ۔ کیونکہ حیوانات میں بندر سے زیادہ کوئی جانور انسان سے قریب نہیں ہے ۔ تحلیل کرنے سے ثابت ہوا ہے کہ بندر کا خون بالکل انسان کے خون کی طرح ہے ۔

اب تک بکثرت آدمیوں کا علاج ہو چکا ہے اور سب پر کامیاب رہا ہے سب از سر نو جوان ہو گئے ہیں ۔ ڈاکٹر رورز نرف کا آخری اعلان یہ تھا کہ ” دسمبر سنہ ۱۹۲۶ - تک وہ ایک ہزار بڑھوں پر یہ عملیہ کر چکے ہیں ! “

( جنس اناث اور عملیہ تعلیم )

جس طرح بڑھے مردوں کے لیے یہ عملیہ کامیاب ہوا ہے کیا بڑھی عورتوں کے لیے بھی کامیاب ہو سکتا ہے ؟ کیا آئندہ زمانے میں دواؤں جنس یکساں شباب کی طرف لوٹ سکیں گے ؟ یا زندگی اور انتفاع کے ہر میدان کی طرح اس میدان میں بھی عورتیں محروم رہ جائیں گی ؟

حال میں ڈاکٹر رورز نرف نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے ؟

” اگر آپ چاہیں تو میں آپ سے اس کمیونسٹ عورت کی ملاقات کرادوں جو ۶۵ برس کی عمر اور اس کی ساری معرورمیل لیکر میرے پاس آئی تھی اور اب از سر نو جوان بن کر واپس جا چکی ہے “ ( باقی آئندہ )

## الہلال

کا

یہ ہ - وان نمبر ہی

## لیکن

اس وقت تک توسیع اشاعت کے لیے دفتر لے لیکر

کوئی رحمت نہیں دی ہے ۔ کیا آپ کو خود

اس طرف توجہ نہ ہوگی ؟

ہے ۔ اس میں قیہ لگانے کے عملیہ کی طرح کوئی خارجی مادہ داخل نہیں کیا جاتا ، بلکہ ایک عضو کی قلم دوسرے عضو سے پلوند کر دی جاتی ہے ۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ تندرست جسم کی تناسلی گٹھیاں کا پیرنڈ بڑھے آدمی میں لگادیا جاتا ہے اور وہ بالکل جوان ہو جاتا ہے ۔ سب سے پہلے سنہ ۱۷۷۰ - میں ایک انگریز ڈاکٹر جان ہنٹر نے اس کا تجربہ کیا تھا ۔ بڑھے کتے میں جوان کتے کی لٹکیاں لگادیں اور اسکا بڑھاپا دور ہو گیا ۔ پھر سنہ ۱۸۴۹ - میں ڈاکٹر برٹولڈ نے مرغ پر یہی تجربہ کیا اور کامیاب ہوا ۔ انیسویں صدی کے آخر میں کئی اور پیرنڈوں پر بھی اس عملیہ کے تجربے کامیاب ہو چکے ہیں ۔

لیکن یہ محض تجربے ہی تجربے تھے ۔ ابھی اس حد تک معاملہ نہیں پہنچا تھا کہ عملی حقیقت کی طرح تسلیم کر لیا جاتا ۔ مگر سنہ ۱۸۹۴ - میں ڈاکٹر شٹناخ نے رائٹا میں از سر نو تجربے شروع کیے ۔ انکا سلسلہ اب تک جاری ہے ۔ اس ڈاکٹر کے تجربے زیادہ تر چروہوں پر تھے ۔ تمام تجربے کامیاب ہوئے اور ثابت ہو گیا کہ زیادہ سے زیادہ بڑھے چوہے بھی جوان ہو سکتے اور چالیس مہینے تک زندہ رہ سکتے ہیں ۔ حالانکہ چوہوں کی عمر کا اوسط تیس مہینے سے زیادہ نہیں ۔ اس کے معنی یہ ہوتے کہ انکی عمر میں تقریباً ۴۵ - فی صدی کا اضافہ ہو گیا ۔ اگر اسی پر آدمی کی عمر کا بھی قیاس کیا جائے تو اسی سے سو برس تک پہنچ جانا ممکن معلوم ہوتا ہے ۔

( ڈاکٹر رورز نرف )

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عملیہ کی آخری کامیابی کی عزت ایک روسی ڈاکٹر کے نام لکھی جا چکی تھی جو عرصہ سے پیرس میں مقیم ہے ۔ یعنی ڈاکٹر رورز نرف ۔

ڈاکٹر موصوف نے اپنے تجربے حیوان سے شروع کیے ۔ سب سے پہلے سنہ ۱۹۱۸ - میں ۱۲ - برس کے بڑھے دنبے میں ایک جوان دنبے کی تناسلی گٹھی کا پیرنڈ لگایا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ در مہینے کے اندر بڑھے دنبے کی حالت بدل گئی ۔ پہلے اسکا سر جھکا رہتا تھا ۔ ہاتھ پاؤں کانپتے تھے ۔ پیشاب بند ہو جاتا تھا ، اور تولد و تناسل کی قوت بالکل مفقود ہو چکی تھی ۔ لیکن اس علاج کے بعد اسکی جوانی واپس آگئی ، جرش شباب پیدا ہو گیا ، سینگ مارنے لگا ، اور مادا اس سے حاملہ بھی ہو گئی ۔ ڈاکٹر نے صرف اتنے تجربے ہی پر اتفاق نہیں کیا ۔ بلکہ کچھ روز بعد یہ پیرنڈ الگ کر کے دیکھا کہ اب دنبے کی حالت کیا ہوتی ہے ؟ ہوا یہ کہ پیرنڈ کے الگ ہوتے ہی بڑھاپا لوٹ آیا ۔ ڈاکٹر نے دوبارہ پیرنڈ لگا دیا ، وہ پھر از سر نو جوان ہو گیا !

( ۸۵ برس سے چالیس برس ! )

اسکے بعد ۷۵ - برس کے ایک بڑھے انگریز پر تجربہ کیا ۔ یہ نہایت ہی ردی حالت میں تھا ۔ کمزوری حد کو پہنچ چکی تھی ۔ پیرت ہی کمال لک آئی تھی ۔ بینائی تقریباً جا چکی تھی ۔ کان بھی بھرے ہونے کے قریب تھے ۔ اس نے اپنی جوانی کا تمام زمانہ ہندوستان کے گرم و صحت موسم میں بسر کیا تھا ۔ وہ اس قدر کمزور تھا کہ ڈاکٹر کے مطب تک بھی خود نہیں چڑھ سکا جو پہلی منزل پر ( وقع تھا ) - نور آئے اپنی پیٹھ پر لاد کے لے گیا ۔

لیکن اس علاج کے بعد وہ جوان ہو گیا ۔ قوت واپس آگئی ، حتیٰ کہ سر پر بال بھی نکل آئے ۔ حالانکہ سالہا سال سے اسکا سر

ارادہ پر قائم رہے۔

ابن عباس کا جوش

جب سعائی کی گھڑی بالکل قریب آگئی تو ابن عباس پھر دڑے گئے۔  
”لے ابن عمر! انھوں نے بنت کماہ میں خاموش رہنا چاہتا تھا،  
مگر خاموش رہا نہیں جاتا۔ میں اس راہ میں آپ کی طاقت اور برادری بیکہ  
دلہوں۔ عراق والے، دغا باز ہیں۔ انکے قریب بھی دجائے ہیں قیام  
کیجئے، کیونکہ یہاں حجاز میں آپ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ اگر عراقی آپ کو  
بلاتے ہیں تو ان سے کئے پہلے مخالفین کو اپنے ملاقات سے بکال  
دو، پھر مجھے بلاؤ۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو میں چلے  
جائے۔ وہاں قلعے اور دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ ملک کشادہ ہے۔  
آبادی مہو آکے والدیٰ خیر خواہ ہے۔ وہاں آپ ان لوگوں کے دست  
رئس سے باہر نہ گئے۔ خطوں اور قاصدوں کے ذریعہ اپنی دعوت  
پھیلانے کا۔ مجھے یقین ہے، اس طرح آپ کامیاب ہو جائیں گے“  
لیکن حضرت عیسیٰ نے جواب دیا:

”لے ابن عمر! میں جانتا ہوں تم میرے خیر خواہ ہو۔ لیکن میں  
اب غم کر چکا“

ابن عباس نے کہا:

”آپ نہیں جانتے تو عہدوں اور بھوکوں کو ساتھ نہ لے جائے۔ مجھ  
اندیشہ ہے آپ ان کی آنکھوں کے سامنے کسی طرح قتل نہ کر دے  
جائیں جس طرح عثمان بن عفان (رض) اپنے گھروالوں کے سامنے  
قتل کئے گئے تھے“

تو زوری رخ خاموش رہنے کے بعد حضرت ابن عباس نے جوش  
میں آکر کہا:

”اگر مجھے یقین ہو کہ آپ کے بال بچہ لیں اور لوگوں کے جمع ہونے  
سے آپ ترک جائیں گے تو دامن میں بھی آپ کی پیشانی کے بال  
بچوں کی!“ (ابن جریر)

مگر آپ پھر بھی اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

عبداللہ بن جعفر کا خط

اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپ کو کھایا۔ آپ کے چہرے  
بھائی عبداللہ بن جعفر نے دینے سے خط بھیجا:

”میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنی  
اراضی سے باز آجائے۔ کیونکہ اس راہ میں آپ کے لیے ہلاکت اور آپ کے  
اہل بیت کے لیے بربادی ہے۔ اگر آپ قتل ہو جائیں گے تو زمین کا  
نودھ بھر جائے گا۔ اس وقت ایک آپ ہی ہدایت کا نشان اور اباب  
ایمان کی امید کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے میں آتا ہوں“  
(ابن جریر۔ کامل بقتل ابن احنف وغیر ذلک)

والی کا خط

یہی نہیں بلکہ انھوں نے یزید کے متورک ہونے والی عمرو بن سعید بن  
الحامس سے ہمارا کہا۔ ”حسین بن علی کو خط لکھ کر ہر طرح مطمئن کر دے“  
نے کہا: آپ خود خط لکھ لائے۔ میں ہر کردار کا چنانچہ عبداللہ بن  
والی کی جانب سے یہ خط لکھا:

”میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اس رات سے دُور کر دے  
جس ہلاکت ہو اور اس رات کی طرف نہ ہٹائی کرے جس میں سلامتی  
ہو۔ مجھے معلوم تھا آپ عراق جا رہے ہیں۔ میں آپ کے لیے شوق  
و اختلاص سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپ کی طاقت سے ڈرتا ہوں۔ میں  
عبداللہ بن جعفر اور عیسیٰ بن سعید کو آپ کے پاس بھیجا ہوں۔ انکے  
ساتھ واپس چلے آئے۔ میرے پاس آپ کے لیے امن، سلامتی  
نیکی، احسان، اور حسن جارحہ۔ خدا اس پر شاہد ہے۔ وہی اس کا  
کنیل نگہبان اور کیل ہے۔ والسلام“

# بصائر و حکم

## انسانیت موت کے دروازہ پر!

شاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

حسین بن علی علیہما السلام

دنیا میں انسانیت و ملت و شہرت کے ساتھ حقیقت کا توازن بہت کم قائم رہ سکا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو شخصیں عظمت و تقدس اور قبول و شہرت کی لذتوں  
پر پریخ جاتی ہیں، دنیا و مافیہ تاریخ و حقیقت سے زیادہ انسانہ و عقل کے اندر نہیں ڈھونڈنا چاہتی ہے۔ اسی لئے فلسفہ تاریخ کے بانی ادلہ ابن خلدون کہہ دیا  
بنادینا پڑا کہ جو واقعہ دنیا میں جس قدر زیادہ مقبول و مشہور ہوگا، اتنی ہی زیادہ انسانہ و سرائی اُسے اپنے حصار عقل میں لے لے گی۔ ایک مغربی شاعر گوئی نے یہی حقیقت  
ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کی ہے۔ ”وہ کہتا ہے، ”انسانی عظمت کی حقیقت کی انتہا یہ ہے کہ انسان بھلے!“

تاریخ اسلام میں حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی شخصیت جو اہمیت رکھتی ہے، محتاج بیان نہیں۔ خلفائے راشدین کے  
عہد کے بعد جس واقعے نے اسلام کی دینی، سیاسی، اور اجتماعی تاریخ پر سب سے زیادہ گہرا اثر ڈالا ہے، وہ ان کی شہادت کا عظیم واقعہ ہے۔ بغیر کسی سبب کے کہا  
جاسکتا ہے کہ دنیا کے کسی انسان کا حادثہ پر نسل انسانی کے اس قدر آئندہ سے ہونے کے جس قدر اس حادثہ پر بہ چکے ہیں۔ تیرہ سو برس کے اندر تیرہ سو مہم گز  
چکے، اور ہر مہم اس حادثہ کی یاد تازہ کرتا رہا۔ امام حسین کے جسم و خونچکان سے دشت کربلا میں جس قدر خون بہا تھا، اُس کے ایک ایک قطرہ کے بدلے دنیا جگ  
ہائے اتم و اہم کا ایک ایک سیلاب بنا چکی ہے!

بااثر ہر کسی کی عجیب بات ہے کہ تاریخ کا آئینہ شہداء و عظیم تاثیر رکھنے والا واقعہ بھی تاریخ سے کیس زیادہ انسانہ کی مشق اختیار کر چکا ہے؟ اگر آج ایک  
جوانے حقیقت چاہے کہ صرف تاریخ اور تاریخ کی محاط شہادتوں کے اندر اس حادثہ کا مطالعہ کرے، تو اگر صورتوں میں اُسے ایسی سے دو چار ہونا پڑے گا۔  
اس وقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے، وہ زیادہ تر رد و تخریب سے قتل و کشتاوت کا معقد، زیادہ سے زیادہ گریہ و بکا کی  
حالت پیدا کر دیتی ہے، نہ کہ تاریخی حقیقت سے بیان واقعات۔ بعض چیزیں جو تاریخ کی شکل میں مرتب ہوئی ہیں، وہ بھی دراصل تاریخ نہیں ہیں۔ رد و تخریب  
اور مجلس طرازی کے مواد ہی نے ایک دوسری مشق اختیار کر لی ہے۔

اگر آج جو کچھ کہنے کو دنیا کی کسی زبان میں بھی کوئی ایک کتاب ایسی موجود ہے جو حادثہ کربلا کی ”تاریخ“ ہے، تو واقعہ یہ ہے کہ ایک بھی نہیں!  
ذیل میں ہم دفتیات شاہیر عالم میں سے (جس کا ذکر دوسرے نمبر میں ہو چکا ہے) حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعات و حوادث نقل  
کرتے ہیں۔ یہ حادثہ کربلا کی ”تاریخ“ نہیں ہے، مگر تمام تاریخی واقعات کا مرتب مجموعہ ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ جہاں تک ”تاریخ“ کا تعلق ہے، اس حادثہ کے متعلق  
یاد ہے کہ اس سلسلہ سے مستقر تاریخی بحث و نظر نہیں ہے، بلکہ مجرد واقعات و فوات کا اس طرح بچا کر دینا ہے کہ اُس سے ایک مرتب سلسلہ بیان پیدا ہو جائے  
البتہ واقعات کے شخص و حقیقت میں پوری کاوش کی گئی ہے۔ شاید اس قدر کاوش جو کہ ساتھ ان حالات کا تاریخی مجموعہ دوسری جگہ نہ لے۔

تمہید

اہل بیت، شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔  
امیر معاویہ بن ابی سفیان کی وفات کے بعد تخت خلافت خالی ہوا۔ یزید  
بن معاویہ پہلے سے ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنی خلافت کا  
اعلان کر دیا۔ اور حسین بن علی علیہما السلام سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا۔  
امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے گو نہ کو دار الخلافہ قرار دیا تھا،  
اس لئے وہاں اہل بیت کرام کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی۔  
انھوں نے حضرت حسین کو لکھا کہ آپ تشریف لائے، ہم آپ کا ساتھ  
دیں گے۔ اپنے اپنے چہرے بھائی مسلم بن قیل کو اہل کو نہ سے بیت  
لینے کے لئے بھیجا اور خود بھی سفر کی تیاری کرنے لگے۔

دوستوں کا مشورہ

آپ کے دوستوں اور عزیزوں کو معلوم ہوا تو سخت مضطرب ہوئے۔  
وہ اہل کو نہ کی بے وفائی اور دانا سازی سے واقف تھے۔ بنی امیہ

کی سخت گیر طاقتوں سے بھی بے خبر نہ تھے۔ انھوں نے اس سفر کی  
مخالفت کی حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا، ”لوگ یہ منکر بہت  
پریشان ہیں کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ مجھے اہل حقیقت سے آگاہ کیجئے“  
حضرت عیسیٰ نے جواب دیا، ”میں نے غم کر لیا ہے۔ آج ہی کل میں دُعا  
ہوتا ہوں“ ابن عباس بے اختیار پکار اُٹھے، ”خدا آپ کی حفاظت  
کرے۔ کیا آپ ایسے لوگوں میں جا رہے ہیں جنہوں نے اپنے امیر کو  
بے دست و پا کر دیا ہے، دشمن کو بنگال دیا ہے، اور ملک پر قبضہ کر  
کر لیا ہے؟ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو شوق سے تشریف لیجئے لیکن  
اگر ایسا نہیں ہوا ہے۔ حاکم بدستور ان کی گردن دبا دے میٹھا ہے۔ انکے  
گلا شستے برابر اپنی کارستانیاں کر دیں تو ان کا آپ کو بلانا اور  
حقیقت جنگ کی طرف بلانا ہے۔ میں جانتا ہوں، وہ آپ کو دھوکا دے  
دیں، اور جب دشمن کو طاقتور دیکھیں تو خود آپ سے ملنے کے لیے آئیں گے  
نہ ہوجائیں“ مگر آپ اس طرح کی باتوں سے متاثر نہ ہوئے اور اپنے



## تاریخ راجگان ہند

موسوم بہ

## دقلعہ راجستان

یہ کتاب نہیں بلکہ کشور ہندوستان کے لوگوں کا ایک آئینہ جہاں ناہمواریاں، ہندو اتوم دمل خصوصاً سرزمین ہند کی سرحد ناز بہادر قوم راجپوت، اور اسکی مختلف شاخوں کا مفصل مستند بیان ادا بتاتا انتہا موجود ہے۔ یہ کتاب نگار خانہ ہے جس میں ان غیر مذکور کی جتنی جاگتی ادھر کی تصویریں نظر آتی ہیں جو اقلیم ہند میں ہر درخت سے آئیں، اہل باشندگان ہند کو مطلوب کیے کے اقلعہ ملک پر قابض ہوئے اور ہندوستان میں ذکر ہندو، کسلنے لگے یہ ایک تہہ جو چین مسلمانوں کی آمد آنکھ کا قال دوال کی کیفیت اور ان کی سلطنت کے سقوط کا مفصل حال موج ہو یہ ایک آئینہ جو چین میں مذکور قال روایات در رسم تاریخی جغرافیائی حالات وغیرہ ناز بہادر حال کیا کیے گئے ہیں۔ الغرض یہ کہ یہ کتاب ایک نادر الوجود پیش ہمارا ہے۔ کریٹل ٹاڈ اور دیگر مورخین کی غلط بیانیوں کی فاضل و محقق مولف نے نہایت شرح دہلا اور دلائل قاطعہ و صلاح و تردید فراہم کی ہیں۔ کتاب کا ذخیرہ ریاست عالیہ رامپور کا پیش ہمارا ہے۔ ہندو اور دیگر ریاستوں کے کھانا اور ان میں کتاؤں سے بھی مدد ملی ہے جو جزاؤں میں محفوظ کیا علماء و کلاؤں۔ مدین و مبلغین کے لئے یہ نادر کتاب معلوم کا ایک پیش ہمارا ہے جو حالات تاریخی و جغرافیائی روایا و رسوم و عقائد و تہذبات اس میں موج ہیں وہ کسی ایک کتاب میں ہرگز نہیں مل سکتے۔

والیان ریاست تعلقات ران، امراء و رؤساء کے کھانے بغیر اس بے نظیر کتاب کے ہرگز مکمل نہیں کلا سکتے۔ فی زمانہ برائی باؤں پر جو نازنگ چڑا کر پیش کیا جا رہا ہو اسکی قلمی کونے کے لئے یہ کتاب ایک دردت کہ اور لازمی جواب دینے کے لئے ایک ہلک حریہ ہو۔ قطع ہری صفحات ۶۳

نیت صرت سلف نے، راجپوت

آج ہی کارڈ لکھ کر منجر تہم تک اگھنی لکھتے سے ملگا ہو

## دنیا کی بہترین پسل

## امریکن کارخانہ شیف

کی

## "لائف ٹائم" پسل ہو

اسلے کہ

(۱) "لائف ٹائم" یعنی عمر بھر کے لئے کافی ہو۔

(۲) اسکا خول اس قدر خوشنما اور دیدہ زیب ہو کہ دنیا

کی کوئی پسل خوبصورتی میں اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(۳) ارزانی میں بھی تمام قسم کی پسلوں کا مقابلہ کرتی ہو

ماور کھئے

آپ کو "لائف ٹائم" پسل خریدنی ہو!

کرنے کے لئے طیارہ چڑھیں میں ملحق ہو جائوں، تو میں تھکے شہر میں چلنے کو آمادہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہو بلکہ تم میری آمیزش ہو، تو میں وہیں واپس چلا جاؤں گا جہاں کو کیا ہوں۔

دشمنوں نے آپ کے کچھ مناظر پر کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دینک خاموش رہنے کے بعد لگ موذن سے کہنے لگے۔ "اقامت پکاؤ۔" حضرت عین نے حرمین پر یہ کہا۔ "کیا تم علمہ نماز پڑھو گے؟" اس نے کہا۔ نہیں، آپ اقامت کریں، ہم آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ وہیں عصر کی بھی نماز پڑھی۔ دوست دشمن سب متعقد تھے۔ سلام کے بعد اپنے پھر خطبہ دیا:

دوسرا خطبہ "اے لوگو! اگر تم تقویٰ پر ہو اور حقدار کا حق پہچانو، تو یہ خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔ ہم اہل بیت ان دعویوں سے زیادہ حکومت کے حقدار ہیں۔ (ان لوگوں کا کوئی حق نہیں۔ یہ تبرطلد جو سے حکومت کرتے ہیں۔ لیکن اگر تم ہیں ناپسند کرد، ہمارا حق نہ پہچانو، اور تمہاری لئے اب اس کے خلاف ہوگی ہو، جو تم نے مجھے اپنے خطوں میں لکھی اور قاصدوں کی زبانی پہنچائی تھی؛ تو میں واپس چلے جانے کے لئے خوشی طیار ہوں۔"

اہل کوفہ کے خطوط اس پر نے کہا۔ "آپ کن خطوں کا ذکر کرتے ہیں؟ ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں۔" اپنے عقبہ بن سمان کو حکم دیا کہ وہ دونوں پھیلے نکال لائے جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہیں۔ عقبہ نے پھیلے اٹیل کر خطوں کا ٹپر لگا دیا۔ اس پر نے کہا۔ "لیکن ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے یہ خط لکھے تھے۔ ہمیں تو یہ حکم ملا کہ آپ کو عید آمد بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں" حضرت امام نے فرمایا۔ "لیکن یہ موت سے پہلے نامکن ہے۔"

پھر اپنے روانگی کا حکم دیا۔ لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ اپنے خفا ہو کر حرم سے کہا۔ "تیری ماں تھکے ہوئے! تو کیا چاہتا ہو؟" حرم نے جواب دیا۔ "والدہ اگر آپ کے سوا کوئی اور عرب میری ماں کا نام زبان پر لاتا تو میں اسے بتا دیتا! لیکن آپ کی ماں کا ذکر میری زبان پر برائی کے ساتھ نہیں آسکتا۔" اپنے فرمایا۔ "پھر تم کیا چاہو؟" اس نے کہا۔ "میں آپ کو عید آمد بن زیاد کے پاس لجا چاہتا ہوں۔" اپنے جواب دیا۔ "تو دال میں تیرے ساتھ نہیں چلوں گا۔" اس نے کہا۔ "والدہ میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا، جب گفتگو زیادہ بری ہوئے کہہ رہے تھے۔" اس نے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ملا۔ مجھے صرت یہ حکم ملا کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو نہ مدینہ۔ میں ان زیاد کو لکھا ہوں۔ آپ اگر پسند کریں تو خود بھی زیاد یا عید آمد کو لکھئے۔ شاید خدا میرے لئے کوئی مخلصی کی صورت پیدا کرے، اور آپ کے معاملہ میں امتحان کو پنج جادوں۔" یہ بات اپنے منظور کر لی اور روانہ ہوئے۔ (ابن جریر اور کابل وغیرہ)

ایک اور خطبہ راستہ میں کئی اور مقامات پر بھی اپنے دوستوں اور دشمنوں کو مخاطب کیا۔ مقام بقیع میں خطبہ دیا: "اے لوگو! رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہو: جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھ جو ظلم کرتا ہو، خدا کی قسم! اگر وہیں میں نہیں ہوں تو میں اس کی شکست کرتا ہوں، سنت نبوی کی مخالفت کرتا ہو، خدا کے بندوں پر

گر آپ بدستور اپنے ارادے پر چلے ہو۔ (ابن جریر وغیرہ) فردق سے ملاقات کمر سے آپ عراقی کو روانہ ہو گئے۔ "مفاح" نام مقام پر شہو محب اہل بیت شاعر فردق سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے دیکھا۔ "تیرے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہو؟" فردق نے جواب دیا۔ "انکے دلی آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر تلواریں بنی آبیہ کے ساتھ ہیں" فرمایا۔ "سچ کہتا ہو۔ اب معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ وہ جو چاہتا ہو وہی ہوتا ہو۔ ہمارا پروردگار ہر لمحہ کسی نہ کسی حکم فرمائی میں جو۔ اگر اس کی شیت ہماری پسند کے مطابق ہو تو اس کی تائش کریں گے۔ اگر امید کے خلاف ہو تو بھی نیک نیتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا ہو۔"

یہ کہا اور سواری آگے بڑھائی۔ (ایضاً) مسلم بن عقیل کے عزیزوں کی ضد زرد نام مقام میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ آپ کے نائب سلم بن عقیل کو کوفہ میں زید کے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے علانیہ قتل کر دیا اور کئی کان پر جو تک نہ رہی۔ اپنے سنا تو بار بار انا مدد دانا۔ راجوں! پھر ہنا شروع کیا۔ بعض ساتھیوں نے کہا: "اب بھی دقت ہو۔ ہم آپ کے اہل بیت کے معاملہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں۔ بدہش سے لوٹ چلے۔ کوفہ میں آپ کا کوئی ایک بھی طرفدار اور مددگار نہیں ہو۔ سب آپ کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔"

آپ خاموش ہو گئے، اور دالسی پر عود کرنے لگے لیکن سلم بن عقیل کے عزیز کھڑے ہو گئے۔ "والدہ ہم ہرگز نہ ملیں گے" انہوں نے کہا۔ "ہم اپنا انتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح مرجاں گے۔" اس پر آپ نے ساتھیوں کو نظر اٹھا کر دیکھا اور ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔ "ان کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔" (ایضاً) راستہ میں پھر چھٹ گئی

بدوں کی ایک بڑی جگہ ساتھ ہوئی تھی۔ یہ سمجھتے تھے کہ دین خوب آرام کیجئے۔ آپ بھی حقیقت سوا تھا تھو۔ سب کو جمع کر کے خطبہ دیا۔ "اے لوگو! ہمیں نہایت دہشتناک خبریں پہنچی ہیں۔ سلم بن عقیل، ہانی بن عروہ، اور عبید اللہ بن بقطر قتل کر ڈالے گئے، ہمارا طرفداروں نے یونانی کی۔ کوفہ میں ہمارا کوئی مددگار نہیں جو ہمارا ساتھ چھٹنا چاہے چھوڑے۔ ہم ہرگز خفا نہ ہوں گے۔" پھر نے پنا تو دال میں بائیں کٹنا شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد آپ کے گرد دہی آدی رہ گئے جو کہ سے ساتھ چلے تھے! (ایضاً) حرمین پر مدی کی آمد

قادسیہ سے جوں ہی آگے بڑھے، عبید اللہ بن زیاد دالی عراق کے عامل حصین بن یزید بنی کی طرف سے حرمین پر ایک ہزار فوج کے ساتھ نمودار ہوا اور ساتھ ہوا۔ اسے حکم تھا کہ حضرت حصین کے ساتھ برابر لگا رہو، اور اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑے، جب تک انھیں عبید اللہ بن زیاد کے دروازہ پہنچائے۔ اسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت آ گیا۔ آپ تہ بند اندر ہو، چادر اوٹھ کر بغل پہنے تشریف لائے اور جد و جہد کے بعد اپنے ساتھیوں اور حرم کے ساتھ ہوں کے سامنے خطبہ دیا:

راہ میں ایک خطبہ "اے لوگو! خدا کے سامنے اور تمہارے سامنے میرا قدر یہ ہو کہ میں اپنی طرف سے یہاں نہیں آیا ہوں۔ میرے پاس تمہارے خطوط پہنچے، قاصد کے، مجھے بار بار دعوت دی گئی کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ آپ آئے تاکہ خدا ہمیں آپ کے ہاتھ پر جمع کرے۔ اگر اب بھی تمہاری ہی حالت ہو تو میں آ گیا ہوں۔ اگر مجھ سے عہد پان



اگر آپ انگلستان کی سیاحت چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہینما

(گائیڈ بک)

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوائیٹوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات،

اور

آپ کو قدیم و غیرہ

آپ کو مطلع کرے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف ڈنلپ گائیڈ بوکس برٹین

THE DUNLOP GUIDE TO GREAT BRITAIN

کا دفتر ایڈیشن ہے

ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک شال سے مل سکتی ہے

اللال کی مکمل جلدیں

گاہے گاہے بازوئیں این قرائدہ را تازہ خواہی داشتند گرد آہائے سید

اللال کی پہلی اور دوسری اشاعت کی جلدوں کے لئے شائقین علم و ادب شائق تھے۔ چند جلدیں جو تقریباً کر سکاہو جن کی قیمت پر بھیجی جاسکتی ہیں،

اللال جلد سوم

جلد چہارم

جلد پنجم

قیمت فی جلد ۸ روپیہ - (نیز اللال) (بالغہ یعنی اللال کا دوسرا سلسلہ اشاعت) ۵ روپیہ - (نیز اللال)

اگر آپ کو

د

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی

شکایت ہے، تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے

سے قریب دوا فروش کی دکان

سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی مشہور عالم دوا کانسگوا کر

استعمال کیجئے

کیا آپ معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا میں تیرن فانٹن قلم

امریکن کا خانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“ تسلیم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت

یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی

زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری

بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو

آپ کو ”شیفر“ کا

”لائف ٹائم“

لینا چاہئے!

# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرائے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350: Oxford Street,**  
**LONDON, W. I.**

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور اُن کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا سر حاصل ہے! اور انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوتا ہے۔

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ۔

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں۔

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے۔

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسلے۔

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ۔

قیمتی سیمیتی، اور سستے سے سستے ایڈیشن۔

آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمارے یہاں ہے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرے کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے۔

جائینگے۔ والد جب تک ان کے دم میں دم نہ ہوگا، آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے گا۔

آپنے جواب دیا:

”خدا تمہیں خوار فرمے، لیکن ہمارے امدان کے ابن ایک عہد ہو چکا ہو۔ ہم اس کی موجودگی میں قدم بچھے نہیں ہٹا سکتے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا، ہمارا ابن کا معاملہ کس حد پر پہنچے ہم ہوگا؟“ (ایضاً)

خواب

اب آپ کو یقین ہو چلا تھا کہ موت کی طرف جارہی ہیں۔ قصر بنی مقاتل، نامی مقام سے کوئٹہ کے وقت آپ ادبکھٹے تھے۔ پھر چونکہ کرک واز بند کھینے لگے، (نامہ دانا الیہ واجون۔ الحمد للہ رب العالمین) تین مرتبہ ہی فرمایا۔ آپکے صاحبزائے علی نے عرض کیا ”یہ نامہ اور الحمد کیوں؟“ فرمایا ”جان پدا ابھی اذگہ گئی تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سوار کتا چلا جا رہا ہو۔“ لوگ چلتے ہیں اور موت آنکے ساتھ چلتی ہو! میں سمجھ گیا کہ یہ ہماری ہی موت کی خبر ہے جو ہنس سالی جا رہی ہو۔ علی نے کہا ”خدا آپ کو رزید نہ دکھائے! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟“ فرمایا ”جی ہاں حق پر ہیں“ اس پر وہ بے اختیار کہہ اٹھے: ”اگر ہم حق پر ہیں تو پھر موت کی کوئی پردہ نہیں!“ یہ وہی آپکے صاحبزائے ہیں جو میدان کرک میں شہید ہوئے اور علی الاکر کے لقب سے مشہور ہیں (ابن جریر۔ شرح بخاری۔ ابوالیہ رضی عنہما)

ابن زیاد کا خط

صبح آپ پھر سہارا ہوئے۔ اپنے ساتھیوں کو بھیلانا شروع کیا۔ اگرچہ بن زید انھیں پھیلنے سے روکتا تھا۔ باہر ورتک کش کش جا رہی تھی۔ آخر کو ذی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ یہ ہتیار بند تھا۔ حضرت حسین کی طرف سے آئے منہ پھریا، مگر حر کو سلام کیا، اور ابن زیاد کا خط پیش کیا۔ خط کا معنوں یہ تھا:

”حسین کو کہیں لکھنے نہ دو۔ کھلے میدان کے ہوا کہیں اترنے نہ پائے۔ قلعہ بند یا شاداب مقام میں پڑاؤ نہ ڈال سکے۔ میرا یہ قاصد تمہارے ساتھ رہے گا اور دیکھتا رہے گا کہ تم کہاں تک میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو“

حر نے خط کے معنوں سے حضرت امام کو آگاہ کیا اور کہا اب میں مجبور ہوں۔ آپکو بے آگ کیا گیا کھلے میدان ہی میں اترنے کی اجازت ملے سکتا ہوں۔ ”زہیر بن القین نے حضرت سے عرض کیا ”ان لوگوں سے لڑنا اس فوج گراں سے لڑنے کے مقابل میں کہیں آسان ہو جو بعد میں اے کی گئے مگر اپنے لڑنے سے انکار کر دیا۔“ میں اپنی طرف سے لڑائی میں پہل نہیں کروں گا۔ ”زہیر نے کہا تو پھر اس سامنے کے گاؤں میں چل کر اتریں جو فرات کے کنارے ہو اور قلعہ بند ہو جائے“ آپ نے پوچھا ”اس کا نام کیا ہو؟“ ”خیر نے کہا ”عقر“ (عقر کے معنی ہیں کاٹنا یا بے ثمر دیکھنا) یہ منکر آپ منتضیٰ ہوئے اور کہا ”عقر سے خدا کی پناہ!“ (ایضاً)

کر بلا میں ورود

آخر آپ ایک ماجر سرزمین پر پہنچے اتر پڑے۔ پوچھا ”اس زمین کا نام کیا ہو؟“ معلوم ہوا ”کر بلا“ آپنے فرمایا ”یہ کرب (اور لاہور) یہ مقام پانی سے دودھ تھا۔ کیا میں اندامیں ایک پھاٹی ہال (الاماتہ والیاسہ)

یہ واقعہ مرحوم سلاطین کی کاہی۔

(ادبکھانی جان دیکھو ما لہما دیکھو اور دغا باز، ظالم، ہاک ہونے والے سے جدا ہو رہا ہوں) (ایضاً)

چار کو فیوں کی آمد

”مذہب الجہات نام مقام پر کوئٹہ سے م سوار آئے دکھائی دئے ان کے آگے آگے طرح بن عدی یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

یا قتی لا تزعی من زجری  
ذختری قبل طلوع الفجر  
(لے میری آذنی میری ٹانگ سے ڈنسیں طلوع فجر سے پہلے ہمت چلا)

بجز رکبان وغیر سفر حتی قلی بکرم الفجر

(میرے اچھے سافروں کو پہل، جسے اچھے سفر پہل، یہاں تک کہ شریف انب آدمی تک پہنچ جا)

الماء لافجر، حیب الصدق، اتی بہ الصدق سرور! (وہ عزت والا ہو، آزادی، فراخ سینہ ہو، اللہ اسے جسے اچھے کام کے لئے لایا ہو)

فتت البقاء بقار الدہر!

(خدا اسے ہمیشہ سلامت رکھے)

حضرت حسین نے یہ شعر سن کر فرمایا ”والہم مجھے ہی امید ہو کہ خدا کو ہمارے ساتھ بھلائی منظور ہو، چاہے قتل ہوں یا قیام ہوں“

حر بن زید نے ان لوگوں کو دیکھا تو حضرت سے کہا ”یہ لوگ کوئٹہ کے ہیں۔ آپکے ساتھی نہیں ہیں۔ میں انہیں روکوں گا یا واپس کر دوں گا“ آپنے فرمایا ”تم وعدہ کر چکے ہو کہ ان زیاد کا خط آنے سے پہلے مجھ سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔ یہ اگر میرے ساتھ نہیں آئے، لیکن میرے ہی ساتھی ہیں۔ اگر ان سے چیر چھا کر لے لیں تو تم سے لڑوں گا“ یہ منکر حر خاموش ہو گیا۔

کوفہ والوں کی حالت

آنے والوں سے اپنے پوچھا ”لوگوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟“ انھوں نے جواب دیا ”شہر کے سرداروں کو ریشوں دیکھ لیا گیا ہو۔ عوام کے دل آپکے ساتھ ہیں مگر ان کی تلوا میں کل آپکے خلاف نیام سے باہر نکلیں گی“ (ایضاً)

آپکے قاصد کا قتل

اس سے پہلے آپ قتی بن سرکر بطور قاصد کے کوئٹہ پہنچ چکے تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے انھیں قتل کر ڈالا تھا۔ مگر آپ کو اطلاع نہ تھی۔ ان لوگوں سے قاصد کا حال پوچھا۔ انھوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ آپکی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور فرمایا: ”منہم من قضی خبہ ومنہم من قتل، وما بدوا ابتداء!“ (بعض ان میں سے مر چکے ہیں اور بعض موت کا انتظار کر رہے ہیں مگر حق پر ثابت قدم ہیں، اُس کوئی تبدیلی نہیں کی ہو؟ خدا! ہمارے لئے اور ان کے لئے جنت کی راہ کھول دے! اپنی رحمت اور ثواب کے دار القرائیں ہیں امدائیں جمع کر!“

طرح بن عدی کا شور

طرح بن عدی نے کہا:

”والہم میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہوں مگر آپکے قتل کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ اگر صرف یہی لوگ ٹوٹ پڑیں جو آپکے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو خاتمہ ہو جائے۔ میں نے اپنا بڑا انوہ آدمیوں کا کوئٹہ کے عقب میں بچھا ہوا، جتنا کسی ایک مقام پر کبھی نہیں بچھا تھا۔ یہ سب اس لئے جمع کئے گئے ہیں کہ ایک حسین سے لڑیں اس

آپکو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھئے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں شمشیر سے بالکل امن ہو تو میرے ساتھ چلے چلے۔ میں نے پہاڑ ”آجا“ میں آپ کو آدھل گا۔ والہم وہاں دس دن بھی نہ گزریں گے کہ قبیلہ لے کے ۲۰ ہزار ہار تلواریں لے آئے آپکے سامنے کھڑے ہو

گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہو، اور دیکھنے پہ بھی نہ ترانے قتل سے اُس کی مخالفت کرتا ہو، داپنے قول سے، سو خدا ایسا آدمی کو اچھا ٹھکنا نہیں بخشو گا۔ دیکھو یہ لوگ شیطان کے مردوں گئے ہیں، جن سے سرکش ہو گئے ہیں۔ مناد ظاہر ہے، حدود الہی محفل ہیں، ال غیبت پر ناجائز قبضہ، خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرا جا رہا ہو۔

میں ابن کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ تمہارے بے شمار خطوط اور قاصد میرے پاس پیام بہت لیکر پہنچے۔ تم عہد کر چکے ہو کہ نہ ترجمہ سے بے وفائی کرو گے۔ نہ مجھے شمول کے حوالہ کرو گے۔ اگر تم اپنی اس بیعت پر قائم رہو تو میرے لئے کوئی راہ

ہدایت ہو۔ کیونکہ میر حسین ابن علی، ابن فاطمہ، رسول اللہ کا نواسہ ہیں۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ ہو۔ میرے بال بچے تمہارے بال بچوں کے ساتھ ہیں۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ۔ اور مجھ سے گردن نہ منو!

لیکن اگر تم یہ نہ کرو، بلکہ اپنا عہد توڑ دو، اور اپنی گردن سے میری بیعت کا حلقہ نکال پھینکو، تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔ تم میرے باپ بھائی، اور دم زاد سلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو۔ وہ فریب خودہ

ہو جو تیرے پھر دوسرے کرے۔ لیکن یاد رکھو، تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہو۔ اور اب بھی اپنا ہی نقصان کر گئے۔ تم نے اپنا حصہ کھو دیا اپنی بیعت بگاڑ دی۔ جو بد عہدی کرے گا، خود اپنے خلاف بد عہدی کرے گا۔

عجب نہیں خدا حقیر مجھے تم سے بے نیاز کرے۔ والسلام علیکم ورت اللہ وبرکاتہ“ (ابن جریر اور کمال و غیرہ)

ایک اور تقریر

ایک دوسری جگہ یوں تقریر فرمائی:

”معاملہ کی جو صورت ہو گئی ہو تم دیکھ رہے ہو۔ دینا لے پناہنگ بدل دیا، منہ پھریا، نیکی سے خالی ہو گئی۔ ذرا سی ٹھٹھ باتی جو حیر سی زندگی نہ بچتی ہو۔ ہولناکی لے احاطہ کر لیا ہو۔ انہوں نے دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہو؟ باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے؟ کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑے۔ دلت آگیا ہو کہ مومن حق کی راہ میں تھا، اللہ کی خواہش کرے۔ میں شہادت ہی کی تو چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود جرم ہو“

زہیر کا جواب

یہ خطبہ منکر زہیر بن القین لکھتی ہے کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا ”تم بولو گے میں بولوں؟“ سب نے کہا ”تم بولو“ زہیر نے تقریر کی:

”لے فزند رسول اللہ! خدا آپکے ساتھ ہوا! ہم نے آپکی تقریر سنی۔ والہم، اگر دینا ہمارے لئے ہمیشہ باتی رہنے والی ہو، اور ہم سدا اُس میں رہنے والے ہوں، جب بھی آپ کی حمایت و نصرت کے لئے اُس کی جدائی گوارا کر لیں گے اور ہمیشہ کی زندگی پر آپکے ساتھ جگا کو ترجیح دیں گے!“ (ایضاً)

حر کی دہلی کا جواب

حر بن زید آپکے ساتھ برابر چلا آ رہا تھا۔ بار بار کتا تھا۔ ”جئے حسین! اپنے حلالین خدا کو یاد کیجئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ جنگ کریں گے تو ضرور قتل کر ڈالے جائیں گے“ ایک مرتبہ اپنے غصناک ہو کر فرمایا ”تو مجھے موت سے ڈاتا ہو؟ کیا تمہاری شہادت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھے قتل کر دے؟“ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا

جواب دے؟ لیکن میں یہی کہوں گا جو رسول اللہ کے ایک صحابی نے جہاد پر جاتے ہوئے اپنے بھائی کی دہلی منکر کہا تھا:

سأعفی دابا الموت فأرضی اللہ اذا انوی حشا جباہا وسلم! (میں روانہ ہوتا ہوں، مرنے کے لئے موت، ذلت نہیں ہو جبکہ اُس کی نیت

نیک ہو اور اسلام کی راہ میں جہاد کر لیا ہوا)

آسی لرحال الصالحین بنفسہ وفادتی شہدا فی شش دیر غما

## عمر بن سعد کی آمد

دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کو فدائوں کی ہزار فوج لیکر آہو پوچھا۔ عبد اللہ بن زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا۔ عمرو کی خواہش تھی کسی طرح اس امتحان سے بچ سکے اور معاملہ دفع ہو جائے۔ اُسے آئے ہی حضرت حنین کے پاس قاصد بھیجا اور دریافت کیا، آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟ آپ نے وہی جواب دیا جو عمر بن زیاد کو دے چکے تھے: ”تمہارے اس شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا تھا۔ اب اگر وہ مجھے باپنہ کرتے ہیں تو میں لوٹ جانے کے لئے تیار ہوں۔“

## ابن زیاد کی سختی

عمر بن سعد کو اس جواب سے خوشی ہوئی اور امید نہی کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ چنانچہ فوراً عبد اللہ بن زیاد کو خط لکھا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا:

”الآن اذ علقت مخالبتنا به يرجو النجاة و دلت عين ناص (اب کہ ہمارے بچے میں آپھنسا، چاہتا ہو نجات پائے گا اب دایمی اور بخل بھاگے گا وقت نہیں!)“

پھر جواب لکھو! ”حنین سے کو پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ تیرے بھائی کی بہت کریں۔ پھر مدد دیکھیں گے ہیں کیا کرنا چاہئے حنین اور اُن کے ساتھیوں تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں جس طرح عثمان بن عفان پانی سے محروم رہ چکے تھے۔“

## پانی پر تصادم

عمر بن سعد نے مجبوراً پانسو سپاہی گھاٹ کی حفاظت کے لئے بھیجے اور آپ اور آپ کے ساتھیوں پر پانی بند ہو گیا۔ آپ اپنے بھائی عباس بن علی کو حکم دیا کہ ۳۰ سوار اور حنین پہلے کر جائیں اور پانی بھی لائیں۔ یہ پہنچے تو محافظ دستے کے اس غرور بن ملاح نے دیکھا۔ باہم مقابلہ ہوا، لیکن آپ میں شکیں پانی کی بھر پور تھی۔

## عمر بن سعد کی ملاقات

شام کو حضرت حنین نے عمر بن سعد کو کھلیا آج رات مجھ سے ملاقات کرو۔ چنانچہ دونوں میں میں سوار لیکر اپنے اپنے پڑاؤ سے پہنچے اور ایک درمیانی مقام میں بے تھکنی میں بہت رات گئے تک باتیں ہوتی رہیں۔ رادی کہتا ہو گئے تھو بھل خفیہ بھی لیکن لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ حضرت امام نے عمر سے کہا تھا ”ہم تم دونوں اپنے اپنے لشکر میں چھوڑ کر تیرے پاس روانہ ہو جائیں“ عمر نے کہا ”اگر میں ایسا کروں گا تو میرا گھر کھٹکھٹا ڈالا جائیگا“ آپ نے فرمایا میں بنا دوں گا۔ عمر نے کہا ”میری تمام جائیداد ضبط کر لی جائے گی“ آپ نے فرمایا ”میں اپنی حجاز کی جائیداد سے اس کا معاوضہ دیدوں گا“ مگر عمر نے منظور نہیں کیا۔ (ابن جریر وغیرہ)

## تین شرطیں

اس کے بعد بھی تین چار مرتبہ باہم ملاقاتیں ہوئیں آپ نے تین باتیں پیش کی تھیں:

- (۱) مجھے وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں۔
- (۲) مجھے خود تیرے سے اپنا معاملہ طے کر لینے دو۔
- (۳) مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو۔ وہاں کے لوگوں پر جو گزرتی ہو وہی مجھ پر بھی گزرنے لگی۔“

## عمر کا خط

بار بار کی گفتگو کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد کو پھر لکھا: ”خدا نے فتنہ ٹھنڈا کر دیا۔ پھوٹ ڈور کر دی۔ اتفاق پیدا کر دیا۔ امت کا معاملہ درست کر دیا۔ حنین مجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ ان تین صورتوں میں سے کسی ایک کے لئے تیار ہیں..... اس میں

تمہارے لئے بھی بھلائی ہو اور امت کے لئے بھی بھلائی ہو۔“

## شمر کی مخالفت

ابن زیاد نے خط پڑھا تو ساڑھو ہو گیا۔ عمر بن سعد کی تعریف کی ادکھا۔ میں نے منظور کیا۔ مگر شمر بن ذی الجوشن نے مخالفت کی اور کہا ”اب کہ حنین قبضہ میں آچکے ہیں اگر بغیر آپ کی اطاعت کے نکل گئے، تو عجب منہ غرت و قوت حاصل کر لیں اور آپ کو زبردستی عاجز قرار پائیں۔ بہتر یہی ہو کہ اب انھیں قابو سے نکلنے نہ دیا جائے جب تک کہ آپ کی اطاعت نہ کر لیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ حنین اور عمر باہم رات رات بھر سرگوشیاں کیا کرتے ہیں“

## ابن زیاد کا جواب

ابن زیاد نے یہ رائے پسند کر لی اور شمر کو خط دیکر بھیجا خط کا کام مضمون یہ تھا کہ اگر حنین مع اپنے ساتھیوں کے اپنے آپ کو ہلکے حوالے کر دیں تو لڑائی نہ لڑی جائے اور انھیں صحیح دسالم میرے پاس بھیج دیا جائے۔ لیکن اگر وہ یہ بات منظور نہ کریں تو پھر جنگ کے سوا چارہ نہیں۔ شمر سے کہیا کہ اگر عمر بن سعد نے میرے حکم پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا، جب تو اس کی اطاعت کرنا، در نہ چاہئے کہ اسے ہٹا کر خود فوج کی ریاست اپنے ہاتھ میں لے لینا اور حنین کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دینا۔

ابن زیاد کے اس خط میں عمر کو سخت تنبیہ بھی کی گئی تھی: ”میں نے تمھیں اس لئے نہیں بھیجا کہ حنین کو بچاؤ، اور میرے پاس سفارتیں بھیجو۔ دیکھو، میرا حکم صاف ہے اگر وہ اپنے آپ کو حاکم کر دیں تو صحیح دسالم میرے پاس بھیج دو۔ لیکن اگر انکار کریں تو پھر بے تامل حاکم کر دو، خون بہاؤ، لاش بکھاؤ۔ کیونکہ اس کے سختی ہیں قتل کے بدل ان کی لاش گھوڑوں سے روند ڈالنا کیونکہ باغی ہیں اور جماعت سے بکھل گئے ہیں۔ میں نے عہد کر لیا کہ اگر قتل کر دوں گا تو یہ ضرور کروں گا۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو انعام و اکرام کے مستحق ہو گے۔ نافرمانی کی تو معذرت کئے جاؤ گے۔“ (ابن جریر وغیرہ)

## شمر بن ذی الجوشن اور حضرت حنین

شمر بن ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ اس کی بھیجی ام البنین بنت خزام امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی زوجیت میں تھیں اور انہی کے بطن سے اُن کے چار صاحبزادے: عباس، عبد اللہ، جعفر اور عثمان پیدا ہوئے تھے جو اس سترک میں امام حنین کے ساتھ تھے۔ اس طرح شمر ان چاروں کا دادا اور اُن کے واسطے سے حضرت امام کا پھوپھا بھائی تھا۔ اس نے ابن زیاد سے درخواست کی تھی کہ اس کے ان عزیزوں کو ماں دیدی جائے اور اُسے منظور کر لیا تھا چنانچہ اُسے میدان میں چاروں صاحبزادوں کو بلوا کر کہا ”تم میرا واسطی ہو، تمہارے لئے میں نے امن و سلامتی کا سامان کر لیا ہے“ لیکن انھوں نے جواب دیا ”افسوس تیرے تمام ہیں تو امان دیتے ہو لیکن فرزند رسول اللہ کے لئے امان نہیں ہے۔“

شمر نے ابن سعد کو حاکم کو فدائوں کا خط پہنچا دیا اور وہ طوعاً و کرہاً شجوت غل آواز دے تھیل ہو گیا۔ (ابن اثبات)

## فوج کی ابتدائی حرکت

ناز عہد کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی جب تک پہنچا تو حضرت عباس میں سواروں کے ساتھ نمودار ہوئے۔ عمر نے ان سے کہا کہ ابن زیاد کا جواب آگیا ہے اور اس کا مضمون یہ ہے۔ عباس واپس لوٹے کہ حضرت حنین کو اس کی اطلاع دیں۔ اس اثنا میں فریقین کے بعض پرجوش آدمیوں میں جو زور دے رہی تھی اسے راہوں نے محفوظ رکھا ہے۔

## دونوں فوجوں میں بانی رودک

حضرت امام کے طرفداروں میں سے حبیب بن مظاہر نے کہا ”خدا کی نظر میں بدترین لوگ وہ ہوں گے جو اُس کے حضور اس حالت میں پہنچیں گے کہ اُس کے نبی کی اولاد اور اس شہر کو نہ تو تہجد گزار عابدوں کے خون سے اُن کا ہاتھ رنگیں ہو گا، ابن سعد کی فوج میں سے عذرہ بن قیس نے جواب دیا ”شاباش! اپنی خوب بُرائی کر۔ پیٹ بھر کے اپنی پاک کا اعلان کر۔“ زہیر بن القین نے کہا ”اے عذرہ! خدا ہی نے ان نفسوں کو پاک کر دیا ہے اور ہم آپ کی راہ دکھائی ہے۔ خدا سے ڈر، اور ان پاک نفسوں کے قتل میں گمراہی کا مددگار نہ بن۔“ عذرہ نے جواب دیا ”اے زہیر! تم تو اس خاندان کے حامی نہ تھے۔ کیا آج سے پہلے تک تم عثمانی (حضرت عثمان کے حامی) نہ تھے؟“ زہیر نے کہا ”ہاں یہ سچ ہے۔ میں نے حنین کو کبھی کوئی خط نہیں لکھا نہ کبھی کوئی قاصد بھیجا۔ لیکن سفر نے ہم دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ میں نے انھیں لکھا تو رسول اللہ آگئے اور رسول اللہ کی ان سے محبت یاد آگئی میں نے دیکھا یہ کہتے قوی دشمن کے سامنے جا رہے ہیں۔ خدا نے مرے دل کو ان کا محبت ڈال دی۔ میں نے اپنے دل میں کہا میرا اور اللہ اور اُس کے رسول کے اُس حق کی حق تم نے ضائع کر دیا ہے۔“

امام حنین کو جب ابن زیاد کے خط کا مضمون اُنھوں نے کہا ”اگر ممکن ہو تو آج انھیں ٹالا اور اپنے رب کی نماز پڑھ لیں، اُس سے دعا کریں کیونکہ وہ جانتا ہے اس کی عبادت کا دلدادہ پڑھنے والا اُس سے بہت دعا و استغفار کر رہا ہے۔“ یہی جواب دیا گیا اور فوج واپس گئی (ابن جریر)

## جامع الشواہد

## طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۷ء میں دہ راجپی میں نظر بند تھی۔ موضوع اس تحریر کا احکام کی رو سے مسجد بن کن اغراض کے لئے اور اسلام کی رد و اداری کے لئے کس طرح اپنی عبادت بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دینا اسلام میں جس قدر نئے چھپے تھے، مدرسہ دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے اب یہ کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ قیمت بارہ آنے دینگر الملل ملکات

## امام ابن تیمیہ کے تازہ ترین رسا

شیخ الاسلام کے حنبلی رسالوں کا ترجمہ مولوی عبد کے قلم سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ قابل دیدن ہے (۱) مجتہد: شریعت میں مجتہد کیا حکم ہے؟ وہ وہ نہیں؟ قیمت ۴ (۲) حنین: تازیخ اسلام کی یہ سہلکار رکھ دی ہو قیمت ۴ (۳) صداقت رسول: طرح سیٹ کر جمع کر دی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت جاتا ہو قیمت ۴ (۴) مناظرہ ابن تیمیہ: صفینوں سامنے عظیم الشان مباحثہ ہوا تھا خدیج نے اپنے قلم میں ”مختصر تہذیب اکھبسی“ پڑھیں کس نمبر ۵۲

# برید شرق

## مکتوب مستظنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار معتمد مستظنیہ کے قلم سے)

## مکتوب چین

(الہلال کے مقالہ نگار معتمد شنگھائی کے قلم سے)

عید الانضی - انگوو کی عید - خلقِ فرتہ سی - برقی مالک کی تحویلی  
ترکی کی قیصر ترکستان اور باشوکی - ترکی اور روس - ترکی عورت  
اور حق انتخاب - غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا سفر آئندہ - شورش  
کا استیصال - ایسٹرن ٹیلیگراف کمپنی اور حرکت - یہودیوں، یونانیوں  
اور ارمینیوں میں شادیاں

### عید الانضی

کئی دن سے عید الانضی کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں شہر  
میں غیر معمولی چہل پہل چڑا اور اجنبی سے اجنبی آدمی بھی یہ مخصوص کو  
بغیر نہیں رہ سکتا کہ کوئی بڑا اسلامی تہوار قریب آگے ہو - میدان،  
قربانی کے جانوروں اور ان کے خریداروں سے باز نظر آئے ہیں  
یورپ والوں کے لئے اس سے زیادہ عجیب منظر دکھایا ہوگا کہ جدید  
ترین فیشن میں لمبوس، ہیٹ لگائے، ترکی عورت اور مرد عید کے  
لئے قربانی کے جیڑ خرید رہے ہیں اور انھیں اپنی موٹوں پر ساتھ بٹھا کر  
چلے جائے ہیں - عید کے دن (دو روزی الحج) قربانوں کی حالت  
کھلی کہ خریداروں کے ہجوم سے وہ نہیں ملتی تھی - کانیں آدمیوں  
سے لبریز تھیں - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سال بھر کے لئے پوری خرید  
فروخت آج ہی ہو جائیگی!

عید کے دن تیسرے پہر ہی سے تمام شہر، مسور کر دین بن  
گیا - جہر دیکھو جو بیت ترکی کے ہالی جھٹکے لہ رہے ہیں کالوں  
پر بھی، مکانوں پر بھی، جہازوں اور بادبانی کشتیاں پر بھی - شہر کے  
تمام جنگی مرکزوں اور قلعوں سے توپیں دغا فرم رہیں، اور  
انکی مسلسل سداؤں نے باشندوں میں مسرت کا جوش ادھر بھی زیادہ  
کر دیا -

عید کے دن سچ بڑے کہ جی سے مسجدیں نمازوں سے لبریز ہو  
گیں اور بڑی ہی شان و شوکت سے نماز ادا ہو گئی - اخبارات  
کے کالم عید کے مضامین سے پر تھے - نیم سرکاری اخبار "لمیت"  
نے عید قربان اور حج کے متعلق ایک طویل مضامین کتبہ اور عروقات  
وغیرہ کی تقریروں کے ساتھ شائع کیا - حج کے روحانی و اجتماعی  
فوائد بیان کئے - اُسے نمازوں کا بین الاقوامی اجتماع قرار دیا -  
تُرکوں کو حج کی ترغیب دی - دوسرے اخباروں نے بھی اسی قسم کے  
مضامین شائع کئے ہیں -

نماز کے بعد ایک مسجدوں سے نکلے دو دوازدوں پر "اسلامی  
داشغقت" کے لوگوں نے ان کے سینہ پر پھل لگانا شروع کئے،  
"اسلامی داشغقت" ایک قلم خانہ ہے یہ اپنی عمارت کی بلندی شوکت  
اور حسن انتظام کی وجہ سے تمام یورپ میں مشہور ہے - اس کے قلم قید  
کے دن مسجدوں کے دروازے کھلے کھڑے تھے - ہر نماز کی  
کوٹ میں بچوں لگا دیتے تھے اور وہ کچھ نہ کچھ ان کے چندہ کے سنبھ  
میں ضرور ڈال دیتا تھا -

### انگووہ کی عید

استنبول کی طرح انگووہ کی عید بھی جب معمول بہت شاندار تھی  
غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے قومی پارلیمنٹ کی عمارت میں لوگوں  
ملاقات کی اور عید کی مبارکباد قبول کی - اس کے بعد گھوڑوں پر

کے نیچے بر باد کر ڈالا - دوسرا اُس کی مدد کو نکلا - لیکن ناکام ہو کر شمال  
کی طرف بھاگنے پر مجبور ہوا - یہ شخص اپنی جہانی قوت کے اعتبار سے  
پورے چین میں ایک آدمی سمجھا جاتا ہے -

جنوبی چین (یعنی قوم پرست چین) کی مشہور شخصیت جن لی ہیں:  
جنرل کے شک

ڈاکٹر سن یٹ سن کا دست راست تھا - کمنٹی فوج کا سربراہ  
تھا - لیکن حال ہی میں بعض اختلافات کی بنا پر باغی ہو گیا اور نان کنگ  
میں اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی - اپنی جنگی قابلیت، شجاعت، ایشیا  
اور جب الوطنی میں مشہور ہے - اس کی فوج میں ایک آسٹریں جنرل "ہائز"  
بھی موجود ہے اور بہت نام پیدا کر رہا ہے -

### اوشین چین

کنٹون کا وزیر خارجہ ہے - لندن میں قانون کی تعلیم حاصل کی اور  
میت تک وکالت کرتا رہا - پھر کنٹون آیا اور قومی حکومت کے سب سے  
بڑے سیاسی عہدے پر فائز ہو گیا -

### ایم بروڈین

مشہور روسی کمیونسٹ اور مدبر ہے - اس کی پوری زندگی انقلابی  
انکار پھیلانے میں گزری - ۱۹۱۷ء میں اسکا کھٹان گیا اور انگریز  
مزدوروں میں بغاوت پھیلانے کا کام کیا - لیکن حکومت نے گرفتار کر کے  
قید کر دیا - قیدی مدت ختم ہونے کے بعد ملک بدر کر دیا گیا - یہ پہلا  
موقع تھا کہ اُس نے قید خانہ کی سیر کی - بار بار گرفتار اور قید ہو چکا ہے  
اس وقت کنٹون میں اس سے زیادہ کسی کا اثر نہیں - چینی انقلاب  
میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے اور اب تک اُس کی روح رداں بنا  
ہوا ہے -

### "مہسوان ٹنگ"

چین کے مشاہیر کے ذکر کے ساتھ ہیں بے اختیار چین کا مفرد  
نوجوان شہنشاہ "مہسوان ٹنگ" یاد آتا ہے - اب سے چند برس  
پہلے جبکہ اُس کی عمر صرف ۱۴ برس تھی، اسنے آبائی تخت سے سرفراز  
کیا گیا - اس وقت اس کی عمر ۱۴ برس ہے - یانیشن میں جاپان کے  
زیر سایہ قیام ہے - تین سال ہوئے اسنے ایک پختہ شاہزادی کو  
شادی کر لی ہے اور اب خاموش بیٹھا مستقبل کا انتظار کر رہا ہے -

چونکہ انقلاب چین کے حالات میں وہاں کے مشاہیر کا ذکر آیا کرتا  
ہے اور نادانیت کی وجہ سے لوگ ان کی حیثیت کا اندازہ نہیں  
کر سکتے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ آج مختصر اُن شخصیتوں کو  
آپ کو روشناس کروں جو موجودہ انقلاب میں زیادہ نمایاں حصہ  
لکھتے ہیں - اور چند دنوں کے اندر صورت حال میں جوئے تغیرات  
ہوئے ہیں انکی نسبت آئندہ ڈاک کے خط میں تفصیل لکھوں گا -

چین کے بڑے سپہ سالار  
قدیم چینی شہنشاہ جو فوج جمع کر لینا آسان ہے مگر اُس کے لئے پہلا  
میا کرنا مشکل ہے - یہ شہنشاہ چین پر مدت سے مادیق آ رہی ہے چین میں  
تخطا الرجال ہے - بڑے آدمی کم پیدا ہوتے ہیں -

لیکن اس وقت خلافت مادت چنڈا لیسے آدمی پیدا ہو گئے ہیں جو  
دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں میں شمار کئے جاسکتے ہیں -  
"جنگ سولین"

جنگی حیثیت سے چین کا سب سے بڑا آدمی جنرل جنگ سولین سمجھا جاتا  
ہے - یہ شالی انوار کا سپہ سالار اعظم اور پائے تخت پیکر کی حکومت  
کا مالک ہے - اب سے پہلے یہ پختہ میں قزاقوں کا سردار تھا - جنگ  
بکسر کے دوران میں اُسے شہرت حاصل کی - یہ اس وقت بھی قزاقوں  
کی ایک بڑی ٹولی کا سردار تھا - یہ لوگ "سرخ داہری والے" کہلاتے  
تھے اور ان کے نام سے باشندے بھاگتے تھے - جنگ روس اور  
جاپان کے زمانہ میں بھی اسنے بہت نام پیدا کیا اور اپنے ڈاکوؤں کے  
ذریعہ روس کو بہت پریشان کیا - اس وقت سے اسنے جاپان کی سر  
پرستی حاصل کر لی اور برابر ترقی کرتا رہا - یہاں تک کہ سلاطین میں پختہ  
کا جنگی حاکم بنا دیا گیا -

۱۹۲۲ء میں جنرل "دو، پی، فو" سے اُس کا اختلاف ہوا اور سخت  
جنگ ہوئی - جنگ سولین نے شکست کھائی - مگر اُس کی ہمت میں  
فرق نہیں آیا - جاپان کی مدد سے اُس نے پھر قوت حاصل کر لی اور پختہ  
میں اپنی کامل خود مختاری کا اعلان کر دیا -

۱۹۲۳ء میں اُس نے "دو، پی، فو" سے صلح کر لی اور دونوں  
نے ملکر پیکر فتح کیا، نئی حکومت قائم کی، اور صدر جمہوریہ چین کو نکال  
باہر کیا - پھر "دو، پی، فو" کو بھی پیکر سے بے دخل کر دیا - اب وہ  
پائے تخت کا تنہا مالک ہے -

### "دو، پی، فو"

یہ جنرل صوبہ ہونان کا حاکم ہے - یہ صوبہ اپنے رقبہ میں فرانس کے  
برابر ہے - گزشتہ سال اسے دیارے ننگ تزی کے کنا لے کنوینٹوں  
نے بہت سخت شکست دی - اس کے پاس دو حاکم لاکھ نہایت مسلح  
و مسلح فوج موجود تھی - مگر وہ پرستوں سے مل گئی - یہ تین تہائی میدان  
سے بھاگنے پر مجبور ہوا - لیکن آدمی اولوالعزم تھا - فوراً نئی فوج مرتب  
کر لی - اس کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے - یہ کٹھنوش مذہب کا  
عالم اور چینی زبان کا شاعر ہے -

### "سن، شن، فنگ، "اور"ٹنگ، ٹنگ، ٹنگ"

شالی چین میں ان دو بڑے سپہ سالاروں کے علاوہ دو اور سپہ  
سالار بھی بہت مشہور ہیں: ایک "اوش" سن، شن، فنگ، "دوسرا اوش  
"ٹنگ، ٹنگ، ٹنگ" اوش الذکر کو کنوینٹوں نے شنگھائی کی بڑائی



دیکھنے لگے۔ پہلی دہائی میں عربی اور ترکی گھوڑے شریک تھے۔ دوسری میں انگریزی نسل کے گھوڑے بھی شامل ہو گئے تھے۔  
**”خلق فرقہ سی“**

”خلق فرقہ سی“ قومی جماعت کا نام ہے اور اس وقت ترکی میں صرف یہی ایک سیاسی جماعت موجود ہے۔ اس کی سالانہ موثر بھی ہوا کرتی ہے۔ یہ وقت اس کے جلسوں کا تھا۔ مگر انتخابات کی وجہ سے طوئی کروا گیا۔ موجودہ پارلیمنٹ کی مدت ختم ہو جانے والی ہے۔ نئے انتخابات کے لئے طیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس سال کی قومی موثر کو بہت اہمیت دی جا رہی ہے کیونکہ اس میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا اپنا وہ طویل و عریض خطبہ سنائیں گے جن کا ترکی کے اندر اور باہر مدت سے انتظار کیا جا رہا ہے۔ اس خطبہ میں موجودہ قومی حکومت کی پوری تاریخ بیان کی جائے گی۔ اس کے سنانے میں کئی دن صرف ہوں گے۔ خیال کیا جا رہا ہے یہ خطبہ اپنے موضوع، اسلوب، اور طوالت کے لحاظ سے سیاسی خطبوں کی تاریخ میں نمایاں جگہ حاصل کرے گا۔ اس خطبہ میں، تاریخ کی ضخیم کتاب کھنسا جائے گی!

### برونی مالک میں ترکی حقوق

ترکی پارلیمنٹ نے حکومت کو اختیار دے دیا ہے کہ جن ملکوں میں ترکوں کی جائیدادیں ضبط کی جا رہی ہیں، ان ملکوں کے باشندوں کی جو جائیدادیں ترکی سرزمین میں موجود ہیں، حکومت انھیں ضبط کرے۔

پارلیمنٹ کے اس فیصلے نے بحث کا دروازہ کھول دیا ہے عام طور پر سوال کیا جا رہا ہے کہ کیا ایسے ملک موجود ہیں جہاں ترکوں کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جا رہا ہے؟ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یونان اور یوگوسلاویا میں یہ صورت حال موجود ہے۔

### ترکی کی نئی تعمیر

امریکی کمپنی ”اولن“ نے مسین اور مسمون کی بندرگاہوں کی توسیع کا پھیلہ ترکی حکومت سے حاصل کر لیا ہے اور تعمیر کا کام شروع ہونے والا ہے۔ کمپنی نے کئی پیلوے خطوط جاری کرنے اور کئی نئے شہر آباد کرنے کی بھی درخواست کی تھی۔ مگر چونکہ کافی ضمانت پیش کر سکی اس لئے حکومت نے منظوری دینے سے انکار کر دیا۔

### ترکستان اور باشوئیک

”مڈجین“ اور ”کوچک“ کی خونریز بغاوتوں کے بعد اب یوپی کی سربراہی دارسلطین روسی ترکستان میں دیشہ وادیاں کر رہی ہیں تاکہ اس ملک کو باشوئیکوں کے برخلاف بغاوت پر آمادہ کریں اور سوئٹھ جمہوری نظام حکومت درہم برہم کر ڈالیں۔

ہندوستان میں کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ موجودہ ترکی جمہوریت نے دنیا بھر کے لوگوں کے لئے اپنے ملک کے دروازے کھول دیے ہیں۔ ہر خیال کے لوگ یہاں جمع ہو سکتے ہیں اور اپنی تحریکیں چلا سکتے ہیں، بشرطیکہ اس ملک کی اندرونی سیاست میں دخل نہ دیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ باشوئیک روس سے ترکوں کے تعلقات دوستانہ ہیں، تاہم انھوں نے ترک تالی بغاوت پسندوں کو اپنے ملک میں رہنے اور روس کے خلاف پروپیگنڈا پھیلانے کی اجازت دیدی ہے۔

ان لوگوں نے ”جدید ترکستان“ نام ایک اخبار جاری کیا ہے اور مغربی ترکستان میں بغاوت پھیلائی جاتی ہے۔ مغربی ترکستان کا رقبہ ۶۰،۰۰۰،۰۰۰ کیلومیٹر اور آبادی ۱،۳۰،۰۰۰،۰۰۰ ہے۔

لیکن باخبر لوگ جانتے ہیں کہ سربراہی دارسلطنتوں کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوں گی۔ بلاشبہ انھیں چند کڑے کے ترک تالی لی گو ہیں۔ لیکن ملک کی عام آبادی باشوئیکوں کے ساتھ ہے۔ کیونکہ جس قدر آرام، خوشحالی، اور آزادی اسے اس عہد میں نصیب ہوئی ہے،

اتنی کسی پچھلے زمانہ میں نہیں ہوئی تھی۔ زار کی حکومت اس ملک پر حد درجہ ظلم کیا کرتی تھی۔ ترکی زبان کی قلم موت تھی۔ تمام مدرسے بند کر دیے گئے تھے۔ دینی کتابوں کی اشاعت ممکن نہ تھی۔ ہزاروں آدمی بے دریغ قتل کئے جاتے تھے مگر باشوئیک عہد میں ملک کو پوری اندرونی آزادی حاصل ہو گئی، اور صحیح معنی میں جو حکومت قائم ہو گئی۔ پھر خود ردیوں کی بھی دہان ایک بڑی آبادی موجود ہے۔ آخری اعداد شمار کی روش سے مغربی ترکستان میں ہم لاکھ روسی آباد ہیں۔ یہ سب جنگجو ہیں، اور اپنی دولت، تعلیم ترقی کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔

ترکستانوں کو کیا دینے کی وجہ سے روس، ترکی پر زاری نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ترکی قوانین سے واقف ہے۔ صرف یہی لوگ یہاں نہیں ہیں بلکہ آذربائیجان اور سفید روس کے بغاوت پسند بھی پہلے سے موجود ہیں اور پوری آزادی سے اپنے خیالات کی اشاعت کر رہے ہیں۔

### ترکی اور روس

ہم اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اس ترکی روسی معاہدے کا ذکر کر چکے ہیں جو ہم سال کی مسلسل گفت و شنید کے بعد طے پایا ہے۔ اس معاہدے کے متعلق سرکاری طور پر یہی اعلان کیا گیا تھا کہ مختصر عرصے کے بعد روس، جبکہ روس اور برطانیہ کے تعلقات کی کشیدگی نے جنگ کا احتمال پیدا کر دیا ہے اور ساری دنیا کی نظریں جزائری واقعہ کی وجہ سے ترکی پر لگی ہوئی ہیں، اس معاہدے پر سے بھی پردہ اٹھنے لگا ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ معاہدے کی اصلی شرطیں کیا ہیں؟ لیکن برطانی حلقے اسے سیاسی معاہدہ قرار دیتے اور سخت اندیشوں کا اظہار کر رہے ہیں۔

ترکی اخبار بھی معاہدے پر اظہار رائے کر رہے ہیں۔ قدرتی طور پر ان کی ہمدردیوں کا میلان روس کی طرف ہے۔ اخبار ”جمہوریت“ نے ایک طویل اقتصادی تبلیغ کیا ہے جس میں لکھا ہے: ”مگر شہر چند صدیوں سے خرس روس ہمارا سب سے بڑا اور خوش دوست تھا۔ لیکن اس آخری معاہدے نے دشمنی کی تمام باتیں یک لخت مٹا دی ہیں۔ زار کی حکومت، جنگ عظیم کا سب سے بڑا سبب تھی۔ وہ ترکی کی لاش برائی عارت کھڑی کرنی چاہتی تھی۔ لیکن خرس و طبع نے اسے ہمیشہ کے لئے کادھم کر دیا اور انقلاب پرست نوجوان روس منور ہو گیا۔ اس وقت ہم نے دیکھا کہ ہادی دوستی اور سچا کا جھنڈا اس کے کاندھوں پر لہرا رہا ہے!“

”ترکوں کی تمنا بھی کہ باشوئیک روس کا سیلاب ہو جائے اور ان کی آرزو بھی کہ ترکی قوم فخر مند ہو جائے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف امداد کا ہاتھ بڑھایا۔ دشمن مشترک تھا۔ میدان جنگ میں دونوں بھائیوں نے حائل کیا اور تلوار کے زور سے اپنی آزادی قائم کر دی۔ یہ حقیقت ہے کہ روس نے عین وقت پر ترکی کو براہ دشمن سے بچالیا۔“

”اس صورت حال میں کون خیال کر سکتا ہے کہ ہمارا سربراہ دار حکومتوں کی دہلی میں آکر اپنے دوست سے یونانی کرینگے؟ ترکی قوم کی نظریں ادیت سے زیادہ اطلاق کا وزن ہے۔ ہم ہرگز یونانی کا دہہ اپنی پیشانی پر نہیں لگھائے۔“

صرف برطانیہ ہی نہیں بلکہ بلقان میں بھی اس معاہدہ کی وجہ سے کھل کی پڑ گئی ہے۔ سب سے زیادہ پریشانی یونان کو ہے۔ انھیں کاہن سرکاری اخبار ”بریاہ“ لکھتا ہے:

”اس معاہدہ کو معمولی سمجھنا اس سے غفلت برتنا سخت غلطی ہوگی۔ ترکی اور روس، دونوں کے ارباب مل و عقد زیادہ سے

زیادہ قریب اور باہم وابستہ رہنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مستقبل قریب میں ان کا اتحاد عمل دنیا کی بہت پرزور دست اثر ڈالنے والا ہے۔ خصوصاً عالم اسلامی کی پوری بہت اس پر آج سے وابستہ ہے۔ مسلمانوں میں باشوئیک مقبول ہونا چاہا ہے۔ مسلمان سمجھتے ہیں یورپ کی غلامی سے انھیں یہی بھوت بھانے سکتا ہے۔ ترکی کی دوستی، باشوئیک کے لئے بمنزلہ رفیع کے ہے۔

### ترکی عورت اور حق انتخاب

موجودہ ترکی انقلاب کی تاثیر وقت کا سب سے بڑا مظہر، ترکی عورت ہے۔ چند سال پہلے تک ترکی عورت کو ملک کی سیاسی، اجتماعی اور ادبی زندگی میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اب سے ۵۰ برس پہلے تو وہ محض ایک بے حقیقت وجود تھی۔ اسے تعلیم سے جبراً روکا جاتا تھا۔ سخت اور غیر شرعی پرے میں زبردستی رکھا جاتا تھا، اور اس کے حقوق کے لئے کوئی شنوائی نہ تھی۔

لیکن اب کیا حالت ہے؟ اب حالت یہ ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی ترکی عورت گذشتہ زندگی اختیار کرنے پر راضی ہو سکتی ہے۔ بکثرت عورتیں تعلیم یافتہ ہیں۔ شاعر ہیں۔ انشاپر داز ہیں۔ مقرر ہیں۔ ڈاکٹر ہیں۔۔۔۔۔ لیکن ترکی عورت ابھی دور پر قافلہ نہیں ہے۔ اب وہ ملکی پارلیمنٹ میں انتخاب کا حق بھی لگتی ہے۔ اس تحریک کی لیڈر انجمن لہنوال کی رئیس ”نزیہ محی الدین“ خاتم ہیں انھوں نے برسوں اپنا اعلان شائع کیا ہے اور حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ عورتوں کو بھی حق انتخاب دیا جائے۔ آجنا ہی نہیں بلکہ انھوں نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ آئندہ انتخابات کے موقع پر ترکی عورتیں صرف انھیں مرد امیدواروں کے لئے کوشش کریں گی، جو عورتوں کے اس حق کے حامی ہوں گے!

ترکی قانون اساسی میں تبصرہ مذکور ہے کہ حق انتخاب صرف مردوں کے لئے ہے۔ ظاہر ہے قانون اساسی کی تبدیلی کے لئے پارلیمنٹ کی اکثریت کو لایا دینا چاہئے۔ عورتیں چاہتی ہیں کہ اس مرتبہ پارلیمنٹ میں ان کے حامیوں کی اکثریت ہو جائے تاکہ ان کا مطالبہ پورا ہو سکے۔

### غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا سفر آستان

بیزنٹین، قسطنطنیہ، شہنشاہوں کا یہ عظیم شہر، نہیں معلوم تھ جلال کے کتنے جلوے دیکھ چکا ہے! روم کی عظمت اسے دیکھی، قسطنطنیہ کا جاہ و جلال اسے دیکھا، محمد فاتح کا دبیر اسے دیکھا۔۔۔ مگر وہ ہنوز نئے نئے جلووں کے لئے مضطرب ہے۔ جو عہد کی ایک عظیم شخصیت کے انتظار میں ہے۔ یعنی غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے لئے چشم براہ ہے!

مدت سے قسطنطنیہ کی آرزو تھی کہ غازی محمد اسے اپنی آمد سے مشرف کریں۔ غازی کو ابھی طے معلوم ہے کہ اس شہر میں ان کا استقبال آستانہ خاں ہوگا، جتنا بھی کسی بڑے سے ملے شہنشاہ کا ہوا ہوگا۔ مگر اس پر بھی وہ اب تک نہیں ملے۔ حالانکہ اناطولیہ کے ایک ایک گاؤں کا بار بار دورہ کر چکے ہیں۔ یہ صرف اس لئے ہوا کہ موصوف ٹھوس مل پسند کرتے ہیں۔ دہم و دھام، شان و شوکت، اہل پسند کرتے ہیں۔ اناطولیہ اگرچہ ترکی سلطنت کی ریڑھ کی ہڈی ہے، مگر سابق سلاطین نے اسے ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا اور ترقی دینے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ موجودہ ترکی انقلاب کی تمام امیدیں اناطولیہ ہی سے وابستہ ہیں۔ اسی لئے غازی کمال پاشا اور ان کے رفقاء وہیں دورے کرتے رہے اور قومیت اور زندگی کی روح پھونکتے رہے۔ قسطنطنیہ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ ترکی کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر ہے۔ یہاں ترکی

# مقالہ

## محرم الحرام ۱۴۲۶ھ ہجری

### نئے ہجری سنہ کا آغاز

### تذکار ہجرت بنوی علی صابجہا صلوات اللہ علیہ

وحدثنی یا سعد عنہا، فزدنی  
جنونا، فزدنی من حدیثک یا سعد!

انقلاب کے لئے پیشتر سے میدان کھلا ہو اور اپنا کام کر رہا ہو۔ نئی حدیثیں بلند ہوں یا نہ ہوں، تسلطیہ روپ کا نئی یافتہ شہر ہے۔ یہی وجہ ہو کہ غازی کمال پاشا نے یہاں آنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور یہ شہر اب تک ان کی زیارت سے محروم رہا۔ لیکن اب اس کی امید برآئے دانی ہو۔ غازی تشریف لائے ہیں۔ شہر شاہی محل "بکراک" اور "طولہ باغی" کی صفائی ہو رہی ہے۔ موصوت اسی میں اتریں گے۔ شہر میں استقبال کی تمام تیاریاں ہیں۔ وہ چاہتا ہے اس وقت پر اپنی عقیدت و خلاص کا ایک تاریخی منظر و کوسٹ۔ امید ہے کہ وہ ہفتے بعد غازی کی روانگی کی خبریں معلوم ہو جائیں گی۔ (تازہ بارہویوں سے معلوم ہوا ہے کہ غازی موصوت تسلطیہ پہنچ گئے اور شہر نے عظیم الشان استقبال کیا۔ الملل)

### شورش کا استیصال

ٹرکی کے مشرقی صوبے لندن سے ہنز دور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سرکشی اور شورش پسندی زیادہ پائی جاتی ہے۔ وہ موجودہ صلاحت کے مخالف اور جمہوری عہد کو اس بارک خیال کرتے ہیں۔ پچھلے برسوں انھوں نے بغاوت بھی کر دی تھی، اور حکومت کے لئے شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن حکومت نے بدقت سرکشی کر دی اور اس انان قائم ہو گیا۔

اس انان تو قائم ہو گیا، مگر سنا کی جڑیں بدستور موجود ہیں۔ یہ بہت جلد نشوونما حاصل کرے سکتی تھیں۔ یہ حالت دیکھ کر حکومت نے فیصلہ کیا کہ شورش پسند عناصر کو بری طرح منتشر کر دئے جائیں۔ چنانچہ جدید احکام کے مطابق آئندہ اگست میں ۸۰ خاندان شرفی صوبوں سے مغربی صوبوں میں منتقل کر دئے جائیں گے۔ اس طرح یہی فائدہ نہیں ہوگا کہ مشرقی صوبوں کا امن مضبوط ہو جائے گا بلکہ خود ان سرکش خاندانوں کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ بہت دن علاقوں میں آکر ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اپنے آپ کو اور اپنی آئندہ سلسلوں کو ضروریات زاد کے مطابق بنانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

مشرقی خبر رسائی کی کمیی اور حکومت۔  
مسلمانوں میں ترکی حکومت نے یہ کمیی بند کر دی تھی۔ کیونکہ اس وقت جدید قوانین کے ماتحت اپنے آپ کو جبری کرانے سے انکار کر دیا تھا نیز وہ تم بھی ادا نہیں کی تھی جو نوآئی قبضہ کے دوران میں اُسکے ذمہ واجب الادا تھی۔ لیکن اب کمیی نے اسے زبردستی خواست پیش کی ہے اور حکومت کے تمام مطالبے منظور کر لئے ہیں۔ لہذا اس کا دفتر دوبارہ کھل گیا ہے اور کام شروع ہونے والا ہے۔

اس کمیی نے ۳۰ سال تک خیر پچانے کا ٹھیکہ لیا ہے۔ سبز کے نیچے اس کے تار پچھے ہوئے ہیں، اور بڑے بڑے اسٹیشن اڈیا، مشعلیہ، چاق قلہ، کلیک شہا، قایا، تہ، ساق میں ہیں۔ ٹھیکہ کی اہم شرط یہ ہے کہ کمیی کے جملہ ملازم ترک ہوں گے۔ البتہ ان فن دوسری قوموں سے بھی لئے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد کا وسط دس میں ایک سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ شرط بھی ہے کہ ضرورت کے وقت حکومت کمیی کے مادل پر قابض ہو کے خود استعمال کر سکتی ہے۔

یہودیوں، یونانیوں، ارمینیوں میں از دولج ترکی حکومت کے جدید قوانین کی رو سے ہر شخص کو حق ہے کہ جن کے مذہب کے فروغ سے شادی کر لے۔ اسے پہلے نکاح کا معاملہ ہر قوم کے دینی پیشواؤں کے ہاتھ میں تھا۔ مگر منظور اور تصدیق کے بغیر کوئی نکاح جائز نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ پابندی اٹھ گئی۔ اب نکاح کی مذہبی رسم ادا کرنے اور رجسٹر کے ہاں نام اور رضامندی ثبت کرنے سے نکاح قانوناً مکمل ہو جاتا ہے۔ ۴

اس قانون کے تحت ہر کمیی سے دیکھ لیتے ہیں۔ اگر شہر بند کی سرکاری رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ شورش پسند عناصر کو بری طرح منتشر کر دئے جائیں گے۔

نہیں ہوا۔ اور جو باقی اصل کی بے شمار تقریروں، تہواروں، یادگاروں، ادا جماعتوں کے ذریعہ یاد رکھی جاتی ہیں، یہ اس وقت کے کسی مسلمان کے دہم دگمان میں بھی نہیں گزری ہوں گی۔ اس وقت ان کا حافظ صرف وہی چیزیں یاد رکھتی چاہتا تھا جن کی یادداشت میں ان کی تومی زندگی کے لئے بہت مدد و غلط تھی۔ آج ہمارا حافظ صرف وہی باتیں یاد رکھتی چاہتا ہے جن کی یادداشت میں تومی زندگی کے لئے غفلت و اعراض ہو۔ وہ ان چیزوں کو بھول نہیں سکتے تھے جنہیں یاد رکھنا چاہئے۔ ہم ان چیزوں کو بھول نہیں سکتے جنہیں ہمیشہ کے لئے بھلا دینا چاہئے۔

سادت مشرق و مسرت مغرب  
ششان میں مشرق و مغرب

### واقعہ ہجرت

تاریخ عالم کا عظیم واقعہ جس کی یاد اس کے اس اختتام و آغاز میں پوشیدہ ہے، ہجرت بنوی کا واقعہ ہے، کیونکہ پہلی محرم سے نیا سال شروع ہوتا ہے، اور اس کی بنیاد واقعہ ہجرت پر رکھی گئی ہے۔ ہر سال جب ۳۰ ذوالحجہ کا دن ختم ہوتا اور پہلی محرم کا چاند طلوع ہوتا ہے، تو وہ اس عظیم واقعہ کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کر دیتی ہے۔ یہ نئی حقیقت اس واقعہ کی ایک جاری و تامل یادگار ہے۔ یہ دنیا کی تمام تومی یادگاروں کی طرح قوت کی کامرانیوں کی یادگار نہیں ہے۔ بلکہ کمزوری کی فتحیوں کی یادگار ہے۔ یہ اسیاں مسائل کی فراوانیوں کی یادگار نہیں ہے۔ بے سرو سامانیوں کی کامیابیوں کی یادگار ہے۔ یہ طاقت اور حکومت کے جہاد و جلال کی یادگار نہیں ہے۔ محکومی دے چارگی کے ثبات و استقلال کی یادگار ہے۔ یہ فتح و فتح کی یادگار نہیں ہے جسے دس ہزار تلواروں کی چمک نے فتح کیا تھا۔ یہ فتح مدینہ کی یادگار ہے جسے تلواروں کی چمک نے نہیں ملکہ ایک ادارہ غربت اور بے سرو سامان انسان کی روح "ہجرت" نے فتح کیا تھا۔ تو نے بدی بچی فتح اور مکہ کے مسلح داخلہ کی شان شوکت ہمیشہ یاد رکھی ہے۔ لیکن تم نے مدینہ کی بے ہمتی کی فتح فراموش کر دی، حالانکہ تاریخ اسلام کی ساری آنے والی فتح منیاں اسی اولین فتح میں ایک بیج کی طرح پوشیدہ

آج جبکہ یہ سطر لکھ رہا ہوں، محرم کی تیرہویں تاریخ ہے۔ پھر تیرہ دن اس واقعہ پر گزر چکے ہیں کہ پچھلے ہجری سال ختم ہو چکا اور نیا سال شروع ہو چکا ہے۔ لیکن ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جسے غور کیا ہوگا کہ اس سال اختتام و آغاز میں تاریخ عالم کے کیسے عظیم انقلاب و تحریک کی یاد ہے؟ وہ عظیم واقعہ جس کی یاد آوری سے بڑھ کر تاریخ اسلام کے کسی واقعہ میں بھی ہمارے لئے عبرت کی غفلت اور مدد و غلط کی سرچشمی نہیں تھی، مگر جس واقعہ سے بڑھ کر تاریخ اسلام کو کوئی واقعہ بھی ہماری یادداشت سے دور اور ہمارے دل کی اثر پذیریوں سے بچو نہیں ہو گیا ہے!

### جماعتی حافظ اور اس کا مزاج

انفرادی زندگی میں ہم سمجھتے ہیں کہ ایک شخص کے اخلاق اور سیرہ (دیکر) کا اندازہ اس کے حافظ کی اقدار سے کر لیا جاسکتا ہے۔ ایک نیک سیرہ آدمی کے حافظ میں غیر ضروری اور بری باتوں کی یادداشت کے لئے کوئی جگہ نہیں بھلی سکتی لیکن ضروری اور اچھی باتیں وہ کبھی نہیں بھول سکتا۔ برخلاف اس کے ایک بد اخلاق آدمی کو کتنی ہی کارآمد اور اچھی باتیں سنا جائیں لیکن اس کے حافظ میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں بچے گی۔ وہ صرف بیکار اور بری باتیں ہی یاد رکھ سکتا ہے۔

یہی حال جماعتوں اور قوموں کے داغ کا بھی ہے۔ اُنکے ادب و منزل کی ایک بہت بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ جماعتی حافظ کا مزاج بالکل اُلٹ جاتا ہے۔ جو باتیں یاد رکھنی چاہئیں، وہ اس طرح بھلا دی جاتی ہیں کہ بار بار یاد دلانے پر بھی یاد نہیں آتی، اور جو باتیں بھلا دینی چاہئیں، وہ نہ صرف یاد رکھی جاتی ہیں، بلکہ ان کی یاد آوریوں کا ایسا اہتمام کیا جاتا ہے کہ بھلانے کی کتنی ہی کوششیں کی جائیں، کبھی بھلائی نہیں جاسکتیں۔ امداد کے مسلمانوں کی مذہبی اور اجتماعی زندگی سے موجودہ عہد کے مسلمانوں کی زندگی کا مقابلہ کر تو اس حقیقت کی سب سے زیادہ واضح مثال سامنے آجائے گی۔ اس وقت مسلمان اٹھتے بیٹھتے جو باتیں یاد رکھتے تھے، آج کسی کو ان کا دہم دگمان بھی

تھیں۔ یہی وجہ ہو کہ جب ظاہری فتحیوں کے اعلان کا وقت آیا تھا، تو اس وقت اسی معنوی فتحی کی یاد لوگوں کو دلائی گئی تھی: ثانی شہنشاہی انصار اذ یقول لصاحبہ: لا تفرحی! ان الله معنا! فان الله سکنہ علیہ وایدہ لا یجوزہ لم تفرح! جعل کلہ الذین کفرنا السفلی، وکلہ اللہ ہی العلیا، واللہ ینزحیکہ! (۹: ۴۰)

### تذکرہ مخرم

اسی سنی سنہ کے ساتویں برس کر بلا کا حادثہ ظہور میں آیا۔ یہ حادثہ اہل بدعت الناک اور درود انگریز تھا، اور اس کے سیاسی اثرات اس درجہ قوی اور وسیع تھے، کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا، اس کی یاد ایک ماحی یا کار کی حیثیت اختیار کرتی گئی۔ یہاں تک کہ مخرم کے درود کی تمام یاد آدراں صرف اسی حادثہ کے تذکرہ قائلین میں محدود ہوئیں اور دوسرے تمام پہلو ایک قلم فراموش کر گئے۔ اس میں شک نہیں کہ حادثہ کر بلا کی المناکیاں اور عبرت انگیزیاں ناقابل فراموش ہیں۔ لیکن چاہے جماعتی ذہن فکر کی یہ بہت بڑی غفلت ہوگی اگر اس حادثہ کے استغراق میں تذکرہ داعیہ کے دوسرے پہلو فراموش کر گئے جائیں۔ یہ سنہ ہجری کے ساتویں برس کے ایک واقعہ کی نگاہ سے، لیکن خود سنہ ہجری کے پہلے برس کے تذکرہ سے کیوں چشم بغیر بند کر لی جائے؟

### سنہ ہجری کی ابتدا

اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا کی تمدن قوموں میں متعدد مذہب جاری تھے۔ زیادہ مشہور یہودی، رومی اور ایرانی سین تھے۔ عرب جاہلیہ کی اندرونی زندگی اس تمدن میں بھی کھسکتی تھی کہ اس کی سیاحت سے پانچ برس ضرورت ہوتی۔ اوقات دوسرا اسم کی حفاظت ادا یا داشت کے لئے ایک لاکھ کا کوئی شیوہ واقعہ لیتے اور اسی سے وقت کا سب لگا لیتے۔ منجملہ سین جاہلیہ کے عام افعیل تھا۔ یعنی شاہ حبش نے حجاز پر حملہ کرنے کا سال۔ عرب تک یہی واقعہ عرب کے حساب و کتاب میں بطور سنہ کے مستعمل رہا۔ ظہور اسلام کے بعد یہ اہمیت ختم ہوا۔ اسلام کے واقعات نے نئی لی۔ صحابہ کرام کا قاعدہ تھا کہ عہد اسلامی کے واقعات میں سے کوئی ایک لم واقعہ لیتے اور اسی سے حساب نکالتے۔ یہ سچو مذہب کے بعد ہی سورج کی وہ آیت نازل ہوئی تھی: میں قتال کی اجازت دی گئی تھی: اذن للذین یقاتلون بانہضوا! واذن اللہ علی نصہم لہضم لہم (۲۲: ۴۰) اس لئے کچھ دنوں تک یہ واقعہ بطور ایک سنہ کے مستعمل رہا۔ لوگ اسے "سنہ اذن" کے طور پر لیتے اور یہ تعبیر وقت کے ایک خاص عدد کی طرح یادداشت کا کام دیتی۔ اسی طرح سورہ براء کے نزول کے بعد سنہ براء کا نام لیا جاتا تھا۔ اسی طرح سورہ براء کے آخری جج کا واقعہ جو "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہو گیا تھا اور ہجرت کے دسویں سال پیش آیا تھا بعض روایات سے اس طرح کے متعدد نمونوں کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً سنہ افعیل، سنہ التورہ، سنہ الزکریا، سنہ الاستسنااس۔ ہر دینی نے آثار الباقیات میں اس طرح کے دس نمونوں کا ذکر کیا ہے۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وفات کے بعد کچھ عرصہ تک یہی حالت جاری رہی۔ لیکن حضرت عمر (رض) کی خلافت کا عہد شروع ہوا تو مالک بن نویر نے دعوت اور دفاتر حکومت کے قیام سے حساب کتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے، اور ضرورت پیش آئی کہ سرکاری طور پر کوئی ایک سنہ قرار دیدیا جائے۔ چنانچہ اس معاملہ پر غور کیا گیا۔ اور سنہ ہجری کا تقرر عمل میں آیا۔ اس وقت تک واقعہ ہجرت پر مشورہ برس گزر چکے تھے۔

ضرورت کا احساس اور صحابہ کا مشورہ سنہ ہجری کا تقرر کوئی عمل میں آیا؟ کیوں حضرت عمر (رض) اور تمام صحابہ کا ذہن اس طرف گیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا واقعہ ہجرت سے کی جائے؟ یہ تاریخ اسلام کا ایک ضروری اور نتیجہ خیز بحث تھا، لیکن اس وقت ہر کہ اس وقت تک نظر دیکر سے محروم رہا۔

اس بارے میں متعدد روایتیں منقول ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور روایت بیہون بن ہرمان کی ہے جسے تمام مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ خلا دفع ابی عمر بن الخطاب صک مصلحہ اسکا یہ ہے کہ "ایک مرتبہ ایک کانف شعبان فقال ای شعبان ہو؟ حضرت عمر کے سامنے پیش کیا گیا اس شعبان الذی نحن فیہ واللہ؟ جس شعبان کا سینا دوح تھا فقصر ثم جمع وجوہ الصعابہ فقال ان شعبان ہو؟ اس برس کا، یا انڈ الاموال قد کثرت وما تمنا منہا غیر موت، تکلیف التویل الی ما یضبط بہ ذلک؟ فقالوا یجب ان نعزل ذلک من اہمنا فعدنا ما استحسنہ علم اہل ہننا دسائلہ عن ذلک، فقال اننا حسابا لسنہ ماہ دوز؟ فقروا اکملہ وقالوا "موم" ثم طلبوا دنا یجملونہ اولاً لتایخ دولة الاسلام فاتفقوا علی ان یكون المبد ومن سنۃ الحجۃ (تایخ کیر ذہبی۔ تاریخ معریزی) کرنا چاہئے۔ انکے یہاں اس کے طریقے کیا تھے؟ چنانچہ حضرت عمر نے ہرمز ان کو بلایا۔ اُسے کہا ہمارے یہاں ایک حساب موجود ہے جسے "ماہ دوز" کہتے ہیں۔ اسی ماہ دوز کو عربی میں "موم" بنالیا گیا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اسلامی حکومت کی تاریخ کے لئے جو سنہ اختیار کیا جائے، اُس کی ابتدا کب سے ہو؟ سب سے اتفاق کیا کہ ہجرت کے برس سے کیا جائے۔ چنانچہ ہجری سنہ قرار پایا۔

ابن حبان نے قرہ بن خالد سے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے۔ میں ایک دوسرا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ کان عند عمر عامل جاہلین "حضرت عمر کے پاس میں ہو ایک عامل آیا تھا۔ اسنے کہا کہ میں نے کتبوت فی سنۃ کذا وکذا امن شہر کذا کذا؟ فاراد عمر النبا ان یکتبوا من مبعث رسول اللہ صلعم ثم قالوا من عند وفاتہ، ثم ادادوا ان یكون ذلک من الحجۃ (تایخ کیر ذہبی و معریزی جلد ۲) پہلے انھوں نے ارادہ کیا کہ آنحضرت کے مبعوث ہونے کے وقت سے سنہ کا حساب شروع کریں۔ پھر خیال ہوا کہ آپ کی وفات سے شروع کیا جائے۔ لیکن آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ ہجرت سے سنہ کا تقرر ہو۔

ابن روایات کی مزید تشریح امام شہی کی روایت سے ہوتی ہے جو محب طبری نے نقل کی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ان اباموسی الاشعری کتبی "ابو موسی اشعری نے حضرت عمر عمر انہ تا ینا منک کتب لیس کو لکھا کہ آپ کی جانب سے ہمارے تاریخ و قد کان عمر دون الادا دین و دھم الا حجاجہ و حلام الی تاریخہ لم یجب التاریخات

اقتدیہ فجم علیہ عند ذلک مختلف دفاتر قائم کر گئے تھے اور دستار الناس فافقوا علی خارج کے اصول و قواعد طے پا ان یكون المبد من الحجۃ گئے تھے اور اس لئے محسوس کر (ریاض النفر) رہو تھے کہ ضبط اوقات کے لئے ایک خاص تاریخ قرار پائے۔ پرانی تاریخیں موجود تھیں لیکن وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ انھیں اختیار کریں۔ (اب موسی اشعری نے لکھا تو انھیں زیادہ توبہ ہوگئی۔ صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ مشورہ میں سب کی رائے یہی قرار پائی کہ ہجرت کا واقعہ بنیاد مقرر کر سنہ ہجری اختیار کیا جائے۔

ابو ہلال عسکری نے الادا میں اور معریزی نے تاریخ میں حضرت سعید بن السیب سے نقل کیا ہے کہ واقعہ ہجرت سے سنہ شروع کرنے کی رائے حضرت علی علیہ السلام نے دی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ جمع عمر الناس من اہم مولی "جب حضرت عمر نے صحابہ پر مشورہ دی کہ کتب التایخ؟ فقال علی کیا کر س دن سے تاریخ کا حساب بن اتی طالب من یوم حاجہ شروع کیا جائے؟ تو حضرت علی دسول اللہ صلعم در تک مکہ نے فرمایا۔ اس دن سے جس دن میں نفع اللہ علی کتاب الادا کی تھی۔ حضرت نے ہجرت کی اور کہ معریزی مجمع فی جلد ۱ صفحہ ۵۶) سے دیکھئے۔

یعقوبی نے بھی ایسے منجملہ ان امور کے قرار دیا ہے جو حضرت علی کی رائے سے انجام پائے۔ مثلاً کے واقعات میں لکھتا ہے: و فیہا ریح عمل الکتاب دارا دن "اُسی زمانہ میں حضرت عمر نے کتب التایخ منذ مولد رسول اللہ ثم قال من المبعث، فاشا ایک تاریخ قرار دے دی جائے۔ علیہ علی بن ابی طالب کی کتبہ پہلے انھیں خیال ہوا تھا حضرت من اہم مولی "جب حضرت عمر نے صحابہ پر مشورہ دی کہ کتب التایخ؟ فقال علی کیا کر س دن سے تاریخ کا حساب بن اتی طالب من یوم حاجہ شروع کیا جائے؟ تو حضرت علی دسول اللہ صلعم در تک مکہ نے فرمایا۔ اس دن سے جس دن میں نفع اللہ علی کتاب الادا کی تھی۔ حضرت نے ہجرت کی اور کہ معریزی مجمع فی جلد ۱ صفحہ ۵۶) سے دیکھئے۔

قومی سنہ کی ضرورت و اہمیت ابن روایات کے مطالعہ کے بعد ضروری ہے کہ بعض امور پر غور کیا جائے:

سب سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے، یہ ہے کہ حضرت عمر (رض) نے یہ ضرورت کیوں محسوس کی کہ ایک نیا سنہ قرار دیا جائے؟ ہام شعبی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر تاریخ کے قیام و تقرر کی ضرورت محسوس کر رہے تھے لیکن پسند نہیں کرتے تھے کہ دوسری قوموں کی تاریخ اختیار کریں۔ پہلی روایت میں جس ہرمز ان کو بلانے اور مشورہ کرنے کا ذکر ہے، یہ یوزستان کا پادشاہ تھا اور مسلمان ہو کر یونہی میں قیام ہو گیا تھا۔ حضرت عمر کی مجالس شوری میں اس کا بار بار ذکر آتا ہے۔ (بلادی و طبری و غیرہ) ہر دینی لکھتا ہے کہ جب حضرت عمر نے اس سے مشورہ کیا تو اُس نے صرف ایرانیوں کا طریقہ ہی بتلایا بلکہ رومیوں کے طریقہ کی بھی تشریح کی۔ ایرانیوں کے یہاں کا آخری سنہ یزدگرد کا سنہ تھا، اور رومیوں کا مشہور سنہ سلطنت کی پیدائش سے شروع ہوتا تھا۔ بعض صحابہ کو خیال ہوا۔ انہی دونوں میں سے کوئی سنہ اختیار کر لیا جائے، لیکن حضرت عمر اور لوگ اس سے متفق نہ ہوئے (۱)۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایرانیوں

(۱) ہر دینی نے تفصیل بیہون بن ہرمان کی روایت کے سلسلہ میں کہا ہے کہ اُس کے الفاظ روایت سند بخیر سے مختلف ہیں۔ چونکہ اُسے کوئی تاریخ متعین نہیں تھی اس لئے اس کو جب اصل میں روایت اس سے اسامی اس لئے تین



اور دوسروں کے سینے میں بھی صحابہ میں زیر بحث رہی، اہل بیعتوں نے اس کو اختیار کرنے کی رائے بھی دی، لیکن عام رجحان اسی طرف تھا کہ دنیا سنہ مقرر کرنا چاہئے۔

اس حقیقت پر بھی نظر ہے کہ سنہ کی ضرورت اسلام قبل کی بڑی جگہ حساب کتاب کے دفاتر تھے، اور حضرت عمرؓ نے یہ اتفاق صحابہ، دفاتر کے لئے دہی زبانیں اختیار کر لی تھیں جو پیشتر سے مغربہ ممالک میں رائج تھیں۔ ایران کے لئے فارسی، شام کے لئے سریانی، اور مصر کے لئے قبطی تھی (مسعودی بلاذری) ظاہر ہے کہ جب دفاتر کے لئے ایران و شام کی زبانیں اختیار کر لی گئی تھیں، تو قدرتی طور پر سنہ بھی وہی اختیار کر لینا تھا جو ان زبانوں کے حساب کتاب میں رائج تھا، اور اس کے قواعد بندہ چلے آئے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ اور صحابہ نے ایسا نہیں کیا۔ ایران اور روم و مصر کی زبانیں اختیار کر لیں، مگر سنہ اپنا قائم کرنا چاہا۔ خود کرنا چاہئے، اس اعتبار کی علت کیا تھی؟

یہ علت تو قطعاً نہیں ہو سکتی کہ صحابہ کرامؓ قوی تعصب اور تنگی ملی کی بنا پر دوسری قوموں کی اچھی اور کارآمد باتوں سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ اولاً تو اس بارے میں خود اسلامی احکام کا یہ حال ہو کہ کواکب کی جگہ مرتع ترغیب دی گئی ہے۔ ثانیاً اس عہد کے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے تعصبات کو اس وقت کے مسلمانوں کی ذہنیت میں کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ وہ دنیا کے تمام علمی و تمدنی ذخیرہ کو خواہ کچھ تم اور ملک سے تعلق رکھتا ہو، اپنا قوی درجہ سمجھتے تھے۔ خود اسی عہد میں حضرت عمرؓ نے بے شمار معاملات میں غیر قوموں کے علمی اور تمدنی اصول معلوم کئے ہیں، اور ان میں جو باتیں کارآمد اور ضروری نظر آئی ہیں بالکل اختیار کر لی ہیں۔ جب کبھی کوئی ایسا معاملہ پیش آیا، وہ ایرانیوں، رومیوں، اور مصریوں کو بہ اصرار طلب کرتے اور ان سے مشورہ لیتے۔ دفاتر حکومت کی تعمیر، خراج و محصول کا تقین، اراضی کی پیمائش اور تشخیص، خزانہ کا قیام، حساب و کتاب کے اصول و قواعد، اور اسی طرح کے بہت سے معاملات ہیں جن میں ایرانی اور رومی قواعد کا تتبع کیا گیا۔ فقہ کا ایک اہم باب (الفقہ) ہے۔ یعنی دوشہ کی تعمیر کے اصول و قواعد۔ چونکہ اس کا تعلق فن حساب سے ہے، اس لئے حضرت عمرؓ نے چاہا، اس کے قواعد کی ترتیب و درستگی کے لئے ایک اہل حساب سے مدد لی جائے۔

مورخین نے تصریح کی ہے کہ اس غرض سے ایک رومی سچی مدینہ میں طلب کیا گیا تھا۔ طلبی کے فرمان میں دالی شام کو جو الفاظ لکھے تھے وہ یہ ہیں: ”البحث لنا بروجی یقیم لنا حساب فن الحسنا“ ایک رومی کو بھیج دو تاکہ وہ ہمارے فرائض کا حساب استوار کرے۔ (مطلوب مستقیم حافظ ابن تیمیہ) جب حضرت عمرؓ کو فرائض جیسے شرعی مسئلہ کے حساب میں ایک رومی عیسائی سے مدد لینا ناگوار نہ ہوا، تو ظاہر ہے کہ ایرانی یا رومی سنہ کے اختیار کر لینے میں قوی تعصب کیوں لانے ہوتا جس کا تعلق صرف حساب تاریخ سے ہے؟ پس یقیناً کوئی دوسری ہی علت ہونی چاہئے جس کی وجہ سے انھوں نے ایرانی اور رومی سینیں جیسے مدون و رائج سنہ چھوڑ دئے، اور ایک نیا سنہ از سر نو قائم کیا۔

اصل یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم اور تربیت نے صحابہ کرامؓ کا دماغ جس سلیبے میں ڈھال دیا تھا، وہ ایسا سا چمچا تھا جس کوئی دوسرے درجہ کا خیال سما ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ صرف اہل درجہ کے خیالات کے لئے تھا۔ بہت ممکن ہے کہ دنیا کے تمدنی علوم و فنون کے رائج نہ ہونے کی وجہ سے وہ کوئی بات علمی طریقوں اور اصطلاح

لفظوں میں نہ ادا کر سکتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اوقات وہ ایک بات کی علت اس شکل و صورت میں نہ دیکھتے ہوں جس صورت میں کچھ دنیا دیکھ رہی ہو، لیکن ان کی طبیعت کی اُفتاد اور تربیت کی روش کچھ اس طرح کی بن گئی تھی کہ جب کبھی کسی معاملہ پر سوچ بچا کرتے تھے تو خواہ علت و موجب سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں، لیکن مانع نہ جاتا اسی طرف تھا جو علم و حکمت کے بہتر سے بہتر اور بلند سے بلند پہلو ہو سکتے ہیں۔ یہی فحشی ہیں انبیاء کرامؓ کے مقام ”تزکیہ کے کہ دیکھ کر صحر دلعلم حوالہ کتاب دالحکمہ (۲: ۶۲) یعنی دل دماغ کی اس طرح تربیت کر دی جاتی ہے کہ ایک موزوں اور مستقیم سا چمچا ڈھل جاتا ہے۔ اب جب کبھی کوئی ٹیڑھی چیز اس میں لکھی جائے گی، وہ قبول ہی نہیں کئے گا۔ صرف سیدھی اور موزوں چیزیں ہی اس میں لکھی ہیں!

اسلام کی تربیت نے صحابہ کے دل و دماغ میں قوی شرف و خوداری کی روح پھونک دی تھی۔ قوی زندگی کی بنیادیں جن انٹوں پر استوار ہوتی ہیں، ان میں سے ایک ایک اینٹ کے لئے ان کے اندر سہان اور لگاؤ تھا۔ اگرچہ وہ لفظوں اور تعبیرات میں انہیں بیان نہ کر سکیں۔ جب حضرت عمرؓ نے سنہ اور تاریخ کی ضرورت محسوس کی، تو اگرچہ تمدن اقوام کے سینے رائج و مستعمل تھے، لیکن ان کی طبیعت ان کی طرف اکل نہ ہو سکی۔ اس لئے کہ اسے کرنا صرف قوی شرف و خوداری کے خلاف تھا، بلکہ قوی زندگی کی بنیادیں انٹوں میں سے ایک اینٹ کھو دی تھی۔

قوی زندگی کی بنیادی ستونوں میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے۔ جو قوم اپنا قوی سنہ نہیں لکھتی، وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں لکھتی۔ قوم کا سنہ اس کی پیدائش اور زوال کی تاریخ ہوتا ہے۔ یہ اس کی قوی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صفحہ عالم پر اس کے اقبال و عروج کا عنوان ثبت کر دیتا ہے۔ یہ قوی زندگی کے ہلکے دوزخ کی ایک جاری و قیام یا دگار ہے۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ جاسکتی ہیں لیکن یہ نہیں مٹ سکتی۔ کیونکہ سورج کے طلوع و غروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندہ جاتا ہے، اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے۔ آج آگسٹ کی راجیت، جلال الدین ملک شاہ، اور اکبر اعظم کے نام ان کے سینے کے اندر ہر روز ہلے سلتے آتے ہیں، اور ہمارا حافظہ ان سے گردن نہیں مڑ سکتا!

مکن نہ تھا کہ قوی زندگی کا ایک ایسا اہم مسئلہ حضرت عمرؓ اور صحابہ کے سامنے آتا اور ان کا دماغ غلط فیصلہ نہ کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام کی دماغی تربیت غلط ہوجاتی۔ کچھ ضروری نہیں انھوں نے اپنے اس احساس کی کوئی توجیہ و تفسیل بھی کی ہو۔ نتائج تعمیر اور تفسیل سے نہیں بلکہ فعل صحیح سے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اندر اس کے خلاف میلان پیدا نہ کر سکے۔ وہ باوجود غیر قوموں کی ہر طرح کی علمی و تمدنی چیزیں قبول کر لینے کے ان کا سنہ قبول نہ کر سکے۔ خود بخود ان کی طبیعت کا فیصلہ یہی ہوا کہ قوی سنہ سب سے الگ، اور ایسا ہونا چاہئے جس کی بنیاد اپنی تاریخ کے کسی قوی واقعہ پر ہو۔ انھوں نے اپنے دفتروں کے لئے ایرانیوں اور رومیوں کی زبان لے لی، ان کے حساب کتاب کے قواعد قبول کر لئے، ان کے حساب کی اصطلاحات اور اشارات سے بھی استغناء نہیں کیا، لیکن سنہ اور تاریخ لینے پر آمادہ نہ ہو سکے۔ یہ قوی زندگی کی بنیادی انٹوں میں سے ایک اینٹ تھی، اس لئے ضروری تھا کہ یہ اپنی ہو، اور اپنے ہی ہاتھ سے رکھی جائے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا، اور اسلام نے جو ذہنیت ان کی پیدا کر دی تھی، اسے

یہی کرنا تھا!

### متاخرین کی تسلیل و توجیہ

انہوں میں سے جو کہ صدر اہل کے مسلمانوں کی تاریخ کا چہرہ، متاخرین کی تقاضوں سے اپنے اصلی خال و خط کھو چکا ہے۔ ہر عہد کا تاریخ دراصل اسی عہد کی دماغی آب و ہوا کا مخلوق ہوتا ہے، اس لئے سلف کے واقعات کی تصویر کھینچتے ہوئے اسی رنگ و درخشن سے کام لیتا ہے جو اس کے عہد کی آب و ہوا کا حصہ ہو سکتی ہے۔ اسلام کی حقیقی اجتماعی زندگی کا اصلی دھڑ صحابہ کرامؓ کے عہد پر ختم ہو گیا، اور اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، اس دور کی مسنونہ خصوصیات مفقود ہوتی گئیں۔ متاخرین اہل نظر و قلم کا زمانہ آیا تو یہ وہ وقت تھا، جب صدر اہل کی دماغی آب و ہوا کی جگہ بالکل ایک مختلف قسم کی فضا نشوونما پائی تھی۔ اس لئے ان مصنفوں نے جب اس عہد کے حالات پر قلم اٹھایا، تو بجائے اس کے کہ اس عہد کا ذوق و مزاج پیدا کر کے اس کا مطالعہ کرتے، اپنے عہد کے پیدا شدہ ذوق کے رنگ میں اس کی ہر بات رنگ ڈالی۔ تاریخ بھی پر موقوف نہیں ہو۔ ہر گوشہ تک اس معاملہ کے اثرات پہنچے حتیٰ کہ فقہ و احکام تک کا گوشہ اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اگر عہد صحابہ سے لیکر آخری عہد تک اس کی کتابیں مسلسل موجود ہوتی اور صدیوں کی ترتیب کے ساتھ ان پر نظر ڈالی جاسکتی، تو صاف نظر آ جاتا کہ صدر اہل کے واقعات و معاملات بعد کے ہر عہد میں نئے نئے لباس پہنتے آئے ہیں، اور ان کی تعمیر و الفاظ بھی ان میں ہر عہد کی ذہنی خصوصیات کا پر تو موجود ہے۔ مثلاً اگر تیرہ صدیوں کی تیرہ مسلسل تاریخیں موجود ہوتیں، تو نام کی دھڑک بٹلا سکتے کہ صدر اہل کے ایک ہی واقعہ نے اپنی جزئیات و خصوصیات میں کس طرح تیرہ مختلف لباس پہن لئے ہیں؟

بطور مثال کے اسی واقعہ پر نظر ڈالی جائے۔ امام شافعی کی روایت میں صاف موجود ہے ”دلم یحب التاریخات القدیمہ“ یعنی حضرت عمرؓ ایک تاریخ کے تفتیش کی ضرورت محسوس کر رہے تھے، مگر پسند نہیں کرتے تھے کہ قدیم تاریخیں اختیار کریں۔ اس کا مقصد مطلب یہ ہے کہ وہ کسی دوسری قوم کی تاریخ کا اختیار کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور یہ معاملہ ان کی نظر میں ایسا تھا جس کے لئے ضرورت تھی کہ مسلمانوں کی ایک قوی تاریخ قرار دی جائے لیکن بعد کے مورخین نے اپنے ذوق و میلان طبع کے مطابق اس کی توجیہیں شروع کر دیں۔ واقعہ کی اصلی علت پر تو نظر نہیں گئی، نہ نئے معنی پہنانے لگے۔ میں یہاں صرف دو عہدوں کی مختلف نظروں کا ذکر کر دوں گا۔

علامہ مقریزی نے نویں صدی ہجری کے اداس میں اپنی بے نظیر تاریخ تحریر لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں حضرت عمرؓ اور صحابہ نے ایرانی اور رومی تاریخ پسند نہیں کی، کیونکہ دونوں کے حساب میں کبیرہ تھا۔ (یعنی دورہ ارضی کی کسر پوری کرنے کے لئے چند سالوں کے بعد زمینوں کے وزن میں کمی ہوتی۔ جس طرح کہ تقویم گرگوری میں ہر چوتھے سال ایک دن کی کمی کر دی گئی ہے) چونکہ اسلام نے ”نسبی“ سے روکا تھا، اور کبیرہ ”نسبی“ کا شہرہ ہو سکتا تھا، اس لئے مناسب نہ تھا کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا۔ مورخ موصوف کو یہ دور از کار دقیقہ سنجی اس لئے کرنی پڑی کہ قوی تقویم کی ضرورت و اہمیت کے لئے ان کے ذہن میں کوئی جگہ نہ تھی، اور چونکہ آدھ کوئی معقول تفسیل کچھ میں نہیں آئی اس لئے ناچار ”نسبی“ کی شرعی ممانعت کی بادی میں پہنچ گئے۔ حالانکہ کسی اعتبار سے بھی یہ تفسیل لائق اعتبار نہیں

# فہرس

آئندہ سے فہرست پہلے صفحہ کی جگہ یہاں آخری صفحہ پر  
درج ہوا کرے گی

## مطبوعات جدیدہ

۳ ایک مغربی خاتون کی مشرتبہ

## انسانہ

۵ محبت اور قربانی، یا سزا و انتقام

## مذکرہ علمیہ

۹ انسانی عمر کی دمازی اور عادۂ شباب

## بصائر و حکم

۱۵ انسانیت موت کے دروازہ پر!  
حضرت حسین علیہ السلام

## برید شرق

۱۹ مکتوب چین  
مکتوب تنظیمینہ

## مقالات

۲۱ ۱۔ محرم الحرام اور  
سنہ ہجری کا اختتام و آغاز  
۲۲ علی خیرین

## تصاویر

- ۴ (۱) لیڈی اسٹن چوپ
- ۵ (۲) لیڈی اسٹن چوپ اور لالہ اسٹن
- ۷ (۳) "لبش اور اس کا بھرم"
- ۷ (۴) ڈاکٹر غورسکی
- ۱۰ (۵) عادۂ شباب کے ایک عملیہ کا موجد
- ۱۰ (۵) ڈاکٹر ویدروونٹ
- ۱۰ (۵) (علیہ تعلیم کا موجد)
- ۱۱ (۶) ایک ۷۵ برس کا بوڑھا
- ۱۱ (۷) علیہ عادۂ شباب سے پہلے
- ۱۱ (۷) علیہ کے بعد

انتخاب کیا گیا، آخر اس کی علت کیا تھی؟  
بہتر ہے کہ یہ بحث آئندہ مجلس پر ملتوی رکھا جائے۔ آج کی مجلس مقصد  
سے زیادہ طولانی ہو چکی ہو۔ لیکن ہرگز ایک ہی نشست کی اتنی طوالت  
بعض طبائع پر شاق گزردہ ہی ہو۔

## ہو اسے الاسکا کی پیمائش

سائنسک آمریکن میں الاسکا (قطب ارض) میں امریکہ و جاپان کی  
پیمائش بذریعہ طیارات پر ایک نیا پیمانہ مقرر کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار لکھتا ہے:  
"دین طیاروں کے ذریعہ سے ایک سرکاری مہم نے الاسکا کے جنگل  
پہاڑوں اور جھیلوں کی صرف پندرہ دنوں میں اتنی پیمائش کر لی جو پہلے  
پیمائش کے ذریعہ پندرہ برس میں بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس مہم نے  
ایسے مقامات کی تصویریں لیں جہاں اب تک انسان کا گزرنہ  
ہوا تھا اور جو پیش رفت جنگلیں اور جھیلوں سے بھرے ہیں۔ اس ۲۰  
ہزار میل کی پیمائش کی مہم میں دس ہزار میل صرف پندرہ دنوں میں  
لے گئے اور طیاروں نے دس ہزار میل کی لمبائی سے ایسے صحیح اور  
صاف نقشے کھینچے کہ جنگلوں کے درخت بھی لے گئے جاسکتے ہیں۔"

## فرانس کا جنگی نظام

منچسٹر گارڈین میں مشرقی یوڈ لوک کا ایک مضمون مندرجہ صحت  
پر شائع ہوا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:  
"فرانس نے گذشتہ جنگ کے بعد پہلا مسلحہ پیش نظر رکھا وہ اپنے  
فوج کی ترتیب و تنظیم جو اب یہ نظم و ترتیب تھی کہ وہ ۱۹۳۷ء میں  
پارلیمنٹ اس فیصلہ صادر کرے گی۔ فرانس کا مقصد یہ ہے کہ کساری  
فرانسیسی قوم جنگ کے لئے ہر دم تیار رہے۔ جس وقت جنگ کا موقع  
آجائے تو تیار ہی میں دقت ضائع نہ ہو۔ یہ پوری مشین جو امن  
کے زمانہ میں تیار کھڑی تھی فوراً چلنے لگے۔  
کیا بحالت موجودہ دنیا امن و سکون کا وہم و گمان بھی کر سکتی  
ہو؟ یہ فرانس ہے۔ یعنی مجلس اقوام کا، برطانیہ کے بعد دوسرا  
پیامبر امن!!

## جدہ میں عربی بنک

سلطان ابن سعود نے امیر حبیب فلاح کو اس بات کی اجازت  
دے دی ہے کہ جدہ میں ایک عربی بنک قائم کیا جائے جسکی شاخیں  
پورٹ سعید، سویز، اور قاہرہ میں ہوں گی۔ اس بنک کا مقصد  
یہ ہے کہ حجاج کے لئے سہولتیں ہم پہنچائی جائیں۔

## ترکی خواتین کا لباس

ترکی انجمن نسوان نے ترکی خواتین کے لئے ایک نیا لباس تجویز  
کیا ہے۔ چونکہ موجودہ لباس جو ترکی خواتین استعمال کر رہی تھیں بالکل  
یورپین عورتوں کا لباس تھا، جس پر بے اندازہ دیر صرف ہوتا  
تھا۔ اس لئے نئے لباس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ لباس  
اقتصادی اور خوبصورتی، دونوں پہلوؤں سے بہتر ہوگا۔

اول تو یہ ان روایات کے خلاف ہے جو اگر گز چکیں، کیونکہ ان میں  
تمام قدیم تعلیموں کی ناپسندیدگی کا ذکر ہے۔ نہ کہ کسی خاص تعلیم کا۔  
ثانیاً، "نسئ" مصطلح جاہلیتہ اور "کبیسہ" مصطلح حساب ثقلی دو  
مختلف چیزیں ہیں جن نسئ کہ اسلام نے رد کیا اور قرآن نے کفر کی  
زیادتی سے بقبر کیا، وہ یقیناً قری ہینوں کی طبی ترتیب کو اس طرح  
درج برہم کر دینا تھا کہ کبھی شبان، محرم بن جاتا تھا، اور کبھی رمضان  
ذوالحجہ قرار پا جاتا تھا۔ اور جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اعمال و طاعات کے  
معین اوقات الٹ پلٹ ہو جاتے تھے اور ان کے تقوید و تین کی  
اہمیت و مصلحت باقی نہیں رہتی تھی۔ لیکن "کبیسہ" بالکل ایک دوسری  
چیز ہے۔ اس کا مقصد دوسرا ہے، اور اس کے اجراء کے نتائج ذکر  
ہیں۔ اس کا کوئی اثر اس طرح کا مرتب نہیں ہوتا۔ وہ محض اس لئے  
ہے کہ سال بھر کے تین سو سالہ دن قرار دے دینے کے بعد جو کبر  
رہ جاتی ہو اسے کچھ عرصہ کے بعد پورا کر دیا جائے تاکہ زیادہ تر گزرنے  
کے بعد ہینوں اور برسوں کا فرق نہ بن جائے۔ پس کسی طرح بھی  
یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ حضرت عمر اور اکابر صحابہ "نسئ" کی  
حقیقت سے اس درجہ بے خبر تھے کہ تقویم کے کبیسہ کو بھی "نسئ"  
سمجھ لیتے، یا انھیں کبیسہ پر "نسئ" کا شبہ ہو سکتا۔

یہ نویں صدی کی ابتدا تھی۔ لیکن سو برس کے بعد یعنی ہزارویں  
صدی کے اوائل میں ہی واقعہ ایک دوسرا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔  
حافظ جلال الدین سیوطی سے تقویم و مین کے متعلق ایک سوال کیا  
گیا تھا۔ اس کے جواب میں انھوں نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں  
لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اور صحابہ کرام نے رمی اور ایرانی سنہ اختیار  
کرنے سے اس لئے اجتناب کیا کہ یہ عیسائیوں اور مجوسیوں کا سنہ  
تھا اور اسلام نے انھیں رد کیا تھا کہ کفار کا طور طریقہ اختیار  
کر کے اس کے رواج و قبولیت کا باعث نہ ہوں۔ اب غور کرو۔  
بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی؟ کجا کفار کے طور طریقہ سے اجتناب  
کا معاملہ، اور کجا یہ معاملہ جو حساب و کتاب کے ایک علمی اصول و  
قواعد کا معاملہ ہے! حافظ موصوف نے یہ تعلیل کرتے ہوئے غلط فہمی  
کی آدھی تاریخ فراموش کر دی۔ اگر اس قسم کے معاملات میں غور و  
سے اخذ و استفادہ جائز نہ ہوتا، تو حضرت عمر بے شمار معاملات میں  
ایران و روم کے قدیم انتظامات اور تمدنی طریقوں سے فائدہ اٹھاتا  
کیوں جائز نہ تھے؟ یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرام کو غیر قوموں کی بہت سی  
باتوں سے اجتناب تھا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم نے بہت سی باتوں کو رد کیا اور عدم اتباع و تشبہ پر زور  
دیا، مگر وہ باتیں دوسری ہیں، ان کا محل و دوسرا ہے، مقصد دوسرا  
ہے، اور اثرات دوسرے ہیں۔ اس معاملہ سے اسے کیا تعلق؟  
واقعہ ہجرت کا اختصاص

اس جملہ معروضہ نے بہت طول کھینچا۔ بہر حال اس معاملہ میں  
پہلی بات جو قابل غور تھی، وہ قوی سنہ کا تقوید اور اس کی آیت  
کا احساس تھا۔ بغیر کسی دودر دواز توجہ کے اختیار کئے، یہ بات  
سامنے آ جاتی ہے کہ حضرت عمر اور اکابر صحابہ کی اس پہلو پر نظر تھی۔  
وہ محسوس کرتے تھے کہ قوی زندگی کی تقویم کے لئے قوی سنہ ضروری  
ہے، اور اس لئے چاہئے کہ یہ باہر سے نہ لیا جائے۔ اندر ہی  
طیار کیا جائے۔

اس کے بعد دوسرا اہم نقطہ نظر، واقعہ ہجرت کا اختصاص  
ہے۔ اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ سنہ کی ابتداء قرار دینے  
کے لئے جس قدر بھی سامنے کی چیزیں ہو سکتی تھیں، ان میں سے  
کسی چیز کی طرف ان کی نگاہ نہ تھی۔ ہجرت بنوی کا واقعہ جو آغاز  
اسلام کی بے سرو سامانیوں اور کمزوریوں کی یاد تازہ کرتا تھا،







## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما: دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

تالمزاف لڈن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قام سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

روزہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کر سکتے ہیں۔

تالمزاف لڈن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ ہفتہ وار دلچسپ اور قیمتی تصویروں سے مزین ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت سے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ تالمزاف لڈن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

## برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو کوم - ایکوں کے میوزوں کو خشک کرنے اور پیمائش کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں اس کارخانے میں طیارہ ای جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجئے۔

یاد رکھیے۔

میوزوں، ترکاروں اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "ٹلم سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "ٹلم سسٹم" کے مطابق ہم کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھجویں، انکی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی صحبت اور تہوار سا سرمایہ لیکر ایک قیمتی کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح ہی تجارت کے گرو اور ہندوستان کے باہر ہندوستان کے تمام حالات اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کاروباروں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بعد اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے نہ ساری باتیں بلکہ عمدہ عالمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ ایک ماہر فن کے ذریعے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HABAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

۵۲. جودنی ۷۵۴

لَمَّا تَلَا

بلاغ و فکلت  
ابن پیر

# الہلال

• ہر جمعہ اور نمبر ۱۱ - ہالی گڈج سرکار ورق - نامتہ سے شائع ہوتا ہے •

مدت سالانہ مع محصول	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	سولہ روپیہ
مدت شش ماہی	-	سات روپیہ
مدت تری پرچہ	-	پانچ آنہ

( ۱ ) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے کی جائے تاکہ جو خط و مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکی لکھنؤ پر " ایڈیٹر " کے نام ہونا چاہیے ۔

( ۲ ) نمونہ مدت ارسال نہ ہوگا ۔

( ۳ ) درجہ کتابت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھوے ۔

( ۴ ) خط و کتابت میں نمبر خریداری نہیے جسکی اطلاع آپکو بتول قدمت آپ رسید میں دیدی گئی ہے ۔

( ۵ ) اگر کسی صاحب نے پاس تولی پرچہ نہ پہنچے تو لازم اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ۔ ورنہ بصورت تاخیر بعد مدت سے روانہ نہیں کیا جائیگا ۔

( ۶ ) اگر آپ کو میں ملو بدلے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ فرمائیے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظار نہ کیجیے ۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دینا پتہ تبدیل فرمائیے ۔

( ۷ ) مہی اگر در زمانہ رفت فارم لے کوہیں پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں ۔

( ۸ ) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض ( مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ ) سے نہیں ہے نکت ضرور پہنچیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف بار پڑیگا ۔

لَا تُهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُنْهِنِينَ  
إِذَا جَاءَ الْفِتْنَةَ الْفِتْنَةُ الْفِتْنَةُ الْفِتْنَةُ الْفِتْنَةُ الْفِتْنَةُ

# الْمَلَال

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۲۲ - محرم ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۶

Calcutta : Friday, 22, July 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلی موزون نہیں ؟

ضروری ہی کہ ہم اسکا اب فیصلہ کر لیں

اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس میں  
یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے  
جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے  
اپنی زبان کو نجات دلائیں۔

ہماری رائے میں بہترین حروف یہی ہیں۔ اگر  
فارسی اور ترکی کیلی یہ نا موزون نہیں تو اردو کیلی  
کیون نا موزون ہوں ؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے  
ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔ طباعت کا مسئلہ آج  
زبان و قوم کیلی سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہی۔  
ضروری ہی کہ اسکی تمام تقایم ایک بار دور کر دی  
جائیں۔

الھلال

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی  
یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔

طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں  
کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔ پتھر کی چھپائی  
میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں  
کر سکتی۔

ہندی اور ہندوستان کی تمام زبانوں نے، نیز عربی،  
فارسی، ترکی، تینوں سامی زبانوں کی حروف کی  
چھپائی اختیار کر لی ہیں اور انکی طباعت یورپ کی طباعت  
کا مقابلہ کر رہی ہیں۔ کیون اردو زبان بھی ایسا  
نہ کری جو اسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے ؟

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک  
بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الھلال چھپتا ہے۔



# ان تمام اصحاب کیلی

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زبور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجیے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کیلئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

## با این ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں!

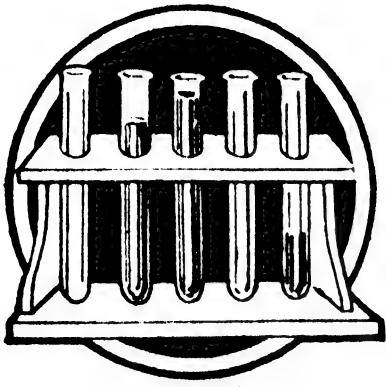
## براعظم یورپ، امریکہ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتاب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کیے ہیں۔

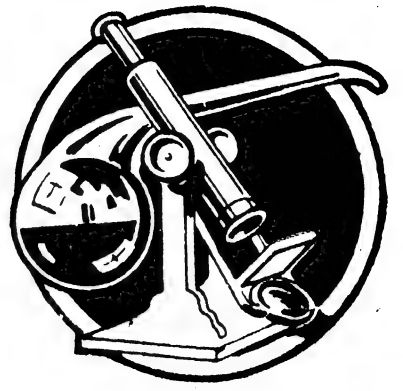
## اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو آپ فروخت کرنے کیلئے بھی پلے ہم ہی سے خط و کتابت کیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔





# مذاکرہ علمیہ



اُسے لکھ نہیں سکتا مگر حسب ذیل روئداد لکھتے ہوئے اُس کی معنوی صحت کا ذمہ دار ہوں :

مسٹر ونسٹن چرچل نے پوچھا ”کیا یہ سچ ہے کہ آپ اپنے grafting (پیوند) کے عمل سے ہر اُس جانور کا گوشت اور چمڑے کا وزن بڑھا دے سکتے ہیں جو انسان کی غذا اور دیگر ضروریات کے لئے کام میں لانے جاتے ہیں ؟“

”قطعاً۔ میں نے یہ بھی کیا ہے اور اس سے بھی بڑھکر۔“

ڈاکٹر وررنوف نے بغیر کسی تامل کے جواب دیا۔

”کیا آپ ہر انگریزی بھیڑ کے اُن کے وزن میں ایک پاؤ کا اضافہ کر دے سکتے ہیں ؟“ مسٹر چرچل نے مزید تشریح کی۔

”بہت آسانی سے۔ میں نے اس سے بھی زیادہ کامیابی حاصل کی ہے“ ڈاکٹر کا قطعی جواب تھا !

”آپ نے کتنے معموروں (subject) پر اس کا تجربہ کیا ہے ؟“

”سیکڑوں جانوروں پر۔ بھیڑ کے تو گلہ کے گلہ پر۔“

”کیا میں برطانوی وفد بھیج سکتا ہوں تاکہ وہ ان عملی نتائج کی جانچ پڑتال کرے ؟“

”بہ خوشی۔ جس وقت آپ کا جی چاہے“

وہ جانور جن پر ڈاکٹر وررنوف نے اپنے تجربے کئے ہیں، الجزائر میں ہیں، اور آئندہ اکتوبر میں برطانوی ماہرین حیوانات اُن کا معائنہ کرنے کے لیے جانے والے ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا آسان ہے کہ اقتصادی نقطہ نظر سے یہ انکشاف کیسی عظیم الشان اہمیت رکھتا ہے ؟



مسٹر چرچل

## انسانی عمر کی درازی اور اعادۂ شباب

مسٹر چرچل اور ڈاکٹر وررنوف کا مکالمہ



ڈاکٹر وررنوف

ذیل کے مضمون میں مشہور فرانسیسی اہل قلم ایم۔ لروئی فارست نے ڈاکٹر وررنوف سے اپنی ایک ملاقات کا حال بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر وررنوف اور اُنکے عملیہ تعلیم کا حال ہم گذشتہ اشاعت کے اسی باب میں بیان کر چکے ہیں۔ یہ اس سلسلہ کا تیسرا ٹکڑہ ہے :

”مسٹر ونسٹن چرچل، ڈاکٹر وررنوف، اور میں، ریوڑا کے قریب ایک خوبصورت گاؤں ایژ میں، موسیو ایم بالسن کے مہمان تھے۔ سہ پہر کے ناشتہ کے وقت ڈاکٹر وررنوف کے نئے انکشافات پر بہت ہی دلچسپ گفتگو ہونے لگی۔ اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ ان کے عملیہ کے ذریعہ صرف حیات انسانی ہی نہیں بڑھ جاسکتی، بلکہ دنیا کی اقتصادی ترقی میں بھی غیر معمولی انقلابات رونما ہونے والے ہیں۔“

(دنیا کا آئندہ اقتصادی انقلاب)

ڈاکٹر وررنوف ہمیں یہ بتلا رہے تھے کہ اُنہوں نے اطالیہ کے سرحد پر گرمائی کے قلعہ میں کپڑے بدو باش اختیار کیے ہیں ؟ اور ایسے نظر قریب مناظر کے درمیان جیسے کہ اس مقام میں ہیں، اپنے بندوں کی قیام گاہ اور اپنے عمل و تجارت کا کارخانہ کیوں بنایا ہے ؟

ڈاکٹر وررنوف نے بیان کیا کہ خیرانی خرد کے افعال و خواص کی تحقیقات نے مجھے نئے نئے نتائج پر پہنچا دیا ہے۔ میں نہ صرف ہر انسان کو از سر نو جوان بنا دے سکتا ہوں، بلکہ قریب ہے کہ جانوروں کی ایک نئی نسل بھی پیدا کر دوں۔ خصوصاً غیر معمولی قوت رکھنے والی بھیڑ جس کے گوشت اور اُن کا وزن اتنا زیادہ ہرجائیگا، جتنا آج تک کسی کے دم و گمان میں بھی نہیں آیا !

مسٹر ونسٹن چرچل یہ گفتگو انتہائی دلچسپی سے سن رہے تھے۔ دونوں میں نہایت دلچسپ گفتگو ہوئی۔ میں لفظ بہ لفظ تو



## (بندروں کی پرورش گاہ)

جسطرح ایک مالی درختوں میں قلم لگاتا ہے، اسی طرح علم کے جراح کے نشتر کے ذریعہ علم الحیات میں عظیم الشان معجزے پیدا کر دیے ہیں۔ انکے سمجھنے کیلئے ڈاکٹر رزرنوف کی تحقیقات کا مطالعہ انکے آغاز عمل سے کرنا چاہئے۔ یعنی اس رز سے مطالعہ کرنا چاہیے جس رز سے انہوں نے بندر کے غدر کی قلم آدمی میں لگا ہے، بڑھوں کو جوان بنانا شروع کر دیا ہے۔

ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جنہوں نے گرمائی کے قلعہ میں ڈاکٹر رزرنوف کے بندروں کی قیام گاہ اچھی طرح دیکھی ہوئی ہو۔ یہ مقام آدھے فرانسیسی اور آدھے اطالوی سرحد کے اندر واقع ہے۔ البتہ اسکا دروازہ فرانس ہی میں ہے۔

یہ قلعہ نسبتاً جدید طرز کی ایک عمارت ہے، مگر اسکے پہلو میں اسلامی حکومت کی ایک قدیم یادگار بھی موجود ہے۔ یہ ایک برج ہے جو دس صدیوں سے زیادہ پرانا ہے، اور شاید اُس اعادہ شباب کا نشان ہے جو اُسے سایہ میں پرورش پا رہا ہے۔ یہ قیام گاہ بجائے خود دنیا میں ایک نمونہ بہشت ہے۔ ہرے بھرے نباتات، لہلہاتے سبزہ زار، صاف اور خوشگوار ہوا، اسیر نیلگون بحر متوسط کا دلفریب منظر، یہ مقام ملکہ وکٹوریا کو اسقدر پسند تھا کہ وہ یہاں ایک پتھر کے بنچ پر بیٹھ کر دیر تک سمندر کو دیکھا کرتی تھیں۔ آج ہملرگ اسی بنچ پر بیٹھ کر ڈاکٹر رزرنوف سے انکے انکشافات پر گفتگو کرتے رہے!

”ڈاکٹر رزرنوف - تمہارے والد کیا حال ہے؟“ میں نے ایک دن پوچھا۔

ڈاکٹر رزرنوف نے جواب دیا۔ ”میں انکے بارے میں متروک ہوں۔ انہیں بہت سخت زہم ہو گیا ہے۔ تم جانتے ہو انکی عمر سو برس کے قریب ہے“

## (نورا)

اسکے بعد میں نے ”نورا“ کے بارے میں دریافت کیا۔ جواب ملا کہ وہ مر گئی۔

دنیا اس ”نورا“ سے ناواقف ہے۔ ”نورا“ ایک بندریا تھی مگر انسانوں سے زیادہ انسانیت رکھتی تھی۔ وہ بلا کی ذہین تھی۔ ڈاکٹر رزرنوف آتے اسلیے عزیز رہنے تھے کہ وہ بہت دلیری اور خوشی سے ہر طرح کے عمل جراحی کیلئے مستعد ہو جاتی تھی۔ وہ شاید نسل انسانی کے مفاد کیلئے اپنی قربانی کی ضرورت محسوس کرتی تھی!

”نورا“ نے ایک حسین خاتون کی زندگی میں بڑا اضافہ کر دیا ہے۔ اب وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ کمسن ہو گئی ہے۔ اس کے بعد نورا میں بھی دوسری کمسن بندریا نے غدر کا پیوند لگا دیا گیا تھا، اور وہ پھر سے جوان ہو گئی تھی۔ نینس افسوس ہے کہ کچھ دنوں کے بعد رضع حمل کرتے ہوئے مر گئی، اور موجودہ دنیا کے ایک سب سے بڑے طغیور عالم کو داغ مفارقت دے گئی!

## (اسوقت تک ای عملی کامیابی)

ہر شخص یہ جاننا چاہتا ہے کہ ڈاکٹر رزرنوف نے اب تک کتنے کامیاب تجربے کیے ہیں؟ اور بندر کے غدر کا قلم لگا کر کتنے بڑھوں کو جوان بنا دیا ہے؟ اس کا جواب انہی کی زبانی حسب ذیل ہے۔

”میں ایک ہزار سے زیادہ قلم لگانے کا عمل کر چکا ہوں۔ اس تعداد میں ہائپہ طیب بھی شامل ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں

کہ یہ لوگ بغیر اس عمل کو سمجھے ہوئے ہو کئے عمل جراحی کے لیے راضی نہ ہوتے“

”غدر کے قلم لگانے کے نتیجے سے صرف بھی لوگ انکار کر سکتے ہیں جو بغیر سمجھے ہوئے ہر بات سے انکار کر دینے کے عادی ہیں۔ ان کا یہ طرز عمل علم کے اصول کے قطعاً خلاف ہے“

”آپ پر یہ بات بھی واضح ہوئی چاہیے کہ اگر مجھے میرے ہزاروں تجربوں سے کامیاب اور صحیح نتیجہ حاصل نہ ہوتا، تو میں ساری دنیا میں قوی اور تندرست بندروں کی اس درجہ تلاش نہ کرتا۔ اور اس صرف کثیر کے ساتھ بندروں کی یہ قیام گاہ نہ بناتا جس کا وسیع کارخانہ آپ دیکھ رہے ہیں“

”میں امید کرتا ہوں کہ عنقریب بحر متوسط کے ساحلوں پر بندروں کی بے شمار قیام گاہیں تعمیر ہو جائیں گی۔ یہ مقام ان کی نشو و نما کے لیے خاص طور پر مناسب ہے۔ یہ جانور بھی نسل انسانی کے لیے اسی طرح کارآمد ہے جس طرح بیل یا بھیڑ“

”میں نے قلعہ گرمائی میں بندروں کی قیام گاہ اس لیے بنائی کہ غیر ملکی بندر اس آب و ہوا کے عادی ہو جائیں۔ یہ گویا ان کی مرکزی یام گاہ ہوگی جہاں سے دوسرے مرکزوں میں بھیجے جائیں گے۔ اس وقت ہمارے پاس ایک علیحدہ اور منتخب جانور خانہ بھی ہے جس میں بندروں کی خاص طور پر پرورش اور دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ سرد راتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے انہیں مصنوعی گرمی پہنچائی جاتی ہے اور اس وقت تک قیام رکھی جاتی ہے جب تک اس میں تدریجی کمی کر کے بندروں کو یہاں کی آب و ہوا کا عادی نہیں کر دیا جاتا“

”مختصر یہ کہ میرا مقصد اس جانور کو بھی اسی طرح پالتو اور مانوس بنا لینا ہے۔ جس طرح انسان نے رفتہ رفتہ گھوڑے، بھیڑ، اور بکریوں کو بنا لیا ہے“

## (عارضہ سرطان کی تحقیقات)

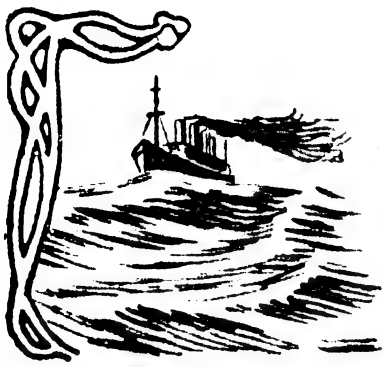
”فی الحال دنیا میں بندروں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔ بندروں کو نا موافق آب و ہوا سے اور مناسب غذا کی کمی سے سخت جنگ کرنی پڑتی ہے۔ میں نے افریقہ کے جنگلوں میں دیکھا ہے کہ جس طرح انسان قحط سالی میں موت کا شکار ہو جاتے ہیں، اسی طرح ایک ایک دن میں ہزاروں بندر بھی غذا نہ ملنے سے مر جاتے ہیں۔

”دنیا میں سب سے زیادہ تعداد اُن جانوروں کی ہے جنہیں انسان کے ذریعہ غذا ملتی ہے۔ بندروں کی جان بچانے کیلئے بھی یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ انہیں بھی موقع دینا چاہیے کہ انسان کے تہذیب و تمدن سے مستفید ہوں اور بھوکے نہ مریں۔ اگر ایسا ہو تو وہ عجائب خانوں کی محض زینت ہونے کی جگہ نوع انسانی کو عظیم الشان فوائد پہنچائینگے“

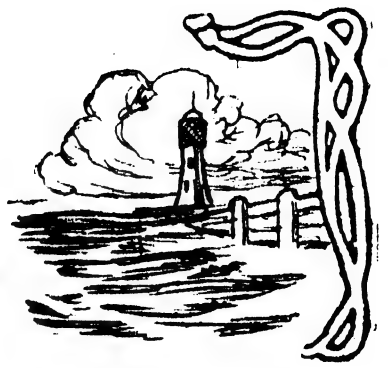
”بندروں کی ساخت اور طبیعت انسان سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ علم تشریح کے نقطہ نظر سے تو بندر انسان کا بہت ہی قریبی رشتہ دار ہے۔ علم طب نے جانوروں پر تجربے کر کے بہت ترقی کی، مگر افسوس ہے کہ یہ تمام تجربے اُن جانوروں پر کیے گئے جو انسانی ساخت و طبیعت سے بہت دور ہیں“

”سرطان کی تحقیقات سفید چوہوں اور سرورں پر کی جا رہی ہے۔ میرے خیال میں یہ تحقیقات کبھی مکمل اور مفید نہیں ہو سکتی جب تک کہ اعلیٰ قسم کے بندروں پر تجربے نہ کیے جائیں“





# بریکنگ



## مکتوب لندن

(الہلال کے مقالہ نگار لندن کے قلم سے)

اس ہفتہ یہاں کا سب سے زیادہ اہم واقعہ شاہ فواد سلطان مصر کا پہلی مرتبہ برطانیہ کے دارالحکومت میں وزرد ہے۔ لندن کے لیے مشرقی فرماں رواؤں کی آمد میں اب کوئی ندرت نہیں رہی ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب سلطان عبدالعزیز اور شاہ ناصر الدین نے یورپ اور انگلستان کا سفر کیا تھا، اور دنیا کے اس سب سے بڑے صدر مقام کی ساری توجہ اُن کی مہمان نوازی اور پذیرائی میں مرکوز ہوگئی تھی۔ ایک زمانہ آج کل کا ہے جبکہ لندن کے ریجنٹ اسٹریٹ کے لیے ”مشرقی بادشاہوں“ کا وجود رز مرہ کا نظارہ ہوگیا ہے۔ اب لندن اُن کے استقبال کا نہیں بلکہ ان کی درز دھوپ کا تماشا دیکھا کرتا ہے!

با ایں ہمہ مختلف قسم کے حالات ایسے جمع ہو گئے ہیں کہ سلطان فواد کے وزردے غیر معمولی اہمیت اور دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ سب سے پہلی بات تو وہ حالات ہیں جن میں اس میہمانی و میزبانی کا اجتماع ہوا ہے۔

سیاسی تاریخ میں یہ پہلی مثال ہے کہ در ملکوں کے تعلقات اس درجہ کشیدہ ہوں جیسے کہ اس وقت مصر و انگلستان کے ہیں، اور پھر ایک کا پادشاہ دوسرے کا میہمان بنا ہو۔ ایک طرف انگریزی مصری جھگڑا جاری تھا۔ انگریزی بیڑا مصری سمندروں

میں تخریف و تہدید کے مظاہرے کر رہا تھا۔ دوسری طرف شاہ انگلستان اور شاہ مصر کے مابین پیام و سلام بھی ہو رہے تھے!

کچھ مدت ہوئی شاہ انگلستان نے شاہ مصر کو اپنے ملک میں مدعو کیا تھا۔ لیکن اس تازہ جھگڑے کی وجہ سے عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ اس دعوت کے قبول کرنے کا یہ روزوں وقت نہیں ہے۔ مگر خلاف توقع دعوت منظور کر لی گئی، اور آج سلطان مصر صرف کا لندن کے اسٹیشن پر استقبال بھی ہو گیا!

جن غیر معمولی حالات میں یہ دعوت قبول کی گئی تھی، ویسا ہی ایک غیر معمولی حادثہ بھی پیش آئے آئے رہ گیا۔ لندن کے لیبر اخبارات کی اطلاعات اگر صحیح تسلیم کر لی جائیں، تو معلوم ہوتا ہے عین سفر کے وقت ایک سخت جھگڑا پیدا ہونے والا تھا۔ عام طور پر قاعدہ ہے کہ جب کسی ملک کا پادشاہ سفر کرتا

ہے، تو کم از کم وزیر اعظم ضرور ساتھ ہوتا ہے۔ حکومت برطانیہ مصر کی موجودہ وزارت کو پسند نہیں کرتی کیونکہ اُس نے قوم پروروں کا ساتھ دیا ہے۔ اس لیے کوشش کی گئی کہ وزیراعظم سلطان کے ساتھ سفر نہ کریں۔ لیکن جب یہ خبر باہر نکلی، تو رائے عامہ میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔ بالآخر یہی طے ہوا کہ وزیر اعظم ضرور ساتھ جائیں۔ چنانچہ وہ بھی سلطان کے ساتھ آئے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ مصری پارلیمنٹ کے مصارف سفر کے لیے بیس ہزار پاؤنڈ کی منظوری دیدی ہے۔

مصر اور انگلستان، دونوں ملکوں میں سوال کیا جا رہا ہے کہ شاہ مصر کی سیاحت کا مقصد کیا ہے؟ شاہ جارج نے کیوں انہیں دعوت دی؟ کیوں انہوں نے منظور کر لی؟ سرکاری جواب تو دونوں جگہ یہ دیا جاتا ہے کہ سیاحت محض ”سیاحت“ ہے۔ سیاست سے اُسے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن یہاں کے جو حلقے اندرونی حالت پر نظر

رکھتے ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس طرح کی سیاحتیں بغیر اہم سیاسی مقاصد کے نہیں ہوا کرتیں۔

ادھر کئی سال سے برطانیہ دیکھ رہا ہے کہ مصر سے اُس کے موجودہ تعلقات برقرار نہیں رہ سکتے۔ مصری قوم میں سیاسی بیداری پیدا ہوگئی ہے۔ وہ غیر مساویانہ علائق برداشت نہیں کر سکتی۔ اب اُسے خوشنما الفاظ سے نہیں بہلایا جاسکتا۔ مصنوعی آزادی اُسے مطمئن نہیں کر سکتی۔ لہذا طوعاً و کرہاً اُسے یہ حقیقت تسلیم کر لینی پڑی ہے کہ ”تبدیلی کے بغیر چارہ نہیں“ جیسا کہ سنہ ۲۰ میں لارڈ ملر نے اعتراف کیا تھا۔

مصر بھی دیکھتا ہے کہ اُس میں انگلستان سے جنگ کرنے کی قوت نہیں۔ برطانی عداوت اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ انگریز نہر سوئز کسی حال میں بھی چھوڑ نہیں سکتے۔ لہذا اسی میں بہتری ہے کہ انگریزوں سے ایسے تعلقات پیدا ہو جائیں جو ہر طرح دوستانہ ہوں، مگر ساتھ ہی جن سے مصر کی خود مختاری کو کوئی نمایاں گزند بھی نہ پہنچے۔

ایسے تعلقات کی بنیاد دیا ہو سکتی ہے؟ مصر اور انگلستان دونوں ملکوں کے ذمہ دار حلقوں کا خیال ہے کہ یہ بنیاد ایک نئے حلف نامہ سے رکھی جا سکتی ہے۔ دونوں ملک باہم ایک حلف نامہ ترتیب دیکر ایک دوسرے کو مطمئن کر دیں۔ برطانیہ مصر کی کامل آزادی تسلیم کرے اور اندرونی مداخلت سے باز آجائے۔ مصر برطانیہ کو نہر سوئز کی طرف سے پورا یقین دلادے کہ ہمیشہ برطانیہ کے لیے محفوظ رہیگی اور اس کے خلاف کبھی اُس کا قدم نہیں اٹھایگا۔



فواد اول سلطان مصر

## مکتوب فرانس

(الہلال کے مقالہ نگار پیرس کے قلم سے)

فیلپ بینیل کی صد سالہ بوسی



اس موسم کا ایک شاندار واقعہ یہ تھا کہ فرانس میں بڑے دھوم دھام سے فیلپ بینیل کی صد سالہ بوسی منائی گئی۔

فیلپ بینیل سنہ ۱۷۴۵ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۸۲۶ء میں فوت ہوا۔ یہ عقلی امراض کا سب سے بڑا طبیب تسلیم کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے پاگلوں کو بہت تکلیف دیتا تھا۔ زنجیروں میں باندھ دیا جاتا تھا۔ غلیظ مکانوں میں رکھا جاتا تھا۔ بدترین غذا کھلائی جاتی تھی۔ جردلوں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ اس طبیب نے اس برتاؤ کے خلاف سب سے پہلے آواز بلند کی اور پاگلوں پر رحم اور شفقت کرنے کا عام جذبہ پیدا کر دیا۔ پہلے جنرل لا علاج مرض سمجھا جاتا تھا۔ اسی نے سب سے پہلے بتایا کہ لا علاج نہیں ہے۔

فرانس کے مشہور پاگل خانہ ”یوسیٹر“ کے اعلیٰ افسر ڈاکٹر روبینر فچ نے فیلپ کی بوسی پر ایک مضمون لکھا ہے اور اخبار ”ماتان“ کے افتتاحی کالموں میں شائع ہوا ہے۔ مضمون نگار لکھتا ہے :

”فیلپ اسی پاگل خانہ میں معالج تھا جس میں اس وقت میں خدمت کر رہا ہوں۔ فیلپ کا درجہ خواص کی نظر میں ”مسیم جدید“ کا درجہ ہے۔ اسنے عقلی بیماروں کے علاج میں رحم اور شفقت کو عام کیا۔ اسنے ظلم اور سختی کے خلاف اس وقت صدا بلند کی جب پورے فرانس میں ہولناکی پھیلی ہوئی تھی اور ہر طرف خون بہہ رہا تھا !

”یوسیٹر پاگل خانہ سے فیلپ کا تعلق ستمبر سنہ ۱۷۹۳ء میں ہوا۔ اسوقت یہاں پچاس پاگل موجود تھے۔ یہ زنجیروں میں بندھے رہتے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور اور تاریخی پاگل شاہی باقی گارڈ کا ایک پرانا سپاہی تھا۔ یہ نہایت ہی قوی ہیکل تھا اور غیر معمولی جسمانی قوت رکھتا تھا۔ شراب کی عادت پڑ گئی اور ہمیشہ مدھوش رہنے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دماغ خراب ہو گیا۔ فوج سے نکال دیا گیا۔ جوش جنرل میں اسے یہ سوچا کہ میں فرانس کا سپہ سالار اعظم ہوں۔ جو کوئی یہ بات تسلیم نہ کرتا اسے بری طرح مارنے لگتا۔ آخر پاگل خانہ بھیج دیا گیا۔ یہاں وہ دس برس سے

خیال لیا جاتا ہے کہ اس شاہی سیاحت کے اثناء میں بے ضابطہ طور پر اسی ”حلف نامہ“ پر تبادلہ خیال ہوا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایسی مخالفت جس میں ایک طرف مسلح گھمزداد اور دوسری طرف بے سروسامان قومیت ہے، حقیقت و صداقت کے ساتھ وجود میں آ بھی سکتی ہے یا نہیں ؟

انگلستان کا پراس جس زور و شور سے سلطان فواد کی پذیرائی کر رہا ہے اور آج کے سرکاری اہتمامات بھی جس درجہ کے کیے گئے تھے وہ یقیناً غیر معمولی ہیں۔ یہاں کے تمام مشرقی اور مشرق دوست حلقے محسوس کر رہے ہیں کہ اس کی تہہ میں کوئی خاص چیز کام کر رہی ہے۔

انگلستان کے وہی سرکاری اور نیم سرکاری اخبارات جو کل تک مصر کے خلاف بڑے زور و شور سے خامہ فرسائی کر رہے تھے اب سلطان مصر کی تعریفوں کے پل باندھ رہے ہیں۔ سلطان کے اعزاز و تکریم کا جذبہ یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ اب ان کی ”مشرقیت“ بھی مغرب کے اس صدر مقام پر شاق گزر رہی ہے۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ انہیں ”مغربی“ بنا دیا جائے۔ قبلی نیز کے مقالہ نگار خارجہ کو پہلی مرتبہ اس حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ سلطان فواد محمد علی خدیو اول کے خاندان سے ہیں اور محمد علی یورپین ترکی کا باشندہ تھا۔ ایشیائی ترکی کا نہ تھا۔ وہ لکھتا ہے :

”اس موقع پر ہم یہ حقیقت فراموش نہیں کرسکتے کہ ہمارا مہمان عزیز اگرچہ اس اعتبار سے ہمارا مہمان ہے کہ وہ باہر سے انگلستان میں آیا ہے، لیکن اس اعتبار سے آتے مہمان نہیں کہہ سکتے کہ وہ مغرب میں مشرق کا مہمان ہے۔ وہ مشرق کا نہیں بلکہ خود مغرب کا ایک فرمانروا ہے جیسے اتفاقات نے مشرق کے ایک تاج و تخت کا مالک بنادیا ہے۔ ہمارے قارئین میں سے ہر شخص تاریخ مصر کی اس ابتدائی حقیقت سے باخبر ہوگا کہ وہاں کے حکمران خاندان کا مورث اعلیٰ محمد علی اعظم تھا جو البانیا کے ایک قصبہ قوالہ کا باشندہ تھا اور البانیا یورپ ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔ مشرق اور ایشیا میں نہیں ہے۔ فی الحقیقت سلطان فواد کی شخصیت میں آج ہم ایک یورپین نژاد فرمانروا کی پذیرائی کر رہے ہیں !“

محمد علی کے خاندان کی مغربیت سو برس تک انگلستان کو یاد نہ آئی، لیکن اب اچانک اس کا انکشاف ہو گیا ہے !

آپ کے دوست انریل مسٹر پٹیل یہاں سے واپس روانہ ہو گئے جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں کہ سکتا ہوں کہ ایک خاص معیار عمل کے اندر رہکر انہوں نے یہاں کے سرکاری حلقوں پر اچھا اثر ڈالا ہے۔ ایجنس لیٹر اسمبلی کی ریاست کے ساتھ کانگریسی ہونے کی روایات ملحوظ رکھنا اور کھدر کی دھرتی اور ٹوپنی بھی سنبھال رکھنا آسان نہ تھا، لیکن انہوں نے کسی نہ کسی طرح بات بنائے رکھی۔ یہاں کے ہندوستانی حلقوں میں خیال کیا جاتا ہے کہ غالباً آئندہ کمیشن میں ہندوستانی ممبر کی جگہ انہی کو دی جائیگی۔

اس ہفتہ میں آپ کے اس ارشاد کی تعمیل نہ کر سکا کہ جو کچھ لکھوں ہندوستان کے متعلق لکھوں۔ آئندہ ڈاک سے اس کا سلسلہ شروع کروں گا۔ مجھے امید ہے سلطان فواد اور مصر کا معاملہ بھی آپ کے صفحات کے لیے خیر ضروری اور غیر دلچسپ نہ ہوگا۔



یہ صنایع اسموئیل کرومپٹن ہے جس نے سب سے پہلے سورت کائفے کی ایسی مشین ایجاد کی تھی جس کی وجہ سے کپڑا بننے کی صنعت دست انسانی کی احتیاج سے بے نیاز ہو گئی۔ اور کپڑے کی ساخت کا سب سے بڑا اقتصادی انقلاب ظہور میں آ گیا۔

میں جس وقت پیرس کے نیم سرکاری اخبار طان میں اس برسی کی رولداد پڑھا تھا، تو میرا ذہن بے اختیار ہندوستان کی اُس عظیم شخصیت کی طرف منتقل ہو گیا جو دنیا کو ”کرومپٹن“ کی جگہ اُس غیر معلوم مگر بلا نزاع ”عظیم الشان انسان“ کی طرف منوجہ کرنا چاہتی ہے۔ جس نے اب سے ہزاروں برس پہلے ہاتھ سے چلانے کا سہل اور سادہ چرخا ایجاد کیا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا ”افکار و اصول کے یہ کیسے دو مختلف نقطے ہیں جو ایک دوسرے کے مقابلے میں نبردوار ہو گئے ہیں؟ انیسویں صدی کے مغرب کا کرومپٹن اور بیسویں صدی کے مشرق کا گاندھی!“ معاملہ اتنا عظیم ہے کہ مجھے رائے و زنی کی جرات سے احتراز کرنا چاہیے۔ اس قسم کے اختلافات کا ہمیشہ حال نے نہیں بلکہ مستقبل نے فیصلہ کیا ہے۔ کرومپٹن پر ایک صدی گزر چکی ہے۔ گاندھی پر کم از کم ایک چوتھائی صدی گزر جائے در!

صد سالہ برسی کا یہ عظیم اجتماع بولٹن میں ہوا تھا۔ اس موقع پر سورت کائفے کے چرخوں اور مشینوں کی نمائش بھی کی گئی تھی۔ تمام قدیم ترین آلات حتیٰ کہ چار ہزار برس پہلے کے مصری چرخے بھی جمع کیے گئے تھے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ یہ بات واضح کر کے دکھلا دی جائے کہ اسموئیل کرومپٹن سے پہلے سورت کائفے کے آلات نے کہاں تک ترقی کی تھی اور ان کے مقابلہ میں موجود کی ایجاد نے کیسی حیرت انگیز مشین ایجاد کر دی؟ سرتاسر فلڈر نے جو بولٹن کے میر ہیں، نمائش کا افتتاح کیا۔ انہوں نے موجد کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا:

”ہمیں اس پاک دل اور بے ریا دیہاتی کی ازوال عزمی کے سامنے جھک جانا چاہیے جس نے دنیا کو ایسی عجیب ایجاد بغیر کسی ذاتی طمع یا نفع کے بلا معاوضہ دیدی“ اور خود اپنے بال بچوں کے ساتھ نہایت غربت کی زندگی بسر کرتا رہا“

بولٹن کے سب سے بڑے میدان میں موجد کا اسٹیچو کھڑا ہے۔ اور اپنے خط و خال سے اُس کی ازوال عزمی، ثابت قدمی، اور فراخ

زنجیروں میں جکڑا پڑا تھا اور سخت تکلیفیں اٹھا رہا تھا۔ فیلیپ نے اسے اس حالت میں دیکھا تو رو دیا۔ ایک دن اُسے خیال ہوا۔ اب اس مجنون کے مصائب کا خاتمہ ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ وہ اسے پلس گیا اور روتے ہوئے کہا:

”میرے عزیز بھائی، مجھے تمہاری ذات پر پورا بھروسہ ہے۔ تم ایک عقلمند، دیانت دار، اور ہر دباؤ آدمی ہو۔ میری مدد کرو۔ آؤ، ہم دونوں ملکر ان پاگلوں کی خدمت کریں اور انہیں اس مولیٰ مرفوں سے عمر بھر کے لئے نجات دلا دیں۔ تمام ملک میں تمہاری نیکی اور دانشمندی کے چرچے ہو رہے ہیں۔ کہو تم طیار ہو؟“

سچی محبت کی یہ دلنوا صدا سننے ہی پہلے ایک مجنون کا صماغ صحیح ہو گیا۔ ڈاکٹر کے الفاظ نے اُس پر جادو کا اثر کر دکھایا۔ فیلیپ نے اسکی بیڑیاں فوراً کٹوا دیں، اور وہ زندگی بھر اسکے ساتھ رہا۔ اور سلامت رزی کے ساتھ کام کرتا رہا۔“

اس قسم کے آرزو بھی بہت سے علاج اُس نے کئے تھے۔ عقلی امراض کے دور کرنے کے لئے بہت سے نئے طریقے ایجاد کیے۔ فیلیپ نے حقیقت اس فن کا امام ہے۔ اب تک اس راہ میں اُسی کی پیروی کی جا رہی ہے۔

اگر غور کیجیے تو اس مختصر سے واقعہ میں اقوام مشرق کیلئے کیسی عظیم عبرت و موعظت پوشیدہ ہے؟ ایک قومیں وہ ہیں جو اپنے اُن مشاہیر کی یاد بھی نہیں دلا سکتیں، جنہوں نے اُنکے پاگلوں کیلئے زندگی اور تندرستی کی راہ نکالی تھی۔ ایک ہم ہیں کہ اپنے اُن مصلحتوں اور پیشواؤں کی بھی عزت کرتے کیلئے آمادہ نہیں جو صرف پاگلوں کی زندگی ہی کیلئے نہیں بلکہ تمام طبی ہوش افراد قوم کی زندگی و سعادت کے لیے قربانیاں کر رہے ہیں! کسی آبادی میں مریضان جنوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ اتنی ہو سکتی ہے کہ ہر دس ہزار میں ایک انسان مجنون تصور کر لیا جائے۔ اس اعتبار سے کہنا چاہئے کہ ڈاکٹر فلپ پینیل نے ایک لاکھ انسانوں میں سے دس انسانوں کی خدمت کی، مگر فرانس اسے فراموش نہ کر سکا۔ لیکن مشرق میں تو ایسے جاں نثاران قوم موجود ہیں جو لاکھوں میں سے دس کے لئے نہیں بلکہ پورے لاکھ کے لیے زندگی اور سعادت کے دروازے کھولنا چاہتے ہیں، مگر لوگوں کا کیا حال ہے؟ یہ حال ہے کہ گردن موڑ کر انہیں دیکھنے کے لیے بھی طیار نہیں!

فرانس نے صرف یہی ایک صد سالہ یادگار نہیں منائی ہے۔ یورپ میں اب عام دستور ہو گیا ہے کہ تمام مشاہیر قوم کی یادگارس ہر پچیس، پچاس، اور سو سال کے بعد منائی جاتی ہیں۔ غالباً اس قسم کی صد سالہ یادگار سب سے پہلے سنہ ۱۸۸۷ء میں منائی گئی تھی جب کہ ”والٹیئر“ کی وفات پر سو سال گزرے تھے۔ اُسی موقع پر دیگر دیوگو نے وہ تاریخی تقویر کی تھی جو دنیا کے موجودہ عام ادب کی ازل درجہ کی چیزوں میں سے تسلیم کی جاتی ہے۔

(اسموئیل کرومپٹن کی صد سالہ برسی)

لیکن جب فرانس عقلی امراض کے سب سے بڑے ڈاکٹر کی صد سالہ برسی منا رہا تھا، تو انگلستان بھی تذکار مشاہیر کی مشغولیت سے فارغ نہ تھا۔ فرانس ذہن و جذبات کا گھر ہے اور انگلستان عملیات و صنائع کا۔ یہ فرق اس معاملہ میں بھی نمایاں تھا۔ فرانس عقلی امراض کے سب سے بڑے طبیب کی برسی منا رہا تھا، تو انگلستان انسانی ضروریات کے سب سے بڑے صنایع کی یاد میں مشغول تھا!

## مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

(انگریزی مصری نزام)

پچھلے ہفتے انگریزی مصری نزام پر گفتگو کرتے ہوئے وہ بنیادیں بنا چکا ہوں جو مصری حکومت کے تصفیہ کے لیے پیش کی تھیں۔ آج ایک ہفتہ گزرنے کے بعد بھی دنیا کی معلومات اس جھگڑے کے متعلق آگے نہ بڑھ سکیں، کیونکہ تمام گفتگو پروردہ راز میں ہے۔ طرفین کی پارلیمنٹوں میں مطالبہ کیا گیا کہ گفت و شنید شایع کر دی جائے، مگر دونوں حکومتوں نے ایک ہی جواب دیا۔ یعنی ابھی تک فریق ثانی نے اسکی اشاعت کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں آسے شائع کرنا سردست مناسب نہیں سمجھتیں۔

اس صورت حال نے دونوں ملکوں میں سخت انتشار پیدا کر دیا ہے۔ برطانی اخبارات دعویٰ کر رہے ہیں کہ مصر دب گیا اور انگریزی مطالبات منظور کر لیے۔ مصری اخبارات مدعی ہیں کہ برطانیہ سختی سے باز آگیا، اسلئے مصر نے بھی مصالحت کے لیے آمادگی ظاہر کر دی۔ مگر کیونکر؟ کہاں تک؟ اسکا کوئی جواب نہیں ملتا!

لیکن یہ یقینی ہے کہ تصفیہ ہو گیا ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ کس کی ضد پوری ہوئی؟ تو اس بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی۔ البتہ عبد الخالق ثروت پاشا مصری وزیر اعظم کی ایک تصریح ضرور موجود ہے۔ یہ تصریح انہوں نے مصری پارلیمنٹ میں کی ہے۔ اگرچہ یہ بھی مبہم ہے، تاہم معاملہ پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور ڈالتی ہے۔ انہوں نے کہا:

”یہ بات سخت افسوسناک ہے کہ پچھلے دنوں مصری اور برطانوی حکومتوں میں غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ اس غلط فہمی نے برطانیہ کو آمادہ کیا کہ اپنے ہائی کمشنر کے ذریعہ مصری حکومت کے پاس ایک نوٹ بھیجے۔ اس نوٹ میں مصری فوج اور محکمہ سرحد کے متعلق چند مطالبے درج تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی درج تھا کہ برطانیہ متمنی ہے کہ نزاع دوستانہ طور پر ختم کر دی جائے۔ مصری حکومت نے برطانوی نوٹ پر اچھی طرح غور و خوض کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اس کے مطالبے اپنی مجموعی ہیئت میں مصری حکمرانی، مصری پارلیمنٹ کے حقوق، اور ملک کے قانون اساسی کو نقصان پہنچانے والے ہیں“

”چونکہ ایسے معاملات میں حکومت کو اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں۔ قانون کی رو سے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہے۔ لہذا اس نے بغیر کسی تامل کے کہ دیا کہ یہ مطالبات انکی مجموعی ہیئت میں منظور نہیں کئے جاسکتے“

”مگر چونکہ مصری حکومت ہر غلط فہمی کے دور کرنے کے لیے مستعد رہتی ہے، اس لیے اس نے معاملہ کو ایٹ اور طریقہ پر سلجھا دینا چاہا جس کا اسے قانوناً اختیار تھا اور جو مصر کے بنیادی حقوق کے منافی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے فوج کے مسئلہ میں غور و بحث کے بعد طے کیا کہ برطانیہ کے کون کون مطالبے قابل قبول ہیں اور کون نا قابل قبول۔ جو امر پر فوج کیلئے مفید ہے، یا جسے کوئی مضرت پیدا نہیں ہوتی تھی، انہیں اس نے بطور خود منظور کر لیا“

دلی ثابت کر رہا ہے۔ انگلستان کے تمام سوت کے کارخانوں میں اس کی تصویروں آویزاں ہیں اور بڑی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھی جاتی ہیں۔

یہ صنایع سنہ ۱۷۵۳ ع میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۸۲۷ ع میں انتقال کر گیا۔

(عثمانی شہزادہ کی وفات)

اس ہفتہ کا ایک افسوس ناک واقعہ پرنس برہان الدین کی وفات ہے جو سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کے سب سے چھوٹے لڑکے تھے۔

آپ کو معلوم ہے کہ سنہ ۱۹۰۸ ع میں جب دوسرے انقلاب دستور کے بعد سلطان مورخ معزول کر دیے گئے، تو حسب معمول ان کے خاندان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا تھا۔ سلطانی خاندان کے دوسرے شہزادوں کی طرح ان کی بھی تنخواہیں مقرر کر دی گئی تھیں۔ سنہ ۱۹۱۶ ع میں جب سلطان عبدالحمید کا انتقال ہو گیا، تو ان کے لڑکوں نے سلطان کی ذاتی جائداد اور اموال و متاع کے ورثہ کا دعویٰ کیا۔ سلطان عبدالحمید کی ذاتی جائداد کا فیصلہ اس قدر مشکل تھا، جتنا شاید ہی دنیا کے کسی فرمانروا کی جائداد کا ہوا ہو۔ ترکی میں جو کچھ تھا سب انہی کا تھا، اور ان کا جو کچھ تھا، اس میں سے کچھ بھی ان کا نہ تھا۔ بہر حال ایک کمیشن کا تقرر ہوا، اور اس نے دعوے کی سماعت کے بعد فیصلہ کر دیا۔ اس فیصلہ میں دعوے کا بہت قلیل حصہ تسلیم کیا گیا تھا۔ اکثر مطالبات رد ہو گئے تھے۔ سلطان کی اولاد اس فیصلہ پر راضی نہ ہوئی، لیکن چونکہ اس کے بعد ہی جنگ نے انقلاب انگیز صورت اختیار کر لی تھی، اس لیے مزید کارروائی کا موقع نہ تھا۔

جنگ کے بعد جب دوبارہ امن و امان کا وقت آیا، تو قومی مجلس نے جمہوری حکومت کا اعلان کر دیا، اور پھر کچھ عرصے بعد خاندان سلطانی کے تمام افراد جلا وطن کر دیے گئے۔ ان میں سلطان عبدالحمید کا خاندان بھی تھا۔ اس خاندان کے بعض افراد بیرت چلے گئے۔ بعض نے یورپ کی راہ لی۔ انہی میں پرنس برہان الدین بھی تھے۔ انہوں نے جلا وطنی کے بعد ترکی حکومت پر سلطان عبدالحمید کے ورثہ کا از سر نو دعویٰ کیا تھا۔ انہیں پوری امید تھی کہ اس میں کامیاب ہونگے۔ یہ زیادہ تر سرشارز لیبڈ میں بعض ترک امراء کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ خود ان کی مالی حالت عثمانی خاندان کے دوسرے ارکان سے بہتر نہ تھی۔ پچھلے مہینے پیرس آئے تاکہ ترکی سفیر سے ملاقات کریں۔ شہر کے ایک سب سے ادنیٰ درجہ کے ہوٹل میں ٹہرے جو انکی مفلسانہ حالت کا لازمی نتیجہ تھا۔ وہیں اچانک بیمار پڑے اور انتقال کر گئے۔

دنیا کے انقلابات صرف تاریخ ہی میں نہیں دھونڈھنے چاہئیں۔ خود ہمارا عہد بھی اپنی تاریخ مرتب کر رہا ہے۔ زار، قیصر، اور عبدالحمید، موجودہ صدی کے سب سے بڑے شخصی اور مستبد فرمانروا تھے۔ ان کے جاہ و جلال اور سطوت و جبروت کے ہیئت انگیز واقعات دیکھنے والے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ابھی زندہ موجود ہیں۔ لیکن انقلاب کی ایک ہی گردش نے انہیں کٹنی بلندی سے کٹنی پستی تک پہنچا دیا؟ آج ان میں سے ایک کا لڑکا پیرس کے سب سے زیادہ ادنیٰ ہوٹل میں دم توڑ چکا ہے، اور اس کے سرہانے ایک آنکھ بھی ایسی موجود نہیں جو اس پر آنسو بہا رہی ہو۔ و تلک الایام نذارہا بین الناس!

## مکتوب شام

— — —

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

— — —

اپنے پچھلے مکتوب میں شام کی مضطرب سیاسی حالت پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ آج بھی وہی حالت ہے جو اس وقت تھی۔ نہ ترکوی تبدیلی ہوئی ہے۔ نہ کسی قریبی تبدیلی کے آثار نظر آئے ہیں۔ البتہ ایک اہم واقعہ ضرور پیش آیا ہے اور اہم نام ملک کی دلچسپی کا مرکز بن گیا ہے۔

ایک مدت سے شام کا فرانسیسی ہائی کمشنر مرسیر بونسو شام سے غائب تھا اور پیرس میں مقیم تھا۔ بیان کیا گیا تھا کہ وہ شام کے آئندہ نظام حکومت پر مرکزی حکومت سے گفت و شنید کر رہا ہے۔ اس کی طویل غیر حاضری نے ظاہر بینوں کو طرح طرح کی امیدوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ لوگ کہتے تھے۔ ہائی کمشنر کی پیرس میں موجودگی ضرور نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ان سب کو راہیسی کا بڑی بے چینی سے انتظار تھا۔

لیکن اب انتظار کی مدت ختم ہوگئی۔ ہائی کمشنر واپس آ گیا ہے۔ لیکن امیدوں کے یہ تمام خروش آئندہ خواب اس وقت تک تعبیر سے محروم ہیں۔ اس وقت تک ہائی کمشنر نے نہ ترکوی اعلان کیا ہے، نہ بظاہر آثار نظر آئے ہیں۔ مگر طرح طرح کی افواہیں ضرور پھیل رہی ہیں۔

مجھے باخبر حلقوں سے جو کچھ معلوم ہوا ہے، یہ ہے کہ پیرس میں ہائی کمشنر اور شاہی وفد کے مابین بہت سی ملاقاتیں ہوئیں اور عرصہ تک بحث و مذاکرہ جاری رہا۔ شاہی وفد نے نرم سے نرم شرطیں پیش کی تھیں۔ لیکن ہائی کمشنر نے صرف چند منظور کر لیں۔ باقی تمام رد کر دیں۔ مثلاً وفد کا مطالبہ تھا کہ تمام سیاسی مجرموں کو عام معافی دیدی جائے۔ مگر حکومت نے سیاسی قائدین کو معافی دینے سے انکار کر دیا۔ وفد نے پورے ملک کو ایک ہی نظام حکومت کے ماتحت رکھنے کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن حکومت نے اسے صرف اس صورت میں منظور کرنا گوارا کیا کہ نظام حکومت ریاست ہائے متحدہ کا نظام ہو۔ یعنی چھوٹے چھوٹے صوبے الگ الگ قائم رہیں اور اپنی جگہ خود مختار ہوں۔ مگر انہیں کسی مرکزی نظم میں متحد کر دیا جائے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ ملک میں وحدت جنس و قوم پیدا نہ ہو سکے۔ ایک قوم بہت سے گٹروں میں منقسم ہو کر اپنی وطنی قوت ضائع کر دے۔

اصل یہ ہے کہ ہمیشہ اجنبی اقتدار ملک کی قومی وحدت کا مخالف ہوتا ہے۔ وہ ہر طرح کی صورت حال کو اوارا کر لے سکتا ہے لیکن یہ بات گوارہ نہیں کر سکتا کہ ملک میں قومی وحدت کی روح پیدا ہو جائے۔ شام میں یہ روح بڑے سے موجود ہے۔ زبان، وطن، رسم و رواج اور اجتماعی خصوصیات نے تمام شامیوں کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیا ہے۔ لیکن فرانس چاہتا ہے، انکے گٹرے گٹرے کر دے۔ وہ ایک رشتہ قومیت قائم نہ رکھ سکے۔ بہر حال دیکھئے۔ فرانس کا آئندہ طرز عمل اس بارے میں کیا ہوتا ہے؟

شام و عراق کی سرحدوں پر قبائل عرب کی خانہ جنگی صدیوں سے جاری ہے۔ اب دونوں ملکوں کی حکومتیں اس کا قطعی سدباب

”بنابرین مصری حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ فرج اور سرحدوں کا موجودہ نظام برقرار رہے، لیکن ساتھ ہی، مصری وزیر جنگ نے اختیارات کو کوئی تھیس بھی نہ لے۔ وہ ہنسٹنر مصری پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ رہیگا۔“

”اس طریقہ پر، جو مصلحت اور نظام کے ہر طرح مطابق ہے، مصری حکومت نے اس مشکل کا معقول حل تھوڑے نکالا ہے۔ حکومت کو پورا یقین ہے کہ اب تک جو دوستانہ رویہ برطانیہ نے کھت و شنید میں اختیار کر رکھا ہے، وہ برابر قائم رہے گا اور ان تمام اسباب کو دفع کر سکے گا جو موجودہ مشکل اور دوسری مشکلات کا موجب ہیں۔“

اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ کے ابتدائی مطالبات مصری سیادت و حکمرانی کے منافی تھے، اس لیے مصری حکومت نے انہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر انہیں کچھ ترمیم و تبدیلی ہوئی، اور ایسی شکل میں پیش کیے گئے جو مصری حکومت کی نظر میں ایک حد تک لائق قبول تھے، لہذا اسے تسلیم کر لیا اور جھگڑا ختم ہو گیا۔

(حم براہ مصر)

اس سال موسم حج کی کامیابی کا اندازہ اس سرکاری رپورٹ سے کیا جا سکتا ہے جو صرف آٹھ روز کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۲۔ مئی سے ۳۰۔ مئی تک سونز کی بندرگاہ سے سفر کرنے والے حاجیوں کی تعداد حسب ذیل تھی:

۱۵۰۷ مصری ۲۰۲ ترک ۸۸ جزائری ۹۸ ٹیونس  
۷۷ مراکش ۱۲۶ طرابلسی ۱ روسی ۲ رومانی ۱۴۷ ایرانی  
۱۴ عربی ۲۷ سرورین ۵۲ افغانی ۲۳ افریقی ۱۷ اسپینی  
۵۹۸ فلسطینی ۲۶ سنگالی ۴۳۲ شامی ۱۵۷ ہندوستانی  
۲۴ جاری ۱۷۱ عراقی۔ یعنی کل ۳۷۸۵ حاجی تھے۔

جون کے پہلے ہفتہ کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

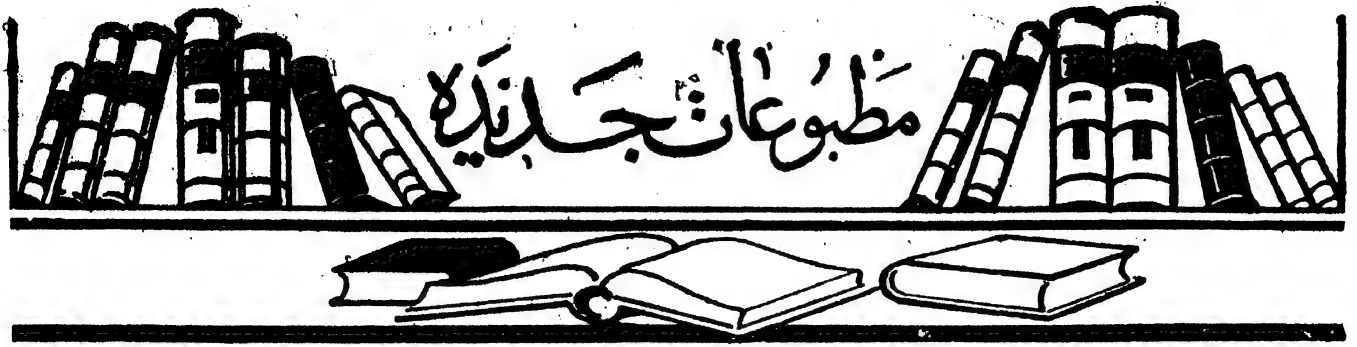
۳۱۵ منگولی ۲۶۲ ترک ۲۷۶ جزائری ۱۲۰۵ ٹیونس  
۲۰۲ مراکشی ۳۰۷ طرابلسی ۲ روسی ۵۸۲ ایرانی ۱۸۱۹ شامی  
۵ سرورین ۲ بلغاری ۵۸۱ عراقی ۱۹ نیجریائی ۴۳ حجازی۔  
یعنی کل ۶۶۷۰ حاجیوں نے سونز کی راہ سے سفر کیا۔

مجموعی تعداد تقریباً ساڑھے دس ہزار ہوئی۔ صرف دو ہفتہ کے اندر اتنے حاجیوں کا نہر سونز سے گزرنا اس سال کے موسم حج کی شاندار کامیابی کا ایک بین ثبوت ہے۔

کر دینا چاہتی ہیں۔ چنانچہ حال میں طرفین نے دستخط سے عربی، انگریزی، اور فرانسیسی زبانوں میں ایک اعلان ہوائی جہاز کے ذریعہ، سرحدی قبائل میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

شام و عراق کی سرحدوں پر بسنے والے قبائل کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ شام اور عراق، دونوں ملکوں کی حکومتوں نے متفق ہو کر طے کر لیا ہے کہ تمہاری آپس کی خانہ جنگی، کشت و خرن، اور چوری و قزاقی قطعاً نا جائز اور ممنوع ہے۔ نیز ہتھیار بند ہو کر سرحد کے آس پاس جانا بھی ممنوع ہے۔ آئندہ جو کوئی اس طرح کی کڑی بات کرے، اسے نہایت سخت سزا دی جائیگی۔“





## علم الآثار مصر

(روح کے متعلق قدیم مصریوں کا عقیدہ)

اب یہ بات محقق ہوگئی ہے کہ مصر کے اہرام در حقیقت مقبرے ہی تھے۔ قدیم مورخین کا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ یہ قلعے ہیں، یا طرفان سے بچنے کے لیے بنائے گئے تھے، یا ان میں خزانے مدفون ہیں۔ قدیم مصری زبان میں اہرام کے نام ہی سے ان کا مقصد اور موضوع معلوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ”مسکن ابدی“ ”مقام کمال“ ”مکان خلود“ ”مقرر روح“ وغیرہ۔

مقبروں کے باب میں یہ تدریجی ترقی کیوں ہوئی؟ اس لیے کہ روح کی ابدیت کا اعتقاد بھی مصریوں میں بہ تدریج ترقی پذیر ہوا تھا۔ جس زمانہ میں وہ روح کی بقاء کے قائل نہ تھے، قبروں کے معاملہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ پھر جوں جوں یہ عقیدہ پڑھتا گیا، مقبروں کی اہمیت بھی بڑھتی گئی۔ مقبروں کو اس عقیدہ سے کیا تعلق ہے؟ بہت قریبی تعلق ہے۔ مصریوں کا یہ عقیدہ اس شکل میں تھا کہ جب تک جسم محفوظ رہتا ہے، روح بھی قائم رہتی ہے۔ کیونکہ جسم سے علیحدہ روح کا وجود نہیں ہو سکتا۔ اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ مردے کا جسم زیادہ سے زیادہ مدت تک محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایتے مستحکم مقبرے بناتے، اور لاشوں کو مومی کرنا، اسی غرض سے تھا۔

(زندگی کا مصری تخیل)

یہ عقیدہ کیونکر موجود ہوا؟ مصریوں کا خیال تھا کہ زندگی ایک آدمی سے دوسرے آدمی میں ناک اور منہ کی راہ منتقل ہوتی ہے۔ اور یہ کہ انسانی جسم کے بعض اعضاء زندگی کی حفاظت کرتے ہیں، مگر صرف اسی حالت میں جب کہ خوراک ان کی بھی حفاظت کی جائے۔ چنانچہ ہاتھ کی نبض زندگی کی محافظ ہے، اس لیے ہاتھ میں چوڑی پھنکر نبض کی حفاظت کی جاتی تھی۔ گردن کو بھی ایسا ہی عضو سمجھتے تھے اور اس کی حفاظت کے لیے ہار پہنتے تھے۔ کان کے لیے بالیل، سینہ کے لیے چاندی سونے کی لوحیں، بازو کے لیے بازو بند، اسی لیے ان میں رائج ہوئے بہت ممکن ہے کہ دنیا میں زور کا استعمال اسی عقیدہ سے شروع ہوا ہو۔

(موت)

ان کا اعتقاد تھا کہ زندگی ہمیشہ رہتی ہے۔ لیکن نیند کی حالت میں اور کبھی کبھی غشی کے حالات میں آدمی سے جدا ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے تھے جب جسم بگڑ جاتا ہے تو زندگی کا علاقہ بھی اُس سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جاتا ہے۔ اسی خیال سے نعرش کی حفاظت کا خیال پیدا ہوا۔ اور بالآخر مومی کرنے کا طریقہ رائج ہو گیا۔ یہ طریقہ اتنا عجیب، اتنا صحیح، اور اتنا بے خطا تھا، کہ چار چار ہزار برس گزر جانے پر بھی آج اسی طریقہ میں ان کی نعشیں موجود ہیں۔

مصر کی قدیم تہذیب دنیائے قدیم کی تاریخ کا ایک نہایت اہم باب ہے۔ اگر یہ باب الگ کر دیا جائے تو نوع انسانی کی عقلی قوتیں کی ایک نہایت اہم کڑی مفقود ہو جائیگی۔

اب سے سو برس پہلے مصر کے اہرام اور حیرت انگیز آثار دنیا کیلئے معمات تھے۔ آج وہ معمات نہیں ہیں، مدرسہ کا کام دے رہے ہیں۔ قدیم مصری خط ”ہیرو گلیفی“ پڑھ لیا گیا ہے۔ قدیم مصری زبان کے ضخیم لغت طیار ہو گئے ہیں۔ قدیم مصری تحریریں دستیاب ہو گئی ہیں۔ اور ان سب کے مجموعے سے علوم اثریہ کا ایک مرتب ذخیرہ مدر ہو گیا ہے جسے مصریات (ایچیپٹالوجیا) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور رز بروز اسکی وسعت بڑھتی جاتی ہے۔ حال میں ڈاکٹر احمد بک کمال مرحوم کی بے نظیر کتاب آثار مصر پر شائع ہوئی ہے۔ یہ قاہرہ کے دارالآثار کے ناظر تھے۔ انہوں نے تمام عمر اثریات مصر کی تحقیقات میں بسر کر دی۔ یہ کتاب اس موضوع پر علمی دنیا کی آخرین تحقیقات پیش کرتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں وقتاً فوقتاً اسے بعض اہم مباحث الہلال میں شائع کرتے رہیں۔

(بقائے روح کا مصری اعتقاد)

”قدیم مصری تمدن کے سب سے زیادہ عجیب آثار جو ہم تک پہنچے ہیں، انکے مقبرے اور انکی مومی کی ہوی نعشیں ہیں۔ اہرام بھی دراصل اسی غرض سے بنائے گئے تھے کہ مقبرہ کا کام دیں۔ اس سے انکے مذہبی عقائد پر جو موت، بعد الموت، اور روح کے خلود و ابدیت سے تعلق رکھتے تھے، غیر معمولی روشنی پڑتی ہے

(مقبروں کی تاسیس)

قدیم مصر میں مقبروں کا آغاز اس طرح ہوا کہ پہلے مردے کو زمین کھرد کر تک تھے، میں گز دیتے تھے۔ نعش لٹانے کا بھی رواج نہ تھا۔ سر سینہ پر جھکا دیا جاتا تھا اور آٹوں سے بٹھا کر زمین برابر کر دیتے تھے۔ اسکے بعد قبر یاد رکھنے کیلئے زمین اونچائی کرنے لگے۔ قبر پر مٹی کا ڈھیر لگا دیا جاتا تھا۔ پھر مردے کو ادھر کی مٹی سے بچانے کے لیے قبر کے اندر جھت بنانے لگے۔ پھر جھت کے گرد مٹی کی دیواریں بنادینے کا رواج پڑا۔ اس کے بعد تابوت کا خیال پیدا ہوا، اور پتھر کے تابوتوں میں مردے رکھے جانے لگے۔ پھر قبر کو بدرونی صدموں سے بچانے کیلئے اُس پر عمارتیں بنانے لگے۔ انہی عمارتوں نے ترقی کرتے کرتے اہرام کا عظیم و مہیب درجہ حاصل کر لیا۔ اس وقت بھی دریائے نیل کے مصب اور قیوم کے مابین تقریباً سو ہزار موجود ہیں، اگرچہ انہیں سے اکثر منہدم ہو جانے کے قریب ہیں۔

# سیرنی الارض

اولہ کسیر دا فی الارض فلینظر کیف کان عاقبة الذین من قبلہم؟

(۸-۳۰)

## سیاحانِ عالم کے مشاہدات

### ایک مصری سیاح کے تاثرات

#### ٹیونس اور البانیہ

#### ٹیونس

اگر الجزائر فرانس کا محکمہ ہو تو ٹیونس بھی فرانس کے جواہر حکومت سے پامال ہو چکا ہو۔ جو فرانسیسی یہاں ہیں وہی فرانسیسی وہاں بھی ہیں۔ محکومی اور ماتحتی، موت کی طرح سخت اور سخت رفتار ہے۔ ایک خفیہ زہر ہے۔ دوسرا علانیہ ہے۔ لہذا کچھ عجیب نہیں اگر دونوں ملکوں کی زندگی باہم مشابہ ہو۔ بلکہ پہلی نظر میں تو دونوں کی زندگی ایک ہی طرح کی معلوم بھی ہوتی ہو۔ لیکن میرے خیال میں باوجود اس گہری مشابہت کے دونوں میں بڑا فرق ہو۔ ایک بیماری سوزش کی پڑتی ہو، دوسرے کی ۴۰ برس سے بھی کم کی ہو۔ ٹیونس میں جیہ زندگی کے مبادیات موجود ہیں، اور امیدوں کے لئے بھی ویسی ایسیاں نہیں ہیں جیسی الجزائر اور مراکش میں محسوس ہوتی ہیں۔

ٹیونس کی بیداری ٹیونس قوم کی سعی و ہمت کا نتیجہ ہو۔ شمالی افریقہ میں ظلم کی کیا نیت سے مظلومیت کی حالت یکساں نہیں ہو جاسکتی تھی۔ مراکش، الجزائر، ٹیونس، لبنان، ان تمام مقامات میں یورپین استعمار یکساں قوت و حوصلہ کے ساتھ نمودار ہوا لیکن ان تمام مختلف مقامات کی جماعتی حالت و استعداد یکساں نہ تھی۔

ٹیونس کی بیداری کے ادبھی متعدد اسباب ہیں۔ بعض قوی ہیں۔ بعض ضعیف ہیں۔ بعض اچھے ہیں، بعض برے ہیں۔ بعض غلط نافع کے حکم میں داخل ہیں۔ بعض تم قابل حکم رکھتے ہیں۔ کبھی بُرائی سے بھی بھلائی پیدا ہو جاتی ہو۔ کبھی زہر سے بھی شفا حاصل ہوتی ہو۔ جب خدا کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہو تو ہر چیز اُس کی خدمت گزار ہو جاتی ہو۔ ہر راہ اُسے منزل مقصود کی طرف پہنچاتی ہو۔ لیکن جب کسی قوم کی تباہی کے دن آجاتے ہیں تو ہر چیز اُسے نقصان پہنچاتی ہو۔ معلوم ہوتا ہو ٹیونس پر خدا کی ہر دعائیت ہو۔ اسی لئے اُس کے سامنے بھلائی اور ترقی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

ٹیونس میں مدرسے ہیں اور قوم میں علم و نور پھیلا رہا ہے۔ ٹیونس میں عربی اخبارات ہیں، اور اگرچہ بہت پست اور بے لغت ہیں، لیکن بہر حال ملک کی بیداری کا سرچشمہ ہیں۔ ٹیونس میں ایک کرسی بھی ہے، جسے "تخت شاہی" کہتے ہیں۔ اُس پر ایک ٹیونسی سید بھی کبھی بیٹھتا ہے، جسے بادشاہ یا دہاں کی اصطلاح میں "بانی" کہتے ہیں۔ اُس کے سر پر ایک غلات بھی چڑھا ہو۔ اُسے "تاج" کہتے ہیں۔ پکار رہے ہیں۔ "بانی" کی پیش و عشرت بالکل ویسی ہی جیسی مشرقی بادشاہوں کی ہوا کرتی تھی۔ بہت سے ابن الوقت اس کے محل کا اُسی طرح طواف کرتے ہیں جس طرح سون کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اُس کے دروازوں اور چوکھٹوں کو چوستے ہیں اور جرد و ثواب کی امیدیں رکھتے ہیں!

ٹیونس میں نوجوان بھی ہیں۔ قریب ہو کر اُن کی آنکھیں کھل جائیں اور "زندگی" کا جلیہ دیکھ لیں۔ ٹیونس میں ترقی کا بند بھی موجود ہے اگر محکومی کی بندش ذرا بھی ڈھیلی ہو جائے تو قریب ہو کر خوب چلے اور پھریں۔ مگر موجودہ قید و بند بھی اُسے روک نہیں سکتی۔ یہ بند ہے سنگ چٹاق کی طبیعت رکھتا ہو۔ جتنا رگڑا جاتا ہو، اتنا ہی چمکتا اور مشتعل ہوتا ہو!

ٹیونس کی بیداری کا ایک سبب، اصنی تسلط و جبر بھی ہو۔ ٹیونس خواب خرگوش میں پراسور ہوتا تھا۔ اصنی قیوں نے رگڑ کر اُسے بیدار کر دیا اور اس طرح بیدار کیا کہ پھر اُس کی آنکھیں بند نہ ہوئیں۔ اصنی تسلط و استبداد قوموں کے لئے تازیانہ عبرت ہوتا ہو، اور زلالان قوموں کے لئے پیامِ ہلاکت!

ٹیونس کی بیداری میں تقلید و جمود اور قدامت پرستی کے عناصر کو بھی بڑا دخل ہو۔ ٹھیک اُسی طرح، جس طرح یہ عناصر مصر کی موجود بیداری کا ایک سبب بن گئے ہیں۔

اس دنیا میں شرمشخص کا وجود نہیں۔ تقلید و جمود اور قدامت پرستی میں کتنا ہی بڑا شرکیوں نہ ہو، لیکن اس نفع بھی موجود ہے۔ کسی قوم کے لئے مناسب نہیں کہ اپنا اصنی بالکل بھلا لے۔ اصنی اور قدیم کا مصالح جو ہر ہمیشہ قوم میں موجود رہنا چاہئے، اور نہ قوم اپنی قومیت کی اساسی روح سے محروم ہو جائے گی۔ یہ قدامت پرست طبقہ اپنے اندر اصنی اور قدیم کی نفس محفوظ رکھتا اور قوم کو اُس کے اصلی خط و خال دکھاتا رہتا ہو۔ یہ طبقہ کتنا ہی مفسر ہو مگر اس سے یہ فائدہ ضرور ہو کہ اصنی اور قدیم کی یاد فراموش نہ ہونے نہیں پاتی، اور تفسیر طلب قوتوں کی بے اعتدالیان اعتدال کی حالت پیدا کر لیتی ہیں۔

اے مصلحین! اس مخلوق پر رحم کھاؤ، جس کا نام "قدامت پرست" ہے۔ یہ بخاری نظروں میں ایک بُرائی نفس ہی کیوں نہ ہو مگر جسے بھلائے ہی اصنی کی نفس! اس کی حفاظت کرو۔ اسے نابود نہ کرو۔ میں جلدی نہ کرو۔ اگر یہ نابود ہو گئی، تو قدامت کی نفس کے ساتھ قدامت کی روح بھی نابود ہو جائے گی!

احمد زو غوی ملکیت "البانیہ"

البانیہ میں سفر بہت تکلیف دہ ہو۔ سمندر سے سفر کی سورت یہ ہو کہ لوگوں کو سلا دی جا نہ ہر ہفتہ یونان جاتے ہوئے البانی ساحلوں پر بھی رکتے ہیں۔ یہی راستہ میں نے اختیار کیا۔ لوگوں کو سلا دی بندہ راگیر سے سوار ہوا اور البانی ساحل دیراز میں اتر پڑا۔

میرے ساتھی مسافر ایک ہاتھ کی آنکھیں پر گئے جاسکتے تھے۔ جہاز کا کپتان کردائی نسل کا مقدون تھا۔ رات کو وہ ہمارے ساتھ دیر تک بائیں کیا کرتا۔ ایک دن مجھے ایک گوشے میں لیجا کر کہنے لگا،

"دیکھو، البانیہ قریب آگیا۔ ہر چیز دیکھنا مگر زبان کسی کو بھی نہ کھولنا جا سوسوں سے ہوشیار رہنا۔ البانی پولیس نہیں زیادہ تنگ نہیں کرے گی۔ لیکن بالکل ممکن ہو کہ اندھیری رات میں دو گولیاں ہوائیں اڑتی آئیں اور تمہارا سینہ توڑ کر مار گھل جائیں۔ تمہارا کام تمام ہو جائے گا مگر قیامت تک پتہ نہیں چلے گا کہ یہ گولیاں کہاں سے آئی تھیں؟"

ہمارا جہاز پہلے قطاؤں میں رکا۔ پھر خوبصورت ضلع انیشکاری میں ٹھہرا۔ صبح ۶ بجے ہم بند گاہ دوراز کے سامنے تھے۔ یہاں سے سخت تکلیف دہ سفر کے بعد بالآخر ٹیرانا پہنچ گئے، جو البانیہ کا پایہ تخت ہو۔

یہ شہر ترکی قبضات کا منظر پیش کرتا ہو۔ تنگ گھوٹی ہوئی سڑکیں، اُن پر چھوٹی چھوٹی دکانیں، دکانوں میں دکاندار اپنے کاموں میں ٹھیک اُسی طریقہ پر مشغول جیسے صدیوں پہلے اُنکے آباؤ اجداد تھے۔ کس ترکی ٹوپیاں بن رہی ہیں۔ کس لکڑی کا سالان طیارہ ہو رہا ہو۔ کس تانے کے ظروف بنائے جا رہے ہیں۔ کس کھار بھیا اپنا آٹواں کھا رہا ہو۔ ساتھ ہی ترکاری دالے بھی دکان لٹکائے بیٹھے ہیں۔ حجام اسٹریٹ رگڑ رہا ہو، موچی جوئے کا گٹھڑے ہیں۔ پھر ان سب کا شور و نہنگ کا کہ کان پڑے آواز سنانی نہیں ہوتی۔ تاہم پورے اطمینان سے کہا جاسکتا ہو کہ شہر کے قدرتی مناظر نہایت دل فریب ہیں۔ مساجد کے مینار نے فضا میں بلند ہو کر منظر ادبھی زیادہ دلچسپ بنادیا ہو!

شہر کے سامنے ایک وسیع میدان ہو۔ اس میں ایک چھوٹی سی عمارت کھڑی ہو اور سینما کی عمارت معلوم ہوتی ہو، حالانکہ وہ اصل ملک کی پارلیمنٹ ہو۔

پارلیمنٹ کے چھوٹے فوکل بارکس ہیں۔ حال ہی میں تعمیر ہوئی ہیں اور شہر کی شب و روز بگڑتی کرتی ہیں۔

میں نے اپنا اسباب شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں کھا اس ہوٹل کا نام "بین الاقوامی" ہوٹل ہو۔ لیکن نہ ترکی حواد اُس کی ہر چیز بھی ترکی ہو۔ ہوٹل، میدان کے سامنے جو میدان میں موٹر کاروں کا ہجوم نہ تھا ہو۔ یہ تمام موٹریں بہت پُرانی اور جنگ عظیم کی میراث ہیں۔

عورتیں صاف پانی بھرنے کے لئے چشموں پر جوت جوت جاتی ہیں۔ مگر کیا بھال کر اُن کے جسم کا کوئی حصہ نظر آجائے بڑ سے پاؤں تک کپڑوں میں لپیٹی ہوئی، کتنی کتنے بھی چھپائے ہوئے صحت ایک طرف کی آنکھ کھلی ہوتی ہو۔ آہوں کی آنکھ، غضب کی

# بصائر و حکم

## انسانیت موت کے دروازہ پر

### مشاہیر عالم اپنے اوقات و فائیل

#### حسین بن علی علیہما السلام

۲

آنکھ ایک دن میں نے چند عورتوں کی تصویر آنا چاہی۔ ان کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ انہوں نے مجھے گھونٹے دیکھا کہ دیکھا اور غلط نکالیاں دینا شروع کر دیا!

رات کو شہر میں بڑی چل چل ہوتی ہوئی۔ پوری آبادی، معلوم ہوتا ہو، باہر نکل آئی۔ امراء، سکوں دودھ سے چلتے ہیں۔ ہر ایک کے آگے پیچھے جیسی خواہہ سر ملواریں لئے ہوتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی جگہ پر البانہ کا بادشاہ معلوم ہوتا ہو۔ اس وقت عورتیں بھی چل پھرتی کرتی نظر آتی ہیں۔ بڑی بڑی سیاہ چادریں اوڑھ کر ہوتی ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ مرغوب خارجی آرائش یہ ہے کہ رات کو بھی چھریاں لگائے رہیں!

پورا ملک سلع ہو۔ ایک آدمی بھی ہتھ دھکا نہیں دیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرف اس ان تمام جو۔ ہر کوئی اپنی جان کو ڈرتا ہے، اور کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ میں ٹیرا میں آؤں گے مگر میں نے ایک دن بھی بازاروں میں جھگڑا مٹا دینا دیکھا۔

البانہ کے باشندے عموماً بڑے دیانت دار ہوتے ہیں چور کی کبھی کوئی واردات نہیں مٹتی جاتی۔ مکانوں کے دروازے عموماً شب دروز کھلے رہتے ہیں۔ قتل لگانے کا رواج تقریباً مفقود ہو۔ ایک اجنبی کے لئے یہاں کے بازاروں میں خرید و فروخت بہت سہل ہے۔ تمام یورپ اور آفریقہ کے طلائی، نقرئی، اور نکل کے سونے چلتے ہیں۔ آدمی جب تک ان تمام ہتھوں سے واقف نہ ہو جو بے شمار قسم کے ہیں، لین میں نہیں کر سکتا۔ مگر تم بے گھٹکے بازار میں جاسکتے ہو۔ جو چاہو خریدو۔ دکاندار جو سونے بھی لے، بے گننے لے۔

ناممکن ہو بھیس کبھی دھوکہ دیا جائے۔ ایک دن میں نے ٹوٹا ٹوٹا دکاندار نے میرے نوٹ کی دیز گاری دے دی۔ اس میں زرکی، روٹی امریکن، اور صربی (سربین) سونے بے گننے تھے۔ میں نے رقم بغیر گئے جب میں کھلی اور روانہ ہو گیا۔ ابھی ۵۰ سالہ قدم چلا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی کہ ٹوٹے دیکھا تو میں جا رہا آدمی بے تحاشا دوڑے چلے آئے ہیں۔ چلاتے ہیں۔ ہاتھ ہلاتے ہیں۔ میں روک گیا۔ کیا دیکھتا ہوں جوئے والا کھڑا اب رہا ہو:

”جناب!“ اُس نے نامت سے آنکھیں میچ کر کے کہا ”مجھ سے سخت تصور ہوا۔ میں بڑا ہی بیوقوف ہوں۔ بازار میں بیٹھے کے لائق نہیں۔ آپ کو کم رقم دی ہو۔ یہ نیچے آپ کے دام ہیں مٹا کیجئے!“

لیکن پراسن البانہ کے ہر باب جنگ کا بھوت چڑھ رہا ہے۔ میرا اس وقت فورج سے لبر ہو۔ شب دروز جنگی قواعد اور جنگی مظاہرے ہورہے ہیں۔ تمام فوجی بارکس سیاہیوں سے ڈھکی ہوئی ہیں کہ اکثر سبیل بھی سیاہیوں کے لئے خالی کر دی گئی ہیں۔

گریجنگی طیارے کیوں ہیں؟ ”یوگو سلاویا کی طرف سے اندیشہ ہو“ یہ جواب دیا جاتا ہے۔ گریج پوری حقیقت نہیں ہے۔ پوری حقیقت کچھ اور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ احمد زوگو کو اپنی شخصیت بڑھانے کی فکر ہے۔ ترکی کے مصطفیٰ کمال، اٹلی کے موسولینی، چین کے پرمو کو پریو کی طرح احمد زوگو بھی البانہ کا مطلق العنان ڈیٹیکٹر ہے۔ مگر وہ اس منصب پر قانع نہیں۔ وہ البانہ کا پہلیں بننا چاہتا ہے۔ تاج شاہی کے لئے اس کا سر مضطرب ہے۔ وہ چاہتا ہے، تلوار کی نوک سے ایک طلائی تاج اٹھائے اور اپنے پرز رکھے!

احمد زوگو کا خاص باڈی گارڈ بہت ہی خوفناک ہے۔ تین ہزار زبردست سپاہی اس کی ٹیٹ روز حفاظت کرتے ہیں اس کے محل کے سامنے ایک مکان میں اس کی ماں رہتی ہے۔ روز اس کی

### آپ کی حسرت اور اصحاب کی وفاداری!

فوج کی داپسی کے بعد رات کو اپنے اپنے ساتھی جمع کئے اور خطبہ دیا:

”خدا کی حمد و ستائش کرتا ہوں، رنج و راحت ہر حال میں اُس کی شکر گزار ہوں۔ الہی! تیرا شکر کرتے ہوئے ہمارے گھر کو نبوت پر مشرک کیا، قرآن کا نعم ظاک کیا۔ دین میں سچ بخشی، اور ہمیں بکھینے سننے اور عبرت پکڑنے کی قوتوں سے سرفراز کیا۔ اب بعد۔ لوگو! میں نہیں جانتا آج دوسرے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر بھی لوگ موجود ہیں، یا میرے اہل بیت۔ زیادہ ہندو اور غم گسار اہل بیت کسی کے ساتھ ہیں۔ اے لوگو! تم سب کو اس میری طرف سے جزا خیر ہے! میں سمجھتا ہوں کہ میرا ان کا فیصلہ ہو جائے گا۔ غور و فکر کے بعد میری رائے یہ ہے کہ تم بے خاموشی سے نکل جاؤ۔ رات کا وقت ہے۔ میرے اہل بیت کا ہاتھ بڑھاؤ۔ تاریکی میں ادھر ادھر چلے جاؤ۔ میں خوشی سے تمھیں خفت کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں میری جان لے کر تم سے غافل ہو جائیں گے“

یہ سن کر آپ کے اہل بیت بہت رنجیدہ اور چین ہوئے جعفر عباس نے کہا ”یہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے!“

حضرت نے مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں سے کہا ”اے اولاد عقیل! اسلم کا قتل کافی ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میں نے تمھیں اجازت دی“ وہ کہنے لگے ”لوگ کیا نہیں گے؟ یہی کیسے کہہ اپنے شیخ، سردار، اور علم زادوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے ہم نے ان کے ساتھ نہ کوئی تیر بھینکا، نہ نیزہ چلایا، نہ تلوار لگائی۔ نہیں والدہ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہمتو آپ پر اپنی جان، مال، آل و لا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔ جناب پرگز رہے گی وہی ہمیں بھی گرسے گی۔ آپ کے بعد خدا ہمیں زندہ نہ رکھے!“

آپ کے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ مسلم بن عجمہ اسدی کہا: ”کیا ہم آپ کو چھوڑ دیں گے؟ حالانکہ اب تک آپ کا حق انہیں کر سکے ہیں۔ دامن نہیں، ہرگز نہیں۔ میں اپنا نیزہ ان شمشیر کے سینے میں توڑ دوں گا۔ جب تک قبضہ ہاتھ میں رہے گا، تلوار

چلا رہوں گا۔ ہمتا ہو جاؤں گا تو پھر پھینکیں گا۔ یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے!“

سعد بن عبداللہ الحنفی نے کہا ”و ائدہم آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک خدا جان نہ لے کہ ہم نے رسول اللہ کا حق محفوظ رکھا۔ دامن اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا، چلا جاؤں گا، آگ میں جھونکا جاؤں گا، پھر میری خاک ہوا میں اڑا دی جائے گی۔ اور ایک مرتبہ نہیں، مرتبہ مجھ سے یہی سلوک کیا جائے گا۔ پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپ کی حیات میں فنا ہو جاؤں“

زہیر بن العقیل نے کہا ”بخدا اگر میں ایک ہزار مرتبہ بھی آپ سے چیرا جاؤں تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ خوش نصیب! اگر میرے قتل سے آپ کی اور آپ کے اہل بیت کے ان دنیاوی کی جائیں بچ جائیں!“ (ابن جریر، کامل، شرح نہج البلاغہ وغیرہ)

حضرت زینب کی بیچنی اور آپ کا قصیدہ صبر حضرت زین العابدین سے روایت ہے کہ جس رات کی صبح والدہ شہید ہوئے ہیں، میں بٹھا تھا اور میری بیچنی زینب میری تیار داری کر رہی تھیں۔ اچانک میرے والد نے خیمہ میں اپنے ساتھیوں کو طلب کیا۔ اُس وقت خیمے میں ابوذر غفاری کے غلام حوی تلوار صاف کر رہے تھے اور میرے والدہ شہید ہو رہے تھے: یاد ہرآن ملک من غلیل: ہم لک بلا شراق والافیل!

لے زانہ، تیرا راہو، تو کیا یونادوت ہوا۔ صبح اور شام تیرے ہاتھوں من صاحب ادبالب قتل والدہ رالایقغ بالبدل!

کہنے آئے جاتے ہیں؟ زانہ کسی کی ریتا نہیں کرتا کسی سے عوس قبل نہیں کرتا۔ دامن الامرالی الجلیل دکل حی سالک السبیل!

اور سارا معاملہ، ادھی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر زندہ ہوئی راہ پر چلا جا رہا تین چار مرتبہ اپنے ہی شعر دہرائے۔ میرا دل بھر آ رہا۔ آنکھیں ڈبڈبائیں۔ گریں نے آنسو روک لئے۔ میں سمجھ گیا مصیبت طے والی نہیں۔ میری بیچنی نے یہ شعر سننے دے قابو ہو گئیں بے اختیار دودھ توٹی ہوئی آئین اور شین دفراد کر کے لیگیں۔

حضرت امام نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا: ”اے میں یہ کیا حال ہو؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس شیطان کی بے صبریاں ہمارے ایمان و استقامت پر غالب آجائیں“ انہوں نے دوسرے ہوئے کہا:

۲ ملاقات کر لیا۔ مگر اس طرح جاتا کہ دو دنوں دروازوں کے سامنے سپاہیوں میں اندازہ رکھ کر پوچھا کہ اور وہ بہتر شیشہ کی چال میں بند ہو

دعای عبداللہ

## الملال کی قدیم مکمل جلدیں

گاہے گاہے باز خواں اس دفتر پارینہ را  
تازہ خواہی داشتند گردا غمائے سینہ را  
الملال کی پہلی اور دوسری اشاعت کی جلدوں کے کوشاں  
علم و ادب شائق تھے چند جلدیں جو دفتر میا کر سکا ہر جن کی قیمت بھی  
جاسکتی ہیں:

الملال جلد سوم  
~ جلد چہارم  
~ جلد پنجم  
قیمت فی جلد ۱۰ روپیہ  
البلاغ (یعنی الملال کا دوسرا سلسلہ اشاعت) ۸ روپیہ (غیر الملال)

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا میں بہترین فائنٹن قلم

امریکن کا خانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“ قلم ہے؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت

یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی

زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) آتنا خوبصورت، ہنر، سرخ اور سنہری

بیل بوٹوں سے فرین کہ آتنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو

آپ کو شیفر کا

”لائف ٹائم“

لینا چاہئے!

اگر آپ

دیکھیں

آ (ضیق نفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھالسی کی

شکایت ہے، تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے

سے قریب دوا فروش کی دکان

سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی مشہور عالم دوا کا منگو کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیارنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما

(گائیڈ بک)

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں،

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کرے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی

جاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک

ڈنلاپ کا ڈیو گریٹ برٹن

THE DUNLOP  
GUIDE  
TO GREAT BRITAIN

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان

کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک ٹال ہو سکتی ہے

# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرائے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W.1.**

دنیا میں کتبِ فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور اُن کے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں پہنچانے کا شرف حاصل ہے! انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور متحدہ ممالک میں شائع ہوتا ہے۔

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلہ

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی، اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں ہے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے۔



”کیونکہ اس حالت پر میرا کیا حال ہے کہ آپ اپنے اہل قتل پر ہنس رہے ہیں؟“  
آپ نے کہا ”میت کا ایسا ہی فیصلہ ہے“ اس پر ان کی بیقراریاں اور بے  
برائیوں اور شدتِ غم سے بے حال ہو گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے ایک  
طوفانی تغیرِ مبرداستقامت پر فرائی۔ آپ نے کہا ”ہن اخذ سے ذرا غل  
کی تفریت سے لستی حاصل کرو۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لئے ہو گیا  
دائے بھی ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے  
خیال سے اس قدر رنج و بے قراری کیوں ہو؟ دیکھ، ہمارے لئے  
اور ہر مسلمان کے لئے رسولِ امدلی اور علیہ وسلم کی زندگی میں اسوۂ  
حسنہ ہے، یہ نمونہ ہمیں کیا سکھاتا ہے؟ یہ ہمیں ہر حال میں صبر و شجاعت  
اور توکل و دھماکی تعلیم دیتا ہے۔ چاہے کبھی حال میں بھی اس کو سخت  
نہ ہوں“ (یعقوبی و ابن جریر)

### پوری رات عبادت و تلاوت میں گزاری

پوری رات آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے نماز، استغفار اور  
دعا و تضرع میں گزاری۔ رات بھر اسی دشمن کے سوار رات بھر رات  
لشکر کے گرد چکر لگاتے رہے۔ حضرت عقیل بن ابی رباح سے یہ آیت پڑھ  
لے تھے ”الاحزاب الذین کفروا انما غلغلہم فی الارض لا یفسدوہا  
انما غلغلہم فی الارض وادوا انما وادوا لہم عذاب مہین۔ ما کان اللہ لذلک  
المؤمنین علی ما استعملوہ حتی یجزی الخبیث من الطیب“ دشمن  
کے ایک سوار نے یہ آیت سنی تو چلا کر کہنے لگا ”تم رب کعبہ کی ہمہری  
طیب ہیں، اور تم سے الگ کر دیتے ہیں گے!“

### عشرہ کی صبح

جمعہ یا سنیچر کے دن دسویں محرم کو نماز فجر کے بعد عمر بن سعد اپنی  
فوج لے کر نکلا۔ حضرت حسین نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں  
ان کے ساتھ صرف ۳۲ سوار، ۴۰ پیدل، کل ۷۲ آدمی تھے۔ سینہ  
پر زہرین نقین کو مقرر کیا۔ میسر، حبیب بن مظاہر کے سپرد کیا۔ علم پر  
بھائی عباس بن علی کے ہاتھ میں دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر  
اس میں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا گیا تھا اور آگ جلا دی تھی تاکہ  
دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

### شمر کی یادہ گوئی

فوج سے شمر بن ذی الجوشن گھوڑا دوڑا آ نکلا۔ آپ کے لشکر کے  
گرد بھرا اور آگ دیکھ کر چلایا ”لے جین اقیات سے پہلے ہی تو نے  
آگ قبول کر لی؟“ حضرت نے جواب دیا ”اے چر داسے کے لڑکے!  
تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے!“ مسلم بن عوف نے عرض کیا ”مجھے اجازت  
دے دیجئے اسے تیرا کر ہلاک کر ڈالوں۔ کیونکہ بالکل زہر ہے“ حضرت نے  
منع کیا ”نہیں۔ میں لڑائی میں پہل نہیں کروں گا“ (ایضاً)

### دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے

دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھ کر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیے  
”اللہ اے مصیبت میں تو ہی میرا بھروسہ ہے! سختی میں تو ہی میرا رشتہ  
پناہ ہے! کتنی مصیبتیں ہیں، دل کڑد ہو گیا، تدبیر نے جواب دے دیا،  
دست نے ہمواری کی، دشمن نے خوشیاں چھائیں، مگر میں نے صرف  
تجھی سے التجا کی اور تو نے ہی میری دست گیری کی! تو ہی ہر نعمت  
کا مالک ہے۔ تو ہی اہل ایمان والا ہے۔ آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے!“  
(شرح نبی البلاغ)

### دشمن کے سامنے خطبہ

جب دشمن قریب آگیا تو آپ نے اٹنی طلب کی۔ سوار ہوئے۔ قرآن

لے دشمن یہ خیال نہ کریں کہ ہادی ڈھیل ان کے لئے بھلائی ہے۔ ہم صرف اس  
لے ڈھیل لے رہے ہیں کہ ان کا جوہم اور زیادہ ہو جائے۔ خدا ہمیں کسی سزا  
میں چھوڑ رکھنے والا نہیں ہے۔ وہ پاک کو پاک سے الگ کر دے گا۔

سامنے رکھا، اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز  
سے یہ خطبہ دیا،

”لوگو! میری بات سنو۔ جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کیلئے دو۔  
اپنا مدد بیان کرنے دو۔ اپنی آمد کی وجہ کھنہ دو۔ اگر میرا مدد معقول  
ہو، اور تم اسے قبول کر سکو، اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو پھر  
میرے خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور تم میری مخالفت سے باز آ جاؤ گے  
لیکن اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عند قبول نہ کرو اور انصاف کرنے  
سے انکار کرو، تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہو۔ تم اور  
تمہارے سامنے ساتھی ایک کرو، مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے درجہ ملت  
دو۔ میرا افتاد ہر حال میں صرف پروردگارِ عالم پر ہو اور وہ نیکی  
کا دل کا حامی ہے“

آپ کی اہل بیت نے یہ کلام سننا تو شدتِ تأثر سے بے اختیار  
ہو گئیں اور خیمہ سے آہ بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی عباس  
اور اپنے فرزند علی کو بھیجا تاکہ انھیں خاموش کر آئیں۔ اور کہا ”ابھی  
انھیں بہت دانا بانی ہے“ پھر بے اختیار پکار اٹھے ”خدا عباس  
کی عمر دراز کرے“ یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس کی۔ رات بھر  
یہ جملہ اس لئے آپ کی زبان سے نکل گیا کہ مدینہ میں عبداللہ ابن عباس  
نے عورتوں کو ساتھ لے جانے سے منع کیا تھا۔ مگر آپ نے اس پر توبہ کی  
تھی۔ اب ان کا جزع و فزع دیکھا تو عبداللہ ابن عباس کی بات  
یا د آ گئی۔ پھر آپ نے اس پر تو تیر شروع کی:

”لوگو! میرا حسبِ لب یا کرو۔ سوچو میں کون ہوں؟ میرے  
گیاؤں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا حاسب کرو۔ خوب غور کرو کیا  
تمہارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا اورا ہے؟  
کیا میں تمہارے نبی کی لڑکی کا بیٹا، اُس کے عم زاد کا بیٹا نہیں  
ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالجنا  
حییٰ بن جعفر الطاہر میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسولِ اللہ کا یہ  
شہد قبول نہیں کیا؟ اور آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں لے  
تھے ”سید شباب اہل الجنۃ“؟ (جنت میں نو عمروں کے سردار)  
اگر میرا یہ بیان سچا ہے، اور ضرور سچا ہے کیونکہ اللہ میں ہوش  
سنبھالنے کے بعد سے لے کر آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتاؤ،  
کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیے؟ اگر تم میری  
بات یقین نہیں کرتے تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق  
کر لے سکتے ہو۔ جابر بن عبد اللہ انصاری سے پوچھو۔ ابو سعید خدری  
سے پوچھو۔ سہل بن سعد سعدی سے پوچھو۔ زید بن ارقم سے پوچھو۔  
الن بن مالک سے پوچھو۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ انھوں نے میرے  
اور میرے بھائی کے بارے میں رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے یا  
نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمہیں میرا خون ہانے سے نہیں روک سکتی؟  
واللہ اس وقت دوسرے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا  
موجود نہیں۔ میں تمہارے نبی کا بلا واسطہ نواسہ ہوں! کیا تم مجھ  
اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہو؟ کسی کا  
خون بہایا ہو؟ کسی کا مال چھینا ہو؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصہ  
کیا ہے؟

### کوفہ والوں کا جواب

آپ نے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ آخر آپ نے بڑے  
بڑے کوفیوں کو نام لے لے کر پکارنا شروع کیا ”اے شہباز بن بکری!  
لے جابر بن ابی جابر! لے قیس بن الاشعث! لے زید بن الحارث!  
کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ ”پہل پک گئے، زمین سرسبز ہو گئی،  
نہیں ابلی ہیں“ آپ اگر آئیں گے تو اپنی فوج جبرائے پاس  
آئیں گے۔ جلد آئے۔ اس پر ان لوگوں کی زبانیں کھلیں، اور انھوں

نے کہا ”ہرگز نہیں، ہم نے تو نہیں لکھا تھا کہ آپ چلا آئے۔ ہمیں  
امید ہے کہ کیا جھوٹا ہو، مگر ہم نے لکھا تھا!“ اس کے بدلے  
پھر پکار کر کہا: ”اے لوگو! چونکہ اب مجھے نا پسند کرتے ہو اس لئے  
بترجہ کہ مجھے چھوڑ دو، میں یہاں سے واپس چلا جا رہا ہوں“

### ذلتِ منظور نہیں

یہ منکر قیس بن الاشعث نے کہا ”کیا یہ بترجہ نہیں کہ آپ اپنے  
آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالہ کریں؟ وہ دہی بڑا ذکر تھے جو  
آپ کو پسند ہے۔ آپ کو ان سے کوئی گز نہیں پہنچے گا“  
آپ نے جواب دیا ”تم بیک ہی تمہلی کے چلے جاتے ہو۔ لے شہر  
کیا تو یہ چاہتا ہو کہ جی آئیں تمہ سے مسلم بن قتل کے سوا ایک اور  
خون کا بھی مطالبہ کریں؟ نہیں! اور، میں ذلت کے ساتھ اپنے  
آپ کو کبھی ان کے حوالے نہیں کروں گا“ (ابن جریر)  
یہ کہہ کر آپ نے اٹنی بھادی۔ عقبہ بن سمان کو حکم دیا کہ اسکی  
کونچیں بازو سے اور بچھا کر دشمن کے لشکر کے آپ کی طرف حرکت  
شروع کر دی ہو۔

### زہیر کا کوفہ والوں سے خطاب

زہیر بن لقین اپنا گھوڑا بڑا کر لشکر کے سامنے پہنچے اور چلاؤ  
”اے اہل کوفہ! عذابِ الہی سے ڈرو! ہر مسلمان پر اپنے بھائی  
کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو، اس وقت تک ہم سب بھائی بھائی  
ہیں، ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ پر قائم ہیں جب تک تلواریں  
نیام سے نہیں نکلیں۔ تم ہماری نصیحت اور خیر خواہی کے ہر طرح  
حقدار ہو۔ لیکن تلوار کے درمیان آتے ہی باہمی حرمت ٹوٹ جاؤ  
گی اور ہم تم الگ الگ دو گروہ ہو جائیں گے۔ دیکھو خدا نے ہمارا  
اور تمہارا اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔  
ہم تمہیں اہل بیت کی نفرت کی طرف بلاتے اور سرکش میدان  
بن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو، ان جاگوں  
سے کبھی تمہیں کوئی بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہ تمہاری آنکھیں کھولیں  
گے، تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، تمہارے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے،  
تمہیں درختوں کے تنوں پر پھانسی دیں گے، اور نیکی کا دل  
کو چن چن کر کٹ کر پھینک دیں گے۔ بلکہ وہ لوگ کا کر بھی سکے ہیں۔ ابھی پھر  
بن عدی، ہاشمی بن عروہ وغیرہ کے واقعات اتنے پرلے نہیں  
ہوئے ہیں کہ تمہیں یاد نہ رہی ہوں“

کوفیوں نے یہ تقریر سنی تو زہیر کو برا بھلا کہنے لگے اور انہیں  
کی تعریفیں کرنے لگے۔ ”بجائے اس وقت تک نہیں تمہیں گے جتنا  
حسین اور ان کے ساتھیوں کو آتش نہ کر لیں یا انھیں آسمان کے  
دروازے حاضر نہ کریں“ یہ ان کا جواب تھا۔

زہیر نے جواب دیا ”خیر، اگر فاطمہ کا بیٹا مسیح کے جھوکے  
(یعنی ابن زیاد) سے کہیں زیادہ تمہاری حمایت و نصرت کا مستحق  
ہو تو کم از کم اولاد رسول کا آیتا پاس تو کرو کہ اُسے قتل نہ کرو۔ اُسے  
اُداس کے عم زاد پر مدد دینا اور کو چھوڑ دو تاکہ آپس میں اپنا معاملہ  
طے کر لیں۔ میں تمہارا کہتا ہوں کہ زید کو خوش کرنے کے لئے  
یہ ضروری نہیں ہے کہ تم حسین کا خون بہاؤ“ (ابن جریر و شرح نبی  
البلاغ)

### حسین زید کی مفت

عدی بن حوطل سے روایت ہے کہ ابن سعد نے جب فوج کو  
حرکت دی تو حسین بن زید نے کہا ”خدا آپ کو سزا دے: کیا آپ  
اس شخص سے دفاعی لڑائی کر سکتے؟ ابن سعد نے جواب دیا ”ہاں  
اور لڑائی! ایسی لڑائی جس میں کم سے کم یہ ہوگا کہ سرکٹ گے اور  
ہاتھ، شانوں سے اُٹ جائیں گے“ حوطل نے کہا ”کیا ان جن شرطوں

میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں جو اسے پیش کی ہیں؟" ابن سعد نے کہا "بھلا اگر مجھے اختیار ہوتا تو ضرور منظور کر لیتا۔ مگر کیا کروں؟ بھلا حاکم منظور نہیں کرتا۔"

حر بن زید یہ سنکر اپنی جگہ پر ٹوٹ آیا۔ اس کے قریب خود اُس کے قبیلہ کا بھی ایک شخص ٹھہرا تھا۔ اس کا نام قرۃ بن قیس تھا۔ قرۃ نے اُس سے کہا "تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا؟" دعویٰ قرۃ کہا کرتا تھا کہ اسے اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتا اور مجھے ملانا چاہتا ہوتا کہ اُس کی شکایت حاکم سے نہ کروں "میں نے گھوڑے کو پانی نہیں پلا ہوا میں ابھی جا رہا ہوں" یہ کہہ کر میں دوسری طرف روانہ ہو گیا۔ میرے الگ ہوتے ہی قرۃ نے امام حسین کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔

اس کے قبیلہ کے ایک شخص ماجربن اوس نے کہا "کیا تم حسین پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟" قرۃ خاموش ہو گیا۔ ماجربن کو شک ہو گیا۔

"بھلا یہ خاموشی شہتہ ہو۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں بھلائی یہ حالت نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کون سے سبب بڑا بار کون ہو؟ تو بھلائے ام کے ہوا کوئی نام میری زبان پر نہیں سکتا۔ پھر یہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟" قرۃ نے سبیدگی سے جواب دیا:

"بھلا میں جنت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ دامن میں جنت منتخب کر لی اگر مجھے ٹھوڑے ٹھوڑے کر ڈالا جائے"

یہ کہا اور گھوڑے کو اڑانکڑا کر لشکر حسین میں پہنچ گیا! حضرت حسین کی خدمت میں پہنچ کر کہا "ابن رسول اللہ! میں ہی وہ بدبخت ہوں جسے آپ کو لوٹنے سے روکا، راستہ بھرا پکا بیچھا کیا، اور اس جگہ اُترے پر مجبور کیا۔ خدائی قسم، میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہیں کریں گے اور آپ کے معاملہ میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ والد اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کرینگے تو ہرگز اس حرکت کا ترکہ نہ ہوتا۔ میں اپنے قصوروں پر نادم ہو کر توبہ کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کے قدموں پر قتل ہو جا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے خیال میں یہ میری توبہ کے لئے کافی ہوگا؟"

حضرت نے شفقت سے فرمایا: ہاں، خدا تیری توبہ قبول کرے تجھے بخش دے۔ تیرا نام کیا ہے؟" اُس نے کہا "حر بن زید" فرمایا: تو حر یعنی آزاد) ہی ہے جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے۔ تو دنیا اور آخرت میں انشا اللہ خیر ہے"

کو فیوں سے مکر خطاب پھر، دشمن کی صفوں کے سامنے ہونچا اور کہا "اے لوگو! حسین کی پیش کی ہوئی شرطوں میں سے کوئی شرط منظور نہیں کر لیتے تاکہ خدا تمھیں اس امتحان سے بچائے؟" لوگوں نے جواب دیا "یہ ہمارے سردار عربین سعد بن سہم ہیں، جو اب اس کے "عمرے" کہا "میری دلی خواہش تھی کہ ان کی شرطیں منظور کر سکتا" اس کے بعد قرۃ نے نہایت جوش و خروش سے قیصر کی ادھر لکھوان کی بوجہ دی وند پر شرم و غیرت دلائی۔ لیکن اُس کے جواب میں اُنھوں نے تیر بربسا شروع کر دیا۔ ناچا زخمی کی طرف لوٹ آیا۔

جنگ کا آغاز اس واقعہ کے بعد عربین سعد نے اپنی کمان اٹھائی اور لشکر حسین کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا "گواہ رہو، سب پہلے تیر میں نے چلایا ہے" پھر باری شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد زیاد بن ابیہ

اور عبد اللہ بن زیاد کے غلام لیثار اور سالم میدان میں نکلے اور سالم طلب کی۔ قدیم طرز جنگ میں مہارت کا طریقہ یہ تھا کہ فریقین کے لشکر سے ایک ایک جنگ آزما نکلتا اور پھر دونوں باہر گر پکڑا کرتے لیکن جیتنے سے صیب بن مظاهر اور ربیع بن حنین نکلے لگے، مگر حضرت حنین نے انھیں منع کیا۔ عبد اللہ بن عمیر لکھلی نے کھڑے ہو کر عرض کیا: "مجھے اجازت دیجئے" یہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ حضرت کی حمایت کے لئے کوفہ سے چل کر آیا تھا۔ سیاہ رنگ، توند کا کتا سینہ تھا، اپنے اُس کی صورت دیکھ کر فرمایا "بیشک یہ مرد میدان ہے" اور اجازت دی۔ عبد اللہ نے چند پھروں میں دونوں فریق زیر کر کے قتل کر ڈالا اُس کی بیوی ام دہب ہاتھیں لالھی لئے کھڑی تھی اور جنگ کی ترغیب دیتی جاتی تھی۔ پھر بیکار اُسے اس قدر جوش آیا کہ میدان جنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ حضرت حنین یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ فرمایا "اہل بیت کی طرف سے خدا تمھیں جزائے خیر دے لیکن عیول کے ذمہ لڑائی نہیں ہے"

گھٹنے ٹیک کر زینے سید کر دئے اس کے بعد ابن سعد کے مہم نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت کے زینار زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور زینے سید سے کئے۔ نیزوں کے ستر پر گھوڑے بڑے دنسے اور لوٹنے لگے حضرت کی فوج نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور تیرا کرکڑی آدمی قتل اور زخمی کر ڈالا۔

عام حملہ اب باقاعدہ جنگ جاری ہو گئی۔ طرفین سے ایک ایک دودھواں مرد نکلتے تھے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے۔ حضرت حنین کے طرفداروں کا دل بھاری تھا۔ جو سامنے آتا تھا مارا جاتا تھا۔ مہم کے سپہ سالار عمر بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اٹھا "بیوقوف! پہلے جان لو کہن سے لڑ رہے ہو؟ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں۔ تم اسی طرح ایک ایک کر کے قتل ہوتے جاؤ گے ایسا نہ کرو: یہ ملٹی بھر میں۔ پھر دوسرے انھیں مار سکتے ہو" عربین سعد نے یہ رائے پسند کر اور حکم دیا کہ مہارت موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔ چنانچہ مہم کے بڑا اور کشت و خون شروع ہو گیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رُکی تو نظر آیا کہ حسین فوج کے نامور بہادر مسلم بن عوجہ خاک و خون میں پڑے ہیں۔ حضرت حنین دُور کر لاش پر پہنچے۔ ابھی سانس باقی تھی۔ آہ سرد بھر کر فرمایا "سلم! تجھ پر خدا کی رحمت! منہ مومن قحطی عید و منہ مومن تنطیل دھامدا لاتند بیللا،" مسلم بن عوجہ اس جنگ میں آپ کی جانب سے پہلے شہید تھے (ابن جریر کا ل)

گھوڑے بیکار ہو گئے مہم کے بعد میر نے لوش کی۔ شمر بن ذی الجوش اس کی سیلا تھا۔ حملہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر حسین میر سے لڑی ہی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس بازو میں صرف ۳۲ سوار تھے جس طرف ٹوٹ پڑتے تھے، مصیف اٹ جاتی تھیں۔ آخر طاقتور دشمن نے محسوس کر لیا کہ سیلابی نا ممکن ہے۔ چنانچہ فوراً نئی لک طلب کی بہت سے سپاہی اور پانچ سو تیر انداز مدد کو پہنچ گئے۔ انھوں نے آتے ہی تیر بربسا شروع کر دئے۔ تھوڑی دیر میں حسین فوج کے تمام گھوڑے بیکار ہو گئے اور سواروں کو پیدل ہونا پڑا۔

مکر کی شجاعت ابوب بن مہر سرح دوایت کرتا ہوا کہ حنین زید کا گھوڑا خود میں نے زخمی کیا تھا۔ میں نے اُسے تیر بدل سے چھلنی کر ڈالا۔ حنین زید زمین پر کود پڑے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ بالکل خیر مہم معلوم ہونے لگے۔ تلوار ہر طرف تھوڑی تھوڑی اندر بھر زبان پر تھا:

ان تقو الی فان ابن الحر اشجع من ذی لبذ ہزبر اگر تم نے یہ لکھو بیکار کر دیا تو کیا ہوا؟ میں شریک کا بیٹا ہوں، خدا کا شیر سے بھی زیادہ بہادر ہوں!

خیمے جلا دئے لڑائی اپنی پوری ہول کی سے جاری تھی۔ اب دوسرے ہو گئی مگر کوئی فوج غلبہ حاصل نہ کر سکی۔ وجہ یہ بھی کہ حسین فوج نے تمام خیمے یک جگہ کر دیئے تھے اور دشمن صرف ایک ہی موضع سے حملہ کر سکتا تھا۔ عربین سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑ ڈالنے کے لئے آدمی بھیجے جیسی فوج کے صرف ۴-۵ آدمی یہاں مقابلہ کے لئے کافی ثابت ہوئے خیریں کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے لگے۔ جب یہ صورت بھی نکلا۔ وہی تو عمر بن سعد نے خیمے جلا ڈالنے کا حکم دیا۔ سپاہی آگ لے کر دُڑے جیسی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی۔ مگر حضرت حنین نے فرمایا "کچھ پرواہ نہیں۔ جھلانے دو۔ یہ ہمارے لئے اوجھڑی زیادہ بہتر ہے۔ اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کر سکیں گے" اور وہاں بھی یہی۔

ام دہب کا قتل اسی اثناء میں زہیر بن لقین نے شمر زبردست حملہ کیا اور اُس کی فوج کے قدم اکھاڑ دیئے۔ مگر کبتک و زرادیر کے بعد پھر دشمن کا ہجوم ہو گیا۔ اب حسینی لشکر کی بے بسی صاف ظاہر تھی۔ بہت سے لوگ قتل ہو چکے تھے۔ کئی نامی سردار مارے جا چکے تھے حتیٰ کہ عبد اللہ بن عمر بکلی بھی، جس کا ذکر ابورجرچکا، قتل ہو چکا تھا۔ اُس کی بہن بیوی ام دہب بھی شہید ہو چکی تھی۔ یہ میدان جنگ میں بھی اپنے مقتول شوہر کے چہرے سے لٹی صاف کر رہی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی "مجھے جنت مبارک ہو" شمر نے اسے دیکھا اور قتل کر ڈالا۔ (ابن جریر - شرح بیع البلاغ)

نماز پڑھنے نہیں دی ابو ثناء محمد بن عبد اللہ صامی نے اپنی بے بسی کی حالت محسوس کی اور حضرت حنین سے عرض کیا "دشمن اب آپ سے بالکل قریب آ گیا ہے۔ والد آپ اُس وقت تک قتل ہونے نہیں پائیں گے جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں لیکن میری آرزو ہے کہ اپنے رب سے نماز پڑھ کر لوں جس کا وقت آ گیا ہو" یہ سن کر حضرت نے سر اٹھایا اور فرمایا "دشمنوں سے کہو میں نماز کی قلمت میں" مگر دشمن نے درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی جاری رہی۔

صیب اور حُر کی شہادت یہ وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے اپنی پوری قوت لگا دی تھی۔ غضب یہ ہوا کہ حسین میر کے سپہ سالار صیب بن مظاهر بھی قتل ہو گئے۔ گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی۔ صیب کے بعد ہی حنین زید کی باری تھی۔ وہ جوش سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس بیٹے:

آلیت لا آتلت حتی آتلتا دن مصاب الیم الا مقبلا میں نے دم کھالی ہو کر قتل نہیں ہونکا جب تک قتل نہ کروں، اور مرد نکلتا تو ہی حالی میں دھکا کا گے بڑے ہاتھ بٹکا

اضربم بالسيف فراق مقصلا لانا کلا عنم ولا مہللا انہیں تلوار کی کاری صربوں سے ماروں گا، نہ بھاگوں گا نہ ڈروں گا! زہیر کی شہادت چند لمحے کی بات تھی۔ حُر زخموں سے چھد ہو کر گرے اور جان بحق تسلیم ہو گئے۔ اب تلوار وقت ختم ہو رہا تھا حضرت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلوة الفون پڑھی۔ نماز کے بعد دشمن کا زباد اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اس موقع پر آپ نے مہم کے سپہ سالار زہیر بن لقین نے میدان اپنے ہاتھ میں لیا اور شعر پڑھتے ہوئے دشمن

پر ٹوٹ پڑے:

انارہیر دانا بن یقین      ازدوہم بالسیف عین جن  
میں زہر ہوں، ابن یقین ہوں۔ اپنی تلوار کی نوک سے انھیں جین دور کر دوں گا  
صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ پھر لوٹے اور حضرت حنین کے شانے پر  
ہاتھ مار کر جوش سے یہ شعر پڑھے:

اقدم بیتا دیا ہمدیا      فالہوم تلقی جسدک النیا  
بڑھ، خدانے تجھے ہدایت دی، آج تو اپنے نانا جنتی سوا لانا کرے گا  
جسنا والقرنی علیا      وزا الجنا حین الفتی لکھا  
اور جن سے اور ملی مرتقی سے، اور بہا در جوان جعفر طیار کو  
واسد المرشد الشہید الحیا

اور زندہ شہید اسد انحر سے!

پھر دشمن کی طرف لوٹے اور قتل کرتے رہے یہاں تک کہ قتل ہو گئے!  
غفاری بھائیوں کی بہادری  
اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دشمن کو روکنا نامکن ہو چکا ہے  
انھوں نے کیا کہ آپ کے سامنے ایک ایک کر کے قتل ہو جائیں۔ چنانچہ  
دو غفاری بھائی آگے بڑھے اور لڑنے لگے۔ یہ شہر ان کی زبان  
پر جاری تھے:

قد علمت حقاً بنو غفار      وخذت بعد بنی نزار  
بنی غفار اور قابل نزار نے ابھی طے جان لیا ہے  
لنفرین معشر البغیا      بکل غضب صام ہنار  
کہ ہم بے پناہ مشیر آبدار سے فاجروں کے ہلکے اڑا دیں گے  
یا قوم ذود دما عین بنی الاحرار      بالشرنی واثقا الخطا  
اے قوم! تلواروں اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کرو!

جابر بن لڑکوں کی فداکاری

انکے بعد دو جابر بن لڑکے سامنے آئے۔ دونوں بھائی تھے۔ زرا  
قطار رو رہے تھے۔ حضرت نے انھیں بچھا تو فرمانے لگے: اے میرے  
بھائی کے فرزند! کیوں روتے ہو؟ والد مجھے یقین ہوا ابھی چند  
لحے بعد تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، انھوں نے گریہ سے  
لوٹی ہوئی آوازیں عرض کیا: ہم اپنی جان پر نہیں روتے۔ ہم آپ پر  
روتے ہیں۔ دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہے اور ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں  
آ سکتے۔ پھر دونوں نے بڑی ہی شجاعت سے لڑنا شروع کیا۔ بار  
بار چلائے تھے: "اسلام علیک یا ابن رسول اللہ!" آپ جواب دیتے  
تھے: "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!" اور وہ دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے۔  
آخر دونوں شہید ہو گئے۔

حنظلہ بن اسعد کی شہادت

انکے بعد حنظلہ بن اسعد، حضرت کے سامنے آکر کھڑے ہوئے  
اور بار بار بلند دشمن سے مخاطب ہوئے: "اے قوم! میں ڈرتا ہوں عدا  
وٹوڑ کی طرح تمھیں بھی روزِ بد نہ دیکھنا چاہیے! میں ڈرتا ہوں تم  
بر باد نہ ہو جاؤ اے قوم! حنین کو قتل نہ کرو، ایسا نہ ہو خدا تم پر عذاب  
نازل کرے!" بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے۔

علی اکبر کی شہادت

غرض کہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہو گئے۔ اب بنی ہاشم  
اور خاندانِ نبوت کی باری تھی۔ سب سے پہلے آپ کے صاحبزادے  
علی اکبر میدان میں آئے اور دشمن پر حملہ کیا، ان کا وزیر تھا:  
انام علی بن حسین بن علی      عن رب البیت دلی البنی  
میں علی بن حسین بن علی ہوں۔ تم کہہ دو کہ میری بی بی کے لیے زیادہ خدا ہے  
تا اسد لا یحکم فیما بن الدنیا  
تم خدا کی نافرمانی نہ کرو! آپ کے کاٹیا پر حکومت نہیں کر سکتا!  
بڑی شجاعت سے لڑے۔ آخر قرۃ بن معنہ العبدی کی تلوار سے شہید

ہو گئے۔ ایک رادی کتا ہو میں نے دیکھا کہ خیر سے ایک عورت تیزی  
سے نکلی۔ اتنی حین تھی جیسے اٹھتا ہوا سورج! وہ چلا رہی تھی: "آہ!  
بھائی! آہ! بھائی!" میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: "زینب  
بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!" لیکن حضرت حنین نے ان کا ہاتھ  
پکڑ لیا اور خیمے میں پہنچا لے۔ پھر علی کی نفس اٹھائی اور خیمے کے  
سامنے لا کر رکھ دی۔ (ایضاً)

ایک جوان رعنا

ان کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جانفروں قتل  
ہوئے۔ یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا وہ  
کرتہ پہنے، تہ بند باندھے، اور پاؤں میں نعل پہنے تھا۔ بائیں  
نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ اس کا چہرہ  
چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ شیر کی طرح بہتر آیا اور دشمن پر ٹوٹ  
پڑا۔ عربوں سے اس کی سر پر تلوار دی۔ نوجوان چلایا  
"ہائے چھا!" اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سننے ہی حضرت میں بھوکے  
باز کی طرح لوٹے اور غضبناک شیر کی طرح قاتل پر لپکے۔ بے پناہ  
تلوار کا دار کیا۔ قاتل نے ہاتھ اٹھا دیا مگر ہاتھ کبھی سے کٹ کر اڑ  
چکا تھا۔ زخم کھا کر قاتل نے پیکارنا شروع کیا۔ فوج اسے بچانے  
کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مگر گھبراہٹ میں بچانے کی جگہ اسے رو نہ ڈالا۔

رادی کتا ہو: جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھتا ہوں حضرت حنین  
لڑکے کے سر ہانے کھڑے ہیں۔ وہ اڑیاں رکھ رہا ہے۔ اور آپ  
فرما رہے ہیں: "ان کے لئے ہلاکت جنہوں نے مجھے قتل کیا ہے اور اتنا  
کے دن تیرے نانا کو یہ کیا جواب دیں گے؟ بخدا تیرے چچا کے لئے  
یہ سخت حسرت کا مقام ہو کہ تو اسے بچا لے اور وہ جواب نہ دے،  
یا جواب دے کہ مجھے اس کی آواز نفع نہ پہنچا سکے! انھیں آواز  
چچا کے دشمن بہت ہو گئے اور دوست باقی نہ رہا۔" پھر لاش اپنی  
گود میں اٹھائی۔ لڑکے کا سینہ آپ کے سینہ سے ملا ہوا تھا اور پاؤں  
زمین پر گر گئے جاتے تھے۔ اس حال سے آپ اسے لائے اور  
علی اکبر کی لاش کے پلوں میں لٹا دیا۔ رادی کتا ہو میں نے لوگوں  
سے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا: "قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب"  
مولود تازہ کی شہادت

حضرت حسین پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ عین اس وقت آپ کے  
ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے گود میں  
رکھا اور اس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیرا ہوا  
اور بچہ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ بچہ کی روح اسی وقت بردار  
کر گئی۔ آپ نے تیرا اس کے حلق سے کھینچ کر نکالا، خون سے چلو ہوا  
اور اس کے جسم پر ملنے اور فرمانے لگے: "واللہ تو خدا کی نظر میں  
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزیز ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
سے زیادہ افضل ہے! الہی! اگر تو نے ہم سے اپنی نصرت روک  
لی ہو تو وہی کرج میں بہتری ہو!" (یعقوبی و ابن جریر وغیرہم)

بنی ہاشم کے مقتول

اسی طرح ایک ایک کر کے اکثر بنی ہاشم اور اہل بیت شہید  
ہو گئے۔ ان میں سے ذیل کے نام موصوفین نے محفوظ رکھے ہیں:  
(۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۳) عبداللہ  
بن عقیل (۴) عبدالرحمن بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل (۶) محمد بن  
بن جعفر (۷) عون بن عبداللہ بن جعفر (۸) عباس بن علی (۹) عبداللہ  
بن علی (۱۰) عثمان بن علی (۱۱) محمد بن علی (۱۲) ابوبکر بن علی (۱۳)  
ابوبکر بن الحسن (۱۴) عبداللہ بن الحسن (۱۵) قاسم بن الحسن (۱۶) علی  
بن الحسن (۱۷) عبداللہ بن الحسن۔

ایک بچے کی شجاعت

ان کے بعد اب خود آپ کی باری تھی۔ آپ میدان میں تہا کھڑے

تھے۔ دشمن لینا کر کے آتے تھے مگر کسی کو دار کرنے کی ہمت نہیں ہوتی  
تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس قتل کا گناہ دوسرے کے سر لٹے  
لیکن شہر تن ذی الجوش نے لوگوں کو برا بھلا نہ کرنا شروع کیا۔ ہر طرف  
سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہل بیت کے خیمے میں عورتیں اور چند کم عمر  
لڑکے وہ گئے تھے۔ ان سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرا  
دیکھا تو جوش سے بے خود ہو گیا اور خیمہ کی لکڑی کے گرد دوڑ پڑا۔ رادی  
کتا ہو اس کے کانوں میں دوڑ پڑے بل رہے تھے۔ یہ گھرا ہوا دھواں  
بائیں دیکھتا ہوا چلا۔ حضرت زینب کی نظر لڑکی ڈر کر پکڑ لیا۔  
حضرت حنین نے بھی دیکھ لیا اور بہن سے کہا: "روکے رہو۔ آنے  
نہ پائے۔" مگر لڑکے نے زور کر کے اپنے آپ کو پھیر لیا اور حضرت  
کے پلوں میں بیچ گیا۔ عین اسی وقت بحرن کب نے آپ پر تلوار اٹھائی  
لڑکے نے زوراً ڈانٹ بتائی: "اجنب! میرے چچا کو قتل کر سکتا!"  
سنگدل حملہ آور نے اپنی بلند تلوار لڑکے پر چھوڑ دی۔ اس نے ہاتھ  
پر روکی۔ ہاتھ کٹ گیا۔ ذرا سی کھال لگی وہ گئی۔ بچہ تکلیف سے  
چلایا۔ حضرت نے اسے سینے سے چٹا لیا اور فرمایا: "صبر کرو۔ ایسے  
ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے صالح بھائیوں  
تک پہنچا دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، علی بن ابی طالب، حمزہ جعفر  
اور حسن بن علی تک!"

حضرت حسین کی شجاعت

اب آپ پر ہر طرف سے زور شروع ہوا۔ آپ نے بھی تلوار چلائی شروع  
کی۔ پیل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تن تہا اس کے قدم اکھاڑ دو  
عبداللہ بن عمار، جو خود اس جگہ میں شریک تھا، روایت کرتا  
ہو کہ میں نے نیرے سے حضرت حسین پر حملہ کیا اور ان کے بالکل  
قریب پہنچ گیا۔ اگر میں جانتا تو قتل کر سکتا تھا مگر یہ خیال کر کے  
ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ میں نے دیکھا دامن بائیں  
ہر طرف سے ان پر ملے ہوئے تھے، لیکن وہ جس طرف مڑ جاتے  
تھے دشمن کو بھگا دیتے تھے۔ وہ اس وقت کرتے پہنچے اور عاصم  
باندھے تھے۔ والد میں نے کبھی کسی نکتہ دہل کو جھک گھر کا گھر  
خود اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو، ایسا شجاع ثابت  
قدم، مطمئن، اور جری بہن دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں  
سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوئے تھے جس طرح شیر کو دیکھ کر  
بکراں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ اسی اشارہ میں  
آپ کی بہن زینب بنت فاطمہ (علیہا السلام) خیمہ سے باہر نکلیں۔ بچہ  
کانوں میں ابلیس پڑی تھیں۔ وہ چلاتی تھیں: "کاش آسمان زمین  
پر ٹوٹ پڑے!" یہ وہ موقع تھا جبکہ عمر بن سعد حضرت حنین سے  
بالکل قریب ہو گیا تھا۔ زینب نے پکار کر کہا: "اے عمر! کیا ابوعبد  
تمھاری آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں گے؟" عمر نے منہ پھیر  
لیا مگر اس کے رخسار اور دائیں پر آنسوؤں کی لڑیاں بہن لگیں۔  
آپ کے حلق میں تیر پیوست ہو گیا۔

لڑائی کے دوران میں آپ کو بہت سخت پیاس لگی۔ آپ پانی  
پینے فرات کی طرف چلے۔ مگر دشمن کب جانے دیتا تھا؟ اچانک  
ایک تیرا ہوا اور آپ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے تیر کھینچ لیا  
پھر اپنے ہاتھ منہ کی طرف اٹھائے تو دونوں حیل خون سے بھر گئے  
آپ نے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا: "الہی!  
میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسول کے نواسے سے کیا بڑا  
ہود ہوا ہے!"

تو نیز سرسراہٹ آکھوش تماشائیت!

شمر کو سرزنش

پھر آپ اپنے خیمے کی طرف لوٹنے لگے تو غمراہ اس کے ساتھیوں

# انسان

## محبت اور قربانی یا انتقام اور سزا

دیکٹر ہیوگو کا ”بشپ“ اور تاریخ اسلام کا ”بغدادی“

درس دفا اگر روزِ زمزمہ مجھے  
جمعہ بکتاب آدر و طفل گریز پائے را!

(دوسرا حصہ)

کا حسانے کھولتی ہو، دولت سر فلک عمارتیں بناتی ہو، حکومت و آثار  
شان و شکار کے سامان آراستہ کرتی ہو۔ لیکن دوسری طرف انکی نصرت  
ہو جاتی ہو، محبت اور فیاضی کا سراغ نہیں ملتا، اور امن و راحت کی  
جگہ انسانی مصیبتوں اور شقاوتوں کا ایک لازوال دور شروع ہو جاتا  
ہے۔ دہی انسان کی بستی جو پہلے نیکی و محبت کی دنیا اور راحت و  
برکت کی بہشت تھی، اب افلاس و مصیبت کا مقتل اور جرموں اور  
بدیوں کی دوزخ بن جاتی ہو۔ دہی انسان جو جھوٹوں کے اندھ  
دنیا میں کی گرجوشی تھا، اب شہر کے سر فلک محلوں کے اندر بے  
ہری و خود غرضی کا پتھر پڑتا ہو۔ جب وہ اپنے عالیشان مکانات میں  
عیش و نعت کے دسترخوان پر بیٹھا ہو، تو اس کے کتے ہی جھن  
طرکوں پر بھوک سے اڑیاں دھڑکتے ہیں! جب وہ عیش و راحت کے  
ایوانوں میں صحت و جمال کی ٹھنسیں آراستہ کرتا ہو، تو اس کے ہمسایہ  
میں سیموں کے آئینے تھمتے اور کتے ہی بیواؤں ہوتی ہیں جن  
کے بد نصیب سردوں پر چادر کا ایک تار بھی نہیں ہوتا! زندگی کی  
قدرتی یکسانی کی جگہ اب زندگی کی مصنوعی گرے دم تغایر ہر  
گوشے میں نمایاں ہو جاتی ہیں!۔

پھر جب انسانی بے ہری اور خود غرضی کے لازمی نتائج ظاہر  
ہونے لگتے ہیں، کمزوری، افلاس، اور بے لوائی سے مجبور ہو کر  
بدبخت انسان جرم کی طرف قدم اٹھاتا ہو، تو اچانک دنیا کی رازوں  
کا سب سے زیادہ بے معنی لفظ وجود میں آ جاتا ہو۔ یہ ”قانون“  
اور ”الغنا“ ہو۔ اب بڑی بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں  
اور ان کے دروازہ پر لکھا جاتا ہو ”الغنا کا گھر“، ”الغنا کے  
اوس“، ”مقدس گھر“ میں کیا ہوتا ہو؟ یہ ہوتا ہو کہ وہی انسان جو  
اپنی بے رحمی و تغافل سے مفلس کو چوری پر اور نیک انسانوں کو  
بد اطوار بنانے پر مجبور کر دیا تھا، قانون کا پھر بہت جبر پکڑا  
ہو، اور فرشتوں کا سامنا معصوم اور ماہیوں کا سانچہ چروہ بنا کر

ہرگز کی تیسری صدی قریب الاختتام ہو۔ بغداد کے تخت خلافت  
پر المغضد بامد عباسی ٹھکن ہو۔ معصوم کے زانے سے دار الخلافہ کا  
شاہی اور دینی مستقر سارہ میں منتقل ہو گیا ہو۔ پھر ہی سرزمینِ باہل  
کے اس نئے باہل میں پندہ لاکھ انسان بستے ہیں۔ ایران کے  
اصطخر، مقرر کے دیس، اور یورپ کے روم کی جگہ اب نیا کاتدنی مرکز  
بغداد ہو۔

دنیا کی اس ترقی یافتہ مخلوق کا جسے ”انسان“ کہتے ہیں کچھ عجیب  
حال ہو۔ یہ جتنا کم ہوتا ہو، اتنا ہی نیک اور خوش ہوتا ہو۔ اور  
جتنا زیادہ بڑھتا ہو، اتنی ہی نیکی اور خوشی اس سے دور ہونے لگتی  
ہے۔ اس کا کم ہونا خود اس کے لئے اور خدا کی زمین کے ہر کرک  
ہے۔ یہ جب چھوٹی چھوٹی بستیوں میں گھانٹاں پھولنے کے پھڑا کر  
رہتا ہو، تو کیا نیک، کیسا خوش، اور کس درجہ حلیم ہوتا ہو؟ محبت  
اور رحمت اس میں اپنا آئینہ بناتی ہو اور روح کی پاکیزگی کا  
نور اس کے جھونپڑوں کو روشن کرتا ہو۔ لیکن جوں ہی یہ جھونپڑوں  
سے باہر نکلتا ہو، اس کی بڑی بڑی بھڑکیں ایک خاص رقبہ میں  
اکٹھی ہو جاتی ہیں، تو اس کی حالت میں کیسا عجیب انقلاب ہو  
جاتا ہو؟ ایک طرف تجارت بازاروں میں آتی ہو، صنعت و حرفت

نفسِ روند ڈالی  
عمر بن سعد کو لکھا کہ حنین کی نفس گھوٹل کی ٹاپوں سے روند  
ڈالے۔ اب اس کا وقت آیا۔ اسے پکار کر کہا ”اس کام کے لئے  
کون طیار ہو؟“ دس آدمی طیار ہوئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم  
سبارک روند ڈالا!  
چوں بگڑ زلفی خوش کفن بشر: خلقِ فحاش کند کہ این ادخواہ!  
اس جنگ میں حضرت حنین کے ۲۴ آدمی لگے گئے اور کوئی فوج کے متحمل  
ہوئے (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰)

نے یہاں بھی قرض کیا۔ حضرت نے محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہو۔  
خیہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا ”اگر تم میں سے کوئی بھی اپنے سر لٹائیں  
سے ڈرتے نہیں، تو کم سے کم دنیاوی شرافت پر تو قائم رہو۔ پھر  
خیہ کو اپنے جاہلوں اور اداہنوں سے محفوظ رکھو“ شمر نے جواب  
دیا ”اچھا ایسا ہی کیا جائے گا۔ اور آپ کا خیہ محفوظ رہے گا“

آخری تنبیہ  
اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ رادی کہتا ہو کہ دشمن اگر جانتا تو  
آپ کو بہت پہلے قتل کر ڈالتا۔ مگر یہ گناہ کوئی بھی اپنے سر لٹائیں  
چاہتا تھا۔ آخر شمر بن ذی الجوشن چلایا ”تھار ابراہا کی اخطا  
کر رہو ہو؟ کیوں کام تمام نہیں کرتے؟“ اب ہر طرف سے پھرنے  
ہوا اپنے پکار کر کہا ”کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو اٹھاتے  
ہو؟ دوسرے میرے بعد کسی بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش  
نہیں ہوگا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہوگا“

شہادت!۔  
مگر اب وقت آچکا تھا۔ زمر بن شریک تھیں نے آپ کے بائیں  
ہاتھ کو زخمی کیا۔ پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمر دے سے لڑ  
کھڑے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے۔ مگرستان بن انس غنی نے  
بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اس نے ایک شخص سے کہا  
”سر کاٹ لے“ وہ سر کاٹنے کے لئے پکا مگر جرات نہ ہوئی بلکہ  
بن انس نے دانت میں کر کہا ”خدا تیرے ہاتھ شل کر لے!“  
پھر جوش سے اتر آ۔ آجکو ذبح کیا اور سر، تن سے جدا کر لیا!  
جعفر بن محمد بن علی سے مروی ہو کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ  
آپ کے جسم پر نیزے کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے!

سنان بن انس قاتل کے دماغ میں کسی قدر نفور تھا قتل کے وقت  
اس کی عجیب حالت تھی۔ جو شخص بھی حضرت کی نفس کے قریب  
آتا، وہ اس پر حملہ آور ہوتا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کوئی دوسرا ان کا سر  
کاٹ نہ لے جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خوشی بن زید امصی کے  
حوالہ کیا اور خود عمر بن سعد کے پاس دوڑا گیا۔ خیمہ کے سامنے  
کھڑا ہو کر چلایا:

اور قتل کا بی فتنہ دوسرا  
تھے چاندی سونے سے لادو۔ میں نے بڑا بادشاہ مارا ہو!  
قتل خیر الناس الامار! و غیرم از سببوں نسبا  
میں نے اسے قتل کیا جو مجھے اس باپ سے افضل ہیں اور جو اپنے نسب میں  
ب سے اچھا ہوتا  
عمر بن سعد نے اسے اندھ لالیا۔ بہت ڈھکا ہوا۔ کہنے لگا ”اے  
تو مجھوں ہو!“ پھر اپنی لکڑی سے اسے مار کر کہا ”پاگل! ایسی بات  
کہتا ہو۔ بخدا اگر سیدہ بن زیاد اٹھتا تو مجھے ابھی مروا ڈالتا!“  
(ابن جریر)

لوٹ کھسٹ  
قتل کے بعد کوفیوں نے آپ کے بدن کے کپڑے تک اتار لئے  
پھر آپ کے خیہ کی طرف بڑھیں۔ زمین انعام بن بستر پر بار پڑے  
تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پود چلا اور کہنے لگا ”اے  
بھی کیوں نہ قتل کر ڈالیں؟“ لیکن اس کے بعض ساتھیوں نے  
مخالفت کی۔ کہا ”میکھا کیوں کبھی مار ڈالو گے؟“ اس نے انہیں  
عمر بن سعد ہی اٹھایا اور حکم دیا ”کوئی عورتوں کے خیہ میں نہ گھسے۔  
اس سبارک کو کوئی نہ چھیڑے جس کسی نے خیہ کا کوئی اسباب لڑا ہو  
واپس کر دے“ زمین انعام بن نے یہ سن کر اپنی بیاہر آواز سے کہا  
”عمر بن سعد! خدا تجھے جزا خیر سے اتیری زبان نے نہیں بچایا!“



حکم دیتا ہوں کہ جو کچھ کہتا ہے۔  
کیوں؟

اس نے کہ اُسے چوری کی ہے۔

اُس بد بخت نے چوری کیوں کی؟

اس نے کہ وہ انسان ہو، اور انسان بھوک کا عذاب برداشت نہیں کر سکتا۔ اس نے کہ وہ شہر ہے، اور شہر اپنی بیوی کو بھوک سے اڑیاں دگڑنے دیکھ نہیں سکتا۔ اس نے کہ وہ باپ ہو، اور باپ کی طاقت سے باہر ہے کہ اپنے بچوں کے اُن آسٹوں کا نظارہ کرے جو بھوک کی اذیت سے اُن کے معصوم چہروں پر رہے ہوں!

پھر اگر بدست انسان قید خانہ اور تازیانے کی سزا میں جیل کر بھی اس قابل نہیں ہو جاتا کہ بغیر غذا کے زندہ رہ سکے، تو "مقدس انصاف" اصلاح اور انسانیت کا آخری قدم اٹھاتا ہے، اور کہتا ہے بسے سولی کے تختے پر لٹکا دو! یہ گویا انسان کے پاس اُس کے اپنا دھن کی مصیبتوں اور شقاوتوں کا آخری علاج ہے!

یہ جو انسان کی شہری اور تمدن زندگی کا اخلاق اور خودی انسان کو برائی پر مجبور کرتا ہے اور خود ہی سزا بھی دیتا ہے۔ پھر ظلم اور بے رحمی کے اس تسلسل کو "انصاف" کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ اُس "انصاف" کے نام سے، جو دنیا کی سب سے زیادہ مشہور مگر سب سے زیادہ غیر موجود حقیقت ہے!

\*\*\*

چوتھی صدی ہجری کا بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر اور انسانی تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ انسانی آبادی و تمدن کے یہ تمام لازمی نتائج موجود ہوتے۔ گندگی میں کھیاں اور لؤل میں پھر کس تیزی سے پیدا نہیں ہوتے، جس تیزی سے شہروں کی آب و ہوا جرم اور جرموں کو پیدا کرتی ہے۔ بغداد کے قید خانے جرموں سے بھرے ہوئے تھے۔ پھر بھی اسکی آبادی میں جرموں کی کوئی کمی نہ تھی!

\*\*\*

بغداد میں آج کل جس طرح حضرت شیخ قتیبہ بغدادی کی زندگی و زندگی کی شہرت ہو، اسی طرح ابن سابط کی چوری اور عیاری بھی مشہور ہے۔ پہلی شہرت نیکی کی ہے۔ دوسری بدی کی۔ دنیا میں بدی، نیکی کی ہر جزئی طرح، اُس کی شہرت کا بھی مقابلہ کرنا چاہتا ہے اگرچہ نہیں کر سکتی۔

دس برس سے ابن سابط مدائن کے محبس میں قید ہے۔ اُس کے خوفناک حلوں سے لوگ محفوظ ہو گئے ہیں۔ تاہم اسکی عیاری اور بے باکیوں کے انسانے لوگ بھولے نہیں۔ وہ جب کبھی کسی لڑا چوری کا حال سنتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں "یہ دوسرا ابن سابط ہے"۔ اس دس برس کے اندر کتنے ہی نئے ابن سابط پیدا ہو گئے مگر اب ابن سابط کی شہرت کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ بغداد والوں کی بول چال میں وہ جرم کا شیطان اور برائیوں کا عفریت تھا!

ابن سابط کے خاندانی حالات عوام کو بہت کم معلوم ہیں۔ جب وہ پہلی مرتبہ سونے انچا میں چوری کرتا ہوا گرفتار ہوا تو کوٹوالی میں اس کے حالات کی تفتیش کی گئی۔ معلوم ہوا یہ بغداد کا باشندہ نہیں ہے۔ اس کے ماں باپ طوس سے ایک قافلہ کے ساتھ آئے تھے۔ راہ میں بیمار پڑے اور مر گئے۔ قافلہ والوں کو رحم آیا اور اپنے ساتھ بغداد پہنچا دیا۔ یہ اب سے دس برس پیش کی بات ہے۔ یہ دس برس اسے کہاں اور کیوں بکرتے؟ اور کمال کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ مگر تاریخی وقت اُس کی عمر مزید نہ سولہ برس کی

تھی۔ کوٹوالی کے چوتھے پر لٹا کر تازیانے اسے گئے اور چھوڑ دیا گیا۔

اس پہلی سزائے اس کی طبیعت پر کچھ عجیب طبع کا اثر ڈالا۔ وہ اب تک ایک ڈرا سہما کم سن لڑکا تھا۔ اب اچانک ایک دلیرانہ بے باک جرم کی روح اُس کے اندر پیدا ہو گئی۔ گویا اُس کی تمام شقاوتیں اپنے ظلوں کے لئے تازیانے کی ضرب کی منتظر تھیں۔ مجراۃ اعمال کے تمام بھید اور بدیوں گناہوں کے تمام مخفی طریقے جو کبھی اُس کے ہم دکان میں بھی نہیں گزرتے تھے، اب اس طرح اُس پر کھل گئے، گویا ایک تجربہ کار اور شائق جرم کا داغ اُس کے سر میں اتار دیا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے اندر وہ ایک بچہ عیا اور ایک چھٹا ہوا جرم انسان تھا!

اب وہ چھوٹی چھوٹی چوریاں نہیں کرتا تھا۔ پہلی مرتبہ جب اُسے چوری کی تھی، تو درودن کی بھوک اُسے نان بائی کی دکان پر لے گئی تھی۔ لیکن اب وہ بھوک سے بے بس ہو کر نہیں بلکہ جرم کے ذوق سے دارفہ ہو کر چوری کرتا تھا۔ اس لئے اُس کی بچاؤں نان بائی کی روٹیوں پر نہیں بلکہ ضرافوں کی بھیلیوں اور سودا گروں کے ذخیروں پر پڑتی تھیں۔ دن ہو رات، بازار کی منڈی ہو بازار کا دیوانہ، ہر وقت اور جگہ اُس کی کارستانیاں جاری رہتی۔ اُس کے اندر ایک فاسخ کا جوش تھا، سپر سالار کا سا غم تھا، اسکی کی مردانگی تھی، مگر کی سی دانشمندی تھی، لیکن دینا اُس کے لئے یہی پسند کیا کہ وہ بغداد کے بازاروں کا چور ہو۔ اس لئے اُس کی فطرت کے تمام جوہر اسی راہ میں نمایاں ہونے لگے۔ افسوس، نظرہ کس فیاضی سے بخشی ہو، مگر انسان کس بے دردی سے بڑا کر تا ہو!

\*\*\*

کچھ دنوں کے بعد جب ابن سابط کی دراز دیتاں حدیث پڑھ گئیں تو حکومت کو خط لکھتے کے ساتھ توجہ ہوئی۔ آخر ایک دن گرفتار کر لیا گیا۔ اب یہ ایک کم سن لڑکا تھا۔ شہر کا سب سے بڑا چور تھا۔ عدالت نے فیصلہ کیا کہ ایک ہاتھ کاٹ دالا جائے۔ فوراً تعین ہوئی، اور جلاد نے ایک ہی ضرب میں اسکی پہنی انگ کر دیا۔

ابن سابط کے ہاتھ کا کٹنا، کٹنا تھا، بلکہ سیکڑوں نئے ہاتھوں کو اُس کے شانے سے جوڑ دینا تھا۔ معلوم ہوتا ہے، دنیا کے سائے شیطان اور عفریت اس واقعہ کے انتظار میں تھے۔ جوئی اُس کا ہاتھ کاٹا، اُنھوں نے اپنے سیکڑوں ہاتھ اُس کے حوالے کر دیے۔ اب اُسے عراق کے تمام چور اور عیاری جمع کر کے اپنا اچھا خاصہ جہتا بنالیا اور نوبی ساز دسامان کے ساتھ لوٹ مار شروع کر دی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اُس کے دلیرانہ حملوں نے تمام عراق میں ہلکے بچا دیا۔ وہ قافلوں پر حملے کرتا، دیہاتوں میں ڈاکے ڈالتا، محل سراؤں میں نقب لگاتا، سرکاری خزانے لوٹ لیتا، اور پھر یہ سب کچھ اس ہوشیاری اور فرزانگی کے ساتھ کرتا کہ اُس پر اُسکے ساتھیوں پر کوئی آہن نہ آتی۔ ہر موقع پر صاف چکر لگاتا۔ لوگ جب اُس کے مجراۃ کارنامے سنتے تو دہشت و حیرت سے بہت رہ جاتے۔ "یہ ڈاکو نہیں جو جرم کی ایک جیت روح ہے۔ وہ انسان کو لوٹ لیتی ہے مگر انسان اُسے چھو نہیں سکتا!" یہ بغداد والوں کا متفقہ فیصلہ تھا!

\*\*\*

مگر ظاہر ہے، یہ حالت کب تک جاری رہ سکتی تھی؟ آخر وہ قوت آگیا کہ ابن سابط تیسری مرتبہ تالون کے بچے میں گرفتار ہو جائے۔ ایک موقع پر جب اُسے اپنے تمام ساتھیوں کو بھگالت بکالایا

تھا اور خود بھل بھاگنے کی تیاری کر رہا تھا، حکومت کے سپاہی چم گئے اور گرفتار کر لیا۔

اس مرتبہ وہ ایک مدین اور ڈاکو کی جیت میں گرفتار ہوا تھا اس کی سزا قتل تھی۔ ابن سابط نے جب بچھا کھلا دیکھا تو اُس پر چمک رہی ہو تو اس کے مجراۃ خصائل نے اچانک ایک دوسرے رنگ اختیار کر لیا۔ وہ تیار ہو گیا کہ اپنے بچاؤ کے لئے اپنے ساتھیوں کی جانیں قربان کرے۔ اُسے عدالت سے کہا۔ اگر اُسے قتل کی سزا نہ دی جائے تو وہ اپنے جیتے کے تمام چور گرفتار کر دے گا۔ عدالت نے منظور کر لیا۔ اس طرح ابن سابط خود تو قتل سے بچ گیا لیکن اُس کے منہ سے زیادہ ساتھی اُس کی نشان دہی پر روک کے لگھاٹ اُٹارے گئے! ابن سابط جرموں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو قتل ہونے سے پہلے ابن سابط کے نام پر لغت نہ لکھی ہو۔ اور بے وفائی ایسی برائی جو بے رحمی سے بھی سزا دی جاتی ہے۔ ابن سابط نے اپنے اس طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ جرم سے بھی بڑھ کر برائی کا کوئی ایک درجہ رکھتا تھا!

\*\*\*

بہر حال اب ابن سابط مدائن کے قید خانہ میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔ اُس کی آخری گرفتاری دس برس اُس کے پچیس برس کا زمانہ اس کے لئے کم مدت نہیں ہے کہ ایک جرم کی سزا کا زمانہ بھلا دی جائیں، لیکن ابن سابط جیسے جرم کے کا زمانے مدتوں تک نہیں بھلائے جاسکتے۔ دس برس گزرتے پر بھی اُسے دلیرانہ جرم کا ذکر پھر پھلکی زبان پر ہے۔ لوگوں کو یہ بات تو بھی بھولے سے بھی یاد نہیں آتی کہ ابن سابط ہے کہاں اور کب حالات میں؟ کیونکہ یہ معلوم کرنے کی اُنھیں ضرورت بھی نہیں ہے۔ البتہ وہ اُس کے دلیرانہ کارنامے بھولنا نہیں چاہتے، کیونکہ اس تذکرہ میں اُن کے لئے لطف اور دلچسپی ہے۔ انہیں ابن سابط کی کہیں اپنی دلچسپیوں کی فکر ہے!

\*\*\*

انسان کی بے مہربانی کی طرح اُس کی دلچسپیوں کا بھی کیا حال ہے؟ وہ عجیب عجیب اور غیر معمولی باتیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے، لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کی دلچسپی کا یہ ناشائستگی کسی مصیبتوں اور شقاوتوں کی پیدائش کے بعد ظہور میں آسکا ہے؟ اگر ایک چور دلیری کے ساتھ چوری کرتا ہو تو یہ اُس کے لئے بڑی ہی دلچسپی کا واقعہ ہے۔ وہ اُس کی صورت دیکھنے کے لئے بیقرار ہوتا ہے۔ وہ گھنٹوں اُس پر رائے زنی کرتا ہے اور وہ تمام اخبار خرید لیتا ہے جو جن میں اُس کی تصویر چھپی ہو یا اُس کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ لیکن اس واقعہ میں چور کے لئے کبھی شقاوت ہے؟ اور جس سیکین کا مال چوری کیا ہو اُس کے لئے کسی مصیبت ہے؟ اس کے سوچنے کی وہ کبھی زحمت گوارا نہیں کرتا!

اگر ایک مکان میں آگ لگ جائے تو انسان کے لئے یہ بڑا ہی دلچپ نظارہ ہوتا ہے۔ سارا شہر اسٹ آہو جس کسی کو دیکھو بے تحاشا دوڑا جاتا ہے لوگ ابن سابط کے شوق میں اپنا کھانا پیانا تک بھول جاتے ہیں اگرچہ زندہ انسانوں کے چھلے ہوئے چہرے آگ کے شعلوں کے اندر غور ہو جائیں اور ان کی چھین اتنی بلند ہوں کہ دیکھنے والوں کے کانوں تک پہنچ سکیں، تو پھر ابن سابط کی دلچسپی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہے، تماشائیوں کی نظرہ میں مجنوں ہو کر ایک دوسرے پر ٹکرنے لگتے ہیں۔ لیکن انسانی دلچسپی کے اس جنمی منظر میں اُس مکان اور اُس کے کنوین کے لئے کسی ہلاکت اور تباہی ہے؟ اور جان الم کی کسی ناک



نے اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔

اندرنی جذبات کے ہیجان اور برونی فعل کی بے سود ممت نے ابن سابط کو بہت جلد تھکا دیا۔ وقت کی کمی، عمل کا قدتی خوف، مال کی گرانی، محنت کی شدت، اور فائدہ کی قلت، اس کے داغ کے لئے تمام مخالفت تاثرات جمع ہو گئے تھے۔

اجانک وہ چونک اٹھا۔ اس کی تیز قوت ساعت نے کسی کے قدموں کی نرم آہٹ محسوس کی۔ ایک لمحہ خاموشی رہی پھر ایسا محسوس ہوا، جیسے کوئی آدمی دروازہ کے پاس کھڑا ہو۔ ابن سابط گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا، مگر قبل اس کے کہ وہ کوئی حرکت کر سکے، دروازہ کھلا اور روشنی نمایاں ہوئی خوف اور دہشت سے اس کی خون غم ہو گیا۔ جہاں کھڑا تھا، وہیں قدم گڑ گئے۔ نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک شخص کھڑا ہو۔ اس کے ایک ہاتھ میں شعلوں جیڑ اور اسے اس طرح ادا چکار رکھا کہ کمرے کے تمام حصے روشن ہو گئے ہیں۔

اس شخص کی وضع قطع سے اس کی شخصیت کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ لکھے رنگ کی ایک لمبی عبا اس کے جسم پر تھی جسے کمرے کے پاس ایک موٹی رسی لپیٹ کر جم چڑھ کر لیا تھا۔ سر پر سیاہ فلسفہ (دلی) دیوار کی لٹی تھی، اور اس قدر کشادہ تھی کہ اس کے کنارے دیواروں کے قریب تک پہنچ گئے تھے۔ جسم نہایت نحیف تھا۔ اتنا نحیف کہ صوت کی موٹی عبا پہننے پر بھی اندر کی ابھری ہوئی ٹہریاں صاف دکھائی دے رہی تھیں، اور قد کی درازی نے جس کمرے کے پاس خفیف سی خمد کی پیدا ہوئی تھی، یہ مخافت اور زیادہ نمایاں کر دی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جسم کی اس غیر معمولی مخافت کا کوئی اثر اس کے چہرہ پر نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا کہ جسم کھلے پر بھی اس کا چہرہ کچھ عجیب طرح کی تاثیر دیکر رانی رکھتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہڈیوں کے ایک ڈھانچے پر ایک شاندار اور دلاویز چہرہ جوڑ دیا گیا ہو۔ رنگت زرد تھی، رخسار بے گوشت تھی، چہان تنومندی کا نام و نشان نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی چہرہ کی مجموعی ہیئت میں کوئی ایسی شاندار چیز تھی کہ دیکھنے والا محسوس کرتا تھا، ایک نہایت طاقتور چہرہ اس کے سامنے ہو۔ خصوصاً اس کی نگاہیں ایسی روشن، ایسی مطمئن، ایسی ساکن تھیں، کہ معلوم ہوتا تھا، دنیا کی ساری راحت اور سکون انہی دو حلقوں کے اندر سما گئی ہو!

چند لمحوں تک یہ شخص شمع انچی کے ابن سابط کو دیکھتا رہا پھر اس طرح آگے بڑھا، گویا اسے جو کچھ سمجھتا تھا، سمجھ چکا ہو۔ ہاں کے چہرہ پر ہلکا سا زیر لب تبسم تھا۔ ایسا دلاویز اور شیریں تبسم جس کی موجودگی انسانی روح کے سامنے اضطراب اور خوف دور کر دے سکتی ہو۔ اسے شمعندان ایک طرف رکھ دیا، اور ایک ایسی آوا میں جو شفقت و ہمدردی میں ڈوبی ہوئی تھی، ابن سابط کو کہا: ”میرے دوست! تم پر خدا کی سلامتی ہو۔ جو کام تم کو راجا بنا رہا ہو، یہ بغیر روشنی اور ایک ذوق کے انجام نہیں پاسکتا۔ دیکھو، یہ شمع روشن ہو اور میں تمہاری دفاقت کے لئے موجود ہوں۔ روشنی میں ہم دونوں اطمینان اور سہولت کے ساتھ یہ کام انجام دے لیں گے۔“

وہ ایک لمحہ کے لئے رکا۔ جیسے کچھ سوچو لگا ہو پھر اٹھنے کہا: ”مگر میں تمہارا بہت تھک گئے ہو۔ تمہاری پیشانی پرینہ سے ٹرہ رہی ہے۔ یہ گرم موسم، بدکردار، تاریکی اور تاریکی میں ایسی

کے ساتھ جھرت سناں مجرموں ہی کے قدموں میں ہو سکتی ہو، اندھ چلا گیا۔ اندر جا کر بیٹھا تو ایک وسیع ایوان (ہال) تھا۔ لیکن سامانِ حیات و زینت میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی قیمتی اشیاء کا نام و نشان نہ تھا۔ صرف ایک کچھو کے پتوں کی پرانی چٹائی بچھی تھی، اور ایک طرف چڑے کا ایک نکیہ پڑا تھا۔ البتہ ایک گوشہ میں پشینہ کے موٹے کپڑے کے بہت سے تھان اس طرح بے ترتیب پڑے تھے۔ گویا کسی نے جلدی میں پھینک لئے ہیں اور ان کے قریب ہی بھڑکی کھال کی چند ٹہریاں بھی پڑی تھیں۔ اس سے مکان کی موجودات کا یہ پورا جائزہ کچھ تو اپنی اندریری میں دیکھ لینے والی آنکھوں سے لے لیا تھا اور کچھ اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر۔ لیکن اس کا ہاتھ ایک ہی تھا۔ یہ بغداد والوں کی بول چال میں ایک ہاتھ کا شیطان تھا جواب پھر قید و بند کی زنجیریں ٹوڑ کر آزاد ہو گیا ہو!

دش برس کی قید کے بعد آج ابن سابط کو سلی مرتبہ موقع ملا تھا کہ اپنے دلپسند کام کی جستجو میں آزادی کے ساتھ بچھے۔ جب اس نے دیکھا، اس مکان میں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے، اور یہ پلہا تم بیکار ثابت ہوگا، تو اس کے تیز اور بے لگام جذبات سخت مشتعل ہو گئے۔ وہ دل ہی دل میں اس مکان کے رہنے والوں کو گالیاں دینے لگا۔ جو اپنے مکان میں رکھنے کے لئے قیمتی اشیاء و فراہم نہ کر سکے۔ ایک مفلس کا افلاس خود اس کے لئے اس قدر درد انگیز نہیں ہوتا جس قدر اس چوے کے لئے جو رات کے پچھلے پیرال دولت تلاش کر رہا ہو پہنچا ہو۔ اس میں شک نہیں، پشینہ کے بہت سے تھان یہاں موجود تھے اور وہ اتنے ہی موٹے اور ادنیٰ قسم کے کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی انہی قیمت رکھتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ ابن سابط تنہا تھا۔ اور صرف تنہا ہی نہیں تھا بلکہ دو ہاتھوں کی جگہ صرف ایک ہاتھ رکھتا تھا۔ وہ ہزار ہرت کرتا، مگر اتنا بڑا اور بھرا اس کے بھٹالے سے بھل نہیں سکتا تھا۔ وہ تھا لوں کی موجودگی پر متعزز نہ تھا۔ ان کے دواہ کی گرانی اور اپنی مجبوری پر متاسف تھا۔ اتنی دینی چیز جو راکر لجا۔ آسان نہ تھا! ”ایک ہزار لغت کرخ اور اس کے تمام باشندوں پر“ وہ اندر ہی اندر بڑبڑانے لگا۔ ”میں معلوم یہ کہ ان میں سے جو جسے یہ ملعون تھان جمع کر سکے ہیں؟ غالباً کوئی تاجر ہو۔ لیکن یہ عجیب طرح کا تاجر ہو جسے لغت میں تجارت کرنے کے لئے اور کوئی چیز نہیں ملی۔ اتنا بڑا مکان بنا کر اس میں گدہوں اور بچوں کی جھول بنانے کا سامان جمع کر دیا“ اس نے اپنے ایک ہی ہاتھ سے ایک تھان کی ٹٹول ٹٹول کر بائیش کی ”بھلا یہ ملعون بوجھ کس طرح اٹھایا جاسکتا ہو؟ ایک تھان کے اٹھانے کے لئے گن کر دس گدے ساتھ لائے جائیں“ لیکن ہر حال کچھ نہ کچھ کا ضروری تھا۔ رات جاری تھی، اور اب وقت نہ تھا کہ دوسری جگہ لٹائی جاتی۔ اس نے جلدی سے ایک تھان کھولا اور اسے فرش پر بچھا دیا۔ پھر کشش کی زیادہ سے زیادہ تھان جو اٹھائے جاسکتے ہیں اٹھا لے۔ شکل بھی کمال کم قیمت مگر بہت زیادہ وزنی تھا۔ کم لٹا ہو تو بیکار ہو۔ زیادہ لٹتا ہو تو بوجھ نہیں سکتا۔ عجیب طرح کی کش کش میں گرفتار تھا۔ ہر حال کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ طے ہوا، لیکن اب دوسری مشکل پیش آئی۔ صرف سا کپڑا اچھڑا ہوا تھا۔ اسے ٹرور و دیگر گرو لگا آسان نہ تھا۔ دو ہاتھوں سے بھی یہ کام مشکل تھا چہ جائے کہ ایک ہاتھ سے؟ بلاشبہ اس کے پاس ہاتھ کی طرح پاؤں ایک نہ تھا۔ وہ تھے۔ لیکن وہ بھاگنے میں مدد دے سکتے تھے صوت کی گھڑی باندھنے کے لئے سو سو نہ تھے۔ اس نے بہت سی تجویزیں سوچیں، طرح طرح کے تجربے کو دانتوں سے کھام لیا۔ کٹی ہوئی کٹی سے بہرا دیا۔ لیکن کسی طرح بھی گھڑی میں گرو نہ لگ سکی، وقت کی مصیبتوں میں تاریکی کی بہت

بربادیوں کے بعد آگ اور موت کی یہ ہولناک دلچسپی جو دیر لگی ہوئی تھی اس بات کے سوچنے کی نہ تو لوگوں کو فرصت ملتی تھی۔ نہ وہ سوچنا چاہتے ہیں!

اگر انسان کے اپنا جنس میں سے ایک بہت مخلوق مٹوئی کے تختہ پر لٹکا دیا جائے، تو یہ ان تمام نظاروں میں سے جن کے دیکھو کا انسان شائق ہو سکتا ہو، سب زیادہ دلکش نظارہ ہوتا ہو۔ اتنا دلکش نظارہ کہ کھٹوں کھڑے رہ کر لکھتی ہوئی نقش دیکھتا رہا ہو مگر اس کی سیری نہیں ہوتی۔ لوگ درختوں پر چڑھ جاتے ہیں، ایک دوسرے پر گر کر لٹکتے ہیں، صفیں چیر چیر کر نکل جانا چاہتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ اپنے ایک ہم جنس کو جانتی کسی میں تڑپتے اور پھر ہوا میں معلق جھولتے دیکھ لینے کی لذت حاصل کر لیں! لیکن جن انسان کے پھانسی پانے سے انسانی نظارہ کا یہ سب زیادہ دلکش تماشا وجود میں آیا، خود اس پر کیا اثر دے؟ اور کیوں وہ اس شخص اور شرمناک موت کا سختی ٹھرا؟ سیکڑوں ہزاروں تماشاخیوں میں سے ایک کا ذہن بھی اس غیر ضروری اور غیر دلچسپ پہلو کی طرف نہیں جاتا!

تیسرا حصہ

گرمیوں کا موسم ہو۔ آدھی رات گر چکی ہو۔ مہینہ کی آخری رات ہیں۔ بغداد کے آسمان پر ستاروں کی مجلسِ شینہ آراستہ ہو کر چاند کے برآمدہ ہونے میں ابھی دیر ہو۔ دجلہ کے پار کرخ کی تمام آبادی نیند کی خاموشی اور رات کی تاریکی میں گم ہو۔

اجانک تاریکی میں ایک متحرک تاریکی نمایاں ہوئی۔ سیاہ لہا لہے میں ایک پٹا ہوا آدمی خاموشی اور آہستگی کے ساتھ جا رہا ہے۔ وہ ایک گلی سے ٹکر دوسری گلی میں پہنچا، اور ایک مکان کے سامان کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اب اس نے سانس لی۔ گویا یہ مدت کی بند سانس تھی جسے اب آزادی سے ابھرنے کی ہمت ملی ہو۔ پھر اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی ”یقیناً تین پہرات گر چکی ہو“ وہ اپنے دلیس کہنے لگا۔ ”مگر کیا بظنی ہو کہ جس طرف رخ کیا انکا ہی ہی ہوئی۔ کیا پوری رات اسی طرح ختم ہو جائے گی؟“

یہ خوفناک ابن سابط جو خود جس برس کی طویل زندگی قید خانہ میں بسر کر کے اب کسی طرح بخل بھاگا ہو، اور بچنے کے ساتھ ہی اپنا قدیم پیشہ از سر نو شروع کر رہا ہو۔ یہ اس کی نئی محروم زندگی کی پہلی رات ہو، اس لئے وقت کے بے تجربہ ضائع جانے پر اس کا بے صبر دل سج دھاب کھا رہا ہو۔

اس نے ہر طرف کی آہٹ ملی۔ زمین سے کان لگا کر دودھ کی صداؤں کا جائزہ لیا، اور مطمئن ہو کر آگے بڑھا۔ کچھ دیر چکر اٹوٹھا ایک احاطہ کی دیوار دودھ تک پہنچی جو اور وسط میں بہت بڑا پھاٹک ہو۔ کرخ کے اس علاقہ میں زیادہ تر امراء کے باغ تھے، یا سوداگروں کے گودام تھے۔ اس نے خیال کیا یہ احاطہ تو کسی امیر کا باغ ہو، یا کسی سوداگر کا گودام۔ وہ پھاٹک کے پاس پہنچ کر رکا گیا اور سو سوچنے لگا، اندر کیونکر جائے؟ اس نے آہستگی سے دروازہ پر ہاتھ رکھا، لیکن اسے نہایت تعجب ہوا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا صرف بٹھا ہوا تھا۔ ایک سگد کے اندر ابن سابط کے قدم احاطہ کے اندر پہنچ گئے۔

اس نے دلیس سے قدم آگے بڑھایا تو ایک وسیع احاطہ نظر آیا اس کے مختلف گوشوں میں جھوٹے چھوٹے جھربے بنے تھے اور وسط میں ایک لمبے بڑی عمارت تھی۔ یہ درمیانی عمارت کی طرف بڑا۔ عجیب بات ہو کہ اس کا دروازہ بھی اندر سے بند نہ تھا جھوٹے ہی کھل گیا۔ گویا وہ کسی کی آگاہی منتظر تھا۔ یہ ایک ایسی بے باکی

سخت محنت، افسوس، انسان کو اپنے رزق کے لئے کیسی کبھی نصیب برداشت کرنی پڑتی ہیں! دیکھو، یہ چٹائی بھی ہو۔ یہ چڑھے کا کتیرے میں بسے دیوار کے ساتھ لگا دیتا ہوں۔ اُسے نکیہ دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دیا۔ بس ٹھیک ہو۔ اب تم اطمینان کے ساتھ ٹیک لگا کر یہاں بیٹھ جاؤ اور اچھی طرح سستو۔ اتنی دیر میں میں تمہارا ادھوا کام پورا کئے دیتا ہوں۔

اُس نے یہ کہا، اور ابن سابط کے کان جو پر زری سے ہاتھ رکھ کر اُسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر جب اُس کی نظر دوبارہ اُس کی عرف آلود پیشانی پر پڑی، تو اُس نے اپنی کمرے ردال کھولا اور اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالا۔ جب وہ پسینہ پونچھ رہا تھا تو اُس کی آنکھوں میں باپ کی سی شفقت اور ہاتھوں میں بھائی کی سی محبت کام کر رہی تھی!

صورت حال کے یہ تمام تغیرات اس تیزی سے ہلہو میں لگے کہ ابن سابط کا داغ غفل ہو کر رہ گیا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکا کہ معاملہ کیا ہے؟ ایک مدہوش اور بے ارادہ آدمی کی طرح اس نے اجنبی کے اشاروں کی تعمیل کی اور چٹائی پر بیٹھ گیا۔

اب اُس نے دیکھا کہ واقعی اجنبی نے کام شروع کر دیا ہے۔ اُس نے پہلے وہ گھڑی کھولی جو ابن سابط نے باندھنی چاہی تھی مگر میں بند تھی۔ پھر دو تھان کھول کر بچھا دئے اور جس قدر بھی تھان موجود تھے، ان سب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ میں زیادہ بچہ۔ ایک میں کم۔ پھر دونوں کی الگ الگ دو گھڑیاں باندھ لیں۔ یہ تمام کام اُس نے اس اطمینان اور سکون کے ساتھ کیا، گویا اس میں سے لے کر کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

پھر اچانک اُسے کچھ خیال آیا۔ اُس نے اپنی عبا آٹا ڈالی، اور اسے بھی گھڑی کے اندر رکھ دیا۔

اب وہ اٹھا اور ابن سابط کے قریب گیا: ”میرے دوست، تمہارے چہرے کی زبردستی سے معلوم ہوتا ہے کہ تم صرف تھکے ہوئے ہی نہیں ہو بلکہ بھوکے بھی ہو۔ بہتر ہوگا کہ چلنے سے پہلے دو دو کا ایک پیالہ لو۔ اگر تم چند لمحے انتظار کر سکو تو میں دو دھلے آؤں۔ اُسے کہا، جبکہ اُس کے پرشکوہ چہرہ پر بدستور مسکراہٹ کی دلا دہری موجود تھی۔ لیکن نہ تھا کہ اس مسکراہٹ سے انسانی قلب کے تمام اضطراب محو نہ ہو جائیں۔

قبل اس کے کہ ابن سابط جواب دے، وہ تیزی کے ساتھ گویا، اور ہر نکل گیا۔

اب ابن سابط اٹھنا تھا۔ لیکن تنہا ہونے پر بھی اس کے قدموں میں حرکت نہ ہوئی۔ اجنبی کے طرز عمل میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے اس کے اندر خوف پیدا ہوتا۔ وہ صرف تھکا اور مہسوتا تھا!

اجنبی کی ہستی اور اُس کا طور طریقہ ایسا عجیب و غریب تھا کہ جب تک وہ موجود رہا، ابن سابط کو خیر و ناخیر نے سوچنے سمجھنے کی ہمت ہی نہ دی۔ اجنبی کی شخصیت کی تاثیر سے اس کی دائمی شخصیت منسوب ہو گئی تھی۔ لیکن اب وہ تنہا ہوا، تو آہستہ آہستہ اُس کا داغ اپنی اصلی حالت پر واپس آنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام داغی خصائل پوری طرح اُبھر آئے، اور وہ اُسی روشنی میں معاملات کو دیکھنے لگا جس روشنی میں دیکھنے کا ہمیشہ سے عادی تھا۔ وہ جب اجنبی کا جسم چہرہ اور دہن از صدائیں یاد کرتا، تو شک اور خوف کی جگہ اُس کے اندر ایک ایسا ناقابل فہم جذبہ پیدا ہوتا تھا جو آج تک اُسے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ لیکن پھر جب وہ سوچتا

کہ اس تمام معاملہ کا مطلب کیا ہے؟ اور یہ شخص جو کون؟ تو اس کی عقل حیران رہ جاتی اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اُس نے اپنے دل میں کہا: ”یہ تو قطعی ہے کہ یہ شخص اس مکان کا مالک نہیں ہے۔ مکان کے مالک کبھی چوروں کا اس طرح استقبال نہیں کیا کرتے۔“

..... مگر یہ شخص جو کون؟ .....  
اچانک ایک نیا خیال اُس کے اندر پیدا ہوا۔ وہ ہنسنا شروع ہو گیا۔ یہ بھی کیا احمق ہوں۔ یہ بھی کوئی سوچنے اور حیران ہونے کی بات تھی؟ معاملہ بالکل صاف ہے۔ تعجب جو مجھے پہلے کیوں خیال میں ہوا؟ یقیناً یہ بھی کوئی سیرا ہی ہمیشہ آدمی ہے، اور اسی نواح میں رہتا ہے۔ اتفاقات نے آج ہم دونوں چوروں کو ایک ہی مکان میں جمع کر دیا۔ چونکہ یہ اسی نواح کا آدمی ہے، اس لئے اس مکان کے تمام حالات سے واقف ہوگا۔ اُسے معلوم ہوگا کہ آج مکان کے دھنوں سے خالی ہے اور یہ اطمینان کام کرنے کا موقع ہے۔ اسی لئے وہ روشنی کا سامان ساتھ لے کر آیا۔ لیکن جب دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو آمادہ ہو گیا کہ میرا ساتھ لے کر ایک حصہ کا حصہ ناجائز ہے۔“

وہ ابھی سوچ رہا تھا کہ دروازہ کھلا، اور اجنبی ایک لکڑی کا بڑا پیالہ ہاتھ میں لئے نمودار ہو گیا۔

”یہ لو، میں تمہارے لئے دو دھلے آیا ہوں۔ بس پی لو۔ یہ بھوک اور پیاس، دونوں کے لئے معینہ ہوگا۔ اُسے کہا، در پیالہ ابن سابط کو پکڑا دیا۔ ابن سابط واقعی بھوکا پیاسا تھا۔ بلا آمل منہ کو لگا لیا اور ایک ہی مرتبہ میں ختم کر دیا۔

اب اُسے معاملہ کی فکر ہوئی۔ اتنے دیر کے وقفے اُس کی طبیعت بجال کر دی تھی

”دیکھو، اگرچہ میں تم سے پہلے یہاں پہنچ چکا تھا اور ہاتھ لگا چکا تھا، اور اس نے ہم لوگوں کے قاعدہ کے بموجب تمہارا کوئی حق نہیں، لیکن تمہاری ہشیاری اور مستعدی دیکھ لینے کے بعد مجھے کوئی تاثر نہیں کہ تم بھی اس لال میں شریک کیے لوں۔ اگر تم پسند کر دو گے تو میں ہمیشہ کے لئے تم سے معاملہ کروں گا۔ لیکن دیکھو میں تم سے دیتا ہوں کہ آج جو کچھ بھی یہاں سے لے جائیں گے، اُس میں تم برابر کا حصہ نہیں پاسکے، کیونکہ وہ اس آج کا میرا ہی کام تھا۔ اُس نے صاف آواز میں کہا۔ اُس کی آوازیں اب ناگزیر نہیں تھا۔ حکم تھا۔

اجنبی مسکرایا۔ اُس نے ابن سابط پر ایک ایسی نظر ڈالی جو اگرچہ شفقت و مہربانی سے خالی نہ تھی، لیکن اس کے علاوہ بھی اس کی کوئی چیز تھی۔ لیکن ابن سابط سمجھ نہ سکا۔ اُس نے خیال کیا۔ شاید یہ شخص اس طرح تقسیم پر قائم نہیں ہے۔ اچانک اُس کی آنکھوں میں اُس کی خوفناک مجرمانہ زندگی چھل اٹھی۔ وہ غصہ سے مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا:

”بے وقوف، چپ کیوں ہو؟ یہ نہ سمجھنا کہ دو دھلے کا ایک پیالہ پلا کر اور چینی چھری بائیں کر کے تم مجھے حق بنا لو گے۔ تم نہیں تو میں کون ہوں۔ مجھے کوئی حق نہیں بنا سکتا۔ میں ساری دنیا کو احمق بنا چکا ہوں۔ لو۔ اسپر راضی ہو یا نہیں؟ اگر نہیں ہو تو.....“

لیکن ابھی اُس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اجنبی کے لب متحرک ہوئے۔ اب بھی اُس کے لبوں سے اُس کی مسکراہٹ نہیں ہٹتی:

”میرے عزیز دوست! کیوں بلاوجہ اپنی طبیعت آزرہ کرتے

ہو؟ آؤ یہ کام جلد بنائیں جو ہمارے سامنے ہے۔ دیکھو میں نے دو گھڑیاں باندھ لی ہیں۔ ایک چھوٹی ہو۔ ایک بڑی ہو۔ تمہارا ایک ہاتھ ہو اس لئے تم زیادہ بوجھ نہیں سنبھال سکتے۔ لیکن میں دونوں ہاتھوں سے سنبھال لوں گا۔ چھوٹی گھڑی تم اٹھاؤ۔ بڑی میں اٹھالیتا ہوں۔ باقی رہا میرا حصہ جس کے خیال کے تعین اتنی آسانی ہوئی ہے، تو میں بھی نہیں چاہتا۔ اس وقت اُس کا فیصلہ کر اؤں۔ تم نے کہا ہے کہ تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر سکتے ہو۔ مجھے بھی ایسا ہی معاملہ پسند ہے۔ میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کرو۔

”ہاں، اگر یہ بات ہے تو پھر سب کچھ ٹھیک ہے۔ تمہیں بھی معلوم نہیں میں کون ہوں؟ بڑے ملک میں تمہیں مجھ سے بہتر کوئی سزا نہیں مل سکتا۔ اُس نے بڑی گھڑی کے اٹھانے میں سبکی کو مدد دیتی ہوئے کہا۔

یہ گھڑی اس قدر بھاری تھی کہ ابن سابط اپنی حیرانی نہ چھپا سکا۔ وہ اگرچہ اپنے نئے ذوق کی زیادہ جرات افزائی کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی اُس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا:

”دوست، تم دیکھتے ہیں تو بڑے فیلے پٹیلے ہو لیکن بوجھ اٹھانے میں بڑے مضبوط لگتے۔ ساتھ ہی اُس نے اچھ دل میں کہا۔ یہ جتنا مضبوط ہے، اتنا عقلمند نہیں ہے ورنہ اپنے حصے سے دست بردار نہ ہوجاتا۔ اگر آج یہ احمق نہ لجاتا تو مجھے سارا مال چھوڑ کر مرث

ایک دو تھانوں پر تنوعات کر لینی پڑتی۔“  
اب ابن سابط نے اپنی گھڑی اٹھائی جو بہت ہی لمبی تھی اور دونوں ہاتھ لگے۔ اجنبی کی چٹھی جس پہلے سے ختم ہو چکی تھی اب گھڑی کے بوجھ سے بالکل ہی ٹھک گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں اتنا بھاری بوجھ اٹھا کر چلنا نہایت دشوار تھا۔ لیکن ابن سابط کو قدرتی طور پر بادی تھی۔ وہ بار بار حال کا اندازہ سے ہرگز کرنا کہ تیز چلو۔ اور چونکہ خود اُس کا بوجھ بہت ہلکا تھا، اس لئے خود تیز چلنے میں کسی طرقت کی دشواری محسوس نہیں کرتا تھا۔ اجنبی تعمیل کم کی پوری کوشش کرتا، لیکن اتنا بھاری بوجھ اٹھا کر دوڑنا انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اس لئے پوری کوشش کرنے پر بھی زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا، کئی مرتبہ ٹھوکریں لگیں، بار بار بوجھ گرتے گرتے رہ گیا، ایک مرتبہ اتنی سخت جھٹکا لگائی کہ قریب تھا کہ گر جائے۔ پھر بھی اُس نے رکنے یا سستالے کا نام نہیں لیا۔ بڑتا پڑتا اپنے ساتھی کے ساتھ بڑتا ہی رہا۔

لیکن ابن سابط اسپر بھی خوش نہ تھا۔ اُس نے پہلے تو ایک دو مرتبہ تیز چلنے کا حکم دیا۔ پھر بے تاثر لایوں پر اُتر آیا۔ پھر لمحہ کے بعد ایک سخت گالی دیتا اور کتا تیز چلو۔ اتنے میں جس درجہ آیا۔ یہاں چڑھائی تھی جسم کمزور اور تھکا ہوا، بوجھ بوجھ جاری؛ اجنبی سنبھل نہ سکا اور بے اختیار گر پڑا۔ ابھی وہ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اُس پر سے ایک سخت لوت پڑی۔ یہ ابن سابط کی لات تھی۔ اُس نے غضبناک ہو کر کہا: ”بھٹکے کے بیٹے! اگر اتنا بوجھ سنبھال نہیں سکتا تھا تو لا کر لایا کیوں؟“ اجنبی اٹھتا ہوا اٹھا۔ اُس کے چہرہ پر درد و شکایت کی جگہ شرمندگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ اُس نے فوراً گھڑی اٹھا کر پیچھے پر دھکی اور پھر روانہ ہو گیا۔

اب یہ دونوں شہر کے کنارے، ایک ایسے حصہ میں پہنچے جو بہت ہی کم آباد تھا۔ یہاں ایک ناقص عمارت کا ٹہرا اور شہر سے احاطہ تھا۔ ابن سابط اس احاطہ کے ایک جانب پہنچ کر رکن گیا

گپڑی،

”یہ چور نہیں تھا۔ مکان کا مالک تھا۔ لیکن اُس نے چور کو پکڑا اور سزا دلانے کی جگہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟“ اس ”کیا سلوک کیا؟“ کا جواب اُس کی صبح کے لئے نامو اور اُس کے دل کے لئے ایک دہکتا ہوا انگارہ تھا۔ وہ جن قدر سوچتا، روح کا زخم گہرا ہوتا جاتا، اور دل کی تیش بڑھتی جاتی۔ اس تمام عمر میں اجنبی کے آنچل پگڑا تھا، اُس کا ایک ایک واقعہ، ایک ایک حوت یاد کرتا، اور ہر بات کی یاد کے ساتھ ایک تازہ زخم کی چھین محسوس کرتا۔ جب ایک مرتبہ حافظہ میں یہ سرگزشت ختم ہو جاتی تو پھر نئے سرے سے یاد کرنا شروع کر دیتا، اور آخر تک پہنچ کر پھر ابتدائی طرف لوٹتا۔ ”میں اُس کے یہاں چوری کرنے کے لئے گیا تھا۔ میں چور تھا۔ میں اس کا مال متاع غارت کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اُسے بھی چور سمجھا۔ اُسے گالیوں میں بے رحمی تو ٹھوکر لگائی۔۔۔۔۔ مگر اُسے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟“ ہر مرتبہ اس آخری سوال کا جواب سوچتا اور پھر یہی سوال دہرانے لگتا۔

\*\*\*

”سوچ ڈوب رہا تھا۔ بغداد کی مسجدوں کے مناروں پر منبر کی اذان کی صدا میں بلند ہو رہی تھیں۔ ابن سابط بھی اب غوراً گوشہ میں اٹھا۔ چادر جسم پر ڈالی اور بغیر کسی جھجک کے اپنے کھلیا گیا۔ اب اس کے دل میں خوف نہیں تھا۔ کیونکہ خوف کی جگہ ایک دوسرے ہی جذبہ نے لے لی تھی!

وہ کرخ کے اُسی حصہ میں پہنچا جہاں رات گیا تھا۔ سارا دالے مکان کے پچانے میں اُسے کوئی وقت پیش نہیں کی مکان کے پاس ہی ایک لکڑی لٹکے ہوئے گھوڑا تھا یہ اُس کے پاس گیا اور پوچھا:

”یہ جو سامنے بڑا سا احاطہ ہو، اس میں کون جا رہا ہے؟“

”تاجر“ بڑھ کر اُسے نے تعجب کے ساتھ کہا ”معلوم ہوتا ہے تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو۔ یہاں تاجر کہاں سو آیا؟ یہاں تو شیخ جنید بغدادی رہتے ہیں“

ابن سابط اس نام کی شہرت سے بے خبر نہ تھا لیکن صورت آشنائے تھا۔

ابن سابط مکان کی طرف چلا۔ رات کی طرح اس وقت بھی دُعا کھلا تھا۔ بے رے تامل اندر چلا گیا۔ سامنے وہی رات والا ایوان تھا۔ یہ آہستہ آہستہ بڑھتا اور دروازہ کے اندر نگاہ ڈالی۔ وہی رات والی چٹائی بچھی تھی۔ رات والا تکیہ ایک جانب ہوا تھا۔ تکیہ سے سہارا لٹکے عجیب ”اجنبی“ بیٹھا تھا۔ تیس سو آدمی سامنے تھے۔ واقعی ”اجنبی“ تاجر نہیں تھا۔ شیخ جنید بغدادی تھے!

اتنے میں عشا کی اذان ہوئی لوگ اٹھ کھڑے ہوئے جب ب لوگ جا چکے تو شیخ بھی اٹھے جو بنی انھوں نے دروازہ کے باہر قدم رکھا، ایک شخص بے تاب بڑھتا اور قدوں پر گر گیا۔ یہ ابن سابط تھا۔ اُس کے دل میں سمندر کا تلاطم بند تھا۔ آنکھوں میں جو کبھی تر نہیں ہوئی تھیں جلد کی موتیں بھری تھیں۔ دیر تک کی رہیں گراں نہیں ک سکتی تھیں۔ آستوں کا سیلاب آجائے تو پھر دل کی کونسی کثافت ہو جاتی تو کتنی ہو؟

شیخ نے شفقت سے اُس کا سر اٹھایا یہ کھڑا ہو گیا گزرا نہ کھل سکی اور اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی؟ جب بنگاہوں کی زبان کھل جاتی تو تونہ کی زبان کی ضرورت باقی نہیں رہتی!

\*\*\*

اس واقعہ پر کچھ عرصہ گزر چکا ہے۔ شیخ احمد ابن سابط کا شہد دیدالطائف کے صلئے ارادت کے اُن افراد میں جو جو سب میں پیش

ہیں۔ وہ ہر کی گرمی نے ایروں کو تر خاؤں میں اور غریبوں کو دیواروں کے سائے میں بٹھا دیا تھا۔ اب دونوں بکھلے ہیں۔ ایک تفریح کے لئے، دوسرا زندگی کے لئے۔ لیکن ابن سابط کی وقت تک وہیں بٹھا ہوا تھا صبح بٹھا تھا۔ رات والی دونوں گھبرا سائے پڑی ہیں، اور اُس کی نظر اس طرح اُن میں گڑی ہوئی ہیں گویا اُن کی ٹانگوں کے اندر اپنے رات والے رفیق کو ڈھونڈ رہا ہے!

بارہ گھنٹے گزر گئے، لیکن جسم اور زندگی کی کوئی ضرورت بھی اُسے محسوس نہیں ہوئی۔ وہ جھوک جس کی خاطر اُسے اپنا ایک ہاتھ کٹوا تھا، اب اُسے نہیں ستاتی۔ وہ خوف جس کی وجہ سے صبح کی روشنی اُس کے لئے دنیا کی سب سے زیادہ نفرت انگیز چیز ہو گئی تھی، اب اُسے محسوس نہیں ہوتا! اُس کے دماغ کی ساری قوت صرف ایک نقطہ میں بٹھ آئی ہے۔ اور رات والے عجیب غریب ”اجنبی“ کی صورت ہے۔ وہ خود نو اُس کی نظروں سے اوچل ہوئی، مگر اُسے ایک ایسے عالم کی جھلک دکھادی، جواب تک اُس کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا!

اُس کی ساری زندگی گناہ اور سیہ کاری میں بسر ہوئی تھی اُس نے انسانوں کی نسبت جو کچھ دیکھا تھا، وہ بھی تھا کہ خود بھی کاٹلہ اور فتنہ پرستی کی مخلوق ہے۔ وہ نفرت سے مڑ پھرتا ہے، بے رحمی سے ہٹکارتا ہے، سخت سے سخت سزاؤں دیتا ہے، لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ محبت بھی کرتا ہے، اور اس میں فیاضی، بخشش، اور قربانی کی بھی روح ہو سکتی ہے۔ بچپن میں اُسے بھی خدا کا نام سنا تھا اور لوگوں کو خدا پرستی کرنے دیکھا تھا۔ لیکن جب زندگی کی کشمکش کا میدان سامنے کھلا تو اُس کا عالم ہی دوسرا تھا۔ مسٹر قدم اٹھا دیا اور حالات کی رفتار جس طرف لے گئی، بڑھ گیا۔ نہ تو خود اُسے کبھی مُملت ملی کہ خدا پرستی کی طرف توجہ ہوتا، اور نہ انسانوں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس کی کہ اُسے خدا سے آشنا کرتے۔ جون جو اُس کی شہادت پڑتی گئی، سوسائٹی اپنی سزا و عقوبت کی قدر بھی بڑھاتی گئی۔ سوسائٹی کے پاس اس کی شہادت کے لئے بے رحمی تھی، اس لئے یہ بھی دنیا کی ساری چیزوں میں سر صرف بے رحمی ہی کا خورگ ہو گیا۔

لیکن اب اچانک اُس کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا۔ آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہے۔ یہ جب چمکتا ہے تو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دُور ہو جاتی ہیں۔ اب یکایک اس سورج کی پہلی کرن ابن سابط کے دل کے تاریک گوشوں پر پڑی، اور وہ بیک دفعہ تاریکی سے بھلکر روشنی میں آ گیا۔

اجنبی کی شخصیت اپنی پہلی ہی نظریں اُس کے دل تک پہنچ چکی تھی، لیکن وہ جہالت و گمراہی اس کا مقابلہ کرتا رہا۔ اور حقیقت کے فہم کے لئے طیار نہیں ہوا۔ لیکن جو بنی اجنبی کے آخری الفاظ نے وہ پردہ ہٹا دیا جو اُسے اپنی آنکھوں پر ڈال لیا تھا، حقیقت اپنے پوری شان و تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہو گئی، اور اب اس کی نگاہ سے باہر تھا کہ اس تیر کے زخم سے سینہ بچا لے جاتا!

اُسے اپنی جہالت سے پہلے خیال کیا تھا۔ اجنبی بھی میری طرح کا ایک چور ہے، اور اپنا جھبہ لینے کے لئے میری رفاقت و اعانت کر رہا ہے۔ اُس کا ذہن یہ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ بغیر غرض اور استعمال کے ایک انسان دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کر سکتا ہے۔ لیکن جب اجنبی نے چلتے وقت بتلایا کہ وہ چور نہیں، بلکہ اسی مکان کا مالک ہے جس مکان کا مال متاع غارت کرنے کے لئے وہ گیا تھا، تو اُسے ایسا محسوس ہوا، جیسے یکایک ایک بجلی آسمان کو

اور اجنبی سے کہا کہ میں بوجھ آتا ہوں۔ پھر خود کو دکر اندر گیا اور اجنبی نے باہر سے دونوں گھڑیاں اندر بھینک دیں۔ اس کے بعد اجنبی بھی کو دکر اندر ہو گیا، اور دونوں عمارت کے اندر دنی حصہ میں پہنچ گئے۔ اس عمارت کے نیچے ایک پرانا سرداب (تہ خانہ) تھا جس میں ابن سابط نے قید خانے سے بھلکر بنیاد لی تھی۔ لیکن اس وقت وہ سرداب میں نہیں آتا۔ وہ نہیں چاہتا تھا۔ اجنبی پر ابھی اس دربارہ اعتماد کرے کہ اپنا اصلی محفوظ مقام کھلائے۔

جس جگہ یہ دونوں کھڑے تھے دراصل ایک ایسا تمام ایوان تھا یا تو اسپر پوری چھت پڑی ہی تھی، یا پڑی تھی تو اب نہ اور وقت کو تنگ سے ہو کر گڑبڑ تھی۔ ایک طرف بہت سے پتھروں کا ڈھیر تھا ابن سابط انہی پتھروں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ دونوں گھڑیاں سامنے دھری تھیں۔ ایک گوشہ میں اجنبی کھڑا ہوا ہاتھ دھو رہا تھا۔ کچھ دیر تک خاموش رہی۔

یکایک اجنبی بڑھا اور ابن سابط کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اب رات ختم ہونے پر کتنی بچھلی ہو گیا ہوا بند و بندہ تھا۔ کھلی چھت سے اُس کی دھیمی اور ظلمت کو روشنائیں ایوان کے اندر پھیل رہی تھیں۔ ابن سابط دیوار کے سائے میں تھا۔ لیکن اجنبی جو اُس کے سامنے آکر کھڑا ہوا تھا، اٹھک چاند کے مقابل تھا، اُس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ابن سابط دالے دیکھا کہ تاریکی میں ایک درخشاں چہرہ، ایک نورانی جسم، ایک پراسرار انداز نگاہ کی دلاویزی سامنے ہے!

”میرے عزیز دوست اور رفیق!۔۔۔ اجنبی نے اپنی اسی دلنوا اور شیریں آواز میں جو وہ گھنٹہ پہلے ابن سابط کو بخیر و صحت چلی گئی تھی، شروع کیا۔ میں نے اپنی خدمت پوری کر لی ہے۔ اب میں تم کو صحت ہوتا ہوں۔ اس کام کے کرنے میں مجھ سے جو کمزوری اور سستی ظاہر ہوئی اور اُس کی وجہ سے بار بار تمھیں پریشان خاطر ہونا پڑا۔ اُس کے لئے میں بہت شرمندہ ہوں اور تم سے معافی چاہتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے تم صفا کر دو گے۔ اس دنیا میں ہماری کئی بات بھی خدا کے کاموں سے اس قدر جلتی نہیں ہیں جس قدر یہ بات کہ تم ایک دوسرے کو معاف کر دین اور بخندیں۔ لیکن قبل اس کے کہ میں تم سے الگ ہوں، تمھیں بتلادینا چاہتا ہوں کہ میں وہ نہیں ہوں، جو تم نے خیال کیا ہے۔ میں اسی مکان میں رہتا ہوں جہاں آج تم سے ملاقات ہوئی تھی، اور تم نے میری رفاقت قبول کر لی تھی میری مادہ ہو کہ رات کو تھوڑی دیر کے لئے اُس کمرے میں جا یا کرتا ہوں جہاں تم بیٹھے تھے۔ آج آیا تو دیکھا، تم اندھیرے میں بیٹھے ہو اور تکلیف اٹھا رہے ہو۔ تم میرے گھر میں میرے عزیز مہمان بھی ہو، میں آج اس سے زیادہ تمھاری تواضع اور خدمت نہ کر سکا۔ تم میرا مکان بھی لیا ہے۔ آئندہ جب کبھی تمھیں ضرورت ہو، تم بلا تکلف اپنے رفیق کے پاس چلے آ سکتے ہو۔ خدا کی سلامتی اور برکت ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے!“

یہ کہا اور اُسکی سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر مصافحہ کیا، اور میری کے ساتھ بھلکر روانہ ہو گیا۔

اجنبی خود تو روانہ ہو گیا لیکن ابن سابط کو ایک دس گھنٹہ عالم میں پہنچا دیا۔ اب وہ مہبت اور مدھوش تھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ وہ اُس کی طرف تک رہی تھیں جس طرف سے اجنبی روانہ ہوا تھا، لیکن معلوم نہیں اُسے کچھ سوچا بھی دیتا تھا یا نہیں؟

\*\*\*

دو پہر دھل چکی ہے۔ بغداد کی مسجدوں سے جوق جوق نمازی پکھل رہی

• ————— •

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔ اس کے مالک نے سیاسی، علمی، ادبی، اور دینی افکار و عقائد پر جو انقلاب انگیز اقوات ڈالے، قریب ہے کہ مسند بل ہند کا موزن ان پر بحث ہونا اور ان کے اندر وہ عناصر و میلانات ڈھونڈنا جن سے ہندوستان کی مسند ۱۹۱۹ء کے بعد کی اجتماعی زندگی کی بنیاد پڑی ہوئی۔

اللہ لال انرجہ ایک ہفتہ وار مہرور رسالہ تھا " لیکن چونکہ وہ روز  
صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد تصور فرمادی تھی زوج  
پیدا کرکے چلتا تھا " اس لئے اس کا ہر نمبر " خدمات اسلام اور صحافت  
اذراق " " مجموعہ " اس نے ہر نمبر میں " خدمات ابواب " " ادب  
سیاست " ادبیات " علوم " فنون " اور معلومات عامہ کے حوالے دیے  
تھا کہ ہر ایک اپنی مخصوصیت کے لحاظ سے اپنی اظہار کیا کرتا  
تھا۔ پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طائفت  
آرتیب کا پہلا نمونہ تھیں اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں  
ہفت دنوں کے اندراج کا انتظام دیا گیا " اور ٹائپ میں چھپنے کی  
رحہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پندرہویں چھپائی میں  
ممنن نہیں " اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی " ادبی  
سیاسی " اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں ان کی  
مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے ۵۱ سڈ ۱۹۱۸ء میں بعض  
شائقین علم و ادب کے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست سو  
روپیہ میں خرید لیا " اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی  
جلد مکمل ( جو دفتر میں بھی موجود نہیں ) سڑے چار سو روپیہ میں  
حیدرآباد سے خریدی ہے جن لوگوں نے اس کے پرے سے حفاظت جمع

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے، مرقع پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب کی قیمت میں پرچہ ۸ آنہ - محصول ذلت و پیدنگ اس کے علاوہ ہے۔

”میدچر“ البلاغ پریس

## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے بچوں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کر سکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور قیمتی تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

## ہرونو موو ایڈی کو - ہولن

پوسٹ باکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W 35

Post Box 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گھر، ملکوں کے میوزیم کو خشک کرنے اور یہاں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں تیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میوزیم، ترکاریوں اور ہر طرح کے زہری مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے جو "ٹو سسٹم" کے نام سے مشہور ہے۔ اس "ٹو سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، "ٹو سسٹم" کے ذریعہ آپ کو تمام کارخانوں سے خام پیداوار کے بارے میں فوری فکس ایجنٹات سے اپنے ملک کو آگاہ کریں، توڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وسیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گرو اور پیسہ سرمایہ جملہ کارخانوں کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھاریوں کے حالات اور ادوار معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ یہی اس کے آپ کے کام نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اور عملی طور پر معلوم کریں، تو آپ کو چاہئے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہت اہمیت رکھنے والی ایک مہم کے طور پر کرتے ہیں۔ خط و کتابت کے ذریعہ ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کو ہم کس درجہ میں پوری کر سکتے ہیں؟

ہمارے تعلقات ہمارے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM A.A.D.



۵۷

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

نسخه خطی

# الہلال

ایک ہفتہ وار موصوٰر سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۲۹ - محرم ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۷

Calcutta : Friday, 29, July 1927.

کیا حروف کی طباعت اور دو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

ضروری ہی کہ ہم اسکا اب فیصلہ کر لیں

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

ہندی اور ہندوستان کی تمام زبانوں میں، نیز عربی، فارسی، ترکی، تینوں سامی زبانوں  
میں حروف کی چھپائی اختیار کر لی ہے اور انکی طباعت یورپ کی طباعت کا مقابلہ کر رہی ہے۔  
کیونکہ اردو زبان بھی ایسا نہ کری جو اسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے؟

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال  
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان  
دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی میں اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
ہماری رائے میں بہترین حروف یہی ہیں۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیں یہ نا موزون  
نہیں تو اردو کیلیں کیونکہ نا موزون ہوں؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں۔

الہلال

# ان تمام اصحاب کیلی

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ہین

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ ہم از ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں بھی منگوا لیجیے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں دلیلیے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مراکز مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

## با این ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں !

## بڑا عظم یورپ، امریکہ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کیے ہیں۔

## اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو آپ فروخت کرنے کیلئے بھی پلے ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔



## علم الآثار مصر

( قدیم مصری عقائد - معاد اور حشر و نشر )

مقتبس از تحقیقات ڈاکٹر احمد کمال بک مرحوم

( ۲ )

( ممی کرنا )

لاش کے ممی کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے لاش کے راستے سے دماغ نکال لینے تھے۔ پھر معدہ اور آنکھیں نکال کر پیت صاف کرتے تھے۔ قسم قسم کے خوشبوئیں اندر بھرتے تھے۔ پھر جسم کو نمک دیکر ستر دن تک کول تار میں رکھتے تھے۔ اس کے بعد دھوئے تھے اور کپڑے کی پٹلیوں میں ملفوف کر دیتے تھے۔ جسم کی حفاظت کیلئے توتے اور توتکے بھی درتے اور قسم قسم کے تعویذ لٹکاتے۔ یہ دستور عام تھا کہ چہرے اور انگلیوں پر سونے کا ملمع کر دیتے تھے۔ خیال تھا کہ جس طرح سونا بگڑتا نہیں، اسی طرح اس عمل سے جسم بھی نہیں بگڑے گا۔ قبر کے اندر مردے کے کئی بت بھی رکھ دیتے تھے۔ تاکہ اگر جسم میں کچھ بگاڑ پیدا ہو تو ان بتوں کی وجہ سے روح برابر آئی جاتی رہے۔ ممی کرنے کا جو طریقہ مصریوں نے ایجاد کیا تھا، وہ علم ہی اتنی ترقی پر بھی جو بیسویں صدی تک ہو چکی تھی، موجودہ دنیا ایجاد نہ کر سکی۔ حتیٰ کہ اس کا مطالعہ بھی ہمیں معلوم نہیں۔

( سحر )

لیکن روح کی واپسی کے لیے صرف اسی قدر کافی نہیں تھا۔ سحر کی بھی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ اس موقع پر جو سحر کیا جاتا تھا، وہ ”اوزی ریس“ کے افسانہ سے اخذ کیا گیا تھا۔ افسانہ یہ ہے کہ ”اوزی ریس“ کو اُس نے بھائی ”ست“ نے قتل کر کے اُس کی بوتلیاں کاٹیں اور ہر بوتلی دوسری بوتلی سے بہت دور پھینک دی۔ اُن کا خیال تھا کہ اوزی ریس پہلا آدمی تھا جسے موت آئی۔ اس سے پہلے آدمی مرتے نہیں تھے۔ اس کے قتل کے بعد اُس کی بیوی ”ایزیس“ بہن ”نفتیس“، بیٹے ”ہوریس“، دوست ”انوس“ اور ”توت“ نے سحر کے زور سے اُس کی منتشر ہوئی جمع کر لیں۔ انہیں باہم جوڑا، اور جب پورا جسم جمع ہو گیا تو اُسے برہنہ، رنگ پر کھڑا کر دیا۔ پھر ”ہوریس“ اور ”توت“ نے جادو کا ازار اُس کے منہ، آنکھ، کان، بازو، اور پیروں پر رکھا۔ ازار رکھنا تھا کہ فوراً پورا جسم اس طرح جڑ گیا، گویا کبھی کتا ہی نہ تھا۔ لیکن روح اب بھی واپس نہ آئی۔ وہ تو قاتل ”ست“ کے قبضہ میں تھی۔ یہ دیکھ کر ”ہوریس“، ”توت“ اور اُن کے ساتھیوں نے روح کی جستجو شروع کی۔ آخر معلوم

ہوا کہ روح تین جانوروں: بیل، ہرن، اور بط میں سما گئی ہے۔ انہوں نے کوشش جاری رکھی، اور ان جانوروں کے جسم سے روح نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ اُس وقت ”ہوریس“ خوشی خوشی روح لایا، اور اپنے باپ ”اوزی ریس“ کے منہ پر بوسہ دیکر اُس کے جسم میں اُتار دی۔ ”اوزی ریس“ زندہ ہو گیا۔ شاید اسی وقت سے بوسہ، صحبت کی علامت قرار پانے لگا ہے!

اس واقعہ کے بعد سے ”اوزی ریس“ دائمی زندگی کا دیوتا تسلیم کر لیا گیا۔ کیونکہ موت آئے، مغلوب نہ کر سکی۔ اس دیوتا سے دوسرے دیوتاؤں، فرعونوں، اور تمام مصریوں کو زندگی حاصل ہوئی۔ سقارہ میں چھٹے خاندان کے ایک آدمی پر ”کتاب ابدیت“ کا یہ باب کندہ ہے اور پڑھ لیا گیا ہے۔

( آخرت کی زندگی )

مصریوں کا ابتدا میں عقیدہ یہ تھا کہ آخرت میں بھی انسان بالکل ویسی ہی زندگی بسر کرتا ہے، جیسی دنیا میں اس کی زندگی ہوئی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ یہاں کے مصائب و آلام دھل نہیں ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ مردے کی قبر میں وہ تمام چیزیں رکھ دیا کرتے تھے جو دنیاوی زندگی میں آتے۔ مرغوب تھیں۔ چنانچہ قسم قسم کے امانے، کپڑے، زیور، ساتھ دفن کر دیتے تھے اور سمجھتے تھے، وہ مردے کے بعد بھی ان سے مستمتع ہوگا۔ یہی نہیں بلکہ قبر کی دیواروں پر ان چیزوں کی تصویریں بھی بنادیتے تھے۔ نیز اُس کی دلچسپی کی چیزوں مثلاً شکار، دریا، میدان جنگ وغیرہ کے مناظر بھی کندہ کر دیتے۔ انہیں یقین تھا کہ سحر کے ذریعہ یہ تمام تصویریں اور نقوش اصلی ہو جائیں گے، اور اُن سے مردے کو وہی لطاف حاصل ہوگا جو زندگی میں حاصل ہوتا تھا!

لیکن بتدریج ان خیالات میں وسعت ہوئی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ دنیاوی زندگی آخری زندگی کا کوئی اعلیٰ نمونہ نہیں ہے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ”جنت“ کا خیال پیدا ہوا۔

( جنت )

لیکن جنت کے نخیل نے بھی بتدریج ترقی کی۔ شروع میں ان کی جنت، سرزمین مصر ہی جیسا ایک خیالی خطہ تھا جسمیں نہریں جاری تھیں، سبز لہلہاتا تھا، زندگی کی جملہ دلفریبیل جمع تھیں۔ لیکن اس جنت میں باوجود ہر قسم کے آرام و راحت کے، آدمی کو محنت کرنے پر بھی مجبور ہونا پڑتا تھا۔ اُسے اپنا باغ خود درست کرنا پڑتا اور کھانے کے لیے خود ہی کھیتی کر لینی پڑتی تھی۔ بعد میں محنت کا خیال جاتا رہا، اور بلا کسی تکلیف کے کھانا پانی حاصل ہونے لگا۔ اس کے بعد جنت سرزمین مصر سے اٹھ کر ملاء اعلیٰ میں پہنچ گئی جہاں کی رونق اور دلفریبی حد تصور سے باہر ہے!

یہ معاد کے مصری عقیدے کی انتہائی ترقی تھی۔

## مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

آخری جماعت اس لقب سے اسلیے موسوم ہوئی کہ اس نے سب سے پہلے فرانسیسی زبان میں انسائیکلو پیڈیا مرتب کی اور علم اور حریت فکر کے مباحثہ کی اشاعت اس کے اوراق و مجلدات کے ذریعہ ہوئی۔ اس میں سب سے زیادہ نامور اہل قلم در تھے: دیدر diderot اور دلامبرٹ D' Alembert۔

ایک مدت سے مجمع خیال تھا کہ ان ارکان ثلاثہ کی وہ تحریریں جن کا شمار اہمات و مبادیات میں سے کیا جاتا ہے، اردو میں منتقل کر دی جائیں، تاکہ علاوہ اردو علم ادب کی تکمیل کے، غیر انگریزی داں طبقہ کے مطالعہ کیلئے تاریخ جدید کے ذہنی مبادیات مہیا ہو جائیں، اور وہ اسکے محاسن و نقائص دونوں سے باخبر ہوسکیں۔ کئی سال ہوئے، میں نے روسر کا "کنٹراکت سوشل" Le Contrat Social اور ایمیل Emilius ترجمہ کیلئے بعض دوستوں کو دیا تھا۔ کچھ حصہ کا ترجمہ ہوا بھی، لیکن افسوس ہے کہ انکی بے ذوقی تکمیل سے مانع ہوئی اور اُسکے بعد مجمع بھی توجہ کرنے کی مہلت نہ ملی۔ میرے کرنے کے کام دوسرے ہیں جن کی تکمیل و اشاعت سے اب تک عہدہ برا نہ ہوسکا۔ ان کاموں کے لیے وقت کہاں سے لاؤں؟

لیکن اب الہلال شائع ہوا ہے تو اسکے صفحات کے تنوع میں ہر طرح کے بحث و نظر کی گنجائش ہے۔ خیال ہوا، کم از کم ایک سلسلہ مضامین اس موضوع پر ایسا مرتب کر دیا جائے، جس سے ایک حد تک کتابوں کے فقدان کی تلافی ہوسکے۔ چنانچہ آج "والٹیئر" سے یہ سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔ اس کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ جو آج شائع کیا جاتا ہے اُسکی دماغی سیرۃ پر اجمالی نظر ہے اور اُسکے مختصر حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ دوسرے میں اُسکے اصول و تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ تیسرے میں اسپر نقد و تبصرہ ہے۔ اور رہی اس سلسلہ کی سب سے زیادہ اہم چیز ہوگی۔

### (والٹیئر)

ایک دن والٹیئر، مشہور رقاصہ رومانیل کے ساتھ اُسکی گاڑی میں بیٹھا تھا۔ رقاصہ تھیٹر جا رہی تھی جہاں اُسے والٹیئر کے شہرہ آفاق ڈراما "میروب" کی مشق کرنا تھی۔ وہ بہت پریشان تھی۔ کہنے لگی "کامیابی کے ساتھ یہ ڈراما اور اُسکے دقیق جذبات دکھانے کیلئے ضروری ہے کہ میرے جسم میں شیطان حلول کر جائے۔"

"سچ ہے بیگم! ہر فن میں کامیابی اسی پر موقوف ہے کہ شیطان جسم میں حلول کر جائے" والٹیئر کا جواب تھا!

والٹیئر کے تمام دشمنوں نے خصوصاً کلیسائی حریفوں نے بیک زبان کہا ہے کہ شیطان اسکے اندر حلول کیسے تھا۔ چنانچہ سینٹ بوف کا قول ہے "ابلیس اُسکے جسم میں تھا" رومیسٹر کہتا ہے "یہ شخص، جہنم کی تمام قوتوں اور ہولناکیوں کا مالک تھا!"

در اصل والٹیئر اپنے وقت کا پورا آدمی تھا۔ یورپ کی اٹھارہویں صدی کی ادبیات کی سچی تصویر اس فلسفی شاعر میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔ اُسکی تصانیف میں اُس عصر کی جملہ بھلائیوں اور برائیوں، دونوں جمع ہو گئی ہیں۔ کبھی وہ نہایت مذموم، کچ خلق، بد اطوار، فحاش، بے اصول، مفرط، اور کمینہ نظر آتا ہے۔ کبھی از حد لطیف،

## انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

### والٹیئر

FRANCOIS DE VOLTAIRE.

اردو علم ادب کی بے مائیگی ہر گوشہ عام و فن میں نمایاں ہے۔ لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک کمی یہ ہے کہ اس وقت تک علوم و ادبیات کی وہ اہمات و اصول بھی اردو میں منتقل نہ ہوسکیں جن کے بغیر موجودہ عہد کی کوئی زبان، ترقی پذیر زبان تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ "اہمات و اصول" کا لفظ جب کبھی علوم و کتب کے لیے بولا جاتا ہے تو اُس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہر علم و فن کی وہ بنیادی چیزیں، جو بمنزلہ اصل و اساس ہیں، اور جنہوں نے اپنے اپنے دائرہ بحث و نظر میں مبادیات و قواعد کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ مثلاً منطق میں ارسطو کا مقالہ، ریاضی میں اقلیدس کے مقالات، قانون میں سولن کے مباحث، طب میں جالینوس کے رسائل خمسہ، نظام حکومت میں افلاطون کی جمہوریت، تاریخ میں ہیرو دوتس کی کتاب، فن بلاغت میں جاحظ کے مقدمات، قصص میں الف لیله، منطق استقرائی میں بیکن کا مقالہ، وغیرہ ذلک۔ علوم و ادب کا کتنا ہی وسیع و رفیع ذخیرہ فراہم ہو جائے، مگر وہ سب برگ و بار ہیں۔ سب سے پہلے اُن کی جزب زبان میں استوار ہونی چاہیئیں۔ لطف یہ ہے کہ یہ کام کچھ ایسا دشوار بھی نہیں۔ اہل علم کی اگر ایک مختصر جماعت مستعد ہو جائے، تو دو تین سال کے اندر اہمات علوم و ادب کا بڑا حصہ اردو میں منتقل ہو جا سکتا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ نہ تو اس وقت تک ہم میں ایسے اہل عام پیدا ہوئے ہیں جنہیں خدمت علم کا اس درجہ شوق ہو، نہ ملک میں علمی طلب ہے جو اہل عام کو اس طرف متوجہ کرے۔ بنیاد ان تمام کار و بار عام کی قومی تعلیم ہے، اور رہی اس وقت تک مفقود ہے۔

اس سلسلہ کا ایک اہم گوشہ یورپ کی جدید تاریخ اجتماع و تمدن کی اہمات و اصول اور اُنکے رجال علم و نظر ہیں۔ موجودہ دور کی تاریخ، انقلاب فرانس سے شروع کی جاتی ہے۔ انقلاب فرانس کی تخم ریزی جس عہد میں ہوئی، وہ اٹھارہویں صدی کا ابتدائی حصہ ہے۔ اس عہد میں چند شخصیتیں ایسی پیدا ہو گئی تھیں جنکی دماغی سیرت میں وقت کی تمام انقلابی قوتیں سمت آئی تھیں۔ وہ سرتاپا پیکر انقلاب تھیں۔ انہی کے دماغ و قلم نے انقلاب فرانس کی تخم ریزی کی، اور انہی کے مبادیات و اصول ہیں جن سے یورپ نے، نئے دور کی تاریخ کا آغاز ہوا۔ مورخین نے انہیں "انقلاب کے ارکان ثلاثہ" سے تعبیر کیا ہے۔ اگرچہ تعداد میں تین سے زیادہ ہیں، لیکن قلم و کتابت کی تقسیم میں اُنکے حلقے تین ہی ہیں:

(۱) والٹیئر Voltaire۔

(۲) روسر Rousseau۔

(۳) اور انسائیکلو پیڈیا کے اہل قلم The Encyclopedie۔



کے امکان میں نہ تھا۔ اُسکی غیر معمولی چستی کے ثبوت میں خود اُسی کے بہت سے اقوال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ وہ کہتا ہے :

”سستی اور عدم ایک چیز ہے“

ایک اور جگہ لکھتا ہے :

”تمام آدمی اچھے ہیں، بجز اُنکے، جنکے پاس کرنے کے لیے کوئی کام نہیں!“

اُسکے سرپرستی کا بیان ہے :

”والٹیر تھا۔ صرف اپنے وقت میں بخل کرتا تھا“

اُسکا مشہور مقولہ ہے :

”زندگی کے مصائب کم کرنے کے لئے نفس کو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ کام میں مشغول رکھنا چاہئے۔۔۔ میری عمر جتنا زیادہ ہوتی جاتی ہے، محنت کی ضرورت کا اتنا ہی زیادہ یقین ہوتا جاتا ہے۔ جو شخص محنت کا عادی ہو جاتا ہے، اُسے محنت میں اتنی مسرت حاصل ہوتی ہے کہ زندگی کی تمام ناگفتائیں بھول جاتا ہے۔“

اُسکا یہ قول ضرب المثل ہو گیا ہے :

”اگر خود کشی منظور نہیں ہے تو اپنے لیے کوئی کام پیدا کر۔“

اسی جملہ سے لوگوں نے خیال کیا ہے کہ اس کے دل میں خود کشی کا خیال پیدا ہوا کرتا تھا۔ اسی لیے وہ ہمیشہ کام میں منہمک رہتا تھا۔

(اٹھارویں صدی کی روح)

ویکٹر ہیگو کا قول ہے :

”والٹیر اور اُس کی روح کا سمجھ لینا پوزی اٹھارویں صدی کی روح کا سمجھ لینا ہے“

”اٹلی ایک بڑی تہذیب کا منہمک تھا۔ جرمینی سے اصلاح دینی کا سرچشمہ بھوتا۔ لیکن فرانس؟ تو فرانس میں والٹیر تھا۔ والٹیر ایک بڑی قوم تھا۔ انقلاب عظیم کی دعوت تھا۔ نہیں، سوڈیا انقلاب تھا۔ فرانس کا مشہور انقلاب، جس نے خون کی موجوں سے ایک نئی دنیا پیدا کر دی، والٹیر ہی کا ایک افسانہ حیات تھا۔ یہ شخص اپنے اندر سب کچھ رکھتا تھا۔ اُس میں ”مونٹین“ کا شک تھا۔ ”راہیلہ“ کا تمسخر تھا۔ ”لرتھور“ کی حملہ آورانہ قوت تھی۔ اُسی نے میراں، مررات، ڈائنٹن، روبسپیرز، پیدا کیے تھے۔ اور وہ بارن بنائی تھی جس سے انہوں نے دنیا کے تمام نظام کا قیام کیا۔ عمارتیں وہ یک دفعہ ہوا میں اُڑا دیں!“

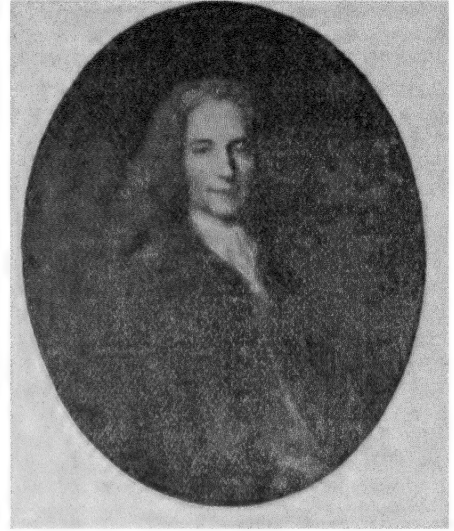
لامارٹین کہتا ہے :

”اگر انسان کا عمل اُس کی عظمت کا میزان ہے تو بلا شک والٹیر موجودہ یورپ کا سب سے بڑا کاتب تھا۔ قدرت نے اُس کی عمر میں برکت دی۔ ۸۳ سال زندہ رہا۔ قدیم نظام کے معائب معلوم کیے، اس کے خلاف جہاد کیا، اور جب مرا تو وہی فتح مند تھا۔“

کسی مصنف کو بھی اپنے عہد میں اتنا اقدار حاصل نہیں ہوا، جتنا والٹیر نے حاصل کیا تھا۔ تمام جہان اُس کا مخالف تھا۔ کلیسا جو اُس وقت تک سب سے بڑی قوت تھی، دشمن تھا۔ حکومت خون کی پیاسی تھی۔ اُسے قید کیا گیا۔ جلا وطن کیا گیا۔ ذلیل کیا گیا۔ اُس کی کتابیں راکھی گئیں، جلائی گئیں،

والٹیر

جس نے کلیسائی اور شاہی استبداد کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا!



مہذب، سنجیدہ، با اصول، فیاض، اور دوستوں کا وفادار دکھائی دیتا ہے۔ کبھی اپنے دوستوں پر جان و مال قربان کرنے پر تیار ہے۔ کبھی دشمنوں کو پاؤں سے روند ڈالنے پر تیار ہے۔ والٹیر ایسی ہی متناقض صفات و اخلاق کا مجموعہ ہے!

لیکن یہ صفات اُسکی شخصیت کی اصلی بنیادیں نہیں ہیں۔ اُسکی شخصیت کے ستون جس چٹان پر قائم تھے، وہ اُسکی اعلیٰ دماغی قابلیت اور حیرت انگیز دھانت تھی۔ ثبوت کے لیے کسی تاریخی شہادت کی ضرورت نہیں۔ اُسکی کتابیں خود سب سے بڑی شہادت ہیں۔ نوازے ضخیم جلدیں اُسکی یادگار ہیں۔ اُنکا ہر صفحہ روشنی کے حروف میں لکھا ہے۔ ہر سطر اپنی جگہ پر ایک کامل سحر ہے۔ اتنی بڑی، اتنی کثیر، اتنی متنوع کتابیں، کم لوگوں نے چھڑی ہیں۔ وہ معلومات و مباحث کی وسعت و تنوع کے لحاظ سے انسانی کلو پیدیا کا حکم رکھتی ہیں۔ تاہم حشور و زائد بہت کم ہیں۔

خود والٹیر کا قول ہے ”میرا پیشہ یہ ہے کہ جو کچھ میرے ذہن میں آنے آئے کہ دالوں“ زندگی بھر اسے اسی پر عمل کیا۔ لیکن اس کے ذہن میں ہمیشہ رہی آتا تھا جو کہنے کے لائق ہوتا تھا۔ لغو افکار سے اسکا دماغ بالا تر تھا، اُسکی سب سے بڑی مہارت یہ تھی کہ ہر خیال کو ایسے پیرایہ میں ادا کر دیتا تھا کہ سامعین وجد کرنے لگتے تھے!

والٹیر کی سب سے زیادہ موثر، دلچسپ، اور عجیب تحریریں وہ ہیں، جو اس نے مسیحی کلیسا کے خلاف لکھی ہیں۔ معلوم ہے کہ اُس نے کلیسا کے جمود اور تعصب کے خلاف (خود اُسی کے لفظوں میں) جنگ مقدس (کریسیڈ) کا اعلان کیا تھا۔ ان تحریروں میں اُس نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے ہیں۔ لفظ اور سطر میں نہیں ہیں، ہزار فوجیں ہیں جو حملہ آور ہو رہی ہیں۔ درحقیقت مسیحی کلیسا کے ہزار سالہ تخت حکومت کے پائے اسی کے نوک قام سے ٹوٹے، اور اس طرح ٹوٹے کہ پھر کسی طرح بھی استوار نہ ہو سکے!

والٹیر کی شہرت صرف اُسکی کتابوں اور قصیدوں ہی سے نہیں ہوئی بلکہ وہ بہت بڑا مقرر اور لسان بھی تھا۔ انہیں مختلف قابلیتوں کے مجموعہ نے اُسے اپنے زمانہ کا سب سے بڑا آدمی بنا دیا!

والٹیر، غضب کا معننی تھا۔ کام سے کبھی نہیں تھکتا۔ یہی سبب ہے کہ وہ اتنا بڑا علمی ذخیرہ چھوڑ گیا، جتنا اس کے کسی ہم عصر

والتیر کا باپ اپنے دونوں لڑکوں کی شکایت کیا کرتا تھا "خدا نے مجھے دو ہانگے دیے ہیں: ایک کو نثر کا جنرں ہے، دوسرے کو نظم کا" والتیر نے شعر کہنا اُس وقت سے شروع کیا جبکہ وہ اپنا نام بھی صحیح طور پر نہیں لکھ سکتا تھا۔ اُسکا باپ عملی زندگی کا عادی تھا۔ اُس نے اپنے لڑکے کی یہ حالت دیکھ کر افسوس کے ساتھ یقین کر لیا کہ یہ بالکل ناکارہ ذکاوت کا ہے۔ اُسے کیا معلوم تھا، ایک دن اُسکا یہی "ناکارہ" تمام یورپ کا سب سے بڑا اہل قلم تسلیم کیا جائگا!

والتیر کی ماں کے انتقال کے بعد اُسکا خاندان پیرس چھوڑ کر دیہات میں جا بسا۔ یہاں ایک دولت مند غلشہ نے والتیر کو دیکھا اور اُس میں آثار ذہانت و نجابت پالے۔ چنانچہ مرے سے پہلے وہ یہ نیک کام کر گئی کہ دو ہزار فرانک والتیر کو ہبہ کر دیے۔ تاکہ "اس زریعہ سے آئے کتابیں خرید دی جائیں"

والتیر کو ان کتابوں سے بڑا نفع ہوا۔ وہ عمر بھر اس آبرو باخته عورت کا احسان مند رہا۔ اسکے بعد ایک راہب کو اُس سے محبت ہو گئی۔ لیکن یہ راہب دراصل ماحد تھا۔ اس نے اُسے شک و الحاد کی تلقین کی اور کلیسا کے طرف سے نفرت و انکار دلانے شروع کر دیا۔

اسکے بعد وہ پادریوں کے مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے داخل کیا گیا۔ یہاں اُس نے فن مناظرہ اور علم کلام سیکھا۔ اُس وقت بڑا علمی کمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک ہی مسئلہ کو بہ زور جدل دو متناقض پہلوؤں سے ثابت کر دیا جائے۔ والتیر نے اس فن میں کمال حاصل کر لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کسی مسئلہ پر بھی اُسے یقین باقی نہ رہا۔ مدرسہ میں وہ بڑا محنتی طالب علم مشہور تھا۔ حتیٰ کہ فرصت کے اوقات میں بھی جبکہ اُس لڑکے کھیل کود میں مصروف ہوتے، وہ اساتذہ سے لاهوتی مسائل پر بحث کیا کرتا۔ اپنی طالب علمانہ زندگی کے متعلق وہ کہا کرتا تھا "پادریوں نے مجھے لاطینی زبان اور بہت سی دیہودہ بکواس سکھادی ہے!"

تعلیم ختم کرنے کے بعد اُسے عملی دنیا کی طرف توجہ ہوئی، اور اپنے لیے کوئی پیشہ منتخب کرنا چاہا۔ اُس نے اپنے باپ سے بلا پس و پیش کہدیا "میں شعر و ادب کو اپنا پیشہ بناؤنگا" باپ بہت خفا ہوا اور بہت سمجھایا۔ مگر اُس نے ایک نہ سنی اور اپنی ہمت پر قائم رہا۔ لطف یہ ہے کہ اس پیشہ کے متعلق خود اُسکی رائے یہ تھی: "شعر و ادب ان لوگوں کا مشغلہ ہے جو اجتماعی زندگی میں بے فائدہ بننا اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کے سر پر بوجہ ہونا چاہتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا پیشہ ہے جو بھوک مر جانا پسند کرتے ہیں"

۲۱۔ برس کی عمر تک والتیر نے اپنے تئیں رندی و عیاشی کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ راتیں باہر گزارتا تھا اور دن گھر پر:

ہمہ شب شراب خوردن ہمہ روز خواب کردن!

اُسکے والد کو اس تہنگ سے بڑی تکلیف تھی۔ اُس نے لاکھ کوشش کی مگر اصلاح کی کوئی صورت نہ نکلی۔ آخر اپنے ایک سخت گیر رشتہ دار کے ہاں بھیج دیا۔ شروع میں تو اس نے مری نے بڑی سختی کی۔ لیکن پھر اُسکی غیر معمولی قابلیت و ذہانت دیکھ کر آزاد چھوڑ دیا۔ والد کو معلوم ہوا تو اُس نے واپس بلا لیا اور ہالینڈ میں فرانسیسی سفیر کے حوالہ کر دیا کہ اپنی نگرانی میں رکھے۔ یہیں ہالینڈ کے پائے تخت لاهائی میں والتیر نے ایک در شہزادے سے عشق کیا، مگر راز جلد کھل گیا اور حضرت کو ہزاروں حسرتوں کے ساتھ وطن چھوڑنا

حتیٰ کہ چھاپنے، بیچنے اور پڑھنے والوں تک کو سزا دی گئی۔ مگر والتیر کے عزم و ہمت میں فرق نہ آیا۔ وہ تمام دشمنوں پر غالب آیا۔ تمام مشکلات پر فتح مند ہوا۔ اُس نے ہمیشہ حق و حقیقت کا اظہار کیا اور بالآخر دنیا کی گردنیں اُس کے علمی و عقلی جبروت کے آگے جھک گئیں۔ یا تو اُسے ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ یا بھر یہ ہوا کہ پادشاہ، شہنشاہ اور روم کے پوپ تک، اُس کی خوشامدیں کرنے لگے۔ سب اُس کی ہیبت سے لرز اٹے۔ پاپاؤں کی روحانی کدی اور بادشاہوں کے زرین تخت ہلنے لگے آدھی دنیا نے اس ساحر کے لیے اپنے کان کھول دیے اور اُس کی زبان و قلم کا ہر لفظ باشندگان یورپ کے دلوں میں اتر گیا!

والتیر ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوا تھا جس کی سب سے بڑی ضرورت تخریب اور شکست و ریخت تھی۔ جرمنی کا نیتشہ کہتا ہے "ہسنے والے شیروں کے نمودار ہونے کی ضرورت ہے" والتیر نے یہ نہیں کہا، مگر وہ سچ مچ کو شیر کی طرح گرجتا اور ہنستا ہوا اٹھا، اور قدیم نظام کی کہنہ عمارت ڈھا دی۔ درحقیقت یورپ کی موجودہ بیداری اور تہذیب کا سہرا دو ہی آدمیوں کے سر ہے: والتیر اور روسو۔ انہی دونوں نے انقلاب فرانس کی تخم ریزی کی اور وہ سب کچھ مہیا کر دیا جس کی اس انقلاب کو ضرورت تھی۔ بد نصیب لوہی شانزدہم نے قتل ہونے سے چند دن پہلے قید خانہ میں والتیر اور روسو کی کتابیں دیکھی تھیں۔ وہ بے اختیار چلا اٹھا "انہی دو آدمیوں نے فرانس کو برباد کیا ہے!" ظاہر ہے کہ فرانس کی بربادی سے بد نصیب بادشاہ کا مقصد اپنے خاندان کی بربادی تھی۔ نیپولین اعظم کہا کرتا تھا "یورپ (فرانس کا خاندان شہی) اپنا تخت و تاج محفوظ رکھ سکتا تھا اگر والتیر اور روسو کا منہ بند کر دیتا" خود والتیر کہتا ہے "کتابیں ہی قوموں پر حکومت کرتی ہیں" اسی کا مقولہ ہے "دماغی تربیت سے بڑھ کر کوئی ذریعہ آزادی کا نہیں" ایک اور مرقعہ پر اُس نے کہا "جب قوم سوچنے لگ جائے تو پھر منزل مقصود سے اُسے روکنا ناممکن ہو جاتا ہے" والتیر کے ظہور کے ساتھ فرانس نے سوچنا شروع کیا، اور دنیا کی کوئی قوت بھی اُسے اُسے بڑھنے سے روک نہ سکی۔

(مختصر سوانح حیات)

والتیر کا اصلی نام "فرانسو ماری اوریہ" ہے۔ سنہ ۱۶۹۴ء میں پیرس میں پیدا ہوا۔ اُس کا باپ رجسٹرار تھا اور ماں ایک شریف گھرانے کی خاتون تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ والتیر نے اپنی غصہ و طبعیت اپنے باپ سے ورثہ میں پائی تھی اور ذہانت ماں سے۔ والتیر کے پیدا ہونے میں اُس کی ماں کو اتنی تکلیف ہوئی کہ جانبر نہ ہو سکی۔ وہ خود بھی از حد کمزور تھا۔ حتیٰ کہ اُس کی دائی نے گود میں لیتے ہی کہہ دیا تھا "بچہ ایک دن سے زیادہ نہیں جیوگا" لیکن اُس کا اندازہ غلط نہا۔ وہ ۸۴ سال تک زندہ رہا۔ البتہ بیماروں اور جسمانی تکلیفوں میں ہمیشہ مبتلا رہا۔

والتیر کا ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ اسکا نام "امان" تھا۔ لیکن وہ ازاد خیالی کے جرم میں کلیسا کے حکم سے قتل کر دالا گیا۔ اُسکا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ وہ جب قید تھا اور پھانسی کا حکم صادر ہو گیا تھا، تو بعض دوستوں نے رائے دی۔ توبہ کر کے جان بچا لے۔ لیکن یہ سن کر وہ بہت غضب ناک ہو گیا۔ اُس نے کہا "دوستو! شکریہ۔ اگر تم خود پھانسی پر لٹکنا پسند نہیں کرتے تو ان لوگوں کی راہ کیوں روکتے ہو جو پھانسی پانا پسند کرتے ہیں؟"

گیا۔ والتیر نے والد کو اسکا حال معلوم ہوا تو خاص اُسکے دیکھنے کے لیے پیرس آیا۔ تماشہ دیکھتے وقت اپنی مسرت بار بار یہ کہہ کر ظاہر کرتا ”آہ شیطان آہ شیطان!“

اسی ڈراما میں اُسنے اپنے یہ انقلاب انگیز خیالات ظاہر کیے تھے: ”ہمارے کاہن ویسے نہیں ہیں جیسا سادہ لوح عوام انہیں سمجھتے ہیں“

”ان کاہنوں کے علوم و معارف کیا ہیں؟ دراصل ہماری سادہ لوحی اور زرد اعتقادی ہی ان کے علوم و معارف ہیں!“

”ہمیں اپنی قوت پر یقین کرنا اور ایمان لانا چاہیے۔ ہر چیز خود اپنی آنکھوں سے دیکھنی چاہیے۔ درحقیقت ہماری عقل ہی ہمارا معبود، ہمارا عبادت خانہ، اور ہمارا کاہن ہے“

اس ڈراما سے والتیر نے چار ہزار فرنک حاصل کیے۔ اُس نے یہ رقم ضایع نہیں کی۔ بلکہ آتے اپنا راس المال قرار دیا اور بڑی ہوشیاری سے آتے بڑھاتا رہا۔ اسکا اصول تھا کہ آدمی کو اپنی روزی اپنی معیت سے کمائی چاہیے اور اپنی کمائی سے کچھ نہ کچھ پس انداز ضرور کرنا چاہیے۔ وہ کہا کرتا تھا ”فلسفہ چھانٹنے سے پہلے آدمی کو زندہ رہنے کی خدمت سیکھنی چاہیے!“

## الہلال

کا

## یہ ۷۔ وان نمبر ہی

## لیکن

اس وقت تک توسیع اشاعت کے لیے دفتر نے آپکو کئی رحمت نہیں دی ہے۔ کیا آپ کو خود اس طرف توجہ نہ ہوگی؟

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الہلال کا استقبال کیا، شاید ہی اُسکی کوئی دوسری نظیر اردو اخبارات میں مل سکے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ پرچہ کی ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ہے، اور قیمت اُسکے مقابلہ میں بہت کم۔ اب یا تو قیمت بڑھانی چاہیے۔ یا اتنی وسیع اشاعت ہونی چاہیے کہ اُس سے قیمت کی کمی کی تلافی ہو جائے۔

ہوا۔ یہ اُس کا پہلا عشق تھا۔ اسلیے ممبر بھر اسکی چہن دل میں باقی رہی!

سنہ ۱۷۱۵ء میں والتیر اپنے والد سے علیحدہ ہوکر پیرس پہنچا۔ اسی زمانہ میں لوئی چہارم نے انتقال کیا اور لوئی پانزدہم تخت نشین ہوا۔ بادشاہ کمسن تھا، اسلئے سلطنت کی باگیں اُسکے مربی فلپپ قورلین کے ہاتھوں میں آگئیں۔ یہ شخص کم ہمت اور ضعیف الارادہ تھا۔ ملک میں بد امنی پھیل گئی۔ پیرس اسکا مرکز تھا۔ والتیر شورش پسندوں میں داخل ہوگیا اور اپنی بے باکی اور جرات کی وجہ سے بہت جلد ممتاز جگہ حاصل کرلی۔

اُسکی جرات کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ نائب سلطنت نے کفایت شعاری کے خیال سے شاہی اصطبل کے آدھے گھوڑے بیچ ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ اس پر والتیر نے ایک مضمون میں لکھا ”کاش نائب سلطنت آدھے گدھوں کی فروخت کا بھی حکم صادر کر دیتے جو حکومت کی اونچی کرسیوں پر بیٹھتے ہیں!“

حکام کی نظر سے یہ مضمون گذرا تو سخت بدھم ہوئے۔ پھر نائب سلطنت کی ہجو میں در قصیدے شایع ہوئے اور خیال کیا گیا کہ والتیر نے ہی لکھے ہیں۔ اب پوری حکومت اسکی دشمن ہوگئی۔ ایک دن کسی تفریح گاہ میں نائب سلطنت نے والتیر کو دیکھا اور بلاکر کہا ”میں تم سے شرط باندھتا ہوں کہ عنقریب تمہیں ایک ایسی جگہ بیچہ دونگا جسے تمہاری ان آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا ہے!“ والتیر نے تمسخر سے سوال کیا ”وہ کون جگہ ہوسکتی ہے؟“ نائب نے کہا ”باسٹل کی تاریک کوٹھریاں!“

اس گفتگو پر پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں گذرے تھے کہ والتیر باسٹل کے خوفناک قید خانہ میں بند تھا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۷۱۷ء کا ہے۔ کاش اُس وقت حکومت کو معلوم ہوتا کہ ایک دن یہی باسٹل والتیر کے پیدا کردہ انقلاب کے ہاتھوں منہدم ہوکر رہیگا!

اس وقت تک والتیر اپنے اصلی کام ”فرانسوا ماری اربہ“ سے مشہور تھا۔ لیکن قید ہونے کے بعد آئندہ حکومت کے شکنجہ سے بچنے کے لیے، ایک فرضی نام اختیار کرلیا جو والتیر تھا۔ یہ فرضی نام اس درجہ مشہور ہوا کہ آج تاریخ کے سرا کہیں بھی اس کا اصلی نام نہیں ملسکتا۔

قید خانہ میں اُسنے بڑی ہمت و جرات سے کام لیا، اور اپنی شہرہ آفاق کتاب ”ہنریات“ تصنیف کی۔ یہ دراصل ہنری چہارم کا قصہ ہے جو پہلے پیرسٹنٹ ہوا تھا۔ پھر دوبارہ کینٹولک ہوگیا، اور آخر کار قتل کیا گیا۔

قید خانہ میں وہ گیارہ مہینے رہا۔ اس اثنا میں اُسے سخت جسمانی تکلیفیں دی گئیں۔ لیکن بعد میں خود نائب سلطنت کو رحم آگیا۔ عزت کے ساتھ رہا کر دیا گیا اور سالانہ وظیفہ بھی مقرر ہوگیا۔ والتیر کی شوخ طبعی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُس نے نائب سلطنت کو شکریہ کا خط ان الفاظ میں لکھا تھا:

”اعلیٰ حضرت نے میرے رزق کا جو اہتمام کیا ہے، اس کے لیے شکر گزار ہوں۔ مگر میری دست بستہ درخواست ہے کہ میری سکونت کے انتظام کرنے کی ضرورت کبھی رحمت گوارا نہ کریں! اسکا اشارہ قید خانہ کی طرف تھا۔

باسٹل سے نجات پانے کے بعد والتیر نے اپنا مشہور ڈراما ”ارڈیب“ لکھا۔ یہ ایک نہایت ہی درد انگیز قصہ ہے۔ بہت مقبول ہوا اور مسلسل ۴۵ دن تک پیرس کے تھیٹروں میں دکھایا

## تاریخ و عبر

### فرانس کا فاتح اعظم اور اسلام

کیا نپولین مسلمان ہو گیا تھا ؟

— ❦ —

اٹھارویں صدی کے اڑائل کا ایک تاریخی مبحث

نپولین کا حملہ مصر اس کی فاتحانہ ارازمیں کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ اس کی زندگی کے تمام سرخیوں نے یہ واقعہ بڑی شرح و تفصیل سے لکھا ہے۔ یکم جولائی سنہ ۱۷۹۸ ع کو فرانسیسی فوج نے سرزمین مصر پر قدم رکھا تھا اور سنہ ۱۸۰۱ ع میں واپسی پر مجبور ہوئی تھی۔

لیکن اس حملہ کی داستان کا ایک واقعہ ایسا ہے جس میں نہ تو تمام مورخ متفق ہو سکے۔ نہ کوئی ایک رائے مضبوطی کے ساتھ ظاہر کی جاسکی۔ بعضوں نے اسے اس قدر اہمیت دی کہ کیا کہ یقیناً نظر انداز کر دیا۔ بعضوں نے اس قدر اہمیت دی کہ خاص خاص عنوان اور ابواب اس کے لیے ترتیب دیے۔ نپولین کے عہد میں اور اس کے کچھ عرصہ بعد تک اس کی مخالفت اور موافقت کے جذبات نہایت شدید تھے۔ اس لیے یہ واقعہ مخالفوں کے لیے بہت زیادہ اہم، مگر موافقوں کے لیے نظر انداز کر دینے کے قابل تھا۔

یہ نپولین کے مسلمان ہونے یا اپنے تئیں مسلمان ظاہر کرنے کا واقعہ ہے۔

تمام تاریخدان متفق ہیں کہ نپولین نے مصر پہنچنے سے پہلے ہی ایسے اعلانات طیار کر لیے تھے جن میں باشندگان مصر کو مخاطب کیا گیا تھا اور مملوکوں کے خلاف (جو وہاں عملاً حکمرانی کر رہے تھے) اگرچہ حکماً سیادت دولت عثمانیہ کو حاصل تھی) ابھارا تھا۔ ان اعلانات میں نپولین نے یہ بھی لکھا تھا ”میں اسلام و قرآن کا مخالف نہیں ہوں۔ بلکہ سچا حامی ہوں۔ میں چاہتا ہوں، اصلی اسلام تازہ ہو جائے۔ اس کی عظمت و شوکت برقرار رہے، اور اس کے دشمن نام و نامراد ہوں“ اس میں بھی سب کا اتفاق ہے کہ اس نے مصر جانے ہوئے راستہ میں اسلام اور قرآن کی نسبت غیر معمولی واقفیت حاصل کر لی تھی۔ وہ مصر کے علما و مشائخ کو اپنی واقفیت سے متعجب کر دینے کی کوشش کرتا، اور انہیں بار بار یقین دلاتا کہ اسلام کی بہت بڑی عزت اس کے دل میں ہے۔ اس سے بھی کسی نے انکار نہیں کیا ہے اور خود اس نے بھی اپنے سینت ہلینا کے خود نوشتہ تذکرہ میں اعتراف کیا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے مسئلہ پر اس نے مصر کے مشائخ سے طویل طویل گفتگو کی تھی اور وہ کم سے کم شرطیں معلوم کر لی تھیں جو مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ یہ واقعہ بھی مسلم ہے کہ اس کے بعض فوجی افسر مسلمان ہو گئے تھے اور مسلمان خاندانوں میں رشتہ دار بن کر رہے تھے۔ چنانچہ ژاک مینیئر

جو کلیپر کے قتل کے بعد مصر کا فوجی حاکم منتخب ہوا تھا، علانیہ مسلمان ہو گیا تھا اور ”عبداللہ جاگ“ کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے ایک مسلمان عورت سے نکاح بھی کر لیا تھا۔

لیکن ان تمام متفقہ امور کے ساتھ جس بات میں اختلاف ہے، وہ یہ ہے کہ نپولین نے اپنے آپ کو اسلام کا پیرو بھی ظاہر کیا تھا یا نہیں ؟

اس کے مخالفین کہتے ہیں۔ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ یا کم از کم اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تھا۔ انہوں نے نپولین کے جرائم کی فہرست میں یہ واقعہ بھی شامل کیا ہے، اور اس سے اس کی طبعی منافقت، بے دینی، اور ابن الوقتی پر استدلال کیا ہے۔

نپولین نے جب شام پر حملہ کیا، تو سرحدی اسمتہ نے جو انگریزی بیڑہ کا امیر البحر تھا شام کے عیسائیوں کے نام ایک اعلان بھیجا تھا۔ اسمیں لکھا تھا : ”وہ انگریز امیر البحر پر جو ایک سچا مسیحی بہادر ہے پوری طرح بھروسہ کریں، اور نپولین کی کچھ پروا نہ کریں جو پہلے ایک بے اصول مرتد تھا، اور اب مصر کے شیخوں کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکا ہے !“

نپولین کے مشہور بحری حریف لارڈ نیلسن نے اپنی مشہور اور تاریخی آشنا، لیڈی ہملٹن کو لکھا تھا :

”یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ (نپولین) مصر میں دین محمدی کا غازی بن گیا ہے اور اس کی خبریں ہندوستان کے تباہ شدہ مسلمان نوابوں (نوابوں) تک پہنچ گئی ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ اگر آئے اسٹریلیا کے باشندوں کو خوش کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ بلا تامل اپنے تمام فوجی افسروں کے ساتھ اس درخت کے تنہ کی پرچا شوم کر دیتا، جس پر وہ مردوں کی کھوپڑیاں رکھا کرتے ہیں !“

انقلاب فرانس کا مشہور ابن الوقت تیلراند Talleyrand نپولین کے تذکرہ میں لکھتا ہے ”اس نے کبھی اس بات پر ندامت ظاہر نہیں کی کہ وہ مصر کے اماموں اور شیخوں کے سامنے مملوکوں کی پگڑی اور جبہ پہن کر گیا تھا، اور کہا تھا، میں دین محمدی زندہ کرنے اور اس کے لیے جنگ مقدس کرنے آیا ہوں !“

نپولین کا مشہور انگریز سوانح نویس ایلی سن کہتا ہے ”یہ اس کی زمانہ ساز اور ابن الوقت طبیعت کا سب سے زیادہ مکمل مظہر تھا۔ اگر نیلسن نے ابو قیر کا بیڑا تباہ نہ کر دیا ہوتا اور قسمت اس سے موافق ہوتی، تو یقیناً وہ ہندوستان کے ساحل پر قرآن حمائل کیے ہوئے آتے، اور حیدر علی سے کہتا : میں دین محمدی کے دشمنوں کو ہندوستان سے نکالنے کیلئے آیا ہوں۔ اُسکے بعد اگر وہ دیکھتا کہ ہندوستان کے کوزروں بت پوستوں کو رام کرنے اور انگریزوں کے برخلاف ابھار نے کیلئے اس کی ضرورت ہے کہ اپنے آپ کو مقدس دیوتاؤں کا پرستار ظاہر کرے، تو اس میں بھی اسے انکا ہی تامل ہوتا۔ جتنا کامل مسلمان ہونے میں ہوا تھا !“

سر والٹر اسکات کا قلم ان تمام انگریز اہل قلم میں جنہوں نے اس عہد میں نپولین پر قلم اٹھایا ہے، زیادہ مستند تسلیم کیا گیا ہے۔ وہ بھی اس واقعہ میں نپولین کی ”منافقانہ طبیعت“ کا پرر ظہر دیکھتا ہے اور لکھتا ہے ”مصر کے متعصب شیخ صرف ایک

سینٹ ہلینا میں اپنے سوانح حیات پر اپنے خیالات قلمبند کرائے تھے جو دو جلدوں میں مرتب ہو کر شائع ہوئے۔ اس میں وہ مصر کے واقعات کا بہ تفصیل ذکر کرتا ہے۔ اسلام کا بھی ذکر کرتا ہے۔ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر ضرورت ہوتی تو اسلام قبول کر کے تمام اسلامی ممالک زبردستی کر لینے اور ایک عظیم مشرقی مملکت کی بنیاد رکھ دینے میں مجھے تامل نہ ہوتا۔ لیکن اس کا اعتراف نہیں کرتا کہ اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

(مصر کے مسلمان مورخ)

نپولین کے حملہ مصر کا زمانہ اگرچہ مشرق کے دماغی و علمی تہذیب کے بلوغ کا زمانہ تھا اور مصر و شام کے عہد وسطیٰ کی رہی سہی علمی قوتیں نویں صدی ہجری میں تقریباً ختم ہو چکی تھیں، تاہم جامع ازہر کے وسیع حلقہ درس و تدریس کی بدولت عام کی کمیت بدستور قائم تھی۔ اگرچہ کیفیت مفقود ہو چکی تھی۔ شہاب الدین خفاجی صاحب درۃ الغواص - سید مرتضیٰ زبیدی صاحب تاج العروس - شمس الدین الشافعی صاحب سیرۃ النعمانیہ و عقود الجمال - ابو بکر مرقی صاحب کونکب الدربہ - نزر الدین الحلبي صاحب سیرۃ حلبیہ - ابن فضل اللہ الصنعی صاحب خلاصۃ الاثر - ابو الفتح اسحاقی صاحب لطائف الاخبار - ابو العباس مقرئ صاحب نفع الطیب - شمس الدین یحییٰ صاحب تحفۃ البیہ - ابن یوسف الحلاق صاحب تحفۃ الحباب - شمس الدین تہرگانی صاحب تغریر الابصار - شربلاوی شارح متون حنفیہ - شیخ اسماعیل زرقانی شارح موطا و مواہب - وغیرہ علماء مصر کا زمانہ تقریباً گیارہویں اور بارہویں صدی ہجری کا زمانہ ہے اور اُس عہد سے متصل ہے جب نپولین مصر میں داخل ہوا ہے۔ ہجری سنہ ۱۷۹۸ء میں ہوا ہے۔ یعنی قیرہویں صدی کے بالکل اوائل میں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں بھی علماء مصر و شام خصوصاً علماء ازہر کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی جو درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی رکھتی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں اشخاص جیسا کہ نپولین اور فرانسیسی حکام سے زیادہ سابقہ رہا، یا انہوں نے اُس عہد کے حالات قلمبند کیے، حسب ذیل ہیں:

(۱) شیخ عبد اللہ الشرنوبی: جامع ازہر کے مشاہیر و اساتذہ تھے۔ نپولین نے مصر کے شہری انتظام کے لیے چودہ ارکان کی ایک مجلس شریعی بنائی تھی جو ”دیوان“ کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ شیخ شرنوبی کو اس کا رئیس منتخب کیا تھا۔ انہوں نے ۲۰۰ سے زیادہ کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں ایک قیمتی کتاب تحفۃ الناظرین ہے جس میں فرانسیسیوں کے حملہ سے لیکر انکی واپسی تک کے چشم دید حالات بالاختصار بیان کیے ہیں۔ سنہ ۱۱۵۰ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۲۷ مطابق سنہ ۱۸۱۲ میں انتقال کیا۔ تحفۃ الناظرین مصر میں چھپ گئی ہے۔

(۲) شیخ سلیمان فیومی: یہ بھی اساتذہ ازہر میں سے تھے اور مشیخت کے درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ نپولین نے انہیں بھی ”دیوان“ کا رکن منتخب کیا تھا۔ نپولین کے جانے کے بعد جب سردار عسکر کلیبر کو سلیمان حلبی نے قتل کر ڈالا اور فرانسیسیوں نے فوجی عدالت میں تحقیقات کی، تو یہ بڑے معاملہ میں پھنس گئے۔ لیکن بالآخر نجات پائی۔ انہوں نے بھی ایک مختصر رسالہ

پر جوش نو مسلم ہی کا استقبال کر سکتے تھے۔ بونا پارٹی (بونا پارٹ کو اسکی طرح محبت سے اور انگریز حقارت سے ”بونا پارٹی“ کہتے تھے) اس کے لیے بھی بے دریغ طیار ہو گیا۔

نپولین کے مورخوں میں بھی جب سے زیادہ جوش مخالفت رکھتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب صوفسطیہ لکھی ہے تاکہ وہ تمام مواد جمع کر دے جو نپولین کی مخالفت جماعتوں نے اسے خلاف رائے عامہ پیدا کرنے کیلئے طیار کیا تھا۔ وہ اس معاملہ میں اسکی ”انتہا درجہ کی شیطنیت“ محسوس کرتا ہے اور واقعہ کے ناگوار پہلوؤں کی تکمیل کیلئے اتنا حصہ آفرین ہوا ہے کہ ”اس نے بار بار مسلمان مشایخ کو جوش کرنے کیلئے مسیحی مذہب کی ہنسی اڑائی اور عیسائیوں کو گالیاں دیں“

بوربون خاندان اور ان کے حامیوں نے نپولین کے خلاف تبلیغ و اشاعت کا ایک خاص صیغہ قائم کر رکھا تھا۔ ہر مہینہ کوئی نہ کوئی رسالہ انگلستان سے چھپ کر نکلتا اور تمام یورپ میں تقسیم کیا جاتا۔ اس نام کیلئے تنخواہ دار اہل قلم مہیا کیے گئے تھے۔ انہی میں ایک شخص ٹیپر نامی تھا۔ اس نے ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا تھا کہ ”کیا بونا پارٹ ترک (مسلمان) ہو گیا ہے؟“ تھیرس اس رسالہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے ”اس میں نپولین کی کئی تصویریں اس طرح کی بنائی گئی تھیں، جیسی از منہ وسطیٰ (مقل ایچز) میں پیغمبر اسلام کی بنائی گئی تھیں۔ نہایت خورنخوار قیافہ۔ چشم و ابرو سے قتل و خونریزی کے جذبات ٹپک رہے ہیں۔ ایک ہاتھ میں برہنہ تلوار ہے۔ دوسرے میں قرآن“

چند سالوں کے بعد جب نپولین نے پوپ کو پیرس بلایا تاکہ اُس کی تاج پوشی کی رسم ادا کرے، تو لندن کے ایک اخبار کا کارٹون بہت مشہور ہوا تھا۔ اس میں نپولین کے ایک ہی دھڑ پر دو رز پشت چہرے بنائے تھے۔ ایک پر یگوری تھی۔ ایک برہنہ تھا۔ یگوری والے سر کے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے تھے ”میں مشرق میں اس لیے آیا ہوں تاکہ دین محمدی زندہ کر دوں“ مگر برہنہ سرکہ رہا تھا ”میں مشرق سے واپس آگیا تاکہ نوٹر دم کے گھنٹوں کا مقدس بلارا سنوں!“ پہلا جملہ نپولین کے اعلان مصر سے ماخوذ تھا۔ دوسرا اُس کی ایک پر جوش تقریر سے، جس میں اُس نے مذہب کی ضرورت اور تاثیر پر زور دیتے ہوئے کہا تھا ”میرے حافظہ میں کسی چیز کی یاد اس قدر عمیق تاثیر پیدا نہیں کرتی، جس قدر کرچے کے گھنٹے کی مسلسل صدا میں“

لیکن جب کہ مخالفین نے اس معاملہ کو اس درجہ اہمیت دی، تو موافقین نے بھی اُس کی اہمیت گھٹانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ نپولین کے اکثر عقائد اس بارے میں ساکت رہے ہیں۔ بعضوں نے ذکر کیا بھی ہے تو اس سے زیادہ نہیں کہ اُس نے اپنے اعلانات میں اپنے آپ کو اسلام کا دوست ظاہر کیا تھا۔ بعض نے انکار و تقلید میں مخالفت سے بھی کام لیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ ”یہ واقعہ ہی سرے سے غلط ہے“ فریٹز اور کلیبر مورخانہ سنجیدگی کے ساتھ لکھتے ہیں ”سنجیدگی کی تحتوں کے جو شہنشاہ کے دشمنوں نے تراشی نہیں ایک تہمت ہے یہی تھی“ کین تیرم اور لیس کیس نے (اور آخر کار ان کی لڑائی میں سے ہے جو سینٹ ہلینا میں نپولین کے رہنے کے لیے) اس معاملہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ بیڑین نپولین کا سکرٹری اور مصر و شام میں اُس کے ساتھ تھا۔ وہ نپولین کے واقعات مصر بہت تفصیل سے بیان کرتا ہے، لیکن اس معاملہ کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا۔ خود نپولین نے



مرادبک مملوک

جو مصر کے دفاع میں نپولین سے لڑا مگر ناکام رہا



اعلیٰ رہیں سے مصر آئے تھے۔ جب نپولین مصر آیا اور دیوان شوریٰ مقرر کیا، تو اس کے لیے ایک کاتب کی ضرورت ہوئی۔ اس کام پر اسی کا تقرر ہوا۔ اس طرح اسے موقع ملا کہ بہت زیادہ قریب سے اس قوم کے حالات و اعمال کا مطالعہ کرے۔

اس نے اپنے زمانہ کے حوادث مصر پر ایک ضخیم کتاب عجائب الآثار لکھی ہے جو تاریخ حبرتی مشہور ہے۔ اسمیں پہلے ابن ابیاس کی تاریخ مصر کی آخری تاریخ سے لیکر اپنے وقت تک کے مختصر حالات دیے ہیں تاکہ ابن ابیاس کی تاریخ کے لیے یہ تاریخ ذیل اور مکملہ کا کام دیے۔ پھر سنہ ۱۱۴۲ - ہجری سے لیکر سنہ ۱۲۳۶ - تک کے تمام اہم حوادث مصر تاریخ راز روز نامچہ کی طرح لکھے ہیں اور کوئی ضروری بات نظر انداز نہیں کی ہے۔ غالباً سنہ ۱۲۴۰ - مطابق سنہ ۱۸۲۵ ع میں انتقال کیا۔

افسوس ہے اس تاریخ کی قدر و قیمت سے مشرقی دنیا برابر غافل رہی۔ حالانکہ یہ اٹھارہویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل کے حوادث مصر کی سب سے زیادہ مستند تاریخ ہے۔ نپولین کا حملہ مصر اور محمد علی خدیو ازل کا ظہور، تاریخ مشرق کے نہایت اہم واقعات ہیں۔ حبرتی نے انکی چشم دید سرگزشت ایک روزنامچہ کی طرح مرتب کر کے پیش کر دی ہے۔

(۶) سید اسماعیل خشاب - نپولین اپنے ساتھ عربی حروف اور مطبع بھی لے گیا تھا، اور اس سے ایک سرکاری اخبار بھی جاری کیا تھا۔ اس میں عدالت اور فوج کے حالات اور سرکاری اعلانات



شیخ عبداللہ شوقاری

صاحب تحفۃ الناظرین و رئیس دیوان مصر

حوادث مصر پر لکھا ہے: ”الوقائع و النوازل“ سنہ ۱۲۳۲ ھ مطابق سنہ ۱۸۱۹ میں انتقال کیا۔

(۳) شیخ خلیل البکری - مصر میں عرصہ سے خاندان وراثیہ کا سجادہ طریقت قائم ہے۔ چونکہ نسلۂ حضرة ”ابوبکر“ کی اولاد میں ہیں۔ اسلیئے ”بکری“ کہلاتے ہیں۔ جو شخص سجادہ نشین ہوتا ہے اسے ”نقیب السادات“ کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے جو سرکاری لقب ہے۔ نپولین کے زمانہ میں سجادہ نشین شیخ خلیل تھے۔ نپولین نے انہیں بھی دیوان کا رکن چنا تھا۔ ان میں اور نپولین اور دوسرے فرانسیسی افسروں میں بہت زیادہ رسم و راہ پیدا ہو گئی تھی۔ نپولین اکثر انکے مکان پر آتا۔ یہ اسکی دعوتوں میں شرکت کرتے۔ انہی نے نپولین کو ایک چرکسی غلام بطور ہدیہ کے دیا تھا جسے نپولین اپنے ہمراہ فرانس لے گیا تھا۔ یہ شاعر اور ادیب تھے۔ اسوقت کے حوادث مصر پر متعدد قصائد لکھے



نپولین مصری اسلامی لباس میں

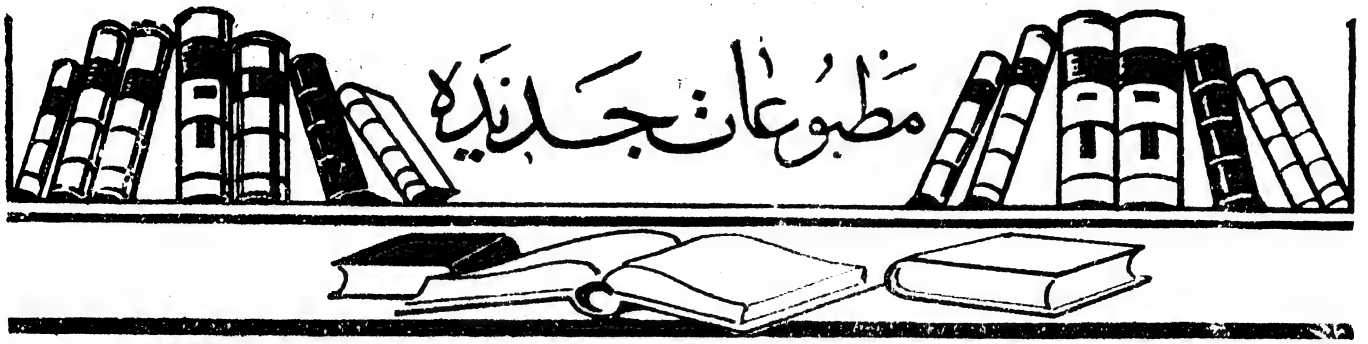
جب اس نے جامع ازہر اور جامع حسیبی میں نماز جمعہ ادا کی تھی

ہیں۔ بعض فرانسیسی مستشرقین اپنے ساتھ لیگئے اور پیرس میں ترجمہ کے ساتھ شائع کیا۔ سنہ ۱۲۳۵ ھ مطابق سنہ ۱۸۲۰ میں انتقال کیا۔

(۴) شیخ محمد مہدی - یہ اسوقت جامع ازہر کے شیخ تھے۔ اصلاً قبطی تھے۔ بچپن میں مسلمان ہو گئے اور ازہر میں تحصیل علوم کر کے علم و فضل کا درجہ حاصل کر لیا۔ یہاں تک کہ مشیخت کے درجہ تک پہنچ گئے۔ یہ بھی نپولین کے دیوان کے رکن تھے۔ انہوں نے ایک کتاب الف لیلہ کی روش پر تحفۃ المستیعظ لکھی تھی جسے فرانسیسی اپنے ساتھ لیگئے اور فرنچ ترجمہ کے ساتھ پیرس میں چھاپ کر شائع کیا۔ انہوں نے سنہ ۱۲۳۰ - مطابق ۱۸۱۵ ع میں انتقال کیا۔

(۵) عبدالرحمن حبرتی - یہ اُس عہد کا سب سے بڑا مورخ ہے۔ ”حبرت“ حبش کے قریب ایک موضع کا نام ہے۔ اس کے مورث





## پان یورپین تحریک اور امن عالم

ایک جرمن مدبر کی تجویزیں

اس وقت جبکہ جنیوا میں اسلحہ کی تخفیف و تعداد کے مسئلہ پر بحثیں ہو رہی ہیں، ایک نئی کتاب کے مضامین یقیناً دلچسپی کے ساتھ پڑھے جائینگے جو حال میں شائع ہوئی ہے۔ ”پان یورپین تحریک“ یعنی وحدۂ اقوام یورپ کی تحریک کے ایک جرمن داعی فونٹ رچرڈ کڈنہوہر کیلرگی Richard Caudenhove Kalergi نے قلم سے نکلی ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے پہلے امن عالم کی ضرورت پر بہت موثر پیرایہ میں نظر ڈالی ہے۔ پھر ثابت کیا ہے کہ اسکا تنها ذریعہ یہی ہے کہ ”یورپین طاقتوں کی روز افزوں ہتھیار بندی موقوف کر دی جائے“ لیکن ”ہتھیار بندی“ سے مقصود کیا ہے؟ صرف لوہے اور آگ کے ہتھیار؟ مصنف اس سے انکار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے ”صرف لوہے کے ہتھیاروں سے نہ ہتھا کر دینا کچھ مفید نہ ہوگا۔ یورپ کو اس کے سیاسی، اخلاقی، اور اقتصادی حربوں سے بھی نہ ہتھا کر دینا چاہئے۔ اسے بغیر ہتھیار بندی کی مخالف تحریک بے فائدہ ہے۔ جب تک بغض و حسد کے چھالے قوموں کے دلوں میں موجود رہیں گے، اس وقت تک دنیا میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا“

اسکے بعد مصنف لکھتا ہے: ”یورپ کی سلامتی کی درہی صورتیں ممکن ہیں: مختلف قوموں کے مابین بدل قائم ہو جائے، اور جنگ اور جنگ کے اسباب رونے کے لیے سلطنتیں اپنی قوت استعمال کرنے پر متفق ہو جائیں“

آگے چلکر مصنف نے مختلف مغربی طاقتوں کی موجودہ جنگ جربانہ حالت پر نظر ڈالی ہے:

”اراسیاز کے معاہدہ نے جرمنی کو نہ ہتھا کر دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ لیکن یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ جرمنی کو اس کے مسلح پڑوسیوں کے درمیان نہ ہتھا کر کے چھوڑ دیا جائے؟ یورپ کے امن و امان کے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ تمام سلطنتیں ایک ساتھ اور ایک ہی قسم کا قدم اٹھائیں۔ یا تو سب مسلح ہو جائیں، یا سب ہتھیار رکھ دیں۔ بعض کا ہتھیار بند رہنا اور بعض کا ہتھیار رکھ دینا، امن کا نہیں جنگ کا موجب ہے“

”یورپین سواحل کی سلامتی کی سب سے زیادہ آسان اور عملی صورت یہ ہے کہ برطانیہ اپنے جنگی بیڑے کے ذریعہ حفاظت کی ذمہ داری لے لے۔ نہ یہ کہ ہر سلطنت اپنی بحری قوت بڑھا کر جنگ کا ایک اور خطرہ پیدا کر دے۔ اگر برطانیہ اس پر راضی ہو جائے کہ اپنا جنگی بیڑا یورپ کی ضرورتوں کیلئے وقف کر دیگی تو بلا شک دنیا کا امن و امان یقینی ہو جائیگا۔ لیکن برطانیہ یہ اسی وقت منظور کر سکتی ہے جب تمام دول یورپ طے کر لیں کہ اپنی مجموعی بحری قوت، برطانیہ کی بحری قوت سے کم کر دیں گی“

”ترکی کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد روس ہی ایک ایسی سلطنت ہے جسکی سرحدیں خشکی میں یورپ سے ملتی ہیں۔ روسی سرحدیں بہت وسیع ہیں اور بے شمار مشکلات کا سبب بنی ہوئی ہیں۔ روس کا اپنے تمام پڑوسیوں سے جھگڑا ہے۔ سب سے زیادہ اہم اس کے سیاسی اور اجتماعی جھگڑے ہیں۔ پھر روس کی آبادی بھی بہت بڑی ہے۔ جنگی طیاروں بھی عظیم ہیں۔ اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اس کی اصلی غرض تمام دنیا میں انقلاب پیدا کرنا ہے۔ روسی مدبر حیرت انگیز مستعدی سے انقلاب کی تخرم ریزی کر رہے ہیں۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ روس اپنے مقاصد کی اشاعت امن و آشتی سے کرنی چاہتا ہے، وہ سخت قریب خوردہ ہے۔ روس جنگ کو اپنے مقاصد کی کامیابی کا ایک ہی ذریعہ سمجھتا ہے“

”روس سے مفاہمت کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ یورپ اس کی سرحدوں کا احترام کرے اور وہ یورپ کی سرحدوں کا“

”یورپ کو کسی حال میں بھی روس پر حمہ کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے۔ نہ اس کے اندرونی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت کرنی چاہیے“

”یورپ کی داخلی سلامتی اس وقت تک نا ممکن ہے جب تک اس کے موجودہ سیاسی نظام میں عامل تبدیلی نہ ہو جائے۔ یورپ کی حفاظت کے لیے کوئی نہ کوئی نظام ضرور مرتب ہونا چاہیے“

”یورپ سے اچانک ہتھیار رکھا لینا نا ممکن ہے۔ اس معاملہ میں پیش قدمی ان سلطنتوں کو کرنی چاہیے جو اس کی زیادہ ضرورت محسوس کرتی ہیں۔ جب یہ سلطنتیں باہم ایک دوسرے پر متفق ہو جائیں گی، تو دوسری سلطنتیں بھی ان کی پیروی پر مجبور ہو جائیں گی۔ جنگی قوت کے اعتبار سے یورپ کی نو سلطنتیں زیادہ اہم ہیں۔ اگر یہ آپس میں متحد خیال ہو جائیں تو تمام دول یورپ کو سر جھکا دینا پڑیگا جن کی تعداد اس وقت ۲۵ ہے۔ مجلس اقوام یا دول عظمیٰ میں سے کسی ایک کو اس مقصد کے لیے کانفرنس بلانی چاہیے۔ کانفرنس میں حسب ذیل امور طے کرنے چاہئیں:

(۱) تمام دول یورپ پختہ عہد کر لیں کہ ان میں سے کوئی کسی پر اعلان جنگ نہ کرے گی۔

(۲) ہر باہمی نزاع مابین الاقوامی پنچائت کے سامنے فیصلہ کے لیے پیش کیا جائیگا۔

(۳) غیر یورپین حملوں کے مقابلہ میں تمام یورپ متحد ہو جائیگا۔

(۴) اگر اس معاہدہ پر دستخط کرنے والی ایک سلطنت، دوسری پر حملہ کرے گی، تو تمام دول مل کر اسے سزا دیں گی۔

(۵) غیر یورپین سلطنتوں سے دول یورپ نے جتنے معاہدے کر رکھے ہیں، سب منسوخ کر دیے جائیں“

## ادبیات

## تین ہزار سال پہلے کی شاعری

## قدیم مصری شاعری

مصر، دنیا کے قدیم ترین تمدن کا مرکز ہے۔ یونان اور روم جبکہ جبل کی ظلمتوں میں لپٹے پڑے تھے، تو مصر میں علم و حکمت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔

دنیا "توت آنخ آمون" کے نام سے واقف ہو چکی ہے حال ہی میں اس کا مقبرہ اور صحیح و سالم جبہ برآمد ہوا ہے۔ ہم ابی بادشاہ کے ایک عزیز بادشاہ کے زمانہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نام "آمی لوتب" چارم تھا۔ یہ "توت آنخ آمون" کا بہنوئی تھا، اور سنہ قبل مسیح میں مصر کے تخت پر بیٹھا تھا۔

قدیم شاہان مصر میں اس بادشاہ کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ اس کے ہمدر میں مصر کا تمدن اپنے پورے عروج تک پہنچا مصر نے صرف ادنیٰ تر ترقی ہی نہیں کی تھی معنی ترقی کے بھی کئی مرحلے طے کئے تھے۔ اس سے پہلے مصریوں میں طرح طرح کے توہنات عام تھے۔ عام اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندگی صرف اسی طرح مل سکتی ہے کہ اس کی قبر شیطاؤں کی تصویریں بنائی جائیں۔ میزوں پر رکھا، پیانا رکھا جائے۔ غنمی غنمی مورتیں اس کے کفن میں بطور تزیین کے لٹکا دی جائیں۔ خیال تھا یہ سب چیزیں "کا" کو زندہ کر دیتی ہیں، اور "کا" زندہ ہو کر مرنے میں ازبر نورج بیونک دیتا ہے۔ قدیم مصری زبان میں "کا" وہی جینر ہے جسے آج کل ہزار کہا جاتا ہے۔ ان کا بھی عقیدہ تھا کہ ہزار ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ صرف موت اسے جدا کر دیتی ہے۔ لیکن اگر مذکورہ بالا چیزیں قبر میں ہیا کر دی جائیں تو ہزار کا تعلق مرنے سے باقی رہتا ہے اور کبھی نہ کبھی اس کی دوبارہ زندگی کا باعث ہوتا ہے۔

"آمی لوتب چارم" نے یہ تمام متوجہانہ عقائد باطل کر دیے۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر کے تمام دینی عقائد بھی بدل ڈالے۔ ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ اور اس کی بنیاد آفتاب پرستی پر رکھی۔ پہلے مصریوں کا معبود اعظم "آمون" تھا۔ اس بادشاہ نے اسے مشوخ کر کے "اخاتن" کی عبادت جاری کی۔ "اخاتن" دو مصری لفظوں سے مرکب ہے "اخا" اور "آتن"۔ "اخا" کے معنی ہیں روشنی اور نور۔ "آتن" کا اطلاق سورج پر ہوتا تھا پس "اخاتن" کے معنی ہوئے "سورج کی روشنی"۔

اس بادشاہ کے عہد کے بہت سے آثار اور مقبرے برآمد ہوئے ہیں۔ ان مقبروں میں مذکورہ بالا خرافات کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ ان میں نہ تو شیطاؤں کی تصویریں ہیں، نہ چھوٹی چھوٹی مورتیں نہ کھانے کے میز ہیں۔ ان میں جو کچھ ہے وہ بادشاہ اور ملکہ کے جلسوں اور جشنوں کی تصویریں ہیں، یا مصر کی روز

مرہ کی زندگی کے مرتع ہیں۔ علماء تہریات کا خیال ہے کہ یہ آثار سب زیادہ قیمتی ہیں۔ کیونکہ یہ اس عہد کی زندگی ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

## قدیم مصری نظم

اسی عہد کے ایک قبرستان میں بہت سے اشعار کندہ کیے ہیں۔ یہ پڑھ لے گئے ہیں۔ ان کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ یہ درحقیقت مجموعہ نظم "آتن" (آفتاب) کی تعریف و ستائش کے قصیدے ہیں لیکن یہ اس سے بھی بڑا کچھ ہیں۔ یہ تین ہزار سال پہلے کی ترقی یافتہ انسانی ذہنیت و دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ شعر، انسانی جذبات و قلبی کیفیات کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس مصری شعر کے اندر موجودہ انسانیت، اپنی قدیم شکل دیکھ سکتی ہے۔ ذیل میں اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

## "آتن" کا جلال!

کیا دلغیب ہو تیرا فؤاد افق آسمان میں!  
لے دو پہلے طباق، لے سرخسہ حیات!  
ہر صبح ہم تجھے آسمان کے درجہ میں دیکھتے ہیں  
تو پوری زمین اپنے حسن سے معمور کرتا ہے!  
تو ہی خوبصورت ہو، غلیظ ہو، روشن ہو، زمین پر بلند ہو!  
تیری شامیں تمام زمینوں کو اپنے ہنوں میں لئے ہوئے ہیں!  
ہاں، تمام زمینوں کو لئے ہوئے، جنھیں تو ہی نے بنایا ہے!  
اور تو ہی نے ان پر انسانوں کو آباد کیا ہے!  
ہاں، انسانوں کو جنھیں تو ہی نے پیدا کیا ہے!  
وہ انسان، جنھیں تو نے نجات کے بندھن سے جوڑ دیا!  
کہتے ہیں، تو دور ہو، بہت دُور ہو!  
مگر تو دور کہاں ہے؟ تیری شامیں تو زمین پہنچی ہوئی ہیں!  
لے بلند تر کیا بدن کی انسانی تیرا ہی ایک جلوہ لورانی نہیں ہے؟

## رات

لے بادشاہ! جب تو آسمان کے کچھ میں لیٹ جاتا ہے  
تو سامے جہان پر رخت کی تاریکی چھا جاتی ہے!  
آدمی اپنے گھروں میں سو جاتے ہیں  
مٹے لیٹے، بے حرکت، صرف سانس چلتی ہے!  
کوئی کسی کو نہیں بھٹتا۔ آنکھیں بند ہوئی ہیں  
اُنکے سرانے چور کھڑا ہوتا ہے، مگر انھیں خبر نہیں!  
شیر کچھ اسے بچھتے ہیں، سانپ نیچا شروع کرتے ہیں!  
کیا ملکہ ظلمت کی فرازوائی نہیں؟  
کیا دنیا رجبے ستارے میں نہیں ہے؟

ہاں سب کا بنانے والا افق کی محل سراپاں کو خراب ہے!  
دن اور انسان

یہ کیسی ہوا ہی ہے؟

زمین مسرت سے کیوں اچھل رہی ہے؟  
دیکھو بادشاہ کی سواری افق میں نمودار ہو گئی!  
تو نے کائنات روشن کر دی!

تاریکی کا پتہ نہیں!

تو آسمان پر گر تری شامیں میں پر!

یہ ہمارے بادشاہ کا جلال ہے!  
آدمی خوشی سے اپنے پروں پر کھڑے ہوئے  
تو نمودار ہوا اور زندگی کا آغاز ہوا!  
سب ہنسا دھو کر گئے۔

سب کے ہاتھ مشرق کی طرف اٹھ گئے۔

ہاں مشرق کی طرف، تیری تاجدہانی کی طرف!  
تیری بندگی کے بعد دنیا کے کام شروع ہوئے!

دن اور حیران و نبات

چوہائے چراگاہوں میں سب گئے۔

درخت اور پودے کھلکھلانے لگے

چراغ بھی گونسلوں سے لٹ گئیں

پراٹھائے، تیری تسبیح کرتی ہوئیں!

ہر پرند اڑ رہا ہے!

ہر کوئی تیری روشنی میں زندگی پار ہوا!

دن اور پانی

کشتیاں آنے جانے لگیں

اپنے متول ہوائیں اُڑاتی ہوئیں!

سب راہیں تیرے نور سے روشن ہو گئیں!

پھلیاں سطح پر دوڑ آئیں!

لے نور! وہ تیرے عہدے میں گر پڑیں!

تیری شاعروں نے موصیٰ توڑ دیں!

سمندر کی تہ پر کچھ گئیں!

انسان کی پیدائش

تو ہی نے عورت سے انسان کو پیدا کیا!

تو ہی نے مرد میں زندگی کا تھم رکھا!

ماں کے پیٹ میں بچے کو زندگی بھی سے ملی!

وہ نہ روتا ہے نہ گھبراہٹ

رحم مادر میں پڑا سوتا ہے!

تیرا دست شفقت اُس پر دھرا ہے!

ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے اور نور دیکھتا ہے!

تو اُس کا معصوم منہ کھول دیتا ہے!

تب وہ بولتا ہے!

پھر تو ہی اُس کی مزدتیں پوری کرتا ہے!

لے بادشاہوں کے بادشاہ! تیرا نام پڑا ہے!

حیوان کی پیدائش

مغی کا اٹھا!

اُس کے اندر بچہ!

یہ تیری ہی قدرت ہے!

زندگی، یہ تیری ہی صنعت ہے۔

تو ہی نے اٹلے میں سانس ڈالی،

دیکھو، بچہ باہر نکل آیا!



## بصائر و حکم

### انسانیت موت کے دروازہ پر!

#### شاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

#### حسین بن علی علیہما السلام

۳

تیری قوت سے چلا آج  
خالق کی تائیں کرتا ہوں!  
اپنے بچوں پر دودھ پھرتا ہوں!  
دنیا کی پیدائش  
تیری صنعتیں کسی عیب ہیں؟  
ہماری عقل سے بھی بالا ہیں!  
اے ایک اکیلے مہجور!  
تیری جیسی قوت کس میں ہو؟  
تو نے زمین پیدا کی جس طرح بیدار کیا جا!  
تیرے اکیلے ہاتھوں نے زمین بنائی!  
تو نے آدمی اور چھوٹے بڑے حیوان پیدا کئے!  
تمام زمین کی مخلوق، پروردگار سے چلنے والی!  
تمام آسمان کی مخلوق، پروردگار سے اڑنے والی!  
تو نے سرزمین شام پیدا کی، تو بیا پیدا کیا!  
تو ہی نے مصر کی سرزمین بھی پیدا کی!  
ہر انسان کو اُس کی جگہ برسا!  
اُس کی زندگی کا سامان مہیا کر دیا!

اُسے دولت دی،

اُس پر موت لکھی،

سب کی عقلیں الگ الگ،

سب کی زبانیں جدا جدا،

کوئی کالا، کوئی گورا،

لے سب کے مالک! یہ سب تیرا ہی جلوہ ہو!

دریائے نیل

تو نے دوسرے عالم میں نیل پیدا کیا،

اپنی پسند کے مطابق اُسے جاری کیا،

سب نے اُس سے اپنی زندگی پائی،

لے پروردگار! بزرگواروں کے مددگار!

لے زمین کے ہر گھر کے مالک!

لے دوزخ و جہنم کے آفتاب!

تو ہی نے سب کو پیدا کیا،

تو ہی پہاڑوں پر موسلا دھار میخ برساتا ہو،

پانی جو میں مازا زمین پر بہتا ہو!

سب ملکوں میں آدمی اپنے کھیت پیچھے ہیں،

لے ابدیت کے مالک! تیرے کارنامے کیسے شاندار ہیں!

سب جاؤ بھی تیسے ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں

لیکن مقرر کا نیل دوسری دنیا سے آتا ہو!

تیری شعاعیں اُس پر پڑتی ہیں!

سبز و لہلا اُٹھتا ہو!

بلخ جھومنے لگتے ہیں!

تیرا نور زندگی ہو!

کبھی سے کامنات باقی ہو!

~~~~~



ذہن پسند کر لی۔ خدا انھیں اسے جو ذلت قبول کرتے ہیں! (بعض روایات میں یہ واقعہ خویزید کی طرف منسوب ہو مگر صحیح یہی ہو کہ ابن ابی نے پھڑی ماری تھی)

#### ابن زیاد اور حضرت زینب

راوی کہتا ہے جب اہل بیت کی خاتونیں اور بچے عید الفطر کے سامنے پہنچے تو حضرت زینب نے نہایت ہی حیران اس پہنا ہوا تھا۔ وہ بچائی نہیں جاتی تھیں۔ اُن کی کنیزیں انھیں اپنے پیچ میں لے لیں۔ تھوڑے بعد نے پوچھا ”یہ کن کون ہے؟“ انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے یہی سوال کیا مگر وہ خاموش ہیں۔ آخر اُن کی ایک کنیز نے کہا ”یہ زینب بنت فاطمہ ہیں!“ عید الفطر شامت کی راہ سے چلائی ”اُس خدا کی تائیں جس نے تم لوگوں کو رموا اور ہلاک کیا، اور تمھارے نام کو بڑھایا! اُسے حضرت زینب نے جواب دیا ”ہزار تائیں اُس خدا کے لئے جس نے ہمیں محمد صلعم سے عزت بخشی، اور ہمیں پاک کیا، نہ کہ عسبا تو کہتا ہو۔ فاسق رموا ہوتے ہیں۔ فاجروں کے نام کو بڑھاتا ہو!“ اُن نے زیاد نے کہا ”تو نے دیکھا خدا نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟“ حضرت زینب بولیں ”اُن کی ہمت میں تل کی موت لکھی تھی اس لئے وہ قتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب خدا تجھے اور انھیں ایک جگہ جمع کرے گا اور تم باہم اُس کے حضور سوال و جواب کرو گے!“ ابن زیاد غضبناک ہوا۔ اُن کا غصہ دیکھ کر عروبن حریت نے کہا ”خدا امیر کو سزا دے! یہ تو محض ایک عورت ہو۔ عہد توں کی بات کا خیال نہیں کرنا چاہئے“

پھر کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا ”خدا نے تیرے سرکش سردار اُڑ تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا! اُسے حضرت زینب اپنے تئیں بھٹال نہ سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ انھوں نے کہا: ”والہ تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا! امیرا خدا مٹا ڈالا! میری شاخیں کاٹ دیں! میری جڑا کھا دی! اگر اُس پر تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہو تو ٹھنڈا ہو جائے!“ ابن زیاد نے مسکرا کر کہا ”یہ شجاعت ہو! تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا!“ زینب نے کہا ”عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے فافل کر دیا ہو۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، یہ تو دل کی آگ ہو!“

#### ابن زیاد اور امام زین العابدین

اس گفتگو سے باغ ہو کر ابن زیاد کی نظر زین العابدین علی بن ابی پر پڑی۔ یہ بیارہ تھے۔ ابن زیاد نے ان سے اُن کا نام پوچھا۔ انھوں نے

#### حضرت زینب نے پامال لاش دیکھی

دوسرے دن عربیہ سدا نے میدان جنگ سے کورج کیا۔ اہل بیت کی خاتونیں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوثر روانہ ہو گیا۔ قرہ بن قیس (جو شاہ عینی ہو) روایت کرتا ہے کہ ابن عسروں نے جب حضرت حسین اور اُن کے لوگوں اور غریزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ میں گھوڑا دوڑا کر اُن کے قریب پہنچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھ زینب بنت فاطمہ علیہما السلام کا یہ مین کسی طرح بھی نہیں بھولتا۔ ”اے محمد! تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود سلام! یہ دیکھ جتن ریگستان میں پڑا ہے! خاک خون سے آلود ہو! تمام بدن طعنے لگے ہو! تیری بیٹیاں قیدی ہیں! تیری اولاد مقتول ہو! ہوا اُن پر خاک ڈال رہی ہو!“ راوی کہتا ہے دوست دشمن کوئی نہ تھا جو اُن کے مین سے رونے نہ لگا ہو۔ (ابن جریر)

#### ۲۷ سمر

پھر تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے۔ کل ۲۷ سر تھے۔ شمر بنی الحوشن قیت بن الاشعث، عمرو بن الحجاج، غزوہ بن قیس، یہ تمام سر عید الفطر بن زیاد کے پاس لے گئے۔

#### حضرت کا سر ابن زیاد کو سامنے

حمید بن مسلم (جو خولی بن زید کے ساتھ حضرت جہنم کا سر کو ذہن لایا تھا) روایت کرتا ہے کہ حسین کا سر ابن زیاد کے دربار رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبرز ہئی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک پھڑی تھی۔ پھڑی اُن کے لبوں پر مارے لگا۔ جب اُس نے بار بار یہی حرکت کی تو زمین اُتر م صلابی چلا اُٹھے: ”ابن ابیوں سے اپنی پھڑی ہٹا لے۔ قسم خدا کی! میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ابن کا بوسہ لیتے تھے“ یہ کہہ کر وہ زارتکار لگے۔ ابن زیاد خفا ہو گیا ”خدا تیری آنکھوں کو ٹولا ہے! والدہ اگر تو بڑا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن ماودیتا!“ زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے ”اے عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو! تم نے ابن فاطمہ کو قتل کیا۔ ابن مرتضیٰ (یعنی عبید اللہ) کو حاکم بنایا۔ وہ تمھارے نیک انسان قتل کرنا اور تمھارے شریروں کو غلام بنانا ہو تم

لے بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت انس نے یہ کہا تھا (منہاج السنہ)



# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرائے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,  
350, Oxford Street,  
LONDON, W.1.**

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے! انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں و ملحقہ ممالک میں شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی قیمتی اور سستے سے سستے ایدیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں ہی

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت چاہتے ہیں تو  
یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما

گاڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں،  
ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کرے

نیر

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کجایک

جنگی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گاڈ بک صرف

ڈنلوپ گاڈ بک گریڈ بریٹن

The Dunlop  
Guide  
to Great Britain

کاؤنٹر ایڈیشن ہے

ہندوستان

کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

تاریخ راجگان ہند

موسوم بہ

دقائق رجستان

یہ کتابیں ملک کشور ہندوستان کے لئے ایک آئینہ جہان نامہ ہیں۔ اس میں  
ہندو اقوام و مل خصوصاً سرزمین ہند کی سرانہ ناز بہادرتوم راجپوت اور  
اسکی مختلف شاخوں کا مفصل و مستند بیان اور ابتدائاً انتہا موجود ہے۔ یہ ایک  
نکارخانہ ہے جس میں ان غیر توہم کی جتنی جاگتی اور پستی تصویریں نظر آتی ہیں جو قلم  
ہند میں ہر رجاست سے آئیں، اہلی باشندگان ہند کو مغلوب کر کے اقطاع  
ملک پر قابض ہوئے اور ہندوستان میں کھڑے ہندو کھلانے لگے۔ یہ ایک  
موقع ہے جس میں مسلمانوں کی آمد ان کے اقبال و زوال کی کیفیت اور ان کی سلطنت  
کے سقوط کا مفصل حال درج ہے۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں رزم بزم جدال و قتال  
روایات و رسوم تاریخی و جغرافیائی حالات وغیرہ و غیرہ ازانہ حال بیان  
کئے گئے ہیں۔ الغرض یہ کہ ضخیم کتاب ایک اور وجود اور پیش ہوا ہے۔

کرنیل ٹاڈ اور دیگر مؤرخین کی غلط بیانیوں کی فاضل و محقق ٹولف  
نے نہایت شرح و بسط اور دلائل قاطعہ و اصلاح و تردید فرمائی۔ اس کی نظر کتاب  
کا اخذ ریاست عالیہ رامپور کا بیش بہا کتب خانہ ہے اور دیگر ریاستوں  
کے کتب خانوں اور ان دستی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے جو خزائن میں محفوظ  
ہیں علماء و کلاء۔ مدبرین و مبلغین کے لئے یہ نادر کتاب معلومات کا ایک  
بیش بہا خزانہ ہے جو حالات تاریخی و جغرافیائی روایات و رسوم و عقائد و  
توجہات اس میں درج ہیں وہ کسی ایک کتاب میں ہرگز نہیں مل سکتے۔

والیان ریاست تعلقہ آران، امرآوردو ساو کے کتب خانے نے ہر ایک  
بے نظیر کتاب کے ہرگز مکمل نہیں کما سکتے۔ فی زمانہ پرانی باتوں پر جو نیا رنگ  
چرچا کر پیش کیا جا رہا ہے اسکی نقلی کھولنے کے لئے یہ کتاب ایک ضرورت آلہ  
اور الزامی جواب ہے کہ ایک ملک حرم ہے۔ قلعہ بڑی صفحات ۶۳۰  
قیمت صرف مبلغ تین روپے راجپوتی صر

آج ہی کارڈ بک کے نمبر سوم بک ایجنسی لکھنؤ سے منگائے

دنیا کی بہترین پسل

امریکن کارخانہ "شیفر"

کی

"لائف ٹائم" پسل ہے

اس لئے کہ

(۱) "لائف ٹائم" یعنی عمر بھر کے لئے کافی ہے۔

(۲) اس کا خول اس قدر خوشنما اور دیدہ زیب ہے کہ دنیا  
کی کوئی پسل خوبصورتی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(۳) آرزائی میں بھی تمام قسموں کی پسلوں کا مقابلہ کرتی ہے

یاد رکھئے

آپ کو "لائف ٹائم" پسل خریدنی ہے!

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا میں بہترین فائین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت

یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی

زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری

بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے بھرے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو

"شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

## المال کی قدیم مکمل جلدیں

گاہے گاہے باز خواں اس دفتر پارینہ را  
تازہ خواہی داشتن گردا غمائے سینہ را

المال کی پہلی اور دوسری اشاعت کی جلدوں کے لئے شائقین علم  
ادب مشتاق تھے۔ چند جلدیں دفتر سیر کا جو حریف قلم پر بھیجا

المال جلد سوم

المال جلد چہارم

جلد پنجم

قیمت فی جلد: ۱۰ روپیہ

ابلاغ (یعنی المال کا دوسرا سلسلہ اشاعت) قیمت ۸ روپیہ (نیا مال)

سرحد  
دہلی

(ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی سیکا  
ہو، تو تامل نہ کیجئے  
اپنے سے

قریب دوا فروش کی دکان  
سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجئے

تاریخ کبیر دہلی

یزید کا آثار

یزید کے غلام قاسم بن عبد الرحمن سے روایت ہو کہ جب حضرت حسین  
اور ان کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے لگے گئے تو اس نے یہ شعر  
پڑھا:

یقلن ہا من جال اغرة علینا دم کا نوا اعم و اظلم

تم لو ایں لہو کو سر جھاتی ہیں جو ہیں عزیز ہیں، حالانکہ دراصل ہی حق فراموش  
کرنے والے ظالم تھے۔

پھر کہا: "و ادعائے حسین اگر میں ہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا"

اہل بیت و دشمن میں

حضرت حسین کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دھس دیا  
کر دیا۔ شمر بن ذی الجوشن اور مخضر بن غلبہ اس قافلے کے سردار تھے۔ امام  
زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔  
یزید کے دروازے پر پہنچ کر مخضر بن غلبہ جھلایا: "میں امیر المؤمنین کے پاس  
فاجر کینوں کو لایا ہوں" "یزید یہ سن کر خفا ہوا۔ کہنے لگا: "مخضر کی ماں  
سے زیادہ کینہ اور شریر ہے کسی عودت سے پیدا نہیں کیا"

یزید اور امام زین العابدین

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو  
بھی بٹھایا اور امام زین العابدین سے مخاطب ہوا: "اے علی! تمہارے  
ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا، میرا حق چھینا، میری حکومت چھینا چاہی  
اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو"

امام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی: "ما اصابہ من  
مصيبۃ فی الاصل ولا فی الفسک الا فی کتاب من قبل ان یفرجھا  
ان ذلک علی اللہ سیر کلکلا" سو اعلیٰ ہاں فاکر ولا فخر جو اجماعاً آکر  
واللہ لا یجیب کل محتال فخور"۔ یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اس نے  
چامہ اپنے گٹھے خالہ سے جواب دلائے۔ مگر خالہ کے گٹھ میں کچنر آیا  
تب یزید نے خالہ سے کہا: "کتا کیوں نہیں" "ہاں! صاحبکرم مصیبت  
جما کسبت ابدکم دیقو عن کلکلا"

پھر یزید دوسرے بچوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ انہیں  
اپنے قریب بلا کر بٹھایا۔ ان کی ہیئت خراب ہو رہی تھی۔ دیکھ کر  
مناسبت ہوا اور کہنے لگا: "خدا ابن مرثانہ کا بڑا کرے اگر تم سے اس  
کا کوئی رشتہ ہوتا تو تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا، نہ ابن حال  
سے تمہیں میرے پاس بٹھاتا"

حضرت زینب کی بیباکانہ گفتگو

حضرت فاطمہ بنت علی سے مروی ہے کہ جب ہم یزید کے سامنے  
بٹھائے گئے تو اس نے ہم پر ترس ظاہر کیا۔ ہم کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی  
مہربانی سے پس آیا۔ اسی آئینا میں ایک سرخ رنگ کا شامی ٹھہرا ہوا  
اور کہنے لگا: "امیر المؤمنین! یہ اٹکی مجھے عنایت کر دیجئے" اور میری  
طرف اشارہ کیا۔ اس وقت میں گھس اور خوبصورت تھی۔ میں خوف کو  
کاٹنے لگی اور اپنی بہن زینب کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی مختصر  
زیادہ سمجھ راہتیں، جانتی تھیں یہ بات ہو نہیں سکتی۔ انہوں نے نیکیا  
کر کہا: "تو کینہ ہو۔ نہ تجھے اس کا اختیار ہو نہ اسے (یزید کو) اسکا  
حق ہو" اس جرات پر یزید کو غصہ آگیا۔ کہنے لگا: "تو جھوٹے کبوتر  
جو دالہ مجھے یہ حق حاصل ہو۔ اگر جاہلوں تو ابھی کر سکتا ہوں" زینب

لے بٹھادی کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل  
آسان ہو۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر ہم امنوں کر اور فائدہ پر خود نہ ہو۔  
خدا مفردوں اور فخر کرنے والوں کو اپنے کرنا ہو۔ ملے جو مصیبت بھی آتی ہو  
تمہارے اپنے اہل بیت کی ہو۔ اور بہت سی غلطیاں تو خدا سامان کرتا ہو۔

نے کہا: "علی بن الحسین" ابن زیاد نے قہر سے کہا: "کیا اللہ نے علی بن الحسین  
کو قتل نہیں کر ڈالا؟" زین العابدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابن زیاد نے  
کہا: "بولتا کیوں نہیں؟" انہوں نے جواب دیا: "میرے ایک اور بھائی کا  
نام بھی علی تھا۔ لوگوں نے اسے مار ڈالا" ابن زیاد نے کہا: "لوگوں نے  
نہیں، خدا نے مارا ہو" اس پر زین العابدین نے یہ آیت پڑھی: "اللہ  
یتوفی الانفس حین موتهما۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ"  
اس پر ابن زیاد جھلایا: "خدا تجھے ایسے! تو بھی انہی میں سے ہو" پھر اس کے  
بعد ابن زیاد نے چامہ، اسنیں بھی قتل کر ڈالے لیکن زینب بیقرار ہو کر جرج  
اٹھیں۔ میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو مومن ہو اور اس وقت  
کو ضروری قتل کرنا چاہتا ہو تو مجھے اسی کے ساتھ مار ڈال! امام زین  
العابدین نے بلند آواز سے کہا: "اے ابن زیاد! اگر تو ایں عورتوں سے  
اپنا ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہو تو میرے بعد ان کے ساتھ کسی بھی آدمی کو بھیجا  
جو اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے بڑا دکر ہے" ابن زیاد ویر  
تک زینب کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: "رشتہ بھی  
کیسی عجیب چیز ہو؟ دالہ مجھے یقین ہو کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ  
قتل ہونا چاہتی ہو۔ اچھا، لڑکے کو چھوڑ دو یہ بھی اپنے خاندان کی  
عورتوں کے ساتھ جائے" (ابن جریر کا نقل۔ وغیرہ)

ابن عقیف کا قتل

اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہزادوں کو جمع کیا  
اور خطبہ دیتے ہوئے اس خدائی تعزیر کی: "جسے حق کو ظاہر کیا ہو اور  
کو قہقبا کیا، امیر المؤمنین یزید بن معاویہ اور ان کی جماعت غالب ہوئی  
اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا  
... یہ سن کر عبد اللہ بن عقیف ازدی (جو حضرت علی کے مشہور شاگرد  
ہیں اور جنگ بمل و صفین میں زخمی ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے)  
کھڑے ہو گئے اور چلائے: "خدا کی قسم! ابن تر جابہ کذاب ابن کذاب  
تو وہی نہ حسین بن علی" ابن زیاد نے یہ سن کر انہیں قتل کر ڈالا۔

یزید کے سامنے

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسین کا سر بائیں پرغیب کر کے آخر  
بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیج دیا۔ غار بن ربیعہ کہتا ہے: جس وقت  
زجر بن نفیس ہوتا تھا، میں یزید کے پاس بٹھاتا تھا۔ یزید نے اس کو سوال  
کیا: "کیا خبر ہو؟" قاصد نے جواب دیا: "فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوا  
حسین بن علی اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ۶۰ حامیوں کے ساتھ ہم تک  
پہنچے۔ ہم نے انہیں بڑھ کر دکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالہ  
کروں ورنہ لڑائی لڑیں۔ انہوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی چنانچہ  
ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر حملہ بول دیا۔ جب تلواریں اٹھنے  
سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہڑت بھاگے، اور جھاڑوں اور درختوں  
میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر، باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہم نے  
ان سب کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت ان کے لاشے بڑھ پڑے ہیں۔ ان کے  
کپڑے خون میں تر ہیں۔ ان کے دھار عبا سے میلے ہو رہے ہیں،  
ان کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔  
گردن کی خوراک بن گئے ہیں!"

یزید رونے لگا

داؤدی کہتا ہے یزید نے یہ سنا تو اس کی آنکھیں خشک بار ہو گئیں۔  
کہنے لگا: "بغیر قتل حسین کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا  
تھا۔ ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! دالہ اگر میں دہاں  
ہوتا تو حسین سے ضرور دو گدہ کر جاتا۔ خدا حسین کو اپنے جوار رحمت  
میں جگہ دے!" قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا (ابن جریر کا نقل  
لے خدا ہی شکر کے وقت جا میں لیتا ہے۔ کوئی بھی بغیر اس کی اذن کے نہیں سکتا۔

ماذا تقولون ان قال لہٰی کلمۃ ما فاعلم وانتم اخلاصہ؟  
کیا کہو گے جب بنی تم سے سوال کریں گے کہ وہ جو جسے آخری تہہ ہو  
بقرتی دہائی بعد مقتدی منہم اُساری و منہم ضرع و اہم  
تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ ان میں  
سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں!

### مرثیہ

حضرت حسین کی شہادت پر بہت سے لوگوں نے مرثیے کہے۔  
سلیمان بن قتہ کا مرثیہ بہت زیادہ مشہور ہوا۔

مرثی علی ابیات آل محمد فلم ازل کھدایم حلت  
بیس خاندان محمد کے گھروں کی طرف سے گزرا مگر وہ کبھی دیکھے نہ تھے جیسے جس  
دن جب ان کی حرمت توڑی گئی!

فلما بعد الدار والہما وان اصحت من الہما فخلت  
خدا ان مکانوں اور کمپنوں کو دھونڈ کر آئے اگرچہ وہ اب اپنے کنبوں سے  
خالی پڑے ہیں!

وان قتلنا اللطف من آل ہاشم اذل رقاب المسلمین ذلت!  
کر بلائیں ہاشمی مقتول کے قتل نے مسلمانوں کی گردنیں ذلیل کر دیں!  
دکان اور جہاز قمار و ادا زنیہ فقد غفلت تلک الزیادہ و جلّت!  
ان مقتولوں سے دنیا کی امیدیں وابستہ تھیں مگر وہ مصیبت بن گئے۔ آہ!۔  
مصیبت کتنی بڑی اور کتنی سخت ہو!

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْاَرْضَ صَحْتٌ مَّرْفُیۡۃٌ لِّفَقْدِ حَسَنِ وَ الْبِلَادُ اقْشَرَّتْ  
کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین جس کے فزاق میں بیاد ہو اور دنیا کا زہریلے ہو؟  
قد اعدت لہٰی السار لفقہہ و انجما تحت علیہ و صلت  
آسان بھی اُس کی جدائی پر روتا ہو۔ تارے بھی ماتم کرتے اور سلام بھی ہو میں!

## جامع الشواہد

### طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ستمبر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی

تھی جب وہ رپائی میں نظر بند تھو۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا

کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے

استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح

اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب ہر ملت

تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جتندر منجھ پتھے تھے، مدرسہ اسلامیہ رپائی

کو دے دئے گئے تھو جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف

کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لکھیں چھپی ہو۔ قیمت ۱۲

میخ المال ملکتہ

کی لڑکیاں کنیز بن گئیں؟" یزید نے جواب دیا "اے میرے بھائی  
کی مٹی! ایسا کیوں ہونے لگا؟" فاطمہ نے کہا "مجدا ہمارے کان  
میں ایک ابلی بھی نہیں چھوڑی گئی" یزید نے کہا "تم لوگوں کا خنہ  
گیا ہے، اُس سے کہیں زیادہ میں نہیں دوس کا" چنانچہ جس نے اپنا  
جتنا نقصان بتایا، اُس سے دو گنا بگنا دیدیا گیا۔

یزید کا دستور تھا روز صبح شام کے کھانے میں علی بن حسین کو  
اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حسن کے کم میں بچے کو  
بھی لایا اور سہمی سے کہنے لگا "تو اس سے لڑیگا؟" اور اپنے لڑکے  
نالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمر بن حسن نے اپنے بچے کے ہونے پر  
میں جواب دیا "یوں نہیں۔ ایک بھری مجھے دو، اور ایک بھری اپنے  
دو، پھر ہماری لڑائی دیکھو" یزید ہلکھلکا کر ہنس پڑا اور عمر بن حسن  
کو گود میں اٹھا کر سینے سے چسایا اور کہا "ساپ کا بچہ بھی ساپ  
ہی ہوتا ہے!"

### یزید کی "زو و پشیمانی"

یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا ہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں  
اُن کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا "کیا حرج تھا اگر میں خود بخود ہی سی  
تکلیف گوارا کرتا جس میں کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ اُن کے  
مطالبہ پر غور کرتا، اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہو  
نہ پڑ جاتی۔ لیکن اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اور رشتہ داری کی  
توحفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر جس نے  
حسین کو لڑائی پر مجبور کیا جس نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینا  
دیں گے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں  
گے۔ مگر ابن زیاد نے اُن کی کوئی بات بھی نہیں مانی۔ اور قتل کر ڈالا۔  
اُن کے قتل کے تمام مسلمانوں میں مجھے غم و غصہ بنا دیا۔ خدا کی لعنت  
ابن مرجانہ پر! خدا کا غضب ابن مرجانہ پر!"

### اہل بیت کو خست کرنا

پھر جب اہل بیت کو مدینہ بھیجے لگا تو امام زین العابدین سے ایک  
مرتبہ اور کہا "ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! والد اگر میں حسین کیساتھ  
ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اُسے  
ضرور منظور کر لیتا۔ میں اُن کی جان پر ممکن ذریعہ سے بچاتا اگرچہ ایسا  
کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو یہی منظور  
تھا جو ہو چکا۔ دیکھو، مجھ سے برابر خط کتابت کرتے رہنا، جو ضرورت  
بھی پیش آئے، مجھے خبر دینا" بعد میں حضرت سکینہ برابر کہا کرتی تھیں  
"میں نے کبھی کوئی ناشکر انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا  
نہیں دیکھا!"

### اہل بیت کی فیاضی

یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک مقبر آدمی اور فوج کی حفاظت  
میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر ان مصیبت زدوں سے  
اچھا برتاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینب بنت  
علی اور حضرت فاطمہ بنت حسین نے اپنی چوڑیاں اور لنگن آگے بٹھ  
اور کہا "یہ تمھاری نیکی کا بدلہ ہے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ تمھیں  
دیں" اُس شخص نے زبور واپس کر دیے اور کہا "والد میرا  
یہ بڑا وکسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال  
سے تھا!"

### مدینہ میں ماتم

اہل بیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جانگل خربخ  
چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلائی ہوئی ٹھل  
پڑیں حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور  
خوشترستی جاتی تھیں:

نے کہا "ہرگز نہیں! خدا نے تمھیں یزید ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری  
ہو کہ تم ہماری ملت سے بکھل جاؤ اور ہمارے چھوڑ کر دوسرا دین اختیار  
کر لو" یزید اور بھی زیادہ خفا ہوا۔ کہنے لگا "دین سے تیرا باپ اور تیرا  
بھائی بکھل چکا ہے!" زینب نے بلا تامل جواب دیا "اگر کے دین ہو،  
میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے  
دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے ہدایت پائی ہے!"  
یزید چلایا۔ اے دشمن خدا! تو بھولی ہو! "زینب بولیں" تو زبردستی عام  
بن چکا ہے۔ ظلم سے گالیاں دیتا ہے۔ اپنی قوت سے مخلوق کو دبا رہا ہے!  
حضرت فاطمہ بنت علی کتنی ہی گنگو شکر شاید یزید شرمندہ ہو  
گیا۔ کیونکہ کچھ نہ بولا۔ مگر وہ شامی پھر کھڑا ہوا اور دہی بات کی۔ پر  
یزید نے غضبناک آواز میں اُسے ڈانٹ بتائی "دور ہو! بخت! خدا  
تجھے موت کا تحفہ بخشے!"

### یزید کا مشورہ کرنا

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ  
ہوا اور کہنے لگا "ابن لوگوں کے ہاتھ میں کیا مشورہ دیتے ہو؟"  
بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا مگر عثمان بن  
نے کہا "انکے ساتھ دہی کیجئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت میں  
دیکھ کر کرتے" حضرت فاطمہ بنت حسین نے یہ سن کر کہا "اے یزید! یہ  
رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں!" اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت  
بھی متاثر ہو گئی۔ وہ اور دو باری اپنے افسوس نہ روک سکے۔ بالآخر  
یزید نے حکم دیا کہ انکے قیام کے لئے غمخوار مکان کا انتظام کر دیا جائے۔

### یزید کی بیوی کا غم

اس اثنا میں واقعہ خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم  
ہو گئی۔ سند بنت عبداللہ یزید کی بیوی نے کچھ پر نقاب ڈالا اور باہر  
آکر یزید سے کہا "امیر المؤمنین! کیا حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ  
کا سراپا ہے؟" یزید نے کہا "ہاں! تم خوب رو! ابن کرد، رسول اللہ  
کے نواسے اور قریش کے اصل پر نام کو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی  
کی قتل کر ڈالا، خدا اُسے بھی قتل کرے!"  
"حسین کی اجتہاد دی غلطی!"

اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا "تم جانتے ہو یہ سب  
کس بات کا نتیجہ ہے؟ جس میں کے اجتہاد کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ اُنھوں  
نے سوچا میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید  
کی ماں سے افضل ہے۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں، اذین  
خود بھی یزید سے افضل ہوں، اس لئے عاقبت کا بھی یزید سے زیادہ  
سستی ہوں۔ حالانکہ اُن کا یہ سمجھنا کہ اُن کے والد میرے والد سے افضل  
تھے صحیح نہیں۔ علی اور سجاد نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا  
کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ رہا اُن کا یہ کہنا کہ اُن کی ماں میری ماں  
سے افضل تھی، تو بلاشبہ یہ ٹھیک ہے۔ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سے کہیں افضل ہیں۔ اس طرح اُن کا یہ کہنا کہ اُن کے نانا، میرے نانا  
سے افضل تھے تو تم خدا کی، کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان  
رکھنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی انسان کو  
نہیں سمجھ سکتا جس میں کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل  
بھول گئے "اللہ صمد مالک الملک، قوی تلک من تشاء و ذریع  
الملک من تشاء و قوی من تشاء و ذل من تشاء، بیدک الخیر  
اَمک علی کل شیء قدیر" (ایضاً)

پھر اہل بیت کی خاتونیں، یزید کے محل میں پہنچائی گئیں۔ خدا  
معاذ کی عورتوں نے انھیں اس حال میں دیکھا تو انے اختیار روئے پیٹے لگے۔

### یزید کی سعی تلافی

پھر یزید کا تو فاطمہ بنت حسین نے اُس کو کہا "اے یزید! کیا رسول اللہ

# برید فرنگ

## مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم واشنگٹن کے قلم سے)

آمریکہ میں ترقی اور مادی ترقی کے افراط کا ردِ فعل۔ امریکہ کی عورتیں زندگی سے بیزار ہو رہی ہیں اس لیے کہ زندگی کی ہوائی سرسبز تپید ہو گئی ہے!

آمریکہ عجیب و غرائب کی دنیا ہے، تجارت، صنعت و حرفت، دولت، علم کی ایسی فراوانی ہے کہ اس کا تصور بھی برونی دنیا کے لئے مشکل ہوگا۔ دنیا کا عام خیال یہ ہے کہ دولت اور مادی طاقت حاصل ہو جائے تو دینی زندگی کی تمام راحتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ پھر کیا امریکیں..... زندگی کی راحتیں حاصل ہیں؟ کیا امریکن سرب حیات کی جستجو سے غافل ہو گئیں ہیں؟

مجھے نیز کسی تامل کے جواب دینا ہو کہ نہیں! قوموں کی اجتماعی زندگی کا مرکزی نقطہ عورت ہے۔ اسی کی زندگی سے ہم سوسائٹی کی اجتماعی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ عورت، انسانی سوسائٹی کی نبض ہے۔ قومی مزاج کا پورا حال، اس نبض پر انگلی رکھنے سے آشکارا ہو جاتا ہے۔ عورت، قوموں کی سعادت و شقاوت کا آئینہ ہے وہ پوری قوم کو اپنے وجود میں پیش کرتی ہے! امریکہ کی موجودہ اجتماعی زندگی کے سکون یا اضطراب کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے "آمریکن عورت کی دماغی تیور پر نظر ڈالنی چاہئے۔"

چند دن مجھے ٹل دسٹ میں ایک کیٹی لگی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ان اسباب کی تحقیق کرے جنہوں نے تیس سال سے ۴۵ سال کی عمر والی شادی شدہ عورتوں کو اپنی موجودہ زندگی سے بےزار کر رکھا ہے اس کیٹی نے اپنی رپورٹ ۳۹ صفحوں میں شائع کی ہے۔ تمام اسباب و حالات پر بحث کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ "آمریکن عورت، علم کے ہاتھوں پریشان ہے!"

اس اجمال کی مختصر تشریح حسبِ بل ہے:

آمریکن دامن

شہرلوں کو چھوڑ کر قصوبوں کا بھی یہ حال ہے کہ امریکن لہجے نے گھر میں پہنچی ہوئی تو علم و فضل سے آراستہ ہوتی ہے، اچھی طرح ان علمی و فنی آلات کے استعمال سے واقف ہوتی ہے جن سے اسے اپنا گھر چلانا ہے۔ امریکہ کی گھرلوں کی زندگی میں بھی کلیں داخل ہو گئی ہیں۔ بہت کم کام عورت کو اپنے ہاتھ سے کرنا پڑتا ہے۔ تمام کام آلات سے لئے جاتے ہیں جن میں ایک طرف تو محنت کم ہوتی ہے دوسری طرف دقت بھی بہت بچتا ہے۔ گھر میں روز کے مشکل کام، گھر کی صفائی، برتنوں کی دھلائی، کھانا پکانا، کپڑے دھونا ہیں۔ لیکن ان کاموں میں عورت کو بہت کم محنت کرنا پڑتی ہے۔ مشینیں اور آلات اس کی خدمت کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ عورت جلدان سے ناراض ہو جاتی ہے۔ اگر گھر میں بچہ نہیں ہیں تو ہاتھ پر ہاتھ دھو رہے بیٹھے رہتی ہے۔

وہ سوچتی ہے "اب میں کیا کروں؟" اسے اخبار کا خیال آتا ہے

ہو گیا ہے! امریکہ کے تمام جوان مرد اور عورتیں اسی حقائق اشارے کے جھوک میں مبتلا ہیں۔ پھر یہ حقائق "علمی اصول" پر معلوم ہو چکے ہیں! وہ زندگی کی ہر بات "علمی مسئلہ" کی شکل میں دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں اور ہر علمی مسئلہ محل بحث و نظر ہے! محبت، شادی، اولاد، محنت خانہ داری، بھیل، یہ سب اپنی جگہ پر "حقائق" ہیں، "علمی مسائل" ہیں۔ علم الحیاتیہ اور علم الاجتماع کے اصول پر انھیں حل ہونا چاہیے! پھر وہ حل بھی ایسا ہو جو ہر اعتبار سے علمی و منطقی ہو! یہی سبب ہے کہ امریکیں میں جرات کی مثالیں کم لگتی ہیں۔ امریکن نوجوان اُسی کام میں جرات دکھاتا ہے، جس میں جرات کرنا اقتصادی منہیت سے منع ہو۔ امریکہ کی یہ مشترک یونیورسٹیاں اس لئے وجود میں آئی ہیں کہ "مرد اور عورت کی تفریق باطل ہو جائے" یہ قول ایک یونیورسٹی کی خاتون پرنسپل کا ہے۔ ایک مشہور فریج پر دیوہر کے سانسے میں نے یہ قول نقل کیا، "توہ چلا اٹھا" "اُت" "نا قابلِ تصور سنگت کی ہے!" زندگی کے قدرتی جذبات کی لطافت کی جگہ اب ایک سربا ماضی اور آلائی زندگی جو جس امریکہ کا ہر فرد مبتلا ہو گیا ہے!

نازل اور افسانے

میں نے بہت سی یونیورسٹیوں کے کتب خانوں کی سیر کی۔ مجھ پر دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ ان کی فرہستہ ناولوں اور افسانوں سے تقریباً خالی ہیں۔ انتقادیات، طبعیات، فلسفہ، نفسیات غرض کہ دقیق علوم کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ امریکن نوجوان زیادہ تر یہی خشک کتابیں پڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دقیق جذبہ ان میں بہت کم ہو گئے ہیں۔ مادی اور فلسفی ہو کر رہ گئے ہیں۔ روح اور قلب کی قوتیں دب گئی ہیں۔

مہارت فنی کا غلو

پھر امریکہ کی خانگی زندگی کو تلخ بنانے والی ایک چیز اور بھی مرد کی تعلیم عام طور پر کسی ایک خاص علم میں ہی کی جاتی ہے جو کہ کسی ایک پیشہ میں درجہ اختصاص حاصل ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی بیوی بھی اُس خاص فن میں ماہر نہیں ہوتی جس میں اُس کے شوہر نے مہارت حاصل کی ہے، تو دونوں کی زندگی میں بے لطفی بلکہ تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ شوہر کا دماغی رجحان اور بیوی کا دماغی رجحان باہم مختلف ہو جاتا ہے۔ دونوں اپنی محبتوں کے لئے کوئی دلچسپ موضوع بحث نہیں پاتے۔ رسمی گفتگو کے بعد اپنے اپنے خیالات میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت عورت کو محسوس ہوتا ہے کہ اُسے جو تعلیم یونیورسٹی میں حاصل کی تھی، بے فائدہ ہو گئی۔ وہ اندیشہ ہو اٹھتی ہے۔ مگر اندیشہ کرنے سے خانگی مسرت حاصل نہیں ہو سکتی!

قبل از وقت شادی

ان مشترک تعلیم کا ہونے نے ایک اور سخت معرکتہ بھی پیدا کر دی ہے۔ نوجوان مرد اور عورتیں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور ان میں تدریج دوستی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسری محبت کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اور محبت کا نتیجہ شادی ہوتا ہے۔ یہ کچھ برا نہ تھا، اگر ایسی عمر میں ہوتا جو بچہ کاری کی عمر ہو۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اکثر شادی ۱۹ اور ۲۱ برس کی عمر میں ہو جاتی ہے، اور اس لئے سخت مشکلات کا پیش خیمہ بنتی ہیں۔ مرد اور عورت دونوں علمی زندگی کی ازدواجی ذمہ داریوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ بلکہ دونوں ہنزد طالبِ علم ہوتے ہیں۔ گھر میں چار چار بچے کھیلے ہوئے ہیں مگر ان کے ان ادب و دونوں یونیورسٹی کے کمروں میں اساتذہ کے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں! اس صدمہ حال سے جو پریشانیاں پیدا ہو سکتی ہیں، محتاجِ تامل نہیں۔ لیکن عجب ہے امریکہ کے مقالہ نگار اس کا سبب نہیں کرتے بلکہ

اخبار پڑھنے لگتی ہے، پھر رسالے دیکھتی ہے۔ پھر کتابیں مطالعہ کرتی ہے۔ مگر کب تک؟ تنہک جاتی ہے۔ اب سوچتی ہے "کیا کروں؟" اس سوال کا اسے کوئی جواب نہیں ملتا۔ جاہلیاں لیتی ہے۔ اونچے اونچے ہو جاتی ہے۔ مگر جانتے ہی پھر یہی بھیا نک سوال اُس کے سامنے آ جھوٹا ہوتا ہے اور وہ کوئی جواب نہیں پاتی!

"آہ میری مسرت!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر کہتی ہے "میری شادی تو ہو گئی، مگر میری مسرت کہاں ہے؟" وہ اپنے شوہر کا خیال کرتی ہے۔ شوہر اُس کی نظر کے سامنے کہاں ہے؟ وہ تو اپنے دفتر میں بیٹھا ہے اور اپنی بیوی کی طرف سے بالکل غافل تجارتی حساب میں مستغرق ہے! عورت سوچتی ہے "میرے شوہر کو کبھی مجھ سے محبت تھی؟ ممکن ہے کبھی ہو، مگر اب تو اُسے محبت پر غور کرنے کی ہمت ہی کہاں ہے؟ اب اُس کی تجارتی زندگی نے کامیابی کا منہ دیکھ لیا ہے۔ اب تو اُسے بیوی کی جگہ "ڈالر" (آمریکن سکہ) سے محبت ہے۔ ہفتہ کے دن تجارت میں تنہک رہتا ہے۔ گھر میں آتا ہر روز۔ مگر اس قدر متفرک ہے کہ برادرِ گندہ خاطر، اس قدر خستہ کہ اُسے اپنی "قدیم محبوبہ" کو ملافت کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ اُس کا جسم گھر میں ہوتا ہے، دماغ دفتر میں۔ باتیں بیوی سے کرتا ہے، خیال حساب میں ہوتا ہے۔ بیوی ضبط کرتی ہے اور ضبط کرتی ہے۔ بے صبری سے اتوار کا انتظار کرتی ہے۔ اتوار بھی آگیا! مگر شوہر اس کے پہلو میں نظر نہیں آتا آج اتوار ہے، وہ میدان میں گھوڑا "فٹ بال" کھیل رہا ہے۔ ہفتہ کے دن سخت دماغی کام کیا ہے۔ آج اپنی "تندرستی" کا حتیٰ ادا کر رہا ہے! مگر اُس کی بے نصیب بیوی کا حق؟ بیوی کا حق تو "ڈالر"، "تجارت" اور "محبت" کی جتنی میں مل کر کس گیا!

بیوی کا دل گھر سے اُچاٹ ہو جاتا ہے۔ میدانوں، تاشہ گاہوں اور کلب گھروں کی راہ لیتی ہے۔ مگر بالکل غٹ۔ گھر میں تسلی نہیں ملی۔ دوسری جگہ کب مل سکتی ہے؟

علم حقائق اشیاء

آمریکہ کی سب سے زیادہ قابلِ فخر دستگاہیں، مشترک زمانہ مردانہ یونیورسٹیاں ہیں۔ لیکن امریکن عورت کی خانگی شقاوت کی بنیادیں بھی یہیں پڑتی ہیں۔ یہاں عورت اپنی زندگی کے بہترین تین چار سال گزارتی ہے۔ وہ کیا سیکھتی ہے؟ اعلیٰ دقیق علوم، فلسفہ، علم النفس، علم الحیاتیہ وغیرہ وغیرہ جو ایسی جسمانی زندگی میں ہرگز کوئی کام نہیں دیتے۔ ایک دن میں نے ایک خوبصورت و شیراز سے سوال کیا "تم یہ علم کبھی پڑھتی ہو؟" اُسے فوراً جواب دیا "حقائق اشارہ معلوم کرنے کے لئے!" لیکن اب "حقائق اشارہ" کا قیمتی علم لائے جانی



[illegible]



سنہ کا تو نام ہی میلادی سنہ ہی۔ یعنی اس کی ابتدا حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ پر رکھی ہو۔

ہندوستان میں جہاں ہرگز نہ لے لے الگ الگ زبان اور الگ الگ پیشہ قرار دیا گیا تھا، وہاں مختلف حلقوں کے مختلف سنہ بھی قرار پا گئے تھے۔ جوتیشوں نے اپنے حساب کے لحاظ سے جوتیشی سنہ قرار دیا تھا۔ عوام اپنی یادداشت کے لئے الگ سنہ رکھتے تھے۔ حکمرانوں اور بادشاہوں کے سنہ ان کے لئے مخصوص تھے، مگر ان سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی واقعہ پر تھی۔ آخری سنہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا اور آج تک مستعمل ہو، بھوجا جوتیشی سنہ اور یہ راجہ بھوجا جوتیشی کی پیدائش سے شروع ہوا ہے۔ ایرانیوں میں بھی جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی ابتدا پیدائش، تخت نشینی، اور کسی ایک خاندان کے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کا واقعہ ہے۔ اس رسم کی ہر بادشاہ پچھلا سنہ منسوخ کر کے نئی تخت نشینی کا نیا سنہ جاری کرے اور اسے سنہ جلوس کہا جائے، ایرانیوں ہی نے بنیاد ڈالی۔ مسلمانوں اور ایرانیوں میں جب جنگ ہوئی ہو، تو ایران کا کٹر سنہ یزدگرد آخری زمانہ ایران کا سنہ جلوس تھا۔

### حضرت عمر کا دور

ان روایات سے جو پچھلی تحریروں میں درج ہو چکی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو بھی ابتداء میں یہی خیال ہوا تھا کہ ان حضرت (صلی) کی پیدائش یا بعثت کے وقت سے سنہ کی ابتدا کی جائے۔ حید بن مسیب اور یعقوبی کی روایت میں ہے کہ اپنے جب حضرت علی سے مشورہ کیا تو ان کی رائے یہ ہوئی کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ بات آپ کے دل میں اتر گئی اور صحابہ بھی اس سے متفق ہو گئے۔ ابن ہریر کی روایت میں ہے کہ بعد تاریخ کے باسے میں جب رسول صحابہ نے مشورہ کیا تھا، مختلف رائے لوگوں نے دیں۔ بالآخر ابوسفیق ہو گئے کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کی جائے، خالق تعالیٰ ان کیوں المبدیٰ میں اہم ہے۔ ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ پر اجماعی طرح غور و فکر کیا گیا تھا، اور ہر طرح کی رائے ظاہر ہوئی۔ چونکہ سنہ کی صاف بات یہی تھی کہ آنحضرت کی ولادت یا بعثت سے تاریخ شروع کی جائے جو ظہور اسلام کی اصلی بنیاد ہے، اس کو حضرت عمر کا خیال ابتدا میں ہی طرف گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات اس میں بھی تھی کہ آپ کی طبیعت کو اس پر انشراح نہیں ہوا تھا۔ متردد تھے۔ بات قرینہ کی تھی لیکن بدیں بھی تھی۔ بالآخر فرید مشورہ کیا، اور حضرت علی علیہ السلام نے رائے دی کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ رائے اتنی بے اثر نہ تھی کہ فوراً حضرت عمر کے دل میں اتر گئی، اور تمام اکابر صحابہ بھی اس پر متفق ہو گئے۔ ایک بھولی ہوئی بات تھی جو سب کے حافظہ میں تازہ ہو گئی۔ اب معلوم کرنا چاہئے کہ واقعہ ہجرت کی وہ کونسی مناسبت تھی جسے حضرت علی کو کہ مدینہ علم نبوت کے باب اور حکمت و دستہ رسالت کے عزم اسرار تھے، اس طرف توجہ دلائی؟ اور پھر وہ کونسی ایسی شے جو علم خصوصیت تھی، جس کی وجہ سے اتنی بات تمام اکابر صحابہ کے فہم میں فوراً آئی، اور اس طرح تسلیم کر لی گئی جیسے ایک مسلم اور لے شدہ بات ہو؟

### واقعہ ہجرت صحابہ کے نظریں

ہاں، آج ہم نے لے لے اسلام کے صدر اول کا دماغ اور دلوں کو دیکھا ہے، یہ بات کہتی ہی عجیب آنکھڑ ہو، مگر صحابہ کرام کے لئے جو اسلام کے بچنے ہوئے ذل اور اس کے بنائے ہوئے دماغ، دلوں کے ایک تھے، یہ بات اتنی سادہ، اتنی کھلی ہوئی، اور اس

طرح جانی ہو چکی تھی کہ اس کی طرف صراحت ایک اشارہ کر دینا ہی کافی تھا۔ داعی اسلام کے تزکیہ و تربیت اور درس کتاب حکمت نے ان کے اندر ایک ایسا صالح مزاج پیدا کر دیا تھا، کہ کوئی بات خواہ کتنی ہی سانس کی اور مقبول و معمول کیوں نہ ہو، لیکن اگر حقیقت اور دانائی کی گہرائیوں سے ذرا بھی ہٹی ہوئی تھی، تو فوراً ان کی طبیعت میں ٹھٹھک پیدا ہو جاتی تھی، اور پھر جتنی تھی تو اسی وقت جب اہل اہل اور کابل چیز سانسے آ جاتی تھی۔ تم ان لوگوں کی نیکیاں اور پاکیاں ہمیشہ یاد رکھتے ہو، لیکن تم نے ان کے علم اور دانائی کی گہرائیاں بھلا دی ہیں، حالانکہ صرف ان کے دل ہی زیادہ نیک نہ تھے بلکہ ان کی دانائی و حکمت بھی سب سے زیادہ گہری تھی جیسا کہ خود انہی میں سے ایک حقیقت شناس انسان نے کہا تھا: ادلائہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کا فواہی افضل هذه الامم: ہما قلوباً واعماقها علماً، داخلها كلفاً، اختارهم الله لصحبة نبیہ دلائمہ مدینہ (عن عبدالرحمن بن مسعود۔ رواہ الدارمی)

اس باسے میں قوموں کا طریقہ ان کے سامنے آیا، اور خود انہیں بھی یہ بات صاف دکھائی دی کہ داعی اسلام کی پیدائش یا بعثت کو اپنی قومی تاریخ کی بنیاد ٹھہرائیں، لیکن چونکہ یہ بات ان کے معیار نظر سے ہٹی ہوئی تھی جو اس طرح کے معاملات میں اسلام نے قائم کیا تھا، اس لئے نہایت واضح اور نمایاں ہونے لگی تھی ان کی طبیعت کو مطمئن نہ کر سکی۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگے کہ کوئی دوسری بات ہوئی چاہئے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ ہجرت مدینہ کا واقعہ۔ جو سب سے بات سامنے آئی، سب کے دلوں نے قبول کر لی۔ تاریخ کا یہ مبدیہ دنیا کی تمام تاریخوں اور قومی یادگاروں کے خلاف تھا۔ صرف خلاف ہی نہ تھا۔ بلکہ صریحاً اٹھ تھا۔ دنیا کی تمام قومیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں۔ انھوں نے بچاؤ کی دور اندگی کے واقعہ سے اپنی تاریخ شروع کی۔ دنیا کی تمام قوموں نے چاہا اپنے نلوں کی سب سے بڑی فتح یا دیکھیں۔ انھوں نے چاہا اپنی تاریخ ظہور کی سب سے بڑی سے رسوائی یا دیکھیں۔ دنیا کی تمام قوموں کا فیصلہ یہ تھا کہ ان کی قومی تاریخ اس وقت سے شروع ہوئی، جب ان کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہوا، اور اس نے جنگ و قتال کے میدانوں میں فتح حاصل کی۔ لیکن ان کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتدا اس دن سے ہوئی، جب بڑے انسان کی نہیں بلکہ سب سے بڑے عمل کی پیدائش ہوئی، اور جنگ کے میدانوں میں نہیں بلکہ صبر و استقامت کے میدانوں میں فتح حاصل ہوئی۔ دنیا کی تمام قوموں کا یقین تھا کہ ان کی طاقت و شوکت کی بنیاد اس وقت پڑی، جب انھوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کر لیا۔ ان کا یقین تھا کہ طاقت و شوکت کا دروازہ اس دن کھلا، جب ملکوں پر انھوں نے قبضہ نہیں کیا، بلکہ اپنا ملک و وطن بھی ترک کر دیا۔ بلاشبہ ان کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں سے الٹی سمجھ تھی، لیکن اس سمجھ سے عین ملحق تھی جو اسلام کی تربیت نے ان کے اندر پیدا کر دی تھی، وہ اپنی اجتماعی زندگی کی قیمر قوموں کی تقلید سے نہیں بلکہ اسلام کی روح فکر و عمل سے کرتی چاہتے تھے۔

مصیبت یہ ہو کہ دنیا سمجھی سے زیادہ لفظ کی اور روح سے زیادہ جسم کی پرستار ہو۔ وہ پھل ڈھونڈتی ہو لیکن تخم کی جستجو نہیں کرتی۔ وہ منارہ و محراب کی بلندیاں اور خوشنایاں دیکھتی ہو، لیکن زیر زمین میناؤں کے لئے بگڑا نہیں دیکھتی۔ صحابہ کرام نے جب پیدائش و بعثت کے واقعات عظیم ترک کر کے ہجرت کا واقعہ انتخاب کیا، تو ان کی نظر بھی پیدائش و ظہور، فتح و اقبال اور جہنم و کامرانی ہی پر تھی۔ وہ کچھ ناکامی و نامرادی کے طلب گار نہ تھے۔ البتہ فوج و

اقبال کی صورت اور برگ و بار نہیں دیکھتے تھے حقیقت اور تخم و اساس نظر نہ لگتے تھے۔ ان پر حقیقت کھل چکی تھی کہ اسلام کی پیدائش ظہور و فتح و اقبال کی اصلی بنیادیں واقعات میں نہیں ہو جو بظاہر نظر آتے ہیں۔ ہجرت مدینہ اور اس کے اعمال و حقائق میں ہیں۔ اس لئے جو اہمیت دنیا کی نگاہیں پیدائش، بعثت، بدو اور فتح کو دیتی تھیں، وہ ان کی نظروں میں ہجرت مدینہ کو حاصل تھی۔

### ہجرت نبوی کی حقیقت

لیکن واقعہ ہجرت کیا تھا؟ وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا۔ بے شمار اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اس کی حقیقت پر بھی غور کر لینا چاہئے۔

اسلام کے ظہور کی تاریخ دراصل دو بڑے اور اصولی مہملوں میں منقسم ہے۔ ایک عہد، مکہ کی زندگی اور اعمال کا ہے۔ دوسرا، مدینہ کے قیام اور اعمال کا۔ پہلا آنحضرت (صلی) کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا غار حرا کے اعتکاف سے ہوئی ہو اور تکمیل غار ثور کے نزدیک۔ دوسرا ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور حجة الوداع پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا مدینہ کی فتح سے ہوئی، اور تکمیل مکہ کی فتح پر۔

دنیا کی نظروں میں اسلام کے ظہور و اقبال کا اصلی دور، دوسرا دور تھا۔ کیونکہ اسی دور میں اسلام کی پہلی غریت ختم ہوئی اور نظامی طاقت و جہت کا سر و سامان شروع ہوا۔ بدر کی فتح بھی ہتیاؤں کی پہلی فتح تھی۔ مکہ کی فتح، عرب کی فتح کا اعلان عام تھا۔ لیکن خود اسلام کی نظروں میں اس کی زندگی کا اصلی دور، دوسرا نہیں، پہلا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ اس کی ساری قوتوں کی بنیادیں دوسریں میں نہیں پہلے دو ہیں اس ستوار ہوئی ہیں۔ بلاشبہ بدر کے ہتیاؤں نے اپنی غیر سحر طاقت کا دنیا میں اعلان کر دیا۔ لیکن جو اہل ہتیاؤں کے قبضوں پر چبے تھے، ان کی طاقتیں کس میدان میں ظاہر ہوئی تھیں؟ بلاشبہ مکہ کی فتح عرب کی فیصلہ کن فتح تھی، لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آئی، تو مکہ کی فتح کی راہ کیونکر کھلتی؟ یہ سچ ہو کہ ہتیاؤں سے فتح ہوا، لیکن مدینہ ہتیاروں سے نہیں بلکہ ہجرت اور اس کے دور کے اعمال سے فتح ہوا تھا۔ پس دوسرے دور میں جم کتنا ہی طاقتور ہو گیا ہو لیکن اس کی دُرج پہلے ہی دور میں ڈھونڈ ہو چاہئے!

پہلا دور ختم تھا۔ دوسرا اس کے برگ و بار تھے۔ پہلا دور بنیاد بھی دوسرا ستون و محراب تھا۔ پہلا نشوونما کا عہد تھا۔ دوسرا ظہور و انشراح کا۔ پہلا معنی و حقیقت تھا۔ دوسرا صورت و اظہار۔ پہلا روح تھا۔ دوسرا جسم۔ پہلے نے پیدا کیا، درست کیا، اور مستحکم کیا۔ دوسرے نے قدم اٹھایا، آگے بڑھا، اور فتح و تسخیر کا اعلان کر دیا۔ دوسرے کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو، لیکن اولین بنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہو!

### استعداد داخلی و خارجی

وجود اور زندگی کے ہر گوشہ کے لئے خدا کا قانون وجود ایک ہی ہے۔ تم اس کے کہتے ہی مختلف نام رکھ دو مگر وہ خود ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ اب ایک لمحہ کے لئے ظہور، اور غور کرو کہ تخلیق و عمل وجود کے لئے خدا کا قانون حیات کیا ہے؟

فرد کی طرح جماعت کا بھی وجود ہے۔ عالم صورت کی طرح عالم معنی بھی اپنی سستی رکھتا ہے، لیکن کوئی چیز ہو، انخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہو کہ یکے بعد دیگرے دو مختلف دوروں سے گزرنے۔ پہلا دور "استعداد داخلی" کا ہے۔ دوسرا "استعداد خارجی" کا۔ ضروری ہے کہ پہلے اندر کی استعداد وجود میں آئے، اور ضروری ہے کہ

اندہ کی استعداد کی تکمیل کے ساتھ ہی باہر کی استعداد بھی اسکے اندر پیدا ہو جائے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے لئے مثال کی ضرورت ہو۔ خدا کی رحمت درلوبیت نے تمام کائنات ہستی کو بخشش کا خزانہ اور فیضان عام کی بارش بنا رکھا ہے۔ زندگی اور وجود کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہو، ان میں سے ہر چیز موجود ہو، اور اس کی موجودگی صرف اس لئے ہو تاکہ استعداد کو ڈھونڈے، صلاحیت کو پالے، اور انفعال کو فہل سے اور انتخاب کو جذب سے الالال کرے۔ سورج روز آسمان پر چمکتا ہے۔ ستارے ہمیشہ زمین کی طرف بھاگتے ہیں۔ ہوائیں کیساں مگر بجوشی سے چلتی ہیں، بادلوں کی رفتاریں بھی رکاوٹ نہیں پڑتی۔ سورج کی کرنیں سمندر میں کوٹھینے اور پانی کے ذریعہ جمع کرنے میں بھی کوتاہی نہیں کرتیں۔ زمین کی سطح اپنے سارے خزانے لئے ہونے موجود ہے۔ خاک کے ذروں میں سے ہر ذرہ اپنا خاصہ اپنی تاثیر رکھتا ہے۔ موسموں کی تبدیلی اور لیل و نہار کی گردش بھی اپنے مقصد اور حکمت سے باہر نہیں۔ یہ، اور اسی طرح کی تمام ان نعمتیں اور عجز و حساب جہیزیں:

وان لقد دنا لعلہ اللہ لا تحصوها اور اگر تم خدا کی نعمتیں، اور

(۱۴: ۳۲)

تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی تمہارا اندازہ احاطہ نہیں کر سکتا!

تو قول کا خزانہ اور بخشائشوں اور درلوبیتوں کا فیضان عام ہیں اور اپنی مجموعی صورت میں کائنات ہستی کی وہ "خارجی استعداد" جو وجود کے لئے خلق و تسویہ کا سامان مہیا کرتی اور ہمیشہ اس کے انتظام میں چشم براہ رہتی ہو۔ لیکن خارج کی اس استعداد سے صرف ہوا اشیا فائدہ اٹھا سکتی اور اپنے حصہ کی بخشش پاسکتی ہیں جن کے اندر خود ان کے "اندہ کی استعداد" وجود میں آئی ہو۔ یہ اندہی استعداد باہر کے کارخانہ استعداد کی تاثیر کے لئے منزلہ انفعال ہو۔ جب تک انفعال کا لب سوال دانہ ہوگا، فعل و تاثیر کا جواز فیضان، حرکت میں نہیں آسکتا!

دھقان ایک بیج اٹھا کر اور زمین کے حوالے کر دیتا ہے۔ اب دیکھو، اس ایک بیج کے بار آور ہونے کے لئے قدرت الہی نے کس طرح اپنا تمام کارخانہ ہستی مہیا کر دیا ہے؟ سورج منظر ہے کہ اپنی گرمی اس کے لئے وقت کرنے، بادل طیار ہیں کہ اپنے ذخیرہ کا منہ کھولنے۔ زمین مستعد ہو کہ اپنی آغوش اس کے لئے داکرے، لیکن یہ تمام کارخانہ بخشش سے وہ بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے جبکہ خود اس کے اندہ کی استعداد صحیح و صالح ہو۔ اگر ایسا نہیں ہو، تو پھر یہ تمام کارخانہ بخشش ذوال اس کے لئے بیکار ہوگا۔ سورج اپنا دھکا ہوا نور کھڑے رکھے اسے گرم نہ کر سکے گا، بادل اگر اپنا تمام ذخیرہ آب ختم کر ڈالے، جب بھی اسے زندگی کی رطوبت کا ایک قطرہ نہیں ملے گا!

پھر ایک صلح بیج جب زمین میں اپنی جگہ بنالیتا ہے، تو اس کے اندہ کی استعداد ظاہر ہوتی ہے اور اندہی اندر بیجے اور بڑھنے لگتی ہے۔ اس وقت وہ ایک چھوٹا سا وجود ہوتا ہے جس کے اندر ایک ذرہ اور ریشوں کے ہوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ لیکن انہیں وہ اور ریشوں کے اندر اس کی آنے والی ہستی کی ساری برائیاں اور عظمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ کہا جاسکتا ہے ایک عظیم اور ستارہ درخت کی ساری شبکیاں اور پتے، اور اس کے ہزاروں پھول اور پھل انہیں ڈھونڈ اور باریک ریشوں کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ وہ بتدریج نشوونما پاتا ہے، اور یکے بعد دیگرے تخلیق و تسویہ کے مختلف درجوں سے گزرتا ہے۔ پھر جب یہ سب کچھ ہو چکا ہو، تو وقت آجاتا ہے جو زمین کی سطح چاک ہوئی ہو اور اس کی پہلی شلخ

باہر نکلتی ہو۔ چنانچہ وہ امیر ہوا، اور کائنات فطرہ کے جس کا خزانہ فیضان سے زمین کے اندر کتبائیں فیض کر رہا تھا، اب اس سے زمین کی سطح پر بخشش و لوال حاصل کرنے لگتا ہے۔ اس وقت تک دیکھتے ہو کہ عالم نباتات کا یہ جوان نوحہ سرور قد کھڑا ہے، اور کارخانہ فطرہ کے ہر سامان سے زندگی اور قوت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اب تم اس کی ہستی کا اعتراف کرتے ہو، لیکن تم بھول جاتے ہو کہ باہر کی استعداد اس کے لئے جو کچھ ہم پہنچا رہی ہے وہ دراصل اسی استعداد کا جواب دیتا ہے جو زمین کے اندر اس کی داخلی طبیعت نے پیدا کر لی تھی!

عالم حیوانات میں دیکھو تو حقیقت اور زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ حیوان اور انسان کا وجود عالم ہستی میں قدم رکھتا ہے، اور بچپن سے لے کر بڑاپے تک کی منزلیں طے کرتا ہے، دراصل یہی وجود جو پہلے خود اپنی ہستی کے اندر تخلیق و تکمیل کی منزلیں طے کر چکا ہے۔ اگر اس کی داخلی استعداد کا درجہ صحت اور قوت کے ساتھ ختم نہ ہوتا، تو اس کی خارجی استعداد کا یہ دور وجود ہی میں نہ آتا۔ وہ پہلے شجر ماد میں جنین کا ابتدائی مادہ تھا۔ پھر اندہی اندر بڑھنے اور پھیلنے لگا، بتدریج تخلیق و تسویہ کی مختلف منزلیں جو زمین میں پہلے چھوٹے چھوٹے کڑے تھے جنہوں نے ایک جگہ کی سی شکل اختیار کر لی۔ پھر یہ جگہ بڑھتے بڑھتے گشت کا ایک قطرہ بن گئی، قطرے میں پڑیوں کا ڈھانچہ بنا شروع ہوا، اور ڈھانچے پر گشت پرست کا غلات چڑھ گیا، پھر گشت اور پڑیوں کا سی مجموعہ منظم و تناسک ایک ایسے سانچے میں ڈھل گیا، کہ شکل و ہستی کی تمام برائیاں اور خال و خط کی ساری دلاویزیاں مکمل ہو گئیں۔ پھر جب اندہی اندر تکمیل و تسویہ کے یہ تمام مراتب طے ہو گئے، تو یہ وجود اس قابل ہوا کہ شجر اور سے باہر قدم نکالے۔ اور تم نے دیکھا کہ خلقت اور ہستی کا ایک زندہ اور مستعد وجود تمہارے سامنے ہو، تم انشاء خدا خلقاً آخر، فقہار اللہ جس لحافین! (۲۳: ۱۴)

بہر حال دنیا میں ہر چیز کی تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہو کہ اس میں کارخانہ فیضان فطرہ سے اکتساب فیض کی صحیح استعداد پیدا ہو۔ اور اس استعداد کے نلکہ کا پہلا محل اندہی اندر ہی ہے دوسرا برہمنی۔ جب تک کوئی چیز اپنے اس پہلے دور میں صحیح استعداد پیدا نہیں کرے گی، دوسرے دور کی استعداد پیدا نہیں کر سکتی۔ خارج کے نشوونما کے لئے داخل کا نشوونما، بمنزلہ سبب علت ہو۔ جب تک سبب موجود نہ ہوگا، نتائج نکلنے میں نہیں آئیں گے۔

### جماعت کی داخلی استعداد

فرد اور جماعت دونوں کا ایک ہی حال ہے۔ یہ افراد و شبائے کی مثالیں ہیں۔ انہی کو جماعتوں اور قوموں پر بھی منطبق کر دیتے ہیں۔ افراد کی طرح "جماعت" بھی پیدا ہوا کرتی ہے۔ اس کی تخلیق و نشوونما، اور ترقی و تکمیل کے لئے بعینہ وہی قوانین ہیں، جو اشیا و افراد کے لئے ہیں جس طرح فطرہ الہی کی رلوبیت نے مخلوقات کی زندگی اور نشوونما کے لئے اپنی بخشائشوں کے بادل زمین پر پھیلائے ہیں ہر شے زندگی دینے والی، ہر شے پرورش کرنے والی، اور ہر شے وجود و کمال تک لیجانے والی ہے، ٹھیک اسی طرح "جماعت" اور "امت" کے نلکہ و نشوونما کے لئے بھی ہر طرح کی بخشائشوں اور ہر طرح کی فیض رسائیوں کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ رلوبیت اس کے نلکہ کا انتظار کرتی اور بخشائش فطرہ اس کے قدم اٹھانے کی راہ دیتی ہے۔ لیکن جس طرح افراد و اشیا کے لئے فطرہ کا تمام سامان فیض صرف اسی حالت میں مفید ہو سکتا ہے جبکہ خود ان کے اندر صحیح صلاح استعداد موجود ہو۔ اسی طرح "جماعت" کا مولود بھی وقت کے فیضا اور قوی و مرزوبی ماحول کی بخشائشوں سے اسی حالت میں فائدہ

اٹھا سکتا ہے، جبکہ خود اس کے اندر کتبائیں فیض کی صحیح استعداد موجود ہو۔ پھر جس طرح اس استعداد کی تکمیل کے پہلا مرحلہ داخلی ہے، دوسرا خارجی، اسی طرح جماعتوں اور قوموں کی مزاجی استعداد کے لئے بھی پہلا مرحلہ داخلی ہے۔ دوسرا خارجی۔ کوئی جماعت کوئی قوم، انسان کی کوئی ہیئت اجتماعیہ، کشمکش حیات کی کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتی، اگر پہلے ایک ختم اور جنین کی طرح اپنی داخلی استعداد کی منزل طے نہیں کر لیتی۔ اس کی داخلی تخلیق و تکمیل کا بھی ایک معین وقت اور وقت کی معین مقدار ہے، اگر ایک جماعت وجود و کمال کا پورا درجہ حاصل کرنا چاہتی ہے، تو ناگزیر یہ کہ پہلے داخلی استعداد کی تکمیل کا وقت بسر کرے اس کے بعد خارج کے اعمال و قوت کا دروازہ خود بخود کھل جائے گا۔ کیونکہ خارج کی تمام کامیابیاں اس کی داخلی استعداد کی تکمیل کا نتیجہ و ثمرہ ہوتی ہیں۔

جس طرح اشیا و افراد کے جسم کی داخلی استعداد کا دار و مدار ان کے اندہی اندر نشوونما پانے اور اندہی اندر بیجے پر ہے، اسی طرح فرد اور جماعت کی داغی اور اخلاقی استعداد کا دار و مدار ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر ہے جسے قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں "تزکیہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ "تزکیہ" اخلاق و نفس سے مقصود ہے کہ ایک جماعت کو بحیثیت ایک جماعت کے جس طرح کے ذہن و مزاج کی ضرورت ہو، وہ اس کے ایک ایک فرد کے اندر پیدا کر دیا جائے، اور اس رسوم و نفوذ کے ساتھ پیدا کر دیا جائے کہ گویا ایک آہنی کابلہ لیکر ان میں سے ہر فرد کا دل و دماغ اس میں ڈھال دیا گیا ہو۔ جس طرح عالم اجسام میں جسم کی بہرخلقت اور بہر نشوونما طاقت و برتری کا موجب ہوتی ہے، اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے لئے ان کے افراد کا اخلاق اور اخلاق کی بہتر قسم اور بہتر نشوونما جماعتی طاقت اور برتری کا باعث ہوتی ہے۔ یہی اخلاق "جماعت" کی زندگی کی اصلی استعداد ہے۔ اسی استعداد سے وہ سب کچھ پاتی ہیں، اور بغیر اس استعداد کے کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تزکیہ نفس کا عمل ہی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اسی کی تولید و تکمیل، جماعتوں اور قوموں کی "داخلی استعداد" ہے۔ "جماعت" کی داخلی استعداد کے لئے جس ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اگرچہ فرداً فرداً ہر فرد جماعت سے ملتی رکھتی ہے، لیکن اس کا سارا زور "جماعتی ذہن و اخلاق" کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی وہ جماعت کے لئے ذہن و اخلاق کا ایک نظام مزاج پیدا کر دینا چاہتی ہے۔ چونکہ یہ مزاج پیدا نہیں ہو سکتا، جب تک جماعت کا ہر فرد اپنا انفرادی ذہن و اخلاق معدوم کر کے جماعتی مزاج پیدا کرے، اس لئے وہ ذہن و عمل کا ایک خاص سانچا ڈھال لیتی ہے جو پھر تمام افراد کا ذہن و اخلاق اس میں ڈھالنا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام افراد کی ذہنی و اخلاقی خصوصیات ایک ہی انداز اور روش کی ہوجاتی ہیں، اور اپنے منہار انفرادی اختلافات نہ رکھتے۔ یہی ذہن و اخلاق کی طبیعت میں یک ظم متاثر اور تشابہ پیدا ہونا ہے۔ ان کی خواہشیں یکساں ہیں ہو سکتیں اور یکساں نہیں ہو سکتیں۔ ان کی طبیعتوں کی عام روش ایک طرح کی ہوسکتی ہے اور ایک طرح کی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی سمجھ میں اپنی لئے ہیں، اپنی زندگی و معیشت کے تمام معاملات میں ایک نہیں ہو جاسکتے، اور ایک نہیں ہو جاتے، لیکن وہ ذہن و عمل کی ان ساری باتوں میں جو جماعتی زندگی کی بنیاد ہیں اور اخلاق و معیشت کی نفسیات کا مینا ہیں، اس طرح یکساں اور ایک نگاہ و عمل ہو جاتے ہیں، کہ معلوم ہوتا ہے، سب کے اندر ایک ہی دماغ کام کر رہا ہے اور سب کے



فہرست

آثار علیہ

والطیر  
تبارخ و عبر  
۴

پان یو دین تحریک اور امن عالم  
ادرات

۱۳ تین ہزار برس پیشتر کی شاعری  
بصائر و حکم

برید فرنگ

۲۰. برید شرق  
مکتوب انکوره

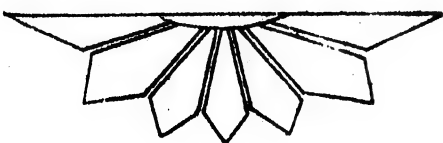
۲۱ تذکار ہجرت نبوی

## تضایر

میرزا بک ملوک  
شیخ عبداللہ شر قادی

یع میں بڑی سیب اسادات

انہیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان مرنشوں کی بات جو  
 انہیں کرتے تھے، ہمیشہ کے لئے پتہ ہو گئی، اور بلکہ حق ہی کو مرثیہ  
 اور کامیابی حاصل ہوئی۔ ۴





الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف مذاق کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خریدیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خریدیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست سو روپیہ میں خرید کیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع

## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تفصیلات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے مضامین مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وسیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

## برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W. 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میوزوں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میوزوں، تہاڑوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے جو ”نئے سسٹم“ کے نام سے ملحدین ممالک میں مشہور ہے۔ اس ”نئے سسٹم“ کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وسیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.  
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

منبر

مجلس

۵ رگست ۱۲۴۶

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

بلاغ برکت

# الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے



|                        |   |   |            |
|------------------------|---|---|------------|
| قیمت سالانہ مع معقول   | - | - | بارہ روپیہ |
| ہندوستان سے باہر کیلئے | - | - | سولہ روپیہ |
| قیمت شش ماہی           | - | - | سات روپیہ  |
| قیمت فی پرچہ           | - | - | پانچ آنہ   |

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”منیجر الہلال“ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفاظ پر ”ایڈیٹر“ کا نام ہونا چاہیے۔

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھئے۔

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع ایہر وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرائیے، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دینا پتہ تبدیل کرائیں۔

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کویں پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں۔

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا۔

# الہلال

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۶ - صفر ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۸

Calcutta : Friday, 5, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

ضروری ہی کہ ہم اسکا اب فیصلہ کر لیں

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

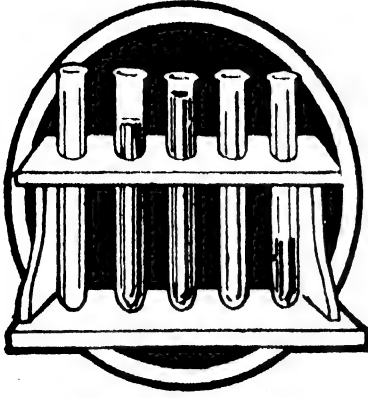
ہندی اور ہندوستان کی تمام زبانوں نے، نیز عربی، فارسی، ترکی، تینوں سامی زبانوں نے  
نی حروف کی چھپائی اختیار کر لی ہیں اور انکی طباعت یورپ کی طباعت کا مقابلہ کر رہی ہیں۔  
کیون اردو زبان بھی ایسا نہ کری جو اسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے؟

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال  
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان  
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
رای میں بہترین حروف بھی ہیں۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیں یہ نا موزون  
نہیں تو اردو کیلیں کیون نا موزون ہوں؟

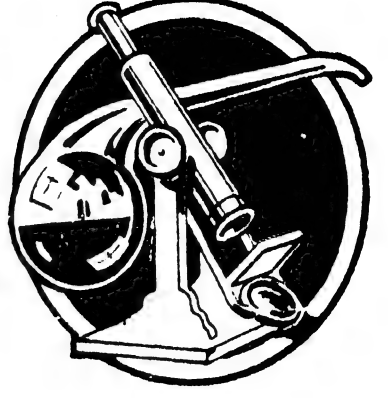
براہ نہایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام تقایم ایک بار دور کر دی جائیں۔

الہلال





# مذاکرہ علمیہ



مفقودہ“ قرار دیا جا سکے - تاہم علماء حیوانات و تشریح کا خیال ہے کہ قرائن و آثار بہت حد تک تشفی بخش ہیں، اور بہت ممکن ہے کہ انکی بحث و فحص سے کم شدہ حلقہ کا مسئلہ حل ہو جائے -

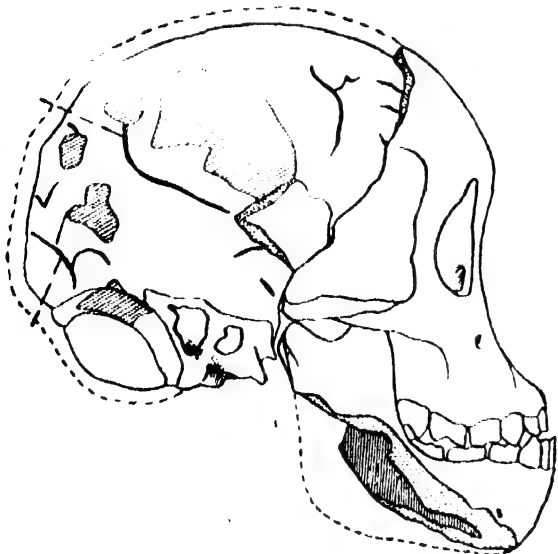
حال میں امریکہ کے بعض علماء حیوانات نے اس قسم کا مواد یک جا کر کے اُن کی نوعیت پر نہایت دلچسپ نظر دالی ہے - ہم اُس کا مختصر خلاصہ قارئین الہلال کی معلومات کے لیے درج کر دیتے ہیں -

یہ امریکن پروفیسر (جس کا نام ڈاکٹر رھائٹ ہے) لکھتا ہے :

”گزشتہ دس سال کے اندر جو انکشافات ہوئے ہیں، وہ سلسلہ بحث کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں - علم کی احتیاط کا مقتضی یہی ہے کہ اظہار و ثوق میں جلدی نہ کی جائے - لیکن اگر ایسا نہ ہوتا، تو یہ انکشافات اپنی موجودہ حالت میں بھی اتنے واضح ہیں، کہ کہا جا سکتا تھا، کم شدہ حلقوں کا سراغ مل گیا ہے -

اس وقت سب سے زیادہ قری قرائن رکھنے والے آثار پانچ ہیں :

(۱) انسان ہڈی برگ : یہ ایک کھوپڑی ہے جو جرمنی کے مندرجہ بالا مقام میں ملی تھی - تشریحی تحقیقات کے بعد ثابت ہو گیا ہے کہ یہ نہ تو موجودہ انسان کی کھوپڑی ہوسکتی ہے، نہ کسی جانور کی - یہ ضرور ایک تیسری اور درمیانی قسم ہے -



وہ کھوپڑی جو ٹونگس میں ملی ہے، اور جسکی نسبت خیال کیا گیا ہے کہ کم شدہ حلقہ کی کھوپڑی ہے

## نظریۂ ارتقا کا کم شدہ حلقہ

کیا حلقہ مفقودہ مل گیا ہے ؟



دوربلا کا دماغ

انسان کا دماغ

نظریۂ ارتقا کے ”حلقہ مفقودہ“ سے مقصد وہ ذہنی حیوان ہے، جسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کی موجودہ شکل اور ہیئت کے ارتقا سے پہلے زمین پر موجود تھا - وہ انسان میں، جو سلسلہ ارتقا کی آخری کڑی ہے، اور ترقی یافتہ جانوروں میں، جو ہیئت انسانی سے بہت زیادہ قرب رکھتے ہیں، درمیانی بروز تھا -

اس نظریہ کے قائلین کا خیال ہے کہ بندر کی ترقی یافتہ قسمیں مثلاً گوربلا، اس قسم کی مخلوق ہیں جنکی ظاہری ہیئت جسمانی بنیاد، تشریحی نظام، اور اعضاء معنوی کے وظائف و خواص، انسان سے بہت زیادہ قریب اور ملتے جلتے ہیں - لیکن اسدرجہ قرب اور قماثل نہیں ہے کہ اُسکے بعد ہی انسان کا وجود آجائے - ضروری ہے کہ درمیان میں کوئی ایک یا ایک سے زیادہ کڑیاں رہی ہوں اور وہاں ”جانور“ کی سرحد ختم ہوئی ہو اور ”انسان“ کی حد کا آغاز ہوا ہو - چونکہ علم الحیوانات کی موجودہ اور مدون معلومات میں کوئی ایسا مخلوق موجود نہیں ہے، اسلیئے انہیں اسکی جستجو ہوئی، اور اسکا نام ”حلقہ مفقودہ“ یعنی کم شدہ حلقہ قرار پا گیا - علماء علم الحیوانات نصف صدی سے اس کم شدہ حلقہ کی جستجو میں ہیں - آثار قدیمہ اور علم طبقات الارض کی تحقیقات کے سلسلہ میں بارہا اس طرح کی چیزیں دستیاب ہوئیں کہ خیال ہوا، کم شدہ حلقہ کا سراغ مل گیا ہے، لیکن پھر مطالعہ و تفحص سے اس خیال کی تصدیق نہوسکی -

لیکن سنہ ۱۹۲۰ - سے بعض نئے انکشافات پے درپے ہو رہے ہیں، اور انہوں نے ایک نیا مواد بحث پیدا کر دیا ہے - اگرچہ ان میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے علمی وثوق کے ساتھ ”حلقہ“

## ریڈیم

خزانہ فطرۃ کا سب سے زیادہ کمیاب جزوہر !

حال میں اخبارات نے یہ خبر شایع کی تھی کہ ”ریڈیم کا بازار گر گیا ہے اور ایک اونس ریڈیم کی قیمت ۳۳۰۰۰۰۰۰ ڈالر کی جگہ اچانک ۲۵۰۰۰۰۰ ڈالر ہو گئی ہے۔ اس لمبی کی وجہ یہ ہے کہ بلجیم کا نگر ( افریقہ ) کے علاقہ ”کانڈکا“ میں ریڈیم کی ایک بہت بڑی مقدار نظر آئی ہے۔ زنگوسلاویا کی تانبے کی بعض قدیم کانوں میں بھی ریڈیم پایا گیا ہے۔ اگر یہ تمام ریڈیم حاصل کر لیا گیا تو قیمت میں آڑ بھی لمبی ہوجائے گی“

لیکن اس خبر سے لوگوں کو غلط فہمی ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے کوئی خیال کر بیٹھے کہ جب ریڈیم کے بھاؤ میں اس طرح اتار چڑھاؤ ہو رہا ہے تو ہر دولت مند آدمی کیلئے اسکی زیادہ سے زیادہ مقدار خرید لینا ممکن ہے۔ مثلاً امریکہ کا ہنری فورڈ جیسا کروز پتی اگر چاہے تو بآسانی آدہ سیر ریڈیم خرید لے۔ اپنے بینک نوٹوں کا بیگ بغل میں دبائے اور بازار جا کر جب چاہے ریڈیم لے آئے۔

لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ہنری فورڈ کی تمام دولت بھی آدہ سیر ریڈیم خرید نہیں سکتی۔ امریکہ کے دوسرے فارون راکفلر اور مللو بھی اگر اپنے خزانے جمع کر دیں اور امریکا، فرانس، انگلستان، بلکہ سارے عالم کی سلطنتیں بھی اپنے جملہ خزانے پیش کر دیں، جب بھی آدہ سیر ریڈیم حاصل نہیں کیا جاسکتا !

یہ عجیب بات ہے۔ مگر واقعہ ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ کوشش اٹھائیس برس میں، یعنی جب سے ریڈیم دریافت ہوا ہے، دنیا اُس کی اتنی مقدار حاصل ہی نہیں کر سکی ہے جسے فراز میں آدہ سیر کے بائ سے تول سکیں۔ اس وقت تک وہ صرف آدہ پاؤ کی مقدار میں حاصل ہوسکا ہے !

جن خوش نصیبوں کے قبضہ میں ریڈیم ہے، اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً سائنس دان اور دوا ساز وہ اس کے ایک ایک ذرہ کی قدر کرتے اور زیادہ سے زیادہ قیمت پر خریدنا چاہتے ہیں۔ ریڈیم کی خرید و فروخت اونس کے حساب سے نہیں ہوتی، ٹن کے حساب کا تو وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ریڈیم سونے سے بھی کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ اُس کی قیمت سونے سے ایک لاکھ گنا زیادہ ہے۔ ریڈیم کی خرید و فروخت زینیں کے حساب سے ہوتی ہے۔ اس وقت تک ریڈیم کی سب سے بڑی مقدار جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوئی ہے، صرف دو گرام ہے۔ اور معلوم ہے کہ ایک گرام اونس کا تیسواں حصہ ہوتا ہے۔ یہ مقدار بھی فروخت نہیں ہوئی ہے بلکہ حکومت زنگوسلاویا نے انگلستان کو علمی تحقیقات کے لیے عاریتاً دیا، یہی ہے۔

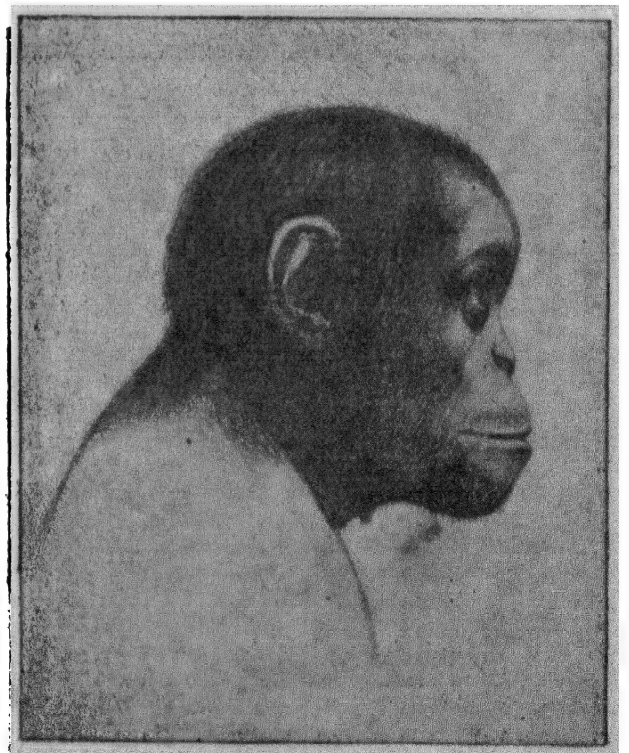
اس کی کوئی امید نہیں کہ نگر میں ریڈیم کی کان اُس کی موجودہ مقدار میں غیر معمولی اضافہ کر دے گی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس وقت اُس کی جتنی مقدار دنیا کے ہاتھ میں موجود ہے، اُس سے صرف ۲۵ گنا زیادہ ریڈیم کانگری کان سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اُس کا نکالنا بجائے خود ایک نہایت مشکل اور بڑے خرچ کا کام ہے۔ اس کان کی ہر ۵۰۰ ٹن رزنی چٹان میں سے زیادہ سے زیادہ ایک گرام ریڈیم نکلے گا۔ وہ بھی خالص نہیں بلکہ ”کلرل“ اور دوسرے مواد سے ملا ہوا۔ ان مواد سے ملے علاحدہ کرنے

(۲) روسیا کا انکشاف: سنہ ۱۹۲۱ ع میں ایک سیاح کو جنوبی افریقہ میں ایک کھوپڑی ملی۔ یہ بھی پہلی کھوپڑی کی طرح ایک تیسری تشریحی حالت رکھتی ہے۔ علماء تشریح و وظائف اعضاء کی تحقیق میں یہ غالباً ابتدائی قسم کے وحشی انسان کی کھوپڑی ہے۔

(۳) جارا کا انکشاف: جارا کی ایک غار سے بھی ایک قیمتی کھوپڑی ملی ہے جسکی نسبت دو مختلف رائیں قائم کی گئی ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے، یہ کم شدہ حلقہ کی خبر دیتی ہے۔ دوسری جماعت کا خیال ہے، یہ بندرہ کی کوئی زیادہ اونچی قسم ہے۔ وہ کہتے ہیں، اس کھوپڑی میں پیشانی کا بےحد ابھار اور رخسار کی ہڈیوں کی نوعیت، کم شدہ حلقہ کی نوعیت سے مختلف ہے۔

(۴) سب سے زیادہ قیمتی انکشاف ”وحشی انسان“ کا انکشاف ہے جسکے جسم کی ہڈیاں اور سر کی کھوپڑیاں بکثرت جمع ہو گئی ہیں۔ اسکا جسم اور چہرہ بالکل موجودہ انسانوں کا سا تھا۔ لیکن اسکے جسم پر بکثرت بال تھے۔ ایسے بال جیسے بندر کے جسم پر ہوتے ہیں۔ بعض قدیم سیاحوں نے استریلیا، امریکہ، اور جزائر جنوب میں ایسے زندہ انسان دیکھے بھی ہیں۔

(۵) آخری انکشاف پروفیسر ڈارٹ کا مشہور انکشاف ہے جو سنہ ۱۹۲۵ میں ہوا۔ پروفیسر موصوف کو ٹانگس میں ایک بالکل نئی قسم کی کھوپڑی ملی ہے جو پچاس قدم سے زیادہ زمین کے اندر مدفون تھی۔ یہ کھوپڑی تمام پچھلے آثار سے کہیں زیادہ کم شدہ حلقہ کا اذعان پیدا کرتی ہے۔ اسکے تمام حصے موجودہ انسان کی کھوپڑی جیسے ہیں۔ البتہ منہ کا نچلا حصہ بہت زیادہ باہر نکلا ہوا ہے۔ اور یہ بات عام وظائف اعضاء میں طے پاچکی ہے کہ انسانی چہرے کا نچلا حصہ ابتدا میں ایسا ہی ابھرا ہوا تھا۔ پھر یہ تدریج گھٹتے گھٹتے موجودہ تناسب تک پہنچ گیا۔



ٹونگس سے جو کھوپڑی ملی ہے، زندگی میں وہ ایسا چہرہ رکھتی ہوگی، جیسا اس تصویر میں دکھایا گیا ہے۔

(بے رنگ) یا قوت، ریڈیم کے زیر اثر نکھڑا جائے، تو ہمیشہ کے لیے زمرود بن جاتا ہے۔ نقلی اور مصنوعی نہیں، حقیقی، بیش قیمت زمرود!

اس عجیب و غریب اور نادر چیز ”ریڈیم“ کا خاصہ کیا ہے؟ مختصر جواب یہ ہے کہ ”شعاعی قوت“ - شعاعی قوت کے کیا معنی ہیں؟ ٹھیک رہی جو ان در لفظوں سے سمجھے جاتے ہیں۔ یعنی شعاعوں کی شکل میں قوت - مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

(ریڈیم کا انکشاف)

حیرت انگیز ریڈیم کا انکشاف اس طرح ہوا کہ سنہ ۱۸۹۵ ع میں مشہور فرینچ سائنس دان ہنری بکریل اپنی علمی تحقیقات میں مصروف تھا۔ فوسفورسی روشنی کے تجربے کر رہا تھا۔ اچانک اُس نے دیکھا، ایک خاص عنصر ”اور انیم“ کے اجزاء فوٹو گرافی کی تختی پر تاریکی میں اثر ڈال رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر سیاہ کاغذ سے چھپا دیا جائے، جب بھی انکا اثر پہنچ جاتا ہے۔ اس پر اُسے بڑی حیرت ہوئی مگر ریڈیم کی طرف رہنمائی نہ ہو سکی۔ البتہ علمی دنیا نے یہ تسلیم کر لیا کہ اور انیم میں شعاعی قوت موجود ہے، اور اُس سے کام لیا جانے لگا۔ چنانچہ اس وقت سے شیشہ اور چینی کے ظروف رنگنے میں اکسائڈ اور انیم برابر استعمال ہونے لگا ہے۔

اسکے بعد ایک نوجوان پولش خاتون میڈم کیری نے اور انیم کے مخفی خواص کی پیرس میں تحقیقات شروع کی۔ اُس نے بہت جلد معلوم کر لیا کہ یہ شعاعی قوت والا مادہ، خود اور انیم نہیں ہے، بلکہ کوئی اور عنصر ہے اور اکسائڈ اور انیم سے ملا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر اُس نے یہ مادہ تحلیل کرنا اور مختلف قسم کے تیزابوں سے بار بار دھونا اور صاف کرنا شروع کیا۔ اب اُسکی حیرت و مسرت بے حساب تھی۔ کیونکہ تحلیل کے بعد جو مادہ باقی رہ گیا تھا، اُسکی شعاعی قوت برابر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اسکے بعد وہ الٹروسکوپ کی مدد سے تین اونس ایک نیا عنصر حاصل کر لینے میں کامیاب ہو گئی۔ یہ عنصر اور انیم سے بھی ساٹھ گنا زیادہ سخت تھا۔ فوراً اس مادہ کے چند کیمیائی خواص بھی دریافت ہو گئے۔ اُس نے بڑے فخر و مباہات سے اپنے عظیم انکشاف کا اعلان کر دیا، اور اپنے وطن کے نام پر اُسکا نام ”پولونیم“ رکھا۔ یہ ”پولونیم“ ریڈیم کے انکشاف کی طرف عملی قدم تھا۔ تین سال کی مزید تحقیقات کے بعد اُسی خاتون نے اعلان کیا کہ اکسائڈ اور انیم میں شعاعی قوت کا اصلی سرچشمہ اُس نے دریافت کر لیا ہے۔ اُسی سرچشمہ کا نام بالآخر ”ریڈیم“ پڑا۔ اور آہستہ آہستہ اُسکے مزید خواص معلوم کیے گئے۔

اسکے بعد سرارنسٹ اترہر فورڈ نے دریافت کیا کہ ریڈیم کی شعاعیں تین قسم کی ہیں۔ چنانچہ یونانی ابجد کے تین ابتدائی حروف پر اُنکے نام رکھے گئے۔ پہلی شعاع کا نام ”الفا“ دوسری کا ”بیٹا“ تیسری کا ”گاما“

(ریڈیم کے خواص)

پھر تحقیقات سے ثابت ہوا کہ پہلی شعاع ”الفا“ مثبت، کهربائی لہروں کا مجموعہ ہے۔ وہ اس قدر تیز رفتار ہے کہ ہر سکند میں ۲۰۰۰۰ میل حرکت کرتی ہے۔ یعنی توپ کے گولے سے بھی ۴۰۰۰۰ مرتبہ زیادہ تیز رفتار ہے۔ لیکن یہ شعاع، نفوذ و سرایت کی زیادہ قوت نہیں رکھتی۔ شیشے کی نہایت رقیق تختی حائل کر کے اُسے رک دیا جا سکتا ہے۔

کے لیے کم از کم ۵۰۰ ٹن دوسرے کیمیائی اجزاء درکار ہونگے۔ ۱۰۰۰ ٹن پتھر کا کوئلہ خرچ ہوگا۔ ۱۰۰۰۰ ٹن مقطر پانی لگے گا۔ ایک مہینہ تک ۲۵۰ - مزدور کام کریں گے۔ پانچ ہفتے ماہرین کیمیا کی ایک بڑی جماعت کو صرف کرنا ہوگا۔ پھر اس کے بعد مزید چار مہینے اُسے کار آمد بنانے میں لگیں گے۔ ان تمام کوششوں، محنتوں اور کثیر مصارف کے بعد، شاید ایک گرام ریڈیم دستیاب ہو سکے۔ اگر کانگو کی پوری کان سے فائدہ اٹھایا جائے، تو بھی زیادہ سے زیادہ نصف اونس ریڈیم ملنے کی امید ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس تمام درد سہی کے بعد ریڈیم کی موجودہ مقدار میں یعنی تقریباً دو چھٹانک میں صرف تیس گرام کا آؤ اضافہ ہو جائیگا!

(ریڈیم کی نوعیت)

آخر ریڈیم ہے کیا چیز جس کی جستجو میں سارا عالم سرگرداں ہو رہا ہے، اور جس کی مدح و ثنا میں دنیا کے تمام علماء طب اللسان ہیں؟

ماہر کیمیا سے پوچھو۔ وہ بڑے جوش سے جواب دے گا ”ریڈیم اگرچہ لوہے، تانبے، توتیے کی طرح ایک دھات ہے، مگر سب دھاتوں سے زیادہ رزنی ہے، حتیٰ کہ سیسے سے بھی زیادہ۔ سب دھاتوں سے زیادہ قیمتی ہے، حتیٰ کہ سوئے چاندی بلکہ لعل اور الماس سے بھی زیادہ۔ ریڈیم، نیچر کے خزانے کا سب سے زیادہ بیش قیمت جواہر ہے۔ یہی وہ پارس ہے جس کے عشق میں قدیم فلاسفہ اور حکماء دیوانے ہو رہے تھے، اور سمجھتے تھے، اس کے ذریعہ ہر دھات سونا بن جا سکتی ہے!“

ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ اُسے بھی قصیدہ خواں پاؤ گے۔ وہ کہے گا ”یہی وہ اکسیر حیات ہے جس کی مدتوں سے تلاش تھی۔ یہ عنقریب دنیا کی جملہ بیماریوں کا تریاق بننے والا ہے“

سائنس دان سے سوال کرو۔ فوراً بول اٹھے گا ”یہ سب سے زیادہ عجیب چیز ہے جو دنیا نے دیکھی ہے۔ یہ اُسی کے خواص کی برکت ہے کہ ذراتی ترکیب (ایٹم) کا نظریہ قائم ہو سکا ہے جو عنقریب تمام علوم میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دے گا“

عالم طبقات الارض (جیالوجی) سے مخاطب ہو۔ وہ فوراً کہے گا ”ریڈیم، آتش فشاں پہاڑوں اور زمین کی اندرونی حرارت کا بہترین مفسر ہے“

عالم فلکیات سے دریافت کرو۔ وہ کہے گا ”ریڈیم، آفتاب اور ستاروں کے نور حرارت کا سرچشمہ اور ان کی قوت کا راز ہے“

علم الحیات (بیالوجی) کا ماہر تو یہاں تک کہیگا ”شاید ریڈیم ہی زندگی کا اصلی منبع ہے“

علم ہندسہ کا عالم کہیگا ”اگر ریڈیم کی کافی مقدار حاصل ہو جائے تو اتنی عظیم الشان قوت انسان کے قبضہ میں آجائے جس کا اس وقت تصور بھی مشکل ہے۔ ایسے حیرت انگیز آلات ایجاد ہو جائیں جنکے مقابلہ میں موجودہ آلات بالکل ہیچ ہیں۔ وہ آلات ایسے معجز العقول نام کر سکیں گے جن کا عشر عشر بھی حال کے آلات سے ممکن نہیں۔ پھر صنعت و حرفت میں بھی بالکل نیا پلٹ ہو جائیگی۔ ابھی ریڈیم کی جتنی قابل مقدار موجود ہے، وہی بے شمار فوائد پہنچا رہی ہے۔ اُسکا ایک ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ اُس سے ایک ایسا روشن ایجاد ہو گیا ہے جو کھوپڑی کی سنڈیاں، بحری اور ہوائی جہازوں کے آلات اور برقی کنجیل، اندھیری راتوں میں روشن رکھتا ہے۔ قیمتی جواہرات اُس سے طیار ہو جاتے ہیں، اگر کچھ مدت کے لیے سفید

یعنی (میں سے) ۳۳۲۔ گنا رزائی ہے۔ ظاہر ہے، اتنے بڑے کرہ  
میں کتنا بڑا خزانہ ریڈیم کا موجود ہوگا جو آنتاب کی اس  
مقدور العقول روشنی، 'کمری' اور قوت کا ملہم ہے !

جو لوگ ریڈیم کے علاج میں مشغول رہتے ہیں وہ اپنی حفاظت سے کسی کی صحت پر ہنجر کر رہے ہیں۔ تاہم انہی صحت کو آخر کار سخت نقصان پہنچتا ہے۔ ریڈیم کی شعاعیں براہ راست کوئی تکلیف نہیں پہنچاتیں۔ لیکن آہستہ آہستہ خون کے سفید اور سرخ ذریعے بگاڑ دیتی ہیں۔ خون کا دباؤ ہلکا کر دیتی ہیں۔ اکثر خوں میں کمی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ناخن بد صورت اور آنکھ گرد کی کال کھری اور موٹی ہو جاتی ہے۔ چہرہ اور ہاتھوں کی جلد میں بھی التهاب پیدا ہو جاتا ہے۔

ریڈیم کی ابھی جتنی مقدار حاصل ہوئی ہے، وہ تمام مریضوں کے علاج کے لیے بالکل نا کافی ہے۔ تاہم اسے نہایت ہوشیاری سے استعمال کیا گیا ہے، اور ایسے طریقے ایجاد کیے گئے ہیں کہ اسکا نفع زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے۔ ریڈیم کی شعاعی قوت کا گیس چھوٹی چھوٹی نالیوں میں اس طرح بند کیا گیا ہے کہ اس سے علاج میں کام لیا جاسکے۔ ہر نالی ۱۸ - ۲۰ - روپہ میں فروخت ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ چار دن تک کام دیتی ہے۔ یہ نالی بیمار کے جسم میں اسی طرح داخل کر دی جاتی ہے جس طرح انجکشن کی سوئی داخل کی جاتی ہے۔

اس وقت کوئی شخص بھی پیشین گوئی نہیں کر سکتا کہ ریڈیم کے آئندہ فوائد آرزو کیا کیا دریافت ہونگے؟ اور کن کن طریقوں پر اسے استعمال کیا جاسکے گا؟ امید کی جاتی ہے کہ سائنس کوئی ایسا طریقہ ایجاد کر سکے جس سے ریڈیم کے حصول میں آسانی ہو جائے، اور علماء طبقات الارض کا یہ نظریہ ایک دن صحیح ثابت ہو جائے کہ ہماری زمین کے شہر میں سراسر ریڈیم ہی بھرا ہوا ہے۔ اگر کبھی یہ نظریہ صحیح ثابت ہو گیا تو کون اندازہ کر سکتا ہے کہ انسان کو کتنی قوت، کتنی حرارت، اور کس قدر روشنی حاصل ہو جائیگی؟

اگر ریڈیم بگڑ کر سیسہ ہو جاتا ہے تو یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شروع ہی سے زمین میں ریڈیم کی بہت بڑی کمیت موجود تھی؟ اور کیا تمام موجودہ سیسہ اصل میں ریڈیم ہی تھا؟ بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو، اگر ایسا ہی ہے تو پھر زمین شروع میں اپنی موجودہ حالت سے بالکل مختلف ہوگی۔ شروع میں زمین ایک نہا سا آتشیں کرہ تھی یا خود آفتاب کا ایک چھوٹا سا جز۔

عام طور پر علماء کا یہی خیال ہے کہ زمین اصل میں ایک آتشیں کرہ تھی اور آفتاب یا کسی دوسرے عظیم کرہ سے کٹ کر جدا ہوئی ہے۔ پہلے زندگی سے بالکل خالی تھی۔ پھر بتدریج سرد ہونے کے بعد زندگی کے تخم سے آباد ہوئی، اور ذی روح کا مسکن بن گئی۔ زندگی کے یہ تخم، انتہر میں پڑے بہہ رہے تھے۔ اگر واقعہ یہی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے، کیا یہ ممکن نہیں کہ زندگی کے یہ تخم اصل میں ریڈیم ہی کے گیس ہوں؟ بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ کیونکہ سائنس نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ شعاعی قوت کا زندگی کے حقیقی عناصر سے گہرا تعلق ہے۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ بعض بیج ریڈیم کی شعاعوں کے زیر اثر آتے ہی فوراً کونپائیں پیدا کر دیتے ہیں، اور پھر غیر معمولی سرعت و قوت سے بڑھنے لگتے ہیں!

لیکن علماء کا پختہ خیال ہے کہ ریڈیم کی، اس کی اعلیٰ اور بے میل شکل میں زیادہ کمیت، زمین کی سطح پر کبھی موجود نہ تھی۔ یہ اسلیئے کہ اس کے کیمیائی خواص اسے تقریباً نا ممکن ثابت کر رہے ہیں۔ وہ ہمیشہ دوسرے مواد سے مرکب ملتا ہے۔ خالص ریڈیم کا حصول بہت ہی مشکل ہے۔ اگر حاصل ہو بھی جائے تو اسکا اصلی حالت میں محفوظ رکھنا آرزو بھی مشکل ہوگا۔ کیونکہ وہ ہوا سے جلد متاثر ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریڈیم عام تجارت اس کے مختلف نمکوں: برومائڈ، کلورائڈ، کاربائیڈ، سلفائیڈ کی شکل میں ہوتی ہے۔

(طبی فوائد)

روشنی کے روعنوں کے علاوہ ریڈیم سے طب میں بھی بڑے بڑے کام لیے جا رہے ہیں۔ طب میں اس کے استعمال کی طرف سب سے پہلے سنہ ۱۹۰۱ء میں بیدر کوری نامی طبیب کو رہنمائی ہوئی۔ یہ شخص ریڈیم کی دریافت کرنے والی مقدم کوری کا شوہر ہے۔ لیکن ریڈیم کے علاج کا اصلی موجد ہنری ڈیویسی ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں اس نے دریافت کیا کہ اگر سیسہ کی تختی میں ریڈیم کی شعاعیں دو مرتبہ چھان لی جائیں، تو وہ جسم کے آن ریشوں کو زائل کر دیتی ہیں جو سرطان مادوں سے آلودہ ہوتے ہیں۔ مگر تندرست ریشوں پر ان کا کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔

اس وقت سے ریڈیم مختلف امراض کے علاج میں استعمال ہونے لگا۔ مثلاً سرطان، طرح طرح کے روم، نقرس، عصبی درد، عرق النساء، ریزہ کا درد، ذیابیطس، خوں کی کمی، ہیضہ، ٹیفوئڈ وغیرہ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ریڈیم، ایکس ریزے جیسے زخم اچھے کر دیتا ہے۔ ٹیفوئڈ، ہیضہ، اور بے سہری کے جراثیم قتل کر دیتا ہے۔ معدے کو درست کرتا ہے۔ اشتہا پیدا کرتا ہے، اور ان تمام کیمیائی تبدیلیوں میں مساعد ہوتا ہے جو انسانی جسم میں برابر جاری رہتی ہیں۔

(ریڈیم کے مضر اثرات)

لیکن جہاں ریڈیم کے بے شمار فوائد ہیں، اُسکی مضریتیں بھی ہیں۔ مدت تک ریڈیم کے زیر اثر رہنا سخت نقصان کا موجب ہوتا ہے۔

## الہلال

کا

یہ ۸ - وان نمبر ہی

## لیکن

اس وقت تک ضرورت باقی ہے کہ توسیع اشاعت کی طرف آپ کو توجہ دلائی جائے۔

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الہلال کا استقبال کیا، شاید ہی اُسکی کوئی دوسری نظیر اردو اخبارات میں مل سکے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ پرچہ کی ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ہے، اور قیمت اس کے مقابلہ میں بہت کم۔ اب یا تو قیمت بڑھانی چاہیے۔ یا اتنی وسیع اشاعت ہوئی چاہیے کہ اس سے قیمت کی کمی کی تلافی ہو جائے۔



## مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

”ایک کام ہوتا ہے۔ میرا کام یہی ہے کہ میں تلخ مکر مفید سچائی عوام پر ظاہر کر دوں۔ جہاں تک عیسائی استقامت میں تھا، میں نے انسانیت، شرافت، اور رزا داری کی دعوت دی ہے۔ اگر دنیا نے نہیں سنا، تو یہ میرا قصور نہیں ہے۔ میں نے اپنے لیے ایک قاعدہ بنایا ہے۔ میں عالمگیر سچائیوں کا ساتھ دوں گا۔ میں کسی پر الزام نہیں لگاتا، کسی کی تصحیک نہیں کرتا، کسی معین شخص پر حملہ نہیں کرتا۔ میرا حملہ انسانوں پر ہے۔ میں کسی خاص فعل کو برا نہیں کہتا۔ میں شر کو برا کہتا ہوں“ (روسو)

ہے۔ یہ مجموعہ استبداد پسند اور ’روٹاؤں‘ معاملات سے لبریز ہے کہ ضرورت ہے، کم از کم ایک در تعزیریں روسو کے مکاتیب پر بھی لکھی جائیں۔ اگر یہ لکھی جا سکیں تو یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہوگی۔

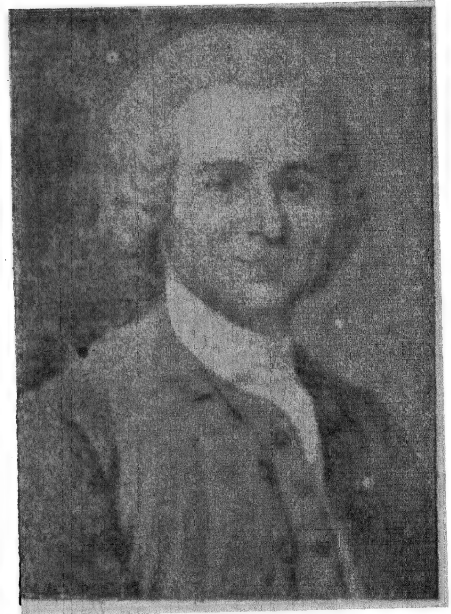
انقلاب فرانس کے دماغی ارکان دراصل از منہ وسطی (میڈل ایجز) کے کلیسائی اور شاہی استبداد کا رد فعل تھے۔ اس لیے ناگزیر تھا کہ پچھلے افراط کے مقابلہ میں ایک نئی تعریض پیدا ہو جائے۔ ’والٹیور‘، ’روسو‘ اور ’تیدرز‘ ذہن و عقل کی اسی تعریض کی معارق ہیں۔ انکی ذہنی روح تعمیر سے نہیں بلکہ تخریب کے ہیجان سے پیدا ہوئی۔ وہ اثبات کے نہیں، نفی کے راعظ تھے۔ مسیحی کلیسا کے جمود اور شاہی نظام کے استبداد نے ”اثبات“ اور ”اعتقاد“ کا جو غلو پیدا کر دیا تھا، اس نے اس رد فعل میں ”نفی“ اور ”سک“ کا اشراق پیدا کر دیا۔ یہ بلاشبہ اُس زمانے کی طبیعت کا قدرتی مقتضی تھا۔ پچھلی ”تعمیر“ کی درسنگی کیلئے ایک نئی ”تخریب“ کی ضرورت تھی۔ انہوں نے کلیسائی اور شاہی جمود کا بت توڑ دیا۔ لیکن جب تک وہ اس بت شکنی میں رہے خود ہی ایک نیا بت کدہ بنا گئے۔ از اس کے لیے پھر دنیا کو ایک نئے بت شکن کا انتظار ہے!

بہر حال انقلاب فرانس کے مبادیات پر یہ جدید نقد و نظر، اس سلسلہ کی عملی چیز ہوگی۔ جو مولانا ابوالکلام کے قلم سے نکلی ہے، از ان کے قید خانہ کے مسودات میں سے ہے۔

## انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

جان جاک روسو

JEAN JACQUES ROUSSEAU



یہ سلسلہ شروع کرتے ہوئے گذشتہ نمبر میں ہم نے ’والٹیور‘ کے مختصر حالات درج کیے تھے، اور لکھا تھا کہ آئندہ نمبروں میں اس کے اجتماعی اصول و مبادیات پر ایک مقالہ شائع کیا جائیگا۔ پھر اس پر نقد و تبصرہ کیا جائیگا۔ لیکن پھر ہمیں خیال ہوا کہ اس ترتیب کی جگہ یہ ترتیب بہتر ہوگی کہ پہلے ان تینوں ارکان انقلاب کے مختصر حالات و افکار شائع کر دیے جائیں۔ پھر ان کے اصول و مبادیات کا خلاصہ دیدیا جائے۔ اُس کے بعد بہ ایک دفعہ ان پر نقد و تبصرہ کیا جائے۔ چنانچہ آج روسو پر ایک مختصر تعریض شائع کی جاتی ہے۔ یہ غالباً دو نمبروں میں ختم ہو جائیگی۔ اس کے بعد فرانسیسی انسائیکلو پیڈیا اور اس کے مصنفین کے حالات و افکار پر نظر ڈالی جائیگی، اور اسکی اشاعت کے بعد نقد و تبصرہ کا سلسلہ شروع ہوگا۔ حل میں ایک نہایت قیمتی مجموعہ روسو کے تمام مکاتبات کا بھی پیرس سے شائع ہو رہا ہے۔ تین جلدیں گذشتہ سال شائع ہو چکی تھیں۔ چوتھی جلد پچھلی ڈاک سے ہندوستان پہنچی

ایک مرتبہ ایک مجلس میں انگریزی عام ادب کا غیر معمولی انسان اور انقلاب فرانس کا سب سے بہتر قانع نگار، کارلائل موجود تھا۔ لڑکھٹا کی خیالی نقشہ آرائیں پر بحث کر رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا ”اجتماع و معاشرت کے انقلابات کے نقشے ایک دل خوش کن تخیل سے زیادہ نہیں ہیں“ جونہی اس رائے زنی کی بھٹک کارلائل کے کانوں میں پڑی، اُس نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا:

”حضرات کچھ عرصہ گزرا، اس دنیا میں ایک شخص تھا۔ روسو۔ اس نے ایک کتاب لکھی تھی۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو بہت سے آدمیوں نے اُس کی ہنسی اڑائی۔ لیکن جب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا، تو اُس کی جلد باندھنے کے لیے انہی لوگوں کے جسم کا چمڑا استعمال کیا گیا تھا“ جنہوں نے اس کی ہنسی اڑائی تھی!“

اور مضمون لکھا۔ اُس کا مضمون سب سے بہتر ثابت ہوا۔ مجمع علمی نے اس گمنام ”علم“ کی قابلیت کا اعتراف کیا۔ اور اُسے مقابلہ کا انعام دیکر ہمت افزائی کی۔ اس طرح دنیا نے پہلی مرتبہ سنہ ۱۸۰۱ء میں ”فرانس میں ایک بڑا عالم“ کا خطاب دیا۔

(حکومت اور کلیسا کا متحدہ حملہ)

اب روسو پر شہرت کا دروازہ کھل گیا۔ بڑی تیز گامی سے وہ آگے بڑھا اور تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اپنے عہد کا سب سے بڑا عالم تسلیم کر لیا گیا۔

مگر کیا اس شہرت و عزت سے اُس کی زندگی کی مصائب دور ہو گئیں؟ نہیں، اور زیادہ ہو گئیں۔ پہلے وہ صرف تنگ دستی کا شکار تھا، اب وہ حکومت اور کلیسا کی دشمنی کا بھی شکار ہو گیا۔ جون ہی اُس کی تصانیف سوشل کنٹریکٹ، ہلواز، اور امیل نامی شائع ہوئیں، حکومت اور کلیسا کے ایوانوں میں تہلکہ مچ گیا۔ دونوں نے بیک وقت اُس پر یورش کر دی، اور انتقام لینے کیلئے اپنے تمام ہتھیار سنبھال لیے!

(مصائب و محن اور خاتمہ)

”امیل“ کے شائع ہونے ہی ۹ جون سنہ ۱۷۶۲ء میں حکومت فرانس نے روسو کی گرفتاری کا فرمان جاری کر دیا۔ مجبوراً اُسے فرار ہی میں سلامتی نظر آئی۔ فرانس سے بھاگ کر جینیوا پہنچا مگر یہاں کی حکومت بھی اُس کے لیے فرانس سے بہتر ثابت نہ ہوئی۔ اُس نے بھی اس کی گرفتاری ضروری سمجھی۔ یہ حال دیکھ کر اس نے ہالینڈ کا رخ کیا۔ مگر ہالینڈ بھی ایک ایسے شخص کے استقبال کے لیے طیار نہ تھا۔ اُس نے بھی دار و رس سے استقبال کرنا چاہا۔ اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ اٹلی میں پناہ لے۔ وہ اٹلی پہنچا۔ مگر اٹلی پوپ کا پایہ تخت تھا۔ وہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اس کے کفر و انکار پر گرفتاری و قتل کا فتویٰ صادر کر چکا تھا۔ بے بس ہو کر وہاں سے بھی نکلا۔ اور انگلستان کی راہ لی۔ اسے امید تھی کہ انگلستان کے ایک گوشہ میں پناہ حاصل کر سکیگا۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی بے رحم نکلا۔ اب اُس کی مصیبت کا جام چھلک گیا تھا۔

اب یورپ میں اُسے کہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی۔ جہاں چھوٹا تھا۔ وہیں دشمن کا ہاتھ دراز ہو جاتا تھا: ضائق علیہم الارض بما رحبت و ضائق علیہم انفسہم کے عالم میں مبتلا تھا۔ ابھی یہ مصیبت بڑھتی ہی جاتی تھی کہ ایک دوسری مصیبت بھی شروع ہو گئی۔ یعنی طرح طرح کے جسمانی امراض و آلام کے آگہوا۔ آخر اسی حالت میں کہ دنیا اپنی ساری وسعت کے ساتھ اُس پر تنگ ہو چکی تھی، سنہ ۱۷۷۸ء میں انتقال کیا، اور گوشہ قبر میں پناہ لی!

ان مصائب و رُسو کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا؟ کیا وہ اپنے سے مرعوب ہو گیا تھا؟ کیا اپنے عقائد و افکار سے دست بردار ہو گیا تھا؟ کیا اُس نے اپنے بے پناہ دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے؟

اگر وہ ایسا کرتا تو یقیناً عیش کی زندگی بسر کرتا۔ مگر صرف زندگی ہی بسر کرتا۔ زندگی کی عظمت حاصل نہ کر سکتا۔ اپنی موت کے ساتھ ہی مرجاتا۔ اُسکی ساری عظمت، اُسکی دماغی قابلیتوں سے زیادہ، اُسکے دل کی مضبوطی میں ہے۔ بلاشبہ وہ اپنا جسم کوئے کرنے میں چھوٹا پھرا، مگر اُسکا قلم بے پناہ شہریت پر ہمیشہ دشمن کا قلم قمع کرتا رہا۔ اُسکی تبلیغ ترین کتابوں، اسی

یہ ہے یورپ کے اٹھارویں صدی کی عجیب و غریب شخصیت جان جاک روسو۔ اور یہ ہے اُس کی انقلاب انگیز اور عالم افکن تعلیمات کا ساحرانہ نفوذ، جس کی طرف کارلائل نے ان ضرب المثل بن جانے والے لفظوں میں اشارہ کیا تھا!

نپولین کہا کرتا تھا ”انقلاب فرانس کچھ نہ تھا مگر روسو“ ایک اور موقع پر اُس نے کہا ”روسو ہی انقلاب کا باپ تھا“ بلاشبہ روسو انقلاب فرانس کا باپ تھا، لیکن وہ اس سے بھی بڑھ کر تھا۔ اُس نے صرف فرانس ہی میں نہیں بلکہ اپنے پورے عہد کی عقلی و اجتماعی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس کے مبادیات و اصول کو لوگ صحیح سمجھیں یا غلط، لیکن عملی دنیا کا فیصلہ یہی ہوا کہ وہ آئندہ بند کرے اُس کی رہنمائی پر چل پڑے، اور اُس کے سوا دوسروں کی رہنمائی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اٹھارویں صدی سے لیکر اس وقت تک دنیا کے قوموں کی حکومتوں میں، ان کی سوسائٹی اور معاشرت میں، ان کے عقلی اعمال و عقائد میں، ان کے علم و فن کے کار و بار میں، ایک بہت بڑی زندہ حقیقت روسو اور روسو کے اصول و مبادی ہیں!

(مختصر حالات زندگی)

سنہ ۱۷۱۲ء میں روسو جینیوا میں پیدا ہوا تھا۔ اُس کا باپ آئزک روسو ایک غریب آدمی تھا، مگر سست، ناچار، اور بد اخلاق۔ گھڑیوں کی مرمت کوتاہی اور عورتوں کو ناچنا سکھا کر بیت پالتا۔ لیکن اُس کی ماں بہت ہی شریف عورت تھی۔ اُس کی شرم و حیا اور شریفانہ نسوانی جذبات کا تمام سوانح کاروں نے اعتراف کیا ہے۔ روسو میں اپنے ماں اور باپ، دونوں کے اخلاق جمع ہو گئے تھے۔ البتہ بعد میں اُس نے بہت کچھ اصلاح کر لی تھی۔

روسو کی ابتدائی تعلیم نہایت ناقص تھی۔ اُسے بچپن ہی سے افسانے اور خیالی قصے پڑھنے کا شوق ہو گیا تھا۔ لیکن اُس کے تمام سوانح نگار تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مطالعہ اُس کے عجیب ذہن کے لیے مضر نہیں بلکہ مفید ثابت ہوا۔

روسو ابھی پوری طرح جوان بھی نہیں ہوا تھا کہ اپنی روزی کمانے پر مجبور ہو گیا۔ اُس کے والد نے اُسے دستکاری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ کئی مقامات میں اُس نے نوکری کی مگر اپنی تنگ مزاجی اور خاص قسم کی طبیعت کی وجہ سے کہیں جم نہ سکا۔ نہ وہ اپنے کسی آقا کو خوش کر سکتا تھا۔ نہ اُس کا کوئی آقا اُسے مطمئن کر دینے کی قابلیت رکھتا تھا!

اپنی زندگی کا یہ زمانہ اُس نے سخت مصائب میں گزارا۔ تنگ دستی ہمیشہ اُس کی رفیق رہی۔ بے اطمینانی نے کبھی ساتھ نہ چھوڑا۔ صحت نہایت خراب تھی۔ سوسائٹی کا سب سے زیادہ بدترین طبقہ اُس کے حصے میں آیا تھا۔

(تربیت و شہرت کا پہلا موقع)

۳۹ سال اس طرح گزر گئے۔ اب نگ وہ بالکل کم نام تھا۔ لیکن قدرت کی نظر عنایت اُس پر شروع ہی سے تھی۔ وہ اُسے اپنے مدرسہ مصائب میں طیار کر رہی تھی۔

سنہ ۱۷۴۹ء میں اچانک اُس کے اقبال کا ستاراز طلوع ہوا۔ فرانس کے ایک علمی مجمع (اکیڈمی) نے ایک موضوع مقرر کیا، اور اہل عام کو اُس پر بحث کی دعوت دی۔ مقابلہ سخت تھا۔ منتخب علماء میدان میں اتر پڑے تھے۔ تاہم روسو نے ہمت کی

پھر تربیت کی کتاب لکھتا ہے - مگر سراسر الحاد کی دعوت دیتا ہے !

آگے چلکر اسقف نے روس کی کتاب ”تربیت“ پر اعتراض ادا ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ یہ ”دعوت الحاد“ ہے - یہ کتاب آج ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے - اس میں جس ”الحاد“ کی دعوت دی گئی ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ کہتا ہے : ”بچہ کی دماغی تربیت و تعلیم ایسی ہونی چاہیے کہ وہ خود اس قابل ہو جائے کہ دین حق کی معرفت پیدا کر سکے“ اور اسے تقلید و رسوم کی بنا پر نہیں بلکہ فہم و بصیرت کے ساتھ منتخب کرے - ہمیں اس بات سے احتراز کرنا چاہیے کہ اُسے کوئی ایسی دماغی جتن بندی کی تعلیم دیں جس سے اُس میں دماغی بصیرت اور مجتہدانہ فکر کی قوت پیدا نہ ہو سکے اور دل و دماغ کسی جابرانہ تاثیر سے منفعیل ہو جائیں - ہمیں اس سے بھی احتراز کرنا چاہیے کہ اس کے دماغ میں کوئی ایسی بات آتا رہیں جسے وہ خود اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتا

اس پر اسقف نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے : ”ہمیں اس نظریہ پر کوئی اعتراض نہیں ہے - لیکن سوال یہ ہے کہ کیا بچہ کو گمراہ ہو جانے کیلئے چھوڑ دینا چاہیے ؟ اگر ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اُسے ہمیشہ فطرت کی سچی راہ پر رہنا چاہیے، تو وہ سچا طریقہ کیا ہے ؟ کتاب ”تربیت“ کا مولف بند بند لفظوں میں الحاد کی طرف دعوت دیتا ہے - لیکن ہم فطرت کے سچے طریقے یعنی مسیحیت کو پیش کرتے ہیں - درحقیقت دین مسیحی فطرتی دین ہے - فطرت ہمیشہ اسی کی طرف رہنمائی کرتی ہے - عقل انسانی بجز انجیل کے راستہ کے کوئی دوسری راہ قبول ہی نہیں کر سکتی - یہ اس لیے کہ انجیل کا دین ”فطرت اور عقل کا دین“ ہے !

روسر اسقف کی تمام تشریحات برداشت کر لے سکتا تھا، لیکن یقیناً اس بات کی برداشت اس کی طاقت سے باہر ہو گئی کہ ”مسیحیت فطرت کی سچائی ہے“ اور وہ ”فطرت اور عقل کے دین کی طرف رہنمائی کرتی ہے“ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ پر جوش اسقف اور اس کے تمام ہم مشرب جس ”مسیحیت“ اور ”انجیل“ پر عامل تھے اور اُس کی دعوت دے رہے تھے، وہ ”کلیسا“ اور ”پوپ“ کی ”مسیحیت“ تھی - وہ کہ مسیحیت کی پلے عہد کی سادہ اور بے میل مسیحیت - امریکن معذرت دہیز کے لفظوں میں ”اٹھارویں صدی کے تمام اجتماعی انقلابات غیر ضروری ہو جائے“ اگر کلیسا اور پوپ کی نمایندگی کی جگہ مسیحیت اور مذہب کی کوئی دوسری نمایندگی وجود میں آ سکتی

در اصل ازمنہ وسطیٰ سے مسیحیت کا جو جہل پرور اور مستبد مزاج پیدا ہو گیا تھا، اس کا قدرتی رد فعل والٹیر اور روسر کا انکار اور کفر تھا !

اس کے بعد اسقف کہتا ہے ”اگر دین مسیحی ہی وہ سچا طریقہ ہے جسے سوا فطرت انسانی کوئی دوسری راہ تصور ہی نہیں کر سکتی - تو پھر روسر کا دینی تعلیم و تربیت پر نکتہ چینی کرنا بجز اس کے کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ مخارق کو ہدایت سے ہٹا کر ضلالت کی طرف بلا رہا ہے !“

روسر نے کہا تھا ”ہر بچہ جو اپنے بچپن میں خدا پر ایمان رکھتا ہے، ایک طوطا کا بت پرست ہے، اور خدا کو انسان کی

آخری مہد مصائب کی یادگار ہیں - انہیں سب سے بلند درجہ اس کے ”مکالمات“ اور ”اعترافات“ کو حاصل ہے - ان سے بھی بڑھکر اُس کی وہ تحریریں ہیں، جو اُس نے پیرس کے اسقف (لائٹ پادری) اور جنیوا کی حکومت کے جواب میں لکھی تھیں -

( روسر اور کلیسا کا معرکہ )

اس جنگ میں کون فتح مند رہا : روسر یا اُس کے دشمن ؟

اس کا جواب مدت ہوئی خود زمانہ دے چکا ہے ! زندگی میں اُس نے دنیا چار بالشت زمین کا گوشہ بھی مہیا نہ کر سکی، لیکن اُس نے مرنے کے بعد یورپ کا تمام براعظم اپنے ذہن و فکر کا صرف ایک ہی حکمراں رکھنا تھا، اور وہ بھی معتوب عالم ”روسر“ تھا !

لیکن آج ہمیں روسر کی زندگی پر تبصرہ کرنا نہیں ہے - روسر کی زندگی پر تبصرہ رسائل کے مقالات میں نہیں، ضخیم کتابوں میں ہو سکتا ہے - آج ہم صرف اُس کی فکری اور قلمی معرکہ آرائیوں میں سے ایک خاص معرکہ دکھانا چاہتے ہیں - یہی اس کے قلم کے معرکے ہیں جو تھوڑے عرصے کے اندر انقلاب فرانس کے خرویش معرکوں کی شکل میں مبدل ہو گئے - یہ معرکہ اُس میں اور پیرس کے اسقف کے درمیان واقع ہوا تھا - بلکہ یوں کہنا چاہیے، علم و عقل کے نئے ظہور اور مسیحی کلیسا کے قدیم جہل و جمود میں ہوا تھا - ہم اختصار پر مجبور ہیں -

( اسقف کا بیان )

اسقف نے اپنا بیان اس انٹرویو کے ساتھ شروع کیا ہے کہ فرانس میں کفر اور الحاد پھیلنا جاتا ہے - پھر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ صورت حال ”قرب قیامت کی علامت“ ہے جیسا کہ پولس رسول نے پیش گوئی کی ہے - پھر اس مقدس مگر ہولناک تمہید کے بعد وہ روسر پر پے در پے حملے شروع کر دیتا ہے :

”یہی وہ الحاد ہے جسے ایک شخص (یعنی روسر) نے اپنی کتاب ”امیل“ Emilius میں پیش کیا ہے - اس شخص نے گناہ میں نشوونما پائی ہے - یہ ایک ایسی زبان بولتا ہے جو فلسفہ کی زبان ہے - مگر وہ خود فلسفہ سے تہی دست ہے - یہ ایک ایسا ذہن ہے جس میں معلومات بے ترتیبی سے تھونس دیے گئے ہیں - مگر وہ هنوز تاریک ہے، اور صرف اپنی تاریکی ہی پر قانع نہیں ہے بلکہ دوسرے دلوں میں بھی تاریکی اتار رہا ہے - یہ ایک ایسی طبیعت ہے جو عجیب و غریب افکار کی دلدادہ اور مجہول راستوں کی شیفہ ہے - اس میں اخلاق کا افلاس اور فکر کی ثروت، دونوں بیک وقت جمع ہو گئی ہیں - ایک طرف اُسے متقدمین کے اصول سے شغف ہے، دوسری طرف عقلی بدعتوں کی ایجاد کا جنون ہے - وہ خلوت پسند بھی ہے اور شہرت پسند بھی - علم کی محبت کا بھی دعویٰ رکھتا ہے اور علم کی عداوت کا بھی علم اٹھاتے ہے - انجیل کے کمال کا بھی اعتراف کرتا ہے اور اُسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی بھی کوشش کرتا ہے - فضیلت کی ایسی خوبصورت تصویریں اٹارتا ہے کہ بے اختیار تحسین و آفریں کا نعرہ بلند ہو جاتا ہے - مگر پھر فوراً ہی فسق و فجور کے پہاڑوں سے اپنی بنائی ہوئی شاندار عمارت کو بھی دبتا ہے - یہ نوع انسانی کا معلم بنکر سامنے آیا ہے، مگر الحاد اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں رکھتا - یہ ضلالت کا امام ہے - فساد کا مرشد ہے - شیطان کا پیام بر ہے - تاریکی کا رہبر ہے - اور اس سے بھی کچھ زیادہ ہے - وہ اپنی کتاب میں انسان کو حیوان کے درجہ میں رکھتا ہے - ایک اور رسالہ میں نفس پرستی کی تبلیغ کرتا ہے -

# عالم شرق و اسلام

## مکتوب شام

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

درزوی جہاد آزادی کا خاتمہ

میں یہ مکتوب اس حال میں لکھ رہا ہوں کہ ہاتھ میں رعشہ ہے، آنکھوں میں آنسو ہیں، دل میں حسرت و الم ہے۔ میں ہی نہیں، اس وقت شام میں کون ہے جو خوں کے آنسو نہیں رورہا ہے؟ دمشق کے آسمان پر اندھیرا چھا گیا ہے۔ اور شام کے مرغزار مایوسی کی خزاں سے مرجھا گئے ہیں۔ اس لیے کہ آزادی کی امیدیں ملتوی ہو گئیں۔ تین سال ہوئے شام کے ابطال وطن نے آزادی کا علم بلند دیا تھا۔ آج وہ علم گر گیا ہے۔ اس لیے پورا ملک ازسکی قومی تیوریت سرنگوں ہے!

ملک شام خصوصاً دمشق کے اپنی سرزمین پر تاریخ کے عظیم ترین واقعات مشاہدہ کیے ہیں۔ دروز کا جہاد آزادی بھی ایک ایسا ہی عظیم واقعہ ہے۔ مشرق کی تاریخ میں ہمیشہ یہ زریں حرف میں ثبت رہے گا۔ جیل دروز، جو اس جہاد کا مرکز تھا، صرف پچاس سالہ ہزار کی آبادی رہتا ہے۔ یہی آبادی دروزیوں کی مرکزی آبادی ہے۔ اور یہی دروز ہیں جنہوں نے فرانس جیسی عظیم الشان سلطنت کے قدم، شام سے اکھاڑ دیے تھے! ابتدائی

اسقف کا بیان بہت طویل ہے۔ اس مضمون میں اسکا پورا خلاصہ بھی ممکن نہیں۔ لیکن اسکا آخری اعتراض ضرور نقل کر دینا چاہیے۔ روسو نے بادشاہوں کے وجود پر سختی سے حملہ کیا ہے۔ اسقف اسے جواب میں لکھتا ہے:

”یہ بھی مؤلف کا اتحاد ہی ہے جس سے متاثر ہو کر وہ بادشاہوں کے وجود پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ بادشاہوں کو بردہ کر کے وہ ایسے قواعد جاری کرنا چاہتا ہے، جنکا نتیجہ بجز بد امنی اور طوائف الملکی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ مصنف نے مذہب اور دین حق میں کتنا تضاد ہے؟ مصنف بد اخلاقی اور بد امنی کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن دین حق خشیت الہی اور بادشاہ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ دین کا حکم یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے آقا کی فرمانبرداری کرے۔ دین کہتا ہے پادشاہی، خدا کی قوت ہے۔ اسکا پاک سایہ ہے۔ اور اسی نے زمین پر نازل کی ہے۔ جو اس کا مخالف ہے، وہ خود خدا کا باغی ہے۔ اس پر خدا کی ابدی لعنت ہو!“

اس طرح اسقف نے اپنا رسالہ قرب قیامت کی ہولناکی سے شروع کر کے ”ابدی لعنت“ کی پیشکش پر ختم کر دیا ہے!

یہ روسو کے سب سے بڑے کلیسائی مناظر کا حملہ تھا۔ اب دیکھنا چاہیے، روسو نے اسکا دفاع کیونکر کیا ہے؟ روسو کے سخت سے سخت لکھ چیں بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسکا جواب اسکی مناظرانہ قوت بیانیہ کا بے نظیر ثبوت تھا۔

ہم آئندہ اشاعت میں اسکا خلاصہ درج کریں گے۔

ضرورت میں یقین کرتا ہے۔ عقل انسانی اس عمر میں، خدا کا منہ اور مطلق تصور کر ہی نہیں سکتی!“

اسقف کا اس پر اعتراض یہ ہے ”اگر بچہ بت پرست ہوتا تو کئی خداؤں کا قائل ہوتا۔ اگر اسکے تفکر میں تجسم ہوتا (یعنی خدا تو انسان کی صورت دیتا) تو پروردگار کا جسم بنانا۔ حالانکہ مسیحی بچوں کا کبھی ایسا اعتقاد نہیں ہوتا۔ وہ صحیح معنوں میں موجد ہوتے ہیں۔ مولف (روسو) نے یہ کہہ کر دراصل مسیحیت کو بت پرستی قرار دیا ہے!“

روسو نے لکھا تھا ”میں جانتا ہوں کہ نظام عالم کو ایک قادر و حکیم ارادہ چلا رہا ہے۔ میں یہ دیکھتا یا محسوس کرتا ہوں، اور اسکی معرفت میری زندگی کیلئے ضروری ہے۔ لیکن یہ عالم اب سے اور کس طرح ہے؟ اشیاء کی اصل ایک ہے یا متعدد ہیں؟ انکی طبیعت کیا ہے؟ یہ میں نہیں جانتا، ورنہ مجھے جاننے کی ضرورت ہے۔ یہی باعث ہے کہ میں یہ حقیر مسائل نظر انداز کر جاتا ہوں۔ ممکن ہے یہ میری عقل کو مشغول کر لیں، مگر مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ میری مسائل میری عقل سے بالا تو رہی ہیں۔“

اس پر اسقف اعتراض کرتا ہے ”بے شک مصنف کا اس قول سے کیا مقصود ہے؟ وہ جانتا ہے کہ کائنات کا نظام ایک قادر و حکیم ارادہ کے ماتحت ہے۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ اس حقیقت کا علم اسکے لیے ضروری ہے۔ لیکن باوجود اسکے کہتا ہے، ”میں معلوم اشیاء کی اصل ایک ہے یا ایک سے زیادہ ہے؟ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اس نقطہ کے معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مصنف، دراصل خدا کی وحدانیت پر شک رہتا ہے۔ اس علم کے بعد کہ کائنات ایک قادر و حکیم ارادہ کے تصرف و اختیار میں ہے، کیا یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اسے اپنی اصل ایک ہے یا کئی ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ پہلی حقیقت کا علم ضروری ہو اور دوسری ہی معرفت، نیز ضروری قرار پائے؟ کیا یہ صریح تناقض اور اتحاد نہیں ہے؟ وہ کہتا ہے میں خدا کی طبیعت و حقیقت سے ناخبر ہوں، لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقی، علم، قدرت، ارادہ، اور حاکم رہتا ہے! اس سے تو معلوم ہوا کہ وحدانیت اسکے خیال میں ایک ”حقیر سا مسئلہ“ ہے اور ایسی طرح بھی اسکی عقل میں نہیں آسکتا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے متعدد خداؤں کا تصور اسکی عقل کے نزدیک معتدل ہے۔ پہلا اس حماقت سے بڑھ کر بھی کوئی حماقت ہو سکتی ہے؟“

روسو معتذرات کو اس معنی میں تسلیم نہیں کرتا کہ وہ خارق عادت ہیں۔ معجزات پر گفتگو کرتے ہوئے اسنے لکھا ہے ”بالعجب! ہمیشہ آدمیوں ہی ہی گواہیں! آدمی، اپنے ہی جیسے آدمیوں سے سنتے ہیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے ہیں! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کتے آن کنت واسطے قائم ہوئے ہیں!“

اس پر اسقف لکھتا ہے ”اگر آدمیوں کی گواہی معتبر نہیں ہے تو پھر ہم پوچھتے ہیں مؤلف نے اسپارٹا، ایتھنز، اور روم کو کیونکر جانا جنسی عظمت کا وہ ہمیشہ راگ لایا کرتا ہے؟ ان قدیم جمہوریتوں اور مؤلف کے مابین آدمیوں کے کتے بہت سے واسطے موجود ہیں؟ وہ ان واسطوں پر شک نہیں کرتا۔ لیکن مسیحی معجزات کی روایت میں وہ کوئی واسطہ منظور کرنا نہیں چاہتا۔ دراصل اسکے اعتراض کی اصلی علت، اتحاد ہے۔ وہ خدا ہی کو نہیں مانتا!“







## (سلطان پاشا اطرش)

لیکن جہاد آزادی کے علم بردار سلطان پاشا اطرش نے ہتیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ دمشق میں آنکے بعض دوستوں کے پاس میں نے انکا ایک تار پڑھا ہے۔ آسمیں وہ لکھتے ہیں :

”میں نے ہتیار رکھنے سے انکار کر دیا ہے۔ کیونکہ مرد ہتیار نہیں رکھا کرتے۔ میں صحراء کی طرف اپنے خاندان کے ساتھ جا رہا ہوں کیونکہ برطانی حکام اور امیر عبداللہ نے مجھے علاقہ ازرق میں رہنے نہیں دیا!“

مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ انگریزوں نے سلطان پاشا اطرش سے کہا تھا کہ ”فلسطین چلے آئیں، ہم امن دینگے“ اس سے انکی غرض یہ تھی کہ فرانس پر دباؤ رکھنے اور اپنی مطلب برداروں کے لیے انہیں نظر بند کر کے رکھ چھوڑیں۔ مگر سلطان پاشا نے انکار کر دیا :

”میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی ایسے ملک میں ہرگز نہیں رہونگا جس پر اجنبی علم لہراتا ہو!“

یہ انکا قطعی جواب تھا !

پھر آخر سلطان پاشا کہاں پناہ لینگے ؟ یہ سوال تھا جو برطانی، فرانسیسی، اور عربی حلقوں میں گشت لگا رہا تھا۔ مگر اسکا جواب بہت جلد مل گیا اور ایسا ملا کہ سب کو حیرت ہو گئی۔ لوگوں کو اچانک معلوم ہوا کہ سلطان پاشا اطرش اور آنکے ۴۵ رفیق، سلطان ابن سعود کے مہمان ہو کر حجاز جا رہے ہیں، اور پانچ سو سے زیادہ دروزی جو اب تک مسلح ہیں اور ہتیار نہ رکھنے کا فیصلہ کر چکے ہیں، وہ بھی عنقریب اسی طرف روانہ ہونے والے ہیں۔

لوگوں کو حیرت اس وجہ سے ہوئی کہ نجدی از حد متعصب مشہور ہیں۔ اس صورت میں وہ دروزیوں کے سردار کا کیونکر استقبال فرمینگے جن جو اسلام کے تمام فرقوں میں سب سے زیادہ عام اسلامی رسوم و عوائد سے دور ہیں ؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سلطان ابن سعود نے ایک مرتبہ پھر اپنی اور اپنی قوم کی بے تعصبی اور عربی حمیت کا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ انہوں نے جونہی سنا کہ دروزی مجاہدین پر عرصہ زمین تنگ ہے، فوراً دعوت دی اور اپنے جوار حمایت میں پناہ دینے کا اعلان کر دیا۔ ان کے طرز عمل نے صرف یہی ثابت نہیں کر دیا کہ وہ اپنے عقائد میں حد درجہ بے تعصب ہیں، حتیٰ کہ دروز جیسے عقائد رکھنے والوں کو بھی اپنا مہمان بنا لیتے ہیں، بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ فرانس اور برطانیہ دونوں سے بے خوف ہیں اور ادا فرض اسلامی و عربی کی راہ میں ان کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ میں یہ بات بھی آپ کے علم میں لانی چاہتا ہوں کہ مجاہدین شام اور سلطان ابن سعود کے درمیان راہ و رسم پیدا کرنے کے لیے بعض ہندوستانی زعماء نے جو سعی مشکور کی تھی، اس کا یہاں ہر شخص کو اعتراف ہے۔ یقیناً آپ کے لیے اس کی ضرورت نہ ہوگی کہ مزید تشریح کی جائے۔

سب سے زیادہ تعجب لوگوں کو اس پر ہوا کہ سلطان پاشا اطرش، دوما الجندل میں قیام کریں گے۔ ”دوما الجندل“ کے لفظ میں عربی تاریخ و روایت کے جذبات پوشیدہ ہیں، ان سے آپ سے بے خبر نہ ہونگے۔ جغرافیائی حیثیت سے اس مقام کی جو اہمیت ہے، وہ بھی آپسے پوشیدہ نہ ہوگی۔ یہ وہی مقام ہے جسے آج کل ”جوف“ کہتے ہیں۔ یہ نجد، حجاز، اور شرق اردن کی سرحدوں پر واقع ہے، اور جنگی نقطہ نظر سے تینوں ملکوں کے لیے

اہم ترین مقام ہے۔ سلطان پاشا کا یہاں قیام یہ معلوم رکھنا ہے کہ وہ شام کی سیاست سے بالکل الگ نہیں ہو گئے ہیں اور ان کے دلوں کی امیدیں اب تک زندگی کی آرزوئیں رکھتی ہیں ! (امن کے مظاہرے)

دروزیوں کے ہتیار رکھ دینے کے بعد ہی ہر طرف حکومت نے امن کے مظاہرے کرنا شروع کر دیے ہیں۔ دمشق کے اندر جتنے مورچے اور جنگی چوکیاں تھیں، سب اٹھا لی گئی ہیں۔ فوجی قاتلوں کی عدالت بھی اٹھ گئی ہے۔ جنگی قوانین بھی امروز فردا میں اٹھ دیے جائینگے۔ حکومت کی طرف سے کئی نئی سڑکیں جاری کر کے اعلان ہوا ہے۔ کئی نئی عمارتوں کی تعمیر بھی شروع ہو گئی ہے۔ ان تمام باتوں سے حکومت کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ اب ملک حالت امن میں ہے، اور اس کی قوت تمام مخالفوں پر غالب آگئی ہے۔

ہاں، ان کے جسموں پر تو غالب آگئی ہے، لیکن دلوں پر جو زخم لگ چکے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں جو صدیوں سے چلے مندمل ہو سکیں !

(ہائی کمشنر کی مہر سکوت)

اب تک ہائی کمشنر مرسو بونسو، بالکل خاموش تھے، اور اپنا انداز کچھ اس طرح کا بنا رکھا تھا، ”گویا وہ ملک کو کچھ دینے اور اس کے مطالبات منظور کرنے والے ہیں۔ مگر دروزیوں کے ہتیار رکھنے ہی ان کی مہر سکوت بھی ٹوٹ گئی۔ انہوں نے ایک اخبار کے نامہ نگار سے شام کے مستقبل کے متعلق یہ عجیب تصریح کی ہے : ”اخبارات مجھے ملامت کر رہے ہیں کہ میں خاموش ہوں۔ مجھے بولنے کا اصرار کیوں ہے ؟ کیا یہ چاہا جاتا ہے کہ میں کوئی ایسا وعدہ کر لوں جسے بعد میں پورا نہ کروں ؟ میں عمل پسند کرتا ہوں۔ قول پسند نہیں کرتا۔“

اخبار کے نمائندے نے بہت اصرار سے پوچھا ”آخر شام کے مطالبات کب منظور کیے جائینگے ؟ کچھ تو کہیے ؟“ ہائی کمشنر نے جواب دیا ”آپ مجھے یہ خواہش کیوں کرتے ہیں کہ در دن کے اندر آسمان طیار کردوں ؟“

ہمیں اس جواب کی معقولیت سے انکار نہیں۔ دو دن کے اندر مرسو بونسو کا آسمان جیہی بن سکتا ہے، جب بنائے والے نوک شمشیر سے بنا ڈالنے کا عزم کر لیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یقیناً در صدیاں بھی اس کے لیے کافی نہیں۔ شام نے مجبور ہو کر تلوار اٹھائی اور اپنا آسمان سیاست تعمیر کرنا شروع کر دیا، مگر انیسویں ہے کہ یہ مرحلہ پہلے قدم میں طے ہونے والا نہ تھا۔ ان کی شمشیریں جن سے وہ اللہ تعمیر کا کام لے رہے تھے، ٹوٹ گئیں۔ اب دنیا کو انتظار کرنا چاہیے کہ یہ ٹوٹی ہوئی شمشیریں پھر ڈھالی جائیں، اور از سر نو شام کی قسمت کا آسمان تعمیر کیا جائے !

نہیں کہا جاسکتا یہ وقت کب آئیگا ؟ مگر یقین رکھیے اس وقت کی آمد میں ہمیں کوئی شک نہیں ہے۔ اگر شام کی تمام آبادی سے قطع نظر بھی کر لی جائے، جب بھی صرف دروزی قبائل ہی کا گروہ ایک ایسا گروہ ہے جو اس طرح کی ہزار نا کامیابیوں اور بربادیوں کے بعد بھی جنگ آزادی سے باز نہیں آسکتا۔ آج وہ تھک کر بیٹھے گئے ہیں، تو کسی دوسرے دن اٹھ بھی سکتے ہیں۔ اس سفر میں وقفہ و سکون کے بغیر چارہ نہیں۔ یہ ضروری ہے کہ جرہی انہیں دوسرا موقع ملا ان میں سے ہر متنفیس کا سر اس کی ہتیلیں پر آجائیگا۔ اور وہ پھر دنیا کو اپنے جہاد آزادی سے متعجب کر دیں گے !

# بصائر و حکم

## النسایت موت کے دروازہ پر!

### مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

#### عمر بن العاص

حضرت عمر بن العاص (رضی) کی شجاعت، تدبیر، فتوحات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ متحرک فتح سرسراہتی کے تدبیر قیادت کا نتیجہ تھی۔ خلافت اموی کے قیام میں انہی کی سیاست کا فراہم تھی۔ اپنے عہد کی سیاست میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مورخین نے اتفاق کیا ہے کہ عرب کی سیاست تین صدوں میں جمع ہو گئی تھی: عمر بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، زیاد بن ابیہ۔ اتفاق سے یہ تینوں سرکار ایک ہو کر انہوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی سیاست کا دھارا اُس طرح پھریا جو ہر وہ پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام اور خلافت راشدہ کے نظام کو صرف امیر معاویہ کی سیاست نے شکست نہیں دی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ کارفرما عمر بن العاص کا تھا۔

ایک ایسے سیاسی مدبر نے موت کا کس طرح خیر مقدم کیا تھا؟ ذیل کی سطروں میں اس کی تفصیل ملے گی:

#### ایک عجیب سوال

جب بیماری نے خطرناک صدمہ اختیار کر لی اور عرب کے اس دانشمند کو زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی، تو اسے اپنی فوج خاصہ کے افراد پر سپاہی طلب کئے۔

لیٹے لیٹے ان سے سوال کیا: "میں تمہارا کیا ساتھی تھا؟"

"سبحان اللہ! آپ نہایت ہی مہربان آقا تھے۔ دل کھول کر لیتے تھے۔ ہمیں خوش رکھتے تھے۔ یہ کرتے تھے۔ وہ کرتے تھے..."

وہ بڑی سرگرمی اور جوش سے جواب دینے لگے۔

ابن عاص نے یہ سن کر سجدہ کی سے کہا: "میں یہ سب کچھ صرف اس لئے کرتا تھا کہ تم مجھے موت سے بچاؤ گے کیونکہ تم سپاہی تھے اور میدان جنگ میں اپنے سردار کے لئے سپر تھے۔ لیکن یہ دیکھو، موت کھڑی ہو اور میرا کام تمام کر دینا چاہتی ہو۔ آگے بڑھو اور اسے مجھ کو درد کر دیا۔"

سب ایک دوسرے کا حیرت سے منہ تھکنے لگے۔ پریشان ہو کر کیا جواب دیں؟

"اے ابو عبد اللہ! دیر کے بعد انہوں نے کہا: "واللہ ہم آپ کی زبان سے ایسی فضول بات سننے کے ہرگز متوقع نہ تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔"

انہوں نے آہ سرد بھری۔ "واللہ میں یہ حقیقت خوب جانتا ہوں۔ انہوں نے حیرت سے کہا: "واقعی تم مجھے موت سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ لیکن لے کاش! یہ بات پہلے سے سوچ لیتا! لے کاش! میں

تم سے کوئی ایک آدمی بھی اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ ابن ابی طالب (حضرت علی) کا بھلا ہو۔ کیا ہی خوب کہہ گیا ہے: آدمی کی سب سے بڑی محافظہ خود اس کی اپنی موت ہے!" (طبقات ابن ہشام)

دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے

راہی گستاہی ہم عمر بن العاص کی عیادت کو حاضر ہوئے۔ وہ موت کی سختیوں میں مبتلا تھے۔ اچانک دیوار کی طرف منہ پھریا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اُنکے بیٹے عبد اللہ نے کہا: "آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا رسول اللہ آپ کو یہ یہ بشارتیں نہیں دے چکے ہیں؟ انہوں نے بشارتیں سنائیں۔ لیکن ابن عاص نے روتے ہوئے سر سے اشارہ کیا۔ پھر جاری طور منہ پھیرا اور کہنے لگے:

زندگی کے تین دور

"میرے پاس سب سے افضل دولت، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت ہے۔"

"مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں: "

ایک وقت وہ تھا کہ رسول اللہ سے زیادہ میں کسی کی لینے میں شہنی نہیں رکھتا تھا۔ میری سب سے بڑی تمنا تھی کہ کسی طرح قابو پا کر آپ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر میں اس حالت میں مرجھا تو یقیناً جہنمی ہوتا۔"

"پھر ایک وقت آیا جب خدا نے میرے دلیل اسلام ڈال دیا۔ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! تمہارے بڑا ہے، میں بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے دست مبارک دراز کیا۔ مگر پھر میں نے اپنا ہاتھ پیچ لیا۔ فرمایا: "عمر! کچھ کیا ہوا؟" میں نے کہا: "ایک شرط چاہتا ہوں" فرمایا: "کوئی شرط؟" میں نے عرض کیا: "یہ شرط کہ میری بخشش ہو جائے" اس پر ارشاد ہوا: "اے عمر! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہ مٹا دیتا ہے؟ ہجرت بھی مٹا دیتی ہے؟" جی بھی شاد ہوا؟" (یہ ابن العاص کی مشہور روایت ہے جسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے)

"اُس وقت میں نے اپنا یہ حال دیکھا کہ نہ تو رسول اللہ سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا انسان محبوب تھا، اور نہ رسول اللہ کو زیادہ کسی کی عزت میری بچھا میں تھی۔ میں سچ کہتا ہوں، اگر کوئی مجھ سے آپ کا جلیہ لے لے، تو میں بتائیں سکتا۔ کیونکہ انتہائی غفلت و ہست تھی وجہ سے میں آپ کو نظر بھر کے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس حالت میں مرجھا تو میرے جتنی ہونے کی پوری امید تھی!"

"پھر ایک زمانہ آیا جس میں ہنوبت سے اوج پانچ کام کو میں نہیں جانتا اب میرا کیا حال ہوگا؟"

مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا

"جب میں مردوں تو میرے ساتھ رونے والیاں نہ جاتیں، نہ آگ جائے۔ دفن کے وقت مجھ پر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا میری قبر سے فانی ہو کر اُس وقت تک مجھ سے قریب رہنا، جب تک جانور فوج کر کے اُن کا گوشت تقسیم نہ ہو جائے۔ کیونکہ تمہاری ہڈی مجھ سے مجھے انس حاصل ہوگا پھر میں جان لوں گا کہ اپنے پروردگار کے قاصدوں کو کیا جواب دوں؟" (طبقات ابن ہشام)

بگڑنا زیادہ ہوں، بتا کم ہوں!

ہوش حواس آخر وقت تک قائم تھے۔ معاویہ بن ضبیح عیادت کو گئے۔ تو دیکھا: نزع کی حالت ہے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ اپنے جواب دیا: "بچھل رہا ہوں۔ بگڑنا زیادہ ہوں، بتا کم ہوں۔ اس صدمہ میں بوڑھے کا بچہ کیونکر ممکن ہے؟" (عقد الفرید ابن ہشام)

حضرت ابن عباس سے سوال کیا

حضرت عبد اللہ بن عباس عیادت کو گئے۔ سلام کیا۔ طبیعت دیکھی۔ کہنے لگے: "میں نے اپنی دنیا کم بنائی مگر اپنا دین زیادہ بگاڑ لیا۔ اگر میں نے اُسے بگاڑا ہوتا جسے سنا رہا ہو، اور اُسے سنا ہوتا جسے بگاڑا، تو یقیناً بازی لیتا۔ اگر مجھے اختیار ملے تو مردہ کی آرزو کر دوں۔ اگر بھگتے سے بچ سکوں تو مردہ بھاگ جاؤں۔ یہ وقت تو میں تنہائی کی طرح آسان اور زمین کے درمیان ملحق ہو رہا ہوں۔ نہ اپنے ہاتھوں کے ندم سے اور نہ سزا ہوں، نہ پھر پردہ کی قوت سے بچے اتر سکتا ہوں۔ لے میرے بیٹے! کچھ کوئی ایسی نصیحت کر جس سے فائدہ اٹھاؤں۔"

ابن عباس نے جواب دیا: "اے ابو عبد اللہ! اب نصیحت کا وقت کہاں؟ آپ کا بھتیجا تو خود بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی بن گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں بھنے کو حاضر ہوں۔"

میں یہ وہ سفر کا کیونکر یقین کر سکتا ہوں؟

عمر بن العاص یہ جواب سن کر بہت افسردہ ہوئے اور کہنے لگے: "اُٹ! ایسی سخت گھڑی ہو! کچھ اور اسی برس کا ہوں اے ابو عباس! تو مجھے پروردگار کی رحمت سے مایوس کرتا ہو؟ اللہ! یہ ابن عباس ہے جو مجھے تیری رحمت سے ناامید کر رہا ہے! اللہ! مجھے خوب تکلیف ہے، یہاں تک کہ تیرا عرصہ دور ہو جائے اور تیرا رضامندی ٹوٹ لے!"

ابن عباس نے کہا: "ہیبت! ابو عبد اللہ! اپنے جو جہنمی تھے وہ تو جہنمی اور اب نے دہو ہیں وہ چیز جو پڑائی ہو! یہ کیسے ممکن ہے؟"

اپسردہ آئندہ خاطر ہو گئے: "ابن عباس! مجھے کیوں پریشان کرتا ہے؟ جو بات کہتا ہوں، اُسے کاٹ دیتا ہوں!" (استیجاب)

#### موت کی کیفیت

عمر بن العاص زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے: "مجھے اُن لوگوں پر تعجب ہے جو جن کے موت کے وقت حواس دُست ہوتے ہیں مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے" لوگوں کو یہ بات یاد تھی جب وہ خود اس منزل میں پہنچے، تو حضرت عبد اللہ بن عباس نے یہ قول یاد دلایا (ایک روایت میں ہے کہ خود اُنکے بیٹے نے سوال کیا تھا) عمر بن العاص نے ٹھنڈی سانس لی: "جان میں!" "اُنہوں نے جواب دیا: "موت کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔ جو ناقابلِ بار بار ہے۔ لیکن میں موت صرف ایک اشارہ کر سکتا ہوں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جو گویا آسان، زمین پر ٹوٹی پڑا اور میں

# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سو گھرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,  
350, Oxford Street,  
LONDON, W.1.**

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے! انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں و ملحقہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

نہ

# موسم گرما کا نایاب تحفہ

شریت روح فرستہ ۱۹۳۳ (رجسٹرڈ)

شریت روح فرستہ

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ہم بآسانی ہر ملّا نفرین مذہب عام ہر لغزیزی و شرف مقبولیت حاصل کر کے صرف ہندوستان بلکہ مالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہو اور جو چہم بد (دریغ) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے گورنٹ سے رجسٹرڈ بھی کر لیا گیا ہو۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اسکے قیادت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل پیہم شتاقانہ خریداری اسکی پسندیدگی و قدردانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسے وسیع تر اہم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی جیساں خوبیوں میں سے جذعہ کی جاتی ہیں۔

اسکی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شہرت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج موسم گرما میں شہر ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہو۔

ناظرین! یہ شہرت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے نواکات مثل اگھدہ۔ آناہیب۔ رینگو وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ قسم کی ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہو خوش ذائقہ ہو۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہو اختلاج قلب در دوسرے دوران سر و متلی وغیرہ کی شکایات کو رفع کرتا ہو۔ سردادی اراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج واسطے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید و معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر اظہار رنگ دلیر اور پکنک کی صفائی دیدہ زیب ہو اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خراہم خواب کے مصداق پکنک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مد نظر ہے۔

ہیں امید ہے کہ آپ کو مل دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ فوخر ہندوستان کی صفت کا اُمید افزا نمود ہو اور جس کی ہر چیز ویسی ہو جو ملے ہوئے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس کو کم رکھی ہو کہ ہر حشریت کے لوگ اس کو فائدہ حاصل کر سکیں۔

نوٹ۔ اس شہرت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سی ہائے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں۔ مثلاً کوئی اس شہرت کا نام بدلنا نام رکھ لیا ہو۔ لہذا آپ شہرت خریدنے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنالیبل اور اس پر لفظ رجسٹرڈ سرور لکھا ہوا دواخانہ دیکھ لیں۔

واضح ہے کہ یہ شہرت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صورت ہمدرد دواخانہ دیکھ ہی سے مل سکتا ہے۔

تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی

اگر آپ کو

دَم (ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے تو تامل نہ کیجئے اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتی ہیں تو یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما گائیڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات، اور آثار قدیمہ وغیرہ آپ کو مطلع کرے۔ نیز جس سو وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف ڈنلاپ گائیڈ بوک برٹین

The Dunlop Guide to Great Britain کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے



## 6

”لا فٹ ٹائم“ قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی  
زندگی بھرا کام دے سکتا ہے

(۳) آتنا خوبصورت، سبز سرخ اور سنہری  
بیل بوٹوں سے مزین کہ آتنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں  
کم از کم تجھ سے کہے

ماورکھ

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو  
”شغیر“ کا

تألف طام

لینا چاہیے!

مسوینى كى عجیب و غریب تقریر

پچھلے دنوں اٹلی کی مجلس (پارلیمنٹ) کا افتتاح کرتے ہوئے سوسلے نے جو تعریز کی تھی، وہ اپنی نوعیت کی پہلی تعریز جو کسی موجودہ زمانے کی مجلس حکومت کے سامنے لائی ہو۔ اس میں سوسلے نے وہ تمام اہم نظریہ و ادوات پس پشت (البرجس براؤننگ مکمل اور آدھلا تھا۔) یوتپ نے یہ تعریز دہشت اور استغراب کے ساتھ سنیں، لیکن اپنے سیاسی حلقوں کے مزاج مدینہ حالات کی وجہ سے کٹھنہ چینی کی جرأت نہ کر سکا۔ البتہ امریکہ کے اخبارات نے اس برتنی کے کٹھنہ چینی کی ہو۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ سوسلے نے مجوزوں کو لگا کر۔

مسکینی بخون چویدان ہوں، کچھ اسیں شک نہیں کہ روپ کی سجدہ یاست کا وارع کوئی مجوزانہ قدم ضرور اٹھانے والا ہوا  
اور منتظر کا مات، مختصر خلاصہ، بوٹرا، بخسنے کے ہندوستان کے اخبارات میں بھیجا تھا۔ اب روپ کی تازہ ٹانگ میں پوری قیور لگی ہے۔ ہم اس کے بعض  
حقائق کا ترجمہ شائع کرتے ہیں تاکہ ان کے اعلان کیونکہ سجدہ یاستی مراجع کی ایک اہم جانب کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔

سوتلپی نے مجلس کا دستراج کرتے ہوئے کہا:

”مجھے نہایت افسوس ہے اعلان کرنا ہوا کہ آج سیری تقریر مختصر نہیں ہوئی، لیکن سیری عجیبی تقریریں ہوا کی ہیں۔ آج مجھے بہت سے معاملات پر بحث کرنی چو۔ آج میں اٹالین قوم کے سامنے اس کی اصلی تصویر پیش کرنی چاہتا ہوں۔ آج میری تقریریں بہت سے اعداد و شمار بھی ہوں گے، اس لیے نہیں کہ اعداد و شمار، قودوں کی قیمت فیصلہ کرتے ہیں، جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہو۔ بلکہ اس لیے کہ اعداد و شمار قوموں پر پہنچ حکومت کرنے کے لئے ضروری ہیں، خصوصاً سوچو وہ مائیں، حکماء، حکمرانوں کے فرائض ادا نہ ہو رہی ہیں۔“

(بقیہ مضامین صفحہ ۱۳۱)

دہنوں کے زبیاں پڑ گیا ہیں (اکمال جلد ۱) گویا میری گردن پر رضوی  
پہاڑ رکھا ہے۔ گویا میرے پیٹ میں کچھ کے سامنے بھر گئے ہیں۔ گویا میری  
سائنس سوئی کے ناکے سے نکل رہا ہے (ابن سعد)

دولت سے بنیادی

ابھی حال میں انھوں نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا: "اب اسے لے آ۔ آپ کے بیٹے عبداللہ کا زہر مشہور ہے۔ انھوں نے کہا: "مجھے اس کی ضرورت نہیں" تو نے کہا: "اے میں دولت مند عبداللہ نے یہ انکار کیا۔ اس پر ہاتھ ملکہ کہنے لگے: "کاش! میں مرنے کے بجائے بکری کی منیگنیاں ہوتی" (۱۰ اسکاں ج ۱)

وعا

جب بالکل آخری وقت آگیا تو انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے مٹھیاں کس لیں۔ اور دعا کے یہ کلمات زبان پر تھے:

”اللہ! تو نے حکم دیا اور ہنوز عدل حکمی کی۔ اللہ! تو نے منع کیا اور ہنوز انحراف کی۔ اللہ! میں نے قصو نہیں ہوں کہ معذرت کر دل طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں۔ اگر تیری رحمت شامل حال نہ ہوگی تو لو لاک ہوو“

”بہری تقدیر تن حصوں پر منقسم ہوگی:

(۱) نسل اور صحت کے لحاظ سے اٹالین قوم کی حالت

(۲) ملک کی انتظامی حالت

(۱۲) حکومت کی حکمت عملی کے نتائج حال مستقبل میں۔

تندستی

”ہر متدن ملک میں تندرستی کا مسئلہ ہے زیادہ اہم مسئلہ ہونا چاہیے اگر یہ صحیح ہو تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ہماری تندرستی فی الحال کیسی ہے؟ خود کی جمائی قوت بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ یہ سوال صرف ڈاکٹر ہی سے مخصوص نہیں ہے۔ اس پر حکومت کو، بلکہ پورے ملک کو، نہیں، ملک کے ایک ایک فرد کو غور کرنا چاہیے“

اس کے بعد مقررے تیار کر گزشتہ ۴۰ برس کے اندر جلد موٹی ہو چلائی کی بیماری اٹلی میں بسے زیادہ عام ہے، مگر اب حکومت کی کوششوں نے ملک کو اس سے نجات دیدی ہے۔ چنانچہ صرف ۱۹۵۶ء میں پورے ملک میں اس بیماری کے صرف ۸۰ امراض باقی رہ گئے تھے۔

تپ دق کے متعلق وزیر اعظم نے بتایا کہ اس وقت بھی یہ مرض بہت عام ہو اور رتی کر رہا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں اس سے ۲۹۳، ۵۲ موتمن ہو چکی

لیکن مشتمل ۱۹۲۵ء میں تعداد اموات ۹۰۰۰ تک پہنچ گئی۔ اسی طرح آتشک اور لیریا بھی بہت عام ہو اور بری طرح مخلوق کو برباد کر رہا ہو۔

### شراب

”میں شراب نوشی کے بارے میں آپ سے کچھ کہوں گا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ کم از کم اہلین شراب نوشی میں افراط کرنے لگے ہیں۔ پروفیسر تارا نے اپنی کتاب ”اصول اقتصاد“ میں لکھا ہے کہ آٹلی میں ۲۰ لاکھ ایکڑ زمین میں انگور کے باغ نصب ہیں۔ یعنی آٹلی کے انگوری باغوں کا رتبہ فرانس اور اسپین کے انگوری باغوں کے رتبہ سے ۱۰ لاکھ ایکڑ زیادہ ہو۔ اور یہ معلوم ہو کہ دنیا میں سب سے زیادہ شراب اپنی دو ملکوں میں بنتی ہو۔“

”لیکن یہ امر قابل اطمینان ہے کہ شراب خوری سے موتیں بڑھ رہی ہیں۔“

ہوتی جاتی ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں ۱۸۶۳ موتیں ہوئی تھیں لیکن ۱۹۲۵ء میں گھٹ کر ۱۳۱۵ ہو گئیں۔ پہلے ملک میں ۱۸۷۰ء میں شراب خانے تھے۔ ۲۵ ہزار بند کروئے۔ آئندہ ہم اور بھی بہت سے شراب خانے بند کرنے والے ہیں۔ ہم بڑی آسانی سے یہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم فیسیٹرم دے لے کر ان کے دلوں کے محتاج نہیں ہیں، جیسا کہ جمہوری عہد میں لوگ محتاج ہو کر رہتے تھے۔ اب وہ عہد ایک انسان بن چکا ہے۔“

### آبادی

”ہمیں امید ہے کہ ناگہانی کے حصول سے حکومت کو سالانہ کم از کم ۵ کروڑ روپے تک آمدنی ہوگی۔ لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں یہ حصول میں ملے خزانہ بھرنے کے لئے لگایا ہو؟ ہرگز نہیں۔ پھر اسکی کیا وجہ ہے؟ میں ابھی جواب دیتا ہوں۔“

”بعض ”عقلانہ“ کہتے ہیں ہم بہت ہیں، ہماری آبادی زیادہ ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم بہت ہی کم ہیں۔ سیاسی، اقتصادی، اور معنوی قوت کے حصول کے لئے قوم کی آبادی زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئے۔ میں صاف غفلت میں سوال کرتا ہوں کہ ۴۰ ملین (ایک ملین ۱۰ لاکھ کا ہوتا ہے) آٹالین، نوے ملین جرمن، اور دوسو ملین سلاویوں کا کیونکر مقابلہ کر سکتے ہیں؟ یہ بھی بھراٹالین، ۴۰ ملین فرانسیسیوں اور ۹۰ ملین ان کے مغتور مالک کی آبادی کے سامنے کتنی دیر ٹھہر سکتے ہیں؟ اس سے بھی بڑھ کر کہ ۶۹ ملین انگریزوں اور ساڑھے چار سو ملین ان کی مغتور آبادیوں کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ اگر آٹلی چاہتا ہے کہ آفتاب کے نیچے اپنی ہستی برقرار رکھے، تو ہجر اس کے کوئی چارہ نہیں کہ آئندہ ۵۰ سال میں اسے اپنی آبادی کم سے کم ۶ کروڑ تک پہنچا دینی چاہئے!“

”نسل کی کمی، قوموں کی تباہی کا سب سے پہلا سبب ہوتی ہے۔ روم کی تاریخ ہماری عبرت کے لئے کافی ہے۔ شہنشاہ اگسٹس کے عہد میں روم کی کیا حالت تھی؟ ظاہر میں تو بڑی شان و شوکت تھی، مگر اہلین میں سلطنت، ملک کے ہاڑ کی طرح پھیل رہی تھی۔ روم جمہوریت کی آخری صدی، یعنی جولیس سیزر کے وقت سے اگسٹس تک وہ زمانہ تھا جس میں روم ارباب حل و عقد روم کی نسل کی کمی سے لرزہ برداشت کرتے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہ اگسٹس نے جبری نکاح کا قانون جاری کر دیا۔ درجنوں میں اختلاف ہو کہ یہ قانون مفید ہوا یا مضر؟ میرے خیال میں قانون کی مثال دوا کی ہے۔ دوا وقت ہی پر مفید ہو سکتی ہے۔ آد استعمال سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح قانون بھی جب مزدورت کے وقت نافذ ہوتا ہے تو نفع پہنچاتا ہے، ورنہ بیکار یا نقصان رسا ثابت ہوتا ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ یہ قانون مفید ہوا یا مضر لیکن میرے خیال میں یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قوموں کی بہت، نسل کی کمی بیشی سے وابستہ ہے۔“

”تاریخ پر ایک نظر ڈالئے۔ یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ فرانس کہیں زمانہ میں دنیا کا حاکم تھا؟ صرف اس زمانہ میں جبکہ اس کے پاس

خاص اپنے فرزندوں کی ایک جوار فوج موجود تھی۔ اس زمانہ میں جبکہ ۴۰ ملین فرانسیسیوں کے مقابلہ میں صرف چھ ملین جرمن اور چھ ملین اسپینی تھے۔ مگر بعد میں فرانس کمزور ہو گیا، کیونکہ اس کی نسل گھٹ گئی۔ مشرق سے اب تک فرانس کی آبادی میں صرف ۲۰ لاکھ کا اضافہ ہوا ہے، حالانکہ اس کے مقابلہ میں جرمنی کی آبادی میں ۴۰ لاکھ اضافہ ہوا ہے۔ آٹلی میں ۱۶ ملین کا اضافہ ہو چکا ہے۔“

”امروت یورپ کے بعض ملکوں میں شرح پیدائش یہ ہے:

سوئیڈن میں فی ہزار ۱۷

فرانس میں فی ہزار ۱۸

ناروے میں ۱۹

جرمنی میں ۲۰

ڈنمارک میں ۲۱

آٹلی میں ۲۹

بلغاریہ میں فی ہزار ۴۴

بلغاریہ سے زیادہ آبادی یورپ کے کسی ملک میں نہیں بڑھ رہی ہے۔ یہ تمام اعداد و شمار پیش کرنے کے بعد مقرر کیا گیا۔

”پس اگر ہماری آبادی ترقی نہیں کرے گی، تو ہم ہرگز اپنی عظیم انسانیت کی طاقت قائم نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ ہم غریب مغتور و محکوم ہو جائیں گے۔ اب وقت آگیا ہے کہ حقائق کا اعلان کر دیا جائے۔ ورنہ ہم ہمیشہ یوں ہی ادا م اور دل خوش کن گریبے نتیجہ خیالات میں زندگی بسر کرتے رہیں گے۔“

### انتظامی حالت

اس کے بعد سوئیڈن نے ملک کی انتظامی حالت پر بحث کرتے ہوئے بتایا کہ امروت حکومت کے ہاتھ میں ایک لاکھ کی تعداد پولیس موجود ہے اور وہ جدید ترین اسلحہ سے مسلح اور بہترین ذرائع نقل و حرکت کی مالک ہے۔ چنانچہ انہی اہمال آٹالین پولیس کے پاس ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸،

کہ حکومت کو میری مزدورت ہو۔ اٹلی کا فیصلہ ہی ہو کہ مونیٹری حکومت کرے۔ لہذا مونیٹری برابر حکومت کرتا رہو گا!

دنیا کا امن

## برید شرق

### مکتوب قسطنطنیہ

(الامال کے مقالہ نگار تقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی آمد - تاریخ کی یاد - غازی کی تقریر

کمال قسطنطنیہ سے کیونکر گئے تھے؟ یقیناً یہ سوال اب تاریخ کا عنوان بن گیا ہو۔ مزدوری ہو، ہم اسپر چند کلمے کہیں۔ لیکن ہماری تشریح سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ خود غازی موصوف کی زبان سے یہ کہانی سنائی دی جائے۔ حال ہی میں انہوں نے ایک اخبار کے نمائندے سے کہا تھا:

اب سے ۸ برس پہلے!

”جب آستانہ میں اتحادیوں کے مظالم عدسے تیار کر گئے، اور علانیہ ریادیتاں ہونے لگیں، تو میرے لئے یہاں قیام ناممکن ہو گیا۔ میں نے عزم بالجزم کر لیا کہ انا طولیہ جلا جاؤں۔ وہاں ترکی قوم کو تمام حالات سے مطلع کروں، اور اگر ممکن ہو، تو اس راہ میں اپنی جان بھی قربان کر دوں۔ میں نے اپنے اس ارادہ سے بعض دوستوں کو آگاہ کیا۔ ان کی سعی و دعائیت سے مجھے کامیابی ہوئی۔ تقریب یہ ہوئی کہ علاء صامسین اور انا طولیہ کے بعض جموں میں اتحادیوں کے خلاف شورش پیدا ہونے لگی۔ داما قریہ پاشا وزیر اعظم ڈرے، کہیں یہ شورش خطرناک صورت اختیار نہ کرے۔ انہوں نے ایک ایسا شخص انا طولیہ بھیجا چاہا جو ہر طرح کی بھینسی کا قلع قمع کرے سکتا ہو۔ ان کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی اور مجھے مشرقی صوبوں کا جنگی انسپکٹر مقرر کر دیا گیا۔ مگر ان کے دل میں کچھ ٹھٹھک مزدور تھی۔ وہ بار بار انا فیصلہ منوع کر دیتے تھے۔ خود ہی نہیں، وزیر جنگ کو بھی میرے انتخاب پر اعتراض تھا۔ حتیٰ کہ وزیر جنگ نے حکم پر دستخط ثابت کرنے سے انکار بھی کر دیا تھا۔ اُسے کہا تھا میں تمہارے دیتا ہوں۔ اگر اس انتخاب سے کوئی خرابی پیدا ہو تو میں انگریزوں سے یہ کہہ کر بچھا چھڑاؤں گا کہ مجھے اس شخص کے انتخاب کا کوئی قلم نہیں تھا۔ میری فرجوری سے لگا دی گئی ہو!“

لیکن بالآخر میری باضابطہ تقریر ہو گئی۔ ۱۹ مئی ۱۹۱۵ء کو مجھے جازہ باندھہ سے روانہ ہونا تھا۔ روانگی کے وقت میں وزیروں سے رخصت ہونے کے لئے باٹلی گیا۔ وزیر رہنایت بدوحاس ہو رہے تھے۔ وزیر داخلہ نے ڈوڈر کہہ کر کہا:

”تم نے کچھ نہ بڑا شہرت کی حد ہو گئی! یونانیوں نے تم پر فوجیں آدیں!“

وزیر بحری نے بھی یہی کہا۔ میں نے کہا:

”پھرت کیا کر دے گا؟“

”ہم احتجاج کرینگے، انہوں نے دیر تک سوچنے کے بعد افسردگی سے کہا۔

”یہ ٹھیک ہو۔ مگر کیا تمہارے احتجاج سے یونانی متراختلا کرے؟“

غازی کی آمد

بالآخر غازی مصطفیٰ کمال پاشا، قسطنطنیہ پہنچے۔ کئی ہفتے سے پورا شہر استقبال کی طیاریاں کر رہا تھا۔ آج صبح سورج بھلا تو شہر کو تو کی طرح آراستہ تھا۔ پہلے سے معلوم تھا کہ بندرگاہ ”ازیت“ سے غازی، یخت (جہاز) ”ارطغرل“ پر چڑھیں گے اور اسی پر آستانہ پہنچیں گے۔ چنانچہ مقامی حکام اور شہر کے نمائندے پہلے ہی سے ازیت کی طرف استقبال کو روانہ ہو گئے تھے۔ یہاں کے سمنڈ میں جتنے بھی جہاز، اسٹیمر اور کشتیاں موجود تھیں، باشندوں سے لبریز ہو گئی تھیں، اور سب ”جزائر امراء“ کی طرف استقبال کے لئے روانہ تھیں۔ باقی جتنی مخلوق تھی، ساحلوں پر جمع آئی تھی۔ سویرے میں سے مکان کی لالائی منزل سے مٹہ نکال کر دیکھا، تو سمنڈ کے کنارے کنارے انسانی سرورں کا ایک صحرا بے کنار نظر آتا تھا!

غازی کا یخت، جول ہی ”جزیرہ الامراء“ کے سامنے پہنچا، بیک وقت الاکھ منہ کھل گئے، اور آرتا بڑا زور بلند ہوا، کہ سواحل ایٹا اور سواحل پوپ کے پہاڑ تک گونج اٹھے!

یہ منظر دیکھ کر بے اختیار میرے آنسو نکل پڑے۔ مجھے اسی سال پہلے کا زمانہ یاد آگیا۔ یہ زمانہ ترکی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم زمانہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب جنگ عظیم نے ترکی سلطنت کی چوڑیں ہلا دی تھیں، تمام شہزادہ بکھر گیا تھا۔ خود پائے تخت پر اتحادیوں کا قبضہ تھا۔ اور سلطان اُنکے ہاتھ میں قیدی تھا۔ مجھے یاد آیا، اُس وقت اس شہر کی سیاست چھاپا ہوا تھا، موت کا سانس اُٹا، تمام بایا گنگ تھیں۔ اتحادی بڑے اپنی بے پناہ قوتوں کے دہانے محل سلطانی کی طرف کئے صفت آ رہے تھے، اور سلطان کا دل خون سے تھرا رہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ یہی مصطفیٰ کمال جن کے سامنے آج لاکھوں نظرس فرخ راہ ہو رہی ہیں، اب سے ۸ برس پہلے اسی قسطنطنیہ میں سرخیا کئے، ممکن صوبت بنائے، باندھوں میں جا رہے تھے، اور وہ میں نے اپنی انھیں آنکھوں سے اُن کا پڑتارہ چہرہ دیکھا تھا۔ وہ اُس وقت بھی اُن کا نام نہ تھے۔ وہ وہ آدیاں کے پیر تھے۔ مگر جنگ، شکست پر خم ہوئی تھی، اس لئے جنگ کے تمام ہیرو سرگرم ہوئے تھے۔ کوئی ان کی بات نہ کر دیتا تھا، بلکہ اُن سے نفرت کجائی تھی، کیونکہ عام اعتقاد یہی تھا کہ ملک پر تمام مصیبتیں اپنی کے ہاتھوں نازل ہوئی ہیں!

مصطفیٰ کمال پاشا کی آمد نے تمام پچھلے ہولناک واقعات کی یادوں میں تازہ کردی جن میں معلوم ہو آئیں معلوم ہو، جن میں ظلم نہیں، وہ دوسرے سے پوچھتے ہیں، ۸ سال پہلے غازی مصطفیٰ

حضرات! دنیا کا امن ہنوز خطرے میں ہے۔ ابھی کل کی بات ہو کہ برکین میں الاکھ ۲۰ ہزار آدمیوں کا مظاہرہ ہوا تھا۔ اُن کے جھنڈ پر یہ عبارت کندہ تھی ”ٹریٹک سے ریٹیک تک!“ لہذا ابھی امن امان کی گفتگو قبل از وقت ہے۔ ہمیں پوری مستبدی سے اپنی بُری بحری اور ہوائی قوتوں کو ترنی دینی چاہئے۔ ہمارے پاس کم سے کم ۵۰ لاکھ بُری فوج ہر وقت تیار رہنی چاہئے۔ میری نظر میں سب سے زیادہ طاقت ہوائی قوت کی ہے۔ ہمارا ہوائی بیڑا زیادہ سے زیادہ طاقتور ہونا چاہئے۔ ہمارے ہوائی جہازوں کو آرتا بڑا ہونا چاہئے کہ اُن کی آواز، دنیا کی تمام آوازوں کو دبا دے، اور اُن کے برسوزج کی کریم زمین تک پہنچنے سے روک دیں۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۸ء تک کا درسائی زمانہ یورپ کی محنت کا آخری فیصلہ کرے گا۔ اُس وقت ہمارے پاس اپنی قوت ہونی چاہئے کہ ہم دنیا کو اپنی آواز سننے اور اپنے حقوق سنوانے پر مجبور کر سکیں۔

اس تقریر کا ایک قابل لحاظ پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں بادشاہ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ امریکن اخبار اس سے استدلال کرتے ہیں کہ عتقرب شاہ مغرور ہو جائے گا اور اُٹی کے تخت شاہی پر بھی بیٹھ ہی کے قدم چڑھتے نظر آئیں گے۔

### توضیح

الامال نمبر ۱۰۰۰ کے تذکرہ نمبر میں ایک مضمون ”عنوان عاملین“ درج ہوا تھا۔ اس میں دواغی مذکرہ طبی اسباب پر بحث کرتے ہوئے ایک خاص قسم کی سرنگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک غلطی ہو گئی ہے۔ براہ عنایت قارئین الامال اس کی تصحیح کر لیں۔ انگریزی میں اس غلطی کا نام Parathyroid gland ہے۔ جس کا تلفظ پارائیڈائیڈ گلائڈ ہے۔ اس کو امیر سرنگا شکر گرد اور جنوں نے امیر توبہ دلائی۔ انگریزی کی غلطی کی وجہ سے اس کے ترجمہ میں بھی غلطی ہو گئی۔ چونکہ مضمون کے مسودہ ہی میں یہ غلطی ہو گئی تھی اس لئے جب اُس کے لئے عربی اصطلاح بھیجی گئی تو قدرتی طور پر وہ غلط اختیار کیا گیا جو Parathyroid gland کے لفظی ترجمہ ”غداۃ الشکلیہ“ ہی ہے۔ لیکن چونکہ یہ وہ غلطی ہی نہیں ہے۔ اس کو یہ ”غداۃ الشکلیہ“ بھی نہیں ہے Pituitary gland کے لئے عربی شیعہ میں دواغی اور دواغی غداہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

ابن دواغی کلیدیوں کے محل اور خواص میں فرق یہ ہے کہ ”غداۃ الشکلیہ“ کان اور کلیدی کے درمیان ہوتی ہے، اور اس کا فعل یہ ہے کہ ایک خاص طرح کی رطوبت خارج کرتی ہے۔ لیکن غداۃ دواغی کا محل دوسرا ہے۔ وہ سر کے نیچے اندھا کے قریب میں ہوتا ہے، اور اس کے خواص میں جو مضمون ذکر کر رہے ہیں بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب ”توضیح فی اصول التشریح“ نے (جو پیر فرخ تشریح میں بھی لکھی گئی ہے) اس کے کو صفت دواغی کلیدی کا غداۃ استعمال کیا ہے۔ (ابوالکلام)



گئے؟ میں نے سوال کیا۔

سب اوجواب ہو کر میرا منہ کھینچے گئے۔ ایک نے کہا ”پھر تھاری کیا لائے ہے؟“ میں نے کہا:

”ایک سخت اور نوجو غیر حرکت کی ضرورت ہو!“

مگر ہمارا کیا حشر ہوگا؟ یہ برطانوی توپیں کچھ دھوکہ دیا۔ وزیر اعلیٰ نے آہستہ سے کہا۔

”تم وہاں چلے آنا جہاں میں جا رہا ہوں!“ یہ میرا آخری جواب تھا۔

اب میں سلطان عبداللہ سے رخصت ہونے کے لئے تقرر لایزہ میں پہنچا۔ سلطان نے اپنے کمرے میں مجھ سے باتیں شروع کیں۔ کمرے کی کھڑکیاں کھلی تھیں۔ اسفوزس کی نیلگیں سلجھ سانسے تھیں۔ بھلائی بیڑے لنگر اٹھاتے تھے۔ ان کی توپوں کے دہانے خاص سلطان کے محل کی طرف تھے۔ ہم دونوں کی نظریں ایک ساتھ اٹھیں اور انگریزی آہیں پوشوں (ڈریڈ ناؤں) پر پڑیں۔ سلطان اپنی خیانت سے واقف تھا۔ ہماری نظریں سبز سے اٹھ کر کمرے میں اپس آئیں اور ایک دوسرے سے مل گئیں۔ مگر سلطان نے اپنی نظریں فوراً نیچی کر لیں۔ وہ کاری سے کہا ”مصطفیٰ ایہ دیکھتے ہو! میرا دل خون ہوتا ہو! افسوس عظیم ترکی تو اب اس حالت کو پہنچ گئی کہ اس کا سلطان، دشمنوں کے ہاتھ میں قید ہو! اس کی زندگی انہی توپوں کے رحم پر ہو! تم اناطولیہ جا رہے ہو۔ میری دعا جو خدا تعالیٰ رفق و مساعد ہو۔ ترکی قوم سے کہنا کہ اس کا سلطان اس حال پرچہ ایک لمحہ خاموش رہ کر سلطان کے ہر کہا ”تمھارے کارنامے آج اس کتاب میں چلے گئے ہیں!“ یہ لکھ کر انھوں نے اپنے سانسے رکھی ہوئی ایک کتاب پر زور سے ہاتھ مارا۔ پھر کہنے لگے ”ہاں، اب تمھارے کارنامے تاریخ کے حوالے ہو گئے ہیں۔ اب تم انھیں بھول جاؤ اور ذکر کارنامے کر دکھاؤ کہ سلطنت تباہی سے بچ گئی!“

اس جلسہ سلطان کا مطلب یہ تھا کہ میں اناطولیہ جا کر اتحادیوں کے خلاف خیالات کا خاتمہ کر دوں۔ میں ان کی غرض سمجھ گیا: ”اعلیٰ حضرت! یقین کریں میں کسی لیے کام کی انجام دیکھ میں کبھی کوتاہی نہیں کروں گا جس سے ملک کو نجات حاصل ہو!“

میں نے یہ کہا اور سلطان کو تسکین ہو گئی۔ دونوں کی زبانوں پر بات ایک ہی تھی، لیکن دونوں کے مقصد میں کتنا عظیم بعد تھا؟

قصر میں نہایت متاثر بظلالہ و شیشی میں اپنے مکان پہنچا۔ یہاں مجھے ایک دوست نے خبر پہنچائی کہ ”اقادی طاقتوں نے سازش کی ہے کہ تمھارے جہاز کی روانگی میں یہ ہو جائے۔ اگر انکے جہاز بھی سفر کے لئے تیار ہو جائیں اور بیچ سمندر میں تمھارا جہاز غرق کر دیں“ یہ سنتے ہی میں فوراً موٹر پر تیزی سے ساحل کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ اب ایک منٹ کی دیر بھی خطر کا تھی۔ میں نے جہاز پر پہنچے ہی کپتان کو روانگی کا حکم دیا۔ لیکن جہاز روانہ نہ ہوا۔ بار بار میرے سوال کرنے پر کپتان نے کہا: ”تمھارے جہاز کی کمانڈر کی اجازت جہاز کے کل پرزے معائنہ کر رہے ہیں۔ ان کا حکم ہے، جب تک وہ اجازت دین جہاز نہ چلے۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی سازش کی گئی ہے۔ میں نے جلدی سختی سے کپتان کو حکم دیا ”ابن ماہر سے کہدو۔ فوراً جہاز سے نکل جائیں۔ اگر وہ نہ انیں تو تم ان کی پرواہ نہ کرو، جہاز کا لنگر اٹھا دو“

کپتان کو مجبوراً یہی کرنا پڑا۔ کچھ دور آگے چل کر میں نے کپتان کو حقیقت حال سے واقف کیا۔ وہ بہت گھبرایا اور کہنے لگا ”میرا جہاز بہت پرانا اور دست رفاہ ہے۔ جنگی جہازوں سے بھاگ نہ سکے گا“ میں نے کہا ”کوئی پروا نہیں۔ ساحل کے قریب قریب چلو، اگر جہاز غرق ہوگا تو میں سختی تک جان بچانے جا سکوں گا“ چنانچہ میری حب دلیت جہاز کناٹے کناٹے چلا۔ یہاں تک کہ

میں منزل مقصود تک پہنچا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ انگریزوں کے جنگی جہاز میرے پیچھے چلے تھے۔ مگر خوش قسمتی سے میں بہت آگے بھٹ گیا تھا۔ اور سمندر میں طوفان شروع ہو گیا تھا جس نے انگریزی جہازوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اصل یہ کہ اس حکم کارساز کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ میرے ناچار اراکے کا تینا ہوں۔ اس لئے دشمنوں کی کوئی تدبیر میری راہ روک نہ سکی!“

غازی کا درود

بہر حال تالیوں اور لفظوں کے شور میں غازی مروج کا جہاز ہم شاہی محل ”طولما باغچہ“ پہنچا۔ ایک طرف پرجوش باشندوں کا شور تھا، دوسری طرف تمام تلووں اور جنگی نقشوں سے توپوں کی سلاخی داعی جاری تھی!

”طولما باغچہ“ میں غازی نے آرام نہیں کیا۔ فوراً فوجی اور ملکی اہل کو ملاقات کے لئے طلب کر لیا۔ اس کے بعد ملاقات کے ایوان میں بیٹھے۔ یہاں شہر کے... نائندے سلام کے لئے جمع تھے۔

میں نے ایک مرتبہ یہ شاہی ایوان اب سے پہلے بھی دیکھا تھا۔ یہ وقت سلطانوں کا تھا۔ اس میں پرشکوہ تخت شاہی رکھا تھا۔ اس کے گرد درکش لباسوں، چمکیلے تختوں، مٹلاتواروں سے آراستہ دروازے اور اکرطے تھے۔ اور شاہی ہیبت و جلال کا ایک عجیب نظر پیدا ہو گیا تھا!

آج پھر مجھے اس کی زیادت کا موقع ملا۔ لیکن آج وہ قہم کی چمک دمک سے خالی تھا۔ بالکل سادہ تھا۔ کسی قسم کا کوئی تکلف نظر نہیں آتا تھا۔ صرف شہر کے نائندے جمع تھے۔ آزادی سے چلتے پھرتے تھے۔ اور سادہ انداز روح میں اپنے رئیس حکومت سے مصافحہ کر رہے تھے۔ بلاشبہ بھلی شوکت و جبروت اب مغفوت ہو گئی ہو لیکن سادگی اور حقیقت نے اس سے کیں زیادہ حقیقی تاثیر عظمت پیدا کر دی ہو! یہیں آستانہ کی مجلسِ ملکہ (میو سلطی) کا پاس نامہ پیش ہوا۔ غازی نے جواب میں ایک جربستہ تقریر کی۔ ان کی آواز جب عادت بہت صاف، بلند اور مضبوط تھی۔ پورا ایوان گونج رہا تھا۔ تقریر کا خلاصہ مزید یہ ہے:

غازی کی تقریر

”میں خوش نصیب ہوں کہ آج آپ کے واسطے سے آستانہ آئے، باشندوں، اس کی انجمنوں، اور اس کی تمام جماعتوں کو سلام کر رہا ہوں پچ یہ ہو کہ میں ان شاندار مظاہر سے آواز متاثر ہوا ہوں جن کے ذریعہ میرے ہوطنوں نے مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ آپ میری جانب سے بہت بہت شکریہ قبول کیجئے۔“

”آج پورے ۸ سال کے بعد میں نے آستانہ کی صوفی دیکھی ہے۔ اگر یہ صبح ہو کہ حضرت اور فرزان کی گھڑیاں بہت سخت، دواڑ، اور تلخ ہوتی ہیں، تو آپ آسانی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ میں نے آستانہ کی جدائی میں یہ آٹھ برس کیونکر گزارے ہونگے؟“

”آستانہ جو دو عظیم دنیاؤں کے امین واقع ہے، ترکی وطن کی زینت، ترکی تاریخ کی دولت، ترکی قوم کی آنکھ کا تارا ہے۔ تمام بنائے وطن کے دلوں میں اس کی محبت جڑ بیٹھ ہوئے ہے۔ ایک مرتبہ جب محسوس حوادث نے یہ شہر گھیر لیا تھا، تو نہ صرف تمام ترکوں کے بلکہ تمام مشرق کے دل بھی ہل گئے تھے۔ ان میں ایک میں بھی تھا اور اپنے پہلو میں خونچکان دل نے پھر اٹھا“

”لیکن آج ہم دیکھتے ہیں، تاریک راتوں نے نورانی آفتاب کی شامیں پیدا کر دیں۔ رات کب کی ختم ہو چکی ہو، اور ہماری تاریخ کا نیا دن طلوع ہو چکا ہو!“

”معترب اور روتے ہوئے آستانہ کو میں نے ۸ سال پہلے اس

حال میں چھوڑا تھا کہ میرا دل انھوں سے چھوڑا تھا، اور ایک شخص بھی مجھے خدا کا نفاذ کرنے کے لئے نہیں آتا تھا۔ لیکن آج میں آستانہ آیا ہوں، تو اس کا خندہ مسرت اور قہقہہ انبساط میرے سانسے میں آتا ہے۔ اب دوبالا ہو گیا ہے۔ میرا دل بھی مطمئن ہے، میں اس وقت اپنے آپ کو آستانہ نبلیوں کی محبت بھری گود میں پاتا ہوں۔

گزشتہ ۸ سال، یعنی ہماری ہیبت اجتماعیہ کا مجدد بنیادوں، انقلابوں، اور ان کے نتائج سے گزر رہا۔ ہماری قوم نے سیاسی، اجتماعی، تمدنی ترقی کے لئے اس مہم میں جو قابلیت ظاہر کی ہے، وہ بلاشبہ عظیم قابلیت ہے۔ ہم پر فرض ہے کہ پوری ہوشیاری اور کوشش سے اس قابلیت کو برابر ترقی دیتے رہیں۔ وطن کی تعمیر اور قوم کی ترقی، بہت ہی عظیم فیرت اور بہت ہی عظیم جہاد کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس وقت ہمارا ایک عظیم ترین کام یہ ہے کہ مفید اور مفید علم و فن کے ذریعہ قوم کے جذبات اور ضمیر کی تربیت کریں تاکہ وہ جلد سے جلد حقیقی تمدن اور حقیقی سعادت تک پہنچ جائے۔“

”میں آپ سے لے کر غریبان آستانہ! یہ کلمے اس محل میں کہہ رہا ہوں۔ اب سے ۸ برس پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ اس میں ایک ایسی شخصیت رہتی ہو جسے، دیوں کی قوت حاصل ہو! آج یہ محل اس شخص سے خالی ہے جسے ”ظلِ ابدی الاصل“ (زمین پر خدا کا سایہ) کہتے تھے۔ آج یہ محل، قوم کی ملکیت ہے، جو سایہ میں بلکہ محسوس حقیقت ہے۔ اس وقت میرا وجود اس محل میں صرف اس لئے ہے کہ میں بھی قوم کا ایک فرد اور اپنی قوم کا ہمارا ہوں۔“

اس تقریر کے بعد غازی نے ایک ایک کر کے تمام حاضرین کو معاف فرمایا۔ پھر محل کے باغ میں فوجی قواعد دیکھی۔ یہاں کھڑے رہا ہو گئی۔

خیال کیا جاتا ہے کہ موصوف اسی آستانہ میں تھریں کا بھی دور کس گئے۔ یہ افواہ بھی گشت کر رہی ہے کہ صوفیا اور ملکر آج بھی جائیں گے تاکہ بخاریہ اور یوگوسلاویا سے عہد نامے سرانجام دیں۔

## جامع الشواہد

### طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ستمبر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی

جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی لئے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیا جاسکتی

ہو؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب ہمت تمام نوع انسانی پر کھول دیا۔

۱۹۱۹ء میں جتھہ تھے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی

کو لے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گیا۔ اب مصنف کی نظر

ثانی کے بعد دوبارہ لیتور میں چھپی ہو قیمت ۱۲- (غیر الملل) لکھ



”اور ہم بد معاش ہوئے، ایک تاجر جو جس میں بخود ہو کر چلا گیا۔  
”لیکن تم داکو ہو اے یا بد زبان!“ ایک طرف سے آواز



# باب التفسیر

## تفسیر سورہ فاتحہ کا ایک صفحہ

### صفات الہی کے انسانی تصور کی تکمیل

اور

### اُس کا سلسلہ ارتقا

الحمد لله رب العالمین

سے بلندی کی طرف اور نقص سے کمال کی طرف ترقی کی ہو۔ روحانی تصورات کی پہلی بنیاد ایک خالق کا منات ہستی کا تصور ہو جس سے انسان کی تاریخ روشنی میں آئی ہو، اُس کے اس تصور کی تاریخ بھی شروع ہو جاتی ہو۔ اگر زمانے سے پرانے عہد کے تصور سے لیکر موجودہ ادیان عالم کے عہد تک کے تمام تصور سامنے رکھے جائیں، اور ان کے بعد دیگرے اُن کی نوعیت پر نظر ڈالی جائے، تو صاف نظر آجائے گا کہ ایک تدریجی ارتقاء کا سلسلہ ہو جو اشیاء و اجسام کے ارتقاء کی طرح انسان کے تصور و اعتقاد میں بھی جاری ہو، اور اُن جوں انسان کی فکری اور معنوی استعداد ترقی کرتی جاتی ہو، اُس کا یہ تصور بھی زیادہ بلند اور شائستہ ہوتا جاتا ہو۔ یہاں تک کہ ارتقاء کے ہر سلسلے کی طرح اس سلسلہ کی تکمیل کی آخری کڑی نمایاں ہو جاتی ہو!

#### فطرۃ کا ولولہ اور ذہن کا تصور

لیکن یاد رہے کہ یہاں خدا کے تصور سے مقصود اُس کی صفات کا تصور ہو۔ اُس کی ہستی کا اعتقاد نہیں ہو۔ اُس کی ہستی کا اعتقاد ذہن و فکر کی پیداوار نہ تھی جو اُس کی استعدادی تبدیلیوں سے متاثر ہوتی۔ یہ اُس کی فطرۃ کی آواز تھی، جو خود اُس کے اندر سے اُٹھتی تھی، اور ایک بالاتر ہستی کے یقین کے جوش سے اُسے متحرک دیتی تھی۔ چونکہ یہ ایک فطری جذبہ تھا، اور فطری جذبات اُمالی کی نوعیت ہر وقت اور ہر حالت میں یکساں ہوتی ہو، اُس کو ایسا کا اعتقاد الہی بھی ہمیشہ یکساں رہا۔ اُس میں ذہن و فکر کے تغیر و ماضیت نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن خدا کی ہستی کا تصور، اُس کی صفات کے تصور سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ انسانی عقل ذات مجرد کے تصور سے عاجز ہو۔ وہ جب کبھی کسی چیز کا تصور کرتی ہو تو گو اُس کی ذات کا تصور کرنا چاہے، لیکن تصور میں اُس کی صفات ہی آتی ہیں، اور صفات ہی کے جمع و تفرق سے ذات کے تصور کا نقشہ وجود میں آتا ہو۔ یہیں سے اس فطری جذبہ میں انسانی عقل کی مداخلت شروع ہوتی، اور یہی اُس کی دماغیوں اور غلط اندیشیوں کی سب سے پہلی ابتدا ہو۔ فطرۃ کے جذبہ یقین نے ایک بالاتر ہستی کے تصور

قرآن حکیم نے انسان کو خدا کے اعتقاد اور تصور کی دعوت دیتے ہوئے، سب سے پہلے جن صفات کا حرجِ جمال بے نقاب کیا ہے: **تین صفات ہیں: ربوبیت، رحمت، عدالت!**

الحمد لله رب العالمین: ساری تعریفیں، ہر قسم اور ہر طرح کی شائیں، حسن و جمال کی شیفگی اور خوبیوں مکملوں کے اعتقاد کے ساتھ جو کچھ بھی

کہا جاسکتا ہو، وہ سب کچھ: اللہ کے لئے ہو! وہ اللہ جو تمام جہاں کا پروردگار ہے، جس کی ربوبیت کائنات ہستی کی ہر مخلوق کو اس کی زندگی اور ارتقاء کا تمام سامان بخشی، اور اُس کی پرورش کی ساری ضرورتیں مہیا کرتی ہو! اور رحمت والا ہو، اور جس کی رحمت کی بخشائش تمام عالم خلقت کو اپنے نوالِ رحمت سے لالال کر رہی ہیں! جس کے قبضہ و تصرف میں جزاء و سزا اور مکافات کا دن ہو، اور جس کی عدالت نے ہر کام کے لئے بدلہ اور ہر بات کے لئے نتیجہ کا قانون جاری و نافذ کر دیا ہے!

سورۃ فاتحہ قرآن کی ابتدا ہو، اور فاتحہ کی ابتدا تصور الہی کی اسی بنیادی جلوہ منائی سے ہوتی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے خدا کے تصور و اعتقاد کا نقشہ کھینچا ہو، وہ ربوبیت، رحمت، اور عدالت کا نقشہ ہو۔ اپنی تین صفاتوں کے تفکر سے ہم قرآن کے تصور الہی کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

تصور الہی کا تدریجی ارتقاء دنیا کی ہر چیز کی طرح انسان کا فکر و عمل، اور انسانی فکر و عمل کی ہر بات کی طرح اُس کے روحانی تصورات نے بھی یہ تدریج پیش کی

م۔ ”اُمّی کی بین اور امام مہین سے دوستی کے معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ حجاز یا ابن سعود پر دست درازی کرنا چاہتا ہو۔ یہ یونانی نے یمن سے جو ”صلف نامہ“ کیا ہو، اس کا مقصد صرف یہ ہو کہ جزیرہ منائے عرب میں امن و امان برقرار رہے۔ اُمّی جو احرار میں مست حاصل کرنے پر مجبور ہو، اس طرح کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُمّالین و اُمّالہ و اُمّالہ کے تعلقات، عرب کی قوموں اور شرقی افریقہ کے قبیلوں سے قائم ہو جائیں گے!“ (الیاس)

یہ وہ علاقہ ہے جس میں قدرت اپنی تمام رعنائیوں اور نعمتوں کے ساتھ خود اُتر آئی ہو۔ میں آپ کو ایک بہت بڑے راز سے واقف کر رہا ہوں۔ ہر دست و پد کو کھاسا بڑا پتھر سے ٹھٹھکا کر رکھ رہی ہیں کہ فرانس انگریزوں کے لئے مقرر چھوڑے، اور انگریز مراکش میں ہماری کوئی مخالفت نہ کریں“

”میرے دوستو! ایک لمحہ کے لئے دولت و ثروت کے اُن خزانوں کا تصور کرو جو مراکش میں تمہیں حاصل ہو گئے۔ پوری سرزمین زرخیز ہو، بیش قیمت کانوں سے بھر رہی ہو۔ تم وہاں کی کانیں کھولو گے۔ حجابِ مذہب اُڑ گئے۔ روٹی اتنی حاصل ہوگی، جس کا اس وقت تصور بھی نہیں کیا جاسکتا“

”کیا اس کے بعد بھی تم باہمی منافست میں مبتلا رہو گے؟ حالانکہ تم ہی دو دنوں گروہ اس نئی سرزمین کے مالک ہو۔ تم دونوں کو تمام فریبیوں پر خاص امتیاز حاصل ہو۔ سب سے پہلے تم ہی نے اس سرزمین میں اسلام کا جھنڈا بچا لیا۔ اسلام کے ملک پر سچا سچا سکھ بٹھا دیا، اور اسلام اور مسلمانوں سے واقفیت ہم پر بچائی۔ لہذا تم ہی ذوق کے تمام اسلامی ملکوں کے مالک ہو گئے۔ راس قابض سے بحر اطلانتک تک، اور بحر متوسط سے صحرا عظیم تک، تمام علاقے تمہارے ہی ہیں جس باہم متحد ہو جاؤ، اور پورے ڈاکٹر فرانس کی محنت و قوت پارہ پارہ نہ کرو“ اس تقریر پر ہر طرف سے مرجائی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ دونوں طرف سے تحریف اُٹھے اور باہم مصافحہ کرنے لگے۔ شراب کے نئے جام بھرے گئے، اور صرست کے نعروں میں خالی ہو گئی!

یہ واقعہ اور اس واقعہ کا پورا منظر آج تک میری آنکھوں میں ہے اُس دن میں سچا کفر انسان کی مشرقی حکمت علی کیا ہو اور ان کی بنیادیں چنبر چنبر؟ اُس دن مجھے معلوم ہوا کہ ہمارا ملک اتحاد و صرت اس بنیاد پر قائم ہو کہ اہل ملک کے لئے ہمیشہ مشرق میں نئے سکنا و مہیا کرنے ہیں ہمارے سوسائٹی کے مختلف طبقوں کا باہمی اتحاد اس لئے نہیں ہو کہ انصاف میں وہ متفق ہیں۔ صرف اس لئے ہو کہ ظلم میں کوئی اختلافت نہ

### اُمّی اور مہین

مہین پر اُمّی کا دانت مدت سے ہو لیکن برطانیہ کی رقابت ہمیشہ اُس کا رستہ روک دیتی تھی۔ اب باہم کھوت ہو گیا ہو۔ اور اُمّی مہین کی طرف بے فکرانہ بڑھ رہا ہو۔ یہ واقعہ ہو کہ پچھلے چنہ ماہ کے اندر اُمّی نے متناہیں بہت اثر پیدا کر لیا۔ ایک زمانہ میں امام مہین اُمّی کا نام بھی سننا نہیں چاہتے تھے، مگر اب اُس سے معاہدہ کر رہی ہیں، سالانہ جنگ لے رہی ہیں اور اپنی فوجی تربیت کے لئے اُمّالین مسزوں کے طلبگار ہیں!

گزشتہ ہفتہ ”ان“ دوستانہ علاقے“ نے ایک نیا قدم اٹھایا ہو۔ مہین کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اُس کی سیاسی و فذو لورپ گیا ہو۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہو کہ ”مہین و فذو لورپ کے بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کرے گا تاکہ یورپین مملکتوں کا مطالعہ کرے، پھر فلسطینہ اور انگوہ جائے گا“ اس اعلان میں اُمّی کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ اس کی اصل غرض اُمّی تھا ہو۔ یہ و فذو لورپ پہنچ گیا ہو۔ امام مہین کے پچھلے بیٹے ”امیر محمد“ اُس کے رئیس ہیں، اور سید محمد عبدالبرہیم، سید عباس علی، قاضی علی عرفی، قاضی راغب مرکن ہیں۔ قاضی راغب، حکومت صغائر کے وزیر خارجہ ہیں اور دین میں تنہا شخص ہیں جو ایک یورپین زبان (فرانسیسی) جانتے ہیں۔ اس و فذو نے آئے ہی موسیٰ لینی اور شاہ اُمّی سے طویل ملاقاتیں کیں۔ ہم نہیں چاہتے اپنے سرورظن کا اسے نشانہ بنائیں لیکن اُمّی کے نیم سرکاری اخبار ”کویرا اُمّی لایسرا“ کا ایک جملہ نقل کرنے پر مجبور ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ جملہ اُمّی اور مہین کی دوستی کی بہترین شرح ہو: م

نظرہ کی سادہ ہدایت کی جگہ کتاب کی گراہیاں پیدا ہو گئیں، اور پھر  
پڑھتے اس قدر جب تک پہنچ گئیں، کہ پہلی حالت بالکل منقلب ہو گئی۔ اسی  
عہد سے انسان کی معنوی زندگی کی ایک دوسری نشوونما شروع ہوئی ہے،  
اور اس کی ”ابتدائی“ زندگی اور ”عہد طفولیت“ سے اسی دوسرے  
عہد کی ابتدا منقطع ہو۔ شرح اس حقیقت کی اشارات میں ممکن نہیں اور  
یہ محل تفصیل نہیں)

### دور قمر و جلال

یہ عجیب بات ہو کہ تاریخ میں انسان کا قدیم سے قدیم تصور الہی  
جو ہمارے سامنے آتا ہے، وہ سترتا سرخوش اور دہشت کا تصور ہے۔ ہم  
محبت، اور جلال کا اس کوئی عنصر نظر نہیں آتا۔ خدا کا تصور اُس کے  
لئے صرف ڈرنے کی چیز تھی۔ اس کے بعد اُس، اور محبت کی چیز نہ تھی۔  
اُس کے قہر و غضب کی ہولناکیوں سے ڈرتا تھا، اس نے اُس سے  
بچنے کے لئے اُس کی پرستش کرتا تھا۔

انسان کی پرستش خدا سے بچنے کے لئے تھی۔ خدا کی طرف  
پڑھنے اور اُس سے محبت کرنے کے لئے نہ تھی۔ وہ ایک ڈراؤنی اور  
ہولناک طاقت سے محبت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا!

بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے مگر فی الحقیقت عجیب نہیں  
ہے۔ انسان خدا کی صفات کو کائنات عالم کے فطری مظاہر میں دیکھتا  
تھا۔ یہی مظاہر اُس کے تصور میں خدا کے اعمال کا تصور پیدا کرتے  
تھے۔ نظرہ کائنات میں کون دیکھتا ہے۔ یعنی وہ کائنات کی زندگی  
اور بقا کے لئے یہ یک وقت بناؤ اور بگاڑ، دونوں کا عمل جاری  
رکھتی ہے۔ انسان نے جب اپنی ابتدائی عقل و ادراک سے مظاہرہ  
پر نظر ڈالی، تو اُس کی نظر نظرہ کے بناؤ کا صحنہ نہ دیکھ سکی۔ اُس کے  
بگاڑ کی ہولناکیوں سے سہم گئی۔ نظرہ کا جلال ایجاب و تعمیر میں  
تخریب کے نقاب میں پوشیدہ ہے۔ اُس تک پہنچنے کے لئے عقل اہل  
کی زیادہ تیز اور دور رس نگاہ کی ضرورت تھی۔ یہ ابھی اُسے میسر  
نہیں آئی تھی۔ پس صورت کائنات کا پہلا اثر جو اُس کے ذہن  
ادراک کی نارسائی نے قبول کیا، جمال و رحمت کی دلدازی نہ تھی۔  
جلال و قہر کی ہولناکی تھی۔ اسی ہولناکی سے اُسے خدا کی شکل و بنا  
کا نقشہ بھی کھینچ لیا۔ قدرتی طور پر یہ نقشہ ڈراؤنا تھا۔ محبوب و دلاویز  
نہ تھا۔

اس عالم اثر و تاثر میں ہر چیز کی طرح ہر فعل بھی ایک قدرتی طبیعت  
اور مزاج رکھتا ہے۔ تخریب کے مزاج میں شورش اور ہولناکی ہے  
اور تعمیر ترسرسکون اور خاموشی ہے۔ تعمیر جمع، نظم، ترتیب، اور ایجاب  
ہے۔ تخریب تفرقہ، برہمی، اضطراب، اور سلب و انفعالی ہے۔ مجمع و نظم  
کی حالت ہی سکون ہے۔ اور تفرقہ و برہمی کی حالت ہی شورش و اضطراب  
کی حالت ہے۔ دیوار جب جیتی ہو تو کوئی ہولناکی محسوس نہیں ہوتی۔ کڑ  
اُس کے گردنے میں دھماکا ہوتا ہے۔ اس نے قدرتی طور پر تخریب کا  
عمل تعمیر سے زیادہ نمایاں اور پر شور ہے۔ تخریب کی ہیبت فوراً اُڑا  
دیتی ہے، لیکن تعمیر کی دلاویزی آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی ہے۔  
تخریب کا دھماکا دُور سے بھی سن لیا جاسکتا ہے، لیکن تعمیر کا خاموش  
عمل دیکھنے کے لئے نزدیک آنے کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چوڑی  
طبیعت تعمیر اور ایجابی افعال سے اُس پکڑنے میں دیر لگاتی  
ہے لیکن تخریبی اور سلبی افعال سے فوراً ڈرجاتی ہے۔ جانور ڈرتے  
زیادہ ہیں۔ اُس کم پکڑتے ہیں۔ انسان کا بچہ بھی ابتدا میں ہر چیز  
سے سہما اور ڈرتا ہے۔ پھر جوں جوں اُس کی ذہنی استعداد بڑھتی  
جاتی ہے، ڈر کم ہوتا جاتا ہے اور موالات بڑھتی جاتی ہے۔

نوع انسانی کا اُسے عہد طفولیت میں ہی حال تھا۔ کائنات  
نظرہ فی الحقیقت سترتا سرخوش و قہر، اور ایجاب ہوا اور اس کو

کے لئے کیسا خدا منتخب کیا تھا؟

انسانی ذہن و فکر کی اس دراندگی میں وحی و نبوت کی دستگیری  
ہمیشہ نمایاں ہوتی رہی۔ لیکن وہ اس راہ میں عقل انسانی کی اُسی  
حد تک رہنمائی کر سکتی تھی، جس حد تک اُس کی استعداد ساتھ دینے کے  
لئے طیار تھی۔ انبیاء کرام (علیہم السلام) کی تعلیمات کا پیرایہ و اسلوب  
بھی دراصل اُن کے زمان و مکان کی عقلی استعداد کا نتیجہ ہوتا ہے  
وہ مجمع انسانی کے علم و درستی تھے۔ اس لئے اُسی درجہ کا سبق دے  
سکتے تھے، جس درجہ کا فہم و عقل کی استعداد فہم طبع میں پیدا ہوئی  
تھی۔ وہ اس سلسلہ ارتقاء سے باہر نہیں ہیں۔ اسی کے نشوونما ترقی کی  
مختلف کڑیاں ہیں۔

### تصور الہی کے دو بنیادی اصول

نوع انسانی کے تصور الہی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، تو  
اگرچہ اُس کی نوعیت کی بے شمار صورتیں اور قسمیں سامنے آئیں گی  
لیکن بڑی اور اصولی تقسیم دو بنیادی نوعیتوں کی بنا پر کی جاسکتی  
ہے:

#### (۱) تجسم اور تشبہ

#### (۲) صفات جلالیہ اور جالیہ

ذہن انسانی نے جب نظرہ کی آواز سنی اور خدا کا تصور کرنا  
چاہا، تو وہ بغیر شکل و شباہت کے اُس کا تصور نہ کر سکا۔ یہی تجسم اور  
تشبہ کی بنیاد ہے۔ یعنی خدا کے لئے ایسی صفات تجویز کرنا جیسی صفات  
مخلوقات و موجودات کے ہم محسوس کر رہی ہیں۔

پھر چونکہ اُس کا ذہن و فکر عہد طفولیت میں تھا اور نشوونما  
کے لئے ایک طولانی عمر کا محتاج تھا، اس لئے اس شکل و شباہت کا  
نقشہ بھی زیادہ شائستہ اور بلند نہ کھینچ سکا۔ وہ دراصل اپنے ہی صفات  
کا عکس طیار کر رہا تھا، اُس کی صفات ابتدائی عہد کے ناقص اور  
ادنیٰ درجہ میں تھیں اس لئے دیے ہی صفات سے اُسے اپنے خدا  
کا خال و خد بھی آراستہ کیا!

یہ صفات ابتدا میں سترتا سرخوش و جلال کی صفات تھیں۔ بھراں  
میں رحم و جلال کی بھی آمیزش ہوئی، لیکن غلبہ قہر و جلال ہی کو رہا۔  
اُس کے تصور میں پہلے دہشت آئی۔ پھر امید نے لوہو کیا۔ وہ پہلے  
خدا سے صرف ڈرتا تھا۔ پھر امید کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ  
آہستہ محبت بھی کرنے لگا!

چنانچہ اس سلسلہ کے ارتقائی تغیرات میں یہی دو باتیں سب سے  
زیادہ نمایاں اور بنیادی اصل و معیار ہیں۔ اس سلسلہ کی ابتدا تجسم اور  
قہر و جلال سے ہوئی ہے، اور تکمیل تشبہ اور رحمت و جلال پر۔

درمیان کی تمام کڑیاں، ارتقائی کڑیاں ہیں۔ جوں جوں انسان  
کی معنوی استعداد ترقی کرتی گئی، وہ تجسم سے تشبہ کی طرف اور  
صفات قہر و جلال سے رحمت و جلال کی طرف ترقی کرتا گیا۔ یہاں  
تک کہ تکمیل کی آخری منزل منزل ہوا ہوگی۔

تجسم اور تشبہ پر دوسری جگہ مستقلاً بحث کی گئی ہے۔ یہاں  
اس کا ذکر تھکا آگیا ہے۔ یہاں کا اصلی موضوع صرف صفات قہر و  
جلال اور رحمت و جلال کے ارتقائی تغیرات ہیں۔

(یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں ”ابتدا“ اور ”ابتدائی عہد“ کے  
الفاظ سے نوع انسان کی حقیقی ابتدا مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ ترقی  
حکیم کی تصریحات کے مطابق نوع انسانی کی ابتدائی زندگی اُس  
کی فطری اور بے آمیز زندگی تھی، اور چونکہ وہ نظرہ حالت ہدایت  
میں پیدا کیا گیا ہے نہ کہ ضلالت میں، اس لئے اُس کے تمام عقائد  
و تصورات بھی اپنی فطری ہدایت پر قائم تھے۔ مغرور اور کج اندیش  
نہ تھے۔ لیکن اُس کے بعد مختلف اسباب سے وہ حالت باطنی زندگی

کا دلوں بیدار کیا، تو ذہن و فکر نے چاہا، اُس کا تصور کرے۔ لیکن جب  
تصور کیا، تو پھر اُس کی ذات کا تصور نہ تھا۔ اُس کی صفات کا تصور  
تھا۔ وہ بچے بعد دیگرے صفات الہی کے نقشے کھینچتا گیا، اور  
اپنی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اپنے خالق و معبود کی شکل و شباہت  
بھی بدلتا گیا۔ وہ سر تبدیلی کے بعد ایک نئی صورت کا خدا اپنے سامنے  
دیکھتا، مگر نہیں سمجھتا کہ یہ صورت اُس کے خدا کی صورت نہیں ہے۔ خود  
اُس کے ذہن و ادراک کی صورت ہے۔ خدا کی صورت ایک ہی تھی،  
لیکن اُس کی نظر ہمیشہ یکساں نہ تھی۔ نظر و شہادہ میں جیسی جیسی  
تبدیلیاں ہوتی گئیں، منظور و مشہود بھی بدلتا گیا۔ اس راہ میں عقل  
انسانی کی پہلی اور بنیادی دراندگی یہی ہے:

لے بروں از دہم و قال و قبل من!

خاک بر سر حق من و نیش من!

عقل انسانی کا ادراک محدود تھا۔ اُس کے تصور کے سامنے  
محسوسات کی دیوار کھینچی تھی۔ وہ حواس کے دائرہ میں محسوسات اور محدود  
دامکان کی جلی بندشوں میں سر ہوتا تھا۔ وہ صرف محسوسات ہی کا عقل  
کر سکتا تھا، اور انہی کی شکل و شباہت میں ہر چیز کو دیکھ سکتا تھا۔ پھر  
اُس کے عقل و ادراک کی یہ جتنی بھی رسائی تھی، یہ ایک دفعہ کام نہیں  
دے سکتی تھی۔ نشوونما اور ارتقاء کی محتاج تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چوٹی

نظرہ کے مجرد اور بے پیل جذبہ معنوی ذہن فکر کی صورت آریاں اور  
شباہت آفرینیاں ملیں، خدا کے تصور کی جگہ ایک ایسی ہی صورت پیدا  
ہو گیا، جو خالق کا تصور نہ تھا۔ خود انسان کے ذہنی تصورات کی  
مخلوق تھا۔ وہ اپنے ادراک کے آئینہ میں خود اپنے چہرہ کا عکس دیکھتا،

اور اُس کو اپنا معبود سمجھ کر سربسود ہوتا تھا۔ اُس کا دل ہمیشہ خدا  
کی صورت دیکھتی چاہتا۔ مگر اُس کا دماغ ہمیشہ اپنی ہی صورت کی  
پرستش کرتا۔ تو انسان نے ایک چہرہ اپنے کی حکایت میں جس کے لئے  
حضرت موسیٰ کا زمانہ فرض کیا گیا ہو، اسی حقیقت کی طرف اشارہ  
کیا ہے:

لے کہ اندر چشمہ شورش جات تو چہ دانی شط و جیوں و ذرات؟  
چوں قدم آمد، حادث گرد و عبث پس کجا داند تیری رادھت؟  
چوں تو ہم میسکنی تو نور ذات ذات نمود، وصف ہما و صفات  
دہم مخلوق ست و مملود اوست حق زانید است اولم بولست!

بہر حال خدا کی ہستی کے اقرب و بعیدین کے فطری جذبہ نے جب  
تصور کی شکل اختیار کی، تو یہ ذہن و فکر کا عمل تھا، اور ضروری تھا  
کہ اُس کی حالت اور استعداد کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس بھی ترقی  
ہوتی رہتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگر آج انسان کے تمام الہی تصورات  
یکے بعد دیگرے سامنے لائے جائیں، تو وہ انسانی ذہن کے سلسلہ  
ارتقائی سب سے زیادہ واضح تاریخ ہوگی۔ وہ اگرچہ بظاہر خدا کے تصور  
کا ارتقاء ہوگا، لیکن بہ باطن خود ذہن انسانی کے ارتقاء کے تمام ماحول  
ایک ایک کر کے سامنے آجائیں گے۔ کائنات کے فطریوں میں کہا جاسکتا

ہو کہ ذہن انسانی کی استعداد فکر کا سب سے بڑا معیار، اُس کا تصور  
الہی ہے۔ جب کبھی اُسے ایک بچلا درجہ چھوڑ کر بلند تر درجے پر قدم  
رکھتا ہے، تو سب سے پہلے خدا ہی کی طرف نظر اٹھاتی ہے۔ اسی مطلب کی

طرف اخوان الصفا کے مصنفین نے زیادہ صاف لفظوں میں اشارہ  
کیا تھا: ”انسان کی کسی جماعت اور اُس کے کسی عہد کی عقلی استعداد  
کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اُس کے تصور الہی پر نظر  
ڈالی جائے جس درجہ یہ تصور شائستہ اور بلند ہوگا، اتنی ہی اُس جماعت  
اور اُس عہد کی عقلی استعداد ترقی یافتہ ثابت ہوگی۔“ یہ سچکھنے  
بھی اسی طرف توجہ دلائی ہے: ”تاریخ میں کسی قوم کی عقلی اور تمدنی  
استعداد معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ معلوم کر دو کہ اُسے اپنی پرستش



## فہرست

۲ تذکرہ علیہ

۳ نظریہ ارتقا کا گم شدہ حلقہ  
۶ تاریخ مغرب جدید کی تاریخی شخصیتیں  
دوسو

۱۰ عالم شرق و اسلام  
شام کے جماد حریث کا خاتمہ  
بصائر و حکم

۱۳ انبیا و نبوت کے دروازہ پر  
حضرت عمر ابن الخطاب

۱۴ بریدہ فرنگ  
مسعودی کی ایک اہم تقریر

۱۶ بریدہ شرق  
کتوب تطنطنیہ  
خواطر و سوانح

۱۸ "اخباری زندگی کا ایک لمحہ"

۲۱ باب التفسیر  
تفسیر سورہ فاتحہ کا ایک صفحہ  
۲۳ عالم مطبوعات و صحافت  
ایک نئی یادداشت کتب  
کتاب العلم والعلوم  
العبر

میرٹھ

کی  
اصلی شہر و معرور  
قینی

ناتہ اسٹوڈنٹس کمیٹی



مصنفات بکثرت شائع ہو چکی ہیں۔ تاریخ عرب، تاریخ ادبیات عرب، تاریخ بغداد، حیدر، وغیرہ کتابیں مشہور و مقبول ہیں۔ ابو زید علی کی کتاب التعلیقۃ النبی کے سنی و اہتمام سے شائع ہوئی۔ کای فوگ (چین) کی ایک قدیم سجد کے عربی و فارسی نقوش پر بھی ان کا ایک رسالہ شائع ہو چکا ہے۔ اس یادداشت میں عربی اور فارسی، دونوں زبانوں کے بعض نوادر پر معلومات موجود ہیں۔ ایک ترکی (شمالی) کتاب کا بھی ذکر ہے۔ ہم آئندہ اس کے بعض اہم فوائد مدیر قارئین کو کر کے کیا جا رہا ہے۔

## امام ابن قیم کی کتاب العلم والعلوم

امام ابن قیم کی مصنفات کا بڑا ذخیرہ شائع ہو چکا ہے، لیکن روز بروز نئی کتابیں نکلتی ہی آتی ہیں۔ حافظ ابن رجب نے طبقات میں ان کی ایک کتاب کا نام "کتاب العلم والعلوم" لکھا ہے، اب تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ اس کا ایک نہایت عمدہ نسخہ چسپران کے شاگرد دفرزاد آبادی (صاحب قاسم) کا دستخط ہے، دمشق میں پہل آیا ہے اور اسکی اشاعت کا ارہتم کیا جا رہا ہے۔

## العبرنی اخبار البشر

السلام بنز میں ہم نے امام شمس الدین ذہبی کی تاریخ کیر کی نسبت اطلاع دی تھی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ان کی ایک دوسری تاریخ "العبرنی اخبار البشر" بھی زیر تصحیح و طباعت ہے۔

امام موصوت نے اپنے تذکرہ میں خود تصریح کی ہے کہ انھوں نے پہلے سطور و مبسوط تاریخ الاسلام (تاریخ کیر) لکھی۔ پھر اس کو مختصر و منتخب کر کے چار چھٹی چھٹی کتابیں الگ کر لیں:

(۱) الدول الاسلامیہ: یہ تاریخ کیر کا اختصار ہے، اور بعض کتابتوں میں چار جلدیں ہیں بعض میں دو۔ اس کا سب سے زیادہ بہرہ کمل نسخہ تطنطنیہ کے کتب خانہ کوپری میں ہے۔

(۲) طبقات الحفاظ: اس میں صرف ان حفاظ حدیث کے حالات لے لئے ہیں جن کے تراجم پر سلسلہ تاریخ، تاریخ کیر میں لے کر محفوظ جلال الدین سیوطی کی طبقات اسی کا اختصار و تکمیل ہے۔ اس میں پروفیسر دستغیب نے اسے تین جلدوں میں چھاپ کر شائع کیا۔

(۳) طبقات القراء: اس میں قراء کے تراجم تاریخ کیر سے اخذ کر کے بہ ترتیب طبقات جمع کئے ہیں۔ اس کے نسخے پیرس کے قومی کتب خانہ اور تطنطنیہ کے کتب خانہ کوپری اورینی جامع میں موجود ہیں۔ متحدہ علماء نے اس کے ذیل بھی لکھے تھے۔ حافظ سیوطی کا ذیل چپ گیا ہے۔

(۴) العبرنی اخبار البشر: یہ ایک مختصر تاریخ عام و دجلوں میں ہے۔ اس میں اور دول الاسلامیہ میں یہ فرق ہے کہ اسکی ترتیب حروف تہجی کی ترتیب ہے۔ اس کی ترتیب سنین کی ترتیب ہے۔ سنہ ہجری کی ابتداء سے لے کر سنہ ۷۵۰ھ کے تمام حوادث و وفیات اس میں مل جاتے ہیں۔ ابن شامہ (سنہ ۷۵۰ھ) نے اس کا ذیل لکھا تھا۔ ایسے نسخے برٹش میوزیم اور ایاموریا تطنطنیہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اسی آخری کتاب کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ بعض اہل علم کی سنی سے قاہرہ میں چھپنا شروع ہو گئی ہے۔ مغرب پہلی جلد مکمل ہو کر شائع ہو جائے گی۔

ہو۔ وہاں سے لے لیا جا سکتا ہے۔ روم کے نسخوں میں پانچویں سطر پر ہی نہیں جاتی لیکن سطر سے ساسی کے نسخوں میں موجود ہے۔ وہاں سے لے لی جائے۔ اسی طرح پوری کتاب کا ایک ایک لفظ بذریعہ یادداشت مرتب کر لیا ہے۔ ساتھ ہی تمام نسخوں کے چھوٹے چھوٹے لفظی اختلافات کے بھی حوالے دیدئے ہیں۔ یہ کویہ اختلافات کتاب کے ساتھ شائع کر دئے گئے۔ ان کی صفحات اصل کتاب سے بھی دو گنی ہیں۔ ایک پوری جلد صرف فرست اور اختلافات پر مشتمل ہو!

اسی طرح طبقات ابن سعد کی یادداشت دو جلدوں میں مرتب ہوئی تھی۔ اس کے ایک ایک ورق اور ایک ایک سطر کے لئے بارہ بار دنیا کا سفر کیا گیا تھا۔ اس کی ایک ایک سطر، دس دس میں بیس جگہوں کے نسخوں کو باہر لگالانے کے بعد حاصل ہو سکی ہے۔ یہ کویہ کتاب چھپ گئی، لیکن اس کی یادداشت اب بھی علم و جستجو کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔

یہ یادداشتیں زیادہ تر علمی جامعوں نے مرتب کی ہیں مگر بعض ایسی بھی ہیں جو کسی ایک شخص کی تنہا جستجو سے علم کا نتیجہ ہیں۔ ان میں سے مدی کے مستشرقین میں پروفیسر ریڈوڈ Reimond، پیرس کا ڈیربرگ Etienne Quatremere، ڈیربرگ Derenbourg، گٹاڈنفلگ Fliegel، فلائشر Fleischer، اور دی گو De Goeje، کی یادداشتیں نہایت قیمتی ہیں۔ زائد حال کے مستشرقین میں مشہور جوہن مشرق پروفیسر تھوڈر نوڈیک Theodor Nöelcke، اور پروفیسر گولڈزینر Goldziner کی یادداشتیں شائع ہو چکی ہیں اور نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔

حال میں ایک نہایت قیمتی یادداشت پروفیسر ہوار Huart نے شائع کی ہے جو اس گزشتہ بیس برس سے وصول ہوئی ہے۔ اس یادداشت میں پروفیسر موصوت نے نہ صرف اپنی جستجو کے نتائج، سن کے ہیں بلکہ گذشتہ دو کے دوست بڑے فرانسیسی مستشرقین پروفیسر دی سلمان De Slane اور پروفیسر دین برگ Derenbourg کی بعض غیر مطبوعہ یادداشتوں سے بھی ضروری فوائد اخذ کئے ہیں۔

پروفیسر دی۔ سلمان کا انتقال سنہ ۱۸۹۰ء میں ہوا۔ وہ بیسویں صدی کے مشاہیر مستشرقین میں تھے۔ مقدمہ ابن خلدون، تاریخ بربر ابن خلدون، اور ابن خلدون کا فرانسیسی ترجمہ ان کی قلم کا وہ ہیں سنت ہے۔ مقدمہ ابن خلدون کے ترجمہ و اشاعت کا کام دو اصل ایٹن کو اتر طرے شروع کیا تھا۔ مگر تکمیل ان کی قلم دوسی سے ہوئی۔ قومی کتب خانہ پیرس کے شرقی مخطوطات کی فرست بھی انہی نے مرتب کی تھی۔

پروفیسر دین برگ کا انتقال سنہ ۱۹۰۰ء میں ہوا۔ یہ ان کی ایک مستشرق باپ کا مستشرق بیٹا ہے۔ بیسویں کی الکتاب (جو مکمل ہیں) ایٹا ملک سوسائٹی چھاپ چکی ہے (یورپ میں ای کے اہتمام سے چھپی تھی۔ کتاب الفونی، دیوان نابغہ، کتاب الاعتبار ابن مقد و غیرہ بھی اسی کی سعی و محنت سے مرتب و شائع ہوئی۔ بعد الفونی کی نقل مقبر میں شرکت احیاء کتب عربیہ نے بھی چھاپی ہے۔

پروفیسر ہنر ہار موجودہ عہد کے مستشرق فرانسیسی مستشرق ہیں۔ یہ پہلے مصر کے فرانسیسی قنصل خانہ میں کاتب تھے۔ پور تری کرنے کرتے قنصل جنرل ہو گئے۔ اب ایک عرصہ سے پیرس کے مدرسہ لغات و علم کے معلم ہیں۔ اسلامی دور کی علوم و ادب پر ان کی



— — — — —

نئے ہیں وہ بڑی ت بڑی قیمت پر بھی علحدہ کرنے کیلئے تیار نہیں۔ پہلے دنوں ”الہ لاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرجوں کا بھی محفوظ ملا، ہم نے اوشش کی وہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی نمائند میں ایک دو پرجوں کی امی ہو انہیں دوبارہ چھپوا دیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ بہ توش ایک حد تک مشکور ہوئی ازراہ علامہ متفرق پروجے چند سالوں کی جلدیں پوزی مکمل ہوئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شایقین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں ہی تعمیل ہو سکے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں نام مضامین کی اندکس بہ ترتیب حروف نہجی لٹائی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ      الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ  
، ، ، ، چہارم ۱۰ روپیہ      ، ، ، ، پنجم ۱۰ روپیہ

جاد ”البلاغ“ (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا)

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاٹ و پبکنگ اس کے علاوہ ہے۔

مديجر "البلاغ پريس"

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت نبی - اُس نے ملک کے سیاسی ، علمی ، ادبی ، اور دینی افکار و عقائد پر جو انقلاب انگیز اثرات ڈالے ، قریب ہے کہ مستقبل ہند کا مورخ اُن پر بحث کریگا اور اُن کے اندر وہ عناصر و مبادیات ڈھونڈیگا جن سے ہندوستان کی سنہ ۱۹۱۹ کے بعد کی اجتماعی ذہنیت ظہور پذیر ہوئی .

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و قدر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف مذاق کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون اور معلومات عامہ کے حوالے تھے۔ اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خریدیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طبعات و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹن تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور قلاب میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خریدیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں تھیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے عالمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مسائل و مباحث کا بہترین مجموعہ تھیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست سو روپیہ میں خرید کیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) سترہ چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچہ بحفاظت جمع



## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

وزنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طالب کرسکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وسیع تبصرہ

کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری از زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا

ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

## ہرونو موو اینڈ کو۔ برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پداؤں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اسے کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، تھریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھری سی محنت اور تھری سا سرمایہ لیکر ایک وسیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گھر اور بید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھری سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کریں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA  
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

Munir ulbi Kaseer  
Student of I. J. M.

السلامة

ابن پیرکلیتہ

# الہلال

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۳ - صفر ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 12, August 1927.

۹

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔  
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال  
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان  
دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام تقاضا ایک بار دور کر دی جائیں۔

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۵۶۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

|     |                        |    |                                  |
|-----|------------------------|----|----------------------------------|
| ۱۸۲ | اردو حروف کی حق میں    | ۵۶ | عربی حروف کی حق میں              |
|     | حروف کی حق میں بشرطیکہ |    | موجودہ مشترک طباعت کی حق میں ۱۰۵ |
| ۴۰  | نستعلیق ہوں            |    | پتھر کی چھپائی کی حق میں ۱۷۸     |

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر

## افسانہ

### حقیقت کہاں ہی ؟

— چیر —

یونانی علم الاصلام کا ایک افسانہ حکمت

— چیر —

وہ دیر تک آنکھوں کے آنسوؤں اور زبان کی دعاؤں سے مناجات کرتا رہا۔ پھر اُس نے نظر اٹھائی۔ چاند نے اپنی شعاعیں جمع کر کے دیوی کے چہرے کی رعنائی بے حساب کر دی تھی !

ہوا چلتے چلتے رک گئی۔ پتوں کا شور تھم گیا۔ پتلے سے زیادہ سکون طاری ہو گیا۔ نوجوان کا دل تنگ ہوا۔ اُس نے لمبی آہ بھری، اور آہ کے ساتھ ہی آنسوؤں کی لویاں رخساروں پر پھیل گئیں :

”مقدس دیوی !“ دیوکلس نے جوش سے چلا کر کہا ”تیرے ہی قدموں پر میرا سر دھرا ہے۔ تیری ہی عبادت پر میری روح جھکی ہے۔ تو نے میرے دل کو حکمت کے عشق سے معمور کر دیا۔ تو نے کمال کا لازوال شوق پیدا کر دیا۔ تو نے حقیقت کی جستجو کی آگ سلگا دی۔ یہ آگ اب جلائے ڈالتی ہے۔ یا تو ہمیشہ کے لیے اسے تھنڈا کر دیے، یا حقیقت کا جمال پنہاں ایک مرتبہ دھادے۔ ہاں، حقیقت، مقدس، عظیم حقیقت، اس مہذب وادعات کی حقیقت، اس ہولناک ازلیت و ابدیت کی حقیقت، ہر وجود کی روح، مجرد حقیقت، عریان حقیقت۔ وہ حقیقت، جس کی جستجو

میں تمام فلاسفہ سرگرداں رہے، اور حکیموں کو بستر خواب پر کبھی نیند نہ آئی۔ حکمت کی پاک دیوی ! حقیقت کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے بے نقاب کر دے۔ میں اسے جاننا اور دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اسے سارے پردوں اور نقابوں کے اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اس کی پرشش پر دل بد چکا ہوں۔ میں اُس کی راہ میں اپنی زندگی اور زندگی کی تمام مسرتیں، اپنی دولت، عزت، حسن، شباب، محبت، سب کچھ قربان کر دوں گا۔“

دیوکلس نے یہ کہا اور گردن اٹھا کر دیوی کا منہ دیکھا۔ وہ بدستور خاموش اور بے حس و حرکت تھی۔ نوجوان نے اپنی پیشانی پھر اُس کے مرمری قدموں پر رکھ دی اور گڑگڑانے لگا۔ اُس کی روح، اُس کی آنکھیں، اُس کی زبان، تینوں دیوی کے قدموں پر تھیں۔ روح آتش شوق سے جل رہی تھی۔ آنکھیں جوشش عشق میں بہ رہی تھیں۔ زبان راولہ مناجات سے رازنہ تھی !

\*\*\*

اچانک درختوں کے پتے ہلے، ڈالیں میں جنبش ہوئی، نسیم کے جھونکے چلے۔ ہوا میں ایک آواز گونجی : ”دیوکلس !“ ”دیوکلس !“

قدیم یونان کے مرکز ایتھنس، فلسفہ کے گہوارے اور حکمت کے سرچشمے پر، رات کی خاموشی چھا گئی تھی۔

رات نے اپنی سیاہ قنائیں تان دیں۔ معر خراب شہر کی لمبی سانسوں کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اتنے میں چاند نکل آیا۔ زریہلی چاندنی کوہ و دشت پر پھیل گئی۔ مندروں کی سنہری برعیاں چمک اٹھیں۔ زیترون اور خرمن کے درخت بے ساختہ کھلکھلا اٹھے !

شہروں کی ملکہ ایتھنس سو رہی ہے۔ دروازوں پر چوکیدار اونگھ رہے ہیں۔ لیکن، صرف ایک نوجوان ہے جو اب تک جاگ رہا ہے !

دیوکلس حسن، ذہانت، ذرات کے خزانوں کا مالک ہے۔ اقدیمی میں حکمت کا طالب علم ہے۔ اپنا پورا دن، اور رات کے بھی بہت سے گھنٹے، علم و حکمت کے پہاؤ میں گزارتا ہے۔ صحبت و معاشرت سے بیزار ہے۔ ایک پورے حکیم کی طرح پورا خلوت پسند ہے۔ تفکرات کے سمندر میں شب و روز غواہی : بس یہی اُس کا مشغلہ ہے۔

ایتھنس، یعنی حکمت کی دیوی کا مرمری خوبصورت بت اقدیمی کے صحن میں نصب تھا۔ دیوکلس سب طالب علموں سے زیادہ، حکمت کے اس خاموش مجسمہ کے پاس جاتا اور ہمیشہ اُس کے تصور میں غرق رہتا۔ اُس کی دل کی مناجاتوں کا قبلاہ یہی تھا۔ اُس کے دماغ کے استغراق کا مرکز اسی میں تھا۔ وہ اس کی دلغریب صورت پر غور کرتا۔ وہ اُس کے جمال معنی و حقیقت کی جستجو میں محو ہو جاتا۔ وہ اُس سے حکمت کی رچی اور عام کا پیام ربانی طلب کرتا۔ وہ حکمت کی جستجو میں حکمت کے مجسمہ کا عاشق تھا !

\*\*\*

آج رات دیوکلس پھر دیوی کے سامنے دست بستہ کھڑا ہے۔ رات ڈھل گئی، مگر وہ بے حس و حرکت کھڑا ہے۔ اچانک اُس نے سر اٹھایا اور بت کے قدموں پر گر پڑا۔ بوسوں پر ہوتے لیے۔ آنسوؤں سے اُس کے پاؤں دھوئے لگا :

”اے علم و حکمت کے مظہر محبوب ! رحم، رحم، مجھے ایک نظر دیکھ لے ! ایک مرتبہ کے لیے میری التجائیں سن لے !“

کو گرد میں اٹھا لیا۔ لامتناہی فضا میں پرواز شروع کر دی۔ ایک نامعلوم خطہ میں جا پہنچی۔ دیوکلس نے دیکھا، ایک سر بفلک پہاڑ پر وہ کھڑا ہے۔۔۔

یہاں پہاڑ پر 'نوجوان' نے کالی بدلیوں کے اندر ایک پرچھائیں سی دیکھی۔ جوش شناخت میں اسکی روح اُسکے حلقہ ہالے چشم میں سمت آگے مگر وہ اسکے خال و خط نہ دیکھ سکا۔

"یہی حقیقت ہے" دیوی نے اپنی انگلی سے اشارہ کر کے کہا "یہی اپنی دھندلی شعاعیں زمین پر ڈالتی ہے اور فلسفی اور حکیم اُن میں نور حق کا سایہ ڈھونڈتے ہیں۔ اگر یہ شعاعیں نہ ہوتیں تو دنیا تاریک رات کی طرح اندھیری ہو جاتی۔ انسان کی نگاہ حقیقت کو انہی شعاعوں میں دیکھ سکتی ہے۔ تم دیکھ رہے ہو وہ کس قدر ہلکی، کیسی دھندلی شعاعیں ہیں؟ حقیقت بے حد روشن ہے۔ اتنی روشن کہ سورج کی روشنی سے بھی تم اسکا قیاس نہیں کرسکتے۔ مگر وہ ان پردوں کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ صرف اُسکا سایہ ہی نظر آسکتا ہے۔ آگے بڑھو اور اُسکا ایک پردہ چاک کر ڈال" دیوکلس نے دیوی کے حکم کی تعمیل کی۔

ہاتھ لگتے ہی پردہ سفید پرند بن گیا۔ تھوڑی دیر نوجوان کے سر پر منڈلایا۔ پھر سیدھا آسمان کے طرف اڑ گیا!

دیوکلس نے اب دیکھا۔ حقیقت کی شعاعیں پتلے سے زیادہ صاف اور روشن ہیں!

دیوی آسے پھر زمین پر اڑا لائی۔ وہ اپنی اکتاہمی میں گیا اور دیوی اپنا مرمی جامہ پہنکر پھر بت بن گئی!

\*\*\*

دیوکلس نے دیوی سے اپنا وعدہ پورا کیا۔ آرام و راحت سے منہ موڑ لیا، خلوت میں بیٹھا اور غور و فکر میں یکقام مستغرق ہو گیا۔ اب وہ انسانوں کے کسی مجمع میں نظر نہیں آتا تھا۔ اینٹھنس کے تمام میلے اس سے خالی ہو گئے تھے۔

دوسرے سال اپنے مقررہ وقت پر وہ پھر سنگ مرمر کے بت کے سامنے سر بسجود تھا۔ دیوی نے حرکت کی اور پہلی مرتبہ کی طرح آسے غیر معلوم پہاڑ پر اڑا لے گئی۔ اب آسے حقیقت کا دوسرا پردہ چاک کر دیا۔ اس مرتبہ روشنی آرزو بھی زیادہ تیز ہو گئی۔ پھر وہ زمین پر اُپس آ گیا۔ اسکی زہد و خلوت پسندی اب آرزو زیادہ گہری ہو گئی تھی۔

\*\*\*

آسے رفیق اس تبدیلی پر متعجب تھے۔ انہوں نے آسے بہت بہت پھسلا یا، مگر وہ اپنے گوشۂ انزوا سے باہر نہ نکلا۔

اینٹھنس کی بعض حسین در شیزہ لڑکیوں سے اسکی ملاقات تھی۔ ایک فنڈہ گر حسن اُس سے محبت بھی کرتی تھی۔ اسکی یہ حالت دیکھکر ایک دن آسے پاس گئی:

"دیوکلس! کیا بات ہے؟" در شیزہ نے مسکرا کر کہا "تم مجھ سے بیزار کیوں ہو گئے؟ یہ دیکھو، میری آنکھیں سناروں کی طرح چمکتی ہیں۔ میرے بال شعاعوں سے بھی زیادہ چمکدے ہیں۔ میوہ جسم کیسا دلغزیت ہے؟ میں نے تمہارے سوال محبت کا جواب دیا تھا، مگر اب میں خود تم سے جواب محبت کی سائل ہوں۔ مجھے دیکھو، میری محبت کی تحقیق نہ کر۔ خود دیکھو بھی محبت سے انکار نہیں کرتے"

نوجوان چونک اٹھا۔ ابھر ادھر کھیرا ہٹ سے دیکھنے لگا۔ سمجھا آسے ہم مدرسہ پکار رہے ہیں۔ مگر وہاں کوئی انسان بھی نظر نہ آیا۔

"دیوکلس!" — "دیوکلس!" نوجوان تمنائی نے نگاہ اٹھا کر بت کر دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سچ مچ کو آسے ہر نکتہ حل رہے ہیں! ... اچانک سنگ مرمر کے ہاتھ میں جنبش ہوئی ... دیوی نے اپنا ہاتھ دیوکلس کے کندھے پر رکھ دیا ... بجلی کی ایک طاقتور لہر آسے بدن میں دوڑ گئی۔ بید کی طرح تھر تھرانے لگا۔ خوف کی شدت سے آسے حواس معطل ہو گئے۔

لیکن آواز اب تک آ رہی تھی "دیوکلس!" "دیوکلس!" "دیوکلس!" بولنے والے آگے آئے، میں آگئی۔ تیری مناجات میں نے سن لی۔ بول، کیا مانگتا ہے؟

دھشت سے نوجوان کی سانس رک گئی۔ بے اختیار زمین پر گر پڑا۔ قرب تھا، بیدہش ہو جالے۔ جب کچھ عرصہ کے بعد آسے ہوش حواس واپس آنے لگے۔ تو اُس نے خوفزدہ نظروں سے دیوی کو دیکھا: "ہاں مقدس دیوی!" آسے کانپتی ہوئی آواز سے کہا "میں ہی تیرے حضور زار نالی کر رہا تھا۔ مجھے "حقیقت" کی جستجو ہے۔ میں "حقیقت" کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں آسے بے نقاب دیکھنا چاہتا ہوں ..."

"نو حقیقت کی کھوج میں ہے!" دیوی نے اپنی ہر رعب آواز میں کہا "حقیقت خود بھی "وجود" ہے۔ حقیقت کہاں نہیں ہے؟ لیکن ہاں، بے پردہ، بے نقاب حقیقت، کبھی کوئی کائناتی نگاہ نہ دیکھ سکی۔ کسی نے اسے دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کی۔ بے نقاب حقیقت انسان کی حد نگاہ سے باہر ہے۔ تاہم اگر تیری یہی ضد ہے تو سمجھ لے، تجھے بڑی قیمت ادا کرنی پڑیگی، ایسی بڑی جسکی شاید تجھے قدرت نہیں۔ تجھے دولت، عظمت، حسن — سب سے دست بردار ہو جانا پڑیگا۔ تجھے زندگی کا بھی آرزومند نہ ہونا چاہیے۔ دیوتاؤں نے "حقیقت" سے بڑھکر کوئی دولت کائنات کی اولاد کو نہیں دی ہے"

"میں ان سب سے ہمیشہ کیلئے بخوشی دست بردار ہوتا ہوں" دیوکلس نے خروش ہو کر کہا "میں سورج بھی چھوڑنے پر طیار ہوں"

دیوی نے اپنا سر جھکا لیا۔ ہر طرف خاموشی پھیل گئی۔ درخت "زفس" کی اس با عظمت لڑکی کی تعظیم میں جھک گئے! دیوی نے پھر سر اٹھایا:

"بہتر" آسے آدمیوں کی طرح لفظوں میں کہا "تجھے حقیقت دکھادی جائیگی۔ لیکن ایک ہی مرتبہ میں تو آسے نہیں دیکھ سکتا۔ میں ہر سال ایک دفعہ تجھے وہاں لیجایا کرنگی۔ تو آسے چھپانے والے پردوں میں سے، ہر مرتبہ، ایک پردہ چاک کر دے گا ... تو زندگی کے لباس میں رہے گا، یہاں تک کہ حقیقت عریاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لے"

\*\*\*

نوجوان کا چہرہ مسرت امید سے دمکنے لگا۔ وہ خاموش رہا کہ دیکھے اب دیوی کیا کرتی ہے۔ اچانک وہ حیرت سے دم بخود ہو گیا۔ دیوی نے اپنی سنگ مرمر کی چادر اتار دی۔ دیوکلس کی آنکھیں دختر زفس کے حسن و جمال سے چکا چوند ہو گئیں۔ چشم زن میں بت نور کا پتلہ بن گیا۔ ... اب اُس میں حرکت ہوئی۔ ... آسے نوجوان



آخری پردہ بھی چاک کر دیا۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ آخری پردہ ہے۔  
دیکھو نا۔

اُس نے یہ کہا اور اُسے بڑھا۔ اُس کا دل دھڑکا لگا۔ ہاتھ کانپنے لگا۔  
وہ الٹی بڑھتی ہوئی پر شرمندہ ہو رہا تھا مگر عمل کی عیسوی و بھکت  
سے ہے، بس یہ تھا۔ اس نے دانیت پہنچے، آنکھیں بند کیں، بل  
کڑا کر اُسے بڑھا، ہاتھ بڑھایا، اور آخری پردہ بھی کھینچ لیا۔

نہد، ہولناکی!

پردہ ہٹنے ہی روشنی غالب ہو گئی — گہٹا ٹپ اندھیری  
چھا گئی... کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا!

دیوکلس نے اتنے زور سے چیخ ماری کہ قریب تھا، اس کا سینہ شق  
ہو جائے:

”حقیقت کہاں ہے؟ حقیقت کہاں ہے؟ اے دیوی! حقیقت  
کہاں ہے؟ مجھے تو کچھ سوجھائی نہیں دیتا۔ وہ جو آخری پردہ  
کے پیچھے تھی، کہاں چلی گئی؟ ساری دنیا، تاریک ہو رہی  
ہے...“

”تیری آنکھیں پھوٹ گئیں!“ حکمت کی دیوی نے رکارے  
کہا: ”اے کائنات کے بیٹے، تیری آخری غفلت بھی اڑ گئی! بے  
نقاب حقیقت کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اگر دیکھ سکتا ہے  
تو اُسے پردوں ہی میں لپٹا دیکھ سکتا ہے۔ کوئی دس پردوں کے اندر  
سے دیکھتا ہے۔ کوئی اس سے کم میں دیکھتا ہے۔ کوئی اس سے بھی  
زیادہ میں۔ مگر حقیقت عربال کا مشاہدہ ناممکن ہے... تو نے  
دیکھنا چاہا، تو نے دیکھ لیا کہ تو کیا دیکھ سکتا ہے!...“

دیوکلس نے یہ سنا اور منہ کے بول زمین پر گر پڑا۔ اب اُسے  
جسم میں روح موجود نہ تھی... شاید ”حقیقت“ کی جستجو میں  
اُس نے دوسری دنیا کی راہ لی تھی...“

## الہلال

۴

یہ ۹ - وان نمبر ہی

## لیکن

اس وقت تک ضرورت ہوتی ہے کہ توسیع اشاعت کی طرف  
آپ کو توجہ دلائی جائے۔

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح  
الہلال کا استقبال کیا، شاید ہی اُسکی کوئی دوسری نظیر  
اردو اخبارات میں مل سکے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ پرچہ  
کی ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ہے، اور قیمت اُس  
مقابلہ میں بہت کم۔ اب یا تو قیمت بڑھانی چاہیے۔  
یا اتنی وسیع اشاعت کرنی چاہیے کہ اُس سے قیمت کی  
کمی کی تلافی ہو جائے۔

دیوکلس نے دو شیزہ پر ایک سرد نظر ڈالی اور کہا:

”محببت میرے دل سے اُسی طرح اڑ گئی ہے جس طرح دوسرا  
پردہ اڑ گیا تھا۔“ اُس نے یہ کہا اور ایک طرف کر چل دیا!

دو شیزہ حیرت سے اُسے دیکھتی رہی۔ بھلا یہ رمز و کیونکر سمجھ  
سکتی تھی؟ اُس نے خیال کیا، دیوکلس دیرانہ ہو گیا ہے۔

\*\*\*

ایک سال بعد دیوکلس نے تیسرا پردہ چاک کیا۔ اُسکی نظر  
آر رہی زیادہ تیز ہو گئی۔ اُسکا نفس ناطقہ زیادہ شالستہ اور بلند  
مرتبہ ہو گیا!

اب فلسفہ کے حلقوں سے بھی وہ الگ ہو گیا۔ اگر کبھی اتفاق سے  
وہ عوام کے سامنے بولتا تو لوگوں کے کان اُسے لیے وقف ہو  
جاتے۔ انسانی دلوں کے لیے اُسکی آواز میں ایک ایسی تاثیر تھی  
کہ یوں ان کے صحنائے حکمت میں کسی بڑے سے بڑے حکیم کی  
آواز کو بھی نہ ملی ہوگی۔ پورے ایتھنس نے جمع ہو کر فیصلہ کر دیا  
کہ دیوکلس، استاد عظیم افلاطون اور دوسرے تمام حکیموں سے باہری  
لیگیا۔ اُس سے منتیں کی گئیں کہ فلسفہ کی امامت قبول  
کر لے مگر اُس نے پروا ہی سے انکار کر دیا۔

اسی زمانہ میں ایسا ہوا کہ ایتھنس پر دشمنوں نے حملہ کر دیا۔  
دیوکلس وطن کی مدافعت میں پیش پیش تھا۔ بے نظیر  
شجاعت سے لڑا۔ آخر زخموں سے چور چور لڑا۔ ایتھنس کو فتح ہوئی۔  
بہادروں کو فوراً میں بھولوں کے تاج تقسیم کیے گئے۔ سب سے بڑا  
تاج دیوکلس کے واسطے طیار ہوا تھا۔ مگر عین وقت پر جب اُسے  
پکارا گیا، تو وہ موجود نہ تھا!

\*\*\*

بوسوں پر برس گزرتے چلے گئے۔ ہر برس دیوکلس حقیقت کا  
ایک پردہ چاک کر آتا تھا۔ ابھی وہ جوان تھا مگر اسکا سر سفید  
ہو گیا۔ کمر جھک گئی۔ آنکھیں دھنس گئیں۔ قوی کمزور پڑ گئے۔  
اُسپر بھی وہ خوش تھا، کیونکہ وہ عنقریب ”حقیقت“ کا مشاہدہ کرنے  
والا تھا۔ اُس حقیقت کا بے پردہ ہے، نقاب مشاہدہ، جسے کبھی  
کسی بشر نے نہیں دیکھا!

\*\*\*

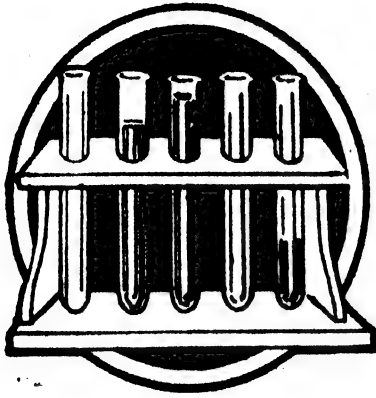
آخر فیصلہ کی رات آگئی۔ آج ”حقیقت“ پر سے آخری  
پردہ بھی اُٹھ جائیگا۔ آج بے نقاب حقیقت اس کے سامنے ہوگی!

دیوی، دیوکلس کو حسب عادت اڑاتے گئی۔ اور حسب  
معمولی حقیقت، کے سایہ کے سامنے کھڑا کر دیا:

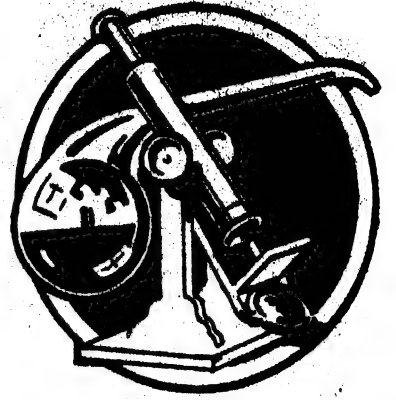
”دیکھ، حقیقت کس قدر تابان ہے! پہلے برسوں میں جتنے  
پردے تو نے چاک کیے، وہ اس کے چہرے کے پردے نہ تھے۔ تیری  
ہی غفلت کے پردے تھے جو تو نے اپنی آنکھوں پر ڈال لیے تھے۔  
تو نے ایک ایک کر کے تمام غفلتیں دور کر دیں۔ آج آخری پردے کی  
باری ہے۔ اس کے بعد تو در در حقیقت کا جلوہ دیکھ لیگا۔ اگر تو اپنے  
کیسے پر پشیمان ہے، یا قیرے دل میں ذرا بھی خوف موجود ہے،  
تو اب بھی وقت ہے۔ لوٹ جا، اور باقی زندگی جین سے گزار۔“

دیوکلس جوش طلب سے دیوانہ ہو کر چلا:

”اسی منزل کی طلب میں تو میں نے ساری عمر گزار دی۔  
اب میں ”حقیقت“ سے کس طرح منہ موڑ سکتا ہوں؟ میں



# مذاکرہ علمیہ



## ✓ زمین پر کائنات حیات کا آغاز

علم و نظر کی درمندیوں

رہے زمین پر ذی ریح مخلوقات بہت مدت سے موجود ہیں۔ ماہرین طبقات الارض کا تخمینہ دس کروڑ سال کا ہے۔ بلاشبہ یہ تخمینہ ظنی ہے۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ بہت ہی قدیم زمانوں سے زمین پر زندگی موجود ہے۔ زمین کی زیادہ سے زیادہ گہری اور پرانی پرتوں اور تہوں میں بھی زندہ کائنات کے نشان ملے ہیں۔

(نظام شمسی)

زمین پر زندگی کا آغاز کب ہوا اور کس طرح ہوا؟ اس سوال سے پہلے یہ بحث سامنے آتی ہے کہ موجودہ صورت اختیار کرنے سے پہلے خود زمین کی حالت کیا تھی اور اُس پر کتنے دور انقلاب کے گزر چکے ہیں؟

زمین، نظام شمسی میں داخل ہے۔ اس نظام میں آفتاب مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اور سیارہ گردش کرنے والے ستارے (اُس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ یہ ستارے سورج سے بہت دور ہیں۔ مرکز سے جتنی دوری بڑھتی ہے، اتنا ہی فاصلہ بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ ذیل میں تخمینی فاصلہ ملاحظہ ہو:—

|         |   |                |     |
|---------|---|----------------|-----|
| عطارد   | — | ۱'۴۰'۰۰'۰۰۰    | میل |
| زہرہ    | — | ۲'۹۰'۰۰'۰۰۰    | "   |
| زمین    | — | ۳'۷۰'۰۰'۰۰۰    | "   |
| مریخ    | — | ۵'۹۰'۰۰'۰۰۰    | "   |
| مشتری   | — | ۱۹'۲۰'۰۰'۰۰۰   | "   |
| زحل     | — | ۵۵'۵۰'۰۰'۰۰۰   | "   |
| اورانوس | — | ۷۳'۰۰'۰۰'۰۰۰   | "   |
| نپٹون   | — | ۱'۱۵'۰۰'۰۰'۰۰۰ | "   |

مریخ اور مشتری کے مابین ایک عظیم دائرہ موجود ہے۔ اس میں سر سے زیادہ چھوٹے چھوٹے سیارات، آفتاب کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اور اُس سے تقریباً دس کروڑ میل دور ہیں۔

✓ ہر بڑے ستارے کے ساتھ ایک یا کئی چاند ہیں۔ اور اس کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ زمین کے ساتھ ایک، مشتری کے ساتھ چار، زحل کے ساتھ دس، اورانوس کے ساتھ چار، اور نپٹون کے ساتھ ایک ہے۔

✓ آفتاب اپنے مرکز میں وہ کر تمام کواکب کو اپنی طرف جذب کرتا اور کھینچتا ہے۔ یہ تمام کواکب اور آفتاب مختلف قسم کی دھاتوں

چٹانوں، اور مشتعل کیسوں سے مرکب ہیں۔ یہ دھاتیں اسی قسم کی ہیں، جیسی زمین میں ہم دیکھتے ہیں۔ آفتاب ان تمام کواکب سے بہت بڑا ہے۔ زمین کا قطر اس کے مقابلہ میں صرف ۱۰۸/۱ ہے۔ زمین کا حجم آفتاب کے حجم کے سامنے صرف ۱/۱۲۸۰۰۰۰ ہے۔ مشتری سب سے بڑے ستاروں میں ہے۔ مگر اس کا قطر بھی آفتاب سے ۱۵/۱ کی نسبت رکھتا ہے۔ فلکیوں نے تمام کواکب اور آفتاب کے وزن کا بھی تخمینہ لگایا ہے۔ ان کے اندازہ میں آفتاب اپنے تمام کواکب کے مجموعی وزن سے بھی سات سو گنا زیادہ وزنی ہے۔ زمین تو اس کے مقابلہ میں بالکل ہی بے حقیقت ہے۔ وہ زمین سے ۳۲۴۰۰۰ گنا زیادہ وزنی ہے!

✓ آسمان پر آفتاب کے علاوہ اور نظام شمسی سے باہر، بعض اور کرے بھی موجود ہیں۔ ان میں سے بعض نظام شمسی سے بھی زیادہ بڑے ہیں۔ یہ ائیر (ائتھر) اور گیسوی مواد سے مرکب ہیں۔ اور خود اپنے گرد گردش کرتے رہتے ہیں۔

اس مشاہدہ کے بعد اگر ہم نظام شمسی کو دیکھیں، اس کے انداز پر غور کریں، اور اپنے مرکزی آفتاب، اور اس کے حلقہ کے کواکب کی گردش پر نظر ڈالیں، پھر اس کے بعد ائیر کے کورن پر غور کریں، تو باہمی مشابہت کی وجہ سے فوراً ذہن میں یہ خیال پیدا ہو جائیگا کہ شاید آفتاب کی تاریخ ائیر ہی سے وابستہ ہے۔

اس خیال کی تائید اس امر واقع سے بھی ہوتی ہے کہ اگر ہم کسی سیال مادہ میں گردشی حرکت پیدا کر دیں، تو فوراً دیکھیں گے کہ وہ کئی حلقوں میں منقسم ہو گیا ہے۔ سب حلقے مرکز کے گرد گھوم رہے ہیں اور خود ہر حلقہ اپنے اندر ایک گردشی حرکت رکھتا ہے۔ یہ حرکت بہت بڑی علمی اہمیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔

(زمین میں حرارت)

اگر ہم زمین کے اندر آئیں (جیسا کہ کانوں میں یا کنوئیں کھودنے وقت دیکھا گیا ہے) تو ہر ۳۳ میٹر گہرائی میں حرارت، سنٹی گریڈ کا ایک درجہ بڑھتی جالیگی۔ اس حساب سے ایک لاکھ کیلر میٹر نیچے، حرارت کا درجہ تقریباً تین ہزار ہوگا۔ معلوم ہے کہ اتنی حرارت جملہ معدنیات کے پگھلا ڈالنے اور اکثر معلومہ مرکبات کو گیس بنادینے کیلئے بالکل کافی ہے۔ پھر ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ زمین کا نصف قطر تقریباً چھ ہزار کیلومیٹر (۶۰۰۰ میٹر) ہے۔ بنا بریں زمین کے مرکزی حصہ کا حجم، جو مشتعل معدنی مواد سے مرکب ہے، اُسکی اس سطح یا چھلکے کے حجم سے بہت زیادہ ہے جس پر ہم آباد ہیں۔

زمین کا مرکزی حصہ سیال ہے یا ٹھوس؟ اس بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ بڑا گروہ اسے ٹھوس بتاتا ہے، کیونکہ زمین کی

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ زمین اپنے اولین زمانوں میں ہوسکتی ہے خالی تھی۔ یہ تسلیم کرنے کے معنی یہ ہونے کہ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ زمین پر زندگی ہمیشہ سے موجود نہیں تھی۔ بعد میں اسکا آغاز ہوا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زندگی یا اولین ذہنی روح کائنات کا آغاز کن مواد سے ہوا؟ کیا اُن جیسے ہوتے معدنی مواد سے جو شدید حرارت کی وجہ سے اولین سمندروں میں پانی کی طرح بہہ رہے تھے اور گرمی کے کم ہونے پر جم گئے؟ اگر یہ مان لیا جائے تو بحث ختم ہوجاتی ہے۔

(دو مذهب)

لیکن بعض موافق ایسے موجود ہیں کہ اس بات کا فوراً تسلیم کر لینا ممکن نہیں۔ اس کا فیصلہ اس مسئلہ کے فیصلہ پر موقوف ہے کہ غیر ذہنی روح اشیا سے ذہنی روح اشیا پیدا ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور اہل علم کا مذهب یہ ہے کہ نہیں ہوسکتیں یا کم از کم نہیں ہوتی ہیں۔ لیکن تولد ذاتی کے قائل اسے خلاف ہیں۔

مذہب جمہور کی بنیاد واضح ہے۔ وہ کہتے ہیں اس طرح کی کوئی تخلیق علمی طریقہ پر ثابت نہیں ہوئی ہے۔ ایک زمانہ میں عوام کا یہ خیال خواص میں بھی پھیلا ہوا تھا کہ بہت سے جانور مٹی، پانی، اور مختلف غیر ذہنی روح مواد سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً وہ سمجھتے تھے، حشرات الارض مٹی اور پانی سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مکھیاں اور مچھر گندگی اور کچھڑ سے پیدا ہو کر اڑنے لگتے ہیں۔ مینڈک کے بچے بارش کے ساتھ ہی زمین سے اُٹھنے لگتے ہیں۔ یا پنیر اور اسی طرح کی چیزوں میں خرد بغود کیرے رنگے لگتے ہیں۔ لیکن اب تحقیقات سے ثابت ہو گیا کہ یہ تمام جاندار غیر جاندار مادے سے پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ جاندار مخلوق ہی سے جان حاصل کرتے ہیں۔ ان سب کی پیدائش مختلف قسم کے کیڑوں اور مکھروں کے اندر سے ہوتی ہے جن میں سے بعض چشم غیر مسلح سے اور بعض خوردبینوں سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ پنیر کے کیڑوں پر ایک زمانہ میں بہت زور دیا جاتا تھا۔ مگر ثابت ہو گیا کہ وہ خاص قسم کی مکھی کے اندر سے پیدا ہوتے ہیں، اور اگر انکی حفاظت کی جائے تو وہ بڑے ہو کر مکھی کی شکل اختیار کرلیں گے۔ یہ بات سترھویں صدی کے وسط ہی میں پایہ تحقیق تک پہنچ گئی تھی کہ مٹی وغیرہ سے جانداروں کی پیدائش کا خیال غلط ہے۔

لیکن دوسرا مذهب اُن لوگوں کا ہے جو "تولد ذاتی" کے قائل ہیں۔ خوردبین کی ایجاد نے انہیں تقویت دی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ایک خاص طرح کے جاندار "مردہ پتلیوں کے رس جیسے سیال مادوں میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن میلن اڈورز اور شوان وغیرہ علماء علم الحیات نے اس سے انکار کیا۔ وہ کہتے ہیں اگر ہم ان سیال مادوں کو آگ پر رکھ کر کھولائیں اور اُن جراثیم سے آلودہ نہ ہونے دیں جو ہوا میں موجود ہیں، تو ان میں کبھی یہ جاندار پیدا نہ ہوئے۔ یہ بھی دراصل ہوا کے جراثیم کی پیدائش ہیں۔

مذہب "تولد ذاتی" کے ماننے والوں نے جراثیم (خوردبینی کیڑوں) کی نسبت بھی دعوای کیا تھا کہ یہ اُن قابل حیات اور معدنی مواد سے پیدا ہوتے ہیں جو سیال مادوں اور بیمار جسموں میں موجود ہیں۔ لیکن پاسٹیور نے اسکی تغلیط کی۔ اس نے ثابت کیا کہ اس میں بھی وہی غلطی ہے جو بڑے جانوروں کی پیدائش کے سطحی معائنہ میں ہوئی تھی۔ یہ جراثیم بھی ہوا کے جراثیم سے

منجمد سطح اور اُس کے ارد گرد کی فضا اپنا بوجھ اُس پر ڈالے ہوئے ہے۔ زمین پر اُس وقت جس طرح کے آتش فشاں پہاڑ نظر آتے ہیں ایسے ہی پہاڑ اُن قدیم زمانوں میں بھی موجود تھے جو زمین کی عمر کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اصطلاح طبقات الارض میں یہ دور "عہد ارضی" کہلاتا ہے۔

گرم جسموں کا وجود اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ زمین کا باطن ایک عظیم مشتعل کوہ ہے۔ چونکہ جزء ہمیشہ کل کے ماتحت ہوتا ہے اس لیے عملاً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ زمین کی یہ پتلی پیڑی یا چھلکا بھی ایک زمانہ میں اپنے کل کی طرح مشتعل ہوگا۔ زمین اپنی تاریخ کے کسی قدیم دور میں آتشی کرہ تھی۔

چاند کو بھی اگر دوربین سے ہم دیکھیں تو اُس میں آتش فشاںوں کے نمایاں نشان پائیں گے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ چاند پر بھی تقریباً ویسے ہی تاریخی انقلاب طاری ہو چکے ہیں جیسے زمین پر گزر چکے ہیں۔

(کائنات اور لاپلاس کا نظریہ)

اس طرح کے مشاہدات پر غور کرنے کے بعد جرمن فلاسفر کانت اور اس کے بعد فرینچ ریاضی دان لاپلاس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ شروع میں پورا نظام شمسی نہایت ہی گرم گیس کا کتلہ تھا۔ یہ کتلہ کسی نا معلوم محرک کے ذریعہ خورہ اپنے گرد گھومنے لگا۔ اس حرکت کے حلقے پیدا کیے۔ پھر ان کے مرکز میں کثافت و انجماد پیدا ہو گیا اور اس کیفیت کے بعد یہی مرکز آفتاب بن گیا۔ پھر گردشی حرکت کی وجہ سے اُن حلقوں کے اندر بھی حلقے پیدا ہوتے گئے۔ ان ثانوی حلقوں میں سے ہر حلقے کے مرکز میں کثافت و انجماد کی کیفیت پیدا ہوئی اور ایک نیا کوکب ناری بن گیا۔ پھر اس مرکز سے محیط حلقوں میں بھی کثافت و انجماد کا عمل شروع ہوا اور بتدریج ایک یا کئی چاند پیدا ہو گئے۔ مگر یہ بھی اُس وقت آتشیں تھے۔ بتدریج ٹھنڈے ہو کر موجودہ شکل میں آئے ہیں۔ بعض کوکب کے گرد اب تک اُس تاریخی عہد کے حلقے موجود ہیں۔ چنانچہ دوربین میں زحل کے گرد علاوہ اُس کے دس چاندوں کے، تین تہیں رکھنے والا کیسلی حلقہ بھی دکھائی دیتا ہے۔

خاص زمین کے متعلق مذکورہ بالا علماء کا نظریہ یہ ہے کہ وہ بتدریج ٹھنڈی ہونا شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ اُس کی سطح جم گئی۔ جب زمین کی حرارت ۳۵۰ درجہ پر پہنچی تو اُس پر پارے کی موسلا دھار بارش ہوئی۔ جب حرارت اُس کم ہوئی اور ۱۰۰ درجہ ہو آئی، تو کھولنے ہوئے پانی کی بارش شروع ہوگئی۔ مگر چونکہ زمین اور اُس کی فضا کی حرارت هنوز بہت زیادہ تھی، اس لیے پانی جمع نہ ہو سکا اور بھاپ بن کر اڑ گیا۔ پھر جب حرارت ۱۰۰ درجہ سے بھی کم ہوگئی، تو اُس وقت بارش کا پانی جمع ہوا اور سمندروں کی تہیں ہوئی۔ اُس زمانہ کے سمندروں کا رقبہ موجودہ سمندروں سے بہت زیادہ تھا۔ کیونکہ اُس وقت زمین کا داخلی حصہ بہ سبب شدت حرارت کے پانی سے خالی تھا۔ اور اُسکی موجودہ سطحوں پر وجود میں نہیں آئی تھیں جنہوں نے بعد میں پہاڑ اور سمندر کی گہرائیاں بنائیں۔ سمندر کے متعلق یہ خیال محض نظریہ نہیں ہے بلکہ علماء طبقات الارض کا مشاہدہ ہے۔

(کائنات حیات)

اب زندہ کائنات کی بحث سامنے آتی ہے۔ ظاہر ہے بہت شدید حرارت میں زندگی موجود نہیں ہوسکتی۔ اس لیے لازمی طور پر

بنائیں فضا ان جراثیم سے لبریز ہے۔ یہ جراثیم پانی اور ہوا سے محروم ہونے پر بھی زندہ رہتے ہیں۔ نیز بالائی فضا کی سخت سردی بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ علماء کا خیال ہے کہ وہاں ہر دت صفر سے ۲۲۰- درجہ نیچے ہے۔ یہ جراثیم ہر لمحہ بہت بڑی مقدار میں آسمانی اجزاء کے ساتھ ایک ستارہ سے دوسرے ستارے میں گرتے رہتے ہیں۔ آفتاب کی قوت دفعہ اس نقل و حرکت میں انہیں مدد دیتی ہے۔“

لیکن تولد ذاتی کا مذہب بھی اس وقت تک سپر انداز نہیں ہوا ہے۔ ارنسٹ ہیگل کے بعد بغلوگر نے اس کی از سر نو مدائیں بلند کیں۔ اس کا نظریہ بھی ہیگل کے نظریہ سے مشابہ ہے۔ وہ کہتا ہے ”قابل حیات مادہ زالیہ (Albumen) بلا کسی واسطے کے اس وقت خود بخود موجود ہو گیا تھا جب زمین کے پانی میں زندگی قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس مادہ کی تکرین، سیانوجن (نٹروجن اور کاربن کا مرکب) آکسیجن، اور دوسرے پگھلے ہوئے معدنی مواد کے اتحاد کا نتیجہ تھی۔ جون ہی ان اشیاء کا باہم اجتماع ہوا، قابل حیات مادہ زالیہ وجود میں آ گیا۔ پھر تدریجی ترقی کے بعد ادنی جانداروں کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ یہی ابتدائی جاندار، جملہ حیوانات و نباتات ہی اصل ہیں۔ اس عالم کا خیال ہے کہ شروع میں صرف ایک جاندار نے ظہور کیا تھا۔ پھر اس سے دو جاندار پیدا ہو گئے۔ یہی دونوں جملہ نباتی و جانوریات کے مورث اعلیٰ ہیں۔ ایک سے نبات کا سلسلہ شریع ہوا۔ دوسرے سے حیوان کا۔“

سنہ ۱۸۸۰ء میں ایک عالم پریبر نے تمام علماء سے مختلف مذہب اختیار کیا۔ وہ کہتا ہے ”عالم کون میں زندگی ازلی و قدیم ہے۔ زمین پر زندگی اس وقت بھی موجود تھی جب وہ ایک آتشی کرہ تھی“ وہ یہ بھی تسلیم نہیں کرتا کہ جمادات سے زندگی کا آغاز ہوا۔ اسکا دعویٰ ہے کہ خود جمادات کسی ازلی زندگی سے پیدا ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ قول شاذ اور کمزور ہے۔ مشاہدے کے بھی خلاف ہے۔ ہر کس و ناس جانتا ہے کہ زندہ کائنات ایک خاص درجہ تک ہی حرارت برداشت کر سکتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ حرارت برداشت کرنے والے جراثیم کے تخم بھی سنٹی گریڈ کے ۱۲۰- درجہ میں ۲۰- مدت سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ ایسی حالت میں زندگی کا اس وقت موجود ہونا جب یہ کرہ ایک آتشی کرہ تھا، کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

(وما اوتیت من العلم الا قلیلا)

غرضکہ زندگی کی گتھی باوجود علم کی اس تمام جد و جہد کے، اب تک سلجھ نہیں سکی ہے۔ یہ ایک معما ہے جس کا حل عقل انسانی کی دسترس سے باہر تھا اور اب تک باہر ہے۔ جس قدر بھی نظریے قائم کیے گئے ہیں، اول تو وہ نظریہ سے زیادہ نہیں، پھر ان میں بھی اس قدر فکر و اضطراب اور رائے کا اختلاف ہے کہ ظلمات بعضا فرق بعض کے مصداق ہیں۔ اب سے تیرہ سو برس پہلے اس بارے میں ادعاء علم نے نہیں بلکہ زلیں زحیٰ نے ایک اعلان کیا تھا یسفلرک عن الروح قل الروح من امر ربی دنیا آج بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی۔ اور اس لیے وما اوتیت من العلم الا قلیلا کا حکم بدستور عقل انسانی پر حکمران ہے!

خیال ہونے لگتا ہے اور ایک جگہ سے دوسرے وجود کی جان متولد ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کے تجویز کر کے دکھا دیا کہ انجیکشن کا قرام، گوشت کا سب، اور اگر عیسیٰ تو کاپیاں جو انکی مزعومہ پیدائش کا سب سے بہتر اور اصلاح معلل ہیں، جب ہوا سے بالکل محفوظ کر دی جاتی ہیں یا بہت اچھی طرح آبالدی جاتی ہیں، تو ان میں جراثیم کی پیدائش بالکل نہیں ہوتی۔ موجودہ علماء مادیوں کا خیال ہے کہ پاسٹیزر نے اپنے تجارب سے مذہب تولد ذاتی کی دلیلیں کمزور کر دی ہیں۔

عہد آخر کے حکما میں ارنسٹ ہیگل، مذہب تولد ذاتی کا سب سے بڑا عالم ہے۔ وہ کہتا ہے ”اگر فی الحال تولد ذاتی کا وقوع ناممکن نظر آتا ہے، تو اس سے بظان لازم نہیں آجاتا۔ کیونکہ جس زمانہ میں یہ واقع ہوا تھا، اس وقت سمندروں کا پانی ایک خاص طبعی حالت اور کیمیائی خاصیت رکھتا تھا۔ حرارت کا درجہ، نمک کی نوعیت، اور پگھلے ہوئے کیسوں کی کیفیت کچھ اور ہی طرح کی تھی۔ ایک متعدد زمانہ تک یہی حالت رہی۔ پھر اس کے بعد کبھی پیدش نہیں آئی۔ لہذا تولد ذاتی کے اس وقت محال نظر آنے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ اس عہد میں بھی محال تھا۔ اب زمین کی وہ حالت باقی نہیں رہی ہے جو اس وقت تھی جب تولد ذاتی شریع ہوا تھا۔“

لیکن اس مذہب کے مخالف کہتے ہیں، مشاہدہ اس خیال کی تصدیق نہیں کرتا۔ علماء علم الحیات نے سخت کوششیں کیں۔ طرح طرح کے تجربے کیے، قسم قسم کے ماحول طیار کیے، مختلف مواد میں کمی بیشی کی، حرارت اور تمام معلوم شعاعوں کی روشنی مہیا کی، لیکن پھر بھی زندگی بے جان مواد سے پیدا نہ ہو سکی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زندگی کے آغاز کے وقت سمندروں کی حالت کیسی ہی خاص اور زندگی پیدا کرنے کے لیے صالح کیوں نہ ہو، لیکن اس حالت سے بہتر نہیں ہو سکتی جو مختلف سوائل جمع کر کے علماء حیات نے اب مہیا کر دی ہے۔ تاہم کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

(مختلف نظریے)

پھر آخر زمین پر زندگی کا آغاز کیوں کر ہوا؟ اور کی بحث سے یہ گتھی ذرا بھی نہ سلجھی۔

ایک بہت بڑا ماہر علم الحیات کہتا ہے ”زمین پر زندگی نہنے کیوں اور سوکے جراثیم کی شکل میں آئی، مگر یہ ان چھوٹے بڑے معدنی ٹکڑوں کے ذریعہ پہنچی تھی جو دوسرے ستاروں سے ٹوٹ کر ہماری زمین پر گرے تھے۔ اس وقت وہ اس زندگی کے لیے مناسب ماحول رکھتی تھی“ اس عالم کا خیال ہے کہ کواکب میں زندگی ازل سے موجود ہے۔ انہی کواکب کے اجزاء ٹوٹ کر دوسرے کواکب میں زندگی کے جراثیم پہنچاتے رہے ہیں۔

مشہور عالم علم الحیات ہل مہنر اور ٹامسن کی بھی یہی رائے ہے۔ پروفیسر ارمیس نے یہ نظریہ اور زیادہ وضاحت و اضافہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ”زندگی بھی اسی طرح ازلی ہے جس طرح خود مادہ ازلی ہے۔ زندگی کے تخم یا جراثیم کواکب سے ہمیشہ جدا ہوتے رہتے ہیں۔ آفتاب کے نور میں یہ خاصیت موجود ہے کہ وہ ان حقیر جراثیم کو پھیلاتا اور فضا میں بہاتا ہے۔ آفتاب کے نور کی یہ خاصیت مسکریل کے تجربوں سے یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے۔“







## علم الاثار

( Archaeology )

اسی طرح یونان میں ایک شخص کو اتفاق سے توتے ہوئے ظرف کا ایک ٹکڑہ ملا۔ اس پر یہ پہیلی کندہ تھی ”دیوجانس فلسفی سے پوچھا گیا: وہ کون حبشی ہے جو سفید رنگی کھاتا ہے؟ حکیم نے جواب دیا: وہ رات ہے جو دن کو نکل لیتی ہے“

آثار قدیمہ کے انکشاف میں افواہوں اور افسانوں سے بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ چنانچہ شہر تدمر کا پتہ اسی طرح چلا کہ ان اطراف کے بدوؤں میں ایک ٹیلہ کے متعلق مشہور تھا کہ اس کے نیچے شہر تدمر مدفون ہے۔



ایک دوسری نقش مکمل حالت میں

اسی طرح شہر تدمر کا پتہ اس طرح چلا کہ ایک جرمن لڑکا ہومر کی الڈ پڑھ رہا تھا۔ پڑھتے پڑھتے اُسے شوق ہوا کہ اس عجیب مقام کی سیر کرے جسکی توصیف میں ہومر نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے ہیں۔ لڑکے پر بڑی بڑی مصیبتیں پڑیں مگر یہ شوق اُسکے دل سے نہ گیا۔ علماء تاریخ کہتے تھے کہ تدمر کا کوئی وجود نہیں ہے، محض ہومر کا تخیل ہے۔ لیکن نوجوان نے انکی بات نہ سنی اور ۳۵ سال کی عمر میں اُس مقام پر جا پہنچا جہاں تدمر کی موجودگی بتائی گئی تھی۔ چند سال زمین کھودتا رہا۔ یہاں تک کہ تدمر کے نشان مل گئے!

جدید علم الاثار کی بنا غالباً سب سے پہلے شہر یونان نے ڈالی۔ اسنے علاقہ ”رشید“ (مصر) میں ایک سنگی لات دیکھی۔ اس لات پر ایک ہی تحریر تین قسم کے رسم الخط میں لکھی تھی: ہیرر گلیفی (قدیم مصری کائنات کا خط)، دیموٹیکی (قدیم مصری عوام کا خط)، خط قبطی (یہ خط دراصل یونانی ہے۔ مصر کے فرمانروا خاندان بطلموس نے اسے جاری کیا تھا) درحقیقت یہی تحریر بعد میں علم الاثار کی بنیاد بن گئی۔ اُس سے ہیرر گلیفی اور دیموٹیکی دونوں رسم الخط معلوم ہو گئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ قدیم مصری زبان بھی اسکے ذریعہ مدون کر لی گئی۔

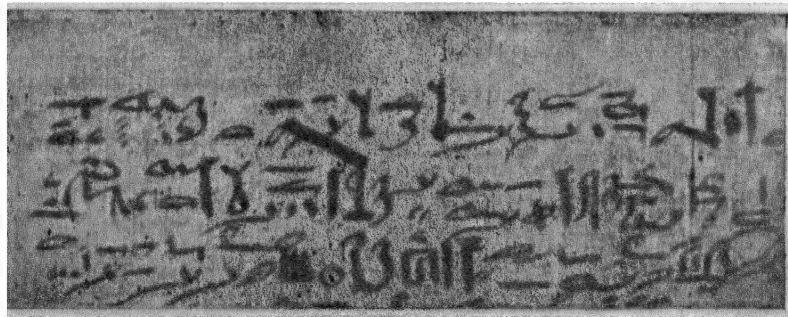
آثار قدیمہ کے انکشاف میں اتفاقات زمانہ کو بہت دخل ہوتا ہے، اگرچہ صحیح قیاس و اندازہ سے بھی بڑی مدد ملتی ہے۔



مصر کی ایک سب سے زیادہ محفوظ مومی

چنانچہ یورپ کا ایک قدیم ترین اثر اس طرح دریافت ہوا کہ اسپین میں بعض آدمیوں نے محض اتفاق سے ایک غار میں جہانکا تر اُسکی دیواروں پر انہیں تصویریں نظر آئیں۔ یہ تصویریں ان حیوانات کی ہیں جو اب روتے زمین پر موجود نہیں ہیں۔ لیکن قدیم ترین زمانوں میں موجود تھے۔ درحقیقت ان انسانوں نے یہ تصویریں بنائی تھیں۔ ان سے ایک طرف یہ معلوم ہو گیا کہ اس قسم کے حیوان ایک وقت میں موجود تھے، دوسری طرف یہ پتہ چل گیا کہ انسان کی فنی ترقی کے ابتدائی نمونے کیسے تھے؟

اسی طرح یونان کے ایک علاقہ میں ایک مرتبہ ریل گاڑی ٹوٹ گئی۔ بعض مسافر ٹہلتے ہوئے اتفاق سے ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ وہاں انہیں ایک قدیم آبادی کے نشان ملے۔ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ یہ آبادی سن عیسوی سے ایک ہزار برس پہلے یہاں قائم تھی۔



دیا گیا سب سے پرانی کتاب: طب: مسند ادریس اسمتھ نے اس منقش پتھر پر طبی مسائل پڑھے جو مصر سے برآمد ہوا تھا۔ اس پر ہیرٹیک حروف کندہ ہیں جو ہیرر گلیفی خط کی ایک شاخ ہے۔

سب سے بڑا قدیم اثر جو اس وقت تک دریافت ہوا ہے، وہ مشہور اٹالین شہر ”پامپی“ ہے۔ پہلی صدی عیسوی میں آتش فشاں پہاڑ نے اسے اپنی راکھ سے توپ دیا تھا۔ اب یہ کھود کر نکال لیا گیا ہے۔ اسکی سڑکوں پر اب تک گاڑی کے پہیوں کے نشان موجود ہیں۔ دیواروں پر سرکاری اعلان چسپاں ہیں۔ دکانیں بدستور موجود ہیں۔ ایک شراب خانہ میں مرمری میز اپنی اصلی حالت پر رکھا ہوا ہے۔ اسکے کنارے کثرت استعمال سے گہرے ہوئے ہیں۔ گھروں میں پانی کے نل لگے ہوئے ہیں۔ کمروں میں تصویریں آویزاں ہیں۔ محلوں میں بدستور باغیچے اور چمن ہیں۔

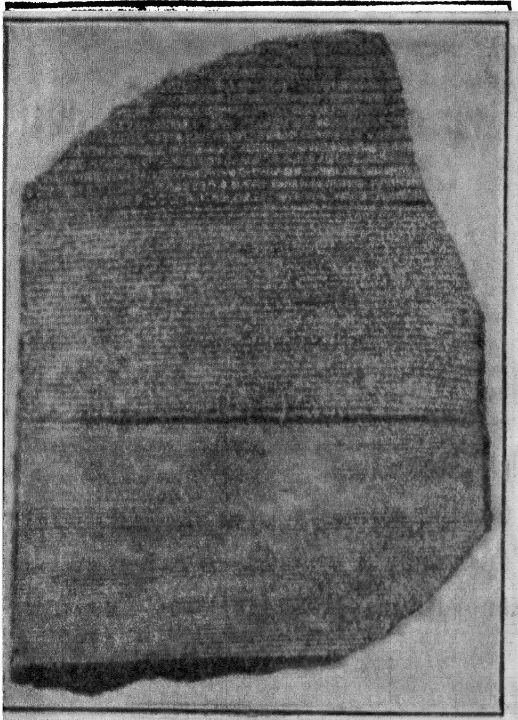
اگرچہ سب تقریباً پتھرا گئے ہیں۔

اسی طرح تیونس کے سمندر میں ایک کشتی ملی ہے۔ یہ در ہزار برس پہلے غرق ہوئی تھی۔ اس میں سنگ مرمر کے ۶۵ ستون رکھے گئے تھے۔

مغربی چین میں ایک مدفون کتب خانہ دستیاب



رشید (مصر) کا مشہور پتھر جس سے شہر کا نقشہ لکھا گیا  
خطوط کا راز حل کیا -



(۱) امریکہ کا عجائب خانہ تاریخ طبیعی - ایسی جماعتیں  
مکسیکو اور منگولیا میں لم کر رہی ہیں - انکا موضوع بحث علم  
الحیوان، طبقات الارض اور تنقیب ہے -

(۲) امرین منرپولیت عجائب خانہ فنون - ایسی جانب سے  
قدیم مصری تمدن کی تحقیقات ہو رہی ہے -

(۳) پنسلوانیا کی یونیورسٹی - بابل، فلسطین اور مصر میں  
تحقیقات کر رہی ہے -

(۴) ہارورڈ یونیورسٹی اور عجائب خانہ فنون جمیلہ کی  
جماعتیں مصر میں اینتھروپیا کی شہنشاہی کے عہد کی تحقیقات  
میں مصروف ہیں -

(۵) ہارورڈ یونیورسٹی، ہونڈراس میں تحقیقات کر رہی ہے -

(۶) کارنیگی انسٹیٹیوٹ، یوٹا (امریکا) میں تحقیقات کر رہا ہے -

(۷) امریکن سوسائٹی ایشیا نے کوچک میں -

(۸) امریکن انڈین میوزیم، میکسیکو اور کوہ اوزارک میں -

اس کا موضوع بحث امریکا کے سرخ فام انسانوں کی اصلیت معلوم  
کرنا ہے -

(۹) برٹش فرینج  
امریکن کمیٹی - بیت المقدس  
میں -

(۱۰) کارنافون (کانت  
کمیٹی) مصر میں -

(۱۱) ڈی (برطانیہ)  
کی کمیٹی - بابل اور اور میں -

(۱۲) محکمہ آثار قدیمہ  
اور کونٹ پرورک - ٹیونس  
میں قوطاجہ کی تحقیقات  
کر رہے ہیں -

(۱۳) سر جوزف ڈولین -  
فلسطینیہ میں عہد یبزنطینی  
کی تحقیقات کر رہے ہیں -

دارا شاہ ایران کے نقوش خط میخی میں جن سے اولسن نے  
خط میخی کے پڑھنے کی کنجی معلوم کی -



ہوا ہے - 'نہ' کہا جاتا ہے - دسویں صدی میں یہ دفن ہو گیا  
تھا - اسمیں ہندی 'چینی' اور ترکی زبانوں کی ۵۰۰ فٹ مکعب  
تھریوں موجود ہیں -

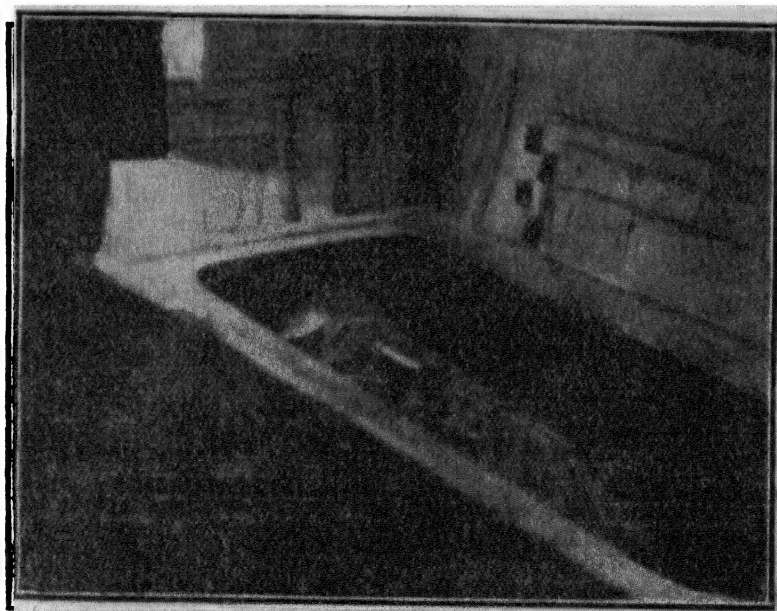
شمالی ایشیا اور جنوب روس میں ایک اسکیتھی بادشاہ کی  
قبر ملی ہے - یہ قبر دریائے ڈینیپر کے کنارے علاقہ ملیٹوپول کے  
قریب واقع ہے - اس کی تاریخ چوتھی صدی قبل مسیح تک  
پہنچتی ہے - بادشاہ کے ساتھ اس کی تلواریں، کمانیں، ذرع،  
خود، قسم قسم کے زیور، طلائی کنگھا، اور دوسری بہت سی چیزیں  
دفن تھیں - انہا ہی نہیں بلکہ اس سامان کے پہلو میں بادشاہ کا  
سائیس، خادم خاص، شمشیر بردار، اور پانچ گھوڑے بھی مدفون  
ملے ہیں -

آثار قدیمہ کے اکتشاف کا میدان ابھی بہت وسیع ہے - کیونکہ ابھی  
مصر میں بکثرت ایسے قبرستان موجود ہیں جنہیں ہاتھ بھی نہیں  
لگایا گیا ہے - عرب، چین، اور وسط ایشیا میں تو اب تک کچھ  
کام ہوا ہی نہیں ہے - یمن میں بے شمار آثار، بتوں کی شکل  
میں نمایاں ہیں - اس وقت تک ان کی تحقیق نہیں ہوئی

ہے - زمین کے اندر جو  
کچھ دفن ہے، وہ اس کے  
علاوہ ہے -

امید کی جاتی ہے کہ  
جس وقت آثار قدیمہ کا علم  
ترقی کر جائیگا تو انسان کی  
تاریخی ترقی کی پوری  
تاریخ معلوم ہو جائیگی -

ذیل کی فہرست سے  
معلوم ہوگا کہ اس وقت  
کن کن ملکوں میں آثار  
قدیمہ کی تحقیقات ہو رہی  
ہے اور کون کون جماعتیں یہ  
کام کر رہی ہیں :



توت آنچ آمرون کا تابوت اور اس کی نعش کا نظارہ

## مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

لیکن مجھے خاموش ہی رہنا چاہئے۔ مجھے جرم کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہئے۔۔۔ کاش میں خفیہ طور پر ہی اپنی ناقابل برداشت مصائب کہہ سکتا! کاش میں اپنی دل کی گہرائی ہی میں اپنے وطن کی شکایت کا خیال کر سکتا!۔۔۔۔۔“

”یہ سب کچھ کیوں ہے؟ میں اسکا حقیقی سبب نہیں پہچانتا۔ میں صرف اسکا قریبی موجب معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے پرالحد کی تہمت لگانے کی جرات کی گئی ہے۔ مگر تہمت لگانے والے بالکل بھول گئے کہ جس کتاب پر انہیں اعتراض ہے، وہ سب کے ہاتھوں میں موجود اور سب کی آنکھوں کے سامنے کھلی ہوئی ہے۔ مجھے پر تہمت لگانے والے افسوس سے ہاتھ ملتے ہیں: ”کاش یہ کتاب کسی طرح مفقود ہو جائے تا کہ ہم پیت بھرے تہمتیں تراش کر سکیں!“ لیکن انکی یہ امید کبھی پوری نہیں ہوگی۔ کتاب انکی حسرت کے لیے ہمیشہ باقی رہے گی، اور آئندہ آنے والی نسلیں فیصلہ کرینگی۔ وہ اعلان کرینگی کہ یہ تمام کذاب، اس کے مؤلف کی بد عملیاں نہیں ہیں، لیکن فضیلت کے ایک دوست کی ٹھوکریں ہیں!“

(ایک ملحد کا ذکر)

”میں معاصرین پر اظہار رائے نہیں کرونگا۔ میں کسی کو بھی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔ لیکن کیا تم نے سینوزا کا نام نہیں سنا؟ اس کے الحاد میں کسے شک ہو سکتا ہے؟ وہ خود الحاد کا مدعی تھا۔ علانیہ الحاد کی تعلیم دیتا تھا۔ مگر نہ کوئی اس کے اطمینان میں خلل ڈالتا تھا۔ نہ اسکی کتابیں چھیننے سے رکھی جاتی تھیں۔ اور نہ ہی تاحیروں کو انکی اشاعت کی ممانعت کی گئی۔ وہ فرانس آیا تو اس کے لیے ایک پر جلال استقبال طیار تھا۔ تمام ملکوں کے دروازے اس پر کھلے تھے۔ وہ ہر جگہ امن کی بلکہ حکومتوں کی حمایت پاتا تھا۔ پادشاہ انکا خیر مقدم کرتے تھے، اور وعظ و درس کے ممبر اس کے لیے نصب کراتے تھے۔ یہ ملحد زندگی بھر مسرت و آرام بلکہ عزت و احترام پاتا رہا۔“

(عہد حکمت و انسانیت !)

”لیکن آج، جبکہ بینانگ دھل دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ فلسفہ و حکمت اور انسانیت کا زمانہ ہے، دنیا کا حال کیا ہے؟ یہ ہے کہ ایک شخص انسانی معیشت کے جذبہ سے مجبور ہوکر آتا ہے، اور پوری احتیاط و احترام سے اپنے بعض خیالات پیش کرتا ہے۔ کیسے خیالات؟ وہ خیالات جو اس موجود اعظم کی عظمت کے اس کے دماغ پر نازل کیے ہیں۔ لیکن دین الہی و حقیقت کے اس حامی و ناصر کی زندگی تلخ کر دی جاتی ہے۔ پورے بھر میں اسے کہیں پناہ نہیں ملتی۔ اسے خدا کا پیدا کیا ہوا پانی پینے سے اور اس کے اگلے ہوئے درختوں کی لکڑی جلانے سے بھی رزک دیا جاتا ہے۔ وہ ذلیل و خوار پھرتا ہے۔ جس گوشہ میں جا کر پناہ ڈھونڈھتا ہے، وہیں سے نکال دیا جاتا ہے۔ نہ اسکی غربت پر کسی کو ترس آتا ہے۔ نہ اسکی بیماریوں پر کسی کا دل کھٹکتا ہے۔ شہر سے شہر مجرموں اور خونریزی سے خونی ڈاکوؤں کا بھی اس پر دھڑکیا۔ کبھی تعاقب نہیں کیا گیا ہوا، جیسا اس بیکس و بیکس کا کیا گیا ہے۔ اگر وہ ایک لمحہ کیلیے بھی کسی حکومت کے سامنے ہر سہ کر لیتا، تو آج یقیناً تاریک قید خانے میں پڑا سوتا ہوا، تاریخی کے تختے پر اسکی لاش سرکہ رہی ہوتی!“

## انقلاب فوانس کے ارکان ثلاثہ

جان جاک روسو

اسقف کا جواب

(۲)

پچھلے نمبر میں قارئین الہلال پیرس کے اسقف اعظم کے اعتراضات روسو پر سن چکے ہیں۔ آج روسو کا جواب پیش کیا جاتا ہے۔ یہ جواب پورے دو سو صفحے کی باریک حروف کی کتاب میں پھیلا ہوا ہے۔ اس لیے اختصار کے سوا چارہ نہ تھا۔ تاہم اہم اور مفید پہلو ایک حد تک واضح کر دیے گئے ہیں۔

(معذرت)

روسو نے اپنا جواب معذرت سے شروع کیا ہے:

”اگر آپ صرف میری کتاب ہی پر اعتراض کرتے تو میں ہرگز آپ سے کوئی تعرض نہ کرتا۔ آپکو چھوڑ دینا کہ جتنی چاہیں نکتہ چینی کرتے رہیں۔ لیکن آپنے صرف کتاب ہی پر نہیں بلکہ میری ذات پر بھی بحث کی ہے۔ آپ کو دنیا میں جتنی عزت اور قوت حاصل ہے، اسی مناسبت سے آپ میں یہ بات بھی ہونی چاہی کہ ان تہمتوں سے بلند تر ہوتے جن سے آپ نے مجھے آلودہ کرنا چاہا ہے“

(داستان مظلومی)

اس کے بعد روسو نہایت بلاغت و مہارت سے اپنے قارئین کی ہمدردی حاصل کر رہی چاہتا ہے۔ وہ اپنی مسکینی و مظلومی ظاہر کرتا ہے، تمام یورپ کا اسے خلاف متحد ہو جانا اور عرصہ زمین تنگ کر دینا یاد دلاتا ہے، پھر لکھتا ہے:

”جنیوا کے غلام، روسو کے ہاتھ میں کوئی قوت نہیں کہ ان ظالم اور سرکش جبروں سے جواب طلب کر سکے، جن کے سامنے اس پر تہمت لگائی گئی، اور جنہوں نے اسے طلب کیے بغیر اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اسے قید کرنے کے بھی درپے ہو گئے ہیں۔ یہ ”غلام“ اگر عدالت میں طلب کیا جاتا، تو اپنی برأت ظاہر کرنے ضرور حاضر ہوتا، مگر چونکہ اسے بلایا نہیں گیا، اس لیے اسے از خود حاضر ہونے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ چنانچہ وہ حاضر نہیں ہوا۔ اس پر اس کے خلاف جنگی قوت جمع کی گئی۔ اس نے قوت کے مقابلہ سے گریز کیا، اور اس سر زمین سے بھاگ نکلا جہاں کمزوروں پر ظلم کیا جاتا ہے، بغیر جرم کے سزا دیدی جاتی ہے، اور بغیر جواب سننے بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں“

”اس نے مجبوراً اپنا محبوب خلوت خانہ چھوڑا۔ ان دوستوں کی جدائی سہی جس سے بڑھ کر اس کے لیے کوئی عیش نہ تھا۔ اپنا ناتواں جسم لیکر ہزاروں بلادوں کے ساتھ سر زمین حریت میں پہنچا۔ آہ میرا وطن چنیوا! میں نے تیری آزادی کے کیسے کیسے گیت گائے؟ تجھے حسن و جمال کی ایسی کیسی تصویریں بنائیں؟ دنیا میں تیرا کس کس درجہ روشن کیا؟ آہ، میں کیا کہوں؟ میرا دل سینے میں بیٹھا جاتا ہے، میرا ہاتھ کانپ رہا ہے، میرا قلم گرا پڑتا ہے۔۔۔“

## (پادریوں کا چنگل)

”مرمرے کے اپنے جلدوں کے پنجہ سے رہائی حاصل کی تھی۔ مگر رائے بد نصیبی، فرور قسیسوں کے چنگل نے اسے آدبہا ! میں یہ اس لیے نہیں کہتا کہ میں اس پر کوئی تعجب ہے۔ لیکن بلا شبہ یہ عجیب ہے کہ ایسا شریف و نجیب انسان اور پیرس کا اسقف اعظم، جو صرف شریف النسب ہی نہیں بلکہ شریف النفس بھی ہے، کیونکر اپنی جماعت کی بزدلی میں شریک ہو گیا؟ حالانکہ اسے ایسی دناؤت سے بلند ہونا چاہیے تھا۔ ایک مذہبی پیشوا ہونے کی حیثیت سے اسکا فرض تھا کہ مظلوم پر ترس کھائے، نہ یہ کہ الٹا مظلوم کے کچلنے پر کمر بستہ ہو جائے۔ وہ مظلوم، جو چلے ہی سے زمانہ کے ہاتھوں کچلا جا چکا ہے۔“

”اس اسقف اعظم کے تمام حاشیہ بردار اس ناکردہ گناہ کے متبادل پر تل گئے ہیں۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ ہم آسے ضرور بالضرور مٹا دینگے۔ حقیر سے حقیر واعظ اور ادنیٰ سے ادنیٰ مجاور بھی کوشش کر رہا ہے کہ اس خود ساختہ دشمن کے گلا گھونٹنے کا فخر صرف اسی کو حاصل ہو۔ اور اس کے سر پر فیصلہ کن ضرب اسی کے پاؤں کی تھوکر سے لگے ! (اسقف نے کیوں فتویٰ شائع کیا؟)

”اے میرے سردار ! کون شک کر سکتا ہے کہ اگر پیرس کی مجلس حکومت نے میرے خلاف حکم صادر نہ کیا ہوتا، تو آپکو میری کتاب سے بغض کم ہوتا؟ بلاشبہ بعض لوگ یہی خیال ظاہر کرتے ہیں۔ مگر آپ کا حق پسند دل اسے ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔ اے میرے آقا! مجھے بتائیے آپ نے اپنے پلے میرا رد کرنے کی زحمت کیوں گوارا نہیں کی؟ میں نے آپ کے منصب کے خلاف رسالہ شائع کیا، میں نے دی لامبرت کے نام خطوط چھاپے، کئی کتابیں لکھیں، مگر آپ کے قلم کو کبھی جنبش نہ ہوئی ! حالانکہ میری ان کتابوں میں بالکل ویسے ہی خیالات موجود تھے جیسے کتاب التریبیت میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ کیا آپ میری یہ کتابیں نہیں پڑھی تھیں؟ حالانکہ اگر نہ پڑھی ہوتیں تو آپ اس رد میں ان پر بحث نہ کر سکتے۔ کیا آپ کی یہ خاموشی آپ کے دینی فرائض کے خلاف نہ تھی؟ حالانکہ بقول آپ کے ان کتابوں میں بھی الحاد کی دعوت دی گئی ہے۔ کیا یہ حقیر مؤلف اس وقت کم خطا کار تھا، اور اب زیادہ ہو گیا ہے؟ حالانکہ آپ اسے پیدائشی خطا کار قرار دیتے ہیں۔ آخر کیا بات تھی جو اتنی مدت تک زبان مبارک نہ ہلی؟ یہ وجہ تو نہ تھی کہ اس وقت آپ کے دشمن کم تھے، اور میں بھی خائوں سے گھرا ہوا نہ تھا؟ اس وقت عوام میں میری کتابیں مقبول ہو چکی تھیں اور آپ عوام کے غصے سے ڈرتے تھے؟ لیکن اب جبکہ حالات میں تبدیلی پیدا ہوئی، میرے دشمنوں نے ایک کر کے مجھے پرورش کر دی، مجھے ملحد اور باغی مشہور کیا، حکومت نے بھی ہتیار سنبھال لیے، اور آپ کے دشمنوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ پیشوائے اعظم ہو کر آپ اس ملحد کے خلاف کچھ نہیں کہتے، گویا اپنی خاموشی سے اس کی حمایت کر رہے ہیں، تو آپ اپنے منصب کی حفاظت کے خیال سے آئیں، اور اپنے دشمنوں کا منہ بند کرنے کیلئے میرے خلاف فتویٰ شائع کر دیا۔ اے میرے آقا ! کیا اسی سبب نے آپکو میرے خلاف برا نکیتہ کیا؟ اگر ایسا ہی ہے تو بلاشبہ میرے دماغ کو شدت تحیر سے سکتہ ہو جانا چاہیے !“

اس تمہید کے بعد رسر، اسقف کے بیان کا رد شروع کرتا ہے۔

## (صفات الہی)

اسقف نے لکھا تھا :

”رسر کہتا ہے۔ میں خدا کی حقیقت سے بے خبر ہوں۔ لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقی علم، قدرت، ارادہ، اور حکمت رکھتا ہے !“

رسر جواب دیتا ہے : ”خدا کی صفت، علم ہے۔ لیکن اسکا علم کیا ہے؟ انسان کا علم تو اُسکی قوت تفکر میں ہے، لیکن علم اقدس کسی تفکر و تأمل کا محتاج نہیں۔ اُسکی تفکر کے لیے نہ تو مقدمات ہیں، نہ نتائج ہیں، نہ فرض و قیاسات ہیں۔ اسکا علم ازلی ہے۔ جو تھا، جو ہے، جو ہوگا، سب اس پر آشکارا ہے۔ تمام حقائق اُسکے سامنے ذرہ رنگ سے بھی چھوٹے ہیں۔ تمام دنیا اُسکی نظر میں قطرہ آب سے بھی محدود ہے، تمام اگلے پچھلے زمانے اُسکے نزدیک لمح بصر سے بھی مختصر ہیں۔“

”باقی رہی قدرت الہی، تو قدرت الہی کا یہ حال ہے کہ انسان کو اپنی قوت عمل کے لیے وسائل عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن خدا کو کسی وسیلے کی ضرورت نہیں۔ قوت الہی خود اپنی قوت سے عمل کرتی ہے۔ خدا قادر ہے، کیونکہ وہ ارادہ رکھتا ہے۔ اور اسکا ارادہ ہی اُسکی قدرت ہے !“

”خدا، لاریب خیر ہے۔ انسان کا خیر یہ ہے کہ کہ اپنے بنی نوع سے محبت کرے۔ لیکن خدا کا خیر اسکا وہ نظام ہے جس سے وہ کائنات کو سنبھالے اور تمام اجزاء کو باہم جوڑے ہوئے ہے۔“

”خدا لاریب عادل ہے۔ عدل الہی بھی اُسکے خیر ہی کا ایک نتیجہ ہے۔ انسان کا ظلم، خود انسان کا اپنا عمل ہے، خدا کا عمل نہیں ہے۔ رنج کا اضطراب، جس کی وجہ سے فلسفہ قدرت الہی کے منکر ہو جاتے ہیں، میری نظر میں اس لا متناہی قدرت کو اور زیادہ واضح کرنے والا ہے۔ انسان کا عدل یہ ہے کہ ہر حقدار کو اسکا حق دیدے۔ خدا کا عدل یہ ہے کہ ہر ایک سے اپنی نعمتوں اور بخششوں کا حساب لے !“

## (حقیقت الہی)

”یہ صفات میں نے عقل کی منطق کی راہ سے معلوم کی ہیں۔ لیکن میرے دماغ میں انکا مفہوم مرتب و مفصل نہیں ہے۔ میں انہیں تسلیم کرتا اور انہیں اصرار کرتا ہوں، مگر انکی پوری حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ عقل اسکا احاطہ کر ہی نہیں سکتی۔ اس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ میں حقیقت سے لاعلم ہوں۔ اور اسلئے میری حیثیت یہ نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں اور اصرار کرتا ہوں۔ میں اپنے دل سے بے فائدہ کہتا ہوں ”یہی خدا ہے“ میں بے فائدہ اسکا شعور کرنا چاہتا ہوں۔ میں بے فائدہ اپنے ذہن میں اسکا تصور کرتا ہوں۔ ”بے فائدہ“ اس لیے کہ اس سے خدا کی حقیقت پر ذرا بھی روشنی نہیں پڑتی۔ میں ہرگز معلوم نہیں کر سکتا، خدا ایسا کیوں ہے؟ اس میں یہ صفات کیونکر قائم و موجود ہیں؟

”میں اُسکی حقیقت جاننے کی جتنی زیادہ کوشش کرتا ہوں اتنی ہی اُسکی حقیقت پوشیدہ ہوتی جاتی ہے۔ میری یہ عقل کی بے بسی مجھے میں اسکا اعتقاد و ایمان اور بھی زیادہ مستحکم کر دیتی ہے۔ میں جس قدر اس کا تصور کم کر سکتا ہوں، اُسی قدر اس سے زیادہ وابستہ ہوتا اور اتنا ہی اُسکی عبادت پر جھکتا جاتا ہوں۔ بالآخر اس کے رز برز کر پوتا ہوں اور کہتا ہوں ”میرا وجود تجھی سے ہے اے خالق کائنات ! میں جس قدر زیادہ تجھے میں غور کرتا ہوں، تو اتنا ہی زیادہ میرا نفس بلند کرتا جاتا ہے، مگر تیری حقیقت برابر مجھے سے مستور ہی رہتی ہے ! تجھے میں میرا فنا ہو جانا، میری عقل کا سب سے بڑا کارنامہ ہے ! تیری عظمت نے میری عقل مہرہ کر دی ہے، مگر میری ناتوانی کو بھی قوت سے بدل دیا ہے !“

عورت اپنے محبوب کی جدائی گوارا کرسکتی ہے مگر اپنے حسن کی جدائی گوارا نہیں کرسکتی — روشیداران  
 مرد کو شادی کے معاملہ میں ان کی حسن سے پرہیز کرنا چاہیے۔  
 کیونکہ حسن قبضہ میں آئے ہی گھٹ جاتا ہے، مگر اُس کی مصیبتیں  
 زندگی بھر باقی رہتی ہیں — (رسو)  
 جس عورت میں بجز حسن کے اور کوئی جوہر نہیں ہوتا، اُس  
 کی مثال رنجی رشتی کی سی ہے۔ یہ گم اچھی معلوم ہوتی ہے اور  
 سرد ہوتے ہی اپنا سارا ذائقہ کھودیتی ہے — سیجور  
 (عورت)



## حکمت اور شعر کے مختارات

— خیریت —

حکماؤ نے مراد محبوب کے بعض افکار و خواطر

— حسن —

(حسن)

حسن خدا کی مخلوق پر اُس کا مہر ہے — بدشیر

حسن بغیر اوقات کے ایسا ہے جیسے بے نمک کھانا — امرسن

ازسطور سے پوچھا گیا ”حسن کیا ہے؟“ اُس نے جواب دیا ”یہ  
 سوال اندھوں سے کرنا چاہیے“ — یمن

حسن جہان دہی ہوتا ہے، سونہا جاتا ہے — گوئے

حسن ایک جال ہے جس سے قدرت مخلوق کا شکر کرتی  
 ہے — لیگس

عورت کا اپنے حسن پر غور اُس کی طرف سے افزار ہے کہ اُس  
 نے پلاس حسن کے سوا کوئی چیز قابل فخر نہیں — عید موزیل  
 کی اسپینڈاس

خوبصورت عورت آنکھ کے لیے دولت ہے، قلب کے لیے دوزخ  
 ہے، حیب کے لیے ویرانی ہے —

خوبصورت بد صورت سے اسی طرح بچے جس طرح ذہین  
 دبی سے بچتا ہے — یوپ

تمہاری یہی کیا تم فتح عہدی ہے کہ تم خوبصورت ہو؟ — ہوکر  
 جب ہم میں اس قدر صلاحیت پیدا ہو جائیگی کہ ہم خدا کے  
 ہر عمل میں حسن و جمال محسوس کرے، نگیں گے، تو اُس وقت  
 ہم دھوئی کرسکیں گے کہ ہم اُس کی حقیقت سے واقف ہو گئے  
 ہیں — رسن

حسن تمام نوع انسانی کے لیے سعادت ہے — ہر مخلوق اُس  
 سے اثر اور آفرین ہو جاتی ہے کہ وہ محدود ہے — شیلر

حسن سے محروم عورت زندگی کی نصف لذت سے محروم  
 رہتی ہے — عذیم کی مولر

حسن بہت ہی کم عمر چیز ہے — کی ڈنلو

اس یقین سے زیادہ عورت کے لیے کسی بات کا یقین مشکل  
 نہیں کہ وہ اپنے حسن سے محروم ہوگئی ہے — روشیداران

بہی عورت خوبصورت ہوتی ہے، مگر اُس کا حسن اُس وقت  
 تک نہیں بھلتا جب تک اس کا دل محبت کے لیے نہیں  
 عمل جاتا — لا پورٹیر

حسن قدرت کا عورت کو سب سے پہلا عطیہ ہے، اور یہی سب سے  
 پہلے اُس سے چھین لیا جاتا ہے — مبرہ

انسان اپنے نفس کو اسی وقت سمجھ سکتا ہے جب وہ مصیبت  
 میں پڑتا ہے — الفرد کی موسیہ  
 شک ہمیشہ عید کے پیچھے لگا رہتا ہے — بلزاک  
 ترقی لگتی چلتی ہے — سانت بو  
 نامکمل تعزیت سے رنج زیادہ ہوجاتا ہے — رسو  
 نظام طمع، فوج، جنگی جہاز، تاج تخت؛ یہ انسان کے  
 کھلے ہیں جب وہ بڑا ہوجاتا ہے — ڈاکٹر ہڈوکر  
 میوی تمام مصائب کی علت یہ ہے کہ میں لوگوں سے حسن  
 ظن رکھتا تھا — رسو  
 (ذہانت)

ذہانت کیا ہے؟ یہ محض سمجھنے کی صلاحیت ہی کا نام  
 نہیں ہے۔ کیونکہ حیوان بھی سمجھ رکھتا ہے مگر ہم اُسے ذہین  
 نہیں کہہ سکتے۔ سپاہی اپنی دیوثی سمجھتا اور پوری کرتا ہے مگر  
 ذہین نہیں کہلاتا۔ بندر کی ذہانت محض ایک بے نتیجہ عقلی  
 اضطراب ہے۔ جو بچہ اپنی حرکتوں سے تمہیں ہنساتا ہے، ذہین  
 نہیں ہے۔ کیونکہ اُس میں بندر کی جبلت آگئی ہے۔ جو عورت  
 بہت سی اشیاء کا علم رکھتی ہے، ذہین نہیں ہے۔ کیونکہ معمولی  
 باتیں اس کے دماغ کو پرانندہ کر دالتی ہیں۔ کیا حساب داں ذہین  
 ہوتا ہے؟ شاعر کی نظر میں حساب داں مایکھولیا کا عریض ہے!  
 کیا شاعر ذہین ہوتا ہے؟ ریاضی داں شاعر کو سراسر بیوقوف سمجھتا  
 ہے! ماہر مالیات کی نظر میں ناول نویس، دز پاؤں کا احمق حیوان  
 ہے! جو آدمی دور از کار نظریے بناتا ہے، دیا ذہین ہے؟ کیا ہمیشہ  
 خاموش رہنے والا ذہین ہے؟ کیا اپنی عینک کے شیشوں سے سرد اور  
 بے اثر نظروں سے تمہیں دیکھنے والا ذہین ہے؟ نہیں!  
 ذہانت کی تعریف ناممکن ہے — لا مارٹین

# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سو گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے معلم کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W.1.**

جو  
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتنے کتنے قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں و ملحقہ ممالک میں شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں ہی

ہر چھپاؤ کے بعد نئے ذخیرہ کی تفصیل ہر سال شائع ہوتی ہے



صرف ہندو دواخانہ دیکھا

## موسم گرما کا نایاب تحفہ

یاد رکھئے

شریت روح افشا (۲۹۳) (جبرٹ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اہم باہمی ہو کر ملا تفریق مذہب عام ہر دین و نری و شریعت مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک غیر ملک شریعت حاصل کر چکا ہو اور جس کو چشم بد (جبرٹ) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے گورنٹ سے جبرٹ بھی کرایا گیا ہو۔

محرم ناظرین! آپ میں جو اصحاب ہر کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے فائدہ کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل دہم شتادہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسے وسیع براعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بشارت خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شریعت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و ذمت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہو۔ ناظرین! یہ شریعت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے ذواکات مثل انگور، سیب، رنگتہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جافشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب و دوران سرور و سرور و متلی وغیرہ کی شکایات کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معزی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر طور پر رنگ و لہریز اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خردا دم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کو اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا منظر ہے۔ ہیں آئندہ کہ آپ بول دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہو اور جن کی ہر چیز دلی ہو خوش ہوں گے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

نوٹ: اس شریعت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شریعت کا لہجہ نام رکھ لیا ہو۔ لہذا آپ شریعت خرید کرتے وقت دیکھنا کہ کھائیں بلکہ بول پر ہندو دواخانہ کا خوشنالیبل اور ہر لفظ جبرٹ و مفرح و ملاحظہ فرمائیں واضح رہے کہ یہ شریعت ہندو، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہندو دواخانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہے۔

تارکا کافی پتہ ہندو، دہلی

پتہ - ہندو دواخانہ دہلی

شریت روح افشا

دہم  
(ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD  
کیمشہور عالم دوا کا منگو کر  
استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما گائیڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات، اور آثار قدیمہ وغیرہ آپ کو مطلع کر دے۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف

ڈنلاپ گائیڈ بک برٹین

The London Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے نمک بٹال بول سکتی ہے

# برید فرنگ

## روس کا نفس پرست شاہی راز

راسن لوٹین

خاندان زار کی تاریخ کا آخری صفحہ

زمین حذر نہ کنی گر لباس دین ام  
نہفتہ کا فرم و بت دآستین ام!

کیا آپ کو معلوم نہیں  
کہ

اس وقت دنیا کا بہترین فائینٹن مسلم

امریکن کا خانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“ قلم ہو؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ نکالے

یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی

بھر کام دے سکتا ہو

(۳) آتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری

بیل بوٹوں سے مزین کہ آتنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے کہے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو

”شیفر“ کا

”لائف ٹائم“

یاد چاہئے

راسن لوٹین کون تھا؟

راسن لوٹین، جس سے زارینا کی عقیدت، پرستش کی حد تک پہنچ گئی تھی، سائبریا کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ اپنے عہد کا مشہور قزاق تھا، راسن لوٹین نے ہوش بھٹانے ہی باپ کا پیشہ اختیار کر لیا اور قرب و جوار کے علاقے تاخت دتاراج کرنے لگا۔ یہ بڑا مہر ڈاکو تھا۔ گھوڑے چرانے میں اسے خاص کمال تھا۔ بار بار گرفتار ہوا مگر جیت انگیز طریقہ ہیشہ بچ نکلتا رہا۔ ایک مرتبہ اسے پولیس نے بری طرح زد و کوب بھی کیا تھا۔ چنانچہ اس کے زخم کا نشان عمر بھر اس کے سر میں نمایاں رہا۔

راہب کیسے بنا؟

ایک مرتبہ اتفاق سے اس کا گزر ایک پرانی خانقاہ میں ہوا۔ یہ خانقاہ دراصل خطاکار راہبوں کے قید کرنے کا جیس تھا۔ راسن لوٹین کی ملاقات وہاں چند راہبوں سے ہوئی۔ وہ بلا کا دہیں تھا اسے دیکھا راہبوں کی زندگی، دنیا کمانے کے لئے بہترین زندگی ہے۔ قرآن طرز معیشت نے اسے جہانی تحالیف برداشت کرنے کا جو گر بنادیا تھا۔ اسے خیال کیا ”میں بڑی آسانی سے راہب بن سکتا ہوں“ چنانچہ وہ برابر ان راہبوں کو ملتا جلتا رہا۔ ان کے انجیل پڑھی۔ عبادت و ریاضت کے طریقے معلوم کئے۔ وہ بہت جلد سخی مذہب اور رہبانیت کا عالم بن گیا۔

اب اسے سخت مجاہدے اور ریاضتیں شروع کر دیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس کی شہرت قرب و جوار میں پھیل گئی۔ لوگ اس قزاق کو کوئی امداد سمجھنے لگے۔ اسی زمانہ میں سینٹ پیٹر برگ (میں) گراڈ کے ایک بپ نے اسے دیکھا، اس کے زہد و تقشف اور مجاہدہ و ریاضت سے نہایت متاثر ہوا۔ اپنے ساتھ لے کر آئے گئے اور محل شاہی میں داخل کر دیا۔

زارینا کی عقیدت

زارینا (ملکہ روس) اسے دیکھتی ہی عقیدہ ہو گئی۔ راسن لوٹین نے بھی یہ بات محسوس کر لی۔ اپنا اثر اور زیادہ بڑھانے اور وسیع کرنے لگا۔ حتیٰ کہ زار بھی اس کا جادو چل گیا۔ شہنشاہ اور ملکہ انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اس کے آگے اپنے گھٹنیں پر جھکتے تھے،

انیسویں صدی کا سب سے زیادہ ہولناک گروہت انگیز واقعہ روس کے خاندان شاہی کی بربادی ہے۔ خود زار، زارینہ، ولی عہد، تمام شاہزادے، قریباً پورا خاندان گولی مار کر قتل کر ڈالا گیا! یہ واقعہ فرنگ کے کوئی شانزدہم اور اس کے خاندان کے قتل سے بھی دہشتناک ہوا روس کے خاندان شاہی کی بربادی اور انقلاب سلطنت پر بکثرت کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اور ان تمام اسباب پر شرح و بسط سے بحث کی جا چکی ہے جو ان عظیم تغیرات و حوادث کا موجب ہوئے۔ ان اسباب میں سب سے بڑا اور سب سے عجیب سبب وہ ہے، جو بیسویں صدی کی متمدن دنیا کے لئے سخت حیرت انگیز ہوا ہے۔ یعنی روس کے حکمران اور اس کی ملکہ کی مذہبی توہم پرستی، زہد اعتقادی، اور عظیم عقل و محرومی جو یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ان تمام تباہیوں کی اصلی علت ایک راہب تھا، جسکے دام زریں میں زارینا اور زار پھنس گئے تھے۔

مشہور روسی شاہزادہ پرنس یوسوبوٹ کا روزنامہ پچھلے دنوں شائع ہوا ہے۔ اس سے اس معاملہ پر اور بھی زیادہ گہری روشنی پڑتی ہے۔ اس بلے میں پرنس کے بیانات بہت اہم ہیں کیونکہ وہ تمام واقعات کا شاہد عینی تھا۔ صرف شاہد عینی ہی نہیں بلکہ راہب جوین کا قابل بھی ہے۔

اس روزنامہ پر ابھی دنیا نے پوری طرح رائے زنی نہیں کی تھی، کہ اس مسئلہ کے ایک دوسرے راز کا انکشاف ہو گیا۔ یعنی یہ ایک دنیا کے ہاتھوں میں ایک نئی کتاب بیچ گئی جو وہ اسی راہب کی لڑائی صوفیا کے قلم سے لکھی ہے اور اس کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ اس نئے بیان نے معاملہ کا ایک دوسرا رخ واضح کر دیا، اور دنیا اس نئے انکشاف سے انگشت بندال ہو کر رہ گئی!

پچھلے دنوں ان دنوں کتابوں کا مختصر خلاصہ ہندوستان کے انگریزی اخبارات میں شائع ہوا تھا، لیکن ہمیں جو بھی کہ زیادہ تفصیل کے ساتھ حالات روشنی میں آئیں خصوصاً پرنس کی بیان کردہ تفصیلات معلوم ہوں چاہئے ملکہ کے اصلی خطوط بھی شائع کرنے ہیں۔ اب یہ تمام ذخیرہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم پہلے پرنس کے روزنامہ کی ایک پوری فصل ملاحظہ کرتے ہیں، جس سے اس عجیب و غریب راہب کے حالات و اعمال پر پوری روشنی پڑے گی:

## فدائیان اسلام پر رضا کا ہجوم کیوں ہو؟

اگر آپ کو قوم کے ظاہری و باطنی امراض اور ان کے علاج کا علم حاصل کرنا ہو تو اجمعیۃ ملاحظہ فرمائے۔

”اجمعیۃ“ تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہو جو

علماء کی زبان اکلانے کا مستحق ہو اور جس کا اہم ترین مقصد

ملتِ بیضا کی محافظت ہو۔ مقدس مذہب اسلام کے

خلاف حملوں کا دندان شکن جواب دینا اور واقعات کی

محققانہ تنقید اس کا مخصوص طریقہ ہو

اس لئے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے اخبار

بھی ایک ضروری چیز ہو گیا ہو اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی

قائم رکھنے کے لئے اس کی حاجت ہو۔ اس لئے تمام مسلمانوں

کو لازم ہو کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فرائض سے

اہم سمجھیں اور اس اخبار کو جو مذہب کا محافظ ہو اور اصلاحِ قوم

کا علمبردار بھی اشاعت اور ترقی کے اعلیٰ وسیع پرہنجائیں۔

حق کی آواز جہدِ کثرت سے لوگوں کے کان میں بجا استغناء کی

ہو۔ اخبار اجمعیۃ کی پانچ خصوصیات

(۱) تمام سیاسی و مذہبی مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث کرنا ہو

(۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین آئیں

کر کے مخالفین اسلام کو خاموش کرنا ہو۔ (۳) عربی، فارسی

اور اردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرنا ہو (۴) ہفت روزہ

مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء

ہند کے قلم کے اشاعت کرنا ہو (۵) ایک کالم قریح کا بھی ہوتا

ہو جس کو آپ کی دلچسپی میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہو۔ ہفتہ میں دو بار شائع

نصیحت پر چکر مہم کا سیلاب ہو سکتے ہیں۔۔۔

ایک اور خط میں حبیل پر جوش الفاظ ملتے ہیں:

”یہ لوگ ہمیں بیوقوف بنا رہے ہیں۔ تمہارا مذاق اڑاتے ہیں

تم اتنے کمزور کیوں ہو گئے ہو؟ اٹھو، پھر اعظم بن جاؤ۔ ان بدعاشوں

کو لات مار کر گردو۔ مجھے تمہاری کمزوری دیکھ کر سخت صدمہ ہوتا ہو

ہمت باندھو اور ڈوٹا کو توڑ دو۔ ان تمام بغاوت پسندوں کو ایک ایک

کر کے سا بکرا جلا وطن کر دو۔ ہم اس وقت جنگ میں ہیں۔ اندرونی

بغاوت، میدان جنگ کی شکست سے بھی زیادہ ہلک ہوگی۔ تمہارا

خیال وہ کیوں نہیں ہو جو میرا ہو؟ میں نہیں سمجھ سکتی ایسا کیوں ہو؟

بلاشبہ میں ایک عورت ہوں لیکن عقل و فہم رکھتی ہوں میں

جانتی ہوں، دوست کی نجات اُسی میں ہو جو ہمارے مرشد کا حکم ہو۔

ہمیں یا دینس فرانسسٹی مبر مسیونر نے کیا کہا تھا؟ اُسے کہا

تھا: دوست کو حکومت خود اختیار دینا، دوست کو برباد کر ڈالنے

کا اور خود زار کو بھی ایسی ہر سچے دوستی کا بھی خیال ہو۔ میں جانتی

ہوں، ہمیں میری اس سخت کلامی سے تکلیف ہوگی۔ مگر میں پر

مجبور ہو گئی ہوں۔ دوست کی لکڑی، زار کی ہوی، اور ولی عہد کی ماں

ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہو کہ اپنے خیالات تم تک پہنچا دیا کرو

نیز اپنے مرشد کی نصیحتوں سے بھی ہمیں خبردار کرتی رہوں۔۔۔!

پانچویں خط میں بھی ”مرشد“ کے احکام کی تعمیل پر پُرہا زور

دیا گیا ہو:

”میری زندگی کا سب سے بڑا ارمان یہ ہے کہ ہمیں دشمن کے سامنے

اس طرح سر بلند دیکھوں جس طرح شیر، لوٹروں کے سامنے ہوتا ہو

تم ان جمہوریت پسند کمینوں کے ساتھ کیوں بیٹھتے ہو؟ طاقتور حاکم کو

نہیں بچانے؟ اگر تم اگر جاؤ گے تو یہ سب بزدل سر ہٹکا دینگے۔ یاد

رکھو، تمہاری اور دوست کی نجات صرف اس میں ہو کہ اس مرشد کا بل

کے حکموں کی تعمیل کرتے رہو۔۔۔!

مقدس نفس پرستی!

یہ حال ملکہ کی عقیدت کا تھا، حالانکہ اس راہب کی سچ کی زندگی

نا قابل بیان حد تک فاسقانہ تھی۔ اُس وقت روس میں ”کلیسٹیم“ کا

بہت زور تھا۔ ”کلیسٹیم“ باقاعدہ نفس پرستی کا دھڑا نام ہو۔

اس ”مذہب“ کے متبعین کا عقیدہ تھا کہ تو ارشوائی، خدا کا ایک

عظیم عطیہ ہیں۔ اس خشک شکرہ اسی طرح ادا کیا جاسکتا ہو کہ

اُن سے انسان دلی کھوکھلے ہوتا ہو، اور ہرگز اُن کے استیصال میں نکل

نہ کرے۔ چنانچہ یہ لوگ فتنہ و فساد میں اس درجے پر پہنچے کہ کسی طرح

بھی قلم اُس کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا۔ تفصیلات ناگفتہ بہ ہیں۔

راہبوں میں بھی اسی گروہ میں شامل تھا۔ قصر شاہی میں زہد و تقویٰ

ظاہر کرنا، ادب و آراستہ خورانی اور ہر طرح کے فتنہ و فساد میں نکل

ہو جانا!

زمین حذر نہ کنی گر لباسِ دین نام

نہنہ کا فرم دیت در آستینِ ام!

راہب سے پرش کا تعارف

آگے چکر پرش یوسوف لکھتا ہو:

”راہب راہبوں سے میری پہلی ملاقات ۱۹۱۷ء میں یعنی جنگ

عمومی سے ۵ سال پہلے ہوئی تھی۔ میرے دوست ج۔۔۔ کی لڑکی اس

م۔۔۔ روس کی حسین ترین و دنیو تھی۔ پہلی ہی نظر میں انسان اُس کے

معصوم حسنِ جمال اور قلب کی لطافت کا قابل ہو جاتا تھا۔ میری بھائی

کو اُس سے عشق تھا۔ وہ بھی اُس کی محبت میں سرشار تھی لیکن نتیجی

سے وہ بھی راہبوں کے جمال میں محبت نہ کی۔ اپنے دل کی نیکی اور حد

سے زیادہ تقویٰ کی وجہ سے یقین کرتی تھی کہ وہ، ولی اسرار و دلیر

اور اُسے ”سرخ شانی“ تصور کرتے تھے۔ وہ جب چاہتا تھا اجازت محل میں

داخل ہو جاتا۔ زار اور زارینا کو طلب کر لیا کرتا۔ محل میں اُسے بالکل

دلی ہی آزادی حاصل تھی جیسی خود زار کو۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ رہت

برٹین کی شان میں ایک نظم بھی سننے سے بکھل سکتا۔ لکھ کو از حد غلو تھا

اُس نے اپنے آپ کو بالکل اس درجہ کے حوالہ کر دیا تھا:

ملکہ کی مجزانہ عقیدت کا ثبوت اُس کے اُن خطوں سے بھی ملتا

ہو جو دہرہ ۱۹۱۷ء یعنی انقلابِ حکومت سے صرف تین مہینے پہلے اُس نے

زار کو لکھے تھے۔ پرنس یوسوف نے یہ خطوط اپنے روزنامہ میں نقل

کرتے ہیں۔ ان سے روس کے خاندانِ شاہی کی ذہنیت پر عجیب روشنی

پڑتی ہو۔ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ زار کس درجہ کمزور، دلی و دماغ کا

آدمی تھا، اور زارینہ کس درجہ بہت خیال گراں تھی اپنے شوہر پر کس

قدر حادی تھی؟ ذیل میں صرف چند خط بطور نمونے کے ملاحظہ ہوں:

زارینہ کے خطوط

ایک خط میں زارینہ ”بروٹون“ کو وزیر داخلہ بنانے کی سفارش

کرتی ہو۔ یہ شخص راہبوں کا پروردہ تھا۔ راہبوں میں چاہتا تھا اُسے

وزیر داخلہ بنا کر اُس پر وہ تمام ملک پر حکومت کرے۔ زارینہ اپنے شوہر

کو نکھتی ہو:

”بروٹون کو وزیر بنا دو۔ مخالفوں کی مخالفت کی ذرا بھی پرواہ

نہ کر، وہ نہ جبری ہو جائیں گے اور براہیوں ہی ڈباتے رہیں گے وہ

کبھی گے تم اُن سے مدد نہ گئے ہو۔ وزیر اعظم اور ڈومار پارلیمنٹ کے

صدر کی کیا حقیقت ہو؟ یہ ذلیل آدمی ہیں۔ کیونکہ ”مقدس باپ“

(یعنی راہبوں) نے اُن کی بات یہی خیال ظاہر کیا ہو۔ بروٹون کو

میری خاطر وزیر بنا دو۔ کیونکہ وہ تم پر تمہارے بچوں پر اور دوست پر

جان دیتا ہو۔ ایک بڑے پادری نے مجھ سے کہا ہو: ”وہ سلطنت کبھی

برباد نہیں ہو سکتی جس کی مخالفت پر دلی ہوتے ہیں!“ یہ قول بالکل

صحیح ہو۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ اپنے ولی (راہبوں) پر بھروسہ کریں، اُن

کی اطاعت کریں، اُس کی نصیحتوں پر عمل کریں۔ ہمارے ولی کی یہی

نصیحت ہو کہ بروٹون وزیر بنا دیا جائے۔ لہذا اسکے قبول کرنے میں تا

نہ کر۔ یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے ولی سے کوئی بات بھی مخفی رہتی ہو۔ سچ سننے

اُسے سب کچھ دکھایا ہو۔ وہ جب کوئی دعا کرتا ہو، پوری ہو جاتی ہو۔

جس بات کو اچھا کہتا ہو، اچھی ہو جاتی ہو۔ جسے برا کہتا ہو، برا

ہی ثابت ہوتا ہو۔ ہم سے تم بہت غلطیاں ہو جاتی ہیں، مگر ہمارے

اس مقدس مرشد سے کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ اُس سے غلطی ہو ہی نہیں

سکتی۔۔۔!

ایک دوسرے خط میں لکھتی ہو:

”ڈومار (پارلیمنٹ) فوراً توڑ دو۔ مخالفوں کی کوشش ہو کہ اُس

وقت ڈومار کے جلسے برابر جاری رہیں تاکہ سادگی راہیں بند نہ ہوں

وزیر اعظم نے یہ بلکہ ہمیں دھوکا دیا ہو کہ اگر ڈومار توڑ دی جائے گی

تو اُس کے ممبر ملک میں پھیل کر عیاں کو بھڑکائیں گے۔ یہ وزیر اعظم کا

کھلا دھوکا ہو۔ کیونکہ ہمارے مرشد کا قول ہو: اگر یہ لوگ رعایا سے

جا کر بگڑ گئی کریں گے تو کوئی بھی ان کا یقین نہ کرے گا۔ (ان کی ساری

قوت، ان کے ایک جگہ جمع ہونے میں ہو۔ لہذا ڈومار توڑ کر ان شیریں

کو منتشر کر دو۔

ایک دوسرے خط کا مضمون یہ ہو:

”معاذِ خوب سوچ لو۔ یقین کرو ہمارے مرشد کی نصیحت میں تمہارا

لئے سراسر بھلائی ہو۔۔۔ پیاسے! میری دلی آرزو کہ تم ڈومار توڑ

دو۔ یہ لوگ اندر اندر سازش کر رہے ہیں اور تم سے اگر چکی چڑی

باتیں بناتے ہیں۔ تم اپنی نیکی کی وجہ سے ان کی باتوں میں آجاتے

ہو۔ یقین کرو، ہمارے مرشد نے جو کچھ کہنا ہو، وہی ٹھیک ہو۔ انکی

ماہب نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی، اور اُس کی فاسقانہ طبیعت ہرگز گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ ایسی چیزیں اُس کے دائرہ عقیدت سے نکل جائے۔ چنانچہ ہر مومن تدبیر سے اپنا اثر بڑھا رہا اور دشمن کو اپنے زیادہ سے زیادہ قریب کرتا جاتا تھا۔

”ہم موصوفہ نے مجھے اپنے والد کے محل میں راسبوں کی ملاقات کے لئے دعوت دی۔ وہ اُس کے باپ سے اس طرح گفتگو کرتی تھی جس طرح پیغمبروں کے باپ سے کی جاتی ہو۔ لیکن مجھے اُس سے طبعاً نفرت تھی۔ اُس سے میں نے کبھی نہیں بیکھا تھا، تاہم میرا دل اُس کی کراہت سے لرزتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ ایوان میں داخل ہوا، تو مجھے اپنا احساں چھپانے کے لئے جھجھکا کر بیٹھ کر بیٹھی۔ اُس نے سب سے مصافحہ کیا اور کہا کہ بوسہ لیا، حتیٰ کہ رسم... کا بھی۔ میں نے بھی مصافحہ کیا مگر اپنا بوسہ لینے نہیں دیا (وہ اس میں قاعدہ ہو کر بزرگ چھوڑوں کا بوسہ لیا کرتے ہیں) میں نے دیکھا کہ اُس کا بوسہ لینے وقت اُس کی آنکھیں زیر معنی طور پر چمکنے لگی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ اُس کے اندر بہیمیت پوری طرح کام کر رہی ہو۔

میں نے اُس کے خط وخال پر نظر غائر ڈالی۔ وہ بیان دے رہا تھا۔ مضبوط کاٹھی تھی۔ سر بڑا، بال لمبے اور داہری گھٹی تھی۔ سر کا ایک حصہ بالوں سے بالکل خالی تھا۔ یہ اُسی زخم کا نشان تھا جو قزاقی کے زمانہ میں لگا تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر عموماً سال کی ہوگی۔ لمبا آدھ کو اور بہت ڈھیلے پانچوں کا انجامہ پہنے تھا۔ اُس کا چہرہ بالکل ہلکا و سہا کسانوں کا سا تھا۔ بیضی شکل کا، مگر طرح کے تناسب سے محروم وہ یقیناً نہایت بد صورت آدمی تھا۔ جیسے کہ تمام بغض انسان ہوا کرتے ہیں۔

”اُس کی حرکات و سکنات متکبرانہ تھیں۔ حالانکہ شان کبھی حقیر یہ صفت اس لئے کہ اُسے حاضرین پر اپنے اثر کا یقین تھا۔ سب لوگ اُسے انتہائی عقیدت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ وہ خود بھی اُنھیں تجتہاء نظروں سے دیکھتا۔ وہ اُنکے خیالات معلوم کرنے کی کوشش میں تھا۔ لیکن سم... پر اُس کی نظریں بالکل دوسرا انداز رکھتی تھیں وہ اُسے پر ہنس سکتا ہوں سے دیکھتا تھا۔ ہر لمحہ میری نفرت بڑھتی جاتی تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ دلوں کے اس لباس میں ایک خبیث نفس لطفون ہو رہا۔

”چلے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گیا اور دارانہ انداز سے کہنے لگا ”تمھاری دوست سم... کس قدر حسین ہوا کوشش کرو کہ تمھاری رفیق زندگی بن جائے، صرف جسم ہی سے نہیں بلکہ دُش سے بھی۔ تمھارے باپ سے میں نے مجھ سے بار بار گفتگو کی ہو۔ وہ تمھاری طرف بہت مائل ہو۔ مجھ یقین ہو، شادی کے بعد تم دونوں کی مسرت و سعادت پاؤ گے!“

اس ملاقات سے چند دن بعد سم... نے مجھ سے کہا ”راسبوں تم سے از حد متن رکتا ہو اور دوبارہ ملاقات کرنی چاہتا ہو“

ماہب اور زار کی والدہ

”اسوقت کوئی بھی اُس خطرے سے واقف نہ تھا جو روس کے شاہی خاندان کو اس پراسرار ماہب کی وجہ سے لاحق ہو گیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ قصر شاہی میں اُس کی بڑی آدھ بھگت ہوئی تھی۔ زار کے تمام مقرب اُس کا اثر و اقتدار دیکھ کر اُس کی خوشامد میں لگے رہے۔ لیکن مجھے اور میری ماں کو اُس سے سخت نفرت تھی۔ ہم محسوس کرنے لگے تھے کہ ایک نہ ایک دن زار کو اس ماہب کے ہاتھوں روزِ بد دیکھنا پڑے گا۔ چنانچہ میری ماں نے زار سے کوئی مرتبہ متنبہ کیا اور اس خیال کے دور کرنے پر زور دیا۔ خاندان شاہی کے چند اور لوگوں کا بھی یہی خیال تھا۔ اُنھوں نے بھی میری ماں سے اتفاق

کیا حتیٰ کہ خود زار کی والدہ نے بھی ماہب کی بہت مخالفت کی۔ مگر زار نے کچھ اس طرح اس مقدس مرشد کے دام میں پھنس گئی تھی کہ اُس کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سن لینا گوارا نہیں کرتی تھی!“

جنگ عظیم

سکھنے میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ ہم سب خون سے کانپنا لگے کیونکہ جانتے تھے، اب اس ماہب سے کیسے کیسے خطرے پیدا ہونے کو ہیں۔ مصیبت یہ تھی کہ زار اور زارینہ نے اپنے دوستوں سے بے ممانی برائی اور سراسر ماہب کے ہودہ ہو کر۔ جب کبھی ہم لوگوں نے اُس کے خلاف منس التجا میں کرنی چاہیں، تو ملکہ نے صاف صاف کہا: ”میں اپنے روبرو راسبوں کی شان میں ایک حرف بھی کہنے کی اجازت نہ دوں گی!“

ماہب کی تصویر

”جزل ڈانگھو نائب وزیر داخلہ، راسبوں کی حقیقت سے واقف تھا۔ اُسے بڑی کوشش سے ”کلیسیٹسم“ والوں کے ایک طبقہ متبع حاصل کیا۔ اس متبع میں راسبوں نے ناگفتہ بہ منق و منجور کی حالت میں نظر آتا تھا۔ جزل نے تصویر، زارینہ کے سامنے رکھ دی۔ مگر زارینہ کی عقیدت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ اُلٹی جزل پر خفا ہوئی۔ تصویر جعلی قرار دی گئی، اور جن جن لوگوں پر راسبوں نے جعل بنا کا شبہ کیا، اُنھیں سخت سزائیں ملیں!“

ماہب جرمین جاسوس تھا

جنگ میں روسیوں میں جس طرح برباد ہوئیں، اُس کی داستان بہت ہی دردناک ہو۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان تمام مصائب کی اصلی علت راسبوں ہی کی ذات اور اُس کی خیانت تھی۔ وہ دراصل جرمین جاسوس بن گیا تھا۔ روسی فوجوں کی نقل و حرکت کی خبریں جرمین آؤ آسٹریا کے جنگی دفاتر کو روز بھر بھیجتا تھا۔ یہ بات زیادہ مدت تک چھپ نہیں سکتی تھی۔ بہت جلد تمام ملک اس عظیم مکار کی حقیقت سے واقف ہو گیا، اور محل شاہی سے اُس کی ملحدگی پر زور دینے لگا مگر جوں جوں اُس کی مخالفت بڑھتی گئی، زارینہ کی عقیدت بھی بڑھتی گئی۔ آخر اُس کا اقتدار یہاں تک بڑھ گیا کہ سید سالاروں کا غل و نصب اور میدان جنگ کے نقشوں کی تجویز بھی اُسی کی لئے سے ہونے لگی۔ وہ خود اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتا تھا۔ جرمین افسر اسے دُعا دُعا لکھتے رہتے تھے کہ فلاں روسی افسر کو مفلوج کر دینا چاہئے۔ فلاں مقام ہمارے لئے مضر ہو۔ وہاں سے فوج ہٹا دینی چاہئے۔ یہ اُنکے احکام کے مطابق یہاں لئے ظاہر کرتا، اور زار اُسکی فورا قیول کرتا۔ ذکر اتنا زور دینے کے لئے ملکہ موجود تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روس کی تمام فوجیں گاجر مولیٰ کی طرح کٹنے لگیں۔ جس طرف رخ کرتیں، دیکھتیں جرمین فوج پہلے سے اُن کی ہلاکت کا سامان طیارے کے موجود ہو۔

بائیں ہمارے زار اور ملکہ کا تمام اعتماد اسی ”مرشد“ پر تھا۔ وہ کہتے تھے اس جنگ میں ہم فوج سے نہیں بلکہ اپنے مرشد کی قوجاؤ برکت سے فتح پائیں گے!“

ماہب کی لڑکی کا بیان

یہ تو پریس یوسوفون کا بیان تھا۔ اب خود راسبوں کی لڑکی کا بیان سنئے۔ وصاحب الدبیت اور علی ہما ذیہ۔ اس لڑکی کا نام صوفیہ راسبوں، ہو۔ اب تک دنیا اس کے وجود سے بے خبر تھی۔ لیکن حال ہی میں یہ ظاہر ہوئی، اور ایک مختصر کتاب میں اپنی یادداشتیں جمع کر کے چھاپ دیں۔ یہ اپنے باپ اور زارینہ کے تعلقات پر ایک بالکل مختلف منظر کی روشنی ڈالتی ہو۔ اُس کے بیان نے یورپ کے اخبارات میں ہلکا بھلا ہوا۔ وہ لکھتی ہو۔

عقیدت نہیں عشق تھا!

”زارینہ کا تعلق میرے باپ سے دینی عقیدت کے رنگ میں شروع ہوا۔ مگر بہت جلد عقیدت نے محبت کی شکل اختیار کر لی اور تدریج محبت، عشق کے درجہ تک پہنچ گئی۔ اُس نے کئی بار میرے والد سے کہا ”میں، زار سے ہزار ہو گئی ہوں، وہ ایک دوسری عورت سے وابستہ ہو۔ میں اُس سے طلاق لے لوں گی، بشرطیکہ تم مجھ کو شادی کر لو“۔ میرا باپ نادان نہ تھا۔ وہ جانتا تھا، یہ دانشمندی ہولناک نتائج پیدا کرے گا؟ چنانچہ وہ زارینہ کو ایسا کرنے سے ہمیشہ روکتا تھا۔

اس کے بعد صوفیہ لکھتی ہو

”یہ کوئی فرضی بات نہیں ہو۔ اس کا ثبوت خود زارینہ کے روزنامے میں موجود ہو، جو اسوقت بالشویک حکومت کے قیدی ہیں۔ زارینہ، خود مجھ سے بھی بہت محبت کرتی تھی اور اکثر کہا کرتی تھی ”میں بہت جلد تمھارے گھر میں آ جاؤں گی۔ اُس وقت میں تمھاری ماں اور تم میری لڑکی ہو جاؤ گی!“

تصوفیہ نے اپنے دوست سے بڑھ بڑھنے کی داستان بھی لکھی ہو۔ وہ کہتی ہو

”جب میرا باپ قتل ہو گیا تو میرے پاس دو ہزار فرانک دہل (روسی سکہ) موجود تھے۔ میں نے سپاہیوں کو یہ رقم رشوت میں دے دی اور جان لے کر بھاگ نکلی۔“

راسبوں کی اخلاقی سیرت، ملکہ کی اُس سے سجد و غایت سنگی اور وہ تمام حالات جو اس سلسلے میں سامنے آتے ہیں، اگر بغور دیکھ جائیں، تو صوفیہ کا بیان قریب صواب معلوم ہوتا ہو۔ البتہ یہ ضروری نہیں ہو کہ اس صورت میں بدلیقہ ملکہ کو ”مرشد“ کی مذہبی عقیدت سے غالی تصور کر لیا جائے۔ اس دنیا میں مذہبی عقیدت جب جہل و توہم پرستی سے لجاتی ہے تو اُس کے عجائب و خوارق کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ بار بار یہ بات دیکھی گئی ہو کہ لوگ مذہبی عقیدت کے ساتھ ہر طرح کے اخلاقی اور مذہبی معاصی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں، اور نہ صرف اس مذہبی عقیدت ستار نہیں ہوتی، بلکہ معاصی و فسق پر بھی مذہب کے پراسرار تقدس کے پردہ پر جاتا ہو۔ ہیں اس میں کوئی تعجب نہ ہوگا اگر ثابت ہو جائے کہ یہ بدبخت ملکہ اپنے اس ”مرشد“ کی ناجائز خواہشوں کا شکار تھی اور اس پر میری اُسے اپنا مرشد اور ”مقدس دلی“ یقین کرتی تھی۔ جب جواز و عدم جواز کا مٹا حقیقت کی جگہ عقیدت ہو جاتی ہو، تو پھر کوئی چیز بھی ناجائز نہیں ہو سکتی۔ مذہب و تقدس کی ریاکاری کی تاریخ اس طرح کے واقعات کی ایک مسلسل داستان ہو اور اب تک دنیا اس میں برابر اضاذ کو جاتی ہو۔

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی روش سے مسجد بن کر اغراض کے لئے استعمال کیا جاسکتی ہو؟ اور اسلام کی رد اداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا رد وادہ بلا اختیار مذہب ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہو؟

۱۹۱۹ء میں جتندرنے اچھے لکھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دید کر گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لکھیں چھپی ہو۔ قیمت ۲۰ روپے (بارہ آنے) منیر الممال ملکہ



# بریشرق

## نوجوان ترکی پر ایک نظر

کچھ عرصے بعض مشاہیر نے ایک خاص نائنہ ترکی بھیجا ہوتا کہ وہاں کی موجودہ اجتماعی زندگی کا سلاحدہ کرے۔ اس کی بخت تحریریں مہر کے اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں، ادراہم فوائد پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں ہم بعض نکتوں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

### انگورہ

ترکی جمہوریت کی جنم بھومی ”انگورہ“ ہنوز ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے شہر کہنا ایک حد تک غلط ہوگا۔ مکان عموماً پلٹ، ایک منزلہ اور قدیم طرز کے ہیں۔ شہر میں بھی تنگ ہیں۔ ہوٹل بنایت معمولی سی ہے کے ہیں۔ شہری زندگی کے لوازم کم دستیاب ہوتے ہیں۔ میشت بہت گراں ہے۔ متوسط زندگی بسر کرنے کے لئے وہ پونڈ سے بھی زیادہ خرچ ہو جاتے ہیں۔ ہوٹلوں کا کرایہ بہت زیادہ ہے۔ دس بارہ روپیہ رو دینا پڑتے ہیں، مگر پھر بھی آرام نہیں ملتا۔ وجہ یہ ہے کہ انگورہ بڑے شہروں سے دور ہے اور ضروریات زندگی پر آسانی نہیں ہوا کچا سکتیں سوائل ہو سکتا ہے کہ پھر ترکی مہربوں نے آستانہ اور دوسرے آباد شہر چھوڑ کر یہی گاؤں اپنا پایہ تخت کیوں قرار دیا؟ اس کا جواب خود ترک ممبر بار بار دے چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ”انا طویلہ، اس ملک کی بڑہ کی ہڈی ہو۔ سلاطین آل عثمان نے انا طویلہ کی طرف سے ہمیشہ غفلت و اعراض کرتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی قوت پر باد ہو گئی۔ ترکی قوت کی بربادی خود مصلحت کی بربادی تھی۔ اب ہم اپنے مصلی ملک کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اب ہماری تمام امیدیں صرف اسی میں مرکوز ہیں، لہذا ہم نے قلب کو مرکز بنایا ہے تاکہ ہمیں سے نئی قوت کی روح ملک کی رگ رگ میں دوڑا دیں“ علاوہ بریں وہ اس پہلو پر بھی توجہ دلاتے ہیں کہ اب ہم روپ کے اثر سے دور رہنا چاہتے ہیں یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی اگر ہم اس دور آفادہ مقام میں اپنی حکومت قائم نہ کرے

سوال ہو سکتا ہے کہ اگر یہی بات ہو تو پایہ تخت کو شہر کی صورت کیوں نہیں دیتے؟ اس کا جواب ترک مہربوں نے یہ دیا ہے کہ ہمارا ملک جنگوں نے برباد کر ڈالا ہے۔ ہماری قوم کا دل و دماغ صدیوں کے ظلم و جبر سے تباہ ہو چکا ہے۔ ہم پہلے اپنے ملک کی اقتصادی، تجارتی، زرعی، حالت درست کریں گے۔ قوم کو قوم بنائیں گے۔ اسکے بعد میں شہر کی آراستگی کا خیال کرنا چاہئے؟ انگورہ کو پایہ تخت قرار دینے میں ترک مہربوں کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ وہ شہر کے عیش و نشاط اور ہلو ولب سے دور رہنا اور مشب و دزد ممت اور کام کرنا چاہتے ہیں۔ مصلحتیں میں جب تک ممت کام کرنا، کبھی اس مستعدی سے کام نہیں ہوا جیسا اب انگورہ میں ہوتا ہے۔

لیکن یہ بات نہیں ہے کہ ترکوں نے انگورہ کو بالکل اسی سابق حالت ہی میں چھوڑ دیا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اُسے ترقی دے رہے ہیں۔ انگورہ کے اطراف میں ایک نئے شہر کی بنیادیں پڑ گئی ہیں۔ اپنے وقت پر وہ مکمل ہو جائے گا۔ فی الحال انگورہ کی آبادی پڑ

سے زیادہ ۵۰ ہزار ہے۔

انگورہ کے مناظر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن جس منظر نے میر ذل پر سب سے زیادہ اثر کیا، وہ ترک انفرادی اور سپاہیوں کا دقت اور خاموشی سے سڑکوں پر سے گزرتا تھا۔ میں جب انھیں دیکھتا تھا تو بے اختیار قلب ان کی غفلت کے سامنے جھک جاتا تھا میں سوچتا تھا ”یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خوزید جنگیں سر کیں اور تمام یورپ کو مغلوب کر کے اپنی قوم کا گرا ہوا جھنڈا اڑا کر نو بلند کر دیا“ ترکی انفرادی سپاہی ہمیشہ ایسی سجدگی اور دقت میں مشغول ہیں۔ مگر اب اتنی طویل جنگوں کے بعد ان کی کچھ عجیب حالت ہو گئی ہے۔ وہ رعب و جلال کے اس کی نظر دنیا کی کسی فوج میں نہیں ملتی۔

### مجلس وطنی کی عمارت

انگورہ کی سب سے زیادہ شاندار عمارت، مجلس وطنی یا ترکی پارلیمنٹ کی عمارت ہے۔ یہ دو منزلہ عمارت ہے۔ اوپر کے طبقہ میں صدر مجلس کا دفتر ہے۔ نیچے کے کمرہ میں مجلس کے مختلف شعبوں کے دفاتر ہیں۔ بائیں پہلو میں ایک وسیع ایوان ہے۔ ۲۵ میٹر لمبا اور ۱۲ میٹر چوڑا۔ یہی پارلیمنٹ کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ اس میں ترکی قانون ساز فرم ہے۔ صدریں ڈیڑ میٹر بلند چوڑے ہیں۔ چوڑے کے وسط میں صدر مجلس کی جگہ ہے۔ اس کے دونوں پہلوؤں پر نصف میٹر نیچے کتبوں کے بیٹھے کی جگہ ہے اس سے ذرا اونچے ایک آدھ چوڑے ہیں۔ اور اسی پر کھڑے ہو کر مقرر تقریریں کرتے ہیں۔ اس کے سامنے ایک کٹھن ہے جس میں سرکاری رپورٹر بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد مہربوں کے بیٹھے کی جگہیں ہیں۔ پشت میں دو دروازے ہیں آدی بیٹھے ہیں۔ یہ تمام نشستیں باہم قریب قریب ہیں ایک کے ایک ایوان باوجود اپنی وسعت کے کافی ہیں۔ ایوان کی سطح سے تین میٹر بلندی پر بیٹھے مشاہیر کی جگہ ہے۔ اس کے سامنے ایک پہلو پر ایک مذہب و مصلحت نشست ہے جس کے لئے ایک خاص دروازہ بنادیا گیا ہے۔ نشست فانی صلیف کا مال پاشا کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں اس جگہ کر جلسے کی کارروائی دیکھا کرتے ہیں۔ ایوان کے صدر میں مجلس کے داعیں بائیں سفراء و دل کی نشستیں ہیں۔ مجلس کے جلسے عموماً عصر کے بعد شروع ہوتے ہیں۔

### مجلس وطنی

ترکی انقلاب کا سب سے محب کا نام یہی مجلس ہے۔ اس میں بیک وقت دو متضاد چیزیں جمع ہو گئی ہیں: شخصی تفویض اور جمہوری روح۔ یہ مجلس اپنے انداز میں محب اصول و قواعد اور غیر مومنی ردایات رکھتی ہے جس کی نظر دنیا کی کسی پارلیمنٹ کی تاریخ میں موجود نہیں۔ اس اجال کی تفصیل جب ذیل ہے: موجودہ مجلس وطنی کا نام ترکی زبان میں ”بولوک ملتعلی“ ہے۔

یہ اس مجلس قومی کی پیداوار ہے جو جزوی سلامۃ میں قائم ہوئی تھی۔ اسی نے اپنے حوصلہ مندانه اقدامات سے ترکی کی تاریخ بدل دی۔ یہی نے قدیم نظام مصلحت توڑا، اور جمہوریت قائم کی (۲۳ اکتوبر ۱۹۰۸ء) میں) اسی نے خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا (۲۳ ستمبر ۱۹۲۴ء) اسی نے دستور اساسی بنایا (۲۰ اپریل ۱۹۲۴ء) یہی وہ دستور اساسی ہے جس پر موجودہ مجلس وطنی قائم ہوئی ہے۔

ترکی میں جلد تو قریں اور اختیارات صرف مجلس وطنی ہی کو حاصل ہیں۔ اس کے ہم قدم کوئی دوسری قوت موجود نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ترکی دستور حکومت صرف ایک ہی مجلس پر قائم ہے۔ حالانکہ دنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں عموماً دو مجلس ہوتی ہیں: مجلس عوام اور مجلس خواص۔

ترکی مجلس وطنی کو دنیا کی دوسری پارلیمنٹوں سے یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ تقسیم اختیارات کا منظر تسلیم نہیں کرتی۔ یہی باعث ہے کہ تینوں قسم کے اختیارات اور تو قریں یعنی تشریفی (قانون سازی) تنفیذی، اور عدالتی، تنہا اسی میں جمع ہیں۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ ترکی میں دناوری مسولیت کا وجود نہیں ہے، بلکہ سرے سے اس معنی میں کوئی وزارت اور تنفیذی قوت موجود نہیں ہے، جس معنی میں دنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں ان کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ تنفیذی قوت، خود مجلس وطنی ہی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے ارکان کی ایک جماعت کے ذریعہ یہ قوت استعمال میں لاتی ہے۔ ارکان کی اس جماعت کو صدر جمہوریت یا صدر مجلس منتخب کرنا ہوا اور معلوم ہے، صدر جمہوریت اور صدر مجلس دونوں کا انتخاب خود مجلس کرتی ہے۔ پھر ان ارکان کے انتخاب کی لازمی شرط یہ بھی ہے کہ مجلس انھیں منظور کر لے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صدر جمہوریت یا صدر مجلس کے انتخاب کردہ ارکان بھی حقیقت میں مجلس ہی کا منتخب کردہ ہوتے ہیں۔ یہی ارکان، وزراء ہیں جنھیں ترکی اصطلاح میں ”دکیل“ کہتے ہیں۔ یعنی وہ تنفیذی قوت کے اجراء میں مجلس کے دکیل یا نائب ہیں۔ اپنی وکلاء کی مجلس، حکومت کی مجلس کہلاتے ہیں۔ اس صورت حال کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ قانون اساسی کی رو سے مجلس وطنی کسی حال میں بھی تو قری یا بروا نہیں کی جاسکتی اگر کبھی مجلس وکلاء اور مجلس وطنی میں اختلاف پیدا ہو جائے تو آخر الذکر نہیں، ہمیشہ اول الذکر کی کو مستغنی ہونا پڑے گا! اسی طرح عدالتی قوت بھی مجلس وطن ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ہر استعقال کا حق عدالتوں کو بخشی ہے۔ گویا عدالتیں ذات خود کو کھینچتیں نہیں رکھتیں۔ دیکھی مجلس وطنی کے محض ”دکیل“ ہیں۔

### مجلس وطنی اور صدر جمہوریت

صدر جمہوریت یہی مجلس وطنی کا صدر ہوتا ہے۔ وجہ چاہی مجلس کے جلسوں کی صدارت کرے اس کی عدم موجودگی میں اس کا نائب صدارت کرتا ہے۔ صدر جمہوریت کے اختیارات یہ ہیں کہ مجلس وکلاء کا انتخاب دہی کرتا ہے (جس کی تصدیق کے لئے مجلس وطنی کی منظوری ضروری ہے) سفراء کے کاغذات دہی قبول کرتا ہے۔ مجلس وطنی کے جلد قوانین اس کے نام سے شائع ہوتے ہیں۔ مجلس کے سالانہ افتتاح کے موقع پر یک جزوی کو دہی افتتاحی تقریر کرتا ہے۔ مہربوں کو معافی دینے کا بھی اسے حق ہے، مگر بہت محدود۔ لیکن جب رسل کا اعلان اور معاہدوں کا انعقاد اس کے اختیارات سے بالکل باہر ہے۔ یہ کام صرف مجلس وطنی کے ہیں۔ صدر جمہوریت مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ مجلس اس سے صرف اسی وقت باز پرس کر سکتی ہے جب وہ ملکی خیانت کا مرتکب ہو۔ اس کی صدارت کی مدت ۴ سال ہے۔ یہی مدت، مجلس وطنی کی طبیعتی عمر ہے۔ اس کے



## مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے سفرِ آستانہ کی تفصیل گزشتہ ہفتہ لکھ چکا ہوں لیکن جس جوش و خروش کا اظہار بائیں گان شہر نے اُنکے استقبال کے موقع پر کیا اور جس سلسلہ آجک جا رہی ہے، اُس کی تصویر قلم کو کھینچنا آسان نہیں ہے۔ میں نے گزشتہ ۱۵ سال میں یہاں بیٹے بڑے تاریخی مظاہرے دیکھے۔ ان میں سے ہر مظاہرے کے متعلق یہی خیال ہوتا تھا کہ اس سے بڑے مظاہرے کا ہونا مشکل ہے۔ لیکن مجھے اقرانِ کراٹر تاجو کہ جو کچھ میں نے اس موقع پر دیکھا، اسکے مقابلے میں پھر تمام مظاہرے بے حقیقت ہیں!

غازی محمد صہ میں  
پرسوں غازی مؤرخ شہزادہ تشریف لے گئے جہاں صحت پنا  
تبدیل آب و ہوا کے لئے مقیم ہیں۔ اُن کی ملاقات کے بعد غازی کا  
دن رات کو دوا پس چلے گئے۔ اس سفر میں اُن کے ساتھ وزیرِ خارجہ  
توفیق رشتی بک اور وزیرِ عدالت محمد اسد بک وغیرہ بھی تھے۔

افغانستان اور ترکی  
۴ دن پہلے یہاں ہزار سکنسی محوطہ طرزی خاں وزیرِ خارجہ افغانستان  
ترکی وزیرِ خارجہ توفیق رشتی بک کے ساتھ وارد ہوئے۔ آمد کی عرض  
غازی مصطفیٰ کمال پاشا سے ملاقات کرنا تھی۔ چنانچہ ملاقات ہو گئی اور  
مؤرخ یورپ روانہ ہو گئے۔

سیاسی حلقوں میں اس ملاقات کا اہمیت دیکھائی ہے۔ کیونکہ جیسا  
کہ اپنے پچھلے مکتوب میں عرض کر چکا ہوں، اس وقت روسی انگریزی  
نزاع نے افغانستان کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے اور وہ برطانیہ کی  
تعدی سے بچنے کے لئے ابھی سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

بیزنٹینی آثار  
تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ روم کی غفلت کے زوال کے  
بعد ایک زمانہ میں قسطنطنیہ نے کتنا عروج حاصل کر لیا تھا؟ یونان اور  
روم کا تمام علم و فن سٹ کر اسی عروسِ اہلاد میں جمع ہو گیا تھا۔  
پھر یہ بھی معلوم ہے کہ یونان اور روم کے عہدِ غفلت میں گھوڑوں و گداز  
کے میدانوں کو کتنی اہمیت تھی۔ اُنکی آرائش کا کیسا اہتمام کیا جاتا  
تھا؟ ان میں کامیابی حاصل کرنے والوں کی کتنی تعظیم و تکریم ہوتی تھی؟  
اُس عہد میں یہ چیز اس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ ہر کسب و کار کا ذکر کرنا  
بڑا۔ عام طور پر یہ میدان کسی بلند تیکرے پر بنائے جلتے تھے۔ تقریباً  
۲۰۰ میٹر چوڑے ہوتے تھے۔ (ان کا نام "ہیڈروم"  
تھا۔ قسطنطنیہ میں بھی ایک ہیڈروم تھا اور از حد وسیع اور شاندار  
تھا۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہوں نے اس کی آرائش پر صدیوں محنت کی  
یہاں تک کہ وہ دنیا بھر میں مشہور ہو گیا تھا اور دور دور سے سیاح  
اُسے دیکھنے کے لئے آتے تھے۔

تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ ہیڈروم "ٹھیک" استنبول کے قلب میں  
اُس میدان کے اندر واقع تھا، جس کے ایک طرف اب جامع سلطان  
احمد ہے، اور دوسری طرف جامع ایا صوفیہ ہے۔ حکومت عثمانیہ نے  
اس میدان میں تنقید (کھدائی) کی اجازت دینے سے ہمیشہ انکار  
کر دیا تھا لیکن جمہوری حکومت نے اجازت دے دی۔ چنانچہ پروفیسر  
اسٹیلی کاسن کی ماتمی میں اہلین آمد کی ایک جماعت کھدائی میں  
شغول ہے۔ اس وقت تک جتنے آثار برآمد ہو چکے ہیں اور آئندہ متنبو  
نکلیں گے، وہ بڑی حکومت کی بلک ہونگے۔

جمہوریت کا سالانہ الاؤنس تیرہ ہزار ترکی پونڈ ہے۔ اُس کے  
قیام اور سرکاری مجلسوں کے مصارف اس کے علاوہ ہیں۔ اُسے  
تین سو تیس بھی دی جاتی ہیں۔ ایک اُس کی ذات خاص کے لئے  
ہوتی ہے اور دوسرے اُس کے ذرائع کے لئے ہر وکیل یا درو کو سالانہ  
۷ سو ترکی پونڈ ملتے ہیں۔ مجلسِ وطنی کے مصارف کا آخری جوٹ  
۱۹۱۱-۱۹۱۲ء میں ترکی تھا۔

"تورک ادباغی"

"تورک ادباغی" کا نام دت سے اخبارات کے صفحوں پر گشت  
کر رہا ہے۔ یہ ایک آدمی اس کی حقیقت سے واقف ہیں۔ "تورک ادباغی"  
کے معنی ہیں کی وطن۔ یہ دراصل ایک عظیم الشان انجمن ہے۔ سلاطین  
میں قائم ہوئی تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ترکی قوم میں وحدت  
و وطنیت کے جذبات برانگیختہ کئے جائیں۔ اُسے ذہنی و دماغی ترقی  
کے لئے تیار کیا جائے، اور ملک کو اجنبی مداخلت و تسلط سے بچایا  
جائے۔ جنگ سے پہلے اسے بہت اہمیت تھی۔ دت حاصل تھی۔ عام  
طور پر جوان ترک اُس کے حامی تھے۔ حکومت کے اکثر مجسے دار  
اُس کے ارکان اور ممبر تھے۔ جنگ عمومی نے اسے عارضی طور پر رکھ  
کر دیا تھا۔ مگر جنگ کے شکست پر ختم ہوتے ہی پھر اُسے قوت حاصل  
کر لی اور پچھلے جہاد آزادی میں..... بڑے بڑے کارہائے نمایاں  
انجام دیے۔ یہ جہاد کامیابی پر ختم ہوا اور انجمن کا ایک اساسی مقصد  
بھی پورا ہو گیا۔ اس لئے اُس کے پروگرام میں ترمیم کی ضرورت  
محسوس کی گئی۔ چنانچہ سلاطین ۱۹۱۷ء میں اُس کی علم کا نفر انس انکوار  
میں منعقد ہوئی اور پروگرام میں ترمیم و تبدیلیاں کیا گیا۔..... اُس کے  
موجودہ پروگرام میں یہ تین دھات بہت اہم ہیں۔

(۱) جمہوری افکار کی اشاعت۔

(۲) جدید تمدن کو مقبول بنانا۔

(۳) مسادات کی تعلیم و تبلیغ۔

جنگ آزادی کے بعد سے اس انجمن کا صدر دفتر قسطنطنیہ کے  
بجائے انگورہ میں منتقل ہو گیا ہے۔ سلاطین ۱۹۲۳ء میں اُس کی سالانہ کانفرنس  
کا افتتاح خود غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے کیا تھا۔ اس وقت سے  
اُسے بہت زیادہ اہمیت و مقبولیت حاصل ہو گئی ہے۔

اس انجمن کی ۲۷۳ شاخیں ہیں اور تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہیں  
مرکزی انجمن کی انتظامی مجلس ۱۲ ارکان سے مرکب ہوتی ہے۔ شاخوں  
کی انتظامی مجلسوں میں سے ہر گن ہوتے ہیں۔ ہر شاخ کو قوری آؤنکا  
ہو کہ مقامی حالات و مصالح کی رعایت سے اپنا الگ پروگرام بنالے  
چنانچہ بعض علاقوں میں یہ انجمن صرف دہائی امراض کے خلاف جد  
جدد کرتی ہے۔ بعض میں بچوں کی تربیت اُسے اپنے ذمہ لے لی ہے۔  
بعض میں عورتوں کی ترقی اس پر اس کا مقصد ہے۔

اس انجمن میں مرد اور عورتیں یکساں طور پر شریک ہیں۔ چنانچہ  
قسطنطنیہ کی انجمن کی صدر ایک عورت ہی ہے۔ یہ قانون بنایت  
تعلیم یافتہ اور مغز ہے۔ اس کا نام فقیہہ خاتم ہے۔ انجمن کی مصارف  
کے ساتھ ساتھ وہ ایک ثانوی مدرسہ (سکندرہ اسکول)  
کی مہتمم بھی ہے۔

ترکی میں "خلق فرقہ سہ" کے بعد ب سے زیادہ طاقتور  
انجمن یہی ہے اور بہت مفید کام کر رہی ہے۔

اختتام پر مجلس کے انتخاب کے ساتھ جمہوریت کا بھی انتخاب ہوتا  
ہے۔ پُرانا صدر دوبارہ صدر ہو سکتا ہے بشرطیکہ مجلسِ وطنی کے انتخاب میں  
کامیاب ہو جائے۔

خاص روایات

مجلسِ وطنی کی بعض روایات بالکل اوکی ہیں مثلاً یہ کہ وہ کسی سال  
میں بھی برخاست نہیں کی جاسکتی، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پھر وہ سال  
کے بارہ مہینوں میں کبھی چھٹی نہیں آتی۔ ہمیشہ اُس کے جلسے منعقد ہوتے  
ہیں۔ حالانکہ دنیا کی دوسری پارلیمنٹ عام طور پر کسی ایک موسم میں بند  
رہتی ہیں۔ لیکن خود مجلس کو اختیار ہے کہ جب چاہے اپنے آپکو منتشر کر  
دے۔ اس صورت میں انتخابات از سر نو جاری ہونگے۔ اسی طرح اگر  
مجلس کبھی چھٹی لے لے تو اُس کے دوبارہ اجتماع کے لئے صدر جمہوریت  
یا مجلسِ کلاہ (وزراء) کی دعوت کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی بلا کسی  
کی دعوت یا حکم کے جمع بھی ہو جاتی ہے۔ جب کبھی مجلس چھٹی پر ہو یا ٹوٹ  
جائے تو اُس کے دوبارہ اجتماع یا انتخاب سے پہلے حکومت نہ کوئی  
قانون جاری کر سکتی ہے نہ کوئی اور نئی کارروائی کر سکتی ہے۔ حالانکہ وہ  
ملکوں میں طریقہ یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں حکومت مزدوری قانون جاری  
کر دیا کرتی ہے اور بعد میں پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کر لیتی ہے۔

دینی امور

لیکن ملک میں صرف ایک شعبہ ایسا موجود ہے جس پر مجلسِ وطنی کو کوئی  
اختیار نہیں ہے۔ وہ شعبہ دینیات کا ہے۔ یہ اس لئے کہ ترکی میں مسیحی  
اور دین کو بالکل الگ کر دیا گیا ہے۔ دینی امور کی انجام دہی کے لئے  
ایک مستقل شعبہ بنایا گیا ہے۔ اس شعبہ کے صدر کا رتبہ، وکیل یا وزیر  
کا رتبہ ہے۔ یہ صدر مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ دین الوکلاہ  
یا وزیر اعظم اُس سے جواب طلب کر سکتا ہے۔ اور وہی مجلسِ وطنی کو اس  
شعبہ کے حالات سے مطلع کرنا ہے۔

مجلسِ وطنی تمام معاملات پر اپنے ارادہ و اختیار سے بحث کرتی ہے  
اُس میں دوسری پارلیمنٹوں کی طرح پارلیمنٹری کمیٹیاں موجود ہیں  
ہیں۔ مجلسِ کلاہ مزدوری مسائل مجلسِ وطنی کے سامنے پیش کرتی ہے اور  
وہ براہ راست اُس پر بحث کرتی ہے۔

"محاکم استقلال"

ترکی کے "محاکم استقلال" کا نام تمام عالم میں مشہور ہو چکا ہے۔  
یہ بھی مجلسِ وطنی کی ایک غیر معمولی عدالتی قوت کا نام ہے۔ محاکم استقلال  
بے مقصد وہ خاص عدالتیں ہیں جو جمہوریت پر خطرے کے دت سے  
اختیارات کے ساتھ قائم کر دی جاتی ہیں۔ یہ ایک طرح کی جنگی عدالت  
کھی جاسکتی ہے۔ یہ فوراً فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن اُس کے فیصلہ کی تنفیذ  
بغیر مجلسِ وطنی کی منظوری کے نہیں ہو سکتی۔ جب یہ عدالتیں قائم ہو جاتی  
ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ملک حالت امن و سلامتی میں  
نہیں ہے۔

مخالفت پارٹیاں

مجلسِ وطنی میں مخالفت پارٹیاں موجود نہیں ہیں۔ اس میں صرف  
ایک ہی پارٹی ہے اور وہ جمہوریت یا مصطفیٰ کمال پاشا کی پارٹی ہے  
مجلسِ وطنی کے کل ممبروں کی تعداد ۲۸۸ ہے۔ اس میں کمائی پارٹی کے  
آدمی ۲۰۰ ہیں۔ یعنی کل ۱۸ ممبر اس پارٹی سے باہر ہیں۔ ظاہر ہے  
انہی قلیل جماعت کو مخالفت پارٹی نہیں کہہ سکتے۔

مجلس کا الاؤنس

مجلسِ وطنی کے ممبروں کو ہر ماہ الاؤنس نہیں دیتا۔ بلکہ انتخاب  
میں کھائی کے دن پورے پارلیمنٹری سال کے لئے ایک مختص طے کیا  
ہو۔ ہر ممبر کو سو ترکی پونڈ یعنی تقریباً ساٹھ سو انگریزی پونڈ  
الاؤنس ملتا ہے۔



حجاج بن یوسف الثقفی

بیان کیا گیا ہو کہ جنگوں کے علاوہ حالت امن میں اُسے ایک لاکھ ۲۰ ہزار آدمی قتل کئے تھے (معد الفریہ - البانی والتبیین فیہ) بٹے بٹے اخبار و ابرار مثلاً سعید بن جبیر وغیرہ کی گردنیں اُٹا دیں۔

## مراسلہ

### لکھنؤ سے ایک انگریزی روزانہ کا اجواء

ایڈیٹر کمدی

ہندوستان میں صوبہ جات متحدہ آکرہ واپس آ جہاں ہم مردہ  
ہے وہ متحدہ شریعہ نہیں - مگر صوبہ ہند کے مسلمانوں کی انتہائی  
بد نصیبی ہے اس زمانہ میں جب کہ ان کو قدم قدم پر ایک  
حقیقی رشتہ و مدد وکیل کی ضرورت ہے ان کے پاس ایک ہی  
روزانہ انگریزی اخبار نہیں ہے -

اللہ آباد اور علی گڑھ سے دو انگریزی اخباروں کے نکلنے کی کوشش  
ہوئی مگر اول اندام محض اخباری لیکر دیا گیا تھا اور  
مؤخر الذکر اگرچہ اسلام کے تعلیمی موزوںے جاری ہوا مگر اس  
میں بد قسمتی سے شخصی عنصر اس درجہ غالب تھا کہ وہ ترقی  
نہ کر سکا - دونوں جس بے سروسامانی ہی حالت میں آئے تھے  
اسی طرح رخصت ہوئے - ان کی موت نے افسوس ناک نتائج پیدا  
کردیے - یعنی مسلمانوں کو اپنے روزانہ انگریزی اخبارات سے بد ظنی  
پیدا ہو گئی - جس سے باعث معقول انگریزی روزانہ اخبار اب تک  
نہیں نکل سکا - چنانچہ اس وجہ سے اور کچھ اس سبب سے کہ  
جناب آئریل سید رضا علی صاحب پبلک سروس کمیشن کے صدر  
ہوئے تھے - انگریزی روزانہ اخبار ہی وہ اسکیم جو وسط سہ ۱۹۲۶ء میں  
لکھنؤ میں طیار مونی تھی عملی جامہ نہ پہن سکی - لیکن اس ایک  
پرس کی مدت سیاسی نقطہ نظر سے نہایت اہم ثابت ہوئی اور  
موجودہ اور آئے والی پیچیدگیوں کے فوم کے رشتوں کو مجبور کیا کہ  
وہ آئریل سرما راجہ صاحب پبلر محمود آباد کی سرکردگی میں  
معقول سرمایہ اور بہترین اسٹاف کے ساتھ مسلمانوں کا انگریزی روزانہ  
اخبار لکھنؤ سے جاری کریں - یہ اسکیم نہایت شاندار ہے جو کہ صرف  
مسلمانوں کے ایک زبردست روزانہ انگریزی اخبار اور بہترین پریس  
کی حامل ہوگی - بلکہ مسلمانوں کی ذاتی منفعت کا بھی معقول  
ذریعہ ثابت ہوگی

ایک کمپنی قائم کی گئی ہے جس کے ڈائریکٹر حسب ذیل ہیں :

سر مہاراجہ صاحب بہادر زلی - محمود آباد - سر سید علی امام  
صاحب پورستراپت لا - پٹنہ - راجہ صاحب ناٹھارہ ضلع بہرائچ -  
آئریل راجہ نواب علی خاں صاحب تعلقہ دار - محمدرضا علی آف اسٹیٹ -  
مواوی محمد اسدیم صاحب بی - اے - ایڈوکیٹ لکھنؤ -

کمدی مددور کی اسکیم نہایت تجربہ کار اور رائف کار اصحاب سے  
تیار کی ہے - ان ایک اعلیٰ درجہ کے پریس اور انگریزی اخبار کے اجراء  
کا مشورہ دیا ہے - پریس انگریزی اور اردو ہر قسم کا بہترین کام  
کریگا - پریس اور اخبار کے انتظامات صرف معتبر اور آئندہ کار  
عالموں میں رہیں گے - چنانچہ ایڈیٹریل اور انتظامی خدمات کے لیے  
بہترین اشخاص منتخب دیے گئے ہیں - اور اسکیم میں ہر مدد  
کا پہلو رکھا گیا ہے تاکہ جو لوگ کمدی - حصص خریدیں ان کو  
منافع کی شان میں معقول مالی فائدہ پہنچا رہے -

کمپنی کے متعلق پراسیدنس انگریزی اور اردو میں چھپ رہے  
ہیں - حصوں کے خریداری کے فوم بھی تیار ہیں - مسطور حسن  
عابد جعفری زلی پورستراپت لا سے محمدرضا علی خاں صاحب  
لکھنؤ کے پتہ پر مسکنے ہیں اور انہی سے تمام مزید حالات معلوم  
معمودہ ہو سکتے ہیں - خاکساران

آل انڈیا محمد یعقوب - تصدق احمد خاں - پٹنہ

ملت ترک کردی تھی - راہ حق سے کٹ گیا تھا - صالحین کے  
طور طریقہ سے دور ہو گیا تھا - تو نے نیک انسان قتل کر کے ان کی  
جماعت فنا کر ڈالی - تابعین کی چیزیں کاٹ کر ان کا پاک  
درخت الہاز پھینکا - افسوس تو نے خالق کی نافرمانی میں مخلوق  
کی اطاعت کی - تو نے خون کی ندیاں بہادیں - جانیں لیں -  
آبروئیں برباد کیں - کبر و جبر کی رزش اختیار کی - تو نے نہ اپنے  
دین ہی بچایا نہ دنیا ہی پائی - تو نے خاندان مروان کو عزت  
دی ' مگر اپنا نفس ذلیل کیا - ان کا گھر آباد کیا ' مگر اپنا گھر  
ویران کر لیا - آج تیرے لیے نہ نجات ہے نہ دان فریاد - کیونکہ تو آج  
کے دن اور اس کے بعد سے غافل تھا - تو اس امت کے لیے  
مصیبت اور قہر تھا - اللہ کا ہزار ہزار شکر کہ اسے تیری موت سے امت  
کو راحت بخشی ' اور تجھے مغلوب کر کے اسکی آرزو پوری کردی !

(حجاج کی عجیب رحمت طلبی !)

راوی کہتا ہے - حجاج یہ سن کر مہرہت ہو گیا - دہر تک سناٹے  
میں رہا - پھر اس نے ٹھنڈی سانس لی ' آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا  
آئے ' اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا :

"الہی ! مجھے بخش دے ' کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ تو مجھے  
نہیں بخشے گا ! " پھر یہ شعر پڑھا :

رب ان العباد قد ایسرنی ورجائی لک الفداء عظیم !

الہی ! بندوں نے مجھے نا امید کر ڈالا ' حالانکہ میں تجھ سے  
بڑی ہی امید رکھتا ہوں !

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں -

اسمیں شک نہیں ' رحمت الہی کی بے کنار وسعت دیکھتے  
ہوئے اسکا یہ انداز طلب ایک عجیب تاثیر رکھتا ہے اور اس باب میں  
بے نظیر مقررہ ہے - یہی وجہ ہے کہ جب حضرت حسن بصری سے  
حجاج کا یہ قول بیان کیا گیا تو وہ پہلے تو متعجب ہوئے "کیا واقعی  
اسنے یہ کہا ؟" کہا گیا "ہاں اسنے ایسا ہی کہا ہے " فرمایا "تو شاید !"  
(یعنی شاید اب بخشش ہو جائے)

## اطلاع

اس نمبر کے تمام فارم طیار ہرچکے تھے - صرف آخری چور صفحہ  
باقی تھا کہ ایک حادثہ کی وجہ سے خوشنویس اپنے وطن چلے گئے ' اور  
ان کی جگہ جس خوشنویس سے کتابت کا انتظام کیا گیا ' وہ بھی  
بروقت کام نہ کر سکے - نتیجہ یہ نکلا کہ ان تمام مضامین کی کتابت  
رہ گئی جو آخری چور صفحہ میں دیے جاتے ہیں - ممکن تھا کہ یہ  
تمام حصہ کمپوز کرائے شامل کر دیا جاتا ' لیکن اسکی وجہ سے ایک دن  
کی تاخیر ہوجاتی - چونکہ اب ہم سب سے زیادہ ضروری بات رسالہ کی  
بروقت اشاعت سمجھتے ہیں - اسلیے یہی مناسب نظر آیا کہ یہ  
نمبر ۲۲ صفحہ ہی کا شائع کر دیا جائے ' مگر اشاعت میں تاخیر نہر -  
انشاء اللہ اسکی تلافی آئندہ اشاعت میں ہرجائیگی - اب خوشنویسوں  
کا بھی ایسا انتظام کر لیا گیا ہے کہ آئندہ راکوت پیش نہ آئے - منیجر



# ان تمام اصحاب کیلی

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی فلسفی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویروں، پوائے سیکے اور نقش، پوائے زور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پوائے صنعتی عجائبات و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ ہم از ہم عمری نمائش گاہوں اور ذخائر میں فہرستیں بھی منگوا لیجیے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کیلئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے تیار معمولی، مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، واسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ، محالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

با این ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں !

## بزرگ یورپ، امریکہ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، آب خانے، اور عجائبات خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قلعہ کے آٹے، یوان ساہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی کے فراہم کیے ہیں۔

## اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو آپ فروخت کر کے بدلے بھی پلے ہم ہی سے خط و کتابت کیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفیری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔





## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

تالمر اف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا نااہلہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مہمات جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے لکھے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے پاس کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورلڈ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

یہ طلب کرسکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

تالمر اف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار منچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدلی نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات بحث کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں۔ ادبی اہمیت کا عام طور پر اعتراف دیا گیا ہے۔

اپنے پاس کے ایجنٹ سے تبادلہ کیجئے کہ وہ تالمر لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے بھیجا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

یہ براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

## برونو موڈر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو کوم ملوں کے میروں کو خشک کرنے اور ہمارے کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینیں کا یہ دہان کارخانہ ہے۔ مادیہ باز پڑھ سے خطر کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں 'تورڈوں' اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "ٹے سسٹم" کے نام سے منہج ممالک میں مشہور ہے۔ اس "ٹے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، 'ٹیم بکس ایجنسیوں' ہندوستان سے خام پیداوار بچھیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، نسبی سی مہمات اور کمزور سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کردار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح آپ کو ان کے گرو اور بہت سی سفارشات چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھن کے حالات اور اصول مہمات معلوم کر کے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت کم خرچہ سے بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خود کتابت کریں۔ ہم یہ کام یہ جانتے ایک مہر فن کے گرو ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو تمام ضروریات کا ایک مفید کتاب ہم اس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Grove Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUREKI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

سلطان علی

# الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکار روڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول      بارہ روپیہ  
ہندوستان سے باہر کیلئے      سولہ روپیہ  
خدمت شش ماہی      سات روپیہ  
خدمت فی پرچہ      پانچ روپیہ

- ( ۱ ) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضمین سے تعلق رکھتے ہوں ان کے اگلا پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے۔
- ( ۲ ) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔
- ( ۳ ) براہ عدالت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھو۔
- ( ۴ ) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیں جسکی اطلاع لوگوں کو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔
- ( ۵ ) اگر کسی صاحب نے پاس اولی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ورنہ صورت تغیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔
- ( ۶ ) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرے، مقامی ذائقہ اور اطلاع دیگر اشخاص کو لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیش از اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں۔
- ( ۷ ) مہی اردو روانہ ہونے وقت فارم کے اوپر پر اپنا نام زد و ضرور لکھیں۔
- ( ۸ ) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض ( مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مملو کا ہر پرچہ۔

## ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

جلد ۱

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں ، وہ ہیں جن میں الھلال چھپتا ہی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں ۔ آپ ان دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں ۔ لیکن بہتر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رای سے ہمیں اطلاع دیجیے ۔ یاد رکھیے ۔

طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلی سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہی ۔ ضروری ہی کہ اسکی تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں ۔

الھلال

## قاریین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۵۸۳ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

|     |                        |     |                              |
|-----|------------------------|-----|------------------------------|
| ۱۹۰ | اردو حروف کی حق میں    | ۶۰  | عربی حروف کی حق میں          |
|     | حروف کی حق میں بشرطیکہ | ۱۱۱ | موجودہ مشترک طباعۃ کی حق میں |
| ۴۳  | نستعلیق ہون            | ۱۷۹ | پتھر کی چھپائی کی حق میں     |

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی اجاب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہی۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہی۔ آئندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کریں گی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائیں بھیج دیں۔

## مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

نہیں کرسکتے۔ وہ میرے لب و لہجہ میں ہرگز کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرسکتے۔ نہ تو لاهوتی، ایمان کی ریاکارانہ تلقین کر کے مجھے جھوٹا بناسکتے ہیں۔ نہ فلاسفہ مجھے مذاقت کا طعنہ دیکر العاد پر آمادہ کرسکتے ہیں۔ میں برابر اپنے دین کا اعلان کرونگا، کیونکہ میں دین رہتا ہوں۔ میں بیانگ دھل آئے شہرت دونگا، کیونکہ مجھے میں اعلان و اشتہار کی شجاعت موجود ہے۔ آہ! میں نے کتنی تمنائیں کیں کہ سب لوگوں میں اتنی ہی شجاعت ہوتی! اگر سب میں اتنی شجاعت ہوتی، تو انسانیت کو کتنا نفع پہنچتا؟

(حضرت مسیح کا شاگرد)

”اے میرے آقا! میں مسیحی ہوں۔ میں اخلاص کے ساتھ تبدیلی مذہب کا مسیحی ہوں۔ ہاں میں مسیحی ہوں، لیکن پادریوں کا شاگرد نہیں ہوں، بلکہ خود مسیح (علیہ السلام) کا شاگرد ہوں۔ میرا استاد، کتابوں کی عبارتوں پر بحث نہیں کرتا تھا، لیکن عمل پر نظر رہتا اور عمل ہی پر زور دیتا تھا۔ اس نے ہمیں جس ایمان کی تلقین کی ہے، اس کے قواعد و اصول بہت زیادہ اور پیچ در پیچ نہیں ہیں۔ صرف گنتی کی چند موٹی موٹی باتیں ہیں۔ لیکن اس نے جس نیکی کی تعلیم دی ہے، اس کی شاخیں بے شمار اور اُسکی راہیں بے حساب ہیں۔ اسنے ہمارے ایمان میں موشگافیاں نہیں کی ہیں، لیکن عمل صالح کی پورے شرح و بسط سے تفسیر کی ہے۔ اس نے ایمان کیلئے صرف دو تین موٹی موٹی باتیں ضروری ٹہرائی ہیں، لیکن عمل کی نیکی کیلئے کوئی گنتی نہیں بتائی ہے، کیونکہ عملی نیکیاں ان گنت ہیں۔ اس نے جہاں کہیں انبیاء کے نمونوں پر زور دیا ہے، وہاں ایمان سے زیادہ ان کے اعمال بتائے ہیں۔ اس نے اپنی اور تمام نبیوں کی تعلیم کا لب لباب اس ایک جملہ میں بیان کر دیا ”اپنے بھائی سے محبت کرنا“ پورا دین ہے!“

(دوستوں اور دشمنوں کو دعوت)

اسکے بعد لکھتا ہے :

”مجھے ہمیشہ خلوت کی پر مسرت زندگی حاصل نہیں رہی۔ لوگوں سے ملنے جیلے پر بھی مجبور رہتا رہا ہوں۔ میری ہر طبقہ کے لوگوں سے ملاقات ہے۔ میں نے مختلف سیاسی اور دینی جماعتوں کے لوگ دیکھے ہیں۔ میں مومنوں سے بھی ملا ہوں اور ملحدوں سے بھی۔ میں نے حکماء بھی دیکھے ہیں، چھلاء بھی، متعصب بھی دیکھے ہیں، غیر متعصب بھی، سنجیدہ بھی میری صحبت میں بیٹھے ہیں، اور مسخرے بھی۔ میرے دوست بھی بہت ہیں اور دشمن بھی۔ میں دنیا میں تمام آدمیوں کو جنہوں نے مجھے کبھی دیکھا یا جانا ہے، گلا پھڑ پھڑ کر پکارتا اور دعوت دیتا ہوں۔ وہ سامنے آئیں، اور میرے عقیدے کی بابت جو کچھ جانتے ہوں، برملا کہہ دلائیں! وہ جرات سے بڑھیں، اور بتائیں، کبھی، کسی حال میں بھی انہوں نے میرے عقیدے میں کوئی تبدیلی دیکھی یا محسوس کی؟ قہرہ خاے کی صحبتوں، کھانے کی میز کی نشستوں، بے تکلفی کی ملاقاتوں، سنجیدہ یا مذاح کی گفتگوؤں، غرضکہ کبھی

## انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

جان جاک روسو

أسقف کا جواب

(۳)

(وحدانیت یا تعدد؟)

أسقف نے لکھا تھا ”... وحدانیت اُسے (روسو) خیال میں ایک حقیر مسئلہ ہے اور کسی طرح بھی اُسکی عقل میں نہیں آسکتا۔ لیکن متعدد خداؤں کا تصور اُسکی عقل کے نزدیک معقول ہے...“

روسو جواب دیتا ہے :

”متعدد خداؤں کا کس نے ذکر کیا؟ اے میرے آقا اسقف! تجھے پر میروا صبر پڑے! میں نے یہ کب کہا؟ بے شک تمہاری دلی آرزو یہی ہوگی کہ میں اس درجہ احمق ہوتا، اور اس طرح کی احمقانہ گفتگو کرتا۔ لیکن اگر میں ایسا احمق ہوتا تو تمہیں میرے ”عالمانہ رد“ لکھنے کا یہ فخر بھی حاصل نہ ہوتا!“

”بلا شبہ میں نہیں جانتا کائنات کیوں بنی ہے، اور کیونکر بنی ہے؟ میرے سوا جو لوگ معرفت کے مدعی ہیں، وہ بھی اس باب میں مجھے سے زیادہ علم نہیں رکھتے۔ لیکن میں صاف دیکھتا ہوں کہ اس تمام حرکت کا محرک ایک ہی وجود ہے۔ تمام کائنات ایک ہی رخ رکھتی، اور ایک ہی قسم کے مقاصد پورے کر رہی ہے۔ یہ اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ کوئی ایک بلند تر آزادہ کارفرما ہے، اور کوئی ایک ہی بالاتر قوت عمل پدرا ہے۔ اس ارادے اور اس قوت کو میں ایک ہی ذات سے منسوب کرتا ہوں، کیونکہ وہ دونوں باہم متفق ہیں۔ اور ان دونوں کو ایک ہی ذات کا خاصہ سمجھنا، دو ذاتوں کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ معقول ہے۔ تعدد، صرف اُسی وقت تسلیم کیا جاسکتا ہے جب اُسکا کوئی ثبوت موجود ہو۔ لیکن کائنات میں کوئی اس قسم کا ثبوت موجود نہیں۔ یہ خیال سراسر وہم ہے کہ خیر و خالق اور شر و خالق ایک نہیں ہو سکتا۔ جس چیز کو ہم شر سمجھتے ہیں، وہ خلی الاطلاق شر ہی نہیں، شر مطلق نہ مجھے انکار ہے۔ یہ اعتداری شر بھی خیر سے برسر پیکار نہیں ہے، بلکہ نظام عالم کی تکمیل میں خیر کا مدد معارف ہے“

(روسو کا عقیدہ)

اسکے بعد روسو اپنی کتاب اور اپنے شخصی عقیدے کی طرف متوجہ ہوتا ہے :

”اب میں وہ سب بیان کرتا ہوں جس نے مجھے یہ کتاب شائع کرنے پر مجبور کیا۔ اس تمام شور و غوغا کے باوجود بھی میں اس کتاب کو اپنے عہد کی بہترین کتاب یقین کرتا ہوں۔ آگ کے شعلے، حکمرانوں کے فیصلے، مذہبی پیشواؤں کے فتوے، مجھے ہرز مرعوب



”میں نہایت عاجزی سے جواب دلا کرتا ہوں۔ بے شک یہ بالکل معقول ہے کہ انسانی عظمت انسانی شہادتوں سے طے کیے جائیں، کیونکہ ان کے ثابت ہونے کا اس کے سوا کوئی طریقہ موجود نہیں۔ بلاشبہ میں نے اسپارٹا اور ایتھنز کو آدمیوں ہی کی شہادتوں سے جانا۔ لیکن میں بہ ادب دریافت کرتا ہوں کہ میرے اور خدا کے درمیان ان واسطوں کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ضرور ہے کہ یہ واسطے مجھ سے اتنے دور ہوں کہ خود ان کے جاننے کے لیے، مجھے اور بہت سے انسانی واسطے تلاش کرنے پڑیں؟ کیا یہ معقول ہے کہ خدا جان جاک رسو سے گفتگو کرے؟ ایسے ہمیشہ ایک مرسو (علیہ السلام) کو دھونڈھتا پھرے؟“

”پھر یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اسپارٹا پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ اگر کوئی اُس پر ایمان نہ لائے تو لعنت کا مستحق نہیں ہو جائیگا۔ اسپارٹا کے وجود پر شک کرنے کی وجہ سے ہرگز کوئی درخ کا کدوا نہیں بن جا سکتا۔ لیکن اگر ایک شخص دینی تعلیمات کی تصدیق نہیں کرے تو اس کے لیے ابھی عذاب ہے۔ جس بات کے نہ ماننے کی اتنی بڑی سزا ہو، ضروری ہے کہ اس کے ماننے کے ذرائع و دلائل بھی اسی مناسبت سے قطعی اور واضح ہوں۔“

”کوئی بات بھی جو ہماری چشم دید نہیں ہے، بغیر معقول دلیل کے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور ہر بڑی سے بڑی راہب بھی صدق و کذب کی محتمل ہے.....“

”اگر معجزات خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوتے، جب بھی میں اس غیر معقول طریق ایمان سے انکار کر دیتا۔ ساحر کی تصدیق میرے لیے اس سے کہیں آسان ہے کہ خدا کے کلمہ کی غیر معقول طریقہ پر تصدیق کروں۔“

(موجودہ مسیحیت)

اس کے بعد رسو موجودہ مسیحی دین پر اظہار خیال کرتا ہے:

”اسقفوں اور پادروں نے مسیحیت کو اُسکی اصلی روح سے محروم کر دیا ہے۔ اب یہ سوال نہیں کیا جاتا کہ ایک مومن فرائض و واجبات کہاں تک انجام دیتا ہے؟ اور نیکی میں اُسکی درجہ کتنا ہے؟ سوال صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ کس فرقہ کے خرافات (جنہیں غلط طور پر ”عقائد“ کا نام دیا گیا ہے) مانتا ہے؟ وہ کیتھولک ہے یا پروٹسٹنٹ؟ تم سے یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ خدا سے کرتے بھی ہو یا نہیں؟ لیکن ہر کوئی اس بات پر تمہاری جان لینے کیلئے طیارہ چلا دیتا کہ تم فلاں ولی کی کرامت کے قائل بھی ہو یا نہیں؟ دین اپنی اصلی شکل میں صاف، سادہ، ستھرا تھا۔ اُسے ان جہہ پوشوں نے خرافات و خزعبلات اور غیر مفہوم قیل و قال کا غیر مرتب مجموعہ بنا دیا ہے۔ اگر تم اس تمام کثافت سے جو آج کل دین کے نام سے مرسوم ہے، از سرتا پا آلودہ ہو، تو بس، تم مومن کامل ہو۔ اب تمہیں کسی نیکی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ سیدھے آسمان کی بادشاہت (جنت) میں داخل ہو جاؤ گے!“

”انسانی جماعت کو دین سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، جبکہ دین اتنی پست سطح پر آجائے؟ اس صرت میں دین کا مقصد کیا رہ جاتا ہے؟ صرف یہ کہ انسانوں میں بغض و عناد کی تخم ریزی کرے، اور خونریز میدانوں کا سلمان بہم پہنچائے! بلاشبہ جب دین اس حالت میں آجائے تو اس کے وجود سے اسکا عدم کہیں زیادہ بہتر ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے

کسی موقع پر بھی انہوں نے میری زبان سے کوئی ایسا لفظ سنا جو اُس کے مخالف تھا، جسکا میں اپنی کتابوں میں اعلان و اشتہار کرتا رہا ہوں؟ وہ مناب صاف کہیں، ”انکی دلیلیں“ ”انکی نکتہ چینیاں“ ”انکا تمسخر“ ”بھی میرے عقیدے میں کوئی تزلزل پیدا کر سکا ہے؟ وہ بتالیں“ ”بھی“ ”ایک لمحہ کیلئے“ انہوں نے محسوس کیا کہ میں کوئی ایسا عقیدہ یا خیال رکھتا ہوں جو علی الاعلان دنیا کے سامنے ظاہر نہیں کرتا؟ ”ہاں“ میں اپنے تمام دوستوں اور تمام دشمنوں کو ایک ساتھ دعوت دیتا ہوں۔ دوستوں کو درستی کا واسطہ دیتا ہوں۔ دشمنوں کو دشمنی کی قسم دیتا ہوں۔ بے روزگاریت، بے خوف و خطر مردانہ وار میدان میں آئیں، اور جو کچھ بھی میری نسبت کہہ سکتے ہوں، بے کھٹکے کہہ ڈالیں! میں اپنے دوستوں اور دشمنوں، دونوں کی شرافت و دیانت پر بغیر کسی پس و پیش کے بھروسہ کرتا ہوں۔ میں اپنی پوری شرافت اُنکے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ میں ہرگز کسی سے بحث اور حجت نہیں کروں گا۔ جو کچھ بھی وہ کہہ دیں گے، بے چون و چرا تسلیم کر لوں گا!“

(انبیاء کرام کی عظمت)

”میں اُن تمام انسانوں کی عزت کرتا ہوں جنہوں نے مذاہب و ادیان قائم کیے ہیں۔ وہ سب عظیم کمال اور اعلیٰ فضائل کے مالک تھے۔ انکی عظمت و فضیلت ہمیشہ محترم و محترم رہے گی۔ سب کا دعویٰ تھا کہ وہ خدا کے پیغام بر ہیں۔ ممکن ہے وہ حقیقت میں پیغمبر ہوں یا نہ ہوں۔ سب لوگ کوئی ایک دعویٰ تسلیم نہیں کر سکتے۔ دلائل یکساں طور پر سب کی دسترس میں نہیں ہیں۔ لیکن اگر وہ فی الواقع پیغمبر نہ بھی ہوں، جب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کذاب اور دجال ہوں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ الٰہیات میں مسلسل تفکر اور فضائل کا غیر مفید عشق انسانی روح کو کس حد تک پہنچا دے سکتا ہے؟ منطق کو کیا حق ہے کہ مداخلت کرے یہ معاملہ عامیانہ سطح پر گئے آئے؟ غیر منطقی بلندی پر پہنچنے کے بعد ہمارا سر چکر جاتا ہے، اور ہماری نظریں اشیاء کو انکی حقیقی شکل میں دیکھنے سے قاصر ہو جاتی ہیں“

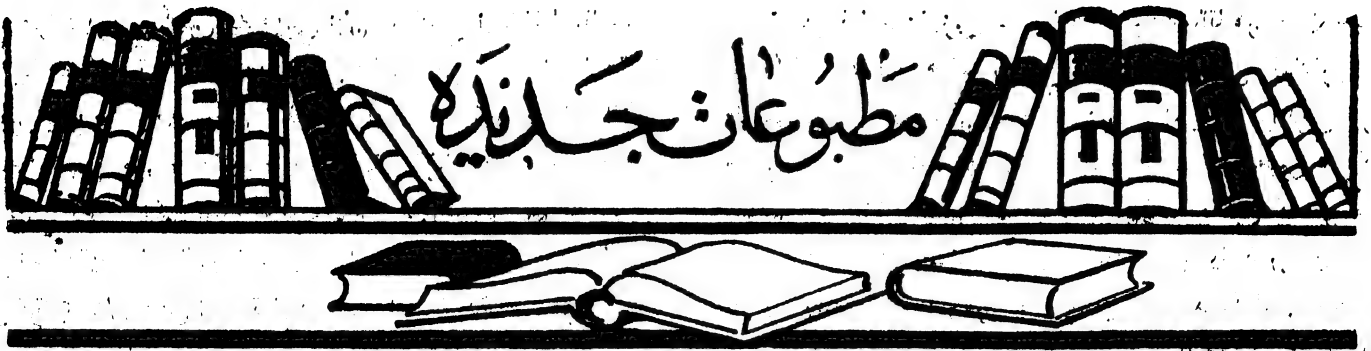
(معجزات)

معجزات پر رسو نے لکھا تھا ”یا للعجب! ہمیشہ آدمیوں ہی کی گواہیاں! آدمی، اپنے ہی جیسے آدمیوں سے سنتے ہیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے ہیں! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کتنے اُن گنت واسطے قائم ہوئے ہیں؟“

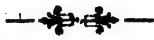
اس پر اسقف نے اعتراض کیا تھا ”اگر آدمیوں کی گواہی معتبر نہیں تو ہم پوچھتے ہیں۔ مؤلف نے اسپارٹا، ایتھنز، اور روم کو کیونکر جانا...؟“

رسو جواب دیتا ہے:

”اگر معاملہ اس درجہ اہم نہ ہوتا، یا میں اے آقا، آپکا اس درجہ احترام نہ کرتا ہوتا، تو آپ دیکھتے، آپ کے اس طریق استدلال نے میرے لیے اپنے ناظرین کو ہنسائے کی کیسی عمدہ فرصت مہیا کر دی تھی۔ لیکن حاشا وکلا! میں ہرگز اُس لہجہ سے دست بردار نہیں ہوں گا جو اس موضوع بحث کے لیے ضروری ہے، اور اُس شخص کے مرتبہ کے لائق ہے جس سے تغاطب کی عزت حاصل کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ میرے لیے اس قدر کافی ہے کہ آپ کی غلطی ظاہر کردوں“



## استحضار و مخاطبات ارواح



(عالم ارواح اور سرکوشن ڈائل کے نئے مباحث)

قارئین الہلال اس سے بے خبر نہ ہونگے کہ انیسویں صدی کے وسط میں استحضار و مخاطبات ارواح (روحوں کے آنے اور مختلف محسوس ذرائع سے سوال و جواب کرنے) کا جو مذہب امریکہ میں ظاہر ہوا تھا، وہ برابر نشر و نما پاتا رہا، اور اس وقت یورپ اور امریکہ میں اس کے معتقدوں کی ایک بہت بڑی جماعت موجود ہے۔ اس جماعت میں ہر درجہ اور ہر طبقہ کے آدمی پائے جاتے ہیں۔ فلسفہ و حکمت کے ماہر، علوم و فنون کے اساتذہ، علمی و صناعی انکشافات و اختراعات کے مشاہیر، ادب و کتابت کے مسلم ارکان، عام اہل قلم و نظر، کوئی حلقہ ایسا نہیں ہے جہاننگ اس اعتقاد کے اثرات نہ پہنچ چکے ہوں۔ اس کے اصول و قواعد مدرن ہو چکے ہیں، بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں، تحقیقات و تجارب کے باقاعدہ مجموعہ کام کر رہے ہیں، پچاس سے زیادہ اخبارات و رسائل صرف اسی موضوع پر شائع ہو رہے ہیں، ایک مکمل مذہب علمی کی شکل میں قواعد و مبادیات مرتب ہو گئے ہیں، اور معاملہ نے اس حد تک اہمیت حاصل کر لی ہے کہ وقت کے بعض اکابر اہل علم نے اپنے درس و نظر کے لیے صرف یہی موضوع منتخب کر لیا ہے!

انیسویں صدی کے اواخر کے علماء میں سے پروفیسر رسل ویلز نے جو ناموس نشو و ارتقا کے انکشاف میں دارون کا معاصر و شریک تھا، صاف صاف لفظوں میں اسکا اعتراف کیا تھا، اور اسے عصر حاضر کے خوارق سے تعبیر کیا تھا۔ پروفیسر ولیم کرکس نے جو انگلستان کا سب سے بڑا عالم کیمیا تسلیم کیا تھا، اور جس نے سب سے پہلے مادہ کے اشعاع کی حقیقت معلوم کی اور برق کے لیے وہ نیا آلہ ایجاد کیا جو اسی کے نام سے مشہور ہے، کئی ماہ کی تحقیقات و امتحان کے بعد یہ رائے قائم کی تھی کہ ”مخاطبات ارواح کے مشاہدات نا قابل انکار ہیں“ ڈاکٹر میڈرس (Muers) اور رچرڈ ہاؤسن کیمبرج یونیورسٹی میں علم النفس کے مسلم اساتذہ تھے۔ ان دونوں نے بھی بغیر کسی جھجھک کے اپنے اعتراف کا اعلان کر دیا تھا۔ پروفیسر

کہ دین کو اس پسمندی سے نکالیں۔ انسانیت کے ہم پر حقوق ہیں۔ یہی حقوق ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ دین کو خرافات سے پاک کر کے اہلی صورت میں پیش کر دیں۔ تمہاری یہ سزائیں، دھمکیاں، پھانسیاں، اور آگ کے شعلے ہمیں ہرگز مرعوب نہیں کر سکتے۔“

(عہد جدید کی پیشین گوئی)

”جب لوگوں کی آنکھوں پر سے پردہ اٹھ گیا اور حقیقت نظر آئی تو بلاشبہ وہ موجودہ دین کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیں گے۔ کیونکہ یہ حقیقی دین نہیں ہے۔ وہ سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ ان خود غرض اور رباکار پیشواؤں کے احترام سے انکار کر دیں۔ وہ ان سے کہیں گے: تم ہی نے ہمارا دین بگاڑا، اور تم ہی ہماری شقاوت کا سبب ہو۔ جب وہ مبارک زمانہ آئیگا تو اس کا سب سے زیادہ مبارک عمل یہی ہوگا۔“

(خاتمہ)

اپنا جواب، روسو اس عبارت پر ختم کرتا ہے:

”اے آسقف اعظم! تم اور تمہارے گروہ کے لیے باتیں بنانا بہت آسان ہے۔ تم لوگ اپنے حقوق کے سوا دوسروں کے حقوق نہیں جانتے۔ تمہیں صرف وہی قانون معلوم ہیں جن سے غیروں کو جکڑتے ہو۔ خود اپنے نفس کے مقید کرنے والے قانون تمہاری کتاب میں نہیں لکھے گئے۔ تم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں ہو کہ عدالت و انصاف سے بالاتر ہو، بلکہ انسانی عواطف و جذبات کا بھی اپنے تئیں پابند نہیں سمجھتے۔ تم کمزور پر تکبر سے ظام کرتے ہو، اور تم سے کوئی باز پرس نہیں کرتا۔ لوگوں کی توہین تمہارے لیے ویسی ہی آسان ہے، جیسی ان کے لئے تمہاری سنگ دلی سہل ہے۔ تم ہمیں اس طرح روندتے ہو جس طرح خاک روندی جاتی ہے۔ تم کبھی ہمیں آگ میں جلانے ہو، کبھی سولی پر چڑھانے ہو، کبھی صرف توہین و تذلیل پر اکتفا کر لیتے ہو۔ تمہارے قہر و غضب کیلئے ضروری نہیں کہ ہم سے کوئی خطا بھی سرزد ہوئی ہو۔ اگر تمہاری مصلحت کا اقتضا یہی ہے تو پھر اثبات جرم کے لیے کسی بات کی ضرورت نہیں۔ اور ہمیں شکایت کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ اگر ہم اسکی جرأت کریں کہ اپنی براءت اور تمہاری غلطی ظاہر کریں، تو ہم گستاخی کے مجرم قرار دیے جاتے ہیں!“

(آسقف سے آخری خطاب)

بے حقیقت آدمی ہوں۔ مجھے اتنا آرزو کہنے کی اجازت دیجیے کہ آپ دینی پیشوا ہیں۔ انجیل کے عالم ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ مخلوق کو اس کے فرائض کی تعلیم دیں۔ لیکن یہ تعلیم خود اپنے نفس سے شروع ہونی چاہیے۔ آپ کو ایک لمحہ کے لیے سونچنا تھا کہ میرے معاملہ میں آپ کا فرض کیا تھا؟ اور کہاننگ تھا؟ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب کچھ کہنے کو باقی نہیں رہا، اس لیے چپ ہو جاتا ہوں!“

”اے میرے آقا! آپ کے مجرمہ پر علانیہ طعن و تشنیع کی۔ بلکہ مجھے گالیاں لہنی دے ڈالیں۔ اگر میری طرح آپ بھی کوئی معمولی آدمی ہوتے اور میں اپنی کتاب کے سانہ آپ کو عدالت کے سامنے لے جا سکتا، تو آپ دیکھ لیتے کہ عدالت کا فیصلہ آپ کے حق میں آتا ہی سخت ہوتا، جتنا سخت یہ گناہ ہوا ہے۔ لیکن آپ ایک ایسی جماعت میں سے ہیں، جو منصف و عادل ہونے سے ہمیشہ کے لیے مستثنیٰ کر دی گئی ہے۔ رہا میں، تو میں ایک محض

تک 'بمشکل کوئی مہینہ ایسا گزرا ہے' جس میں سر ڈائل کی لڑائی نہ کوئی تحریر و تقریر اس موضوع پر شائع نہ ہوئی ہو۔ حال میں انگلستان کی انجمن روحانیوں نے ایک نہایت دلچسپ مجموعہ بارہ مقالات کا شائع کیا ہے۔ ان میں سے آٹھ مقالات سر ڈائل کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب پچھلی ڈاک سے ہمیں وصول ہوئی ہے اور اس موضوع پر افکار و تاثرات کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے۔

موجودہ انگریزی علم ادب میں سر کونن ڈائل کا نام ان کے مخصوص مذہب افسانہ نویسی کی وجہ سے اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ شاید ہی کوئی افسانہ نویس اس قدر مشہور ہوا ہو۔ انہوں نے فن سراغ رسانی کی افسانہ نویسی میں ایک نئے مذہب (اسکول) کی بنیاد ڈالی اور "شرلاک ہومز" کے نام سے اُس کے حیرت انگیز گارنائے قلمبند کیے۔ اُن کے قلم سے اگرچہ مختلف معاشرتی اور نفسیاتی موضوعات پر بہت سے افسانے نکل چکے ہیں، لیکن انکی شہرت کی اصلی تاریخ شرلاک ہومز کے کارناموں ہی سے شروع ہوتی۔ ان افسانوں کی مقبولیت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ شرلاک ہومز کا جو فرضی مکان نمبر ۱۰ - بیکر اسٹریٹ لندن میں دکھایا گیا تھا، وہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دماغ میں ایک حقیقی شے کی طرح موثر ہو چکا ہے، اور جب کبھی سیاحان عالم پہلی مرتبہ لندن جاتے ہیں تو یہ جاننے پر بھی کہ "شرلاک ہومز" محض ایک فرضی سراغ رساں سیر (کیونکٹر) ہے، اپنی طبعیت کو اس جذبہ سے نہیں رک سکتے کہ ایک مرتبہ بیکر اسٹریٹ جاکر کسی ایسے مکان کی زیارت کر لیں جسکا نمبر دس ہو!

احمد ریاض بے "عبد الحمید ثانی و در سلطنتی" (یعنی سلطان عبد الحمید ثانی اور اسکے عہد حکومت کی تاریخ) میں لکھتا ہے کہ سلطان موصوف شرلاک ہومز کے کارناموں کے اس قدر شائق تھے کہ حکم تھا، جونہی کوئی نیا افسانہ شائع ہو، فوراً ترکی میں ترجمہ کر کے پیش کر دیا جائے۔ ایک خاص شخص ادیب بے اس کام پر مامور تھا۔ آخری زار روس کی نسبت بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتا تھا "مجھے کتابوں کی قسم میں سے کوئی چیز بھی دل پسند نہیں ہے۔ الا شرلاک ہومز"

لومبروزو (Lombroso) جو اٹلی کا مشہور ماہر طبیعیات ہے اور جس نے باسٹیور کے بعد جوائیم کے علم کی تدوین کی، نہ صرف اس کا معترف ہوا بلکہ اس موضوع پر ایک رسالہ بھی لکھ کر شائع کیا۔ کیمیل فلا مارین (Camille Flammarion)



سر کونن ڈائل

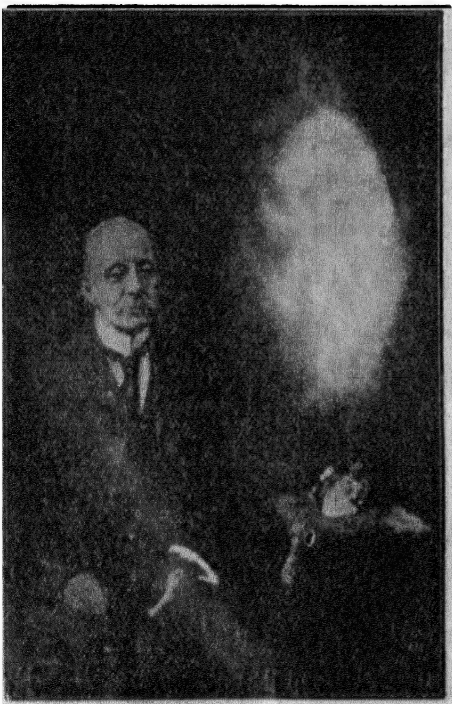
انیسویں صدی کے علماء فلکیات میں نہایت سر برآوردہ عالم تھا۔ غالباً چار پانچ سال پہلے اُس کا انتقال ہوا ہے۔ یہ نہ صرف اسکا معترف تھا بلکہ نہایت پر جوش معتقد تھا۔ اُسکی آخری دو کتابیں اسی موضوع پر ہیں اور یورپ کی تمام زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ پروفیسر ہکسلی، ڈاکٹر لونس، سر جان کاکس، پروفیسر پارکس، پروفیسر رولنر، ڈاکٹر ویبر، ولیم لیوپولڈ وغیرہم؛ جو انیسویں صدی کے دائرہ علم و نظر کے مسام ارکان تھے، کم و بیش اس کا اعتراف کر چکے ہیں۔

امریکہ کے مشاہیر علم و نظر میں چارلس نارٹن اور ولیم ڈاسن جو شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) میں علم النفس (سائکولوجی) کے استاد تھے، اُسکی تصدیق و حمایت میں برابر مقالات و رسائل شائع کرتے رہے۔ انگلستان کے عام مشاہیر سیاست و ادب میں مسٹر بالفور اور مسٹر اسٹیڈ (سابق معمر ریپبلو آف ریپبلوز) کا نام بھی اسکے معتقدین کی فہرست میں مشہور ہو چکا ہے۔ مسٹر اسٹیڈ نے تورجانی سوال و جواب کا ایک باقاعدہ دفتر بھول دیا تھا۔ اُنکے عالم اِزاج کے درستوں میں سب سے زیادہ مشہور دوست اسکاٹ لینڈ کی "مارگریٹ" تھی۔ اُنکا بیان تھا کہ وہ مارگریٹ کے ذریعہ عالم اِزاج کی تمام ضروری شخصیتوں سے نامہ و پیام کر لیا کرتے ہیں!

موجودہ عہد کے مشاہیر اہل علم میں چارلس الیٹ، ولیم جیمس، جیمس ہیڈلر، اور سر آلبر لاج Oliver Lodge خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ چارلس الیٹ اور ولیم جیمس ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) میں علم النفس کے استاد ہیں، جیمس ہیڈلر کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ) میں علوم عقلیہ کے مستند ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں، اور سر آلبر لاج کی علمی شہرت محتاج بیان نہیں۔ یہ تمام علماء اس مذہب پر علمی یقین کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں اور اُسکی اشاعت و تبلیغ انکی تحریر و تقریر کا موضوع بحث ہے۔ سر آلبر لاج کا لڑکا پچھلی عالمگیر جنگ میں قتل ہو گیا تھا۔ اُن کا بیان ہے کہ مرنے کے بعد ہی اُس کی روح نے انہیں مخاطب کیا، اور اب بھی وہ جب چاہیں، اُسے بلا سکتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کر سکتے ہیں!

(سر کونن ڈائل)

لیکن موجودہ زمانے کے مغربی روحانیوں میں شاید ہی کسی اہل قلم نے اس تبلیغی جوش و سرگرمی کے ساتھ اس مذہب کا اعتقاد ظاہر کیا ہوگا، جیسا کہ کچھ عرصہ سے انگلستان کے مشہور افسانہ نویس سر کونن ڈائل Conan Doyle کی شخصیت میں ظاہر ہوا ہے۔ عالمگیر جنگ یورپ کے بعد سے لیکر اس وقت



روح کا تمثیل ایف سفید دھوئیں کی شکل میں جیسا کہ اس مذہب کے معتقدین کا خیال ہے

یہی شرلاک ہومز کا مصنف اب دنیا میں عالم اِزاج کا سب سے زیادہ پر جوش و سرگرم نقیب اور داعی ہے!

(سر کونن ڈائل کے مقالات)

جس نئی کتاب کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، اسکے آٹھ مقالات دراصل سر کونن ڈائل کے روحانی اعتقاد کی پیدائش و تکمیل کی مسلسل داستان ہیں۔ پہلے مقالہ میں اُس نے بتلایا ہے کہ کس

کریگی - مگر اسی وقت جب اسکے ارکان وہ چولا اتار دینگے جو اس عزت نے اسے پہنا رکھا ہے اور اس تحریک کے حقیقی سرچشموں تک پہنچینگے جو مشرق کی سر زمین پر موجود ہیں -

پھر میں نے وہ تمام کتابیں پڑھیں جو علماء عقلیات نے مذہب کے خلاف لکھی ہیں - لیکن مجھے کوئی تشفی نہیں ہوئی - کیونکہ وہ کبھی ایجابی بات کہتے ہی نہیں - انکے پاس جو کچھ ہے سلیبی اور انکاری ہے -

مدت تک دنیا کی دوسری مشغولیتوں اور مسلسل سفر میں رہنے کے بعد پھر مجھے اس اہم موضوع کے لیے مہلت ملی - بتدریج مجھے میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ ہماری اس زندگی کے علاوہ کوئی اور مخفی زندگی بھی ضرور موجود ہے اور وہ شاید ہماری زندگی سے زیادہ لطیف اور خوشگوار ہے -

سنہ ۱۸۹۲ یا سنہ ۹۳ میں انجمن علوم نفسیہ نے مجھے اور ڈاکٹر اسکاٹ اور مسٹر بڈمر کو ایک مکان کی تحقیقات کیلئے بھیجا - اس مکان کے متعلق مشہور تھا کہ اُس میں روحیں رہتی ہیں اور شور و ہنگامہ برپا کیا کرتی ہیں -

ہم دو رات اس مکان میں رہے - پہلی رات کوئی واقعہ نہیں ہوا - دوسری رات ڈاکٹر اسکاٹ مایوس ہو کر چلے گئے - صرف میں اور مسٹر بڈمر رہ گئے - ہم نے ہر طرح کے دھوکے سے بچنے کا پورا انتظام کر لیا تھا - زینہ پر تار بچھا دیے تھے تاکہ ادنیٰ سی حرکت کا بھی ہمیں علم ہو جائے -

ٹھیک آدھی رات کو ہم نے اچانک سخت شور سنا - ایسا معلوم ہوا کہ گویا کوئی میز کو مڑتی لاکھی سے پٹت رہا ہے - ہم نے فوراً دروازہ کھولا اور بارچی خانہ کے طرف دروازے پر جہاں سے آواز آ رہی تھی - مگر ہمیں سخت حیرت ہوئی - بارچی خانے کا دروازہ اور کھڑکیاں بالکل بند تھیں - زینہ پر بچھے ہوئے تار بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے !

اسکے بعد رات بھر ہم نے کوئی آواز نہیں سنی -

اس واقعہ کے چند سال بعد یہ مکان جل گیا - اسکا باغ کھودا گیا تو زمین سے دس برس کے ایک لڑکے کی ہڈیاں نکلیں - یہ رات کا شور درحقیقت اسی لڑکے کی روح کا شور تھا - وہ اسی گھر میں قتل ہوا تھا اور اسی روح اس میں رہنے والوں کو پریشان کیا کرتی تھی -

اس سلسلہ میں یہ نظریہ بہت سے لوگوں کے سامنے ہے کہ اگر کسی جوان آدمی کی زندگی کسی غیر طبعی اچانک حادثہ سے تلف ہو جائے تو اسی روح کی حیرت موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور عجیب عجیب صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے -

کانن ڈائل نے آخر میں لکھا ہے ”اس قسم کے بے شمار واقعات مشاہدہ کرنے کے بعد میں نے اس علم کا وسیع مطالعہ کیا - یہاں تک کہ اب مجھے اس پر پورا یقین ہو گیا ہے - میرا اعتقاد ہے کہ روحوں سے گفتگو کی جاسکتی ہے“

اس کے بعد کے مقالات میں وہ تجربے اور مشاہدے بہ تفصیل بیان کیے ہیں جو سالہا سال تک وہ اپنے اذعان و تشفی کیلئے جمع کرتا رہا - پھر ان اعتراضات اور شکوک کے جوابات دیے ہیں جو ان کے خیال میں منکرین مذہب استحضار کے ”بنیادی“ اعتراضات ہیں -

طرح پہلے پہل اسے مذہب مخاطبات ارجح کی طرف توجہ ہوئی اور کس طرح ایک جاحد منکر کی جگہ وہ مصدق معتقد بن گیا - دوسرے میں اپنے متعدد تجربے اور مشاہدے بیان کیے ہیں - تیسرے اور چوتھے میں منکروں کے وجوہ انکار پر بحث کی ہے - پانچویں سے لیکر آٹھویں مقالہ تک کا موضوع عالم مادی و روحی کے علائق ہیں اور اس ضمن میں ان امکانات کی نہایت دلنشیں تصویر کھینچی ہے جو بیان کردہ علائق کی ترقی سے دنیا کی معنوی زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دینگے !

( سرکونن ڈائل کا بیان )

پہلے مقالہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

”سنہ ۱۸۸۶ - سے پہلے میں جنوبی افریقہ میں طبابت کرتا تھا - اُس وقت میرے عقائد کا یہ حال تھا کہ اُن لوگوں پر ہنسنا تھا جو روح کے مصطلحہ وجود پر یقین رکھتے ہیں - میں خیال کرتا تھا کہ اِس سے زیادہ بے عقلی اور رجم پرستی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی -

میں بھی آج کل کے تمام جدید تربیت یافتوں کی طرح سائنس پر ایمان رکھتا تھا - میرا مذہب ، مذہب مادی تھا - میرا اعتقاد تھا کہ روح ، بجز اس کے کچھ نہیں کہ جسم کے وظائف و ترکیب ہی کا ایک نتیجہ ہے ، اور عقل کا مرکز دماغ میں ہے - میرا یقین تھا کہ ذرائع انسانی طبیعت میں تبدیلی پیدا کر سکتی ہیں - اور اُسے نیک اور بد بنادے سکتی ہیں - اُس وقت کبھی میرے ذہن میں یہ موٹی سی بات نہیں آئی کہ ایک ماهر موسیقی ہمیشہ ماهر موسیقی ہی رہیگا اگرچہ اُسکی بانسری ٹوٹ جائے - زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ وہ اپنا ہنر ظاہر نہ کر سکے ، لیکن اُسکا کمال اُس میں بدستور موجود رہیگا -

سب سے پہلے جس کتاب نے میرے خیالات میں تبدیلی پیدا کی اور مجھے الحاد و مادیت سے نکالا ، وہ ”میرز“ کی کتاب ”شخصیت انسانی“ ہے - یہ کتاب اس لائق ہے کہ اُن کتابوں میں سے شمار کی جائے جنہوں نے انسانی افکار کا بہاؤ ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دیا ہے - مثلاً ڈارون کی کتاب اصلیت انواع اور یکن کی کتاب منطق جدید -

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد میں نے انتقال فکری کے تجربے شروع کیے - میرے ایک درست مسٹر پال کو بھی اِس موضوع سے بڑی دلچسپی تھی - میں اُنکے پیچھے بیٹھ جاتا اور کانڈ پر بعض نقشے بناتا - مجھے ہر مرتبہ یہ دیکھ کر حیرت ہو جاتی تھی کہ وہ میرے بنائے ہوئے نقشے بعینہ اپنے کانڈ پر اتار لیتے تھے ، حالانکہ وہ میرا کانڈ نہیں دیکھتے تھے - پھر میں نے یہ تجربہ بھی کیا کہ وہ دوسرے مکان میں بیٹھا کریں - لیکن پھر بھی میں نے دیکھا وہ نقوشوں کی بالکل صحیح نقل اتار لیتے تھے !

اُس وقت مجھے یقین ہوا کہ عقل کو دماغ کا ویسا فعل سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا جس طرح ہم صفر کو جگر کا فعل سمجھتے ہیں -

اسکے بعد میں نے تھیاسوفی کا مطالعہ شروع کیا - میں نے دیکھا کہ اِس تحریک کی علم بردار اور رہنما مدم بلیوٹسکی ذہین مگر مکار عورت ہے - لیکن اِس دروغ گو عورت کی موجودگی سے اِس تحریک پر حرف نہیں آ سکتا - یہ ایک صحیح تحریک ہے - یہ ضرور ترقی

## اردو طباعت کا مسئلہ اور افکار و آراء

### اردو ٹائپ

ایک مراسلہ

آپ نے ۲۹ جولائی کے ”الہلال“ میں پہلے صفحہ پر اردو ٹائپ کے متعلق ایک اعلان شایع کیا ہے اور اس بارے میں رائیں طلب فرمائی ہیں۔ اپنی رائے آپ نے یہ دی ہے کہ جس ٹائپ میں الہلال چھپتا ہے یعنی جو ٹائپ صفحہ ۳ سے استعمال کیا گیا ہے وہ اعلان\* مذکور کے ٹائپ سے بہتر ہے۔ مجمع بھی اس سے اتفاق ہے۔ لیکن اس ٹائپ میں بھی اصلاح اور ترمیم کی گنجائش اور ضرورت ہے۔ یہ مان کر کہ اردو کی لیے ٹائپ کی اشد ضرورت ہے اس بارے میں اپنی رائے عرض کرتا ہوں۔

سب سے اول ایک اصول کی بات بتانا ضروری ہے۔ چونکہ اب یہ سوال اٹھایا گیا ہے اس لیے نہایت ضروری ہے کہ پنجاب اور یو۔ پی۔ کے تعلیمی محکموں سے سب سے پہلے استصواب کیا جائے۔ پنجاب کی نسبت مجمع زیادہ واقفیت ہے۔ یہاں تعلیمی اور سرکاری مطبوعات کی کتابت کے خاص قاعدے وضع کئے جا چکے ہیں جن پر برسوں سے عمل ہو رہا ہے۔

بہتر تو یہ ہوتا کہ آپ اپنے اعلان کے ساتھ تمام حروف تہجی اور علامات وغیرہ کی ساری شکلیں جو آپ کے مجوزہ ٹائپ میں ہیں دیدیتے تاکہ رائے دینے والوں کو آسانی ہوتی۔ خیر، سردست جو کچھ میری سمجھ میں آیا عرض کیا جاتا ہے۔

”مد“ کی علامت آپ کے ٹائپ میں صرف خفیف سی فتنہ کی علامت کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ جیسی صفحہ ۳ کالم اول کی اخیر سطر میں ”آخر“ پر موجود ہے۔ یہ علامت زیادہ واضح اور نستعلیق کے الف ممدردہ کی سی ہونی چاہیے۔ اعلان مذکور یعنی صفحہ اول میں جو علامت ”آج“ پر لگائی گئی ہے کیوں نہ اسی کو اختیار کیا جائے؟ وہ بہت صاف اور واضح ہے۔

تشدید کی علامت اس ٹائپ میں نہیں پائی جاتی۔ یہ اضافہ ہونی چاہیے۔

حزم کی علامت بھی اس ٹائپ میں نہیں پائی جاتی۔ یہ بھی اضافہ ہونی چاہیے۔

شین معجمہ اس ٹائپ سے غائب معلوم ہوتا ہے۔ سین مہملہ پر نقطہ لگا کر کام چلایا گیا ہے۔ اسے کیوں خارج کیا جائے؟

آجکل کتابت اور املا کا مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ صرف ہائے مخلوط التلفظ در چشمی لکھی جاتی ہے۔ مگر آپ کے ٹائپ میں اس کا لحاظ نہیں۔ اس کے بنانے والے ذوق کے ”کتابت والے“ کے ہم مشرب معلوم ہوتے ہیں جن سے شیخ مرحوم کو یہ شکایت تھی:

ہائے رے حسرت دیدار میری ہائے کر بھی

لہتے ہیں ہائے در چشمی سے کتابت والے

بے کر کیوں ہے لکھا جائے؟ یہ ضرور ہے کہ اس کلمہ کو ہائے ہرز سے لکھیں تو نیچے ایک شورشہ بڑھانا پڑے گی کیونکہ یہ حرف جب

(تصویر کا دوسرا رخ)

یہ اس تصویر کا ایک خاص رخ تھا جو سرکونن ڈائل اور ان کے ہم مشرب دیکھ رہے ہیں، لیکن اس کا دوسرا رخ بھی ہے، اور اگر اس پر نظر ڈالی جائے تو یہ معاملہ اسقدر سہل و آسان نہیں رہتا کہ سرکونن ڈائل کی طرح کسی غیر آباد مکان میں بھڑوں اور زخروں کے ”موتی لاتی“ سے میز ٹھونکنے کا شر سنکر فیصلہ کر دیا جائے!

جہاننگ اس مذہب کے مخالفین و منکرین کا تعلق ہے، دور حاضر کی تین جماعتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

(۱) عام علماء مادیئین جنہوں نے اس معاملہ کو اس درجہ اہمیت ہی نہیں دی کہ اس پر توجہ کی جائے۔

(۲) ایک بڑی تعداد ان علماء مادیئین کی جنہوں نے اس پر بحث کی ہے، اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ علمی اصول پر ”اثبات“ کے حد تک یہ معاملہ نہیں پہنچا ہے۔

(۳) بعض اہل علم جنہوں نے خصوصیت کے ساتھ اس مذہب کا مطالعہ کیا اور عرصہ تک تحقیقات میں مشغول رہے، اور بالاخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ استحضار آراہ کا معاملہ اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ یا تو کمزور طبائع کا انفعالی تاثر ہے، یا خوش اعتقادی کا ذہنی فریب، یا چند ایسے شعبہ گروں کی شعبہ گری جو جدید علم کیمیا اور فزوں عجیبہ کی مدد سے زیادہ بہتر اور محفوظ قسم کا شعبہ دکھلا سکتے ہیں۔

صحیح رائے قائم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ معتقدین، متوقفین، اور منکرین، تینوں کے مباحث و مٹائل پر نظر ڈالی جائے۔ ہم آئندہ کسی موقع پر شرح و بسط کے ساتھ اس موضوع پر اپنے مطالعہ و نظر کے نتائج شائع کریں گے۔

## ضروری اطلاع

جو حضرات الہلال ری۔ پی۔ پارسل کے ذریعہ طلب فرماتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ری۔ پی کا رویہ منی آرڈر کی طرح وقت پر وصول نہیں ہوجاتا۔ اکثر دیر ہوجاتی ہے، اور چونکہ رویہ کی وصولی کے بعد ہی خریدار کا نام رجسٹر میں درج کیا جاسکتا ہے، اس لیے اس وقت تک پرچہ جاری نہیں ہوتا جب تک رویہ وصول نہ ہو جائے۔ اگر اس وجہ سے اجراء میں دیر ہوجاتی ہے تو اس میں دفتر کی مجبوری ظاہر ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیج دی جائے۔

منیجر



اسی نمبر کے اُس حصہ میں جو کاتب کا لکھا ہوا ہے، ایسی ”ی“ کے نیچے نقطہ نہیں دیے گئے۔ یہ دو عملی کیا معنی؟ ان دو نقطوں کی ضرورت کیا ہے؟ کاتب کا وقت اور پریس کی سیاہی فضل کیوں خرچ ہو؟ جرمنی کا اردو ٹائپ بھی ایسی اسراف کا مرتکب ہے۔ دیوان غالب جو وہاں سے ٹائپ میں چھپ کر آیا ہے، اس میں چند ایسی بد عنوانیاں نظر آئیں جو شاید آپ کے ٹائپ میں نہیں ہیں۔ اس کتاب کا صفحہ ۱۲۱ ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے آخر میں ایک نام مکمل غزل ہے:

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہر:

زباں کوئی نہر

”کوئی“ کا لفظ چار جگہ تردیف کا جز بنکر آیا ہے اور دو جگہ مصرعوں کے متن میں۔ پانچ جگہ تو اس حرف کی شکل اور شان یکساں ہے، لیکن ایک جگہ اُن سے نرالی شان میں لکھا گیا ہے:

”پوئی“ گر بیمار تو کوئی نہر بیمار دار

سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک ہی لفظ اور ایک ہی تحریر اور ایک ہی معنی میں دو شکلیں کیونکر اختیار کر سکتا ہے؟ یہ بد عنوانی نہ ہونی چاہیے۔ اسی غزل کے مطلع کے دوسرے مصرع میں ”ہم سخن“ کا لفظ آیا ہے۔ لفظ ”سخن“ میں ”س“ اس انداز سے ”خ“ کے ساتھ ملایا گیا ہے جس طرح حرف شناس بچے لکھا کرتے ہیں۔ حرف کی ملاوت کا یہ طریق پسندیدہ نہیں۔

اردو ٹائپ کی رکالت کرتے ہوئے مطبع نظر صرف یہی نہ ہونا چاہیے کہ ارباب صحافت کو کاتبوں کی ناز برداری سے نجات ملے اور اخبار و جرائد جلد اور ایک ہی خط میں چھپ جائیں۔ بلکہ آپ کا فرض ہے کہ اسے ایک قسم کا قومی ادارہ تصور فرمائیں۔ اور آج کل کے مروجہ طرز املا پر کچھ ترقی کریں۔ نہ یہ کہ اس کی ضروریات بھی پوری نہوں۔ مبتدیوں کے لیے اردو کا قاعدہ بھی چھپنا اور علما کی تصانیف عالیہ بھی۔ اس لیے یہ ایسا ہونا چاہیے کہ انشا کی تمام ضروریات اس سے پوری ہو جائیں اور یہ فن املا کا کماحقہ نمایندہ بنکر کتابت کا نعم البدل ثابت ہو۔

اور مولانا! اس کا بھی خیال رکھیے کہ آج کل انسانی مصروفیت کے ہر شق میں جمالیات کا ہوا زور اور رسوخ ہے۔ جو ٹائپ تجویز ہو، وہ خط نستعلیق کے برابر تو دیدہ زیب ہونا چاہیے۔ یہ کیا ہوا کہ بچوں کے کتھنے یا کپڑے مکڑے کاغذ پر چھاپ کر پیش کر دیے۔ میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ ٹائپ وضع کرتے وقت خوبصورتی کا خون کیا جائے۔ کیا وجہ ہے کہ نستعلیق کی نقل نہ کی جائے؟ کیوں اسے اول جلول بنایا جائے؟ آپ کے ٹائپ میں تمام دائرے بد نما اور چپٹے ہیں۔ کیوں نہ گول ہوں؟ آخر اس میں کون سی دقت حایل ہے؟ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے ٹائپ میں بڑی سرخیاں نسخ میں ہیں۔ یعنی اردو ٹائپ کے ساتھ ایک مطبع کو نسخ کا ٹائپ بھی رکھنا پڑیگا۔ یہ دو عملی بد عملی کا حکم رکھتی ہے۔ خفی و جلی کے کئی درجے قائم کر کے تمام کمال ٹائپ نستعلیق میں ہونا چاہیے۔

میں پھر عرض کرونگا کہ سب سے پہلے آپ یہ کیجیے کہ ٹائپ رائٹر کے ”کی برڈ“ کی طرح آپ کے ٹائپ میں جو چیزیں ہیں، اُن سب کا نمونہ ایک صفحہ پر چھپوا کر شایع فرمائیے تاکہ پتہ چلے اس میں کیا کچھ ہے اور کیا نہیں ہے۔

ٹائپ سے متعلق ایک اقتصادی پہلو بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یعنی یہ بھی دیکھنا ہے کہ کاغذ اور اس کے ساتھ

لفظ کے شروع میں آئے تو شوشہ لاد ہے۔ درمیان اور آخر میں نہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ عربی کے املا میں چونکہ ہائے ہوز کا درجہ شمی شکل میں استعمال بہت تھا بلکہ وہ ہمیشہ دو چشمی ہی لکھی جاتی ہے جبکہ وہ آخر کلمہ نہ ہو، اسی کا اتباع اردو ٹائپ میں کیا گیا۔ اردو کے مروجہ قاعدہ املا کے مطابق تو آپ کے جریدہ کا نام ہی غلط لکھا ہوا ہے۔ لوح کو تو جانے دیجیے کیونکہ وہاں ”الہلال“ خط نسخ میں ہے اور اس لیے ہائے دو چشمی ہے۔ لیکن ہر صفحہ پر جو جریدہ کا نام درج ہے وہ تو نسخ نہیں بلکہ اردو خط میں ہے۔ مگر یہاں بھی ہائے دو چشمی ہی استعمال کی گئی ہے۔ یہ قاعدہ مذکور کے مطابق غلط ہے۔ آپ کے ٹائپ میں ہائے ہوز جہاں دو چشمی نہیں رہا عجیب مروجہ رالی شکل اختیار کرتی ہے۔ جیسے صفحہ ۳ کالم ۲ میں ”چہرے“ اور ”نہیں“ کا چہرہ بگڑا گیا ہے۔ حالانکہ یہی ہائے ہوز اسی کالم میں مضمون ”علم الآثار مصر“ کی اول سطر میں ”پیلے“ کی شکل میں بہت خوب اور صحیح لکھی گئی ہے۔ مٹھابہ مرقعوں پر ہائے ہوز کو اس ”پیلے“ کی شکل میں ہی کیوں نہ لکھا جائے؟

نور غنہ جب لفظ کے آخر میں آیا ہے اس میں نقطہ نہیں دیا گیا۔ یہ بالکل درست ہے۔ لیکن یہی نور غنہ جب کلمہ کے بیچ میں واقع ہو تو کس طرح لکھا جائیگا؟ اس وقت کے املا میں اس پر الٹا جزم لگاتے ہیں۔ مگر جزم آپ کے یہاں ہے ہی نہیں۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ کسرۃ اضافت کا رجحان آپ کے ٹائپ میں ہے کہ نہیں۔

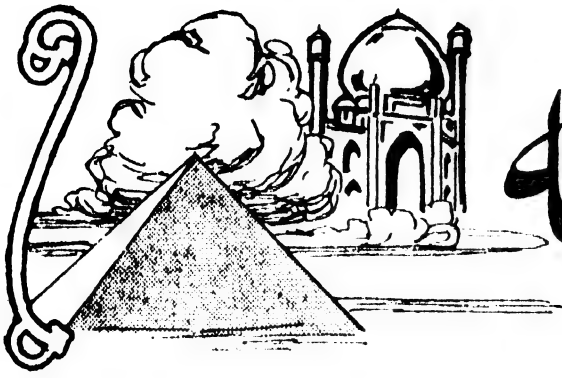
کشش اکثر قاعدہ نستعلیق قدیم و املاے جدید کے خلاف پائی جاتی ہے۔ جیسے مضمون مذکور کی چوتھی اور پانچویں سطروں میں ”رکھتے“ اور ”کردیتے“ میں ”ی“ سے پہلے راقع ہوئی ہے۔

املاے قدیم اور جدید دونوں کا مسئلہ اصول ہے کہ حرف کے امتزاج میں کوئی شوشہ فالتو نہیں ہونا۔ مثلاً ”دینا“ میں تین شوشے یا دندانے ہونگے۔ اگر آپ ایک آر دندانہ بڑھادیں تو املا کی غلطی کے علاوہ قاری کو زحمت ہوگی۔ اسی مضمون کی گیارہویں سطر میں ”ایجاد“ کا لفظ آیا ہے۔ اس میں ”ی“ اور جیم کے درمیان ایک دندانہ یا شوشہ ٹائپ میں پیدا کر دیا ہے جو نہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ کمپوزیٹر کا تصرف نہیں تو اس کی اصلاح ہونی چاہیے۔

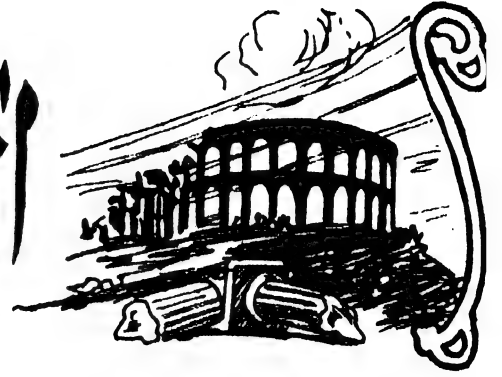
کوئی وجہ نہیں کہ ہائے ہوز آخر کلمہ، نسخ میں لکھی جائے، جیسی کہ ”آثار عتیقہ“ میں لکھی ہے۔ ”نہ“ کی شکل آپ کے ٹائپ میں ”نہ“ ہے جو نستعلیق نہیں۔ یہ کیوں؟

”یا“ آخر کلمہ کی تین صورتیں ہوتی ہیں: یاے معروف۔ یاے مجهول۔ یاے مفتوح۔ آپ کے ٹائپ میں صرف در موجود ہیں۔ یاے معروف گول لکھی گئی ہے۔ یہ ٹھیک۔ لیکن یاے مجهول و مفتوح دونوں لمبی ہیں۔ یہ ٹھیک نہیں۔ جب یا کی ایک آر شکل ہمارے پاس موجود ہے۔ یعنی نصف دائرہ یا کٹی ہوئی، تو کیوں نہ اسے بھی استعمال کیا جائے، تاکہ یاے مفتوح و یاے مجهول باہم متمیز ہو جائیں؟

اردو ٹائپ چونکہ کہیں کہیں موجود ہے، اس لیے ہم کو یہ موقع میسر ہے کہ اُس کی اصلاح و ترمیم کر کے اپنا ایک مکمل ہندوستانی قومی ٹائپ بنائیں جو لیٹھو کی جگہ لے۔ اور کیا پبلک اور کیا سررشتہ تعلیم، دونوں اسے قبول کر لیں۔ آپ کے ٹائپ میں ”یا“ آخر کلمہ کے نیچے بھی دو نقطے دیے جاتے ہیں۔ مگر آپ کے اخبار کے



# اثار عتیقہ



## سات عجائب عالم

### جدید علم آثار و تنقیب کی روشنی میں

ایک زمانے میں دنیا کی سب سے زیادہ عجیب اور مشہور چیزیں سات ”عجائب عالم“ سمجھی جاتی تھیں۔ قدیم دنیا کی کتب تواریخ میں، سیاحت ناموں میں، نظروں کے عالم مباحث میں، بول چال کی ضرب المثلوں میں؛ ہر جگہ ان سات عجیب چیزوں کا ذکر برابر آتا ہے :

- (۱) اہرام مصر
- (۲) بابل کے معلق باغ
- (۳) اسکندریہ کا ساحلی منارہ
- (۴) ڈالڈا کا مندر
- (۵) مسولوس کا عقودہ
- (۶) رودس کا مجسمہ
- (۷) مشٹری کا مجسمہ

قدیم یونانی اور عبرانی مورخوں کی زبانوں میں ان عجائب کی تفصیل دنیا کے جدید کے تاریخی اوراق تک پہنچی ہے۔ بعض قدیم آثار کے کتبوں میں بھی انکی طرف اشارات پائے گئے ہیں۔ آخری عہد کے بعض حکماء یونان و اسکندریہ نے مشٹری کے مجسمہ اور معبد کا ذکر ایسے موقعوں پر کیا ہے، جب انہیں عجائب و غرائب کیلئے کسی قریبی اور معروف تمثیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک حکیم، افلاطون کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے :

”وہ انسان ہونے پر بھی صرف ایک ہی مرتبہ پیدا ہو سکا، جس طرح مشٹری کا مجسمہ پتھر سے بنائے جانے پر بھی صرف ایک ہی مرتبہ بن سکا ہے!“

(عرب مورخین کی تصدیقات)

عربی مورخین کے عام و نظری کی وسعت ان کے پیش روؤں کے اس مشہور خیال سے بے خبر نہیں رہ سکتی تھی۔ انہوں نے بھی ”سات عجائب عالم“ کا جابجا ذکر کیا ہے، اور یونانی علم ادب کی طرح عربی ادب و محاضرات کی بھی یہ ایک ضرب المثل ہو گئی ہے۔ مشہور عرب جغرافیہ نویس ابو عبد اللہ ادربیسی منارہ اسکندریہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے ”یہ ان سات عجیب عمارتوں میں سے ایک تھی جن کی تمام دنیا میں شہرت رہ چکی ہے“

عربی ادبیات میں غالباً کسی ایک کتاب میں ان کے حالات نہیں لکھے گئے۔ ابن الندیم کئی کتابوں کا ذکر کرتا ہے جو ”عجائب دنیا“ پر لکھی گئی تھیں۔ لیکن نہیں کہا جاسکتا ان

چھپائی اور سیاہی وغیرہ مسئلہ کا صرف لادبی طور پر کس میں زیادہ ہوتا ہے؟ ٹائپ میں یا لیتھو میں؟ یہ یاد رہے کہ اگر ٹائپ میں طباعت کا صرف لیتھو سے بہت زیادہ ہوا تو ٹائپ جو ٹائپ کی وجہ سے بیکار ہو گئے ہونگے، کثابت کی اجرت کا نرخ گھٹا دینگے۔ اور اس طرح ٹائپ کی ترویج عام میں مزاحم ہونگے، کیونکہ سب ٹائپ تو کمپوزٹر بن جائے سے رہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ میں نہیں سمجھا اعلان مذکور میں آپ نے عربی کے ساتھ فارسی اور ترکی زبانوں کو بھی ”سامی“ کیسے قرار دیا؟ یہ تو کوئی بات نہیں کہ اگر ان دونوں زبانوں کا املا دھن سے بائیں کو چلتا ہے اور عربی کا بھی یہی حال ہے جو حقیقت میں سامی زبان ہے، تو یہ دونوں زبانیں بھی سامی بذاتی جائیں۔ غالباً آپ طباعت میں فارسی اور ترکی زبانوں کو سامی کہہ گئے۔

آپ کا مخلص

برج موہن دتا تریہ - کیفی دھلوی

## الہلال :

یہ اور بعض دیگر مراسلات جو اس باب میں آئی ہیں، شائع کر دی جاتی ہیں۔ جذبات کیفی نے اس معاملہ میں جو دلچسپی لی ہے اور اپنے خیالات تفصیل سے ظاہر کیے ہیں، اس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ لیکن اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو ٹائپ کے اقسام، اُس کی تاریخ، اور اُس کی فنی اور صناعی مشکلات ان کے سامنے نہیں ہیں۔ ضرورت ہے کہ ایک مرتبہ یہ تفصیل یہ امور واضح کر دیے جائیں۔ ہم ان مراسلات کی اشاعت کے بعد اس موضوع پر بہ تفصیل اپنے خیالات ظاہر کریں گے۔

البتہ دو باتیں ایسی ہیں جنہیں اسی وقت واضح کر دینا ضروری ہے۔ صاحب مراسلہ لکھتے ہیں ”خود آپ نے اپنی پسند اُس ٹائپ کی نسبت ظاہر کی ہے جس میں رسالہ کمپوز ہوتا ہے“ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اُس ٹائپ کی نسبت ظاہر کی ہے جس میں پہلے صفحہ کا اعلان کمپوز ہوا ہے۔

فارسی اور ترکی کے سامی نہ ہونے کی نسبت انہوں نے جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے، اور ان کے متنبہ کرنے کے بعد عبارت پر نظر ڈالی گئی تو واقعی یہ غلطی موجود ہے۔ دراصل مقصود یہ تھا کہ فارسی اور ترکی بھی سامی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں۔ یہ مطلب نہ تھا کہ یہ زبانیں بھی سامی ہیں۔

ہولیں - روتس ' اسکندریہ ' اور اہرام کی تحقیقات استقدر دشوار نہ تھی - کیونکہ مقامات معلوم تھے اور محل معین ؛ لیکن بقیہ عمارتوں کی تحقیقات کا کام بہت دشوار تھا - تاہم جستجو جاری رہی ' اور بالآخر تمام ضروری معلومات روشنی میں آگئیں -

جہاننگ حدیں معلوم ہے ' اردو میں ان قدیم عجائب کی جدید اثری تحقیقات پر اس وقت تک کچھ نہیں لکھا گیا ہے - ہم چاہتے ہیں ' مختصراً انکی تاریخ اور موجودہ اثری تحقیقات ایک دو مقالوں میں بیان کر دیں - یورپ کے اہل قلم ان عجائب کی تاریخ لکھتے وقت عموماً عربی عہد کی تاریخی و علمی تحقیقات نظر انداز کر جاتے ہیں - یا معلوم کرتے ہیں تو اکثر حالتوں میں ناقص اور غیر محققانہ ہوتی ہیں - اس سلسلہ مقالات سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جن جن عمارتوں کے متعلق عربی مورخین کی تصریحات موجود ہیں ' وہ اپنے اپنے موقعوں پر نمایاں ہو جائیں -

(۱)

## دائنا کا مندر

The Temple of Diana

ایک قدیم مورخ کا قول ہے :

”میں نے بابل کے معلق باغ دیکھے - مشرقی اور روتس کے مجسمے دیکھے ' اہرام مصر اور موسولس کا عالی شان مقبرہ دیکھا ' لیکن جب میں نے دائنا کا سربفلک مندر دیکھا تو تمام عجائب عالم میری نظر سے کر گئے“

قدیم مورخوں نے دنیا کی سات عجیب چیزوں میں سے کسی کے متعلق بھی اس قدر نہیں لکھا ہے ' جس قدر اس مندر کے متعلق لکھا ہے - لیکن باوجود اس کے یہ کیسی عجیب بات ہے کہ دنیا کے سب سے زیادہ یہی چیز فراموش کر دی ؟ حتیٰ کہ یہ بھی کسی کو یاد نہ رہا کہ یہ عمارت واقع کس جگہ تھی ؟

سب سے پہلے سنہ ۱۸۹۵ء میں ایل انگریز ڈائریکٹر روتس نامی نے شہر افسس میں اس کا پتہ لگایا - اس کے بعد سنہ ۱۹۰۴ء میں برٹش میوزیم نے ایک آر شخص مسٹر ہرگارت کو مزید تحقیقات کے لیے بھیجا - اس شخص کے عرصہ تک تحقیقات جاری رکھی ' اور اس کے بعد اپنی تحقیقات کے نتائج شائع کیے - اس کا بیان ہے کہ یہ مندر تین پرانے مندروں کے کھنڈروں پر تعمیر ہوا تھا - مندر کی دیواروں کے نیچے تقریباً تین ہزار آثار پائے گئے - یہ مشرقی طرز کے ہیں ' اور اس بات کی زندہ شہادت ہیں کہ یونان کی صنعتی ترقی دراصل مشرق ہی کی تقلید سے شروع ہوئی تھی -

قدیم یونانی شہر افسس جہاں یہ مندر واقع تھا ' اب بالکل برباد ہو گیا ہے - اس کی جگہ اس وقت ایک ترکی شہر ایاسر لوگ نامی آباد ہے اور ایشیائے کوچک میں واقع ہے -

مندر کی تاریخ سنہ ۷۰۰ قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے - کیوں کہ اس کی دیواروں میں بعض ایسی علامتیں موجود ہیں کہ خیال کیا جاتا ہے ' ان کا تعلق اسی زمانہ سے ہے -

سنہ ۲۶۰ ق م میں یورپ کی ایک وحشی قوم ' اس علاقہ پر حملہ کیا اور یہ عمارت برباد کر ڈالی - اس کے بعد پھر از سر نو تعمیر کیا گیا - مگر زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکا - کیونکہ مسالہ خراب لگایا گیا تھا - یہ اب تک تحقیق نہیں ہو سکا کہ دوسری مرتبہ

میں ان عجائب کا بھی ذکر تھا یا نہیں ؟ البتہ تاریخوں ' سفر ناموں ' اور تقویم بلدان کی کتابوں میں فرداً فرداً ان کا ذکر موجود ہے - خصوصاً بابل کے معلق باغوں ' اسکندریہ کے منارہ ' اور مصر کے اہرام ( مخروطی مناروں ) کا تو نہایت مفصل تذکرہ موجود ہے - ابن جریر طبری ' ابن حوقل ' ادربیسی ' مسعودی ' ابو عبد اللہ البکری ( صاحب المسالک و الممالک ) ابو عبد اللہ غرناطی ( صاحب نخبة الاعجاب ) ابن جبیر ' ابوالفداء ' ابن اثیر ' بیرونی ' عبد اللطیف بغدادی ' یاقوت حموی ' قزوینی ' مقربزی ' سب نے ان کا ذکر کیا ہے - حموی ' بغدادی ' اور مقربزی کے مباحث اہرام مصر اور منارہ اسکندریہ کے متعلق اس درجہ محققانہ ہیں ' کہ جن جن پہلوؤں پر انہوں نے روشنی ڈال دی ہے ' ان پر موجودہ زمانے کی اثری تحقیقات بھی کوئی اضافہ نہیں کر سکتی - حالانکہ مصری آثار کی جدید تحقیقات کے نئے نئے انکشافات کے انداز لگا دیے ہیں -

دنیا کی تمام عجیب اور مشہور چیزوں کی طرح ان عمارتوں کی نسبت بھی عوام میں طرح طرح کے دور از عقل خرافات مشہور ہو گئے تھے ' اور عہد قبل از اسلام کے بعض مورخوں اور سیاحوں نے بھی انہیں قبول کر لیا تھا - لیکن محققین عرب کے پوری دقت نظر کے ساتھ ان روایات پر نظر ڈالی ' اور بعض کی مشاہدات کی بنا پر اور بعض کی علمی قواعد کی بنا پر تغلیط کی - یاقوت حموی ' بیرونی ' عبد اللطیف بغدادی ' اور مقربزی ' اگرچہ تمام روایات نقل کر دیتے ہیں ' لیکن جابجا ان کی تغلیط بھی کرتے جاتے ہیں - حموی اور بغدادی نے منارہ اسکندریہ کا مشاہدہ اور تخطیط کر کے جو کچھ لکھا ہے ' اور جس طرح بے اصل روایتوں کی تکذیب کی ہے ' اس سے زیادہ تحقیق آج تک نہیں کی جا سکی -

یاقوت حموی اسکندریہ کے منارہ اور مصر کے عجائب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے ”وہذہ أخبار نقلناھا کما وجدناھا فی کتب العلماء وھی بعیدۃ المسافة من العقل لایؤمن بها إلا من غلب علیہ الجهل“ یعنی یہ تمام روایتیں ہم نے جس طرح علماء کی کتابوں میں پائیں ' بحسنہ نقل کر دیں ' لیکن یہ عقل سے نہایت ہی بعید ہیں ' اور انہیں کوئی نہیں مان سکتا ' الا وہ شخص کہ اس کی عقل پر جہل غالب آگیا ہو“ آگے چل کر ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے ”اما خبر المنارة فقد رزوا لها اخباراً هائلة وادعوا لها دعای عن الصدق عادلۃ“ یعنی منارہ کے متعلق عجیب عجیب باتیں روایت کی گئی ہیں اور طرح طرح کے دعوے کیے گئے ہیں جو سچائی سے ہٹے ہوئے ہیں - پھر جہاں اپنے معائنہ کا ذکر کیا ہے ' وہاں لکھتا ہے ”شاهدته فی جماعة من العلماء وکل عام منا متعجباً من تخرص الرواة“ یعنی میں نے علماء کی ایک جماعت کے ساتھ منارہ کی سیر کی ' اور ہم میں سے ہر شخص جب مشاہدہ کے بعد لوٹا ' ترہ راہوں کے اڑھام و ظنون پر متعجب تھا ( معجم البلدان - ۱ : ۲۴۲ ) عبد اللطیف بغدادی اور مقربزی کی تصریحات بھی ایسی ہی ہیں - حموی نے منارہ کی تعمیری حالت دیکھ کر جو اس کے عہد تک باقی تھی ' اس کی شکل و مساحت پر بھی غور کیا تھا اور اس کا نقشہ بنایا تھا - حموی کے بعد کے مصنفین مثلاً قزوینی وغیرہ نے اسی سے منارہ کا نقشہ نقل کیا ہے -

( جدید علم الآثار کی تحقیقات )

اب سے تقریباً تیرہ سو برس پہلے قدیم آثار کی تحقیقات و تنقیب کا نیا دور شروع ہوا ' اور اس سلسلہ میں ان سات عجائب عالم کی تحقیقات پر بھی انفرادی اور جمعیتی کوششیں مبذول

(۲)

## مقبرہ موسولس

(The Tomb of Mausolus)

ایشیائے کوچک میں بدرم نام ایک ساحلی شہر ہے۔ یہ عہد مسیحی سے پہلے ایران کے ماتحت تھا۔ سمندر اور پہاڑ کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے اسکا جغرافیائی موقعہ اس قدر معکم ہے کہ بارجون ماتحت ہونے کے بھی وہ عرصہ تک اپنی اندرونی خود مختاری برقرار رکھ سکا۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں یہاں ایک پادشاہ حکمران تھا۔ اسکا نام ”موسولس“ تھا۔ اسنے اپنا پایہ تخت یہی شہر بدرم قرار دیا تھا۔ اس شہر کا نام اُس وقت ہیلی کارنیسس (Halicarnasous) تھا۔

سنہ ۳۵۳ ق۔ م۔ میں اسنے وفات پائی۔ اسکی ملکہ ارٹی میزیا (Artemisia) بہت غمگین ہوئی اور کسی طرح بھی تسلی حاصل نہ کر سکی۔ آخر اُس نے اس طرح اپنا دل بہلانا چاہا کہ اپنے شوہر (بادشاہ) کی قبر پر ایک ایسا مقبرہ طیار کرے جیسا دنیا میں کہیں موجود نہ ہو۔ یہ ایک بیوی کے طرف سے اپنے شوہر کیلئے وہ یادگار محبت تھی، جو آگے چل کر ایک شوہر (شاہجہان اعظم) کے طرف سے اپنی بیوی (تاج محل) کیلئے قائم ہونے والی تھی۔ دراصل یہ مقبرہ ”بیوی“ کا ”شوہر“ پر ایک قرض محبت تھا، جسے سرزمین ہند کے ایک وفا پرست ”شوہر“ شاہجہان نے ادا کر دیا !

چنانچہ اسنے ماهر یونانی معمار جمع کیے۔ انہیں بہت کچھ انعام و اکرام دیا، اور مقبرہ بنوانا شروع کیا۔ لیکن ابھی در برس بھی پورے نہیں گزرے تھے کہ فرط غم سے ملکہ کا بھی انتقال ہو گیا۔

مقبرہ ابھی طیار نہیں ہوا تھا۔ معماروں نے باہم مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ بالآخر سب کی رائے یہی قرار پائی کہ اس ملکہ نے ہم پر بڑے بڑے احسان کیے ہیں۔ ہمیں چاہیے اُن کے شکرہ میں اُس کا نا تمام کام پورا کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے کام جاری رکھا، یہاں تک کہ تعمیر ختم ہو گئی، اور ایک ایسا مقبرہ طیار ہو گیا جیسا چشم فلک نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اب ”موسولس“ یورپ کی تمام زبانوں میں مقبرہ کیلئے بولا جاتا ہے۔ انگریزی لفظ ”Mausoleum“ اسی ”موسولس“ سے بنا ہے۔ مقبرہ ایک منزل کا تھا۔ اسی منزل میں بادشاہ کی قبر تھی۔ چہت پر سفید سنگ مرمر کے ۳۶ سدرل ستون نصب کیے گئے تھے۔ ان ستونوں پر مخروطی شکل کا بارہ منزلوں کا منارہ تھا۔ اس پر بادشاہ کی رتھ بنائی گئی تھی جسے چار اصیل گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ عمارت کی پوری بلندی ۱۴۰ فٹ تھی۔

خود عمارت زیادہ بلند اور شاندار نہ تھی۔ لیکن سبک اور نازک اس قدر تھی کہ حیرت ہوتی تھی۔ مخروطی منارہ کی بنیادیں جن ستونوں پر قائم تھیں، وہ اس قدر پتلے تھے کہ دور سے بالکل نظر نہیں آتے تھے۔ شبہ ہوتا تھا کہ عمارت ہوا میں معلق کھڑی ہے !

مورخین کا خیال ہے کہ یہ مقبرہ بارہویں صدی عیسوی تک صحیح رسالہ موجود تھا۔ اسی زمانے میں صلیبی فوجوں نے شہر بدرم پر قبضہ کیا اور مقبرہ کے پتھر اکھاڑ کر اپنا قلعہ بنانے لگے۔ پھر سنہ ۱۵۲۲ ع میں جب سلطان سلیم نے اس شہر پر حملہ کیا، تو صلیبیوں نے مقبرہ کے باقی ماندہ ستون بھی اکھاڑ لیے۔

کی تعمیر کس زمانہ میں ہوئی تھی؟ چوتھی صدی قبل مسیح میں یہ مندر پھر گر پڑا اور یونانیوں نے عوام سے زہیہ جمع کر کے تیسری مرتبہ تعمیر کیا۔

پانچویں صدی قبل مسیح میں یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے یہ عمارت دیکھی تھی۔ وہ لکھتا ہے :

”پورا مندر سنگ مرمر کا ہے، اور اُن قدیم مندروں سے، جن کی بنیادیں پر قائم ہوا ہے، چار گنا زیادہ وسیع ہے۔ چاروں طرف سنگ مرمر کے ستونوں کی قطاریں ہیں، اور ہر زاویہ میں آٹھ آٹھ مزید ستون ہیں۔ ہر ستون کی بیٹھک یونانی تصویروں سے آراستہ کی گئی ہے“

سنہ ۳۵۶ ق۔ م میں مشہور ظالم بادشاہ ہیروستراتس کو خیال ہوا کہ کوئی ایسا کام کر جائے جس سے اُس کا نام تاریخ میں یادگار رہے۔ اُس نے اس مندر کی عمارت یک قلم برباد کر دی۔ کیونکہ دنیا کی اتنی عجیب اور قیمتی عمارت کا برباد کرنے والا یقیناً تاریخ کے حافظہ میں فراموش نہیں ہو سکتا۔ اسی وقت سے یونانی زبان میں یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی ہے ”اگر شہرت کے لیے ڈانٹا کا مندر بنا نہیں سکتے تو اسے برباد کر ڈالو“

لیکن یونانیوں کو یہ معبد اس درجہ عزیز تھا کہ وہ اس کی عدم موجودگی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے پھر از سر نو تعمیر شروع کی اور قومی سرمایہ سے مصارف کا انتظام کیا۔ بیان کیا گیا ہے کہ تمام ملک میں اس کی تعمیر کا جوش اس قدر پھیل گیا تھا کہ عورتوں نے اپنے زینر تک چندے میں دیدیے تھے۔ اسی زمانہ میں سکندر اعظم کا اس شہر میں گزر ہوا۔ اُس نے خواہش کی کہ اپنے جیب خاص سے پورا عبادت خانہ بنوا کر دیوی کی نذر کر دے۔ مگر شہر کے باشندوں نے یہ ذلت گوارا نہ کی، اور سکندر کی ناراضی سے بچنے کے لیے یہ حیلہ کر دیا کہ ”آپ خود بھی دیوتا ہیں، اور ایک دیوتا کے لیے دوسرے دیوتا کو نذر دینا جائز نہیں“

خیال کیا جاتا ہے کہ سنہ ۳۲۳ ق۔ م میں یہ عمارت مکمل ہو گئی تھی۔ یہ ۴۲۵ فٹ لمبی تھی۔ سنگ مرمر کے ۱۲۷ کھمبے تھے۔ اور ہر کھمبہ ۶۰ فٹ بلند تھا۔ پورا عبادت خانہ بڑی سلیقہ مندی سے آراستہ کیا گیا تھا۔ بڑے بڑے مصریوں نے تصویریں بنائی تھیں اور اس کے در و دیوار کی آرائش کے لیے بطور چڑھارے کے پیدش کی تھیں۔ ایک تصویر سکندر اعظم کی بھی تھی۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار دکھایا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر نے جب یہ تصویر دیکھی تو ناپسند کی۔ لیکن جب قریب پہنچا تو اُس کا گھوڑا ہنپا اُٹھا۔ اس پر مصر نے طعنہ زنی کی راہ سے کہا : ”حضور کا گھوڑا اپنے سوار سے کہیں بہتر فن کی شناخت رکھتا ہے“ یہ قول یونانی زبان میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔ یونانی سے یورپ کی زبانوں میں منتقل ہو گیا۔

اسکے بعد سنہ ۲۹۰ ع میں یہ مندر پھر برباد ہو گیا۔ اس مرتبہ اسے عیسائیوں نے ڈھایا تھا اور اُس پر گرجا بنا دیا تھا۔ مگر یہ گرجا بھی زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بے نام و نشان ہو گیا۔

ڈانٹا کا مندر دیوی ارتمیس کی مورت ہے۔ اشوریوں نے اسے امرتہ یعنی مامٹا کے جذبات کا مظہر قرار دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسکے سیلے پر بچے سے پستان دکھائے گئے تھے، لیکن جب یونانیوں نے اسکی عبادت شروع کی تو اسکی شکل بدل دی۔ انہوں نے اسے ایک ذہین، قوی، اور جوان عورت کی صورت میں طیار کیا تھا۔

# ان تمام اصحاب کیلی

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجیے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کیلئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

## با این ہبہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں!

## براعظم یورپ، امریکہ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کیے ہیں۔

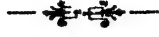
## اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو آپ فروخت کرنے کیلئے بھی پلے ہم ہی سے خط و کتابت کیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔

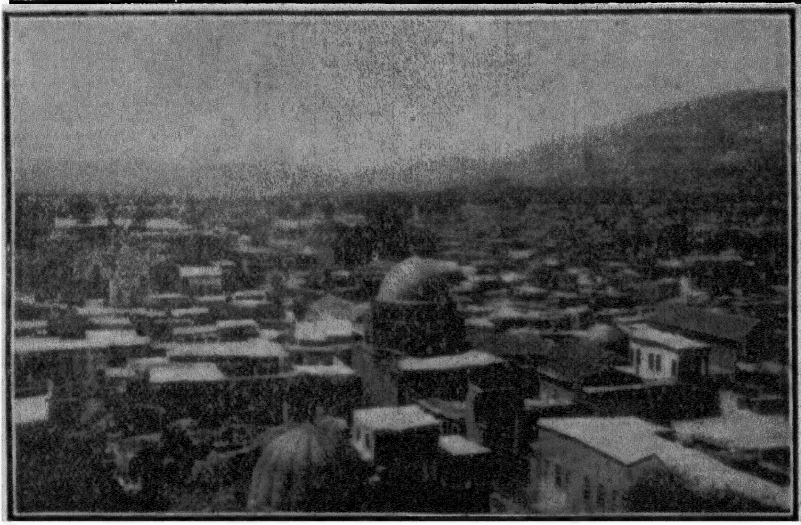


# عالم شرق و اسلام

## شامی جہاد وطنی کا التوا

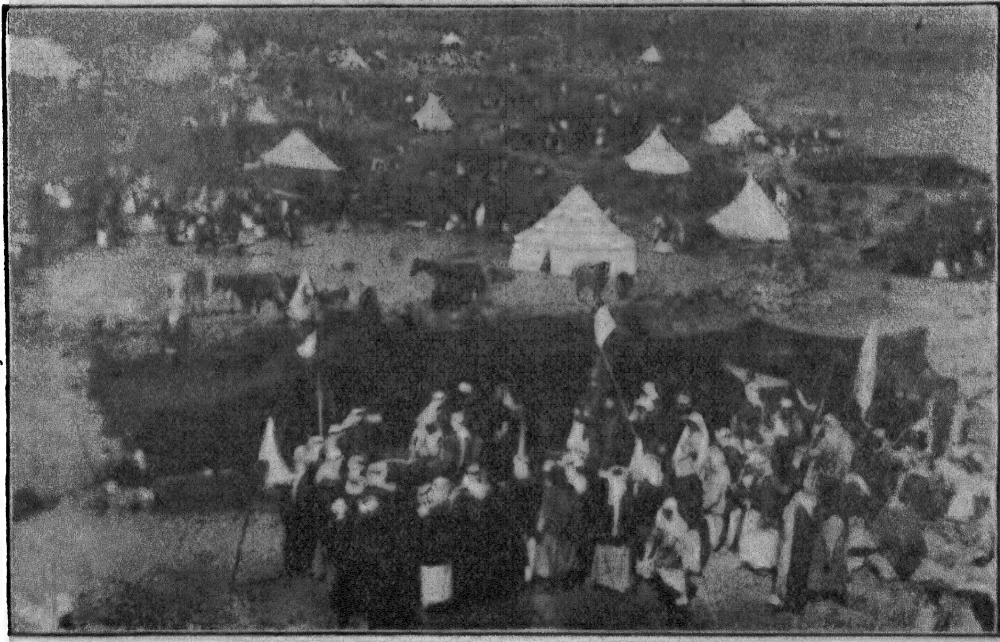


موجودہ عہد کی ایک قومی جد و جہد پر نظر تودیع !

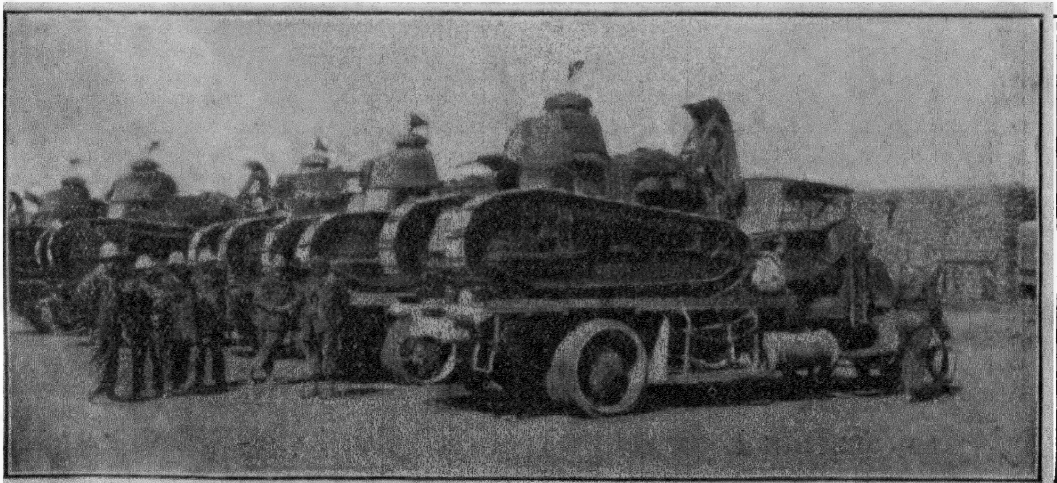


شہر دمشق کا ایک عمومی منظر

جس کی دو تہائی تاریخی رونق و عظمت فرانسیسی توپوں کی گولہ باری اور فوجی حکام کے قتل و غارت گری سے ہمیشہ کیلئے برباد ہو گئی !



سلطان پاشا اطرش اور دروزی مجاہدین کا معسكر سرپداء میں



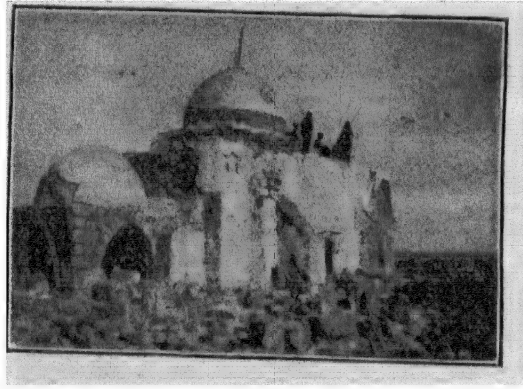
فرانس اعلان کرتا ہے کہ ”اب ملک میں امن قائم ہو گیا ہے“ مگر یہ ”امن“ کیونکر قائم ہوا ؟ اس طرح قائم ہوا کہ دمشق کے چاروں طرف اور خود شہر کے اندر، بری تباہ کن مراکب کی صفوں سے ناکہ بندیاں کی گئیں، اور اس طرح ”امن“ کے لیے قتل عام کا اعلان کیا گیا !



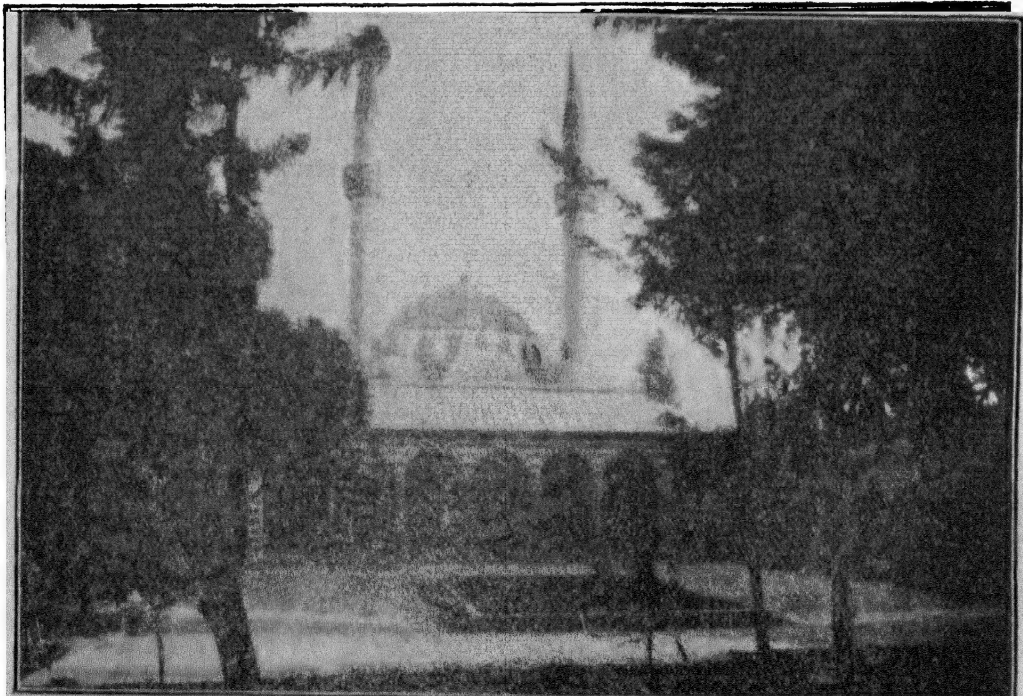
اطراف دمشق کا ایک تاریخی قعہ جو کولہ باری سے بالکل تباہ کر دیا گیا - تباہی کے بعد فرانسیسی پہنچے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ مکانات کے کھنڈروں اور مقتول لاشوں کے سراکوی زندہ چیز باقی نہیں ہے !



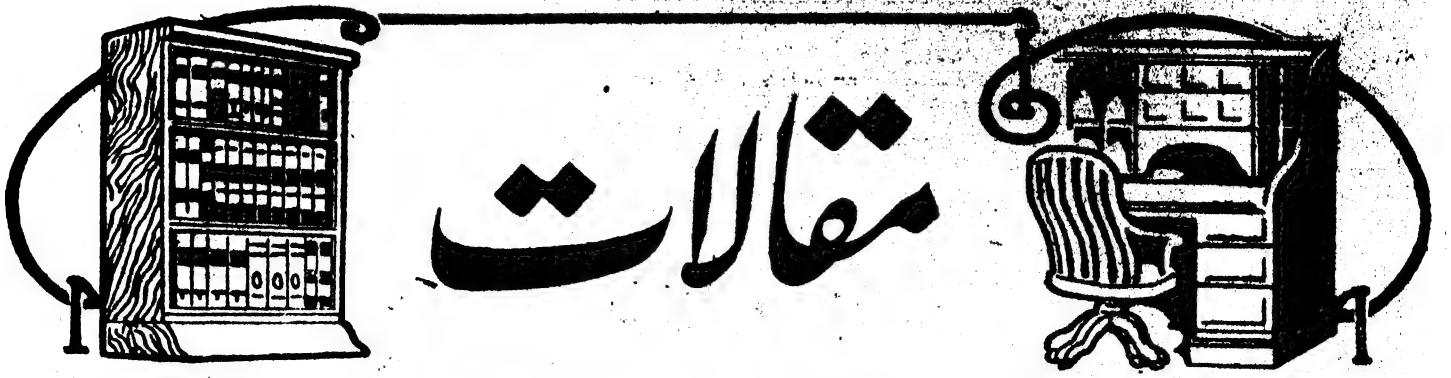
حتی المحارب تبکی وہی جامدة  
حتی المنابر ترئی وہی عیدان !



دمشق کی ایک قدیم مسجد جسے فرانسیسی حکام نے منہدم کر دیا اور انہدام کے بعد اب اس سے کمین گاہ کا نام لے رہے ہیں !



دمشق کی مشہور اور تاریخی مسجد ”جامع التکیہ“ کا داخلی منظر - جسے سلطان سلیم خاں نے تعمیر کیا تھا - فرانسیسیوں نے اس پر قبضہ کر کے اسے فوجی اصطبل بنا دیا - عین معرابت و ممبر کے پاس گھوڑے باندھے گئے !



## ادب عربی اور جدید مصری مباحث

### لیلیٰ مجنون

#### ایک مصری اہل قلم کی نظری تحقیقات

بلاد اسلامیہ کے ادبی و علمی مباحث و افکار کی صدائیں بہت کم ہندوستان تک پہنچتی ہیں۔ اول تو یہاں ایسے علمی مجامع کا وجود ہی نہیں جو مشرقی و اسلامی ممالک کے علمی مجامع و محافل سے تعارف رکھتے ہوں۔ ثانیاً، عربی کے ادبی و علمی مباحث کے ذوق سے نہ صرف نئی تعلیم یافتہ جماعتیں بلکہ قدیم جماعتیں بھی تقریباً محروم ہیں۔ اس لیے نہ تو ان راہروں کی آنہیں خبر ہے۔ نہ وہاں کی صداؤں کیلئے کوئی ذوق اور دلچسپی رکھتی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں گاہ گاہ الہلال کے صفحات پر وہاں کے بعض اہم عصری مباحث کے نمونے شایع کرتے رہیں۔

کچھ عرصہ سے مصر میں ادب و شعر عربی کی دو متقابل جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں، اور ان میں بحث و مناظرہ کا معرکہ گرم ہے۔ ایک جماعت متجددین مغربیوں کی ہے جنہیں اردو اخبارات کی اصطلاح میں ادبی "انتہا پسند" (اکسٹریمست یا ریڈیکل) کہا چاہیے۔ دوسری جماعت ادبی محافظین کی ہے، جنہیں سیاسی جماعتوں کی تقسیم میں قدامت پسند (کنسروئیٹو) وغیرہ الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ ادب و شعر کی ان دو انتہائی جانبوں کے افراط و تفریط کے عجیب عجیب زاریے پیدا کر دیے ہیں۔ ان دونوں انتہائی جماعتوں کے درمیان بعض اصحاب اقتصاد و اعتدال بھی ہیں، لیکن بہت کم۔ کیونکہ جماعت کا ذہنی مزاج فکر و عمل کے ہر گوشے میں، اعتدال سے مایوس نہیں ہوتا۔ افراط و تفریط ہی کی طرف مائل رہتا ہے۔

سیاست کی طرح ادب و شعر میں بھی ان دو مذہبوں کا ظہور، ہر ملک کے علمی اور فکری عہد کے ذہنی خواص میں سے ہے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں جب یورپ کی ادبیات کا آخری انقلاب ظہور میں آیا، تو اس وقت بھی طریق مدرسہ (Classic) اور طریق رومانیہ (Romantic) کے متبعین میں کشمکش پیدا ہوئی اور انتہائی اطراف نمایاں ہو گئے۔ البتہ یورپ کی زبانوں اور عربی زبان کی نوعیت میں یہ اصولی فرق ہے کہ اٹھارویں صدی میں جب رومانیہ طریقہ کے متجددین پیدا ہوئے تھے، تو اس وقت یورپ کا مدرسہ علم ادب کوئی ایسی ترقی یافتہ حالت نہیں رکھتا تھا کہ ہر گوشہ میں ترقی و توسع کا محتاج نہ ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ در صدیوں کی ابتدائی ادبی ترقی کا نتیجہ تھا جو حرب صلیبیہ کے بعد سے یورپ میں شروع ہوئی تھی۔ اور پھر جو کچھ بھی تھا، صرف ادب کی ایک خاص شاخ میں محدود تھا۔

یعنی شعر قصصی اور قصص تمثیلیہ میں۔ لیکن عربی علم ادب کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس پر نشر و ترقی کی تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ وہ تمدن و علوم کی تمام حالتیں اور اسالیب بیان و تعبیر افکار کے تمام دور طے کر چکی ہیں۔ اس لیے اسکی عصری احتیاج بہت حد تک محدود ہے، اور نئے نئے اسالیب و مذاہب کے اخذ اختیار میں بہت زیادہ احتیاط و توسط کی ضرورت ہے۔ مغربی اسالیب بیان کی کورانہ تقلید اور ابداع و تجدید کے افراط و غلر کی جگہ چاہیے کہ مجتہدانہ نظر و اعتبار سے کام لیا جائے، اور عربی ادب و شعر کی خصوصیات کمال و جمال کے تحفظ کے ساتھ قدیم راہروں میں نئی نئی راہروں کی داغ بیل ڈالی جائے۔

بہر حال سیاست و معاشرت کی طرح ادب و شعر میں بھی دو متقابل جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ادبی تجدید و انقلاب کی اس حرکت کا سب سے بڑا قائد ڈاکٹر طہ حسین استاذ جامعہ مصریہ ہے۔ ڈاکٹر مرموف کی شخصیت میں مصر کے موجودہ عہد کی ایک غیر معمولی ذہانت نمایاں ہوئی ہے۔ وہ پیدایشی نابینا ہے۔ اس کا دماغ حواس خمسہ میں سے ایک سب سے بڑے حاسہ علم سے محروم تھا۔ لیکن باوجود اس کے اس نے جامع ازہر میں علوم عربیہ کی تحصیل کی اور یورپ کی متعدد زبانوں میں بھی درجہ رسوخ و نظر حاصل کر لیا۔ وہ ابھی جامع ازہر میں مشغول تعلیم تھا کہ جامعہ مصریہ اسکی حیرت انگیز ابروالعلائی ذہانت کی شہرت سے متاثر ہوئی اور اپنے صرف سے پیس اور روم بھجوا دیا تاکہ مغربی لغات و علوم کی تحصیل سے بھی فارغ ہو جائے۔ کئی سال وہاں بسر کرنے کے بعد جب قاہرہ واپس آیا تو اسی جامعہ میں استاذ (پروفیسر) مقرر ہو گیا۔

پچھلے دنوں ڈاکٹر مرموف نے عہد مولدین کے شعراء پر ایک سلسلہ مقالات شروع کیا تھا، جس نے مصر کے ادبی حلقوں میں موانق و مخالف آراء کے پرجوش مباحثے پیدا کر دیے۔ ان مقالات میں وہ اوائل عہد بنو امیہ کے بعض شعراء غزلیہ کے وجود سے انکار کرتا ہے، اور ان کے وجود کو محض قصصی اور شعری وجود قرار دیتا ہے جیسا کہ بعض مستشرقین یورپ کا بھی خیال ہے۔ ہم آج ان مقالات کا ایک حصہ، حذف و اختصار کے بعد شائع کرتے ہیں۔ اس کا تعلق "لیلیٰ مجنون" کے مشہور قصہ سے ہے۔ یہ سوال کہ کیا فی الحقیقت قیس عامری اور لیلیٰ کے معاشقہ کا قصہ حقیقی ہے؟ پتہ بھی اُنہہ چکا ہے۔ چنانچہ ابراہم الفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں ان لوگوں کی رائیں نقل کی ہیں جنہیں ان شخصیتوں کی حقیقت میں شبہ تھا، لیکن ہم خیال کرتے ہیں اس ادعا اور وثوق کے ساتھ غالباً کہہ ہی انکار نہیں کیا گیا جیسا انکار ڈاکٹر مرموف کر ہے۔

ہم بالفعل اس باب میں اپنی رائے ظاہر نہیں کرینگے کیونکہ اس کے لیے شرح و تفصیل کی ضرورت ہے۔ صرف ڈاکٹر مرموف اور ان کے ناقدین کے مباحث کا خلاصہ ہدیہ قاریین کر دینگے۔ ڈاکٹر مرموف کی تحریر کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

# دنیا میں

## کتب فروشی کا عظیم مرکز

### اگر آپ

عام و کتب کی وسعت اور دست طاب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے :

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W. 1.**

جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتابخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے !  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملاحظہ ممالک میں شائع ہوتا ہے  
یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے، قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے



## لیلیٰ مجنون

از ڈاکٹر طلحہ حمید

”حقیقی شعراء“ کی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تو خیالی محبت کے قائل تھے۔ نہ فکری مراتب عطف و تفرق کے دلدانہ تھے۔ وہ ہر ارضی انسان کی طرح زندگی اور اُسکی آلودگیوں سے آلودہ ہوئے اور اپنے اشعار میں اُنکے راگ گائے رہے۔ اس جماعت کا سرگروہ ”عمر بن ابی ربیعہ“ ہے۔

ہاں، مجھے عمر بن ابی ربیعہ کے تاریخی وجود سے انکار نہیں۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ جتنے اشعار اُسکی طرف منسوب ہیں، اکثر اُسکی ہی ہیں، اور یہ کہ اُسکی شخصیت اُس زمانہ میں بھی تقریباً ویسی ہی تھی، جیسی اس زمانہ میں ہم تصور کرتے ہیں۔ یہی حال کثیر اور عبیدالہ بن قیس الرقیات کا ہے۔

(قیس مجنون)

لیکن مجھے قیس بن ملوح (مجنون) کے بارے میں پورا شک ہے۔ میں اُسے تاریخی شخص یقین نہیں کرتا۔ میں تسلیم نہیں کرتا کہ اس نام کا کوئی شاعر موجود تھا اور لوگ اُسے جانتے اور اُسکے منہ سے اشعار سنتے تھے۔ مجھے یہ بھی یقین نہیں کہ جو اشعار اُسکی طرف منسوب ہیں، اُسکی ہی ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ قیس بن ملوح (مجنون) من جملہ اُن خیالی آدمیوں کے تھا جنہیں جماعتیں اپنا کوئی خاص تخیل یا زندگی کا کوئی خاص اسلوب ظاہر کرنے کے لیے فرض کر لیا کرتی ہیں (یعنی افسانہ و شعری ایک خیالی سیر) میرے خیال میں قیس بن ملوح ایک خیالی شخص ہے۔ شعر کے راویوں اور داستان سراؤں نے اُسے شعری و عشقی ضرورتوں سے ایجاد کیا تھا۔ تا کہ مجالس و محافل کی دلچسپیوں کا سامان کریں۔ یا وقت کی ایک ادبی و شعری ضرورت پوری کر دیں۔

یہاں پر میں اُن اصحاب کو مخاطب کیے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے مجنون کے سچے عشق اور رقیق جذبات کی ثنا خوانی میں بے فائدہ کوشش کی ہے۔ اگر وہ اس کی جگہ یہ بات دکھاتے کہ مجنون، عہد اموی کے بعض خیالات و جذبات اور شعر و نثر کے خاص خاص اسلوبوں کا رموز مظہر ہے، تو اُنکی کوشش زیادہ مفید ہوتی، اور اموی دور کی ایک ایسی خصوصیت ظاہر ہو جاتی جسے عہد عباسی نے شروع ہو کر اپنے لہر و لعب اور جسمانی عیش و عشرت کے سیلاب میں ہمیشہ کے لیے غرق کر دیا۔

مجنون پر ایمان رکھنے والوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ قصہ بعض افسانہ ہے۔ صحیح تنقید ہرگز اس کا وجود تسلیم نہیں کر سکتی۔ اُس شخص کے بارے میں تم کیا فیصلہ کرو گے۔ جسکے نام نسب، قبیلہ، اور واقعات میں اتفاق کی جگہ سخت اختلاف ہو؟ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ رازی خود اُس کے وجود پر متفق نہ ہوں اور اُسکے حالات سخت مشتبہ لہجہ میں روایت کرتے ہوں؟

ایسے شخص کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہو سکتی ہے جس کے واقعات ابو الفرج اصفہانی صرف اس وجہ سے روایت کرنا چاہتا ہے کہ اس کا موضوع اُسے مجبور کرتا ہے؟ پھر لطف یہ کہ روایات کی صحت کی ذمہ داری لینے سے اسے پوری طرح انکار ہے۔ وہ پورا ہوجہ اصلی راویوں کی گزرنے پر ڈال دیتا ہے اور خود الگ ہو جاتا ہے۔ راویوں کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ ”بجز رواۃ حدیث کے“ زیادہ محتاط نہ تھے۔ اکثر مشتبہ واقعات بھی بیان کر جاتے تھے۔ لیکن باوجود اپنی اس بے احتیاطی کے وہ مجنون کے بارے میں اختلاف رکھتے تھے اور اُسکے وجود سے انکار کرتے یا شک ظاہر کرتے ہیں۔ نیز اُسکا نام ”نسب، حلیہ، اور سوانح حیات بالاتفاق بیان نہیں کر سکتے۔ پس جب خود اصل راویوں کا یہ حال ہے، تو کیا ہمارے لیے یہ سمجھنا نا مناسب ہوگا کہ مجنون محض ایک افسانہ ہے؟

میں نے پہلے میں بہت سے ادیبوں کو ناراض کر چکا ہوں۔ بشار بن برد پر اُنکی خلاف توقع میں نے نکتہ چینی کی تھی۔ افسوس، آج پھر میں انہیں ناخوش کرنے پر مجبور ہوں میں سچ کہتا ہوں، مجھے اُنکی ناخوشی میں کوئی لطف حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن کیا کروں۔ بھٹ و نقد کی دیانت مجھے اس پر مجبور کرتی ہے۔ جب سے میں نے عربی شاعری پر بحث شروع کی ہے، اہل ادب لی ملامت کا نشانہ بن گیا ہوں۔ وہ ناخوش ہیں۔ کیونکہ میں نے ابونواس اور حسنین بن الضحاک کو بشار بن برد پر ترجیح دی تھی۔ آج اُنکی ناراضی اور زہمی یادہ ہرجائیگی، کیونکہ میں متعدد شعراء کے وجود سے انکار کرونگا، یا اُنکی شخصیت کی اہمیت گھٹاؤنگا۔ میں آج کہوں گا کہ یہ شاعر یا تو سرے سے موجود ہی نہ تھے۔ یا تھے، مگر اپنے زمانہ میں کوئی نمایاں شخصیت نہیں رکھتے تھے۔ بعد میں لوگوں نے انہیں بڑھا دیا۔ اُنکی طرف بہت سے ایسے اشعار منسوب کر دیے جو انہوں نے کبھی نہیں کہے تھے۔

میں جانتا ہوں، بہت سے اہل ادب میرا طریق بحث پسند نہیں کرتے۔ وہ صرف اثبات اور ایجاب ہی کا ذوق رکھتے ہیں، اور ہر وہ طریق بحث ناپسند کرتے ہیں جو انکار یا شک پر ختم ہو۔ اُنکے خیال میں وہ شخص محقق نہیں ہے جو ”مجنون“ کے وجود سے انکار کرے، یا اسمیں شک و شبہ کا اظہار کرے۔ جو کوئی ایسی جرأت کرے، وہ اُنکے نزدیک مجرم ہے۔ کیونکہ اُنکے خیال میں وہ عربی علم ادب کی عظمت گھٹانے والا ہے۔ اُنکے نزدیک بڑا محقق وہ ہے جو ادبی قصص و محاضرات کے ہر وجود پر علمی ایمان رکھتا ہو، اور ہر افسانہ شعری، حقیقت کے لباس میں دیکھتا ہو۔ کیونکہ اُنکے خیال میں ایسا کرنے سے عربی عظمت بڑھتی اور عربی ادب کی خدمت ہوتی ہے، اور اسلیے ایسا کرنے میں حقیقت کی پروا کرنا ضروری نہیں۔ اُنکھیں بند کر لینی چاہئیں، اور جہل و اعتبار کی راہیں میں بڑھ چلنا چاہیے!

وہ علم و ادب میں بھی وہی راہ اختیار کرنی چاہتے ہیں جو سیاست میں اختیار کی جاتی ہے۔ صرف جذبات برانگیختہ کر اور مرجحہ کے نعرے سنو! بلاشبہ اس طرح تم ان لوگوں کو خوش کر دے سکتے ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ اس طریقہ میں اُن لوگوں کیلئے کوئی دعوت نہیں ہو سکتی جو قوم، ملک، اور جماعت کی رضامندی دیکھنے سے پہلے علم، حقیقت، اور دیانت کے چشم و ابزر پر نظر رکھتے ہیں!

(شعراء غزلیین)

بد قسمتی یا خوش قسمتی سے میں نے علم اور ضمیر کی رضا مندگی کو لوگوں کی تعریف و تحسین پر ترجیح دے رکھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج میں بغیر کسی احتیاط اور پیش بندی کے اعلان کرتا ہوں کہ شعراء کی وہ جماعت، جسے میں ”اہل غزل“ کے نام سے پکارتا ہوں، عربی ادب کی تاریخ میں وہ درجہ نہیں رکھتی تھی جو آج لوگوں نے اُسے دے رکھا ہے۔

یہ شعراء دراصل در نمایاں قسموں میں بٹے ہوئے ہیں۔ دونوں کے متعلق میرے خاص خیالات ہیں۔ ایک قسم ”خیالی شعراء“ (”شعری سیرتوں“) کی ہے۔ اسمیں مجنون، قیس بن زریح، عمرہ بن حزام، جمیل بن معمر، وغیرہ داخل ہیں۔ دوسری قسم



وسعت، زندگی کے امن، اور عقل و ادراک کے منجھ جانے سے فکر و احساس کا دائرہ اتنا تنگ نہیں رہا جس قدر پہلے تھا۔ اس لیے قدرتی طور پر اُسکے جذبات و امیال کی کیفیت میں بھی ترقی ہوئی، اور ابتدائی زندگی کی سختی اور نا تراشیدگی کی جگہ رقت و لطافت کے احساسات ابھرنے لگے۔ اس حالت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تصور الہی کے دائرہ میں بھی ایک نئی وسعت پیدا ہو گئی، اور نئے نئے جذبات سے وہ آشنا ہوئے لگا۔

یہ تصور الہی کی دوسری اصولی کڑی ہے۔ اس منزل میں پہنچ کر انسان نے دیکھا کہ خدا کا چہرہ اگرچہ غضب و ہیبت کے خال و خد سے ہولناک ہے، لیکن کبھی کبھی اس پر رحمت و جمال کا تبسم بھی طاری ہو جاتا ہے۔ یہ تبسم ابتدا میں بہت ہلکا تھا۔ جس جس انسان کے لطیف جذبات منہمکے تھے، یہ تبسم جمال بھی زیادہ نمایاں اور دلانویز ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ انسان کے تصور الہی میں قہر و جلال کے ساتھ، رحمت و جمال کے تصور کا عنصر بھی شامل ہو گیا۔

یہ رحمت و جمال کے دور کی ابتدا تھی۔ اس دور میں خدا کی ایجابی صفات کا تصور بالکل ابتدائی اور ناقص حالت میں شروع ہوتا ہے، اور ایک خاص حد تک نشر و نما پاتا ہے۔ ابتدائی درجہ میں اس کا عنصر بہت خفیف ہوتا ہے۔ آگے چل کر زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ تاہم مجموعی حیثیت سے غلبہ قہر و جلال کی صفات ہی کا رہتا ہے۔

(تجسم و تمثیل کا دوسرا قدم)

اس دوسرے دور میں تجسم و تمثیل (یعنی خدا کی صفات کو مخلوق کی صفات کی طرح تصور کرنے) نے بھی ایک بہت ہی سست قدم آگے کی طرف بڑھایا۔ تازہ کی منزل ذہن انسانی کیلئے بڑی مشکل اور بڑی ہی دور کی منزل تھی۔ اس لیے اس راہ میں اُسکے قدم تیز نہیں آتھے سکتے تھے۔ تاہم اُگھتے تھے، اور اہستہ اہستہ تمثیل کی سطح بلند ہوتی جاتی تھی۔

پہلے تمثیل سرتا سر ادنیٰ قسم کے حیوانی صفات کا تھا۔ کیونکہ خود انسانی صفات بھی اسی درجہ میں تھیں۔ پھر انسان کی معنوی ترقی کے ساتھ ساتھ تمثیل کی نوعیت میں بھی ترقی ہوتی گئی، اور اونچے درجہ کی حیوانی صفات سے تصور آشنا ہو گیا۔ پھر اس میں بھی ترقی ہوئی۔ انسانی اور کائناتی صفات و اعمال میں سے جو صفات و اعمال اونچے درجے کے انسان کی نظروں میں آ سکتے تھے، اُن سے خدا کا تصور آراستہ کیا جانے لگا۔

(الوہیت اور شاہیت)

مثلاً جب اجتماعی معیشت کی ترقی و وسعت سے حکومتوں اور حکمرانوں کا ظہور ہوا، اور طاقتور انسانوں نے کمزور افراد کو مسخر کر کے اپنی شاہی و مالکی کی عظمت و سطوت پیدا کر لی، تو ذہن انسانی کے سامنے طاقت اور اقتدار کا ایک نیا پر شکوہ نمونہ آ گیا۔ اس لیے قدرتی طور پر وہ خدا کے تصور میں بھی ایک طرح کی شاہی و حکمرانی کا جہ و جلال دیکھنے لگا، اور ساز و سامان حکومت کے وہ تمام اجزاء اُس میں بھی پیدا ہو گئے، جو دنیا کے پادشاہوں اور ان کے درباروں میں پیدا ہو گئے تھے۔ یہ جو آگے چل کر خدا کے عالم گیر تصور میں ایک شہنشاہ اور اُسکے دربار حکومت کے تمام لوازم کا تخیل سرایت کر گیا۔ حتیٰ کہ آج خدا کا نام سننے ہی ہمارے تصور میں ایک بڑے پادشاہ کے تخت و عظمیٰ و جلال کا نقشہ پیدا ہو جاتا



## تفسیر سورہ فاتحہ کا ایک صفحہ

انسانی تصور الہی کی تکمیل

اور

اس کا سلسلہ ارتقا

(۲)

(دور قہر و جلال)

گذشتہ نمبر میں اس دور کی شرح و تفصیل کا صرف ابتدائی حصہ درج ہو سکا۔ جس مقام پر پہلا مقالہ ختم ہوا ہے، اُسکے بعد مسودہ میں مزید شرح و تفصیل ہے۔ خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ علم الآثار اور قدیم اصنامی و مذہبی روایات و قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ابتدائی دور میں تصور انسانی درجہ بدرجہ حسب ذیل منزلوں سے گزرا۔ یہ گویا اس سلسلہ ارتقا کی پہلی اصولی کڑی کی فرعی کڑیاں تھیں:

- (۱) ایک مہرل خوف و دہشت کا تصور۔
- (۲) ابتدائی تشخیص و تعین۔
- (۳) مظاہر فطرت کی مہلک اور سلبی قوتوں کا تصور۔
- (۴) خوفناک اور مہلک جانوروں میں مافوق الطبیعیہ طاقتوں کا تخیل۔
- (۵) غیر مرئی دیوتاؤں کا تصور۔
- (۶) دیوتاؤں کے تصور میں ترتیب و نظم کا ظہور۔
- (۷) کائنات فطرت کے اعمال و مظاہر میں تقسیم

عمل کا تصور۔ یعنی اس تصور کی ابتدا کہ ہر چیز کی تخلیق و نگرانی کیلئے الگ الگ خدائی طاقتیں ہیں۔ آگے چل کر یہ تقسیم عام ہو گئی۔ لیکن اس دور میں صرف فطرۃ کے سلبی اور تخریبی افعال میں ہوئی تھی۔

(صفات رحمت و جمال کی آمیزش)

ایک مدت تک ذہن انسانی صرف صفات قہر و جلال ہی کا تماشا لے رہا۔ خود اُسکا ذہنی مزاج بھی الہی رقیق و لطیف صفات کے نشرو بلوغ سے محروم تھا، اس لیے وہ خدا کے تصور میں بھی اُن کا جلوہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن جب کچھ عرصہ کے بعد انسان کی مدنی زندگی نے چند قدم آگے بڑھائے اور اجتماعی معیشت میں ترقی ہوئی، تو معیشت کے نظم و رابطہ کے قیام، علانی کی

براہ راست کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ ہر انسان کی پہنچ صرف درمیان کے وسیلہ ہی تک ہو سکتی ہے، اور اسی کے وسیلہ سے وہ معبود حقیقی تک پہنچ سکتا ہے، ٹھیک ٹھیک یہی بات تھی کہ کوبی آدمی براہ راست پادشاہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہر شخص کی پہنچ صرف اپنے اپنے حاکموں اور وزیروں امیروں ہی تک ہو سکتی ہے۔ وہ چاہیں تو دربار شاہی تک بھی پہنچائیں۔

پادشاہوں تک عوام کا براہ راست نہ پہنچ سکتا، شاہی عظمت و کبریائی کے تخیل کا نتیجہ تھا۔ بنیاد اس خیال کی یہ تھی کہ جو شخصیت جس قدر بھی عوام کی رسائی سے بلند ہوگی، اُنکی ہی عظیم اور مقدس ہوگی۔ جن جنوں یہ تخیل پادشاہوں کی شخصیت کے ساتھ ترقی کرتا گیا، اور اُن تک پہنچنے کے لیے نئے نئے واسطے اور وسیلے بنتے گئے، خدا کے تصور میں بھی ایک منظم سلسلہ و سائل کا تخیل پیدا ہوتا گیا۔ اس تخیل کی انتہا یہ تھی کہ کوبی انسان معبود حقیقی سے واسطہ پیدا ہی نہیں کر سکتا۔ اسکا علاقہ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہے، صرف وسائط سے ہے۔ یعنی اُن کا فرما طافوں سے ہے جن کے سپرد تدبیر عالم کا تمام کارخانہ کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح نذرانہ پیش کش، قربانی، بھی ٹھیک ٹھیک وہی بات ہے، جو ایک طرف انسانی پادشاہی و سرور کے لیے وجود میں آئی، دوسری طرف تصور الہی میں بھی سرایت کر گئی۔

علم مصریات Egyptiology سے مصر کے قدیم الہی تصورات پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے سب سے زیادہ قدیم معبود وہی تھے جنہیں محلی یا جماعتی معبود کہنا چاہیے۔ حضرت مسیح (علیہ السلام) سے تقریباً نو ہزار برس پہلے تمام سرزمین مصر محلی معبودوں میں منقسم تھی۔ اس عہد کے ایک ہزار برس بعد (یعنی ۸۰۰۰ - قبل مسیح) میں ایسے معبودوں کا تصور پیدا ہوا جو محلی نہ تھے۔ مثلاً ”ازی ریس“ اور اُس کے ثالث کی پرستش شروع ہوئی جو انسانیت کا دیوتا تسلیم کیا جاتا تھا۔ بعض کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے بعد مشرق سے کواکب پرستی کا تخیل مصر پہنچا اور ”اراب“ (سورج کے دیوتا) کا عالمگیر اقتدار تسلیم کر لیا گیا۔ ہیروڈوٹس اگرچہ اس عہد کے ہزاروں برس بعد مصر پہنچا ہے، لیکن اُس نے بھی یہ پرانی روایتیں معلوم کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ مصر کے قدیم زمانے میں ہر ہر بستی کیلئے الگ الگ خدا تھا۔ جب ایک آدمی اپنے گائوں سے نکل کر کسی دوسرے گائوں میں جاتا تھا، تو جب تک وہاں رہتا، اپنے گائوں کے خدا کی پرستش ترک کر دیتا اور اُسی دوسرے گائوں کے خدا کی پوجا کرتا ”کیونکہ وہ لوگ یقین کرتے تھے کہ ایک مقام کا خدا صرف اپنی ہی حکومت میں کارسازی کی قدرت رکھتا ہے۔ دوسرے مقام کے انتظامات میں دست اندازی نہیں کر سکتا“ ۱

مصر کی طرح ہندوستان بھی تاریخ تمدن کی سب سے بڑی قدامت رکھتا ہے۔ یہاں بھی محلی اور قبائلی معبودوں کا تصور، اقتدار الوہیت کی درجہ بدرجہ تقسیم، کارخانہ کائنات کے نظم دہیے تقسیم عمل، اور اسی طرح کے تمام تخیلات، اسی عہد کے نشو و نما کا پتہ دیتے ہیں۔

یونانیوں کے تصور نے تو کوہ المپس کے معبودوں کا ایک پورا دربار حکومت ترتیب دیدیا تھا جس کا مرقع آج تک درز دیوار کی آرایش کا کام دے رہا ہے اور جس کے مناظر ہر مری کی زندہ جاوید الیڈ میں بار بار

ہے، تو اس کی بلیاد غالباً اسی طرح اور اسی عہد میں پڑی تھی۔

اگر ایک طرف شاہی و تاجدار کی پیدائش اور اُس کی درجہ بہ درجہ ترقی سامنے رکھی جائے، اور دوسری طرف تصور الہی کی اس کوبی پر اور اُسکی تمام ارتقائی کوبوں پر نظر ڈالی جائے، تو یہ ایک نظر واضح ہو جائیگا کہ دوسرا تصور، ٹھیک ٹھیک پہلے کا عکس ہے، اور دونوں نقشے ایک ہی ذہنی مبداء سے نکلے ہیں۔ انسان نے ایک ہی زمانہ میں اور ایک ہی طرح کے ذہن و خیال سے حکومت و کبریائی کے دو تخیل بنائے۔ ایک زمین پر آراستہ کیا۔ دوسرا آسمانوں کی ملکوتی فضا میں بچھا دیا۔ ایک پر وہ اپنے ابناء جنس کو بٹھا کر اُن کے سامنے اطاعت و غلامی کا سر جھکاتا۔ دوسرے پر اپنے خدا کا جاہ و جلال دیکھ کر سر بسجود ہو جاتا۔

یہ جو مختلف قوموں کے قدیم الہی تصورات میں ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹے اور بڑے خداؤں کی تقسیم کی گئی، ہر جگہ کیلئے محلی (مقامی) خداؤں اور آسمانی سرپرستوں کا تخیل پیدا ہوا۔ نذر، بھینٹ، اور قربانی، کی پیش کش ضروری سمجھی گئی، تقرب الہی کے لیے وسائط و وسائل کے عقیدہ نے رواج پایا، بڑے خدا تک پہنچنے کیلئے چھوٹے خداؤں کی شفاعت ضروری تصور کی گئی، معبودوں کے غضب و انتقام سے بچنے کیلئے طرح طرح کے مادی اعمال استعمال میں لائے جانے لگے، خدا کی تمثیلی صورت کی نشست کیلئے تخت یا تخت کے قسم کی کوئی چیز ضروری سمجھی گئی، اُس کے سر کی آراستگی کیلئے ”تاج“ بھی وضع کیا گیا، اور اُس کی حکمرانی کے انصرام اور مشوروں کیلئے دربار اور دربار کے ارکان بھی پیدا ہو گئے، تو یہ تمام باتیں فی الحقیقت دنیا کی شاہی و حکمرانی ہی کا پرتو ہیں۔

دنیا میں جس وقت سے شاہی و حکمرانی کی بنیاد پڑتی ہے، یہ تمام باتیں اُس کے لوازم و خصائص میں سے سمجھی جاتی ہیں اور مفہوم حکومت کے بنیادی اجزاء ہیں۔ طاقت اور اختیار کی سب سے بڑی برائی پادشاہ کیلئے ہوتی ہے۔ لیکن پادشاہ بذات خود تمام کار و بار حکومت انجام نہیں دے سکتا اور نہ دینا پسند کرتا ہے۔ اُس کے ماتحت وزیر و امیر ہوتے ہیں، اور وہ احکام شاہی کے مطابق تمام کام انجام دیتے ہیں۔ اسی چیز نے تصور الہی میں بڑے معبود اور چھوٹے معبودوں کا تخیل پیدا کیا۔ خیال کیا گیا کہ چھوٹے معبود بڑے معبود کے نیچے رہ کر کائنات قدرت کے تمام کار و بار انجام دیتے ہیں۔

پہلے سے تصور الہی میں ”تقسیم عمل“ کا تخیل بھی ترقی پذیر ہوا۔ حکومت اور انتظام کے ہر صیغہ کے لیے کوبی ایک امیر اور وزیر مقرر ہوتا اور ہر بستی اور شہر کے اوپر کوبی ایک حاکم یا اختیار ہوتا۔ پادشاہ سب کے اوپر تھا، لیکن رعایا کا علاقہ اپنے اپنے حاکموں سے تھا۔ براہ راست پادشاہ سے نہ تھا۔ حاکموں اور وزیروں کو اختیار پادشاہ ہی سے ملتا ہے، لیکن جب مل جاتا ہے، تو وہ اپنے اپنے دائرہ حکومت میں خود مختار ہوتے ہیں۔ رعایا کا فرض ہوتا ہے کہ اُنہی کے کہے پر چلے اور اپنی ساری داد فریاد اُنہی کی چوکھٹوں پر لے جائے۔ اسی تقسیم عمل اور حکومت بالوسائط کا نقشہ تصور الہی میں بھی قائم ہوا۔ اور پہلے کارخانہ کائنات کے ہر صیغہ کے لیے الگ الگ خداؤں کی، پھر زمین کے ہر حصے اور آبادی کے لیے محلی خداؤں اور کارسازوں کی تقسیم عمل میں آئی۔ یہ بات کہ خدا تک

سے ملے دیا گیا ہے ' یا پادشاہت کی ابتدا آغاز خلقت کے کئی ایسے عہد سے ہوتی ہے جب دیوتاؤں اور آسمانی طاقتوں کے مابین طبعیت کا رشتہ انجام پا رہے تھے؛ تو یہ بھی اسی صورت حال کا قدرتی نتیجہ ہے۔ قدیم مصر میں کاہن اعتقاد تھا کہ تخت مصر پر پہلا دیوتا دیوتاؤں کی براہ راست حکومت کا گزرا ہے۔ دوسرا دور ایسے انسانوں کی حکومت کا تھا جن میں پوری نہیں آدھی دیوتاؤں کی تھی۔ بیس ہزار برس جب ان دنوں دنوں پر گزر چکے ' تب انسانوں کا دور حکومت شروع ہوا۔ ہندوستان میں بھی چندر بنسی اور سورج بنسی خاندانوں کا تخیل قائم ہوا ' جنکا سلسلہ نسب چاند اور سورج پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ آشوریوں اور بابلیوں کا بھی یہی خیال تھا۔ وہ کہتے تھے ' پادشاہت کا سب سے پہلا سلسلہ سورج دیوتا سے شروع ہوا ہے۔

انسانی پرستش کے تخیل نے بھی اسی دور میں نشرو نما پائی۔ تمام ایسے انسان جو عام سطح سے کڑی بلند طاقت حاصل کر لیتے تھے ' وہ آسانی دیوتاؤں کا درجہ حاصل کر لیتے۔ عجب نہیں اس کی ابتدا اسی الہیت اور پادشاہت کے تشابہ سے ہوئی ہو۔

مظاہر فطرت کی پرستش کے سلسلہ میں اجرام سماوی کی پرستش بھی اسی دور میں شروع ہوئی ' اور انسانی تخیل نے بہ تدریج اپنے ماحول سے متاثر ہو کر ان کی جسمانی شکل و شباہت وضع کر لی۔ غالباً کواکب کی مختلف جسمانی صورتیں سب سے پہلے دو اہم دجلہ و فرات میں پیدا ہوئی ہیں۔ اُس کے بعد مصر اور یونان میں کواکب کی اصنام کی پرستش کا ظہور ہوا ' اور ان کی الہی روایات نشرو نما پانے لگیں۔ پھر ایک مدت کے بعد جب علم ہنر کی ابتدائی معلومات سے انسان آشنا ہوا ' تو کواکب پرستی کے تخیل میں زیادہ نظم و اسلوب پیدا ہو گیا ' اور ذہن و فکر کی رقت و لطافت ترقی کرنے لگی۔

## مختارات

شرم اور خاموشی ' عورت کا بہترین زیور ہے۔ — اریڈس  
تھوڑی فرق محبت کو بڑھاتی ' اور زیادہ فرق محبت کو قتل کر دالتی ہے — میرابو

عورت کے محبت بھرے دل سے زیادہ بڑی چیز دنیا میں کوئی نہیں — لوتھر

عورت اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ مرد کو مانوس کرے۔ — والٹیر  
مرد کو خدا سے ہمیشہ دعا کرنی چاہیے کہ عورت اُس کی حقیقت نہ جاننے پائے — تھیکرے

ادم سب سے زیادہ خوش نصیب انسان تھا۔ کیونکہ اُس کی ساس نہ تھی — پارفہ  
( اتفاق سے ایک شعری خطاب )

" اتفاق ' آہ تم کیا جانو اتفاق کیا ہے ؟ اتفاق ایک سفید کپوتر ہے جو اپنی چونچ میں زیتون کی شاخ لیے ہوئے ' نا اتفاقی کے طوفان سے نجات دینے کی خوش خبری سنا رہا ہے !

اتفاق چھپاتی ہوئی ایک بلبل ہے اور اپنے شیریں راگوں سے غمزدہ دلوں میں طرب پیدا کر رہی ہے !

اتفاق ' خوبصورت عندلیب ہے۔ آسمان میں اڑتی چلی جاتی ہے ' اور رھاں سے نصیم جنت بن کر واپس آتی ہے !

اتفاق ' آسمانی فرشتہ ہے جو اپنے نورانی پر بہادر روموں پر پھیلا دیتا ہے !

ہمارے سامنے آئے ہیں۔ اس دربار میں زئس یا زئوس (مشتری) عصا شاہی ہاتھ میں لیکر تخت ریاست پر متمکن ہوتا۔ ہیرا اُسکی بیوی ملکہ کی طرح اُسے بائیں جانب بیٹھتی۔ دونوں طرف تخت کے نیچے بقیہ معبود اور دیوتا بیٹھے ' اور ہیپیا Hebe ( زئس کی بیٹی اور شباب کی دیوی ) ساقی گری کا فرض انجام دیتی۔ ہومر الیڈ کی چوتھی نظم شروع کرتے ہوئے کہتا ہے : " دیوتاؤں نے زئس کے گرد مجلس شوریٰ آراستہ کی۔ سنہری ایران میں سب جمع ہوئے۔ ہیپیا نے عیش و نشاط کے جاموں کو گردش دی " الخ

ہندوستان اور یونان ' دونوں نے اپنے معبودوں کیلئے سربفلک پہاڑ کی پر اسرار چوٹیاں منتخب کی تھیں۔ ہندوستان میں ہمالہ کی برف آلود چوٹیاں دیوتاؤں کا مسکن اور دربار بنیں۔ یونانیوں کے پاس ہمالہ جیسا پہاڑ نہ تھا ' لیکن ایمپس کی ابر آلود چوٹیاں کافی بلند تھیں۔ انہوں نے خیال کیا ' ابر کے پر اسرار اور ہدیت انگیز پردہ کے پیچھے اُن کے معبودوں کا دربار جاہ و جلال آراستہ ہے !

دیوتاؤں کیلئے طرح طرح کی سواروں کا تخیل ' ہندوستان ' یونان ' اور مصر کے مقدس رتھ ' آشور اور بابل کے تخت رواں ' ایران کا عجیب الخلق مرکب : سب اسی تخیل کے برگ و بار ہیں۔ ہندوستان ' مصر ' یونان ' تینوں نے معبودوں کی سواروں کے جلوس اور تزک و احتشام کے سامان رتھ ہی آراستہ کیے تھے ' جیسے پادشاہوں کی سواروں اُن وقتوں میں نکلا کرتی تھیں۔ علم و تاریخ کی خوش نعمتی سے اُن عہدوں کی شاہیت اور الہیت ! دونوں کے نقشے ہمارے سامنے آگئے ہیں !

پادشاہت اور الہیت کے اسی تماثل کا نتیجہ تھا کہ دونوں میں ایک عجیب طرح کا مخفی لازم و علاقہ پیدا ہو گیا۔ یعنی دونوں باہم دگر ایک دوسرے کے تخیل سے اس طرح متاثر و متغیر ہونے لگے کہ ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ' اور دوسرے کے اثر سے پہلا متاثر ہوتا۔ کیونکہ دو قریب قریب اور متماثل تخیل بہ یک وقت نشرو نما پانے لگے تھے۔ اگر ایک طرف شاہی و سروری کے اعتقاد کے خدا کے تخیل میں اپنا ساز و سامان حکومت پیدا کر دیا ' تو دوسری طرف خدا کے تصور کی شان الہیت و تقدیس ' شاہی و سروری میں بھی پیدا ہو گئی ' اور اس طرح ذہن انسانی کے لیے دو ہم شکل چیزوں میں حد امتیاز قائم کرنا دشوار ہو گیا۔

یہیں سے انسانی پادشاہت میں شان الہیت و کبریائی کے اعتقاد کی بنیاد پڑی۔ ہندوستان ' مصر ' دو اہم دجلہ و فرات ' اور ایران ' قدیم تمدن کے چار بنیادی مقامات ہیں ' لیکن ان چاروں جگہوں کی تاریخ میں شاہی و سروری کے تاج کے گرد ' الہیت و سماویت کا مقدس ہالہ نظر آ رہا ہے۔ ہندوستان اور مصر میں پادشاہ کا منصب ایک آسمانی منصب تسلیم کیا گیا۔ اُن کے خاندان ' نسب ' پیدائش ' نشو و نما ' موت ' اور ہر طرح کے معاملات میں غیر انسانی قسم کے اسرار و رموز کی تقدیس پیدا ہو گئی۔ وہ خود بھی ایک دیوتا ہو گئے ' خدا کا مظہر ' اوتار ' اور پہلے زیادہ ہلکے لفظوں میں خدا کا سایہ تسلیم کیے گئے ' اور " مشبہ " اور " مشبہ بہ " کا امتیاز اس طرح اُٹھ گیا کہ اب اس کا فیصلہ دشوار ہو گیا ہے کہ ان دنوں چیزوں میں " مشبہ " کون تھا اور " مشبہ بہ " کسے قرار دینا چاہیے ؟

یہ جو تمام قدیم قوموں میں اُنکی پادشاہتوں کی ابتدا دیوتاؤں سے تسلیم کی گئی ہے ' یا پادشاہوں کا سلسلہ نسب اجرام سماویہ

۱۔ دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

المزاف لندن في ادبي عميله

۱۔ عہدہ ایڈمنسٹریٹر کے لئے پوزیشن پر فیلڈ (پوسٹ) اور (فیلڈ) سے

۱۵۴۵ء میں جب کہ چلی کی سرحد پر ایک جنگ ہوئی  
 کے بعد چلی کی سرحد پر ایک جنگ ہوئی

$$y = \frac{1}{2} \left( \frac{1}{2} \right)^{n-1} \left( \frac{1}{2} \right)^{n-1} = \frac{1}{2^n}$$

*The Publisher*

WYOMING STATE SQUARE

London, E. C. 4.

ت طالب علم

ت طالب علم

آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

[illegible][illegible]

اے اہل حق ہیں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم میں سے  
 جو کچھ چاہی وہاں سے جو کچھ چاہیں اور ان کے لئے  
 جہنم میں سے جو کچھ چاہیں وہاں سے جو کچھ چاہیں  
 جہنم میں سے جو کچھ چاہیں وہاں سے جو کچھ چاہیں  
 جہنم میں سے جو کچھ چاہیں وہاں سے جو کچھ چاہیں

مارت تعلقات دنیا کے تمام پہلوؤں پر ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

میں نے "نہیں" اور ہر طرح سے زعمی مواد اور خشک کر۔  
 یہاں ہر طرح سے جو "آئی سٹام" کے نام سے مندرجہ  
 ہیں مشہور ہے۔ اس "آئی سٹام" کے مطابق ہم کوئی کوئی  
 مشہور صرف اسی فائدہ سے مل سکتی ہیں۔

Printed and Published by  
**MASUD HASAN ZUBERI** AT 'THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGER, CIRCULAR ROAD, CALCUTTA  
 EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

ابن سنان در کتب



# الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

|                        |   |   |            |
|------------------------|---|---|------------|
| قیمت سالانہ مع محصول   | - | - | بارہ روپیہ |
| ہندوستان سے باہر کیلئے | - | - | سولہ روپیہ |
| قیمت شش ماہی           | - | - | سات روپیہ  |
| قیمت فی پرچہ           | - | - | پانچ آنہ   |

( ۱ ) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں ان کے لغافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے -

( ۲ ) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

( ۳ ) بواہ عناہت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

( ۴ ) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

( ۵ ) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

( ۶ ) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرائیے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں -

( ۷ ) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں -

( ۸ ) ایسے حوالے طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض ( مثلاً رسید زر ، اطلاع اجراء اخبار وغیرہ ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

# الہلال

ایک ہفتہ وار مصور سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۲۷ - صفر ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۱

Calcutta : Friday, 26, August 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی ۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے ۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی ۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں ، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں ۔ آپ ان دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں ۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے ۔ یاد رکھیے ۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے ۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقایم ایک بار دور کر دی جائیں ۔  
الہلال

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۶۵۷ مراسلات وصول ہوئی ہیں ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

|     |                        |     |                              |
|-----|------------------------|-----|------------------------------|
| ۲۱۰ | اردو حروف کی حق میں    | ۸۴  | عربی حروف کی حق میں          |
|     | حروف کی حق میں بشرطیکہ | ۱۲۱ | موجودہ مشترک طباعت کی حق میں |
| ۵۶  | تستعلیق ہوں            | ۱۸۶ | پتھر کی چھپائی کی حق میں     |

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے ۔

آراء کی ہیکہنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے ۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے ۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں گی مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں ۔  
الہلال

# اب تمام اصحاب کیلی

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

**I. SHENKER,**

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزیین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجیے۔ اہل علم اور اہل دولت، دہنوں کیلئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی، مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

## با این ہبہ

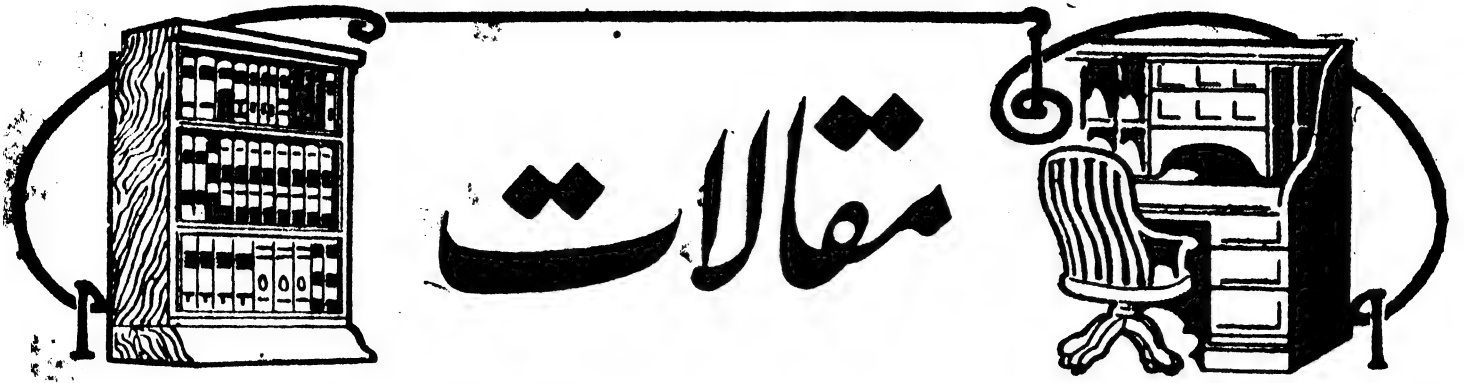
قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں

## براعظم، یورپ، امریکہ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایران شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کیے ہیں۔

## اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو آپ فروخت کرنے کیلئے بھی پلے ہم ہی سے خط و کتابت کیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفیری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔



## لیلیٰ مجنون

از ڈاکٹر طاہرہ حسین

(۲)

قیس کے بارے میں عام راوی تو صرف اختلاف بیان ہی پر قانع ہیں لیکن ثقہ راویوں کو انکار یا شک میں شامل نہیں ہے۔ میں تمام اقوال پیش کر کے تحریر کو طول دینا نہیں چاہتا۔ آغانی کی پہلی اور دوسری جلد میں کافی ذخیرہ موجود ہے، اور بآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔

بعض راویوں کا انکار تو اس درجہ تک بڑھ گیا تھا کہ وہ کہتے تھے: ”بنی عامر (مجنوں کے قبیلہ) کے دل اس قدر ٹھوس ہیں کہ ان میں اتنی زیادہ محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ ہاں بے عقل باشندگان یمن سے یہ بعید نہیں۔ لیکن بنی نزار اس سے کوسوں دُور ہیں۔“

ایک اور راوی تصریح کرتا ہے:

”میں قبیلہ عامر کے ایک ایک خاندان میں پھرا اور سب سے مجنوں کے متعلق سوال کیا۔ مگر کسی نے بھی اس کی واقفیت کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ سخت انکار کیا۔“

ایک دوسرے راوی کا بیان ہے:

”میں نے بنی عامر کے ایک بدری سے مجنوں کا حال پوچھا۔ اس نے بہت سے عامری مجنوں کے نام بتائے اور ان کے اشعار سنائے مگر قیس بن ملحج کے وجود سے برابر انکار کرتا رہا۔“

پھر ان راویوں پر نظر ڈالو جو اس مجنوں کے واقعات کے راوی ہیں۔ وہ خود آپس میں سخت اختلاف رکھتے ہیں، حتیٰ کہ اس کے نام تک پر متفق نہیں۔ کوئی قیس بتاتا ہے۔ کوئی مہدی کہتا ہے۔ کوئی اقرع قرار دیتا ہے۔ کوئی بحتری پر زور دیتا ہے۔ پھر اس کے حسب و نسب کے بارے میں اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ پھر خود اس کا جنون بھی سب تسلیم نہیں کرتے۔ کوئی کہتا ہے، ”وہ بالکل دیوانہ تھا۔ کوئی اسے عاقل گردانتا ہے۔ اصمعی کا قول ہے ”وہ مجنوں نہیں تھا۔ صرف ابو حیدہ نمیری کی طرح تھوڑی سی سنگ تھی“ اس کے بعد یہ بحث شروع ہوتی ہے، آخر وہ مجنوں کیسے مشہور ہوا؟ بعض کہتے ہیں ”وہ چلے ہی سے دیوانہ تھا“ بعض اس کے خلاف ہیں اور یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ ”اس نے ایک شعر میں اپنے آپ کو مجنوں کہا تھا۔ اس لیے اس کا یہ لقب پڑ گیا جیسا کہ بہت سے شعراء کا حال ہے۔ مثلاً نابغہ“ اختلاف ابھی ختم نہیں ہوتا، بلکہ جنون کے سبب تک پہنچتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں ”محبت نے اسے دیوانہ بنا دیا تھا“ بعض کہتے ہیں ”در اصل اس نے اپنے ایک شعر میں خدا کی مشیخت پر اعتراض کیا

تھا، اس لیے خدا نے اس پر اپنا قہر نازل کیا“ اور دیوانہ ہو گیا وہ شعر یہ ہے: (اور کیا بے نظیر شعر ہے!)

قضاہا لغیری و ابتلائی بھبا  
فہلا بشیعی غیر لیلیٰ ابتلانی؟

(خدا نے میری محبوبہ کو تو دوسرے کے لیے کر دیا۔ لیکن مجھے اس کی محبت میں مبتلا کر دیا۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ لیلیٰ کے سوا مجھے کسی دوسری مصیبت میں مبتلا کر دیا جاتا؟)

بعض راوی اس کا رد کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ خدا کا قہر جنون کی شکل میں نہیں بلکہ برص کی شکل میں اُترا تھا۔ غرض کہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں ہیں۔ ایسی صورت میں ہون یقین کر سکتا ہے کہ مجنوں جیسا کوئی مشہور شخص دنیا میں کبھی موجود تھا؟ بلا شبہ یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر مجنوں موجود نہ تھا تو یہ پورا قصہ کہاں سے آگیا؟ اس کا جواب خود ادب اور شعر کے راویوں نے دیدیا ہے۔ ابن کلیبی لکھتا ہے:

”بنی امیہ کا ایک نوجوان اپنی چچیری بہن پر عاشق ہو گیا تھا۔ جوش عشق میں اس نے اشعار کہے۔ پھر ذرا، مبادا راز کھل جائے اور طرفین کی رسوائی ہو۔ لہذا اس نے اس راز داری کے لیے مجنوں کا نام اختراع کر لیا اور اپنے اشعار اس کی طرف منسوب کر دیے۔“

پھر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اُس زمانہ میں شعر و ادب کے ایسے راوی موجود تھے جن کا کام محض لوگوں کا دل بہلانا اور گرمی صحبت کے لیے داستانسرائی کرنی تھی۔ وہ اشعار و حکایات بناتے تھے اور بصرہ، کوفہ، بغداد وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں پھیلا دیتے تھے۔ جس طرح آج کل کے بعض اخبار نویس لندن اور پیرس میں طرح طرح کے افسانے مشہور کر دیتے ہیں۔ یہ معمولی لوگ نہ تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی داخل تھے جنہیں آج کل ثقہ راوی یقین کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اشعار و حوادث گزشتہ میں غیر معمولی مہارت حاصل کی تھی۔ وہ صاحب علم و فکر تھے۔ اس لیے اُس زمانہ میں بھی عوام انہیں صادق و معتبر سمجھتے تھے اور ان کی رزایت بغیر شک و شبہ کے قبول کر لیتے تھے۔ اس طرح کے راویوں میں سے در راویوں کے نام میں پہل پیش کرنا۔ ”حماد زاہد“ اور ”خلف احمر“ ان دونوں شخصوں کے بے شمار مصنوعی واقعات و اشعار بنائے ہیں۔ یہ دونوں عربی زبان کے ماہر اور بدری قبائل سے بھی بہتر عربیت کے اسرار و دقائق جاننے والے تھے۔ دونوں اپنے دین میں متہم اور لہو و لعب کے دلدادہ تھے۔ بعض ہم عصر شعراء ان کے شریک حال ہو گئے تھے۔ اس لیے ان کے راز جاننے تھے اور انکی صداقت میں شبہ کرتے تھے۔

یہ حال صرف رزاة ادب و شعر ہی کا نہیں ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ انسب، سیر، اور فتوح و غزوات کے بہت سے راوی بھی ایسے ہی تھے۔ سیرت ابن ہشام اٹھا کر دیکھو۔ اس میں ایک بڑا ذخیرہ اشعار و پارے۔ لیکن خود ابن ہشام رزایت کے بعد تصریح کرتا جاتا ہے ”فن شعر کے اکثر عالم اس قصیدہ سے انکار کرتے ہیں۔“

اصلی یہ ہے کہ عرب، رزم، ایران، اور یونان؛ باہم بہت حد تک مشابہ ہیں۔ رومیوں نے یونان پر جنگی فتح حاصل کی تھی مگر یونان نے رومیوں پر ادبی فتح پا لی۔ یہی حال عربوں کا ہوا۔ انہوں نے ایران کو اپنے قومی جوش سے مسح کر دیا، مگر خود ایرانی ادب و ذہنیت سے مغلوب ہو گئے۔ اس ادبی فتح کے جلوے رزم اور بغداد میں یکساں طور پر نظر آتے ہیں۔ یونان اور ایران، دونوں نے یہ کیا کہ رزم اور عرب کے تمدن پر دست درازی کی اور قطع و بريد کر کے اپنے مسح کر ڈالا۔ یہی صورت حال انساب اور تاریخ و سیر میں بھی پیش آئی ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر ہمیں پورا حق ہے کہ اپنے ثقہ راویوں کی روایت پر بھی شبہ کریں۔ اور جب وہ مجنوں جیسے قصہ میں اس قدر باہم مختلف ہوں تو آرزو بھی زیادہ شک و احتیاط کریں۔

ہمارے پاس بحث و تحقیق کا ایک طریقہ آرزو بھی ہے۔ لیکن وہ محض ایک فنی طریقہ ہے۔ تاریخ سے تعلق نہیں رکھتا۔ مجنوں کے اشعار میں ہم اس طریقہ سے کام لے سکتے ہیں۔ شعر ہمیں خود بتادے گا کہ یا تو وہ بتکلف بنایا گیا ہے، اس لیے محبت کا سچا جذبہ پیش نہیں کرتا۔ یا مختلف شاعروں کا کلام ہے اور راویوں نے سہواً یا عمدہً اسے مجنوں کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

جاچظ نے بالکل ٹھیک کہا ہے :

”کوئی شعر نہیں جس میں لیلیٰ کا ذکر ہو اور لوگوں نے قیس بن ملوح (مجنوں) کی طرف منسوب نہ کر دیا ہو۔ اور کوئی شعر نہیں جس میں لبنیٰ کا ذکر ہو اور قیس بن ذریع کے سر تھوپ نہ دیا گیا ہو۔ یہ واقعہ ہے کہ مجنوں کی طرف بہت سے شعر منسوب کر دیے گئے ہیں، حالانکہ خود مجنوں کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ شعر ان شاعروں کے ہیں جو وہ تو مجنوں تھے، اور نہ محبت نے انکا وہ حال کر دیا تھا جو مجنوں کا تھا“

شاعر کی تحقیق کس طریقہ پر کرنی چاہیے؟ خود شاعر کی شخصیت سب سے پہلی چیز ہے۔ یہ اس لیے کہ شاعر اپنے شعر میں اپنی شخصیت ضرور رکھتا ہے۔ اگر شاعر، کامل ہے تو اسکا دیوان اسکی نفسیت اور جذبات کا آئینہ اور اسکی پوری شخصیت کا مظہر ہوتا ہے۔ اس کی مختلف نظموں میں ایک ہی روح، ایک ہی نفسیت، ایک ہی قوت کار فرما نظر آئیگی۔ بلا شبہ تمام اشعار یکساں نہ ہونگے۔ لطافت و رونق اور رقت و جودت میں کمی بیشی ہوگی۔ لیکن شاعر کی شخصیت سب میں نمایاں ہوگی، اور وحدت شعری اس درجہ واضح ہوگی کہ ذوق سلیم فوراً فیصلہ کر دیگا کہ یہ شعر فلاں کا ہے یا یہ شعر فلاں شاعر کے اسلوب پر ہے۔ ہمارے خیال میں یہ طریق تحقیق ناقابل شک اور فنون ادب میں یکساں طور پر قابل عمل ہے۔ خصوصاً شعر غنائی (گائے کے اشعار) میں اسکی اہمیت غیر معموری ہے۔ کیونکہ شعر کی یہ صنف، نفس کا شفاف آئینہ اور جذبات کا سچا مظہر ہوتا ہے۔

اس اصول کی بنا پر کیا ہم مجنوں کے اشعار میں اس کی کوئی نمایاں شخصیت دیکھ سکتے ہیں؟ میرا دعویٰ ہے کہ نہیں۔ اس دعوے کے ثبوت میں بحث دراز کرنی نہیں چاہتا۔ میری تحقیقات کا خلاصہ مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ مجنوں کی طرف جتنے اشعار منسوب کیے گئے ہیں، وہ:

(۱) یا تو مشہور شعراء کے ہیں اور راویوں نے غلطی سے مجنوں کی طرف منسوب کر دیے ہیں۔

(۲) یا مجنوں کے شعراء کے ہیں اور لیلیٰ کا ذکر دیکھ کر لوگوں نے مجنوں کے سمجھ لیے ہیں۔

(۳) یا خود راویوں نے جان بوجہ کر بنائے ہیں۔

(۴) یا مغنیوں نے اپنی گرم بازاری کے لیے گڑھے ہیں اور مجنوں کے سر تھوپ دیے ہیں۔

میں نے بڑی کوشش کی، مگر ان اشعار میں کسی مشترک شخصیت کی روح نہ دیکھ سکا۔

مجنوں کے بارے میں اپنی رائے ایک اور طریقہ سے بھی ہم ثابت کر سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ راوی اس تعلق کی نوعیت بیان کرنے میں بھی بہت مختلف ہیں جو قیس بن ملوح (مجنوں) اور لیلیٰ کے درمیان تھا۔

بعض کہتے ہیں لیلیٰ مجنوں میں بچپن سے ہی سے تعارف ہو گیا تھا۔ دونوں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ دل کو تعلق ہوا۔ یہاں تک کہ بچپن کے انس نے جوانی میں عشق کی صورت اختیار کر لی۔ جوان ہونے پر لیلیٰ قیس سے چھپا دی گئی تھی۔ اس صدمہ نے اسے مجنوں بنا دیا۔

بعض یہ قصہ تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ دونوں میں بچپن سے تعارف نہیں ہوا۔ بلکہ اتفاق سے ایک سفر میں ملاقات ہو گئی۔ ایک سفر میں قیس نے چند نازنینیں دیکھیں۔ سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور بات چیت کے لیے بٹھا لیا۔ قیس سواری سے اُترا۔ امروہ القیس کی طرح اپنی اونٹنی ذبح کر ڈالی اور گوشت بہن بہن کر انہیں کھلانے لگا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ شام کو ایک آرزو جوان وارد ہوا۔ سب لوگ قیس کو چہرہ کر اس کی ہو رہیں۔ اس پر قیس خفا ہو کر چلا گیا اور جوش میں اشعار کہے۔ دوسرے دن صبح پھر اُدھر گیا تو لڑکیاں موجود نہ تھیں۔ صرف لیلیٰ موجود تھی۔ اس نے قیس کو بلایا۔ قیس نے کل کی طرح پھر اپنی اونٹنی ذبح کی اور محبت کا اظہار کیا۔ ابتدا میں لیلیٰ نے بے رخی دکھائی۔ قیس بہت غمگین ہوا۔ لیکن پھر لیلیٰ کو ترس آ گیا۔ اپنی محبت کا بھی اعتراف کر لیا۔

بعض اسے بھی تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں۔ قیس عورتوں کے محبت کا دلدادہ تھا۔ لیلیٰ ایک سرور قامت، خوش اندام، خوش رفتار، نازک بدن، دوشیزہ تھی۔ قبیلہ کے نوجوان اس کے ہاں بیٹھتے اُٹھتے تھے۔ قیس نے سنا تو وہ بھی آنے جانے لگا۔ آخر کار دام محبت میں گرفتار ہو گیا!

اسی قسم کی آرزو روایتیں بھی ہیں۔ ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لیلیٰ کی شخصیت بھی قیس سے کچھ کم ما بہ الزام نہیں ہے۔ ایک روایت میں اسے بکریاں چرانے والی لڑکی بتایا ہے۔ دوسری میں بدری دوشیزہ، جو نوجوانوں کو رزکتی اور ان سے گفتگو کرنا پسند کرتی ہے۔ تیسری میں اس رضع کی ایک مہذب اور نستعلیق خاتون، جیسی بڑے بڑے اسلامی شہروں میں ہوا کرتی تھیں۔ کیا صرف یہی ایک اختلاف، لیلیٰ کی شخصیت مشتبہ کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے، جیسا کہ پہلا اختلاف مجنوں کی شخصیت پرری طرح مشترک کر دیتا ہے؟

مجنوں کے قصہ میں آرزو بھی اندرونی شہادتیں ایسی موجود ہیں جو میری رائے کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً یہ روایت کہ لیلیٰ



دیا جائے، جب بھی اسے مشکوک و مشتبہ ہونے میں تو کلام نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ بحث کا خاتمہ شک و انکار پر ناپسندیدہ ہے۔ لیکن ہمیں علم و حقیقت کی خاطر کبھی کبھی اس پر مجبور ہوجانا پڑتا ہے۔

ہمارے سامنے متعدد عشقیہ عربی قصے موجود ہیں۔ یہ قصے کئی باتوں میں باہم مشترک ہیں اور کئی باتوں میں مختلف ہیں۔ مثلاً یہ چیز سب میں یکساں طور پر موجود ہے کہ ان تمام قصوں کے ابطال عشق (ہیروز) بددی ہیں۔ سب کی محبت یکساں طور پر انتہائی قسم کی ہے۔ محبت نے سب کو یکساں طور پر بڑی بڑی تکلیفیں دیں۔ سب کی محبت پاک تھی۔ سب نے تقریباً ایک ہی طرح اپنے جذبات کا اپنے اشعار میں اظہار کیا ہے۔ سب کے اشعار رفیع اور تقریباً ایک ہی درجہ کے ہیں۔ سب کے واقعات، مصائب، طرز عمل، اور خلفاء و حکام کی مداخلت کی نوعیت بھی یکساں ہے۔ اختلاف صرف ان کے ناموں میں ہے، ان کے قبائل میں ہے، یا اس ماحول میں جس میں انہوں نے پرورش پائی تھی۔

قیس بن ملوح (مجنون) کے انکار اور قیس بن ذریع (عاشق لبنی) میں شک کرنے کے بعد ہمیں ان کی جگہ دوسرے اشخاص یا دوسری چیزیں قائم کرنی چاہئیں، ورنہ بحث بے نتیجہ ہوگی۔ نفی و سلب کے بعد اثبات و ایجاب ناگزیر ہے۔ میری رائے میں قیس بن ملوح، قیس بن ذریع، جمیل بن معمر، اور عروہ بن حزام کی جگہ صعیح لفظوں میں صرف ایک چیز ثابت و موجود ہے۔ یعنی عہد مولدین کے قصص عشقیہ کا فن اور مذہب (اسکول) میرا یقین ہے کہ یہ فن، عہد اموی میں ظاہر ہوچکا تھا، یا کم سے کم اس کی نمایاں بنیادیں پڑچکی تھیں۔ آہستہ آہستہ اس میں ترتیب و ترقی ہوئی، یہاں تک کہ ایک مستقل فن بن کر موجودہ زمانہ کی عشقیہ قصہ نویسی کے قریب قریب پہنچ گیا۔

اس حقیقت کے انکشاف کے بعد مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ قیس بن ملوح کی شخصیت تاریخی ہے یا غیر تاریخی؟ میرے سامنے چند عشقیہ قصے موجود ہیں: قصہ قیس بن ملوح، قصہ قیس بن ذریع، قصہ جمیل بن معمر... وغیرہ۔ اب میری بحث کا موضوع یہ قصے ہیں جنہیں متمدن تخیل نے پیدا کیا ہے، نہ کہ خود عشق۔ مجھے وہ اشخاص تلاش کرنے چاہئیں جنہوں نے یہ قصے بنائے۔ نہ کہ وہ عشاق جن کے حالات یہ قصے بیان کرتے ہیں۔ مجھے قصہ نویسوں کی اختراعی قابلیت اور نظم و نثر میں ان کی مہارت فنی سے بحث کرنی ہے۔ مجھے اس ادبی فن پر غور کرنا چاہیے جو ادب و علوم کی دوسری شاخوں کی طرح، اسلام سے پہلے عرب میں نا پید تھا، اور اسلامی تمدن کے گہوارہ میں پیدا ہو گیا۔

بلاشبہ میں جانتا ہوں، اس بحث کی راہ میں سخت موانع درپیش ہیں۔ یہی ایک مانع کیا کم ہے کہ ان قصوں کے مصنفوں کے نام معلوم نہیں۔ تاہم ہمیں چاہیے کہ ادب عربی کی خصوصیات و کمالات کی تحقیق و کشف کے لیے اس دشوار گزار راہی میں قدم اٹھالیں، اور ان قصوں کا ادبی تجزیہ و تحلیل کر کے ان کا عیب و هنر الگ الگ نکالیں۔ ہمیں چاہیے کہ عہد اموی کے ان ادبی، اخلاقی، سلیسی، اجتماعی، اسباب کا سراغ لگالیں جنہوں نے ان قصوں کے لیے پہلے پہل زمین طیار کی، اور پھر ان اسباب کی بھی جستجو کریں جسے عہد عباسی میں یہ تمام عملاتیں منہدم ہو گئیں۔

کے لیے قیس کو اپنی لڑکی دینے سے انکار کر دیا۔ سبب یہ بتایا کہ قیس اس کی لڑکی پر عاشق ہے اور عشق طشت از بام ہوچکا ہے۔ یہاں بھی واقعہ ہم دوسرے عشقیہ قصوں میں بھی پائے ہیں۔ یہ گویا اس عہد کے عشقیہ قصوں کا ایک مقبول عام انداز بیان تھا۔ رازوں کا بیان یہ ہے کہ عروہ میں یہ رسم تھی کہ وہ عاشق سے لڑکی کا بیاہ نہیں کرتے تھے۔ میں نہیں جانتا یہ بیان صحیح ہے یا غلط؟ عرب جاہلیہ کا دستور تو اس کے برعکس تھا۔ گمان غالب یہ ہے کہ رازوں نے یہ دستور بعض اچھے دل سے ایجاد کیا ہے تاکہ عشقیہ قصوں میں عشاق کی معرومیں کی ایک معقول وجہ ہاتھ آجائے۔

یہ واقعہ بھی کچھ کم مضحکہ انگیز نہیں کہ خلیفہ وقت نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر قیس، پردہ میں بیٹھنے کے بعد بھی لیلیٰ سے تعرض کرے تو قتل کر ڈالا جائے۔ پہلے واقعہ کی طرح یہ واقعہ بھی اکثر عشقیہ قصوں میں دہرایا گیا ہے۔ ہم بجا طور پر سوال کر سکتے ہیں کہ کیا خلفاء کیلئے بجز اس کے کوئی کام باقی نہیں رہا تھا کہ بددی عاشقوں کے معاملات محبت میں حاکمانہ مداخلت کرتے رہیں؟ کبھی ان کے قتل کا حکم دیں۔ کبھی انہیں معاف کر دیں؟ آخر وہ کون سی شرعی بنیاد تھی جس کی بنا پر وہ اس قسم کے احکام صادر کرتے تھے؟ کیا شریعت میں بے اختیارانہ عشق اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی تعزیر قتل ہے؟

اسی طرح یہ واقعہ بھی ایک ہر لطف ایجاد ہے کہ قیس جنوں عشق میں وحشی ہو گیا تھا۔ ایسا وحشی کہ اس کا جنگل کے سوا کہیں جی نہیں لگتا تھا۔ ہرنوں سے مرواست ہو گئی تھی۔ اور شب و روز کا ساتھ تھا۔ داستان گر کی مبالغہ پسندی کے لیے اتنا کافی نہ تھا۔ وہ ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے، اور ہمیں بتلاتا ہے کہ ایک دن وہ (راہی) قیس کی جستجو میں اس درخت تک پہنچ گیا جسے نیچے قیس ہرنوں کے سلقہ بھیرا لیتا تھا۔ اور اس طرح پہنچا کہ نہ تو قیس کو اس کی خبر ہوئی، نہ اس کے رفیق و مونس ہرنوں کو۔ پہلے یہ سراغ رساں راہی چپکے سے صوفت پر چڑھ جاتا ہے، پھر اترتا ہے اور قیس سے سوال و جواب شروع کر دیتا ہے۔ ہرن آواز سننے ہی بھاگ گئے۔ قریب تھا کہ قیس بھی چل دے۔ مگر راہی نے فوراً لیلیٰ کا نام لے لیا۔ علی بابا کے ”سم سم“ کی طرح ”لیلیٰ“ کے لفظ نے فوراً اپنا طلسمی اثر دکھایا اور قیس کی وحشت دور ہو گئی۔ اب وہ آدمیت سے باقیں کرنے لگا۔ لیکن پھر اچانک ایک نازک بدن ہرنی نظر آگئی اور اس کا جوش جنوں از سر نو تازہ ہو گیا!

یہ سب رازوں کا تخیل و تصنع ہے۔ ہم اسے ہرگز واقعہ نہیں سمجھ سکتے۔ یہ مبالغہ کی ایک خاص قسم ہے۔ داستان گر جب معقول گفتگو کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو بے سروریا باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ اکثر قدیم عشقیہ قصوں میں یہی چیز نظر آتی ہے۔ دنیا کی سب سے پرانی قصی نظم الیڈ کا بھی یہی حال ہے۔ یونانی شعراء اب کے مغربی نقادوں نے اسی اسلوب پر الیڈ کی بھی تنقید کی ہے۔ اسے غیر معقول و یکک، اور مبالغہ آمیز اشعار کہتے ہیں۔ شعراء کا انصافی نظم قرار دیا ہے۔ اور معقول و دلچسپ اشعار کو مبالغہ آمیز کہا ہے۔ (یعنی ان مغربی نقادوں نے جنہوں نے ہمارے حقیقی رجحان سے انکار کیا ہے)

میرے خیال میں اس تفصیل کے بعد اگر مجنوں کے ساتھ بہت رولاہت کی جائے اور اسے محض خیالی شخص نہ قرار

قسطنطنیہ میں: سنہ ۱۸۷۰

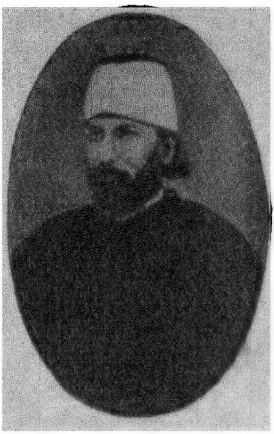


## مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

قائدین فکر:

سید جمال الدین اسد آبادی

پیرس میں: سنہ ۱۸۸۳



بغیر کسی تامل کے کہا جا سکتا ہے کہ مشرق جدید کے رجال تاریخ اور قائدین فکر کی صف میں اُس کی شخصیت کئی اعتبار سے اپنا سہم و شریک نہیں رکھتی!

وہ ایک گمنام اور مجہول ماحول میں پیدا ہوا۔ ایسے مجہول ماحول میں کہ آج تک یہ بات بھی قطعی طور پر معلوم نہ ہو سکی کہ وہ فی الحقیقت باشندہ کہاں کا تھا؟ اسعد آباد کا جو ہرات کے قریب اور افغانستان میں واقع ہے، یا اسد آباد کا جو ہمدان کے قریب اور ایران میں واقع ہے؟

اُس کے وطن کی طرح اُس کی ابتدائی زندگی کے حالات پر بھی ظن و تخمین کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تاہم یہ قطعی ہے کہ تعلیم و تربیت کا اسے کوئی موقع ایسا نہیں ملا تھا جو کسی اعتبار سے بھی ممتاز اور قابل ذکر ہو۔ انیسویں صدی کے کامل تنزل یافتہ افغانستان اور پنجاب کے علماء اپنے گھروں اور مسجدوں میں علوم رسمیدہ کی جیسی کچھ تعلیم دیا کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ

تعلیم جو اُس نے حاصل کی تھی، وہ بھی تھی۔ جن اُستادوں سے اُس نے تعلیم حاصل کی، وہ بھی یقیناً معمولی درجہ کے تھے۔ اُن میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی علمی شخصیت قابل ذکر ہو۔



بصرہ میں بہ لباس عربی سنہ ۱۸۸۹

دنیا کے نئے تمدنی انقلاب اور نئے علوم سے آشنا ہونے کا بھی اُسے کوئی خاص موقع حاصل نہیں ہوا تھا۔ اُس کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر افغانستان میں بسر ہوا، یا ایک روایت کے مطابق ایران میں، اور یہ دونوں مقامات اُس وقت مغربی تمدن و علوم کی تعلیم و تعلم کا کوئی سامان نہیں رکھتے تھے۔

”تقریباً دو ماہ گزرے ہیں کہ ایک شخص سید جمال الدین نامی سے میری ملاقات ہوئی۔ اس شخص کی شخصیت کا میرے دماغ پر جو اثر پڑا، وہ ایسا ہے جو بہت کم شخصیتیں مجھے پر دال

سکی ہیں۔ یہ اثر بہت قوی اور گہرا تھا، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مجھے خیال ہوا، سرزبون یونیورسٹی کے خطبات کا موضوع یہ قرار دوں کہ ”اسلام اور اُس کا علم سے علاقہ“ سید جمال الدین کی ذہنیت ایک ایسی ذہنیت ہے جو: رسمی اسلام کے موثرات کی پوری طرح مقاومت کر سکتی ہے۔ میں جب اِس شخص سے باتیں کر رہا تھا، تو اُس کے افکار کی آزادی، طبیعت کی فضیلت، اور اظہار حقیقت کی جرأت دیکھ کر مجھے خیال ہوا، میں اِس وقت اُن مشاہیر عالم میں سے کسی ایک کو مخاطب کر رہا ہوں جو دنیا کے گزشتہ علمی زمانوں میں گزر چکے ہیں اور جن سے تاریخ کے ذریعہ ہم نے واقفیت حاصل کی ہے۔ میں گویا ابن سینا، ابن رشد، یا اُن حکماء عظام میں سے کسی حکیم کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا جنہوں نے

فکر انسانی کو جہل و اراہم کے قیود سے نجات دلانے کیلئے تاریخ عالم کی پانچ صدیوں تک اپنی شجاعانہ جدوجہد جاری رکھی تھی!“ (فیلسوف رینال)

(سید جمال الدین)

انیسویں صدی کی تاریخ مشرق نے اصلاح و تجدید کی جس قدر شخصیتیں پیدا کی ہیں، اُن میں کوئی شخصیت بھی وقت کی عام پیداوار سے اس قدر مختلف اور اپنی طبعی ذہانت اور غیر اکتسابی قوتوں میں غیر معمولی نہیں ہے، جس قدر سید جمال الدین کی شخصیت ہے۔



کلکتہ میں: سنہ ۱۸۷۹

کا سب سے بہتر نائب ' شیخ محمد  
عبدہ تھا ' اور وہ اسی کا شاگرد تھا !

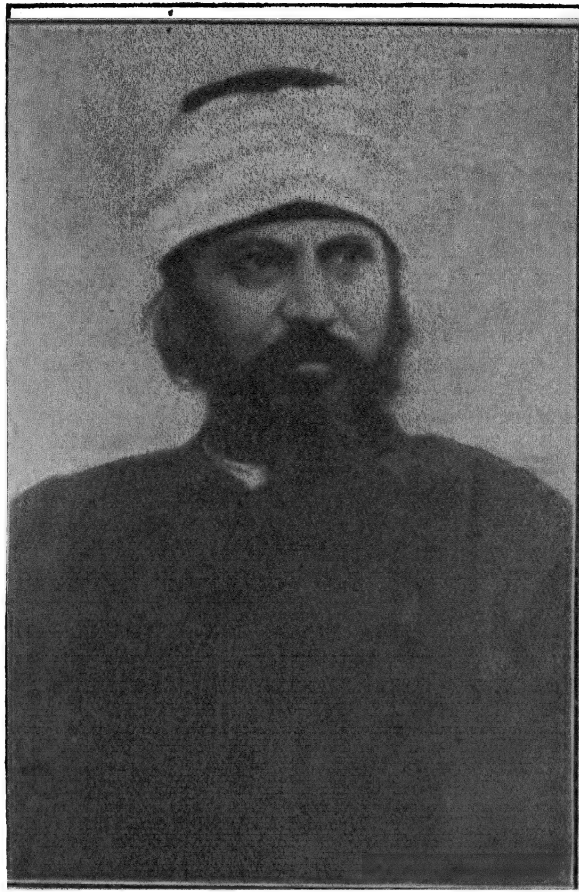
اُس نے علوم حکمیہ کی جستجو  
بھی تعلیم حاصل کی تھی ' وہ بھی  
موجودہ مدارس عربیہ کے مندرجہ شرح  
کی تعلیم حاصل کی تھی ' لیکن وہ ذہین و مستعد طلباء کی  
ایک جماعت منتخب کر کے علوم حکمیہ  
کا درس و املا شروع کر دیتا تھا ' اور قدیم  
معقولات کی وہ تمام گمراہیاں ایک  
ایک کر کے واضح کرتا تھا جنکے اعتقاد  
و جمود نے صدیوں سے مشرقی دنیا  
کا ذہنی ارتقا معطل کر دیا تھا !

مذہب اور علم ' دونوں میں  
اُسکی مصلحانہ ذہنیت نمایاں ہوتی  
تھی ' اور اسی گوشہ میں بھی اُسکے  
قدم رقت کی مقلدانہ سطح سے مس  
نہیں ہوتے - سیاست میں وہ سر تاپا  
انقلاب کی دعوت ہوتا تھا ' اور جہاں

کہیں جاتا تھا ' چند دنوں کے اندر مستعد اور صالح طبیعتیں  
چن کر انقلاب و تجدید کی روح پھونک دیتا تھا - اُس نے بہ یک وقت  
مصر ' ایران ' اور عراق ' تینوں مقامات میں اصلاح و انقلاب کی تھم  
ریزی کر دی !

وہ اپنے اولین قیام مصر سے تقریباً بارہ برس بعد پہلی مرتبہ یورپ  
کا سفر کرتا تھا ' اور پیرس میں رقت کے سب سے بڑے فلسفی اور  
علم دین کی نام نہاد نزاع میں سب سے بڑے حریف دین و مذہب  
پروفیسر ریناں سے ملتا تھا - وہ پہلی ہی ملاقات میں اس " عجیب  
الاطوار مشرقی فیلسوف " سے اس درجہ متاثر ہوتا تھا کہ اخبار  
طمان میں سید مرصوف کے ایک مقالہ کا رد کرتے ہوئے لکھتا تھا :

" میں نے اسکے شخصیت میں ابن سینا  
اور ابن رشد کی روح دیکھی " جیسا کہ اوپر  
گزر چکا ہے - یاد رہے کہ انسان کی قابلیت  
کیسی ہی کیوں نہ ہو ' لیکن مخاطب  
کے تاثر کے لیے وہ بہت کچھ قوت  
بیانیہ اور فصاحت تکلم کا محتاج ہوتا  
تھا - جس وقت سید جمال الدین ریناں  
سے پیرس میں اور لارڈ سالسبری  
سے لندن میں ملا تھا ' اُس وقت اسکی  
فرانسیسی زبان کی تعلیم کی تاریخ  
صرف اتنی تھی کہ اثناء قیام مصر میں  
ایک شخص سے لاطینی الف بے  
قلمی لکھوا لی تھی ' اور پھر کچھ عرصہ  
کے بعد ایک کتاب خرید لی تھی جو  
عربی میں فرانسیسی کی ابتدائی  
تعلیم کیلئے لکھی گئی تھی - کوئی  
ثبوت موجود نہیں کہ اُس نے کسی  
انسان سے باقاعدہ فرانسیسی زبان کی



قسطنطنیہ میں بار دوم : سنہ ۱۸۹۲

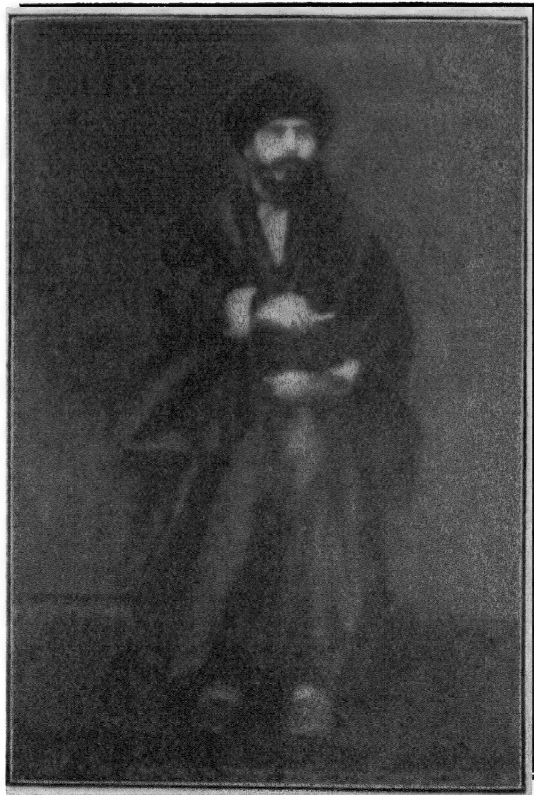
میں ان مقامات کا تعلیمی تنزل منہا کمال تک پہنچ چکا تھا -

سب سے زیادہ یہ کہ اُس نے جتنی بھی اور جیسی کچھ بھی  
تعلیم حاصل کی تھی ' وہ بھی تعلیم تھی جو بجائے خود مسلمانوں  
کے ذہنی تنزل کی پیداوار ہے اور کئی صدیوں سے اسلامی دنیا کے  
دماغی تنزل کا سب سے بڑا سبب بن گئی ہے - اس تعلیم سے  
ذہن و فکر کی تمام قوتیں پژمردہ ہو جاسکتی ہیں ' لیکن  
آزادانہ نشوونما نہیں پا سکتیں -

بائیں ہمہ وہ سنہ ۱۸۷۰ - میں جب کہ اُس کی عمر بہ مشکل  
تیس برس کی ہوگی ' یکایک قاہرہ میں نمایاں ہوتا تھا ' اور صرف  
چالیس دن کے قیام سے اس عظیم مشرقی دارالحکومت کے تمام

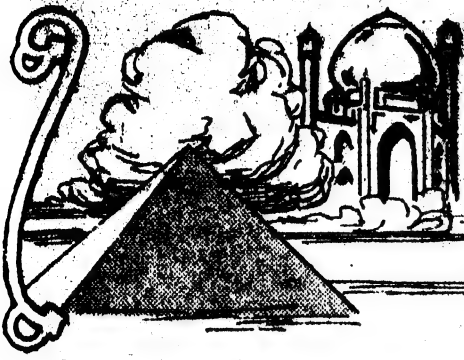
علمی حلقوں کو اپنی طرف متوجہ کر  
لیتا تھا - حتیٰ کہ اُس کی " عجیب  
اور نئی قسم کی علمی قابلیتوں " کی  
شہرت دارالخلافہ قسطنطنیہ تک پہنچتی  
تھی ' اور اس کی تمام اصلاحی اور  
انقلابی قوتیں نمایاں ہوجاتی ہیں !

وہ ادب عربی کا ایک عجمی معلم  
تھا جس نے بعید ترین عجمی ممالک  
میں عجمی اساتذہ سے ناقص اور گمراہ  
قسم کی ادبی تعلیم حاصل کی تھی -  
لیکن وہ عربی زبان کے سب سے بڑے  
مرکز ' قاہرہ میں سب سے پہلے صحیح  
وصالح فن عربیہ کا درس دیتا تھا اور  
عربی کتابت و تحریر کا ایک نیا در پید  
کر دیتا تھا - آج مصر رشام کے تمام  
مشاہیر اہل قلم اعتراف کرتے ہیں کہ  
" کتابت عربیہ میں ہم سب اسی عجمی  
کے عیال ہیں " موجودہ عہد میں عربی

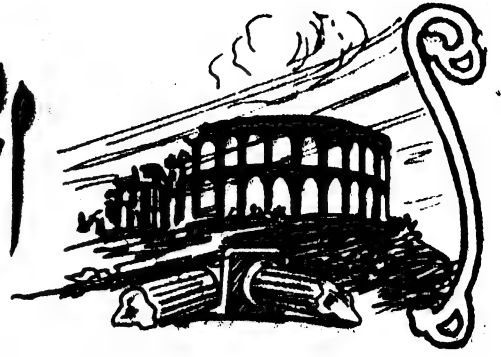


ایران میں بار دوم : سنہ ۱۸۹۰





# اثار عتیقہ



## سات عجائب عالم

(۳)

### اسکندریہ کا منارہ

( THE PHAROS OF ALEXANDRIA )

سکندر اعظم نے مصر فتح کرنے کے بعد ہی شہر اسکندریہ آباد کیا تھا۔ پچاس سال کے اندر اس شہر نے پوری ترقی حاصل کر لی اور بحر متوسط کی سب سے بڑی بندرگاہ بن گیا۔ سکندر کے بعد اس کے جانشین مصر میں علم درست تھے۔ انہوں نے اسکندریہ کو آرزو رونق دی اور علم و حکمت کا مرکز بنادیا۔ سنہ ۲۸۵ ق م میں بطليموس اول حاکم ہوا۔ اس نے شہر کی رز افزوں تجارتی ترقی دیکھ کر خیال کیا کہ رات کے وقت جہاز رانی کی سہولت کیلئے ایک منارہ تعمیر کر دینا چاہیے۔ چنانچہ اسکندریہ کے قریب جزیرہ فیروز میں یہ منارہ طیار کیا گیا اور فیروز کے نام سے مشہور ہو گیا۔

مورخین میں اختلاف ہے کہ اصل میں یہ نام جزیرہ کا تھا یا منارہ کا؟ بہر حال یہ واقعہ ہے کہ اس کے بعد جہاز رانی کیلئے روشنی کے جتنے بھی منارہ تعمیر ہوئے، ان میں سے اکثر ”فیروز“ ہی کے نام سے پکارے گئے۔ بلکہ لاطینی، اطالی، اسپینی اور قدیم انگریزی زبان میں تو اس لفظ کے معنی ہی منارہ روشنی کے ہو گئے۔ فرانسیسی میں اب تک اس معنی میں ”فار“ کا لفظ مستعمل ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ مصری روشنی کے مناروں سے واقف تھے اور بہت سے منارہ بنا چکے تھے۔ مگر بطليموس کا یہ منارہ اپنی بلندی اور ساخت کی وجہ سے بہت ممتاز اور مشہور ہو گیا۔

مشہور رومانی مورخ پلینی نے (جو سنہ ۷۹ ع میں اٹش فشاں پہاڑ فیروز کے پھٹنے سے ہلاک ہوا) اسکندریہ کا شہر اور یہ منارہ دیکھا تھا۔ وہ لکھتا ہے :

”اسکندریہ کی ایک شہرہ آفاق عمارت، وہ برج ہے جسے شاہ مصر نے جزیرہ فیروز میں تعمیر کیا ہے۔ یہ جزیرہ اسکندریہ کے راستہ میں واقع ہے۔ برج کی تعمیر میں ۸۰۰ وزن خرچ ہوئے تھے۔ بطليموس کی عظمت اور فراخ دلی کی یہ شہادت کافی ہے کہ اس نے برج کے معمار سوسٹرائٹس کو اجازت دیدی تھی کہ اس جہیز انگریز عمارت میں اپنا نام کندہ کر کے بقاء درام حاصل کر لے !

پیدا ہو گئی۔ خیال ہوا کہ پورے شرح و تفصیل کے ساتھ مشرق جدید کے اس قائد فکر کے سوانح حیات پر نظر ڈالنا چاہیے۔ مشرق لفظوں اور متعدد تصویروں کا یہ موقع جو آج شائع ہو رہا ہے، اسی سلسلہ مضامین کی تمہیدی قسط ہے۔

تعلیم حاصل کی ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ فرانسیسی زبان میں بہتر سے بہتر تحریر و تقریر کر سکتا تھا۔ ترکی، روسی اور انگریزی بھی اسی طرح اس نے سیکھ لی تھی۔

مشہور ہے کہ جب پیرس میں روسی سفیر نے اس سے ملنا چاہا، تو اس نے ملاقات کی تاریخ ایسی مقرر کرائی جو دو ہفتہ بعد آنے والی تھی۔ اس کے بعد وہ ایک کتب فروش کے یہاں گیا اور اس سے کہا ”مجھے فرانسیسی میں روسی زبان سکھانے والی کتاب چاہیے۔ میں خرید لوں گا۔ بشرطیکہ تم اس کا بھی انتظام کردو کہ آج سے ایک ہفتہ بعد کوئی روسی زبان بولنے والا آدمی مجھے سے ملاقات کرے“ کتب فروش نے کتاب بھی دی اور ایک ایسے شخص کا انتظام بھی کر دیا جو اسی کے یہاں ملازم تھا۔ جمال الدین نے ایک ہفتہ تک بطور خود کتاب دیکھی، پھر آٹھویں دن سے چودھویں دن تک روز ایک گھنٹہ روسی سے باتیں کرتا رہا۔ اور پندرہویں دن وہ طیار ہو گیا تھا کہ روسی سفیر سے بغیر کسی مترجم کی رسالت کے ملاقات کرے !

( سید کے سوانح حیات )

اگر سید جمال الدین کی زندگی میں لوگ اس کے حالات سے واقف نہ ہو سکے تو یہ چنداں عجیب بات نہیں ہے۔ دنیا نے ہمیشہ اپنے اکابر و اعظم سے ان کی زندگی میں غفلت برتی ہے، اور جب تک وہ دنیا سے رخصت نہیں ہو گئے ہیں، ان کے حقوق کا اعتراف نہیں کیا ہے۔ خصوصاً مصلحین و مجددین اُمم کے لیے تو زندگی میں تغافل اور موت کے بعد تعظیم و احترام، اس دنیا کا ایک عام اور غیر متغیر قانون ہے۔ لیکن یہ صورت حال کس درجہ عجیب اور تاسف انگیز ہے کہ اس کی وفات پر پورے تیس برس گزر چکے ہیں، اور وہ تمام مشرقی ممالک بیدار ہو چکے ہیں جہاں اس نے اصلاح و انقلاب کی ابتدائی تخم ریزی کی تھی، تاہم اس کی زندگی بدستور تاریخ کی روشنی سے محروم ہے، اور اس سے زیادہ مشرق کچھ نہیں جانتا، جتنا یورپ کے بعض محب شرق اہل قلم نے بتلایا ہے !

افسوس اس جہل و غفلت پر! ہم صرف اپنے قدماء کی شناخت ہی کے لیے یورپ کے محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے عہد کے اہل فضل و کمال کیلئے بھی اس کے محتاج ہیں۔ جب تک وہ انگلی سے اشارہ کر کے نہ بتلا دے، ہم خود اپنی قوم اور عہد کے بڑے بڑے انسانوں کو بھی نہیں پہچان سکتے !

ہندوستان میں تو الہلال کی اشاعت سے پہلے، غالباً لوگ سید جمال الدین کے نام سے بھی آشنا نہ تھے۔ سنہ ۱۸۷۹ ع میں جب وہ حیدرآباد اور کلکتہ میں مقیم تھا، تو ہندوستانی مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص یعنی مرحوم عبدالغفر شہباز تھا، جسے اس کے فضل و کمال کی تہڑی سی شناخت نصیب ہوئی تھی، اور اس کے چند فارسی مقالات کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا !

حال میں برلن سے ایک رسالہ سید جمال الدین کے اعمال حیات پر شائع ہوا ہے۔ اس کے مطالعہ سے خیالات میں بے اختیار جنبش

(۴)

## مشتري کا مجسمہ

The Statue of Jupiter

”جوپيٹر“ رومانیوں کا مشہور دیوتا ہے۔ بعینہ یہی دیوتا یونان میں ”زئس“ (Zeus) کے نام سے پوجا جاتا تھا۔ بلا استثناء تمام قدیم مورخوں نے اس بت کا ذکر کیا ہے جسے ایٹنز میں ”فیڈیاس“ نے بنایا تھا۔ سب اسے بالاتفاق دنیا کے سات عجائب میں شمار کرتے ہیں۔ موجودہ دنیا اُس کے نام و نشان سے بالکل خالی ہے۔ صرف چند سکے دستیاب ہوئے ہیں جن پر اُسکی شکل کا ٹھہا ہے اور شہر ایٹنز میں اُسکی بنیادیں اور پیٹھک کا بچلا حصہ برآمد ہوا ہے۔

جرمن ماہرین آثار عتیقہ کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ ”زئس“ کا بت خانہ مستطیل تھا۔ اُسکے دونوں کناروں پر چہ چہ ستون اور دونوں پہلوؤں پر ۱۳ - ستون تھے۔ اندر کا ایوان ۹۵ فٹ لائبا اور ۴۳ فٹ چوڑا تھا اور ستونوں کی دو قطاریں کھڑی کر کے تین حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ ”زئس“ کا بت درمیانی حصہ میں ایک کنارے پر نصب تھا۔ بت اصل میں چوبی تھا مگر اُس پر ہاتھی دانت اور سونا جڑا ہوا تھا۔ ہاتھی دانت جسم کو ظاہر کرتا تھا اور سونا لباس کو۔

قدیم مورخ ہوسینیا کی تصریح کے مطابق بت ایک تخت پر بیٹھا تھا۔ اُسکے سر پر زیتون کی پتے والی شاخ کا تلج تھا۔ دھن ہاتھ میں فتح کا نشان تھا جو ہاتھی دانت اور سونے سے بنی ہوئی عورت کی شکل میں تھا۔ بالیں ہاتھ میں عصا تھا جس پر مختلف قیمتی معدنیات کی پچے کاری تھی۔ عصا پر جھکا ہوا ایک گدہ تھا۔ بت کا جوتا اور تمام لباس سونے کا تھا۔ تخت سونے، آبدرس، ہاتھی دانت اور جواہرات سے بنایا گیا تھا اور اُس پر بکثرت دلفریب تصویریں منقش تھیں!

ایک رومانی شہنشاہ ہارڈین کے ایک سکے میں اس بت کی تصویر پائی گئی ہے اور اُس سے مورخ موصوف کے قول کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ عصا پر بیان کردہ گدہ موجود نہیں ہے۔

بت کی تعمیر کے سلسلہ میں یہ بات مشہور ہے کہ جب اُسکا سر بنانے کا وقت آیا تو لوگوں نے فیڈیاس سے پوچھا ”سر کی وضع کیسی رکھو گے؟“ اُس نے فوراً جواب دیا ”میں ہومر کے اس قول کی پیروی کروں گا: ابن قرداس گویا ہوا۔ اپنی سیاہ ابروؤں والا سر عجب سے ہلایا۔ بالوں کے گچے اُسکے لازوال سر پر هل رہے تھے!“

بت کی تصویر ایک آرسک پر بھی ملی ہے۔ اسمیں سر کے بال لائے ہیں اور گردن پر پتے ہیں۔ داڑھی بھی کھنی اور لمبی ہے اور اُس پر دونوں طرف سے مونچھیں پھیلی ہوئی ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ ایٹنز میں اس بت کی تعمیر سنہ ۴۵۰ ق م میں ہوئی تھی۔

(عرب مورخین)

ہم آئندہ نمبر میں بقیہ عجائب کا ذکر کر کے بتلائینگے کہ عرب مورخین کی تصریحات کیا ہیں؟

اس منارہ کی تعمیر سے غرض یہ تھی کہ جہازوں کو کھڑیوں اور چٹانوں سے ہوشیار کیا جائے اور بندرگاہ کا سیدھا راستہ دکھا دیا جائے۔ اس وقت مختلف مقامات میں کئی آرز منارہ بھی موجود ہیں۔ مثلاً ”منارہ ارستیا“ لیکن ان مناروں سے بعض خطرے بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اُنکی روشنی دور سے ستارہ کی طرح معلوم ہوتی ہے اور جہازوں کو راستہ بھلا دیتی ہے۔

مورخ نے منارہ کا خرچ ۸۰۰ وزن بتایا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تقریباً ۱۵ لاکھ روپے صرف ہوئے تھے۔ منارہ کی عظمت کے مقابلہ میں یہ رقم بہت کم معلوم ہوتی ہے۔

منارہ کا بنانے والا سوسٹرائٹس سکندر اعظم کے مشہور معمار ڈیمکرائٹس کا بیٹا تھا۔ اس نے اپنا نام منارہ پر ان لفظوں میں کندہ کیا تھا: ”کنیڈرس کے باشندے سوسٹرائٹس ولد ڈیمکرائٹس کی طرف سے نجات دینے والے دیوتاؤں کو ہدیہ تاکہ وہ سمندر میں سفر کرنے والوں کو نجات بخشیں“

جن سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے تیرھویں صدی عیسوی میں یہ منارہ دیکھا تھا، اُنکا بیان ہے کہ یہ ۶۰۰ فٹ یعنی سقند آدم بلند تھا۔ عمارت کی وضع بابلی تھی۔ کئی منزلیں اوپر نیچے تھیں۔ ہر منزل اپنے نیچے کی منزل سے چوڑی اور اوپر کی منزل سے بڑی تھی۔ زیریں دو منزلیں مربع تھیں اور اوپر کی دو مستطیل تھیں۔ ہر منزل میں ایک بڑا روشن دان تھا۔ بنیادیں سنگلاخ تھیں اور چوڑے کی جگہ سیسہ کی جڑائی کی گئی تھی تاکہ سمندر کی موجیں نقصان نہ پہنچا سکیں۔ پوری عمارت سنگ مرمر کی تھی۔ چوڑی پر ایک بہت بڑا تنور تھا۔ اس میں شب رز آگ جلا کرتی تھی۔ رات کو اُس سے روشنی حاصل ہوتی اور دن کو دھواں نکلتا رہتا۔

کہا جاتا ہے کہ منارہ کے اندر تین سو کمرے تھے اور انہیں فوجی پہرا رہتا تھا۔

بعض قدیم راویوں نے بیان کیا ہے کہ مینار کی زمین پر شیشہ جڑا تھا اور چوڑی پر ایک عظیم الشان آئینہ لگا تھا جسے حرکت دے سکتے تھے اور اُسکے ذریعہ آفتاب کی شعاعیں جمع کر کے سو میل کی مسافت پر جہاز جلا دیے جاتے تھے۔ لیکن یہ محض بے بنیاد باتیں ہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ معمار نے کوئی معدنی آئینہ اس غرض سے لگا دیا ہو کہ روشنی میں اضافہ ہو جائے۔

فتح مصر کے بعد عربوں نے ایک مدت تک اس منارہ کی حفاظت کی اور اُس سے کام لیتے رہے۔ لیکن ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں شہنشاہ قسطنطنیہ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے ایک مکار آدمی دمشق بھیجا اور اُس نے یہ کہہ کر خلیفہ کو دھوکا دیا کہ اس منارہ کے نیچے بہت بڑا خزانہ مدفون ہے۔ خلیفہ نے لالچ میں آکر کھودنے کا حکم دیدیا۔ لیکن ابھی صرف آدھی عمارت منہدم ہوئی تھی کہ ولید متنبہ ہو گیا اور اُس نے خیال کیا ایسی قیمتی اور مفید عمارت کا تھانا سخت غلطی ہے۔ اس نے انہدام کے روکنے کا حکم دیا اور از سر نو تعمیر کی کوشش کی۔ لیکن اب اگلی سی تعمیر دشوار تھی۔ کئی باکمال معماروں نے کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ اُسکی چوڑی کا آئینہ زمین پر گر گیا اور پاش پاش ہو گیا۔ اس کے بعد نصف عمارت باقی رہ گئی تھی۔ باشندوں نے اسے مسجد بنا لیا تھا۔ لیکن سنہ ۱۳۷۵ ع میں زلزلہ آیا اور پورا منارہ سمندر میں جا گرا۔ کہا جاتا ہے کہ قلعہ قائد بک کے قریب اب تک سمندر کی تہ میں منارہ کے پتھر چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔



بعض خاص نہایت و قابلیت رکھنے والوں کے، عام لوگوں کے لیے تقویٰ  
نا ممکن ہے۔ ہندو اپنی زبان کی اس پیچیدگی پر اسی طرح ناز  
کرتے ہیں جس طرح بعض دوسری قومیں اپنی زبان پر، حالانکہ یہ  
درحقیقت زبان کا عیب ہے۔ نہ کہ خوبی۔

ہندوستان کی زبان کی دو قسمیں ہیں: عامی اور فصیح۔  
عامی، عوام اور بازاروں کے استعمال کے لیے ہے۔ فصیح، علم و ادب اور  
مجالس سلاطین و حکماء کے لیے۔ یہ اپنے اشتقاق، تصریف، نعر کے  
دقائق، اور بلاغت کی باریکیوں کی وجہ سے اس قدر مغلق ہے کہ  
ماہر علماء کے سوا اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

پہرہ زبان ایسے حروف سے مرکب ہے جنہیں سے بعض حروف عربی  
اور فارسی حروف سے کوئی مشابہت نہیں رکھتے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے  
کہ ہماری زبانیں اور خلق ان کے صحیح تلفظ کی قدرت ہی نہیں رکھتے۔  
یہی باعث ہے کہ عربی خط میں انکی تحریر نا ممکن ہے، اگرچہ  
نقطوں، علامتوں، اور اعراب سے انہیں کٹھا ہی مقید کر دیا جائے۔

پھر بعض حروف مستعمل ہیں، بعض متروک۔ ساتھ ہی  
تقل و محنت کا بھی ان کے ہاں زیادہ اہتمام نہیں ہے۔ نتیجہ یہ  
ہے کہ کتاب ایک دو نقلوں کے بعد برباد ہو جاتی ہے، اور اس کی  
زبان ایک نئی زبان بن جاتی ہے۔ عوام کیا خواص بھی اسے سمجھ  
نہیں سکتے۔ خود میرا تجربہ ہے کہ میں نے انہی کے منہ سے کوئی  
لفظ سنا، پھر مزید تاکید و تصحیح کے خیال سے ان کے سامنے دھرایا،  
تو میں نے دیکھا، خود ان کے لیے اس کا دوبارہ سمجھنا دشوار ہو گیا  
تھا!

ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ بعض دوسری عجمی زبانوں کی طرح  
ان کی زبان میں بھی دو تین ساکن حروف ایک ساتھ جمع ہو جاتے  
ہیں، اور اکثر الفاظ میں ابتدا یہ سکون ہے۔ ہماری زبانیں اس  
قسم کے الفاظ بولنے کی عادی نہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے اکثر  
الفاظ ہم آسانی سے بول نہیں سکتے۔

(۲) دینی اختلاف — باشندگان ہند ہم سے دین میں بھی  
کئی اختلاف رکھتے ہیں۔ نہ ان کا کوئی عقیدہ ہمارے لیے قابل  
تسلیم ہے، نہ ہمارا کوئی عقیدہ ان کے لیے قابل قبول۔ وہ آپس میں  
بھی مذہبی اختلافات رکھتے ہیں۔ مگر یہ اختلافات فرعی ہیں۔  
دوسری قوموں سے ان کا اختلاف اصولی ہے۔ وہ سب قوموں کو  
”ملیج“ (ملجھ) یعنی ناپاک کے لقب سے پکارتے ہیں اور  
ان سے ملنا جلنا ناجائز سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس پانی اور آگ  
کو بھی نا پاک سمجھتے ہیں جو کسی غیر باشندہ ہند کے استعمال  
میں آگئی ہو!

پھر ان کے خیال میں یہ نجاست اس درجہ شدید ہے کہ پانی  
کی کوئی صورت بھی ممکن نہیں۔ یہ کسی حال میں بھی جائز  
نہیں کہ غیر ہندو، اگرچہ ہندو مذہب کا کٹھا ہی قائل ہو جائے، ان میں  
داخل ہو سکے، یا جو آدمی ان کے دین سے ایک مرتبہ نکل گیا ہے،  
وہ پھر اس میں لوٹ سکے۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے  
کہ وہ تمام دنیا سے بالکل الگ ہو گئے ہیں۔ کوئی بندھن بھی نہیں اور  
انہیں جوڑنے والا موجود نہیں۔

(۳) رسوم و عادات — یہ مغایرت اس درجہ شدید ہے کہ وہ  
اپنے بچوں کو ہم سے، ہمارے لباس سے، ہماری وضع قطع سے، دورایا  
کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمیں شیطنیت کی طرف ملبسوب کرتے ہیں۔  
ہم سے نفرت ان کے دل میں اس قدر راسخ ہے کہ خود میں نے  
اپنے کان سے انہیں کہتے سنا ”تمہاری سرزمین کے ایک بادشاہ  
نے آکر ہمارا ایک بادشاہ مار ڈالا تھا۔ مقرر اپنے پیچھے ایک شیر



## ہندوستان اور حکیم ابو ریحان بیرونی

نورسوس پیل ہندوستان کی ذہنی اور معاشرتی حالت

ایک عرب محقق و سیاح کے مشاہدات و تاثرات

مستشرقین یورپ کی کوششوں سے ابو ریحان محمد بن احمد  
البیرونی کی شہرہ آفاق کتاب ”کتاب الہند“ یا ”تحقیق ما للہند  
من مقولۃ مقبولۃ فی العقل اور مذلولۃ“ سنہ ۱۸۸۷ میں شائع ہو چکی  
ہے۔ بیرونی پانچویں صدی ہجری کا مشہور حکیم اور محقق ہے۔  
گیارہویں صدی مسیحی کے اوائل یعنی اب سے نورسوس پیل اس  
نے ہندوستان کی سیاحت کی تھی۔ یہ زمانہ سلطان محمود غزنوی  
کی فتوحات کا تھا۔ محمد بن القاسم کی فتح سندھ کے بعد یہ پہلا  
موقعہ تھا کہ مسلمان بہ حیثیت جماعت اندرون ہند میں پڑے۔  
مسلمان یہاں کے باشندوں سے ناواقف تھے، اور ہندو مسلمانوں سے  
نا آشنا۔ بیرونی، ہندوستان میں بطور سیاح کے داخل ہوا۔ سنسکرت  
زبان حاصل کی۔ ہندو علماء کی صحبت میں بیٹھا۔ ہندو علوم  
کی تحصیل کی۔ ان کے حالات سے واقف ہوا۔ اور پھر غزنی میں  
بیٹھ کر اپنی یہ جلیل القدر کتاب مرتب کی۔ اس کتاب کے متعلق  
بالاتفاق تمام محققین حال کا فیصلہ ہے کہ اس عہد کے ہندوستان  
پر اس سے بہتر اور محققانہ بیان کسی مصنف کا موجود نہیں۔ یہ  
کتاب ہمارے سامنے نورسوس پیل کا ہندوستان پیش کرتی ہے۔ اس  
میں زیادہ تر بحث ہندو فلسفہ، الہیات، نجوم، ریاضی وغیرہ علوم  
سے کی ہے۔ لیکن ضمناً اس وقت کی معاشرتی حالت پر بھی  
بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ ذیل میں ہم اسے جسٹہ جسٹہ  
اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ ان سے قارئین الہلال اندازہ کر سکیں گے کہ  
قدیم ہندوستان کی معاشرتی ذہنیت کا کیا حال تھا، اور اس طویل  
مدت میں کتنا کم تغیر اس میں واقع ہوا ہے؟ غالباً کسی ملک  
کے ذہنی اور معاشرتی جمود و تصلب کی اس سے بہتر مثال دنیا  
میں موجود نہیں۔

(ہندوستان کے سمجھنے میں دشواریاں)

بیرونی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں وہ دشواریاں بیان کی  
ہیں جو غیر قوموں کو ہندوستان کے سمجھنے میں پیش آتی تھیں۔  
وہ لکھتا ہے:

”ہندوستانی ہم سے ان تمام باتوں میں مختلف ہیں جو  
قوموں میں اشتراک یا تعارف کا ذریعہ ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً:

(۱) زبان — اگرچہ سب قوموں کی زبانیں الگ الگ اور  
مختلف ہیں لیکن ہندوستان کی زبان (سنسکرت) عربی کی طرح  
بہت ہی وسیع و دقیق ہے۔ اجنبی کے لیے اس کی تحصیل، عربی  
سے بدرجہا زیادہ دشوار ہے۔ اس زبان میں ایک ہی چیز کے بہت  
سے نام اور ایک ہی لفظ کے بہت سے معنی پیدا ہو گئے ہیں۔ انکا  
احاطہ و ادراک اس قدر مشکل ہے کہ اسماء و مسمیات کی تمیز



## قدیم یونانی ادب کا ایک نمونہ

— — — — —

(بلیٹس کا گیت)

— — — — —

(فرانسیسی ترجمے سے اردو میں منتقل کیا گیا)

— — — — —

(میری سہیلی کی شادی)

راستے میں ایک گلاب کے پھول بکھرے پڑے ہیں۔ شمعیں  
بھی ٹمٹما رہی ہیں ... ..

یہ میری سہیلی "ملیسا" کی شادی کی رات کا واقعہ ہے۔  
میں اپنی ماں کے ساتھ گھر لوٹی۔ اس وقت میرے سر میں  
خیالات کا ہجوم تھا :

"آج میری سہیلی کو جوبات نصیب ہوئی ہے، کل مجھے  
بھی نصیب ہوگی" میں خیال کرنے لگی "میں بھی ایسے ہی  
شادمانہ چلوس میں نکلیں گی۔ میری رتہ بھی پھولوں سے لدی  
ہوگی، زیتون کی شاخیں اسپر سایہ کیے ہوگی، بانسریاں بچتی  
ہوگی، اور میری سہیلیوں کی میٹھی آوازیں سریلی بانسریوں میں  
مل جائیگی۔ میں بھی ایک دن اپنے بڑے پہلو میں "ملیسا"  
کی طرح نگاہیں نیچے کیے بیٹھو گی۔ مجھ پر وہ عجیب راز کھل  
جالیگے جو یہ موقع اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہے ... اس کے  
بعد ؟ ..... یہ کہ میں اپنے بچوں کو اپنی دردناک بھری چھاتیوں سے  
لگا کر گی۔

(راز)

... دوسرے دن میں اپنی سہیلی سے ملنے گئی۔ آنکھیں ملتے  
ہی دونوں کے رخسار سرخ ہو گئے۔ وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئی  
اب ہم بالکل اکیلے تھے۔ مجھے اس سے بہت سی باتیں کہنی تھیں۔  
مگر آسکی ضرورت دیکھتے ہی کچھ یاد نہ رہا !

میری سہیلی جیسی ہمیشہ سے تھی، ویسی ہی اب بھی  
ہے۔ کوئی فرق اس میں نظر نہیں آیا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے  
کہ میں اس سے کچھ مرعوب سی تھی۔ میں اس سے آنکھ نہیں  
ملا سکتی تھی۔

اچانک میرا در در ہو گیا۔ میں اس کے زانو پر بیٹھ گئی۔ اس کے کان  
میں سب باتیں کہیں۔ اس نے بھی اپنا سر میرے سر پر رکھ دیا  
اور ہوا پڑ گئی۔ آلا !

(بانسری)

"لیکاسی" نے خوبصورت بانسری مجھے ہدیہ دی۔ وہ مجھے  
بانسری بجانا سکھانے لگا .....

خوار ہوجا گیا۔ جب بچہ جوان ہوا اور اپنی ماں سے اپنے باپ کا  
حال سنا تو سخت غضب ناک ہوا اور تمہارے ملک پر ٹوٹ پڑا۔  
اس نے بے حساب مخلوق قتل کی۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس  
نے مغلوں کو اس وضع کے اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جو آج کل  
تمہاری وضع ہے ! "راوی کا اس قصہ سے مقصد یہ تھا کہ ہماری وضع  
ذلت کی وضع ہے اور انہی کے ایک بادشاہ نے ہمیں اس کے اختیار  
کرنے پر مجبور کیا ہے ! میں نے یہ افسانہ سن کر ان کے بادشاہ کا  
شکر ادا کیا کہ معاملہ اتنے ہی پر ختم ہو گیا اور اس "فاتح" نے  
ہمیں ہند بننے اور ہندو رسم و رواج اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا !

(۴) مسلمانوں کا حملہ — منافرت کی بڑی وجہ، ہندوستان  
پر مسلمانوں کا حملہ ہے۔ یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی کی  
جنگوں نے انہیں بہت ہی سخت نقصان پہنچایا۔ ان کی آبادیاں  
برباد ہو گئیں۔ انہیں منتشر و پراکندہ کر دیا گیا۔ ان کی صرف  
سلطنت ہی نہیں گئی، بلکہ مفتوحہ علاقوں سے ان کے علوم و فنون  
بھی مٹ گئے، اور ایسے دور دراز خطوں میں جلا وطن ہو گئے، جہاں  
نک رسائی مشکل ہے۔ مثلاً کشمیر اور باناسری (بنارس) وغیرہ۔  
(بنارس کو دور اس لیے کہا ہے کہ یہ پنجاب اور وسط ہند سے دور،  
مشرق کی طرف ہٹا ہوا ہے)

یہی دینی اور سیاسی اسباب ہیں جن کی بنا پر ہندوؤں میں  
مسلمانوں اور تمام اجنبیوں سے سخت نفرت و عداوت پیدا ہو گئی ہے۔

(۵) پھر ان کے اخلاق میں ایک آرزو بات بھی راسخ ہو گئی ہے  
اور کسی طرح نکل نہیں سکتی۔ یہ ان کے انتہائی علمی و ذہنی  
تفزل کا نتیجہ ہے۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ دنیا صرف انہی کی دنیا  
ہے۔ انسان صرف انہی کی سرزمین پر موجود ہیں۔ بادشاہ صرف  
انہی کے بادشاہ ہیں۔ دیں صرف انہی کا دیں ہے۔ اور عام صرف  
انہی کا عام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہایت مغرور اور بر خود غلط ہو گئے  
ہیں۔ اگر اُسے علماء عرب و عجم کا ذکر کیا جاتا ہے تو مخاطب کو جاہل  
خیال کرتے اور اس کی تصدیق پر ہرگز آمادہ نہیں ہوتے ہیں۔ حالانکہ  
اگر وہ سیر و سیاحت کے عادی ہوتے اور اپنے پہاڑی حدود طے کر کے  
غیر قوموں سے ملتے، تو یہ جاہلانہ و طفلانہ خیال انہیں پیدا نہ ہوتا۔

لیکن یاد رہے کہ ان کے پیش روؤں کا یہ حال نہ تھا۔ انکا مشہور  
فاضل "براہمہ" براہمنوں کی تعظیم کے بیان میں کہتا ہے "جب  
یونانیوں نے باوجود ناپاک ہونے کے علوم و فنون میں کمال حاصل  
کیا۔ اور سب پر بازی لے گئے، تو انکی بھی تعظیم واجب ہو گئی۔  
ان کا درجہ بھی براہمن کا درجہ ہو گیا !"

خود میری حالت یہ ہوئی کہ مدت تک ان کے منہجوں کے سامنے  
زانوے شاگردی تہ کرتا رہا۔ کیونکہ میں انکی زبان اور ان کے طریقوں  
سے بے خیر تھا۔ لیکن جب کچھ ان کی زبان میں دخل پیدا ہو گیا  
تو میں انہیں اپنے یہاں کے علوم کی بنا پر اشیاء کی علتوں اور حساب  
و ریاضی کے براہمن سمجھانے لگا۔ اسپر وہ سخت متعجب ہو گئے  
اور استفادہ میں باہم پیش قدمی کرنے لگے۔ بڑی حیرت سے  
پوچھتے تھے : "ہندوستان کے کن کن علماء کو تم نے دیکھا ہے ؟  
کن کن سے فائدہ اٹھایا ہے ؟" کیونکہ ان کے خیال میں علم، ہندوستان  
کے سوا کہیں ہے ہی نہیں۔ جب میں نے ان سے کہا کہ میں  
پہلی مرتبہ ان سے ملا ہوں اور جو کچھ کہہ رہا ہوں، یہ دنیا کے  
دوسرے حصوں کے علوم ہیں، تو وہ آرزو بادہ متعجب ہوئے، اور  
بعضوں نے تو مجھے جادوگر سمجھنا شروع کر دیا "

## اقتباسات

ترازکی اور بد مستی

کرن ھے جس نے مشہور روسی رہنما اور لینن کے بعد سب سے زیادہ حیرت انگیز روسی انسان "ترازکی" کا نام نہیں سنا ؟ یہ شخص جس نے اپنی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا لڑھا دشمن تک سے منرا لیا ھے ، انقلاب روس سے پہلے امریکہ میں ایک معمولی درجہ کا بے وقعت اخبار نویس تھا اور شہر بوسٹن میں غریبانہ زندگی بسر کرتا تھا ۔ اسی زمانہ کا یہ واقعہ اب اخباروں میں شایع ہوا ھے کہ ایک دن ترازکی کو شہر کے کونوال نے اس جرم میں گرفتار کرلیا کہ وہ سڑکوں پر بد مست پھر رہا تھا ۔ چنانچہ ۲۴ گھنٹہ قید میں رکھا گیا ۔

اُس وقت کونوال کو کیا معلوم تھا کہ اُسکا بھی قیدی عنقریب دنیا کے مشہور انسانوں میں شمار کیا جائیگا ؟ (السیاسہ)

(ہنسی)

مشہور فرانسیسی مصنف زیڈلے کہتا ھے :

"ہنسی ، انسان کا ایک امتیازی وصف ھے"

یہ قول بالکل صحیح ھے ۔ بہت سے قدیم فلاسفہ بھی یہی کہہ چکے ہیں ۔ ہنسی اور مسکراہٹ ، دو الگ الگ چیزیں ہیں ۔ ہنسی کی بھی کئی قسمیں ہیں : گونجنے والی ہنسی ، خشک ہنسی ، کھوکھلی ہنسی ...

ہنسی کا خاصہ انسان میں بے فائدہ نہیں ھے ۔ ہنسی میں بہت سے جسمانی فوائد ہیں ۔ دل کھولکر ہنسنے کے بعد انسان کو سانس لینے میں بہت آرام محسوس ہوتا ھے ۔ کیونکہ جس طرح درزے کے بعد پھیپھڑنکی ہوا صاف ہوجاتی ھے ، اُسی طرح ہنسنے کے بعد اسکی حالت ہوتی ھے ۔ پھر ہنسی کا اعضاء ہضم یعنی معدہ و جگر وغیرہ پر بھی بہت اچھا اثر پڑتا ھے ۔ پیٹ بھر کے کھانے کے بعد ہنسی غیر معمولی سرعت سے کھانا ہضم ہونے میں مدد دیتی ھے ۔ اسی لئے دستر خوان پر ہنسنے ہنسانے والی باتیں کرنا مستحسن ھے اور اسی لیے تنہا بیٹھ کر کھانا ناپسند کیا جاتا ھے ، کیونکہ اس کا نتیجہ بسا اوقات یہ ہوتا ھے کہ انسان ضعف معدہ یا دائمی قبض میں مبتلا ہوجاتا ھے ۔ لقمہ منہ میں لیکر ہنسنا نہیں چاہیے ، رواہ آلات تنفس میں لقمہ کے اجزاء اٹک جانے کا اندیشہ ھے ۔ اگر کبھی ایسی ضرورت پیش آجائے تو پیٹھ پر زور سے گھونسا نہیں مارنا چاہیے ، کیونکہ یہ سخت خطرناک ھے ۔

ہنسی پورے نظام عصبی کے لیے مفید ھے ۔ جب انسان ہر خروشی کے موقع پر ہنسنے کا عادی ہوجاتا ھے تو اُسے ہر مرتبہ ہنسنے میں خروشی حاصل ہونے لگتی ھے ۔ البتہ بلا وجہ ہنسنا حماقت ھے ۔

لیکن آخر ہم ہنسنے کیوں ہیں ؟ جو باتیں ایک شخص کو ہنساتی ہیں ، بسا اوقات دوسرے کو نہیں ہنسانیں ۔ اس کا جواب مشکل ھے !

(سنکے رہیو)

میرے دل میں اُس وقت کوئی عجیب اور نا معلوم اثر پیدا ہو رہا تھا ۔ لیکاسی نے بانسری میرے ہاتھ سے نرمی کے ساتھ لے لی اور بہت ہی دھیمی آواز میں ایک راگ سنایا ۔ میرا سکل زور سے دھڑکنے لگا ۔ .....

ہمارے پاس کھنے کو کوئی بات نہ تھی ۔ ہم باری باری بانسری بجا کر دل بہلاتے رہے ۔

ہم بالکل بے خودی کے عالم میں تھے ۔ اچانک مینڈک چلانے لگے ۔ اب ہم چرنکے ۔ رات قریب آ پہنچی ۔

مجھے بہت دیر ہو گئی ھے ۔ لیکن میں اپنی ماں کو یقین دلانے کی کوشش کررہی تھی کہ میں اس وقت تک اپنی کھوئی ہوئی بیٹی ڈھونڈ رہی تھی !

(جھونپڑا)

میرا جھونٹا سا جھونپڑا ، جہاں ہمارا نرم بستر رکھا ھے ؛ مجھے سب سے زیادہ پسند ھے ۔ وہ مجھے اس لیے پسند ھے کہ ہم نے اسی میں اپنی سب سے اچھی راتیں بسر کی ہیں !

ہمارا بستر ، درختوں کے پتوں اور پھولوں سے بنا ھے ۔ وہ بھی مجھے بہت محبوب ھے ، کیونکہ وہ ہم دونوں کو جمع کرتا ھے !

میں کبھی کبھی بہت غمگین ہو جاتی ہوں ۔ لیکن جب محبت کے پہلو میں ہوتی ہوں ؛ تو اپنے آپ کو بھی بھول جاتی ہوں ۔ مجھے ہر ایک طرح کی غشی سی طاری ہو جاتی ھے ۔

(قسم)

"اُس نے کہا :

"جب دریا کا پانی ابل کر برف آلود پہاڑوں کی چوٹیاں چھپا دے"

"جب انسان ، سمندر کی موجوں پر گہروں اور جو بوکر کاٹنے لگے"

"جب سورج کی روشنی ، تاریکی ہرجائے"

"جب چاند گر کر چور چور ہو جائے"

"تو اُس وقت میرے لیے بھی رزا ہوگا کہ تجھ سے منہ موزلوں"

اور تجھے بھی حق ہوگا کہ مجھے بالکل بھلا دے ! اے بلیٹس ! اے میری محبت !"

(رات)

جب رات آجاتی ھے اور اندھیرا پھیل جاتا ھے ، تو میں خاموشی کے ساتھ گھر سے نکل جاتی ہوں ۔ ہرے بھرے میدانوں میں پہنچتی ہوں ۔ میرا شہر وہاں بے خبر پڑا سوتا ھے ۔

کبھی میں گھنٹوں کھڑی اُسے دیکھتی رہتی ہوں ۔ بالکل چپ ، سناتے میں ..... میں اُسے اپنے قریب تنہا دیکھ کر خوش ہوتی ہوں ۔ پھر میں اپنا منہ اُسکے منہ سے قریب کرتی ہوں ۔ کیوں ؟ اسلیے کہ اُسکی سانس کے بوسے لوں !

اُس وقت سناروں کی چمکیلی آنکھوں کے سرا ہمیں کوئی نہیں دیکھتا !

صبح ہو جاتی ھے ۔

"اِنی جلدی روشنی لرت آئی ! میں اپنے دل سے کہتی ہوں کس جگہ روشنی نہیں پہنچ سکتی ؟ کس غار میں سورج کی شعاع کبھی دکھائی نہیں دیتی ؟ مجھے اُسکی تلاش ھے ۔ تاکہ ہمارا استغراق محبت کبھی ختم نہ ہو ... ہمیشہ کیلئے ! سورج کی کرنیں ہمیں پریشان کرنے نہ پائیں ۔

# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,  
350, Oxford Street,  
LONDON, W.1.**

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتنے کتنے قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے! انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسائل

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمکے یہاں سے

ہر چھپاؤ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

صرف ہمدرد دواخانہ لیگا

# موسم گرما کا نیا تحفہ

شریت روح فسترد (رجسٹرڈ)

یاد رکھئے

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ہم بھسمی ہو کر بلا تفریق مذہب نام ہر دلیخیزی و شرف مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک فیر تک شہرت حاصل کر چکا ہے اور جس کو چشم بد (حلیس) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کر لیا گیا ہے۔

مترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل دہم مشتاقانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان کے دین بڑا عظیم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

ایسی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔ ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فوہکات مثل رائگور، سیب، زنگرہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب، درد سر و درد ان، سر، متلی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معزی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر طور پر رنگ و فریب اور پکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اسکی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خراہم ثواب کے مصداق بلکہ کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ بول دیجئے کہ اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہے اور جس کی ہر چیز ویسی ہے۔ خوش ہونگے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس کو کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس کو نامہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (دبیر) حکیموں اور عطاردوں کے علاوہ، تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں، دو آنے (۲) فی روپیکیشن دیا جائے گا۔

**نوٹ:** اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا تباہی نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنالیبل اور سپر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

داخل رہو کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی سے ہی مل سکتا ہے۔

تارکا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

پتہ - ہمدرد دواخانہ دہلی

اگر آپ کو

دہ

(ضیق لٹرس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی مشہور عالم دوا کا سنگوہار استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنگام گائیڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کرے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاحت کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے ایسی مکمل گائیڈ بک صرف ڈنلاپ گائیڈ بوک گریٹ برٹین

The Dunlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں

بک اسٹال سے مل سکتی ہے



# کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ  
اس وقت

دنیا کا بہترین فاؤنٹین قلم  
امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ نکلتا یا  
پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں  
ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی بھر  
کام دے سکتا ہے

(۳) آتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری  
بیل بوٹوں سے فرین کہ آتنا خوبصورت قلم دنیا

میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

## جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر مسئلہ ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی

تھی جب وہ رانچی میں منظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا

کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے

استعمال کیا جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رد اداری نے کس

طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب

ملت تمام نفع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹ء میں جب قدر نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو

دے دیے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی

نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ ۱۲ دینیر (اللال)

## حیرت انگیز رعایت

پچھلے دو روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

محفوظ اور سیکورٹ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے کمرو کے لئے + بیوی کے لئے

قابل نگاہ گھڑیاں، ریلوے ریگولیٹر، کلوچ، شہر عالمی، پیرس، مین

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

## فدائیان اسلام پر مضا کا ہجوم

کیوں ہے؟

اگر آپ کو قوم کے ظاہری و باطنی امراض اور ان کے علاج

کا علم حاصل کرنا ہے تو الجمعیت ملاحظہ فرمائے

"الجمعیت" تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہے جو

علماء کی زبان کلمائے کاستھی ہے اور جس کا اہم ترین مقصد

ملتِ بیضا کی محافظت ہے۔ مقدس مذہب اسلام کے غلام

صلوں کا دلائل شکن جواب دینا اور واقعات کی تحقیق

تنقید اس کا مخصوص طریقہ ہے

اس لئے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے اخباری

ایک ضروری چیز ہو گیا ہے اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی

قائم رکھنے کے لئے اس کی حاجت ہے۔ اس کو تمام مسلمانوں

کو لازم ہے کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فرائض

سے اہم سمجھیں اور اس اخبار کو جو مذہب کی محافظ ہے اور اصلاح

قوم کا علمبردار بھی اشاعت اور ترقی کے اعلیٰ درجے پر پہنچیں

حق کی آواز جتنی کثرت سے گوئیے کان میں جائے اس قدر کلمائے

اخبار الجمعیت کی پانچ خصوصیات

(۱) تمام سیاسی، مذہبی مسائل پر علما و فاضلان بحث کرتا ہے۔

(۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین شائع کر کے نمایاں

اسلام کو خاموش کرتا ہے۔

(۳) عربی، فارسی، اردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرتا ہے۔

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ جمعیت علما و اہل

کے مقالات کی اشاعت کرتا ہے۔

(۵) ایک کالم تفریح کا بھی ہوتا ہے جس سے اس کی پچھلی میں اس دنیا کا

اضافہ ہوتا ہے۔

ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے۔ چند سالانہ چھ روپیہ (۷۰)

ششماہی تین روپیہ چار آنے (۳۰)

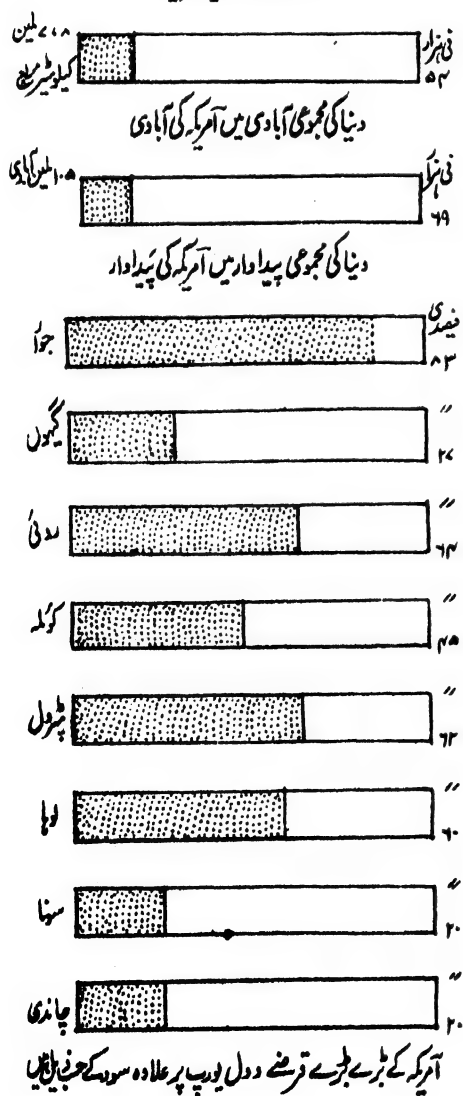
مینجر "الجمعیت" دہلی

## بَيْنُ الْاَقْوَامِ سِيَاسَةُ عَلِيٍّ

امریکہ کے برونی مقبوضات

## امریکہ اور باقی دنیا کا مقابلہ

دنیا کے مجموعی رقبہ میں امریکہ کا رقبہ



امریکی صدر جمہوریت

## ولامات متحدہ

جمہوریہ آرمیکہ ۴۸ ریاستوں کے مرکب ہے ہر ریاست میں دو مجلسیں ہیں ایک عام اندرون ریاست میں قانون بنانا اور حکومت کرنا ہے لیکن تمام سکنوں کے مشترک اور عام معاملات منتر خارجہ سیاست، جمہوریت کے

بلاشبہ اس اختلاف میں ڈاکٹر ولسن کو شکست ہوئی اور پُرانا قاعدہ بدستور برقرار رہا۔ لیکن یہ سوال بہر حال ہمیشہ معرض بحث میں ہے گا کہ آخر امریکہ کو کب تک دنیا کے سیاست سے علحدہ رہیگا؟ بلکہ یوں کہنا چاہئے حوادث کا سیلاب اُسے کب تک اسکی جگہ پر چھوٹے گئے گا؟ ظاہر ہے، جنگ کے بعد دنیا کے سیاسی اور اقتصادی حالات

|       |      |                      |                     |
|-------|------|----------------------|---------------------|
| پنجاب | ۲۴۶  | لین (ایکھین ۱۰ لاکھ) | ڈالر تقریباً ۳ پیسے |
| پنجاب | ۲۸۴۴ | "                    | "                   |
| پنجاب | ۱۹۳۲ | "                    | "                   |
| پنجاب | ۲۲۷  | "                    | "                   |
| پنجاب | ۳۳۲  | "                    | "                   |
| پنجاب | ۱۵۳  | "                    | "                   |
| پنجاب | ۱۰۶  | "                    | "                   |

## امریکہ میں الحاد کی مقبولیت

### الحادی انجمنوں کی دعوت تبلیغ

اس وقت امریکہ میں سب سے زیادہ طاقتور اور مقبول دعوت، الحاد اور ترک ایمان کی دعوت ہے۔ لحدائے خیالات دنیا میں قدیم زمانوں سے موجود ہیں اور دنیا کے نئے علمی دور نے مذہبی عقائد کا قدیم رسوم و رواج کو بے اثر کر دیا ہے، تاہم اس وقت تک کسی ملک میں بھی الحاد عوام میں مقبولیت حاصل نہ کر سکا، اور عامۃ الناس کا میلان مذہب ہی کی طرف رہا مگر اب امریکہ میں الحاد ایک عام پسند و دعوت کی حیثیت اختیار کر رہا ہے اور روز بروز اس کی جامعیت زیادہ قوت و رواج حاصل کر رہی ہے۔

آمریکہ کے کالج اور یونیورسٹیاں اس دعوت کی اشاعت و تبلیغ کا سب سے بڑا میدان ہیں۔ انہی میدانوں میں قوم کے دل و دماغ طیار ہوتے ہیں، اور اگر یہ الحاد کی اشاعت و تبلیغ کا مرکز بن گئے ہیں، تو ظاہر ہے کہ امریکی دل و دماغ کا سانچا اب مذہب کا نہیں بلکہ الحاد کا سانچا ہے!

مشہور امریکی اخبار "ورلڈ" نے اس لحدائے تحریک کی تحقیقات کے لئے اپنا ایک خاص نمائندہ مقرر کیا تھا۔ اس نے ۱۸ مئی ۱۹۴۷ء کو امریکہ کے انٹرنیشنل بیان شائع کر دیا ہے۔ ہم اس بیان کے بعض اہم نقاط پر نظر ڈالیں گے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دہریہ عام کرنے کے لئے ایک نہایت طاقتور انجمن موجود ہے۔ یہ انجمن اس وقت تک ۲۰ کالجوں اور تین یونیورسٹیوں میں اپنی باقاعدہ شاخیں قائم کر چکی ہے۔ نیز امریکی جنگی بیورو کے افسروں اور سپاہیوں میں بھی اسے بہت اثر پیدا کر لیا ہے۔ امریکہ کے بیشتر اساتذہ انجمن کے ممبر ہیں اور اس کے مقاصد پھیلا رہے ہیں۔

سب سے پہلے جس یونیورسٹی نے علانیہ الحاد کو اپنا مذہب قرار دیا، وہ صوبہ نیو یارک کی روچسٹر یونیورسٹی ہے۔ اسے باضابطہ طور پر انجمن الحاد کی رکنیت قبول کر لی ہے اور اپنے دائرے میں اس کی شاخ قائم کر دی ہے۔ اس شاخ کا نام عجیب ہے "لئون اور اراج داؤں کی انجمن" اس نام نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اب تمام الحادی مدارس طالب علموں نے ہی نام اختیار کر لیا ہے۔ اسی قسم کے کئی اور نام بھی مختلف شاخوں نے تجویز کئے ہیں۔ مثلاً نیو یارک کی ایک الحادی کالجی کالام ہے "ان لوگوں کی انجمن جن کو کوئی خدا نہیں ہے" فیلڈ لیفلی کی انجمن کا نام "سیاہ بھڑوں کی انجمن" ہے۔ ایک اور شاخ "شیطان کے فرشتوں" کے نام سے مشہور ہے۔ ایک انجمن "دائرہ کفار" کہلاتی ہے۔ ایک دوسری جماعت اپنے آپ کو "لئون و دوجوں کی جماعت" کہتی ہے، لہذا اس کے صدر کا لقب "اعلیٰ حضرت شیفت پناہ" ہے!

انجمن الحاد حنبلی اصول کی تبلیغ کرتی ہے:

- ۱۔ عقل کے سوا کوئی خدا نہیں۔
- ۲۔ آسانی کتابوں میں جتنے قصے مذکور ہیں، محض بے بنیاد افواہیں۔
- ۳۔ جنت، دوزخ کا کوئی وجود نہیں۔
- ۴۔ دین، طبیعت سے اداوار اور دل کی پرستش کا نام ہے، اور دلیہ اور کلا کی وجود نہیں۔ اس لئے اسے شادینا چاہئے۔
- ۵۔ کلیسا کا نظام، دنیا کے لئے خطرہ ہے۔
- حکومت سے اس کے مطالبے حنبلی ہیں،
- ۱۔ تمام گرجوں پر بلا کسی امتیاز کے محصول مقرر کرنا چاہئے۔
- ۲۔ سرکاری عہدوں پر اور مجلس خواص اور مجلس عوام میں جتنے بھی پادری ہیں، سب نکال دئے جائیں۔
- ۳۔ مذہبی انجمنوں کو کوئی مالی مدد نہ دی جائے۔
- ۴۔ تمام مدارس میں بنی تعلیم ممنوع قرار دی جائے۔
- ۵۔ ہر قسم کے دینی رسوم اور تہوار موقوف کر دئے جائیں۔
- ۶۔ تورات اور انجیل کی قسم ناجائز قرار دی جائے۔
- ۷۔ تورات کو مذہبی دن تسلیم نہ کیا جائے۔
- ۸۔ وہ تمام دینی فرائض و شعائر منسوخ کر دئے جائیں جنہیں دینی فضائل و حسنات خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی جگہ صحیح آداب ادا و زادی و مساوات کے اصول عام کئے جائیں۔
- ۹۔ امریکی سکے پر سے یہ عبارت محو کر دی جائے "خدا پروردگار ہے"۔
- انجمنوں کو خاص نمائندے نے اپنی تحقیقات کے دوران میں ان لوگوں سے ملاقاتیں کیں جو اس دعوت کے رہنما ہیں۔ انجمن الحاد کے ناظم سٹر ہڈوٹ نے اپنی گفتگو میں کہا:

"ہم جانتے ہیں کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں میں ایک بہت بڑی جماعت ہے جو الحاد قبول کر چکی ہے مگر خوف سے اعلان نہیں کرتی۔ خاموشی اور سکون سے اپنے دائرے میں اس کی تبلیغ و اشاعت کر رہی ہے"

ایک اور بڑے لحدائے کا "خدا پر ایمان، اب ایک فرسودہ عقیدہ ہے اور موجودہ تمدن روح کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جن کتابوں کو آسانی کتابیں خیال کیا جاتا ہے، خرافات و قصص سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ اگر ہم ان کتابوں پر عمل کریں گے تو اپنے ہاتھوں اپنی خود کردہیں گے اور اپنی خوشی سے پاگلوں کے دوسرے میں اہل ہو جائیں گے۔ فرد برائے، ان نام نہاد آسمانی کتابوں میں ایسے غش و فتنے ہیں جنہیں کوئی بااخلاق آدمی پڑھنا گوارا نہیں کر سکتا (موجودہ تورات کے بعض مضامین کی طرف اشارہ ہے) موجودہ علم و دین کی تاریخ کوئی کرہا ہے۔ علم و رقت، جدید ترین علمی و انکسار کی اشاعت کر کے تحریک الحاد کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ انجمن الحاد نے حال میں چند سوالات اشاعت کئے تھے۔ انکے جوابوں سے معلوم ہوا کہ ۷ فیصدی علماء عصر، لحدائے، یا کم از کم لاد ہیں۔ ان کی تعلیم کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا، روح، اور ابدیت کے اعتقاد سے انکار کیا جائے"

انڈیا یونیورسٹی سے ایک رسالہ "داگا بونڈ" نام شائع ہوتا ہے۔ یہ اس درگاہ کے لحدائے علموں کا ترجمان انکسار ہے۔ اس کے محرر نے پچھلی اشاعت میں اپنے دستخط سے ایک مضمون "میں لحدائے ہوں؟" کی سرخی سے شائع کیا ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے:

"خدا کا عقیدہ بھی فیشن کا حکم رکھتا ہے۔ آج ایک عقیدہ مقبول ہوتا ہے، کل دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ ایک زمانہ میں "زفس" کا نام لیائے میں آدمیوں کے دل ہلا دیتا تھا۔ یہ یونان کا سب سے بڑا معبود تھا۔ اسی طرح "جوہیر" (دشتی) کے سامنے رومیوں کے

سرہٹ و اجلال سے خم ہو جاتے تھے۔ لیکن آج دنیا ان ناموں پر ہنستی ہے۔ اگر یہ صحیح ہو کہ تاریخ اپنا اعادہ کرتی رہتی ہے تو میں یقین کرنا چاہئے کہ وہ زمانہ دور نہیں جب "یہووا" و عبرانی میں خدا کا نام بھی اپنی تمام عظمت کھو کر مٹھک بن جائے گا!"

یہ تحریک صرف مردوں ہی میں نہیں بلکہ عورتوں میں بھی عام ہو رہی ہے۔ متعدد الحادی انجمنوں کی صدر، عورتیں ہیں۔ چنانچہ نیویارک کی انجمن کی صدر س کرٹسٹن واکر ہے۔ اس کی عمر ۱۸ برس کی ہے۔ تین سال پہلے بہت سخت مذہبی تھی، لیکن اب سرگرم لحدائے۔ اسی طرح مغربی صوبوں میں ایک سٹروبرس کی دوشیزہ اس تحریک کی قائد ہے۔ اس کا نام کونسلو ہے۔ اسی نام سے وہ ایک رسالہ لکھتی ہے۔ یہ رسالہ الحاد کی تبلیغ میں بہت پیش پیش ہے۔ اس کا قلم ہے "جو شخص بھی خدا پرست نہیں رہتا، ضرور کہ اس کے عقلی توازنیں خلل ہوں!"

امریکہ کے سیاسی مدیر اس الحادی طوفان سے سخت غافل نہیں اور اس کی مقاومت کی تدبیریں پر غور کر رہے ہیں۔

## ترکی قائلین

ترکی کے قائلین بنیابہر میں مشہور ہیں۔ پہلے چند سال سے یونانی تاجروں نے یہ پروپیگنڈا جاری کر رکھا ہے کہ قائلین باغی کی صنعت ٹرکی کے یونانیوں کے ہاتھ میں تھی جب جب جلا وطن کر دئے گئے ہیں یہ صنعت بھی ٹرکی سے یونان میں چلی گئی ہے۔ اس پروپیگنڈا نے بالآخر ترکی حکومت کو توبہ اپنی طرف منسلک کی۔ چنانچہ اس نے اس بارے میں ایک بیان شائع کیا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائہ ترمز میں (جوہر صنعت کا مرکز ہے) جنگ سے پہلے ۸،۲۹۰ کارخانے قائلین سازی کے تھے۔ ان میں ۲۰،۵۲۰ ترک، ۳،۷۵۰ یونانی اور ۱۱،۰۲۰ کام کرتے تھے۔ یعنی اس وقت بھی ترک کاریگریں کی تعداد یونانیوں اور ارمنیوں کی تعداد سے تقریباً تین گنی تھی۔

ان دونوں قوموں کے اخراج کے بعد اس صنعت کا کیا حال ہوا؟ کیا وہ اب بھی جیسا کہ یونانی کہتے ہیں؟

نہیں۔ کیونکہ اس سرکاری بیان میں مذکور ہے کہ باوجود جنگ کی بربادیوں کے یہ صنعت برابر ترقی کرتی رہی۔ مثلاً ۱۱،۰۲۰ کارخانے تھے جن میں اس وقت ۳۰،۵۲۰ ترک کاریگریں کام کر رہی ہیں۔ جنگ سے پہلے ۹،۰۶۰، ۹۰۶۰۰ ہاتھ ملے قائلین ہر سال بنتے تھے لیکن ۱۹۳۷ء میں ان کی مقدار ۹۲،۴۸۲، ۱۱،۰۲۰ ہاتھ ملے تک پہنچ گئی۔ اس سے ٹرکی کی صنعتی ترقی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

## خدیو عباس کے مقدمہ کا فیصلہ

مصلحتیہ میں کسی شخص کو بھی شبہ نہ تھا کہ خدیو عباس اپنے مقدمہ میں کامیاب ہونگے۔ لیکن فسوس ہے کہ عدالت کا فیصلہ انکے مصلحتیہ ہوا، "موجودہ عدالت کو اس دعوے پر غور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے،" جوں کا مشفقہ فیصلہ ہے۔ یعنی عدالت نے انگریزی وکیل کی منطق تسلیم کر لی، اور اپنے آپ کو ایسے مقدمات کے فیصلہ کا فرائض سمجھا۔ عدالت نے ججی سے دعا علیہ کہ ۵۰۰ ترک پوڈلے مصارفہ بھی دلوائے ہیں!

اس فیصلہ پر ٹرکی کے اخبارات سخت ہرہم ہیں اور اسے صریحاً پھیلانے پر محمول کر رہے ہیں۔ اس فیصلہ نے ایک نئی تحریک پیدا کر دی ہے، اخبارات زور دے رہے ہیں کہ اس ہرہم کی غلطی عدالتیں اٹھانے لگیں

سوفیہ کی کتابیں، کیونکہ ان حضرات میں ان کی تحریکات و مقاصد کا پورا پورا علم ہے۔ یہ بابائے تحریک و فتنہ ہیں جو ہرگز ہٹ کر نہیں ہٹیں گے۔

# بصائر و حکم

## الانیت موت کے دروازہ پر!

### شاہیر عالم اپنے اوقات فاش تیل

#### امیر معاویہ بن ابی سفیان

امیر معاویہ بن ابی سفیان کی شخصیت لغات سے بے نیاز ہو  
عرب کا غم، حزم، عقل، تدبیر، پورے تناسب سے اس لغ میں  
جمع ہو گیا تھا۔ عربی کتب ادب و تاریخ ان کی تدبیر و سیاست کے  
واقعات سے لبریز ہیں۔ تقریباً پوری زندگی امارت و حکومت میں بسر  
ہوئی۔ اور ہمیشہ ان کی سیاست کامیاب ہی رہی وہ اس عہد کے ایک  
پورے سیاسی آدمی تھے۔

#### ایک عجیب غم

جب مرض نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور لوگوں میں ان کی  
موت کے چرچے ہونے لگے، تو امیر معاویہ کو فتنہ و فساد کا اندیشہ  
پیدا ہوا۔ دلی عہد، یزید، (جسے جرأً بزدل و شریک دلی عہد منویا گیا تھا)  
دارالخلافت سے دور تھا اور ابتری پیدا ہو جانے کا قوی احتمال تھا۔  
انہوں نے فوراً اپنے بیمار داروں سے کہا:

”میری آنکھوں میں خوب سرمہ لگاؤ۔ سر میں تیل ڈالو“  
حکم کی تعمیل کی گئی، سرمہ اور دروغن نے بیاہرے تیز زگی  
پیدا کر دی۔

پھر انہوں نے حکم دیا:

”میرا بھونا ادب چاکر دو۔ مجھے بٹھا دو۔ میرے پیچھے نکلے لگاؤ۔“  
اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی۔

پھر کہا:

”لوگوں کو حاضری کی اجازت دو۔ سب آئیں اور کھڑے کھڑے  
سلام کر کے رخصت ہو جائیں۔ کوئی بیٹھنے نہ پائے۔“  
لوگ اندر آنا شروع ہوئے۔ جب وہ سلام کر کے باہر جاتے  
تو آپس میں کہتے: ”کون کتنا ہی خلیفہ مر رہا ہے؟ وہ تو نہایت تڑ  
تازہ اور تندست ہیں!“

جب سب لوگ چلے گئے تو امیر معاویہ نے یہ شعر پڑھا:

وَجَلَدِي الشَّامِيْنَ اَوْتَمَ اِلَى رَيْبِ الدَّهْرِ لَا تَضَعُ  
شانت کرنے والوں کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر ہونے نہیں تیا  
میں انہیں ہمیشہ ہی دکھاتا ہوں کہ زمانہ کی مصائب مجھ مغلوب نہیں  
کر سکتیں۔ (طبری ج ۶)

#### دنیا کی بے ثباتی

دندانِ علالت میں قریش کی ایک جماعت، عیادت کو آئی۔ امیر  
معاویہ نے اس کے سامنے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ ان لفظوں میں  
کھینچا: ”دنیا فہ دنیا، اس کے سوا کچھ نہیں ہے ہم ابھی طرح دیکھ

#### اپنی نیا ضی کی یاد

وفات سے کچھ پہلے اشہب بن ریحلہ کے یہ شعر پڑھے جو اسے قبیلہ کی  
میں کہتے تھے:

اذا مات، احب الجود انقطع الندي من اناس الامس قليل مصرود  
تیری موت کے ساتھ سخاوت اور نیا ضی بھی مرجائیگی۔

دودتِ اکث الساکین و اسکرا من الدین و الدنیا بخلت و جرد  
ساکینوں کے ہاتھ ڈھانے جانگھے اور دین اور دنیا کی ضروریات ان کے  
انتظار میں ہوں گی۔

یہ سن کر ان کی ہلکیاں چلا اٹھیں ہرگز نہیں، امیر المؤمنین! اخذ  
آپ کو سلامت رہو!

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مرنے پر شعر پڑھا:

واذا المنيّة انشبت اغفالم ألفت كل قبيّة لا تمنع  
جب موت اپنے ناخن گاڑ دیتی ہو تو کوئی تعویذ بھی نفع نہیں پہنچا

#### نقصیت

پھر بیہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھولی اور اپنے عزیزوں کو کہا  
دیکھ کر کہا:

”امیر غزوہ جمل سے ڈرتے رہنا۔ کیونکہ جو ڈرتا ہو، خدا اس کی صفات  
کرتا ہو۔ اس شخص کے لئے کوئی پناہ نہیں جو خدا سے بے خوف ہو۔“  
(طبری)

#### یزید کی آمد

امیر معاویہ کی نازک حالت سے، قاصد کے ذریعہ، دلی عہد یزید  
کو مطلع کیا گیا۔ وہ فوراً روانہ ہوا۔ پہنچتے پہنچتے حالت اور بھی ابتر ہو  
چکی تھی۔ یزید جب پہنچا تو سکرانے موت کی حالت شروع ہو چکی تھی  
اسنے باپ کو پکارتا مگر وہ بول نہ سکے۔ یزید رونے لگا اور یہ شعر پڑھا:

وعاش حمی علی الدنيا لعاش اما م الناس لا عاجز ولا داکل  
اگر کوئی آدمی بھی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہتا تو بلا شک آدمیوں کا اہل  
زندہ رہتا، وہ نہ عاجز ہو، نہ کمر درہو۔

الحوال القلب والارباب دن یدرغ دقت النیة لیل  
وہ بڑا ہی عاجز و دب و دہیم ہو۔ لیکن موت کے دقت کوئی تدبیر بھی کام  
نہیں آتی۔

#### یزید سے خطاب

معاویہ نے یہ سن کر آنکھیں کھول دیں اور کہا:  
”لے فرزند! مجھے جس بات پر خفا ہے سب سے زیادہ خون ہے،  
وہ تجھے میرا بڑا دشمن ہے۔ جان پدر! ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
ساتھ سفر میں تھا۔ جب آپ ضروریات سے فارغ ہوئے یا وضو کرتے  
تو میں ست مبارک پر پانی ڈالتا۔ آپ نے میرا کرتا دیکھا وہ مونہ سے ہر  
سے بھٹ گیا تھا۔ فرمایا: ”معاویہ! تجھے کرتا پناہ دوں؟“ میں نے  
عرض کیا: ”میں آپ پر قربان! مزدہ؟ چنانچہ آپ نے کرتا عنایت کر دیا  
مگر میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا۔ وہ اب تک میرے پاس  
موجود ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال ترشہ لے۔  
میں نے تھوڑے سے بال اور کرتے ہوئے ناخن اٹھائے تھے۔“

بھی آج تک میرے پاس شیشی میں رکھے ہیں۔ دیکھ، جب مجھاؤں  
تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں اور آنکھوں  
میں لکھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا بچھا کر مجھے آپس  
لٹانا اور کفن پہنانا۔ اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہو تو وہ میری ہو  
(استیعاب - عقد الفیہ)

#### سکرات موت

سکرات کے عالم میں یہ شعر زبان پر جاری تھا:  
فهل من خالدا لم یلکنا دہل بالمت یا لئاس طار

مجھے ہیں اور جس کا خوب تجربہ کر چکے ہیں۔ خدا کی قسم، ہم اپنی جوانی کے عالم  
میں دنیا کی بہار کی طرف دوڑے، اور اس کے سب فرے ٹوٹے  
مگر ہم نے دیکھ لیا کہ دنیا نے جلد پٹا کھایا۔ بالکل کھال پٹ کر دی۔ ایک  
ایک کر کے تمام گریں گھول ڈالیں۔ پھر کیا ہوا؟ دنیا نے ہم سے بڑائی  
کی۔ ہماری جوانی پھین لی۔ ہمیں بوڑھا بنادیا۔ آہ، یہ دنیا کتنی خراب  
جگہ ہے؟ یہ دنیا کیا برا مقام ہے؟“

(احیاء علوم الدین جلد ۴)

#### آخری خطبہ

امیر معاویہ نے اپنی بیماری میں آخری خطبہ یہ دیا:  
”لے لوگو! میں اس کھیتی کی بانی ہوں جو کٹ چکی ہو۔ مجھے تیر حکومت  
ہی تھی۔ میرے بعد جتنے حاکم آئیں گے، مجھ سے برے ہونگے ٹھیک  
اسی طرح، جیسے اگلے حکم مجھ سے اچھے تھے۔“

(احیاء ج ۴)

#### حسرت

جب دقت آخر ہوا تو کہا، مجھے بٹھا دو۔ چنانچہ بٹھائے گئے۔ دیر  
تک ذکر الہی میں مصروف رہے۔ پھر رونے لگے اور کہا:  
”معاویہ! اپنے رب کو اب یاد کرنا ہو جبکہ بڑھاپے نے کلام  
کا نہیں کھا اور جسم کی چوٹیں ڈھیلی ہو گئیں۔ اُس وقت کیوں نہ یہ  
خیال آیا جب شباب کی ڈالی تروتازہ اور ہری بھری تھی؟  
پھر چلا کر روئے اور دعا کی:

”لے رب! سخت دل، گنہگار، بوڑھو پر رحم کر الہی! اس  
کی ٹھوکریں سناں کرے! اس کے گناہ بخش دے! اپنے وسیع علم  
کو اس شخص کے شامل حال کر جسے تیرے سوا کسی سے امید نہیں کی،  
تیرے سوا کسی پر پھر وسوسہ نہیں کیا!“

(احیاء ج ۴)

#### بیٹیوں سے خطاب

تیار داری ان کی دونوں لڑکیاں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہیں  
کروٹ بدلانے لگیں تو انہیں بغور دیکھ کر کہا: تم ایک ڈالو، ان ڈالوں  
وجود کو کر دیں بلواری ہو۔ اُسے دنیا بھر کے خزانے جمع کر لئے لیکن  
کاش وہ دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

قد سمیت لکم من سی ذی غضب وقد فیکم الشکات والارحلا  
میں نے تمھارے لئے بہت سخت محنت سے کوشش کی اور تمھیں در بدر  
ٹھوکریں کھانے سے پردا کر دیا۔ (طبری)



اگر ہم مراجعہ نہ کیا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہے گا۔ کیا عزت کسی کے لئے کوئی عیب ہو؟

(استیعاب)

وفات

میں وفات کے وقت یہ شعر پڑھو:  
لا یتیم لہ من فی الملک سادۃ ولم یکن فی اللہ اعمی النظر  
ہاشم میں نے بھی سلطنت دہلی کا شہنشاہ کا شہنشاہ بن کر رہا تھا  
میں اندھا نہ تھا!

وکت کندی طین ماش بلیفۃ لیالی حتی زار ضلک المقابر  
کاشم میں اس غیر کی طرح ہوتا جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہو!  
(عقد الفریح)

زیر پر کا مریض  
زیر پر کے مریض کے یہ شعر لکھتے تھے:

جار البرد بقطر اس نجیبہ فاجس القلب من قطر اس فرما  
قاصد خطی دہلا ہوا آیا، تو قلب خون زندہ ہو گیا۔  
قلنا لک الاول باذاتی کتابکم قالوا اخلینفۃ اسی شتا وجا  
ہم نے کہا تیری ہلاکت اخط میں کیا ہو؟ کہنے لگا خلیفہ سخت بیماری اور  
تخلیف میں ہو۔

فادات الاضواء کا تذکرہ کیا  
قرب تھا زمین میں لیکر جھک گیا۔ گویا اس کو کوئی ستون اٹھ گیا ہو  
ادبی ابن ہند دادی الحیدریتہ کا ناجیہ فظلا لیسرلین معا  
ہند کا لڑکا (معاویہ) مر گیا اور عزت بھی مر گئی۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے  
تھے اب بھی دونوں ساتھ چلے جا رہے ہیں۔

لایفخ الناس اداہی وان جہدا ان یرفعوہ ولا یہون رفا  
جو گرہ لہے اُسے آدمی لاکھ کو شش کریں اٹھائیں سکتے اور جو اٹھ رہا  
ہے اُسے لاکھ جاہیں گرا نہیں سکتے۔

اغرا لیل سستی الغمام بہ لواقع الناس من اصابہا  
سارک و خلیفہ جس کے دستے سواران رحمت طلب کیا جاتا ہو۔ اگر  
لوگوں کی عقلوں کا امتحان ہو تو وہ بے پر بازی لے جائیگا۔

(استیعاب - طبری)

زیر پر کا خطبہ

تین دن زیر گھر سے نہیں بچتا۔ پھر مسجد میں آیا اور حنبلی خطبہ کیا:  
”قام تائن اس خدا کے لئے جو اپنی شہادت کے مطابق  
عمل کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہو، دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہو خود کو دیتا ہو  
کسی کو عزت دیتا ہو، کسی کو ذلت دیتا ہو۔ لوگو! معاویہ، خدا کی  
رستوں میں سے ایک دسی تھا۔ جب تک خدا نے چاہا اُسے دُعا کیا  
پھر اُسے اپنی شہادت سے کاٹ ڈالا۔ معاویہ اپنے پیش روں سے  
کم تر اور بعد والوں سے بہتر تھا۔ میں اُسے پاک ثابت کرنے کی  
کوشش نہیں کر دے گا۔ اب وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا ہو اگر  
اُس سے دُعا کر کے توبہ اُس کی رحمت ہو اگر اُسے عذاب ہے  
توبہ اُس کے گناہ کا عذاب ہوگا۔ میں اُس کے بعد برسر حکومت آیا  
ہوں۔ نہ سرکش ہوں نہ مذکور ہوں۔ جلد بازی نہ کرو۔ اگر خدا کوئی  
بات ناپسند کرتا ہو، بدل ڈالتا ہو۔ اگر پسند کرتا ہو تو آسان کر دیتا ہو“



## برید شرق

### مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار تیمم طغیانیہ کے قلم سے)

ایشیائے کوچک اور یورپ کا اتصال۔ ترکی میں اشاعت اسلام۔ ۲۳ جولائی کی عید۔ ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟۔ قازی مصطفیٰ الہلال کا سفر اوردہ۔  
دورہ آرمینیا کی تعلقوبندی

کی سلطان العنان حکومت کو دستورہ یا۔ مشروطیت کا انشیدہ  
پر مجبور کیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۳ جولائی سنہ ۱۹۰۸ء میں پیش آیا تھا۔ اگرچہ  
اب اعلان جمہوریت کے بعد یہ دستور بھی منسوخ ہو گیا ہو، لیکن چونکہ  
یہ دن، دُعا و دعا کا سنگ میل ہے، اس لئے ترکی قوم آج تک اسے  
ایک قومی و وطنی عید کی طرح مناتی ہو۔

ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟

یہاں ایک مدت سے یہ بحث چھری ہو رہی ہے کہ ترکی موسیقی باقی ہو  
یا اُس کی جگہ مغربی موسیقی قبول کر لی جائے؟ یورپین موسیقی کے  
حامی کہتے تھے کہ ترکی موسیقی، ناقص ہے۔ اتنی ناقص کہ آدمی بھی  
ایک ساتھ ہو کر کوئی راگ پوری طرح ادا نہیں کر سکتے۔ ترکی موسیقی  
کے حامی کہتے تھے کہ بلاشبہ ترکی موسیقی میں ترکی کی بہت گنجائش ہے  
مگر وہ ناقص نہیں ہے۔ اس بحث نے بالآخر مقابلہ کی صورت اختیار  
کر لی اور کل ترکی موسیقی کے ۱۲۰ امہر اپنا فن دکھانے کے لئے جمع  
ہوئے۔

آج کے قارئین غالباً اس واقعہ سے واقف ہونگے کہ ایک زمانہ میں  
ترکی موسیقی حتمی یا قہر موسیقی تھی۔ ترک اس فن کے استاد تسلیم کئے  
جاتے تھے۔ انھوں نے اس میں بہت سی یکادیں کی تھیں اب  
تک ان کی بعض ایکادیں مغربی موسیقی میں موجود ہیں۔ یہی سبب  
ہے کہ وہ اب تک اپنی موسیقی پر ناز کرتے اور اس سے دست بردار  
ہونے پر تیار نہیں ہیں (یورپ کے موزیئن نے اعتراف کیا ہے کہ سچو  
قسم کا قومی باجہ اور قومی راگ بے پہلے ترکوں ہی نے ایجاد کیا۔

(الہلال)

چنانچہ کل کے یادگار جلسے میں بے شمار خلایق جمع تھیں، جلسہ اختتام  
موسیقی کے شہو پر و فیسر مدد بکتا بک نے اپنی تقریر سے کیا۔  
انھوں نے کہا:

”ترکی موسیقی کو یورپین موسیقی پر نمایاں امتیاز حاصل ہو گیا  
چونکہ ہمارے مخالف اس فن شریف سے بے بہرہ ہیں اس لئے ہم  
نئی دلائل کی جگہ شہرہ آفاق فرانسیسی اہل فن، سن سائنس کا قوی  
پیش کرتا ہوں۔ اس آستانے لکھا ہو، جس موسیقی کو ہم حقاقت کے  
ساتھ مشرقی موسیقی کہتے ہیں، وہ مغربی موسیقی سے بہت بلند اور  
متاثر ہو!“

اس کے بعد ۱۲۰ ترکی استادوں نے اپنے اساتذہ مثلاً بکر ابلی  
میدنوح، شیخ ذکائی و فیروز کے راگ ایک ساتھ گائے، اور اس

### ایشیا اور یورپ کا اتصال

قازی مصطفیٰ الہلال پاشا کا سفر آستانہ، بعض تفریح کے لئے نہ تھا  
بلکہ وہ برابر اہم مسائل کے حل میں مصروف رہو۔ ایک مزدوری مسئلہ یہ  
بھی تھا کہ یورپین ٹرکی کو ایشیائے کوچک سے متصل کر دیا جائے۔  
چنانچہ اس بارے میں دو تجویزیں زیر غور ہیں۔ ایک یہ کہ باسفورس پر  
ایک عظیم معلق پل تعمیر کیا جائے۔ یہ پل اسی طرح کا ہوگا جیسا پل  
کلین کا پل ہے، جو اس جزیرے کو نیو یارک سے متصل کرتا ہے۔ دوسری  
تجویز یہ ہے کہ باسفورس کے نیچے سنگ کھودی جائے اور اُس میں ٹرکی  
رہوے جاری ہو۔ ممبرین کا رجحان اسی آخری تجویز کی طرف ہے۔  
ترکی میزبان میں اس غرض کے لئے ایک رقم موجود ہے۔ مگر وہ ناکافی  
ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کسی جرمن کمپنی کو اس کا ٹھیکہ دیا جائے گا۔  
جب یہ پل یا زہن دوزیل جاری ہو جائے گی تو ایشیائے کوچک  
سے یورپین ٹرکی بالکل متصل ہو جائے گا اور نقل و حرکت میں کمی  
سہولت ہو جائے گی۔

### ٹرکی میں اشاعت اسلام

ادھر کچھ مدت سے ان لوگوں کے لئے تیش پیش آرہی تھیں جو  
اسلام قبول کرنا چاہتے تھے، کیونکہ جدید قانون دینی کے اعلان کے  
بعد وہ قواعد منسوخ ہونگے ہیں جو اس بارے میں پہلے جاری تھے۔  
پہلے دستور یہ تھا کہ جب کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرنا چاہتا تھا تو حاکم  
کے سامنے درخواست پیش کرنا تھا۔ حاکم اُس کے اہل دین کے پیشوا  
کو طلب کرتا، اور پیشوائے دین اپنے اس ہم مذہب کو جس قدر بکھا  
بکھا سنا تھا، سمجھا، بھگتا۔ اگر وہ اس کی نصیحت قبول کر لیتا، تو اپنے  
سابق دین پر برقرار رہتا۔ ورنہ مسلمان قاضی کو بلایا جاتا اور وہ اپنے  
کلمہ اسلام کی تلقین کے مسلمان بنالیتا۔

لیکن اب جدید قانون نے یہ سب رسمیں موقوف کر دی ہیں۔ اب  
اسلام لانے کے لئے صرف اس قدر کرنا پڑتا ہے کہ سفی کے سامنے  
اپنی درخواست پیش کر دیتا ہو اور وہ اسلام کے اصول و تعلیمات واضح  
کرتے اُسے مسلمان بنالیتا ہو۔

یہاں کے اخبارات کا بیان ہے کہ نو مسلموں کی تعداد روز بروز بڑھتی  
جاتی ہو۔

### ۲۳ جولائی کی عید

تمام ترکی قوم نے ۲۳ جولائی کو بڑے جوش و خروش سے عید  
منائی۔ یہ عید اصل اُس تاریخی دن کی یادگار ہے جس میں قہر  
منائی۔



تھا۔ سلطان نے اس تقریر کو تقریریں کیں: ایک عام حاضرین کو مخاطب کر کے۔ دوسری مجلس شوریٰ کے ممبروں کے سامنے پہلی تقریر کا خلاصہ ذیل ہے:

”میں تم کے باشندوں کو اس اجتماع کا مقصد بتانا چاہتا ہوں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ یہاں کے باشندے ہم سے (یعنی اہل پنجاب) زیادہ سے زیادہ اختلاط رکھیں اور زیادہ سے زیادہ میل جول رکھیں اس اختلاط کے فوائد بے شمار ہیں۔ یہی فائدہ کیا کہ ہم میں ہم محبت و اخوت مستحکم ہوگی اور ان سازشیوں کی تمام کوششیں ایساں جائیں گی جو ہمارے تعلقات خراب کرنے کے لئے ہر وقت مستعد ہوتی ہیں۔ ”راعی اور رعیت کی دلدلی اور بے تعلقی، خود غرضوں کے لئے میدان کشادہ کر دیتی ہے۔ وہ بڑی آسانی سے حق کو باطل اور باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنے کا موقعہ پا جاتے ہیں۔ اگر راعی اور رعیت میں نزدیکی نہیں ہو تو ظاہر ہے، ہر خود غرض جب چاہے، حکام کو گمراہ کر دیتا ہے۔ حاکم ہرگز حقیقت حال سے واقف نہیں ہو سکتا اور بلا قصد رعایا کے لئے مصیبت پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن اگر حاکم و محکوم میں تعاون و تقارب کے رشتے موجود ہوں، تو خود غرض لوگ حکام کو دھوکا دینے سے ڈریں گے۔ مبادا ان کی بدینتی اور دروغ گوئی ملت از بام ہو جائے“

”آج کے اجتماع سے یہی غرض ہے کہ ہمارے اور باشندوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ قربت و اختلاط قائم ہو جائے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے اور عام مخلوق کے درمیان ہرگز کوئی پردہ نہیں ہے۔ ہمارے محل کا دروازہ ہمیشہ ہر انسان کے لئے کھلا ہوا ہے۔ نیز ہم کھلم کھلا ہمیشہ اپنے تمام عہدہ داروں کو رعایا سے حسن سلوک کی ہمت کرتے رہتے ہیں۔“

”بلاشبہ، عام مخلوق سے دوری، نفسِ حرم کے لئے آرام و راحت کا موجب ہے۔ لیکن دین اور شرافت کا تقاضہ اس سے منع کرتا ہے۔ دین، مخلوق سے دوری کی اجازت نہیں دیتا۔ شرافت، مخلوق سے بے پردہ رہی رہنا نہیں چاہتی۔ کیونکہ اختلاط اور عقارت میں ہزاروں مصلحتیں اور نیکیاں ہیں۔ یقیناً اگر ہم اپنی پوری قوت سے اصلاح حال کی کوشش کر رہے ہیں۔ سال در سال میں انتشار و اندہ ہم بہت سی نئی اصلاحات بھی جاری کر چکے۔ ہماری نظر کے سامنے ہر لمحہ یہ فرمانِ ربانی موجود ہے: ”قل اعلموا فیہی اللہ عظیم“ (غل کر، خدا تمہارا علم دیکھو گا) ابن آدم اگر نیکی کرتا ہے، تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ نتائج و ثمرات کی بخشش صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔“

”یہ بالکل یقینی ہے کہ حکام کی درستگی، رعایا کی درستگی ہے۔ ہمارا فرض ہیں مجبور کرتا ہے کہ ہمیشہ اس خیر و صلاح کی جستجو میں لگے رہیں جس سے ایک طرف مسلمانوں کی درستگی ہو، دوسری طرف ہمیں خدا کی رضامندی حاصل ہو۔“

”ہم نے بعض عہدے دار معزول کر دیے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ انہوں نے کوئی خطا کی تھی، بلکہ اس لئے کہ ان سے بہتر آدمی مل گئے تھے۔ میں معزول عہدے داروں کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے فرائض ایسا انداز سے انجام دیے تھے۔“

”ہم نے آپ ہی کے آدمیوں کی ایک مجلس بنادی ہے کہ حکومت کے مختلف انتظامی محکموں کی دیکھ بھال کریں، ان کے نظام پر نظر رکھیں ہم نے متاثر ذہن و اداری اس مجلس کے کاندھوں پر ڈال دی ہے کیونکہ اہل کم اپنے مصالح ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ یہیں امید ہے کہ یہ مجلس اپنے فرائض، بحسن و خوبی انجام دے گی۔“

”ہم نے مجلس شوریٰ کے معاملہ پر خوب غور کیا۔ چونکہ یہ مجلس از حد ہم اور باشندوں کے لئے فائدہ مند ضروری و مفید ہے اس لئے

## مکتوب حجاز

### صلاح و ترقی کا اعلان اور عالم امید ویم!

ذیل میں ہم اپنے مقالہ نگار محترم جہدہ کا مکتوب ترجمہ و اختصار کے بعد پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ آئندہ مسلسل مقالات بھیجئے دیں گے۔ مقالہ نگار نے جس احتیاط اور اعتدال نظر کے ساتھ حالات حجاز پر نظر ڈالی ہے، ہم اس کا اقرار کرتے ہیں، مگر یہ سن کر کہ حجاز کی حالت موجودہ انہوں نے حکومت کی بیان کردہ ”اصلاحات“ سے جو امیدیں قائم کی ہیں وہ قبل از وقت ثابت ہوں گی اس راہ میں سب سے پہلی چیز اہل، کاروان، اور مخلص کارکنوں کا وجود ہے اور جان تک ہماری مصلحت ہے، ہم دونوں کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت حجاز ان سے یکھم ہی دست ہے۔ خود مقالہ نگار بھی اس اقرار کرتے ہیں۔

دلیل اندہ بحث بعد ذلک امرا

### امید ویم

حجاز کی موجودہ حالت، ہر اعتبار سے، امید ویم کے متضاد اثرات کی ایک مرکب تصویر ہے!

ایک طرف امید کی شمعیں چمکنا شروع ہو گئی ہیں تاکہ صدیوں کی تاریکی کا مقابلہ کریں۔ دوسری طرف ایسی کی طلعت اپنی شدید بدینت ہو کر نہیں کہا جاسکتا مستقبل قریب میں ہیں روشنی کی تابانی کا انتظار کرنا چاہئے، یا طلعت کے احاطہ و فتح مندی کا؟

ایک طرف سلطان ابن سعود کی شخصیت اور اس کی مسطوت و طاقت کا نظارہ جو جسے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر ملک میں امن قائم کر دیا، تمام سرکش جاعین قابو میں لیں نظم و اصلاح کے لئے زمین طیار ہو گئی، اور اگر حکومت کے مزاج میں صلاحیت اور اعضا و حکومت میں کاروائی ہو، تو بہت جلد سرزمین حجاز کا ایک نیا دور شروع ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری طرف نظر اٹھائے تو حکومت کا مزاج غیر صالح، کاروان اشخاص تغیرنا پدید، اصحاب اغراض کا ہر طرف سے ہجوم، مخلص منرض میں امتیاز مسدود، اور اہل و غیر اہل کے لئے کوئی معیار نہیں ہے۔ سلطان صحرا سے نکلتے جہاز کرتے ہیں اور آتے ہی ایک نظم و مدن حکومت کی از سر نو تخلیق کی ہم پیش آگئی ہے۔ ارادے پیدا ہوتے ہیں، مگر جو دین نہیں آسکتے۔ ہمت اٹھتی ہے، مگر قدم نہیں اٹھا سکتی۔ کام اہم اور مشکلات سے لبریز ہے۔ ضرورت صلاحیت، صبر، استقامت، اور انتظار کی ہے، لیکن اور سے لے کر نیچے تک ہر وجود نفع حاصل کا شیفہ ہے، اور اس لئے کوئی صحیح اور فلاح قدم اٹھ نہیں سکتا۔

### اصلاحات کا اعلان

لیکن حال میں مجلس شوریٰ کے قیام اور بعض ارکان حکومت کے تغیر و تبدل سے طلبہ کاران اصلاح کو جوئی امیدیں دلائی گئی ہیں و ضرور قابل توجہ ہیں، اور ضروری ہے کہ ان کا اقرار کیا جائے مگر یہ کہ ان کی موجودہ صورت و حالت ابھی منظور میں زیادہ وقت حاصل نہ کر سکے، لیکن اہل حجاز کے لئے جو صدیوں سے ”اصلاح“ اور قانون و ادارہ کے معانی سے نا آشنا ہو چکے ہیں، یہ یقیناً ایک امید افزا اقدام ہے۔

### سلطان کی تقریریں

مجلس شوریٰ کے اجلاس کے لئے ”عیاد“ میں ایک شاندار جلسہ

خوبی سے ادا کئے کہ سب تسلیم کر لیا پڑا کہ ترکی موافقی، عظیم صلاحیت رکھتی ہے۔

### غازی مصطفیٰ کمال کا سفر اور

شہر ترکی تاریخی شہر اور کے ایک وفد نے اگر غازی مصطفیٰ کمال پاشا کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی۔ موصوف نے دعوت منظور کر لی۔ خیال کیا جاتا ہے اس سلسلے میں وہ تقریریں کے اہم شہروں کا بھی سائنہ کریں گے۔

### درہ و انبال کی قلعہ بندی

اخبارات کا بیان ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے آستان میں پنجم کر جنگی اور ملکی افروں اور ماہروں کے ساتھ ان تداریک بھی غور کیا ہے جو جن سے مستقبل میں تنظیم کی حفاظت بھی ہو جائے اور درہ آزا تیار رہے۔ چنانچہ طے پایا ہے کہ ترکی سے ایک فرض حاصل کیا جائے اور اس روپیہ سے درہ و انبال، اور باسفورس کی پورے طور پر قلعہ بندی کر دی جائے۔ ناظرین کو معلوم ہے کہ معاہدہ لوزان میں اس بارے میں بعض پابندیاں موجود ہیں۔ مگر اب بظاہر ترک ان پابندیوں کی پرواہ کرنا نہیں جانتے۔

### اطلاع ضروری

الہلال میں لاہور کی ”الہلال بک بھٹی“ کا اشتہار شائع ہو رہا ہے۔ اور اس کا پتہ صاف درج ہے لیکن بعض حضرات صرف الہلال کا نام دیکھ کر درخواست الہلال کے دفتر میں بھیجتے ہیں اور بلا ضرورت خط و کتابت کرنی پڑتی ہے۔

اس الہلال بک بھٹی سے رسالہ الہلال کلکتہ کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ لاہور کی ایک بک بھٹی ہے۔ اور اسی کا پورا پتہ اس کے اشتہار کے نیچے درج ہے۔



## پتہ مریاد و قدم آگے نہ چلیں تو

# انتخاب جواب لاہور

کا مطالعہ کریں اس کے منتقل حیدر اس کو چھ مضمونوں کی

انعامی کتابیں مفت می ملیں انعامی کتابوں کی فہرست

اور نمونہ کا سالہ آواز کے نکتہ سمجھ کر طلب کریں

### میں بجز انتخاب لاہور



اُمین تمیم ضروری سمجھے اور حکومت مجلس کا فیصلہ منظور نہ کرے، تو ایسی صورت میں نائب السلطنت کو حق ہوگا کہ لاکھ کو نہ تو فیض و تشریف کے ساتھ دوبارہ مجلس کے سامنے پیش کرے۔ اگر مجلس اب ایسی اسے منظور نہ کرے، تو پھر آخری فیصلہ خود سلطان اعظم کرے۔

مجلس کو حق ہو کہ اپنے صدر کے ذریعہ ہر اس تجویز کے بارے میں سلطان سے رجوع کرے جس پر ایک ماہ گزر چکا ہو اور کوئی شلہ حکم جاری نہ ہوا ہو۔

### مجلس کے ارکان

مجلس شوریٰ کے لئے حسب ذیل ارکان منتخب ہوئے ہیں:

- (۱) شیخ یوسف طحان۔
- (۲) شیخ احمد سحی۔
- (۳) شیخ صالح شطا۔
- (۴) شیخ عبدالرزاق دودی۔
- (۵) شیخ محمد بن یحییٰ بن عقیل۔
- (۶) شیخ عبدالصمد ابراہیم جلالی۔
- (۷) شیخ عبدالغفور بن زید۔
- (۸) شیخ عبدالوہاب عطار۔

### ایک امید افزا واقعہ

کچھ مدت ہوئی، بعض اہل مکہ نے سلطان ابن سعود کے پاس بھیجنے کے لئے ایک محضر لیا کر لیا تھا اور اس میں محکمہ حفظان صحت کی شکایتیں لکھی تھیں۔ یہ محضر ایک شخص جن پر بیان کیا گیا کہ ان کا نام پیمانہ ہے۔ اس زمانہ میں نائب السلطنت امیر فیصل کمزور تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں ان کے مشیر خاص شریف حسین عثمان اور شیخ عبدالغفور عقیقی، حکومت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس محکمہ کا حال ان دونوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے محضر مذکور کو طلب کیا اور حکم دیا کہ محضر ان کے حوالہ کر دیں۔ اس نے انکار کیا۔ اس پر شریف حسین عثمان نے غصہ میں آ کر اسے دھکے دے کر لے لیا۔

شرف حسین مذکور نے رہا ہوتے ہی حکومت کے ان دونوں بڑے عہدے داروں پر (جو جوڑے کے قائم مقام تھے) مقدمہ دائر کر دیا۔ ناشر میں حسب ذیل الزام لگائے تھے:

- (۱) انھوں نے سلطان اعظم کی توہین کی کیونکہ وہ محضر لے لینا چاہا جو سلطان کی خدمت میں پیش ہونے والا تھا۔
- (۲) انھوں نے مدعی کو سلطان تک پہنچنے سے روکنا چاہا۔
- (۳) انھوں نے بغیر کسی قانونی موجب کے مدعی کو قید کیا۔
- (۴) انھوں نے سرکاری محکمہ کے خلاف شکایتوں کی تحقیقات نہیں کی۔

سلطان نے دعویٰ سکر کا غناات مجلس تفتیش کے حوالے کر دیے اور حسب ذیل دو سوالوں کے جواب طلب کیے:

- (۱) کیا مدعا علیہا کو اس کا رد والی کا حق تھا جو انھوں نے کی؟
  - (۲) کیا انھیں ایسی کارروائیاں کرنے کے لئے چھوڑ دینا چاہی؟
- مجلس تفتیش نے پوری طرح تحقیقات کی، مدعی، مدعا علیہا اور گواہوں کے بیانات سنے، اور بالآخر سلطان کے سوالوں کے یہ جواب دیے:

- (۱) انھیں اس کا رد والی کا ہرگز حق نہ تھا۔
  - (۲) انہیں بغیر مزاکرے میں چھوڑنا چاہئے۔
- نیز مجلس نے یہ قانون بھی بنایا کہ جو عہدہ دار بھی خلاف انصاف و قانون کام کرے گا، یا کسی کے حق پر دست داری کرے گا، اسے سرکاری خدمت سے بلا توقف الگ کر دیا جائے گا۔
- مجلس کا فیصلہ معلوم کہ سلطان نے دونوں عہدے داروں کو

اور تمام ملک کے لئے ایک ہی قلعہ (بروگرام) بنانا ہو۔ حکومت چاہتی ہو تعلیم تمام ملک میں عام ہو جائے۔ کوئی قریہ بلکہ کوئی قبیلہ بھی اس سے محروم نہ رہنے پائے۔ نیز حفظان صحت، حجاج کے آرام دہ مسطوحوں کی تنظیم، اور اسی طرح کے تمام اہم کام آج کے سامنے ہیں اور آپ کی توجہ کے منتظر ہیں۔ آخر میں اس مجلس کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ ہمارے تمام کاموں کو کامیاب کرے۔ والسلام علیکم

### مجلس شوریٰ کا نظام

مجلس شوریٰ کا نظام بالا اختصار حسب ذیل ہے:

- دفعہ (۱) یہ مجلس ۸ ارکان سے مرکب ہوگی۔
- دفعہ (۲) مجلس شوریٰ کا صدر نائب السلطنت ہوگا۔
- دفعہ (۳) ارکان مجلس کا انتخاب حسب ذیل اصول پر ہوگا:

- (۱) ۴ رکن، اہل فضل و تجربہ کے مشورے سے منتخب ہونگے۔
- (۲) باقی ۴ رکن حکومت اپنی رائے سے نامزد کرے گی۔ (ان میں دو رکن نجدی ہونگے۔

دفعہ (۴) مجلس شوریٰ کی رکنیت کی مدت دو سال ہوگی۔ لیکن نصف ارکان ہر سال بدلیا کر سکتے (عام اس سے کہ منتخب ہوں یا نامزد کئے ہوئے) پرانے ارکان کا دوبارہ انتخاب بھی ہو سکتا ہے۔

دفعہ (۵) مجلس شوریٰ کے رکن بننے کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں:

- (الف) اسکی عمر ۲۵ سال سے کم نہ ہو۔
- (ب) تجربہ کا۔ اور معاملات کا سمجھنے والا ہو۔
- (ج) مندرجہ ذیل اور ذرا زیادہ نہ ہو۔

(۱) نیک چلن ہو۔

دفعہ (۶) حسب ذیل اہل مجلس شوریٰ کے سامنے رعایت کی جانب سے پیش ہونگے:

- (۱) عہدہ داروں کے مختلف محکموں اور جلیہ (میونسپلٹی) اور نذر تہیہ کے میزانیہ (بجٹ)

(۲) اقتصادی و عمرانی رواج پر عمل کرنے کی اجازت۔

(۳) تجارتی امتیازات اور اقتصادی و مالی تجاویز۔

(۴) نظارت نامہ (بیلک ورکس) کے لئے کسی جائیداد کی ضبطی۔

(۵) نئے قوانین اور انتظامات۔

(۶) میزانیہ میں اگر مال کے اندر فروغ و اضافہ کی ضرورت ہو۔

(۷) اگر کسی محکمہ کو ۱۰ پونڈ سے زیادہ کسی خرچ کی ضرورت پیش آئے۔

(۸) اجنبی ملازمین کی تقرری۔

(۹) حکومت کے محکمہ اگر گزین یا تاجروں سے دوسو پونڈ سے زیادہ

کی خرید و فروخت کریں۔

دفعہ (۱۰) مجلس و دفتروں پر قیام ہوگی۔ ہر قسم ان معاملات پر غور و بحث کرے گی جو اس کا ناظم پیش کرے گا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر سکتی اور اپنے کا غناات کا تبادلہ کر سکتی تاکہ دونوں کو غور و بحث کا موقع ملے۔ اس کے بعد مجلس کے کسی عام جلسے میں ان کا فیصلہ منظور کے لئے پیش کیا جائے گا۔

دفعہ (۱۱) مجلس کا نصاب (کرم) چار ارکان اور صدر کی موجودگی سے پورا ہو جائے گا اور تجویزیں مجلس کی ۲/۳ ثلث اصوات (دو ثلث) سے پاس ہوں گی۔

دفعہ (۱۲) مجلس ہر مہینہ دو مرتبہ منعقد ہوگی۔ لیکن صدر کی دعوت پر اس سے زیادہ مرتبہ بھی جمع ہو سکتی ہو۔

دفعہ (۱۳) مجلس کو حق ہو کہ قوانین کی تطبیق میں اگر حکومت سے کوئی غلطی واقع ہو جائے، تو اسے مسترد کرے۔

دفعہ (۱۴) اگر حکومت کوئی لاکھ پیش کرے اور مجلس اسے رد کرے یا

ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اس کے ارکان کا انتخاب، تمام باشندوں کی طرف سے ہو۔ لیکن وقت کی تنگی اور باشندوں کے اشغال کی کثرت مانع آئی۔ مجھ سے یہ کیا کہ ہر مرحلے سے مغز آدمیوں کی ایک ایک جماعت طلب کی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صرف یہی لوگ مغز اور نیک ہیں۔

کیونکہ تمام مسلمان ہجم و احد کی آندہ ہیں۔ مجھے یہی غرض سے طلب کیا کہ جو جدید مجلس شوریٰ کے لئے ارکان کا انتخاب کرو۔ انسان پر فرض ہو کہ ایسے معاملات میں اپنے قلب کو فراموش نہ کرے، کیونکہ قلب ہمیشہ ہوا و ہوس کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ تھیں عقل و تدبیر سے کام لینا چاہئے اور تجربہ کار اور قابل لوگوں کو منتخب کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر مجلس صحیح بنیادوں پر قائم ہو جائے گی تو ملک اس سے بڑے بڑے فوائد حاصل کر سکے گا۔ تم یہی لوگ منتخب کرو جنہیں مخلص اور باشندوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والا یقین کر لیتے ہو۔ یہ اس لئے کہ حکومت تو اپنے حقوق کسی نہ کسی طرح حاصل ہی کر لیتی ہو۔ لیکن باشندوں کے حقوق تلف ہو سکتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کا انتخاب ہونا چاہئے جو محکمے کے حقوق کے تحفظ کی قابلیت و جرات رکھتے ہوں۔ یہ لوگ تمہارے مناسبت

اور وکیل ہونگے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سلطان کی دوسری تقریر

سلطان نے دوسری تقریر مجلس شوریٰ کے ارکان کے سامنے کی۔

اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

”حضرات ارکان مجلس! میں آپ کو سلام کرتا اور اس اعتماد پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں جس کا آپ نے اپنے ملک کے لئے آپ کو اہل سمجھا اور آپ کو اس مجلس کے لئے منتخب کیا۔ مجلس شوریٰ درحقیقت ان بنیادوں

میں سے ایک بنیاد جو جن پر نالوئی حکومتیں قائم ہو کر تھیں یہی ذی شوریٰ ہو جو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وارد ہو: ”و امرکم شورى جمیع“ میں یہ دیکھ کر ہنایت مسرور ہوں کہ آپ اس مجلس میں شریک ہو کر

ملک کی خدمت اور حدود شرعیہ کے قیام و حفاظت کی کوششوں میں حکومت کا ہاتھ بٹانے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری گردن پر ایک بڑی

امانت رکھ دی ہے۔ ہم اس بوجھ کے اٹھانے میں اپنے تئیں اہل فضل

و حمت کی امداد و اعانت کا محتاج پاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہم نے

شہر کے رد و ساز و کار کو اس مجلس کے لئے دعوت دی اور انھوں نے

آپ کو اپنے اعتماد کا اہل سمجھ کر منتخب کر لیا۔ اب ہم نے اپنی ذمہ داری

اٹھا کر آپ کے کاموں پر رکھ دی ہے۔ میں بعد غور و زاری اور زنگ

برتر سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو ملک اور اہل ملک کی خدمت کی

توفیق عطا فرمائے۔ آپ اپنے فرائض کی انجام دہی کے اثنائ میں دیکھ

لیں گے کہ حکومت اصلاحات کے جاری کرنے میں پوری طرح سنجیدہ

اور مستعد ہے۔ یقیناً آپ اس کا آغاز اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا

ہوگا۔ مجھے تفتیش اصلاح کی ایک علیحدہ مجلس بنادی ہو جس کا کام یہ

کہ حکومت کے تمام محکموں کی جانچ کرے، اور ان صورتوں پر غور کرے

جن سے ان کی اصلاح و درستگی ہو سکتی ہو۔ یہ کیٹی اپنے عمل کا ایک

مرحلہ ہے کہ چکی ہو لیکن ابھی اسے بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

عقرب آپ کی مجلس میں بڑی بڑی تجویزیں پیش ہوں گی۔ حکومت

کے محکموں کے میزانیہ بھی پیش ہونگے۔ آپ ان پر غور کریں گے اور اپنے

فیصلے صادر کریں گے۔ ملک کو سب سے زیادہ ضرورت پانی کی ہے۔ آپ کے

سامنے جدید قسم کے کنوئیں کھودنے کی تجویز آئے گی۔ اسی طرح ادبیت

سے مفید کام آپ کو کرنا ہونگے۔ مثلاً جدہ اور مدینہ کے مابین عمود طرک

کا اجراء، مکی نبض طرکوں کی توسیع، طراک اور تارکے صنفی اصلاح

اس محکمہ نے وہ تمام طیاریاں مکمل کر لی ہیں جو بین الاقوامی طیاروں

کے ضمن میں شامل ہونے کے بعد آپ اسے عمل میں لانی ہیں۔

نیز تعلیم کی اشاعت کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔ آپ کو اس پر غور کرنا

میں ہیں صرف ۳ کنوین لے آگے کے لئے ہم نے پانی بھر لیا۔ مرنے عجیب بات یہ دیکھی کہ اونٹوں نے ۹ دن کی مدت میں صرف ایک تڑپائی پیا۔ میرے ساتھی مسافروں نے بتایا کہ جاڑے میں اونٹ بندوبست و بندوبست و بندوبست پئے چلتے رہتے ہیں۔ میرے یہ ساتھی، صحرائی بدخو۔ میں نے انہیں نہایت خوش اخلاق پایا۔ ان کے اخلاق کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اگرچہ انہیں ہمسرا اور اس کے بادشاہ سے کوئی طبع یا خون نہیں، لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ میں مصری ہوں، اس لئے راستے بھر بلند آواز سے ہمسرا اور اس کے بادشاہ کے لئے دعائیں مانگو رہے۔ ان کے اس طرز عمل نے مجھ پر بہت اثر کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اسلام نے کتنی مختلف قوموں کو ایک رشتہ میں منسلک کر کے بھائی بھائی بنا دیا ہے!

یہ بد اگرچہ اپنی فطری سادگی پر قائم ہیں، تاہم ان کے اقوال اور حرکات و سکنات، ان کی غیر معمولی ذہانت کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ فضول گوئی سے پرہیز کرتے ہیں۔ سیاسی اختلافات سے بھی گریز کرتے ہیں۔ راستہ بھر میں نے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے تجویز یا تجویز کی سیاست پر ایک لفظ بھی کہا ہو۔ جب کبھی میں نے کوئی ذکر پھیرا تو وہ یہ کہہ کر پہلو بچا لیتے تھے "حکومت، خدا کی ہے اور پھر عبدالعزیز بن سعود کی" ان کی گفتگو کا اصلی موضوع، عرب کی شجاعت، سخاوت اور دینی فضائل و مکارم تھا۔ عربی شعر اگرچہ صحرائی میں پیدا ہوا، مگر چونکہ نجدی ہمیشہ ذکر الہی میں مشغول رہتے ہیں، اس لئے مشہور شاعری کو زیادہ پسند نہیں کرتے۔ ان کی دینی روح سمجھنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ راستے میں ہیں ایک مقام ملا۔ اس کا نام "مظلل" ہے۔ یہ دراصل وسط صحرائیں پر ایک کھجور کا ٹیلہ ہے۔ اس کی سی اتنی چمکی ہے کہ اونٹ کا پاؤں اس پر چم نہیں سکتا اور انسان کے لئے بھی اس پر چڑھنا بہت مشکل ہے۔ بڑوں میں عام طور پر مشہور ہے کہ اس ٹیلے کے نیچے سونے کا خزانہ مدفون ہے۔ لیکن چونکہ ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہے کہ قوم لوط اسی مقام پر آباد تھی اور یہیں برباد ہوئی، اس لئے ان کی دینی روح کسی طرح گوارا نہیں کرتی کہ یہ مقام جا کر دیکھیں جہاں عذاب الہی نازل ہو چکا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ صدیوں سے اس ٹیلے کو کسی انسانی قدم نے نہیں چھوا!

آٹھویں دن ہم ایک مقام پر پہنچے جسے "فرجہ" کہتے ہیں۔ فجر سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ اسکے گرد کے پہاڑ بڑے بڑے ٹھیکھے تھے اور نیچے ہر طرف سبزہ زار تھا۔ صحرائیں ایسا منظر میرے لئے بالکل غلام واقع تھا۔ یہ جگہ سوسٹرٹینڈ کے مناظر پیش کرتی تھی۔ بلکہ اس کے منظر میں صحرائی کی عیب خاموشی نے ایک عجیب جلال و جمال کا مرکب منظر پیدا کر دیا تھا!

"جوف"

نویں دن ہم جوف پہنچ گئے۔ عالم جوف عبدالعزیز بن عبدالمعین نے جوں ہی سنا، اپنے آپ کو استقبال کے لئے بھیجے اور بنات خود بھی تقبیل کے پھاٹک پر آکر خیر مقدم کیا۔

"جوف" ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ یہاں کی کھجور، عرب بھر میں مشہور ہے۔ گھیسوں، جو، اور بعض ترکاڑیوں کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ انگور، شفتالو، اخروٹ، نارنگی، لیموں، اور خربوزہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ باشندے تجارت پیشہ بھی ہیں اور دستکار بھی۔ کھال کی بافت یہاں اچھی ہوتی ہے۔ ادنیٰ کپڑوں کی وجہ سے بھی اسے بہت شہرت حاصل ہے۔ تھم کی مشہور عبا، "عجبی الجون" ہیں لیار ہوتی ہے۔ اونٹ اور بکری کی تجارت کی بھی یہ ایک بڑی جگہ تھی ہے۔ اس کے صحرائیں شتر مرغ، ہرن، اور گوزر بکرت موجود ہیں شتر مرغ کا گوشت عرب بہت پسند کرتے ہیں۔ میری دعوتوں میں بھی ملوث

## سیر فی الارض

اَدْلُوْ سِيْرًا وَاِنِ الْاَرْضُ نَظَرًا كَاَيْفَ كَانَتْ قَبْلَ الَّذِيْنَ مَرَّتْ لِهَيْم

(۸: ۳۰)

### سیاحان عالم کے مشاہدات و تاثرات

#### ایک مصری سیاح نجد میں

حال میں ایک مصری سیاح نے نجد کی سیاحت کی ہے۔ اس کے مشاہدات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

##### مصرائی سفر کا آغاز

صحرائیں سفر کا پہلا اتفاق تھا۔ میں وہاں کے راستوں، سواہروں اور باشندوں کے طرز و معیشت سے بالکل ناواقف تھا۔ میرے اس سفر کا آغاز، خرق اور دن کے پائے تخت، عمان سے ہوا۔ میں نے ایک موٹر کرایہ پر لی اور صحرائیں داخل ہو گیا۔ راستے میں کس دخت، گھاس، پانی، اور جاندار مخلوق نظر نہیں آئی۔ ہاں کبھی کبھی اونٹوں کے قافیے چلتے دکھائی دیتے تھے۔ اب سے پہلے یہ راستہ نہایت خطرناک تھا۔ بغیر کافی جنگی قوت کے کسی کا بھی جان و مال محفوظ نہ تھا۔ مگر اب بالکل امن و امان ہے۔ کابل ایکٹن کے سفر کے بعد میں "قریات الملح" میں پہنچ گیا۔

##### قریات الملح

اسی مقام سے سلطان ابن سعود کی سلطنت شروع ہوتی ہے۔ میں نے پہنچے ہی وہاں کے بعض شیوخ قبائل سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ پائے تخت نجد، ریاض، جانے کا غم ہے۔ انہوں نے نہایت خوش خلقی سے میرا رخصت کیا اور میرے لئے فوراً اونٹ مہیا کر دیے۔ ایک بڑی سواری کے واسطے تھا اور میرے خدمتکاروں کے لئے۔ یہ خدمتگار بھی انہی شیوخ نے محض اپنی مہربانی سے میری خدمت کے لئے ساتھ کوئے تھے۔ اتفاق سے ۵ اونٹوں کا ایک قافلہ بھی ریاض بارہا تھا میں بھی اسی میں شامل ہو گیا۔

یہاں یہ منکر میرے ہوش اڑ گئے کہ مجھے بہت طویل طویل سفر کرنا پڑے گا۔ یعنی قریات الملح سے جوف تک ۱۰ دن۔ جوف سے قائل تک ۱۰ دن۔ قائل سے بڑہ تک ۱۰ دن۔ بڑہ سے ریاض تک ۱۰ دن یعنی پانچ تخت تک پہنچنے کے لئے مسلسل ۳۵ دن صحرائیں چلنا پڑے گا۔ پھر راستہ میں ۲۵ دن آرام کے لئے فریڈ چاہیں۔ گویا پورے دو مہینے اس بیابانی دنیا میں بسر کرنے ہونگے!

"قریات الملح" جہاں سے ہمارا سفر اونٹ پر شروع ہوا، ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور نجد کو خرق اور دن سے جدا کرتا ہے۔ یہ جبل آذر و زر و ڈیو دن کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا حاکم اعلیٰ، ایک نجدی افسر ہے اور احکام شریعت کے بموجب حکومت کرتا ہے۔ اس کی آبادی ۱۰۰ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ یہاں کی معیشت، گھیسوں کی زراعت، نمکستان، اور اونٹوں اور مویشیوں کی پرورش ہے۔ یہاں نمک بھی بنتا ہے، اور مویشی

مسافروں کے ہاتھ اچھی قیمت پر کچا ہے۔ محصول، زکوٰۃ کے نام سے وصول کیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ سالانہ ۹ اونٹ پر ۱ مجیدی، ہر ۱۱ اونٹوں پر ۱۱۱ قرش مصری (ایک قرش ۲۰ کا پوتا ہے) ہر سو بکری پر دو بکریاں وصول کی جاتی ہیں۔ یہاں جرائم اور فوجاں کا نام تک سننے میں نہیں آتا۔ حاکم کو "امیر" کہتے ہیں۔

امیر قریات الملح نے اپنے چوتھے پر (جو اس کی ٹھیک یادگار عالم کی جگہ ہے) میرا استقبال کیا۔ میرے لئے قہر حاضر کیا گیا۔ اس نے بہت اصرار کیا کہ چند دن اس کا ہمان رہوں۔ مگر مجھے سفر کی جلدی تھی و دوسرے دن وہ مجھے اپنے ہمراہ قبیلہ یعنی صحرائیں لے گیا۔ یہ قبیلہ اس گاؤں سے ۵ اکیلو میٹر کے فاصلہ پر پستی خیروں کے اندر زندگی بسر کرتا ہے۔ اپنی شجاعت، جرأت، اور غارت گری میں اس قدر مشہور ہے کہ تمام عرب اس کے نام سے فخر کرتا ہے۔

##### صحرائی کی زندگی

آگے بڑھنے سے پہلے مجھے صحرائی کی زندگی کے متعلق چند تہیدی کچھ کہہ دینے چاہئیں۔ سفر شروع کرنے سے پہلے ہی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ نجد میں سیاحت کے لئے ضروری ہے کہ چہرے پر دائرہ موجود ہو چنانچہ میں نے اپنی دائرہ کی پرورش شروع کر دی تھی۔ نجد کی سرحدیں داخل ہوتے ہوئے میری دائرہ کافی حد تک دراز ہو چکی تھی۔ میں نے بڑی لباس بھی خرید لیا تھا۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ سر بھی سٹانا پڑے گا۔ قریات الملح میں مجھے اس کی خبر ہوئی۔ میں نے اپنا سر نجدی امیروں کے رحم پر چھوڑ دیا۔ چند لمحوں کے اندر کھوپڑی صاف تھی۔ میں نے آئینہ دیکھا تو اپنی صورت پہچان نہ سکا۔ لمبی دائرہ، مونچھیں صاف، سر گھٹا ہوا۔ ایک عجیب شکل بن گئی!

مجھے پہلی ہی منزل میں معلوم ہو گیا کہ یہ سفر کس قدر تکلیف دہ ہوگا۔ شہری زندگی بسر کرنے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر عذاب کیا ہوگا کہ وہ صابون تک نہ پائیں۔ صحرائیں صابون، نایاب و بہت قیمت پر کھاتا ہے۔ خود صحرائی عربوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے کپڑے کبھی نہیں دھوتے۔ کھانے کے بعد ہاتھ بھی نہیں دھوتے۔ ان کا عام قول ہے "نزلوں کا صابون، ان کی دائرہ ہے" یہاں کی زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے دائرہ کا فائدہ معلوم ہوا۔ یقیناً دائرہ، صحرائیں بہت مفید چیز ہے۔ رمال کی ڈوری قائم مقامی کرتی ہے۔ کھانے کے بعد ہاتھ نہ دھوئے، اسی مقدس رمال سے ہونچھ لئے جاتے ہیں! قریات الملح سے جوف تک بھی ۱۰ دن چلنا تھا۔ اس تمام راستے

بار موجود ہوتا تھا۔

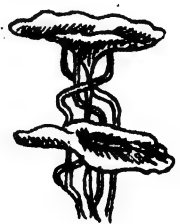
ایک واقعہ

حاکم جوت امیر عبدالمدین مقل کی بابت مجھے ایک بات ضرور کہانی چاہیے۔ یہ حاکم، دوسرے عرب حکام کے برخلاف ذی علم اور وسیع المعلومات ہو۔ شریعت حقہ کے مطابق حکومت کرتا ہو۔ اس کے علاقے میں جرائم بالکل ناپید ہیں۔ مثال کے طور پر ایک چشم دید واقعہ لکھتا ہوں:

ایک دن میں امیر موصوف کی مجلس میں موجود تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا "میں حاصل سے آ رہا ہوں۔ جوت سے ہم دن کے فاصلے پر ایک بھری ہوئی بوری میں نے پڑی دیکھی ہو" حاکم نے سوال کیا "اُس بوری میں کیا ہو؟" شخص نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم اس واقعہ کے دوسرے دن ایک اور شخص نے یہی خبر پہنچائی۔ حاکم نے اُس سے بھی یہی سوال کیا۔ اُس نے کہا "اسی دن وہ ہو" حاکم نے پوچھا تو نے کیوں کر جانا؟" اُس نے کہا "اپنی لالچی سے دبا کر" امیر حاکم نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے ۵۰ بید لگا دو۔ مجھے اس سزا پر بہت تعجب ہوا اور امیر سے استفسار کیا۔ اس نے جواب دیا "بوری دیکھنا جرم نہیں ہو، لیکن اسے یہ سب کچھ کیوں کی کر اُس میں کیا ہو؟" اس کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ بوری اس کی نہ تھی، اس کے بعد امیر نے مجھے بتایا کہ اہل نجد، عموماً نہایت دیانت دار اور پرہیزگار ہیں اگر راستے میں سونا بھی پڑا ہو تو کبھی اُن کی نیت نہیں بدلتی گی! جوت کا دار الحکومت، ایک قلعہ نامعظم محل میں واقع ہو۔ اس کا نام "تصراود" ہو۔ یہودیوں نے اپنے غرض کے زانے میں تیر کیا تھا باشندوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۴۰ سال پہلے یہ بنا تھا۔

جوت کے باشندے باوجود غریب ہونے کے بڑے ہمارا نواز ہیں۔ ہمارا کی خدمت و خاطر فرض میں سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ خوب سندرہ ہیں۔ میں نے کوئی شخص بھی کزور، اور دہلا نہیں دیکھا۔ دریاہٹ کرنے پر معلوم ہوا، پوری آبادی میں ایک انسان بھی بیمار نہیں ہو۔ وہ یہ جو کہ یہاں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہو، پیداوار کافی ہو اور بارش طبعی اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

امیر عبدالمدین مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ انگریز اور امریکن سیاحوں نے بار بار کوشش کی کہ علمی اور جغرافیائی تحقیقات کے بہانہ سے آگے بڑھیں۔ مگر سلطان ابن سعود نے اجازت نہیں دی۔ وہ جانتے ہیں کہ اسی قسم کے حیلوں سے اُنھوں نے مشرقی ملکوں میں اپنے قدم جالے۔ ایک مرتبہ ایک انگریز مٹر ایشیہ بہت سی موٹریں اور روپیہ لے کر آیا اور یہ ظاہر کیا کہ جوت کی مٹی بہت عمدہ ہو اس لئے وہ مٹی کے برتن بنانے کا کارخانہ قائم کرے گا۔ مگر سلطان نے قیام کی اجازت نہیں دی۔ ایک اور یورپین نے کہا کہ خود پائے تخت ریاض میں پٹرول کے زمین دوز چسپے موجود ہیں۔ میں بھی نہیں بھال دے سکتا ہوں۔ مگر سلطان نے اسے بھی منظور نہیں کیا۔ حالانکہ محمد کے ہاتھ کو پٹرول کی بہت ضرورت ہو۔ سلطان کی وہی آرزو ہو کہ خالص اسلامی علمی جماعتیں نجد میں آئیں اور یہاں کی قیمتی کائناتیں بکالیں کہ وہ یورپین کمپنیوں، تاجروں، ادنیٰ محققوں کی آمد رفت سے ڈرتے ہیں۔



## خواطر و سوانح

### زندگی پر آخری نظر

#### ایک کروڑ پتی نے خودکشی کرتے وقت کیا محسوس کیا؟

سے طے کی تھی، کیونکہ میرے پاس مل کا کارایہ نہ تھا۔ پھر ایک وقت وہ بھی دیکھا جب پوری ترین صرف میرے لئے وہاں ہوتی تھی تاکہ مجھے پختہ ہو جاؤں یا کرے!

\*\*\*

"میری زندگی کے دن آخری لمحوں میں میرا حفظہ، زندگی کے تمام انقلابات ایک ایک کر کے مری آنکھوں کے سامنے سے گزرا رہا ہو۔ اس وقت میں اس قابل ہوں کہ زندگی پر ایک مصغفانہ فیصلہ کی نظر دل سکوں!

\*\*\*

"زندگی کے متعلق میرا نرم سے نرم فیصلہ یہ ہو کہ وہ ایک عظیم انسانی کڑھائی ہو جو طبع، شہوت، اور طاقات کے سبب آتشیں مادوں پر یک دہی ہو۔ تمام بلند، دقیق، شریف جذبات ناپید ہو چکے ہیں۔ اُن کی جگہ خبیث، ناجائز، پر شور عناصر نے لے لی ہو۔ قوت اور دل کی خواہش اس قدر زبردست ہو گئی ہو کہ بالمشورہ کم کے سوا کوئی دوسرا قوت اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

\*\*\*

"زندگی کے تمام دن باہم شاہد ہیں، مگر کتنا دلنے والے ہیں! کتنا دلنے والے ہیں۔ ایک ہی قسم کے چہرے، ایک ہی قسم کے خراج، ایک ہی قسم کے دل، ایک ہی قسم کی چیزیں! ہر نیا دن ویسا ہی برا بھلا! پچھلا دن تھا! ہر نفس طبع و ہوس سے اسی طرح لبریز جس طرح دنیا کا ہر باشندہ! زیادہ مال کی بھونانہ طلب! زیادہ عیش کی غرض پرستانہ خواہش! اگر کام بہت کم، نیکی اور بھی کم! انسانوں کی بھڑیل جمع کرنے پر ٹوٹ پڑی ہو۔ کسی کو خود داری کا خیال نہیں کسی کو شرافت کی پروا نہیں۔ ایک حساس آدمی کے لئے یہ منظر موت سے کم نہیں!

\*\*\*

"ایسی سچ پر دولت کا کوئی دیتا نمودار ہوتا ہو۔ خوشامدیوں، چالو سوں، ابن الوقتوں کی بھڑیل سپر ٹوٹ پڑتی ہیں، وہ کھلتا پلا آہو۔ جلسے کرتا ہو، لہو و لعبہ تمام سالانہ میا کرتا ہو۔ اُسکی بڑی تعریفیں ہونے لگتی ہیں۔ اُس کی دوستی کا لاکھوں دم بھرنے لگتے ہیں۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا ہو کہ اس زمین پر مجھ سے بڑا، مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی انسان نہیں۔ میں خدا کا پسندیدہ ادا دس کی مخلوق کی آنکھ کا تارہ ہوں!

"لیکن ادھر اُس کا سونا چاندی ختم ہوا، ادھر دنیا کی نظر بھی پھر گئیں۔ اب نہ دوست و دوست میں نہ عزیز و عزیز حسرت اور اندام، صرف یہ دکھ دہ رفیق زندگی بھر کی نفاقت کے لئے اُسکے پہلو میں

سڑ جیتیں وہاٹ، لندن کا مشہور کروڑ پتی تھا۔ لیکن ایک لگائی خواہ نے اُسے دیوالیہ کر دیا۔ گزشتہ ماہ اُس نے زندگی سے ہیزا ہو کر خودکشی کر لی۔ لیکن مرنے سے پہلے ذیل کی تحریر لکھ کر اپنی میز پر رکھ رہی تھی "میں اس وقت ابدیت و خلود کے دروازہ پر کھڑا ہوں اور دنیا کے نام اپنا آخری پیام لکھ رہا ہوں۔ میں نے زندگی پر اُس نقطہ نظر سے نگاہ ڈالی ہو، جو ایک مرنے والے انسان ہی کا نقطہ نگاہ ہوسکتا ہو!

\*\*\*

میرے قنا پذیر عقیدے میں دنیا کا قدیم مالگیر تمدن ۱۹۱۳ء (یعنی جنگ عمومی کے آغاز کی طرف اشارہ کرتا ہو) میں مر گیا۔ اس کے بعد سے اب تک جدید مالگیر تمدن کی پیدائش نہیں ہوئی ہو۔

\*\*\*

میں نے بادشاہوں کی سیرانی کی امیروں کو بے تکلفانہ اُنکے سادہ ناموں سے پکارا۔ میری ملکیت میں شاندار جہاز تھا جس پر سب پورے کرہ ارضی کی سیر کی۔ میرے اصطبل میں اسیل گھوڑوں کی صفیں بندی تھیں۔ میں تھپڑوں کا بھی مالک تھا۔ بڑی بڑی اثاثہ جاری کرنے والی کمپنیاں میں بھی میرے حصے تھے۔ میں نے عظیم انسان تجارتی کار بار کئے۔ میرا راس المال ہندوہ کروڑ پونڈ (۵۰۰ کروڑ پونڈ) تک پہنچا تھا۔ میں نے صرف ایک دن کے اندر ۵۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ نفع کمایا تھا۔ ان حالات میں، میں امید کرتا ہوں کہ سب لوگ مجھ سے اتفاق کر سکیں گے کہ مجھے زندگی کے باسے میں اظہار کا حق حاصل ہو۔

\*\*\*

"مجھ پر زندگی کے گرم ادھر، ہر طرح کے بزم گزر چکے ہیں۔ میں نے فادہ کشی کی مصیبت کا مزہ بھی چکھا ہو، اور میں نے دولت کی سرگرمی بھی محسوس کی ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو کہ تین دن کے بھوکے کا احساس کیا ہوتا ہو؟ اور مجھے یہ بھی معلوم ہو کہ دولت کی فردا دلی دل درد پر کیا اثر ڈالتی ہو؟ مجھ پر وہ وقت گزر چکا ہو جب میری کوئی آرزو بھی ایسی نہ تھی جو میری قدرت سے باہر ہو۔ میں نے وہ دن بھی دیکھے ہیں جب ہزاروں انسان اپنے پیٹ کی روٹی کے لئے میرا ہاتھ بٹھکتے تھے!

\*\*\*

"گھڑ دوڑ کے ایک دوڑ میں میں نے ۱،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ جیتے تھے لیکن ایک وقت وہ بھی محتاج تاش کی ایک بازی میں میری جیت صرف ایک شلنگ تھی! ادھندلی کے الاکھ اور غربت کا اشتہار ادنیٰ کی جیت کے الگ مالک اثر میرے دل نے محسوس کئے۔ ایک مرتبہ بنگلہ میں لندن سے واپس تک کہ اہل کی مسافت، میں نے اپنے پرچ



رہ جاتے ہیں!

آفسانہ

”میرے خیال میں جو کوئی بھی زندگی کو اس نظر سے دیکھے گا اور  
اس معیارِ نظر سے وزن کرے گا، وہ ہرگز ہیشہ کی فیدسوجانے پر  
نہیں ہو سکتا!

”لیکن، ٹھہرا مجھے اپنی زندگی کے اس آخری لمحے میں ایک نظر  
ادراٹا اٹھانے دو۔ آہ! یہ دیواروں پر میری بیوی اور میرے تینوں بچوں  
کی تصویریں آویزاں ہیں۔ یہ دیکھو، میری بیوی کی محبت و اخلاص  
سے لبریز آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہیں!  
”اُن! یہ میرے لڑکے کے سب سے ہونٹ ہل رہی ہیں۔ مجھے یاد آؤ  
سنائی دے رہی ہوں: ”بابا! یہ تم ہوا“  
”الہی! یہ میری دونوں لڑکیاں کھڑی ہیں۔ اپنی طویل پلنگوں  
کے اندر سے مجھے دیکھتی اور پردانہ شفقت کے ہوسے لڑے بڑھ رہی  
ہیں!“

”ہاں، اب میں زندگی کی مسرت محسوس کرتا ہوں!.....  
لیکن ہم اس مسرت سے بھی کیوں نہ دست بردار ہو جائیں؟

”کیا یہ حقیقت نہیں ہو کہ انسان زندگی کی تمام مصائب و آلام اپنے مجبوں کے درپردہ پنک پر جھول جاتا ہو؟“

”لیکن یہ دیکھو، میرے مجبوں کی تقدیروں پر پردہ پڑ گیا۔“

..... اب میرا سر جھکا رہا ہو۔ میرے سینے کے اندر شعلے سے جھک رہے ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہو کہ میں ایک دُکھتے ہوئے تمور پر کھڑا ہوں..... میں نے تیار میں اپنی پوری دنیا کھود دی۔ مجھے اس مصیبت کا کفارہ ادا کرنا چاہیے!

“.....“

﴿میری بیوی، میرے عزیز بچو، میرے وہ تمام دوست جو اس برکت  
 بھی میرے دل میں موجود ہوں! خدا تمہیں رکت دے! اور تمہارے ساتھ  
 ہوں! خدا کرے، تم دنیا اور دنیا کی زندگی کو اُس سے زیادہ نہ سمجھو جتنے  
 وہ فی الحقیقت ہے!﴾

م قوت تھی کہ مجرم ثابت لاسکا۔ منہ کے کھل کر کہ چلایا۔ ”غدا عفو!“  
 پنولین نے نرمی سے پوچھا۔ ”وہ اسباب کیا تھے جنہوں نے تجھے اس  
 جرم پر اکا دہ کیا؟“

مجموعہ نے تمام واقعات صحیح صحیح بتا دیے۔ اسپر مولیس نے کہا: لیکن آپس میں مصافحہ کیا ہو؟ اگر وہ دل یورپ بھر میں چاہتی ہو تو میں اپنی ممانعت کرتا ہوں تو میرا گناہ کیا ہو؟ بھاری شادی رکھنے میں نے حکم نہیں دیا۔ میں اس کے التوا کا اہل سبب ہوں۔ لیکن اگر تم مجھے کو باعث سمجھتے ہو تو میں بھی حکم دیتا ہوں کہ آج ہی بھاری شادی سے بھاری شادی ہو جائے۔ میں اپنی جیب خاص سے سوا سوا فیاض اس قریب میں پیش کرتا ہوں۔ برطانیہ اکل تم فوج کے ایک دستہ کے ساتھ اس شادی میں شریک ہونا اور میری طرف سے دلہا دہن کیساتھ جلسوں میں ملنا۔“

پھر نویں ترجم کی طر متوجہ ہوا:  
 ”اس شخص سے کہہ دو کہ میں نے معاف کر دیا۔ میں تجھے اسے کبھی  
 دہری کا مٹنی ہوں!“  
 دولت خلات توقع نہ رہا، دیکھ کر سٹوٹنگوا: دلی عہد تو رہا ہے: ✽

پیشوین سے کہا: ”آپ کا اخلاق دائمی نہایت قابلِ غرور ہے۔“ یزید نے اس دنگ سے جواب دیا: ”غرور شاہراہ ہے! میں نے تو بادشاہی کا ایک شخص معمولی مرض ادا کیا ہے کبھی کبھی کھانے کا رشتہ ہوا، تقدیر میں چرچا ہوا۔“

پبولین پر قاتلانہ حملے

یہ ابھی ابھی میدان جنگ سے آیا تھا۔ لوگ لڑائی کی خبریں پوچھ رہے تھے۔ وہ بتا رہا تھا کہ فرینسیسی فوجوں نے کس طرح اسٹریٹن فوجوں کو ہار کر ہار کر ہار کر لوی دوؤلف نے آگے بڑھ کر سوال کیا:

”نیو امین ہیں کب مشرف کرے گا؟“

سیا ہی نے تعجب سے سر اٹھا کر کہا:

”سپہ سالار کی زبانی میں نے سنا ہے کہ نیولین آج رات بالکل صبح شہر میں داخل ہوگا۔ وہ ابھی میدان جنگ کا نقشہ مرتب کرنے میں مصروف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اُس کے سلام کے لئے بہت بھین ہو۔“

”ہاں میں اُسے ایک بالکل انوکھے طریقہ سے سلام کروں گا!“

دولت نے جواب دیا!

پھر یہ شخص اپنے مکان گیا، بندوق لی، اور اسے عام براہ کمالی مکان میں پھینک بیٹھ گیا۔ صبح وہ ٹری بھینٹی سے کھڑکی میں بیٹھا پنوں کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ سورج کی کرنوں کی روشنی میں اسے دور سواروں کی صفیں نظر آئیں۔ تب آگے ایک درسیا لی قد کا سوار ابڑ ہنساڑ لپی پیسے آ رہا تھا۔ دولت نے سبھلیا کہ پنوں میں ہی جو۔ بندوق درست کر کے چھتالی لی، لیکن اس کے ہاتھ کا پنے لگے۔ قریب تھا کہ بندوق گر جائے۔ مگر اس نے اپنے تین سبھالا۔ جب پنوں میں جندار کے فاصلہ پر آگیا تو فیر کر اچالا۔ لیکن عین اسوقت اچانک، پچھے سوا ایک ہاتھ ٹرما اور اس زور سے اسے کھینچا کہ بہوش سو کر گر پڑا۔

ہیونیا ان محکمہ جاسوسی کے افسر علی کو بلا کر گفتگو کرنے لگا:

”فرامیسی فوج کے خزان کسی سازش کا توپہ نہیں چلائے“  
 ”ہاں حصہ والا! ۳۰ سازشوں سے زیادہ کا حال اب تک

معلوم ہے حکایتی

”سازش کے بانوں کا بھی کچھ تہ لگتا ہے“

”مجھ پر سب بڑا فرض شہنشاہی کی زندگی کی حفاظت کا ہو۔ میرے ایک افسر نے ابھی ابھی ایک ناعابت اندیش کو گرفتار کیا جو جھوٹے بیگونی علاقے والا تھا۔“

نیلین نے تعجب سے پوچھا:

”دہ پردیش کا باشندہ ہی آسٹریا کا؟“

”بورن ہی“ افسر نے جواب دیا۔

نیولین یہ منکر سخت متحرم ہوا:

”خوب! میں تو اس بد نصیب ملک کو آسٹریا کی غلامی سے بچانے کے لئے فرانسیسی فوج کا خون بہا رہا ہوں، اور اس کا بدلہ مجھے یہ دیا جا تا ہے کہ دھوکے سے قتل!“

اُسے مجرم کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ ۲۰ منٹ کے بعد وہ موجود تھا۔ غریب نے کھڑا تھا۔ مجرم اُس کے سامنے لا کر کھڑا کیا گیا۔ اُس کے پیٹھ پر توبیرا کا دیسید تھا۔ اچس جانب جزیل برٹ۔ نیولین نے اُسے اُنکھیں مجرم کے چہرہ پر جا دیں۔ اُن اُنکھوں میں نہیں معلوم کیا نظر لگا

پنلین ہونا پارٹ کے اخلاق پر مومضین نے جس تفصیل سے نظر ڈالی ہے  
شاہد جدید دنیا کے کسی انسان کی شخصیت اس قدر زیر بحث نہ رہی ہو۔  
پنلین نے یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں اٹل والی تھیں۔ اخلاق کے  
قانون میں اس کی ناقحانہ ادلو الغری، اخلاق کا سب سے بڑا برجمتی۔  
اداسی دہ سے مفتوح ملکوں میں اُس کی جان کے ہزاروں دشمن پیدا  
ہو گئے تھے لیکن یہ واقعہ ہے کہ اُس کی پوری زندگی میں، اس پر قلماطے  
صرف دو ہی حصے۔ حملہ اور دلول کے جذبات ہیں سمجھو چاہیں۔ اُن پر ظلم  
ہوا تھا۔ اُن کی آزادی چھینی گئی تھی۔ وہ جوش اور ہیجان قوم پرستی میں  
سب کچھ کر سکتے تھے لیکن دیکھنا یہ ہو کہ یونین نے ان کے ساتھ کیا  
سلوک کیا؟ کیا ایک مجرم کی وجہ سے سیکڑوں بے گناہ قتل کئے گئے؟ کیا  
خود مجبوروں کو اُس ہولناک طریقہ پر سزا دی گئی جو عام طور پر آج بھی  
دنیا میں رائج ہے؟ تاخیر اس کا اعتراض کرتی ہے کہ اس فراضل، لہذا  
ہمت انسان نے پوری شرافت سے دونوں تالموں کو معاف کر دینا  
چاہا، اگرچہ ان میں سے ایک نے معافی قبول نہیں کی اور موت کو ترجیح  
دی۔ یہ دونوں واقعے بہت دلچسپ اور عبرت انگیز ہیں۔

بوریہ میں حملہ

شاہ تیریا (جمنی) نے آسٹریا کے مقابل میں پولین سے مدد طلب کی تھی۔ پولین ۲۲ جولائی کو دہاں داخل ہوا۔ شاہ تیریا اُس کے ہیرو بہیلوین دے رہا تھا۔

اسوقت یورپ کے باشندوں میں اپنے ملک کی سیاسی حالت کے متعلق سخت اختلاف پائے گئے تھے۔ ایک گروہ فرانسیسی اثر پسند کرتا تھا دوسرا آسٹریا کو ترجیح دیتا تھا۔ نپولین کے آنے سے ایک دن پہلے اُس شہر کے دو آدمیوں میں ٹکرا رہو گئی۔ اُن میں سے ایک فرانس کا طرفدار تھا

دوسرا اٹلی کا۔ آخر الذکر کا نام ”لوی دولت“ تھا۔ اُس کی عمر پندرہ  
 کی تھی۔ فرانس اور یونین سے سخت نفرت کر رہا تھا۔ نفرت کی وجہ بالکل  
 معقول تھی۔ اُس کا باپ اور بھائی فرانسیسیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے  
 تھے اور ماں کو جاسوسی کے الزام میں اس قدر تکلیف دی گئی تھی کہ وہ  
 جانبر نہ ہو سکی۔ اس سے بھی زیادہ اُس کی ناراضی کا سبب یہ تھا کہ جس  
 جنگ میں ملنے کے لئے یونین کو بلایا گیا تھا، اُس کی وجہ سے اس شخص  
 کی شادی ملتوی ہو گئی تھی۔ اُسے اپنی منگیت سے غیبت و درہم بحث تھی  
 کہ یہ طرح بھی شادی میں ناخیر گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

فرزندِ کارِ انِ اسباب کی وجہ سے شخص مذکور غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اُسے اپنے ساتھی کو فرانس کی طرف ذرا سی وجہ سے زود کوٹا کیا اور صبح کھانے کی کھل بیوتن کو صدمہ قتل کر ڈالے گا۔ اُسے کہا: اگر اور وطن کا اس ظالم دشمن کے قتل کی کسی کو جرأت نہیں۔ تو میں ہم انجام دوں گا اور کم کو اس کے شیرو دشمن سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دوں گا!"

چنانچہ وہ اس ارادہ سے فوراً روانہ ہو گیا، اُسے پنڈلیں کی آمد کی تاریخ معلوم نہ تھی۔ بازو میں ایک بویرین سپاہی کے گرہ بٹھیر لگی تھی۔



**24, LAHORE, PANJAB.**

## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹالمراف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور باحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کر سکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹالمراف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وسیع تبصرہ

کرتا ہے۔

اس کا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رنٹ کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹالمراف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

## برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینیں بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

باد رکھیے۔

میروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زہنی مواد کو خشک کرنے بہترین طریقہ رہا ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کر کے مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تہوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وسیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تہوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA  
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

جلد - ربک (۱۱)  
سر ستمبر ۱۹۲۴ء

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

بلاغ پرکاش

# الہلال

ہر جمعہ دو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

|                        |            |
|------------------------|------------|
| قیمت سالانہ مع معصور   | بارہ روپیہ |
| ہندوستان سے باہر کیلئے | سولہ روپیہ |
| قیمت شش ماہی           | سات روپیہ  |
| قیمت فی پرچہ           | پانچ آنہ   |

( ۱ ) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفاظ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے۔

( ۲ ) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔

( ۳ ) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے۔

( ۴ ) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع ایڈیٹر وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔

( ۵ ) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔

( ۶ ) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں۔

( ۷ ) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے نوٹوں پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھ دیں۔

( ۸ ) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض ( مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا۔

# الْهَلَالُ

ایک ہفتہ وار موصوٰر سالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۵ - ربیع الاول ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۲

Calcutta : Friday, 2, September 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔  
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال  
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان  
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں۔

## قارئین الہلال کی آراء

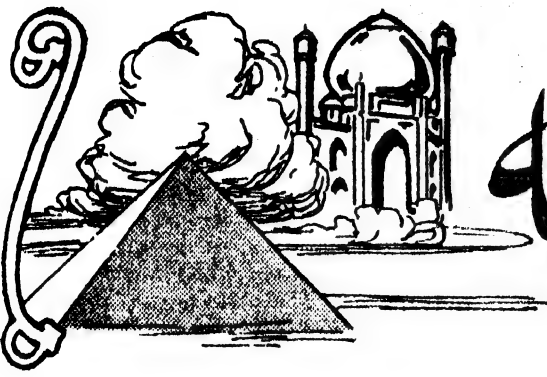
اس باری میں اس وقت تک ۸۶۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

|                              |     |                        |     |
|------------------------------|-----|------------------------|-----|
| عربی حروف کی حق میں          | ۱۱۳ | اردو حروف کی حق میں    | ۲۷۰ |
| موجودہ مشترک طباعت کی حق میں | ۱۹۶ | حروف کی حق میں بشرطیکہ |     |
| پتھر کی چھپائی کی حق میں     | ۲۱۴ | نستعلیق ہوں            | ۶۸  |

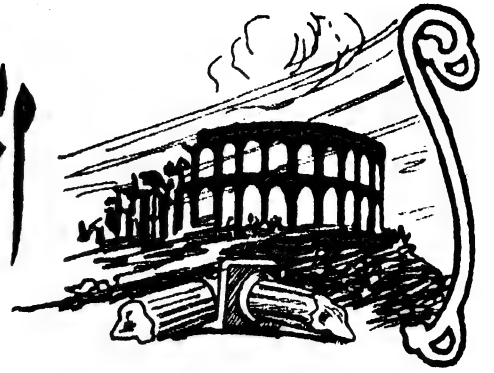
ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کرینگی مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔





# اثار عتیقہ



## سات عجائب عالم

( ۵ )

### روڈس کا عظیم بت

( The Colossus )

جزیرہ روڈس ( بحر متوسط ) میں یہ عظیم الشان اور شہرہ آفاق بت قائم تھا۔ لیکن اب اسکا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ عہد مسیحی سے سو برس پہلے ہی وہ برباد ہو چکا تھا۔ مرکب دھات کا یہ بت تکتے تکتے کر کے اس طرح بیچا گیا جس طرح پرانا لوہا بکتا ہے !

مشہور رومانی مورخ پلینی نے پہلی صدی عیسوی میں جزیرہ روڈس کی سیر کی تھی۔ وہ لکھتا ہے :

” ہر چیز سے زیادہ حیرت انگیز آفتاب کا وہ عظیم الشان بت تھا جو اس جزیرہ میں نصب تھا۔ اسے کیرس لندن نے بنایا تھا۔ یہ ستر گز ( رومانی ) بلند تھا۔ ۶۵ سال قائم رہنے کے بعد زلزلہ سے گر پڑا۔ وہ اب تک بدستور زمیں پر پڑا ہے اور دیکھنے والوں کیلئے ایک منظر حیرت ہے ! کم آدمی ایسے نکلیں گے جو بت کے ہاتھ کا انگوٹھا اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر بھی قبضہ میں لاسکیں۔ بت کی انگلیاں اتنی بڑی ہیں کہ شاید ہی اتنے بڑے مجسمے کہیں موجود ہوں۔ پنڈلیاں اتنی موٹی ہیں کہ انکے اندر لمبی گہری سرنگیں معلوم ہوتی ہیں۔ پنڈلیوں کے اندر عظیم الشان سنگی ستون تھے تاکہ پاؤں بت کے جسم کا بوجھ سنبھال سکیں “

یہ بت دراصل اپالو دیوتا کے اعزاز میں بنایا گیا تھا۔ یہ دیوتا اس جزیرہ کا معبود اور محافظ سمجھا جاتا تھا۔ کیرس بت تراش نے بارہ برس کی محنت سے اسے طیار کیا تھا۔ لیکن سنہ ۲۲۴ ق م میں زلزلہ نے اسے گرا دیا۔

اس بت کی عظمت و شہرت اس قدر عام ہو گئی تھی کہ باہر کے لوگوں میں طرح طرح کے مافوق العادۃ قصے مشہور ہو گئے تھے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ وہ جزیرہ کی خلیج پر اس طرح کھڑا ہے کہ اسکا ایک پاؤں ایک کنارے پر ہے، دوسرا دوسرے کنارے پر۔ لیکن یہ خلاف واقعہ ہے۔ دراصل یہ بت ایک برہنہ آدمی کی شکل پیش کرتا تھا اور وہ اپنے دونوں پاؤں جوڑے کھڑا تھا۔ رومن مورخ پلینی نے اسکی بلندی کی نسبت جو کچھ کہا ہے، اسکی کسی دوسرے مورخ نے تغلیط نہیں کی ہے۔ اسکی حساب سے بت کی بلندی ۱۵۰ فٹ تھی !

پورا بت مرکب دھات کا تھا۔ ٹانگیں پتھر کی تھیں، اور مرکب دھات کی چادروں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ پیروں سے سر تک ایک

اندرونی زینہ بنا تھا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ اس زینہ سے چڑھ کر روز رات کو بت کی آنکھوں میں آگ جلا دی جاتی تھی تاکہ اس کی روشنی سے جہازوں کی رہنمائی ہو۔

کہا جاتا ہے، کیرس نے بت قائم کرنے کے بعد محسوس کیا کہ اس سے ایک سخت فنی غلطی ہو گئی ہے۔ اس غلطی کی اصلاح نا ممکن تھی۔ لہذا اس نے خودکشی کر لی۔ لیکن اسکی غلطی بعد میں کسی کو بھی نظر نہیں آئی۔ یونان اور یورپی دنیا بیک زبان اس کی صنایع کا اعتراف کر رہی ہے۔

روڈس باوجود اپنی قدیم بدحالی کے اس زمانہ میں بہت دولت مند ہو گیا تھا۔ معدنی مصنوعات میں اس نے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ بابل اور مصر سے تجارت کا سلسلہ قائم تھا۔ یونانیوں نے اس کی دولت مندی دیکھ کر اس پر قبضہ کر لیا اور وہاں ایک عظیم الشان بندرگاہ تعمیر کی۔ شہر کی رونق بھی اس درجہ بڑھ گئی کہ اینٹھن کا مقابلہ کرتا تھا۔ بعد میں اسپارٹا والوں نے اسے فتح کیا۔ ان کے بعد شاہ موسولوس نے غلبہ حاصل کیا۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس کی قدر دنیا کے سات عجائب میں سے شمار ہوتی تھی اور ابھی ابھی ہم اس کے تذکرہ سے فارغ ہوئے ہیں۔

آگے چل کر ایرانیوں نے حملہ کیا۔ ایرانیوں سے سکندر اعظم نے چھینا۔ سکندر اپنی وفات کے بعد اس نے پھر اپنی آزادی حاصل کر لی اور خود مختار ہو گیا۔ یہی زمانہ اس کا سنہری زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ اس وقت بحر متوسط میں تجارت کی اصلی منڈیاں دو ہی تھیں : اسکندریہ اور روڈس۔

اس بت کی تاریخ یہ ہے کہ مصر کے ایک بطلیموس بادشاہ نے ( یعنی اس خاندان شاہی کے بادشاہ نے جو بطلیموس کے لقب سے ملقب تھے ) اپنے بھائی سے جنگ کی تھی۔ روڈس کے باشندوں نے بطلیموس کی مدد کی اور فتح دلائی۔ اس پر اس کے بھائی نے جزیرہ سے انتقام لینا چاہا اور ایک فوج گران جہازوں میں لا کر محاصرہ کر لیا۔ فوج کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ جزیرہ کی پوری آبادی اس سے کم تھی۔ اہل روڈس زبردست دشمن دیکھ کر گھبرا گئے۔ مگر بہادر تھے۔ مقابلہ کیا۔ بطلیموس کو ان کا احسان یاد تھا۔ اس نے اس مصیبت کا حال سنا تو فوراً مدد کے لیے اپنی فوج بھیج دی۔ اس طرح روڈس اپنی حفاظت میں کامیاب ہو گیا۔

اسی نجات کی یادگار میں اہل روڈس نے یہ بت بنایا تھا، اور اپنے دیوتا اپالو کو نذر دی تھی۔ بت کے بنانے میں جتنا کانسہ لگا، وہ سب دشمن سے غنیمت میں حاصل کیا گیا تھا۔

عربوں کی فتح کے زمانہ تک اس بت کے کھنڈر موجود تھے۔ یورپین مورخوں کا بیان ہے کہ انہوں نے یہ کھنڈر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دالے۔ یہودی نے اس سے تین سو تین کانسہ حاصل کیا۔

(۶)

## بابل کے معلق باغ

The Hanging Gardens of Babylon

حالات اپنی تاریخ میں لکھے ہیں۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل زمین کے مربع ٹکڑے پر قائم تھا۔ بیچ میں دریا فرات کے بہہ کر اس کے در حصے کر دیے تھے۔ ہر حصہ ۱۵ میل لائیا تھا۔ یعنی پورا شہر تیس میل کے وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا تھا۔ چاروں طرف شہر پناہ تھی۔ ۳۵۰ فٹ بلند اور ۸۷ فٹ موٹی تھی۔ اس میں پینل کے سو پھاٹک تھے۔ پھاٹکوں کے ستون اور چھتیں بھی پینل کی تھیں۔

شہر میں سب سے زیادہ شاندار 'عجیب' اور دلچسپ چیز یہ 'معلق باغ' تھی جو اس وقت سے اب تک پوری دنیا کے لیے اعجبہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ باغ پتھر کی عمارتوں پر ایک ایسے علاقہ میں نصب کیے گئے تھے، جہاں پتھر کی دیواروں کی وجہ سے نادر اور قیمتی چیز سمجھا جاتا تھا۔ بادشاہ عبادت خانوں میں بطور نذرانہ کے پتھر پیش کرتے تھے اور پرانے عبادت خانوں سے نئے عبادت خانوں میں بڑے اہتمام سے منتقل کیے جاتے تھے۔ دجلہ اور فرات کی وادی میں آج تک پتھر کی بڑی قلت ہے۔

لیکن کیا یہ باغ واقعی معلق تھے؟ اس بارے میں ایک سخت غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ حال کے بعض مورخین بھی اس غلطی سے نہ بچ سکے۔ دراصل انکا معلق ہونا محض ایک نظریہ اور مجازی وصف تھا۔ در نہ وہ معلق نہ تھے۔ قدیم یونانی اور رومانی مورخوں نے انکے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے اس کے معنی 'معلق' نہیں بلکہ منزل در منزل باغ کے ہیں۔ یہ باغ پتھر کے کئی منزله چبوتروں پر لگائے گئے تھے۔ ہر اوپر کا چبوترہ نیچے کے چبوترے سے عرض میں چھوٹا تھا۔ اس طرح تمام چبوترے بلند ہوتے ہوئے ۳۵۰ فٹ تک پہنچ گئے تھے۔

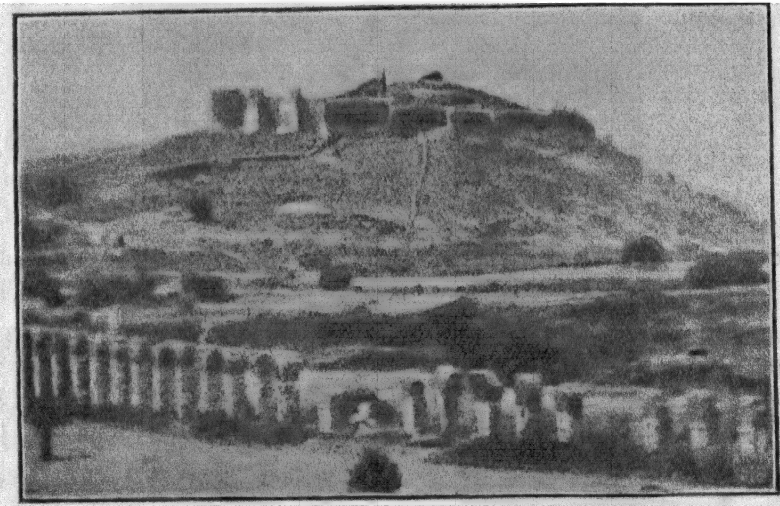
ہر چبوترہ پر اتنی مٹی جمع کی گئی تھی جتنی درختوں کی پرورش کیلئے ضروری تھی۔ پانی اوپر چڑھا کر بالائی منزل پر تالاب بنایا گیا تھا، نیچے سے اس میں جمع کر دیا جاتا تھا۔ اور اسی سے پورے باغ کی آب پاشی ہوتی تھی۔ ہر چبوترہ کی زمین یا چھت بانس سے پات دی گئی تھی۔ اس کے اوپر سیسہ پگھلا کر پھیلا دیا تھا۔ یہ احتیاط اس لیے کی گئی تھی کہ دیواروں اور بنیادوں تک نمی نہ پہنچ سکے اور باغ ہمیشہ برقرار رہیں۔ ہر طبقے یا چبوترے کے نیچے بڑے بڑے ایوان تھے اور بابل و نینوی کے بہترین سامان آرائش سے آراستہ تھے۔ ہر در طبقوں کے مابین وسیع زینے بنے ہوئے تھے۔ جسے بادشاہ، ملکہ، اور درباری ایک ساتھ اوپر نیچے آجاسکتے تھے۔

باغوں میں قسم قسم کے پھولوں، پھلوں، اور میوؤں کے خوشنما درخت لگے تھے۔ موسم بہار میں عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ ہرے بھرے درختوں کے پتے پوری عمارت چھپا لیتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ واقعی باغ ہوا میں معلق کھڑے ہیں۔ خوشبو اس قدر ہوتی تھی کہ تمام شہر معطر ہو جاتا تھا۔ خیال ہوتا تھا کہ جنت آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی ہے۔ بابل کی گرمی دیکھتے ہوئے یہ باغ

بابل، قدیم دنیا کا مشہور ترین شہر ہے۔ بہت سی قوموں اور سلطنتوں نے اسے باری باری فتح کیا اور اپنی عظمت و شوکت کا مرکز قرار دیا۔ مشہور ہے کہ اس کا اولین بادشاہ نمرود اور اس کا خاندان تھا۔ اس کی اولاد میں سب سے زیادہ شہرت 'آر' خامس کو حاصل ہوئی۔ اس کا نام اور بعض حالات ان اینٹوں پر مسماری خط میں کندہ ملے ہیں، جو حال میں زمین سے نکالی گئی ہیں۔

خاندان نمرود کے بعد ایک دوسری سلطنت کا قبضہ ہوا۔ تاریخ میں اس کا نام ایرانی سلطنت ہے۔ در سو پچیس سال اس نے حکومت کی۔ اس کے بعد ۲۲۲۵ ق م میں ایک آر سلطنت قائم ہوئی۔ اس کا نام 'ایلامی' ہے۔ اسی کے ایک بادشاہ 'کودلا امر' سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقابلہ کیا تھا اور فتحیاب ہوئے تھے۔

تقریباً سنہ ۲۰۰۰ ق م میں اس پر کلدانیوں نے قبضہ کیا اور ساڑھے چار صدی تک حکومت کرتے رہے۔ پھر اس کے بعد مصریوں کا غلبہ ہوا اور سنہ ۱۳۱۴ ق م تک حکمران رہے۔ اشوریوں نے مصریوں کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کی۔ یہاں تک کہ سنہ ۵۳۸ ق م میں کورش شاہ ایران نے ان کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اس وقت سے ایرانیوں کا دور شروع ہوتا ہے۔



سات عجائب عالم میں سے دانا کے مندر کا بقایا

پہاڑ کے نیچے جو کھنڈر نظر آ رہا ہے، یہی اس مندر کا بقایا ہے۔ اوپر ترکوں کا قلعہ ہے

بابل اور نینوی میں ہمیشہ رقابت چلی جاتی تھی۔ ایک دوسرے کی بربادی پر تلے رہتے تھے۔ سنہ ۷۴۵ ق م میں اہل نینوی نے بابل فتح کر لیا تھا۔ لیکن سنہ ۶۰۶ ق م میں بابلیوں نے ایرانیوں کی مدد سے انہیں نکال باہر کیا۔ پھر خود نینوی پر حملہ کیا اور اسے اس طرح مٹا دیا کہ اس کا نشان تک باقی نہ رہا۔ ابھی حال میں بڑی تحقیقات کے بعد پتہ چلا ہے کہ یہ قدیم شہر کس جگہ واقع تھا، کیسا عظیم الشان تھا؟ اور کس بے دردی سے برباد کر دیا گیا؟

نینوی کی بربادی کے بعد ہی بخت نصر ظاہر ہوا۔ بابل کے معلق باغ اسی نے بنائے تھے۔ ان سے مقصود صرف یہ تھا کہ اپنی بیوی کی خوش نودی اور تفریح کا سامان کرے۔

یونانی مورخ۔ ہیروڈوٹس نے لکھا ہے کہ بخت نصر نے ارادہ کیا، بابل کو از سر نو اس طرح بنائے کہ دنیا، نینوی کی شان و شوکت بھول جائے۔ چنانچہ نینوی کے قیدیوں اور معماروں سے یہ نیا شہر طیار کرایا گیا۔ خود ہیروڈوٹس نے اپنی سیاحت کے دوران میں بابل کی بھی سیر کی تھی، چنانچہ اس کے

ہو کر مصریوں نے اُسکی لاش اس میں دفن نہ ہونے دی۔ لیکن اس کے ایک کمرہ میں بادشاہ کا نام سرخ ریشائی سے لکھا ہوا پایا گیا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ مزدوروں نے پتھر پر اسکا نام تعمیر سے پہلے ہی لکھ دیا تھا۔ اگر یہ نام موجود نہ ہوتا تو دنیا ہرگز نہ جان سکتی کہ یہ عمارت کس شخص نے بنائی تھی۔

بادشاہ کا تابوت سنگ سرخ کا ہے۔ سارے سات فٹ لائبا، تین فٹ چار انچ چوڑا، اور تین فٹ چار انچ اونچا ہے۔

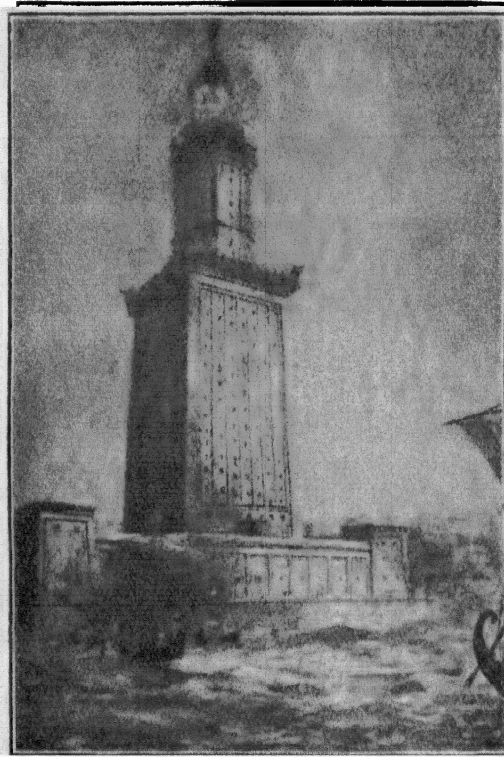
بادشاہ کے کمرے کے اوپر پانچ چھوٹے کمرے اور ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اس غرض سے بنائے گئے تھے کہ شاہی کمرہ پر سے عمارت کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ ملکہ کا کمرہ بادشاہ کے کمرے کے نیچے ہے اور اصلی راستہ سے ایک گلی اُسکی طرف جاتی ہے۔

قدیم زمانوں سے یہ بات مشہور چلی آتی تھی کہ هرم کے اندر ایک بہت بڑا خزانہ موجود ہے۔ مگر کبھی کسی کو اُسکے کھودنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ خلیفہ مامون الرشید نے البتہ کھدوانا شروع کیا تھا، مگر بعد میں معام ہو گیا کہ خزانہ کی افواہیں بے بنیاد ہیں۔

یونانی سیاح ہیروڈوٹس نے هرم کی سیڑ کی تھی اور اپنی کتاب میں اُس کا حال لکھا ہے۔

سُورج میں هرم پر چکنا پلاستر لگا ہوا تھا۔ کوئی اُس پر چڑھ نہیں سکتا تھا۔ مگر اب یہ پلاستر اُتر گیا ہے اور اُسکی چوٹی پر پہنچنا ممکن ہے۔

اس هرم کی بلندی ۴۸۱ فٹ ہے۔ شمالی جانب سے ۶۱۲ اور باقی تین طرف سے تھیک ۷۵۵ فٹ ۷- انچ لائبا ہے۔ یہ اس بات کی شہادت ہے کہ قدیم مصریوں نے عام ہندسہ میں بڑی ترقی حاصل کی تھی۔



(اسکندریہ کا شہر اُفاق منارہ)

یہ تصویر اُن تصویحات کی بنا پر بنائی گئی ہے جو قدیم سیاحوں اور مورخوں کی زبانی معلوم ہوئی ہیں۔ اسی هرم کو حاصل ہے۔

(مورخین عرب کی تحقیقات)

سات عجائب عالم کا یہ مختصر بیان تھا جو ختم ہو گیا۔ ہم نے بابل، منارہ اسکندریہ، اور اہرام کے حالات میں صرف وہی امور بیان کیے جو آخرین تحقیقات پر مبنی ہیں، اور وہ تمام تفصیلات ترک کر دیں جو غالباً اردو کے کتب و رسائل میں ترجمہ کی جا چکی ہیں۔ اب اس کے بعد ہمیں تفصیل کے ساتھ وہ تحقیقات بیان کرنی ہیں جو قدیم عرب مورخین نے کی تھی، خصوصاً بابل، اسکندریہ، اور اہرام مصر کی نسبت اُن کی تصویحات تاریخ کا نہایت قیمتی اور قابل غور موضوع بحث ہے۔

فردوس بریں کا حکم رکھتے تھے۔ یہی باعث ہے کہ اُن کا دنیا کے عجائبات میں شمار ہوا اور سارے جہان میں شہرت ہوا کی طرح پھیل گئی۔

لیکن زمانہ کے بے رحم ہاتھوں نے یہ دلفریب باغ بھی نہ چھوڑے۔ بابل کی جنس برباد ہو گئی اور شہر بھی تہہ ر بالا ہو گیا۔ صدیوں تک لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہ باغ راتع کہاں پر تھے؟ سنہ ۱۹۰۳ ع میں زمیں کھودنے پر ایسے آثار نکلے جو اُس عمارت کے خیال کیے جاتے ہیں جس پر باغ نصب تھے۔ ان باغوں کا بانی بغت نصر (بنو کد نزر) رہی بغت نصر ہے جس نے بیت المقدس برباد کر کے یہودیوں کو قید کر لیا تھا۔

(۷)

## اہرام مصر

(The Pyramids of Egypt)

دنیا کے سات عجائب میں صرف اہرام مصری ہیں جو اب تک قائم اور انقلابات زمانہ کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ مصر میں متعدد اہرام ہیں۔ مگر اُن میں سب سے زیادہ مشہور اور عجائب عالم میں شمار ہونے والا ”ہرم کبیر“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قاہرہ کی موجودہ آبادی سے ۶۸ کیلو میٹر فاصلہ پر جنوب میں واقع ہے۔ اس میں اب تک کوئی اہم تغیر نہیں ہوا ہے۔ صرف اوپر کا پلاستر اُتر گیا ہے اور چوٹی پر سے کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہے۔

یہ هرم اب سے چھ ہزار سال پہلے تعمیر ہوا تھا۔ مصر کی چوتھی سلطنت میں ایک بادشاہ نے اسے بنایا۔ ساٹھ برس اس نے حکومت کی تھی۔ مصری زبان میں اسکا نام ”خوفو“ تھا۔ یونانی اسے ”خیونس“ کہتے تھے۔ قدیم مصری ”ہرم کو“ یا ”خیوت خوفو“ کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کے معنی ہیں ”خوفو کا مقبرہ“ دراصل یہ عمارت بادشاہ نے اسی غرض سے بنائی تھی کہ مرنے کے بعد اس میں دفن ہو۔ ہرم کے مصری نام ہی سے اسکا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود ہرم کے اندر تابوت بھی ملا ہے اور اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ اصل میں یہ مقبرہ ہی تھا۔

ہرم کا دروازہ شمال کی طرف ہے۔ اس دروازہ سے ایک طویل اور تنگ سڑک نما راستے میں داخل ہوتے ہیں۔ راستہ ایک تہ خانے تک لیجاتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہی تہ خانہ قبر کیلئے مخصوص کیا گیا تھا۔ کیونکہ اسی میں تابوت رکھا ہے۔ مگر خود بادشاہ کی لاش اُس میں نہیں ملی۔ نہیں کہا جاسکتا، بادشاہ اُس میں کیوں دفن نہیں کیا گیا؟ نیز اب تک یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اُسکی اصلی قبر ہے کہاں؟ بعض مورخین کا خیال ہے کہ بادشاہ نے اس مقبرہ کے بنانے میں رعایا پر بہت ظلم کیا تھا۔ اس لیے ناراض

یہ بات کہ انسانی اجتماع کی تاریخ میں غیر شخصیت ر شاہیت، شخصیت و شاہیت پر مقدم ہے، تاریخ کی روشنی میں صاف نظر آ جاتی ہے۔ ہم دنیا کے تمدنی عہد سے جس قدر پیچھے ہٹتے جائیں گے، شاہیت اور شخصیت کا نظام مفقود ہوتا جایا، اور مشترک جماعتی نظم اپنی ابتدائی اور سادہ حالت میں کارفرما نظر آگا۔ دنیا کی جس قدر بھی غیر متقدم اور وحشی قومیں تاریخ کے علم میں آئی ہیں، ان میں ایک قوم بھی ایسی نہیں ہے جس میں شخصی شاہیت کا نظام پایا گیا ہو۔ امریکہ، افریقہ، اسٹریلیا، جزائر بحر شمال، اور قبائل گرین لینڈ کی غیر متقدم آبادیاں شخصی مالکیت و سروری سے اسی طرح نا آشنا پائی گئیں، جس طرح سکھ کے استعمال سے نا واقف تھیں۔ عرب جس وقت تک بدربانہ زندگی میں رہا، شخصی حاکمیت سے آشنا نہ ہوسکا۔ تاریخ کی روشنی میں جو ترتیب نظام حکومت کی واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صحرائی اور انفرادی معشیت میں کسی نظم کا محتاج نہ تھا۔ جب قبائل کی زندگی شروع ہوئی تو خود بخود ایک ایسا سادہ اور بسیط نظم پیدا ہو گیا، جیسا آج کل بھی دیہاتی پنچائتوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ بستنی کے بڑے بڑے کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے اور تمام جھگڑے اور قصے چکا دیے۔ اس طریق کار سے رفتہ رفتہ قبائل کی سرداری کا منصب پیدا ہو گیا۔ انہی سرداروں نے آگے چل کر اپنے دشمن قبائل کو زیر کرنا اور غلام بنا کر رکھنا شروع کر دیا، اور اسی سے شخصی مالکیت کی بنیاد پڑ گئی۔

شخصی مالکیت اور شاہیت کی بنیاد قاہرانہ قوی کے استعمال اور جبر و تعدی کی ہولناکیوں سے پڑی تھی۔ یہ سرتاسر انسان کے سلبی اور تخریبی صفات تھے۔ ایجابی و تعمیری نہ تھے۔ البتہ آگے چل کر عفو و بخشش اور عطاؤ نوال کے اوصاف کی بھی گنجائش نکل آئی۔ لیکن چونکہ شاہیت کا مایہ خمیر ہیبت و قہر تھا، اس لیے غلبہ ہمیشہ اسی قسم کے صفات کا رہا۔ رحم و بخشش کے اوصاف اس درجہ بڑھ نہ سکے کہ شاہی قہر و جلال کی ہیبت و سطوت میں خلل انداز ہوسکتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ارل دن سے شاہیت کا تصور سرتاسر ہیبت و قہر کا تصور ہو گیا۔ یہ بات انسان کے تخیل میں جم گئی کہ جس قدر ایک پادشاہ زیادہ پر ہیبت اور قہرمان ہوگا، اتنی ہی اُس کی شاہیت زیادہ مقتدر اور مسلم ہوگی!

ضروری تھا کہ شاہیت کے اس تصور سے انسان کا تصور الہی بھی متاثر ہوتا، کیوں کہ دونوں میں مماثلت کی نسبت پیدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دوسرے دور میں یہ مماثلت بھی صفات قہر و جلال کے استغراق کا ایک قوی باعث ہو گئی اور انسان کا تصور رحمت و جمال کی طرف تیز قدم نہ اٹھا سکا۔ ٹھیک ٹھیک شاہیت و مالکیت کے تصور کی طرح، خدا کے تصور میں بھی تمام قاہرانہ اوصاف نمایاں ہیں، اور جس طرح رحمت و جمال کا عنصر شاہیت کے تصور میں مغلوب اور کمزور ہے، اسی طرح اکرہیت کے تصور میں بھی زیادہ نہیں اُبھر سکتا۔ پھر جوں جوں شاہیت کے مزاج و اوصاف میں رقیق و لطیف جذبات کا عنصر بڑھنے لگتا ہے، تصور الہی میں بھی اس جانب ترقی ہونے لگتی ہے۔ شاہیت کا ابتدائی اور عالمگیر تصور یہ تھا کہ وہ ایک ایسا وجود ہے جس سے ہمیشہ ڈرتے اور لرزتے رہنا چاہیے۔ اُس کا غضب بے پناہ، اور اس کی ہولناکی لا علاج ہے۔ وہ ایک ادنیٰ سی لغزش پر قتل کردالتا اور ایک ذرا سی خطا پر گھرے گھرے کر دالتا ہے۔ البتہ



## تفسیر سورہ فاتحہ کا ایک صفحہ

تصور الہی کی تکمیل

اور

اس کا سلسلہ ارتقا

(۳)

(شاہیت اور الوہیت کے تشابہ کے نتائج)

شاہیت اور الوہیت کے اس لازم و تشابہ نے انسان کے تصور الہی پر جو گہرہ اور دور رس اثر ڈالا ہے، اُس کا اندازہ سرسری مطالعہ سے نہیں ہو سکتا۔ ضروری ہے کہ تصور الہی کے ایک ایک جز اور ایک ایک عنصر پر نظر ڈالی جائے، اور اُسکی امتزاجی اور خمیری حالت کی تحلیل کی جائے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل نقاط خصوصیت کے ساتھ قابل غور ہیں:

(۱) انسان کی معیشت کی تاریخ میں نظام و حکومت کی ابتدا جمہوریت کے عنصر سے ہوئی ہے، نہ کہ شاہیت و مالکیت کے عنصر سے۔

یہاں لفظ ”جمہوریت“ سے مقصود جمہوری نظام حکومت نہیں ہے، بلکہ جمہوریت کی وہ سادہ اور عنصری حالت مراد ہے جب کسی ایک شخص کو مالکانہ و حاکمانہ اقتدار حاصل نہ تھا۔ ایک سے زیادہ آدمی مل جل کر اپنے معاملات کا انتظام کر لیا کرتے تھے۔ یہ بات کہ کسی خاص فرد کو مالکیت و فرمان روائی کا اختیار حاصل نہ ہو کہ جو چاہے حکم دے اور جس طرح چاہے اپنے ماتحتوں کے معاملات معیشت کا فیصلہ کرے، بلکہ مساویانہ طریقہ پر لوگ مل جل کر اپنی ضروریات نظم و اجتماع کا انتظام کریں، جمہوریت کا اصلی عنصر ہے، اور یہی عنصری حالت یہاں مقصود ہے۔

شخصی مالکیت اور شاہیت انسانی اجتماع کی ایک غیر طبعی حالت ہے جو اُس وقت پیدا ہوئی، جب طاقتور افراد نے کمزور افراد کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انہیں اپنا مطیع و مقاد بنانا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ زیادہ طاقتور فرد کو کم طاقتور افراد سے غلامی و چاکری کرانے کا حق حاصل ہے۔ پھر جوں جوں تمدن و شہریت میں ترقی ہوتی گئی، مالکانہ قبضہ و تصرف بھی زیادہ خوش اسلوب اور منظم ہوتا گیا، یہاں تک کہ شاہیت و حکمرانی کا نظام پیدا ہو گیا۔

مسئولیت کا نتیجہ ہے۔ چونکہ خدا کے تصور میں بھی شہادت کی مماثلت کارگر ہو چکی تھی، اس لیے اس میں بھی یہی شان پیدا کر دی گئی۔

(۴) حکومت بالوسائط، یعنی خالق حقیقی سے کائنات ہستی کا تعلق براہ راست نہیں ہے۔ درمیان میں وسائل و رسائل ہیں۔ خدا انہی کے ذریعہ تمام کارخانہ وجود چلا رہا ہے، اسی تشابہ کا ایک نہایت گہرا اور دور رس نتیجہ ہے۔

(۵) تصور الہی کا یہ قدیم اور راسخ اعتقاد کہ بخشش معامی کیلئے جسم انسانی کی تعذیب ضروری ہے، بغیر اس کے خدا کی خوشنودی حاصل نہیں ہو سکتی، اسی تشابہ کے برگ و بار میں سے ہے۔ غضب ناک اور مطلق العنان پادشاہ چہرے چہرے قصور پر سخت سخت سزائیں دیدیتے تھے، اور جب تک سزا واقع نہیں ہو جاتی تھی، اُن کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ یہی بات خدا کے تصور میں بھی پیدا ہو گئی۔ انسان نے دیکھا کہ آسمانی جسمانی عقوبت، اُس کے شاہی مالکوں کا غضب ٹھنڈا کر دیتی ہے، اس لیے اُس نے خیال کیا کہ اُس کے آسمانی خدائوں کے اطفاء غضب کیلئے بھی ضروری ہے کہ طرح طرح کی جسمانی عقوبتیں اور اذیتیں برداشت کرے۔ قربانی کی شکل میں یہی چیز قتل نفس تک پہنچ گئی۔ انسان اپنے ہم جنس کو، اپنی اولاد کو، خود اپنے آپ کو عفر قصور اور حصول رضاء الہی کیلئے قتل کرنے لگا۔

(۶) خدا کے تصور کا ایک نہایت اہم پہلو اُس کی معبودیت کا اعتقاد ہے۔ یعنی یہ کہ اُس کی عبادت کرنی چاہیے۔ لیکن عبادت کیوں کرنی چاہیے؟ اِس کا صحیح جواب ذہن انسانی کی نارسا استعداد معلوم نہ کر سکی۔ خدا کا تصور کرتے ہوئے اس نے صرف اُس کی صفات قہر و جلال ہی کا نظارہ کیا تھا، اس لیے عبادت کی بنیاد خوف و دہشت کے جذبات سے پڑی تھی، نہ کہ محبت و عبودیت سے۔ اُس نے خدا کو ایک خوفناک ہستی کی شکل میں دیکھا تھا، اس لیے اُس کے غضب سے بچنے کے لیے اُس کی خوشامد کرنی چاہتا تھا۔ شاہیت و آلہیت کے تشابہ سے یہ تخیل اور زیادہ راسخ و محکم ہو گیا۔ مطلق العنان اور قہرمان شاہیت بھی ہر انسان سے غلامی و چاکری کراتی تھی، اور لوگ اپنے دل کی خوشنودی سے نہیں بلکہ سزا کے خوف سے اُن کی خدمت و اطاعت کرتے تھے۔ نیز اُن کے ہیجان غضب سے بچنے کیلئے طرح طرح کے نذرانے اور تحفے پیش کرتے تھے۔ خدا کی معبودیت کی بھی ٹھیک ٹھیک یہی نوعیت تھی۔ جس طرح انسان اپنے تخت نشین حاکموں کی چاکری کرتا تھا، تاکہ اُن کے ظلم و قہر سے بچے، اُسی طرح وہ اپنے آسمان نشین کارسازوں کی بھی بندگی کرتا، تاکہ اُن کے غضب و جلال کا نغمانہ نہ بنے۔ جس طرح وہ اپنے پادشاہوں کو طرح طرح کے نذرانے پیش کرتا تھا تاکہ وہ خوش ہو کر مہربان ہو جائیں، اُسی طرح وہ اپنے خداؤں کے لیے بھی طرح طرح کے نذرانے تجویز کرتا تاکہ وہ مہربان ہو کر اُس کی التجائیں سن لیں۔

(دوسرے دور کا منتہا بلوغ)

اس دور کی منتہا ترقی یہ تھی کہ بہ تدریج صفات رحمت و جمال کا عنصر جو ابتدا میں بہت ہی دھیمّا تھا، اس درجہ ابھر آیا کہ صفات سلطیہ کی طرح صفات ایجابیہ کا بھی بالاستقلال تصور قائم ہو گیا۔ ہندوستان اور مصر میں علم، محبت، درل، نسل، اور رزق کے بھی دیوتا اُسی طرح پیدا ہو گئے، جس طرح ہلاکت اور بربادی کے بے شمار دیوتا موجود تھے۔ ہندوستان کی سرسوتی، لکشمی، اور درگا وغیرہ کی مرتبیاں آج تک ہمارے سامنے سے گذرتی ہیں۔

گاہ گاہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی طبعیت رحم و کرم پر آجاتی ہے، اور وہ بخشش بھی دیتا ہے اور مالا مال بھی کر دیتا ہے۔ بعینہ یہی تصور خدا کا بھی تھا۔ اور اس لیے خدا کی صفات رحمت و جمال کی نسبت جو کچھ بھی سمجھا جاتا تھا، وہ اس سے زیادہ نہ تھا، جیسا ایک پر ہیبت بادشاہ کی نسبت سمجھا جاسکتا ہے۔

(۲) صفات الہی کے تصور کا ایک نازک اور دقیق پہلو یہ ہے کہ خدا کے افعال کیلئے کوئی مقصد و غایت ہونی چاہیے یا نہیں؟ اس لحاظ سے افعال الہی کی دو ہی نوعیتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے تمام افعال بغیر کسی غایت اور حکمت کے ہیں۔ ایک یہ کہ اُس کا ہر فعل کسی مقصد اور حکمت پر مبنی ہے۔ شاہیت اور الوہیت کے تشابہ کا اثر تصور الہی کے اس گوشہ پر بھی پڑا۔ انسان ہزاروں برس تک خدا کے افعال بھی اُسی رنگ و روپ میں دیکھتا رہا، جسمیں اپنے چاندی سونے کے تخت پر بیٹھنے والوں کو دیکھتا تھا۔ وہ ”قدرت“ کے ساتھ ”حکمت“ جمع نہیں کر سکا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ حکمت اور مقصد کی رعایت دلیل عاجز ہے۔ یہ علم انسانوں کیلئے ضروری ہے جو اپنے حاکموں اور پادشاہوں کے سامنے جوابدہ ہیں، لیکن ایک پادشاہ جو کسی کے سامنے جوابدہ نہیں، حکمت و غایت کی رعایت سے مارا رہے۔ ایک پادشاہ جس قدر زیادہ طاقتور اور زیادہ اونچے قسم کا ہوگا، اُن کے اعمال زیادہ مطلق العنان، زیادہ بے ترتیب، زیادہ بے مصلحت، زیادہ بے معنی ہونگے۔ وہ بغیر کسی سبب و موجب کے ہزاروں آدمی قتل کر دالگا۔ بغیر کسی مصلحت کے عمارتیں ڈھا دیگا، بغیر کسی ضرورت کے نئی عمارتیں کھڑی کر دیگا۔ ہو سکتا ہے کہ محض اتنی سی بات دیکھنے کیلئے کہ رات کی تاریکی میں آنسوؤں کی تماشہ کیسا ہوتا ہے؟ وہ ایک پورا آباد شہر جلا ڈالے!

یہ جو ہندوستان، مصر، یونان، وغیرہ قدیم متمدن ممالک کی دیوبانی کہانیوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دیوتاؤں کے جس قدر بھی اعمال دکھلائے ہیں، وہ سب اُسی نوعیت کے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چند انسان ہر طرح کی طاقت اور اختیار پا کر بے قابو ہو گئے ہیں اور طاقت اور اختیار سے کہیلنے لگے ہیں۔ محض اس لیے کہ وہ طاقت رکھتے ہیں، اپنی اپنی طاقتیں لہو و لعب کی طرح بلا ضرورت استعمال میں لاتے ہیں، اور ان کی اس کہیل کرد سے کائنات ہستی کے ہزاروں کارخانے بننے بگڑنے لگتے ہیں، تو اس چیز کے اندر بھی شاہی و مالکی مزاج کام کر رہا ہے۔ پادشاہوں کی زندگی اُسی ہی تھی، اس لیے دیوتاؤں کے تصور میں بھی اُسی کا عکس نمایاں ہو گیا۔

تصور الہی کے اس دور کے بعد اگرچہ تصور کے تمام اجزاء میں ترقی ہو گئی تھی، لیکن چونکہ شاہیت اور الوہیت کا تشابہ راسخ ہو چکا تھا، اس لیے ترقی کی ہر منزل میں شاہیت ہی کی قسم کا تصور قائم ہوتا رہا۔ اُس سے الگ نہ ہو سکا۔

(۳) یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ تمام قدیم اقوام کے الہی تصرّات میں، باوجودیکہ وہ تمدن و شایستگی کے بڑے بڑے درجے طے کر چکی تھیں، ادنیٰ درجہ کے حیوانی اور بہیمی افعال کے تخیلات سے کسی طرح کا اجتناب نہیں پایا جاتا، تو اس میں بھی بہت حد تک اُسی تشابہ کو دخل ہے۔ بلا شبہ ان تخیلات کی بنیاد جمیعت بشریہ کے عہد طفولیت میں پڑی تھی جبکہ ذہن انسانی بالکل ناتراشیدہ حالت میں تھا، لیکن عہد تمدن میں کیرن یہ تخیلات بالکل منورک نہیں ہو گئے؟ اس کی علت یہی ہے کہ شاہیت اور الوہیت کے تشابہ نے یہ اعتقاد پیدا کر دیا تھا کہ شاہیت و خدانہدیس کیلئے اس قسم کی زندگی نقائص کا موجب نہیں ہے، بوائی اور غیر



تضاد کی مشکل حل کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آراستہ کرتا ہے جو خالق حقیقی کے صفات کو اس کے برابر کر دیتا ہے۔ قوت خیر اور قوت شر یعنی "یزدان" اور "اھرمز" تمام ایجابی اور جمالی صفات یزدان کے حصے میں آتی ہیں اور تمام سلبی اور قہری صفات اھرمز کے حصے میں۔ یزدان ہی تعمیری صفت بذاتِ چاہتی ہے۔ اھرمز کی تخریبی صفت بگاڑنا چاہتی ہے۔ گویا کون و فساد کی دشا کش ادنیٰ مذہب ازلیت میں ہر متضاد کارفرماؤں کی کشمکش پر ختم ہوتی ہے۔

غرضکہ اس دور کے آخری عہد میں بہ حیثیت مجموعی ذہن انسانی نے ایک ایسی مزاجی استعداد پیدا کر لی تھی کہ وہ صفات سلبیہ کے ساتھ صفات ایجابیہ کا بھی بالاستقلال تصور کر سکتا تھا۔ البتہ غلبہ اب بھی صفات سلبیہ ہی کے تصور کا تھا۔ تصور الہی کے اس بنیادی نقطہ میں کہ عبادت کی اصل خدا کے غضب و قہر سے بچنا ہے، نہ کہ اسے چاہنا اور اس سے نزدیک ہونا، کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ پس گو اس عہد میں انسان خدا کی رحمت و جمال کا نظارہ کرے لگا، لیکن اس کے ذہن پر تسلط خدا کے قہر و غضب کے خوف ہی کا تھا۔ جمال و رحمت کی شیونگی کا نہ تھا۔ اس منزل تک پہنچنے کیلئے اسے ابھی کئی ارتقائی منزلیں طے کرنی تھیں۔ مذہبی اعمال میں تمام تر دارومدار قربانی اور اسکی بے شمار اقسام پر تھا۔ علم و حکمت اور رزق و بخشش ہی کا دیوتا کیوں نہ ہو، لیکن بغیر قتل و ہلاکت ہی بہیشت کے خوش نہیں ہو سکتا تھا۔ مذہبی اور معبدی رسوم کی کارفرما جماعتیں (یعنی مندروں کے پجاریوں، معلموں، رہنماؤں کی جماعتیں) صدیوں سے ایک طاقتور نظام کی شکل میں قائم ہو چکی تھیں۔ ان کے اقتدار و بالا دستی کا اعتقاد مذہبی عقائد کا سب سے زیادہ ضروری عنصر بن گیا تھا۔ ان معبدی اور اصنامی جماعتوں کے نظام کے قیام کے بھی انسان کے دینی عقائد ہی تاریخ میں بہت بڑا حصہ لیا۔ عوام پر ان کا اقتدار جن وسائل سے قائم رہ سکتا تھا، ان میں سب سے زیادہ موثر چیز یہی مذہبی قسم کا خوف اور آسمانی قسم کی دہشت انگیزی تھی۔ اس لیے یہ جماعتیں قدرتی طور پر آسمانی قہر و غضب کی دائمی مبلغ بن گئی تھیں۔ اور انسانی دماغ کو خوف و دہشت سے الگ ہو کر خدا کے طرف نظر اٹھانے کی مہات ہی نہیں ملتی تھی۔ جن لوگوں نے مصر، ہندوستان، اور یونان کی معبدی جماعتوں کے حالات کا مطالعہ کیا ہے، وہ اندازہ کر سکیں گے کہ اس عہد کے دہشت انگیز دینی موثرات میں یہ چیز کس درجہ قوی و فعال رہی ہے؟ اس دور کے اس آخری عہد میں پہنچ کر ہمارے لیے ممکن ہو جاتا ہے کہ سنیں و ایام کے موجودہ حسابات سے اس کا زمانہ متعین کر سکیں۔ یہ تقریباً سنہ ۱۷۰۰ قبل مسیح (ع) کا زمانہ ہے۔ اس عہد کے کچھ عرصے بعد سامی دعوت کے قیام و اشاعت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔

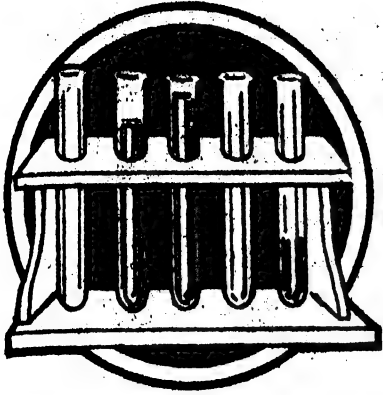
(سامی دعوت کا ظہور)

۲۔ سامی دعوت سے مقصد تورات کی دعوت ہے۔ تورات کے ظہور کا زمانہ تقریباً (تقریباً اس لیے کہ ایام و سنیں کے صحیح تعین میں متعدد تاریخی اور ہئیتی اختلافات حائل ہیں) ۱۶۴۵ - قبل مسیح ہے۔ تورات کے عبرانی سنیں کی جو تقویم آجکل کے علماء فن کے مرقب کی ہے، بعینہ رہی ہے جو ابروہان ییرونی وغیرہ عرب محققین زیم و تقاریم نے مرتب کی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کا مصر سے خروج مندرجہ صدر سنہ میں ہوا تھا۔ اس لیے تقریباً یہی زمانہ حضرة موسیٰ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ظہور اور تورات کے نازل و دعوت کا زمانہ ہے۔

مصر میں "ہرمس" میں (اور ہرمس Hermes یونانیوں کا بھی معبود تھا) علم و حکمت کے تمام ابتدائی سرچشمے دیکھے (۱) بابل کے جو علم ہئیت کے کشف و ترقی کا سب سے پہلا سرچشمہ ہے، آسمان کے اوزار الوہیت میں سورج کا قہر اور مریخ کی خون آشام تلوار دیکھی تھی۔ اب زہرہ کی مسکراہٹ اور عطارد کی حکمت و دانائی کی سنجدہ صورت کا بھی تماشا مل گیا۔ یونان کی فکری لطافت اور وسعت تخیل نے اس میں آرزو زادہ نظم و اسلوب پیدا کیا۔ عشق و محبت، علم و حکمت، صلح و امن، زراعت و پیداوار، مال و دولت، سب کے آسمانی کارساز الگ الگ جلوہ فرما ہو گئے، اور انکی چوہئیں صفات، جمالیہ کے حاجت مندوں کا قبلہ عبادت بن گئیں۔ مصر، ہندوستان، اور یونان میں بابل کی کواکب پرستی کی دعوت پہنچ چکی تھی، اس لیے ان دیوتاؤں کا تخیل زیادہ تر اجرام سماویہ ہی کے تعبدانہ مشاہدہ میں پیدا ہوا۔

ایران جو دنیائے قدیم کے ادیان و ملل میں اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے غیر معمولی امتیاز رکھتا ہے، اور جس کے باوجود مظاہر پرستی کے انہماک کے، اصنامی پرستش کے تخیل سے ہمیشہ گریز کیا، اس بارے میں ایک بالکل مختلف نوعیت کا تخیل قائم کرتا ہے، اور ثنویت کے ذریعہ صفات قہر و جلال اور رحمت و جمال کے

(۱) ہرمس کے بارے میں بعض مورخین کو سخت غلط فہمی ہوئی ہے، اور انکی تقلید سے زمانہ حال کے بعض مفسشرین یورپ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ چونکہ یونان اور مصریوں کے عقیدے میں ہرمس علم و حکمت کا دیوتا تھا، اس لیے متاخرین حکماء نے اکثر علوم و فنون کی ابتدا اسکی طرف منسوب کر دی تھی، اور بعض کتابوں میں علوم کا تذکرہ اس طرح شروع کیا گیا تھا، گویا ہرمس کا الہام ربانی بیان کر رہا ہے۔ جب ان کتابوں کا عہد عباسیہ میں ترجمہ ہوا، تو بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ ہرمس یونان و مصر کے حکماء میں سے کوئی حکیم ہے۔ پھر کوشش کی گئی کہ اس کا زمانہ متعین کیا جائے۔ بعضوں نے اسکا زمانہ ایسا متعین کیا جو حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ہرمس اور ادریس ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ تورات میں جس کا خروج کا ذکر آیا ہے، وہی یونانیوں کے یہاں ہرمس کے نام سے مشہور ہے۔ بعضوں نے دیکھا کہ ہرمس کا تذکرہ مختلف زمانوں میں پایا جاتا ہے۔ اس لیے انہوں نے تطبیق کی یہ صورت نکالی کہ تین ہرمس فرض کر لیے: کبیر، درمیانی، صغیر۔ حالانکہ سرے سے ہرمس نامی کسی انسان کا وجود ہی ثابت نہیں۔ وہ محض ایک خیالی شخصیت ہے۔ جیسی شخصیت ہندوستان میں نظام و حکمت کے لیے بیاس جی کی فرض کر لی گئی ہے۔ ابن الندیم نے فہرست میں (صفحہ ۲۹۷ و ۳۱۳) جمال الدین قفطی نے تاریخ الحکماء میں (صفحہ ۳۴۶) اور ابن ابی اصبیحہ نے عیون الانباء میں (جلد ۱ - صفحہ ۱۶) ہرمس کی نسبت جو کچھ لکھا ہے، وہ اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ ہرمس حکیم کے نام سے جو کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں، زیادہ تر قدیم فن کیمیا اور احکام نجوم کی کتابیں ہیں۔ رمل کے ابتدائی خطوط بھی اسی کے طرف منسوب ہیں۔ البتہ ییرونی اور جمری کی بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ فن ہئیتہ و زیم میں بھی اس کے بعض رسائل ترجمہ کیے گئے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ دنیا کی سات اقلیموں والی تقسیم جو ایران کے "ہفت کشور" سے لی گئی تھی، محمد بن ابراہیم فزاری نے اسی کے طرف منسوب کی ہے (معجم البلدان جلد ۱ - صفحہ ۲۶)



# مذاکرہ علمیہ



## لاسکی کا راز

— — —

لاسکی (بے تار کی تار برقی) کی دنیا میں بہت سے ایسے راز ہیں جنہیں علم اب تک حل نہیں کر سکا ہے۔

\*\*\*

مثلاً یہ کہ لاسکی لہریں 'ریشنی سے زیادہ اندھیرے میں تیز چلتی ہیں۔ لاسکی سے خفیف سی بھی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ دن سے زیادہ رات میں اُس کی آواز بلند ہوتی ہے۔ غروب کے بعد لاسکی لہروں کی رفتار تقریباً دہائی ہو جاتی ہے۔

علماء اس مسئلہ کے قطعی حل سے اب تک عاجز ہیں۔ بہترین توجیہ جو کی گئی ہے یہ ہے کہ نور اور حرارت کا لاسکی لہروں سے گہرا علاقہ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں اُن موجوں سے پیدا ہوتی ہیں جو اثر (ایثر) میں نہایت ہی غیر معمولی سرعت سے بہتی ہیں۔ ان موجوں اور خورد اثر کی موجوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ اول الذکر آخر الذکر سے بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ سطح زمین سے جو اثر محیط ہے 'وہ دن میں نور و حرارت کی اُن موجوں سے لبریز ہوتا ہے جو سورج سے منفصل ہوتی ہیں۔ یہ موجیں 'اثر کی موجوں میں سخت اضطراب پیدا کر دیتی ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آواز میں بھی اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اثر ہی کے ذریعہ منتقل ہوتی ہیں۔

یہ صرف دن ہی میں ہوتا ہے 'جبکہ نور و حرارت کی موجیں اثر میں موجود ہوتی ہیں۔ رات کو چونکہ اثر اُسے خالی ہوتا ہے 'اس لئے اُسکی موجوں میں اضطراب پیدا نہیں ہوتا 'اور چونکہ اُسکی موجوں میں اضطراب پیدا نہیں ہوتا 'اس لیے آواز بھی صاف اور بلند سنائی دیتی ہے۔

\*\*\*

لاسکی کا یہ راز بھی عجیب ہے کہ اُسکی موجیں ہمیشہ قوسی خط پر چلتی ہیں۔ گویا زمین کی قوسی سطح کے مطابق اپنا راستہ بناتی ہیں۔ لیکن نور و حرارت کی موجوں کا یہ حال نہیں ہے۔ وہ خط مستقیم پر بہتی ہیں۔ ثبوت یہ ہے کہ مثلاً ایک منارہ تمہیں تیس میل کی مسافت پر سے دکھائی نہیں دیتا۔ اسکی درجہیں ہیں : ایک یہ کہ زمین گول ہے اور اُسکی سطح قوسی شکل کی ہے 'لہذا دور کی بلندیوں افق میں چھپ جاتی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نور کی شعاعیں خط مستقیم پر پھیلتی ہیں اور افق میں چھپی ہوئی بلندیوں ظاہر نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اسے لاسکی موجیں پورے نصف کرہ ارضی تک پھیلائی جاسکتی ہیں ' کیونکہ وہ زمین کی سطح کے مطابق چلتی ہیں۔

اس کی تعلیل علماء کے ایک گروہ نے یہ کی ہے کہ لاسکی لہروں کی رفتار 'اُس غبار کے ذرات یا اثر کی وجہ سے قوسی ہو جاتی ہے جو کرہ ارضی کی فضا میں منتشر اور اُس سے محیط ہے۔ اُنکا خیال ہے کہ یہ لہریں جب لاسکی آلہ سے نکلتی ہیں تو ایک عظیم قوت کے ساتھ بلند ہونا شروع ہوتی ہیں 'یہاں تک کہ زمین سے محیط غباری طبقہ تک پہنچ جاتی ہیں۔ پھر وہاں سے لوٹتی ہیں اور اُسی طرح زمین پر منعکس ہوتی ہیں 'جس طرح آئینہ سے نور منعکس ہوتا ہے۔ یہ عمل برابر جاری رہتا ہے۔ گویا یہ لہریں فضا میں پراگندہ ہونے کے لیے بھاگتی ہیں مگر غباری ذرے انہیں واپس کر دیتے ہیں !

لیکن علماء کا ایک دوسرا گروہ اثر کے وجود ہی سے منکر ہے۔ اُسکا دعویٰ یہ ہے کہ جن لہروں کو ہم لاسکی کہتے ہیں 'وہ فضا میں نہیں بلند ہوتیں۔ زمین ہی پر بہتی ہیں۔

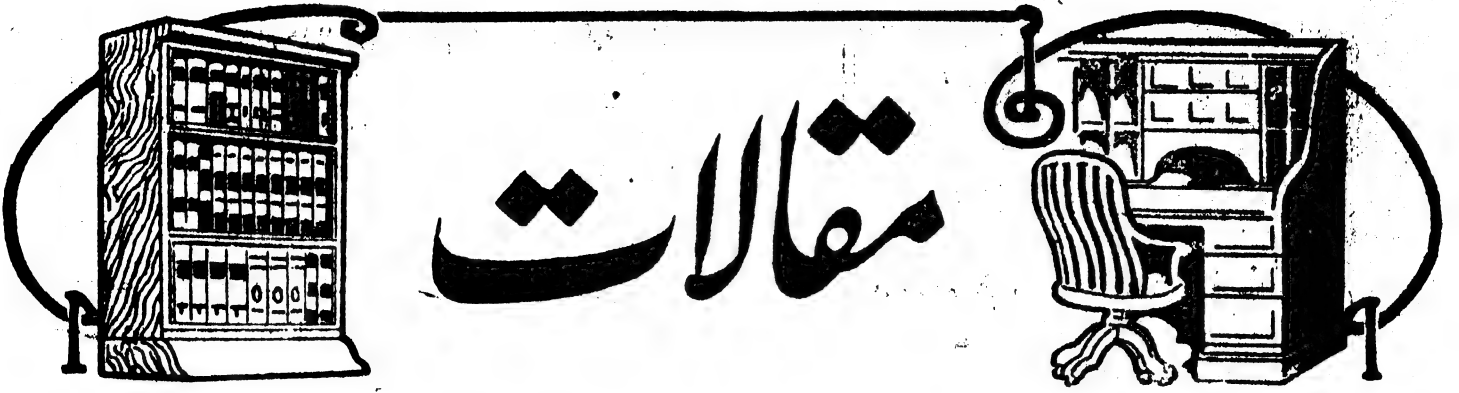
\*\*\*

یہ لاسکی راز بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ بعض علاقوں میں قوی سے قوی لاسکی آواز بھی ظاہر نہیں ہوتی۔ یا بہت ہی دھیمی سنائی جاتی ہے۔ یہ علاقے اس فن کی اصطلاح میں 'خاموش علاقے' یا 'موت کے علاقے' کہلاتے ہیں۔ ایک امریکی عالم لاسکی کا بیان ہے کہ وہ ایک مرتبہ لاسکی آلہ لیکر شمال کی سمت روانہ ہوا تا کہ اس علم پر تقریریں کرے۔ لیکن وہ جوں جوں شمال کی طرف بڑھتا گیا 'اُسکا آلہ بھی کمزور پڑتا گیا۔ اُسے خیال ہوا کہ شاید آلہ میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ نیا آلہ خرید لیا۔ مگر اُسکی آواز بھی دھیمی ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ایک ایسے شہر میں پہنچا 'جہاں آلہ سے مطلقاً کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ وہ سخت متعجب ہوا اور کوئی سبب سمجھ نہ سکا۔ مگر برابر سفر کرتا رہا 'یہاں تک کہ آلہ سے آواز پیدا ہونا اور بڑھنا شروع ہو گئی۔ بعد میں اُسے معلوم ہوا کہ آلہ میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی تھی 'بلکہ 'موت کے علاقے' نے اُسے معطل کر دیا تھا۔

\*\*\*

یہ 'اور اُسی طرح کے بعض اور لاسکی معے ہیں جنہیں علم اب تک پوری طرح حل نہیں کر سکا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ معے حل ہو جائیں 'لیکن علم انسانی کے معے اور کائنات ہستی کے راز کبھی حل نہ ہو سکیں گے۔ انسان دس معے سلجھاتا ہے 'تر سوئے معے اُس کے اضطراب عجز کے لیے پیدا ہو جاتے ہیں۔ انسان کے لیے اب سے ہزاروں برس پیشتر بھی علم کے معے تھے 'اب بھی معے ہیں 'اور شاید آئندہ بھی ہمیشہ معے باقی رہیں گے :

وما ازینکم من العلم الا قلیلا۔



## مقرر یا سیاسی ؟

( سیاست سے پہلے تربیت )

( مقتبس از بعض رسائل مصر )

ڈیرک رلنگٹن مقرر نہ تھا ، بلکہ اپنی کم سخنی کی وجہ سے " خاموش " کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا ۔ تاہم " آہنی " کہلاتا تھا ، کیونکہ آسنے جنگ میں نپولین جیسے فاتح کو تباہ کیا اور حالت امن میں محض اپنی اخلاقی قوت سے اپنے تمام مخالف زیر کر لیں ۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ خاموش رلنگٹن کا مرتبہ مقرر گلیڈسٹون سے کم تھا ۔

ہم قوت خطابت کی اہمیت گہنائی نہیں چاہتے ۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قوت خدا کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت اور قوموں کی اجتماعی زندگی میں ایک ضروری عامل ہے ۔ لیکن ہم اپنی قوم کا یہ اعتقاد غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ " تقریر ہی سب کچھ ہے " جس کی تقریر موثر ہوتی ہے ، اُسے سب کچھ سمجھا جاتا ہے ، اور جس کی تقریر کمزور ہوتی ہے ، اُسے کچھ نہیں سمجھا جاتا ۔ حالانکہ ایک کم علم ، بہترین مقرر ہو سکتا ہے اور علامہ دوزار ، تقریر کے میدان میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا ۔

تھورے دن ہوئے ، مسٹر بالڈون موجودہ وزیر اعظم انگلستان نے ایک کالج کے طالب علموں کے سامنے تقریر کی تھی ۔ یہ تقریر ہمارے موضوع سے متعلق ہے ، اور اس لائق ہے کہ عوام اُسے پڑھیں اور فائدہ اٹھائیں ۔ انہوں نے نہایت عمدہ طور پر ثابت کیا ہے کہ افراد اور قوموں کی سیاسی زندگی میں تربیت کتنی ضروری چیز ہے ؟

وزیر اعظم نے کہا " تربیت کا سب سے بڑا ثمرہ یہ ہے کہ وہ عقل کو تصنع اور ریا سے پاک کرتی اور حقائق اشیا دیکھنے کا موقعہ ہم پہنچاتی ہے ۔ علم ہمیں بالکل صحیح طور پر فصاحت و بلاغت سے بد ظن کرتا ہے ۔ آزاد ملکوں میں اگر کسی شخص کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنا ضروری ہے ، تو وہ لچے دار تقریریں کرنے والا شخص ہے ۔ یعنی وہ شخص جو نیم تعلیم یافتہ بھیڑ کو اپنی لسانی سے مسحور کر دیتا اور گمراہی کو خوشنما بنا کر عام کرتا ہے ۔ آزادی کے ہر زمانہ میں سب سے بڑا خطرہ ، یہی گمراہ مقرر رہے ہیں ۔ اس وقت بھی ہیں ، اور آئندہ بھی رہیں گے ۔ ہماری موجودہ آزادی مقدس ہے ۔ ہمیں یقین ہے کہ آزادی ہمارے ملک کے لیے ایک نعمت عظمیٰ ہے ۔ ہم کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ ساقط اخلاق کے فصیح البیان مقرر اپنی زبانوں کے زہر سے اُسے مسموم کر دالیں "۔

" بچپن میں خوشنما لفظوں اور بلیغ جملوں پر میں عاشق تھا ۔ لیکن اٹھارہ برس کی عمر میں پہنچکر میں نے " فرد " کا یہ قول پڑھا " فن خطابت ( تقریر ) علمی بدکاری ہے " اُس دن سے میرا عشق ، نفرت سے بدل گیا اور فصاحت و بلاغت پر سے میرا بھرہسہ اٹھ گیا "۔

" وزیر اعظم ہونے کے بعد میں نے سنا کہ جماعت کی ایک معزز خاتون نے ، جس سے مجھے تعارف کی عزت حاصل نہیں ، اپنے

ہمارے ہاں " سیاست " سب سے آسان تر کام ہے ، کیونکہ کسی اصول اور قاعدہ کا عام اس کیلئے ضروری نہیں ۔ لوہاری ، نجاری ، جلد بندی ، نعل بندی ، حتیٰ کہ حجامت بھی سیاست سے مشکل ہے ، کیونکہ یہ تمام پیشے اپنے مقررہ اصول اور قواعد رکھتے ہیں ، جنکے جانے بغیر کوئی آدمی انہیں اختیار نہیں کر سکتا ۔ لیکن " سیاست " کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے ۔ جس لمحہ چاہو " سیاسی " ہونے کا اعلان کر دے سکتے ہو ، اور سیاست کے نام سے جو بکواس بھی چاہو بلا تامل کر سکتے ہو ۔ کوئی تم پر اعتراض کی جرأت نہیں کر سکتا ، کیونکہ ہمارے ہاں سیاست کسی اصول اور قاعدہ پر مبنی نہیں ہے ۔

لیکن جو قومیں " سیاست " جانتی ہیں ، اُنکے نزدیک یہ چیز بہت مشکل ہے ۔ اُنکے یہاں اسکے لیے کچھ اصول و قواعد ہیں ، جن میں کمال حاصل کیے بغیر کوئی آدمی سیاسی نہیں ہو سکتا ۔ اُنکے نزدیک سیاست کی شرطوں میں سے اولین شرط ، اخلاق ہے اور آخری شرط ، کلام یا تقریر ہے ۔ اُنکے یہاں سیاسی ایک خاموش ، پر فکر اور کارکن ہستی ہے ۔ اُسکی آواز بازاروں میں سنی نہیں جاتی ۔ مجلسیں اُسکی لفاظی سے نا آشنا ہوتی ہیں ۔ وہ خاموش دریا کی طرح ، بغیر کسی شور و غل کے کام کرتا ہے ۔ اُنکے یہاں سیاسی زیادہ بولنے والے ، کم کام کرنے والے ، اور اپنی شہرت کا دنگا بجانے والے کو نہیں کہتے ۔ بلا شبہ اگر اپنے تدبیر اور قوت عمل کے ساتھ سیاسی قوت خطابت کا بھی مالک ہے ، تو سونے پر سہاگا سمجھا جاتا ہے ۔ لیکن برک ، براؤٹ ، اور گلیڈسٹون کی شہرت صرف اُنکی خطابت کی وجہ سے نہ تھی ۔ وہ پہلے سیاسی تھے ۔ پھر خطیب اور مقرر ۔

بہت سے بڑے بڑے سیاسی ایسے گذرے ہیں جنکی تقریریں مجلسوں میں نہیں گونجتی تھیں ۔ لیکن اُنکے خاموش کام دنیا کو ہلا ڈالتے تھے ۔ ان سیاسیوں کی فصاحت کا یہ حال تھا کہ جب پارلیمنٹ میں تقریر کرنے کھڑے ہوتے تھے ، تو بہت سے ارکان اٹھکر سگریٹ نوشی کیلئے چلے جاتے تھے ۔ اور جو بیٹے رہتے تھے ، انہیں سے بھی اکثر اونگھ کر خراٹے لینے لگتے تھے ۔ لیکن باوجود اسکے اُنکے عمل اب تک زندہ ہیں ۔ دنیا کی تاریخ میں اُنکے نام جلی حروف میں لکھے ہیں ۔ برخلاف اسکے بڑے بڑے مقرر جو بادلوں کی طرح گرجتے تھے ، مرنے ہی گم نام ہو گئے !

## عالم شرق و اسلام

### مرحوم سعد باشا زغلول

مصر کی آخری حرکت استقلال کا قائد عظیم

#### الموت نقاد علی کفہ جواهر یختار منها الجیاد !

سعد باشا زغلول کے انتقال سے عالم شرق و اسلام کی ایک ایسی شخصیت روپوش ہوگئی جس میں قوم کی سیاسی قیادت و رہنمائی کی نہایت طاقتور روح نمایاں ہوئی تھی۔ اُس کی رہنمائی زندگی کی تاریخ کو ہی طول طویل تاریخ نہیں ہے۔ اُس نے اپنی طویل زندگی کے صرف آخری چند سال قوم کی سیاسی رہنمائی میں صرف کیے، لیکن اس قلیل رتت کا یہ استعمال ایسا بر وقت اور اس درجہ صحیح و طاقتور تھا، کہ تاریخ نے فوراً اپنے دروازے کھول دیے، اور مصر کے قومی رہنما کے لیے اکابر و مشاہیر عالم کی صف میں جگہ طیار کردی۔ یقیناً وہ ان لوگوں میں سے تھا، جنکے کارناموں کیلئے تاریخ کے اوراق ہمیشہ منظر رکھتے ہیں !

(مختصر سوانح حیات)

سعد باشا کا سنہ ولادت ۱۸۶۰ء ہے۔ ان کی طفولیت کے زمانے میں نئی تعلیم کے مدارس نے اس درجہ فروغ نہیں پایا تھا کہ لوگوں کو ان کی طرف توجہ ہوتی۔ ان سب کے لیے جو تعلیم کا شرق رکھتے ہوں، صرف ایک ہی جگہ تھی، اور وہ جامع ازہر کی درس گاہ تھی۔ چنانچہ علوم عربیہ و اسلامیہ کی متوسط درجہ تک تعلیم انہوں نے اور ان کے چھوٹے بھائی فتحي بے نے جامع ازہر ہی میں حاصل کی۔

ان کی عمر ابھی بیس برس کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ قاہرہ میں سید جمال الدین کی علمی مجالس کی شہرت پہیلی۔ یہ سید صرف کا مصر میں دوسرا زور تھا، اور شیخ محمد عبدہ ابن کے نہایت سرگرم شاگرد ہوچکے تھے۔ سعد زغلول بھی انکی مجالس درس میں پہنچنے لگے، اور شیخ محمد عبدہ سے ان کا رشتہ ارادت و تلمذ قائم ہوگیا۔ اسی رشتہ نے ان کی اُس تعلیمی ذہنیت میں جو جامع ازہر کے تعلیمی جمود سے پیدا ہوئی تھی، ایک انقلابی حالت پیدا کردی، اور نظر و فکر کی نئی نئی راہیں کھلنے لگیں۔ ان کی وہ غیر معمولی قوت خطابت و فصاحت جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنے معاصرین میں ممتاز رہے، دراصل شیخ محمد عبدہ ہی کی صحبت و تلمذ کا نتیجہ تھی۔

عربی پاشا کی فرجی تحریک جو بہت حد تک سپرد جمال الدین کی سیاسی تخم ریزیوں کا قبل از وقت نتیجہ تھی، جب ۱۸۸۲ء میں نمودار ہوئی، تو شیخ محمد عبدہ حکومت مصر کے سرکاری کڑت "الوقائع المصریہ" کے محرر اور مطبوعات مصریہ کے مدیر تھے، اور غالباً سعد زغلول بھی انکے ساتھ اسی دفتر میں کام کرتے

درس سے جڑا ہوا تھا۔ "فلاح جدید" کے محرر اعظم کو مہذب کہہ سکتے ہو؟ مجھے شک ہے، یہ خاتون "مہذب" کے معنی پوری طرح سمجھتی ہے۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ اُس نے نزدیک تہذیب کو ہی ایسی چیز ضرور ہے جس سے انگلستان کے وزیر اعظم کو متصف ہونا چاہیے۔ اور بلاشبہ یہ بہت عمدہ خیال ہے۔

"میرے نزدیک تہذیب ایک ایسا عمل ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ مدرسہ میں میرا چال چلن بے داغ تھا، لیکن میں تمہارے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے طالب علمی کا زمانہ بے کار ضایع کردیا۔ جس دن سے مجھے ہرش آیا، اُس دن سے میں برابر اپنی کمی پوری کرنے میں کوشاں ہوں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ دنیا میں کوئی مسرت بھی اُس مسرت کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو عام حاصل کرنے میں حاصل ہوتی ہے۔ میں آج بھی طالب علم ہوں، اور سو برس کی عمر حاصل کرنے کے بعد بھی طالب علم رہوںگا۔ اپنے موجودہ منصب سے نکلنے کے بعد میرا اولین فرض یہ ہوگا کہ پوری مستعدی سے عام حاصل کرنا شروع کردوں"

"ہم سب جانتے ہیں کہ کوئی قوم بھی قدرت کی طرف سے متمدن بنا کر نہیں بھیجی گئی ہے۔ تمام متمدن قوموں نے تمدن و تہذیب کوشش کرکے حاصل کی ہے۔ تمدن کی راہ مشکلات سے لبریز ہے۔ تمدن، تنزل کے خطرہ سے محفوظ نہیں ہے۔ سینکڑوں قومیں جو کبھی متمدن تھیں، اپنی غفلت کی وجہ سے وحشی ہوگئیں۔ ہمیں اپنی موجودہ تہذیب پر گہمند نہیں کرنا چاہئے۔ یہ تہذیب جو ہم نے خون پانی ایک کرکے اور لگاتار محنتوں کے بعد حاصل کی ہے، ذرا سی غفلت اور غرور سے تنزل اور پستی سے بدل جا سکتی ہے۔ محض مادی ترقی اور مادی علم، تمدن نہیں ہے۔ تمدن اس سے بڑھ کر کوئی آرزو چیز ہے۔ انسانیت کا سب سے زیادہ خطرناک زمانہ وہ ہے جبکہ علم تیزی سے آگے بڑھ رہا ہو، اور اپنے ساتھ مادی ترقی، مادی علم، اور مادی سامان آسائش عام کر رہا ہو۔ لوگ بلا محنت کے کھا رہے ہوں، بے خطر مادی لذتوں سے متمتع ہو رہے ہوں، اور معنوی ترقی اور روحی اصلاح و تہذیب سے غافل ہوں۔ میں ڈرتا ہوں، ہمارا موجودہ زمانہ وہی خطرناک زمانہ نہ ہو، اور ہماری موجودہ تہذیب کی کشتی مادی خواہشوں کی چٹانوں سے ٹکرا کر غرق نہ ہو جائے"

"تعلیم و تربیت کی اس سے زیادہ کوئی غرض نہیں کہ لوگوں کو اشیاء کی اصلی حقیقت معلوم ہو۔ ہر چیز کو ویسا ہی دیکھیں، جیسی وہ ہے، اور اُسی درجہ میں رکھیں جس درجہ میں اُسے ہونا چاہیے۔ یہ غرض صرف انہیں معلموں کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے جو خود بے غرض ہیں۔ حق کی تعلیم صرف اس لیے دیتے ہیں کہ وہ حق ہے۔ حق کو پوری سچائی، صفائی، اور دیانت سے ظاہر کرتے ہیں۔ خود غرض معلم، سیاسی اغراض کے بندے، حقیر دنیاوی مقاصد پر حق کو قربان کرنے والے لوگ، ہرگز حق کے معلم نہیں ہو سکتے۔ ایسے معلم قوم کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں، اور ان دجالوں سے قوم کے نوجوانوں کی حفاظت و حمایت ہر محب وطن کا اولین فرض ہے۔ ہمیں انکی جزا کاٹ ڈالنی چاہیے اور قوم کو ان کے شر سے ہمیشہ کے لیے نجات دیدینی چاہیے"



جنگ کے بعد انہوں نے مصر کے کامل استقلال کا مطالبہ کیا ہے۔ اسی مسلک پر کامزن رہے جو واقعہ عربی کے بعد خود شیخ محمد عبدہ نے اختیار کر لیا تھا۔ ہمیشہ انکا شمار شیخ کی جماعت کے مخصوص افراد میں رہا۔ وہ ان تمام لوگوں میں جنہیں شیخ کی فیض صحبت نے پیدا کیا تھا، نمایاں اور ممتاز تھے۔

شیخ محمد عبدہ مرحوم کا یہ حال تھا کہ وہ فطرت کی بہترین دعائی بخششیں لیکر پیدا ہوئے، لیکن جامع ازہر کی تعلیمی فضا سے کوئی بلند تر تعلیمی فضا حاصل نہ کر سکے۔ اسی اثنا میں سید جمال الدین مرحوم قاہرہ پہنچے اور ان کے فیض صحبت سے شیخ کے تمام فطری جوہر ابھر آئے۔

سید موصوف کی دعوت اگرچہ تعلیمی اور دینی اصلاح پر مشتمل تھی، لیکن اس کا محوری مرکز سیاسی انقلاب تھا،

کیونکہ وہ یقین کرتے تھے کہ اسلام کی دینی روح، سیاسی روح سے الگ نہیں ہے۔ انہوں نے مصر میں بھی انقلابی دعوت کی تخم ریزی کی۔ اس وقت مصر اسماعیل پاشا کی مسرفانہ اور عیش پرستانہ زندگی سے تباہ ہو رہا تھا۔ اغیار و اجانب کی مداخلتوں کے نئے نئے دروازے کھل رہے تھے، طالبین اصلاح کی تمام امیدیں ولی عہد مصر توفیق پاشا سے وابستہ تھیں۔ سید جمال الدین نے توفیق تک رسائی حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا، کہ پہلے خود قاہرہ کے فری میسن لاج میں داخل ہوئے، پھر کوشش کر کے توفیق کو بھی اس کا گرینڈ ماسٹر منتخب کرا لیا، اور اس طرح فری میسن کا مخفی اور محفوظ جماعتی دائرہ اپنے اور اس کے گرد کھینچ لیا۔ توفیق پاشا سید موصوف کے اصلاحی خیالات سے پوری طرح متاثر ہوا اور عہد واثق کیا کہ با اقتدار ہوتے ہی اصلاح و انقلاب حال کے لیے پوری طرح کوشش کریگا۔ لیکن جب کچھ عرصہ کے بعد وہ خدیو مصر ہوا، اور سید

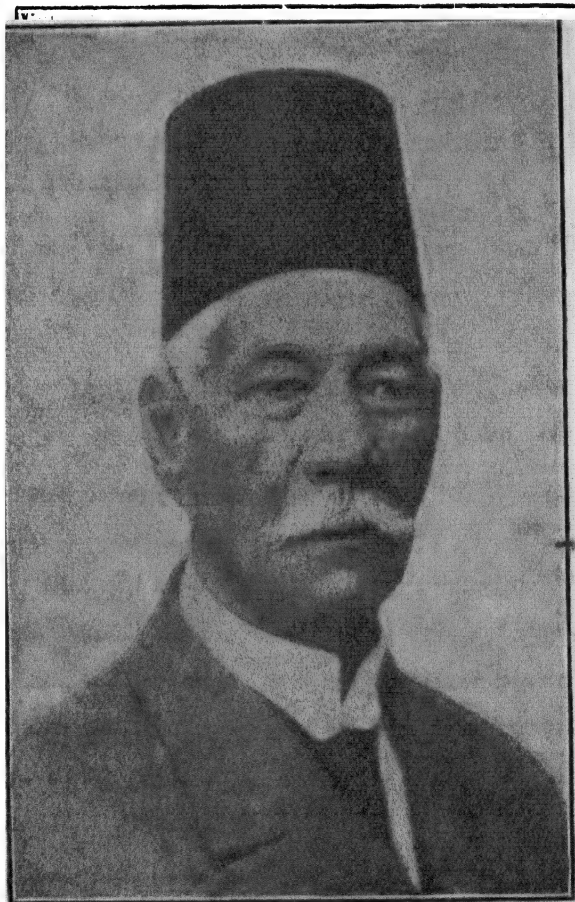
جمال الدین ان عہد و موافیق کے ایفا کے طالب ہوئے، تو پہلے تو لیت و لعل شروع کیا۔ پھر صاف انکار کر دیا، اور کوشش کی کہ جمال الدین مصر سے نکل جائیں۔

سید جمال الدین یہ حالت دیکھ کر نہایت متاثر ہوئے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو افراد قوم اور ملک کی نجات کی راہ میں حائل ہوں، انہیں راہ سے ہٹا دینا جرم نہیں ہے بلکہ انسانیت کی خدمت ہے۔ چنانچہ انہوں نے توفیق پاشا کے قتل کی کوششیں شروع کر دیں۔ اور اس کام کے لیے قرعہ فال ان کے نوجوان تلمیذ محمد عبدہ کے نام نکلا۔ شیخ نے اس واقعہ کے بیس برس بعد ایک خط میں جو مسٹر بلنت کے نام لکھا تھا، اقرار کیا ہے کہ توفیق کو قتل کر دینے کا یہی وہ طیارہ ہو گئے تھے۔ توفیق پاشا قاہرہ سے اسکندریہ جا رہا تھا، یہ پستول لیکر سڑک پر کھڑے ہو گئے۔ مگر جب حملہ کا وقت آیا تو

تھے۔ چند ماہ بعد جب خدیو توفیق پاشا کی وطن فروری اور سلطان عبد الحمید کی مذبذب اور متزلزل حکمت عملی کی کمزوری سے ”تل الکبیر“ کے معرکہ کے بعد انگریزی فوج مصر میں داخل ہو گئی، تو عربی پاشا اور محمود بارودی پر مقدمہ چلایا گیا، اور شیخ محمد عبدہ بھی ان کے ساتھ گرفتار کر لیے گئے۔ ان کا جرم یہ بتلایا گیا تھا کہ انہوں نے رفات مصریہ میں ایسے مقالات لکھے تھے جن میں تحریک کی حمایت کی گئی تھی۔ غالباً سعد زغلول بھی ان کے تعلق کی وجہ سے مبتلائے محسن ہوئے لیکن بعد کر رہا کر دیے گئے۔ کیونکہ فی الحقیقت شیخ کے تعلق و تلمذ کے سرا ان کا تحریک میں کوئی حصہ نہ تھا۔

اسی زمانہ میں انہیں نئی تعلیم کا شوق ہوا۔ پہلے فرانسیسی زبان کی تحصیل کی۔ پھر قانون کا مطالعہ کیا۔ اور سنہ ۱۸۸۹ء میں وکالت

شرع کر دی۔ ان کی غیر معمولی ذہانت اور طبعی استعداد کے ثبوت میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے مصر کی اعلیٰ عدالتوں میں وکالت کرنی چاہی، تو سرکاری محکمہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ تو انہوں نے باقاعدہ سرکاری مدارس میں تعلیم حاصل کی تھی، نہ یورپ کے مدارس قانون کی کوی سند رکھتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے استحقاق و اہلیت پر اصرار کیا، اور کہا ”اگر اس معاملہ کا دار و مدار استعداد اور اہلیت پر ہے نہ کہ سند کے ایک پرزہ پر، تو قانون کا سخت سے سخت امتحان لے لیا جائے۔ اگر میں یورپ کے سند یافتہ محامیوں سے (مصر میں قانون کے پیرسٹر کو محامی کہتے ہیں) بہتر ثابت ہوں تو میری درخواست منظور کی جائے۔“ یہ واقعہ ہے کہ امتحان لیا گیا، اور ان کی قانونی استعداد بہتر سے بہتر معیار پر بھی پوری اُتری!



فقید الشرق، احمد سعد زغلول

انکی غیر معمولی استعداد کے

بہت جلد ترقی مناصب کی راہ ان پر کھل دی۔ پہلے بعض قانونی مناصب پر مامور ہوئے۔ پھر سنہ ۱۹۰۶ء میں اس درجہ شہرت حاصل کر لی کہ وزیر تعلیم ہو گئے۔

اسی زمانہ میں مصری مجلس تشريع (ایجس لیٹر اسمبلی) کے نظام میں رسمت ہوئی، اور نئے نئے طریقہ رائج ہوئے۔ یہ ہر مرقعہ پر سرکاری مناصب کیلئے ایک اول درجہ کے امیدوار تسلیم کیے جاتے تھے۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں مجلس تشريع نے انہیں اپنا رئیس منتخب کیا، جسپر وہ (غالباً) سنہ ۱۹۱۴ء تک قائم رہے۔

(سعد زغلول کا سیاسی مسلک)

سعد زغلول کی تعلیمی اور سیاسی دوزن زندگیوں کی ابتدا شیخ محمد عبدہ کی تعلیم و تاثیر سے ہوئی تھی، اسلئے وہ اپنی زندگی کے آخری سالوں تک (یعنی سنہ ۱۹۱۸ء تک جبکہ القراء



تھا - مقصود یہ تھا کہ حزب الوطنی کو شکست ہو - مصطفیٰ کا دل پاشا نے جب انتقال کیا اور ان کی جگہ مرحوم فرید بے حزب الوطنی کے رئیس منتخب ہوئے تو جن لوگوں نے ان کی مساعی کی تخریب میں سرکاری رسائل سے کام لیا، ان میں ایک سرگرم اور طاقتور شخصیت سعد پاشا کی بھی تھی - شیخ عبد العزیز شاربش نے جب اللوا کی جگہ حزب الوطنی کے لیے ”العلم“ جاری کیا، تو جس شخص نے سب سے زیادہ اپنے رسائل کاران کی مخالفت میں خرچ کیے، حتیٰ کہ ان کی گرفتاری کے احکام بھی صادر ہو گئے، وہ سعد پاشا زغلرل ہی تھے!

اس سلسلہ میں سنہ ۱۸۹۰ سے لیکر سنہ ۱۹۱۸ تک جو واقعات پیش آئے، وہ بے شمار ہیں، اور ایک مقالہ میں ان کا استقصاء ممکن نہیں - مصر کی سیاسی حالت نے ایک ایسی نوعیت پیدا کر لی تھی کہ اُس میں درمذہبوں کے سوا عملاً تیسرے مذہب کی گنجائش ہی نہ تھی - یا تو انگریزی قبضہ مصر سے مصر کو فوراً نجات ملنی چاہیے، یا اسے جاری رہنا چاہیے - یہی دو اصولی اعتقاد ”حزب الوطنی“ اور ”حزب الاحتلال“ کی شکل میں ظاہر ہوئے - حزب الاحتلال کے داعی یعقوب صررف اور فارس نمر اصحاب ”المقطم“ تھے، اور حزب الوطنی کی صدائیں مصطفیٰ ہامل مرحوم کی زبان سے بلند ہوئی تھیں - چونکہ قبضہ مصر کی صریح موافقت مصری طبائع پر بالطبع گراں گزرتی تھی، اس لیے ارباب مناصب و مورات اپنے آپکو حزب الاحتلال میں ظاہر کرنے سے جھجکتے تھے، اور اس قسم کی پردہ پوش توجہیں کرنے لگتے تھے جیسی ہمیشہ ان حالات میں ضعفاء ہمت اور بیچارگان عزم نے کی ہیں - مثلاً ”تدریجی اصلاحات“ کا مغالطہ، ”مسالم وقت“ کا حیلہ، ”تعلیمی استعداد کی تقدیم“ کا فریب خیال، اور اسی طرح کے حیل و مغالطات، لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ ان تمام لوگوں کی ذہنیت حزب الاحتلال ہی کی ذہنیت تھی، کیونکہ بیرونی قبضہ کی موجودگی میں صرف درہی سیاسی عقیدے اسی ملک کے لیے ہوسکتے ہیں: یا تو قبضہ رہنا چاہیے، یا آتے فوراً ختم ہو جانا چاہیے - ان دونوں کے درمیان تیسری راہ ممکن نہیں! و یریدون ان ینتخذوا بین ذلک سبیلاً!

(سنہ ۱۹۱۸ میں انقلاب فکر)

بہر حال سعد پاشا کی پوری زندگی جس عالم میں بسر ہوئی تھی، اُس سے قومی و وطنی جہاد استقلال کا عالم متصل نہ تھا - فاصلہ پر تھا - لیکن سنہ ۱۹۱۸ میں جب مصر کو ایک رہنماے صادق کی ضرورت ہوئی، تو قدرت الہی نے اس کا غیر متوقع سامان کر دیا اور اچانک سعد پاشا کی طاقتور شخصیت نمایاں ہو گئی - انہوں نے ایک ہی جست میں وہ پورا فاصلہ طے کر لیا جو ان کے پندچہ سالہ دور حیات اور مدد کی تحریک حریت و استقلال کے درمیان حائل تھا!

حقیقت یہ ہے کہ اگر زغلرل پاشا جیسا شخص جس کی تمام زندگی حکومت کے بڑے بڑے ذمہ دارانہ مناصب میں گزر چکی تھی، اور جس کے مداحوں میں لارڈ کرمرنگ شریک ہو چکے تھے، اس مرقعہ پر مصر کا علم استقلال نہ آگھاتا، تو یہ تحریک اس قدر طاقت و اہمیت حاصل نہ کرسکتی، جو اُس نے چند ماہ کے اندر حاصل کر لی تھی!

انہوں نے محسوس کیا کہ یہ کام اس قدر آسان نہیں ہے جس قدر انہوں نے ذمہ داری لیتے ہوئے خیال کیا تھا - ان کا دل مضطرب ہو کر رہ گیا اور حملہ نہ کرسکے -

اس کے بعد جمال الدین مصر سے نکل جانے پر مجبور ہوئے اور ہندوستان چلے آئے -

عربی پاشا کے حادثہ میں شیخ محمد عبدہ کو بھی جلا وطنی کی سزا دی گئی تھی، لیکن چھ سات سال کے بعد جب انہوں نے مصر آنا چاہا تو حکومت نے اجازت دیدی، اور واپسی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد افتاء کے عہدہ پر مامور ہو گئے - اسی عہد سے مصر میں ان کی دینی و تعلیمی اصلاحات کا اصلی دور شروع ہوتا ہے -

لیکن ابتدائی سیاسی زندگی کی نا کامیوں کا جو رد فعل ان کے اندر پیدا ہو گیا تھا، ضروری تھا کہ اس کے اثرات ان کے فکری مزاج میں بھی سرایت کرجاتے - چنانچہ وہ مدۃ العمر کے لیے سیاست سے یک قلم علحدہ ہو گئے - اس سے بھی زیادہ یہ کہ مصر میں انگریزی قبضہ کے فوائد کا اعتراف کر لیا، اور پوری زندگی نام نہاد اعتدال سے بھی زیادہ محتاط سیاسی عقائد میں بسر کر دی - انہوں نے اپنے مشہور مقالہ ”الاسلام والنصرانیہ“ میں سیاست سے اور ان تمام باتوں سے جو سیاست سے اندلی تعلق بھی رکھتی ہوں، حتیٰ کہ سیاست کے لغوی مادہ سے بھی، جو ”تعوذ“ لیا ہے، وہ ان کی فکری حالت کا مظہر ہے -

انہوں نے متعدد مرتبہ اپنے اس مسلک کی تشریح بھی کی تھی - انکا خیال یہ تھا کہ انگریزی قبضہ کی وجہ سے اگرچہ مصر نے سیاسی استقلال کو نقصان پہنچا ہے، لیکن ساتھ ہی تحریک و ترقی کی آزادی اور تعلیمی و اقتصادی ترقی کے فوائد بھی حاصل ہوئے ہیں - ملک کا فرض ہے کہ پہلے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپنی تعلیمی اور دینی حالت درست کر لے - پھر سیاسی استقلال کے لیے سعی ہو - انکا جو سیاسی لائحہ مستر بلندت نے ”مصر کی مخفی تاریخ“ میں شائع کیا ہے، وہ تعجب انگیز حد تک اندی سیاسی فطانت پسندی ظاہر کرتا ہے - سنہ ۱۹۰۱ میں اذنا خیال تھا کہ مصر کے لیے بڑی سے بڑی چیز جو ہو سکتی ہے، وہ صرف یہ ہے کہ ایک اچھی قسم کی مجلس تشریع (لیجس لیٹو اسمبلی) آتے دیدی جائے جسکی ایک بڑی تعداد کے انتخاب کا حق ملک کو حاصل ہو - وہ اس لائحہ میں انگریزی قبضہ کے خلاف ایک لفظ نہیں کہتے -

بہر حال شیخ محمد عبدہ کا سیاسی مسلک اس نوعیت کا تھا، اور چونکہ سعد زغلرل بھی انہی کے تلمیذ اور صحبت یافتہ تھے، اس لیے سیاسی عقائد میں اس سطح سے بلند نہ ہو سکے - سنہ ۱۹۱۷ تک انکی تمام زندگی سرکاری مناصب میں گزری، اور آزاد قومی تحریکات کے خلاف وہ ایسے ہی ایک سرگرم سرکاری عہدہ دار رہے، جیسے مصر کے دفتری اقتدار کے تمام دیگر افراد تھے - سنہ ۱۸۹۶ میں جب مرحوم مصطفیٰ کامل پاشا نے حزب الوطنی کی بنیاد ڈالی، تو یہ بھی اس کے ایسے ہی مخالف تھے، جیسے مصر کے سرکاری حلقہ کے تمام افراد (بہ استثناء خدیو عباس، کیونکہ وہ مخفی طور پر مصطفیٰ کامل کا سرپرست تھا) مخالف تھے - سنہ ۱۹۰۵ میں جب سید علی یوسف مالک المود نے ”حزب الامة“ قائم کی، تو اس کے اندر بھی سعد زغلرل اور ان کے ساتھیوں ہی کا ہاتھ کام کر رہا



# تلخیص و عبر

## تلخیص عمدتاً بیہ کا ایک صفحہ

### محمد الامین اور عبداللہ المامون

حال میں ڈاکٹر احمد زعفرانی مصری نے "عمر المامون" کے نام سے ایک مفید اور دلچسپ کتاب تلخیص کی ہے اور تاریخ اسلام کے اس اہم عہد کی ذہنی اور فہمی حالت پر مشروح بحث کی ہے۔ بحث کا ایک اہم موضوع امین اور مامون کی حرفیہ شخصیتیں ہیں۔ اور ان کی اخلاقی اور نفسیاتی حالت کا موازنہ ہے۔ ذیل میں اس کا ایک حصہ ترجمہ کے بعد درج کیا جاتا ہے:

#### محمد الامین

محمد الامین بن ہارون الرشید سلسلہ پوری میں پیدا ہوا۔ یہی سال ہارون الرشید کی تخت نشینی کا ہے۔ امین اپنے سوتیلے بھائی، آموں عمر میں بیسے چھوٹا تھا۔

امین کی ماں زبیدہ بنت جعفر بن المنصور ہے۔ ہندو ماں اور باپ دونوں طرف سے ہاشمی ہے۔ اس کے بعد یہ لکھی ایتنا رکھی جی خلیفہ کو حاصل نہیں ہوا۔

امین کے ہاشمی اموں کو سلطنت میں بڑا اثر و اقتدار حاصل تھا۔ جب انھوں نے محسوس کیا کہ خلافت کی طرف دوسرے خلیفوں کی گردنیں اٹھ رہی ہیں، تو کوشش کی، کہ ان کا بھانجا امین بڑا کرنا جانشین ہو۔ چنانچہ عبید بن جعفر بن المنصور نے (جو امین کا بھوٹا تھا) افضل بن یحییٰ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ امین کے لئے ولیمہ کی بہت حاصل کرے۔ افضل بن یحییٰ کی یہی خلافت میں جو رسوخ حاصل تھا، محتاج تشریح نہیں۔ ہارون الرشید نے اسے ایک بڑی فوج دیکر خراسان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ موقع اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لئے بہترین موقع تھا۔ افضل نے خیال کیا، اگر امین اس کی کوشش سے تخت خلافت پر بیٹھے گا، تو اس کا رسوخ سے زیادہ ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے اپنی تمام قوتیں اس لئے وقف کر دیں، فوج کے تمام سپہ سالاروں کو ملا لیا، اور محمد الامین کی دلی عہدہ اعلان کر دیا۔ بغیر کسی توقف کے اس کی پوری فوج بیعت کر لی۔ اس عہد کا شاعر مسلم کہتا ہے:

قد ابلغ الشعلان فی مہماندی محمد بن زبیدۃ ابنہ جعفر  
میری کہتا ہے:

بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے

بالفصح منہ بالاشفاق والحب

قد وکد الفضل عہد الاثفاض لہ

لصفی بن بنی العباس منجب

خلیفہ ہارون الرشید کو جب واقعہ کی اطلاع ہوئی تو معاملہ اسکے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اہل شرق بیت کر چکے تھے۔ اب اس کے ہوا جارہا تھا کہ اسے منظور کر لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور محمد الامین باضابطہ اہم عہد مقرر ہو گیا۔ اب ان الاحق کہتا ہے:

غزت امیر المؤمنین علی الرشید برائی مدی فالحمود ذی الجہاد  
باوجودیکہ امین ہارون کا بڑا رکاز تھا، لیکن اس طرح برائی سالی دلی عہد قرار پایا۔

#### امین کی نفسیاتی و اخلاقی تحلیل

مشاہیر عالم کے عہد طفولیت کی تاریخ بھی ان کی عظمت کے آثارِ عظیم سے خالی نہیں ہوتی۔ ان میں بعض تاہن فطری ہوتی ہیں اور بعض تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن ہم اسے قدیم موضوعین نے اپنی تاریخی شخصیتوں کے عہد طفولیت کی طرف سے عمری بے اعتنائی برتی ہے اس لئے ان کی اخلاقی تحلیل اور نفسیاتی کیفیات کی بنیادیں یقین کرنا آج آسان نہیں۔ تاہم ہمیں یہی کا شکر گزار ہونا چاہئے جسے اپنی کتاب الحاسن المہادی میں محمد الامین کے عہد طفولیت و تعلیم پر کسی قدر روشنی ڈالی ہے۔ اور اسی طرح زبیدہ کا ایک خواب بھی قابل ذکر ہے جسے مسعودی نے مروج الذهب میں روایت کیا ہے۔ ان کا مکمل روایتوں سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ امین کو استغناء کرنے کی خواہش پڑی وہ کیوں فصیح، بلیغ، ادیب تھا، وہ کیوں لہو و لعب کا دلدادہ تھا؟ کیوں پرسکون تھا اور خوریزی سے خائف رہتا تھا؟

تھیں معلوم ہو کہ ہارون الرشید نے امین کو افضل بن یحییٰ کی گود میں دیا تھا اور امون کو جعفر بن یحییٰ کی گود میں افضل بن یحییٰ نے امین کے آقا بنیم ابن بشر را سلمی سے کہا تھا "سب زیادہ اس بات کی کوشش کرنا کہ اسے خوریزی سے نفرت ہو جائے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں خدا سے متعلق نہ بنائے" اسی طرح ہارون الرشید نے امین کے معلم، امروغی سے کہا تھا "اگر زبیدی سے اس کی اصلاح نہ ہو تو سختی کرنا" اب ہم سننا چاہئے خود امین کا یہ معلم اپنے شاگرد کی بابت کیا کہتا ہے؟

امیر کی روایت ہے:

"میں اکثر بڑی سختی سے پیش آتا تھا۔ حتیٰ کہ ان اوقات میں بھی اسے پابند رکھتا تھا جو کھیل کود کے لئے مقرر تھے۔ امین نے اپنی والدہ سے میری مشیت کر دی۔ زبیدہ نے مجھے لکھا کہ پھر کی تندرستی برقرار رہنے کے لئے اسے چند گھنٹے کی ہمت ضرور دینی چاہئے۔ اس پر میں نے کہا شاہزادہ کا درجہ اب بلند ہو چکا ہے۔ اس کی شہرت عام ہو گئی ہے۔ امیر المؤمنین کی اس سے محبت اور سلطنت کی

ولیمہ کی تقاضی یہ ہو کہ اس کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نہ کی جائے۔ یہ سخت نامناسب ہو گا کہ وہ زبان کی فصاحت سے قاصر، تو اس میں شریعت سے جاہل، اور ذاتی سیاست سے غافل ہو جائے۔ کیونکہ حکومت کی بنیادیں یہی ہیں۔ اس پر خادہ نے اگر مجھے جواب دیا کہ یہ ہم ہو مگر وہ ماں ہو اور اس کا دل بچے کی تکلیف سے بچیں ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس پر ایک دہرہ ماز بھی ہو۔ اگر تو تو بیان کر دوں۔ میں نے کہا ضرور بیان کرو۔ اس نے کہا میری آقا زبیدہ نے مجھ سے اپنا یہ خواب بیان کیا ہے کہ جس رات امین کا محل میں محسوس کیا تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ تین عورتیں آئی ہیں۔ ایک میرے دہنے طرف بیٹھی، دوسری بائیں طرف، تیسری نے میرے پیٹ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی "بادشاہ، بڑی سعادت والا، بڑا بوجھ اٹھانے والا، جلد چلا جائے والا" دوسری نے کہا "بادشاہ، کم عمر، صاف دل، عیش پرستی میں ڈوبنے والا، تیسری نے کہا "بادشاہ، بڑے چلن والا، بہت ضایع کرنے والا، کم بھگڑنے والا، کم انصاف کرنے والا" زبیدہ کہتی ہے میں خون زدہ ہو کر بیدار ہو گئی۔ پھر میں کوئی خواب نہیں دیکھا۔ لیکن جس رات ولادت ہوئی اس رات دہی تینوں عورتیں مجھے سوتے میں نظر آئیں۔ وہ آئیں اور بچے کے سر پرانے ٹیگئیں۔ سب نے ایک ساتھ جھگ کر اس کا منہ دیکھا۔ ایک کہنے لگی "تردنا زہ بودا، نازک بچہ، خوشنما، شیریں چشما، کم باقی رہے گا۔ جلد فنا ہو جائے گا" دوسری نے کہا "بیوقوف، بڑا، تباہی کی طرف ڈوڑے گا، ہنا پر بڑی ہوگا" تیسری بولی "اسکی قبر کھودو۔ اس کا کفن قریب لاؤ۔ اس کا جنازہ طیارہ کر دو۔ موت اس کے لئے زندگی سے بہتر ہے" زبیدہ کہتی ہے۔ میں خون سے ہم گئی۔ بچوں کو بلایا۔ سب نے درازی عمر کی نشات دی۔ مگر ہارون براہِ خود سے کا پتا رہا ہے۔ یہ واقعہ بیان کر کے شاہی نادار کہنے لگی ہے آخر کیا ہمارا خوف، اللہ کی قدرت کو دور کر سکتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔

آخر بخوبی کے بعد ہارون نے مشہور امام فن قطرب بخوبی کو امین کی تعلیم پر مقرر کیا۔ حماد عجمی، ابن برکات، ہارون برکات شاہی تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس کا معلم مقرر ہو جائے۔ مگر نام کامرہ ہو گیا اس کا فتنہ فوج پر مشہور ہو گیا تھا۔ حماد کو اپنے حریف قطرب کی کامیابی پر بڑا غصہ آیا۔ اس نے خیال کیا یہ نصب اسے اس لئے ہی کیا کہ مجھ سے زیادہ ربا کا رہو اور اپنا ہتھک چھانے میں ہوشیار ہے۔ چنانچہ فوراً ایک کاغذ پر چند اشعار لکھے اور خلیفہ کے خادم کو رشوت دیکر آمادہ کر لیا کہ کاغذ، خلیفہ کے قلمدان میں لکھ دیا جائے۔ جب خلیفہ نے قلمدان منگایا تو کیا دیکھا کہ ایک کاغذ پر یہ اشعار مرقوم ہیں:

قل للامام: جزاک اللہ مغفرۃ

لا یجوز الذہب من السخل والذہب

السخل غرہم الذہب غفلتہ

والذہب یعلم بالسخل من طیب

ہارون رشید نے یہ منظوم قطعہ پڑ کر کہا "دیکھو یہ معلم کیس جملن نہ ہو۔ اب اسے محل سے نکل دو" چنانچہ قطرب سخل دا گیا اور محل اس کا جانشین بنا۔ ستر یا اسی آدمی ہمیشہ اس کی نگرانی کرتے تھے۔

ہم اس قسم کی روایتوں سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ امین کی نشوونما کیسی خراب ہوئی تھی۔ اور اس کے مستقبل پر اسے کیسا خراب اثر ڈالا تھا؟ امین کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا نقص بھی عظیم ہو کہ اسے سیاسی پختہ کاری حاصل کرنے کا موقع ہی نہیں ملا حالانکہ

بادشاہوں کے لئے یہ چیز لازمی ہو۔ خصوصاً اُس عہد میں جبکہ بادشاہ بالکل مطلق، اعتنا ہوتے تھے۔ اُن کی ہمتائی کے لئے مجرمین اور ذاتی تقویٰ کے کوئی ضابطہ اور قانون موجود نہ تھا۔ ہارون الرشید کو اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں اس کا دورا موقوفہ ملا۔ خلیفہ ہادی نے اُسے جنگ دوم کا سپہ سالار بنایا تھا۔ بڑے بڑے سپہ سالاروں اور سیاسی مدبروں کی محبت نصیب ہوئی تھی۔ اسی طرح امون کو بھی کافی تجربہ حاصل ہوا تھا۔ خراسان وغیرہ بلاد میں وہ برسرِ حکومت رہا تھا اور پختہ کار ہو گیا تھا۔ لیکن محمد امین اس تمام سیاسی اور علمی تعلیم و تربیت سے محروم رہا۔ زبیدہ کا لاڈ اور پیار، مصاحبوں کی چال بازی، ہاشمی ماموںوں کا دلدار، امین کی ہلاکت کے ابتدائی اسباب تھے۔

چنانچہ تخت نشین ہونے کے بعد ہم اُسے ایک پیش پرست، دہشت اور غافل حکمران پاتے ہیں۔ تختِ خلافت پر تکیں بٹھانے اور عبدالعزیز المامون کی میت حاصل کر لینے کے بعد اُسے اپنے تئیں امویوں کے حوالے کر دیا۔ خوبصورت لڑکے اور خواہر سراہل میں جمع ہو گئے تھے سارا وقت لمو دلب اور پیش و عشرت میں صرف ہوتا تھا۔ اسی طرف، بعض ماموںوں کی تصریح کے ساتھ، ایک ہم عصر شاعر اشارہ کرتا ہے:

الایام من الشوی بطوس غریبا یفا دی بالنفوس  
لقد البیت للوصیان بعلا تکل ستم شوم البسوس  
نا "نوفل" فاشان فیہ دنی "بدہ" فیا لک من طلیس!  
دا العسی "بشا رلدیم اذ اذ کردی بزمی سمس  
واحن البغیر فخر حالاً لدیم عند فخرت الکوس  
لم من عمره شطر و شطر یعار فیہ شرب الخندیس  
واللغات لدیم حظ سوی التعلیل بالوجہ البوس  
اذا کان الریس کذا مقیما تکلیف صلاحنا بعد الریس  
فلو علم الیمم بدار طوس لغری علی الیمم بدار طوس

عبدالامان

عبدالامان ۳۴ رجب الاول ۱۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوا۔ یہی خلیفہ ہارون الرشید کی تخت نشینی کا دن ہے۔ ہارون اس مبارک شہ میں بچہ کی پیش سے بہت خوش ہوا اور اس کا نام "الامان" (مبارک) رکھا۔ اُس کی ماں "مراصل" ایک کنیز تھی۔ بعض مؤرخ کہتے ہیں اس کا سلسلہ نسب ایران کے ایک مغز خانہ سے ملتا ہے۔ امون نے گمراہ خلافت میں پرورش پائی اور اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کی۔ شروع ہی سے آثارِ ذہانت و نجابت اُس پر نمایاں تھے۔ بلند ہمت اور اولوالعزم تھا۔ بہت خیالات اور دلچسپ حرکات سے نفرت کرتا تھا۔

امون میں یہ تمام صفات موجود تھیں اپنے باپ خلیفہ کا بہت محبوب تھا۔ عمر میں بڑا تھا۔ مگر اس بڑی عہد نہ ہو سکا۔ کیونکہ امین کی والدہ، زبیدہ، اکثر خلیفہ پر امون کی ماں سے بہت زیادہ تھا پھر جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، امین کے ہاشمی ماموںوں اور فضل بن یحییٰ برکی کی سازش نے خلیفہ کو بے بس کر دیا تھا۔ اُسے طوعا یا کر یا امین کو ولی عہد تسلیم کر لیا۔

موصوفین نے امون کی نجابت کے بہت سے قصے لکھے ہیں خود اُس کا معلم ابو محمد زبیری روایت کرتا ہے:

"میں امون کا معلم تھا۔ ایک دن قصرِ خلافت میں گیا اور دیر تک منتظر رہا۔ بار بار آدمی بھیجا کہ اُسے طلب کیا گیا۔ میں نے اُس کے آئینہ سید الجہری سے شکایت کی۔ تنبیہ نہ کیا، اُس سست ہو گیا۔ لیکن اوجو اسکے ایسی سستی کا الزام خادموں کو دیتا ہے۔ جب وہ گئے تو سختی سے پیش آیا۔ چنانچہ جب شانہ سیر دہر ہو چکی، تو میں نے ملاطبت کی۔ اُس کی آنکھوں میں اُسٹھ لٹا

آئے اور اُنھوں سے ملنے لگا اتنے میں خبر کی کہ جعفر بن یحییٰ وزیر آ رہا ہے۔ امون نے جلدی سے روال بنگالا، آنکھیں پونکھیں، لباسِ در کیا، فرش پر چار زانو ہو بیٹھا، اور پیش خدمت سے کہا "وزیر کو حاکم ہونے کی اجازت دو" میں مجلس سے خوفزدہ اُٹھ گیا۔ مجھے یقین تھا وہ وزیر سے عزور شکایت کرے گا۔ امون نے وزیر سے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کی۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ابھی رد چکا ہے۔ ذہن یہاں تک پہنچی کہ دونوں باتیں کرتے جاتے تھے اور ذہن ہستے تھے۔ جب وزیر رخصت ہونے لگا تو امون نے غلاموں کو اُس کی سواری پیش کرنے کا حکم دیا۔ وزیر اُس کے رکاب میں چلنے کو کہا۔ پھر مجھے طلب کیا اور فرمایا امین پورا کردو۔ میں نے دعا دیکر عرض کیا۔ "میں تو خون سے کاپ رہا تھا کہ آپ وزیر سے میری شکایت کر دینگے" اُس نے فوراً جواب دیا "انا لعدوان الیہ راجعون۔" اُسے ابو محمد امین خود ہارون الرشید پر بھی یہ کبھی ظاہر نہ کرنا کہ مجھے علم نے سرزنش کی ہے۔ بھلا وزیر کیا چیز ہے! جو ہم تمہیں پریشان کر رہا تھا وہ کبھی دلتع نہیں ہو سکتا اگرچہ سو مرتبہ بھی مجھے تنبیہ کرو۔ خدا تمہیں معاف کرے۔ اب آؤ، پڑھنا شروع کرو!"

یہ سچ ہی میں امون غیر معمولی طور پر عقلمند تھا۔ ثبوت کے لئے یہ مشہور قصہ کفایت کرتا ہے۔ ایک دن زبیدہ نے ہارون الرشید کو ملاطبت کی کہ امین سے زیادہ امون کی کیوں تعریف کرتا ہے؟ خلیفہ نے کہا اس کا سبب ابھی معلوم ہوا تھا ہے۔ چنانچہ ایک مصاحب کو حکم دیا کہ جا کر دو دنوں سے خلوت میں پوچھے "خلیفہ ہو کر کیا کرے گا؟" امین نے خوش ہو کر جواب دیا "مجھے مالال کر دوں گا" امون کو جواب یہ تھا "ہو توں! تو مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اُس دن کیا کرنا گا جب امیر المومنین دنیا میں باقی نہیں رہیں گے؟ میری تمنا تو یہ ہے کہ ہم سب اپنے قربان ہو جائیں!" یہ جواب شکر و زبیدہ غلامت سے خاموش ہو گئی۔

یہ سچ ہی سے امون کو پورا احساس تھا کہ وہ ایک جلیل القدر شاہزادہ ہے اور مستقبل میں تختِ خلافت پر تکیں بٹھانے والا ہے۔ چنانچہ شاہی آداب و رسوم کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ اس کا یہ واقعہ بہت ہی مشہور ہے کہ ایک دن اپنے ایک دوسرے معلم حسن اللؤلؤی کے سامنے بیٹھا تھا کہ اذکر گیا۔ معلم نے کہا "سو گئے؟" امون نے غصہ کیا ہو کر آنکھیں کھول دیں اور کہا "قسم بکبک میرا معلم محض بازی آدمی ہے!" پھر غلاموں کو حکم دیا، اسے محل سے نکال دیں خلیفہ نے سنا تو سر سے یہ شعر پڑھا:

وہل نیت الخطی الاو شیخ

وتفرس الانی منا بہا الخلل

اپنی اعلیٰ صفات نے امون کو خلیفہ کا محبوب بنا دیا تھا۔ اپنی نے اپنے بھائی کے بعد اُس کے خلیفہ بننے کی سفارش کی۔ اپنی نے اُس عہد کے تمام عقلاء مشاہیر کو اُس سے وابستہ کر دیا تھا۔ شروع ہی سے ظاہر ہوتا تھا کہ امون جماعت کا آدمی انداز کا قاتل ہے۔ ایسے آدمی کے لئے ایک بڑی شرط، قوتِ خطاب بھی ہے۔ قدرت نے امون کو پوری دنیا میں سے یہ قوت بخش ہی تھی۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب امون، سن شورو کو پہنچا تو خلیفہ نے بعض نصائح اور شان سے سنایا تھا کہ تمام حاضرین رونے لگے اور کوئی شبہ نہ کر سکا کہ یہ خطبہ دوسروں نے طیار کیا ہے۔ ابو محمد زبیری نے فوراً قصیدہ لکھا:

لنن امیر المومنین کرامت علیہ بہا شکوالا و وجوب

بان دلی الہد مامون ہاشم  
بدا فضله اقام دہو خلیب  
ولما راہ الناس من کل جانب  
بالصاہم والعود منہ صلیب  
راہم بقول: الصنوا اجمال  
دلی دو نہ لسا مین مجیب!

امون کی یہی نجابت و ذہانت تھی جس نے ہارون کو خون زدہ کر رکھا تھا۔ وہ امین کے لئے امون سے خائف تھا، اور امون کے لئے امین سے اندیشہ کرتا تھا۔ وہ دیکھتا تھا، امین کے ہاتھ میں سلطنت کی تمام قوتیں ہوں گی اور وہ اپنے اولوالعزم بھائی کے مقابلے میں کوئی کوشش اٹھانے لکھے گا۔ دوسری طرف اُسے یہ بھی صاف نظر آ رہا تھا کہ امون، عقلمند، مدبر، بلند ہمت ہے، اور اپنے سادہ لوح بھائی کو آسانی سے تباہ کر ڈال سکتا ہے۔ پھر دو دنوں کے طرفداروں کی قوت بھی اُس سے پوشیدہ نہ تھی۔ امین کی پشت پر بنی ہاشم اور قریش تھے۔ امون کی حمایت پر تمام ایرانی عنصر کربتہ اور کافی طاقتور تھا۔

اس خطرہ کے سد باب کے لئے اُس نے دونوں بھائیوں سے ایک عہد لکھوایا۔ مشہور ہے کہ امین اُس کے بڑے بڑے طرفداروں کو ساتھ لے کر حج کو گیا اور ہزاروں مسمول کے ساتھ یہ عہد، خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔

تمام حالات پر نظر ڈالنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہارون الرشید، مامون کو زیادہ چاہتا تھا۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ طوئس میں وفات کرتے وقت اُسے اپنی تمام ذاتی فوج، ہتھیار اور مال و دولت، مامون کے نام وصیت کر دی۔

پھر امون کو یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ وہ آدمیوں کو چھوٹا تھا اور اُن کے انتخاب میں ہمیشہ خوش قسمت تھا۔ امون کے آٹا بھی اگرچہ خود غرضینوں سے خالی نہ تھے، مگر وہ جانتے تھے کہ اُن ذاتی نفع اسی میں ہے کہ امون کا سیاب ہو اور خلیفہ بنے۔ اُن کی دنیا داری کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اُن میں اکثر ایرانی اصل تھے۔ اور معلوم ہے کہ امون کی ماں بھی ایرانی تھی۔ اس لئے ذاتی طور پر اُن کی ہمدردی اُسے حاصل تھی۔

امون کی خراسان سے غیر معمولی دلچسپی کا بھی یہی راز ہے۔ مامون، نمایاں طور پر خراسانیوں کا طرفدار تھا۔ اُس کی یہ طرفداری لوگوں کو صاف محسوس ہوتی تھی اور عربی عنصر کی بددلی کا موجب بن گئی تھی۔ تاریخ میں یہ واقعہ ثبت ہے کہ ایک شخص مامون سے بار بار کہا "امیر المومنین! شام کے عربوں پر بھی ایسی ہی شفقت کیجئے جیسی خراسان کے عجمیوں پر کرتے ہیں،" امون نے جواب دیا "تم نے مجھے جواب پر مجبور کر دیا۔ سنو، قبیلہ قیس کو میں اُس کے گھوڑوں سے اس طرح آڑ سکا کہ میرے خزانے میں اب ایک پیہ بھی باقی نہیں رہا یعنی دولت دیکر انھیں اپنی مخالفت سے باز رکھا رہا امین، تو نہ میں نے کبھی اُس کو محبت کی اور نہ اُسے کبھی مجھ کو محبت کی۔ رہا قصاعہ تو اُس کے سردار برابر سفیانی (یعنی ایک حدیث کے مؤرخ بادشاہ) کا اظہار کر رہے ہیں کہ اُس کی پیروی کریں۔ رہا نتیجہ تو وہ اُس وقت سے اپنے خدا پر خفا ہے جسے اُسے اپنا نبی مقرر میں پیدا کیا؟" امون کا یہ جواب بڑی حد تک درست ہے۔ لیکن خراسان کی طرف اُس کے میلان کی اصلی وجہ دہی اُس کی فاریت ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اُس کی ماں بھی فاری تھی اور اُس کی تعلیم و تربیت میں بھی فاری اثر غالب تھا۔ اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بعض محققین نے امون کو شیعہ کہیں قرار دیا ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ فاری ماحول، شیعہ بنیاد تھا

خارج تھا۔ اُسے دونوں ہاتھ شہنشاہ کی طرف پھیلائے اور  
میاکانہ۔ خود فراموشانہ لہجہ میں گویا ہوئی:  
”کیا تو ہی وہ فرزندِ اہو جسے سلطان بایزید کو مغلوب  
کیا؟“

”ہاں میں ہی ہوں۔ میں نے ہی بایزید کو اور بایزید  
ایسے کئی بادشاہوں کو مغلوب کیا ہو! بتا تو کیا چاہتی ہو؟“  
تیمور نے جواب دیا۔

”سن لے امیر! تو جو کچھ بھی ہو اور جس حیثیت میں بھی ہو پھر بھی  
ایک آدمی ہو! لیکن میں۔۔۔ آہ، میں ایک ماں ہوں! نہ موت  
اور ہلاکت کی خدمت کرتا ہے، میں زندگی اور سلامتی کی خدمت  
کرتی ہوں۔ تو انسان کو ہلاک کرتا ہو۔ میری گود میں اس کی  
پرورش ہوتی ہو۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ تیرے عقیدے میں انصاف  
کرتا، توانائی میں داخل ہو، مگر مجھے یقین نہیں آتا، اور میں کڑ  
گا، جب تک تو میری فریاد کو۔۔۔ میری داد کو نہیں پہنچتا۔  
عورت نے کمال تمکین و وقار کے لہجہ میں کہا: ”اس لئے کہ  
میں ایک ماں ہوں! ایک لکھاری ماں!“

تیمور نے عورت کی بیخنی اور بے برداری کو حیرت سے دیکھا  
اسکو بیٹھنے کی اجازت دی۔ ”میں سن رہا ہوں تم اصل و اقربا  
عورت، شہنشاہ کے سامنے چار دانہ ہو بیٹھی اور کہنے لگی  
”امیر! میں سارے دنی کی بیٹے والی ہوں۔ تو نے ہرگز  
اس جگہ کا نام نہ سنا ہوگا کیونکہ وہ دور ہے۔ یہاں سب  
ہی دور!۔۔۔ میرا باپ اور شوہر ابھی گئے تھے، ایک دن بھر  
قزاقوں نے بھجا مارا اور۔۔۔ اُسے دوتے ہوئے کہا  
”دونوں قتل کر ڈالے۔ میرے۔۔۔ اُس کی بھلی بندہ گئی  
تھی۔۔۔ میرے تخت جگہ کو جو نہایت خوبصورت تھا۔“  
تیمور کے منہ سے ”آہ بھل گئی۔ اُسے دل ہی دل میں کہا  
”خوبصورت!۔۔۔ میرے لڑکے جا بگڑ کر طرح! آہ“

عورت نے اپنا قصہ جاری رکھتے ہوئے اور آنکھوں سے  
سکھاب رو رہا ہونے کہا ”بے رحم قزاق میرا لڑکا پکڑے،  
گئے، آج چار سال!۔۔۔ آہ، پوسے چار سال گزرنے کہیں  
اُس کی تلاش میں دیوانہ وار چاروں طرف پھرتی ہوں مگر  
پتہ نشان نہیں ملتا۔ امیر! میں کہتی ہوں میرا لڑکا تیرے  
پاس ہے، کیونکہ بایزید کے لشکر نے اُن بھری قزاقوں کو گرتا  
کر لیا تھا اور تو نے بایزید کو شکست دے کر اُس کا سب کچھ  
لیا۔۔۔ صزد ہو کر میرا لڑکا تیرے پاس ہوگا اور اس لئے  
میں چاہتی ہوں تو اسے میرے سپرد کرے!“

حاضرینِ دربار، عورت کی باتوں پر ہنس پڑے۔ ”یہ دلوانی ہو  
گئی ہو۔“  
شاعر کرائی نے کہا: ”ہاں یہ دلوانی ہو مگر ایک ماں کی طرح۔“  
تیمور نے دریافت کیا: ”لڑکے کو کس طرح اس قدر درد دیا  
راستوں سے اس جگہ آ پہنچی؟ تو نے ایسے ایسے ہمارے  
جنگل کیڑے کھڑے کئے؟ راستہ میں جشی لیریں ادا دے دے  
ہاتھوں سے کس طرح بچی؟“

”آہ، ماں کی محبت!۔۔۔! ماں کی ہیں پرستش  
کرتی چاہئے! دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہو جو ماں کی محبت کے  
راستہ میں حائل اور مانع ہو سکے! انسان کے تمام کامل صفات  
حناسات۔۔۔ سب ماں کے دودھ کی چھادوں میں پرورش  
پاتے ہیں۔۔۔! بھول، انصاف کے بغیر پیدا نہیں ہوتا ایک  
نہجی، محبت کے بغیر نصیب، اُس دلوانی محبت، عورت کے بغیر کون

میں غور نظر آتا تھا!  
یہ وہی کرائی تھی جس کو ایک دن تیمور کی اس طرح گفتگو ہوئی تھی:  
”کرائی! اگر مجھے ذرا دیکھا جائے تو تم کہتے میں خرید دے گا؟“ تیمور  
نے مشکوئے ہوئے پوچھا۔  
”چکیں سپاہیوں کے ساتھ ہیں!“ کرائی کا جواب تھا۔  
”یہ تو صرف میرے ذریعے کے لیے کی قیمت ہو!“ تیمور نے غضبناک  
ہو کر کہا۔

”میں نے بھی تو اسی پچکے کی قیمت لگائی ہو ورنہ خود آپ کی ذات  
کے لئے تو کوئی ایک روپیہ بھی نہ دے گا!“  
کرائی نے بیابانی سے جواب دیا۔

کیا زبردست اور جاہر شہنشاہ!۔۔۔ کس قدر دہشت انگیز!  
”کدو رہ ہونا کدو!۔۔۔! اور کرائی کی یہ بیخون گفتگو!  
کیا اس جن گوشہ آری شہرت، تیمور کی شہرت سے زیادہ بلند ہونے  
کا حق نہیں لکھی؟“

یہ ایک۔۔۔ اس بزمِ نوشاوش کے ترنم اور خوشگوار  
ہنگاموں میں، ایک آواز۔ جس طرح بادلوں سے بجلی کو بجاتی  
ہو۔۔۔ ”یلیریم بایزید“ کے مغلوب کرنے والے کے کانوں میں  
آئی۔!

یہ آواز۔ ایک عورت کی آواز تھی، جو ایک غضبناک شیرنی  
کی آواز کی طرح سنائی دی!

تیمور کے انتقام جو اور زخمی دل کو، جو اُس کے فرزندِ بلند  
کے مناعے ہوجانے کے سبب سے تمام دنیا اور دنیا والوں کے خلاف  
غیظ و غضب سے لبریز ہو گیا تھا۔۔۔ یہ آواز ایک آتشاں آواز  
معلوم ہوئی! جامِ عشت، اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اُسکے لبوں  
پر ایک اضطرابی لہر دوڑ گئی۔ یہ لہر کبھی تھی! یہ دُکھ آواز آواز  
کہاں سے آئی؟

حکمر کی تعمیل ”بندگانِ دولت“ کی گھبراہٹ نے کی جو چاروں  
طرف دوڑ اُٹے تھے۔ شہنشاہ کو جواب ملا ”یہ ایک دلوانی  
عورت کی آواز ہو جو کبھی طرح یہاں تک پہنچ گئی ہو۔ شکل و صورت سے  
فقیر معلوم ہوتی ہو۔ عربی میں گفتگو کرتی ہو اور“ فرزندِ دلے جو  
کی آستانِ بوسی کی خواہشمند ہو!“  
”نوراً حاضر کی جائے!“

تیمور نے حکم دیا اور۔۔۔ عورت خیمہ میں داخل ہوئی۔  
برہنہ پا! پچھلے ہوئے کپڑے! سینہ چھپانے کے لئے اپنی زلفیں پکڑ  
ہوئے! چہرہ کا رنگ اُڑا ہوا۔۔۔ بغیر کسی یکپارہٹ کے، جو  
ایسے باجاہ۔ وصال اور ہتیناک شہنشاہ کی موجودگی کا ادنیٰ سا

# افسانہ

## ماں کی محبت

(مشہور روسی افسانہ نگار ”ماگسم گورگی“ کے ایک اخلاقی افسانہ کا ترجمہ)

امیر تیمور گورکانی، ”دہ“ کا ”نول“ میں، جو گلاب دیا سن کے  
سرخ و سفید پتوں کے ایک مین ابر پائے سے چھپا ہوا تھا، عیش و  
نشاط اور ناز و نوش میں مشغول تھا۔۔۔ سرفروشی شاعروں  
اس ”دہ“ کو ”پرداز گلی“ کے نام سے موسوم کیا تھا۔ اُس گلی  
مقام سے شہر کے تمام آسمان شکوہ، نیار اور مساجد و معابد کے  
سبز گنبد عجیب نظر آتے تھے۔ دہ کی لمبائی کے گرد، بندہ نہرا  
رنگین قناتیں، بڑے بڑے پنکھوں کی طرح، زمین پر قائم تھیں،  
اور اُن پر دیا و پریناں کی رنگین جھنڈیاں۔ ایسا معلوم ہوتا  
تھا، جانا بھول ہوا میں تیرے ہیں!

تیمور کا خیمہ، اُن قناتوں اور چھوٹا دیوں کے درمیان ایک  
خوبصورت ملکہ کی طرح نظر آتا تھا جو اپنی خواصوں کینیزوں کے حلقہ  
میں کھڑی ہو۔۔۔ اُس کے خیمہ کی قنات، زمین کا مربع  
حصہ گھیرے ہوئے تھی جس کے چاروں حصے تقریباً سو قدم طویل  
اور تین نیزوں کے برابر بلند تھے۔ خیمہ بارہ طلائی ستونوں پر قائم تھا  
جو درمیانی حصے کے نیچے نصب تھے اور اس عرض سے کہیں یہ  
رنگ و بو کا ارضی ابر آسمان کی طرف نہ اڑ جائے، پانسویں ریشیں  
طنائوں کے ساتھ حکم کر دیا گیا تھا۔ خیمہ کے چاروں گوشوں میں  
ایک ایک چاندی کا بٹا ہوا شاہین، جو صنعت کا نفیس ترین نمونہ تھا،  
بٹھایا گیا تھا۔۔۔ خیمہ کے بیچ میں پانچواں شاہین، خود تیمور  
تھا۔۔۔ وہ شہنشاہ جو نہیں جانتا تھا مغلوب ہونا کیسے کہتے  
ہیں؟

تیمور کا لباس بہت کشادہ تھا، جو آبی رنگ کی دیا سے تیار  
کیا گیا تھا، اس پر باج ہزار سے زیادہ مردارید کے دانے لگے تھے۔  
سر پر سفید اور نرگستہ کلاہ جس کے نیچے سے اُس کے سپید دیاہ  
بال باہر نکل رہے تھے۔ اُس کی آنکھوں سے، جو چاروں  
طرف مگراں تھیں، جوش کا خون اُبل رہا تھا!  
اُس کی آنکھیں چھوٹی اور تنگ تھیں مگر ہر چیز دیکھ رہی تھیں  
دیکھ سکتی تھیں۔ اُن سے زہر کی سی سردی اور خشکی ٹپک  
رہی تھی!۔

شہنشاہ کے کانوں میں سرانیدپ کے عقیق کے دو گوشوارے  
تھے، رنگ میں حسین ہونٹوں سے لپٹے جلتے!  
خیمہ میں نہایت نفیس اور قیمتی قالین بچھے تھے جن پر عیش و  
عشرت کا سا ان مہیا تھا۔ ایک طرف۔۔۔ مغنیوں اور سازندوں  
کا ہجوم تھا۔ تیمور کے قریب، اُس کے عزیز اقربا، دوسرے  
بادشاہ، خواہن، اور فوجی افسر بیٹھے تھے۔۔۔ سے زیادہ  
نزدیک، اُس کے دربار کا شاعر ”گورکانی“۔ اپنے کیفِ موزی



## اقتباس و تراجم

### پروپاگنڈا

قرب کو کوئی حلاقت باقی نہیں رہا۔ انسانیت نے اپنے قریبی ماضی سے تمام رشتے تقریباً منقطع کر لئے ہیں۔ اب وہ اسے مقدس و محترم نہیں سمجھتی اور اس کی حفاظت میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کرتی جنگ نے یہی نہیں کیا کہ انقلابی تنفر دُر کر دیا ہو، بلکہ انسانیت کی ذہنیت بھی کچھ ایسی کر دی ہو کہ وہ تبدیلی کی شیدا ہو گئی ہو، اسے تلاش کرتی ہو، اسے لینے کے لئے بھیجیں ہو۔ یہ نئی نگرانی روح تمام انسانی طبقتوں میں کم و بیش عام ہو۔

اس نئی ترقی کے ساتھ ساتھ عمل کا ایک نیا طریقہ بھی عام ہو گیا ہو۔ اس طریقہ کو ”پروپاگنڈا“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہو۔ آج یہ لفظ ہر کہہ و نہ کی زبان پر ہو۔ حالانکہ جنگ سے پہلے صرف ایک خاص گروہ میں مستعمل تھا۔ لوگ جب اسے کسی کی زبان سے سنتے یا کاغذ پر لکھا دیکھتے تھے تو ان کے اندر ایک ہم خوف سا پیدا ہو جاتا تھا۔ وہ اسے بھی قریبی نہیں سمجھتا اور اسے ہر اس لفظ کی طرح کوئی خطرناک لفظ سمجھتے تھے!

”پروپاگنڈا“، لاطینی زبان کا لفظ ہو۔ اس کے لغوی معنی ہیں ”برہنہ، زیادتی، فراوانی“ اور اصطلاح میں کسی تحریک کے پھیلاؤ اور عام کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کی تاریخ یہ ہو کہ سترہویں صدی میں م کے پوپ گریگوری پانزدہم نے ایک مذہبی انجنیئر قائم کی اور اس کا نام ہی رکھا۔ اس انجنیئر کا مقصد یہ تھا کہ لاطینی قوموں میں عیسیت پھیلائی جائے۔ کچھ مدت بعد یہ لفظ ان تمام طریقوں کے لئے مستعمل ہونے لگا جو مختلف مذہبی اور سیاسی انجینس اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے کام میں لاتی تھیں۔ ایک طویل زمانہ تک یہ لفظ خواص ہی کے حلقہ میں گردش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ عوام میں بھی اس لفظ کو مقبولیت حاصل ہو گئی اور دورانِ جنگ میں تو بچہ بچہ نے اسے سنا اور اس سے نہایت ہی کامیاب نتائج حاصل کئے گئے۔ اب تو یہ حالت ہو گئی ہو کہ صنعت، حرفت، تجارت، سیاست، مذہب، غرضکہ ہر شعبہ میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا اور اس کے مفہوم سے کام لیا جاتا ہو۔ تاجر اپنی تجارت کے فروغ فیض اور قہم قہم کی تدبیروں سے پبلک میں اسے مقبول بنانے کے لئے جو کچھ کرتے ہیں، اسے بھی ”پروپاگنڈا“ ہی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ یہی نہیں بلکہ مضر تحریکوں اور غلط اصولوں کی اشاعت تبلیغ میں بھی یہی ہتیار کام میں لایا جاتا ہو۔

یہ یقین ہو کہ افراد اپنے انفرادی ماحول میں، جماعتی ماحول میں زیادہ عقلمند اور ہوشیار ہوتے ہیں، جماعت کے ماحول میں جانے کے بعد افراد کی ذہنیت بڑی حد تک کمزور ہو جاتی ہو اور وہ ایسے اخیال پسند کرنے لگتے ہیں جو اپنے انفرادی ماحول میں ناپسند کرنے علم اجتماع نے صحیح طور پر ثابت کر دیا ہو کہ جماعت کا داغ، ذوق، داغ سے کہیں زیادہ کمزور، پست، اور منفعل ہوتا ہو۔ پس فرماتے

علم اجتماع نے ثابت کر دیا ہو کہ نوع انسانی کی ترقی و حقیقت ان تغیرات اور تبدیلی انقلابات سے وابستہ ہو جو مختلف تمدنی موثرات کے ماتحت افراد، جماعت، اور اقوام کی زندگیوں میں واقع ہوتے ہیں۔ تمدن کی تاریخ دراصل ان تبدیلیوں کی تاریخ ہو جو تاریخ کے مسلسل زمانوں میں قوموں کی زندگی میں واقع ہوتی رہی ہیں۔

افراد چونکہ فطرۃً اپنے اسلاف کی تقلید کی طرت مائل ہوتے ہیں اور موروثی عقائد و عادات کے دلدادہ ہوتے ہیں، اس لئے وہ ہر اس جدت کی مخالفت کرتے ہیں جو موروثی قدامت کو شکست کھانے والی یا انہیں تبدیل کرنے والی ہوتی ہو۔ افراد اگر ”جدید“ کو قبول بھی کرتے ہیں تو طویل جدوجہد اور اپنے قدیم عقائد و خیالات کے مطابق انہیں بہت کچھ ترمیم اور تبدیلی کے بعد یہ افراد کی جبلت و طبیعت ہو جس سے وہ مجبور ہیں۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ افراد و جماعت کی زندگی میں تبدیلی بہت آہستہ سرایت کرتی ہو اور انقلابی تاریخ میں انقلاب، چوتھی کی چال چلکر بہت عرصہ بعد رونما ہوتا ہو۔ لیکن کبھی اس تبدیلی اور آہستہ رفتار پر ایسے غیر معمولی حالات طاری ہو جاتے ہیں کہ افراد و جماعت کی ذہنیت ان سے کھینچ کر ہرجائی ہو۔ طبیعتیں بے خود ہو جاتی ہیں۔ قدامت کا جوش دور ہو جاتا ہو اور جدت سے نفرت زائل ہو جاتی ہو۔ اس گہما گہما کی تغیر کا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ جماعت ٹھوڑی ہی مدت میں جس جہت کر کے وہ ان مراحل کو طے کر ڈالتی ہیں جو عام حالات میں کہیں صدیوں کے سفر کے بعد طے کرتی۔

ان غیر معمولی موثرات و عوامل میں، جو تمدن کی رفتار پر گرا اثر ڈالتے اور اسے سرعت بخشتے ہیں، ایک بڑا موثر سبب ”جنگ“ ہے۔ گزشتہ عالمگیر جنگ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہو۔ یہ جنگ اگر دنیا کی سب سے بڑی نہیں تو بہت ہی بڑی جنگوں میں سے ایک نہایت ہی ہولناک جنگ ضرور تھی۔ لیکن باوجود ان تمام مصائب و آلام کے اقوام کے جو اس جنگ سے پیدا ہوئے، انہیں اس نہایت ہی تیز تبدیلی کو بھی تسلیم کرنا چاہئے جو اس جنگ نے مفاسد و اجتماع کی ہر شاخ میں اپنا گہرا پیرا کر دی ہو۔ پھر اس تبدیلی سے افراد و جماعت کی زندگی کے ہر شعبہ میں جو عظیم انقلاب طاری ہوئے ہیں انہیں بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے حقیقت یہ ہو کہ گذشتہ دس بارہ سال میں انسانیت نے ترقی کے جتنے مرحلوں کو طے کئے ہیں، عام حالات میں وہ صدیوں کی جدوجہد سے بھی طے نہ ہوتے۔ ان تیز انقلابات و تغیرات نے افراد اور جماعتوں کی ذہنیت پر عظیم اثر ڈالا ہو اور اسے ایک ایسے قالب میں ڈھال دیا ہو جو سراسر حیرت انگیز ہے حتیٰ کہ چشم مینا دیکھ سکتی ہو کہ آخری چند سال کی دورے کے بعد اب انسانیت اس نقطہ پر پہنچ گئی ہو جس کو ماضی

نہیں — اور شاعر اور سپاہی — کوئی بھی ان کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا —!

مظلم عورت نے کر کہا۔ تیرو! میرا لڑکا مجھے دلائے! شاعر کو اتنی بولا۔ اڈوں کی ہیں پرستش کرنی چاہئے اس لئے کہ وہ ہمارے لئے بڑے بڑے آدمی پیدا کرتی ہیں، اور آدمی کو بلند رتبہ پہنچاتی ہیں — اسطوفہ دہی، اور — اسی طرح صدی اپنی شہداء امیر شیریں زبانی کے ساتھ — غریب اپنی شراب کی سی زہر آلود رہائیوں کے ساتھ — سکڑ، ہو، اور ہرام گور — یہ سب عورت کے، ایک ماں کے بچے ہیں! تیرو! اس عورت کی باتوں سے کسی گہری فکر میں چلا گیا۔ پھر سر اٹھا کر — اسنے حکم دیا کہ تین سو شہسوار فوراً اس لڑکے کی تلاش میں روانہ ہو جائیں، جو شخص ڈھونڈھ لائے گا اسے انعام دیا جائے گا — پھر اسے آہ بھر کر کہا — میں سمجھ گیا یہ عورت اس قدر بے پروا اور بے خوف کیوں ہو؟ — چونکہ وہ ماں ہو! — ایک محبت کرنے والی ماں! اور کوئی اس نہیں ہوتی جو محبت نہ کرتی ہو! لڑکے کے کھوجانے سے اس کے دل میں آگ سی بھڑک رہی ہو — ایسی آگ! جو ہر جہنم، قرون تک، شراپے، چور، چٹک سکتی ہو!

تیرو کے حکم جاری کرنے پر کمانی کی شاعرانہ اور درد آشنا روح وجد میں آگئی۔ اُسے یہی آواز آئی کہ یہ یہ اشعار موزوں کر لکھو:

### ماں

یہ کون نامہ سوری دنیا کے خیمائے لڑنے شیریں؟ جو آسمان کے ستاروں، بانوں کے پھولوں کا عکس بن ہو

کوئی تیرے بھلاہو کیا ہو؟  
نارنگے، پل، زون میں ہو ہر ایک کا یہ خیال ہوگا  
کہ وہ بہت ہی آہستہ سے یہ حال کا بن کر ہو سورا ہوگا  
جو ہم سبھی تک رہا ہے!

وہ خیر نہ آئی نہ بدست و نہ آواز دہی بہشت سوسو  
ہزار درجہ زراہ آہی ہو خوش رویت ہو، خوش حال ہو

کوئی تیرے بھلاہو کیا ہو؟  
خیمائے شہلوں میں میں سے لڑکھ میں مسکراتے ہوئے متکارا  
میں جاتا ہوں کہ چشم محبوب سانسے بھولوں خوشنما ہو!

شراب گوں شرابی ہو!  
میں جانتا ہوں کہ اس کا ہلکا ہلکا سا زہن تبسم  
دل شکستہ کے جن میں کس درجہ ہر انجیز و مہر ہو!

لب تکلم کا معجزہ ہو!  
گر منہ آرائی اسے احاسن جن کے باوجود تنگ  
نہ کہہ سکا کوئی شاعر آخر وہ لغتہ دل پذیر کیا ہو؟

جوب سے بہتر ہو لڑا ہو!  
گر میں کہتا ہوں انہا کہ وہ لغتہ — آہ وہ دلدلا زلفرا  
وہ ساری دنیا کے سالہ رنگیں ترانوں کا نسل تبدیل ہو!

جو قلب فطرت کا آئینہ ہو!  
وہ لغتہ — وہ بات بات کا — کاٹناٹا کھرا دل ہو!  
وہ دل کس کا زبان والوں نے پیاسے نام ماں رکھا ہو!

وہ محبت کی ابتدا ہے!!  
وہ محبت کی ابتدا ہے!!

مترجمہ اختر شیرانی۔ لاہور



یہ بھی عجیب اتفاق ہو کہ اس نے شہر کا نقشہ جبل مرکن مارٹن ہند نے تیار کیا ہے، اسی سے ترکی حکومت نے بھی اپنے نئے دارالحکومت کا نقشہ تیار کر لیا ہے جو انگوڑہ میں زیر تعمیر ہے۔ اس مارٹن کا نام ڈبلو ہائے گرین ہے، اور اس وقت فن ہندسہ تعمیر میں بہترین شخص تسلیم کیا جاتا ہے۔

اس دارالحکومت کے پلانٹ کی جو عمارت تعمیر کی گئی ہے، وہ عارضی ہے۔ مستقل اور اصلی عمارت بہ تدبیرج سو برس کے اندر تعمیر ہوگی۔ سو برس کی مدت پر ہمارے تارخین کو تعجب ہوگا، لیکن انھیں خیال کرنا چاہئے کہ کسی قوم کے قومی کاموں کی عمر میں ایک صدی کا زمانہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا جس قدر فرد کی عمر کے لئے ایک دن! پچھلی ڈاک کے تیوارک مارٹن نے بھی اس دارالحکومت کے حالات پر ایک مقالہ شائع کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "پلانٹ کی اصلی عمارت سو برس کے اندر مکمل ہوگی۔ ایک نہایت مختصر وقت جو کسی قوم کی زندگی کا ہو سکتا ہے! اس مدت کے اندر اطریشین قوم فیثا ترقی کے اس درجہ تک پہنچ جائے گی، جب ضرورت اور خرچہ اس کوئی سمجھتا نہیں ہو سکتا!"

مارکن اخبارات نے اس پر طے زنی کی ہے، اس میں رشک کی جھلک صاف نمایاں ہے۔ سائنسٹک امریکن کا مقالہ لکھا دیکھتا ہے: "مارکن برا کا نقشہ ان تمام غلطیوں سے محفوظ ہے جو دانشگاہ کی آبادی کی ترتیب میں ہو چکی ہیں۔ اس طے زنی کو امریکہ کے مقابلہ میں یہ فزیت حاصل ہو گئی کہ وہ امریکی آبادی سے کئی گنا زیادہ ہے جو اس میں آباد اور ان تمام تجربوں سے فائدہ اٹھا سکا جو امریکہ کی آبادی سے حاصل ہو چکے ہیں۔ دانشگاہ نہ تو یکساں ہے، نہ مرتب، اور نہ مناسب قطعات میں منقسم۔ لیکن کین برا شہری آبادی کا ایک ایسا کابل جہاں ہوگا جس میں تناسب کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی۔"

پچھلے دنوں اس شہر کا سرکاری مستقبل ہو چکا ہے، لیکن ابھی عام آبادی شروع نہیں ہوئی ہے۔ صرف عارضی سرکاری مکانات آباد ہوئے ہیں۔ لیکن جو قوم ہم انسان کی مادی سنی و جتنی کہ یہ داستان شہریت و سلطوت پروردہ ہے، تو بے اختیار ہمارا خیال ایک دوسرے کو شہر فکر کی طرف متقل ہو گیا۔ انیسویں انسانیت کی محدود پیراز میں صورت جس قدر حسین ہوتی جاتی ہے، اتنی ہی اُسکی روح و مغنیت آرائش جہاں سے محروم ہوتی جاتی ہے۔ ایسٹ، پتھر، اور سبز وخت کی صورت آرائشوں سے اُس کے خال و خط و لہر غیب بن سکتے ہیں لیکن اُسکے جہاں روح کے لئے آرائش ہم نہیں ہو سکتی۔ اُس کی روح اور مغنیت کیا ہے؟ مجمع انسانی کا حقیقی امن سکون۔ اُسکی مغنیت سعادت و مسرت۔ اُس کے دل کی راحت، اور روح کا قرار و چین۔ کیا اُس کے لئے بھی دنیا اور دنیا کی قوموں کے پاس کوئی مسمی و اہتمام ہے؟ کیا اُسکے لئے بھی کسی امرن کا دماغ اور کسی نقاش کا قلم و پرکار ہے؟ دنیا کی قومیں باہر گر رشک و حد سے مضطرب ہو رہی ہیں۔ ہر قوم اپنے پتھر کی سر بلندی اور لکڑی اور لوہے کی سرفرازی میں دوسرے کو پچھے ہٹاتا اور خود کو لگے بڑھتا چاہتی ہے۔ لیکن روح و دل کی رفعت و سعادت کے لئے تو کسی کے دلیس رشک ہے، نہ کسی کے دماغ میں طلب اسطرلیا نے سو کین بے کا اور طرکی نے نئے انگوڑہ کا نقشہ بنالیا۔ لیکن ہمیں کوئی نہیں جو انسانی سعادت کی ایک نئی لہری کا اور روح و دل کے سکون قرار کے ایک نئے دارالحکومت کا نقشہ بنائے! قرآن حکیم نے اسی زندگی کے استعمال و تصرف پر نہیں مگر اُس کے ہی استغراق و پریش پر بار بار ملامت کی ہے کہ: *يَخْلُقُ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمِنْ غَمٍّ* (الاخرۃ ہم غافلوت! (۶۰: ۳۰)

## عالم مطبوعہ و صحافت

### دنیا کا جدید ترین شہر

### آسٹریلیا کا نیا دارالحکومت

### زمین کی آبادی، اور روح و دل کی دیرانی!

ریوٹر ایجنسی کے ذریعہ یہ خبر شہر ہو چکی ہے کہ آسٹریلیا کی حکومت مقام کین ہیر میں ایک نیا دارالحکومت تعمیر کر رہی ہے۔ اب لمبورن کے "اسٹریٹیز" نے اس نئے شہر کے مختلف حصوں کی نہایت دلچسپ تصویریں شائع کر دی ہیں اور ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان تصویروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ریوٹر ایجنسی کا یہ بیان مبالغہ سے خالی تھا کہ "یہ شہر دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ مرتب و منظم شہر ہوگا۔"

ایک تصویر میں آبادی کا ایک مکمل قطعہ دکھایا گیا ہے جس طرح کے قطعات پر پوری آبادی مشتمل ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی بے شمار قطعات میں منقسم کر دی گئی ہے۔ ہر قطعہ میں چاروں طرف چھوٹے چھوٹے چمن زار ہیں اور وسط میں مکانات۔ مکانات کا حصہ اور چاروں طرف کے چمن، سب کے سب مرتب ہیں۔ مکانات کے مرتب قطعہ میں جتنے مکان ہیں، سب کے سب ایک قطعہ اور ایک درجہ کے ہیں ان کی تعداد کسی حال میں بھی دس مکاناتوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اگر اس طرح کے ہر قطعے کو ایک محلہ سے تعبیر کیا جائے، تو کتنا چاہئے کہ اس شہر کے ہر محلہ میں چار حصہ سے زائد رقبہ، بلوغ و چمن کا ہوگا، اور صرف پانچواں وسطی حصہ آبادی کا!

دوسری تصویر میں باغ و کھلائے گئے ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ موثر خصوصیت یہ ہے کہ درختوں کی تعداد اور قطار ہر حصہ میں سادی ہے۔ معلوم ہوتا ہے، سرد و قدان میں ایک ہی صورت، ایک ہی وضع اور ایک ہی تعداد میں ہر طرف صف آر او ہیں! تیسری تصویر میں اس مصنوعی نہر کا منظر دکھایا ہے جو دارالحکومت کے مختلف حصوں میں پھیل کر چاروں طرف گردش کرے گی، اور پھر ایک جھیل کی شکل اختیار کر کے پانی اور بجلی کی طاقت کا ذخیرہ ہم پہنچا دے گی۔ یہ نہر مصنوعی ہے، لیکن چونکہ انسانی صنعت کا کمال یہ ہوتا ہے کہ فطرت کی سا دگوں سے قریب تر ہو جائے، اس لئے کوشش کی گئی ہے کہ اس کے پیچ و خم اور لیشب فرازیں قدرتی نہر کی سی شان پیدا کر دی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ تصویر دیکھ کر کوئی نگاہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ قدرتی نہر نہیں ہے!

باغوں کی روش میں جاپانی (اور فی الحقیقت انڈی اور مغربی) طریقہ ترین و آرائش زمین کا ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یعنی مختلف رنگ کے پتھروں اور سینٹ کے ذریعہ روشوں کے دامن اور حواشی بنائے گئے ہیں۔ ہر چمن زار کا حاشیہ سفید ہے۔ اُس کے بعد تھوڑی جگہ چھوٹے چھوٹے سفید جدول و دریا دی گئی ہے۔ دور سے دیکھتے تو معلوم ہوتا ہے، ایک نہایت خوشنما اور خوش اطراف قالین بچھا ہوا ہے!

اس شہر کے حسن و جمال کو زمین کے اُس حصہ کی قدرتی خوبو سے بھی بہت مدد ملی ہے جو اس کے لئے منتخب کی گئی ہے۔ یہ سطح سمندر سے دو ہزار فٹ بلند ہے، جو ہندوستان کے اکثر پہاڑی سطح ہائے سطح کی بلندی ہے۔ اور اس لئے آب ہوا کا بی خشک اور خوشگوار ہے۔ قطعہ زمین کا پورا رقبہ تقریباً ایک ہزار مربع میل ہوگا۔ ایسے چاروں طرف درختوں سے بھرے ہوئے پہاڑی سلسلے واقع ہیں۔ اور انھوں نے اس سطح کو نوساتھ دیلز کے صوبے سے الگ کر دیا ہے۔

ریوٹر ایجنسی کے ذریعہ یہ خبر شہر ہو چکی ہے کہ آسٹریلیا کی حکومت مقام کین ہیر میں ایک نیا دارالحکومت تعمیر کر رہی ہے۔ اب لمبورن کے "اسٹریٹیز" نے اس نئے شہر کے مختلف حصوں کی نہایت دلچسپ تصویریں شائع کر دی ہیں اور ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان تصویروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ریوٹر ایجنسی کا یہ بیان مبالغہ سے خالی تھا کہ "یہ شہر دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ مرتب و منظم شہر ہوگا۔"

ایک تصویر میں آبادی کا ایک مکمل قطعہ دکھایا گیا ہے جس طرح کے قطعات پر پوری آبادی مشتمل ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی

(بقیہ مضمرات صفحہ ۱۶)

کام لئے اور انھیں متاثر کرنے کا سب سے بہتر اور کامیاب طریقہ یہی ہے کہ جماعتی ذہنیت کو متاثر کیا جائے جس کے بعد سرکش سے سرکش افراد بھی متاثر و مغلوب ہو جائیں گے۔ جماعتی ذہنیت کے متاثر کرنے کے طریقوں اور ذریعوں ہی کا نام "پروپاگنڈا" ہے۔

مگر قدر حیرت انگیز بات یہ کہ افراد، جو عموماً محب ذات اور خود غرض ہوتے ہیں، ہولناک جنگوں میں ہتھیروں پر سرکے گھس جاتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ جنگ سے ان کی ذات کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچے گا، اپنے تئیں موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں؟

اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہی ہے کہ پروپاگنڈے نے ان کی انفرادی عقل پر پردہ ڈال دیا ہے اور ان کی ایسی جماعتی ذہنیت پیدا کر دی ہے جس کے دھلے پر پڑ کر انھوں نے چرچا جنگ کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں اسی جماعتی ذہنیت کا نام "عام رائے" ہے۔ اسی عام رائے کے طیار کرنے کی کوشش کو "پروپاگنڈا" کہتے ہیں۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ کسی تحریک کے کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اُس کے موافق جماعتی ذہنیت پیدا کی جائے، تاکہ افراد اس ذہنیت سے متاثر ہو کر اُس کے حامی اور فدا بن جائیں جو جماعتی ذہنیت یا عام رائے بنانے کا ذریعہ تقریر، تحریر، اخبارات، رائل انجینس غرض کہ بہت سے طریقے ہیں۔ ان تمام طریقوں کو "پروپاگنڈا" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ موجودہ زمانہ میں ہر تحریک کی کامیابی کے لئے سب سے زیادہ کارگر ذریعہ "پروپاگنڈا" ہے۔

# مطبوعاً جدیدہ

## غدر ۱۸۵۷ء

### اور "تصویر کا دوسرا رخ"

کہ جنگ غدر ۱۸۵۷ء کے متعلق ہندوستان میں کوئی تاریخ صحیح شائع نہیں ہوئی۔ حالانکہ دوسری طرف انگریزوں نے اس واقعہ پر سکڑوں کتابیں لکھ کر شہر کیں۔ یہ واقعہ جو کہ انھوں نے تصویر کا صرف ایک رخ دکھایا ہے غدر کے اسباب

عام طور پر غدر کے دو سبب بیان کئے جاتے ہیں۔ اولاً یہ کہ الیٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے تمام صوبے یکے بعد دیگرے اپنی حکومت میں ملا لئے تھے۔ اس واسطے ہندوستانیوں کے دلوں میں کمپنی کے متعلق بہت شکوک پیدا ہو گئے۔ دوسرا سبب دہلی چربی دالے کا دوسو لکھ حصہ۔ انیس (Ansen) جو ان دنوں کا مڈ انجین تھا لکھا کہ مد میں نے مشکوک کارٹوس دیکھے ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ سپاہیوں کے جذبات حق بجانب ہیں۔ مجھے یہ ہرگز خیال نہ تھا۔ کہ ان کارٹوسوں کے استعمال میں گلے اور سوراخ کی چربی لگائی جائے گی۔ میرے خیال میں ہندوستانی سپاہیوں کے جذبات کی مطلق برداشت نہیں کی گئی۔

یہ کارٹوس جو انیس دنوں میں رائج کئے گئے تھے، سوداگر گائے کی چربی سے آلودہ ہوتے تھے۔ اور بیشتر اس کے کہ انھیں بندہ توں ہی ڈالا جائے، دانتوں سے کاٹا پڑتا تھا۔ اس کارٹوس کے چند حصے کو سخت ہوتے تھے کہ بغیر دانت کے استعمال کے چلائے نہیں جاسکتے تھے۔ ہندو مذہب میں گلے کا احترام کیا جاتا ہے، جب انھیں یہ کارٹوس استعمال کرنا پڑے تو سخت ہیچ ہوا۔ یہی حال مسلمان سپاہیوں کا بھی تھا۔ چنانچہ تمام فوج میں ایک کھل ملی چم گئی۔ رسالہ برتاؤ مقررہ کے ۵۰ سپاہیوں نے ایسے کارٹوسوں کے استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا گورٹ مارشل کیا گیا۔ اور دس دس سال کی سزا دی گئی جس طریقے سے یہ حکم سنایا گیا تھا وہ تہذیب سے بگڑا ہوا تھا۔ معصیت موصوف نے اس خوفناک منظر کا نقشہ کھینچا ہے:

"۵۰ سپاہیوں کو گارو کی حراست میں فوجی عدالت کے دروازے پیش کیا گیا اور یہ سخت حکم سنایا گیا۔ ان کی فوجی دُردی ان کے جسم سے اُتار دی گئی پھر اُسی وقت بیڑیاں پہنائی گئیں۔ یہ نہایت دردناک نظارہ تھا۔ ان کے ساتھیوں کو ان کی حالت زار پر ترس آ رہا تھا۔ ان قیدیوں میں بہت سے ایسے سپاہی بھی تھے جنھوں نے انگریزوں کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کی تھیں۔ اور مختلف لڑائیوں میں عظیم الشان بہادری دکھائی تھی۔ تمام قیدیوں نے آواز بلند کر کے اپنی موت و حیات کی کراہیں بے غریزے بجا یا جالے۔ لیکن کسی نے پروا نہ کی جب وہ مایوس ہو گئے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کو لٹکا کر کہا انھیں شرم نہیں آتی کہ ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں اور تم خاموشی سے تماشا دیکھ رہے ہو؟ اس دردناک اپیل سے حاضرین کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ انھیں کچھ کچھ گزرتے۔ لیکن توپوں اور بندو قوں کی موجودگی میں وہ کیا کر سکتے تھے؟ ناچار انھیں صبر کرنا پڑا۔ لیکن اس واقعہ سے ہر ایک کو انگریزوں کے خلاف ہو گیا۔ وہ لوگ جو ان کی خاطر اپنی جانیں لڑاتے تھے، یکھت ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

لارڈ کیننگ گورنر جنرل نے اس واقعہ کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے "یہ ایک ایسا احمقانہ حکم تھا جس کی نظیر کسی شکل میں بغاوت کا آغاز اسی حکم سے شروع ہوا ہے"

دوسرے دن (یعنی ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء) ایک رسالہ اور دوبارہ فوجوں نے جلیانے کے دروازے زبردستی کھول کر اپنے ساتھیوں کو آنا کر دیا۔ پھر انگریز افروں کے گھر جلائے۔ جہاں کہیں کوئی فرنگی بلا قتل کر دیا گیا، اور اس کے بعد سب کے سب دہلی روانہ ہو گئے جب باغی پلٹیں دہلی پہنچیں۔ تو وہاں بھی انھوں نے انگریزوں کے قتل کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ جب ایک محکمہ قوم اپنے حاکموں سے جنگ و جدل پر آمادہ ہو جاتی ہے تو دونوں طرف سے

کوشش کی ہرگز دستاورد بے لگائی کی معادرتو واقعات جمع کئے جائیں معصیت کو مشکل قرار دے اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل کر آئے۔ اگر پاس حکومت ہند کے مرکزی افسروں اور انگلستان کے بعض غیر مرکزی مباحث کے سوا اور کوئی ذریعہ علم نہ تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ذرائع اس بابے میں غیر فزائیس قرار دئے جاسکتے۔ تاہم تاریخی شہادت کا چندہ ذخیرہ بھی جمع ہو گیا ہے، اس سے جیتھی بھیجی "تصویر کا دوسرا رخ" نمایاں ہو جاتا ہے۔

اب ہندوستان اس منزل پر پہنچا ہے جب اس قسم کے دہشتا محض سیاسی منظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی اعلیٰ حیثیت سیاسی بلکہ تاریخی ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء عظیم واقعہ جسے ہندوستان کے نئے نئے حیات کے ہر گوشے پر اثر ڈالا، غزوی جو کہ تاریخ کے سامنے پیش کیا جائے، اور اسے پختہ و پختہ کرنا چاہئے کہ اپنا فیصلہ ثبت کرے۔

ذیل میں ہم اس کتاب کے بعض فردی حصوں کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ پوری محنتی صاحب کمال ایڈٹ آباد نے کیا ہے۔ ان کا ارادہ ہے کہ پوری کتاب کا ترجمہ اردو میں مرتب کریں۔ امید ہے یہ ترجمہ پوری دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائیگا۔

آکسفورڈ میں یہ مثل عام طور پر مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص ہندوستان کے متعلق کسی معمولی درجہ کے ایوان میں بھی لکھوے تو تمام سامعین یک لخت ایوان خالی کر دیں گے۔ ایک زمانہ تھا جب انگریز علماء ہندوستانی علوم و فنون میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ حال ہے کہ ہندوستانی مسائل پر کوئی توجہ نہیں ہوتا۔ اس تبدیلی کا سبب یہ ہے کہ ہم یقین ہو گیا ہے، ہندوستانی ہماری حکومت سے تنگ آ گئے ہیں۔ انھوں نے ہمارے حسن انتظام کی قدر نہیں کی۔ ہم اگر اب بھی قربانی کر سکیں ہندو کو بزدل و غیر قابل ہیں رکھ سکتے ہیں۔

لیکن جو مشورہ غل جلیانہ لالہ باغ کے قتل عام پر ہوا تھا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ کم اپنے آباد اجداد سے کہیں زیادہ رحمدل واقع ہوئے ہیں کیونکہ ہم ہندوستان میں دوسرا غدر پیدا کرنا نہیں چاہتے۔

اب ہمارے لائق اور ہونہار نوجوان ہندوستانی ملازمتوں کو گریز کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معمولی قابلیت کے آدمی ہندوستان چلیے ہیں۔

ہندوستان کے متعلق غلط اور بے بنیاد پردہ پگندیاں روپ میں پھیلایا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے باشندے محض وحشی اور صحرائی ہیں! ہندوستانی مورخ نہیں ہیں۔ انیس واقعات کو سلسلہ وار مرتب دیتا نہیں آتا۔ وہ تحقیق کے نئے طریقوں سے نا آشنا ہیں یہی وجہ ہے

حال میں ایک کتاب امریکہ کو شائع ہوئی جس کا نام

The other side of medal

ہے۔ یعنی تصویر کا "دوسرا رخ"۔ اس کا مصنف ایک مشہور اہل قلم اور ڈراما سن ہے۔ اس نے کتاب میں لکھی ہے کہ "غدر ۱۸۵۷ء کے انیساطی بطلان حکام نے جو انتقامی تدابیر اختیار کی تھیں یا حکومت کے بولے بہت کے مظاہر کے لئے جو خون ریزیاں جائز رکھی گئی تھیں، ان کے واقعات مستند تاریخی مصادر سے اخذ کر کے کیا کرتے ہیں، اور اس ہندوستانی غلو کی ہولناک تصویر کا دوسرا رخ بھی دنیا کے سامنے آئے۔" غدر ۱۸۵۷ء کی تصویر کا ایک رخ تو وہ تھا جو باغی فوج کے قتل و غارت اور لوٹ مار کی صورت میں دنیا دیکھ چکی ہے۔ اس سلسلہ میں بہت زیادہ وحشتانہ طرز عمل دیکھو، اور کارٹوسوں کے گناہ انگریز عورتوں اور بچوں کا قتل تھا۔ قتل و قتل میں ۵۲ انگریز مقتول تھے۔ باوجود بدست بردار شاہ مرحوم کی یہیم مہا افسانہ کو شہر کے باغی فوج نے انھیں قتل کر ڈالا۔ غالباً اسے لے کر ایک ایک دیکھ کر دیا۔ مختلف ہیں ان میں عورتیں بھی تھیں۔ لکھنؤ میں بھی غدر کے بعد ۲۵ انگریز قیدیوں کے انھوں نے قتل کر دیں جن میں ایک تہائی قتل عورتوں کی تھیں۔ کا قید میں جان بخشی کا سہ کرنے کے بعد جو عورتوں کی کشتیوں پر کیا گیا جس میں عورتیں اور بچے بھی تھے، وہ ناآرامی کے حکم سے ہوا۔ یہاں ہوا، لیکن یقیناً حد درجہ کا وحشتانہ فعل تھا۔ مختلف مقامات میں غیر مسلح اور بے پناہ انگریزوں پر ان کے فوجی نوکرین نے جو حملے کئے اور عورتیں قتل کر ڈالی گئیں، بلاشبہ ان کا انسانیت ان کے لئے کوئی مذمت قبول نہیں کرے گی۔

یہ ۱۸۵۷ء کی تصویر کا ایک رخ ہے، اور ایک سو سے زیادہ انگریز اہل قلم اس کی وحشت و ہولناکی کے خال و خط نمایاں کر چکے ہیں! لیکن تصویر کے دوسرے رخ کی شہادت کیا ہے؟ وہ اخلاقی انسانیت کا منہ ہے، یا وحشت و ہولناکی کا؟ پہلے رخ سے کم ہولناک ہو یا زیادہ؟ دنیا کی ان حکمران اور قابو آئے قوموں میں انھیں انتقام دینے کے سوا کوئی اور اخلاقی تفر (کرکٹ) کے مظاہر کا حق نہیں ہے، انگریزی قوم کی جگہ کی تھی ہے؟ اسے خود ہندوستانیوں کی مدد نہجیاد، ہر کہ ہندوستان کے سب سے بڑے دشمنوں میں جو قتل عام کیا، اور جس طرح غریب، غریب، غریب، اور کلمے گناہ آبادی نہ تو بالآخر دیکھی، تاریخ اسے لکھا نیل کرنا چاہئے؟ یہ سب انہیں جو غدر ۱۸۵۷ء کی تاریخ سے قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ انہیں نہ صرف نظر تحقیق کی روشنی میں اس گوشہ پر نہیں دیکھی اس نئی کتاب میں طرہ اس کے سہارا پر روشنی ڈالی ہے، اور

دھیانہ حرکات ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے سے ظالمانہ سلوک رد کر رکھا جاتا ہو، حتیٰ کہ طاقتور جماعت محض اپنے زور سے دوسری جماعت کو کھل دیتی ہو۔ فرنیٹک ٹرنٹ نے تاریخ انگلستان میں لکھا ہے: "یہ لڑائی دو وحشی قوموں میں ہو رہی تھی۔ انھوں نے رحم و انصاف بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اگر انھیں کوئی خیال تھا تو صرف یہ تھا کہ کسی طرح انکے دشمن تباہ ہو جائیں۔ دونوں طرف سے سخت مظالم کئے گئے جن پر پروردگار نے انہیں مناسب ہو" انگریزی تواریخ نے اپنی حرکات پر تو دانتی پردہ ڈال دیا ہو، لیکن ہندوستانیوں کے مظالم کا بہت بڑی طرح سے غائب کیا گیا۔ سیکڑوں زمینی قبضے تواریخ میں درج کئے گئے، تاکہ انگریزوں کو لکھنے پڑھنے سے جوش پیدا ہو۔ آج ہم اس تصویر کا دھڑا ٹیخ بتاتے ہیں جو تقریباً ۱۷ سال سے لوگوں کی نظروں سے عیاں چھپا دیا گیا ہو۔

### پشاور کا واقعہ

۱۵ جون ۱۷۵۷ء کو پشاور میں ۱۲۰ سپاہی کپڑے گئے۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنے اسلحہ کو قتل نہیں کیا تھا۔ بہت سے آدمی ایسے تھے جو بیکس کی جڑانہ ارادے کے بغاوت میں شامل ہو گئے تھے بنگلہس نے ایڈورڈ ڈیوٹی کمنڈر پشاور کو لکھا تھا کہ میں ۵۵ سکھ قیدیوں کی جان بخشی کی سفارش کرتا ہوں کیونکہ مجھے انکے اسلحہ نے یقین دلایا ہے کہ ان لوگوں نے بغاوت میں ملوث حصہ نہیں لیا۔ باقی کو توپ کے ذریعہ اڑا دیا جائے۔ سر لارنس نے جواب دیا کہ چونکہ وہ ہمارے دشمنوں کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ اس لیے ان پر رحم نہیں کیا جاسکتا۔ پھر بھی میں تمام آدمیوں کو پھانسی دینا نہیں چاہتا۔ میرا عاصرت یہ ہے کہ ایسی عزت نامہ سزا میں دی جائیں کہ عوام الناس ڈر جائیں، میری تجویز یہ ہے کہ ان میں سے صرف ایک ہتھیار کو نرلے موت دی جائے۔ اڈورڈ ایڈوان سپاہیوں میں سے جتنی جائے جو ہنایت سرکش اور گستاخ ہوں۔ یا جن کے خلاف انکے اسلحہ کا تہمت کر سکیں اگر ان صفات کے آدمی اتنے نہیں جن سے مجوزہ قتل دہری ہو سکے تو پھر لوٹ کر سپاہیوں کو شامل کر لیا جائے۔ باقی قیدیوں کو مختلف قسم کی سزائیں دی جائیں۔

نرکی حالت میں بھی تین سال سے کم نہ ہو۔ لارڈ ڈارلنگ نے جو ان دنوں لکھنؤ کے عہدے پر تھا، اپنی والدہ کو ایک خط میں اسی واقعہ کے متعلق لکھا ہے: "ہم جہلم سے پشاور تک پیادہ چلے گئے۔ راہ میں باغیوں کو قتل کرتے رہے اور دونوں سے ہتھیار لیتے رہے۔ لوگوں پر سزائے موت کا جو توپ سے واقع ہو، بڑا اثر پڑتا ہو۔ یہ بڑا ہی خوفناک منظر ہو لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ان مظالم کے ذریعہ ہم ان بدعاش مسلمانوں کو بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم خدا کی مدد سے ہندوستان پر قابض ہینگے۔"

### نجات کے واقعات

ایک توپ میں بہت زیادہ بارود بھری ہوئی تھی جب ایک شخص کو اس کے سامنے لا کر رکھا گیا اور توپ چل گئی، تو اس شخص کے سر کو ٹکڑے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اس کا سر تاشائیوں میں سے ایک کوٹھا لگا اور کئی آدمیوں پر خون کے پھینٹے پڑے۔ جنرل بنگلہس جسے ہم ابام لکھنؤ میں دیوتا کی طرح پوجتے تھے، ایڈورڈ کو ایک خط میں لکھتا ہے: "ایک قانون بنانا چاہئے جس کی مدد سے ہم انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کو زندہ جلا سکیں اور زندہ ہی ان کا چمڑا آتا سکیں۔ شخص پھانسی دینے سے ہمارا جذبہ انتقام ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں دنیا کے ایک ایسے کوٹے میں ہوں جہاں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکیں۔ مشرقی ممالک کا قاعدہ ہے کہ جب تک لوگوں پر گورنمنٹ کاؤڈ اور خون طاری نہ ہو جائے تب تک اس کے فوائد کی قدر نہیں کی جاتی" کو پرجوا سرکار ڈیوٹی کمنڈر تھا۔ لکھتا ہے کہ تاجاب کے قلم افسر ظلم

کرنے میں ابتدا کرتے تھے تاکہ لوگ ڈر جائیں۔ اور انتقام لینے کی جرأت نہ کر سکیں۔

ٹماستن نے سرسہری کاٹن کو چند مسلمان قیدیوں کے متعلق مندرجہ ذیل واقعہ سنایا تھا۔ "شام کے وقت ایک سکھ اڈلی آیا اور سلام کر کے میرے خیال میں حضور قیدیوں کو دیکھنا چاہتے ہو گئے میں خود حالات چلا گیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ قیدی زمین پر بندھے ہوئے ٹرو ہیں۔ بالکل برہنہ اور آخری سانس لے رہے ہیں۔ انکے جسم کے ہر ایک حصے پر تانبا گرم کر کے نشان کئے گئے تھے۔ مجھے ان کی حالت پر دم کیا اور پسوں سے قتل کر دیا تاکہ جاں کدنی کی تکلیف سے بچ جائیں" جب کاٹن نے یہ درد انگیز واقعہ سنا تو ان سے پوچھا پھر نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جنھوں نے یہ وحشیانہ حرکت کی تھی؟ ٹماستن نے جواب دیا۔ میں نے کچھ نہیں کیا!

### وحشیانہ قتل و دہب

فدر کے دنوں میں ہر ہندوستانی سپاہی کے خلاف الزام تھا کہ اسنے انگریز بچوں اور عورتوں کے قتل میں مدد دی ہو۔ خواہ وہ کبھی جگہ پر ہو اور کتنی ہی بے علاقت ہو۔ اگر کوئی انگریز دہلی میں قتل کیا گیا ہو، تو لاہور اور پشاور کے ہندوستانی سپاہی بھی قابل گرفت تھے، ایک چشم دید گواہ لکھنؤ کی خبر بیان کرتا ہے: "ایک دن سکھ اور انگریز ایک دوسری قیدی کو سنگینوں سے مار رہے تھے۔ لیکن کوئی ضرب ہلک ثابت نہ ہوئی۔ اس واسطے دو تین لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی گئی، اور اسے اس آگ میں پھینک دیا گیا۔ سکھ اور انگریز یہ خونخوار منظر دیکھنے سے لے کر دیکھ رہے تھے۔ رسل نے بھی جو ٹائم لندن کا نام لکھا تھا۔ اس واقعہ کی تصدیق کی ہو۔ بلکہ وہ کہتا ہے: میں اس قیدی کی جلی ہوئی لہریاں بھی اس جگہ دیکھی تھیں"

سب سے پہلے اسی رسل نے ان وحشیانہ حرکات اور مظالم پر صدائے احتجاج بلند کی۔ چنانچہ وہ اپنی ڈائری میں لکھتا ہے: "یہ انتقام نامہ سزائیں مثلاً مسلمانوں کو سسور کے چرے میں ال کر سی دینا اور قتل کرنے سے پہلے انکے منہ میں سوڑ کی چربی ڈالنا، اور ہندوؤں سے انکے خلاف مذہب حرکات کرنا، انسانیت کے خلاف اور مذہب سے گری ہوئی حرکتیں ہیں۔ ان سزاؤں سے بڑے خوفناک نتائج پیدا ہو گئے جو ہمارے واسطے ہمارا ثابت ہو گئے"

جب ان مظالم کی حد ہو گئی تو گورنر جنرل نے ۱۳ جولائی ۱۷۵۷ء کو ایک مفصل حکم جاری کیا جس کی مدد سے دیہات کا جلاوا اور رستے آدمیوں کو بیکس کی ثبوت کے سزا دینا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ ان افسروں سے نرلے موت کے اختیارات بھی چھین لئے گئے جنھوں نے اندام دھند یہ اختیارات برتے تھے، ۸ مارچ کو جان گرانٹ ہو گیا وسطی میں گورنر بنا کر بھیجا گیا تاکہ الہ آباد اور دیگر مقامات میں جیشاد آدمیوں کی پھانسی کی سزا ملتی کرے۔ انگریزوں نے کیننگ آف گرانٹ کے خلاف بہت شور مچایا کیونکہ انھوں نے بہت سے آدمیوں کو پھانسی سے بچا دیا تھا۔

ایک دفعہ آگست کے دنوں میں ایک انگریز فوج دیتا جلا کر واپس آ رہی تھی۔ راہ میں چند وفادار سپاہی مل گئے۔ مگر انھیں بھی سنگینوں سے مار دیا گیا۔

یہ سلسلہ مرہ، کہ بہت سے سپاہی محض خوف کی وجہ سے بھاگ گئے اور پھر بغاوت پر مجبور ہو گئے۔ اگر ہم نے ابتدا میں مظالم نہ کئے ہوتے تو فساد و دہشت نہ پھیلتا اور لوگ دم و انصاف سے ایسے ہو کر باغی نہ ہو جاتے۔

ایک یادری کی بوہ طے فرمے لکھتی ہے: "اسے بہت سو قیدیوں کا نشانہ کرنے پر آمنا کیا لیکن چونکہ یہ کام انکے مذہب کے خلاف تھا

اس لئے سنگینوں کی نوک سے کرنا پڑتا تھا۔ بعض قیدیوں نے بڑی جلدی سے کام کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ انھیں خیال تھا۔ کہ وہ اس طرح پھانسی سے بچ جائیں گے۔ لیکن ان کی یہ غلط فہمی فوراً دور ہو گئی۔ کیونکہ بالآخر سب کو پھانسی دی گئی!

مجنری ایک جگہ لکھتا ہے: "میں نے وہ رات سجد یعنی جامع مسجد دہلی کی ناگ بندی میں گزار دی اور رات کا بہت سا حصہ ان قیدیوں کے قتل کرنے میں خرچ کیا۔ جو دن کے وقت پیر طے گئے تھے۔ بہت سے آدمیوں نے مرتے وقت ایسی شجاعت اور شہادت دکھائی کہ ہم بھی داد دے بغیر نہ رہ سکے"

ایک انگریز جو دہلی کے محاصرے میں موجود تھا، لکھتا ہے: "میں نے صلح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انگریز صلح کے خواہشمند نہیں ہیں۔ وہ تو قتل عام سے خوش تھے ہیں"

جب میجر ریناڈ کا نیوڈ کے لئے کوچ رہا تھا، تو جنرل نیل نے اس کو مفصل ذیل ہدایات بھیجیں جو قابل غور ہیں: "ان دیہات کو جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہو، تباہ کر دیا جائے جن محلوں میں چٹان بود باش لکھتے ہیں انھیں سار کر دیا جائے اور باشندے قتل کر دیے جائیں۔ باغی پلٹنوں کے تمام سپاہیوں کو پھانسی دی جائے چونکہ فخر نے بغاوت کی ہو، اس لئے اس پر بھی حکم کیا جائے اور تباہ کر دیا جائے۔ اگر ڈیٹی کلکٹر گرفتار ہو جائے تو اسے پھانسی دے دی جائے اور اس کا سر شہر کی کسی بلندی پر لٹکا جائے" یکم اگست ۱۷۵۷ء کے ایک اعلان میں یہ فقرہ لکھا تھا: "میں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا کہ انگریز کوئی جرم معاف کر سکتے ہیں"

### ہزاروں کا قتل

آخر کار کیننگ اور جان لارنس نے بھی اس قتل عام کے روکنے کی کوشش کی۔ ڈیڑھ مئی ۱۷۵۷ء کو لارڈ بنگلہس نڈلہ نے تو ابتدا ہی سے اس کے خلاف آواز اٹھائی تھی، جب انگریزوں کا غضب جوش پڑھا تو اسنے ایک تقریر کے دوران میں کہا تھا: "مجھے یقین ہے کہ ہمارے فوجی ہندوستان کے لوگوں سے خوفناک انتقام نہیں لیں گے۔ لیکن میں ان انگریز حاکموں کے اس طریقے سے بالکل متفق نہیں جس کے ہاتھ میں ہندوستان کی باگ ہو۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہم غیر مالک میں بجائے انصاف کے انتقام کے زور سے حکومت کریں۔ میں ظلم کے بدلے میں ظلم نہیں کرنا چاہتا"

لارڈ کیننگ نے ملکہ منظر کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا: "لوگ انتقام پر تلے ہوئے ہیں اور وہ لوگ بھی جنھیں اپنے ہاتھوں کے روبرو بہتر مثال قائم کرنی چاہئے تھی، اس جوش سے غالی نہیں۔ میں جب اپنے لوگوں کی حرکات دیکھتا ہوں تو شرم کے مائے پسینہ پسینہ ہو جاتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ ان لوگوں نے کس طرح چائیں پیاس ہزار آدمی قتل کر لئے، ملکہ ڈیوڈ نے اس خط کا جواب یہ دیا تھا: "لارڈ کیننگ کو یقین کرنا چاہئے کہ میں بھی انگریزوں کی ان وحشیانہ حرکات پر سخت ناام ہوں اور خاص کر انگلستان کی بلکہ پرجسے برطانوی فوجوں کی کارگزاری بنظر حقین دیکھی ہے" چونکہ لارڈ کیننگ نرم دل اور کرم تھا اس لئے وہ وقت پر انگریزوں کا جوش ٹھنڈا نہ کر سکا۔ اس کے تحت اس کے اختیار سے باہر تھے۔

### قتل و دہب کی مطلق لہجائی

سر جارج کیبل اپنی سوانحی میں لکھتا ہے: "میں نے مارشل لکے متعلق بہت دفعہ سنا ہے لیکن میں ابھی تک اس کا صحیح منہم نہیں سمجھ سکا۔ ہندوستان میں ان دنوں اس کا جو مطلب سمجھا گیا تھا، وہ یہ تھا کہ ہر ایک فوجی کو کھلی اجازت تھی وہ جسے چاہے قتل کرے یا جس

## ادبیات

### سعد پاشا ز غول کا اقبال

سعد ذہر دار نہیں ہے، وطن کا ہر فرد ذہر دار ہے۔

قومیت

یہ دیکھ کر میری مسرت بے حساب ہو جاتی ہے کہ مصر میں صرت ایک ہی فرقہ موجود ہے، اور وہ مصری قوم ہے۔

قومی زندگی

یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ جاعتوں کا سوال نہیں ہے۔ یہ قومی زندگی کا مسئلہ ہے!

میٹھے بول

انگریز، گفتگو میں بٹے اہر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میٹھے بول ہیں پھر کر لیتے ہیں!

ہمارا مطالبہ

ہمارا مطالبہ کچھ بہت لمبا چڑا نہیں ہے۔ ہمارا مطالبہ صرت ایک لفظ ہے۔ "آزادی!"

سعد کی زندگی

سعد، مرکب ہی ہمیشہ زندہ رہے گا۔ کیونکہ ہر مصری، سعد ہے، بلکہ سعد سے بھی زیادہ!

مصری قوم

آج مصری قوم وہ نہیں ہے جو کل تھی۔ آج مسلم اور غیر مسلم الگ الگ نہیں ہیں۔ سب ایک قوم ہیں اور صرت ایک خواہش رکھتے ہیں۔ یعنی آزادی! اور وطن!

عداوت

میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میرے دل میں کسی آدمی کی بھی عداوت پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ عداوت، کمزوروں کا اخلاق ہے۔

قومی عزت

میں کہ چکا ہوں، کہتا ہوں، کہتا ہوں گا کہ جو عزت میری قوم نے مجھے دی ہے، وہ میرے لئے قابل فخر ہے۔

میرا دل

میرے دل میں نہ حسد ہے، نہ کینہ ہے۔ میرے دل میں قومی امانت نے کسی چیز کے لئے بھی جگہ خالی نہیں چھوڑی ہے۔

آزادی کا ارتقا

جو قوم اپنے فردوں کا خون اس لئے بہتے دیکھتی ہے کہ وہ آزادی چاہتے ہیں اور پھر خاموش رہتی ہے، وہ یقیناً آزادی کا ارتقا نہیں رکھتی!

وزارت

ہم وزارت کے دشمن نہیں ہیں۔ لیکن غیر قومی وزارت دیکھ نہیں سکتے۔

میرا احاطہ

میں چلائے والا ہوں، سازشی نہیں ہوں۔

میری آرزو

آزادی، میری آرزو ہے۔ جو اتنے بھی آزادی لئے، میں سب سے پہلے آؤں گا۔

مرحوم احمد سعد پاشا ز غول کو مصر میں جو سوخ و غلظت حاصل ہوئی

اُس میں اُن کی دوسری قابلیت کے علاوہ اُن کی قوت خطابت اور بلاغت

تحریر کو بھی بڑا دخل تھا۔ ذیل میں اُن کے بعض اقوال کا ترجمہ دیا جاتا ہے

جو ضرب الاشغال کی طرح مشہور ہو گئے ہیں،

کابل آزادی

مصر، کابل آزادی کا مطالبہ کرتا ہے، کیونکہ آزادی، قوموں کا پیدائشی حق ہے۔

ناامیدی

اس وقت ہماری حالت کسی ہی اعتبار سے، گمراہی قوم جیسی کوئی بڑی قوم، کبھی اپنی بہت کی طرف سے ناامید نہیں ہو سکتی!

حاکم و محکوم کی مصلحت

حاکم قوم کی مصلحت ہمیشہ اُس کی محکوم قوم کی مصلحت سے متضاد ہوا کرتی ہے۔

عہدے کی خواہش

اپنے آزاد وطن میں ایک حقیر فرد رعایا بن کر رہنا مجھے اس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ اجنبی حکومت کے ماتحت بڑے سے بڑے عہدے پر مقرر ہوں۔

مادی قوت

مادی قوت، قوم کے ارادے پر کبھی غالب نہیں آ سکتی۔

صحیح تحریک

ہر صحیح تحریک کمزور کامیاب ہوتی ہے۔

زمانے کے انقلابات

زمانے کے انقلابات دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بنا دیتے ہیں۔

سیاسی اتفاق

مصر اور انگلستان کے درمیان اتفاق کے معنی صرت ایک ہیں۔

یعنی مصر کی کابل آزادی۔

انتہا پسندی

آزادی کے طلبگار، انتہا پسند نہیں ہوتے اس لئے کہ یہ تو ایک بتلائی چیز ہے۔ غلامی پسند کرنے والے البتہ انتہا پسند ہیں، کیونکہ غلامی ذلت نفس کی انتہا ہے!

قومی روح

قوم کی روح نہ جنگی قوانین سے مغلوب ہو سکتی ہے، نہ ظلم سے، نہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کی قوت سے۔

اصول نہ کہ اشخاص

اگر سعد، قومی اصول سے ہٹ جائے تو اسے گرا دیا

جنگ جہنمی

میں اپنی ذات پر شکست جہنمی سن کر خوش ہوتا ہوں، اگرچہ وہ جھوٹی

ہی ہو۔

انہائے وطن کی نصیحت

انہائے وطن! تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ میری نگرانی کرے پھر

جو کچھ چاہے چھین لے۔ کوئی روک ٹوک نہ ہوگی!"

لاڈل کینٹ کی گورنمنٹ نے، جون کو بعض صوبجات میں داخل

لانا منع کیا تھا۔ گورنمنٹ کو چاہئے تھا کہ اس قانون کے استعمال کی گئی

سے نگرانی کرے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑا ہے کہ گورنمنٹ نے اس

معاملے میں سخت کمزوری دکھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماتحت افسر بلا روک ٹوک

مظالم برپا کرتے رہے۔ اور ہر کسی نفیث کے قتل عام جاری رہا۔

مشرقی مسلمانوں کا نام سنگار ایک جگہ لکھا ہے "اس غدر میں

صرت سپاہیوں نے بغاوت کی تھی۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ صرت

دیہی لوگ قتل کئے جاتے جنہوں نے اسیں حصہ لیا تھا، لیکن اُن دیہیوں

کو قتل کرنا جن کی ان فوجوں سے محض ہمدردی تھی، ایک نہایت بڑ

دلانہ فعل تھا۔ اگر کوئی باغی فوج کسی شہر میں قیام ہو گئی تھی تو اس کے

باشندگان کو محض اس بنا پر قتل کرنا، اگر کیوں ان کے شہر میں باغیوں نے

ڈیرا ڈالا، کتنا وحشیانہ فعل ہے؟ یہ مسلم ہے کہ شہر کے باشندوں نے عام

طور پر انگریزوں کے بچانے میں مدد دی تھی۔ لیکن پھر بھی انگریزی

فوجوں نے ان کی قدر نہ کی، اگر انگریز صرت باغیوں کو قتل کرتے تو پھر

وہ حق بجانب ہوتے۔ لیکن بے شمار بے گناہ لوگوں کو محض اس وجہ سے

قتل کیا گیا، کہ وہ ہندوستانی تھے" (باقی آئندہ)

م بوسہ لوں گا، اگرچہ وہ میرے جانی دشمن ہی کا ہاتھ کیوں ہو۔

خود اعتمادی

خود اعتمادی، خود اعتمادی وصف نہیں ہے، بلکہ پیدائشی صفت ہے،

خود اعتماد آدمی اگر یہ وصف دُور بھی کرنا چاہے تو دُور نہیں کر سکے گا۔

میری دشمنی

میں نے اگر کسی سے دشمنی کی ہے تو صرت اپنی قوم کی مصلحت کی وجہ سے۔

رُورعایت

قومی حقوق میں رُورعایت دُخل نہیں پاسکتی۔

ناکامی

شریروت نے جو کچھ جمع کیا ہے، بکھر جائے گا۔ طمع نے جو کچھ بڑا ہے، ٹوٹ جائے گا جس کی بنیاد جھوٹ پر ہے، وہ یقیناً گر پڑے گا!

ناکامی کی علت

ناکامی کی اصلی علت، کارکنوں کی باہمی بے اعتمادی ہوتی ہے۔

صبر و برداشت

ہاں ہر مصائب بشارتیں۔ لیکن وہی قوم زیادہ غلظت حاصل کرتی

ہے جو زیادہ مصائب برداشت کر سکتی ہے۔

برطانیہ کی ضرورت

اگر برطانیہ کو مصر کی ضرورت ہے، تو مصر کو اُس کیس زیادہ اپنی ضرورت ہے۔

قوت

اگر ہم طاقتور ہوتے تو کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی کہ مصر ہمارا قبضہ میں رہنا چاہئے!

منفعت

اگر ملکیت میں منفعت کا اصول تسلیم کر لیا جائے، تو دنیا نہ دلا ہو جائے۔ کیونکہ ہر شخص کی منفعت اسی میں ہے کہ ساری دنیا کا الگ بٹکا۔

عمل اور قربانی

کوئی عمل حق منافع نہیں ہوتا۔ کوئی قربانی رائیگاں نہیں جاتی۔

ضرورت اور قوت

کسی زمانہ میں بھی ضرورت، قانون نہ تھی۔ کسی وقت میں بھی قوت حق کا مبیہ نہ تھی!

ظلم

ظلم اپنے دامن میں ظلم کے ٹھوس ثبوتی ادغام کے لئے منہ پھیرتا ہے!



# ان تمام اصحاب کے لئے

جو  
قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں  
دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہم

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی تعلیم اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویروں،  
پرانے سکے اور نقوش، پرانے زوہر، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، امدہ ہر طرح  
کے پرانے صنعتی عجائب و نوادہ، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔  
کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی نہرستیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دل  
دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہو۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران،  
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

بائیں تہہ

قیمتیں تعجب انگیز عمدتاً کم ارزاں ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام طرے طرے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے  
رہتے ہیں۔ قاترہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت  
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔





# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سو گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,  
350, Oxford Street,  
LONDON, W.1.**

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے! انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہماریاں

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہو کر آتی ہے

## فدائیان اسلام پر مصائب کا ہجوم کیوں ہو؟

اگر آپ کو قوم کے ظاہری و باطنی امراض اور ان کے علاج کا علم حاصل کرنا ہے تو الجمعیت ملاحظہ فرمائے۔

”الجمعیت“ تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہو چکا ہے کی زبان کہلانے کا مستحق ہے اور جس کا اہم ترین مقصد بھینسا کی محافظت ہے۔ مقدس مذہب اسلام کے قتل و قتل کا دندان شکن جواب دینا اور واقعات کی محققانہ تنقید کا مخصوص طریقہ ہے۔

اس زمانے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے اخبار بھی ایک ضروری چیز ہو گیا ہے اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی قائم رکھنے کے لئے اس کی حاجت ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فرائض سے اہم سمجھیں اور اس اخبار کو جو مذہب کا محافظ ہے اور اصلاح قوم کا علمبردار بھی اشاعت اور ترقی کے اعلیٰ درجے پر پہنچائیں حتیٰ کی آواز جھگڑ کر نہ لگے کہ کان میں جا سیکے گا کیا ہو

### اخبار الجمعیت کی پانچ خصوصیات

- (۱) تمام سیاسی و مذہبی مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث کرتا ہے۔
- (۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین شائع کر کے مخالفین اسلام کو خاموش کرتا ہے۔
- (۳) عربی، فارسی، اردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرتا ہے۔
- (۴) حضرت مولانا مفتی محمد کفایت الدین صاحب مدرجہ جلیہ علماء ہند کے قتلے کی اشاعت کرتا ہے۔

(۵) ایک کالم تفریح کا بھی ہوتا ہے جس میں کسی کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے۔ چھ سالہ چھ روپیہ (دو روپیہ) ششماہی میں بیس روپیہ چار روپیہ (دو روپیہ) منیجر الجمعیت دہلی



آپ تمام دنیا دو سو تھم آگے ہنچا جائیں تو

انتخاب جواب لاہور

کا مطالعہ کریں اس کے متعلق جنید اس کو چھ سو نمونوں کی انعامی کتابیں مفت دی جاتی ہیں انعامی کتابوں کی فہرست اور نمونہ کا سالانہ آواز کے نکتہ سے بھی طلب کریں

مینجر انتخاب جواب لاہور

## حیرت انگیز رعایت

پچھتر روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

محصولہ لاٹک اور پینکٹ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے کمرے کے لئے + بیوی کے لئے

قابل لندن سٹونج بیسے ریگولیر کٹوائج شہر عالمی ایچ جی مین سیڈ



نئے نئے ڈیزائن کی خوشنما فنی محل ملکر یہ خوبصورت مضبوط دیکھنے میں خوبصورت چلنے والا ہارڈ پینکٹ کی قیمت ۱۰ روپے کی بجائے ۵ روپے میں ملے گی۔ یہ تمام چیزیں ہرگز نہیں مل سکتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں ہرگز نہیں مل سکتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں ہرگز نہیں مل سکتی ہیں۔

یہ نئے گھڑیاں گراؤ پیکٹ طرز پر صرف دس روپے میں بھی مل سکتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں ہرگز نہیں مل سکتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں ہرگز نہیں مل سکتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں ہرگز نہیں مل سکتی ہیں۔

نوٹ: ایک بار گھڑی کے خریدنے کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے۔ ان سے کوئی قیمت مندرجہ چاہ کر سکتے ہیں۔ اور محصول لاٹک و پینکٹ وغیرہ بھی ان کو دیا جاتا ہے۔

پیشکش امریکن ٹیچ ہوس اسٹاکس ویٹ اینڈ پراج کینیڈا مقامی

## جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر مسلمانوں میں شائع ہوئی تھی جب وہ اپنی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی روش سے مسجد کن بن افراص کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی دکانوں نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا مددگار بنایا؟ مذہب و ملت کا نام لے کر انسان پر کھولیا ہے؟ قیمت بارہ آنے۔ (نیو اسلام کتب خانہ)

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ

اس وقت دنیا کا بہترین فائنٹن قلم امریکن کارخانہ شیفر کا

”لائف ٹائم“ قلم ہے؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) آتنا خوبصورت، سب سے سنج اور سہری بیل بوٹوں سے مزین کہ آتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے کہے کہ  
یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو ”شیفر“ کا

”لائف ٹائم“ لینا چاہئے!

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کے پیش بہا جواہر ریزی

گاہ گاہ ہے باز خوان این دفتر پارسینہ را

تازه خوابی داشتن گرد اغمائے سینه را

اس سلسلہ میں ہم نے امامین کی ان نادر و اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

آسروہ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب  
 ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مچل  
 ازہادی رپیہ -

کتاب الرسیلہ — لفظ ”رسیلہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اہل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی

ھ - بلا جلد ازھائی، رسیلہ، مجلد سوا تین، رسیلہ -

اصحاب صفہ — انکی تعداد ' دربعہ معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں جس نے -

تفسیر سورۃ الکوتر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر ۛ  
 اردو ترجمہ - جا۔ آئے -

العروة الوثقى — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل  
 بیان کیا ہے - جہہ آنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی  
نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں۔ نوائے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی تازہ کتاب  
کا اردو ترجمہ - سرا روپیہ -

آلہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آنے

صمیم سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خربدار کو ہم نے کمال کوشش و کوش سے اُردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

( حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب )

**“ Al-Hilal Book Agency,”**

24, LAHORE, PANJAB.

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار ضرور رسالہ نہ تھا لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کر رہی چاہتا تھا اس لیے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادوار کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خریدیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طاعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹن تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خریدیاں پیدا ہوئیں جو پھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض ساقین علم و ادب کے اس کی تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپیہ میں خرید لیا۔ اور حال میں ایک صاحب کے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں کے اس کے پرچے بحفاظت جمع کیے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علاحدہ کر کے ایلے ندر نہیں پچھتے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک دھیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے اوشش کی وہ ساقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ دوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری عمل ہوئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں۔ چونکہ جلدوں کی ایک بہت سی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی اندکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ ریڈیہ      الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ ریڈیہ

” ” ” ” چهارم ۱۰ رزیده ” ” ” پنجم ۱۰ رزیده

جلد ”البلاغ“ (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا)

قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - معقول ذات و پیدنگ اس کے علاوہ ہے۔

میدجر "البلاغ پریس"

# المعالم

تأليف  
ابن خلدون



# الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

|                        |   |   |            |
|------------------------|---|---|------------|
| قیمت سالانہ مع معقول   | - | - | بارہ روپیہ |
| ہندوستان سے باہر کیلئے | - | - | سولہ روپیہ |
| قیمت شش ماہی           | - | - | سات روپیہ  |
| قیمت فی پرچہ           | - | - | پانچ آنہ   |

( ۱ ) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”منیجر الہلال“ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لغاتہ پر ”ایڈیٹر“ کا نام ہونا چاہیے۔

( ۲ ) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔

( ۳ ) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے۔

( ۴ ) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔

( ۵ ) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاہم اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔

( ۶ ) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرائیے، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں۔

( ۷ ) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کاپی پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں۔

( ۸ ) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا۔

# الہلال

ایک ہفتہ وار موصوٰر سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۲ - ربیع الاول ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۳

Calcutta : Friday, 9, September 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔  
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال  
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان  
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام تقایم ایک بار دور کر دی جائیں۔

## قاریین الہلال کی آراء

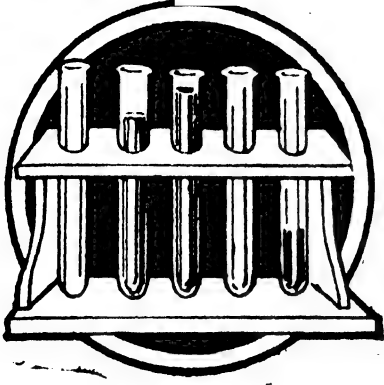
اس باری میں اس وقت تک ۱۰۱۲ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

|     |                        |     |                              |
|-----|------------------------|-----|------------------------------|
| ۲۸۰ | اردو حروف کی حق میں    | ۱۳۹ | عربی حروف کی حق میں          |
|     | حروف کی حق میں بشرطیکہ | ۲۹۳ | موجودہ مشترک طباعت کی حق میں |
| ۸۶  | نستعلیق ہوں            | ۲۱۴ | پتھر کی چھپائی کی حق میں     |

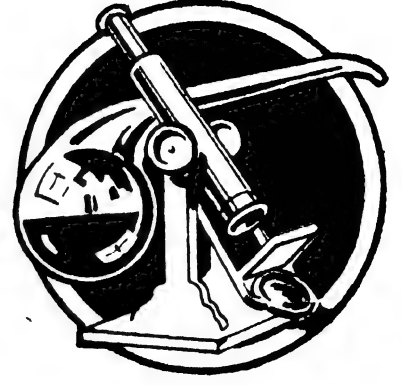
ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کرنے کی مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال



# مذاکرہ علمیہ



## قانون توارث جسمانی و معنوی

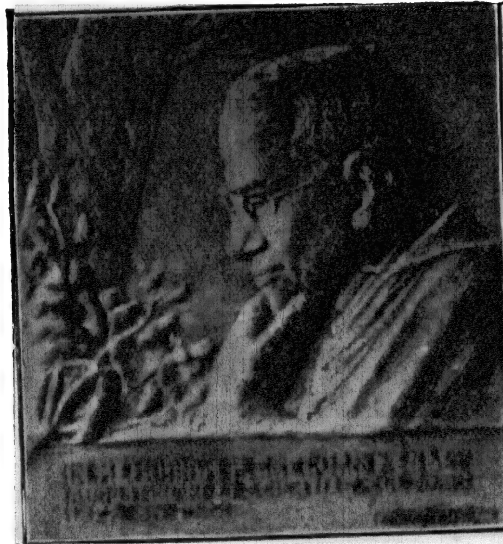
( منڈل کا ناموس وراثت )

جملہ اوراق ضائع ہو گئے۔ سنہ ۱۸۶۶ میں اُس کا ایک چھوٹا سا رسالہ شایع ہوا تھا جس میں یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ بھی گم نام ہو گیا۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۹۰۰ میں علماء مغرب کی نظریں اُس پر دوبارہ پڑیں، اور وسیع پیمانہ پر اُسکی اشاعت کی گئی۔ آج حیوانات کی پرورش کرنے والوں میں کوئی شخص بھی ایسا موجود نہیں جو منڈل اور اُس کے نظریہ سے ناواقف ہو یا اُس سے مستفید نہ ہو رہا ہو۔

( ناموس منڈل )

منڈل کا نظریہ، تین وراثتی اصولوں پر قائم ہے :

( ۱ ) پہلی اصل کا خلاصہ یہ ہے کہ فرد کی بعض صفات ( عام اس سے کہ وہ فرد، حیوان ہو یا نبات ) اُسکی آئندہ نسلوں میں مفقود نہیں ہو جاتیں بلکہ برابر باقی رہتی ہیں، اور عرصہ تک بغیر کسی کمی کے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ اُسکی مثال یہ ہے کہ بعض انسانی خاندانوں کے خال و خط خاص قسم کے ہوتے ہیں، اور طویل زمانوں تک اُن کی نسلوں میں بدستور قائم رہتے ہیں۔ چنانچہ بعض خاندانوں میں زائد انگلیاں، یا کٹا ہوا ہونٹہ، یا چندھی آنکھیں، یا سفید بالوں کا گچھا، غرضکہ مختلف قسم کی جسمانی خصوصیتیں ہمیشہ موجود رہتی ہیں اور اُن کے افراد میں وقتاً فوقتاً پوری طرح ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔



ڈاکٹر منڈل

( ۲ ) دوسری اصل کا خلاصہ یہ ہے

کہ بعض صفاتیں ایسی ہوتی ہیں جنکا ظہور مسلسل نہیں ہوتا۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ظاہر ہوتی ہیں، مگر برابر ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ یعنی پہلے ایک مدت تک نمایاں رہتی ہیں۔ پھر غائب ہو جاتی ہیں۔ پھر لوٹ آتی ہیں۔ پھر غائب ہو جاتی ہیں۔ صرف تجربہ ہی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کون صفت پہلی قسم کی ہے؟ کون صفت دوسری قسم کی ہے؟ اُسکی مثال یہ ہے کہ جب بے سینگ کے حیوانات کا سینگ والے حیوان میں اتحاد تناسلی ہوتا ہے، تو اُنکی نسل بے سینگ کی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جب یہی نسل آگے بڑھتی ہے تو اُسکی اولاد میں ایک خاص تناسب سے بعض افراد سینگ والے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض بے سینگ کے۔

برخلاف اِسکے جب کیس والے مرغ کا اتحاد بے کیس مرغی سے ہوتا ہے تو نسل، کیس والی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن پھر آگے چل کر بعض کے کیس ہو جاتا ہے۔ بعض کے نہیں ہوتا۔ مگر یہ معاملہ ہمیشہ ایک ہی تناسب سے پیش آتا ہے۔

( ۳ ) تیسری اصل، اُس تناسب کا تعین اور انضباط ہے جو اس توارث و تناسل میں کار فرما ہے۔ تشریح اُسکی حسب ذیل ہے :

مخلوقات کی جسمانی و معنوی زندگی میں قانون توارث کا مسئلہ، اُن اہم ترین مسائل میں سے ہے جنہوں نے قدیم زمانے سے علماء کو اپنی طرف متوجہ رکھا ہے۔ طبیعی علوم کی ترقی کے بعد گزشتہ صدی میں اِس مسئلہ نے اور بھی زیادہ اہمیت حاصل کر لی اور بے شمار علماء نے اُس پر بحث کی۔ بہت سے نظریے قائم ہوئے۔ بہت سے مذاہب ترتیب دیے گئے۔ لیکن اِس سلسلہ میں سب سے زیادہ شہرت و اہمیت اُس نظریہ کو حاصل ہے، جو اپنے موجد، ڈاکٹر منڈل کی طرف منسوب ہے اور ”ناموس منڈل“ کہلاتا ہے۔ ذیل میں ہم اِس نظریہ کی مختصر تشریح کرتے ہیں۔

( منڈل )

سنہ ۱۸۲۲ میں دو شخص ایسے پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی وراثت کے اثرات و نتائج کی بحث و تحقیق میں صرف کردی: ان میں سے ایک انگلستان میں پیدا ہوا۔ اسکا نام گلٹن ہے۔ اور اُسکی کتاب ”عظمت کی وراثت“ بہت مشہور

ہو چکی ہے۔ دوسرا منڈل ہے۔ یہ ہنگریں نسل کا تھا۔ سیلیشیا میں پیدا ہوا۔ اُسکی ابتدائی تربیت دینی تعلیمات کی تھی۔ رہبانوں کی جماعت میں داخل کر دیا گیا تھا۔ لیکن ۲۹ سال کی عمر میں رہبانیت ترک کر دی اور رائٹا کے دارالعلوم میں داخل ہو کر طبیعی علوم کی تحصیل شروع کر دی۔ تعلیم ختم کر کے وہ برن میں استاد مقرر ہو گیا اور اپنے فرصت کے اوقات مسئلہ وراثت کی تحقیق میں صرف کرنے لگا۔ شروع شروع اُسکے تجربے صرف نباتات میں محصور تھے۔

اپنی تحقیق کے دوران میں بالآخر وہ ایک عجیب معاملہ پر پہنچا۔ اُسنے دیکھا، یہ عجیب معاملہ، وراثت میں ہمیشہ پیش آتا ہے، اور کبھی اُس میں خلل نہیں پڑتا۔ یہ وہ وقت تھا جب اُس کے تجارب، عالم حیوان تک وسیع ہو چکے تھے۔ اُس نے شہد کی مکھیوں کے بھی پچاس چھتے بنائے تھے۔ اور مختلف قسم کی مکھیاں باہم دیگر جمع کر کے اُنکی نسل کے جسمانی اور معنوی خواص کا تجربہ کرتا تھا لیکن مکھیوں کے متعلق اُسکی تحقیقات کے

جسمانی خواص کے ماں باپ دوسرے طبقہ کی نسل میں بالانفراد  
الگ الگ اپنے اپنے خواص نمایاں کر دے سکتے ہیں !

(۳) نسل کے تیسرے طبقہ میں جن افراد کے اندر مورث  
اعلیٰ کے خواص انفرادی اور غیر مخلوط حالت میں نمایاں ہو جائے  
ہیں، ان کی نسل میں آئندہ ان اجدادی خواص کا اختلاط و امتزاج  
نہیں ہوتا، بلکہ اجدادی خواص کی جو ایک قسم ان میں نمایاں  
ہوئی ہے، وہ مستقل قائم ہو جاتی ہے، اور اپنی نسل میں متواتر  
ہوتے لگتے ہیں۔

(۴) لیکن دوسرے طبقہ میں جو نصف تعداد ایسی پیدا  
ہوتی ہے، جس میں اجدادی خواص مخلوط و متضاد حالت میں  
نمایاں ہوتے ہیں، ان میں سے نصف تعداد کا یہ عددی تناسب  
برابر قائم رہتا ہے، یعنی ان کی نسل  
میں بھی ۲۵ فی صدی اجدادی خواص ظاہر  
ہوتے ہیں، اور ۲۵ فی صدی مورث خواص ظاہر  
ہوتے ہیں۔

(۵) مالی خواص سے مولود

جو مخلوط و ممزوج  
پیدا ہو جاتی ہے،

وہ ہمیشہ اپنی نسل میں  
اس طرح متواتر ہوتی ہے  
کہ نصف تعداد مخلوط قسم  
کی ہوگی، اور نصف مورث  
اعلیٰ کے الگ الگ خواص  
کی۔

(انسان میں قانون توارث)

ٹھیک یہی حالت  
انسانی وراثت میں بھی  
پیش آتی ہے۔ اگر کوئی  
خالص سفید رنگ کا انسان  
حبشی عورت سے شادی  
کر لے تو اُسکی نسل ضرور  
سانولے رنگ کی ہوگی۔  
پھر اگر کسی طرح خود  
اُسکی اولاد میں باہم دگر  
تناسل و تولد شروع ہو جائے،

تو مرغیوں کی طرح اس

نسل میں بھی ۲۵ فی صدی اولاد خالص سفید رنگ کی ہوگی،  
۲۵ فی صدی خالص سیاہ رنگ کی، اور ۵۰ فی صدی سانولی۔

جسمانی خواص کے توارث کی یہ نوعیت، معنوی خواص کے  
توارث کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اور یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے  
کہ کیا اسی طرح انسان کے ذہنی و معنوی خواص و اوصاف میں  
بھی توارث کا سلسلہ قائم ہے؟ اور اگر قائم ہے تو کیا اُس کا قانون  
بھی ایسا ہی ہے، اور ایسا ہی عددی تناسب رکھتا ہے، جیسا  
جسمانی خواص کے توارث میں ہے؟ ان سوالات کا جواب بہت زیادہ  
تفصیل و بحث کا محتاج ہے۔ اس لیے سر دست ہم انہیں نہیں  
چھیڑتے۔

ایک بالکل سفید مرغی اور ایک بالکل سیاہ مرغی کو، اور ان کی  
نسل کا تجربہ کر۔ اب ایسا ہوگا کہ ان دونوں کے اتحاد تناسلی سے  
جو بچے پیدا ہوں گے، وہ نہ تو بالکل سیاہ رنگ کے ہوں گے، نہ بالکل  
سفید رنگ کے۔ مخلوط قسم کے ہوں گے۔ یہ اس نسل کا پہلا طبقہ  
ہوگا۔ اس مخلوط رنگ کی مرغیوں کی نسل آگے بڑھنے دو۔ ان  
سے جو دوسرا طبقہ نسل کا پیدا ہوگا، اُس کی حالت یہ ہوگی کہ  
ان میں ۲۵ فی صدی مرغیاں بالکل سیاہ ہوں گی، ۲۵ فی  
صدی بالکل سفید، اور ۵۰ فی صدی مخلوط رنگت کی۔ کوئی  
دوسرے طبقہ میں ان کے مورث اعلیٰ کی کامل رنگت ۲۵ فی  
صدی میں نمایاں ہوگی، مگر ۵۰ فی صدی میں مورث ثانی  
و اقرب کا سا مخلوط رنگ قائم رہا۔ اب اس دوسرے طبقہ سے  
تیسرا طبقہ پیدا کر۔ اس تیسرے طبقہ کا حال یہ ہوگا کہ سفید سے  
سفید بچے پیدا ہوں گے۔ سیاہ سے سیاہ پیدا ہوں گے۔ مگر مخلوط  
رنگت کے بچوں میں پھر بھی تناسب نمایاں ہو جائیگا، جو دوسرے  
طبقہ میں تھا۔ یعنی اُسکی نسل میں ۲۵ فی صدی سیاہ  
اور ۲۵ فی صدی سفید ہوں گے۔ باقی ۵۰ فی صدی اپنے  
ماں باپ جیسے مخلوط رنگ  
کے ہوں گے !

پھر ان ۵۰ فی صدی  
مخلوط رنگ والوں کی نسل  
جب آگے بڑھیں گی، تو  
اُس میں بھی یہ تناسب  
برابر قائم رہیگا۔ یعنی ہمیشہ  
نصف تعداد مخلوط رنگت  
کی ہوگی اور ۲۵ فی  
صدی سفید، اور ۲۵ فی  
صدی سیاہ ہوگی۔

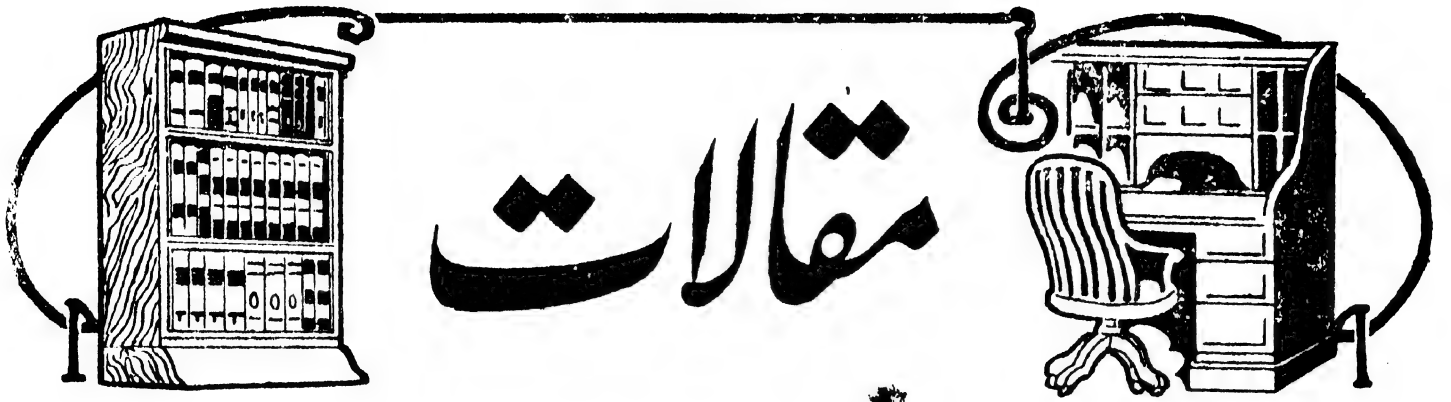
لیکن تیسرے طبقہ میں  
جن افراد کے اندر اُنکے مورث  
اعلیٰ کی کامل رنگت متواتر  
ہوگئی تھی، اُن کی نسل  
میں مستقل ایک رنگت  
قائم ہو جائیگی۔ سفید سے  
ہمیشہ سفید بچے پیدا  
ہوں گے، اور سیاہ سے ہمیشہ  
سیاہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ :

(۱) قانون توارث میں مورث اعلیٰ کے دو مختلف جسمانی  
خواص، پہلے طبقہ میں ایک ایسا مزاج پیدا کر لیتے ہیں جو ملا جلا  
مزاج ہوتا ہے۔ یعنی اُن میں دونوں طرح کے خاصے اکھٹے ہو کر  
مخلوط ہو جاتے ہیں۔

(۲) اس پہلے نسلی طبقہ نے جو مخلوط مزاج کر لیا ہے، وہ  
نسل کی آئندہ افزائش میں ایک مستقل اور متواتر حیثیت اختیار  
کر لیتا ہے، اور اپنی نسل میں برابر قائم رہتا ہے، لیکن ساتھ ہی  
یہ عجیب بات بھی ہے کہ دوسرے طبقہ میں نصف تعداد ہمیشہ  
ایسے افراد کی پیدا ہوتی ہے، جن میں اس مخلوط و ممزوج حالت  
کی جگہ مورث اعلیٰ کے انفرادی خواص الگ الگ نمایاں ہو جاتے  
ہیں۔ اس نصف تعداد میں آدھی تعداد ایک قسم کے خاصہ کی  
اور آدھی ایک قسم کے خاصہ کی ہوتی ہے۔ اس طرح دو مختلف





## عہد انقلاب اور شخصی استبداد



دنیا کی موجودہ سیاست پر ایک سرسری نظر

جنگ عظیم کے بعد پوری دنیا 'خاص کو درپ اور بالخصوص ان ممالک نے عجیب پالٹا کر لیا ہے جو میدان جنگ میں یہ کھر اترے تھے کہ استبداد و ظلم مٹانا چاہتے ہیں۔ پہلے ان ممالک میں جو بھی نظام حکومت قائم تھا وہ جنگ کے بعد قائم نہ رہا اور علانیہ یا درپردہ اس میں بڑی تبدیلی ہو گئی ہے۔ لوگ سمجھتے تھے اس جنگ کے بعد دنیا میں جمہوریت اور کامل حریت کا دور درو ہو جائیگا اور آزادی کا ایک ایسا نظام جاری و ساری ہو جائیگا جس کے عشق میں انسانیت ہمیشہ سے سرگرداں ہے لیکن نتیجہ بالکل برعکس نکلا۔ جمہوریت و دستوریت کی جگہ شخصیت و استبداد نے لے لی۔ اس وقت کو ارضی کے اکثر ممالک میں شخصی حکومتیں قائم ہو گئی ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلے بادشاہوں کی شخصیتیں زیر تختوں پر جلوہ گر نظر آتی تھیں اور اب عام افراد یا فوجی افسر حکومت کی کرسیوں پر نظر آتے ہیں۔

روس میں خاندان رومانوف اور زار کی جگہ بالشویک ڈیکٹیٹروں (مطلق العنان حکام) نے لے لی ہے۔ لینن نے جس طور پر حکومت کی وہ بھی زار ہی جیسی حکومت تھی۔ یعنی شخصیت 'مطلق العنانی اور استبداد۔ یہ بات

دوسری ہے کہ زار کی شخصیت نے ملک کو تباہ کیا اور لینن کی شخصیت نے اسے زندہ اور خوش حال کر دیا۔ دنیا کی تاریخ میں لینن جیسے مطلق العنان حاکم کی کوئی مثال نہیں ملتی جس نے اپنے غیر متناہی اختیارات اس طرح عوام اور مظلوموں کی بہلائی میں صرف کیے ہوں۔

یہی حال اٹلی کا ہے۔ اگرچہ پارلیمنٹ اور دستوری بادشاہ (یعنی محدود اختیارات رکھنے والا) بدستور موجود ہے لیکن حکومت ایک فرد و احد، موسولینی کے اہنی ہاتھوں میں ہے۔ یہ شخص پہلے انقلاب پسند اور اشتراکیت کا حامی تھا، پھر جنگ کے بعد ظلم پسند بن کر اٹلی پر حاکم ہو گیا اور مستبد سے مستبد بادشاہوں

کی طرح استبداد و قہر کی حکومت قائم کر دی۔ اس نے صاف اعلان کر دیا ہے 'اس وقت اٹلی کو ایک ایسے زبردست حاکم کی ضرورت ہے جو ہر بے چینی کو کچل کر فنا کر سکے' یہی صورت اسپین، ترکی، یونان، اور اب چین میں پیش آ رہی ہے۔ ان تمام ملکوں میں شخصیتیں برسر حکومت آ گئی ہیں اور مفید یا مضر نتائج پیدا کر رہی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ خود فرانس اور انگلستان میں بھی شخصیت کی طرف میلان بڑھ رہا ہے۔ فرانس میں تو ایک سال پہلے اخبارات تک میں یہ چرچا شروع ہو گیا تھا کہ موجودہ اقتصادی اور سیاسی گتھیوں کے سلجھانے میں جمہوری نظام حکومت ناکامیاب ثابت ہوا ہے۔ لہذا روس وغیرہ ممالک کی طرح یہاں بھی 'ڈیکٹیٹر شپ' یعنی شخصی استبداد قائم ہو جانا چاہیے۔ انگلستان میں گو اب تک اس قسم کا خیال باضابطہ ظاہر نہیں کیا گیا، لیکن عملاً ملک اسی طرف جا رہا ہے۔ موجودہ کنسر ویٹیو وزارت بھی درحقیقت ایک قسم کی ڈیکٹیٹر شپ ہی ہے اور اس کے رجعی (قدامت پسند) ہونے میں تو کوئی کلام نہیں۔

(تاریخ کا سبق)

آخر یہ صورت کیوں پیش آئی؟ اس انقلاب کی علت کیا ہے؟ تاریخ ہمیں کیا سبق دیتی ہے؟ جواب ظاہر ہے اور تاریخ عالم پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی سوسائٹی کے نظام میں بڑھی پیدا ہوتی ہے اور دماغی بے ترتیبی اور اختلال عام ہو کر شورش اور بغاوتوں کا دروازہ کھول دیتا ہے، تو ہمیشہ یہی نتیجہ ہوتا ہے جو جنگ کے بعد آج ہم دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یعنی مضبوط ارادے کے افراد برسر اقتدار آ کر اپنی شخصیتیں نمایاں کرتے ہیں اور نظام حکومت اپنی مرضی کے مطابق استوار کر دیتے ہیں۔



غازی مصطفیٰ کمال پاشا

انقلاب فرانس 'اس دعویٰ کی سب سے بڑی اور صاف دلیل ہے۔ کیسے جوش و خروش سے قوم بغاوت کے لیے اُٹھی؟ حریت، مساوات، اخوت کا راگ کیسی بلند آہنگی سے الاپا؟ کیسے کیسے اصول و مبادی کا اعلان کیا گیا؟ لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ یہی نہ کہ آندھی کی طرح حریت و مساوات کی ہوائیں آئیں اور نکل گئیں پھر جو فضا میں سکون پیدا ہوا تو گرد و غبار کے اندر سے مستبد شخصیتیں حکومت کی بے نیام آبدار تلاروں کے نمودار تھیں! ان شخصیتوں میں سب سے آخری مگر سب سے زبردست شخصیت نپولین بونا پارٹ کی تھی۔ اس عجیب انسان نے یہی نہیں کیا کہ بغاوت اور انقلاب کا قلع قمع کر دیا بلکہ ساتھ ساتھ اپنی شہنشاہی بھی قائم



قوانین کا دد رتی نتیجہ ہے۔ یہی ہونا چاہیے تھا جو ہوا ' یہی ہمیشہ ہوا کیا ہے اور شاید ہمیشہ یہی ہوا کرے گا۔  
( انقلابات کے بانی )

یہاں یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ انقلابات کے بانی کون ہوتے ہیں : افراد یا جماعتیں ؟ کارلائل اور بہت سے محققین کی رائے ہے کہ زبردست شخصیتوں کے افراد ہی انقلابات پیدا کرتے اور اجتماعی نظام کی کیا پلٹ کر دیتے ہیں۔ لیکن علم اجتماع کے دوسرے بہت سے علماء ' افراد کے بجائے جماعتوں کو اصل قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں قوموں کے دماغ میں انقلاب کی مخفی لہروں سے پیدا ہوتی ہیں ' پھر وہی چند افراد میں مجسم ہو کر رونما ہوتی ہیں اور سوسائٹی پر انقلاب طاری ہو جاتا ہے۔ پس افراد بذات خود انقلاب کا سبب نہیں ہوتے ' بلکہ انقلابی لہروں کا مظہر ہوتے ہیں۔ زیادہ صاف لفظوں میں یوں کہو کہ جماعتی اثرات ' افراد کو طیار کر کے انقلاب کراتے ہیں

لیکن صحیح یہ ہے کہ انقلاب کا موجب نہ تھا جماعتیں ہوتی ہیں ' نہ صرف افراد۔ بلکہ دونوں ایک دوسرے پر اثر ڈالتے اور ایک

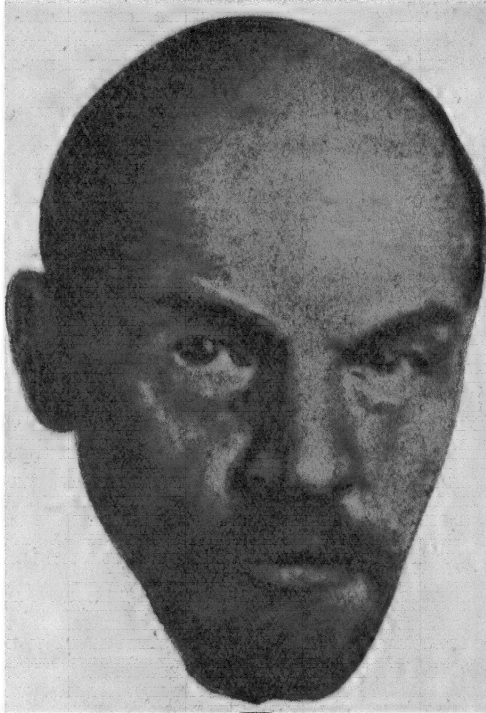
نئی فضا طیار کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ یقینی ہے کہ اگر خاص قسم کے اجتماعی حالات و موثرات موجود نہ ہوتے تو لینن ' موسولینی ' مصطفیٰ کمال جیسے افراد ابھر نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ یہ افراد مدت سے موجود تھے مگر اسی وقت رونما ہوئے جب حالات نے ان کی مساعدت کی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یقینی ہے کہ اگر یہ افراد اپنی غیر معمولی قوتیں کام میں نہ لاتے تو ان کے مساعد حالات بھی پیدا نہیں ہو سکتے تھے اور انقلابات بھی طاری نہیں ہو سکتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انقلاب میں افراد اور جماعتیں دونوں برابر کی حصہ دار ہوتی ہیں ' تنہا کوئی ایک سوسائٹی ' میں تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا۔

( انقلابی روح اور قومیں )

یہ بھی ایک ثابت حقیقت ہے کہ تمام قومیں انقلاب کی



پرائمر کمی ربرا ' اسپین کا دیکٹیٹر



لینن ' روس کا دیکٹیٹر ' جو اب مر چکا ہے

یکساں صلاحیت نہیں رکھتیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ فرانس اور بحر متوسط کے کناروں پر رہنے والی اکثر قومیں انقلاب کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ اب وہاں اور دوسرے اسباب نے انہیں دوسری قوموں سے زیادہ حساس ' جلد متاثر ہونے والا ' اور خیالی بنا دیا ہے۔ وہ نئے نظریے جلد

کردی۔ قوم نے اس نئی شہنشاہی کا اسی جوش و خروش سے استقبال کیا ' جس جوش و خروش سے قدیم شہنشاہی کا خاتمہ کیا تھا اور حریت و آزادی کے عام بلند کیے تھے۔ ایک شخصیت کے خلاف عظیم الشان جہاد اس پر جائے ختم ہو گیا کہ دوسری شخصیت قائم ہو گئی۔ کیا اس سے بھی زیادہ غیر معقول نتیجہ کسی تحریک کا نکل سکتا ہے ؟ لیکن نہیں ' یہ نتیجہ بالکل معقول تھا۔ اجتماعی اصول و قوانین کے بالکل مطابق تھا۔



موسولینی ' اٹلی کا دیکٹیٹر

یہ کیسے ؟ یہ اس طرح کہ انسانی جماعتیں کتنی ہی شورش اور بیچینی کا اظہار کریں ' نظام حکومت کی کتنی ہی مخالف نظر آئیں ' مگر وہ اپنی اجتماعی افتاد طبع سے مجبور ہو کر در پردہ یہی خواہش رکھتی ہیں کہ کوئی نہ کوئی زبردست نظام قائم ہو ' جو ہر قسم کی بیچینی کا قلع قمع کر دے اور امن و آمان ہر طرف پھیلا دے۔ یہی سبب ہے کہ جوں ہی کوئی نئی شخصیت نمودار ہوتی ہے اور قوم محسوس کرتی ہے کہ وہ شخصیت ' امن بحال کرسکتی ہے ' تو بے اختیار اس کے سامنے سر جھکا دیتی ہے اور حریت و آزادی کی اپنی تمام خواہشیں نا دانستہ فراموش کر دیتی ہیں۔ دنیا کی تمام تاریخی شورشیں ہمیں یہی بتاتی ہیں۔ فرانس کے عظیم الشان انقلاب نے

بھی ہمیں یہی دکھایا ہے۔ ایک محقق نے کیا ہی خوب بتایا ہے " فرانس کی " تیسری انقلابی کمیٹی " کے ممبروں میں سے عہد ہونا پارٹی (نپولین) میں ایک نے بادشاہی قبول کر لی۔ پندرہ نے "کونت" کا لقب اختیار کیا۔ سات نے مجلس امراء کی شرکت منظور کی۔ اور چھ وزیر بن گئے " یہی وہ لوگ تھے جو انقلاب کے سب سے بڑے رکن اور عام بردار تھے۔

( جنگ کے بعد انقلاب )

اب ہم تاریخ کی اس عالمگیر جنگ کے بعد رائے موجودہ انقلاب کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ ایک مدت سے یورپ میں مختلف قسم کے خیالات اور نظریے پھیل رہے تھے۔ ان خیالات اور نظریوں نے بتدریج دماغوں میں ہیجان پیدا کیا۔ اس ہیجان نے اجتماعی ' سیاسی ' اور اقتصادی پیچیدگیاں پیدا کیں۔ ان پیچیدگیوں نے جنگ عمومی کی آگ بھڑکائی۔ اور جنگ نے مذکورہ بالا اجتماعی کلیہ کی بنا پر لینن اور موسولینی اور مصطفیٰ کمال جیسی آہنی شخصیتیں پیدا کر دیں۔ پس جنگ کے بعد جو صورت نمودار ہوئی ہے ' وہ ہرگز تعجب انگیز نہیں بلکہ مستحکم و مضبوط اجتماعی



اس طرح ہر دباؤ پرور ایک نئی صورت میں تبدیل ہوتا جا لگا۔ پس اگر انسانی جماعت کی طبیعت بھی اسی مادے کی طرح نرم ہوتی، اور اس میں جمود و قدامت پرستی کی ٹھوس صفیں نہ ہوتیں، تو ظاہر ہے، کیسی طوائف الملوک اور انتشار پیدا ہو جاتا؟ رز رز اس میں تبدیلیاں ہوتی رہتیں، اور نظام انسانی تہ و بالا ہو کر رہ جاتا۔

تمام عملی فلسفے شمار کر۔ سقراط کا مذہب دیکھو، کلبی، ایپی کوری، رافنی، مسالپی، وغیرہم کے مذاہب پر نظر ڈالو۔ اس کے بعد غور کر کہ اگر اجتماع انسانی کا مزاج نرم مادے کی طرح ہر وقت تبدیلی قبل کرنے کی صلاحیت رکھتا، تو ان بے شمار متضاد مذاہب کی موجودگی میں اس کا کیا حال ہو جاتا؟ یقیناً اس کا سارا نظام علم و فکر زیر و زبر ہو جاتا اور کوبی رسطی و اصاح راہ پیدا نہ ہوتی۔

یہی حال سیاست، دین، زبان اور ان تمام امور کا ہے جن پر تمدن کے ستون قائم ہیں۔

پس اب یہ واضح ہو گیا کہ تقدم و ارتقاء ایک ایجابی قوت ہے، جسے باوجود مقاومت کرنے کے سلبي قوت یعنی جمود کی صفت مدد دیتی اور آگے بڑھاتی ہے۔ اگر اجتماع انسانی ایک مادی ذقیقہ ہوتا تو اسے جواہر باہم جذب و دفع کے متضاد عملوں میں مصروف نظر آتے۔ کیونکہ یہ متضاد عمل، اس کی ہستی قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے۔ ٹھیک اسی طرح تقدم و جمود کی متضاد صفیں بھی اجتماع انسانی کے بقاء و دوام اور نشو و ارتقاء کیلئے لازمی ہیں۔

بنا بریں ہمیں قدامت پرست جامدن کو یک قلم برا نہیں سمجھنا چاہیے۔ انکا جمود بھی بقاء و حیات کیلئے اسی طرح ضروری ہے، جس طرح تجدد اور تقدم پر عمل کرنے والوں کا رجحان ضروری ہے۔ جامدین، اجتماع انسانی کیلئے ایک سلبي قوت ہیں، جو جماعت کی رفتار میں اعتدال و توازن پیدا کرتے رہتے ہیں۔

### ( ۳ )

ہربرٹ اسپنسر نے اپنی کتاب ”مبادی معاشرت و اجتماع“ ما بعد الالیات کے تصور کی بحث سے شروع کی ہے۔ وہ کہتا ہے، تصور کی تین قسمیں ہیں: ( ۱ ) تصور غیر عضوی اور اسکا تعلق آسمان و زمین اور سیاروں کی بنا ہے۔ ( ۲ ) تصور عضوی اور اسکا تعلق طبیعی ظاہر سے ہے جنہیں ہم طبیعت حیہ اور مختلف درجوں کے نبات و حیوان کی ترکیب میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر وہ مظاهر ذہنی (سائیکا لوجی) جو ان مرور حیہ کا خاصہ ہیں جو ترقی کی اس حد کو پہنچ گئی ہیں جہاں طبیعت تصور نے انہیں ان مظاهر کا اہل بنا دیا ہے۔ ( ۳ ) تصور ما بعد الالیات یا ما بعد العضویات۔ یہ فی الحقیقت حالت اجتماعی کا سن بلوغ اور جماعت کے افراد میں تقسیم عمل ہے۔

اگر ہم اس اصول کی تحلیل کریں اور اپنے موضوع پر اسے تطبیق دیں، تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ تصور مابعد الالیات، نشو و راہ آخری درجہ ہے جس تک حیوانی جماعتوں کی ترقی پہنچی ہے۔ انسان بھی اس سب میں حیوان کا شریک ہے، بلکہ مابعد الالیات میں اس زیادہ سے زیادہ ترقی تک پہنچ گیا ہے جہاں تک حیوان سے پہنچنا ممکن ہے۔ اگر یہی ہے تو پھر انسان کو باقی مخلوق پر کیا امتیاز حاصل ہے؟ انسان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے مابعد العقلیت سے ایک ایسی قوت حاصل کرتا ہے جسکے ذریعہ اپنی عقل کو اپنے مجموع کی بھلائی میں لگاتا ہے!

اور علم میں ہوا ہے جو لاهوتی پیشواؤں کا مبتدع دھن ہے اور ذاتی و غلم مدعیان علم کا کج اندیش علم ہے، تو ہم بڑی آسانی سے نہ صرف پچھلی تاریخ کے تمام حوادث کی تحلیل کر سکیں گے، بلکہ مستقبل کے واقعات پر بھی روشنی ڈال سکیں گے۔

### ( ۲ )

انسانی جماعتیں شعور رکھتی ہیں مگر فکر نہیں رکھتیں۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ جماعت کی شعوری ترقی کا پیمانہ، اسکا وہ فرد ہے جو سب سے زیادہ کمزور فکر، سب سے زیادہ مضطرب شعور رکھتا ہے۔ جماعت جس طرح محض شعور رکھتی ہے، اسی طرح سراسر جمود سے بھی لبریز ہوتی ہے۔ اور یہ کہ اسکا یہ جمود ترقی کے گونا گوں میدانوں میں اس کے قدموں کے توازن کیلئے ضروری ہے۔

سالہا سال سے علماء اجتماع وہی کہہ رہے ہیں جو گستاخ لیدان کا نظریہ ہے۔ لیکن کبھی ان کے ذہن میں یہ حقیقت نہیں آئی کہ جماعت، ایک جامد مخلوق ہے۔ تغییر و تجدید بہت دیر میں قبول کرتی ہے۔ اس بارے میں مجھے صرف ایک انگریز عالم کارل پیرسن کا قول ملا ہے۔ وہ کہتا ہے:

”قارن اور اسپنسر کی تصانیف میں بڑا فرق یہ ہے کہ اسپنسر نے کتابیں باوجود اپنی تمام قوت و تاثیر کے جلد مت جالیگی۔ برخلاف اس کے قارن کی کتابیں باقی رہیگی۔ کیونکہ ان میں بے نظیر بصیرت اور قوت ادراک موجود ہے۔ ان کتابوں نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایسے اصول و مبادی پیش کر دیے، جنہوں نے دنیا کو قدیم افکار کے بدلنے پر مجبور کر دیا۔ نیز ہمارے اخلاقی مطمح نظر کو بھی اونچا کرنا اور ہمارے سامنے میدان زیادہ وسیع کرنا شروع کر دیا ہے۔ بلا شبہ ان اصول و مبادی کا اثر بہت سست رفتار ہے، لیکن یہ سست رفتاری ہمیں نا امید نہ کرے۔ سب سے قوی موثر، جو ہمارے اجتماعی بقاء کی عمارت محفوظ رکھتا ہے، وہ وہی صفت ہے جسے ہم سب سے زیادہ مکروہ رکھتے ہیں۔ یعنی قدامت اور جمود کی صفت۔ اسی قدر نہیں بلکہ وہ دھشت ناگ مخالفانہ ضدالیں جو ہر جدید فکر کے خلاف جماعت کی طرف سے بلند ہو جاتی ہے، ہماری اجتماعی زندگی کی حفاظت کے لیے قوی ترین موثر ہیں۔ جماعت کا یہ جمود اس کے جسم کی محافظت کرتا ہے اور نئے نئے تجربوں کا تختہ مشق بننے نہیں دیتا۔ نیز صالح کو غیر صالح اور اصل کو غیر اصل سے متمیز کر دیتا ہے“

عالم مادی اور جماعت انسانی کی تکرین میں بہت بڑی مشابہت موجود ہے۔ دونوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جو ان کے نظام و توازن کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ جس طرح جوہر فرد (ایٹم) میں دو متضاد کربائی لہریں: ایجابی اور سلبي جاری ہوتی ہیں، یا جس طرح تمام مادی دقائق میں جذب و دفع کی دو مخالف قوتیں جمع ہوتی ہیں، ٹھیک اسی طرح اجتماع انسانی میں تقدم و جمود کے دو مخالف عناصر ہوتے ہیں۔ زندگی کے لیے موت لازمی ہوتی ہے اور موت کے لیے بعث (دوبارہ زندگی) ضروری ہوتا ہے۔ اس طریقہ پر غور کرنے سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جماعت کی سلبي صفات جنہیں ہم نا پسند کرتے ہیں، در حقیقت اس کے بقاء کے لیے ناگزیر ہیں۔

اس حقیقت کو زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے کوئی نرم مادہ لے لو اور اس پر دباؤ ڈالو، تم دیکھو گے کہ دباؤ کے ساتھ ہی اس کی شکل بدل جالیگی۔ پھر دوبارہ اسے دباؤ، فوراً دوسری شکل اختیار کر لے گا۔

اس تقریر کی قانونی اور ادبی 'دورنوں حیثیتیں ایسی ہیں کہ ضروری ہے 'اردو علم ادب اس سے خالی نہ رہے۔ ہم نے حتی الوسع لفظی ترجمہ کیا ہے۔

(رکٹر ہیگو کی تقریر)

"سرکاری رکیل کے ابتدائی الفاظ سننے کے بعد میں نے یقین کر لیا تھا کہ وہ الزام سے دست بردار ہو جائیگا۔ لیکن میرا یہ یقین 'محض بے بنیاد وہم ثابت ہوا اور بہت جلد دور ہو گیا۔ سرکاری رکیل نے متعدد کوششیں کیں (جو سب کی سب نا کام رہیں) کہ موضوع کو محدود و محصور کر دے۔ لیکن موضوع کی طبیعت نے اسے تفصیل پر مجبور کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام پہلوؤں میں آگئے، اور رکیل کی خلاف مرضی معاملہ نے اپنی پوری اہمیت حاصل کر لی۔ لیکن مجھے اس نتیجہ پر کوئی شکایت نہیں ہے۔

"میں اب بلا کسی تمہید کے فوراً الزام کا مقابلہ کرتا ہوں۔

"لیکن سب سے پہلے ہمیں ایک بنیاد پر متفق ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ مشہور مقولہ ہے "موضوع کی عمدہ تعریف، عمدہ بحث پیدا کرتی ہے" پس ہمیں سب سے پہلے یہ طے کر لینا چاہیے کہ "قانون کی حرمت" کے معنی کیا ہیں؟ یہ اس لیے کہ آج کی بحث کی بنیاد یہی مسئلہ ہے۔

"نا ممکن ہے اس جملہ کے معنی یہ ہوں کہ قانون کی حرمت کے بہانے سے قانون پر نکتہ چینی رک دی جائے۔ اس جملہ کے معنی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتے کہ قانون کی تنفیذ کا احترام کیا جائے اور بس۔ یہ جملہ 'نکتہ چینی کی پوری آزادی دیتا ہے' سخت سے سخت نکتہ چینی کی بھی، بلکہ مذمت کی بھی۔ صرف ایک قانون ہی کی نہیں بلکہ خود ملک کے دستور (کانسنی ٹیشن) کی بھی جو سب سے اعلیٰ قانون ہوتا ہے۔

"یہ جملہ ہمیں پوری آزادی دیتا ہے کہ تشریعی قوت (قانون ساز قوت) کو کسی "خطرناک" قانون کی منسوخی پر آمادہ کریں۔ ایسی قدر نہیں بلکہ یہ ہمیں اجازت دیتا ہے کہ قانون کی راہ میں ہر قسم کی اخلاقی اور معذری دشواریاں حائل کریں۔ بلا شبہ وہ ہمیں مادی دشواریاں پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

"قانون نذر ہونے دو، اگرچہ کتنا ہی خراب، کتنا ہی ظالمانہ، کتنا ہی وحشیانہ ہو۔ اپنے دل و دماغ کے سامنے اُسکی شکایت کرو۔ مقنن سے شکوہ کرو۔ مگر خود قانون کو روکو نہیں۔ اسے جاری ہونے دو۔ بیانگ دھل کہو کہ وہ خراب ہے۔ ظالمانہ ہے۔ وحشیانہ ہے۔ لیکن اُسکی راہ رک کر کھڑے نہ ہو۔

"ہم نکتہ چینی کریں گے۔ مذمت کریں گے۔ مگر بغاوت نہیں کریں گے۔ یہی وہ حقیقی معنی ہیں، یہی وہ وحید معنی ہیں "قانون کے احترام" کے، اگر یہ نہیں تو اے حضرات ذرا غور تو کیجیے۔

"قانون سازی کا مشکل عمل دو قسموں پر منقسم ہوتا ہے: مقنن اور اخبارات۔ اگر میری تشریح قبول نہ کی جائے تو اسکا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ دوسری قسم معدوم ہو جائیگی۔ کیونکہ اخبارات کا فرض ہے کہ قوانین پر نکتہ چینی کر کے مقنن کو قانون سازی میں مدد دیں، وہ مدد جس کے بغیر کوئی قانون مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب یہ قسم معدوم ہو جائیگی تو قدرتی طور پر پہلی قسم، یعنی مقنن کا وجود بھی بدکار ہو جائیگا۔ یعنی ہماری پارلیمنٹ معطل ہو کر رہ جائیگی اور اس کے لیے اس کے سوا کوئی کام باقی نہ رہے گا کہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔

## کیا قانون کی نکتہ چینی، قانون کی توہین ہے؟

تاریخ قوانین مدینہ کا ایک صفحہ

رکٹر ہیگو کی تقریر اپنے لڑکے کی حمایت میں

(۱)

سنہ ۱۸۵۱ء کا واقعہ ہے کہ فرانس میں ایک مجرم کو قتل کی سزا دی جا رہی تھی۔ مجرم نے گلوٹین (انقلاب فرانس کے الٹ قتل) پر چڑھنے سے انکار کیا، شور مچایا، زاپلا کیا، نوحہ و بکا کیا، سخت جسمانی مزاحمت کی، مگر اُسکی کوئی سعی کارگر نہیں ہوئی۔ عدالت فیصلہ کر چکی تھی۔ جلالوں نے بے دست و پا کر کے اسے گلوٹین پر چڑھایا اور قتل کر دیا گیا۔

فرانس کے مشہور شاعر و کاتب و کٹر ہیگو کے لڑکے چارلس ہیگو نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، تو بے اختیار ہو گیا اور قتل کی سزا کے خلاف اخبار L'Evenement میں ایک مضمون شائع کیا۔ حکومت کی نظر سے یہ مضمون گزرا تو کاتب پر قانون کی توہین کا مقدمہ دائر کیا، کیونکہ اس مضمون میں براہ راست قانون کی اس نوعیت پر حملہ کیا گیا تھا۔

اس واقعہ نے فرانس میں سخت ہلچل ڈال دی۔ بیک وقت دو بحثیں پیدا ہو گئیں: سزائے قتل کی اخلاقی حیثیت اور قانون کی "نکتہ چینی" اور قانون کی "توہین" میں فرق۔ انہی دورنوں اہم بحثوں پر کٹر ہیگو نے ۱۱ جون سنہ ۱۸۵۱ء کو عدالت میں ایک بہت ہی بلیغ اور پر زور تقریر کی۔ اس موضوع پر یہ تقریر بے نظیر سمجھی جاتی ہے۔ اس میں فرانس کے شاعر نے قوت و استدلال اور قوت خطابت دونوں کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔

فرد اور جماعت کبھی متفق نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ دو متضاد وجود ہیں۔ دونوں کی طبیعت ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ایک ہی زمانہ میں رہنے والے افراد کی عظیم تعداد کبھی بھی جماعت کے تصور اور اُسکے مظاہر پر متنبہ نہیں ہوتی اور نہ اس تصور کو بھلائی اور امن کی طرف لانے کی کوشش کرتی ہے۔ فرد جماعت کے تصور سے خود بھی تصور حاصل کرتا ہے۔ لیکن اُسکے وقوع کی اسے ہرگز کوئی خبر نہیں ہوتی۔ پھر خود جماعت بھی اپنے تصور کا کوئی احساس نہیں کرتی، یہاں تک کہ امتداد زمانہ جماعت کے تدریعی تصور کو نمایاں کر دیتا ہے اور آئندہ نسلیں اسے محسوس کرتی اور دیکھتی ہیں۔

فرد کا جماعت کے شعور کے ماتحت آجانا اسے اپنی مستقل عقلیت سے دور کر دیتا ہے۔ جماعتی شعور کا دھارا اسے جدھر چاہتا ہے، بہا لیجاتا ہے: شر کی طرف یا خیر کی طرف۔ جماعتی شعور اور انفرادی عقلیت کی جنگ نے پوری انسانی تاریخ بنائی ہے۔ تمام جنگی حوادث، اجتماعی انقلابات اور مختلف مدنیاتوں کے قیام میں ہمیں ہر جگہ یہی حقیقت نمایاں نظر آتی ہے۔ یہی 'روح' انسانیت کی گردن پکڑے ہمیشہ کھینچتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔



نظروں سے دور - میں اس پر مطمئن ہوا - میں نے اسے اپنا منہ چھپاتے دیکھا، اور اس شرم و حیا پر مبارک باد دی - لیکن اے حضرات! یہ میری غلطی تھی - کیوں کہ اس نے بہت جلد اس عارضی حیا کا پردہ چاک کر ڈالا اور انتہائی بے شرمی کے ساتھ باہر نکل آئی!

”سان جاک کا قید خانہ یقیناً اس ملکہ قتل (یعنی گلوٹیں) کے لیے تھیں آمیز ہے - لہذا اب ہمیں طیارہ جانا چاہیے کہ جلد اسے پھر عام میدانوں میں سورج کے نیچے دیکھینگے - جلاؤں کی قطاریں اس کے سامنے کھڑی ہوئی - مسلم پولیس اور فوج اس کے اعزاز میں دست بستہ ہوئی - بہت ممکن ہے اس کا تخت خونیں، آسی بلدیہ (کارپوریشن) کے روشن دانوں کے نیچے بچھایا جائے، جس کی کھڑکیوں میں کھڑے ہو کر بعض نالائقوں نے ۲۴ فروری کو اسے چلا چلا کر گالیاں دی تھیں -

”اب گلوٹیں پھر طیارہ کر رہی ہے - اس نے سرجنا شروع کر دیا ہے کہ مضطرب ہیئٹس اجتماعیہ کو اپنے استقرار کے لیے، پھر تمام پچھلی روایات کی طرف لوٹ جانا چاہیے - چونکہ وہ خود بھی ایک قدیم رسم ہے، اس لیے اسے بھی از سر نو آگے بڑھنا چاہیے - وہ تمام مصلحین کے خلاف احتجاج بلند کر رہی ہے، کیونکہ انہوں نے انتہائی گستاخی کے ساتھ اعلان کیا تھا کہ سر کائنات کا آلہ اس مجسمہ کا نشان نہیں ہو سکتا، جس کی کتاب، انجیل ہے!

”وہ ان مصلحین پر سخت خفا ہے - کیونکہ محسوس کرتی ہے کہ ان خیالی آدمیوں کے سامنے، جو نظام اطاعت نہیں جانتے، وہ بے وقعت ہوتی ہے (قہقہہ) وہ چاہتی ہے دنیا بھر اُسکی عظمیٰ کا راگ گائے اور اُسکے سامنے تعظیم سے جھک جائے - اگر ایسا نہیں ہے تو وہ خفا ہو جائیگی، اپنی توہین پر شور مچائیگی، عدالت میں دعویٰ کرے گی، اور معارضہ طلب کرے گی“ (قہقہہ)

جج — مقرر کے بیان پر استعصال یا مذمت کا اظہار قطعی طور پر ممنوع ہے - اس موقع پر قہقہہ نہایت نا مناسب ہے -

رکنر ہیگو (تقریر جاری رکھتے ہوئے) ”یہ ملکہ معظمہ (گلوٹیں) خون کی مالک ہے - لیکن وہ اسے کافی نہیں سمجھتی - وہ جرمائے اور قیدخانے کی بھی حاکم بننا چاہتی ہے -

”محترم عدالت! جس دن میرے سامنے وہ پروانہ پیش کیا گیا جو میرے لڑکے کے نام آیا تھا - یعنی اس مقدمہ کا سمن، (آج کل ہم کتنے عجائبات دیکھ رہے ہیں اور ہمیں عجائبات دیکھنے کا کس قدر عادی ہونا چاہئے؟) مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ وہ پروانہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی - میں نے تعجب سے کہا - کیا؟ ... تو کیا اب ہم اس حد تک پہنچ گئے ہیں؟ کیا اب ہم اس رجحان سے مجرم قرار پائینگے کہ عقل، ضمیر، آزادی خیال، اور قانون طبیعت کے حامی ہیں؟ کیا اب ہم سے صرف مادی احترام کافی سمجھا نہیں جاتا (جس سے ہمیں کبھی انکار نہیں ہوا) جو ہم پر واجب ہے، اور جسے ہم فعلاً پیش بھی کر رہے ہیں) بلکہ اب ہم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ معنوی احترام بھی ان سزاؤں کیلئے پیش کریں جو انسانی ضمیر کو پاش پاش کر رہی ہیں - جنہیں دیکھ کر عقلمند کا رنگ فق ہو جاتا ہے - جسے دین نفرت کر رہا ہے؟ وہ سزائیں جو سنگ دلی سے بھی بڑھ کر ایک برائی ہیں - جنکے نفاذ کے بعد آنکی تلافی محال ہے - جو بالکل اندھی ہیں - وہ سزائیں جو انسانی خون سے تر ہوتی ہیں - جو دین سے بالکل دور ہیں - وہ جب مجرم کے سر پر نازل ہوتی ہیں تو شبہ ہوتا ہے کہ انسانیت اس عالم میں موجود نہیں ہے - جب بے گناہ پر پڑتی ہیں تو خود خدا کے رجوں میں شک پیدا ہو جاتا ہے ...

”میرے خیال میں سرکاری رکیل کی منطق یہ خواہش تو نہ رکھتی ہوگی (قہقہہ)

”اس مسئلہ کے صاف کردینے کے بعد اب میں اصلی موضوع پر متوجہ ہوتا ہوں -

”جج اور جیوری! اس ضابطہ قانون میں، جسے ہم ”قدیم یورپین ضابطہ قانون“ کہہ سکتے ہیں، ایک ایسا قانون موجود ہے جس کی منسوخی پر گزشتہ سو برس سے تمام فلاسفہ، مفکرین، اور حقیقی سیاست دان زور دے رہے ہیں - سب کا بیک زبان مطالبہ رہا ہے کہ ”مقدس تعزیرات“ سے یہ قانون ہمیشہ کے لیے نکال دیا جائے -

”اس قانون کے متعلق بکارپا نے کہا تھا ”یہ بے دین قانون ہے“ فرانکلین کہا کرتا تھا ”یہ خوفناک قانون ہے“ لیکن ہمیں معلوم ہے ان دونوں پر کبھی توہین قانون کا مقدمہ نہیں چلایا گیا -

”اسی قانون کے بارے میں لوئی فلپ نے (جس کا نام میں اس احترام کے بغیر نہیں لے سکتا جو پیری اور بد نصیبی کے لیے اور ہر اس شخص کے لیے ضروری ہے جو اس قانون کی قربان گاہ پر ہیئت چڑھا ہو) کہا تھا ”زندگی بھر میں اس سے نفرت کرتا رہا ہوں“ اسی قانون پر مسیو جیزر اور مسیو دی برنگلی نے سختی سے نکتہ چینی کی تھی -

”یہی وہ قانون ہے جسے ہماری پارلیمنٹ نے اب سے بیس برس پہلے تسلیم کیا ہے - یعنی اکتوبر سنہ ۱۸۳۰ ع میں - حالانکہ ٹیک ایسی زمانہ میں ایک نیم وحشی امریکن پارلیمنٹ نے اسے ملک کے ضابطہ قوانین سے خارج کر دیا تھا -

”یہی وہ قانون ہے جسے تین سال ہوئے فرنکفرٹ کانگریس نے منسوخ کیا - اور اسی کو چند سال ہوئے انجمن جمہوریت رومان نے باطل کر دیے جانے کا فیصلہ کیا ہے -

”یہی قانون ہے جسے ہماری مقنن مجلس نے سنہ ۱۸۴۸ ع میں بڑے پس و پیش کے بعد منظور کیا تھا - یہی وہ قانون ہے جو اس وقت جب کہ میں تقریر کر رہا ہوں ان دو تجویزوں کے رحم پر زندہ ہے جو اس کے خلاف ہماری مقنن مجلس میں پیش ہیں -

”یہی وہ قانون ہے جسے ٹسکانیا اور روس، دونوں تھکرا چکے ہیں، اور اب وقت آگیا ہے کہ فرانس بھی اسے نفرت سے ٹھکرا دیے -

”یہی وہ قانون ہے جس کے سامنے سے انسانی ضمیر نفرت و کراہت کے ساتھ بھاگتا ہے -

”وہ قانون کیا ہے؟

”قتل!“

”اور اے حضرات! یہی وہ قانون ہے جس نے آج یہ مقدمہ پیدا کیا ہے - یہی ہمارا حقیقی دشمن ہے - ممکن ہے سرکاری رکیل کو غصہ آجائے - لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کے پیچھے یہی قانون چھپا ہوا ہے (قہقہہ)

”مجھے اعتراف ہے کہ مسیولین فوشر کی طرح گزشتہ بیس برس سے میں بھی یقین کرتا تھا کہ ”اب گلوٹیں“ عام میدانوں میں ظاہر نہیں ہوگی - لیکن مجھے یہ بھی یقین تھا کہ اب گلوٹیں، قانونی نقاب اڑھتی جاتی ہے - اب اس کی حیثیت پلے سے بہتر ہوگئی ہے - اب اس نے میدان چھوڑ دیا ہے، جہاں سورج چمکتا اور مخلوق جمع ہوتی ہے - اب وہ سڑکوں کا ہجوم پسند نہیں کرتی - اب اس کا تماشا دل پسند نہیں رہا - اب وہ تماشا تاریکی میں دکھاتی ہے - ”سان جاک“ کے قید خانے میں - خالی جگہ میں - لوگوں کی





## ہندوستان کی تجارت پر مشرق و مغرب کا تصادم

امریکا اور راس امید کے اکتشافات

واسکو دی گاما نے ایک عرب کے ذریعہ کامیابی حاصل کی

مشہور مصری کاتب و معقق احمد زکی پاشا نے اپنے ایک سلسلہ مضامین میں مندرجہ بالا عنوانوں پر جو روشنی ڈالی ہے، وہ نہایت اہم اور دلچسپ ہے۔ انکی بحث خلاصہ حسب ذیل ہے:

”صلیبی جنگوں نے بہت سی مغربی قوموں کے مقبوضات شام میں پیدا کر دیے تھے۔ ایشیا کے دروازوں پر ان مقبوضات سے یورپ کو بہت فوائد حاصل ہوئے۔ تمام مشرق کی مصنوعات حاصل کرنے اور ہندوستان سے تجارت بڑھانے کے بہترین موقع میسر آ گئے صلیبیوں نے کبھی کبھی اتنی قوت بھی پیدا کر لی تھی کہ خود دمشق اور قاہرہ سے خراج وصول کیا کرتے تھے۔ (۱) انہوں نے کرک پر قبضہ کر کے حجاز کے راستہ پر تسلط حاصل کر لیا تھا۔ عقبہ اور طبر پر بھی قبضہ جمائے کی کوشش میں تھے اور قریب تھا کہ پورے بحر احمر پر چھا جائیں۔ (۲)

لیکن مشرق قریب کے سلاطین، عین وقت پر بیدار ہو گئے۔ ان میں باہم سخت حسد و منانست تھی۔ تاہم مشترک خطرے کے سامنے متفق ہو گئے اور اسد الدین، نور الدین، صلاح الدین، نجم الدین، ملکہ شجرۃ الدر، ملک الظاہر بیدرس، منصور قلاوون کی یادگار کوششوں نے مصر اور شام کی سر زمینیں یورپی حملہ آوروں سے پاک کر دیں۔

(۱) دیکھو ابن فضل اللہ کی مسالک الابصار

(۲) ابن فضل اللہ نے اپنی کتاب ”التعریف بالمصطلح الشریف“ میں لکھا ہے کہ اہل فرنگ نے کرک میں بحری بیڑے طیار کیے اور انہیں لیکر بحر قلزم میں پہنچے تاکہ حجاز پر حملہ آور ہوں اور اپنے دل کا بخار نکالیں۔ لیکن ایوبی اور عادلی ہنتروں نے انہیں پست کرتا۔ صلاح الدین ایوبی نے انکے بہت سے آدمی گرفتار کر لیے اور منی بھیج دیے تاکہ جمرۃ عقبہ پر اسی طرح ذبح کر دیے جائیں جس طرح قربانی کے جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (ملہ) (۳) دیکھو ابن فضل اللہ کی مسالک الابصار

”لیکن نہیں! نہیں! ہرگز نہیں! ہم ابھی اس حد تک نہیں پہنچے ہیں۔۔۔ میں نے کہا مجھے پرورائے دیکھ کر سخت حیرت ہوئی (آپ عذریہ جان لینے میری حیرت کس درجہ عظیم تھی) کیونکہ میں نے خیال کیا اگر اس ”جرم“ کا کرلی حقیقی مجرم ہے، تو وہ میرا بیٹا نہیں، خود میں ہوں۔

”میں اس وقت عدالت کے سامنے یورپی صفائی سے اعلان کرتا ہوں کہ اس جرم کا حقیقی مجرم میں ہوں، میں! کیونکہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں ہی ان سزاؤں کے خلاف ہر ممکن ذریعہ سے جنگ کر رہا ہوں۔

”میں تصریح کرتا ہوں کہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں نے ہر طریقہ سے ”انسانی زندگی کی حرمت“ بچانے کی کوشش کی ہے۔ یعنی وہی جرم کرتا رہا ہوں جو اس وقت میرے لوگے پر عائد کیا جا رہا ہے۔ میں نے یہ جرم اپنے لوگے سے بہت پہلے شروع کیا تھا اور اس سے کہیں زیادہ سخت طریقہ پر اسکا ارتکاب کرتا رہا ہوں۔ مہربان سرکاری رکیل! دیکھو، میں خود اپنے خلاف گواہی دے رہا ہوں۔ میں اقبالی مجرم ہوں۔ حلفیہ اقبال کرتا ہوں۔ میں نے ہر موقع پر یہ جرم کیا ہے۔ بار بار کیا ہے۔ اصرار کے ساتھ کیا ہے۔ ہمیشہ کرنے کا عزم رکھا ہے۔ یہ عزم اس وقت بھی میرے قلب میں موجود۔ بلکہ اس وقت بھی میں اس جرم سے آلودہ ہو رہا ہوں۔ خود عدالت کے سامنے آلودہ ہو رہا ہوں!

”ہاں۔۔۔ میں خود اپنی زبان سے بغیر کسی جبر و اکراہ کے اپنے جرم کا اعلان کرتا ہوں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں زندگی بھر ان تمام قوانین کی بیخ کنی کرتا رہا ہوں جو وحشیانہ ہیں۔ میں ہمیشہ اس بڑے قانون کا دشمن رہا ہوں جو کہتا ہے ”آئندہ کے بدلے آئندہ اور دانت کے بدلے دانت“ محترم جج اور جیوری! میں آپکے سامنے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ بھی زندگی بھر ایسے تمام قوانین سے جنگ کرتا رہوں گا۔ میں ایک مصنف کی حیثیت سے عمر بھر اپنے قلم سے انکی مخالفت کروں گا اور ایک مقلد کی حیثیت سے اپنی آواز ہمیشہ انکے برخلاف بلند رکھوں گا۔

”اے حضرات! میں اعلان کرتا ہوں (یہ کہہ کر مقرر نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر کے طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے جو عدالت کے کمرے میں آویزاں تھی) اس ذات کے سامنے جو اسی قانون قتل کی قربان گا، پر ہیئت چوہائی گئی، جسکے سامنے اس وقت ہم کھڑے ہیں۔ یہ مقدس تصویر ہمیں اس وقت دیکھ رہی ہے۔ میں اس مقدس ”قربانی“ کے سامنے قسم کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں۔ یہ وہ ہستی تھی جس نے انسانیت کی ابدی تعلیم کی خاطر، اپنے تئیں جلاؤں کے حوالہ کر دیا۔ انسانی قانون نے اسے سولی پر لٹکایا، حالانکہ اسکا رجوع خود ”قانون الہی“ تھا۔

”ہاں میں اسی تصویر کے روبرو بار بار کہتا ہوں کہ میرے لوگے نے جو کچھ لکھا، وہ صرف اس وجہ سے لکھا کہ میں نے بچپن ہی سے اسے اسکی تلقین کی تھی۔۔۔ کیونکہ وہ جب سے میرا جسمانی لوکا ہے، اسی وقت سے میرا روحانی فرزند بھی ہے۔ کیونکہ وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے باپ کی راہ پر چلے۔ لیکن بیٹے کا باپ کے طریقے پر چلنا بھی ایک عظیم جرم ہے۔ واقعی یہ جرم میرے لیے سخت حیرت انگیز ہے!

”حضرات! میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ الزام واقعی میرے لیے شدید تعجب کا موجب ہے۔۔۔۔۔۔“

یہ دولوں نظریے، پہلے جنیوا میں پھر لشبونہ (پرتگال) میں منسپور ہوئے۔ لشبونہ سے یہ خیال اسپین پہنچا اور یہ دونوں ملک اس پر سنجیدگی سے غور کرنے لگے۔

(کولمبس کی مہم)

پہلا نظریہ یعنی بحر اٹلانٹک میں غرباً سفر، سب سے پہلے جنیوا کے ایک باشندے کولمبس نے پیش کیا۔ میں کہتا ہوں ”سب سے پہلے“ حالانکہ اس سے میری مراد ”اہل یورپ میں سب سے پہلے“ ہے۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کولمبس سے بہت پہلے اندلس اور مصر کے مسلمان اس پر غور کرچکے تھے۔ صرف غور ہی نہیں بلکہ اسے عمل میں بھی لاکچے تھے، اگرچہ کامیاب نہ ہو سکے۔

میرا فرض ہے کہ یہ تاریخی حقیقت، جس پر انسان اور زمانے کی ناانصافیوں نے پردے ڈال رکھے ہیں، روشنی میں لے آئے۔

علماء یورپ ہمیں بتاتے ہیں کہ سب سے پہلے کولمبس کو خیال پیدا ہوا کہ بحر اٹلانٹک میں غرباً چلنے سے ہندوستان تک پہنچ سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ خیال لے کر وہ لشبونہ گیا اور جان نانی شاہ پرتگال کے سامنے پیش کیا۔ لیکن یہ بادشاہ بد نصیب تھا اس نے کولمبس کی بات نہ مانی بلکہ اسے معذرت قرار دیا۔ کولمبس خفا ہو کر اسپین چلا گیا اور فرڈیننڈ اور ملکہ ایزابلا کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نئی دنیا تک پہنچ گیا جس کا نام اس وقت لوگوں نے ”مغربی ہند“ (Indes Occiden Tales) (۱) رکھا تھا کیونکہ کولمبس کا ارادہ، ہندوستان پہنچنے کا تھا۔ اسی کی تلاش میں امریکہ نکل آیا۔ اسی لیے اسے ہندوستان ہی سے تعبیر کیا گیا۔

لیکن جب کہ کولمبس، لشبونہ میں یہ خیال لیے ہوئے بحر اٹلانٹک کی متلاطم موجوں پر امید کی نظریں ڈال رہا تھا، تو کیا اس کے دل میں یہ خیال بھی گزرا تھا کہ اسی لشبونہ میں کچھ ہو کر عرب ٹھیک اسی مقصد بلکہ اس سے بھی بڑے مقصد سے سمندر پر نظریں ڈال چکے ہیں؟

کیا کولمبس کو یہ خبر پہنچی تھی کہ اسی لشبونہ کے مسلمانوں نے اس سے بہت پہلے ارادہ کیا تھا کہ بحر ظلمات میں تحقیقات کے لیے درائیں؟

کولمبس کو شاید معلوم نہ ہوا ہو، لیکن یہ واقعہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔ لشبونہ کے اُن مسلمانوں میں سے جو ”مغریبن“ کے لقب سے مشہور ہیں، آٹھ عم زاد بھائیوں نے کمر ہمت چسپا کی۔ جہاز طیار کیے۔ کئی مہینے کا کھانا پانی جمع کیا، اور اُس ہوا کے آغاز پر جو انہیں مغرب کے کناروں تک لیجا سکتی تھی، بحر ظلمات میں روانہ ہو گئے۔ اُن کے سفر کا حال شریف ادیبی نے اپنی کتاب ”نزهة المشتاق في اختراق الافاق“ میں لکھا ہے۔ اہل لشبونہ اپنے ان ”مغریبن“ کو بھولے نہیں بلکہ اُن کی یادگار باقی رکھنے کے لیے اپنے شہر کے ایک محلہ کا نام ”درب المغریبن“ رکھ دیا۔

(۱) گیارہویں صدی ہجری کے عرب مصنفین کی کتابیں میں بھی امریکا کا نام (الہند المغریبة) لکھا ہے۔ دیکھو مقدمہ ”کتاب العز المنافع للمجاهدين بالبارود والمدافع“ جو مصر کے سلطان علی کتب خانے میں محفوظ ہے۔

مگر ان کوششوں کے باوجود بھی شہر عکا صلیبیوں کے قبضہ میں باقی رہا، اور اُن تمام نقصانوں کی تلافی کرتا رہا جو انہیں اپنے مشرقی مقبوضات سے معرجمی کی وجہ سے پہنچے تھے۔ یہ دیکھ کر ملک اشرف بن قلاؤز نے چاہا، یہ مقام بھی اُن سے واپس لے لیا جائے۔ چنانچہ اُس نے حملہ کیا اور سنہ ۱۲۹۱ع میں کامیاب ہو گیا۔

عکا کے واقعہ کے بعد مشرق کی فتح کے دروازے ایک مرتبہ پھر مغرب پر بند ہو گئے۔ لیکن وہ ناامید نہ ہوا، اور روم کے پاپا اور یورپ کے بادشاہ برابر حملہ کی طیاریاں کرتے رہے۔ چنانچہ چارلس ہشتم شاہ فرانس نے عزم مصمم کر لیا تھا کہ اپنے جنگی بیڑوں کی قوت سے فلسطین اور مقامات مقدسہ پر قبضہ کر لے۔ لیکن تجارتی مفاد نے اُس وقت جنگی کارروائیاں کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور مشرق و مغرب کا تصادم ہوتے ہوئے رک گیا۔

عکا کی فتح کے بعد مشرقی تجارت کی باگیں مصر کے ہاتھ آگئی۔ اب بحر متوسط کی تجارت پیشہ قومیں کیلیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اسکندریہ، دمیاط، اور بیروت کے بازاروں کا طواف کریں۔ چنانچہ ربنس اور جنیوا وغیرہ کے تاجران بازاروں پر ٹوٹ پڑے۔ کیونکہ مشرق کی مصنوعات اور ہندوستان کی پیداوار حاصل کرنے کا آؤر کوئی دوسرا راستہ اُن کے سامنے موجود نہ تھا۔ اُس زمانے میں ہندوستان کے گرم مصالحے یورپ میں از حد مقبول تھے اور غذا کا لازمی جز بن گئے تھے۔ یہ مصالحے بھی مصر ہی کے راستے یورپ کو حاصل ہوتے تھے۔

اس تجارتی مرکزیت نے مصر کو دولت و ثروت کا بھی مرکز بنا دیا۔ بادشاہ اور باشندے مالا مال ہو گئے تھے۔ تمام یورپ میں قاہرہ ”قاہرہ عظمیٰ“ کے نام سے پکارا جاتا تھا!

(راس امید کی دریافت)

تقریباً در سو برس تک یہی حالت رہی۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۴۹۲ء (۱۵۱۶ع) میں مصر اپنی آزادی سے محروم ہو گیا۔ اُسکی تجارتی مرکزیت کو شاید اب بھی کوئی نقصان نہ پہنچتا لیکن مصیبت یہ ہوئی کہ اُسی زمانے میں پرتگالیوں نے ”راس امید“ دریافت کر لی اور اس طرح مصر کی سیاسی اور تجارتی، دونوں اہمیتیں ختم ہو گئیں۔

راس امید، اتفاقیہ طور پر دریافت نہیں ہوا بلکہ ضرورت نے اُسکی طرف رہنمائی کی تھی۔ یوں کہنا چاہئے کہ ہندوستان کی تجارت اُس کا باعث ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ قدیم زمانے سے ہندوستان، دنیا کی سیاست میں زبردست موثر رہا ہے۔ اسکی فتح کے لیے دنیا میں بے شمار انقلاب پیدا ہوئے اور بے شمار ملکوں کی آزادیاں پامال ہوئیں۔ یہی نہیں بلکہ نئی دنیا یعنی امریکا کا اکتشاف بھی اسی ہندوستان کی طمع و شوق میں ہوا۔

عکا سے محروم ہوجانے کے بعد یورپ نے دیکھا کہ مشرق اور ہندوستان کی تجارت کیلیے اب وہ یک قلم مصر کے رحم پر ہے، اور بلا وجہ مصر کو بے شمار محصول ادا کرتا ہے۔ چنانچہ عقلا یورپ نے غور کرنا شروع کیا کہ ہندوستان تک پہنچنے کی کوئی ایسی راہ نکلیے جس میں مصر کا توسط نہ ہو۔ اس مشکل کے در حل آنے سامنے آئے: ایک یہ کہ بحر اٹلانٹک میں مغرب کی طرف سیدھے چلے جائیں، یہاں تک کہ ہندوستان کے ساحل پر پہنچ جائیں۔ دوسرے یہ کہ افریقا کا چکر لگا کر ہندوستان پہنچیں۔

کہا ہے ”یہ جگہ ساحل کے قریب ایک آبائے میں واقع ہے۔ اس کے ایک جانب پہاڑ ہے اور دوسری جانب بحر ظلمات ہے۔ یہاں سمندر سطح طوفانی حالت میں رہتا ہے۔ کشتیاں ٹک نہیں سکتیں۔ ٹوٹ جاتی ہیں“

پرتگالیوں نے اس مقام کا نام ”راس طوفان“ رکھا تھا۔ لیکن جان ثانی شاہ پرتگال نے اس کا نام ”راس امید“ رکھ دیا۔ کیونکہ اس کی دریافت نے براہ راست ہندوستان تک پہنچنے کی امید پیدا کر دی تھی۔

لیکن یہ امید جان کی زندگی میں پوری نہیں ہوئی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عمانوئل ثانی تخت نشین ہوا۔ اس نے ۱۴۹۷ء میں اس مہم پر روانہ کیا تا کہ ہندوستان کی راہ دریافت کرے۔ اس شخص نے سفر شروع کیا۔ راس امید عبور کر کے سواحل کفرہ میں پہنچا۔ پھر ممباسہ آیا۔ پھر ملندہ میں وارد ہوا۔ یہیں اُسکی ملاقات حسب تصریح قطب الدین کے (جیسا کہ ”برق یمانی“ میں مذکور ہے) ”ایک بحری آدمی سے ہوئی۔ اسکا نام احمد بن ماجد تھا۔ اسی نے نشہ کی حالت میں واسکو دی گاما کو ہندوستان کا سیدھا راستہ بتا دیا۔ اور اس کے بعد بحر ہند میں پرتگالیوں کی کثرت ہو گئی“ لیکن خرد پرتگالی مورخ، احمد بن ماجد کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ البتہ ایک ایسے آدمی کا وجود ضرور تسلیم کرتے ہیں جو واسکو دی گاما کا شریک سفر ہو گیا تھا۔ اور اسکا نام وہ ”معلم کنہ“ Malem Cana بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہندوستان پہنچ کر گجرات میں فرت ہو گیا۔ بعض نے اسکا نام Malem Canaque لکھا ہے۔

بعض پرتگالی مورخ کسی ایسے شخص کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔ انکا بیان ہے کہ سلطان ملندہ نے واسکو کے ساتھ اپنے ملک سے دو آدمی کر دیے تھے جو بحر ہند سے بخوبی واقف تھے۔

بہر حال یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ راس امید کی دریافت میں عربوں کا بھی حصہ ہے اور راس امید نے ہندوستان تک پہنچنے میں تو سراسر عربوں ہی نے رہنمائی کی تھی۔

## مختارات

(اخبار نویسی)

سلطان عبدالعہد نے معزول ہونے کے بعد کہا ”اگر میں یلدز (معل) میں لرت سکون تو اخبار نویسوں کو ایک ہی قید خانہ میں بند کر دوں گا“

”اس ملک میں ہر دس آدمیوں میں صرف ایک شخص کو افشا پرداز ہونا چاہیے“ (روزلت - امریکا)

”اخبار نویس کی صورت دیکھ شیطانوں کا بار، ابلیس بھی کانپ جاتا ہے“ (ولیم سٹیڈ)

”کیڑے مکوڑوں میں سے اخبار نویس بھی ہے“ (ملکہ اسپین)  
”اے قلم تو نہایت خوبصورت ہے لیکن میری سلطنت میں تو شیطان سے بھی بدتر ثابت ہوا ہے“ (آخری زار روس)

پرتگال کے معزول بادشاہ ”مانوئل“ نے اخبار نویسوں سے کہا ”تمہیں نے مجھے برباد کیا ہے“

جمہوریہ وینزولا (امریکا) کے صدر ”کاسٹرو“ کا قول ہے :  
”اگر جہنم کا پہاڑ بھی میں کہلا دیکھوں تو آٹلا نہ ڈروں گا جتنا اخبار نویس کے قلم سے ڈرتا ہوں“

کولمبس کو بیشک یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ امریکا تک پہنچ گیا۔ لیکن کس طرح پہنچا؟ کیا اُس کے وہم میں بھی یہ بات موجود تھی کہ بحر ظلمات کے دامنوں میں ایک آرزو دنیا بھی چھپی ہوئی ہے؟ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ وہ تو ہندوستان کے ارادے سے نکلا تھا اور محض اتفاق سے امریکا پہنچ گیا۔ لیکن لشبرونہ کے مسلمان تو اسی دنیا کی تحقیق کے لیے نکلے تھے۔ انہیں ہندوستان کی فکر نہ تھی۔ نہ تجارت و دولت کی طمع تھی۔ ان کے سامنے صرف جغرافیائی تحقیقات تھی۔ ظاہر ہے کہ کولمبس اور ان کے نقطہ نظر میں کتنا اختلاف تھا اور دونوں میں کون زیادہ تحصیل علم کا مستحق ہے؟

یہی نہیں بلکہ کولمبس سے دیر سے سربس پلے ہی مسلمانوں نے امریکا کا تصور کر لیا تھا۔ ملک الذاصر محمد بن قلاؤز کے عہد میں ایک عالم، قاہرہ میں موجود تھے۔ ان کا نام ابو اللہ محمود بن ابی القاسم الاصفہانی تھا۔ ابن فضل اللہ العمري اپنی کتاب ”مسالك الابصار في ممالك الامصار“ (جلد ۱ صفحہ ۳۱) میں ان کا یہ قول لکھتے ہیں :

”میں اسے بعید نہیں سمجھتا کہ زمین کے اس رخ پر پانی کے ہت جانے کی وجہ سے جو خشکی نمودار ہو گئی ہے، ویسی ہی خشکی زمین کے دوسرے رخ پر بھی موجود ہو۔ چونکہ یہ مستبعد نہیں ہے، اس لیے یہ بھی مستبعد نہیں کہ اُس طرف کی خشکی پر بھی ویسے ہی حیوان و نباتات موجود ہوں، جیسے ہماری اس زمین میں موجود ہیں، یا وہ کسی آرزو جنس و نوع کے ہوں“

(واسکو دی گاما اور راس امید)

ہندوستان تک پہنچنے کے پہلے نظریہ نے امریکا کو ظاہر کیا۔ اب دوسرا نظریہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ بحر اٹلانٹک میں افریقہ کے گرد گہوم کر ہندوستان کی راہ نکالی جائے۔

یہ خیال سب سے پہلے جنیوا میں رہنے والے دو بھائیوں : ارگولینو Ogolino اور ویدینو Vadino کو ہوا۔ وہ اس مہم پر روانہ بھی ہو گئے مگر کامیاب نہ ہوئے اور غرق ہو گئے۔

لیکن یہ خیال برابر زندہ رہا اور ہمتیں بڑھاتا رہا۔ اُس وقت پرتگال کے ملک میں بڑی تجارتی بیداری موجود تھی۔ پرتگالی ہمت و شجاعت میں تمام یورپین قوموں کے آگے تھے۔ پرتگال کی نازک اندام عزتوں کا بھی اس حرکت میں بڑا حصہ تھا۔ انہوں نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ انہی لوگوں سے شادی کرینگے جو افریقا کے ساحلوں پر اپنی شجاعت و بسالت ثابت کر دینگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرتگالی نوجوان سواحل افریقا پر ٹوٹ پڑے اور بتدریج بہت سی بندرگاہوں کے مالک بن گئے۔ ان مہموں میں عربوں اور یہودیوں نے اُنکی بڑی مدد کی۔ یہ لوگ افریقا سے اُس وقت سب سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے پرتگالی بادشاہوں خصوصاً شاہ ہنری کو (جو ملاح کے لقب سے مشہور تھا) اپنی قیمتی معلومات سے آگاہ کیا، اور اس طرح افریقا کی تحقیق و فتح میں پرتگالیوں کے رہنما بنے۔ یہی عرب اور یہودی تھے جنہوں نے پرتگال کو گینیا کی سونے کی کانوں سے آگاہ کیا تھا۔ غرض کہ سنہ ۱۴۸۲ء سے سنہ ۱۴۸۹ء تک پرتگالی اپنے مقبوضات، سواحل افریقا پر پھیلانے لگے، یہاں تک کہ سنہ ۱۴۸۹ء میں پرتگالی امیر البحر جنوبی افریقا کے آخری نقطہ تک پہنچ گیا۔ یہی وہ مقام ہے جس کا ذکر قطب الدین نہروالی نے اپنی کتاب ”البرق الیمانی فی الفتح العثماني“ میں اس طرح

# سیر فی الارض

ادلم سیر وانی الارض فی نظر و کیفان عاقبتہ الذین من قلمہ

(۸:۳۰)

یَا حَا نِ عَالَمِ کَ مَشَاهِدَاتٍ وَ تَأَارُثٍ

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کا یاد دہرا حصہ ۱۰ المال)

”جوت“ سے ”حائل“ تک اونٹ کی پیٹھ پر دس دن کی مسافت ہو راستہ نہایت ہی اچھا اور بیا بیا ہوتی ہے۔ ہم کبھی رنگ کی بلند پہاڑوں پر چڑھتے تھے کبھی نشیبی وادیوں میں ہوتے تھے کبھی ایسی بلند پہاڑوں پر پہنچتے جن کے نیچے ہولناک گہرائیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ راستہ ایسا دشوار گزار اور خطرناک ہے کہ اونٹ کا ذرا قدم دگ بٹکا جائے تو گناہ یعنی ہو۔ عظیم لمبائی پر سے انسان ذرا سخت الشری میں جا پہنچے۔ اس سفر میں پہلے ۶ دن تک کس پانی نہیں ملا۔ اگر پانی ہلے ساتھ مشکوں میں اور اونٹوں کے ساتھ لٹکے پیٹ میں نہ ہوتا تو موت یقینی تھی۔ اس تمام مدت میں غسل کرنا کیا معنی غسل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پانی کا ایک ایک قطرہ خود زندگی کی طرح قیمتی تھا۔

ساتویں دن علی الصباح ہیں ”جبہ“ نام ایک آبادی ملی۔ یہاں کے تمام مکان ایسی سفید مٹی سے بنے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ چند شیوخ مجھے پوچھتے ہوئے آئے اور وہاں بننے کی درخواست کی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انھیں پہلے ہی خبر پہنچ چکی تھی کہ ایک مصری، شاہ نجد کی ملاقات کے لئے آ رہا ہے۔ ”لہذا“ انھوں نے کہا ”ہمارا اخلاقی فرض تھا کہ انھیں اپنا امان بناتے“

نویں دن ہم ”تناہ“ میں پہنچ گئے۔ یہ بہت ہی چھوٹا گاؤں ہے۔ حتیٰ کہ یہاں ہیں کھانے کے لئے ایک بکری بھی مول نہ مل سکی لیکن ہیں کوئی سختی نہیں ہوئی۔ کیونکہ ٹھوسے فاصلہ ترین گاؤں اور تھے۔ ان میں سے ٹھکانا ”ام جہلان“ ہے اور اس کی آبادی صرف ۴ گھر ہیں۔ مکانوں کے گرد خوشے کے چند درخت ہیں۔ یہاں کے باشندے حوت قات کا لفظ ”مجان“ کی طرح کرتے ہیں۔

حائل

دسویں دن ”حائل“ ہمارے سامنے تھا۔ سلطان ابن سعود کے عزم و بھائی امیر عبدالعزیز بن سعود بن حلاوی، حاکم حائل کا نائب ہمارے استقبال کے لئے شہر کے باہر موجود تھا۔

ہم نے اپنے تمام بچے صحرائی سفر میں حائل سے زیادہ آباد کوئی مقام نہیں دیکھا۔ یہ ایک عظیم شہر کا حکم رکھتا ہے۔ آبادی ۱۰۰ ہزار سے زائد ہے۔ شہر میں شاہ اور منظر ہیں۔ بازاری بھی بہت بڑا ہے جس میں اونٹوں

اور مویشیوں کی تجارت بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے۔ حائل، مدینہ منورہ سے ۸ دن، شام سے ۵ دن، اور عراق سے بھی تقریباً ۵ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ تجارت کا ایک مرکزی مقام ہے۔ ہندوستان کے چاول کی یہاں بڑی منڈی ہے۔ اس علاقے کی اصلی غذا یہی چاول ہے۔ ہم قسم کی ترکاریاں، سبزیاں، اور میوے بھی بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ نخلستان بے شمار ہیں۔ لیکن کچھ بد مزہ اور گھٹیا قسم کی ہوتی ہے۔ میں نے عورتوں کو بزازیں دوٹی، میوے، ترکاری، مرغی، انڈا، بچے دیکھا۔ وہ یاہ کرتے بیٹے تھیں۔ اوپر سے سفید چادریں اوڑھتے تھیں۔ نہایت باوقار اور سنجیدہ تھیں۔ خریداروں سے ضرورت بھر لیتی تھیں، مگر اس قدر آہستہ کہ کوئی دوسرا آدمی ان کی آواز نہیں سن سکتا!

یہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ صرف فرانسیسی سکڑا جے یہ لوگ ”شوئی“ کہتے ہیں، مستقل ہے۔ انگریزی یا ترکی سکے نہیں چلتے۔

ایک دن میں حاکم حائل کے نائب کا امان رہا۔ دوسرے دن خود حاکم، امیر عبدالعزیز بن سعود نے مجھے اپنے دارالحکومت میں مدعو کیا اور غیر معمولی خاطر تواضع کی۔ پہلی نظر میں دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ امیر شاید متکبر و مغرور ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ نہایت ہی منکسر مزاج، خوش اخلاق، اور خوش صحبت ہے۔ وہ اپنے اس صوبے میں اور اس کے اطراف کے تمام شمالی علاقوں میں سلطان ابن سعود کے ماتحت مطلق العنان حاکم ہے، اس کے احکام کے سامنے کوئی روک ٹوک نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کے احکام کتاب و سنت کے احکام کے تحت ہوتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ سے بال بھر تجاؤد کرنا اس علاقے میں ایسا جرم ہے کہ اس کے لئے کوئی معافی نہیں!

حاکم کے پاس دو مویشی ہیں جن پر وہ اکثر سفر کرتا ہے۔ مویشی چلانے والا ایک شامی عرب ہے۔ دوسرا نجدی ہے۔

حاکم کے ایک مصاحب کے ساتھ قید خانہ دیکھ گیا۔ مجھے یقین تھا، مجرموں کی بڑی بھیڑ دیکھوں گا۔ مگر قید خانے میں پنچکیری حیرت کی کوئی حد نہ تھی۔ وہاں ایک قیدی بھی موجود تھا۔ صرف محافظ سپاہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ میں نے تعجب سے پوچھا ”قیدی کہاں ہے؟“ سپاہیوں نے جواب دیا ”جب مجرم ہی نہیں

ہیں تو قیدی کہاں سے آئیں!“ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی حکم شریعت، جرائم کی پیمائش کے لئے بہترین قانون ہیں۔ اور یہ کہ کھدو سے زیادہ احکام شریعت کی پابندی کسی مسلمان قوم میں نہیں ہو سکتی۔ حبیبی سیع آبادی کے قید خانے میں ایک قیدی کا بھی موجود نہ تھا، یقیناً اس بیستویں صدی میں مجبوراً کا حکم رکھتا ہے۔

حائل کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے۔ یہاں طے پانی کا ایک چشمہ موجود ہے اور اپنے طبی خواص میں ”فیضی“ کے معدنی چشمے کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس کا پانی ہر قسم کا تنک بچھلا دیتا ہے۔ گرمی کے جلد امراض کے لئے اس کا حکم رکھتا ہے۔ خن صاف کرتا ہے اور حیرت انگیز سرعت سے غذا ہضم کر دیتا ہے۔ اس چشمے کا نام ”السلح“ ہے۔ اس کے علاوہ ابھی بہت سے چشمے ہیں اور ب شیریں اور عمدہ ہیں۔ آب ہوا کی اسی خوبی کا نتیجہ ہے کہ یہاں کے باشندے خوب توانا و تندرست ہیں۔

اب سے پہلے حائل، ابن الرشید کی بات کا بایہ تحت تھا۔ یہ ریاست ایک زمانہ میں ریاض کے خاندان سعود کے تابع تھی۔ پھر کچھ مدت خود مختار رہی۔ اب ایک مرتبہ پھر خاندان سعود کے زیر نگیں آگئی ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

حائل کے باشندے، دراصل قبیلہ ”شمر“ کے افراد ہیں۔ قبیلہ شمر میں یوہاش رکھتا تھا۔ پھر اس کا ایک بڑا حصہ کٹ کر شہری بن گیا، اور حائل میں آباد ہو گیا۔

حائل میں ”اخوان“ بکثرت نظر آتے ہیں۔ انھیں یہاں ”جبان“ کہتے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ سرخ ٹوپیوں پر عامر باندھتے ہیں۔ جھوٹے عمارے یا غنہ دالے معمولی لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ بڑے غلے دالے شیخ ہوتے ہیں۔ نجد میں اس گروہ کو ب سے زیادہ اہمیت و قوت حاصل ہے۔ حائل، احسا، اور حجاز کی فتوحات انہی کے ہاتھوں واقع ہوئی ہیں۔ تمام عرب میں ان کی شجاعت اور پامروئی کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ بڑی جبری فوجوں پر ان کا نام رب دہشت طاری کر دیتا ہے۔ اب سے چند سال پہلے یہ سخت وحشی اور مبالغہ آمیز دین کا کوئی حکم بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن آج ان میں سے ہر شخص شریعت کے تمام علی احکام کا عالم ہے۔ نجد و حجاز میں ابتلاء شریعت اور ترک بدع و دواہی کی تبلیغ ہی جانت ہے۔

قصہ

حائل میں ایک ہفتہ سلطان کی امانی میں رہ کر ہم نے پھر سفر شروع کر دیا۔ اب منزل مقصود، بریدہ تھی۔ بریدہ، حائل سے ۵ دن کے فاصلہ پر ہے۔ راستہ صاف اور میدانی ہے۔

راستہ میں سب سے پہلی آبادی ”مدہ“ کی ملی۔ اس گاؤں کا منظر نہایت دلچسپ ہے۔ اس کے گرد کھیت ہیں، اور دودھ تک سرنگ ملک پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑت ہی دلچپ منظر پیش کرتے ہیں۔ انکے نیچے میدانیوں پر سنہری رنگ بھی ہوئی ہے اور اصد نظر فریب ہے!

راستہ میں ایک قابل ذکر واقعہ پیش آیا۔ ہمارے قافلہ کے ایک مسافر کی ادھنی رات کو گیس بھاگ گئی۔ ہر چند تلاش ہوئی مگر گیس پتہ نہ چلا۔ عین ناامیدی کے وقت ایک بد نظر آیا۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا ”میں نے اس شکل کی ادھنی فلاں مقام پر دیکھی تھی میں اُسے لاسکتا تھا، مگر اس ڈر سے ہاتھ نہیں لگا کہ چوہہ نہ کھا جاؤں“ اس واقعہ سے مجھے اہل نجد کی امانت و دیانت کا اور بھی زیادہ یقین ہو گیا۔ میں جتنی زیادہ جستجو کرتا گیا، مجھے معلوم ہوتا گیا کہ چوری اور تزانی نجد میں بالکل نامعلوم ہے۔

راستہ میں چار گاؤں اور بھی ملے: مکہ، جوارہ، ذوال، اور شمر۔

42)

مجلس میں نے مختلف استحقاقوں پر ان کے افسروں کو حکم دیا کہ معلوماً جمعہ درجہ میں سب سے پہلی مدد کریں۔



عزیزان شرف ہوگا۔ بقایا تین پٹنوں میں بھی کچھ گرا پڑے۔ لیکن مجموعی طور پر بھارت نہیں کریں گے۔ میری خواہش ہے کہ وہ بھی محض ہوجائیں تاکہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے۔ منگمری“

منگمری عیسائیت کی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا کرتا تھا۔ اس نے کیٹر بالشل نرم مزاجی اور علم و بخشش کا سخت مدافع تھا، لیکن اُسے بھی ایسے ظالمانہ فعل کی ناید کی۔ اس کے بعد اس نے ہڈن کو ایک چٹھی لکھی یہ وہ شخص تھا جسے بہادر شاہ کے لوگوں کو سخت میری سے قتل کیا تھا۔ انگریزوں میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جسے ہڈن کے اس فعل کی مذمت نہ کی ہو لیکن منگمری اسے لکھتا ہے:

”میرے پیارے ہڈن۔

میں تجھے مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور اس کے بھٹوں کو قتل کر دیا۔ میں امید کرتا ہوں تم اسی طرح اور شاہزادے بھی قتل کرو گے۔ منگمری“

ایک آدمی اتنا مجروح تھا کہ وہ قتل پر جانے کے قابل نہ تھا۔ منگمری کی ہدایت کے مطابق اسے سرکاری گواہ بنایا گیا۔ چنانچہ کپڑے کو منصفی خط لکھا ہے: ”مجرح مذکور کو لاہور بھیجا جائے، تاکہ وہ خود اپنی زبان سے اتر کر واقعات بیان کرے۔ بغیر اس کے کوئی شخص اعتبار میں کرے گا، علاوہ پٹن کے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے جو آواز پر اُٹھے ہونگے۔ ان کے گرفتار کر کے ہماری طرف بھیج دو۔ تم کافی تعداد میں قتل کر چکے ہو، اب ہم اپنی فوجوں کے لئے کچھ آدمی چاہیں“

### ایک کے بدلے ۵۰۰

اس مجروح قیدی اور اہم آدمیوں کو لاہور بھیجا گیا۔ جہاں وہ بے دریغ قتل کر دیے گئے۔ کوہر خود اقبال کرتا ہے کہ ان افسر کے قتل کے بعد دہلی کے اندر اس کے بدلے ۵۰۰ آدمیوں کا خون بہا گیا۔

ساتھ ہی ایک کڑواں ہے۔ جہاں چند انگریزوں کو قتل کر کے پھینک دیا گیا تھا۔ لیکن اقبال میں بھی ایک کڑواں ہے۔ جہاں سیکڑوں ہندوستانی قتل کر کے پھینک دیے گئے۔

رسل اپنی ڈائری میں لکھتا ہے: ”ایک افسر نے جو ریٹائرڈ فوج کے ساتھ مقرر تھا۔ مجھ سے ذکر کیا کہ ہندوستانیوں کو آکر دھندلایا جاتا تھا، وہ دہلی کے عرصے میں ۲۲ آدمیوں کو ٹرک کے کنارے پھانسی دی گئی۔ مقتولین میں دو لوگ تھے جو پٹن کو اُس کی راہ میں مل جاتے تھے۔ ۱۰ آدمیوں کو محض اس وجہ سے پھانسی دی گئی کہ جب پٹن کو پکڑ کر اپنی توان کے ساتھ ٹرک کی طرف نہ تھے۔ دوسری طرف دیکھ رہے تھے! بڑاؤں راہ میں آتا تھا، جلایا جاتا تھا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ یہ افسران واقعات کا نوٹ نہ لیتے تھے۔ یہ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ یہ ہندوستانیوں کا یہ قتل عام کانپور کے واقعہ کے بعد بڑے پیر ہوتا تھا۔ ہر لوگ شاید حق بجانب ہوتے۔ افسر کو دہلی کے مظالم کے دیکھنے اور شرم کی اور ریٹائرڈ سے کہا کہ اگر یہی حالت دہلی تو لوگ دیہات میں نہ بھاگ جائیں گے اور فوج کے لئے خورد نوش کا سامان ملے۔ میں سخت دقت داغ ہوئی۔ بالآخر یہی ہوا۔ جہاں کس فوج جاتی تھی سیاست بالکل دیران ہو جاتے تھے۔ لوگ غلامی سے بھرتے کیونکہ انھیں علم تھا کہ اگر انھوں نے یہ نیک کام کیا تو پھر بھی انھیں پھانسی دیا جائے گا۔“

ایک یادری لکھتا ہے: ”انگریز ہندوستانیوں سے اس قدر نفرت کرتے ہیں کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ان کے لازم بھی جو عام طور پر غدر کے زمانہ میں وفادار رہے تھے، ان کی بدسلوکی اور بے رحمی سے نہ بچ سکے۔ لیکن جبرانی کی بات یہ ہے کہ پھر بھی انکی وفاداری اور ملک حلالی میں فرق نہ آیا۔ بہت سے ڈولی بردار اور سامیوں جو ہماری نوکری میں زنجی ہوئے تھے، زمین پر پڑے ہسٹکے تھے

مگر کسی نے علاج معالجہ کی مطلق پرواہ نہ کی۔ وہ دن کے وقت دھوپ میں پڑے رہتے۔ رات کے وقت سرودی میں جب ہلی کے باشندوں کا قتل عام ہوا، تو ان میں بہت سے ایسے آدمی تھے جو ہاری کامیابی پر خوش تھے۔ اور ہماری فتح پائی کے لئے دعائیں مانگتے تھے، لیکن ان کی بھی دعائیں ان کے واسطے منک ثابت ہوئیں۔ بعض نوجوان انگریز تو ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ وہ ملائے پور پر کہتے تھے ”تمام خدمت گاروں اور پوریوں کو جو کپ میں بیچ کر کر دیا جائے“ یہ وہ ملائے تھے جنھوں نے اپنی بہان بھلی پر لڑ کر ہماری خدمت کی تھی“

دستخط سمجھنے کے بعد اپنی تاریخ ہندس تسلیم کیا ہے کہ بہت سے ہندوستانیوں نے ہماری جان بچانے کی خاطر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

کے (۱۸۵۷ء) اپنی کتاب میں قتل عام سے پیشتر کے واقعات یوں لکھتا ہے:

”مارشل لا کو جاری ہونے کے عرصہ ہو گیا ہے۔ وہ ظالمانہ قانون جو ممی اور جن میں مجلس مقننہ نے پاس کے تھے، بڑی شدت سے اپنا کام کر رہے تھے۔ فوجی اور میل افسر ہندوستانیوں کو بے رحم قتل کر رہے تھے۔ گورنر جنرل نے جو خط و کتابت پارلیمنٹ سے ان دنوں کی تھی، اس میں وجہ ہو کہ بے گناہ لوگوں میں، عورتوں، اور بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ دیہات جلائے جاتے تھے۔ (ایک کے باشندوں کو بھی اُسی میں جلایا جاتا تھا۔ انگریز فریڈرک لاپوین کہا کرتے تھے ”ہم نے کوئی آدمی بھی قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا“)

### واقعات قبل از حادثہ کانپور

ایک دفعہ جب چھوٹے لڑکے محض شہر میں باغیوں کا سالباں سیکر ڈھول بجانے لگے۔ انھیں گرفتار کر کے مندرجہ بالا گیا اور فوجی عدالت نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ ایک انگریز افسر جو کوٹ مارشل کارکن تھا، راجا ہواکان افسر سے پاس گیا۔ اور ان کی باتیں سن کر افسر کی لیکن کوئی شہوتانی نہیں ہوئی، اور ان معصوم بچوں کو پھانسی دے دی گئی۔

دیہات میں انگریزوں کی جاسوسیاں پکڑ گئی تھیں، جو کوئی ملتا تھا اسے بھی دھت پر لٹا کر پھانسی دے دی جاتی تھی۔

پٹنہ میں مسٹر ٹیلر کمشنر کا گواہ بنانے کا عجیب طریقہ تھا۔ اس کو ایک قیدی سے کہا کہ اگر تم مجھے تین ایسٹ آدمیوں کے نام بتا دو جو راجا قتل ہوں تو میں تمھاری جان بخش دوں گا۔ لیکن اسے ایسے آدمیوں کے نام بتائے جن کے نام سے وہ خود بھی واقف تھا، اس نے قیدی قتل کیا گیا!

اگرہ اور سہارنپور میں بھی پھانسی کا دراج بڑے زور سے چلتا رہا۔ دیہاتی لوگ گردہ و گردہ گرفتار کر کے لے جاتے تھے۔ ان میں بہت قسویں قتل کیے گئے۔ لوگوں کی ہول، جنھوں نے ہندوستان میں حصہ لیا ہوگا لیکن تمام قیدی فی الفور بغیر کسی تحقیقات کے قتل کر دیے جاتے تھے! دہلی میں ستمبر ۱۸۵۷ء کو فتح کی گئی۔ مسٹر کوٹیلڈ بیان کرتی ہے کہ ایک ہفتے کے اندر کان افسر نے چار پانچ آدمی بے دریغ کوٹے۔ گورنر سپاہی ان خونخوار مناظر میں نہایت ڈھسے لیتے تھے۔ نواب پھر کو بھی انی دنوں میں پھانسی دی گئی، لوگ کہتے ہیں کہ اسے بڑی دیر کے بعد جان دی۔

ایک دفعہ ایک جوہری مسٹر کارٹن کے پاس سالانہ بیچنے کے لئے آیا۔ مسٹر کارٹن نے کہا کہ بہت زیادہ قیمت مانگتے ہو، میں ابھی تمھیں مطقات صاحب کے حوالے کر دوں گی۔ وہ اس نام سے ایسا مرعوب ہوا کہ سالانہ وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا، اور پھر اس نے اپنا سنا

سے ہندوستانی سخت ڈرتے تھے۔ کیونکہ ہر کوئی اس کی گرفت میں آتا ہے، وہ اسے قتل کر دیتا ہے“

کوٹ مارشل کسی پر دم نہیں کرتی تھی۔ جو کوئی گرفتار ہوتا تھا ضرور ہی قتل کر دیا جاتا تھا۔ شہر کے چوک میں ایک بڑی پھانسی لکڑی کی لگی تھی۔ ۱۵ آدمی ہر روز پھانسی دئے جاتے تھے۔ انگریزوں نے بڑی متانت سے پاس ٹیپ کر یہ مناظر دیکھا کرتے!

گورنر جنرل نے ۲۴ دسمبر ۱۸۵۷ء کو جولائی کے واقعات کے متعلق ایک مفصل رپورٹ لکھی تھی۔ ذیل میں اس کا اقتباس کیا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں لوگ بلا امتیاز پھانسی دئے گئے۔ ان میں ایسے آدمی بھی تھے جن کے برخلاف محض شک تھا۔ سیکڑوں دیہات لوٹے گئے، اور بعد ازاں جلائے گئے۔ ان خونخوار حرکات کو وہ قریب بھی سخت ناراض ہو گئیں۔ جو حکومت کی دانا داکھیں۔ شمالی ہند میں قحط پڑ گیا۔ کیونکہ ایسی اندھیر نگری میں باقاعدہ کاشت کاری کرنا ناممکن تھا، جو سپاہی دھت پر گھر آئے تھے۔ یا جو بھٹوں کے ٹوٹ جانے کے بعد اپنے گھروں کو واپس جاسے تھے اور جنھوں نے بغاوت میں مطلقاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ بلکہ انگریزوں کی جان بچانے میں مدد کی تھی، ان سب کے ساتھ انگریزی فوجیں ہی سڑک کرتی تھیں جو باغیوں سے کیا جاتا تھا۔ گورنر کے وقت افسر کی ان خونخوار حرکات سے ملک میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ گورنر ہندوؤں اور مسلمانوں کی بیچ کئی برابری نہیں ہے۔

تجدیدی لکھتا ہے: ”گورنر محض پھانسی اور قتل عام کی دسیہ چل رہی تھی۔ جب کچھ کھوج نکلیا گیا تو بے شمار آدمی پھانسی پر چڑھ دیے گئے۔ اس وقت یہ تیز نہیں کی جاتی تھی کہ باقاعدہ سپاہی ہو یا دھوکا کسان ہو، صرف اتنی بات کافی تھی کہ جبراً یہ ہو۔“

آڈن نے بھی ٹیلیگراف میں ایک مراسلہ بھیجا تھا جس میں لکھا ہے: ”جب ہماری فوج دہلی میں داخل ہوئی تو جو آدمی فیصل کے اندر ملا، اسی جگہ سنگینوں سے مار دیا گیا۔ مقتولین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ کئی گھروں میں سے ۴۰-۵۰-۵۰ آدمی پکڑے گئے، یہ لوگ باغی نہیں تھے۔ شہر کے باشندے تھے۔ انہیں کانپل امید تھی کہ انھیں معاف کر دیا جائے گا، لیکن اس وقت انھیں ہوئے“

ہندوستانی تاریخ میں لکھتا ہے: ”بے گناہ آدمی مائے سلائے فوج وہ جان بخشی کے لئے ہاتھ جوڑتے تھے۔ بوڑھے آدمی جو خواتین اور بچوں کی دھب سے کاہتے تھے، گاجروں کی طرح کاٹے جاتے تھے لیکن انگریزوں کو بھی کافی اشتعال دلایا گیا تھا۔ کیونکہ ان کے چند آدمی شہر کی گلی کوچوں میں مائے گئے تھے“

یہی مسند بیان کرتا ہے کہ جوہی ہم دہلی میں داخل ہوئے۔ ٹوٹ مار شروع ہو گئی۔ جو ہندوستانی ملتا تھا کوئی سے مار دیا جاتا تھا۔ شہر خانے اور دیگر دکانیں ٹوٹ لگیں اور انگریزوں نے شراب پی کر جہاں کہیں ہندوستانیوں کا مجمع دیکھا، ان پر ٹوٹ پڑتے۔ انہی حالت میں بیچا سے باشندے کیا کرتے؟ کیا وہ انگریز سپاہیوں کو پکڑے کہ ان افسر کے پاس لے جاتے؟ لیکن وہاں تو یہ حال تھا کہ گمان افسر سے لیکر معمولی سپاہی تک سب ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے تھے“

مسٹر آڈن جو پانچ ماہ تک تھا، ۱۶ نومبر ۱۸۵۷ء کو لکھتا ہے: ”میں اس وقت اور ایک افسر ۲۰ سپاہیوں کے شہر میں چکر لگا رہا تھا۔ ہم نے ۴۰ مقتول عورتیں دیکھیں جن کے گھٹائے شہر میں بے گناہ ڈالے تھے، اور ان کے ادیر یادیں ڈھانپتی تھیں۔ ہم نے ایک ہی

# مراستلا

## ایک جواب طلب مراسلہ

دلازار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

### اسلام اور سزاؤ قتل

سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا ان کے حادثہ کو اس وقت قتل کر دیا کہ مبادا یہ عورتیں انگریزوں کے قابو میں آجائیں۔ کیونکہ وہ یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر اسی آدمی نے ان کے شوہر کی لاشیں دکھائیں۔ جنہوں نے اس فعل کے بعد اپنے آپ کو قتل کر دیا تھا۔ اس شہر نے اور شاہ کے قتل عام کے بعد ایسے خوفناک مناظر کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جہن دہلی فتح ہوئی، وہ لوگ جو ہمارے خلاف لڑ رہے تھے شہر سے بھاگ بھاگ گئے تھے۔ صرف وہ لوگ رہ گئے تھے جنہوں نے بناوٹ میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ لیکن انہیں اس کے بعد بلا امتیاز قتل کئے گئے۔

اس وقت ہندی آٹ اڈیا نے جو ایک اعلیٰ پایہ کی کتاب بھیجی تھی، یہ واقعات قطعاً نظر انداز کرنے ہیں۔ اسے صرف معمولی طور پر ایک ہندو فوج کے داخلہ شہر کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہی تاریخ ناؤ شاہ کے قتل عام کی بڑی سبب تصور دکھاتی ہے۔ حالانکہ اور شاہ کا قتل عام اس عہد کے قتل عام کے مقابل میں کوئی نسبت نہیں لگتا۔ اور شاہ کا قتل عام صرف چند گھنٹوں کا تھا، اور یہ کئی ہفتوں تک جاری رہا۔

### حادثہ کانپور

بعض انگریز مورخ کہتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے کانپور میں انگریزوں پر ظلم دیکھا تھا، اس لیے وہ انتقام لینے میں حق بجانب تھے۔ میں ذیل میں کانپور کے حادثہ کے تعلق چند واقعات درج کرتا ہوں۔ ان کا ناظرین خود اندازہ لگالیں گے کہ صورت حال کیا تھی۔

سر جارج فارنس نے اپنی کتاب "ہندوستانی بغاوت" میں لکھا ہے۔ "یہ امر بے جوت تک پہنچ چکا ہے کہ ان سپاہیوں نے جو انگریز قیدیوں کی حراست پر مامور تھے، انہیں قتل کرنے سے انہار کر دیا تھا۔ یہ ظالمانہ فعل تاتا کہ ۵ ہمدعا شہر میں سے ایک کچھڑے کی ایسا سے سرزد ہوا تھا۔ اس فعل کی ذمہ داری کسی صورت میں بھی تمام ہندوستانی قوم پر عائد نہیں ہو سکتی۔ جب کوئی انگریز کسی بانیٹ میں پڑتا ہے تو سرزد ہوتا ہے یا سرزد جینگلر کو کسی ہندوستانی نے شکار کے طور پر لے لیا۔ تو اس کے غصے کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ لیکن دوسری طرف یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ سیکڑوں عورتیں اور بچے انگریز فوجوں کی بدولت اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ اگر ہمیں ایک انگریز لیدی کے خوفناک انجام سے ہمدردی ہو، تو ہمیں یہ قبول کرنا چاہیے کہ ہندوستان کے باشندے بھی آخر انسان تھے۔ کانپور کے کنوینس کا حادثہ کوئی آدمی پسند نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس وقت ہندو لوگ انہوں نے کتنی شکر سے کرنا پڑا کہ انہوں نے انہیں قتل نہ کیا اور انہوں نے جب ہمارے قتل و سلب کی شہرت سنی تو انہوں نے بھی اشتعال میں آکر قیدیوں کے ساتھ دلیا ہی سلوک کیا۔ جیسا کہ ان کے بھائیوں اور بہنوں سے ہو رہا تھا۔"

ان دنوں یہ علم افواہ ہمارے لوگوں نے مشہور کر رکھی تھی کہ ہندوستانیوں نے انگریز عورتوں کی عصمت دری کی اور پھر انہیں قتل کر دیا، سر جارج فیمیل ان تمام روایات کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں اور تمام مشہور مورخ ان کی تائید کرتے ہیں،

(مترجمہ محمد علی دیکل ایسٹ آباد)



مندرجہ ذیل مراسلت پنجاب کے ایک ہندو دوست کی جو وہاں کی ایک مذہبی انجمن کے عہدہ دار بھی ہیں۔ مسئلہ میں انہوں نے مجھ سے خط و کتابت کی اور اپنی طبیعت کی مذہبی بے اطمینانی اور جستجو سے حق حقیقت کا شوق ظاہر کیا تھا۔ جب کبھی کوئی آدمی اس بابے میں مجھ سے مشورہ کرتا ہے، تو میں ہمیشہ اسے تقلیدی بندشوں سے آزاد ہونے اور مذہب کے آزادانہ مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں۔ یہی مشورہ میں نے انہیں بھی دیا۔ اس پر انہوں نے بہت سے سوالات کچھ کر بھیجے جن میں سے بعض سوالات کا تعلق ان شکوک سے تھا جو غرض مذہب اور اس کی ضرورت سے تعلق رکھتے تھے، اور بعض کا تعلق سببیت اور اسلام سے تھا چونکہ خط و کتابت کے ذریعہ اس طرح کے معاملات انجام نہیں پاسکتے، اس لیے میں نے انہیں لکھا کہ چند دنوں کے لئے کلکتہ آجائیں اور میرے پاس آئیں۔ وہ آئے اور کچھ عرصہ تک یہاں مقیم رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ بہت حد تک ان کی طبیعت تقلیدی بندشوں سے آزاد ہو چکی ہے، اور آزادی فکر کے ساتھ ساتھ ان کے مطالعہ کی استعداد رکھتے ہیں۔ وہ جب واپس جانے لگے تو انہوں نے اعتراف کیا کہ ان کی طبیعت کا دو تہائی اضطراب دور ہو چکا ہے۔

اس کے بعد دو تہائی تو تھا وہ مجھ سے خط و کتابت کرتے رہے۔ گذشتہ دسمبر میں گنوٹھی کانگریس کے موقع پر پھر کلکتہ آئے اور مجھ سے ملے، اور میں ان کی قلبی حالت سامنے سے زیادہ ترقی یافتہ پائی۔

اس ہفتہ ان کی یہ تحریر میرے نام آئی ہے۔ ضرورت نہ تھی کہ اسے السلام میں ہی بچ کر لیا جاتا جس میں معمولی جواب انہیں بھیجتا، لیکن تحریر کے آخر میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، اور اس سے ان کی طبیعت کے جن تاثرات کا پتہ چلتا ہے، ان کے ازالہ کے لئے ضروری ہو گیا کہ یہ خط السلام میں درج کر دیا جائے، اور اتنا اہم ہے کہ ذریعہ جواب دیا جائے۔ اس ہفتہ یہ شائع کر دیا جاتا ہے، لیکن جواب آئندہ ہفتہ لکھ سکوں گا، کیونکہ آج بیکار شہر جانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس نے تحریر کی ہمت نہیں ہے۔ (ابوالکلام)

مدۃ العمر میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔ آپ نے میری آنکھوں پر سے کج فہمی کے بہت سے پردے ہٹائے، اور میری دل کو جو پرانے مذہب کی حالت دیکھ کر مذہب کی طرف ہی سے برگشتہ ہو گیا تھا، پھر مذہب کی صداقتوں کی راہ پر لگا دیا۔ خصوصاً مذہب اسلام اور اس کے بانی کی تعلیم کی جو حقیقت آپ نے مجھ پر روشن کر دی وہ ایسی ہے کہ میرے خیال میں کوئی انسان بھی جو انصاف اور حق پرستی سے بالکل محروم نہ ہو گیا ہو اس کی طرف بے اختیار کھینچے ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کم سے کم وہ اس کی عزت اور احترام کرنے سے تو کبھی انکار نہیں کرے گا۔

آپ کو معلوم ہو کہ میں دو برس سے بالکل ایک دوسری ہی نگاہ سے مذہبی صداقت کا مطالعہ کر رہا ہوں، لیکن مجھے معاف کیجئے گا۔ ایک بہت بڑی شکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہو کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اس پر جو ظاہر کرتے ہیں، وہ جب دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں ٹھونڈی جاتی ہے، تو صرف یہی نہیں کہ نہیں لیتی بلکہ برخلاف اس کے ایسی ایسی باتیں سامنے آ جاتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ابھی حال میں پمفلٹ "زنگیلا رسول" پر جو ایسی پیش قدمی کی گئی اور جو جو باتیں بڑے بڑے مسلمان لیڈروں اور مولانا

میں نے ادھر مدت سے کوئی عرصہ آپ کی خدمت میں اس لئے نہیں بھیجا کہ میں ارادہ کر چکا تھا راولپنڈی کے معاملات منظرِ کلکتہ میں حاضری دوں گا۔ لیکن گھر کے جھگڑے ایسے بھل گئے کہ اب تک چھٹکارا نہ ہو سکا اور شاید کچھ دنوں اور اسی طرح بھل جائیں۔ میں اب بھی یہ خط لکھ کر جناب کے اوقات میں خلل نہیں ڈالتا اور ساری باتیں اپنی حاضری پر اٹھا رکھتا، لیکن اس طرف ایک معاملہ میرے خیالات میں نہایت پریشانی پیدا کر دی ہے اور میں اسکو زائد دیر تک روک نہیں سکتا۔ مجھ کو یقین ہے کہ وہ معاملہ میرے ہی لئے نہیں بلکہ مجھ سے زیادہ ہزاروں انسانوں کے لئے بے دلی اور پریشانی کا سبب بن رہا ہوگا اس لئے مجبوراً یہ عرصہ لکھ کر جتنا کا تھوڑا سا وقت ضائع کرنا چاہتا ہوں۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ آپ اس عرصہ کا جواب، یا اسے چھوڑ کر بطور خود اس معاملہ میں اپنی رائے اخبارات کے صفحوں پر شائع کر دیتے یا السلام ہی میں ارقام فرماتے لیکن اگر ملک میں اس کی اشاعت خلاف مصلحت ہو تو کم سے کم میرے دل کا اضطراب دور ہو کر رہے۔

جناب پر ایک مدت سے میرے دل کا حال ٹوڑی طرح روشن ہے۔ میں ہر طرح کے مذہبی اور کینول تعصبات سے الگ ہو کر مذہب عالم میں سچائی اور حقیقت کا متلاشی ہوں، اور مجھے آپ کی ذات مبارک سے اس بابے میں دلتا تو تھا جو مدہلی ہے، اس کے لئے

صحابان نے صلوس اور اخباروں میں ظاہر فرمائیں، میری بے ادبی متنا  
زائی جائے اگر میں عرض کروں کہ اسے دیکھ کر میرا جیسا غیر جانبدار آدمی  
بھی اسلام کے متعلق اپنے خیالات پر قائم نہیں رہ سکا۔ اور جن لوگوں کے  
دل دماغ پہلے ہی سے شک اور شبہات سے بھرے ہوئے تھے اور  
ہزاروں لاکھوں غیر مسلم ایسے ہی ہیں، ان کے خیالات جیسے کچھ بدلتے ہوئے  
اُس کا آپ اندازہ فرمائیے۔ اگر ان حقیقت اسلام کی تعلیم اپنے سامنے  
دلوں کے لئے ایسی ہی ہو اور اس کے احکام کا یہی حال ہو تو میری وہ  
تعلیمات شبہ سے خالی نہیں ہیں جو آپ نے میرے دل پر نقش کی ہیں،  
اور اگر حقیقت حال ایسی نہیں ہے، تو یہ یاد رکھنا بہت مشکل ہے کہ ہزاروں  
لاکھوں آدمی ایک ہی طرح کی بے بنیاد بات پر اٹھتے ہو جائیں اور اس  
زور شور سے اس کا اعلان کریں اور اس کا رد نہ کیا جائے۔

اس بیوہ سے پہلے "رنگیلا رسول" پر مدت سے کس بے ادب  
تھا۔ جب یہ چھاپا گیا تھا تو میں نے بھی دیکھا تھا، اور میں یہ عرض  
کرتا ہوں کہ اسے پڑھ کر میرے دل پر اس کے ہوا کوئی اثر نہیں پڑا کہ  
اُس کا لکھنے والا سخت حقیر و ذلیل ہو گیا۔ دنیا میں کوئی شریف اور  
شائستہ انسان خواہ کبھی مذہب اور اعتقاد کا ہو لیکن کبھی یہ بات پسند  
نہیں کرے گا کہ دنیا کے ان بایان مذاہب کا جن کی تعلیمات لاکھوں  
کرودن انسانوں کو خدا پرستی کی راہ پر لگایا ہو، گندہ لفظوں میں ذکر  
کیا جائے، یا ان کی زندگی کی نامعقول طریق پرستی اُڑائی جائے۔  
البتہ ایسے نادان اور جاہل آدمی اس دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں اور ہمیشہ  
رہیں گے۔ جب مسلمان اخبارات نے اس کے خلاف پروٹسٹ کیا، تو  
میں نے انہیں بالکل حق بجانب سمجھا مجھے میرے بعض دوستوں نے  
بتلایا کہ اگرچہ یہ سیمپل ہر حال میں قابل اعتراض ہے لیکن یہ خود مسلمانوں  
کے ایک ایسے ہی گندہ سیمپل کے جواب میں لکھا گیا ہے لیکن میں نے کہا  
اگر کسی مسلمان نے لکھا تھا تو ایک بُرائی کی تھی، اگر کسی انسان کے بُرائی  
کرنے کی وجہ سے دوسرے انسانوں کے لئے بُری بات اچھی نہیں ہو  
جاسکتی۔

میاں تک تو یہ بات بالکل ٹھیک تھی، لیکن پھر اس کے بعد جو طریقہ  
ایک مہرے سے لے کر دوسرے مہرے تک تمام مسلمانوں نے اختیار کیا  
اور ایک کے بعد ایک جواب میں کی گئیں وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف  
تھیں بلکہ کچھ عجیب طرح کی مذہبی ستمی ظاہر کرتی ہیں جنہیں کسی طرح بھی  
کسی ٹھیک راستے پر لایا نہیں جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ  
تمام لیڈروں اور مولنا صاحبان نے اور جمعیت العلمائے حرم میں پانچ  
سو مولوی صاحبان کا ہوا بتلایا گیا ہے، فوجی جاری کر دیا کہ رنگیلا  
رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہئے۔ اور یہ کثرت  
اسلام کا قانون ہی ہے کہ جو نبی کوئی غیر مسلمان حضرت بائی اسلام کے  
خلاف کوئی بدزبانی کرے، اسے فوراً مار ڈالنا چاہئے۔ مجھے معاف  
رکھا جائے اگر میں عرض کروں کہ اس بات کے کہنے میں تو کوئی بُرائی کی  
بات نہیں ہے کہ جب کبھی ہماری بنی آئی تھی تو ہم اپنے خلاف ہر زبان  
دار آدمی کو مار ڈالتے تھے۔ اگر اسلام کو اس پر فخر ہو تو یہ ایسا فخر  
نہیں ہے جو صرف اُسی کے حصے میں آیا ہو۔ جس کسی کو دنیا میں طاعت  
ملی ہو اُس نے لوگوں کو قتل کیا ہو اور تلوار کے زور سے اپنی ہیبت  
قائم کی ہو۔ اسلام کا فخر تو اس بات میں ہونا چاہئے تھا کہ اُسے انسانوں  
کو سزا دینے کی جگہ بخشنا ہو، اور قتل کرنے کی جگہ زندگی بخشنے ہو۔ جناب  
نے مجھے پچھلے سال لکھا تھا کہ اسلام کی اصلی اسیرت انسانیت کی  
اسیرت ہو اور یہی فرق اُس میں اور تمام مذاہب میں ہے۔ اُس نے  
ہر گوشہ کو انسانیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ ملک، جماعت، اور وطن  
کی بنگاہ سے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت  
میں کیونکر اسلام کا یہ قانون انسانیت کی اسیرت کے ساتھ ہو سکتا ہو

کہ جہاں کوئی نادان اور جاہل آدمی بائی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے  
فوراً اُس کے دھڑکے لگے جائیں۔

آپ یقین فرمائے کہ یہ بات میری اس عقیدت کی جو میں اسلام  
سے رکھتا ہوں اتنی خلاف تھی کہ پہلے تو مجھے اس پر یقین نہیں ہوا  
لیکن اس کے بعد میں نے جب خود جمعیت العلماء اور انجمن خدام دین  
اور مولنا محمد علی صاحب کے فتوے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو اس کے  
ہوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ ایسے تسلیم کر لیتا۔

اچھا اگر یہ اسلام کا قانون بھی ہو جو بھی ہندوستان میں ایسے  
رائج کرنے کا مطالبہ کرنا میں نہیں سمجھتا کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر بائی اسلام  
کے لئے مسلمان ایسا قانون چاہیں گے تو دوسرے مذاہب بھی مطالبہ  
کر سکیں گے۔ پھر کیا مسلمان اس سے متفق ہونگے کہ جو مسلمان ہندوؤں،  
پارسیوں، بدھوں، کے بزرگوں کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً  
قتل کر ڈالنا چاہئے؟

جس قدر واقفیت مجھے اسلام کی کتابوں سے ہے، اسکے مطابق  
میں نے اس قانون کی تحقیق کرنی چاہی۔ مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں  
چلا۔ لیکن رسالہ درتآن کہیں میں جن مولوی صاحبان نے مشادات  
دی ہوئے، انھوں نے بتلایا ہے کہ کتاب سارم سلول (الصارم السلول)  
میں ایسا ہی لکھا ہے۔ میں نے یہاں اپنے مسلمان دوستوں سے اس  
کتاب کے بارے میں پوچھا تو وہ کچھ نہیں بتلا سکے۔ بہر حال جمعیت علماء  
کے فتوے اور مولنا محمد علی صاحب کے اعلان سے تو یہی ثابت  
ہوتا ہے کہ اسلام کا حکم ایسا ہی ہے۔

علاوہ بریں اس معاملہ میں یہ طریق عمل بھی اسلام کے اخلاق  
کا کوئی اچھا اثر نہیں لوگوں پر نہیں ڈال سکتا کہ جس شخص نے اسلام کے  
خلاف کچھ لکھا ہو اُسے با زادی گالیاں دی جائیں۔ اور ملعون، گستاخ  
اور ایسے ہی لفظ کہے جائیں جیسے مولنا محمد علی صاحب جیسے ذمہ دار  
لیڈر برابر اپنی قیروں میں کہتے رہے۔ کیا اُس شخص کو کالی دینے سے  
اُس کی اس بدزبانی اور بے ادبی کا بدلہ لیا جاسکتا ہے جو اُس نے  
بائی اسلام جیسے عظیم انسان انسان کی شان میں کی ہے؟ اگر نہیں تو  
اس طرح کی گالیاں دینے سے خود اپنا اخلاق خراب ہوتا ہے۔ اور  
کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتا۔

یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی کہ محض ایک دنا دان اور  
بد زبان آدمیوں کے کچھ لکھ دینے پر اس قدر جوش و خروش کھلایا  
جائے، گویا مسلمانوں کے لئے کوئی بُری مصیبت کی بات پیش آئی ہو  
حالانکہ خود مسلمان صاحبان تمام غیر مذاہب کے خلاف برابر نرم کی  
اچھی بُری باتیں کہتے گئے ہیں اور ان کی وجہ سے کبھی نہ تو ہندوؤں  
نے اس طرح شور مچایا ہے نہ عیسائیوں نے۔ یقیناً اس طرح کی باتوں  
سے جو ستمی ثابت ہوتی ہو وہ قابل تحقیر نہیں ہے۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ہندوؤں میں آریہ سماج کے قائم ہونے  
سے پہلے نہ تو کسی طرح کا تبلیغ کا خیال تھا، اور نہ وہ مذہبی بحث مباحثہ  
کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی جانب سے ہمیشہ کتابیں ان کے خلاف لکھی  
جاتی تھیں۔ میں نے لاہور میں پانچ کتابیں ایسی دیکھی جو اس اچھی  
ٹیم کی وجہ سے چند صاحبوں نے جمع کی ہیں، اور میں آپ سے سچ کہتا  
ہوں کہ ان میں ہندوؤں کے رشوں اور اُتاروں کے خلاف جو  
بے ہودہ باتیں لکھی ہیں وہ اس بیوہ کی وجہ سے بہت زیادہ ہو چکے ہیں  
رسول لکھنے والے نے دکھائی ہے۔ یہ کتابیں میں میں تیس تیس  
برس سے ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر فروخت ہوتی ہیں، لیکن کبھی  
ہندوؤں نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ان کے لکھنے والوں کے سر قلم کو دوڑ  
جائیں۔ معلوم نہیں جناب والا کی نظر سے یہ کتابیں گزری ہیں یا نہیں  
اگر ارشاد ہو گا تو میں مجھوا دوں گا۔ ایک کتاب تحفۃ المسلمین جو

مولوی عبدالصاحب نے لکھی ہے جو بدلی کے طے مولوی ہیں۔ اس  
ایک نظم ہو جس کا ٹیپ یہ ہو،

کسو یہ کون دھرم ہو؟

اس میں ہندوؤں کے رشوں اور اُتاروں کے خلاف اس قدر  
فحش اور گندہ طریقہ سے اظہار خیال کیا ہے کہ کوئی مذہب آدمی اسے  
پڑھ بھی نہیں سکتا۔ میری ناقص عقل اس بات سے عاجز ہے کہ جب  
خود مسلمانوں کا یہ طرز عمل دوسروں کے ساتھ ہو تو وہ خود اس قدر  
حد سے زیادہ شور و غل کیسے مچا سکتے ہیں؟

علاوہ بریں یہ بات بھی بُری عجیب ہے کہ اسلام کے قانون میں  
اپنے مخالفوں کے لئے معافی کی کوئی جگہ نہیں۔ رنگیلا رسول کے  
پبلشر نے صاف لفظوں میں اظہار انصاف کر دیا تھا، لیکن مسلمانوں  
کا یہ مطالبہ تھا کہ انہیں اسے قتل کرنا چاہئے!

مجھے میرے دوستوں نے کہا ہے کہ اس وقت ملک کی جو علم و  
ہوری ہے اور مسلمانوں کے اندھا دھند جوش و خروش کا جو حال  
ہو رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ مصلحت کے خلاف ہو گا کہ جناب کوئی  
بات بھی اپنے ہم مذہبوں کی عام لئے کے خلاف کہیں اسی لئے یہ سب  
کچھ آپ دیکھتے ہیں لیکن خاموش ہیں۔ اگر میرے دوستوں کا خیال  
صحیح ہو تو اگرچہ یہ بات میرے لئے بڑے ہی رنج کی ہوگی لیکن میں  
ایسی گستاخی نہیں کر سکتا کہ اس بلے میں زبان کھولوں۔ کم از کم یہی  
مجھے کہ اس بلے میں میرے دل کے شکوک و دُور کر دیکھے کیونکہ ان  
کی وجہ سے مجھے بہت ہی پریشانی ہو رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ  
صاف معلوم ہو جائے کہ اسلام کے احکام اور تعلیمات کیا ہیں۔

اگر جناب ترتیب کے ساتھ جواب عنایت کر سکیں گے تو زیادہ بہتر  
ہو گا۔ میں مبرور عرض کرتا ہوں:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہے کہ جو شخص حضرت بائی اسلام  
کے خلاف بدزبانی کرے، اسے فوراً قتل کر دینا چاہئے اور جس مسلمان  
کے سامنے ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہو کہ اُسی وقت اُس کا سر  
اُڑائے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیرام  
کے خلاف بدزبانی کرے تو جب تک اس کے قلم ہم قوم (جھنڈے) نے  
شاید اُس بدزبانی کرنے والے کا نام بھی نہ سنا ہو گا) اسکو برا بھلا  
نہ کہیں۔ تمام قوم کا بائیکاٹ کر دینا چاہئے اور اپنی سب سے بے مثال  
دینا چاہئے۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو  
اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہئے جیسا کہ مولنا محمد علی صاحب نے  
فرمایا ہے؟

(۴) آپ کے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں ایسا  
قانون بنا چاہئے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر ڈالا جائے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مان لے  
اور اس پر انصاف ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے  
اور اسے جہانم سزا دلانے پر اڑا جانا چاہئے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان مولوی صاحبان  
لکھتے آئے ہیں اور اس میں رنگیلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی  
ہے، کیا وہ بھی اسی طرح سزا کی مستحق نہیں ہیں جیسی رنگیلا رسول اور  
رسالہ درتآن ہیں؟

(۷) سود و سودی سے جو سیکڑوں عیسائی مشرعی اسلام کے خلاف  
سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اس وقت ہزاروں کی تعداد  
میں وہ موجود ہیں، کیوں ان کے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں کھلایا  
گیا جس قدر اس موقع پر دکھلایا گیا ہے؟ (دیکھو ضلع کالم اول)

# بید شرق

## مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار قیوم قسطنطنیہ کے قلم سے)

شاہ تھمر کا سفر انگلستان - ترکی قرضے کا تصفیہ - ترکی اور ایران - ترکی پائے تخت

### شاہ تھمر کا سفر انگلستان

ترکی اخبارات، شاہ تھمر کے سفر انگلستان کو بہت اہمیت دے رہے ہیں اور اسے نہ صرف تھمر بلکہ تمام شرقی ممالک کے لئے اخلاقی حیثیت مفید سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مقرر اخبار "وقت"، "یونان" اخبار خیال کرتا ہے: "شاہ تھمر کی یہ سیاحت ایک نہایت ہیچمدہ سیاسی مسئلہ کے حل کے لئے آخری قدم ہے۔ اب سے پہلے تھمر کے بے سے بڑے باہرین سیاحت شلاسید پاشا زغلول اور مدنی پاشا کین نے سر توڑ کوششیں کیں، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اب خود شاہ تھمر اپنے وزیر اعظم کے ساتھ انگلستان روانہ ہوئے ہیں تاکہ مسئلہ تھمر، جو ہم برس سے لاپتہ ہو رہا ہے، قطعی طور پر حل ہو جائے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ اس آخری کوشش کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر اب بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا تو سمجھ لینا چاہئے، وہ آئندہ کبھی معافیت سے نکل نہ ہوگا، اس کا فیصلہ صرف وقت و تشدد ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔"

"مسئلہ ۹ میں انگریزوں نے صریح جبر و ظلم سے تھمر پر قبضہ کر لیا۔ ہندوستان بچانے کے لئے برطانیہ کو تھمر کی ضرورت تھی، جیسا کہ اس مقصد کے لئے اسے دنیا کے ہر ملک پر قبضہ کی ضرورت ہے۔ برطانیہ کا غم یہ ہے کہ تھمر کو بالکل ہضم کر جائے۔ چنانچہ جنگ عری کی موقع پر اس کے الحاق کا اعلان بھی کر دیا۔ مگر اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ زہر پھر اقلہ کسی طرح بھی ہضم نہیں کیا جاسکتا۔ تھمر ان کا لالام ہے بہت سی قوموں نے اسے ہضم کرنا چاہا، مگر جس نے بھی اسے کھینچنے کی جرأت کی، خود فنا ہو گیا۔ چنانچہ بعد ہی سال بعد انگلستان بھی یہ لقمہ کھینچنے پر مجبور ہوا اور تھمر کے الحاق سے دست بردار ہو جانا پڑا۔"

"شاہ تھمر کی سیاحت نے یورپ کے سامنے صرف یہی ثبوت پیش نہیں کیا کہ تھمر اپنی آزادی پر مصر ہے، بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ یورپ کے مشرق میں استقلال و حریت کی ایک ناقابل متادمیت تحریک عام ہو گئی ہے۔ شاہ تھمر نے صاف طور پر بتا دیا کہ اب مشرق، وہ مشرق نہیں ہے جو کبھی غفلت و قناعت اور تن پروردی کا مرکز تھا۔ اب وہ

بقیہ صفحہ ۱۷

کیا میں امید کروں کہ آپ تھمر کی آزادی کے لئے کوششیں کریں گے؟  
جیسا کہ تفصیل و بحث کے ساتھ ہمیشہ اپنے لکھا ہوا ان امور پر روشنی ڈالیں گے اور مجھ پر احسان فرمائیں گے.....

|      |           |
|------|-----------|
| تجدد | ۱۱۲۹، ۱۵۰ |
| عقبر | ۲۶، ۱۳۸   |
| موسل | ۱۵۰، ۳۵۳  |
| معان | ۱۲۸، ۷۲۸  |

ادیرہم نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ بے تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اس میں صرف دو حکومتیں تھنی ہیں: سر ویل اور برٹن۔ سر ویل کی حکومت نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ آرمی بھی اس سے انکار کر رہی ہے۔ لیکن ان دونوں کے انکار سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

### ترکی اور ایران

حال کا ایک اہم واقعہ، ترکی اور ایران کی کشیدگی ہے۔ وجہ یہ کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض حوادث ایسے پیش آئے، جنہوں نے خطہ میں سرحدوں کی حالت پیدا کر دی۔

تفصیل یہ ہے کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض جرائم پیشہ خاندان قبائل موجود ہیں۔ وہ ہمیشہ قتل و غارت کے موتمے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے ان قبائل میں ایک بہت ہی خطرناک شخص "اسماعیل سمیقو" نامی ظاہر ہوا ہے اور سرحد کی آبادیوں کی زندگی تلخ کئے ہوئے ہے۔ اس نے یہ دھڑو اختیار کر رکھا ہے کہ موقوفہ یا کرٹ مار چا دیتا ہے اور ہارپاڑوں میں بھاگ جاتا ہے۔ ترکی حکومت بہت سے اس کی تاک میں تھی۔ مگر حال میں مجرموں کی عام معافی کا اعلان کیا گیا، تو اس سے فائدہ اٹھا کر اس نے حکومت کو اطلاع دی کہ اس نے اپنے قیدم جرائم سے توبہ کر لی ہے اور آئندہ پراس زندگ بسر کر لینی چاہتا ہے۔ حکومت نے اس کی بات پر یقین کیا اور معافی دیدی۔ چنانچہ وہ آزادی سے ترکی آمد میں مددگار بن گیا۔

لیکن گزشتہ سیزن میں اس نے پھر یہی کیا، اور اپنی قیدم زندگ اختیار کر لی۔ وہ ایرانی سرحدوں میں داخل ہو گیا اور تیرہ ماہ تک اس میں غارت گری شروع کر دی۔

اصلی واقعہ صرف اسی قدر ہے۔ لیکن ایرانی اخبارات نے اسے دوسری نظر سے دیکھا اور اس قزاق کی حرکتوں کا ذمہ دار، ترکی کو قرار دیا۔ چنانچہ طرآن کا نیم سرکاری اخبار "ایران" اس واقعہ پر اس طرح خاموش فرمائی کرتا ہے:

"سرحدی قبائل کی کون بہت افزائی کر رہا ہے؟ انھیں کون بہت تقسیم کرتا ہے؟ ان کے ذریعہ ایران میں کون بدامنی پھیلا رہا ہے؟ ایرانی ان سوالوں کا صاف جواب چاہتے ہیں۔ وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ترکی اس بارے میں کیا تدابیر اختیار کرنے والی ہے؟ ایران اپنی قومی سرحدوں کی حفاظت اپنے خون سے بھی کرنے پر کمر بستہ ہے۔"

### اخبار شفق سرخ لکھتا ہے

"سرحد کے ترک افسر ایرانی علاقوں میں خلاف توقع سرگرمی دکھانے لگے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت کی منوخی، جمہوریت کا اعلان، سرخ ٹوپی کی بیٹ سے تبدیلی، یہ باتیں ظاہر ہیں کہ وہی روش غلامی کی باتیں نظر آئیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ قوموں کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتیں۔ نوجوان ترکی، ٹرہیا ترکی ہی کی لڑکی ہے۔ ٹرہیا ترکی ہمیشہ ایران سے بے فائدہ دست گریاں دیتی ہے۔ اب نوجوان ترکی بھی اپنی اسی موروثی سیاست پر واپس آ رہی ہے اور ایران سے چھڑ چھڑ شروع کر دی ہے۔"

اسی لئے جو میں تقریباً تمام ایرانی اخبارات نے اظہار خیال کیا ہے۔ اس کے مقابل میں ترکی اخبارات کا لہجہ بھی کچھ سخت ہے۔ چنانچہ اخبار جمہوریت لکھتا ہے:

"ہم جانتے ہیں ایران میں قیام اخبار موجود نہیں ہیں۔ ان کی آواز کوئی قوت و وزن نہیں رکھتی۔ مزور و جہنی انگلیاں ان اخبارات

بیدار ہو گیا ہے، اور غاصب یورپ سے اپنے حقوق واپس لینی پڑا ہے۔  
ترکی قرضے کا تصفیہ

موجودہ سلطنت عثمانیہ نے یورپ سے بہت سے قرضے لئے تھے۔ انہی قرضوں نے بالآخر اس کے دروازے یورپ میں مداخلت کے لئے کھول دیے۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر سلطنت عثمانیہ اپنے اکثر مقبوضات سے محروم ہو گئی۔ اب یہ مشکل پیش آئی کہ یہ قرضے اس سے کیوں کروائے گئے جائیں؟ اکثر قرضوں میں انہی مقبوضات کی آمدنی رہن تھی۔ یورپ چاہتا تھا کہ باوجود اپنے مالک سے محروم ہوجانے کے، یہ تمام قرضے اسی دیوالیہ سلطنت سے وصول کرے۔ مگر یہ علمائے مکیں تھا۔ کیونکہ اس کی آمدنی یہ باگراں اٹھانے میں تھی۔ اسی زمانے میں قومی حکومت نے اناطولیہ میں ٹھہر گیا اور یورپ کے سامنے جھکے ہوئے انکار کر دیا۔ اسی کا نتیجہ معاہدہ سیدری کے بعد معاہدہ نوران ہوا۔ مگر قرضے کی گنتی اس معاہدے سے بھی سلجھ نہ سکی۔ اب گزشتہ مئی سال کی رود قرضہ کے بعد ایک فیصلہ ہوا ہے اور اس نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اس فیصلہ کی دو تفصیلات اہم ہیں: ایک یہ کہ ترکی اپنے قرضہ کی نصف مقدار سرفے کے سیکے کی شکل میں ادا کرے، اور باقی نصف کاغذ کے سیکے کی صورت میں۔ دوسری یہ کہ ترکی کا تمام قرضہ ان تمام مالک پر تقسیم کر دیا جائے جو قرضہ لیتے وقت اس کے قبضہ میں تھے۔ صرف ایک حصہ ترکی کے لئے باقی ہے۔

یہ فیصلہ قطعاً منصفانہ ہے۔ جنگ کے اختتام پر ترکی کے ذمہ یورپ کا قرضہ ۱۴،۶۱،۸۴،۶۹۲ لیرہ (ترکی پونڈ) تھا۔ اب جدید قرضہ کی آدھے اس کی تقسیم اس طرح عمل میں آئی ہے:

|           |              |
|-----------|--------------|
| ترکی      | ۸،۱۴،۹۵،۹۹۵  |
| یونان     | ۱،۹۱،۵۴،۱۵۳  |
| شام       | ۱۰،۸۱،۸۸،۲۵۹ |
| سربیا     | ۵۴،۳۵،۵۵۹    |
| عراق      | ۵۱۲،۰۷۱،۷۸۹  |
| فلسطین    | ۲۲،۸۴،۲۲۹    |
| بلغاریہ   | ۱۷،۷۶،۳۵۲    |
| البانیا   | ۱۶،۳۳،۲۳۳    |
| مجار      | ۱۴،۹۹،۵۱۸    |
| ہنگری     | ۱۱،۸۲،۰۴۴    |
| شرق آرمین | ۷،۳۳،۶۱۰     |
| آرمین     | ۶،۳۳،۲۰۰     |



کوڑی کے خلاف اگسا رہی ہیں۔ یہ اخبار، اجنبیوں کے پردہ میں اور انہی کے اشاروں پر لپکتے ہیں۔  
یہ اخبارات کی باہمی تکرار ہو لیکن اب تک دونوں حکومتیں بالکل خاموش ہیں۔ بلکہ دوستانہ تعلقات کی موجودگی کا یقین دلادہ رہی ہیں۔ چنانچہ ایرانی سفارت کے متعدد عام زندگی خاں نے اخبارات کو کھینچ لی جان دیا ہے، اخبار آزاد ہیں، جو چاہیں لکھیں۔ ایرانی اخبارات کی طرح ترکی اخبار بھی سخت لچر اختیار کر لیتے ہیں، اور ان کا لہجہ ایران کی مخالفت پر مبنی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس قسم کی باتیں ہرگز دوسری اور اسلامی ملکوں کے تعلقات پر اثر نہیں ڈال سکیں جن کی دوستی مشترک فوائد پر استوار ہے۔

تقریباً یہی خیال خود ایرانی سفیر نے بھی ظاہر کیا ہے۔ اُس نے کہا "دونوں ملکوں کی دوستی باہم دار و دای ہے۔ دونوں حکومتیں بڑے خرم و اخلاص سے تمام مسائل حل کرنے پر کمر بستہ ہیں۔ کوئی حادثہ بھی ہمارے تعلقات کو خراب نہیں کر سکتا۔"  
امید کی جاتی ہے، جلد یہ معمولی نزاع ختم ہو جائے گی۔

### ترکی پارتیتھ

غازی مصطفیٰ پاشا کے سفر آستانہ سے بعض حلقوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ترکی پارتیتھ، جلد انکوڑے تسلط میں منتقل ہو جائے گا۔ مگر انکوڑہ کا نیم سرکاری اخبار "حاکمت ملت" اس کی تردید کرتا ہے۔ اُس نے لکھا ہے:

"جب ہم نے ارادہ کیا کہ ترکی کی از سر نو تعمیر کریں تو اس میں خیال ہرگز ہمارے سامنے نہ تھا کہ ساتھ ہی غیروں کی خوشی کا بھی ہمیں سامان کرنا چاہئے۔ ہم نے ضرورتاً انکوڑہ کو پایہ تخت بنایا تھا۔ وہ ضرورت اب تک موجود ہے۔ جب تک ہم امن و امان کے سایہ میں چلکر اپنا مقصد حاصل نہ کریں، اسوقت تک انکوڑہ ہی کو پایہ تخت رہنا چاہئے۔ لہذا اس کی تبدیلی کا سوال، اسوقت پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔"

## مکتوب شام

(المال کے نامہ نگار قلم دشمن کے قلم سے)

### ہائی کشر کا بیان

ادھر دو تین ہفتے سے میں نے کوئی مکتوب آپ کو نہیں لکھا کیونکہ حال میں کوئی قابل ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ہائی کشر کے کہیں چوہرے سرکوت شروع سے لگ گئی تھی، وہ اب تک باقی تھی۔ ہر طرف افواہوں کی گرم بازاری تھی، مگر حقیقت کا کس پرہ تھا۔ حکومت جتنا زیادہ ابہام و احتیاط برتی تھی، افواہیں اتنی ہی زیادہ پھیلتی تھیں۔ اکثر لوگوں کا رجحان یہ تھا کہ حکومت کچھ نہ کچھ کرنے والی ہے۔ اگر بس نہیں تو ملک کے مطالبات کا ایک بڑا حصہ ضرور قبول کرے گی۔ خصوصاً اب جبکہ درجہ مجاہدین نے ہتیار ڈال دیے ہیں، حکومت بھی نرم ہو جائے گی اور باشندوں کی ضرورتوں کا شک شوقی کرے گی۔

لیکن ان فریب خوردوں کو اگرچہ بہت زیادہ انتظار کرنا پڑا، تاہم وہ دہن آہی گئی جب انھیں حقیقت قربان کے شاہدے پر مجبور ہونا پڑا۔ مدت تک نقاب پوش رہنے کے بعد ہائی کشر نے اپنا منہ کھولا تو اُس میں مکروریا کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ دروزی جادو تم ہو گیا سے حکومت کی ہمت بلند ہو گئی۔ اب اُسے کوئی خوف بھی باقی نہ رہا۔ چنانچہ ہائی کشر نے اپنی پالیسی اور حکمران سلطنت فرانسیسی سیاست

جو وہ شام کے بائیں میں طے کر چکی ہے، ظاہر کر دی۔ ہائی کشر کا بیان یقیناً تمام مشرق کے لئے عبرت و موعظت کا ایک سبق ہے۔ اور وہ جب ذیل ہے:

"ہائی کشر کو اپنے قیام پر جس کے دوران میں بارہا موقع ملا کہ فرانسیسی حکومت اور فرانسیسی پارلیمنٹ کی معاملات خاصہ کی کمیٹی کے درپردہ شاہی صورت حال کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کر دے۔ جیسا کہ باشندوں کی وہ امیدیں صفائی کے ساتھ ظاہر کر دیں جو شام کے مختلف حصوں میں دوردہ کرنے کے بعد انھیں معلوم ہوئی تھیں۔

ہائی کشر نے شام میں اپنی واپسی کے بعد مختلف حکومتوں کے ذمہ داروں سے بھی بار بار تبادلہ خیال کیا۔ حکمران حکومت کے خیالاً و مقاصد ان پر ظاہر کئے اور وہ بنیادیں پوری وضاحت سے پیش کر دیں جن پر وہ اپنی سیاست کی بنا رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ بنیادیں حسب ذیل ہیں:

(۱) معاہدہ حکمرانی کی دفعہ ایک کی دوسری چونکہ فرانسیسی نے اپنے سر پر ذمہ داری لے لی ہے کہ "شام اور لبنان کے لئے وہ راستہ ہو اور اسے گام چیر چل کر وہ تدریج خود مختار بن سکیں گے" اور یہ اندر و خود مختاری کی ظروف و حالات کے مطابق ہمت افزائی کو ہے۔ اس لئے فرانسیسی مجلس اقوام سے حاصل کی ہوئی اپنی یہ ذمہ داری برابر پوری کرتا رہے گا۔ یہاں پر اس ذمہ داری سے دست بردار ہوجانے کا ہرگز کوئی سوال پیش نہیں ہو سکتا۔

(۲) اس ذمہ داری کی حیثیت: معاہدہ ورسیلز کی دفعہ ۲۲ کی تطبیق، مشرق میں بہت ہی زیادہ مشکل معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں کی بعض جامعیت مدت دراز سے ترقی کے اُس درجہ تک پہنچ گئی ہیں جسے انھیں مشرق قریب کی ترقی پذیر قوموں کی صف اول میں ہونا چاہیے۔ حکمران سلطنت نے انہی ان پر قیود رکھے ہوئے، جو ترقی کی اصلی بنیاد ہے، ان جامعوں کی امیدیں پوری کرنے میں کبھی غفلت نہیں رہتی۔ لیکن یہ واقعہ کہ ان امیدوں کی تطبیق میں اب تک بکثرت رکاوٹیں مائل ہوتی رہی ہیں اور یہ صرف اسوجہ سے کہ ان بات بہت زیادہ تناقض موجود ہے۔ ان جامعوں کی امیدیں بڑھانے، شام میں فرانسیسی سیاست کی ایک بڑی بنیاد ہے۔ حکمران سلطنت اب تک اپنی اس سیاست پر قائم ہے اور غم بالغیر کئے ہوئے ہے کہ ہمیشہ یہ امیدیں پوری کرتی رہے گی جب تک وہ دائرہ نظام ادارن و امان میں رہیں اور جب تک اقلیات کے حقوق جن کی معاہدوں نے ضمانت کر دی ہے، اور ملک کے عام مصالح کے خلاف نہ ہوں۔

(۳) فرانسیسی سیاست کا دوام اور قانون اساسی۔ یہ سیاست، جسے سیودی جودنل پوری وضاحت سے میں کچھ ہے اور جسے حکومت فرانسیسی اور مجلس اقوام نے منظور کر لیا ہے، ضرور کہ ملک کے قانون اساسی میں قائم رکھی جائے۔ ہائی کشر پوری مضبوطی سے اس سیاست کو برقرار رکھیں گے۔

لیکن یاد رہے کہ قانون اساسی، صرف وہی لوگ بنائیں گے جو اُسے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ وہی حکومتیں ایسے بنانے میں شریک ہوں گی جو موجودہ نظام کے تحت ملک میں قائم ہیں۔ اپنی حکومتوں کو حق ہے کہ ملک کے مصالح پر غور کریں، اپنے باہمی اختلافات شانے کی سعی کریں، اور مشترک مصالح کے لئے باہم معاہدے طے کریں۔ حکمران سلطنت، انہیں ہر ممکن مددے گی اور ان کے مابین حکم کی حیثیت سے کام کرے گی۔

اگر جدید نظام پر نوٹس ملک کی مضامندی ضروری سمجھی گئی تو اس مقصد کے لئے بھی کوشش کی جائے گی۔ لیکن اگر مضامندی کا

حاصل کرنا ممکن نہ ہوا تو حکمران سلطنت، اس امان کی حفاظت اور مستقبل کی دوشنگی کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے گی۔

(۴) امن امان

اب ملک میں ایک مرتبہ پھر امن امان پوری طرح عام ہو گیا ہے۔ حکمران سلطنت نے اس راہ میں عظیم کوششیں اور بہت بڑی قربانیاں کی ہیں۔ اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ فرانسیسی اُس دوستی کے برقرار رکھنے کا غیر متزلزل ارادہ رکھتا ہے جو اُسے ملک شام و لبنان سے ہے۔

ملک کی ترقی کے لئے اس امان کی موجودگی ضروری ہے۔ اپنی سے ہرگز کوئی فائدہ پہنچ نہیں سکتا۔ بلکہ اُسے نقصان پہنچتی ہے۔ یہ ہائی کشر کے بیان کا ضروری حصہ ہے۔ ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ بیان کس درجہ مضبوط اور بے معنی ہے؟ اُس کے اگر کچھ معنی ہیں تو صرف یہ ہیں کہ فرانسیسی، شام کے مطالبات منظور نہیں کرے گا بلکہ اپنی جنگی قوت اُسے بدستور محکم و مضبوط رکھے گا۔

### فرانس کی بدیتی

شام میں فرانس کی بدیتی کا ایک ثبوت، مذکورہ بالا بیان کے علاوہ، یہ ہے کہ اُسے شکست خوردہ دروزی مجاہدین کی بے چارگی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ چنانچہ گزشتہ ہفتے حکومت نے اعلان کیا ہے کہ جبل دروزہ کے باشندوں نے ملک شام سے اپنی کامل علیحدگی کا مطالبہ کیا ہے۔ نیز وہ چاہتے ہیں کہ اُنکے علاقے پر حاکم، فرانسیسی ہو کرے۔

ملک کی عام رائے اس محسوس خبر سے بہت پریشان ہوئی، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شام کی سیاسی وحدت اب تک حتم پر آگندہ ہو چکی ہے، فرانسیسی نظریں وہ کافی نہیں ہے۔ فرانسیسی ابھی اس پر بغیب ملک کے اور بھی بہت سے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے۔ جبل دروزہ کی علیحدگی کے بعد شام، صرف دمشق اور مصافات کے علاقے کا نام رہ جائے گا۔

سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ جن دروزہ سرداروں کی طرف یہ مطالبہ منسوب کیا جا رہا ہے، وہ ملک میں نہایت ہردل فرزند تھے۔ مثلاً عبدالغفار باشا اطروش، امیر حرن، نجم باشا حلبی، شیخ محمد الجوی، حفزہ درویش وغیرہم۔ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اس پہلے ملک کی سیاسی تعمیر و ترقی کے سخت مخالف تھے۔ بلکہ انہی خویش جہاد کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ موجودہ تقسیم سرخ کر دی جائے، اور ملک میں ایک ہی وحدت سیاسی قائم ہو۔

لیکن بہت جلد حقیقت آشکارا ہو گئی۔ عام ناائے نے معلوم کر لیا کہ یہ چیز بھی فرانس کی بدیتی نے پیدا کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کچھ ہفتوں ہائی کشر، دمشق گئے۔ اُن کے ساتھ اُن کا نفس ناطقہ کرنل کیٹو بھی تھا۔ یہ شخص اپنی ظلم بندی اور ملک شام سے دشمنی میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ دمشق سے یہ جبل دروزہ گیا اور وہاں مذکور سرداروں کے ذمہ بالا تحفہ پیش کرنے کو کہا۔ انھوں نے اسکار کیا مگر اپنے انھیں اپنی قوت کی زور سے مجبور کر دیا۔

اس واقعہ نے باشندوں کو فرانسیسی سے ابھی زیادہ بدگن کر دیا۔

### ایک اور مصیبت

یہ مصائب کیا کم تھیں کہ ملک پر ایک ناانصافی، خود ایک ملکی کے ہاتھوں نازل ہو رہی ہے۔ داماد احمد نامی ایک، دمشق کی عادی حکومت کا صدر ہے۔ ایسے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ شام کے تخت شاہی پر غریب شکن ہو گا۔ اس طرح میں یہ بالکل فرانسیسی غلام بن گیا ہے اور بڑی طرح غلامان قوم کو تباہ کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ ہے کہ اسے اخبار الجواب کے مدیر شیدائی آذنی کو دمشق میں لگا



# برید فرنگ

## مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار رفیع الدین شیگلن کے قلم سے)

ایک نئی تحریک - امریکی کی دولت -

### ایک نئی تحریک

اپنے دو پچھلے مکتوبوں میں امریکہ کی لہو لانی زندگی اور تحریک اتحاد کی مقبولیت پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ اپنی دونوں موضوعوں سے متعلق کچھ ایک تیسری بحث پیش کرتا ہوں۔ اس بحث نے پورے شمالی امریکہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ فی الحال اس بحث سے زیادہ اہم اور مقبول عام و خاص کوئی دوسری بحث یہاں نہیں ہے۔ ہر طرف اسی کا چہ چاہی اور ہر جگہ اسی پر گرم تقریریں ہو رہی ہیں۔

بحث یہ ہے کہ امریکہ میں شادی کا موجودہ طریقہ مضرب۔ مرد اور عورت دونوں کی خانگی زندگی کمر کرنے والا ہے۔ لہذا اسے بدل دینا چاہئے۔

آمریکہ میں بھی شادی کا طریقہ وہی ہے جو دنیا کے تمام تمدن ملکوں میں رائج ہے۔ یعنی مرد و عورت، عقد کر کے زندگی بھر ساتھ رہنے کے پابند ہو جاتے ہیں۔ نئی تحریک اسی پابندی کے خلاف شروع ہوئی ہے۔ اس کی منشا یہ ہے کہ شادی کے دو دور یا درجے کر کے جائیں: ایک تجزیہ۔ دوسرا دائمی۔ تجزیہ سے مقصود یہ ہے کہ مرد اور عورت اگرچہ باضابطہ عقد کریں گے، مگر یہ عقد مطلق و مشروط ہوگا۔ اگر ساتھ رہ کر انھیں تجربہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ عقد ان کی زندگی کو پرستش نہیں بنا سکتا تو انھیں حق ہوگا کہ فوراً جدا ہو جائیں۔ لیکن اگر تجربہ سے ثابت ہو کہ وہ ساتھ خوش رہ سکتے ہیں تو اپنے دائمی عقد کا اعلان کر دیں۔

اس تحریک کا سرگرم، مٹر لٹری ہے۔ یہ ایک عدالت کا کچھ ہے اور کچھ بکچا کے مطلق کے مقدمے فیصلہ کیا کرتا ہے۔ اسے اپنی تحریک کا نام "عقد رفاقت" رکھا ہے۔ خود اس کے اپنے لفظوں میں ایک کی غرض یہ ہے کہ "مرد اور عورت باہم ساتھ رہنے کا سمجھوتہ کریں، مگر اس عہد کے ساتھ کہ ایک سال تک نسل پیدا ہونے دیں گے۔ بارہ مہینے ایک جا رہنے کے بعد اگر وہ دیکھیں کہ ان کی طبیعتیں باہم متفق ہو سکتی ہیں تو اپنے اس تجزیہ عقد کو دائمی عقد کی صورت میں تبدیل کر دیں ورنہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں"

مٹر لٹری نے ایک اخبار کے نمائندے سے بیان کیا:

"میں برس سے میں عدالت کی کرسی پر بیٹھا ہوں۔ اب میں تجربے سے مجھے یقین دلایا ہے کہ نکاح کا موجودہ نظام، ناقص اور سخت مضرتوں کا موجب ہے۔ لہذا میں نے تجزیہ نکاح کی تجویز کو میرے خیال میں اگر دنیا اس تجویز پر عمل کرے تو ان تمام مصائب سے نجات پائے گی جو عقد کے موجودہ طریقے سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہیں۔ تجزیہ نکاح یقیناً دنیا کو مسرت و سعادت بخشے گا اور انسان

### کی خانگی زندگی، قابل رشک بنا دے گا

تجزیہ عقد کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مرد اور عورت سال کے خاتمہ پر اگر دائمی عقد کے طالب ہوں تو انھیں حکومت کے سامنے ثابت کرنا ہوگا کہ وہ باہم محبت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا طبی معائنہ ہوگا اگر اس معائنہ میں بھی وہ کامیاب ہو گئے تو ان کی درخواست منظور کر لی جائے گی، ورنہ انھیں جبراً جدا کر دیا جائے گا۔

یہ ہے تحریک کا خلاصہ۔ لیکن اسے تمام ملک میں ایک پھیلنے والی دی ہے۔ روشن خیال طبقہ عام طور پر تحریک کی حمایت کر رہا ہے۔ مگر مذہبی پیشوا اور ان کے متبعین اس کے سخت خلاف ہیں۔ ایسے کفر و لجاجت قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر یہ تحریک مقبول ہو جائے گی تو محبت اور کینسا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مسیحی ہیئت اجتماع پر ہم ہوجائے گی۔ فسق و فجور کے بند (۹) دروازے کھل جائیں گے۔ غرض کہ وہ اسے شیطانی تحریک قرار دے رہے ہیں۔ دیکھا جائے اس مغربی جنگ میں کون فریق فتح یاب ہوتا ہے؟

### آمریکہ کی دولت

دلایات متحدہ امریکہ کی دولت و ثروت کے انسانے دینا ہے ہیں مشہور ہیں۔ واقعی جس قدر خزانے اس ملک میں موجود ہیں، اتنے ہی دوسرے ملک میں نہیں ہیں۔ اس وقت میرے سامنے ایک امریکن سال کھلا رکھا ہے۔ اسے اسی معاملہ پر بحث کی ہے۔

دہ لکھا ہے:

"جس کے پاس تین چار کروڑ ڈالرز جمع ہیں، وہ اس وقت امریکہ میں" دولت مند خیال نہیں کیا جاتا۔ کروڑ پتی، اب امریکہ میں کسی شاہد قطار میں نہیں ہیں۔ اب شمار صرف "تار و لول" کا ہوتا ہے۔ ۱۹۲۳ء میں پہلی مرتبہ حکومت نے امریکی قوم کی انفرادی دولت کے اعداد و شمار شائع کئے۔ اس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ امریکہ میں ایک سے بہت زیادہ آدمی ایسے موجود ہیں جن کی دولت ایک ہزار ملین ڈالرز یعنی ۲۰ کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ ہے۔

اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۲۳ء میں جن آدمیوں کی دولت ایک ملین ڈالر سے زیادہ تھی، ان کی تعداد ۲۰۷ ہے۔ لیکن گمان غالب ہے کہ یہ شمار ناقص ہے۔ لوگ، آمدنی کے محصول کو بچنے کے لئے اپنی آمدنی چھپاتے ہیں۔ ثبوت یہ ہے کہ سلاوی میں ایسے دولت مندوں کی تعداد ۲۰۶ تھی۔ کسی طرح خیال نہیں کیا جاسکتا کہ ۹ سال کی طویل مدت میں، جبکہ دولت کے دروازے ہر طرف سے امریکہ پر کھل گئے تھے، ایسے دولت مندوں کی تعداد میں صرف ایک کا اضافہ ہوا ہو۔

ذیل کے نقشہ سے امریکہ کی دولت مندی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا:

|     |     |     |     |
|-----|-----|-----|-----|
| ۱۰۴ | ۱۰۴ | ۱۰۴ | ۱۰۴ |
| ۲۳  | ۲۳  | ۲۳  | ۲۳  |
| ۲۹  | ۲۹  | ۲۹  | ۲۹  |
| ۱۵  | ۱۵  | ۱۵  | ۱۵  |
| ۹   | ۹   | ۹   | ۹   |
| ۷   | ۷   | ۷   | ۷   |

۲۰۷

لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ نقشہ، ناقص ہے۔ تاہم ملین ڈالر سے زیادہ آمدنی کے مالکوں میں بعض ایسے بھی ہیں جن کی آمدنی ایک کروڑ پونڈ سالانہ سے بھی زیادہ ہے۔ سرکاری رواد میں ان کے نام شائع ہوئے ہیں۔ انہی میں سٹرن فورڈ اور ان کا بیٹا، سٹرن فورڈ کی ذریعہ مال، ان کا بھائی، سٹرن فورڈ، سٹرن فورڈ، سٹرن فورڈ وغیرہ شامل ہیں۔

ایک قابل ذکرات یہ بھی ہے کہ امریکہ میں، دوسرے ملکوں کے برخلاف یہ صورت حال نہیں ہے کہ امیروں کی دولت برابر رہتی جاے اور غریبوں کی غربت روز بروز زیادہ ہوتی جائے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ امیروں کی دولت بہت آہستہ آہستہ بڑھتی جاے، لیکن غریب جلد از جلد امیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا رواد سے معلوم ہوتا ہے کہ معمولی آمدنی رکھنے والے (یعنی جو لوگ آمدنی کا محصول ادا کرتے ہیں) سالانہ ۵ ہزار ڈالر زیادہ کمائیے ہیں۔

رواد کے ایک دوسرے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۲۳ء میں حکومت نے حریفیل محصول وصول کیا:

|            |            |            |            |
|------------|------------|------------|------------|
| ۴۰,۰۰۰,۰۰۰ | ۴۰,۰۰۰,۰۰۰ | ۴۰,۰۰۰,۰۰۰ | ۴۰,۰۰۰,۰۰۰ |
| ۹۶,۰۰۰,۰۰۰ | ۹۶,۰۰۰,۰۰۰ | ۹۶,۰۰۰,۰۰۰ | ۹۶,۰۰۰,۰۰۰ |
| ۱۸,۵۰,۰۰۰  | ۱۸,۵۰,۰۰۰  | ۱۸,۵۰,۰۰۰  | ۱۸,۵۰,۰۰۰  |
| ۲۸,۵۰,۰۰۰  | ۲۸,۵۰,۰۰۰  | ۲۸,۵۰,۰۰۰  | ۲۸,۵۰,۰۰۰  |

آمریکہ کی دولت مندی کے راگ گانے والوں کے بالمقابل علماء اقتصادیات کا ایک گروہ ایسا بھی موجود ہے جو اس دولت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اس کی رائے میں امریکہ کی دولت کسی یا بیدار بنیاد پر قائم نہیں ہے۔ وہ اپنی دلیل میں پچھلے دس گیارہ سال کے اعداد و شمار سے پیش کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ میں دولت مندوں کی تعداد نہایت غیر متناسب تعداد میں گھٹتی چلتی رہی ہے۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ ملک کی دولت کوئی مستحکم بنیاد نہیں رکھتی۔ وہ اعداد و شمار ذیل ہیں:

|      |     |
|------|-----|
| ۱۹۱۳ | ۶۰  |
| ۱۹۱۶ | ۲۰۶ |
| ۱۹۲۰ | ۲۱  |
| ۱۹۲۳ | ۷۵  |
| ۱۹۲۵ | ۲۰۷ |



# ان تمام صحاب کے لئے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تعمیریں،  
پرانے کے اور نقوش، پرانے زبور، آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح  
کے پرانے صنعتی عجائب و نوادہ اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے  
کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور دفاتر کی فرسٹ کلاس ٹکٹ لائیجئے۔ اہل علم اور اہل  
دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نواد عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و ساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران،  
ترکستان، چین، وغیرہ ملک میں ہائے اہمیت ہمشکروش کرنے لگے ہیں۔

با ایں ہمہ

قیمتیں بقیہ انگریز عہد تک امداد ہیں

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نواد حاصل  
کرتے ہیں۔ تاہم کے نئے ایوان شاہی کے نواد بھی عالمیں ہم سے فراہم کریں

اگر آپ کے پاس نواد موجود ہوں

تو

آپ زبردستی کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے خط و کتابت کیجئے بہت  
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

صرف ہمدرد دوا خانہ ملگا

موسم گرما کا نیا تحفہ

یاد رکھئے

شریت روح فسترا (جسٹر)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں بنی بے شمار خوبیاں کی وجہ سے اسم بائلی ہر ملک اور اقوام میں ہر مذہب اور ہر لغوی و غیرت مقبولیت حاصل کر کے دھرم ہندوستان بلکہ مالک غیرت تک شہرت حاصل کر چکا ہے اور جس کو چشمہ (جریس) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے دھڑلے بھی کرایا گیا ہے۔

محرم ناظرین! آپ میں جو احباب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے قیادت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل پیہم مشق تازہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدر والی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان میں جو مسیح براہم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کجائی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شریت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج موسم گرما میں شش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔ ناظرین! یہ شریت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فوڈ کٹس، انگور، سیب، رنگتہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے، خوش ذائقہ ہے، تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب، درد سرد دران سر، شل و غیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عمدہ اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معنی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر طور پر رنگ و لہریں اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اور اس کی اشاعت سے محض ذاتی لہجہ مقصود نہیں بلکہ ہم خدام کو اب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیا کی ترویج کو ترقی دینا منظور ہے۔ ہیں امید ہے کہ آپ بول دیکھ کر اس کا استعمال کر کے جو بیمار شدہ و خیر ہندوستان کی صنعت کا امید افزا نمونہ ہو اور جس کی ہر چیز ویسی ہی ہے۔ خوش ہو گئے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت کم لے کر رکھی ہے کہ ہر حثیت کے لوگ اس کو فائدہ حاصل کر سکیں قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (بیمار حکیموں اور عطاریوں کے علاوہ) تاجران شریت کو بشرطیکہ وہ ایک ڈجن یا اس سے زیادہ خریدیں دو آنے فی بوتل یا چار آنے۔

نوٹ: اس شریت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی فحلت ترکیبیں سناتے ہیں مثلاً کوئی اس شریت کا بلحاظ نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شریت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دوا خانہ کا خوشنالیبل اور ہر لفظ جسٹر و ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شریت ہمدرد، دوا خانہ کی مخصوص چیز ہے اور اعلیٰ صرف ہمدرد دوا خانہ دہلی ہی بکسکتا ہے۔ "فہرست دلفانہ منہ جبری ۱۹۲۵ء کارڈ آنے پر مفت ارسال ہوگی۔"

پتہ - ہمدرد دوا خانہ دہلی - تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ کو

دست (ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما گائیڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں، ہٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، قص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کرے۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکیں جن کی ایک سیاحت کو

قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف

ڈنلاپ گائیڈ ٹو گریٹ بریٹین

The Dunlop Guide to Great Britain

کا

دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے سٹیشنوں کے بک شال میں مل سکتی ہے



## کلماتِ حم سعید پاشا ز غلوں

جلادطنی میں قوم سے خطاب  
 اُنھوں نے ہیں ملک سے بھلا، مگر تم نے ہیں اپنے دلوں میں جگہ  
 دی! اُنھوں نے ہیں گناہ کر دینا چاہا، مگر تم نے ہمارا نام اپنے منہ پر  
 نقش کر لیا! اُنھوں نے اپنی قوت سے تمہیں پرانندہ کر دینا چاہا، مگر تم ادب ہی  
 باہم کر گئے! اُنھوں نے تشدد سے تمہیں ذلیل کرنا چاہا، مگر تم اور زیادہ موزن  
 اُنھوں نے طرح طرح کی جیلوں سے تمہیں گراہ کرنا چاہا، مگر تم کرا  
 نہ ہوئے۔ اُن کے فریب نے تمہیں اور زیادہ راہ ہدایت دکھا دی! اس  
 طرح خدا نے اُنھیں رسوا کیا، اور تمہیں سرخرو کر دیا! من عالم  
 من عالم اگر چاہتے ہو، تو دوسروں کا حق نہ چھینو۔ آزادی

آزادی، میرا پیدائشی حق ہے، عطیہ کے طور پر میں اُسے قبول نہیں  
 کر سکتا۔ آزادی، میری اپنی پشتینی ملکیت ہے کسی کو حق نہیں کہ میری  
 ہی ملکیت مجھے عطیہ کے طور پر دے۔

عورتوں کی تربیت  
 قوی ترقی کے لئے عورتوں کی تربیت، اولین شرط ہے۔

حق  
 حق کی طرف لڑنا کبھی محبوب نہیں۔  
 حق، قوت، قوم، حکومت  
 حق، قوت سے بالا ہو۔ قوم، حکومت سب بڑھو۔

ہر چل کر رہتے ہیں، مگر جب ہم ملالت کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو  
 کہتے ہیں "تم منا کر رہے ہو!"

علم، اخلاق  
 ہمیں زیادہ علم کی ضرورت نہیں، زیادہ اخلاق کی ضرورت ہے۔  
 بد اخلاقی کا قانون  
 جس قانون کی بنا، بد اخلاقی پر ہو، وہ باطل قانون ہے۔

آزادی کا استعمال  
 ہم آزادی سے محبت رکھتے ہیں، مگر اس کو بھی زیادہ ہم اُس کو صحیح  
 استعمال سے محبت کرتے ہیں۔  
 دھڑلہ

ہم اپنی زندگی کے اعمال پر غور کرنا چاہئے نہ کہ اپنے ہاتھ کے دھڑلہ  
 پرا! مقصد کی کامیابی  
 مقصد کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ہم جدوجہد کریں، اور اگر مقصد  
 ہو تو ہم بھی سیکیں!

خون یا محبت؟  
 میں چاہتا ہوں، لوگ مجھ سے محبت کریں، نہ کہ مجھ سے ڈریں۔

## جامعُ الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی  
 تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا  
 یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے  
 لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری  
 نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز  
 مذہب ملت تمام نوعِ انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے مدرسہ اسلامیہ  
 رانچی کو دے دیے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب  
 مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔

قیمت بارہ آنے۔ منیر الملال کلکتہ



**اگر**

**ایسا تم دنیا دو کہ تم آگے پہنچا جاؤ**

**انتخابِ جواب لاہور**

کا مطالعہ کریں اس کے منتقل کنندہ کو چھپو صفحوں کی  
 انعامی کتابیں مفت دی جاتی ہیں انعامی کتابوں کی فہرست  
 اور نمونہ کا سالانہ آواز کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں

**میں بھرتی انتخابِ جواب لاہور**



کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا کا بہترین فائنٹن قلم  
 امریکن کارخشا "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) آہنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ زراکت

یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) آہنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی بھر

دے سکتا ہے

(۳) آہنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری

بیل بوٹوں سے مزین کہ آہنا خوبصورت قلم دنیا

میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو

"شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!





مطبوعات الهلال بك ايجنسى

## معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

## دینی عام کے پیش بہا جواہر ریزی

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارسینہ را  
آزہ خواہی داشتن گردانمائے سینہ را

اس سلسلہ میں ہم نے امامین اہل ان فائدہ و اعلیٰ درجہ اہل  
بدد پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا  
مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے  
بہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب  
ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

اُسرہِ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مہجد ازھائی روپیہ -

مذاب الوسیلہ — لفظ ”وسیلہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی ہے۔ بلا جلد ازھائی ریپہ، مجلد سوا تین ریپہ۔

مستجاب صفہ — انکی تعداد، درجہ معاش، طریق عبادت اور انکی مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آئے۔

تفسیر سورة الکوثر — امام ابن قیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر ۵  
اُس ترجمہ - چار آئے -

اعزۃ الہدیٰ — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلنا  
 میدان کھیلے - چھ اے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی  
نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں۔ نوائے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا، مصری کی قازہ کتاب  
 نا اُن: ترمیمہ - سوا رویدہ -

آلہد اسلام — ترجمہ دفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آئے

حلاف الامه — فى العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار گوہم نے کمال کوشش و دوش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، ازبک، روسی زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پورچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

( حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب )

**“ Al-Hilal Book Agency,”**

24, LAHORE, PANJAB.

از در صحافت ای ذرائع میں اہلال ہی وہ رسالہ ہے جو ایسی ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آورد دعوت ہے

الہلال اُنچہ ایک ہفتہ وار مہمور رسالہ تھا \* لیکن بیونہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا \* اس لئے اُس ۵ ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراک ۵ مجموعہ تھا۔ اُس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب \* مذہب \* سیاست \* ادبیات \* علوم و فنون \* اور معلومات عامہ کے ہوتے تو اور آسٹا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی طاہری خوبیوں اور صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب ۵ پہلا نمونہ تھیں \* اردو ۵ وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا \* جس میں ہفت دنوں کے لئے اورنگ انداز ۵ انتظام کیا گیا \* اور قالم میں چھپتے ہی رجب سے بہت سی ایسی خوبیوں پیدا ہوئیں جو پھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو عام ادب کے عالمی \* مذہبی \* سیاسی \* اور اجتماعی مواد و مباحث ۵ بہترین مجموعہ ہیں \* ان کی مقبولیت و قدر ۵ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین عام و ادب کے اس کی تمام جلدوں ۵ عمل ست ست سو روپیہ میں خرید لیا اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل ( جو دفتر میں بھی موجود نہیں ) سترے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پچے بحفاظت جمع کی ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی متعدد ارے دیاتے ہیں نہیں۔ پچھلے دنوں ”الذائع پریس“ کا جب تمام اسذات نامہ مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا \* ہم نے اوشش کی کہ شائقین عام و ادب نے اسے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ابک درپرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چند نچہ الحمد للہ یہ دوش ایک حد تک مشاور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوزی منحل ہوئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شاہین عام و ادب کو آخری موقع دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کرے۔ چونکہ جلدوں کی ایک بہت سی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہو سکے گی جو سب سے پہلے پرنچیں گی۔ ہر جلد مجاہد اور ابتدائے میں تمام مصامین کی اندکس بہ ترتیب درج کی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ زریبہ      الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ زریبہ

٤٥٥) ١٠ م٣٧٩ " " " ٤٥٦) ١٠ م٣٨٠ " " "

جلد ”البلاغ“ (جب دوسری مرتبہ اللہ-ال (اس نام سے شائع ہوا)  
 قدم ۸ ۱۱

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

مذہب "البلاغ پریس"

## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائلز اب لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما

ٹائلز اب لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائلز لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

## برونو مولر اینڈ کو - بولن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میوزوں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میوزوں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو ”نئے سسٹم“ کے نام سے متقدم ممالک میں مشہور ہے۔ اس ”نئے سسٹم“ کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تہڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کونٹریوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تہڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA  
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

برج

صدا

۱۹۲۷

لَمَّا سَأَلَ

۱۴

جلد ۱

تذکرہ پیر کلکتہ

آدم

# الہلال

ایک ہفتہ وار مصور سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۹ - ربیع الاول ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۴

Calcutta : Friday, 16, September 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی ۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے ۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی ۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں ، وہ ہیں جن میں الہلال  
چھپتا ہے ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں ۔ آپ ان  
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں ۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے ۔ یاد رکھیے ۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے ۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں ۔

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۱۲۰ مراسلات وصول ہوئی ہیں ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

|     |                        |     |                              |
|-----|------------------------|-----|------------------------------|
| ۲۹۹ | اردو حروف کی حق میں    | ۱۹۷ | عربی حروف کی حق میں          |
|     | حروف کی حق میں بشرطیکہ | ۳۰۴ | موجودہ مشترک طباعت کی حق میں |
| ۱۰۵ | نستعلیق ہوں            | ۲۱۵ | پتھر کی چھپائی کی حق میں     |

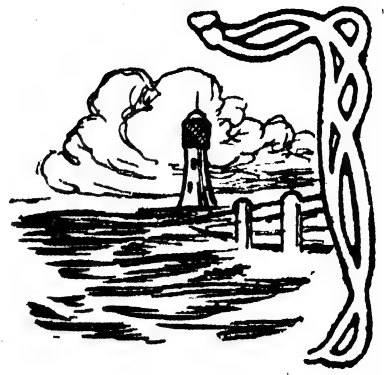
ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے ۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہے ۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے ۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کرینگے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں ۔

الہلال



# بریکنگ



## مکتوب فرانس

انگلستان اور فرانس کی کشمکش - فرانس میں شاہی دعاۃ -  
عورتوں کیلئے جبری فوجی خدمت - عورتوں کے سیاسی حقوق

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم پیرس کے قلم سے)

ادھر چند سال سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات برابر خراب  
ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ انگلستان دیکھتا ہے کہ جرمنی کی تباہی  
کے بعد اس کے اصلی اور زبردست دشمن دو ہیں: روس اور فرانس۔  
روس اس کی ملک گیری کا دشمن ہے، اور فرانس دنیا کے ہر خطہ  
میں اس کی ملک گیری کا شریک بننا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے  
کہ انگلستان نے بیک وقت دو سیاسی میدان جنگ قائم کر دیے  
ہیں۔ ایک میں روس سے نبرد آزمائی کر رہا ہے۔ دوسرے میں  
فرانس سے۔

فرانس کو رک دینے کے لیے انگلستان نے یہ تدبیر کی ہے کہ  
اسے یورپ میں اس کے تمام دوستوں اور حامیوں سے معزوم کر دیا ہے۔  
اس وقت فرانس بالکل بے یار و مددگار ہے۔ انگلستان کی یہ  
قدیم حکمت عملی ہے کہ وہ حریف کے مقابلہ میں بذات خود بہت  
کم آتا ہے۔ دررے دوسروں کو شہ دیتا اور نئے نئے دشمن اپنے حریف  
کے سامنے کھڑے کرتا رہتا ہے۔ اس وقت بھی اس کا یہی طرز عمل  
ہے۔ مدت تک فرانس کا سامنا جرمنی سے رہا۔ اب اس کی تباہی  
کے بعد اٹلی کو کھڑا کر دیا ہے۔ فیشیسمز نے اٹلی کو دیوانہ بنا دیا  
ہے اور وہ ناعاقبت اندیشانہ انگلستان کا چیلہ بن گیا ہے۔

اٹلی پر افسوس پہونک چکنے کے بعد انگلستان نے ہنگری،  
رومانیا، بلغاریا، یونان، اسپین، لیتھونیا، استونیا اور فنلینڈ کو بھی  
ملا لیا۔ صرف پولینڈ اب تک فرانس کے زیر اثر تھا مگر آج کل  
سر آسٹن چمبرلین اسے بھی مسحور کر رہے ہیں، اور باخبر لوگوں  
کو یقین ہے کہ امروز فردا میں پولینڈ بھی انگریزی جال میں پھنس  
جائیگا۔

اس صورت حال نے فرانس کو سخت بد حواس کر ڈالا ہے۔  
فرانسیسی مدبر اور اخبار بری طرح انگلستان کو گالیاں دے رہے  
ہیں۔ انہیں صاف نظر آ رہا ہے کہ بحر متوسط میں انگلستان ان کی  
قوت کس طرح مفلوج کر رہا ہے اور اٹلی کو آگے بڑھا کر ان کی قومی  
ہستی کے لیے سخت خطرے پیدا کر دیے ہیں۔

اخبار ”طان“ نے اس ہفتہ ایک افتتاحیہ شایع کیا ہے اور اس  
میں انگلستان دہشت زدہ ہے۔ لکھتا ہے:

”برطانیہ یقین کرتا ہے کہ اس وقت دنیا کے امن اور جنگ،  
دونوں کی کنجیاں اسی اکیلے کے ہاتھ میں ہیں۔ اس نے خفیہ  
معاهدوں کی قدیم سنت پھر زندہ کی ہے اور پورے یورپ میں سازشوں  
کا جال پھیلا دیا ہے۔ اس وقت فرانس کو پس پشت ڈال کر اس کا  
اعتقاد اٹلی پر ہے۔ اٹلی کی رضامندی وہ ہر قیمت پر خرید رہا ہے۔  
لیکن یہ قیمت وہ اپنی حبیب سے ادا نہیں کرتا، بلکہ دوسروں کی جیب  
پر سودا کرتا ہے۔ سان ریمو کانفرنس سے پہلے ہی انگلستان نے اٹلی کو  
ایشیا کے کوچک کا ایک وسیع علاقہ رشوت میں پیش کیا تھا۔ لیکن  
ترکی کی قوت نے اٹلی کے حوصلے پست کر دیے۔ پھر جنیوا کانفرنس سے  
پہلے اس نے اٹلی کو فرانس کے برابر بحری قوت رکھنے کا حق دے  
دیا۔ پھر لندن کانفرنس سے پہلے اٹلی کو ٹیرل کا معاوضہ اور تجارتی  
مراعات دیکر اپنا کر لیا تھا۔ سنہ ۱۹۲۴ء کے ختم ہونے سے پہلے ہی  
گوبلینڈ کا علاقہ اٹلی کو دیدیا گیا۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء میں لوکارنو کا  
معائدہ ہوا۔ اس میں اٹلی کو فرانس سے بالا ترجیح دی گئی۔  
۵ دسمبر سنہ ۲۵ء کو اٹالین طرابلس میں کفرہ اور جغوب، سنوسیوں  
کے متبرک شہر بھی شامل کر دیے گئے۔ ابھی پورا مہینہ بھی گزرنے نہ  
پایا تھا کہ ۲۹ دسمبر کو افریقا اور ایشیا میں اٹالین مطالبات پر ”دوستانہ  
غور“ کیا گیا۔ اس کے ایک مہینہ بعد ۲۷ جنوری سنہ ۲۶ء کو اٹلی نے  
جنگی قرضہ میں سے ایک بہت بڑی رقم معاف کر دی گئی۔ ۱۶ اپریل  
سنہ ۲۶ء کو اٹالین علاقہ اریٹرا اور بھی زیادہ وسیع کر دیا گیا اور حبش  
کی بانٹ میں اٹلی کا ساچھا بھی تسلیم کر لیا گیا۔ پھر ۷ اگست  
میں اٹلی اور اسپین کے مابین معائدہ کر لیا گیا اور انگریزی مدبروں  
نے اعلان کیا کہ یہ معائدہ بحر متوسط میں سیاسی توازن کی  
بہترین ضمانت اور فرانس کی گردن دبانے کا عمدہ ذریعہ ہے۔  
پھر ۲۰ دسمبر سنہ ۲۶ء کو جب کہ اٹلی اور فرانس کے تعلقات  
نہایت کشیدہ تھے، جرمنی اور اٹلی میں معائدہ پر دستخط ثبت  
کرا دیے گئے۔ یہ معائدہ درحقیقت ہجرومی دفاعی معائدہ ہے  
اور اس نے فرانس کی سلامتی کے لیے شدید خطرہ پیدا کر دیا ہے۔  
اس کے ایک مہینہ بعد ۲۰ جنوری سنہ ۲۷ء کو بحر احمر کے عربی  
سواحل کی تقسیم ہوئی اور اٹلی نے جو کچھ مانگا، انگلستان نے  
بخوشی دیدیا“

”اٹلی کی یہ خوشامد، محض موسولینی کی سیاہ آنکھوں کے  
لیے نہیں ہے۔ دراصل انگلستان اسے فرانس کے سر پر اسی طرح  
سوار کرنے کی فکر میں ہے، جس طرح اب سے پہلے جرمنی کو  
مدتوں سوار رکھ چکا ہے۔ انگلستان نے یورپ کی تقریباً تمام چھوٹی  
بڑی سلطنتوں کو پھسلا کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ فرانس کو  
چھوٹ بنا کر الگ کر دیا ہے۔“

اس ایک اقتباس ہی سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات کی  
موجودہ نوعیت معلوم کر لی جاسکتی ہے اور اندازہ ہو سکتا ہے کہ  
اس وقت تک کہ سیاست کس طرف جاوے گی۔



عورتوں کی انجمن نے اس تجویز پر درہم اعتراض کیے ہیں : ایک یہ کہ اس معاملہ پر غور کرنے وقت عورتوں سے رائے نہیں لی گئی - دوسرے یہ کہ فرانسیسی عورت اب تک اپنے سیاسی حقوق سے محروم ہے - چنانچہ آئے مجالس حکومت ، بلدیہ ، اور مجلس ضلع وغیرہ نمائندہ مجلسوں میں انتخاب کا حق نہیں دیا گیا ہے -

عورتوں کی مشہور زعمیہ میڈم میزمر نے اخبارات میں احتجاجی مضمون شائع کیا ہے - وہ لکھتی ہے :

فرانسیسی عورت ، وطن مقدس کی خدمت سے جی نہیں چراتی - لیکن جبکہ آئے مردوں کے برابر حقوق دینے سے انکار کیا جاتا ہے تو اس پر مردوں سے زیادہ بوجھ ڈالنا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے ؟ فرانسیسی عورت اگر آرزو کرے کہ خدمت انجام نہ بھی دے ، جب بھی اسکی یہ خدمت کیا کم ہے کہ وہ وطن کے لیے مجاہد پیدا کرتی ہے ؟ اسکی یہی ایک خدمت اور اس خدمت کی شدید تکلیفیں آئے مردوں کے ہم پلہ کر دیتی ہیں - پھر فوجی خدمت کا ایک نیا بوجھ اس کے سر پر ڈال کر اس کے مصائب میں کیوں اضافہ کیا جاتا ہے ؟

نیز یہی خاتون لکھتی ہے :

”عورتوں سے فوجی خدمت لیکر حکومت فرانس ، ملک کو ساری دنیا میں بدنام کرنا چاہتی ہے - اس وقت جبکہ تمام سلطنتیں جنگی طیارے کم کرنے پر غور کر رہی ہیں ، ہماری حکومت ایک نئی طیارے کا اضافہ کرنے پر تلی ہوئی ہے - حکومت کی یہ تجویز لندن اور ہینگ کے معاہدوں کے بالکل خلاف ہے - ہم ہوگو قبول نہیں کر سکتے کہ ہمارا ملک فوجی چھاؤنی بن جائے“

( عورتوں کے سیاسی حقوق )

حکومت فرانس کی اس تجویز نے عورتوں میں اپنے حقوق حاصل کرنے کا ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا ہے - انہوں نے باضابطہ کرکشن شروع کر دی ہے - تمام سیاسی پارٹیاں سے انہوں نے درخواست کی ہے کہ حق انتخاب ہمیں بھی دیا جائے ، ورنہ ہم تمام ملک میں شرش برپا کر دیں گے -

فرانس کی عورتوں کا سب سے بڑا استدلال دوسرے ملکوں کی حالت سے ہے - وہ کہتی ہیں ، دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں عورتوں کو حق انتخاب حاصل ہو گیا ہے - پھر ایک اکیلے فرانس کی عورتیں اس سے کیوں محروم ہیں ؟ حالانکہ سب سے پہلے فرانس ہی نے جمہوریت کا علم بلند کیا تھا -

عورتوں کی یہ حجت قوی ہے - کیونکہ واقعی اکثر متمدن ملکوں میں عورتوں کو انتخاب میں شرکت کا حق حاصل ہو گیا ہے - چنانچہ ڈنمارک میں یہ حق سنہ ۱۹۱۵ء میں حاصل ہوا - روس میں سنہ ۱۹۱۷ء میں - پولینڈ ، یوکرین ، استونیا ، لٹونیا ، ایرلینڈ اور برطانیہ میں سنہ ۱۹۱۸ء میں - برطانوی قانون کے الفاظ یہ ہیں ”تمام سیاسی حقوق ہر اس عورت کو حاصل ہیں جو تیس سال کی عمر رکھتی ہے ، شادی شدہ ہے ، یا اپنے نام سے کرایہ مکان ادا کرتی ہے ، یا یونیورسٹی کی سند رکھتی ہے“ ”سربین“ ناروے ، آسٹریا ، زیکوسلاویا ، ہنگری ، اور جرمنی کی عورتوں کو یہ حق سنہ ۱۹۱۹ء میں حاصل ہوا - اہل بلجیم ، ٹرنسوال ، آسٹریلیا ، نیوزی لینڈ ، اور ولایت متحدہ امریکا کو سنہ ۱۹۲۰ء میں -

ظاہر ہے اس صورت میں فرانس کی عورتوں اپنی محرومی پر کدنگ صدکہ سکتا ہے ۔

یہ بات نہیں ہے کہ انگلستان کی نیش زنی کے مقابلہ میں فرانس خالی بیٹھا شکست کھاتا رہا ہو - اس سیاسی جنگ میں وہ بھی اپنی تمام قوت و قابلیت صرف کر رہا ہے - بلاشبہ اس وقت یورپ میں اسے بڑی حد تک شکست اٹھانی پڑی ہے - لیکن اسے اس شکست کا بدلہ انگلستان سے مشرق قریب و بعید میں لے لیا ہے - ترکی کی طرفداری کر کے اس نے برطانیہ کو سخت نقصان پہنچایا ہے - اور اب چین میں بھی برطانیہ سے مختلف روش اختیار کر کے اسے ایسی زک دی ہے کہ مدتوں نہ بھولے گا -

مسیو بریاں وزیر خارجہ نے حال ہی میں مسئلہ چین پر ایک طویل تقریر کی ہے - ان کے یہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں :

”چین کا مسئلہ اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس نے ”بعض“ سلطنتوں کو بری طرح بد حواس کر ڈالا ہے - مگر اس بارے میں فرانس نے ایک بالکل صاف اور ٹھوس مسلک قرار دے لیا ہے - وہ مسلک یہ ہے کہ ہم چینی انقلاب کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کریں گے - چینی قوم پرست اچھی طرح دیکھ چکے ہیں کہ فرانس ان کا کیسا قدردان اور مداح ہے - یہی وجہ ہے کہ فرانس کے جملہ حقوق چین میں بالکل محفوظ ہیں - حالانکہ ”بعض“ دوسری سلطنتوں کو اپنے حقوق بچانے کے لیے فوجیں بھیجنا پڑی ہیں - ہم چین کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری طرف سے اس کے لیے نہ تو جنگ کا خطرہ ہے ، نہ ہم اس کی راہ میں کوئی رزوا اٹکانا چاہتے ہیں“

( فرانس میں شاہی )

اس وقت فرانس میں سخت اندرونی خلفشار موجود ہے - قوم تین بڑے گروہوں میں بت گئی ہے - ایک جماعت موجودہ جمہوری نظام کی حامی ہے اور یہی سب سے بڑی جماعت ہے - دوسری جماعت اشتراکیوں کی ہے - وہ چاہتی ہے اشتراکی نظام قائم ہو جائے - تیسری شاہ پسند ہے اور شاہی کا اٹا ہوا تخت پھر از سر نو بچھانا چاہتی ہے -

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ انقلاب کے بعد سے اس وقت تک کوئی زمانہ بھی فرانس پر ایسا نہیں گذرا کہ شاہ پسند جماعت موجود نہ رہی ہو - دیوک دی اورلیان کا خاندان برابر تخت شاہی کا دعوے دار رہا - آجکل شاہ پسندوں میں پھر حرکت پیدا ہوئی ہے اور انہوں نے بڑی سرگرمی سے اپنی دعاوی شروع کر دی ہے - گزشتہ ہفتہ کونٹ دی بلوا نے اخبارات میں ایک پر زور مضمون شائع کیا ہے اور اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بالشویک خطرے کے استیصال اور یورپ کی تمام مشکلات کے حل کی حقیقی صورت یہی ہے کہ فرانس کی موجودہ جمہوریت توڑ دی جائے اور شاہی حکومت قائم ہو - کونٹ نے تخت شاہی کیلئے دیوک دی گیز کا نام بھی پیش کیا ہے جو قدیم خاندان شاہی کا ایک بڑا رکن اور فی الحال بادشاہی کا دعویدار ہے -

( عورتوں کی فوجی بھرتی )

فرانسیسی حکومت بہت بڑے پیمانہ پر جنگی طیارے کر رہی ہے - حال میں اسے ایک مسودہ قانون پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا ہے - اس سے مقصد فرانسیسی عورتوں کو فوجی خدمت پر مجبور کرنا ہے - اس تجویز نے تمام ملک میں بیچینی پیدا کر دی ہے - عورتوں میں ناراضی عام ہے اور مردوں کی بھی بہت سی انجمنیں دھم کا اظہار کر رہی ہیں ۔



توہین

دکتر ہیگو کی تقریر اپنے لڑکے کی حمایت میں

”محترم جج اور حیرری! ایک رقت اسپین میں محاکم تفتیش  
تے، اور رھی ”قانون“ تے... بہت خراب - لیکن مجھے یہ کہنے  
دیجیے کہ جو ہر لٹاک سزائیں یہ محاکم تفتیش دیا کرتے تے، اُن  
سزاؤں کا احترام قانون کا احترام نہیں تھا - ایک زمانہ میں ہاتھ

”جب“ روبرو کر لیں“ نے ایک قانون کے متعلق خود پارلیمنٹ میں،  
گلا پھانسی کر دیا تھا ”اگر تم یہ قانون بنائے ہو تو میں قسم کھا کر کہتا  
ہوں کہ میں اسے توڑ دوں گا“ تو کیا یہ کہہ کر اس نے قانون کی  
توہین کی تھی ؟

سے انصاف کا حساب مانگتا ہے۔ ہوں گہلگہ نہ سہی ۳۵ - منٹ -  
جانب ۳۵ - منٹ - اب تو آپ کو کوئی شکایت باقی نہیں؟ ہاں ۳۵  
منٹ کی خوفناک کشمکش کے بعد... اُس منظر سے جس کا کوئی  
نام نہیں... اُس عذاب سے — تمام آدمیوں کا عذاب — آپ اچھی  
طرح سننے لگیں؟... پوری قوم کے عذاب سے۔ گلوٹیں کے عذاب  
سے۔ اس وحشیانہ عذاب سے جس کی مدت 'پوری ایک صدی  
سے بھی زیادہ طویل ہوگئی تھی' بد قسمت قیدی کو رہائی دی  
گئی اور وہ قید خانے پہنچا دیا گیا۔ اُس وقت قوم نے اطمینان کی  
سانس لی۔ اُس وقت قوم نے — اُس قوم نے جس کے پاس  
اب تک انسانیت کا کچھ بچا ہوا ہے — اُس قوم نے جو رحم دل ہے  
کیونکہ وہ محسوس کرتی ہے کہ وہ خود مختار اور حاکم ہے — ہاں  
اُس قوم نے خیال کیا کہ قیدی کی گلوٹیں خالص ہوگئی۔

"لیکن نہیں، گلوٹیں خالص؟ ہرگز نہیں! بلاشبہ گلوٹیں کو اُس  
وقت شکست ہوئی۔ لیکن وہ بدستور سر بلند کھڑی رہی!"

اُسی وقت نہیں، وہ ہر روز سر بلند کھڑی ہے۔ تمام انسانوں کی  
آنکھوں کے سامنے، اُن کی مرضی کے خلاف، کھڑی ہے!

"پھر کیا ہوا؟ شام کو جلاہ قیدی پر ٹوٹ پڑے۔ اُسے رسیوں  
اور زنجیروں سے اس طرح باندھا کہ ایک بے حس و حرکت  
لش بن گیا۔ اندھیرے میں اُسے میدان میں لٹا لایا۔ وہ  
اب بھی چلتا تھا۔ روتا تھا۔ خدا کو پکارتا تھا۔ اپنے ماں باپ کو  
پکارتا تھا۔ زندگی کی دعائیں مانگتا تھا۔ مگر؟ مگر اُس کا حلقہ بند  
کر دیا گیا۔ اُسے گلوٹیں پر چڑھا دیا گیا۔ آہ... اُس کے بعد؟ ایک  
خونچکلی سر زمین پر پڑا تھا! اُس وقت انسانیت، فرط تاثر سے تھرا  
اُٹھی۔ قوم کے بطن میں رعشہ پڑ گیا۔ کیونکہ قانون کے نام پر کبھی  
کوئی قتل، اس قتل سے زیادہ مکرور اور کڈیلہ نہیں ہوا تھا۔ اُس  
وقت ہر انسان نے عمیق تاثر کے ساتھ محسوس کیا کہ وحشت  
و بربریت نے انسانیت کی پوری توہین اور نیکی کی پوری تذلیل  
کی ہے!"

"میں اُس وقت ایک مرد خدا، ایک نوجوان، اپنے دل کی  
گہرائیوں سے چلا اُٹھا۔ یہ چیخ اُس کی روح کی چیخ تھی۔ شفقت  
کی چیخ، رنجِ عالم کی چیخ، رعب و ہیبت کی چیخ۔ وہ چیخ جو  
انسانیت کے بے چین ہوکر بلند کی تھی۔ لیکن یہ چیخ تمہاری  
نظر میں جرم ہے، اور تم اُس پر سزا دینے کی طیارل کر رہے ہو!"

"یہ تمام واقعات سنکر، یہ تمام جاں گسل تفصیلات سن کر اے  
حضرات! آپ بادب گلوٹیں سے کہیں گے "تو حق پڑے" اور پھر پوری  
چوڑا کر رہے، مقدس رحم سے کہیں گے "تو مجرم ہے!"

"لیکن نہیں اے حضرات! یہ ناممکن ہے۔ میں کہتا ہوں  
نا ممکن ہے۔"

"مختوم سرکاری وکیل! میں بغیر کسی تلخی کے کہتا ہوں  
کہ تم کسی حق کی مدافعت نہیں کر رہے ہو۔ تم غلطی پر ہو۔ تم  
مدافعت کی روح سے برسرِ پیکار ہو۔ تم ترقی کے اخلاق سے دست  
بکریں ہو۔ قلبِ انسانی تمہارا دشمن ہے۔ ضمیر انسانی تمہارا  
حریف ہے۔ وہ تمام اصول و مبادی تمہارے مقابلے میں صف بستہ  
ہیں جن کے سایہ میں ساتھ برس سے فرانس ترقی کر رہا ہے۔  
انچھوڑنے والے دنیا کو وحشت سے نکال کر متمدن دنیا بنا دیا ہے۔ ان  
تمام اصول و مبادی کا لب لباب اور نچوڑ یہ ہے کہ انسانی  
زندگی کی حرمت، غیر تعلیم یافتہ طبقہ پر برادری، شفقت، مذہب

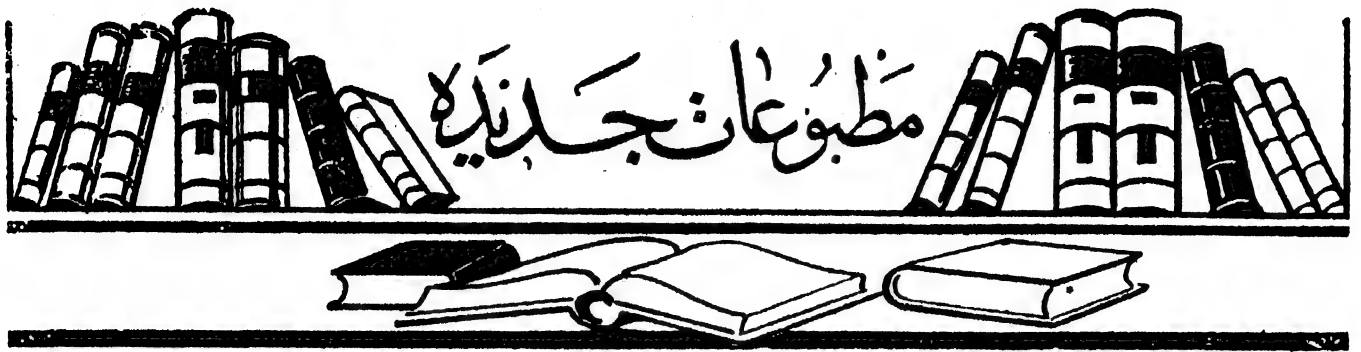
"یہ علمِ مقول، یہ علمِ فلسفہ، یہ تمام شرفاء، جہوں نے اس  
طرح کی باتیں کہیں، کیا قانون کی توہین کرنے والے تھے؟ وہ قانون  
جو ہمیشہ قانون اور مقامی ہوتا ہے؟ میں نہیں جانتا، سرکاری وکیل  
کا جواب کیا ہوگا؟ ممکن ہے وہ کہے "ہاں توہین کرنے والے تھے"  
لیکن میں؟ تو میں بھی کہتا کہ یہ لوگ، بازگشت تھے اُس قانون  
کی، جس سے بڑا کوئی قانون کبھی موجود نہیں ہوا، یعنی  
"انسانی ضمیر" کی بازگشت۔ کیا ان لوگوں نے اپنے وقت کی  
عدالت کو بے حرمت کیا، وہ عدالت جو تغیر پذیر اور غیر معصوم  
ہے؟ ہرگز نہیں۔ وہ تو ابدی عدالت کے طلب گار تھے!

"حضرات! قانون کی نکتہ چینی کا حق، سخت سے سخت  
نکتہ چینی کا حق، خصوصاً تعزیری قوانین کی نکتہ چینی کا حق،  
وہ قوانین جو ہمارے اخلاق میں وحشت کی تغیر و تزی کرتے ہیں،  
ہمارا مقدس فرض ہے۔ اصلاح کے فرض کے پہلو میں یہ فرض ایک  
نور ہے جو ہمیں صراطِ مستقیم دکھاتا ہے۔ یہ حق جس طرح مقول  
کو حاصل ہے، اُسی طرح انشاء پر داز کو بھی حاصل ہے۔ یہ حق  
ازلی اور ابدی ہے۔ آپ اس کا ضرور اعتراف کریں گے اور منبروں کو یقیناً  
بری کر دیں گے۔"

"لیکن سرکاری وکیل کہتا ہے (اور یہ اُسکی دوسری دلیل ہے)  
کہ اخبار کی نکتہ چینی، ضرورت سے زیادہ تھی۔ سخت تھی۔  
لیکن اے حضرات! ذرا قربت سے معاملے پر نظر ڈالیں۔ ذرا اس  
نام نہاد جرم کو غور سے دیکھیں! اخبار کا یہ ہولناک گناہ روز روشن  
میں دیکھیں!"

"کیا؟... ایک شخص... اُسے موت کا فتویٰ سنا دیا  
گیا... بدلتیپ آدمی... ایک دن نور کے توڑے اُسے میدان  
عام میں کھینچ لے گئے... گلوٹیں... مہذب گلوٹیں، اُسے اپنی  
آنکھوں سے قائم دیکھی... پھر؟... اُس کے خون نے جوش  
مارا... اُس نے مقاومت کر لی چاہی... اُس نے مرنے سے انکار  
کیا... آہ! یا الہی! میں حرب جانتا ہوں۔ مجھے فوراً کہا جائیگا  
"وہ قاتل تھا" لیکن گہر... سنو... سنو... اُسے دو جلاہوں  
نے اُٹھالیا۔ اُس کے دونوں ہاتھ بندھے تھے۔ اُس کے دونوں پاؤں  
بھی بندھے تھے۔ لیکن اُس نے جدوجہد کی۔ اُس نے اپنے دونوں  
بندھے ہوئے پاؤں، گلوٹیں میں ڈال دیے۔ پھنسا دیے۔ اُسے  
گلوٹیں کے خلاف، خود گلوٹیں کو استعمال کیا۔ جدوجہد جاری  
رہی۔ قوم نے یہ منظر مشاہدہ کیا تو اُس پر خوف چھا گیا۔  
جلاہوں نے سخت محنت کی۔ اپری سے چوٹی تک کا زور لگا دیا۔  
اُنکی جدوجہد وحشیانہ تھی، سنگ دلانہ تھی۔ اُن کی پیشانی  
عرق آلود اور شرم سے تاریک ہو رہی تھی۔ اُن کا رنگ فق ہو رہا تھا۔  
وہ تھکن سے ہانپ رہے تھے۔ مایوس تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا، کس  
خوفناک خیال نے انہیں مایوس کر دیا تھا؟

بے شک قوتِ قانون کے ہاتھ زہنی چاہیے۔ یہ ہشام ہے۔ یہ  
اصل اصول ہے۔ لیکن؟ لیکن یہ کہ بد نصیب قیدی، گلوٹیں  
سے لپٹ گیا تھا۔ روزِ موعود کی اللہائیں کوڑا تھا۔ مگر؟ مگر  
یہ کہ اُس نے کپڑے اتار ڈالے گئے۔ اُس کا جسم نکلا کر دیا گیا۔ اُس  
کے شانہ پر سے خون کے فوارے اڑنے لگے... مگر اُس کی جدوجہد  
جاری رہی۔ آخر میں کہنے کے بعد۔ ہاں میں کہنے کے بعد (پہاں  
پر سرکاری وکیل نے ہاتھ کے اشارے سے "وقت کی تحدید کو غلط  
بتایا۔ وکیل ہیکو نے قہر جاری رکھتے ہوئے کہا:) سرکاری وکیل ہم



## شخصی آزادی

مختلف سیاسی مذاہب کی نظر میں

پہلا مذہب یکقلم مٹرک و مہجور سمجھا جاتا تھا، لیکن اٹلی نے فیشتی سیزم نے پھر اسے زندہ کر دیا ہے۔

ہم اس مجموعہ سے پہلے ایک مقالہ دوسرے مذہب کی تائید میں (جو رقت کا عام اور معمول بہ مذہب ہے) حذف و اضافہ کے بعد نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد تیسرے مذہب کے مرید افکار و مباحث نقل کریں گے تاکہ قارئین الہلال اس اہم موضوع کے تمام اطراف پر نظر ڈال سکیں۔

شخصی آزادی کے معنی کیا ہیں؟ لوگوں کو اس کے شرح و بیان میں سخت ٹوکریں لگی ہیں۔ شخصی آزادی کا مفہوم عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ہر فرد اپنی ہر طلب بے رک ٹوک پروری کر سکے۔ اس غلط فہمی کا بڑا سبب، حکام کا طرز عمل ہے۔ مطلق العنانی اور ذاتی مفاد کے مقابلے میں رعایا کے فوائد سے بے پروائی؛ انہوں نے اپنا شعار بنا لیا۔ اس غلو کا نتیجہ یہ نکلا کہ محکوموں میں بھی غلو پیدا ہو گیا۔ انتہائی استبداد کے مقابلے میں انتہائی آزادی کا مطالبہ شروع ہوا۔ اور اس طرح شخصی آزادی کا صحیح مفہوم بدل گیا۔

اس غلو نے بالآخر یہ اصول پیدا کیا کہ ”حکومت اور آزادی یک جا جمع نہیں ہو سکتی“ اس اصول کے ماننے والوں کا استدلال یہ ہے کہ حکومت سے مقصود ملک میں ایسے حاکم اعلیٰ کا وجود ہے، جسکی اطاعت تمام افراد کے لیے ضروری ہو۔ وہ قانون بنائے، قانون کی پابندی پر مجبور کرے، مخالفین کو سزائیں دے، محصور لگائے، رعایا کی مرضی کے خلاف اعلان جنگ کر دے، اور قتل و خونریزی کا بازار گرم ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں، اس صورت میں کسی فرد کی شخصی آزادی محفوظ نہیں رہ سکتی۔

(مذہب استقلال فردی)

اس اصول کے قائل ہر قسم کی حکومت کے خلاف ہیں۔ ان کے خیال میں حکومت کی موجودگی افراد کو انکی کامل آزادی سے محروم کر دیتی ہے۔ وہ کہتے ہیں، ہر فرد کو اپنی خواہشیں

مردانگی کی منزل ہے۔ یعنی عدل و انصاف کیلئے جنگ۔ حقیقت کیلئے جنگ۔ عظیم بن جا! بلند ہو جا! تو کیا ہے؟ عقل انسانی اور حقیقی جمہوریت کا ایک معمولی سپاہی! تو آج اس جگہ بیٹھا ہے جس پر تجھ سے پہلے ”برانچیہ“ بیٹھا چکا ہے۔ تو ”لاموئیہ“ کی کرسی پر بیٹھا ہے۔ اپنے عقائد میں کمزور نہ ہو۔ یہ تجھ سے میرے آخری لفظ ہیں۔ یہ میری وصیت ہے، بشرطیکہ تجمع وصیت کی ضرورت ہو۔ غور کر، تو اس وقت ”لڑارک“ کی جگہ بیٹھا ہے۔ آہ میری مسرت! میرے لوگ کو کیسی عزت ملی ہے!...

”میں کہہ چکا...“

حال میں مندرجہ صدر موضوع ”الحرية الشخصية“ پر ایک نہایت مفید اور دلچسپ مجموعہ مقالات مصر میں شائع ہوا ہے جس کے مقالہ نگاروں نے کوشش کی ہے کہ اس باب میں جس قدر مختلف نقطہ ہائے نظر اور سیاسی مذاہب موجود ہیں، انہیں صحیح بیان کے ساتھ واضح کر دیا جائے۔ ”شخصی آزادی“ کے باب میں اگرچہ بے شمار افکار و آراء موجود ہیں، لیکن اہم اور اصولی مذاہب تین ہیں:

(۱) ”مذہب تقید علی الاطلاق“ یعنی وہ مذہب جو کامل شہیت اور شاہی استبداد کے اعتراف کا نتیجہ ہے، اور جو کہتا ہے کہ کسی فرد واحد کو اپنے مالکوں اور آقاؤں کے خلاف مطالبہ آزادی کا حق ہی نہیں ہے۔

(۲) ”مذہب استقلال مفید و مشروط“ جو اس وقت عملاً تمام ان ممالک کی ہئیت اجتماعیہ کا مذہب ہے، جو دستوری یا جمہوری حکومت کے طریقوں پر عامل ہو چکے ہیں۔ اس مذہب کے معتقدین شخصی آزادی کا مطالبہ ہر فرد کا فطری حق قرار دیتے ہیں، مگر ساتھ ہی جماعت، قوم، اور نظم کے مشترک مقاصد کی بالا تری بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے اعتقاد میں ہر فرد کو آزاد ہونا چاہیے، لیکن اسی حد تک، جس حد تک جماعت، قوم، اور حاکمانہ نظام کا مزاج مراقبت کرے۔

(۳) ”مذہب استقلال فردی علی الاطلاق“ جو فرد کے حقوق آزادی کو اصل قرار دیکر ہیئت اجتماعیہ کا تمام نظام اس کے مطابق رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے معتقدین ان تمام قیود اور شرائط کے اعتراف سے انکار کرتے ہیں جو کسی حال میں بھی فرد کی انفرادی آزادی کے خلاف ہوں۔

اصلاح جو مذہب انتقام کی جگہ قائم ہو گیا ہے۔ تمہاری دشمن ہر وہ چیز ہے جو عقل کو روشنی بخشتی ہے۔ ہر وہ چیز جو روح کو ابھارتی ہے: یعنی دین اور فلسفہ۔ ایک طرف سے (حضرت) مسیم (علیہ السلام) اور دوسری طرف سے رائیر!

”حضرات! اب میں اپنا بیان ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اے میرے فرزند! میری آنکھ کے نور! میرے جگر کے تکرے! ہاں اے میری جان! میں تجھ کو مخاطب کرتا ہوں۔ تجھے کوجر معجزوں کے گھرے میں کھڑا ہے! آج تو شرافت و عزت کی ایک عظیم منزل طے کر رہا ہے۔ خدا نے تجھے محبت کی نظر سے دیکھا اور اس لائق بنایا کہ تو حق کیلئے جنگ کرے۔ مقدس حق کے لیے غم کھائے۔ تو آج اس منزل میں قدم رکھ رہا ہے، جو ہمارے زمانے میں حقیقی



قسم کی بھی مداخلت کرے۔ آنکے خیال میں افراد کو اپنے بچوں کی تعلیم پر مجبور کرنا، زراعت کے خاص طریقے جاری کرنے، کارخانوں کے لیے قواعد قرار دینا، مزدوری کی شرح مقرر کرنا، یہ اور اس قسم کے دوسرے کام، حکومت کے لیے نازا ہیں۔ وہ کہتے ہیں حکومت کو صرف وہ کام کرنے چاہئیں جن سے افراد کی شخصی آزادی محفوظ رہے۔ مثلاً اسے فوج مرتب کرنا، قلعہ بنانا، اور جنگی بیڑے طیار کرنے چاہئیں، تاکہ دوسری قومیں ملک کی آزادی پر حملہ نہ کرسکیں۔ اسی طرح پولیس اور دیوانی اور فرجداري عدالتیں وغیرہ رکھنا بھی جائز ہے تاکہ افراد کے حقوق محفوظ رہیں۔ اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ حکومت پر کوئی پابندی عاید نہیں کرتا۔ اس کے خیال میں حکومت کو وہ تمام کام کرنے چاہئیں جن سے افراد یا جماعت کی بھلائی متصور ہو۔

### ( وطنی اور آئینی آزادی )

علم سیاست میں ”استقلال فردی“ اور ”مشروط آزادی“ کے علاوہ ایک قسم ”وطنی آزادی“ کی بھی ہے۔ اس سے مقصود قوم کی خود مختاری ہے۔ جب کوئی قوم اپنی خود مختاری حاصل کر لیتی ہے تو کہا جاتا ہے، ”اسنے“ ”وطنی آزادی“ پائی۔

آزادی کی ایک چوتھی قسم بھی ہے اور اسے سیاست کی اصطلاح میں ”دستوری آزادی“ کہتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ قوم پر ایک ایسی حکومت قائم ہو جسے خود قوم ہی نے منتخب کیا ہو، اور وہ قوم کے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ ہو، جیسی کہ ولایات متحدہ امریکا، فرانس، اور انگلستان وغیرہ کی حکومتیں ہیں۔

### ( سلطنت اور حکومت )

یہاں یہ جاننا بھی مناسب ہے کہ سلطنت (اسٹیٹ) اور حکومت (گورنمنٹ) میں کیا فرق ہے؟ سلطنت سے مقصود یہ ہے کہ کسی محدود خطہ میں انسانی افراد کی کوئی جماعت آباد ہو اور اس پر کوئی حکمران قوت موجود ہو، عام اس سے کہ حکمران قوت اکثریت کے ہاتھ میں ہو، یا اقلیت کے ہاتھ میں، یا فرد واحد کے ہاتھ میں۔ یہ قوت باقی تمام لوگوں پر غالب و حاکم ہو۔ لہذا سلطنت کے موجود ہونے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں: حکم اور اطاعت۔ جہاں کہیں حکم کرنے والی قوت اور اطاعت کرنے والی جماعت موجود ہو، کہا جائیگا کہ سلطنت موجود ہے۔ یا یوں سمجھو کہ سلطنت، حاکم اور محکوم کے مجموعہ کا نام ہے۔ وہی حکومت تیرے اس شخص یا جماعت کا نام ہے جسکے ہاتھ میں حکمران قوت ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ”مشروط آزادی“ (اور یہی شہری آزادی ہے) کی حفاظت کا ذمہ حکومت کے سر ہے۔ لیکن اگر حکومت کسی مستبد اور ظالم شخص کے ہاتھ میں ہوگی تو وہ اپنی مرضی کے مطابق افراد کی آزادی اور حقوق پر دست درازی کر سکتا ہے۔ دستوری حکومتوں میں استبداد کا اتنا خطرہ نہیں ہے۔ لیکن ان میں بھی شخصی آزادی کی ضمانت یکساں نہیں ہوتی۔ اس ضمانت کا تعلق براہ راست، دستور حکومت سے ہوتا ہے۔ جن ملکوں کا دستور حکومت زیادہ مستحکم ہوتا اور مشکل سے بدلا جا سکتا ہے، وہاں شخصی آزادی سب سے زیادہ محفوظ رہتی ہے۔ یہ اس لیے کہ اگر دستور حکومت آسانی سے بدلا جا سکتا ہے تو شخصی آزادی پر بھی آسانی کے ساتھ دست درازی کی جا سکتی ہے۔

پوری کرنے میں کامل آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ کسی کو بھی کسی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کا حق نہیں ہے۔ یہ آزادی در حقیقت مذهب استقلال، فرنی یا مذهب عقد اجتماعی (سوشل کنٹریکٹ) کے ماننے والوں کی آزادی ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ حکومت کے وجود سے پہلے افراد کو کامل آزادی میسر تھی۔ پھر انہوں نے حاکم اعلیٰ کو اپنی آزادی کا کچھ حصہ اس شرط پر دیدیا کہ وہ اس کے معاوضہ میں آنکے حقوق کی حفاظت و حمایت کرے۔ یہ خیال در اصل سترہویں اور اٹھارویں صدی کے بادشاہوں کے قہر و استبداد کی وجہ سے پیدا ہوا۔ سیاست اس زمانہ کے علماء نے کہا ”حاکم کی قوت و اختیار ذاتی و طبعی نہیں ہے بلکہ رعایا کی بخشی ہوئی ہے“

غور و بحث کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ آزادی صرف اسی شخص کو حاصل ہوسکتی ہے جس کے متعلق فرض کر لیا جائے کہ اسے ایسی غیر محدود قوت و قدرت حاصل ہوگئی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی ہر خواہش بے رک ٹوک پوری کرسکتا ہے۔ اس آزادی کے دلدادہ کہتے ہیں کہ ہر فرد کو حق ہے کہ اپنی تمام خواہشیں جس وقت اور جس طرح چاہے پوری کرے۔ اس آزادی کا تصور ایسی حالت میں مرکز نہیں ہوسکتا جب کہ ایک ہی غرض کے حصول کے لیے متعدد افراد کہتے ہوں۔ ہر شخص اسے صرف اپنے ہی لئے لینا چاہے۔ ظاہر ہے، ایسی صورت میں یہ خیالی آزادی قائم نہیں رہ سکتی۔ ضرور تصادم ہوگا۔ زیادہ طاقتور غالب آئیگا۔ کمزور مغلوب و معزوم رہینگے، اور ان کی آزادی سلب ہو جائیگی۔

### ( مشروط آزادی )

فرد کو زیادہ سے زیادہ اننی آزادی مل سکتی ہے کہ وہ اپنے تمام افعال میں آزاد ہو جب تک کہ دوسروں کی آزادی اس کی آزادی کی وجہ سے خطرے میں نہ پڑے۔ فرانس کے انقلابیوں نے بھی اپنے سنہ ۱۸۷۹ ع کے اعلان میں آزادی کی یہی تعریف کی تھی: ”آزادی ایک قوت ہے جس سے انسان اپنی ہر خواہش پوری کرسکتا ہے بشرطیکہ اس کی خواہش دوسروں کے لیے نقصان دہ نہ ہو“ ہر برٹ اسپنسر نے بھی آزادی کی تعریف یہ کی ہے ”ہر شخص آزاد ہے، جو چاہے کرے، بشرطیکہ اپنے فعل سے دوسروں کی آزادی پر دست درازی نہ کرے“

یہ جائز آزادی ہے اور حکومت کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے۔ بلکہ بغیر حکومت کے اسکا وجود مشکل ہے۔ یہ آزادی اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس کی پشت پناہی پر ایک حاکمانہ نظام موجود ہو۔ اس آزادی کی اولین شرط یہ ہے کہ دوسروں کی آزادی اور حقوق پر دست درازی نہ ہونے پائے۔ لہذا ایک بالا تر قوت کا وجود لازمی ہے جو ہر فرد کے حقوق معین کر دے، ان کی حفاظت و حمایت کی ذمہ دار بن جائے، اور ہر قسم کی زیادتی روک سکے۔ پس جائز شخصی آزادی، نظام حکومت ہی کے ذریعہ پائی جا سکتی ہے۔ اس آزادی کو سیاسی اصطلاح میں ”شہری آزادی“ کے نام سے پکارتے ہیں۔

اس تفصیل سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ حکومت کا اہم ترین فرض، شخصی آزادی کی ضمانت ہے۔ لیکن اس بارے میں بھی علماء سیاست کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ حکومت کا فرض صرف اسی قدر ہے کہ افراد کی شخصی آزادی کی دور سے حفاظت کرے مگر خود اس میں دخل نہ دے۔ چنانچہ وہ حکومت کے لیے جائز نہیں سمجھتے کہ افراد کے ذاتی معاملات میں کسی



اور حکومت کا اقتدار اختیار معدود کر کے سلطنت کی ترقی و تقدم رکھتا ہے۔ برخلاف اس کے دوسرا مذہب ' افراد اور سلطنت کو ایک ہی جسم قرار دیتا ہے اور اس طرح اسے نفع پہنچاتا ہے۔ اس مذہب کی رز سے فرد کو جماعت یا قوم کے فائدے کے لیے شخصی نقصان گوارا کر لینا چاہئے۔ جیسا کہ ہاتھ ' سر یا دل کی حفاظت کے لئے اپنا وجود خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔

اگر افراد اس مذہب پر ایمان لے آئیں ' تو حاکم کے ان تمام قوانین کی بغوشی اطاعت کرینگے ' جن سے اگرچہ شخصی طور پر انہیں نقصان پہنچ سکتا ہے مگر وہ جماعت کے لئے مفید ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھینگے کہ قانون ' عام فائدہ کے لئے ہے ' نہ کہ شخصی فائدہ کے لئے ' اور یہ کہ عام مصلحت کے مقابلے میں شخصی مصلحت فنا ہو جانی چاہئے۔

لیکن اگر مذہب " استقلال فردی " تسلیم کر لیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حاکمانہ قوت کا احترام جاتا رہے گا اور سلطنت کی ترقی رک جائیگی۔ پھر جب سلطنت کمزور ہو جائیگی تو لازمی طور پر فرد بھی کمزور ہو جائیگا۔ کمزور سلطنتوں کی یہی حالت دنیا مشاہدہ کر رہی ہے۔ وہ نہ تو خود خوش نصیب ہیں ' نہ ان میں افراد ہی کو خوش نصیبی میسر ہے۔ موجودہ علماء سیاست کا خیال ہے کہ تاریخ کے تجربے اور رز مرہ کے مشاہدے ہمیں معجز کرے ہیں کہ " مذہب عضوی " قبول کریں اور دنیا میں اس کی اشاعت کریں۔

یہ نا ممکن ہے کہ دنیا میں کوئی جماعت ایسی موجود ہو سکے جسکی بنیاد مذہب استقلال فردی پر ہو۔ جماعتوں کی کامیابی و ترقی کے لیے لازمی ہے کہ اُسکے تمام افراد ' مذہب عضوی کے ماننے والے ہوں ' مجموع میں جذب ہو جائیں ' اور عموم کی مصلحت کے سامنے اپنی شخصیت بھول جائیں۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے انسانی جماعتیں ( سیاسی ہوں یا اجتماعی ) ترقی کر سکتی ہیں۔ کوئی انسانی جماعت ' انانیت کو اپنا اصول قرار دے کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ یہ نا ممکن ہے کہ تمام افراد کے اغراض اور خواہشیں بالکل متفق و متحد ہو جائیں۔ یہی باعث ہے کہ جن ملکوں میں حکومت سے بے اعتمادی ' مذہب انانیت یا استقلال فردی کے طرف عام میلان پیدا کر رہی ہے ' وہاں کوئی بھی مشترک عمل کامیاب نہیں ہوتا۔ کتنی ہی انجمنیں قائم ہوتی ہیں ' شروع شروع میں بڑا جوش و خروش دکھایا جاتا ہے ' لیکن پھر بہت جلد کارکنوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے اور پوری تحریک ختم ہو جاتی ہے۔

مشرق اس بیماری کا بڑی طرح شکار ہوا ہے۔ اُسکی وطنیت و قومیت فنا ہو گئی ہے ' عام مصالح ضائع ہو گئے ہیں ' اور جماعتی تحریکوں کی کامیابی کی بہت کم مثالیں نظر آتی ہیں۔ مشرق کو یہ مہلک مرض در حقیقت مستبد بادشاہوں کی وجہ سے لاحق ہوا۔ یہ بادشاہ صدیوں تک مشرقی قوموں پر مسلط رہے ہیں ' اور اپنے ذاتی اغراض کے لیے جماعتی مصالح برباد کرتے آئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نسلوں کے تجربہ و مشاہدہ کے بعد مشرقی اقوام کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ قومی وحدت بیکار ہے ' اور مصلحت عام کے لیے سعی لا حاصل ہے۔ ہوتے ہوتے اب اُنکی حالت یہ ہو گئی ہے کہ وطنیت ' قومیت ' عام مصلحت ' جماعت ' وغیرہ الفاظ کے لیے ان کے دلوں میں کوئی کشش پیدا ہی نہیں ہوتی۔

سب سے زیادہ مشکل تبدیلی امریکا کے دستور حکومت کی ہے۔ اس تبدیلی کے لیے ضروری ہے کہ ملک کی دو ثلث آبادی کی منظوری لی جائے۔ یعنی مجلس حکومت کے دو ثلث ممبروں کی رضامندی ضروری ہے۔ لیکن دوسرے ممالک مثلاً انگلستان میں دستور کی تبدیلی اتنی مشکل نہیں ہے۔ وہاں پارلیمنٹ کو اختیار ہے ' جب چاہے ' تہذیبی سی اکثریت پیدا کر کے بدل ڈالے۔

بنا بریں امریکا کا نظام حکومت دنیا کے تمام ملکوں کے موجود نظام حکومت سے زیادہ بہتر اور شخصی آزادی کے لیے زیادہ ضمانت رکھنے والا سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس ملک میں جتنی شہری آزادی موجود ہے ' اتنی رز زمین پر کسی دوسرے ملک میں موجود نہیں۔ البتہ روس کا نیا انقلاب اس سے مستثنیٰ ہے۔

( حکومت اور افراد )

حکومت کو افراد پر کس قسم کا اقتدار حاصل ہونا چاہیے ؟ اس کے سمجھنے کے لیے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ فرد اور سلطنت یا قوم کے درمیان کیا تعلق ہے ؟

" مذہب استقلال فردی " کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ سلطنت یا قوم میں فرد ' مستقل مرکزی حیثیت رکھتا ہے ' اور یہ کہ تمام افراد نے باہم معاہدہ کر کے اپنے نئیں اس شرط پر حاکم کے حوالہ کر دیا ہے کہ وہ ان کی شخصی آزادی کی حفاظت کرے اور دوسرے افراد کی دست درازیاں کرے۔ لہذا حکومت کا اقتدار اختیار صرف اسی دائرے میں محدود ہے۔ یعنی زیادتی کا رکنا۔ اٹھارویں صدی کے علماء سیاست میں اس مذہب نے بہت مقبولیت حاصل کی تھی ' مگر بعد میں عملاً متروک ہو گیا۔

علماء سیاست کا ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فرد اور سلطنت کا باہمی تعلق ایک مضبوط طبعی تعلق ہے۔ یہ تعلق ویسا ہی ہے ' جیسا مختلف اعضاء کا جسم سے ہوتا ہے۔ جس طرح ہاتھ جسم سے کٹ کر باقی نہیں رہ سکتا ' اسی طرح فرد ' سلطنت یا قوم سے علیحدہ ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس گروہ کا خیال ہے کہ سلطنت اُس وقت سے موجود ہے ' جب سے انسان کی جماعتی زندگی کا آغاز ہوا ہے۔ شروع میں جب انسان ابتدائی وحشت کی حالت میں تھا ' تو اُس وقت سلطنت بھی بالکل ابتدائی حالت میں تھی۔ اُس زمانہ میں قبیلہ ہی سلطنت تھی۔ کیونکہ سلطنت کی یہ تعریف کہ " حاکم اور محکوم موجود ہوں " قبیلے پر بھی صادق آتی تھی غرضکہ اس گروہ کا مذہب یہ ہے کہ فرد اور سلطنت میں ہرگز تفریق نہیں ہو سکتی۔ اس مذہب کا نام " مذہب عضوی " ہے۔ اس مذہب کے بموجب سلطنت میں زندہ جسم کی طرح لگا تار نمونہ ہوتا رہتا ہے۔ یہی دائمی نمونہ ' نظام اجتماعی کی ترقی کا باعث حقیقی ہے۔

اس تمثیل سے مقصود یہ نہیں ہے کہ سلطنت ہر اعتبار سے زندہ جسم کے مشابہ ہے۔ کیونکہ سلطنت کا نمونہ ' اضطراری اور غیر اختیاری نہیں ہے۔ یعنی اُس کی ترقی میں افراد کے ارادے کو دخل ہے۔ افراد ہی اپنے ارادے سے اُسے ترقی دیتے اور اُسے بڑھاتے ہیں۔ برخلاف اس کے حیوانی و نباتی اجسام کے نمونہ میں اختیار و ارادہ دخل نہیں رکھتا۔ وہ اضطراری و طبعی طور پر موجود ہوتا اور برابر جاری رہتا ہے۔

اس مذہب نے مذہب " استقلال فردی " کو کافی نقصان پہنچایا ہے۔ کیونکہ آخر الذکر ' فرد کو سلطنت سے الگ حیثیت دیتا



کت (ملا بار) پہنچتا ہے، مگر رھاں کی آب و ہوا راس نہیں آتی، اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد دکن پہنچ کر سلاطین عادل شاہی کا مہمان ہوتا ہے۔ یہاں عرصہ تک مقیم رہتا ہے، لیکن اُس کے بعد پھر طرح طرح کے تغیرات و حوادث پیش آتے ہیں۔ یہاں تک کہ بالآخر یہ نسخہ سنہ ۱۷۹۹ء میں ایک فرانسیسی کے ہاتھ لگتا ہے اور اب پیرس کے قومی کتب خانے میں محفوظ ہے!

کتاب عراق میں پیدا ہوئی، رے میں لکھی گئی، غزنی میں مقیم ہوئی، غزنی سے مصر پہنچی، مصر سے یمن، یمن سے ملا بار، ملا بار سے بیجا پور، بیجا پور سے پانڈی چری، پانڈی چری سے ایشیا اور یورپ کے تمام بری اور بحری فاصلے طے کر کے پیرس دار الحکومت فرانس میں!

بہ ہیں تفارت رہ از کجاست تا بکجا؟

(ہندوستان کا گذشتہ دور علم)

اس سلسلہ میں ہندوستان کا پچھلا دور علم خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ یہ ملک عربی و اسلامی تمدن کے تمام بڑے بڑے مرکزوں سے بعید و مہجور تھا۔ دمشق، بغداد، قاہرہ، اندلس، خوارزم، شیراز، رے، اصفہان، یمن، وغیرہ ممالک، عربی و اسلامی تمدن کے وقتاً فوقتاً مرکز رہے، لیکن ہندوستان ان میں سے کسی ملک سے بھی متصل اور قریب نہ تھا۔ تاہم ہندوستان میں وقتاً فوقتاً علوم عربیہ و اسلامیہ کے جیسے جیسے عظیم الشان ذخیرے جمع ہوئے، اور عربی علوم کے اصولی نسخوں اور امہات نقل و کتابت کا جیسا قیمتی سرمایہ فراہم ہوا، وہ کسی طرح بھی اسلامی تمدن کے مرکزی مقامات سے کمتر قرار نہیں دیا جاسکتا، اور ہندوستان کے امراء و علماء کی علمی قدر دانیوں اور علمی مساعی کی حیثیت انگیز شہادت بہم پہنچاتا ہے۔ گذشتہ نو صدیوں کے اندر بے شمار ملکی انقلابات پیش آئے۔ ہر انقلاب میں علم و تمدن کا پچھلا ذخیرہ برباد ہوا، اور نئے ذخیروں کی از سر نو بنیادیں پڑیں۔ خصوصاً سترھویں صدی کے اوائل سے لیکر گذشتہ ۵۷ ع کی انقلابی بریادیں تک کا زمانہ تو علمی ذخائر کی تباہیوں کا ایک مسلسل دور تھا۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ جوئیہ، مالو، دکن، دہلی، آگرہ، لکھنؤ، اور مرشد آباد میں نو سو برس کے اسلامی تمدن نے جس قدر ذخائر علم جمع کیے تھے، ان کا در تہائی حصہ یکدم برباد ہو گیا، اور ایک تہائی حصہ جو باقی رہا، اُس کا بھی بڑا حصہ منتشر ہو کر یا تو یورپ پہنچ گیا، یا گمзам اور مجہول گوشوں میں ناپید ہو گیا۔ با ایں ہمہ آج بھی ہندوستان کی فراہم شدہ کتابوں کا جس قدر سراغ خود ملک کے اندر یا ملک سے باہر لگ سکتا ہے، اُس سے ہم اس کی عظمت و کثرت کا رُوق کے ساتھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ عربی و اسلامی علوم و فنون کی کرمی شاخ بھی ایسی نہیں ہے جس کی امہات کتب کے اصولی نسخے (یعنی وہ نسخے جو یا تو مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے، یا ائمہ فن کے توسر و مطالعہ میں رہ چکے تھے اور اس لیے نقل لینے کے لیے زیادہ مستند سمجھے جاتے تھے، یا اسی طرح کی کڑی اُڑ اہمیت رکھتے تھے) ہندوستان نہ پہنچے ہوں، اور نہ صرف سلاطین و امراء کے کتب خانوں میں، بلکہ ایک ایک قصبہ اور قریہ کے اندر ان کی بڑی تعداد موجود نہ ہو۔ قرآن مجید، صحاح ستہ، معالج و مہسانید، تفاسیر و شروح، امہات اصول و فقہ، تاریخ و علوم کے وہ نسخے جو سلاسل علم کے ائمہ و اکابر نے حجاز، عراق، مصر،



## صحیح بخاری کا ایک تاریخی نسخہ

(مجدد الدین فیروز آبادی اور دولت رسولیہ)

انسان کی طرح کتابوں کی بھی زندگی ہے۔ جس طرح انسان پر پیدائش و موت، اقامت و سفر، غربت و ہجرت، اور عروج و زوال کے حوادث و ایام گزرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح کے حوادث و ایام سے فکر انسانی کی ان کاغذی مخلوقات کی تاریخ بھی مرتب ہوتی ہے۔ ایک شخص دنیا کے کسی خاص حصے میں پیدا ہوتا ہے، لیکن سیلاب حوادث اچانک اُسے دنیا کے ایک دور دراز حصے میں پہنچا دیتے ہیں جس کا اُسے کبھی وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔ یہی حال دنیا کی مشہور و معروف کتابوں اور اُن کے تاریخی نسخوں کا بھی ہے۔ سینکڑوں ہزاروں کتابیں اور اُن کے نسخے آج دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہیں۔ اگر اُن کی تاریخی حیات پر نظر ڈالی جائے، تو انقلاب و حوادث عالم کی ایک عجیب و غریب داستان نمایاں ہو جائیگی۔ نہیں معلوم انتقال اور تغیر کی کیسی کیسی منزلوں سے گزرنے کے بعد، وہ اپنے مولد و منشاء کی جگہ، ان مقامات میں آج پناہ گزیں ہو سکے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ایک کتاب اب سے ایک ہزار برس پہلے دنیا کے کسی ایک گوشہ میں پیدا ہوئی ہو، اور آج دس صدیوں کے اُن انقلابات و تغیرات کے بعد حن سے بے شمار ملکوں اور قوموں کی موت و حیات اور عروج و زوال کی داستانیں وابستہ ہیں، دنیا کے ایک دوسرے انتہائی گوشہ میں پہنچ گئی ہو!

(ایک نسخہ کی سوانح حیات)

شیخ ابو اسماعیل ازہدی نے دسویں صدی ہجری کے وسط میں فتوح الشام کی روایت جمع کیں۔ صاحب ابن عباد نے چوتھی صدی ہجری میں اپنے خزانہ کتب کے لیے اُس کا نسخہ ابن فارس امام لفقہ و عربیہ کی زیر نگرانی و تصحیح لکھوایا۔ پانچویں صدی میں یہ نسخہ نہیں معلوم حوادث و تغیرات کی کتنی منزلیں طے کر کے غزنی پہنچا، اور سلاطین غزنویہ کی مواہیر اُس پر ثبت ہوئیں۔ پھر غزنی سے نکل کر دشت غربت و مہاجرت کی نفی نئی منزلیں طے کیں، اور تمام بلاد ایران و عراق طے کر کے مصر جا پہنچا، چنانچہ ساتویں صدی کے اواخر میں شیخ ابو یعلیٰ مصری کا دستخط اُس پر ثبت ہوا، اور نصف صدی تک اسی سرزمین میں مقیم رہا۔ پھر اُس کے بعد یہی نسخہ یمن پہنچتا ہے، اور کتب خانہ شاہی کی مہر اس پر ثبت ہوتی ہے۔ نیز بعض سلاطین یمن اسی نسخے پر اس کی قرأت و درس کی اجازت اپنے شیوخ سے لواتے ہیں۔ پھر یمن سے یہ نسخہ نکلتا ہے، اور کالی

سنہ ۹۷۰ میں دکن پہنچا اور دکن سے ایک شائق علم شیخ محمد یوسف نامی نے حاصل کیا۔

(جامع صحیح بخاری نسخہ رسولي)

آج ہم صحیح بخاری کے نسخہ رسولي کے آخری صفحہ کا عکس مع مختصر تشریحات کے شائع کرتے ہیں۔ یہ نسخہ مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب رئیس دہلی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس نسخہ کی تاریخی نوعیت حسب ذیل ہے:

(۱) اصل نسخہ بغداد میں لکھا گیا ہے اور وہاں درس و املاء میں رہ چکا ہے۔

(۲) بغداد سے شام پہنچا اور متعدد علماء و حفاظ حدیث نے املاء و درس کے وقت اسکی تصحیح کی اور جابجا بین السطور اور حواشی میں اختلاف رائے و نسخ کی نسبت فوائد و منہیات کا اضافہ کیا۔

(۳) شام سے یہ نسخہ غالباً مصر پہنچا اور خاندان رسولي نے امراء مقیمین قاہرہ کے ہاتھ لگا۔ جب وہ یمن پر قابض ہوئے تو ان کے ساتھ یمن پہنچکر شاہی کتب خانہ میں داخل ہوا۔

(۴) جب شیخ مجدد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس یمن پہنچے اور سلطان ملک الاشرف رسولي نے ان سے صحیح بخاری کی اجازت حاصل کرنی چاہی تو اسی نسخہ پر درس و املاء کا سلسلہ جاری ہوا اور اتمام درس کے بعد شیخ موصوف نے اپنے قلم سے ملک الاشرف کے لیے سند و اجازت کی سطور تحریر کر دیں۔

چنانچہ کتاب کے آخر میں شیخ مجدد الدین کے قلم سے حسب ذیل عبارت مرقوم ہے:

”..... سماعاً علی لجمع صحیح مولانا و مولانا و خلیفۃ اللہ فی عصرنا“ السلطان بن السلطان بن السلطان“ المالک الملک الاشرف“ مہمد الدینا و الدین“ اسماعیل بن العباس بن علی بن داؤد“ خلد اللہ

سلطانہ“ و رشید بعدلہ قراءۃ الدین و ارکانہ“ فی بضع و ثلاثین مجلساً من شہر رمضان“ سری المجلسین الاخرین فی شوال“ من عام تسعة و تسعین و سبع مائة“ و اجزیت رزایتہ و رزایتہ سائر ما یعوز لی و عنی رزایتہ بشرطہ۔ قالہ و کتبہ أملتجی الی حرم اللہ تعالیٰ محمد بن ابی محمد بن محمد بن ابراہیم الفیروز آبادی

خوارزم“ بلاد فارس“ اور مغرب و اندلس میں لکے تے یا انکی تصحیح کی تھی“ نہ صرف دہلی و آگرہ کے شاہی کتب خانوں میں بلکہ جواہرور اور اردہ کے قریوں تک میں موجود تے۔ یا قوت مستعصمی کے لکے ہوئے مصاحف“ رے اور شیراز کے مجمع قراء و حفاظ کے مصححہ قرآن“ حفاظ حدیث کے لکے ہوئے یا املاء شدہ مجامیع حدیث“ حافظ ابن صلاح اور نور بن جیسے اکابر حدیث کے دستخطی صحیحین“ حافظ ابو العجاج مزی اور امام ذہبی کی

مصححہ صحاح ستہ“ حافظ ابن حجر اور انکے معاصرین کی خود نوشتہ مصنفات“ آگرہ اور دہلی میں اسی طرح ملتی تھیں“ جس طرح بغداد اور قاہرہ میں مل سکتی تھیں!

(پانچ نسخے)

ہندوستان کے مختلف گوشوں میں اب بھی اس پچھلے درز عالم کے نشان قدم باقی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ عدم و فن کے ان ذخائر کی کثرت و عظمت کا کیا حال ہوگا جو اتنی بربادیوں کے بعد بھی بے نام و نشان نہ ہو سکے؟

ہم چاہتے ہیں اس سلسلہ میں بعض تاریخی نسخوں کا ذکر کریں۔ بالفعل پانچ نسخوں کی تاریخ پیش نظر ہے۔ یہ رہ نسخے ہیں جن میں سے کسی کی زندگی پانچ صدیوں سے کم نہیں ہے اور جن پر انقلاب و حرارت ایم کے بڑے بڑے درز گزر چکے ہیں:

(۱) جامع صحیح بخاری کا نسخہ رسولي مصححہ و درسیہ شیخ مجدد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس و سفر السعادة۔

(۲) صحیح مسام کا نصف اخیر مصححہ حافظ ابن الصلاح صاحب مقدمہ۔ و درسیہ حفاظ مدرسہ اشرفیہ قاہرہ۔

(۳) کتاب زاد الرفاق صلاح الدین الایرودی (المتوفی سنہ ۵۵۷ھ) مصححہ مصنف جس پر قاضی الغاضل یعنی قاضی عبدالرحیم بن علی وزیر سلطان صلاح الدین ایوبی کا دستخط ثبت ہے۔

(۴) تاریخ مکہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجزری۔ مصححہ شمس الدین یوسف سبط ابن الجزری۔

(۵) مقامات حریری کا نسخہ غرناطہ جو امیر ناصر الدین



## ( یمن کے سلاطین رسولی )

یمن کے خاندان رسولی کا تذکرہ عام تاریخوں میں بہت کم ملتا ہے۔ اس لیے لوگ ان کے ناموں سے آشنا نہیں۔ اس نسخہ کی تاریخ حیات کی ترمیم کے لیے ضروری ہے کہ مختصراً اس کا ذکر کر دیا جائے۔

یمن میں ساتویں صدی ہجری کے اوائل سے لیکر تقریباً نوں صدی کے درمیانی عہد تک ایک خاص خاندان کے افراد کی حکومت رہی ہے جو ”رسولی“ کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ لوگ اصلاً ترکمان تھے اور ترکمانوں کے قبیلہ ”میجک“ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن جب اتفاقاتِ وقت نے یمن جیسے خالص عربی ملک کا حکمران بنا دیا، تو ضرورت ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح اپنا سلسلہ نسب عرب سلاطین و امراء سے ملا دیں۔ چنانچہ ظاہر کیا گیا کہ ان کے مورث اعلیٰ جبکہ بن اہم غسانی کی نسل سے ہیں جو حضرة عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں مسلمان ہو کر پھر مسیحی ہو گیا تھا، اور قسطنطنیہ چلا گیا تھا۔ الحاقِ نسب کی صورت یہ اختیار کی گئی کہ جبکہ عرصہ تک رزم میں مقیم رہا۔ اس نے اگرچہ مسیحی مذہب اختیار کر لیا تھا، لیکن اس کا قلب مطمئن نہ تھا۔ مرتے وقت اس نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ بلاں رزم سے نکل کر اسلامی ممالک میں جائیں اور مسلمان ہو کر زندگی بسر کریں۔ وہ ترکمانوں کے قبائل میں آ کر مقیم ہو گئے۔ اور اس طرح ان کی عربیت، ترکمانیت سے مبدل ہو گئی!

اس خاندان کا پہلا فرد جو تاریخ میں نمایاں ہوتا ہے، محمد بن ہارون بن یوحی رستم ہے۔ خلفاء عباسیہ کے زمانے میں یہ عراق آیا اور تھوڑے عرصہ کے اندر عزت و قبولیت حاصل کر لی۔ اس زمانے میں حکومت بغداد کو ایک سفیر رسولی کی ضرورت تھی جو مصر و شام میں احکامِ خلافت کا مبلغ ہو۔ خلیفہ نے محمد بن ہارون کا اس غرض سے انتخاب کیا، اور اس طرح یہ خاندان پہلے عراق سے شام میں، اور پھر شام سے مصر میں منتقل ہو گیا۔ بغداد کی سفارت و رکالت کی بنا پر محمد بن ہارون ”رسول“ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ یہ تلقب اس قدر مشہور ہوا کہ آگے چل کر پورا خاندان ”رسول“ کی نسبت سے پکارا جانے لگا۔

مصر میں جب ایوبیوں کی حکومت قائم ہوئی، تو یمن اس وقت مصر کے زیر اثر تھا۔ انہوں نے وہاں کی ولایت کیلئے توران شاہ بن ایوب کو بھیجا، اور اسے ساتھ خاندان رسولی کو بھی روانہ کر دیا، کیونکہ مصر میں انکی موجودگی سیاسی مصالح کے خلاف تھی۔ عرصہ تک یہ خاندان یمن میں امراء و اشراف کی زندگی بسر کرتا رہا۔ لیکن ساتویں صدی کے اوائل میں جب ملک ظاہر بیبرس مصر میں حکمران ہوا، تو یمن میں ایسے تغیرات و حوادث پیش آئے کہ اس خاندان کو امارت سے نکل کر ریاست و فرمانروائی کی تخت نشینی کا مرقعہ مل گیا، اور کچھ عرصہ کی کشمکش و تنازع کے بعد حکومت مصر نے بھی اس کا استقلال تسلیم کر لیا۔ اس خاندان کا پہلا حکمران ملک المنصور نور الدین عمر بن علی بن رسول تھا۔ یہ سنہ ۶۲۸ھ میں مسند نشین ہوا، اور سنہ ۶۴۷ھ میں اپنے غلاموں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یمن کے علاوہ حجاز و حرمین کی حراست و خدمت بھی مصر سے نکل کر اسی حکمران خاندان کے قبضہ میں آ گئی تھی۔

## ( ملک الاشرف )

اسی سلسلہ حکومت کا ساتواں فرمانروا ملک الاشرف اسماعیل بن عباس بن علی بن داؤد رسولی تھا، جسکا اس نسخہ کی تحریر میں ذکر ہے، اور جس کے کتب خانہ سے یہ نسخہ نکل کر کسی طرح ہندوستان پہنچ گیا ہے۔

ملک الاشرف ۶۲۱ھ - شعبان سنہ ۷۷۸ھ میں مسند نشین ہوا، اور سنہ ۸۰۳ھ میں انتقال کیا۔ شیخ شرف الدین بن ابی بکر المقری نے مرثیہ لکھا تھا، جسکے اشعار حافظ ابن حجر نے نقل کیے ہیں:

ہو الدھر کرت بالخطوب کنائبہ  
رغضت بانایاب حداد نوائبہ

تمام مورخین بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ اس خاندان کے تمام سلاطین اہل علم و فضل تھے، اور علم و فضل کی قدر شناسی میں اپنا عدیل نہیں رکھتے تھے۔ اس خاندان کا پہلا فرمانروا جس نے حکومت مصر کی نیابت سے ترقی کر کے استقلال و فرمانروائی کی حیثیت حاصل کر لی، سلطان نور الدین تھا۔ الخوزجی صاحب عقود اللوہیہ (جس کا ذکر آگے آتا ہے) لکھتا ہے کہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی مشغولیت یہ تھی کہ اطرافِ عالم سے اہل علم و فضل کو یمن و حجاز میں جمع کرے، اور مدارس و مساجد سے اپنی مملکت معمر کر دے۔ مکہ معظمہ، تعز، عدن، زبید، رادی، سہام، اور تہامہ کے ایک ایک قصبہ میں اس نے مدرسے اور مسجدیں تعمیر کیں۔ مکہ معظمہ کا مدرسہ اس عہد کے تمام مدارس حجاز پر فوقیت رکھتا تھا۔ زبید میں تین مدرسے الگ الگ تعمیر کیے۔ مدرسہ شافعیہ، مدرسہ حنفیہ، اور دارالحدیث۔ ان سب کے لیے اوقاف و محاصل تھے جن سے مدرسین و طلباء کو وظائف دیے جاتے تھے۔ (جلد اول: ۸۴) ملک المظفر جو اس سلسلہ کا دوسرا فرمانروا ہے، وہ نہ صرف علوم کا قدر شناس اور مدارس و جوامع کا بانی تھا، بلکہ خود بھی صاحب علم و فضل تھا۔ تفسیر، حدیث، اور طب میں اس کی مصنفات کا حافظ ابن حجر عسقلانی اور قاضی شوکانی نے ذکر کیا ہے۔ الخوزجی لکھتا ہے کہ حدیث کی تمام امہات کتب اس نے اپنے قام سے لکھی تھیں۔ ان کی تعداد و ضخامت دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حکومت کی آلودگیوں کے ساتھ علم و کتابت کے لیے اتنا وقت کیونکر نکل سکا؟ اس کے علمی شوق کا یہ حال تھا کہ امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر جب اس کی نظر سے گزری تو بعض حصے ناقص اور تشنہ محسوس ہوئے۔ اس وقت قاہرہ میں تاج الدین بن بنت الاءز قاضی القضاۃ تھے۔ انہیں لکھا کہ تفسیر کے مصححہ نسخے بھیج دیں۔ انہوں نے چار نسخے بھیجے۔ لیکن ان سب کا بھی یہی حال تھا۔ اس پر خیال ہوا کہ خود مصنف کے نام کا لکھا ہوا مسودہ دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ ایک سفارت یمن سے ہرات بھیجی گئی۔ اس نے امام موصوف کے قام سے لکھا ہوا اعلیٰ نسخہ بصرف کثیر حاصل کیا۔ خود سلطان موصوف کی یہ عبارت خوزجی نے نقل کی ہے ”میں نے جب یہ اعلیٰ نسخہ دیکھا تو میری کارش دور ہو گئی، کیونکہ اس میں وہ تمام مقامات سادہ چھوڑ دیے گئے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا ارادہ نظر ثانی کا تھا جو پورا نہ ہو سکا“ (جلد ۱: ۲۲۸) جن اہل نظر نے تفسیر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے، وہ سلطان موصوف کی صحت نظر و رائے کی تصدیق کریں گے۔



اقامت پر اصرار کیا۔ اُس زمانے میں یمن کے قاضی القضاۃ جمال الدین الریمی شارح التنبیہ کا انتقال ہو گیا تھا اور منصب خالی تھا یہ اس منصب پر مامور ہوئے اور بیس سال تک یمن کے قاضی القضاۃ رہے۔

(نسخہ کی تاریخی توثیق)

خوش قسمتی سے یمن کے خاندان رسولی کی ایک مستقل تاریخ شائع ہو گئی ہے۔ یہ شیخ علی بن الحسن الخرزجی فی العقود اللؤلؤیہ فی تاریخ الدولۃ الرسولیہ ہے جسے دو دو جلدوں میں کب میمریل فنڈ کے امینوں نے قاہرہ میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔ اس کا اصلی نسخہ یمن سے عہد عالمگیری میں 'ہندوستان آیا تھا' اور معتمد خاں عالمگیری کے کتب خانے میں داخل ہوا تھا۔ وہاں سے نکلا اور محمد شاہ کے عہد میں اسکے وزیر قمر الدین خاں مذت کے قبضہ میں آیا۔ قمر الدین خاں کے کتب خانے سے نکل کر وارن ہسٹنگز کے پاس پہنچا۔ اس نے انڈیا آفس کے کتب خانے کی لذر کر دیا۔

اس تاریخ میں سلاطین رسولیہ کے عہد کے واقعات روزنامچہ کی طرح تاریخ وار درج ہیں۔ میں نے اس خیال سے ملک اشرف کے زمانے کے واقعات پر نظر ڈالی کہ شاید اس نسخہ کے درس و املاء کی طرف کوئی اشارہ مل جائے۔ میرا قیاس صحیح نکلا۔ فیروز آبادی نے صحیح بخاری کے درس و املاء کی جن مجالس کا اپنی عبارت میں ذکر کیا ہے، 'تھیک انہی تاریخوں میں اسکا ذکر خرزجی نے بھی کیا ہے۔

سنہ ۷۹۶ء کے واقعات میں لکھتا ہے :

\* ۲۴ رمضان کر یمن میں امام فقیہ علامۃ القاضی الاجل مجد الدین محمد بن یعقوب الشیرازی پہنچے۔ سلطان نے انکا بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ چار ہزار درہم بطور رقم ضیانت کے پہلے ہی دن مرحمت فرمائے۔ اس سے پہلے چار ہزار درہم عدن بھیجے گئے تھے تاکہ عدن سے زبید تک کے مصارف سفر میں مدد دیں۔ شیخ موصوف علم حدیث، 'نحر' لغۃ، تاریخ، اور فقہ میں درجہ مشیخت رکھتے ہیں۔ انکی مصنفات میں سے بخاری کی شرح ہے جو نہایت مشرق اور مفید ہے" (جلد ۲ : ۲۹۵)

پھر سنہ ۷۹۷ء کے وقائع میں لکھتا ہے کہ ۶ - ذی الحجہ کر شیخ مجد الدین قاضی القضاۃ مقرر کیے گئے اور سلطان کا فرمان اس بارے میں شائع ہوا۔ (صفحہ ۲۷۸)

سنہ ۷۹۹ء کے وقائع میں لکھتا ہے :

"رفی شہر رمضان من هذه السنة سمع السلطان صحیح البخاری من حدیث رسول اللہ صلع علی القاضی مجد الدین یومئذ زکان ذا سند عال من طرق شتى" (صفحہ ۲۸۶)

اس تصریح سے عبارت مندرجہ نسخہ کی یومی توثیق ہو گئی۔ معلوم ہو گیا کہ سلطان ملک الاشرف نے فیروز آبادی سے صحیح بخاری کی سند و اجازت حاصل کی تھی، اور وہاں سے املاء و سماع کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ جو نسخہ زیر درس و املاء رہا، اور جس پر سند دی گئی، وہ یہی نسخہ ہے۔ نہیں معلوم اس نسخہ پر ایام و حوادث کے کیسے کیسے تغیرات گزر چکے ہیں؟

اسی خاندان کا تیسرا حکمران الملک البرید تھا جس کی نسبت خرزجی نے تصریح کی ہے کہ اسکی تصنیف مختصر کتاب الجمہرہ علماء عصر میں مقبول و مشہور ہے۔

ملک الاشرف کے باپ ملک الافضل کا ترجمہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے درر کامنہ میں درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں علم و فضل کا قدر شناس تھا اور خود بھی تمام علوم عربیہ و دینیہ میں درجہ رسوخ و نظر رکھتا تھا۔ اسکی مصنفات میں سے یمن کی دو تاریخیں، تاریخ ابن خلکان کا مختصر، اور فن انساب میں بغیۃ ذری الہمم اس درجہ کی کتابیں تھیں، جنکی اہمیت کا تمام اکابر مصر و شام نے اعتراف کیا تھا۔

خود ملک الاشرف کا (جسکے کتب خانہ کا یہ نسخہ ہے اور جس نے اس پر فیروز آبادی سے سند حدیث لی) یہ حال تھا کہ مصر، حجاز، شام، عراق، اور بلاد فارس تک کے علماء کو اسکی قدر شناسیوں نے کھینچ بلایا تھا۔ اس نے بھی اپنے پیشرو کی طرح بلاد یمن و حجاز میں متعدد عظیم الشان عمارتیں درس و ترویج علم کیلئے تعمیر کیں اور بڑے بڑے محاصل انکے مخارج کیلئے وقف کر دیے۔ وہ خود بھی صاحب علم و فضل تھا اور علوم لغۃ و ادب اور فقہ و حدیث کا ہمیشہ اشتغال رکھتا تھا۔ اس کی علمی قدر دانیوں کا اندازہ کرنے کے لیئے صرف وہی معاملات کفایت کرتے ہیں جو اس میں اور فیروز آبادی میں پیش آتے رہے۔ عربی لغۃ کی سب سے زیادہ مقبول و متداول کتاب القاموس اسی کی قدر دانیوں نے فیروز آبادی سے لکھوائی تھی۔ چنانچہ قاموس کے دیباچہ میں مصنف اس خاندان کے مدح کرتے ہوئے لکھتا ہے :

مولی ملوک الارض، من فی وجہ  
مقباس نور ایما مقباس

(مجدد الدین فیروز آبادی)

مجدد الدین فیروز آبادی ان اکابر علم میں سے تھے جنہیں سلاطین وقت کی فیاضیوں نے صف علم کی طرح صف امارت میں بھی ممتاز کر دیا تھا۔ ان کا سنہ ولادت ۷۲۹ھ ہے اور تاریخ وفات ۸۱۷ھ - ۸۱۷ھ گزررن میں پیدا ہوئے، شیراز میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اور عراق اور مصر و شام کے ائمہ علوم سے تکمیل کی۔ ان کے اساتذہ میں وقت کے تمام ائمہ علم مثلاً شیخ تقی الدین سبکی، ابن مظفر النابلسی، حافظ علائی، ابن نباتہ، عز الدین ابی جماعۃ وغیرہم کے نام نظر آتے ہیں۔ امام ابن قیم بھی ان کے اساتذہ میں ہیں۔ یہ انہی کے فیض تلمذ کا نتیجہ تھا کہ اگرچہ ان کی ابتدائی نشرو نما فقہاء شافعیہ کے زیر اثر ہوئی، لیکن تقلید کی بندشوں سے آزاد ہو گئے، اور اصحاب تحقیق و اجتہاد کا ذوق و مشرب پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ان کی کتاب سفر السعاده اور الاسعاد فی رتبة الاجتہاد میں اس ذوق کی جھلک صاف نمایاں ہے۔ اس عہد کے سلاطین میں کوئی پادشاہ ایسا نہیں ہے جس نے ان کی قدر دانی نہ کی ہو۔ شاہ منصور بن شجاع صاحب تبریز، ملک الاشرف صاحب یمن، بایزید یلدزم، تیمور صاحب قران، احمد بن اربس صاحب بغداد، ناصر الدین محمد شاہ دہلی، ان سب کے درباروں میں وہ پہنچے اور انعام و اکرام سے مالا مال ہوئے۔ سنہ ۷۹۶ھ میں ہندوستان سے واپس جاتے ہوئے سواحل یمن میں اترے اور ملک الاشرف سلطان یمن سے ملاقات ہوئی۔ وہ ان کے فضل و کمال کا غلغلہ پہلے ہی سن چکا تھا۔ یہ موقع غلیصہ تصور کیا، اور یمن کی



# تاریخ و عبر

## تاریخ اسلام کا نفسیاتی مطالعہ

عہد امویہ کا خاتمہ اور عباسیہ کی تاسیس

## تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد سیاسی و دعویٰ و تحرکات

کچھ عرصہ پہلے مرحوم شیخ محضری نے جامعہ معرہ میں تاریخ اسلام پر دو سال تک درس دیا تھا جس کا مجموعہ تاریخ ام اسلامیہ کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اب اس کا ایک نیا ایڈیشن جامعہ نے شائع کیا ہے، جسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے نظر ثانی کر کے کتاب کے متعدد اہم مقامات زیادہ مبسوط اور جامع کر دیے ہیں اور یہ بحث بھی پہلے سے زیادہ مزید اور مسلسل ہو۔ بلاشبہ تاریخ اسلام کے مباحث کی سطح اس سے بہت زیادہ بلند ہوئی ہے۔ چاہے جس قدر اس کتاب میں نظر آ رہی ہو۔ تاہم کتاب کی قدیمیت سے ابتکار نہیں کیا جاسکتا۔ نئے ایڈیشن کے اضافات میں سب سے زیادہ اہم مقام عہد امویہ کے خاتمہ اور عباسیہ کی تاسیس کے دعویٰ و تحرکات ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ چند نکتوں میں شائع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس سے تاریخ اسلام کے مطالعہ میں مزید کادش اور نظر کی راہ باز ہوئی ہو۔

### عباس بن عبدالمطلب

عباس بن عبدالمطلب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ یہ بنی ہاشم کے ایک مفروضہ سردار اور مشہور رہے۔ جاہلیت میں ابوسفیان مغرب عرب سے ان کی دعوتِ جنت گہری تھی۔ ظہور اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا اخلاص آنی ہو گیا۔ پھر گھبراہٹ، اگرچہ باقاعدہ مسلمان ایک مکتب کے بعد ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سے بڑی قربت و محبت کا سلوک کرتے تھے۔ یہ خلافت عثمانی میں (۸۸ھ) برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

### عبد اللہ بن عباس

عبد اللہ بن عباس، اپنے والد کے منجھلے لڑکے تھے۔ ہجرت سے دو برس پہلے پیدا ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بہت محبت تھی۔ آپ ان کے لئے تفقہ فی القرآن کی دعا کی تھی۔ حضرت عمرؓ ان کی طبیعت، عقل، فصاحت کی وجہ سے انھیں اپنی مشورت کی خاص مجلسوں میں شریک کرتے، اور باوجود کم سنی کے ان سے فتویٰ لیتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے انھیں شام کے کج کامیروں پر مقرر کیا۔ حضرت علیؓ کی خلافت میں وہ ان کے دست راست اور قوت بازو تھے۔ بعد کے صحابہ کی ولایت (گردیزی) بھی انھیں ملی تھی۔ امیر معاویہ کی خلافت میں وہ سیاحات سے الگ ہو کر طاقت میں مقیم ہو گئے اور وہیں منہمک میں انتقال کیا۔

### علی بن عبد اللہ بن عباس

حضرت عبد اللہ بن عباس کی اولاد میں سب سے زیادہ اہمیت، ان کے سب چھوٹے بیٹے، علی، کو حاصل ہے۔ یہ عین اس بن پیدا ہوئے جس دن امیر المومنین علیؓ علیہ السلام پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اسی مناسبت سے ان کا نام، علی رکھا گیا۔ یہ نہایت باوقار، دجیم، فصیح، دلین، ادبی حوصلہ تھے۔ کہا جاتا ہے، اس وقت ان سے زیادہ خوبصورت کوئی عربی مسجد نہ تھا۔ ان کا نہ عبادت بھی بہت مشہور ہو۔ بنی امیہ انھیں مدینہ اور دمشق کے راستہ پر ایک گاؤں "محمیہ جالریہ" میں سلائے تھا۔

یہ وہی ہے اور ان کی تمام اولاد بھی وہیں پیدا ہوئی۔ سلائے میں انھوں نے انتقال کیا۔

### محمد بن علی

علی بن عبد اللہ کے بیٹوں میں محمدؓ نے بہت شہرت حاصل کی۔ کیونکہ وہ ابراہیم، ابو العباس السفاح، اور ابو جعفر منصور کے والد تھے جن سے خلافت عباسی کا آغاز ہوا۔ اسی قدیم سلوک انھوں نے یہ نئی دعوت شروع کی اور اپنے باپ علی بن عبد اللہ کی زندگی میں شروع کی لیکن خود علی کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔

### عباسی خلافت کا تخت

اس جلیل القدر خاندان کے خدات کے بعد اب بن بختا چاہو کہ عباسیوں میں خلافت حاصل کرنے کا خیال کیونکر پیدا ہوا اور اسی خلافت برباد کر کے انھوں نے اپنی شہنشاہی کس طرح قائم کر لی؟ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وفات کے بعد معاملہ خلافت میں جو اختلاف پائے ہوئے، اس کی تفصیلات معلوم دشوار ہیں۔ بالآخر جمہور صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس طرح اس خطرناک اجتلا کا خاتمہ ہو گیا۔

لیکن معلوم ہے کہ ایک جماعت ابتدا سے موجود تھی جو خلافت کا حق بنو ہاشم یعنی خاندان نبوت میں مخصوص دیکھتی تھی۔ اسی جماعت میں حضرت عباسؓ بھی تھے۔ یہ اگرچہ بنو ہاشم میں سب سے زیادہ سن ہو، مگر کوئی شخص بھی انھیں حضرت علیؓ پر ترجیح نہیں دیتا تھا۔ حضرت علیؓ علیہ السلام اپنے تئیں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے خود حضرت فاطمہؓ علیہا السلام کا بھی یہی خیال تھا۔

لیکن بالآخر حضرت علی، حضرت عباس، اور ان کی تمام جماعت نے جس کے فیصلہ پر عمل کیا۔ عہد صدیقی اور عہد صفاری کی دوروں گزر گئے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں خلافت کی بحث نے از سر نو سر اٹھایا، حضرت علیؓ خیال کرتے تھے کہ مجلس شوریٰ کے اکثر اراکان

نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کر کے ان کے ساتھ نا انصافی کی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد میں حضرت عباسؓ کا انتقال ہوا انھوں نے کثیر اولاد چھوڑی، مگر یہ ثابت نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی خلافت حاصل کرنے کا مستحق ہوا ہے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے چھٹے سال ایک جماعت میں خلیفہ پیدا ہوا کہ خلافت، حضرت عثمانؓ سے حضرت علیؓ کو منتقل کر دی جائے اس تحریک کے چند داعی، بڑے بڑے اسلامی مرکزین: کوفہ، بصرہ اور فسطاط (مصر) میں ظاہر ہوئے۔ تحریک کا آغاز اس طرح ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے عامل و حکام کی ذلت شروع کی گئی۔ ان کی برائیاں شہو کی جانے لگیں۔ ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں کو یہ باتیں لکھتے اور پھر سب اپنی جماعت کے لوگوں کو یہ باتیں ان حالات سے مطلع کرتے۔ فتوری ہی مدت کے بعد تمام اسلامی ملکوں میں حضرت عثمانؓ کے ولایت و حکام بنام ہو گئے اور عام شہنشاہ پیدا ہو گئی۔ اس کا سیاسی کے بعد ان لوگوں نے خود خلیفہ کی ذلت شروع کی اور حضرت عثمانؓ پر بہت سے الزام لگائے جن میں بعض صحیح تھے اور بعض بالکل بے بنیاد تھے۔ حضرت عثمانؓ کی نرمی و لطافت اور فتنہ و فساد سے مدد دہم احتیاط نے اس مرتد حال کے کثرت ہمت افراد انصاف پیدا کر دی تھی۔ انھوں نے تینوں اسلامی مرکزوں یعنی کوفہ، بصرہ اور فسطاط کے شورش پسند جمعیوں کے، اور فرادی بن کر دار الخلافہ، مدینہ پر چڑھ ڈالے۔ حضرت عثمانؓ نے غارت درجہ نرمی دکھائی۔ ان کی تمام شکایتیں تسلیم کر لیں، اور مطالبات منظور کر لئے۔ اس پر ظاہر ہوئے رضامندی اور اطمینان کا اظہار کیا اور اپنے اپنے ملکوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

مگر چند دن بعد مصروف حال نے ایک نیا پہلو پیدا۔ مصری وفد جو ش و خضب کی حالت میں راستہ سے واپس واپس آئے۔ اس کے پاس ایک خط تھا جس پر حضرت عثمانؓ کی تحریر تھی اور اس کا مضمون یہ تھا کہ "مصری وفد قتل کر دیا جائے"۔ بیان کیا گیا کہ یہ خط حضرت عثمانؓ نے دلی مصروفیت کے نام پر بھیجا تھا۔ لیکن جب یہ خط پیش ہوا تو حضرت عثمانؓ نے قسم کھا کر کہا کہ ان لوگوں نے یہ خط لکھا ہے اور وہ اس کے لکھنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ انھوں نے یقین کر لیا۔ مگر ساتھ ہی اہل بیت و ان بن الحکم کی شرارت قرا لیا اور اس کے حوالہ کر دینے کا مطالبہ کیا حضرت عثمانؓ نے مردوں کے حوالہ کرنے سے انکار کیا۔ اس پر انھوں نے ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر اس قتل کے مرتکب ہوئے جس سے تاریخ اسلام کی طبیعت اس وقت تک قطعاً نا آشنا تھی۔ بنو حضرت عثمان قتل کر ڈالے گئے۔ یہ پہلی اجتماعی مصیبت تھی جو مسلمانوں سے دنیا میں سرزد ہوئی!

اب خلافت، حضرت علیؓ علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی کہ بنو ہاشم کے بعد قبول کر لیا۔ لیکن آپ کو ایک دن بھی چین نہ ملا۔ نہ نظم و ضبط بکھر چکا تھا۔ سرکشی و طغیان کا مادہ سر اٹھا چکا تھا۔ نزاع و شقاق نے مسلمانوں کا گھر دیکھ لیا تھا۔ مدینہ سے برابر جنگیں لڑا رہیں۔ یہاں تک کہ رمضان منہمک میں شہید ہو گئے۔

آپ کے بعد حضرت امام حسنؓ علیہ السلام کو اہل کوفہ نے خلیفہ بنایا مگر انھوں نے انتہائی دانش مندی اور بے نظیر اتار سے کام لیا کہ جس کی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں ہے، مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں کا خاتمہ کر دیا چلا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اہل عراق بھروسہ کے قابل نہیں ہیں اور ان کے عظیم المرتبہ والد کے لئے ہیش پریشانیوں کا موجب ہے۔ انھوں نے امیر معاویہ سے صلح کر لی، اور خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ منہمک میں آپ نے انتقال کیا۔ امیر معاویہ نے خلافت اپنے (لڑکے) یزید کے

سردکی۔ یہ دینی عہدی کی پہلی بدعت ہو جو زور شریعت منوالی گئی۔ زید کے زمانے میں پھر استری پیدا ہوئی۔ اہل مدینہ نے زید کی مغزنی کا مطالبہ کیا۔ لیکن بڑی طرح کچل ڈالے گئے۔ کوثر نے حضرت حسین علیہ السلام کو دعوت دی۔ مگر عین وقت پر بے وفائی بھی کی اور کربلا کا وہ فاجعہ کبریٰ پیش آیا جس پر آج تک موعظ کا قلم الم کر رہا ہے۔ اسی اثنا میں عبدالعزیز نے اپنی خلافت کا علم بلند کیا، اور مکہ منظر میں تکرار ہو گئے۔

زید کی وفات نے عبدالعزیز بن ابی سلمہ کی قوت بہت بڑھادی، حجاز، مصر، اور عراق زیر نگین ہو گئے۔ لیکن بنو ہاشم نے ان کی بیعت سے انکار کیا۔ چنانچہ محمد بن علی (ابن الحنفیہ) اور عبدالعزیز بن عباس وغیرہ ان سے برابر رنجستہ رہے۔

اسی زمانہ میں ایک خود غرض اور چالاک آدمی، مختار بن ابی عبیدہ اشجعی، عراق میں ظاہر ہوا۔ اہل بیت کی حمایت کا دعویٰ کیا اور امام ہمدی، یعنی محمد بن الحنفیہ کے لئے دعوت شروع کی۔ یہ وہ وقت تھا جب خاندان علی ابن ابی طالب علیہم السلام میں سب سے زیادہ متغیر محمد بن الحنفیہ ہی تھے۔ لیکن مختار کو زیادہ عروج حاصل نہ ہو سکا عبد بن الزبیر نے اپنے بھائی مصعب کی قیادت میں ایک فوج تیار کر کے مقابلہ پر بھیجا اور اسے قتل کر ڈالا۔ مختار مغلوب ہو گیا مگر عراق میں شیعیت (یعنی طرفداران خاندان علی کی جماعت) برابر قائم رہی۔

محمد بن الحنفیہ نے بالآخر عبدالملک بن مروان کی خلافت تسلیم کر لی۔ لیکن شیعیان محمد بن حنفیہ اس کے بعد بھی انہی کو خلافت کا مستحق یقین کرتے رہے اور ان کی بیعت کو مجبوری کی بیعت قرار دیا حتیٰ کہ ان کے انتقال پر ایک گروہ نے اس حد تک غلو کیا کہ اس کی موت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کہا گیا کہ وہ غائب ہو گئے ہیں اور غریب واپس آئیں گے۔ چنانچہ ان کا شاعر اسید الجہری کہتا ہے:

وسبط لا یندق الموت حتیٰ یقود کل یقیدھا اللوار

محمد بن الحنفیہ کی وفات کے بعد ان کی جماعت میں اختلاف پیدا ہوا۔ ایک گروہ انھیں زندہ بنا کر انہی کی حمایت پر قائم رہا۔ ایک گروہ نے ان کے بیٹے ابو ہاشم کی امامت کا اعلان کیا۔ یہ دونوں جماعتیں ”کسیانی“ کہلائی ہیں۔ کسیان، مختار بن ابی عبیدہ کا لقب تھا، ادنیٰ دونوں اسی کی طرف منسوب ہیں۔

لیکن ایک تیسری جماعت نے حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے زین العابدین علی بن حسین کی حمایت شروع کی لیکن خود امام زین العابدین کی نسبت ثابت نہیں کہ انھوں نے کبھی اپنی خلافت کا دعویٰ کیا ہو۔

اس جماعت کا اعتقاد یہ تھا کہ خلافت حضرت علی کے بعد ان کی فاطمی اولاد میں مخصوص ہے۔ اس لئے حضرت حسن کے بعد امام زین العابدین کو حق خلافت پہنچتا ہے، کیونکہ واقعہ کربلا کے بعد اپنے بھائیوں میں حق یہی ایک زندہ بچے تھے۔ یہی جماعت ہو جو آگے چل کر ”امیہ کے لقب سے مشہور ہوئی۔ کیونکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی وصیت کی تھی۔ ان کے بعد امامت حضرت حسن کی طرف منتقل ہوئی۔ پھر حضرت حسن کی طرف، پھر علی بن حسین کی طرف اسی طرح ہر زمانہ میں امت کے لئے ایک مخلص امام کی موجودگی ضرور ہے اور وہ بنی فاطمہ کی ایک معین شخصیت ہے۔

اس وقت خاندان عباس میں سب سے بڑے علی بن عبدالعزیز بن عباس تھے۔ انہی سے عباسیوں نے ظہور کیا۔ یہ حجاز چھوڑ کر مختار نامی مقام میں مقیم ہو گئے تھے۔ انہی کے وقت سے عباسیوں میں خلافت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ

ابو ہاشم بن محمد بن علی (ابن الحنفیہ) اپنی عمر کے آخری دنوں میں علی بن عبدالعزیز کے یہاں حنفیہ میں مقیم تھے۔ وفات کے وقت انھوں نے خلافت کا حق علی بن عبدالعزیز اور ان کی اولاد کو بخش دیا اور اپنے حامیوں کی ان کی نصرت و حمایت کی وصیت کی۔ چنانچہ اس وقت سے شیعوں کا کیسا ہی گروہ علی بن عبدالعزیز بن عباس کا حامی بن گیا۔

لیکن بنی فاطمہ کے طرفدار شیعوں نے اسے تسلیم نہیں کیا، کیونکہ محمد بن الحنفیہ کی امامت کے قائل تھے۔ حضرت امام زین العابدین کی وفات کے بعد ان میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ ان کے ایک گروہ نے محمد الباقر بن زین العابدین (علیہما السلام) کی امامت پر زور دیا۔ باقی لوگوں نے خلافت کو ہر فاطمی کا حق قرار دیا۔ چنانچہ انہی کی ایک جماعت زید بن علی بن حسین کی طرفدار ہو گئی اور ”زیدی“ کہلائی جو آج تک موجود ہے۔

خلافت کے لئے علی حد وجہ شیعوں کی صرف دو جماعتوں نے کی تھی: کسیانی اور زیدی۔ اول الذکر علی بن عبدالعزیز بن عباس کے طرفدار ہو گئے تھے، اور آخر الذکر زید بن علی بن حسین اور ان کے بیٹے کی کے۔

علی بن عبدالعزیز بن عباس اور محمد الباقر بن علی بن حسین، دونوں کی وفات تقریباً ایک ہی وقت میں ہوئی۔ اول الذکر کے حامی کسیانی شیعہ، ان کے بیٹے محمد بن علی کے مددگار بن گئے، اور آخر الذکر کے حامی امیہ شیعوں نے ان کے بیٹے جعفر الصادق (علیہ السلام) کو امام تسلیم کر لیا۔ مگر آخری جماعت نے کوئی عملی اقدام نہیں کیا تھا۔

### داعی ادل

اب خاندان عباس بن عبدالعزیز کے سرگروہ محمد بن علی بن عبد بن عباس تھے۔ یہ بڑے ماعقل اور دُر اندیش تھے۔ انھوں نے خیال کیا کہ سلطنت، ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں چاہے منتقل نہیں کی جاسکتی۔ اس کے لئے عام رائے میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انھوں نے جلد بازی سے پریز کیا، اور سکون و صبر سے دعوت پھیلانے کا سامان مہیا کرنا شروع کیا۔ انھوں نے اپنے حامیوں کو حکم دیا کہ اہل بیت کے لئے خلافت کی دعوت عام کریں مگر اہل بیت میں سے کسی خاص آدمی کا نام نہ لیں، کیونکہ اہل بیت خود کا نام لیا جاتا، اس کی جان خطر میں پڑ جاتی۔ شاینا اہل بیت کا نام شیعہ اہل بیت کی تمام جماعتوں کو متحد کر دیتا تھا، مگر خاندان و شخص کے تعین سے اختلاف و نزاع شروع ہو جاتا۔

انھوں نے انتہائی سیاسی دائرہ بندی سے اپنی دعوت کے لئے خراسان منتخب کیا۔ کوثر چونکہ قدیم سے شیعیان اہل بیت کا صد مقام تھا لہذا اسے مرکز قرار دیا۔

خراسان میں اس دعوت کی کامیابی کے دو سبب ہو سکتے تھے: ایک یہ کہ عجمی مسلمان، شیعہ تخیل کو باسانی سمجھ سکتا تھا، کیونکہ شیعہ تخیل یہ ہے کہ خلافت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں منتقل ہو چکا عجمی مسلمان چونکہ عربی مصیبت اور قرشی قبائل کی منافقت سے متاثر نہ تھا، اس لئے اس کی عقل میں مسئلہ خلافت کا بہترین حل یہی ہو سکتا تھا کہ بغیر کی خلافت، پیغمبر کے خاندان ہی میں ہو، جیسا کہ تمام عجمی شاہی خاندانوں کا دستور تھا کہ پادشاہ کے بعد اس کا وارث اس کا بیٹا ہو کر آتا تھا۔

دوسرے یہ کہ ایران ایک قدیم تمدن اور شاندار تاریخ کا مالک تھا۔ بنی امیہ نے اس ملک سے غلاموں کا سا بڑا ڈکھایا تھا۔ ایرانی عنصر، عربی عنصر کے سامنے بالکل حقیر کر دیا گیا تھا۔ لہذا ایرانیوں کو قدرتی طور پر یہ خواہش تھی کہ موجودہ خلافت ختم ہو، اور ان کی امداد و اعانت سے نئی سلطنت قائم ہو، تاکہ انھیں قوی عزت و

عروج حاصل کرنے کا نیا موقع مل سکے۔

ابن الفقیہ نے ”کتاب البلدان“ میں لکھا ہے کہ جب محمد بن علی بن عبدالعزیز بن عباس اپنے دعاۃ بھیجنے لگے تو ان سے کہا:

”کوثر، علی (علیہ السلام) اور ان کی اولاد کی محبت میں رشتہ ہے۔ بھروسہ، عثمانی ہے اور اس میں ان کا قائل ہے۔ وہ کسا ہو قاتل بنو، مقتول بن جاؤ۔ جزیرہ، گمراہ حروری (خارجی) ہے، وحشی بدوؤں اور نصاریٰ کے اخلاق والے مسلمانوں سے لرزہ ہے۔ شام، آل ابی سفیان کے سوداگروں کو نہیں جانتا۔ بنی مروان کی اطاعت، شدید جہالت، سخت کینہ اس کے غیر میں ہے۔ ربا کہ اور مدینہ تو ان پر ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کا قلب ہے۔ لیکن ہاں خراسان کے دروازے تمھارے سامنے کھلے ہیں۔ وہاں عظیم آبادیاں ہیں، ان کا شجاعت ہے۔ سلیم سینے ہیں۔ خالی دل ہیں، خواہشوں نے انھیں بھڑک نہیں کیا ہے، مناد نے انھیں بھکا ڈال نہیں ہے۔ وہ ایسی فوج ہیں جو توڑا اور توند ہو، بھانچا جم، چوڑے شانے، ادبچے قد، بڑے سرو، داڑھیاں اور مونچھیں، ہولناک نعرے، شاندار زبانی ہیں، مشرق سے نیک فال رکھتا ہوں، جہاں سے دنیا کی شمع طلع ہوگی اور مخلوق کا نور ظاہر ہوتا ہے“

### حنفیہ انجن کا قیام

یہ حنفیہ انجن، علی بن عبدالعزیز بن عباس ہی کی زندگی میں قائم ہوئی یہ زمانہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس کے دوسرے قرار دئے گئے: کوثر اور خراسان۔ کوثر میں علی بن عبدالعزیز کا مقام ہمیشہ مقرر کیا گیا اور خراسان میں محمد بن حنفیہ اور ابو مکرہ سراج بھیجے گئے۔ نیز بارہ داعی یا قیبت منتخب ہوئے۔ ان کے انجن یہ ہیں:

- (۱) سلیمان بن کثیر الخزاعی
- (۲) مالک بن ایشم الخزاعی
- (۳) طلحہ بن ذریق الخزاعی
- (۴) عمر بن امین الخزاعی
- (۵) عیسیٰ بن ہن الخزاعی
- (۶) محلب بن شبیب الہاشمی
- (۷) لاهزن بن قریظ التیمی
- (۸) موسیٰ بن کعب التیمی
- (۹) القاسم بن عباس التیمی

(۱۰) ابو داؤد خالد بن ابراہیم الشیبانی

(۱۱) ابو علی المرثی شبل بن لہمان الحنفی

(۱۲) عمران بن اسماعیل المعطی

ان کے علاوہ ۷۰ آدمی اور مقرر کئے گئے۔ ان کا کام یہ تھا کہ ان بارہ نفیوں کے حکم پر عمل کریں۔ محمد بن علی نے ان سب کے لئے ایک تحریر لکھ دی جو مندرجہ ذیل وصیت اور دستور لعل کے تھی۔

دوسری صدی ہجری کے آغاز سے دعوت شروع ہوئی اور ۱۳۱ھ تک جاری رہی۔ یہی وہ سال ہے جس میں عباسیوں نے کامیابی حاصل کی اور ابو العباس السفاح کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی



پوری قوم ان سے محبت کرتی ہو۔ یہی وجہ ہو کہ انھیں اپنی زندگی کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ وہ بغیر کسی محافظہ کو ساتھ لئے بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔

### پہلی ملاقات

پہلی ملاقات ہی میں سلطان مجھ سے بالکل بے تکلف تھے۔ انھوں نے گفتگو میری مزاج پر ہی سے شروع کی۔ ”راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟“ ”میرے عہدے داروں نے کیسا سلوک کیا؟“ ”کبھی بددعا نے کوئی شرارت تو نہیں کی؟“ اسی قسم کے بہت سے سوال شروع کر دیے۔ میں نے اپنے سفر کی تمام روداد سنا دی۔ جس قدر میری خاطر تواضع ہوئی تھی، شکر یہ کہ ساتھ اس کا بھی ذکر کیا۔ جو کچھ اس امان میں نے شاہد کیا تھا، اس کی طرف بھی اشارہ کیا۔ چوری، قزاقی، اور جرائم کی عدم موجودگی پر عجب کا اظہار کیا۔

### سلطان کی گفتگو

میری خاموشی کے بعد سلطان نے کہا:

”الحمد للہ ہمارے ملک میں ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب ہو۔ تمام نجدی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ فقہ اسلامی میں ہم مذہب مشہور ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں امام احمد بن حنبل کا مذہب، سنت رسول اللہ سے زیادہ قریب ہو۔ ہمارے عقیدے میں تمام مسلمان، باہم بھائی بھائی ہیں۔ نجد میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ”السلام علیکم“ کہہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ دونوں خدا کے امان و سلام میں ہو گئے۔ تمام مسلمان، کلمہ توحید پر جمع ہیں۔ تمام اہل بیت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اس بنیاد پر ہماری سلطنت قائم ہو۔ ہم سلطنت کے مجوس کے نہیں ہیں اور نہ خود غرور اور تن پروری کے لئے حکومت کرتے ہیں۔ زمین، اندک ہی ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ نے اپنی یہ امانت ہمارے سپرد کی ہو۔ لہذا ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ایمان داری کے ساتھ یہ امانت ادا کریں۔ ہمیں شرک سے نفرت ہو۔ اگر ہمیں تمام مشرک ملکوں کی فرمانبرداری بھی پیش کی جائے تو ہم اسے ہرگز منظور نہ کریں۔ ہم کسی سے بھی لڑائی پسند نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ کفار سے بھی نہیں۔ البتہ ان کے لئے ہمارا یہ دعوہ ضرور ہو کہ خدا انھیں صراطِ مستقیم دکھائے۔ جب تک وہ ہم سے تفریق نہیں کرتے، ہم بھی انھیں نہیں چھوڑیں گے۔ ہم ان سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ ہم ان سے تشبیہ بھی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ حتیٰ کہ ان کا لباس بھی پسند نہیں کرتے۔ حقیقی مسلم وہ ہو جو اپنے دین کے اصول کی پوری کرا ہو۔ جو کوئی کفار کی تقلید کرتا ہو، وہ نہ اپنے دین میں کوئی بھلائی حاصل کر سکتا ہو نہ دنیا میں۔“

یہ گفتگو، اس جلیل القدر صحابی بادشاہ کی ذہنیت پوری صفائی سے ظاہر کرتی ہو۔ صحرا عرب کے باشندے صدیوں سے قتل و غارتگری اور جرم و گناہ کے عادی تھے۔ صرف صحرا ہی نہیں بلکہ حجاز کے باشندے بھی۔ وہ کسی نظام و حکومت کی طاعت کے عادی نہ تھے۔ لیکن یہ اسی سلطان کا تہ بردہ تھا جس نے انھیں اپنے اپنی ہاتھوں سے مطیع کیا اور امن و نظام قائم کر دیا۔

### طرز حکومت

نجد کی حکومت، قدیم وضع کی ہو۔ وہاں حکومت، علوہ علوہ منلوہ پر قائم نہیں ہو۔ مجلس حکومت ہو، نہ وزارت ہو۔ پوری حکومت، خود سلطان کی ذات ہو، اور ان کا قانون، کتاب دنت ہو۔ لیکن کیا مجال کہ کسی قسم کی بدلتی پیدا ہو جائے۔ آمد و خرج کے تمام حسابات مرتب رہتے ہیں، خود سلطان ان کی نگرانی کرتے ہیں۔ ایک پیسہ کا بھی غبن نہیں ہو سکتا۔ برخلاف اس کے اسی صحابی

# سیر فی الارض

اولم سیر فی الارض فنظر و کیف کان عاتبة الدین بن قہلم

(۸:۳۰)

## سیاحان عالم کے مشاہدات و تاثرات

### ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق، مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کی یہ تیسری قسط ہو۔ الامال)

شعور سے کام لیا جاتا ہو۔ نماز فجر کے بعد روز صبح کو مؤذن، نماز کی حاضری لیتا ہو۔ پہلے دن کی غیر حاضری پر ڈوٹی جہیز لی جاتی ہو۔ دوسرے دن کی غیر حاضری پر جہیز ضبط کر لیا جاتا ہو۔ تیسرے دن کی غیر حاضری پر جہانی سزا دی جاتی ہو! نماز جمعہ کے بعد بادشاہ یا اس کا نائب، محل شاہی کے ایوان میں نمازیوں سے ملاقات کے لئے بیٹھا ہو۔ اس وقت تمام حاضرین کو پہلے چار اور نجدی قومہ بلایا جاتا ہو۔ آخر میں بخود دانیال پھرتی جاتی ہیں جن میں مشرک وغیرہ ملتا ہو۔

### قصر شاہی

قصر شاہی بالکل عربی طرز کا ہو۔ اس میں اینٹ چوڑے کے بڑے بڑے خوبصورت ستون کھڑے ہیں، جن کے نقش و نگار بہایت نظر فریب ہیں۔ دو مندر عمارت ہو۔ بجلی مندر میں دعوت کا وسیع ایوان ہو۔ اس میں ایک دت سیکڑوں ہمان بیٹھ سکتے ہیں۔ اطراف میں تمام لوگوں کے لئے کھانے کے کمرے ہیں۔ چھوٹی مندر، گویا دعوت خانہ ہو۔ بالائی مندر میں بیس ایوان ہیں۔ ایک ایوان میں خود سلطان کا کتب خانہ اور دفتر خاص ہو۔ ایک اور ایوان، ولی عہد امیر سعود کے لئے مخصوص ہو۔ باقی حصوں میں بڑے بڑے ایوان اور شاہی طبیب قیام ہو۔ اسی محل کے متصل ایک اور محل ہو، اور اس میں سلطان اور شاہی بیگمیں رہتی ہیں۔ زمانہ خدمت و حرم کی تعداد ۴۰۰ ہو۔

### سلطان ابن سعود

سلطان عبدالعزیز بن سعود، دراز قامت ہیں جسم بھرا ہوا اور ٹھوس ہو۔ رنگ، گندمی ہو۔ آنکھیں چمکیلی ہیں۔ پیشانی، کشادہ ہو۔ عینک استعمال کرتے ہیں۔ غیر معمولی ذہانت، قوت ارادی، غم و حرم، خوش مزاجی، تدبیر، یہ وہ اوصاف ہیں جو سلطان کی صورت دیکھتے ہی آدمی محسوس کر لیتا ہو۔ عمر، ۵۰ کے قریب ہو۔ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں گولی لگی تھی۔ اس کا نشان اب تک نمایاں ہو۔ وہ ہمیشہ سر جھکا کر چلتے ہیں۔ نجدی وضع کا فرکش جبہ پہنتے ہیں اور اس کا ایک دامن عموماً، بغل میں دالے رہتے ہیں تاکہ نیزہ چل سکیں

### ریاض

ریاض، پایہ تخت ہونے کی وجہ سے نجد کا سب سے بڑا اور سب سے اہم شہر ہو۔ اس میں بکثرت بلند عمارتیں موجود ہیں، مگر سب قدیم طرز کی ہیں۔ شاہی خاندان کے محل اپنی وسعت اور خوشنالی میں ریاض کی تمام عمارتوں سے ممتاز ہیں۔ شہر کے گرد عظیم الشان شہرناہ ہو۔ مرنے والے شہر قیام کے پھاٹک لگے ہیں اور ضرورت کے وقت مغل کوڑے جاتے ہیں۔ ریاض کے چاروں طرف نجدستان پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مرد خاص خاندان شاہی کا ہو۔ اس میں دو چیزیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا: ایک مگلاب اور دوسری کپاس۔ معلوم ہوتا ہو سلطان ابن سعود نے روئی کے یہ چند درخت اتفاقیہ طور پر نصب نہیں کر رکھے ہیں بلکہ نجد میں روئی کی کاشت جاری کرنی چاہتے ہیں جیسا کہ نجد سے بعض ارکان حکومت نے اشارۃً بیان کیا تھا۔ اگر سلطان نے یہ کیا تو یقیناً ملک کو بہت فائدہ حاصل ہوگا۔ باشندے الامال ہو جائیں گے۔

### طرز سے

ریاض میں چند دینی عہدے سے موجود ہیں۔ مگر ان کی حیثیت، قدیم مسجد کی کتبیں سے زیادہ نہیں۔ ان میں بچوں کو ضرورت پھر لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہو۔ نیزہ پورا قرآن بھی حفظ کرا دیتے ہیں۔ علوم دینیہ کی تکمیل میں لوگ اپنا زیادہ وقت صرف نہیں کرتے بہت تھوڑے آدمی ایسا کرتے ہیں۔ باقی مزدور بھر تعلیم حاصل کر کے دنیاوی کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں قرآنی احکام کی دوسرے ضروری نہیں کہ تمام لوگ علوم دینیہ حاصل کریں۔ یہ کافی ہو کہ ایک منتخب جماعت ان میں مشغول رہو۔

### مسجدیں

ریاض میں کل ۶ مسجدیں ہیں۔ ان میں کوئی زینت و آرائش نہیں ہوتی۔ فرش بھی نہیں ہوتا۔ گنبد بھی نہیں ہیں۔ اکثر میں چٹ بھی نہیں ہو جبکہ کی نماز صرف ایک مسجد میں ہوتی ہو۔ خطبہ سننے کا اہتمام اس وجہ سے نہیں ہو کہ بعض لوگ صبح ہی سے آکر ممبر کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ مسجدوں میں روشنی بھی زیادہ نہیں کی جاتی۔ ایک ڈو



بادشاہ نے مجازیں آکر حکومت کی وضع دوسری کر دی ہو۔ مجاز کی ملکوتی نظم کی حکومت ہو۔ وہاں کے لئے تجدید کی حکومت کی حکومت ہو۔

### سلطان کی فیاضی

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مسلسل تین سال کی غیر حاضری کے بعد سلطان اپنے دارالسلطنت میں واپس گئے تھے۔ وہ ہم سے مہینوں پہلے ریاض پہنچ چکے تھے۔ تاہم ہم نے اپنی آمد پر دیکھا کہ شہر میں انبساط کے مؤثر نظاروں سے لبریز ہو۔ بے شمار ذرا، تجدید کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے تھے اور عقیدت و خلوص کا اظہار کر رہے تھے۔ دوسری طرف سلطان کی فیاضیوں کا دروازہ کھلا تھا۔ کوئی نہ تھا جسے وہ اس کی توقع سے زیادہ نہ ملے ہوئے ہوں۔ ان کی سخاوت دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا "یقیناً یہ ایک ایسا آدمی ہو جو نہ دولت سے محبت کرتا ہو نہ فقر و فاقہ سے ڈرتا ہو"

### ملوکیت نجد کا اعلان

خوش قسمتی سے میں اس تاریخی جلسہ میں بھی شریک ہو سکا جو سلطان ابن سعود کو "ملک نجد" بنانے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ نجدیوں نے یہ دیکھ کر سلطان ابن سعود اب ملک الحجاز ہو گئے ہیں۔ پسند کیا کہ اپنے ملک کے لئے بھی ان کا یہی لقب قرار پایا جائے۔

### سلطان کی لڑائی کا عقد

اسی طرح ایک اور جلسہ میں بھی مجھے شرکت کا موقع ملا۔ یہ سلطان کی بیٹی شاہزادی "سارہ" کی شادی کا جلسہ تھا۔ امیر فیصل ابن سعود سلطان کے بیٹے سے ان کا عقد ہوا ہو۔ مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ تجدید میں شادیاں کس قدر سادہ ہوتی ہیں۔ یہ خود سلطان کی لڑکی کی شادی تھی۔ مگر اس میں نہ کوئی اسرار تھا نہ دھوم دھماکا تھا۔ از حد سادہ تقریب تھی۔ قصر شاہی کے ایوان میں فرش بچا دیا گیا تھا۔ کھانے چنے گئے۔ دعوت دلیہ کے بعد سلطان کے حکم سے بکریاں فروج کی گئیں اور عام دعوت شروع ہو گئی۔ اس میں امیر عرب کی کوئی تیز نہ تھی۔ ہر کس نام سے دعوت ہوئی۔

### تجارت و زرعت

ریاض کے باشندے عام طور پر تجارت پیشہ ہیں۔ احسا، کویت اور بحرین سے مال لاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ نجد کی ایک بڑی تجارت، موتی کی تجارت ہو۔ غواہی میں نجدیوں نے خاص شہرت حاصل کر لی ہو اور کئی دولت حاصل کرتے ہیں۔ ریاض کے اطراف میں زراعت کم ہو۔ اس لئے کہا جاسکتا ہو کہ یہ تجارتی شہر نہ کہ زرعی۔

### سلطان کے معمولات

سلطان کے معمولات یہ ہیں کہ کچھ رات بے سے بیدار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اپنے کسی مذمتکار کو بھی اتنے سوچے اپنی خدمت کے لئے نہیں بلاتے خود ہی پانی لیتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں۔ تلاوت کرتے ہیں۔ فجر کی اذان سن کر مسجد جاتے ہیں۔ نماز کے بعد محل واپس آتے ہیں۔ اپنے خاندان کے ساتھ ناشتہ تناول کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے دفتر میں آتے ہیں خطوط پڑھتے ہیں۔ سرکاری کاغذات ملاحظہ کرتے ہیں۔ احکام لکھتے ہیں طلوع آفتاب کے ایک گھڑی بعد تک یہی مشغولیت رہتی ہو۔ پھر ایوان عام میں تشریف لاتے ہیں۔ یہاں خاص لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں پھر اخوان کے وفد حاضر ہوتے ہیں۔ ان سے بڑی ہی بے تکلفی و اجازت شروع ہوتی ہیں۔ یہ لوگ بڑے ہی آزاد مزاج ہیں۔ اپنے بادشاہ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں، گویا اپنے کسی بھائی کے سامنے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ بالکل وحشی ہیں۔ میں نے انھیں وحشی نہیں پایا میر

خیال میں ان کا یہ طرز خطاب اس لئے ہو کہ وہ اسے اتباع سلف صالح سمجھتے ہیں۔ وہ بڑی بے تکلفی سے "یا عبدالعزیز! کہہ رہے تھے۔ ایک شخص نے میرا تعجب محسوس کر کے میرے کان میں کہا "یہ طریقہ خود سلطان ہی نے مقرر کیا ہو۔ وہ خطاب کے دوسرے طریقے قبول نہیں کرتا" چاشت کے وقت ایک دوسرے انواں میں جاتے ہیں۔ یہ جگہ "مجلس کبیر" کہلاتی ہو۔ یہاں تجدید کے بڑے شیخ اور خاندان رشید اور خاندان عابد کے امراء سے ملاقات ہوتی ہو۔ اول الذکر خاندان حال کار فرما ہوتا تھا۔ آخر الذکر آج کا۔ اب یہ دونوں ریاست، تجدید کے تحت ہیں اور ان کے شاہی خاندان، ریاض میں قید ہیں لیکن یہ قید ایسی ہو کہ ان پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہو۔ وہ شہر کے اندر اپنی نقل و حرکت میں بالکل آزاد ہیں اور نہایت عزت و احترام کا ان سے برتاؤ کیا جاتا ہو۔

اس مجلس میں سلطان کی گفتگو عام معاملات پر ہوتی ہو۔ دین، تاریخ، ادب، سیاست، ہر موضوع پر باتیں کرتے ہیں اور نہایت آزادی اور صفائی سے۔ ان کی صاف گوئی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہو کہ ایک دن سلطان نے ایک شامی اخبار مجھے دیا۔ اس میں یہ خبر درج تھی کہ "سید عبداللہ بن عابد کہہ رہے ہیں کہ بھلا گئے ہیں اور ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن سعود پر یورش کر رہے ہیں" سلطان نے کہا "اخبار نے یہ خبر لکھی ہو، حالانکہ سید عبداللہ یہاں اس مجلس میں موجود ہیں۔ ہم اس سید عبداللہ اور خاندان رشید، سب بھائی ہیں۔ ہم میں کوئی نزاع نہیں ہو" سلطان کے قول کی تمام مجلس نے تصدیق کی۔ خصوصاً سید عبداللہ بن فائد نے۔

اس مجلس سے اٹھ کر سلطان اپنے والد "عبدالرحمن بن سعود" سے ملاقات کو جاتے ہیں۔ ان کی عمر اب نوے سال کے قریب ہو چکی اب تک ہوش حواس بالکل درست اور قوی مضبوط ہیں۔ نہایت خوش اخلاق، خوش صحبت، خوش گفتار ہیں۔ والد سے رخصت ہو کر اپنی بڑی بہن شاہزادی "نورہ" سے ملے جاتے ہیں۔ تجدید میں بڑی بہن کی عزت بہت زیادہ کی جاتی ہو۔ سلطان مدے سے زیادہ ان کا احترام کرتے ہیں۔ یہ تجدید کی شاہزادی بھی اپنے عربی اخلاق میں غیر معمولی ہو۔ اس کی شرافت و سخاوت و دود و در مشہور ہو۔ خود مجھ سے اس کا بڑا ذہنیت ہی شفقت کا تھا۔ روز میری خیریت دریافت کرتی تھی۔ میرے لئے اچھے اچھے کھانے بھیجا کرتی تھی۔

عشاء کے بعد سلطان کئی گھنٹے اپنے عہدے و اداروں سے ملاقات میں مصروف رہتے ہیں۔ ہر عہدے دار کے دفتر میں خود جاتے ہیں۔ دن بھر کے کاموں کا جائزہ لیتے ہیں اور ضروری مشورے اور ہدایتیں دیتے ہیں۔

یہ ان کے روزمرہ کے معمولات ہیں لیکن کبھی کبھی صحرا میں سفر کے لئے بھی جاتے ہیں۔ یہ سفر آجکل موٹروں پر ہوتا ہو۔

### شیوخ نجد کا سلطان سے خجالات

پچھلے دنوں مصری اخبارات نے یہ خبر شہرہ کر دی تھی کہ تجدید کے سب سے بڑے شیخ مثلاً فیصل الدردیش شیخ قبیلہ اطاویہ اور سلطان بن محامد شیخ قبیلہ غطفان، سلطان ابن سعود کے مخالف ہو گئے ہیں ریاض میں اپنی موجودگی کے وقت میں بھی اس قسم کی خبریں سنیں تھیں فیصل الدردیش کی مخالفت کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پچھلے سال انم حج میں محل مصری کی فوج سے نجدیوں کا تقابلی ہو گیا تھا، ان میں فیصل الدردیش کی رائے ہو کہ سلطان نے مصریوں کی طرف فساد کی اور نجدیوں کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا۔ لیکن یہ جھوٹا تھا۔ خود میں نے اپنی آنکھوں سے فیصل کو سلطان کی خدمت میں دیکھا ہو۔ وہ زیادہ سے

زیادہ عقیدت و اطاعت کا اظہار کر رہا تھا۔

بلشہ سلطان بن محامد کو کچھ شکایت ہوئی تھی۔ یہ شکایت بعض شرعی احکام کی تطبیق کے بارے میں تھی۔ لیکن بہت جلد غلط فہمی دور ہو گئی اور وہ بھی سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔

### نجدیوں کا ایمان

تمام نجدیوں۔ بدوؤں اور شہریوں۔ کا پختہ ایمان ہو کہ آدمی صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہو کہ اللہ کی عبادت کرے اور اس کی خدمت کی پابندی میں سرگرم رہے۔ ہر آدمی کی ہمت پہلے سے لکھی گئی ہو موت کا ایک وقت مقرر ہو۔ ہرگز اس میں تقدیر و تاخیر نہیں ہو سکتی لہذا اسے موت سے بے خوف ہو کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و خوشنوی چاہئے۔ ہر آدمی کو اس کے عمل کی جزا و سزا ملے گی۔ یہی کاروائی مل ہوگا۔ بدی پر عذاب پائے گا۔ یہی باعث ہو کہ ہر مہم کے گناہوں اور جرموں سے، خینہ اور علانیہ، پرہیز کرتے ہیں۔

### شوق جہاد

جنگ کو وہ عبادت سمجھتے ہیں۔ دین الہی کے دشمن کا قتل، عظیم ترین ثواب خیال کرتے ہیں۔ دین کی راہ میں خود قتل ہو جانا، شہادت عظمیٰ تصور کرتے ہیں۔ اس بات پر انھیں اس درجہ یقین ہو کہ بڑے ہی شوق سے جنگ پر جاتے ہیں۔ ہر مذہب و اپنا کھن اپنے ساتھ لے جاتا ہو۔ نہایت بے پروائی سے اپنے تئیں موت کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ جب ان کا کوئی ساتھی لڑائی میں گرتا ہو، تو بیک بان نفر مارتے ہیں "واخلیلا! القاصد مقتدی الی الجنة!" (دلے! اللہ مجھ سے پہلے ہی جنت میں داخل ہو گیا!) جب دشمن کو ہجکا دیتے ہیں تو چلا لے ہیں یا اہل التوحید یا اہل التوحید! یا ایک خدا دیا کہ مستعین" (ہاں لے اہل توحید! خدا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں!)

وہ گولیوں کی باڈہ کو "ریح الجنة" (جنت کی ہوا) کہتے ہیں اور انتہائی شوق و رغبت سے سینے تانے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں وہ اس موت کو موت نہیں، زندگی خیال کرتے ہیں۔ اگر ان کے کسی آدمی کی پیٹ پر گولی لگتی ہو تو اسے بزدل کہتے اور سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا قول ہو "ہمیشہ سے پر زخم کھاؤ۔ پت بھی نہ دکھاؤ۔ موت اٹل ہو، اس سے کہاں بھاگ سکتے ہو؟ شہادت کی موت مرکز سرمدی زندگی حاصل کر دیا۔ میدان سے بھاگنا ان کے خیال میں ایسا عیب ہو کہ ایسے شخص کو دفن تک نہیں کرتے یہی بات ہو کہ وہ ہر جگہ جاتے ہیں مگر بھاگتے نہیں۔ ان کی یہ ثابت قدمی، بالآخر ان کے دشمن کے حوصلے پست کر دیتی ہو اور وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہو۔ نجدیوں کی یہ شجاعت و دلالت، عرب میں اس قدر مشہور ہو گئی ہو کہ لوگ ان کے نام ہی سے ڈرتے جاتے ہیں۔ جہز نجدی سوار سیکڑوں آدمی بھاگ لیتے ہیں۔ مجاز کی جنگ، اس حقیقت کا بین ثبوت ہو۔ مجاز کی فوج اس قدر محبوب ہو گئی تھی کہ بے لطف تیار ڈال دیتی تھی۔ حامل، احتار اور تعلیت وغیرہ مالک کی فوج بھی زیادہ تر اسی وجہ کی وجہ سے ہوئی تھی۔

### موت کے بعد

نجدی، سنت نبوی کی اتباع میں بہت ہی سخت ہیں۔ اپنے مقبول اور مردوں کا مہم نہیں کرتے۔ قبروں پر گلاب اور عاتیں نہیں نہاتے۔ ان کا عقیدہ ہو کہ موت کے بعد جس طرح آدمی کی دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہو، اسی طرح اس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہو۔ کتے ہیں مردوں کو ہاری ظاہری تحویم و تقسیم کی کوئی ضرورت نہیں وہ ہم سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ آخرت میں انھیں جو درجہ ملے گا وہی اسی درجہ ہو جس لئے لئے اسی کی دعا کرنی چاہئے۔

اخبارات نے وہ مکرر مناجات شائع کر دی جو جوہیہ نے اپنے سنونی شوہر کی منقش کو مخاطب کر کے کی تھی۔

مجلس دوزار

اطلاع پاتے ہی مجلس دوزار کا ایک فوری جلسہ منعقد ہوا اور اسے قوم کے نام حب ذیل اعلان شائع کیا:

”دورات، انتہائی بیچ دالم کے ساتھ مصری قوم کو اس کے عظیم رہنما، سعد پاشا زغلول کی وفات کی جانکناہ خبر پہنچاتی ہے۔ مختصر بیماری کے بعد موت کے بے پناہ ہاتھ نے قوم کے رہنما، اس کی اُمیدوں کے مرکز، اُس کی بیداری کے قائد، اُس کی حمایت کے علم بردار کو دوزار بھی ملت لئے بغیر چھین لیا۔ خدا مرحوم پر اپنی رحمت ازل کرے اور قوم کو صبر جمیل عطا فرمائے“

جنازہ

رات بھر مرحوم کے مکان میں زائرین کا ہجوم ملا۔ دوسرے دن صبح ۹ بجے تمام دوزار اور سفراء دول بھی پہنچ گئے۔ بارہ بجے دن کو منقش بالائی منزل سے نیچے لائی گئی۔ اُس پر صرحت کفنی تھی۔ کوئی قیمتی چادر نہ تھی۔ نیچے آتے ہی بچوں کی بادش شروع ہو گئی۔ بے شمار لوگ کوسے بچوں سے بھرے ہوئے، لوگ اپنے ساتھ لئے تھے منقش دیکھ کر ایک مرتبہ پھر گریہ دیکھا برپا ہو گیا!

اب مصری فوج بھی پہنچ چکی تھی۔ جنازہ سرکاری طور پر اٹھنا طے پایا تھا۔ تمام سرکاری عہدے دار، امراء، دوزار، سفراء پارلیمنٹ کے ممبر، مسلمان، قبطی، رومی، ارمن، یہودی فرقوں کے علماء، کاہن، ربی، اور اخبار اپنے اپنے خاص لباس میں جڑے تھے۔

جب تمام طیاریاں کھل ہو گئیں تو سعد پاشا کی بیگم سیاہ نقاب منہ پر ڈالے برآمد ہوئیں۔ وہ ضعف سے چل نہیں سکتی تھیں کئی عورتوں کے سہارے وہ اپنی موٹر تک پہنچیں، مگر بیٹھے سے پہلے ہی ہیوش ہو گئیں۔ فوراً منقش دوایں سے کراٹھیں ہوش میں لایا گیا۔ اب دوزار اور فوجی افسروں نے منقش اپنے کانڈھوں پر اٹھائی اور توپ کی گاڑی پر رکھی۔ اس وقت کا منظر ناقابل بیان ہو معلوم ہوتا تھا، مصر کا آسمان دھن دھن کر رہا تھا۔ رونے والی عورتوں اور مردوں کی چیخیں باہر مل گئی تھیں۔ کچھ سناٹی نہیں دیتا تھا۔ نہیں معلوم رونے والوں میں کتنی قوت پیدا ہو چکی تھی، اور ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کے کپتے دیا سناٹے تھے کہ فوج و جنگ کا سلسلہ کسی طرح بھی رکنے پر نہیں آتا تھا!

مصری علم

اس وقت محبت و عقیدت کا ایک جھگڑا پیش آگیا۔ فوج کے افسروں نے منقش اٹھانے سے پہلے کہا ”جنگی روایات کی بنیاد پر ضروری ہے کہ مرحوم کی منقش پر مصر کا فوجی پرچم ڈالا جائے“ ساتھ ہی انھوں نے اپنا پرچم پیش بھی کر دیا۔ مگر مرحوم کی بیوہ نے اس سے انکار کیا۔ انھوں نے ایک دشنی علم پہلے سے طیارہ کر لیا تھا۔ انھوں نے اصرار کیا کہ منقش اسی میں لپیٹی جائے۔ مجبوراً افسروں کو اپنی ہنسی باز رہنا پڑا۔

اس کے بعد ملکی افسروں نے کہا ”مرحوم کے تمام تھے ان کی منقش پر لکھے جائیں، کیونکہ وہ ہماری جماعت کے آدمی تھے“ مگر بیگم زغلول نے اس سے بھی انکار کیا۔ انھوں نے کہا ”مجھے بڑا تنزد مصری علم ہے۔ اس تمذیر کوئی دوسرا تمذیر نہیں کھا جاسکتا“ جوں ہی منقش توپ پر رکھی گئی، منادی نہایت ہی بلند آواز سے چلایا ”لا الہ الا اللہ“ البقاعہ صمد“ ہر طرف سے نعرے بلند ہوئے ”رحمک یا سعد! عورتیں چلائیں“ فطحتی ذکر ی سعد!

## برید شرق

### مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار قیوم ناہرو کے قلم سے)

### فقید شرق احمد سعد زغلول پاشا مرحوم

ذیل کی مراسلت معمول سے زیادہ طویل ہے۔ ہم نے بڑا حصہ محنت کر دیا ہے۔ اب بھی ہیں غوت چکر یہ آج کی اشاعت کا بڑا جھنڈ روک لے گا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ عائدہ کی غیر معمولی اہمیت اور شخص موضوع کی عظمت دیکھتے ہوئے ضروری ہے کہ اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ جگہ نکالی جائے۔

کے بعد ہی وہ نیچے کی منزل میں اتر کر آئے۔ حاضرین نے دُور کھالت دریافت کی۔ مگر وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ سب حیرت میں تھے اور طرح طرح کے قیاسات لگنا شروع تھے۔ اسی اثناء میں اوپر سے رونے کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اس پر حاضرین دوبارہ فتح اشد پاشا کی طرف دوڑے۔ وہ اب بھی چپ تھے۔ لیکن انھوں نے زور سے اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ مائے۔ یہ اثناء کافی تھا۔ ایک لمحہ کے لئے سب پر سناٹا چھا گیا۔ پھر بیک وقت سب کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں یہ حادثہ ایسا دل ہلا دلانے والا تھا کہ رونے پر کسی کو کلمات نہیں کی جاسکتی تھی۔ کسرام بھی گیا تھا۔ عین اس وقت ڈاکٹر شفیق اوپر سے اتر کر آئے اور مضبوط آواز میں چلائے ”سوگوارو بیوہ پر رحم کر دینا“ رونا اُسے ہلاک کر ڈالے گا۔ سعد مر گئے، لیکن اگر تم چاہو تو انھیں اپنے دلوں میں ہمیشہ زندہ رکھ سکتے ہو“

مگر یہ وقت نصیحت سننے کا نہ تھا۔ نالود بکا برابر بلند رہا۔ قوت جوار کے لوگوں نے سنا تو ان پر بھی یہی حالت طاری ہو گئی چشم زدن میں یہ مشنوم خبر تمام شہر میں پھیل گئی۔ اب کوئی نہ تھا جو اس حادثہ قوم و ملت پر ماتمی نہ ہوا

اُسی وقت نازکے ذریعہ تمام دنیا میں خبر پھیل گئی۔

سعد پاشا کی بیوہ

سعد پاشا کی وفات پر ان کی بیوی کا جو حال ہوگا، ظاہر ہے مصر میں ان دونوں کی محبت ضرب المثل اور تمام مردوں اور عورتوں کے لئے نمونہ تھی۔ سعد پاشا کو ان سے اس درجہ محبت تھی کہ اگرچہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی مگر انھوں نے کبھی دوسری شادی کا خیال نہ کیا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ مرحوم نے اپنی تمام دولت اور جائیداد بھی اپنی بیوی کو باعناطہ ہیہ کر دی تھی۔ ظاہر ہے ایسے وفادار شوہر کی موت اور پھر اُس شوہر کی موت جس کی عظمت ساری دنیا تسلیم کرتی تھی، اُس کی بیوی کے لئے کسی عظیم مصیبت ہوگی؟ اوپر کی سال سے یہ مفرد خاتون بیاد ہے۔ ڈاکٹر دلوں نے سختی سے ممانعت کر دی تھی کہ مرعص کی خدمت میں حیدر لے۔ مگر اُسے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس قدر ناقابل تھی کہ بشکل چل سکتی تھی۔ اس پر بھی تیار نہ تھی میں ہمت منقشوں رہتی تھی!

تقریباً اس ہفتہ اہم ترین واقعہ، احمد سعد پاشا زغلول کی پہلی غیر متوقع وفات ہو۔ عین اس وقت جبکہ میں اُن کی بجائی موت، اور شاہ مصر کی سیاحت انگلستان، کے نتائج پر بحث کرنا چاہتا تھا، اُنکا یہ حادثہ جانکناہ پیش آگیا۔ حیران ہوں اپنا یہ مکتوب کس طرح شروع کروں؟ مرحوم کی سوانح عمری بیان کروں؟ اُن نقصانات کا ذکر کروں جو اس واقعہ سے متعلق ہو سکتے ہیں؟ اُن کے جنازہ کے شاندار جلسوں کا ذکر کروں؟ اُنکی جلیل القدر حرم کا نام لکھوں؟ وہ لفظ دیکھا بیان کروں جو اس وقت تمام ملک میں برپا ہے، جس کا شور میں ان سطو کی تیر کے وقت بھی سُن رہا ہوں، اور جس کا بیان یقیناً میری قدرت سے باہر ہے۔ میں شاعر و رب الجما میں نہیں مہم ہوں۔ میرے بڑے دوس میں جتنے مکان ہیں، ماتمی آواز و ملائم سے غناک ہیں۔ عورتوں اور بچوں تک کے چہرے انکے دلی حزن مال کی شہادت دے رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا قاہرہ کے ہر گھر میں اس کے کسی قریبی عزیز کا اتم پیش آگیا ہو۔

آغاز مرض

ہارگت کو مرحوم کے کان میں خفیف سا التهاب ظاہر ہوا اور بالآخر یہی شکایت مسلک ثابت ہوئی۔ وہ اپنے دیہاتی مقام ”مسجد صیف“ میں مقیم تھے۔ مرض کی ذیعت دیکھ کر ڈاکٹروں نے رائے دی کہ فوراً قاہرہ واپس آجائیں۔ چنانچہ قاہرہ لائے گئے اور یہاں کے اطباء سے معائنہ کرایا گیا۔

قاہرہ پہنچ کر طبیعت بحال ہو گئی تھی۔ لیکن گزشتہ دو شنبہ کو مرض نے از نبرہ حملہ کیا۔ باشبکے رات کو دایں پہلو میں درد محسوس ہوا۔ مشکل کے دن حرارت برابر بڑھتی رہی۔ صبح ۸ بجے مرحوم نے اپنی حرم سے اچانک کہا ”میں تم ہو گیا!“ یہ کہتے ہی زبان بند ہو گئی، اور اسی دن یعنی ۳ اگست کی رات کو ۱۰ بجے طائر روح پر داز کر گیا! انشاء اللہ راجحون!

خبر کو نہ مکر مشہور ہوئی؟

وفات کے دن صبح ہی سے مرحوم کے مکان میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ وفات کے وقت ڈاکٹروں کے علاوہ مرحوم کے وفادار مرید اور بھائی نفع اند پاشا برکات بھی بستر مرگ کے پاس موجود تھے۔ دفات



لکے۔ زندہ باد مصر!

### سعد پاشا کی حرم کا بیان

صفیہ نام زہرہ محترمہ سعد پاشا مرحوم کے نام حبیبی بیان شائع کیا ہو:

”میرے فرزند!

”اگر سعد، جواب جواد خداوندی میں پہنچ چکا ہو، مجھ اکیلی کا سعد ہوتا، تو اُس کی موت پر تمھاری تعزیتوں کا شکریہ ادا کرتی لیکن وہ بڑے بھر کا سعد تھا۔ وہ تمھارے سالار تھا۔ امین تھا۔ اُس کی موت کی مصیبت، خود تمھاری مصیبت ہو۔ اُس کا ماتم خود تمھارا ماتم ہو۔ اگر مجھے شکریہ ادا کرنے کا کوئی حق پہنچ سکتا ہو تو وہ صرت اسی لحاظ سے کہ اُس کی محبت مجھے حاصل تھی۔ اُس کی نیکی مجھ پر اُن کی حق اُس کے نام کی عزت مجھے نصیب ہوئی تھی۔ اُس کی وجہ سے تمھاری محبت اور قوی حکومت کی شفقت مجھے میرائی۔ اگر اتنا حق میرے لئے منظور کرو تو میرا شکریہ قبول کرو۔ ایسا شکریہ، جس کے اخلاقی اثر میرے دل میں نہیں ہو اور جس کے اظہار سے میری زبان قاصر ہو۔“

”میرے بچو! سعد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک اعلیٰ سطح نظر تھا۔ سعد مر گیا، مگر الحمد للہ یہ سطح نظر ہنوز باقی ہو۔ اُس کی محبوب شکل ہم سے اوجھل ہو گئی، مگر اُس کی قیمتی یاد ہمارے دلوں میں زندہ رہی، والدہ کی تسخیر المؤمنین!

”اگر سعد اُس کی جدائی کے غم نے ہمارے دل توڑ ڈالے ہیں لیکن آؤ! اس غم کو مزید حیرت و شجاعت کا ذریعہ بنائیں۔ یہ غم ہماری باتیں بلند کرنے والا اور ہم میں ایک بالکل نیا جوش پیدا کرنے والا ہو کر نکلے شریف غم ایک ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جو بے روک ہوتی ہو، ایسی ہمت لاتا ہو جو لانا تنہا ہی ہوتی ہو۔ اگر سعد کام پر کوئی حق ہو تو وہ حق یہی ہو کہ ہم امید کو نہ چھوڑیں، کیونکہ یہ پودا اُسی کا لگنا ہوا ہے ہم اُس کے حسن ظن کے مطابق ثابت ہوں۔ اُس کا کام پورا کریں۔ اُس کی رکھی ہوئی بنیاد پر اپنی عمارت کھڑی کریں۔ تمھارے یاد رکھیں مصر کے سوا کچھ قبول جائیں۔ مصر ہی ہمارا جہاد تھا۔ اُسی سے پیدا ہوئے ہیں اور اُسی کی خاک میں مل جانے والے ہیں۔ اگر ہم ایسا کر سکیں تو یقیناً کرد، سعد کو اپنی صفوں میں بائیں گے۔ بلکہ ہر خادم وطن، ہر مجاہد وطن، سعد کو اپنے دل کے اندر دیکھ لیں گے۔ اس لئے کہ سعد جس سے ہم محبت کرتے اور جسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہتے ہیں، دراصل ہمارا وہ سالار حق ہے جس کے لئے ہم کوشاں ہیں۔ یعنی آزادی، یعنی خود مختاری۔ اسی پر ہم جینے والے ہیں اور اسی پر مر جینے والے ہیں۔“

”میرے عزیز! آج مصر تمھاری طرف دیکھ رہا ہے، تم بھی اُسے دیکھو۔ وہ تمھیں پکار رہا ہے، تم بھی اُس کی آواز سنو۔ تم نے کبھی اُس کی پکار سے کان بند نہیں کئے۔ آج پھر اُس کی طرف دوڑو، بے شک سعد مر گیا، مگر مصر زندہ رہی! بے شک قوم کا رہنا مر گیا، مگر قوم زندہ ہے! قوی آرزوں کا نشان مٹ گیا مگر قوی آرزویں زندہ ہیں۔ آؤ ہم پرہ کر سعد کا جھنڈا اپنے کانڈھوں پر اٹھا لیں۔ وہی اندھ جس نے مصر کے لئے ظلمت غفلت کے بعد نور پیدا کیا کی راہ باز کر دی تھی، وہی آئندہ بھی راہِ راست دکھائے گا، اور ہم کے لئے سعد کا نعم البدل پیدا کرے گا.....“

### سعد پاشا کی یادگار

مجلس وزارت نے سعد پاشا کی یادگار قائم کرنے کے لئے حبیبی تجویزیں منظور کی ہیں،

(۱) مرحوم کا ایک مجسمہ بنوایا جائے اور ایک اسکندریہ میں قائم کیا جائے۔ یہ دونوں مجسمے مرحوم کو کھلا خطابت میں ظاہر کر سکیں۔

(۲) ”بیت اللہ“ (سعد پاشا کا مکان) کو خیر کو قوی عمارت بنادیا جائے۔

### پارلیمنٹ کی تعزیت

وفات کے دوسرے دن پارلیمنٹ کے تمام ممبر ”بیت اللہ“ یعنی قوم کا گھر۔ یہ اُس مکان کا نام ہو گیا جو جس میں سعد پاشا رہتے تھے میں جمع ہوئے، اور یکم زغلول کے سامنے حبیبی تقریر کی:

”مرحوم دسغفور رہنما کی حرم محرم!

”یہ موقع ہمارے لئے نہایت ہی دردناک ہے کہ بیت اللہ میں جبکہ وہ سند سے خالی ہو چکا ہو، اُس کی رفیق حیات کی تعزیت کو حاضر ہوں۔

”مفتخ خاتون! مصری قومیت کی تعمیر میں سعد نے پہلی ایٹم رکھی۔ اُسے پوری سرزمین تھر کو ایک قوم بنا دیا اور اُس کا ایک ہی لغو قرار دیا۔ وہ لغو، کامل آزادی کا لغو ہے۔ اُسے پوری قوم کی ایک صف بنا دی۔ خود اُس کے گھر ہوا، اور منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس نے آزادی کی صفیں اُسے بڑھائیں۔ عزت و عظمت کی راہوں میں داخل ہوا۔ تمام مشکلیں حل کر دلائیں۔ رکاوٹیں دور کریں اپنی بے نظیر قربانیوں سے منزل مقصود قریب کر دی۔ اپنی بے مثل قربانی سے ناممکن کو ممکن بنا دیا!

”سعد، دستور کی حکومت کا باپ تھا، محافظ تھا، سپہ سالار تھا، سپاہی تھا۔ پارلیمنٹ کا سب سے پہلے کھولنے والا تھا۔ منبر خطابت کو سب سے پہلے بلا ڈالنے والا تھا۔ حکومت کے ایران میں سب سے پہلے اُسی کی حق گو آواز کو سنی تھی!

”سعد ہی نے پارلیمنٹ کے اصول مقرر کئے۔ مضابط بنائے۔ دستور العمل مرتب کیا۔ اُس کی عزت بڑائی۔ اُس میں عظمت پیدا کی اُسے قوت بخشی۔ اپنے جاہ و جلال کا ایک عظیم پر تو اُس پر ڈالا، اور اُس پر جاہ اور جلال بھی نہ کئی.....“

”سعد اپنی صدارت کی کرسی پر حق و باطل کی سچی میزان تھا۔ دور اور نزدیک کے لئے روشنی کا ستون تھا۔ فصاحت میں صادق البیان تھا۔ پیری میں شباب خرم تھا۔ فیصلہ کی عظمت تھا۔ لفظ میں بلاغت تھا۔ حجت بالغہ تھا۔ آیتہ اللہ تھا۔ ہدایت کا نور تھا عقل کا ستون تھا۔ خطابت کا امام تھا....“

”محرم خاتون! اس وقت جبکہ خزن و ملال نے آپ کو اپنی موجود میں لے لیا ہے، اور جبکہ سعد پر رب کریم کی نظر عنایت پڑی ہے، ہم اپنے زخمی دلوں کے ساتھ تعزیت پیش کرتے اور تم کھاتے ہیں کہ جب تک زندگی باقی ہو کامل آزادی کے حصول کی جدوجہد جاری رکھیں گے اور پورے اتحاد و اتفاق کے ساتھ دستور حکومت کی حفاظت کریں گے۔“

”محرم خاتون! سعد آپ کا بھائی ہوا تھا۔ وہ خدا کا بھائی اور وطن کا بھائی۔ اُس نے اپنی تمام جرات و ہمت، غیظ و قربانیاں، غم و رنج، غم و جتن بھی مافوق العادت قوتیں اُسے ملی تھیں، سب کی سب اپنے وطن کی خدمت پر وقف کر دی تھیں، یہاں تک کہ موت آن گئی، اور اُسے شہادت نصیب ہوئی۔ سعد شہید وطن ہے!

”سعد اپنی قبر میں آرام سے سوئے، کیونکہ وہ اپنے پیچھے ایک ایسی قوم چھوڑ گیا ہے جو اسے کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ پس سعد پراس کی زندگی میں سلام ہو اور موت کے بعد تیریں بھی.....“

تقریر بیان ایک پہنچتی تھی کہ نفع اللہ شانے بالائی کرے سے جلا کر کہا: ”حضرات! سعد پاشا کی حرم محرم آپ سے درخواست کرتی ہیں کہ خاموش ہو جائیں۔ وہ کہتی ہیں آپ کی تقریر سے میرا دل پھٹا جاتا ہے۔ آپ کی ہمدردی کی از حد شکوہ دار ہوں۔ میری زبان آپ کے اظہار سے قطعاً عاجز ہے۔ خدا سے میری دعا ہے کہ آپ کے سلاطین

ایک عجیب قیامت برپا ہوگی۔ اگر فوج اور پولیس کا انتظام غیر معمولی نہ ہوتا تو یقیناً بے شمار جانیں ضائع جاتیں۔ کیونکہ نقش کے بلند ہوتے ہی نزارا آدمیوں نے بیک وقت اُسے بڑھنا شروع کر دیا۔ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ سعد کی نقش کا بوسہ لے، یا کم سے کم اُسے چھو لے۔ مگر فوج اور پولیس نے پرجوش جمع کو روک دیا اور ٹھیک مہینے جنازہ روانہ ہو گیا۔ مجلس میں سب اُسے فوج کا ایک بڑا دستہ اپنا جنگی جہاز بجا رہا۔ اُس کے بعد مزدوری پیشہ طبقہ کی مختلف جماعتیں تھیں۔ ریلوے کے مزدور، کارخانوں کے مزدور، گاڑی بان، لوہار، حجام، غرضکہ مختلف طبقہ دروں کی علیحدہ علیحدہ صفیں تھیں۔ انکے پیچھے پھر فوج اپنے باجے کے ساتھ تھی۔ اس کے پیچھے مختلف تجارتی کمپنیوں کے مزدور اور کارکن تھے۔ سانپے خازنوں کے مزدوروں کی صفیں، انکے بعد تھیں۔ پھر.....“

مگر میرے لئے یہ تمام تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ صرت اس قدر ہندینا کافی ہے کہ قاترہ میں جتنی جماعتیں اور فراتے موجود ہیں، جتنے مارک قائم ہیں، جتنی انجینس،..... بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ شاید مبالغہ نہ ہو کہ کتنی بھی مخلوق موجود ہے، اُس کا بڑا حصہ جانے کے ساتھ م نکالنا موجود تھا!

اس مجلس میں ایک قابل ذکر بات یہ بھی کہ اُس میں ہر طرف ہلال و رعب، دلوں کے علم بلند تھے۔ دلوں ہوا میں ہلتے تھے اور ہم آغوش ہو جاتے تھے۔ یہ نظارہ نہایت ہی پراثر تھا۔ یہ اس حقیقت کی ایک پیش کر رہا تھا کہ مصر میں اب ایک ہی عنصر باقی ہے، اور وہ آزادی کا عنصر ہے۔ اور یہ کہ سعد زغلول کسی ایک فرقہ کا رہنما نہ تھا، بلکہ مصر کے تمام فرقوں کا یکساں طور پر رہنما تھا۔ وہ جس طرح مسلمانوں کو محبوب تھا، اُسی طرح سبھی مصریوں کو بھی محبوب تھا!

### نماز جنازہ

ٹھیک ۶ بجے جنازہ مسجد قیسون میں پہنچا۔ یہاں لاکھوں مخلوق نے نماز جنازہ ادا کی۔ صفوں میں سیکڑوں قطعی عیسائی، اور مصری ہی بھی مسلمان نمازیوں کے دوش بدوش کھڑے تھے، اور اپنے سردار کی مغفرت کے لئے رب العالمین سے التماس و زاری کر رہے تھے!

### قبر پر ہوا

نماز کے بعد جنازہ پھر اُسے گھر آگے لے کر حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔ قبر کے قریب پہنچ کر مجلس رکھا۔ آدمیوں نے گاڑی پر سے نقش آماری۔ ابن میں دو قطعی عیسائی بھی شامل تھے۔ قبر میں نقش آمارنے والے بھی یہی لوگ تھے۔ اس وقت کا ماتم ناقابل بیان ہے۔ دنیا کا کوئی قلم بھی اُسے نہیں لکھ سکتا۔ ایسا ماتم تھا کہ دل بے جا جاتے تھے۔ مغز آدمی ہوش ہو کر گر پڑے!

اس تمام دوران میں قلعہ سے توپیں غمی رہی تھیں۔ سبھی گرجوں کے گھنٹے بج رہے تھے۔ کیمبروں کے لغو بلند ہو رہے تھے۔ قاترہ، پورے مسمی میں نشان غم بن گیا تھا۔

بٹی دینے سے پہلے فتح اللہ باشا برکات قبر میں اُترے اور مرحوم کو آخری سلام کر کے پہل گئے۔

### وزیر داخلہ کی تقریر

اس مؤثر موقع پر جعفر والی باشا وزیر داخلہ کھڑے ہوئے اور کہا: ”سعد، مر گیا۔ آٹ، کسی سخت مصیبت و درپیش ہے! یہ ایسی مصیبت ہے جس کا غم کبھی دُور نہیں ہوگا۔ سعد پاشا نے جن اعلیٰ اصول پر اپنی زندگی قربان کی، الحمد للہ اب وہ اصولی تمام مصری قوم کے دلوں میں رائج ہو چکے ہیں۔ اگر یہ جلیل القدر وجود اپنے جسم سے دور ہو گیا ہے، تو کوئی مضائقہ نہیں، اُس کی روح ہمارے اندر برابر زندہ رہے گی۔ ہم سب ایک ایک کر کے اسی طرح مرجائیں گے، مگر قوم اس شخص کی پیدا کی ہوئی روح سے ہمیشہ زندہ رہے گی!“

خوش اطوار ہو۔ شیخ محمد عبدہ نے اُس کے چال چلن کی تعریف کی ہے۔ یہ عبات ایک سرکاری فرما سے اخذ کی گئی ہے۔ اُس وقت مرحوم، ازہر کے طالب علم تھے اور شیخ سعد زغلول "کہلاتے تھے۔ یکم جنوری ۱۸۸۷ء کو ان کی تنخواہ ۳۳۳ قرش ہوئی۔ ۳۱ جنوری ۱۸۸۷ء کو سعد آفندی زغلول "کا تبادلہ وزارت داخلہ کے محکمہ میں ہو گیا اور تنخواہ ۵۱۰ پونڈ مقرر ہوئی۔ ۱۶ ستمبر ۱۸۸۷ء کو "جیزو" کی کنٹری میں محافظہ دفر کا فذلت سرکاری مقرر ہوئے۔

۲۷ جون ۱۸۹۷ء میں ۵۱۰ پونڈ تنخواہ پر درجہ دوم کے محکمہ میں یکم جنوری ۱۸۹۷ء میں تنخواہ ۵۵۰ پونڈ ہوئی۔ یکم جنوری ۱۹۰۷ء میں تنخواہ ۹۰ پونڈ قرار پائی۔ ۸ مارچ ۱۹۰۷ء میں انھیں پہلا سرکاری تنخواہ ملا۔ ۱۲ جنوری ۱۹۰۷ء میں انھیں میرٹھ میں بیرونی مناصبت ہوا۔ یکم جنوری ۱۹۰۷ء میں ان کی سالانہ تنخواہ ایک ہزار پونڈ ہوئی۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۷ء میں سعد زغلول بک "ذریعہ تعلیم مقرر ہوئے۔ ۱۲ نومبر ۱۹۰۷ء میں پاشا کا خطاب ملا۔ ۱۸ جنوری ۱۹۰۷ء میں جمہوری ادب کا منصب ملا۔ ۲۳ جنوری ۱۹۰۷ء میں محکمہ عدالت کے وزیر مقرر ہوئے۔ ۲۷ جنوری ۱۹۰۷ء میں وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۰۷ء میں پہلی مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر مقرر ہوئے۔ ۱۰ جون ۱۹۰۷ء میں دوسری مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر منتخب ہوئے۔ ۲۳ اگست ۱۹۰۷ء میں فوت ہوئے۔

## اطلاع ضروری

(۱)

بارش کی وجہ سے مطبع الملاح کے مشین روم کے بعض حصے کی ہفتہ سے کمزور ہو گئے تھے، خصوصاً وہ مشین جن کے ذریعہ شیٹس مٹریس کی گئی ہیں۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کام کے روکے بغیر دنگ کی جائے لیکن کوئی صورت نہ نکل سکی۔ مجبوراً اس ہفتہ کا کام ختم کر کے ان کی از سر نو تعمیر شروع کر دی جاتی ہے۔ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ آئندہ ہر کسی کی کسی طرح نکل جائے، لیکن اگر کامیابی نہ ہوئی تو اس صورت میں آئندہ جمعہ کا پرچہ جاری نہ ہو سکے گا اور اُس کے بعد کے جمعہ کو پہلے گا۔ خریداران الملاح کو اگر پیر تک پرچہ نہ ملے، تو وہ سمجھ لیں کہ پرچہ شائع نہیں ہو سکا ہے۔ یہ ہفتہ خریداروں کی سالانہ قیمت میں محسوب نہ ہوگا۔ "منیر"

(۲)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مولانا ابوالکلام کے اُن مضامین کی اشاعت شروع نہیں ہوئی ہے جس کا اُن کے احباب کو انتظار تھا۔ بجز باب التفسیر کے اور وہ بھی ہرگز نہیں سلسل نہیں ہے۔ اُن حضرات کو اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ الملاح جاری کر کے ہوئے اُنھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ جو کچھ ایک مقدمہ اور بعض دیگر ابتدائی جلدوں کی از سر نو تحریر سے وہ نافع نہیں ہو گئے، الملاح کے لئے پورا وقت نہیں نکالیں گے۔ اب وہ ایک حد تک فاضل ہو چکے ہیں۔ اور اُنھوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ ستمبر ۱۹۰۷ء سے واپسی کے بعد اس کے لئے کافی وقت نکالیں گے۔

منیر

ہے۔ اُن کی عمر چھٹی زیادہ ہوئی گئی، اُسی قدر زیادہ اُن میں سیاسی جوش اور انقلابی روح بیدار ہوئی گئی۔ برطانیہ نے زغلول کو جلا وطن کیا تھا۔ لیکن اس عظیم انسان کے دلبس اس وجہ سے کوئی بغض پیدا نہیں ہوا۔ برطانیہ نے دیکھ لیا تھا کہ اُس کا ایک ایسا شخص ہو جو خندہ پیشانی سے ہر طرح کی ضربیں برداشت کر سکتا اور لوے جو کہ اس سے اُن کا جواب دے سکتا ہو۔ کوئی شخص بھی اس نڈاہ کی شجاعت پر حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا، جس نے بے شمار مخالفت و قوتوں سے مقابلہ کیا اور سب کو بالآخر اپنے ارادے کے سامنے جھکا لیا۔ "۱"

"زغلول، سالہا سال سے مصر کا معبود تھا۔ سیاسی جنگ میں اُس کی شجاعت و دلالت بے نظیر تھی۔ وہ اپنی قوم کو کامل خود مختاری کی طرف لے جا رہا تھا۔ لارڈ کرزن نے ایک مرتبہ کہا تھا "زغلول، شورش کا غیر مسئول علم بردار ہے"۔ لیکن کچھ ہو، وہ اپنے ملک کی آزادی چاہتا اور انگریزوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا چاہتا تھا۔ مصریوں کے دل میں اُس کی عزت بے حساب تھی۔ وہ ہمارا شریف اور بہادر دشمن تھا۔"

"زغلول پاشا، تمام مصریوں میں ایک آدمی تھا۔ اُس کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُسے ۳۷ ستمبر جلا وطن ہونا پڑا۔ انگریزوں نے بہت کوشش کی کہ اُسے جاہ و منصب کا لالچ لے کر واپس لائیں، مگر انھوں نے ہمیشہ انکار کیا، اور کامل خود مختاری کے سوا کچھ کچھ قبول کرنے پر رضامند نہ ہوا۔ سعد پاشا کی ذہانت، اخلاق، خوش مزاجی، ایسی تھی جس کی نظیر مغلوب قوموں کے رہنماؤں میں کبھی نہیں دیکھی گئی۔ یہ انگلستان کے متعصب متعصب اخبارات کے خیالات ہیں۔ لیر پارٹی کے اخبارات نے تو اس کی بہت زیادہ لکھا ہے۔ اختصار کے خیال سے ہم ان کا ذکر نہیں کر سکتے۔ یہ تمام راجس تار کے ذریعہ ظاہر کے اخبارات میں پہنچی ہیں اور ابھی ان کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اسی طرح فرانسیسی اخبارات نے بھی طویل و عریض مضمون شائع کئے ہیں اور مرحوم کی بہت تعریف کی ہے۔

نیم سرکاری اخبار "طمان" لکھتا ہے: سعد پاشا، مصر کے انتہائی بڑے آدمی تھے۔ اُن کی زندگی کا اکثر حصہ اپنے ملک کے لئے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد میں گزرا۔ وہ دنیا بھر کی نظروں میں مفرد و محرم تھے۔"

"ایکو ڈی باری" لکھتا ہے: "زغلول، مصر کا عظیم آدمی تھا۔ آزاد کا علم بردار تھا۔ مصر میں اُس سے بڑا کوئی آدمی موجود نہ تھا۔" اخبار "ویبا" لکھتا ہے: "سعد کی موت نے مصر کو اپنے سب سے بڑے رہنما سے محروم کر دیا۔ اُس کی شخصیت، بہت ہی عظیم تھی۔" مکتوب بہت دراز ہو گیا ہے۔ آئندہ ہفتے انشاء اللہ میں لکھا جائے گا کہ سعد پاشا کی موت کا اثر مصر کی سیاست پر کیا پڑ سکتا ہے؟ اور انگریز اُس سے فائدہ اٹھانے کی ابھی سے کیسی طایاریاں کرنے لگے ہیں؟ لیکن قلم روکنے سے پہلے میں بہت ہی اختصار کے ساتھ مرحوم کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب سمجھتا ہوں۔ تاکہ آپ کے قارئین اندازہ کر سکیں کہ عظیم زندگی کیونکر شروع ہوئی اور کس طرح موجودہ بلندی تک پہنچی؟

سعد پاشا کی زندگی پر ایک نظر

وہ منہ عام میں پیدا ہوئے۔

"ہر اکتوبر ۱۸۷۷ء کو شیخ سعد زغلول ازہری طالب علم کی سرکاری اخبار الوقائع المصریہ کے ادارہ تحریریں تقریریں ہوئی۔ ۸۰۰ قرش (ایک قرش ۱۲۰ کراہ ہوتا ہے) ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی تھی۔ یہ طالب علم

جائے۔ اُس کا نام بدستوری ہے گا۔ مرحوم کی بیوہ کو زندگی بھر اسی رہنے کا حق ہوگا۔

یہ مکان مرحوم نے سلاسل میں تعمیر کیا تھا۔ اور اپنی محرم ہوتی کر دیا تھا۔ وزارت نے طے کیا کہ یہ مکان کا وہ تمام سامان اُسی رتب سے باقی رکھا جائے گا، جس طرح مرحوم کی وفات کے وقت تھا۔ حتیٰ کہ مرحوم کے کپڑے بھی محفوظ رکھے جائیں گے۔ ان کپڑوں میں ایک شیخ جب بھی ہو جو وہ اپنے وطن لباس کے اوپر پہنا کرتے تھے۔ لکھتے پڑھتے کا بھی تمام سامان علی مال رکھا ہے گا۔ مگر کی ہر چیز رکھا جائے گا کہ بخریدی گئی؟ کیوں خریدی گئی؟ اور مرحوم اُس سے کیا کام لیتے تھے؟

(۳) بیت اللہ میں مرحوم کی نعش دفن کی جائے گی۔ اُن کی بیوی و بچہ صاف ہیں۔ اس نئے انتظام کی تکمیل اور جدید شادمانہ مقبرے کی تعمیر کے بعد نعش یہاں منتقل کر دی جائے گی۔

(۴) سعد پاشا "ابناء" گاؤں کے جس مکان میں پیدا ہوئے تھے، وہ بھی خرید لیا جائے اور اُس میں شغافانہ یا دہر سبجاری کو لیا جائے (۵) پایہ تخت میں ایک عظیم الشان شغافانہ یا تیم خانہ قائم کیا جائے اور مرحوم کے نام پر اُس کا نام لکھا جائے۔

### تقریر کے پیغام

یکم زغلول کے نام دنیا بھر سے تقریر کے پیغام آرہے ہیں۔ بڑے بڑے آدمیوں اور بادشاہوں نے تار بھیجے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا پیغام سلطان ابن سعود اور اُن کے بیٹے امیر فیصل کا تھا۔ انھوں نے نہایت رنج و ملال کا اظہار کیا ہے اور اس حادثہ کو تمام مشرق کے لئے عظیم خسارہ بتایا ہے۔ اگر میں ان تمام پیغاموں کا ذکر کروں تو چھٹی بہت طویل ہو جائے گی۔

### یورپین اخبارات کے افکار

یہ معلوم کرنا نہایت اہم ہے کہ زغلول پاشا کی وفات کو یورپ کے اخبارات نے کس نظر سے دیکھا ہے؟ خصوصاً برطانوی اخباروں نے کس طرح اظہار خیال کیا ہے؟

ٹائمز آف لندن لکھتا ہے:

"زغلول پاشا نے حالات میں ہر میں جو حصہ لیا، اُس کے متعلق تاریخ کا فیصلہ کچھ ہی ہو، لیکن یہ یقینی ہے کہ تاریخ انھیں مصر جدید کا سب سے بڑا آدمی شمار کرے گی۔ وہ اپنے اندر ایک حیرت انگیز ذہن رکھتے تھے، اگرچہ زیادہ مضبوط جسم کے مالک نہ تھے۔ وہ اپنی جمالی بنیاد اور شکل و صورت میں مصری "نڈاہ" (کسان) کا مکمل نمونہ تھے۔ زبردست شخصیت اور اخلاق رکھتے تھے۔ خلق و عادت شجاعت نڈاہ صراحت، اُن کی نمایاں صفت تھی۔ بڑی قوت استدلال، مسکت حجت، حاضر جوابی، خوش گفتاری، اور حیرت انگیز خطابت نے انھیں نہایت ممتاز کر دیا تھا۔ محمد علی پاشا اول خلیفہ مصر کے عہدے آج تک کسی نے بھی فرعون کی سرزمین میں اتنی مقبولیت، اخلاقی اقتدار، اور عام محبوبیت حاصل نہیں کی تھی زغلول پاشا نے حاصل کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر جدید کی تاریخ میں وہ پہلے سیاسی رہنما ہیں جنھوں نے قوم کے دل و دماغ، دونوں پر یکساں اثر ڈالا اور ملک کی سیاسی تربیت کی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مشرقی رہنما مغربی رہنماؤں کے مقابلے میں جلد بولتے ہیں مگر سعد زغلول پاشا نے یہاں بھی سعد زغلول، اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک چپ و چالاک رہے اور سخت سے سخت دماغی سخت انجام دیتے رہے۔ تاریخ میں بہت کم انتہا پسند انقلابیوں کے نام ملتے ہیں۔ جو ۵۰ سال کی عمر کے بعد بھی اپنا سیاسی اقتدار مد مقبولیت برقرار رکھ سکے ہوں۔ لیکن زغلول پاشا اپنے آخری وقت تک محبوب مقبول

## ادبیات

### ان من البیان لسخرا!

#### مرحوم سعد باشا زغلول کی مبلغ قیروین

مرحوم احمد سعد باشا زغلول کی نصاحت و بلاغت اور قوت خطابت، مشہور عالم ہو۔ ان کی مقبولیت اور سیاسی زعامت کی کامیابی میں ایک بڑا راز ان کی یہی ساحرانہ خطابت ہو۔ ہم چاہتے ہیں ان کی بعض مشہور تقرروں کے اقتباسات وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہیں۔ ادنیٰ خوبیوں کے علاوہ ان سے مرحوم کا سیاسی مذہب اور فکری رجحان بھی معلوم ہوگا۔

#### شہیدان وطن کی یاد

”ہم تین خشوع ہو کر ان پاک روجوں کی طرف، بہادروں کی روجوں کی طرف، متوجہ ہوتا ہوں، جنھوں نے حق کا اعلان کیا، حالانکہ حق کا اعلان، مقصد سے بڑا جرم تھا!“  
”وہ حق کا طعنہ بجاتے آگے بڑھے۔ ان کی بے لاگ شجاعت نے ہمیں سحر زد کر دیا۔ سب کو وطن کے احترام پر مجبور کر دیا۔ وہ اپنا فرض انجام دے چکے۔ اب وہ آرام سے اپنی قبروں میں سوئیں۔ آزادی کی سہالی صبح ان کے خون سے نہائی ہوئی، غلامی کی ظلمت چاک کر کے بکھل آئی۔ اندان کی قبریں روشن کرے۔ فردوس بریں میں انھیں لے کر ہمارے نسل سے ان روجوں کو خوش کرے“

#### نوجوان

”میری قوم کی جوانی پر خدا کا سایہ! نوجوانوں نے جوانی کے ان تمام خراڑوں کے منہ کھول دیے جو ان کے سینوں میں بندھے تھے۔ پوئے ملک کو جوش اور خودداری سے لبریز کر دیا۔ دیوں میں غفلت پیدائی، سروں میں حکمت آماری، جسموں میں نظام قائم کر دیا۔ نوجوان ہی ہماری تحریک کا اصلی ستون ہیں۔ حق کے لئے روشنی کا مینار ہیں۔ مستقبل انھیں ہے“  
”اتحاد میں ہو۔ اور نوجوان ہاتھوں کی قوت معلوم ہو“

#### علماء و دین

”میں علماء اسلام اور سچی قیستوں کا شکر گزار ہوں۔ انھوں نے متحد ہو کر دشمن کی سب بڑی جھٹ باطل کر دی۔ تمام اختلافات دور کر دیے، اور ثابت کر دیا کہ سب دین اپنی غرض میں ایک ہیں۔ وطن کی مدافعت فرض قرار دیتے ہیں، سب کا تعلق، خابن ارض و سار کی عبادت سے ہو۔ سب وطنی مصلحت میں مخلصی کو اتحاد کی دعوت دیتے ہیں“

#### اصول نہ کہ اشخاص

”سعد اور اس کے رفیق، تم انبیاء نہیں ہیں جنھوں نے مجھے دکھائے۔ اولیاء نہیں ہیں جنھوں نے کریمتیں دکھائی ہیں۔ وہ تھاکہ ہی افراد ہیں۔ تھکے اصول کے خدمت گزار ہیں۔ تھکے ہی آدمی

ہیں، تھکے شور کا اُنھوں نے احساس کیا اور تھکے اصول کو لبریز ہو گئے۔ چنانچہ وہ ان کی خدمت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پس ہمارے لئے کوئی فخر نہیں۔ اور اگر ہو تو وہ تم سب کا فخر ہو۔“  
”بلاشبہ میں نے کچھ خدمت کی ہو۔ لیکن میں نے کوئی قربانی نہیں کی، کیونکہ میں بے روزگار تھا۔ البتہ میرے ساتھیوں نے قربانیاں کی ہیں۔ انھوں نے اپنے منصب اور عہدے چھوڑے، حتیٰ کہ اپنی اولاد تک کی جدائی گوارا کی، اور آپ جانتے ہیں کہ میرے کوئی اولاد بھی نہیں (اسیر حاضرین پچھلے ”ہم سب آپ کی اولاد ہیں“) بلاشبہ تم سب میری اولاد ہو۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تمام افراد دشمنی کے لئے نہیں، اصول کے لئے ہو۔ وہ اصول، سعد اور سعد کے رفقاء سے کہیں بلند ہو“

#### اتحاد

”میری نظریں سب بڑی اور محبوب خیر مسلمانوں اور قطبیوں کا اتحاد ہو۔ یہ علم، جو اس مبارک اتحاد کا نشان ہے، مجھے دینا اور دینا کی سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہو۔ یہ علم میرے ہاتھ میں ہے۔ دوسرے وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی قوت سے اس کی حفاظت کر دوں گا اور زندگی کے آخری لمحے تک اسے بلند رکھوں گا۔ ”مسلمان“ اور ”عیسائی“ لیکن میں مسلمان اور عیسائی نہیں چاہتا۔ مقصد میں صرف ایک قوم ہونا چاہئے اور وہ مصری قوم ہو“

#### وکالت

”وکلار کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مرحوم نے کہا، ”میری خدمتوں کی مدد میں ہوئی ہو۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ میرے لئے ان خدمتوں پر فخر کرنا زیادہ نامناسب ہو لیکن میں آپ کی اجازت سے صرف اس بات پر فخر کرنا چاہتا ہوں کہ میں وکالت کے پیشے میں داخل ہوا اور اس کی خدمت کی۔“

”ہاں، میں اس خدمت پر بہت زیادہ فخر کرتا ہوں۔ مجھے کوئی اذیت کا الزام نہ ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں اس زمانے میں اس پیشہ کا کیا حال تھا؟

”میں نے وکالت کا پیشہ اُس وقت اختیار لیا جب یہ پیشہ فخر نہ تھا، جیسا اُس وقت ہو۔ بلکہ وہ حقیر سمجھا جاتا تھا اور اس کے آدمی بھی حقیر سمجھے جاتے تھے۔ یہ پیشہ اصل میں جس قدر شریف تھا، ہمارے ملک میں اُسی قدر ذلیل ہو گیا تھا۔ وکیل اور دعا باز، یہ دونوں لفظ ہم میں سمجھے جاتے تھے۔ اپنے خاندان کا کوئی رکن بھی اسیں داخل نہیں ہوتا تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ اُس وقت خود وکلار کو بھی اپنی عزت نفس کا کوئی خیال نہ تھا۔“

”لیکن یہ سب جانتے بھٹے بھی میں اس پیشے میں در آ رہا۔ مجھے یہ ایک بڑی اخلاقی شجاعت کا کام تھا۔ میں سنا کرتا تھا کہ لوگ ذلیل اس لئے بنتے ہیں کہ وہ فرب کی راہوں سے دولت کمائیں۔ جیہ کہہ لیکن میں اس لئے وکیل بنوں گا کہ حق و عدالت کی خدمت کر سکوں“  
”یہ اُس وقت کی بات ہو جب وکیل، حاکم عدالت کے دھرم پر ہوتا۔ اُس کی ذمہ داری ناراضی بھی، وکیل کو اپنی کمائی سے محروم کر دیتی تھی۔“  
”ایک دن ایسا ہوا کہ میں ایک مقدمہ پر بحث کر رہا تھا کہ وکیل نے کہا آج پیشی بڑا ہی جائے۔ میں نے اصرار کیا، ”یہ شہ کا التزام ادا ہو، کیونکہ ملازموں کو قید خانے میں بلا سب رکھنا ناہموار ہو۔ حاکم خفا ہو گیا۔ ”تو اُن اپنے الفاظ واپس لو“ حاکم نے کہا۔ ”میں نے کوئی بات بھی ناروا اور ناجائز نہیں“ لیکن میں نے الفاظ واپس لینے سے انکار کیا اور سخت متوتر حال کا مقابلہ کیا۔“  
”اسی طرح کے بہت سے واقعات پیش آتے رہے، یہاں تک کہ وہ زمانہ آ گیا جب یہ پیشہ مغرور ہو گیا اور حکام، وکلار کی دوستی بفر کرنے لگے“

#### قومی بگرامی کے حدود

”ہم قوم کے منادے ہیں۔ قوم کو ہماری بگرامی کا حق ہو۔ قوم کا فرض ہو کہ وہ اپنا مطالبہ ہیں بتائے۔ اُسے یہ مطالبہ ہیں بتایا ہو کہ ”کابل آزادی“ اب ہم کو شش کرتے ہیں۔ قوم کو یہ حق نہیں کہ وہ کو شش کی راہیں بھی ہمارے لئے مقرر کرے۔ قدم قدم پر ہم سے باز پرس کرے اگر ہم کسی سے گفتگو کریں تو ہم سے رد و طلب کرے اگر ہم کہیں جائیں تو ہم سے وجہ مدیافت کرے۔ قوم کو چاہئے کہ خاموشی سے ہماری کوششیں دیکھے۔ جب ہم اس کے سامنے اپنی کوشش کے نتائج پیش کریں تو بلاشبہ اسے حق ہو کہ ہماری تجویزوں کو خیر جائے اگر اس کی پسند کے مطابق نہ ہوں تو ٹھکرائے۔ ہمیں ہرگز کوئی شک نہیں ہوگی“

#### آزادی کی نعمت

”ہم دنیا کی ہر نعمت سے محروم ہو جانے پر طیار ہیں۔ سب آرام، ہم سے چین لو، ہمارا مال و دولت بھی ضبط کر لو۔ ہم اس سب پر مطمئن ہیں گے، مگر اے میں غلام بنانے والا یا درکھو، ہم آزادی سے ہرگز دست بردار نہ ہونگے۔ آزادی، خدا کی سب سے بڑی نعمت ہو۔ اس سے محرومی خود زندگی سے محرومی ہو“

#### قومی وحدت

”قوم ایکے ہوا کچھ نہیں کہ انسانوں کا ایک مجموعہ ہے، وہ مجموعہ جس کی مصلحت ایک ہو، جس کا شوق ایک ہو، جس کی آمد و ایک ہو، قوم کی اس وقت آرزو کیا ہو کہ اصل خود بخود! ”ہماری قومی وحدت مضبوط بنانا پر قائم ہو۔ اس میں فرقہ پش دیکھے ہیں۔“

”وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ”باشاؤں (امیروں) کا گردہ پوری قوم پر حاوی ہونا چاہتا ہے۔ ہمارے ملک میں نہ ”باشاؤں“ کا کوئی خاص گردہ ہو نہ ”فلاص“، ”کسان“ کا۔ ہم سب ”باشا“ بھی ہو سکتے ہیں اور ”فلاص“ بھی ہو سکتے ہیں۔ میرے اپنے خاندان کے افراد! فلاح ہیں لیکن میں سعد زغلولی باشا ہوں۔“

”وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے اند دینی فرقے موجود ہیں۔ مگر ہر پہلے کچھ ہوں، لیکن اب کوئی فرقہ نہیں ہو۔ امداد کوئی ہو تو وہ ایک ہی فرقہ ہو۔ لیکن مصری قوم، جب سے جدید بیداری کا سچ طبع ہوا، ہلال اور صلیب ہمیشہ کے لئے معاف کر لیا ہو۔ یہ معاف، صرف مسلمان اور قطبی کا معاف نہیں ہو۔ یہ مسلمانوں کا دنیا بھر کی قوموں اور مذہبوں سے اتحاد کا نشان ہو۔ ہم متعصب نہیں ہیں۔“

۴۔ ہم شہیدان کے مجاری ہیں۔ ہمیں جو باتوں میں بیوقوف ڈالتا ہو۔ ہم خود کے پریشان ہیں جو باتوں میں بیوقوف ڈالتا ہو۔ ہم خود کے پریشان ہیں جو باتوں میں بیوقوف ڈالتا ہو۔

ان تمام صحابہ کے لئے

五

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

# دنیا میں عظیم الشان مقام

# I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

56

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلعی اور بطور مہمکنائیں، پرانی تعمیریں، پرانے بچے اور نعوش، پرانے زلیہ، آرائش و تزیین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی محاربات نوادہ، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہادی نائش گاہ ہولڈ و خارجہ کی نمائندگی ہی سنبھالیجئے۔ اہل علم و ادب اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہو۔

نواد عالم کایہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں کو غیر معمولی مصارف و ساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندستان، ایران، ترکستان،  
چین، وغیرہ ممالک میں پہلے یوحنا بن ہشتم جو دوسرے کرتے رہے ہیں۔

یا ایہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!

بر عظم لوہے، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام طے طے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ تاہم اگر نئے ایوان شاہی کے نوادہ بھی حاصل ہوں تو ہم سے نئے کام ہر

اگر آپ کے پاس نوادرموجود ہوں

じ

آپ فرخت کرنے کے لئے بھی پہلے مے سے ہی خط و کتابت کیجئے۔  
 بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفر یا مقامی ایجنٹ آپ کے دل کے



ضرر ہمدرد دوا خانہ کا

موسم گرما کا نایا شہب

یاد رکھئے

شریت روح افسترا (جسٹرو)

جو تقریباً ۷۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ہم بکھی ہو کر ملا تفریق مذہب عام ہر دین و نری و شرع مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک غیر ملک شریعت حاصل کر چکا ہے اور جس کو چشم بہ (حوصلہ) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے جسٹرو بھی کرایا گیا ہے۔

محرم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے فوائد کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل دہم شت قانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدر والی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیو وسیع برعظم جس جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شریعت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج برہم گرامیں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔ ناظرین! یہ شریعت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے خواہات مثل انگور، سیب، رنگتو، وغیرہ اور بہت سے اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جالغشالی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ نشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ استعمال قلاب، درد سرد دوران، سر متلی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً مہذب ہے۔

معدوی خوبیوں کے علاوہ اس کا استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر طور پر رنگ و لہریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خواہم تو اب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشار کی ترویج کو ترقی دینا منظر ہے۔ ہیں امید ہے کہ آپ بول و بچہ کر اور استعمال کر کے جو میرا شدہ فوخر ہندوستان کی سنت کا امیدا فرما منور ہو اور جس کی ہر چیز دلی ہو۔ خوش ہونگے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حشر کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (بیم) حکیموں اور عطاردوں کے علاوہ تاجران شریعت کو بشرطیکہ وہ ایک دجن یا اس سے زیادہ خریدیں فی پیکٹیشن

نوٹ: اس شریعت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی غفلت ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شریعت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شریعت خرید

کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دوا خانہ کا خوشمالیل اور ہر لفظ جسٹرو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح ہے کہ یہ شریعت ہمدرد، دوا خانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی ضرر ہمدرد دوا خانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہے۔ "نہرت دوا خانہ سہ سہری ۱۹۲۶ء کا ڈاک آنے پر مفت ارسال ہوگی"

تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

پتہ - ہمدرد دوا خانہ دہلی

اگر آپ کو

د

(ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی تیار کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنگام کا ٹیک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں، ہٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کرے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک تیار کو

قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف

ڈنلاپ گائیڈ بوک گریٹ برٹین

The Dunlop Guide to Great Britain

کا

ڈنلاپ گائیڈ ہو۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک ٹال مل سکتی ہے



# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W.1.**

جو  
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے  
اور  
جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور اُن کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوتا ہے  
یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ  
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں  
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں  
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے  
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے  
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ  
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن  
آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں  
ہمارے پاس  
ہر چٹھا کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہو کرتی ہے

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کے پیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے ایمامین کی ان نادرو اعلیٰ درجہ کی  
بہت زیادہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا  
مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے  
نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب  
ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

آبِوہ حسنہ — امام ابن قیم کتب فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب  
 ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مچل  
 ازھائی روپیہ -

نقاب الرسيلہ — لفظ ”رسيلہ“ کي بحث کے علاوہ امام ابن تيميه نے اسلام کے اصل الاصول ”توحيد“ کي مبسوط بحث کي ہے۔ بلا جلد ازھائی رڊيہ، مجلد سوا تين رڊيہ۔

محتاج صفہ — انکی تعداد، ذریعہ معاش، طریق عبادت اور انکی مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آئے۔

تفسیر سورة الکوثر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا  
 اُن کا ترجمہ - چار اُنے -

العزرة الرقعی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل  
 یدیان کیا ہے - چہہ آنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی  
نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں - نر آنے

نجد و حجاز --- علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی تازہ کتاب  
کا اردو ترجمہ - سہا روپیہ -

آئمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے  
خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آنے

مہم سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و تلاش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

( حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب )

**“ Al-Hilal Book Agency,”**

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

گاہ گاہ ہے باز خوان این دفتر پارینہ را

آموزه‌های دشتن گردانهای نسیم را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفرین دعوت تھی۔

الہلال اُنچہ ایک ہفتہ وار مہمور رسالہ تھا۔ لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اُس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تھا۔ اُس کے ہر نمبر میں مختلف ادواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اُسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خریدیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہاف ٹن تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خریدیاں پیدا ہوئیں جو دہر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست ستر روپیہ میں خرید دیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علاحدہ کر کے لیکھے تقار نہیں۔ پچھلے دنوں ”البلاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے خوشی کی کہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب ایرانی جائیں لڑ حق جلدوں کی تکمیل میں ایک دس پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھرا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ دوشش ایک حد تک مشکور ہوئی ازراہ علامہ متفرق پرچوں کے چند ساروں کی جلدیں پوری مکمل ہوگئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آخری مرقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے از ابتدا میں تمام مضامین کی اندکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ      الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ  
 " " " چہارم ۱۰ روپیہ      " " پنجم ۱۰ روپیہ  
 جلد " البلاغ" (جب درسی مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا)  
 قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

منیجر "البلاغ پریس"

## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظریہ اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

## برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میٹروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں تیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میٹروں، تھریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "ٹو سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "ٹو سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھری سی معنت اور تھری سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھریوں کے حالات اور اصول و معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھری سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصل پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA  
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

کتابخانه مکتب

۱۷

۱۸

۱۹۲۷

الحمد لله

۱۶

جلد ۱

تألیف و ترمیم

۵ - آنه

# الہلال

ایک ہفتہ وار موصوٰر سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۰ - ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۶

Calcutta : Friday, 7, October 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔ طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔ پتھر کی چھپائی میں محدود رہ کر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر محروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمبوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔ براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔ طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۳۰۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

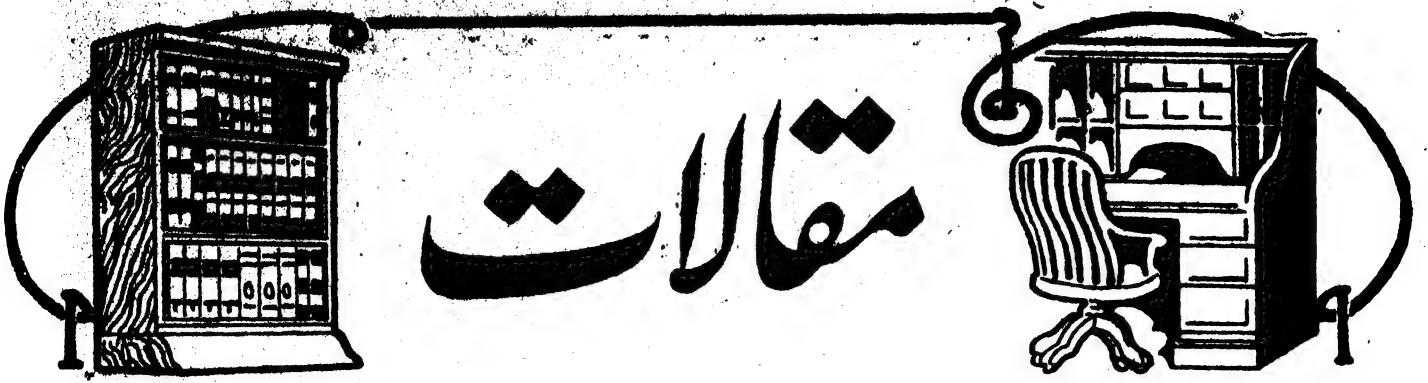
|     |                        |     |                              |
|-----|------------------------|-----|------------------------------|
| ۳۷۵ | اردو حروف کی حق میں    | ۱۹۷ | عربی حروف کی حق میں          |
|     | حروف کی حق میں بشرطیکہ | ۳۷۴ | موجودہ مشترک طباعت کی حق میں |
| ۱۲۷ | نستعلیق ہون            | ۲۲۸ | پتھر کی چھپائی کی حق میں     |

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال





## علم الاجتماع

(۲)

( فرد کا اقتدار جماعت پر )

جماعت نے طویل تجربے سے معلوم کر لیا تھا کہ شکار اور جنگ میں رہی شخص اُس کا سردار ہونا چاہیے جو اسلحہ کے استعمال میں مشاق اور جسمانی قوت میں اصلح ہو۔ یہ حال صرف انسانی جماعتوں ہی کا نہیں ہے۔ چڑیاں بھی جب ایک اقلیم سے دوسری اقلیم کو جاتی ہیں تو اپنی سرداری اور پیش قدمی کے لیے سب سے زیادہ قوی اور تیز نظر فرد منتخب کرتی ہیں۔ ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ چڑیوں کے غول اپنے سردار کے پیچھے اڑتے ہوئے جاتے ہیں !

اپنی تکریر کے آغاز میں سلطنت کی بھی ضرورت ہوئی۔ افریقہ، اسٹریلیا، اور نیوزی لینڈ میں اب تک ایسے قبائل موجود ہیں جو یہ اجتماعی نظام پیش کر رہے ہیں۔ بعض قبائل ایسے بھی ہیں جن کا سردار دائمی نہیں ہوتا، عارضی طور پر منتخب کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ قبائل ٹھکان کا یہی حال ہے۔ اُن کا جب کوئی خاندان سفر یا جنگ کر جانے لگتا ہے تو اپنا سردار منتخب کر لیتا ہے۔ لیکن اس ضرورت کے ختم ہونے ہی سردار کی سرداری بھی ختم ہو جاتی ہے، اور وہ باقی افراد کی طرح ایک فرد عام ہو جاتا ہے۔

جو جماعتیں جنگ و جدل سے دور ہیں، اُن میں فرد کا کوئی اقتدار نہیں ہوتا۔ چنانچہ قبائل درجی میں کوئی بھی سردار نہیں ہے۔ تمام افراد بالکل مساویانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

یہی حال قبائل اسکیمو کا ہے۔ ان کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ ہے، مگر آج تک اُن میں کوئی سردار نہیں ہے۔ شروع شروع جب اُن کے سواحل پر یورپین جہاز پہنچے، تو انہیں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ بحری سپاہی اپنے افسروں کے اشاروں پر حرکت لے رہے ہیں !

( حکومتوں کی تشکیل میں جنگ کا دخل )

ابتدائی حکومتوں کے رجحان کا باعث صرف جنگ ہی نہ تھی۔ لیکن جو حکومتیں جنگی ضرورت سے قائم ہوتی ہیں، وہ فرد ہی کے ماتحت ہوتی ہیں۔ ابتدائی جنگوں کے تجارب نے انسانی جماعتوں کو یقین دلا دیا کہ نظام و ترتیب کی قوت، کثرت تعداد کی قوت سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ بہت سی جماعتیں محض اس لیے برباد ہو گئیں کہ اُن میں کوئی نظام موجود نہ تھا۔ انتشار و فوضیہ عام تھی۔ چنانچہ بتدریج انسانوں نے نظام کے فوائد معلوم کیے اور منظم زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

جملہ مستبد حکومتوں کی پیدائش، جنگ ہی سے ہوئی ہے۔ شخصی حکمرانی کا باعث، جنگ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ قرون اولیٰ میں جب روم کے لیے ایک بڑا جنگی خطرہ پیش آیا، تو قہری حکومت (ڈیکٹیوشپ) قائم ہو گئی۔ لیکن اُس کے دفع ہونے ہی میلسلٹس، جو اس حکومت کا حاکم تھا، اپنے کھیت میں ہل چلانے واپس چلا گیا۔ تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ زیادہ سے زیادہ حریت پسند قوموں میں بھی جنگوں نے ایسے آدمی پیدا کر دیے، جو شروع میں حامی حریت معلوم ہوتے تھے مگر جنگی ضرورتوں نے انہیں مستبد حاکم بنا دیا۔

جنگی قومیں — اپنے جغرافیائی موقع کے لحاظ سے — استبدادی طرز حکومت ہی پر برقرار رہیں۔ اسی طرح تمام وسیع ممالک، جن پر دشمنوں کے حملے ہوتے رہے یا جن میں اندرونی شورشیں زیادہ برپا ہوتی رہیں، اُن کی حکومتیں لازمی طور پر استبدادی رہی ہیں۔ برخلاف ان کے چہرے چہرے اور چاروں طرف پہاڑوں سے محفوظ ملکوں کی حکومتیں جمہوری ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ قدیم زمانے میں یونان اور موجودہ زمانے میں سوئٹزر لینڈ اُن ممالک کی مثال ہیں جو استبداد سے یک قلم نا آشنا ہیں۔ لیکن قوم ترکمان — بدرفت کی حالت میں — شخصی استبداد کی طرف مائل رہی ہے۔

( حکومتوں کی تشکیل میں صناعت کا دخل )

صناعت، اگرچہ براہ راست حکومتوں کی تکریر کا باعث نہیں ہے، لیکن جنگ کے بعد وہ بھی اُن کی تشکیل میں بڑا دخل رکھتی ہے۔ کیونکہ صنعت، دولت مندی کا اولین سبب ہے اور اس لیے باشندوں میں فرق مراتب کا موجب ہے۔

ابتدائی انسان نے جو ہی آلات کو ترقی دی، مختلف قسم کی صنعتیں ظاہر ہونے لگیں۔ صناعت اور کاشتکاری نے غیر معمولی معنت کے ذریعہ اتنی پیدائش پیدا کر لی جو اُن کی ضرورت سے زیادہ تھی۔ چنانچہ اُس کی فروخت اور مبادلہ سے انہیں کافی دولت حاصل ہو گئی۔ اس دولت سے انہوں نے دوسروں سے زیادہ رسوخ حاصل کر لیا اور اپنے لیے خاص خاص صنعتیں اور پیشے خاص کر لیے۔

ان مالداروں کو بہت جلد ضرورت محسوس ہوئی کہ حریص و طماع غریبوں سے اپنی دولت محفوظ رکھنے کی تدابیر اختیار کریں۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لیے قانون و نظام بنائے۔ یا دوسرے لفظوں میں ملک کے لیے حکومت کی بنیاد رکھی اور اُسکی خاص شکل تجویز کی۔

اس قسم کی حکومتیں، جو صناعت اور تاجروں کے ہاتھوں ظاہر ہوئیں، قدرتی طور پر اُن حکومتوں سے مختلف مزاج رکھتی تھیں جنہیں جنگوں نے پیدا کیا تھا۔ کیونکہ اول الذکر میں کامل شخصی اقتدار قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ صناعت اور تاجروں کی جماعت کو بھی رسوخ حاصل تھا۔ اس قسم کی حکومتوں کی مثال قدیم زمانے میں رومن اور رومن کی حکومتیں تھیں۔ یہ حکومتیں جنگی حکومتوں سے بہت سی باتیں میں مختلف ہوتی تھیں۔

( جماعت کی زندگی اور تعاون کے نوازل )

بعض علماء اجتماع کی رائے میں جماعت " ایک حقیقی زندگی رکھتی ہے - آن کا خیال ہے کہ جماعتی ذہن و رجحان " فردی ذہن و رجحان سے علحدہ وجود رکھتا ہے - قدیم زمانے میں افلاطون اور ارسطو کا بھی نظریہ یہی تھا کہ جماعت " ایک عظیم زندہ وجود ہے - گویا وہ سینکڑوں سرور کا حیوان ہے - ہمارے زمانے میں بھی متعدد علماء نے یہی کہا ہے - چنانچہ روس وغیرہ کہتے ہیں کہ جماعتیں " اپنی مستقل زندگی رکھتی ہیں - وہ جسم حی کی مثل پیش کرتے ہیں - وہ کہتے ہیں علماء نیزولوجی ( علم وظائف اعضاء ) کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اجسام حیہ کی اساسی طبیعت یہ ہے کہ ہر عضو اپنی جگہ پر ایک خاص عمل انجام دیتا ہے جس سے مجموعی جسم کی زندگی برقرار رکھتی ہے - مثلاً نبات " جزر " پتوں " اور پھولوں وغیرہ سے مرکب ہوتا ہے - ان میں سے ہر چیز اپنی جگہ پر پورے درخت کی سلامتی و بقاء کے لیے کام کرتی ہے -

اعضاء کا یہ تعاون " دراصلوں پر مبنی قرار دیا جاسکتا ہے :

- (۱) مختلف اعضاء میں وظائف کی تقسیم و تعبد -
- (۲) وہ غرض و غایت " جس کے لیے بطریق تعاون تمام اعضاء کوشش کرتے ہیں -

یہ دونوں اصلیں " تمام انسانی و حیوانی جماعتوں میں پائی جاتی ہیں - یہ اس لیے کہ اگر اعضاء جسم میں وظائف کی تقسیم نہ ہو " تو اس جسم میں سرے سے وصف عضویت ہی موجود نہیں ہو سکتا - مثلاً اگر ہم ایک رنگ کا ٹیلہ دیکھیں جس کے تمام اجزاء و اقسام متشابه ہوں " اور سب ایک ہی عمل انجام دے رہے ہوں " تو ہمیں فیصلہ کر دینا پڑے گا کہ اس ٹیلے کے اجزاء میں وظائف کی تقسیم نہیں ہے - یعنی اس میں خود عضویت کا وجود ہی نہیں ہے - یہی حال انسانی جماعت کا ہے - جس انسانی گروہ کا ہر فرد اپنی علحدہ زندگی بسر کرتا اور جماعت کے لیے کوئی کام نہیں کرتا ہے " ہمیں کہنا چاہیے کہ وہ گروہ سرے سے جماعت ہی نہیں ہے " بلکہ دور وحشت میں پڑا ہوا ہے -

( وظائف کی تقسیم )

جسم میں عضویت کا آغاز اسی وقت سے ہوتا ہے جب اس کے اجزاء میں وظائف کی تقسیم ہو جاتی ہے - یہی حال انسانوں کا ہے جب ان میں تقسیم عمل نافذ ہو جاتی ہے - بعض کہتی ہیں پر لگ جاتے ہیں - بعض کہتا بننے لگتے ہیں - بعض مکان بنانے لگتے ہیں ..... اس حالت میں انسانوں کے اس گروہ کا نام " جماعت " ہو جاتا ہے -

میلن کی رائے ہے کہ عالم اقتصاد میں تقسیم عمل " عالم نیزولوجی ( وظائف الاعضاء ) میں تقسیم وظائف ( فرائض ) کے بالکل مشابہ ہے - یہ تقسیم ہی جسم حی کی خصوصیت پیدا کرتی ہے - اور یہی تقسیم " جماعت " کو موجود کرتی ہے -

اس کی مثال یہ ہے کہ زندہ جسم میں معدہ " نہ تودل کا فرض انجام دیتا ہے " نہ دل معدے کا - گزشتہ تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ زندگی پیدا کرنے میں تقسیم وظائف " تعاون ہی کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے - مثلاً دماغ اپنی غذا حاصل کرنے کے لیے خون عمل نہیں کرتا " بلکہ اس کی غذا معدہ مہیا کرتا ہے " اور قلب یہ غذا اس تک پہنچاتا ہے - یہی حال جماعت کا ہے -

جنگی اقتدار رکھنے والے بادشاہوں پر رعایا کی کوئی نگرانی نہیں ہوتی - لیکن تجارتی حکومتوں میں تجارتی اہل " حاکم کی نگرانی کرتے ہیں " اور حاکم " تجارتی اہل کی نگرانی کرتا ہے " کیونکہ پوری قوم اس منافع طبقہ کے مطالب کا نشانہ بن سکتی ہے -

( حکومتوں کی تشکیل میں مذہبی پیشواؤں کا دخل )

ایک تیسری قوت بھی ہے جو حکومتوں کی تشکیل میں بڑا دخل رکھتی ہے - وہ قوت کاهنوں اور مذہبی پیشواؤں کی ہے - قدیم زمانے میں دینی پیشواؤں کو غیر معمولی اہمیت و طاقت حاصل تھی - مصریوں اور یہودیوں میں ان کا اقتدار بے رک تھا - یہ انہی کاهنوں کی قوت تھی جس نے مغارق سے فرعون کی پرستش کرائی " اور رموس اور رموس (۱) کو جنگ کے دیوتا کی اولاد تسلیم کرا دیا - چین کے شہنشاہوں کے متعلق بھی ایسا ہی اعتقاد تھا - سیام کے بادشاہ تو آج تک اسی قسم کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں -

غرضکہ سیاسی قوت " اجتماعی ارتقاء کا نتیجہ ہوتی ہے - کمزور ہمیشہ طاقتوروں کا لقمہ ہوتے ہیں - قوت صرف مادی ہی نہیں ہوتی - دینی " اخلاقی " اور فکری بھی ہوتی ہے - بلکہ کبھی کبھی اقتصادی بھی ہوتی ہے - مارکس کا قول ہے کہ اقتصادی قوت ہی سیاسی قوت میں اصل و بنیاد کا حکم رکھتی ہے - اس کی یہ رائے ہر حال میں صحیح نہیں ہے " اگرچہ اقتصادی قوت " سیاسی نظامات کی تاریخ میں بہت مؤثر رہی ہے -

( سیاسی حکومت " اور باہمی تعاون کی متاثر آمت کی تکریم میں )

سیاسی حکومت کا ظہور " ایک اجتماعی حادثہ ہے - یہ حادثہ ہمیشہ ایک ہی قسم کا ہوتا ہے - جماعتیں اپنی " قلس و کثرت میں کٹنی ہی متباین ہوں " مگر اس سے ان کے طبائع میں کوئی تباہی پیدا نہیں ہوتا -

انسان " باہم اجتماعی تعاون کے رشتوں سے جڑ گئے ہیں - صرف اسی تعاون کے ذریعہ ہم اپنی ضرورتیں پوری کر سکتے ہیں - انسانوں کی ضرورتیں اور قابلیتیں مختلف اور متعارف ہیں - اسی صورت حال نے انہیں مجبور کر دیا ہے کہ تقسیم عمل کے اصول پر باہمی تعاون سے کام لیں -

ہمارے اجداد کی اجتماعی روش " ناموس نشو و ارتقاء کے ماتحت فوراً بدل گئی جب انہوں نے دور توحش سے دور ہدایت میں قدم رکھا - جغرافیائی اور جنگی ضرورتوں سے مجبور ہو کر بہت سے قبیلے متحد ہو گئے - ان کے اتحاد نے ایک نیا مجموعہ پیدا کر دیا - اسی مجموعہ کا نام بعد کر " آمت " یا " قوم " ہوا - پھر جب زرعی غلامی اور سرداری کا طریقہ رائج ہوا " تو غلاموں کے قتل کو دالنے کا دستور منسوخ ہو گیا اور غلام کاشتکاری کی خدمت پر مامور کر دیے گئے - پھر صنعت و حرفت کے وسیع پیمانے پر ظہور نے سرے سے یہ غلامی بھی موقوف کر دی -

اسی تدریجی ارتقاء نے قومیتیں پیدا کیں " اور قبائلی سرداروں کو شاہی تختوں پر بٹھا دیا - پلے زمانے میں بادشاہ کا ارلین کام یہ تھا کہ فوج کی سپہ سالاری کرے - مصریوں " آشوریوں " اور یورپین قوموں کی تاریخ ایسی مثالوں سے لبریز ہے -

(۱) رموس اور رموس " مندرستا کی راہبہ " ری سیلویا " کے توام لڑے تھے " اور زنا سے پیدا ہوئے تھے - مگر راہبہ نے دعویٰ کیا کہ وہ جنگ کے دیوتا مریخ کی اولاد ہیں - رموس " روم کا بانی ہے -

# مختارات

## عورت کی طاقت

عورت، ہیئت اجتماعیہ کی بنائے والی ہے۔ پوری ہیئت اجتماعیہ، عورت کے قبضہ اختیار میں ہے۔ سب کچھ اسی کی مدد سے اور اسی کیلئے ہوتا ہے۔ عورت، مرد کی سب سے بڑی مرئی و معلم ہے۔ وہ عورت ہی ہے جو مرد کو اعلیٰ اخلاق، پسندیدہ آداب، اور رقیق احساس سکھاتی ہے۔ عورت بعض مردوں کو لطف معاشرت کی تعلیم دیتی اور سب کو سخت مزاجی سے باز رکھتی ہے۔ عورت ہی کے ذریعہ مرد کو معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی اجتماعی زندگی کیسے نازک اور پر پیچ عناصر و اجزاء سے مرکب ہے۔ عورت کے قریب ہونے ہی سے ہم محسوس کرتے ہیں کہ جذبات کا طوفان اور ایمان کا دھارا اتنا زبردست ہے کہ آسے رکا نہیں جا سکتا، اور یہ کہ انسان اپنی عقل کے بل بوتے پر نہیں چل رہا ہے۔

(انٹول فرانس)

## علماء کی خوش مزاجی

عام طور پر مشہور ہے کہ علماء و فضلاء خشک مزاج ہوتے ہیں۔ شب و روز خشک مباحث میں غور و فکر کرنے کی وجہ سے خشک دماغ ہو جاتے ہیں۔ یہ چیز اس قدر مشہور ہوئی کہ عام اور خوش مزاجی کو بڑی حد تک متضاد خیال کیا جانے لگا۔ بہت سے مدعیان علم مصنوعی خشک مزاجی کی عادت ڈال کر دنیا کو اپنی علمیت منوانے لگے۔ حالانکہ علم اور بشاشت میں ہرگز کوئی تضاد نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہنس مکھ آدمی بھی بڑے سے بڑا عالم ہو سکتا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ نمایاں مثال جاپان میں موجود ہے۔ یہاں کے علماء فن عموماً بڑے خوش مزاج ہوتے ہیں۔ جال میں مشہور جاپانی عالم ڈاکٹر ”میورا“ امریکا گیا تھا۔ وہاں کے لوگ اُس کی ہنسی اور خوش طبعی دیکھ کر متعجب ہو گئے۔

## بادشاہوں کو ہدیہ

بادشاہوں کے لئے ایک مصیبت ہدیہ بھی ہیں جو انہیں بہت بڑی مقدار میں ہمیشہ پہنچتے رہتے ہیں۔ ایڈورڈ ہفلم کے پاس سیکڑوں صندوق سیکڑے، نک ٹائی، دستانوں، جوتوں، اور چھڑیوں سے لبریز بطور ہدیہ لے آیا کرتے تھے۔ وہ ہدیہ بہت کم قبول کرتے اور اکثر واپس کر دیا کرتے۔ تاہم بعض نادر چیزیں لے بھی لیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے امریکا سے پاؤ بھر وزن کا ایک آلہ بھیجا تھا۔ اسے بادشاہ نے قبول کر لیا۔ اسی طرح ایک قدیم مصری شاہزادی کا ممی کیا ہوا ہاتھ بھی منظور کر لیا تھا، اور اُس سے میز پر کاغذ دبائے کا کام لیا کرتے تھے!

یہی حال سابق قیصر جرمنی کا تھا۔ ایک شخص نے افریقا کے سب سے بلند پہاڑ ”کیلیمبا نگار“ کی چوٹی پر سے ایک پتھر کاٹ کر ہدیہ بھیجا تھا۔ اسے قبول کر لیا۔ نیز ایک بڑھیا کا سو مارک کا نوٹ بھی منظور کر لیا تھا۔ اس عورت نے دربان کے ہاتھ شہنشاہ کو ایک لفافہ بھیجا جس میں اس بنک نوٹ کے علاوہ ایک خط تھا: ”کل میں نے آپ کو فرج کی قواعد ملاحظہ کرنے وقت سوئی سے کانپتے دیکھا۔ یہ سو مارک کا نوٹ قبول کیجیے اور اس سے اپنی بنیائیں خرید لیجیے“

ضروری ہے کہ اُس میں بھی بعض افراد، قوم کی مدافعت کی ذمہ داری لیں، بعض عام مصالح انجام دیں... اس تقسیم عمل اور تعارن کی غایت یہ ہوتی ہے کہ مجموعہ یعنی جماعت، قائم و محفوظ رہے۔ ہر عضو، دوسرے اعضاء کے مقابلے میں بیک وقت، واسطہ اور غایت ہوتا ہے۔ چنانچہ مثلاً کاشتکار حاکم کا خدمت گزار ہوتا ہے، اور حاکم، کاشتکار کا خادم ہوتا ہے۔ اسی طرح جماعت کا ہر فرد، دوسرے افراد کا معارف و مدد گار ہوجاتا ہے۔

یہ اعمال اپنی مجموعی حیثیت سے دائرہ حیات میں متعدد حلقوں کا حکم رکھتے ہیں۔ تمام اقوام اور قبائل، انسانی مجموعہ میں ایسے ہی دائرے بنائے چلے جاتے ہیں۔

(سلطنت میں نظام حیات)

اسپینسر نے کائنات حیات کی بحث میں بتایا ہے کہ جسم حی میں تین بڑے نظام، تین بڑے وظائف انجام دیتے ہیں: نظام ہضمی، مجموعہ عصبی، نظام تنفس۔

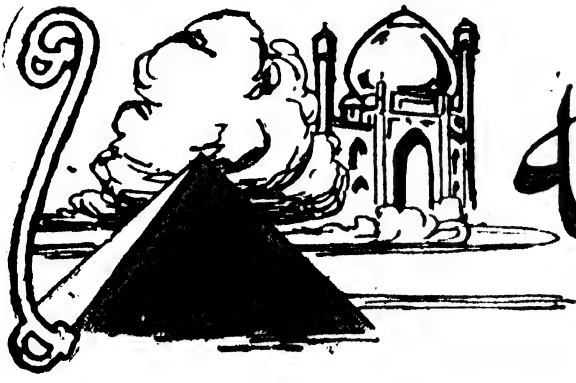
یہی حال سلطنت کا ہے۔ ایک فریق مجموعہ کے لیے اُس کی غذا مہیا کرتا ہے۔ دوسرا فریق سلطنت کا انتظام سنبھالتا ہے۔ تیسرا فریق — اور وہ درمیانی فریق ہے — زمین کی پیداوار تقسیم کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے تاکہ باقی جماعت اُسے اپنے کام میں لائے۔

یہ عمل، جسم انسانی میں دوران خون کے نظام سے بہت مشابہہ ہے۔ سلطنت میں زراعت، حکومت، تجارت، تین اعضاء ہیں اور اُن اعضاء ثلاثہ کے قائم مقام ہیں جو حیات حیوانی قائم رکھتے ہیں۔

یہاں پر ایک سوال قابل لحاظ ہے۔ ہمیں آئے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ”کیا سلطنت ان اعضاء کے وجود کے بعد ہی موجود ہوجاتی ہے؟ — گہری کا آلہ یا جہاز کا آلہ، کائنات حیات کے مشابہہ ہے۔ چنانچہ وہ بھی دوسرے اجسام حیات کی طرح مختلف اعضاء سے مرکب ہے۔ اس کے اعضاء میں بھی تقسیم عمل ہے اور اپنے اعمال کی انجام دہی میں تعارن رکھتے ہیں۔ یہ آلات زندہ اجسام سے اس قدر مشابہہ ہیں کہ وحشی انسان انہیں سمجھ مچ زندہ وجود ہی سمجھ لیتے ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر جاندار آلے اور بے جان آلے میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے؟“

اس سوال کا جواب لائنس نے یہ دیا ہے کہ ”لکڑی یا لوہے کا متحرک آلہ، فی نفسہ کوئی ضرورت نہیں رکھتا۔ برخلاف اس کے ہر زندہ وجود عضویت اور مستقل زندگی رکھتا ہے۔ ہر عالم حی، ہزاروں زندہ عوالم کا مجموعہ ہے“

وہ خوف اور کلدہ برنات نے ثابت کیا ہے کہ ہر حیوان اپنے سے بہت زیادہ چھوٹے اور پست بے شمار حیوانات سے مرکب ہوتا ہے۔ ہمارے جسموں کے اندر بہت سی ذی روح کائناتیں موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مستقل زندگی رکھتی ہے۔ ان کائنات کی زندگی ہمارے ہی خون سے ہے۔ یہ کائناتیں مختلف قابلیتیں، خواہشیں، امراض، اور حرکات رکھتی ہیں۔ اگر ہم کسی کیڑے کے درگزرے کردیں تو بھی اُس کا ہر گز زندہ رہے گا۔ بلاشبہ ترقی یافتہ حیوانوں کی یہ حالت نہیں ہے۔ لیکن ان حیوانات کے بھی بعض اجزاء — مثلاً ناخن اور بال — جسم کی موت کے بعد زندہ رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان کے ناخن اور بالوں کا بڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں زندگی موجود رہتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے کہ لکڑی چوہوں کی دمیں اگر ایک چوہے کے جسم میں لگا دی جائیں، تو ان تمام دمیں میں بھی زندگی پیدا ہو جائیگی۔



# اثار عتیقہ



## ایک قدیم مرقع

خلیفہ ہارون الرشید اور فرانسیسی سفارت

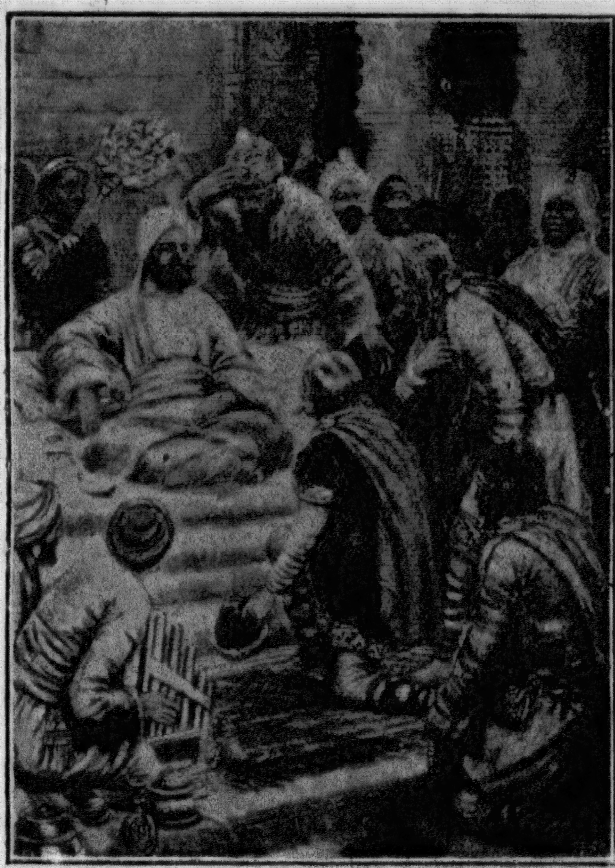
عرصہ ہوا، زمانہ حال کے مشہور مصری مصنف جرجی زیدان مرسس الہلال قاہرہ نے اپنی سیاحت یورپ کی یادداشتیں شائع کرتے ہوئے لکھا تھا ”سوربن یونیورسٹی میں ایک قدیم مرقع میری نظر سے گزرا۔ اس میں اُس فرانسیسی سفارت کا خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں ورور دکھایا گیا ہے جو شارلیمین اول نے بغداد بھیجی تھی، اور جس نے جواب میں ہارون الرشید نے وہ عجیب و غریب گھڑی ارسال کی تھی جس کا تمام یورپ میں عرصہ تک شہرہ رہا“

جرجی زیدان نے اس مرقع کا عکس شائع کر دیا تھا۔ اس مرقع میں ہارون الرشید ایک بلند مسند پر جو پتھر پر تو گدیلوں سے بنائی گئی ہے، بیٹھا ہے۔ سر پر خود کی وضع کی قلنسوہ ہے اور اس پر عمامہ بندھا ہے۔ حبشی غلام عقب میں کھڑے ہیں اور فرانسیسی سفارت کے ارکان زمین بوس ہو رہے ہیں۔

مجھے اس مرقع سے بہت دلچسپی ہوئی لیکن اِسکی تاریخ قدامت کی

کوئی تصریح نہیں کی گئی تھی۔ میں نے خیال کیا، بہت ممکن ہے زمانہ حال کے کسی مصری نے واقعہ سفارت کے تخیل کو مرقع کی صورت دیدی ہو، یا کسی تاریخی کتاب کی آئین کے لیے طیار کیا گیا ہو۔ میں چاہتا تھا، اس بارے میں مزید معلومات حاصل کیے جائیں۔ کیونکہ مجھے اپنی ایک زیر تحریر کتاب کے لیے اس طرح کے تمام مواد کی ضرورت تھی۔

گذشتہ سال ایک تقریب سے مجھے موقع ملا کہ مرسو بلوشر سے خط و کتابت کروں۔ یہ فرانس کے مشہور فارسی داں متشرق ہیں اور کچھ عرصہ سے پیرس کے قومی کتب خانہ کے فارسی حصہ کی از سر نو تحقیقات کر رہے ہیں۔ میں نے اس مرقع کی نسبت ان سے دریافت کیا۔ ان کا جواب حسب ذیل تھا:



”جس مرقع کا آپ ذکر کیا ہے (یعنی سوربن یونیورسٹی کا) وہ اصل نہیں ہے۔ اصلی مرقع کی نقل ہے۔ اصلی مرقع اس کتب خانہ میں (نیشنل لائبریری پیرس) میں محفوظ ہے۔ یہ مشکل ہے کہ اس کی صحیح تاریخ معین کی جاسکے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ سولہویں صدی میں یہ مرقع موجود تھا۔ کیونکہ سنہ ۱۵۸۹ء میں جب ہینرک Heinrich نے اپنا مجموعہ تاریخ عرب نیپلز میں شائع کیا ہے، تو اس میں یہ مرقع بھی درج کیا گیا تھا۔ مرقع کے نیچے یہ عبارت لکھی گئی تھی ”بغداد کے خلیفہ کے دربار میں شارلیمین کی سفارت — اس مرقع کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شارلیمین کے حکم سے طیار کیا گیا تھا“ مرقع کا جو نسخہ بطور اصل کے اس وقت محفوظ ہے، غالباً وہ بھی اصل نہیں ہے۔ کسی دوسرے نسخہ کی نقل ہے۔ کیونکہ اس میں بعض خاص طرح کے رنگ استعمال کیے گئے ہیں، اور ان رنگوں کا استعمال سولہویں صدی کے بعد شروع ہوا ہے۔ \* \* \* \* \* سترہویں صدی میں یہ مرقع منجملہ اُن تصاویر کے تھا، جن سے فرانس کے شاہی قصر آراستہ کیے جاتے تھے۔ قصر توہلری کے لیے یہ مرقع ایوان استقبال کی اُن تصویریں کی قدر و قامت کے مطابق طیار کیا گیا تھا، جو اسکی دھنی اور بائیں دیواروں پر قدم آدم جٹنی ترتیب دی گئی تھیں۔ میں اگرچہ یہ کہنے کے لیے کافی تاریخی تصریحات نہیں پاتا کہ یہ مرقع اصلی ہے، تاہم اس کی تاریخی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کم از کم یہ بات بالکل صاف ہے کہ خود شارلیمین کے عہد کا ہوا نہ ہو، لیکن سولہویں صدی سے پیشتر کا رائج و مشہور مرقع ضرور ہے۔ \* \* \* \* \* ایک دوسرے واقعہ سے بھی اس مرقع کی تاریخی حیثیت کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہارون الرشید نے اس سفارت کے جواب میں فرانسیسی سفیروں کے ساتھ اپنے خاص سفراء بھی بھیجے تھے، اور ان کے ذریعہ بیت المقدس کی طلائی کنجیاں اور بہت سے قیمتی تحائف روانہ کیے تھے۔ انہی تحائف میں وہ اپنے عہد کی عجیب و غریب گھڑی بھی تھی جس کا ذکر اُس عہد کے مورخ اے جی نارت Eginhart نے



## مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

### مصطفیٰ فاضل پاشا

### اور لائحہ اصلاحیہ

(اعلان حق اور امر بالمعروف کا ایک شاندار کارنامہ)

انیسویں صدی کے وسط میں دولت عثمانیہ کی سیاسی و اجتماعی اصلاحات کی جو حرکت شروع ہوئی تھی، عام طور پر اسکی ابتدائی تخم ریزی مرحوم مدمت پاشا کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدمت پاشا اس روح تجدید کا دائمی اول نہ تھا۔ اسے منظم و وسیع کرنے والا تھا۔ ترکی اصلاح و تجدید کی اصلی تاریخ مصطفیٰ فاضل پاشا سے شروع ہوتی ہے۔ فی الحقیقت نرجوان ترکوں کی اجتماعی حرکت کا حقیقی مرسس وہی تھا۔

(اصلاح کی ابتدائی فضا)

عثمانی دارالخلافہ میں جس شخص نے یورپ کے تمدنی انقلاب کا پہلے پہل مطالعہ کیا، وہ مصطفیٰ رشید پاشا تھا۔ امراء دولت میں بھی پہلا شخص ہے جس نے یورپ کی زبانوں سے واقفیت حاصل کی۔ اسکی نشوونما سلطان محمود مصلح کے عہد میں ہوئی تھی۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں جب سلطان مرصوف کا انتقال ہوا اور سلطان عبدالمجید تخت نشین ہوا، تو یہ لندن میں عثمانی سفیر تھا۔ سلطان عبدالمجید نے اس منصب سے ترقی دی اور وزارت خارجہ پر مامور کر دیا۔ یہ اسی شخص کی سعی کا نتیجہ تھا کہ اسی سال کے ماہ جون میں دولت عثمانیہ کی تنظیم و اصلاح کا وہ تاریخی فرمان صادر ہوا جو ”خط گل خانہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اسکا نام ”گل خانہ“ اسلیے ہوا کہ سرے ”ترب قیو“ کے چمنستان (گل خانہ) میں اُس کا اعلان ہوا تھا۔ اس اعلان میں دولت کے قانونی اور منظم ہونے کا یقین دلایا گیا تھا۔ نیز مسلم اور

کیا ہے۔ اس عرب سفارت کے زور و استقبال کا ایک ایسا ہی مرقع فرانس میں موجود ہے جیسا یہ زیر بحث مرقع ہے۔ اس مرقع میں شارلیمین کو اس کے دربار میں دکھایا گیا ہے اور عرب سفیر اس حالت میں نمایاں ہیں کہ اپنے تحائف پیش کر رہے ہیں۔ اس سے صاف طور پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واقعہ سفارت کے دنوں درباروں کی تصویریں بہ یک رقت طیار کی گئی تھیں۔ اور عجب نہیں خود شارلیمین کے حکم سے طیار کی گئی ہوں۔ یہ دوسرا مرقع پیرس کی مشہور عمارت پنتھیون Pantheon کی دیواروں پر اس وقت تک موجود ہے۔ یہاں شارلیمین کے عہد کے مختلف مرقع دکھائے گئے ہیں، من جملہ ان کے عربی سفارت کا استقبال بھی ہے۔

اس مرقع کی نقل ہدیہ قارئین ہے۔

دینی کے حقوق کے مساوی ہونے اور ہر طرح کے غیر قانونی امتیازات کے منسوخ کر دیے کا اعلان تھا۔

مصطفیٰ رشید پاشا نے اپنے عہد وزارت میں تعلیمی و معاشرتی اصلاحات کی جو روح پیدا کی تھی، اُس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک قلیل جماعت نئے تعلیم یافتہ افراد کی پیدا ہو گئی۔ ان میں سب سے زیادہ نامور شخص دو ہوسے: عالی پاشا اور نرود پاشا۔ دونوں نے صدارت و نظارت کے مناصب تک ترقی کی، اور اپنے عہد کے مشاہیر مدبرین میں شمار کیے گئے۔ سلطان عبدالمجید کے عہد کے تمام اجراءات اصلاحیہ کی باعث و کار نما شخصیتیں یہی تھیں۔ معاہدہ پیرس (۳۰ مارچ سنہ ۱۸۴۶) میں دولت عثمانیہ کو جو کامیابی ہوئی، اور انگلستان، فرانس، اور اٹلی نے روس کے برخلاف ساتھ دیا، وہ بہت کچھ انہی دنوں کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ معاہدہ پیرس کے بعد ہی تاریخ اصلاح عثمانی کا دوسرا فرمان شائع ہوا تھا جو ”خط شریف“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس میں ”خط گل خانہ“ کی مزید تالیف کی گئی تھی، اور تمام رعایا کی آزادی حقوق کے احترام کا یقین دلایا گیا تھا۔ یہ بھی تمام تر نرود اور عالی ہی کی مساعی کا نتیجہ تھا۔

(مصطفیٰ فاضل)

مصطفیٰ رشید پاشا، اور عالی پاشا نے اصلاح و تغیر کیلئے فضا پیدا کر دی، مگر جماعت پیدا کرنے کا کام بعد کر ہونے والا تھا۔ یہ مصطفیٰ فاضل پاشا کی شخصیت تھی، جس نے اس نئی فضا کو نشوونما دی، اور ”نوجوان“ ترکوں کی جمعیت کا اولین سنگ بنیاد رکھ دیا۔ مدمت پاشا بعد کر آیا تا کہ اپنے عظیم اعمال اور عظیم قربانی سے اس سنگ بنیاد پر ایک نئی عمارت چن دے!

مصطفیٰ فاضل پاشا محمد علی بانی خاندان خدیوہ مصر کا پوتا اور ابراہیم پاشا فاتح حجاز و شام کا بیٹا تھا۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوا اور مصر میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ مصر میں محمد علی کے زمانے سے مغربی علوم و السنہ کی اہمیت کا احساس عام ہو چلا تھا، اور خاندان خدیوی کے تمام افراد فرانسیسی زبان کی تعلیم حاصل کرنے لگے تھے۔ مصطفیٰ فاضل کو بھی اسکا موقع ملا۔ اس طرح مغربی علوم و تمدن کے فہم و مطالعہ کا دروازہ اُس پر کھل گیا۔ ابھی سلطان عبدالمجید ہی کا زمانہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ آیا، اور چند سالوں کے بعد جب سلطان عبدالعزیز تخت نشین ہوا، تو نظارت معارف (تعلیم) کا ناظر مقرر ہو گیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب مالیات کی وزارت کی جگہ خالی ہوئی، تو حکومت کی نظر انتخاب اسی پر پڑی۔

(لائحہ اصلاحیہ)

یہ وہ وقت تھا، جبکہ دولت عثمانیہ کی زوال پذیر ہستی کی حفاظت کیلئے اصلاح و علاج کی آخری مہلت درپیش تھی، اور قرب تھا کہ ہمیشہ کیلئے اُسکی شش صد سالہ عظمت و جلال کی دیواریں سرنگں ہو جائیں۔ سلطان محمود مصلح نے نئی اصلاحات کی بنیاد رکھی۔ سلطان عبدالمجید نے اسے بلند کرنا چاہا۔ اگر سلطان عبدالعزیز کا وجود بھی اس سلسلہ اصلاح کی تیسری



مصطفیٰ فاضل کو اس جسارت کا صلہ صرف مہاجرت ہی کی صورت میں نہیں ملا، بلکہ اُسکی تمام ترکی جائداد بھی ضبط کر لی گئی۔ اگر فرانسیسی حکومت دوسری نہ پڑتی تو شاید مصری جائداد سے بھی محروم ہو جاتا۔

مصطفیٰ فاضل کا لائحہ تاریخ شرق جدید کا ایک اہم واقعہ ہے۔ جس جرات و صراحت کے ساتھ وقت کے ایک مستبد سلطان کو مخاطب کیا گیا ہے، اور استبداد و شخصیت کی جگہ آزادی و شہری کی دعوت دی گئی ہے، اس کی کوئی دوسری نظیر اس عہد میں نہیں مل سکتی۔ ہم چاہتے ہیں یہ پورا لائحہ اردو میں منتقل ہو جائے، کیونکہ یہ تاریخ شرق جدید کی ایک قیمتی دستاویز ہے۔

(مسئلہ اصلاح اور ایک اصل مہم)

یہ مرقعہ تفصیل کا نہیں لیکن اشارہ ناگزیر ہے۔ دولۂ عثمانیہ میں سلطان مصلح کے عہد سے لیکر سلطان عبد الحمید خان تک اصلاح و تجدید کی جس قدر حرکتیں ظہور میں آئیں، وہ اگرچہ اس اعتبار سے قابل احترام ہیں کہ استبداد و فساد کے مقابلہ میں حریص و اصلاح کی طلبگار تھیں، لیکن ساتھ ہی یہ واقعہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انکی بنیاد میں یورپ کی عامیانہ تقلید و محاکات کے سرا کوئی مجتہدانہ بصیرت موجود نہ تھی۔

صدیوں سے اسلام کی حقیقی دینی روح مفقود ہو چکی تھی۔ اسلام کے حقیقی سرچشمہ شروع و تعلیم کی جگہ طرح طرح کے انسانی ساخت کے نئے سرچشمے پھوٹ نکلتے تھے، اور اجتہاد و نظر کی جگہ تقلید و جمود کی بنیادیں استوار ہو گئی تھیں۔ ضرورت تھی کہ ایسے اصحاب نظر و بصیرت پیدا ہوتے، جو سب سے پہلے امت کے دینی مزاج کی درستگی کی کوشش کرتے جس کے بغیر حکومتوں کا حاکمانہ مزاج بھی درست نہیں ہو سکتا تھا۔ اس اصلاح کے بعد یورپ کے علمی و صناعی فوائد کے اخذ و اختیار کی راہ خود بخود کھل جاتی۔ البتہ بصیرت و اعتبار کے ساتھ کھلتی۔ تقلید و کورچشمی کے ساتھ نہ کھلتی۔ لیکن انفسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ دولۂ عثمانیہ میں ایسے علماء نا پید تھے اور ہمیشہ نا پید رہے جو صاحب نظر و بصیرت ہوں۔ امراء و حکام جہل و اراہم کی تاریکی میں کم تھے۔ اتفاقات نے چند شخصیتیں پیدا کر دیں جنہیں یورپ کے علوم و لغات سے آشنا ہونے کا موقع مل گیا۔ یہ اپنی کسی بصیرت و روشنی کی بنا پر نہیں بلکہ محض تقلید کی راہ سے استبداد و جہل کی مضرتوں پر مطلع ہوئے، اور اصلاح و انقلاب کی سعی شروع کر دی۔ سعی صحیح تھی، بروقت تھی، لیکن ساعی بصیرت و نظر سے محروم تھے۔ مرض کا احساس غلط نہ تھا، لیکن نہ تروتہ و یقین کامل تھی، نہ علاج ہی صحیح تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس راہ میں جس قدر قدم بڑھے، وہ اگرچہ اکثر حالتوں میں اصلاح غلط تھی، لیکن مجتہدانہ بصیرت و نظر کے فقدان سے کوئی صحیح انقلاب صورت حال میں پیدا نہ کر سکے، اور شرح اس اجدال کی بہت طواری ہے۔

بہر حال بحث و نظر کا یہ مقام دوسرا ہے۔ اس کے فہم و ذوق کے لیے دوسری قسم کی صحبتیں مطلوب ہیں۔ یہاں جو حقیقت قلم بند کرنی ہے یہ ہے، کہ گذشتہ صدی کے مشرقی مصلحین کی تاریخ میں مصطفیٰ فاضل پاشا کو اصلاح و انقلاب ترکیہ کے بانی و داعی ہونے کا شرف حاصل ہے، اور اسکا یادگار کارنامہ ”لائحہ اصلاحیہ“ ہے۔

ہوتا، تو بہت ممکن تھا، اصلاح و تجدید کی راہیں باز ہو جاتیں۔ لیکن عبدالعزیز کے مجتہدانہ استبداد نے جس کے ساتھ شخصی حکمرانی کے تمام عیش پرستانہ عناصر فساد بھی جمع ہو گئے تھے، اصلاح حال کے تمام دروازے مسدود کر دیے۔ خزانہ بالکل خالی تھا۔ یورپ سے قرضوں پر قرض لیتے جا رہے تھے۔ مالیات کے بہترین وسائل مفقود ہو گئے تھے۔ روس نے پیٹر سبرگ سے سرائے دولہہ باغیچہ تک اپنی مخفی سازشوں کا جال بچھا دیا تھا۔ روسی سفیر جنرل اگنائف کا اقتدار روز بروز بڑھ رہا تھا، اور سلطان اپنے تمام معاملات میں اسی کے مشوروں پر کار بند تھا۔ سلطان کا تمام وقت محل کی عیش پرستیوں میں صرف ہوتا۔ بسا اوقات ایک ایک مہینے تک وزراء حکومت کو بار بار باہر کا مرقعہ نہیں ملتا۔ شخصی حکومتوں کا قدرتی مزاج ہی شخصی انانیت اور مستبدانہ قہر و جبر کا ہوتا ہے۔ پھر اگر خصومت کے ساتھ اسکا کوئی حکمران ”مستبد“ ہو جائے، تو ظاہر ہے، اسکا استبداد کس درجہ لاعلاج اور بے پناہ ہو گا؟ تمام ترک اہل قلم متفق ہیں کہ عبدالعزیز اپنے تمام پچھلے مستبد حاکمانوں سے بھی زیادہ مستبد تھا۔ کوئی بات بھی اسے اسدرجہ، طیش و غضب میں نہیں لاتی تھی جس قدر اس بات کا تصور، کہ دنیا کی کوئی مظلوق اسے ”مشورہ“ دنیا چاہتی ہے، یا نصیحت کرنے کی جرات رکھتی ہے۔ ابتدا میں جو لوگ بھولے سے کوئی ایسی جرات کر بیٹھے، انہیں فوراً اسکی سزا بھگنی پڑتی۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ کارخانۂ سلطنت روز بروز درہم درہم ہو رہا تھا اور اُسے والے خطرے کے آثار قریب سے تربت تر ہونے لگے تھے یہ حالت جاری تھی، مگر ہر طرف غفلت و اعراض کا سناتا چھایا تھا۔ کوئی صدا نہ تھی جو کلمۂ حق و اصلاح سے آشنا ہوتی!

لیکن غفلت و افساد کے اس سنوں میں بالآخر جنبش ہوئی، اور دولۂ عثمانیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دعوت الی الحق کی بے خوف صدا بلند ہوئی۔ یہ مصطفیٰ فاضل کی صدا تھی۔ وہ صدائے حق، جسے نہ تو سلطان عبدالعزیز کی سطوت و جبروت روک سکی، نہ امارت و وزارت کے مطامع مانع آ سکے!

تاریخ میں یہ صدائے اصلاح ”لائحہ اصلاحیہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دراصل ایک مکتوب ہے جو سلطان عبدالعزیز کے نام لکھا گیا تھا۔ مصطفیٰ فاضل نے یہ مکتوب سنہ ۱۸۶۷ء میں لکھا، اور بذات خاص سلطان کے حوالہ کیا۔ لوگوں کو جب اس جسارت کا حال معلوم ہوا تو شدت تحریر سے انگشت بدندان رہ گئے۔ دولۂ عثمانیہ کی تاریخ میں یہ بالکل ایک نئی قسم کی جسارت تھی۔ ایسی جسارت جسکی مصطفیٰ رشید، فواد پاشا، اور عالی پاشا جیسے مصلحین بھی جرات نہیں کر سکتے تھے!

سلطان عبدالعزیز نے یہ لائحہ پڑھا، اور وہی نتیجہ نکلا جو متوقع تھا۔ مصطفیٰ فاضل کو قسطنطنیہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ وہ پیرس آیا اور ایک مدت تک کیا ایسے یہاں مقیم ہو گیا۔ مصطفیٰ فاضل کے اسی پیام پیرس سے نوجوان ترک جماعت کی سب سے پہلی بنیاد پڑی۔ قسطنطنیہ کے متعدد نوجوان بتدریج پیرس چلے آئے، اور مصطفیٰ فاضل کی امداد و سرپرستی میں متعدد زندگی بسر کرنے لگے۔ اس عہد کے وہ تمام اصلاح پسند افراد جنہوں نے نہ صرف دولۂ عثمانیہ کیلیے سیاسی انقلاب کی تخم ریزی کی، بلکہ ترکی علم و ادب و کتابت میں بھی دور جدید کی بنیاد ڈالی، اسی عہد کی پیداوار ہیں۔ نامق کمال ہے، ضیا پاشا ادیب، سعد اللہ پاشا، ابوالضیا توفیق، وغیرہم کی نشر و نما اسی دور میں ہوئی۔

(مصطفیٰ فاضل کا لائحہ)

اعلیٰ حضرت!

کلمہ حق بادشاہوں اور حکمرانوں تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ درباری اُس پر پردہ ڈالتے اور اُسے چھپاتے ہیں۔ بادشاہ فرمانروائی کے نشہ میں مبغور اور سلطنت کی لذتوں میں غرق، راہ صواب سے غافل ہو جاتے ہیں۔

وہ خیال کرتے ہیں کہ قومیں اپنے ہی کرتوت سے پریشانی میں پڑتی ہیں۔ اور اپنی ہی غفلت سے پستی میں گرتی ہیں۔ سلطنتیں جب برباد ہوتی ہیں، تو قضا و قدر کے بے رک ہاتھوں ہی سے برباد ہوتی ہیں۔

واقعات کو روز در روز دیکھنے اور ارہام کو ارہام سمجھنے کے لیے انسان کو برے ہی اخلاص اور بڑی ہی جرات کی ضرورت ہے۔ بادشاہ تک بے کم و کاست حقیقت پہنچانے کے لیے اور بھی زیادہ اخلاص و جرات کی ضرورت ہے۔

میرے آقا! یہ اخلاص کبھی میرے دل سے جدا نہیں ہوا۔ خود اعلیٰ حضرت سلطان اس کے شاہد ہیں۔ وہ لوگ بھی اس سے ناواقف نہیں جو میری جلا وطنی کا سبب ہوئے ہیں۔ بلاشبہ زمانے نے مجھے موقعہ نہیں دیا کہ روشن کارناموں سے اعلیٰ حضرت کی ذات شاہانہ سے اپنی عقیدت ثابت کرتا اور اپنی قوم کی فلاح و بہبود۔ اگر یہ نہ کہوں کہ اُس کے احیا — کے ارادے پورے کر سکتا۔ لیکن میں پہلا آدمی ہوں جس نے اعلیٰ حضرت کے سامنے شاہی حکومت کے عیوب بے پردہ کرنے اور وطن عزیز کے مصائب پیش کرنے کی جرات کی ہے۔ یہ اس لیے کہ میرا دماغ اعلیٰ حضرت اور سلطنت عثمانیہ کی خدمت کے لیے سراسر وقف ہے۔ مجھے اعلیٰ حضرت کے عرش سے جو عقیدت و وابستگی ہے، اور وطن معسوب سے جو محبت و رافتگی ہے، اُسی نے مجھے میں یہ قوت پیدا کر دی ہے کہ بے خوف و خطر اُن مصائب و آلام پر نظر ڈالوں جو ہمیں رات کی تاریکی اور دن کی روشنی میں پیش آرہے ہیں۔ حضور کے اخلاق عالیہ پر میرا یقین مجھے ہمت دلاتا ہے کہ اُن مصائب کی تشریح کروں۔ کوئی ایک بھی مخفی نہ رکھوں۔ سب کو صاف صاف ظاہر کر دوں۔ پھر وہ علاج عرض کروں جو ہمیں شفا بخش سکتا ہے، بشرطیکہ اُس کے استعمال سے پہلے وقت نکل نہ جائے۔

میرے آقا! آپ کی مسیحی رعایا کی جانب سے جس سرکشی کا برابر اظہار ہوتا رہتا ہے، وہ یقیناً ہمارے اجنبی دشمنوں کی شرارت کا نتیجہ ہے۔ لیکن وہ اس امر کی بھی دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت کی حکومت کا برتاؤ اپنی تمام رعایا کے ساتھ کوئی عمدہ برتاؤ نہیں ہے۔ اس برتاؤ میں اگر حکومت پہلے معذور تھی تو یقیناً اب اسے برقرار رکھنے میں اُس کے لیے کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس مسلک کا ثمرہ، ظلم کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جہل، اُس سے پھیلتا ہے، فقر و فاقہ اور شر و فساد کی اُس سے پیدائش ہوتی ہے۔

یورپ خیالی کرتا ہے کہ سلطنت عثمانیہ میں صرف مسیحی رعایا ہی ظلم و تذلیل کے لیے منتخب کر لی گئی ہے۔ حالانکہ یہ سخت غلطی ہے۔ مسلمان، جن کی حمایت پر کوئی یورپین سلطنت نہیں، مسیحیوں سے زیادہ ظلم اُٹھا رہے ہیں۔ اُن کے مصائب و آلام کہیں زیادہ ہیں۔ وہ اب تک محض اس لیے صبر کیے

بیٹھے ہیں کہ قضا و قدر پر اُن کا پختہ ایمان ہے۔ صبر و سکون کے عالمی ہیں۔ نفس بلند رکھتے ہیں۔ اُن کی یہ صفات، یورپین تخیل سے بہت بلند ہیں۔ اس لیے یورپ والے انہیں سمجھ نہیں سکتے۔ پھر یہ مسلمان، اُن شریف اور اولو العزم اسلاف کی نسل ہیں جو فرمانروائی کے تخت پر جلوہ گر ہو چکے ہیں۔ سلطنت سے اُنکا اخلاص، قرآن پر اُن کے ایمان سے مل کر ایسا راسخ ہو گیا ہے کہ اب تک اُس میں تزلزل پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اعلیٰ حضرت اپنے مخلص ترین خادم کو یہ عرض کرنے کی اجازت دیں کہ اب مسلمانوں کا بھی پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے۔ مصیبت آخری حد تک پہنچ چکی ہے۔ آلم نے اُن کا جسم کھا ڈالا ہے۔ اپنا غم و غصہ چھپانے کی اب اُن میں قدرت باقی نہیں رہی۔ یقیناً حضور والا کے خاندان اور قوم کے لیے یہ سخت خطرہ ہے کہ رعایا، یاس و نا اُمیدی کا شکار ہو جائے۔

مخلوق پر ظلم بہت سخت ہو گیا ہے۔ آپ یقیناً اُس سے متنفر ہیں، اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ کی امت کے عظماء و اکابر بھی اُس سے بیزار ہیں۔ لیکن وہ معمولی حکومت کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ حتیٰ کہ خود اعلیٰ حضرت بھی، جنکی قوت معلوم اور سطور مشہور ہے، شاید اُسے روکنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ کیونکہ اُس کی خبر سمع مبارک تک پہنچتی ہی نہیں۔ حالانکہ وہ اس امت کی مردانگی تباہ کر رہا ہے۔ اُس کی شخصیت گرا رہا ہے، اُس کے فضائل برباد کر رہا ہے۔

میرے آقا! آپ کی رعایا میں ایسے مخلص افراد موجود ہیں جن کے دل یہ دیکھ کر حسرت سے پگھلے جاتے ہیں کہ یہ امت — جو ہماری عزت و فخر ہے — کس طرح نسل کی کمی اور ہجرت کی زیادتی کی وجہ سے کمزور و کم تعداد ہوتی چلی جا رہی ہے۔ لیکن میں اس سے خائف نہیں ہوں۔ ممکن ہے اس میں ہمارے فوجی نظام کو بھی کچھ دخل ہو۔ لیکن جس چیز سے میں ڈرتا ہوں اور جسے رز بروز قریب آتے دیکھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہم مغلوب قومن کے مشابہہ ہوتے جاتے ہیں۔ رز بروز ہماری معنویت کمزور ہو رہی ہے اور یہ مرض قوم کے تمام طبقوں میں عام ہوتا جاتا ہے۔

میرے آقا! ہمارے اسلاف نے چار صدی پہلے مشرق کی رومن شہنشاہت تہ و بالا کر ڈالی، عرص البلاذ اور ملکہ جہاں، قسطنطنیہ میں اپنے قدم گاڑ دیے، اور وہ فتح عظیم حاصل کی جو تاریخ میں ایک عظیم ترین کارنامہ شمار کی جاتی ہے۔ لیکن اس حیرت انگیز کامیابی کا راز کیا تھا؟ صرف دین کا اعتقاد اور جنگ میں شجاعت ہی نہ تھی۔ اُن کی وہ اولو العزمی اور بہادری، درحقیقت، اُن کی معنویت ہی کا ایک جلوہ تھا۔ وہ اپنے سرداروں کی اطاعت، خوش دلی سے کرتے تھے، نہ کہ خوف اور مجبوری سے۔ یہی وجہ تھی کہ ذلت اُن پر قابو نہ پاسکی۔ عقل پر اندھی تابعداری غالب نہ آسکی۔ اُنکی خود داری برابر باقی رہی۔ استقلال ذاتی نے اُن کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اطاعت نظام (ڈسپلن) کی روح، عزت نفس کی روح سے مل گئی تھی۔ دونوں روہیں، مضبوط اخلاق کی بنیادوں پر قائم تھیں۔ فضیلت نے اُنہیں گھر کر لیا تھا۔ اس لیے اُنہوں نے وہ عظیم سلطنت آلت ڈالی جسے استبداد کی زنجیلیں گھن کی طرح لگ گئی تھیں، اور ظلم و جور نے اُس کی تمام چوڑیاں ہلا ڈالی تھیں۔

مسائرت کو جملہ معاسن پر ترجیح دیں۔ لیکن کیا یہ صفات حمیدہ ہم میں زیادہ مدت تک باقی رہیں گی؟ کیا ہم خیر و شر کے اس تصادم کا ہمیشہ یزہی مقابلہ کرتے رہیں گے؟

میرے آقا! جس دن یہ اخلاق ہم سے رخصت ہو جائیں گے، اسی دن ہماری موت بھی لازماً ہو جائیگی۔ ہم کسی کو بھی اپنا حامی و مددگار نہ پائیں گے۔

کاش ہماری مصیبت، صرف ہمارے معنوی انحطاط ہی پر ختم ہو جاتی اور اس جہل عمیم اور فساد عظیم تک نہ پہنچتی جو ہمارے تمام عقلی قوی تباہ کر رہا ہے۔

میرے آقا! جب ہمارے اسلاف یورپ میں آئے، تو ان کے پاس علم کی کوئی روشنی بھی نہ تھی۔ لیکن وہ ذوق سلیم رکھتے تھے۔ یہ ذوق ان میں قوت و جرأت پیدا کرتا تھا، جیسا کہ تمام پاک اور بلند نفسوں کا خاصہ ہے۔ وہ علم نہیں رکھتے تھے، مگر عقل کے مالک تھے۔ وہ عقل جو حرکت پسند کرتی، جمود سے نفرت کرتی، اور ذال سے گراہت رکھتی ہے۔ وہ ان لوگوں سے بالکل مختلف تھے جو ہمارے ہر ازل دیکھتے ہی بہاگ کھڑے ہوئے تھے۔ والے افسوس! عقلیں، اس حکومت کے زیر سایہ مفلوج ہو جاتی ہیں، جس میں انفرادی ہمت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی!

میرے آقا! آپ کی رعایا میں ترک سب سے زیادہ استبداد سے متاثر ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ استبداد ان کی فطری استقامت نفس اور خود داری سے میل نہیں کھاتا۔ ہم ترکوں میں وہ شرمناک قابلیت ذرا بھی موجود نہیں جو یونانی عیاشوں میں تھی۔ ان کی حالت یہ تھی کہ عقل و فطرت رکھتے تھے مگر نہ ذلت سے گریز کرتے تھے نہ مطلق العنان حکومت سے نفرت رکھتے تھے۔ ہم بالکل سادہ دل پیدا ہوئے تھے۔ ہمارے خیالات کی سادگی پر دنیا کو حیرت تھی۔ لیکن جب ہمارے خیالات ہم سے چھین لیے گئے تو ہم مضبوط العواس ہو گئے۔ عقل کی نعمت سے محروم ہو گئے۔ اگر یہی حالت جاری رہی تو ایک دن آلیگا جب ہم میں حکمرانی کی صلاحیت باقی نہ رہے گی۔ کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ ملیگا جو انتظام سنبھال سکے۔

حضور والا! ہم اب ایک ایسے زمانے میں ہیں جس میں عزت اسی کو مل سکتی ہے، جس کی عقل بڑی اور علم زیادہ ہو۔ یہی باعث ہے کہ تمام یورپ میں علم کا غلغلہ بلند ہے اور تمام قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں۔ کوئی حکومت بھی اس کے فکر و اہتمام سے خالی نہیں ہے۔ سوئٹزر لینڈ میں ایک آدمی بھی ان پرو دکھائی نہیں دیتا۔ انگلستان میں (جس پر مٹھی بھر امراء حکومت کرتے تھے مگر اب اپنے امتیازات سے دست بردار ہوتے جاتے ہیں) ۲۵ - برس سے اشاعت تعلیم کی عظیم الشان کوششیں ہو رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ پرورشیا نے آسٹریا پر صرف اس سبب سے فتح پائی ہے کہ وہ مغلوب سے علم میں زیادہ تھی۔ کیا ہمارے لیے رزا ہے کہ اپنے عقلی انحطاط پر قانع رہیں، حالانکہ ہمارے گرد یورپ، عقلی ارتقاء کے لیے ان تھک کوششیں کر رہا ہے؟

میں اس خیال سے پناہ مانگتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت اشاعت تعلیم کے لیے صرف مدارس کی کثرت کافی تصور فرمائیں۔ وہ محل کس کام کے جنہیں مکین نہ ملیں؟ ان مدارس سے کیا فائدہ جن میں ذلت و خواری کی اولاد تربیت پائے؟

بلاشبہ، مضبوط اخلاق ہی اس وجود میں تنها ایک قوت نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں جرائم کی بھی جوار فرجیں کھڑی ہیں، اور گناہوں کے تخت بھی بچے ہیں۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ مضبوط اخلاق، ایک مستحکم و راسخ بنیاد ضرور ہے۔ اس کے بغیر کوئی سلطنت قائم نہیں ہو سکتی۔ جب وہ کسی قوم کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے، تو اس قوم کی اجتماعی عمارت بھی گر پڑتی ہے۔ اس کا یہ خاصہ عجیب ہے کہ جس جوں اس کی فتوحات میں وسعت ہوتی ہے، اس کا دائرہ بھی وسیع و عظیم ہوتا جاتا ہے۔ برخلاف دوسری قوموں کے جو امتداد زمانہ سے کمزور ہو جاتیں اور کامیابی کے بعد فنا ہونے لگتی ہیں۔

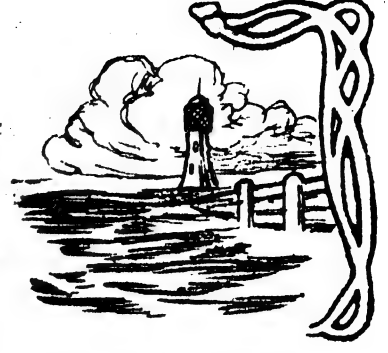
اعلیٰ حضرت کی عظمت اور وطن کی عزت کے تمام خیر خواہ، انتہائی رنج و ملال سے دیکھ رہے ہیں کہ قوم کی شہامت، زلل ہو رہی ہے اور اسی شرافت و خودداری ختم ہوتی جاتی ہے۔ یہ اعلیٰ صفات، قوم میں کیونکر باقی رہ سکتی ہیں، اگرچہ کثرت ہی راسخ ہوں، جبکہ مسیحی رعایا کے ساتھ مسلمان بھی گونا گوں ذلتوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور ہر قسم کی دنائیت کے گھونٹ انہیں زبردستی پلائے جا رہے ہیں؟ مسلمان اور عیسائی، حضور والا کی تمام رعایا، حکام کے ظلم و جور سے چیخ رہی ہے۔ یہ حکام وہ ہیں جو حضور کے برائے نام فرمانبردار ہیں۔ اعلیٰ حضرت کو کیا معلوم کہ وہ شاہی احکام قوم میں جاری کرتے ہیں یا اپنی ہوا و ہوس سے کام لیتے ہیں!

آپ کی سلطنت، عام رائے سے خالی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آپ کے عمال، رعایا کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خود حضور کے عرش معلیٰ کے روبرو بھی ذمہ دار اور جواب دہ نہیں ہیں، کیونکہ کوئی شخص بھی ان کی شکایت عتبات عالیہ تک پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا اور چونکہ ان کے جرائم ذات شاہانہ کے علم میں نہیں آسکتے، اس لیے ان سے باز پرس بھی نہیں ہو سکتی۔ لہذا وہ بالکل نڈر ہو گئے ہیں۔ رعیت پر دس درازی میں بے باک ہیں۔ ہر قسم کی برائیاں کھلے بندھوں کر رہے ہیں۔ باشندے درگزر پر منقسم ہو گئے ہیں: ظالم حاکم، کوئی نہیں جو ان کا ہاتھ پکڑے۔ مظلوم رعایا، کوئی نہیں جو اس پر ترس کھالے۔ حاکم، جس کا دعویٰ ہے کہ اس کی قوت، خود سلطان کی قوت ہے، لہذا بے رک اور بے قید ہے۔ وہ اس قوت کی گہمند میں جملہ معائب و نقائص سے آلودہ ہوتا ہے۔ محکوم، جس کا کام یہ رہ گیا ہے کہ ذلت کے تاریک غار میں برابر گرتا چلا جائے۔ حکام، جنہوں نے رعایا کے لبوں پر قفل چڑھا دیے ہیں۔ اگر کبھی کسی کے منہ سے فریاد کی چیخ بلند ہو جاتی ہے تو یہ حکام اسے بغاوت قرار دے دیتے ہیں۔ لہذا تمام رعایا، نا امید میں پڑ گئی ہے۔ بے حساب ظلم و جور کے نیچے دبی ہے، مگر خوف سے چپ ہے۔ ظالم کے ہاتھ اس کا گلا دابے ہوئے ہیں، اور اعلیٰ حضرت سے مخفی نہیں کہ ظالم دلبر میں فساد پیدا کر دیتا اور عقلوں میں فتنہ ڈال دیتا ہے۔

ترکوں کی رگوں میں پاک اور بے میل خون موج زن ہے۔ یقیناً ہم وطن سے بے تحاشہ محبت کرتے ہیں۔ حب الوطنی، ہماری ہمتیں بلند کرتی ہے، بڑی سے بڑی قربانیاں بھی ہم پر آسان کر دیتی ہے۔ ہم بہادر سپاہی ہیں، موت سے نہیں ڈرتے۔ ہم میں وقار ہے اور ہمارے اسلاف سے ہمیں میراث میں ملا ہے۔ ہمارا امتیازی رصف، صریح اخلاص ہے۔ یہی اخلاص ہمیں آمادہ کرتا ہے کہ



# بریتانک



## بد نصیب کروڑ پتی

(کیا دولت، مسرت کا سبب ہے؟)

(دولت جمع کرنے کے لیے یا خرچ کیلئے؟)

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ دولت مند، خوش نصیب ہیں۔ اور فقر و فاقے میں مبتلا انسان بد نصیب۔ لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے کروڑ پتی، انتہاء درجہ بد نصیبی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور بہت سے نان شبینہ کے محتاج ہیں جنہیں مسرت و سعادت کی زندگی حاصل ہے!

حال میں مسٹر چارلس ولنٹ نے جو ایک مشہور امریکن کروڑ پتی ہیں، اس موضوع پر ایک مضمون شائع کیا ہے۔ وہ اس لائق ہے کہ مفلس اور امیر، دونوں اسے غور سے پڑھیں۔

وہ لکھتے ہیں:

دولت: مسرت و سعادت کے لیے کوئی لازمی شرط نہیں ہے۔ کیونکہ مسرت، درحقیقت خود اس شخص پر موقوف ہوتی ہے جو اس کا متمنی ہوتا ہے۔ میں بہت سے کروڑ پتیوں سے واقف ہوں۔ یہ دنیا کے سب سے زیادہ بد نصیب انسان ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے مفلس انسانوں کو بھی جانتا ہوں جو نہایت پر مسرت زندگی بسر کر رہے ہیں!

مجرد دولت سے کسی شخص کو مسرت حاصل ہو سکتی ہے جو حد سے زیادہ طماع اور صرف مال کا حریص ہو۔ ورنہ محض دولت کے جمع ہوجانے سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ مسرت بھی جمع ہو جائے۔

دولت سے وہی شخص مسرت حاصل کر سکتا ہے جو صرف اس کا جمع کرنا ہی نہیں جانتا، بلکہ خرچ کرنا بھی جانتا ہے۔ میرے خیال میں وہی دولت مند، مسرت و سعادت محسوس کرتے ہیں جو اپنی دولت بہتر طریقوں پر خرچ کرنا جانتے ہیں۔

میں بہت سے آدمیوں کو جانتا ہوں جو کہا کرتے ہیں "اگر ہمیں ایک ملین ڈالر مل جائے تو ہم مطمئن ہو جائیں اور خوش و خرم زندگی بسر کریں" لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اتنی دولت جمع ہوجانے کے بعد بھی وہ خوشی محسوس نہیں کریں گے، الا یہ کہ وہ یہ بھی سیکھ لیں کہ اپنی دولت کس طرح خرچ کرنی چاہیے؟

جب میں نے دولت جمع کرنی شروع کی، تو ایک لمحہ کے لیے بھی مجھے یہ خیال نہیں گزرا تھا کہ میں عنقریب کروڑ پتی بن جاؤں گا۔ میرے خواب میں بھی یہ بات کبھی نہیں آئی تھی کہ ایک

آزادی، قوموں کے لیے اولین مربی ہے۔ آزادی ہی تمام دوسرے مربیوں کو پیدا کرتی ہے۔ کوئی مربی بھی آزادی کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ کوئی مربی بھی آزادی کا عمل انجام نہیں دے سکتا۔ غلام قومیں علم کی تعمیر کرتی ہیں، کیونکہ علم انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ قومیں اسی وقت علم کی طرف راغب ہوتی ہیں، جب انہیں اپنے حقوق کی جانب سے اطمینان ہو جاتا ہے۔ وہ علم اس لیے حاصل کرتی ہیں کہ اپنے حقوق سے فائدہ اٹھالیں۔ اور بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھالیں۔ ہر جاہل اور غلام قوم بزدل ہوتی ہے یا خال۔

اعلیٰ حضرت! اس وقت ہماری مصیبت صرف یہی نہیں ہے کہ ہم معذری کمزوری اور عقلی فساد میں مبتلا ہیں۔ ہماری مصیبت اس سے بھی بڑی ہے۔ ہم ہر جگہ ایک جبار و فہار دشمن کو اپنے سامنے پاتے ہیں۔ وہ بے رحم دشمن، ہمارا افلاس ہے۔ حضور نے کتنی مرتبہ اپنے خزانے خالی دیکھے؟ کتنی مرتبہ تنخواہیں تقسیم کرنے کے لیے پیسہ موجود نہ پا کر رنجیدہ ہوئے؟ آپ کا رحیم قلب یہ سوچ کر ہمیشہ کس قدر اداس ہوتا رہا ہے کہ عمال سلطنت کی تنخواہیں بہت حقیر ہیں؟ یہ اس لیے کہ حضور جانتے ہیں، مشرقی عہدہ دار جب تنخواہ کافی نہیں پاتے، تو رشوت خوار ہو جاتے ہیں۔ رعایا میں لوٹ کھسوٹ شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن سلطنت کے خزانے خالی ہونے پر ہمیں اتنا افسوس نہیں جتنا رعایا کی غربت کا افسوس ہے۔ کیونکہ سرکاری خزانہ محض اس لیے خالی رہتا ہے کہ رعایا غریب ہے۔ رعایا کا افلاس، ایک عظیم ترین خطرہ ہے۔

دنیا کی حکمتوں میں صرف اعلیٰ حضرت ہی کی حکومت ایسی ہے جو اتنے قلیل خراج پر زندہ ہے۔ حضور کی سلطنت نہایت عظیم، وسیع، اور آباد ہے۔ تعجب ہے کہ رعایا اتنا قلیل خراج بھی ادا نہیں کر سکتی! لیکن ہمارا یہ تعجب باقی نہیں رہتا جب ہم دیکھتے ہیں کہ خراج جمع کرنے کا طریقہ، ایک بدترین طریقہ ہے۔ ہماری قوم، بہت ہی کم کام کرتی ہے۔ وہ ہر ہنر سے جاہل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہے اور حکومت کا خراج ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ حالانکہ دوسرے ملکوں کی رعایا ہم سے بہت زیادہ خراج بخوشی ادا کر دیتی ہے۔

اعلیٰ حضرت کی سلطنت میں ہر چیز کو زوال آ گیا ہے: زراعت، تجارت، صنعت، کوئی چیز بھی تباہی سے نہ بچي۔ ہم پیدا کرنے کے طریقے بالکل بھول گئے ہیں اور اپنے فقر و فاقہ کے مشاہدہ پر قانع ہیں۔ فقر کی ہیبتناک صورت ہمارے سامنے ہے۔ ہم اس کی دہشت سے ہمت و جرأت کا کوئی کام کر ہی نہیں سکتے۔





## برید شرق

### مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا پیغام - مجلس وطنی کا انتخاب -  
وزراء آستانہ میں - غازی کے خلاف سازش -

(غازی مصطفیٰ کمال کا پیغام)

مجلس وطنی کے انتخاب کے سلسلہ میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی قوم کے نام ایک پیغام شایع کیا ہے۔ یہ تحریر خود موصوف نے اپنے قلم سے لکھی ہے۔ اس لیے نہایت پر زور اور بلیغ ہے۔ اس میں انہوں نے جنگ آزادی کے بعد پہلی مجلس وطنی اور اپنی جماعت ”خلق فرقہ سی“ کی کارگزاریاں یاد دلانی ہیں اور پھر قوم سے اپنی جماعت کے انتخاب کی درخواست کی ہے۔ لکھتے ہیں:

”آج مرقعہ ہے کہ ہم گزشتہ چار سال کے اندر اپنے عظیم اصلی تعمیری جہاد پر نظر ڈالیں اور اطمینان کے ساتھ وہ کامیابی دیکھیں جو ہم نے حاصل کی ہیں۔ ہمارا ملک ایک ایسی محیب جنگ سے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، فکرمند ہوا تھا۔ اسے اُن مساعی و اعمال کی سخت ضرورت تھی جسے قومیں زندہ رہتی ہیں۔ یہ پہلا مرقعہ نہ تھا کہ ترکی قوم نے فتح و نصرت دیکھی تھی۔ ترکی قوم کی پوری تاریخ فتوحات سے لبریز ہے۔ لیکن چونکہ پہلے ترکی قوم میدان جنگ سے باہر کوئی کوشش نہیں کرتی تھی، اس لیے اپنی فتح سے کوئی فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتی تھی۔ بلکہ بتدریج اسکی فتح شکست بن جاتی تھی۔ جو فتحمندی برقرار نہیں رکھی جاتی، اس کے نتائج بسا اوقات

معنت اور چستی کو بھی کامیابی میں بہت برا دخل ہے۔ شروع میں میرا دستور یہ تھا کہ صبح سات بجے سے اپنے کام پر پہنچ جاتا تھا اور گیارہ بجے رات سے پہلے راپس نہیں آتا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ آج کل کے نوجوان اتنی معنت نہیں کرسکیں گے۔ لیکن اگر وہ اتنی معنت بھی کریں، جتنی وہ آسانی سے کرسکتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیاب نہ ہو جائیں۔

میرے خیال میں منضبط معنت سے زیادہ لذیذ کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ میں دنیا کے ایک بہترین جہاز کا مالک ہوں۔ بہترین بادبانی کشتی بھی میرے پاس ہے۔ میں نے شکار بھی بہت کھیلا ہے۔ عیش و آرام کے جملہ سامانوں سے بھی متمتع ہوا ہوں۔ مگر میں سمجھتا ہوں۔ مجھے کسی بات میں بھی اتنی لذت حاصل نہیں ہوئی، جتنی اپنی رزق کی معنت میں حاصل ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں، میری کامیابی کا سب سے بڑا راز میری اسی معنت میں ہے۔

ملین ڈالر بھی جمع کرسکوں گا۔ اس وقت میرے پیش نظر صرف یہ خیال تھا کہ کسی طرح دنیا کا ایک کامیاب آدمی بن جاؤں۔

میرے پیش نظر کامیابی کیا تھی؟ اس کا معیار کیا تھا؟ میں بتا نہیں سکتا۔ کیونکہ کوئی مفصل خیال ذہن میں موجود نہ تھا۔ کامیابی کا معنی ایک مہم سا تصور تھا۔ میں نے یہی تصور اپنا مطمحہ نظر قرار دے لیا اور کوشش شروع کردی۔ مجھے خود تعجب ہوا کہ تھوڑی ہی مدت بعد دولت اپنے آپ جمع ہونے لگی تھی اور اب تک جمع ہوتی چلی جاتی ہے!

مجھے آج تک اپنی غربت اور تنگ دستی یاد ہے۔ میں بہت کم عمر تھا۔ طرح طرح کے رولے اور امنگیں دل کر گدگداتی تھیں، مگر میں اپنی کوئی خواہش بھی پوری نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے پیٹ بھر کر روٹی بھی نہیں ملتی تھی۔ میں دربدر کام تلاش کرتا پھرتا، اور کہیں بھی کام نہیں ملتا۔ سخت جدوجہد کے بعد بالآخر ایک کام ملا۔ ایک بحری حوض میں نوکری مل گئی۔ ہفتہ وار سولہ شلنگ تنخواہ مقرر ہوگئی۔ میں بہت خوش ہوا۔ مگر فوراً ہی میری خوشی رنج سے بدل گئی۔ کیونکہ اس کمپنی کے منیجر مسٹر گوبس نے مجھے بلا کر نہایت خشکی سے کہا ”یہ تنخواہ تمہیں ملے گی، اگرچہ تم اس کے کسی طرح بھی اہل نہیں ہو!“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے دل میں سخت غم و غصہ تھا۔ میں نے عزم کرلیا کہ کچھ ہی ہو جائے، میں اپنی حالت ضرور درست کرے چھوڑوں گا۔ چنانچہ میں نے کوشش شروع کردی، اور چند ہی سال بعد یہی مسٹر گوبس مجبور ہوئے کہ مجھے اپنی عظیم کمپنی کا شریک بنا لیں!

مجھے سے لوگ پوچھا کرتے ”ہیں“ ”آہمی کوز پتی کیسے بن جاسکتا ہے؟“ میرا جواب ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ دولت جمع کرنے کا کوئی خاص قاعدہ نہیں ہے۔ اس کا مدار صرف دو باتوں پر ہے: ذہانت اور قسمت۔ اگر انسان کو ان دونوں میں سے کافی حصہ ملا ہے، تو بلاشبہ وہ بہت زیادہ دولت جمع کرلے سکتا ہے۔

بہت سے معمولی ذہانت کے لوگ ہمیشہ ”زمانہ“ کو ملامت کیا کرتے ہیں کہ اُن کا ساتھ نہیں دیتا۔ وہ کہتے ہیں ”اگر ہمیں ایک موقع بھی میسر آجائے تو ہم فوراً دولت مند بن جائیں“ لیکن یہ اُن کی غلطی ہے۔ تصور زمانے کا نہیں خود اُن کا ہے۔ اُن کی ذہانت و قابلیت کا ہے۔ اعلیٰ ذہانت کے لوگ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر موقع کا انتظار نہیں کیا کرتے۔ وہ خود موقع پیدا کرتے ہیں اور اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

میں نوجوانوں کو ہمیشہ نصیحت کرتا رہتا ہوں کہ اپنی تمام قوتیں اور کوششیں ایک ہی طرف متوجہ رکھیں۔ کیونکہ بغیر اس کے دولت حاصل نہیں ہوسکتی۔ مختلف کام شروع کرکے کوششیں پراگندہ کر دینے سے اکثر ناکامی کی مصیبت پیش آجایا کرتی ہے۔ ہمیشہ ایک مرکز بنانا چاہیے، اور اُسی پر تمام قوتیں صرف کردینی چاہئیں۔ بلاشبہ میں بھی اُن لوگوں میں ہوں جو بیک وقت بہت سی تجارتیں پھیلانے لگے ہیں۔ لیکن یہ میں نے اب کیا ہے جبکہ ایک بڑے سرمایہ کا مالک بن چکا ہوں۔ شروع شروع میں نے کبھی یہ جرأت نہیں کی کہ بہت سے کام لے کر بیٹھ جاؤں۔



کاظم قارا بکیر پاشا وغیرہ میں سے کوئی بھی انتخاب میں شریک نہیں ہے۔

(تمام وزراء آستانہ میں)

اس وقت تمام وزراء آستانہ ہی میں موجود ہیں۔ پرسن غازی کی صدارت میں مجلس وزارت باضابطہ منعقد ہوئی۔ جمہوری حکومت کی یہ پہلی مجلس سلاطین آل عثمان کے تاریخی محل 'طولمہ باغچہ' میں جمع ہوئی اور مختلف مسائل پر غور کیا۔

اس واقعہ سے پھر لوگوں میں یہ افواہ پھیل رہی ہے کہ اگر پایۂ تخت انگورہ سے پوری طرح منتقل نہ ہو، تو بھی قسطنطنیہ گرمالی پایۂ تخت ضرور بنا دیا جائیگا۔

(غازی کے خلاف سازش)

اس ہفتہ کا اہم واقعہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے قتل کی سازش ہے۔ اس سازش میں چار آدمی گرفتار ہوئے ہیں۔ تین ارمنی ہیں۔ ایک ترک بتایا جاتا ہے۔ سازشیں نے پولیس سے مقابلہ بھی کیا۔ ایک قتل ہو گیا۔ تین پکڑ لیے گئے۔ پولیس کا بھی ایک سپاہی قتل ہوا ہے۔

مجرموں نے اقرار کیا ہے کہ حکومت یونان کے اشارے سے انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا۔ تجویز یہ تھی کہ غازی موصوف جب انگورہ واپس جانے لگیں تو راستے میں انکی ریل ڈالنا سمیت سے آزادی جائے۔

اس خبر نے یہاں کی عام رائے میں سخت ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ کیونکہ ترکی قوم ارمنیوں اور یونانیوں کی سازشوں سے بہت نقصان اٹھا چکی ہے۔ سعید حلیم پاشا وزیر اعظم، غازی انور پاشا، جمال پاشا، طلعت پاشا، کاظم بک وغیرہ، ترکی کے ایسے فرزند تھے جنہیں سے ہر شخص اپنی جگہ دنیا کا بڑا آدمی شمار ہوتا تھا۔ مگر شقی ارمنیوں نے سب کو ایک ایک کر کے دھوکے سے قتل کر ڈالا، اور ترکی کے دل پر ایسے زخم لگائے، جو مدتوں مندمل نہ ہونگے۔

اب ان بد بختوں کی نظر غازی مصطفیٰ کمال پاشا پر ہے جو اس وقت ترکی قوم کی روح رواں ہیں۔

شکست سے بھی زیادہ بد تر ثابت ہوئے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ ہم نے اس قدیم سنت پر عمل نہیں کیا۔ ہم فوراً اصلاحی اور تعمیری کوششوں میں لگ گئے۔ حالت امن میں ہماری مساعی، حالت جنگ کی مساعی سے بھی کہیں زیادہ عظیم تھیں۔ ہم نے عزم بالجزم کر لیا تھا کہ اس فتح مہم سے فائدہ اٹھالیں گے اور اسے ترکی قومیت کی تجدید کا سنگ بنیاد بنا دیں گے۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد غازی نے اپنی جماعت کی کارگزاریاں بیان کی ہیں:

”جنگ آزادی سے ملک ایک عظیم اصول لے کر باہر نکلا۔ وہ اصول یہ تھا ”سیادت بلا کسی قید و شرط کے صرف قوم ہی کی ہے“ اسی اصول کی بنا پر جمہوریت کا اعلان کیا گیا۔ اسی اصول کی بنا پر منصب خلافت موقوف کیا گیا جو صدیوں سے ترکی قوم کے سر پر ناقابل برداشت بار تھا۔ ہماری جمہوری جماعت کی رائے ہے کہ ہر اجنبی مداخلت سے جمہوریت کی حفاظت کرنا ترکی قومیت کے مستقبل کے لیے ناگزیر ہے۔ یہی سب سے بڑا وطنی فرض ہے۔ یہی قوم کی زندگی کی اصلی ضمانت ہے“

اس کے بعد موصوف نے ان حیرت انگیز ترقیوں کا ذکر کیا ہے جو اس قلیل مدت میں ان کی جماعت کے ہاتھوں ظاہر ہوئی ہیں۔ بالآخر پیغام اس عبارت پر ختم ہوتا ہے:

”اس زندگی میں میرا سب سے بڑا بھروسہ اور میری سب سے بڑی قوت یہ ہے کہ قوم مجھے اعتماد کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی رہا ہے کہ اس امانت کو زیادہ سے زیادہ مقدس سمجھوں اور بہتر سے بہتر طریقہ پر ادا کرنے کی کوشش کروں۔ اگر تم ہمارے نام زد کردہ اشخاص کو اپنی مجلس وطنی میں بھیج دے، تو ہم در بارہ تمہاری خدمت کا مرقعہ حاصل کر سکیں گے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مستقبل میں ترکی جمہوریت اور ترکی قوم کی آرزو بھی زیادہ شاندار خدمتوں میں انجام دے سکتا ہو۔ عنقریب ترکی کا مستقبل بہت ہی عظیم ہوگا، کیونکہ اس کے افراد پوری ہمت سے مستقبل کی تعمیر میں مصروف ہیں“

(مجلس وطنی کا انتخاب)

مجلس وطنی کے انتخابات ختم ہو گئے ہیں۔ ہر طرف سے خبریں آ رہی ہیں کہ جمہوری یا کمالی جماعت کامیاب ہو رہی ہے۔ لیکن یہ کامیابی کوئی ایسی کامیابی نہیں ہے جسے انتخاب اور مقابلہ کی کامیابی سے تعبیر کیا جائے۔ کیونکہ اس جماعت کے سرا کوئی دوسری جماعت ملک میں موجود ہی نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو انتخاب میں شریک نہیں ہوئی ہے۔

غازی مصطفیٰ کمال کی جمہوری جماعت کی طرف سے ۳۱۶ امیدوار کھڑے کیے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۴۹ - انتظامی آدمی ہیں - ۴۶ - کاشتکار ہیں - ۲۰ - فوجی افسر ہیں - ۳۴ - وکالت پیشہ ہیں - ۲۵ - علمی آدمی ہیں - ۲۵ - تاجر ہیں - ۲۳ - اخبار نویس ہیں - ۲۳ - ڈاکٹر ہیں - ۲۳ - ماہر اقتصادیات ہیں - ۹ - سیاسی ہیں - ۷ - انجینیر ہیں - ۳ - محکمہ تار اور ڈاک کے آدمی ہیں - ۳ - آلات سازی کے ماہر ہیں - ایک دروازہ ساز ہے۔

اس مرتبہ مخالفین سے میں کسی ایک شخص کو بھی اس جماعت نے نامزد نہیں کیا۔ چنانچہ علی نواز پاشا، طیار پاشا،

## الہلال کی تصاویر



افسوس ہے کہ دسمبر کی تعطیل کے وجہ سے (جو

کلکتہ میں پوجا کی تعطیل کہی جاتی ہے) وہ تصاویر طیار

نہ ہر سکیں جنہیں الہلال کے صفحات میں درج کرنا تھا۔

اب اس کے سرا چارہ نہیں کہ اس کی تلافی آئندہ اشاعت

میں کی جائے۔

# انسان

## غضب ناک مجبور

### L'ARRABIATA

پال پال پیش کے قلم سے

پال پال (Pal Pal) جرمنی کا مشہور معروف شاعر اور نثر نگار۔ بخلاف میں نے سنا تھا کہ اس کے کہیوں اور اس کے افسانے ہیں۔  
نقد قبول ہوئے ہیں کہ اس کا نام غیر فانی ہو گیا ہو۔ ذیل میں اس کے ایک مقبول مام انسان کا ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ غالباً یہ دو زبانوں میں شائع ہوا ہے۔

پوچھ رہی تھی۔ آتش فشاں دیز دیس کی چوٹی، سیاہ بادل میں  
چھپی تھی۔ اُس کے دامن شہزادی ایک پھیلے ہوئے تھے۔ قرب و جوار  
کے گاؤں بھی اندھیرے میں تھے۔ سمندر خاموش اور صاف تھا۔ طلح  
سورتو کے کناروں پر ابھی گیر اور اُن کی عورتیں اپنے روزمرہ کے  
کام شروع کر چکی تھیں۔ کوئی ہاتھ بھی خالی نہ تھا۔ بوڑھے اور بچے تک  
مفت کر رہے تھے۔

”ریشل!“ ایک ٹرہیلے اپنی پوتی نے کہا۔ ”اے، یاد رہی اُپر  
اُگیا۔ اٹھو تو، اُسے اپنی کشتی میں جریرہ کا پری لے جائے گا۔ گھر تلخ  
کی آنکھیں نیند کے خاندے اب تک بھاری ہوتی ہیں۔“

سب لوگ، یاد رہی کی غلطی کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُس کچھو  
نورانی تھا۔ دائیں بائیں، سر کے اشارے سے، سسکرتے ہوئے، سب کا  
سلام قبول کیا۔ اُس نے اپنے کھڑے سے اُٹھ کر کشتی میں بیٹھ گیا۔  
”بھلا یاد رہی، جریرہ میں کیوں جا رہا ہو؟“ چھوٹی لڑکی نے  
اپنی دادی سے سوال کیا۔ ”کیا وہاں کوئی یاد رہی نہیں ہو؟“

”تم تمہیں کہتی ہو۔“ دادی نے اپنا پولا منہ ہلک کر کہا۔ ”خیر  
میں بہت سے یاد رہی ہیں۔ وہاں کے سے خوبصورت کینے دیا بھر میں ہیں  
موجود نہیں۔ لیکن وہاں ایک ایسا مردہ ہوا رہا۔ ایک زمانے میں وہ  
ہاں رہتی تھی۔ اُس وقت بھی بیار ہوئی تھی اور ہمارے اسی یاد رہی  
کی دماغ سے ابھی ہوتی تھی۔ اس خوشی میں اُس نے یاد رہی کو، اُس کے  
کینے کو، اور ہیل کے فیروں کو بہت کچھ دیا تھا۔ اب ہر اُس نے  
یاد رہی بلیا ہو کر دیا چھوڑنے سے پہلے اس مقدس یاد رہی کے سنا  
احزان گنا گئے۔ سچ یہ کہ کہلے یاد رہی جیسا اچھا اس وقت کوئی  
یاد رہی نہیں رہا۔“

یہ کہہ کر ٹرہیلے ایک مرتبہ یاد رہی کو سلام کیا، کیونکہ اُس کی  
کشتی اب دماغ ہونے لگی تھی۔

”موسم کیا ہے؟“ یاد رہی نے آبی کی طرف نظر اٹھا کر اٹھو تو  
تلخ سے کہا۔

”باپ! ابھی سورج نہیں بنگلا، تلخ نے جواب دیا۔ یہ تمام  
بادل سورج چھتے ہی چھٹ جائے گا۔“

”تو چلی کر۔“ دھوپ سے پہلے ہم بچل جائیں، یاد رہی نے کہا۔  
نہیں اٹھو تو نے ڈانڈ اٹھائی۔ ”مگر وہ اچانک رگ گیا تھا۔“

”بیٹی! چلی آ، یاد رہی نے دیشو سے شفقت کے لمحہ میں کہا۔  
بڑا چالاکا ہو۔ وہ تیرے تھوڑے سے پیسے لینا نہیں چاہتا بلکہ  
نے لڑکی کی طرف سہارا دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا، دیکھ اُس نے  
2 اتنی چالاک تھا ہی۔ سب جوں ایک ہی منہ کے ہوتے ہیں۔ ایک  
لڑکی کے 2 اُٹنا کرتے ہیں جتنا اپنے دس بادل کے لئے بھی  
نہیں کرتے۔ حالانکہ میں مقدس باپ۔ بھی کہتے ہیں اس میں  
اٹھو تو اس وقت کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے ناخوش نہیں تھا خدا  
کی شفقت یہی کہ ہر کوئی اپنے ہم جنس کی طرف جھکے!۔“

اب مرد بلا کشتی میں اُتر چکی تھی۔ وہ یاد رہی کے قریب بیٹھ  
گئی۔ لیکن اٹھو تو کی چال دُور ہٹا کے۔ اٹھو تو اس حرکت پر کچھ  
بڑبڑایا اور کشتی دماغ ہوئی۔

”اس گھڑی میں کیا ہو رہا یاد رہی نے دیشو سے پوچھا۔  
اب سورج نمودار ہوا تھا۔ اُس کی روپنی کرین ان سانچوں  
پر پڑ رہی تھیں۔“

”ریشم، دلفیت، اور دلی،“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”ریشم اور  
دلفیت جریرہ میں بک جائے گا۔ دلی میں کھا لیں گی۔“  
”مجھے یاد پتا ہے کہ نے کپڑا بتا بھی سیکھا تھا؟“ یاد رہی نے  
پھر سوال کیا۔

”ہاں۔ لیکن میری ماں کی بیلدی مجھے گھر سے نکلنے نہیں دیتی  
کہ اس ہنر کی اچھی طرح مشق کر لے۔ خود میرے پاس اتنا دیشو نہیں  
کہ گھر میں تھے کا سا ان جمع کر لیں۔“ لڑکی نے عرض سے جواب دیا۔

”اب اُس کا کیا حال ہے؟“ یاد رہی نے گہری ہوا دی سے  
کہا۔ ”آہ! بچاری نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ پچھلی دفعہ جب میں نے  
دیکھا تھا تو ذرا اچھی تھی۔“

”یہ موسم ہمیشہ اُسے تکلیف دیتا ہو۔“ لڑکی نے نا اُمیدی کے  
لمحہ میں جواب دیا۔

”دعا کرنا چلی، دعا کرنا۔“ یاد رہی نے زور سے کہا۔ ”کبھی ناز  
سے غافل نہ ہو۔ دماغ سے باز نہ آ۔ شاید خدا اُسے۔ نیک بن نیک  
ناکری تیری دعائیں قبول ہوں۔“

مرد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحہ کی خاموشی کے بعد یاد رہی  
نے پھر کہا:

”تمہارا میں نے ابھی تاکہ تلخ تھے۔“ غضب ناک کے لقب سے  
بیکار رہتے تھے۔ یہ کیوں؟ یہ لقب تو کسی دیشو کے لئے کچھ اچھا لقب  
نہیں۔ تجھے علم اور خوش مزاج ہونا چاہئے۔“

دیشو کے گندنی جہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے۔ اُس کی  
آنکھیں تیزی سے چلنے لگیں:

”وہ اسی طرح مجھے چڑھاتے ہیں۔“ لڑکی نے غصے سے کہا۔ ”وہ  
مجھے روز چھوڑتے ہیں کیونکہ میں اور لڑکیوں کی طرح گاتی ہوں، اور ان  
سے ہنسی مذاق نہیں کرتی ہوں۔ وہ میرے کچھ کیوں بچے ہیں؟ میں  
نے اُن کا کیا بگاڑا ہو؟“

”سچ ہے؟“ یاد رہی نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ ”لیکن تجھیں بہر حال فائدہ  
ہونا چاہئے۔ لوگوں کو ناچنے کا نئے دور، دندہ زندگی ناقابل برداشت  
ہونا چاہئے۔ گئی میٹھی زبان میں بہت بھلائی ہو۔“

دیشو نے اپنی لمبی کالی پلکیں جھکا دیں، گویا اپنی آنکھوں کا  
راز ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ اب دوران میں سورج طلوع ہو چکا تھا۔  
پھاڑوں کی چوٹیاں چمک اٹھیں۔ سورتو کی خلیج کے چھوٹے چھوٹے  
سفید مکان نارنگی کے باغوں میں صاف نظر آ رہے تھے۔ سرریزیوں  
کے کنارے کنارے بدلی کے چند کھوکھے پلے ہوئے تھے۔

کی طرف غصے سے دیکھنے لگا۔ ٹرک پر کوئی آدمی تیزی سے بڑا چلا آتا تھا  
اد ہاتھ ہلکا کر رہا تھا۔

یہ دراصل ایک لڑکی تھی۔ اُس کی نظر میں ایک گھڑی دلی تھی  
معمولی لباس پہنے تھی۔ ظاہری وضع، تقویر غریب کا پتہ دیتی تھی۔ اُس  
کے کالے بالوں کی لٹکیں اُچھریں اُڑ رہی تھیں۔ اٹھو تو نے اُسے پہچان  
لیا۔

”اُٹھو تو کیا ہو؟ یاد رہی نے سوال کیا۔  
”ایک اور شخص بھی جریرہ سے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا  
تلخ نے بہت کہا۔“ ڈیوڈی دیر نہ ہوئی۔ وہ ایک لڑکی ہو۔ (ابھی پڑے)

”اُس کی بھی نہیں ہو۔“  
اب لڑکی سانسے تھی۔

”مدیلا! یاد رہی نے کہا۔ اُسے جریرہ میں کیا کام ہو؟“  
اٹھو تو نے جواب میں اپنے شانے ہلائے۔ لڑکی برابر تیزی سے  
بڑھ چلی آئی تھی۔ اُس کی نظریں کشتی پر پڑی تھیں۔

”اٹھا! افسوس! یاد رہی! افسوس! بعض اہم گوارہ تلخ بگاڑ  
دیشو نے حقارت کے ساتھ اُٹھیں بکھا۔ کسی کو کوئی جواب نہیں  
دیا۔ اُس کی توری پر بکن پڑے تھے۔ غصے سے نہ ہمتا رہا تھا۔ اگر وہ  
یاد رہی موجود نہ ہوتا تو تلخ اُسے مزید چھوڑتے۔

”مجھ پر مدیلا! یاد رہی نے کہا۔ ”کبھی ہو؟ ہمارے ساتھ جریرہ  
چلتی ہو؟“

”اگر مقدس باپ کی اجازت ہو۔“ مدیلا نے ادب سے جواب دیا۔  
”اٹھو تو سے اجازت لو یاد رہی نے کہا۔ ”کشتی اُسی کی ہے۔ ہر  
آدمی اپنا الگ ہے اور خدا سب آدمیوں کا الگ ہے۔“

”یہ میرے پاس چار پیسے موجود ہیں، اگر کوئی کوئی ہوں! مگر  
نے اٹھو تو کی طرف دیکھ کر بیزگار۔“

”تھوڑی ضرورت مجھ سے زیادہ ہو۔“ اٹھو تو نے جواب دیا اور  
نارنگی کی ٹوکریاں ہلکا کر بنگلے لگا۔ ”نوجوان تلخ، جریرہ میں  
نارنگی لے جا کر بیچا کرتا تھا۔ کیونکہ صرف کشتی کے کرایے سے کافی آمدنی  
نہیں ہوتی تھی۔“

”لیکن میں مفت نہیں جاؤں گی۔“ مدیلا نے غصے سے کہا۔ ”اُپ  
اُس کے چہرے اور سیاہ آنکھوں میں فحش جدت نمایاں تھی۔“

”تھوڑی ضرورت مجھ سے زیادہ ہو۔“ اٹھو تو نے جواب دیا اور  
نارنگی کی ٹوکریاں ہلکا کر بنگلے لگا۔ ”نوجوان تلخ، جریرہ میں  
نارنگی لے جا کر بیچا کرتا تھا۔ کیونکہ صرف کشتی کے کرایے سے کافی آمدنی  
نہیں ہوتی تھی۔“

”لیکن میں مفت نہیں جاؤں گی۔“ مدیلا نے غصے سے کہا۔ ”اُپ  
اُس کے چہرے اور سیاہ آنکھوں میں فحش جدت نمایاں تھی۔“

”تھوڑی ضرورت مجھ سے زیادہ ہو۔“ اٹھو تو نے جواب دیا اور  
نارنگی کی ٹوکریاں ہلکا کر بنگلے لگا۔ ”نوجوان تلخ، جریرہ میں  
نارنگی لے جا کر بیچا کرتا تھا۔ کیونکہ صرف کشتی کے کرایے سے کافی آمدنی  
نہیں ہوتی تھی۔“

”لیکن میں مفت نہیں جاؤں گی۔“ مدیلا نے غصے سے کہا۔ ”اُپ  
اُس کے چہرے اور سیاہ آنکھوں میں فحش جدت نمایاں تھی۔“

”موریلہ! پادری نے پھر گفتگو شروع کی۔ ”ذبول معنوی کی کچھ خبر ہو؟“

موریلہ نے اپنے نازک مونہ سے ہلکا سا بخار نکالا۔

”تمہاری تصویر آمارا چاہتا تھا، تم نے انکار کیا؟ پادری نے پھر سوال کیا۔“

”میری تصویر کیوں؟“ دیشیزو نے جھجھکا کر جواب دیا۔ ”کیا مجھ سے زیادہ خوبصورت عورتیں موجود ہیں؟ کون جانتا ہو میری تصویر کس کے پاس ہے؟ شاید جادو کر دیتا۔ مجھے تکلیف دیتا۔ قتل کر داتا۔ میری ماں یہی کہتی تھی۔“

”تمہیں! پادری نے خلوص سے کہا۔ ”فضل نہ کرو۔ کیا تم خدگی ماں میں نہیں ہو؟ کیا خدا کے حکم پر نیک ذرہ بھی پل سکتا ہو؟ کوئی انسان بھی تیرا رونا میل نہیں کر سکتا۔ پھر وہ تو بھرپور عاشق تھا، ورنہ شادی کی درخواست کیوں کرتا؟“

لوہکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

”تم نے شادی کیوں نامنظوق کی؟“ نیک ل پادری نے سوال کیا۔ ”لوگ کہتے ہیں شریف و معقول آدمی تھا۔ تیری ادب تیری ماں کی خبر گیری کرتا۔ دیشیزو نے کس سے زیادہ تم فارغ سے یہی کہتا۔“

”ہم بالکل تغیر ہیں۔“ لوہکی نے بڑے تاثر سے جواب دیا۔ ”میری ماں مدت سے بیمار ہو۔ ہم اس پر بوجھ ہوتے۔ پھر میں عزت دار خاؤن بننے کے لائق نہیں ہوں۔ اپنے دوستوں کے سامنے وہ مجھے دیکھ کر مزہ دہندہ ہوتا۔“

”کیا اکتی ہو؟“ پادری نے خیر خواہی سے کہا۔ ”میں کتنا ہوں وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ شاید تمہارے ساتھ سورتو ہی میں رہ جاتا ایسا شوہر بڑا مشکل ہے۔“

”میں شوہر نہیں چاہتی۔“ موریلہ نے بہت آہستہ سے مگر یقین کے لہجے میں کہا۔ ”میں کبھی شادی نہیں کروں گی!“

”کیا رہبانیت اختیار کرنے کا ارادہ ہو؟“ پادری نے تعجب سے سوال کیا۔

دیشیزو نے سر کے اشارے سے انکار کیا۔

”لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ دھندلی ہو۔“ پادری نے جوش سے کہا۔ ”تیری ہٹ بہت سخت ہو۔ ایک لمحے کے سوچ، تیری یہ ضد کنی خطر ناک ہو؟ یہ تیری مصیبت میں اضافہ کر رہی ہو۔ تیری ماں کی بے نصیبی بڑھانے والی ہو۔ کیا تیرے پاس کوئی ایک وجہ بھی ہو کہ ایسے شریف آدمی کو زبردستی ہو؟ جواب دے۔“

”میرے پاس وجہ ہو۔“ موریلہ نے دلی زبان سے کہا۔ ”مگر میں بیان نہیں کروں گی۔“

”بیان نہیں کروں گی!“ پادری نے خفا ہو کر اس کا جلد بھرا ہوا منہ سے بیان نہیں کر دے گی؟ میں جو تیرا پادری ہوں۔ تو خوب جانتی ہو تیرا خیر خواہ ہوں۔ کیا یہ صحیح نہیں؟“

موریلہ نے سر ہلا کر اقرار کیا۔

”تو اپنا راز مجھ پر ظاہر کر۔“ پادری نے شفقت سے کہا۔ ”اگر وہ ٹھیک ہوگی تو میں سب سے پہلے تا ئید کروں گا۔ تم بھی بہت کم عمر ہو۔ اس دنیا سے بالکل بے خبر ہو۔ ایک زمانہ آئے گا جب یہ زیریں ہفتہ کھودینے پر افسوس کرو گی۔ معلوم ہوتا ہو، خدا نے دم لکھا کہ اس شخص کو تمہارے گھر بھیجا تھا۔“

موریلہ نے شرابی ہوئی نظریں اٹھائیں اور کشتی کے سرے پر بیٹھ گئی جہاں انٹرنیٹ کی مٹھائیں دورافتہ چرچی تھیں اور اپنے خیالات میں غرق تھا۔ پادری نے دیشیزو کو بغور دیکھا۔ اپنا کان اس کے قریب کر دیا۔ ”آپ میرے باپ کو نہیں جانتے۔“ لوہکی نے ہنسی کا

سے پادری کے کان میں کہا۔

”تیرا باپ؟“ پادری چلا اٹھا۔ کیوں نہیں؟ تو ابھی دس برس کی بھی نہ تھی کہ خدا نے اسے بلالیا۔ آسمان کی بادشاہت میں سے جگہ لے! اپنی اس ضد میں اس کا ذکر کیوں کرتی ہو؟“

”آپ نہیں جانتے۔“ لوہکی نے زور دیکر کہا۔ ”آپ کو نہیں معلوم میری ماں کی تمام بیماری کا دہی اکیلا سبب ہو۔“

”کیونکر؟“ پادری نے تعجب سے سوال کیا۔

”اپنی بے رحمی سے۔“ موریلہ نے فوراً جواب دیا۔ ”آخری وقت تک میری ماں کو اتار رہا۔ مجھے وہ راتیں اب تک یاد ہیں۔ وہ ایک عجیب جڑوں کی حالت میں گھرا تھا۔ میری ماں ایک لفظ بھی نہیں کہتی تھی۔ مگر وہ ارنا شروع کر دیتا تھا۔ آہ! میرا دل اب بھی رنجیدہ ہوتا ہے! میں اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپاتی تھی اور پڑھتی تھی لیکن اندہی اندر روتی رہتی۔ وہ میری ماں کو اتارنے کے آخر تک جاتا۔“

غریب بیوہ ہو کر گر پڑتی تھی۔ وہ اسے دیر تک غور سے دیکھتا تھا۔ معلوم اس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا کہ وہ لوہکی سے اٹھا اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگتا۔ اتنے زور سے دبا تھا کہ اس کے منہ سے چیخ نکل جاتی تھی۔ لیکن اس تمام ظلم پر بھی میری ماں کبھی خفا نہیں ہوتی۔ بلکہ مجھے بھی منہ کرتی رہتی تھی کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کروں۔“

میری ماں کو اس سے ہلکا کیجئے تھی۔ اس سختی پر بھی وہ اسی کا کلر پڑتی رہتی۔ جب سے وہ مرا ہو، یہ بھی بیاہ ہو گئی ہو۔ اسے غم کھائے جاتا ہو۔ اگر گڑھی۔ خدا نخواستہ۔ تو میں جانتی ہوں اس کا قابل کون ہو؟“

پادری ستائے میں بڑ گیا۔ تعجب سے سر ہلانے لگا۔ کچھ چھین نہیں آتا تھا۔ اس عجیب لوہکی کو کیونکر قابل کرے۔

”اپنے باپ کو معاف کر دو۔“ بالآخر پادری نے کہا۔ ”اسی طرح معاف کر دو، جس طرح تمہاری نے معاف کر دیا ہو۔ میری باتوں کی تکلیف دہ یاد دور کر دو۔ مستقبل میں تمہارے اچھے دن آئیں گے اور تمام مصیبتیں بھلا دیں گے۔“

”نہیں، نہیں!“ موریلہ نے جوش سے کہا۔ ”میں کبھی نہیں معاف کر سکتی، یہی وجہ ہے کہ میں نے پھر کتنا ہی بے رحمی کا ارادہ کر لیا ہے۔ ہرگز کسی مرد کی کینز نہیں بنوں گی۔ یہ مرد پہلے مارے ہیں، پھر پیار کرتے ہیں لیکن میرے ساتھ کوئی یہ حرکت نہیں کر سکتا۔ مجھ سے جو مرد بھی محبت کی درخواست کرے گا، اس کا منہ توڑ دے دوں گی۔ لیکن میری ماں بالکل بے بس تھی۔ وہ نہ مار کا مقابلہ کر سکتی تھی، نہ پیار کا۔ وہ اس سے محبت کرتی تھی۔ میں ہرگز کسی مرد سے محبت نہیں کر سکتی۔“

”تم بالکل بچہ ہو!“ پادری نے مسکرا کر کہا۔ ”دینا کو کچھ بھی نہیں جانتی، اسی لئے بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ کیا سب مرد تمہارے باپ ہی کے ہیں؟ کیا تم نے کبھی کوئی اچھا آدمی نہیں دیکھا؟ کیا دنیا میں ایسی خوش نصیب بیباں نہیں ہیں جو اپنے شوہروں کے ساتھ پیش و آرام سے رہتی ہیں؟“

”کچھ ہو۔“ موریلہ نے زور سے کہا۔ ”میرے ماں باپ کا حال کوئی نہیں جانتا۔ میری ماں مرجھا پڑ کر تھی مگر اس کی شکایت پسند نہیں کرتی تھی۔ یہ صرف محبت کی وجہ سے۔ اگر محبت ہی ہو، اگر محبت، زبان گوئی کر دیتی ہو، اگر محبت ایسی سخت مصیبت لاتی ہو تو میں ہرگز ہرگز کسی مرد سے محبت نہیں کروں گی۔“

”میں نے کہنا تم ایک بچے سے کچھ زیادہ نہیں؟ پادری نے کہا۔ ”تم بے معنی باتیں کرتی ہو۔ جب وقت آجائے گا، تمہاری راک اور پسینے پوچھی جائے گی۔ تم محبت کی زنجیریں اپنی مرضی کے خلاف بھی جکڑ دی جاؤ گی۔“

موریلہ خاموش رہی۔

”میں نے کہنا تم ایک بچے سے کچھ زیادہ نہیں؟ پادری نے کہا۔ ”تم بے معنی باتیں کرتی ہو۔ جب وقت آجائے گا، تمہاری راک اور پسینے پوچھی جائے گی۔ تم محبت کی زنجیریں اپنی مرضی کے خلاف بھی جکڑ دی جاؤ گی۔“

موریلہ خاموش رہی۔

”میں نے کہنا تم ایک بچے سے کچھ زیادہ نہیں؟ پادری نے کہا۔ ”تم بے معنی باتیں کرتی ہو۔ جب وقت آجائے گا، تمہاری راک اور پسینے پوچھی جائے گی۔ تم محبت کی زنجیریں اپنی مرضی کے خلاف بھی جکڑ دی جاؤ گی۔“

موریلہ خاموش رہی۔

”کیا تمہارے خیال میں یہ معنوی سنگدل تمہارے؟ پادری نے پھر سوال کیا۔“

”اس کی نظریں بالکل ویسی ہی تھیں جیسی میرے باپ کی ہو جاتا کرتی تھیں جب وہ میری ماں کی خوشامد کرتا تھا۔ میں وہ نظریں خوب پہچانتی ہوں۔ ایک مرد اس طرح کی نظروں سے دیکھتا بھی ہو اور پھر میں اسی وقت اپنی بے خطا بیوی کو مار کے ادھ مروا بھی کر دے سکتا ہو۔ مجھے ایسی نظروں سے بڑا ہی ڈر لگتا ہو۔“

موریلہ اب بالکل چپ ہو گئی۔ پادری نے بھی اسے پھر ناراض نہیں سمجھا۔ اس کے ذہن میں اب بہت سی معقول دلیلیں آگئی تھیں مگر وہ چپ ہی رہا کیونکہ نوجوان ملاح کا چہرہ یہ گفتگو سن کر کھنکھنے لال ہو رہا تھا۔

د گھنٹے کے سفر کے بعد کشتی جزیے کے گھاٹ پر پہنچ گئی۔ انٹون نے پادری کو گھیریں اٹھایا اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چل کر اسے خشکی پر آ کر دیا۔ لیکن موریلہ نے اس کا انتظار نہیں کیا۔ اس نے ایک ہاتھ میں اپنی کھڑکی لی۔ دوسرے میں بچی زبانی اور گھٹنوں تک کپڑے اٹھا، ساحل پر پہنچ گئی۔

”میں یہاں کچھ مدت ٹھہروں گا۔“ پادری انٹون سے کہہ کر اٹھا۔ ”انتظار کی ضرورت نہیں۔ شاید میں کل سے پہلے لوٹ نہ سکوں گا۔“

موریلہ (دیشیزو کی طرف مخاطب ہو کر) گھر لوٹ کر اپنی ماں کو سلام کہہ دینا۔ اسی ہفتہ میں ملاقات کو آؤں گا۔ کیلادت سے پہلے داپس جاؤ گی؟“

”اگر ممکن ہو،“ لوہکی نے اپنے کپڑے ٹھیک کرتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

اب انٹون بولا:

”لیکن مجھے وطن عزیز ہے۔“ اس نے مضطرب آواز سے کہا۔ ”تاہم میں شام تک انتظار کروں گا۔ اگر آپ نہ آئے۔ میرے لئے برابر ہے۔“

”موریلہ! پادری نے کہا۔ ”تم ضرور واپس جاؤ۔ رات بھر ان کو اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں۔“

موریلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ آگے بڑھی۔ پادری کا ہاتھ چوا اور اس طرح سلام کیا کہ ملاح بھی اس کا مخاطب تھا لیکن انٹون نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ لوہی اٹھا کر صحن پادری کو تسلیم دی۔ دونوں دو مختلف راستوں پر روانہ ہو گئے۔ انٹون تو تھوڑی دیر تک پادری کو دیکھتا رہا۔ پھر موریلہ پر نظر جمادی، جو دو سوپ سے بچنے کے لئے آنکھوں پر ہاتھ رکھے چلی جا رہی تھی۔ راستہ کی موڑ پر پہنچ کے موریلہ ٹھہری اور لمبی پس سے گھوم کر پیچھے دیکھنے لگی۔ اس کے سامنے خاموش سمندر نیلگیں فرش بچھائے پھیلا ہوا تھا۔ صبح کے صبح کی دلیر شہنشاہ اس کی سطح پر لوٹ رہی تھیں۔ آسمان صاف شفاف تھا۔ واقعی منظر شاعرانہ اور جذبات انگیز تھا۔

لیکن قیمت کا کٹہرہ بکھو۔ موریلہ کی نظریں اٹھتے ہی انٹون کی جھلکی نظروں سے جا گزری۔ دونوں گھر سے گئے۔ بیک وقت دونوں میں ایک ایسی جنبش ہوئی گویا انٹون نے کوئی غلطی کی ہو اور اسے پھپھاتا چاہتے ہیں!

موریلہ تیزی سے مڑی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

انٹون کو ماہی گردوں کے شراب خانے میں بیٹھے کسی گھنٹے ہوئے وہ از حد شغول معلوم ہوتا تھا۔ بار بار اٹھتا تھا اور تمام راستوں پر نظر ڈال کے لوٹ آتا تھا۔

موسم میں تبدیلی شروع ہو گئی۔ وہ خیال کرنے لگا اگر رات سے پچھلے موسم بدل گیا تو وہ۔ جلد واپسی پر مجبور ہوگی۔

انٹون کو ماہی گردوں کے شراب خانے میں بیٹھے کسی گھنٹے ہوئے وہ از حد شغول معلوم ہوتا تھا۔ بار بار اٹھتا تھا اور تمام راستوں پر نظر ڈال کے لوٹ آتا تھا۔

موسم میں تبدیلی شروع ہو گئی۔ وہ خیال کرنے لگا اگر رات سے پچھلے موسم بدل گیا تو وہ۔ جلد واپسی پر مجبور ہوگی۔





# بصائر و حکم

## عالم انسانیت موت کے دروازہ پر

### مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

### اکابر تاریخ اسلام کے مختصر دنیا

#### ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہ

وفات کے قریب اپنے پی ویٹ لکھوائی اور حضرت عثمان اور ابی ہریرہ کے ہاتھ مسجد میں بیچ دی تاکہ مسلمانوں کو سنا دی جائے۔ موت حبیل تھی:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی وصیت ہے جس کا وہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا اور آخرت میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ ایسے وقت کی وصیت ہے جس کا سرکاری بیان لے آنا، ناجائز بیعت میں پڑنا، اور جھوٹا بیعت بولنے لگنا ہے۔ میں نے تم پر عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کو امیر بنایا ہے۔ اگر وہ عدل کرے اور تقویٰ کرتے، تو اس کی بابت میرا یہی گمان اور یہی امید ہے۔ لیکن اگر وہ بدل جائے، تو میں نے تمہیں اللہ سے بھلائی چاہی ہو غیب کا علم، خدا کے سوا کسی کو نہیں“

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: میرے والد مرض موت کے آخری دنوں میں بے ہوش ہو گئے۔ میری زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ ”افسوس، میرے باپ کو سخت بیماری لاحق ہو گئی ہے“ اتنے میں ان کی آنکھ کھل گئی تو فرمایا: ”بھئی، یہ بیماری نہیں ہے وہ چیز جو جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے وہ جرات سکرة الموت بالحق، ذلک اکنت منہ تنجی۔ پھر پوچھا: رضی اللہ عنہ، یہ کون سی چیز ہے؟“ کھانا لیا گیا تھا؟ میں نے عرض کیا، میں پرہیز میں۔ پھر پوچھا: تمہاری نے کس دن وفات پائی تھی؟ عرض کیا: تیسرے دن۔ پوچھا: آج کو کونسا دن ہے؟ میں نے کہا: پیر کا دن ہے۔ فرمایا: میں خدا سے امید کرتا ہوں

(بقیہ مضمون ص ۱۷)

گو اٹھا لینا چاہا۔ مگر فوراً ہی اسی تیزی سے اپنا دھنسا ہوا تھا۔ پچھلے ہٹ گیا۔ اس کے ہاتھ سے خون کا وہ چھوٹا بھاگتا ہوا ٹپکا نکلنے سے پوری قوت سے کاٹ لیا تھا۔

”اے ابوبکر! سوچو! آفتاب کی روشنی“

”مجھے تیرا حکم ماننا پڑے گا؟“ وہ جوش سے چلائی: ”میں تیری لوٹی ہوں؟“

یہ کہہ کر وہ خود منہ میں پھانسی پڑی۔ ملاح کی نظروں سے غائب ہو گئی پھر نمودار ہوئی۔ اس کے کپڑے جسم سے چٹ گئے تھے۔ بال کھل گئے تھے بڑی طاقت و ہمارت سے پھر ہی تھی۔ اسے کوئی لفظ نہیں کہا۔ کشتی سے دُور ہونے لگی۔ ساحل کی طرف جانے لگی۔

کہ آج رات اور دن کے درمیان میری موت واقع ہو جائے۔ پھر اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور کہا: ”دو فریق کپڑے ملا کر اسی میں مجھے کھانا دینا۔ میں نے کہا۔ یہ تو پڑا ہوا ہے۔ فرمایا: ”الحی احوج الی الجہنم لیت ابنا ہولہمہنہ والصدید۔ زندہ انسان بمقابلہ مردہ کے نئے کپڑے کا زیادہ حاجت مند ہے۔ اور کفن تو دم اور خون کے لئے ہوا“

جب وفات ہوئی تو یہ دعا تو سنی آپ کے زبان پر تھی: ”توفی لما دالحق بالصالحین“ خدایا! اس حالت میں موت دے کہ مسلم ہوں، یعنی تیرا فرمان بردار ہوں، اور ایسا کر کہ صالح انسانوں کے ساتھ ہوا شمول ہوا

تاریخ وفات سید (س ۱۷)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا:

”میرا بیروہ زمین پر گرے، شاید خدا تجھ پر مہربان ہو جائے اور تم کرے!“

آخری کلمہ وصیت اہل ذمہ لینے فرمایا کی نسبت تھا: ”میں اپنے باپ کا بیٹا تھا اور وصیت کرتا ہوں کہ وہ غیر مسلم رعایا کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری یاد رکھے۔ ان سے جو حق رکھے گئے ہیں، ہمیشہ اُن سے لئے جائیں، ان کی ان کے دشمنوں سے حفاظت کی جائے، ان پر کبھی سختی نہ کی جائے“

تاریخ وفات سید (س ۱۷)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

جب قتل کا یقین ہو گیا تو حضرت علی کو خط لکھا:

”سیلاب، چوٹی تک پہنچ گیا۔ معاملہ، حد سے تجاوز کر گیا خط دیکھتے ہی میرے پاس آؤ۔ موافقت میں یا مخالفت میں“ خط کے آخر میں یہ شعر لکھا:

فان كنت اكلوا لکن خیرا کل والا فادركنى ولما افترق  
(اگر میرے لئے میری صورت رہ گئی ہو کہ میں کسی کا ذوالبنوں تو سب بہتر کھانے والے تم بنو۔ ورنہ میرے کپڑے اُٹنے سے پہلے مجھ کو اکچالو)

سید (س ۱۷) میں شہید ہو

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت بہت حرمت ظاہر کرنے لگے۔ لوگوں نے کہا: تالے ابو عبد الرحمن! آپ کو کس چیز پر افسوس ہے؟ جواب دیا: ”میں دنیا پر افسوس

نہیں کرتا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہیں ایک سیت کی تھی۔ فرمایا تھا۔ تمہارے پاس مسافر کے زادراہ بھر سامان ہونا چاہئے میں ڈرتا ہوں، ہم نے اس وصیت پر عمل نہیں کیا۔ کیونکہ میرے گرد یہ چیزیں جمع ہیں“

یہ کہہ کر گھر کے سامان کی طرف اشارہ کیا۔ دیکھا گیا تو گھر میں کل سامان، ایک تلوار، ایک پشت، ایک پیالہ تھا!

سید (س ۱۷) میں انتقال ہوا

امام حسن علیہ السلام

وفات کے وقت بار بار انا اللہ وانا الیہ راجعون کہنا شروع کیا آپ کو صاحبزادے نے عرض کیا: ”آپ بھی دنیا پر افسوس کرتے ہیں؟“ فرمایا: ”فرزند! دنیا پر نہیں، خود اپنے نفس پر افسوس کرتا ہوں، کیونکہ کما جیسی کوئی چیز مجھے کبھی نہیں ملی!“

سید (س ۱۷) میں انتقال کیا

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت رونے لگے۔ سب پوچھا گیا: کہا:

”اس لئے روتا ہوں کہ سفر بہت دیرانی، زادراہ بہت کم ہے میں جا رہا ہوں۔ نہیں معلوم جنت میں مقام ہو گا یا دوزخ میں؟“

سید (س ۱۷) میں فوت ہوئے

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنی اولاد سے کہا: ”میری وصیت کون قبول کرے گا؟“ بڑے نے کہا: ”میں“ کہنے لگے: ”میرا قرینہ ادا کرنا ہوگا“ پوچھا: ”کہتا ہے؟“ کہا: ”۸۰ ہزار دینار!“ پوچھا: ”کیوں لیا تھا؟“ جواب دیا:

”دو قسم کے آدمیوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں: شریف بنفس غریبوں کی۔ اور حیا سے سوال نہ کر سکنے والوں کی۔ یہ مجھ پر ہو کر تھے۔ مگر شرم سے انگ نہ لے سکتے تھے۔ فروغ حیا سے چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔ میں سوال سے پہلے ہی انھیں بے دیتا تھا“

سید (س ۱۷) میں فوت ہوئے۔

سعید بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

بڑے خود دار اور بلند ہمت تھے۔ مرض الموت میں مشورہ دیا گیا: ”بیاد، کراہنے سے راحت پاتا اور طبیب سے اپنی حالت بیان کرنے سے مطمئن ہوتا ہے“

کہنے لگے: ”کراہنا، بڑی ہی عیب ہے۔ خدا ہرگز میرا کراہنا نہیں سنے گا تاکہ اس کے حضور بڑی نہ ٹھہروں۔ رہا طبیب، تو دوا، خدا کے سوا کسی کو بھی اپنے آپ پر اختیار نہیں دل گا۔ خدا چاہے تو مجھے کچھ چاہے اٹھالے!“

برج بن خثیم رضی اللہ عنہ

فالج میں مبتلا ہوئے۔ کہا گیا: ”دوا کیوں نہیں کرتے؟“ جواب دیا: ”میں دوا کا فائدہ جانتا ہوں، مگر نہ مرض ہی زندہ ہے نہ گناہ طبیب پھر دوا کیوں کر دے؟“

سید (س ۱۷) میں وفات پائی

معاویہ بن زیاد بن معاویہ

وفات کے وقت مشورہ دیا گیا: ”اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کر جائے“

جواب دیا: ”میں نے خلافت سے زندگی میں فائدہ اٹھایا نہ مرنے کے بعد اس کو بوجھ اٹھانے کا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بیانیہ اس کی شیرینی لیں اور میرے حصے میں تلخی لے“

سید (س ۱۷)

میں وفات پائی۔



## جیل (مشہور شاعر)

جیل کا عشقِ مثنوی سے مشہور عام ہو۔ ابوسلمہ ساعدی عیادت کو گیا۔ زند کی حالت تھی۔ جیل نے کہا "ابوسلمہ! ایسے آدمی کی بابت کیا کہتے ہو جو خدا سے اس حال میں ملتا ہو کہ اسے کسی کا خون نہیں بہا، شرابیں پی، کبھی بدکاری نہیں کی۔ کیا اس کے لئے جنت کی امید ہو؟"

ساعتی نے کہا "بھلا ہاں، مگر وہ کون ہو؟"

"مجھے امید ہو کہ میں ہوں" جیل نے جواب دیا۔

ساعتی نے مثنوی کا ذکر کیا۔

"دیکھو، جیل نے آہ سرد بھر کر کہا "یہ دنیا میں میرا آخری دن ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں اگر مثنوی کی طرف میں نے بڑی سے نظر کی ہو"

جب وفات بالکل قریب پہنچی تو جیل نے اپنے ایک دوست کو بلا کر وصیت کی،

جب میں مر جاؤں، تو گھر کا تمام سامان تمہارا ہو۔ صرف سیرکڑوں کا ایک جوتا اس سے الگ ہو۔ تم میری ادنیٰ پرستار ہو کر مثنوی کے قبیلہ میں جانا اور بلند جگر پر کھڑے ہو کر میرے کرتے کا گرمی مان بچاؤ ڈالنا پھر جلا کر یہ شعر پڑھ دینا:

صدع انشی واکنی جیل دوشی بمصر ثوار غیر بقول موت بے درک آپہنچی، جیل سے کوئی رعایت نہ کی۔ وہ اب اس طرح قلم بریک کر کبھی داپسی نہ ہوگی۔

و القدا جہ الدلیل فی دادی القری نشان بین مزارع دخیل میں دادی قری میں کھیتوں اور ٹھلستانوں میں خوشی خوشی بھر کر رکھا تھا۔ قوی مثنوی فائدہ بی بویل و ایک خلیک و دل خلیل مثنوی! آٹھ اور نوہ کر اپنے سب سے بڑے دوست کے لئے! دوست نے وصیت پڑھی کہ وہی جیل کے سلسلہ (سلسلہ) میں اتھار گیا۔

## مہلب بن ابی صفور

وفات کے وقت اپنے تمام (لوگوں کو جمع کیا۔ بھر کر کش مچھا اور کہا "کیا تم یہ تمام ایک ساتھ بند ہو سکتے تیر توڑ سکتے ہو؟" انھوں نے کہا "نہیں" مہلب نے کہا "اگر الگ الگ ہوں؟" انھوں نے جواب دیا "ہاں" ایک تیر کو توڑنا بالکل آسان ہو، مہلب نے کہا "یہی مثال اتفاق و اتحاد اور جماعت کی ہو، بے ہنگم کے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا الگ الگ ہو جاؤ گے تو یہ آسانی ہلاک کرتے جاؤ گے"

سلسلہ (سلسلہ) میں فوت ہوئے

## عبدالملک بن مروان

موت کے وقت اپنے بیٹے ولید سے کہا:

"دیکھ میری موت پر بیوقوف عورتوں کی طرح ٹھیکر مٹوے نہ بہا۔ بلکہ کربا نہ نہنا، آستین چڑھا، جیتے کی کھال پہن لینا۔ مجھے میرے گھر میں ڈال کر چھوڑ دینا۔ میں اپنا معاملہ خود چکا لوں گا۔ لیکن تم اپنے معاملہ کی فکر کرنا۔ لوگوں کو بیت کے لئے بلانا جو اپنے سر سے لوگوں کو یعنی انکار کرے) تو تم بھی اپنی تلواریں سے یوں کرنا" (یعنی اس کی گردن مار دینا) پھر یہ بین معاویہ کے دونوں (لوگوں) محمد اور خالد کو طلب کیا۔ ان سے پوچھا "کیا وہ لیکنگی بیعت پر زام ہو؟" انھوں نے جواب دیا "ہم ولید سے زیادہ کسی کو بھی خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے" عبدالملک نے کہا "دائیں اگر تم کچھ اور جواب دیتے تو فوراً تمہارا سر اڑا دیتا" پھر اپنے بچوں کے کان پر آواز مٹا کر کہلا "نیچے شیر پر ہنر رکھی تھی!"

یہ اہمیت کی گفتگو جو جب سکوت موت طاری تھی۔ عبدالملک نے کہنا شروع کیا "وہ خدا کہتا ہے کہ جو چھوٹے بڑے سب کو بے پلائی سے موت دیتا ہو۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

اس لحاظ پر جمع پر ہزار گریں۔

امتی کہا کرتا تھا "میں عبدالملک پر حسد کرتا ہوں۔ کیونکہ اس نے مرتے وقت کہا تھا "خدا! میرے گناہ اگرچہ بے شمار ہیں اور بے حد بڑے ہیں، لیکن تجھے عنو کے سامنے بہت کم اور بہت چھوٹے ہیں لہذا مجھے معاف کر دے!"

کہتے ہیں، عبدالملک نے وفات کے وقت اپنے محل کی کھڑکی سے ایک دھبہ کو کپڑے دھوئے دیکھا تھا۔ اُس نے ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگا "کاش میں اس دھبہ کی طرح ہوتا کہ اپنی دور کی کمائی سے پیٹ پالنا اکاش میں خلیفہ بنا ہوتا" پھر یہ شعر پڑھا:

لیتنی کنت قبل ما قد بلی فی ردوس الجبال ادی العوا الوعائم نے یہ قول سنا تو کہنے لگے "الحمد للہ" یہ لوگ موت کے وقت اُس بات کی تائید کرتے ہیں جو میں حاصل ہو۔ لیکن ہم موت کے وقت ان کی حالت کی آرزو نہیں کرتے!"

سلسلہ (سلسلہ) میں وفات پائی۔

## ابن القریہ

مشہور عرب خلیفہ ابن القریہ کو قتل کرنے کا حجاج بن یوسف نے حکم دیا۔ جلاؤ تلوار لے کر آیا۔ ابن القریہ نے کہا "خدا حاکم کی درستگی کرے! میں مرنے سے پہلے تین غلط کھنکی اجازت چاہتا ہوں جو میرے بند صربا لٹل ہو کر ہمیشہ زندہ رہیں گی"

حجاج نے کہا "کہہ، کیا کہتا ہو؟"

ابن القریہ نے کہا "ہر میل گھوڑا گھوڑا کھلا ہو۔ ہر تلوار کندہ ہو جائے۔ ہر دانہ غلٹی ہو جائے"

حجاج نے کہا "یہ وقت، مزاح کا نہیں ہو۔ جلاؤ اپنا کام کر!"

جلاؤ کا کام چلا اور ابن القریہ کا سر زمین پر پڑا۔

سلسلہ (سلسلہ) کا یہ واقعہ ہو۔

## خطل

مشہور شاعر خطل کو موت کے وقت پوچھا گیا "کوئی وصیت؟"

کہا "ہاں، پھر اپنے دوست فردوق کو یہ وصیت کی،

ادوی الفردوق عند المات بام جیر و دایار (میں موت کے وقت فردوق کو وصیت کرتا ہوں کہ جیر کی مٹی اور اس کی سونوں کا خیال رکھے)

سلسلہ (سلسلہ) میں فوت ہوا

امام ابراہیم غنوی رحمہ اللہ امام کوٹہ

موت کے وقت سخت خوفزدہ ہوئے۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ بڑے لگے اس حالت سے زیادہ خطرناک حالت اور کیا ہو سکتی ہو؟ ہر لمحہ دہر گنا لگا ہو کہ پروردگار کا قاصد پہنچ کر اور جنت یا دوزخ کی خبر سے۔ ہم خدا کی میری تمنا ہو کہ قیامت تک میری روح یوں ہی صلق میں پھنی ہو!"

سلسلہ (سلسلہ) میں انتقال کیا

مروان بن محمد

بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد جب عباسیوں کے ہاتھ قتل ہوئے لگا تو یہ شعر کہے:

الدہر یوان: ذامن وذا حذر وایس شطرن: ذاصفود واکلہ زانہ، دوسی دن ہیں: امن کا دن اور اندیشہ کا دن۔ زندگی کیا ہو؟ آدمی میں خوشی، آدمی میں غم۔

دکملی الاض من خضر وابستہ ولس یرحم الالہ شمر زین پر بے شمار خشک و تر چیزیں ہیں، مگر تمہاری دشت پر بارے جاتے ہیں جس میں جل ہیں۔

قل لذی صوف الدہر قرا بل غیر الدہر الا من لذت زانے کے انقلاب پر طعن دینے والوں سے کہو کہ زناد اسی کے خلا ہو جاؤ جو کوئی درجہ نہ رکھتا ہو۔

الاحزی بطور قلوبہ و ذہنہ و تسفر باقصی تسفر الدرد تم دیکھتے نہیں وہ اپنی کی سطح پر مرنے پر تیرے ہیں لیکن موتی اُس کی نہیں جیسے رہتے ہیں۔

وان کن بخت ایدی الزمان بنا وانا من تجنی کوسہ ضرر اگر زمانے کے ہاتھوں نے میں ستایا اور اس کی غنیمتیں ہم پر پڑی ہیں، نفی السار بخرم لعدا لہما دلیس کیست الا شمس و القمر تو کوئی تعجب نہیں۔ آسمان میں بے شمار ستارے موجود ہیں مگر گمنام صرف چاند اور سورج ہی کو لگتا ہو۔

سلسلہ (سلسلہ) میں قتل ہوا

ابو جعفر منصور

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے سفر حج میں مقام "بیریمون" پر پہنچ کر جب اپنی وفات قریب لگی، تو اپنے دلی عہد، ہمدی کو طلب کیا اُس وقت ابو جعفر کے سامنے ایک بڑا بھلا رکھا تھا۔ اس کی کلاں و حساب کے کافذات تھے تھے۔ کبھی کسی شخص کو اُس پر ہتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

دلی عہد کو دیکھ کر خلیفہ نے کہا:

"فرزند ابیہیلا دیکھ۔ اس کی حفاظت کرنا، کیونکہ اس میں تیرے بزرگوں کا علم محفوظ ہے۔ اس شہر بغداد کا خیال رکھنا۔ کسی اندیشہ کو اپنا پاپا یہ توخت نہ بنا۔ کیونکہ یہ شہر اپنا ہو اور اس میں تیری عزت ہو۔ میں نے اُس میں ترے لئے اتنے خزانے جمع کئے ہیں جتنے کبھی کسی خلیفہ نے جمع نہیں کئے تھے۔ حتیٰ اگر اگر دس برس بھی تجھے سلطنت کا خراج نہ ملے تو یہی یہ خزانے جملہ مصارف کے لئے کافی سے زیادہ ہونگے۔ ان کی حفاظت کرنا، کیونکہ ان کی موجودگی میں تجھے ہمیشہ قوت حاصل رہے گی۔ تیرا گھر آباد رہے گا۔ لیکن میں جانتا ہوں تو ان کی حفاظت نہیں کرے گا۔"

"اپنے خاندان سے نیک سلوک کرنا۔ اُنھیں عزت بخشنا۔ اُن پر احسان کرنا۔ ان کے لئے سبز نعب کرنا۔ اُن کی چوٹوں پر لوگوں کو جھکا کر۔ کیونکہ اُن کی عزت، تیری عزت ہو۔"

"اپنے غلاموں سے نیکی کرنا۔ اپنے قریب رکھنا۔ اُن کی فحشاء میں اضافہ کرنا۔ کیونکہ مصیبت کے وقت وہ تیری سپر ہو گئے۔"

"خزاسانیوں کے بلے میں میری نیک وصیت یاد ہو۔ وہ میرے حامی و مددگار رہیں۔ انھوں نے اپنی جان مال سے تیری مدد کی ہے ان سے اچھا زاد کرنا۔ اُن کی خطائیں معاف کرنا۔ ان کے مجبور اللہ بیاؤں کی خبر لینا۔"

"خبردار کوئی نیا شہر آباد نہ کرنا۔ کیونکہ تو اسے پورا نہ کر سکے گا۔ خبردار اوروں کو اپنے مشوے میں داخل نہ کرنا۔ یہ میری آخری وصت ہے"

جب اُن بول پرایا تو کہا "پادشاہ وہ ہو جو نہ مرے!"

سلسلہ (سلسلہ) میں انتقال کیا

امام سقیان ثوری

موت کے وقت نہایت مضطرب تھے۔ کہا گیا "ابو عبداللہ! یہ صبر کرو! کیوں؟ کیا آپ اُس ذات کے پاس نہیں جاسے ہیں جس کی آپ نے ہمیشہ عبادت کی اور ہمیشہ اُسی کی طرف بھاگتے رہے؟"

کہنے لگے "تمہارا بھلا ہوا میں ایک ایسے راستے میں سفر شروع کرنے والا ہوں، جسے میں نہیں جانتا اور اُس پر دو گار کے دو بردہ پہنچے والا ہوں، جسے میں نے دیکھا نہیں ہے!"

سلسلہ (سلسلہ) میں وفات پائی۔

عبداللہ بن عبدالغفر

موت کے وقت کہنے لگے "خدا کی نعمت کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر پھنسی

کے پچاس لاکھ معلوم ہوتے ہیں۔ ہر پچاس لاکھ کی فواد ہی چارہ پر صلیب پائی ہو۔  
 ترک فلاحوں نے اُس کا اتنی غلط فہم کیا ہو۔ لیکن مولیٰ خطا آج تک کیا  
 ہی موجود ہو جیسا قدیم حدیث مقرر۔

میں زیادہ تفصیل کرنی نہیں چاہتا۔ کیونکہ بے فائدہ جو کچھ ہی  
کوشش کروں، قارئین، اصلیت کا عشرِ عشر بھی تصور نہ کر سکیں گے۔ فقر  
یہ جو کہ سابق کا یہ کینسا اور حال کی مسجد، ایک ایسی عمارت ہے جس کو غور سے  
ادرسا غار عمارت، انسانِ آئندہ اس وقت صفحہٴ زمین پر کسین نہیں دیکھ سکا!  
بازلیک

ایسا تو فیہیں نماز جمعہ ادا کرنے کا ہم نے اہاد کیا۔ لیکن سوچیں جانے سے پہلے باز لیک میں داخل ہوئے۔ آذریک، ایسا تو فیہ کے ذریعہ واقع ہو۔ یہ دراصل زمین کے نیچے ایک بہت بڑا حوض یا دریا دانی حوض کا تالاب ہو۔ تقریباً ۳۳۶ ستونوں پر قائم ہو۔ اس سے متعلق یہ تھا کہ دشمن کے محاصرے کے وقت اس میں اپنی محفوظ رکھا جائے، تاکہ شہر پیاس سے ہلاک نہ ہو جائے۔ یہ تالاب، ایک شہر نگہ کے ذریعہ آیا تو فیہ سے ملایا گیا ہے اور آسانی سے آمد و رفت ممکن ہو۔

ایا صوفیہ میں نماز مجبورہ  
 بازلیک کی میر سے فایغ ہو کر ہم نماز مجبورہ کے لئے ردان ہوئے۔  
 ہیں یہ دیکھئے ماکاز حد شوق تھا کہ مکی کے موجودہ اجتماعی انقلاب کے  
 بعد ہیٹ پوش نرک نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھتے ہیں تو ہیٹ  
 کے ساتھ کدو بکر پڑھتے ہیں؟

لیکن مسجد میں داخل ہوتے ہی ہماری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی ہم نے دیکھا مسجد نمازیوں سے لبریز ہے۔ جب کبھی ایسا موقع کہ بات کہا جائے کہ لبریز ہے، تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہزار آدمی اُس میں موجود ہیں۔ ممکن ہے۔ ہزار ہوں۔ ممکن ہے میں ہزار ہوں۔ ممکن ہے ۵۰ ہزار ہوں۔ تعداد کا صحیح اندازہ کون کر سکتا ہو؟

یہ دیکھ کر ہمیں ادنیٰ تعجب ہوا کہ سب بیٹھ ہیے ہیں۔ اُس وقت تک معلوم ہوا کہ ترکوں نے جو بیٹھ ہیے جو، وہ یورپین بیٹھ نہیں ہی۔ بنگال نے اُسے بھرا یا اسونید کی طرح سلمان کر لیا ہو۔ یہ بیٹھ، مسجد میں بھی اُنکے سردوں پر موجود تھی۔ اور اس کی عبادت سے روک نہیں سکتی تھی ابھی ہماری حیرت بدستور باقی تھی۔ ہم سوچتے تھے، اس بیٹھ کے ساتھ لوگ نماز کیسے پڑھیں گے؟ لیکن ہم نے دیکھا، جو آدمی نماز کے لئے اٹھتا ہو، بیٹھ اپنے سامنے رکھ لیتا ہو اور جب معمولی کپڑے کی ٹوپی نکال کر پہن لیتا ہو بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس خاص ٹوپیاں نہ تھیں۔ وہ رومال سر باندھ لیتے تھے۔ خود ہم نے بھی اسی طرح نماز پڑھی۔ بعض ایسے بھی تھے جو نرم بیٹھ پہنے تھے۔ انھوں نے نماز کے وقت اپنی ٹوپیاں گھما دیں۔ بلکہ کراچیچے کر دیا اور لپٹ کنا سامنے، تاکہ رب العالمین کے حضور اپنا اٹھارہ زین پر رکھ سکیں!

## ترک قادی

ہم اسلامی اور مسیحی دونوں مہزوں کے مابین بیٹھے۔ ہم سے کچھ فاصلہ پر سنگ مرمر کے بلند پائیوں پر ایک مسیح جھنک تھی۔ اسپر جاہ ترک قادی بیٹھے خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ ہر قادی ایک ایک گوشہ میں تھا۔ چھوٹی چھوٹی سویتیں تلامذہ کرتے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ پہلے ایک قادی پڑھتا۔ پھر اسی کا اعادہ باری باری باقی تینوں قادی کرتے تھے۔ آخر میں سب ملکر کہتے ”سبحان اللہ الحمد للہ واللا الہ الا اللہ، والہ اکبر“

میں نے اپنے عرب رفقاء کا امتحان لینا چاہا۔ اُن سے پوچھا یہ لوگ کون سورتیں پڑھ رہے ہیں؟ مگر وہ جواب نہ دے سکے۔ لیکن ہیں بالآخر معلوم ہو گیا کہ سورہ الم نشرح اور اُس کے بعد کی سورتیں پڑھ رہے تھے۔ آخر میں اُنھوں نے سورہ فاتحہ تلاوت کی۔ پھر سورہ بقرہ،

عظیم کنیا، حجہ کو شٹیان نے شہیدۂ قدیمہ صوفیہ کی یادگار بنانے کے لئے تعمیر کیا تھا، اور حجہ عظیم اسلامی پادشاہ محمد ثانی نے مسجد بنادیا، صدیوں پر صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اپنے سچی نظام و خدمت برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اب تک یہ نور کنیا ہے۔ اُس کی صلیبی شکل پر پتھر قائم ہے۔ اُس کے مختلف حصے، جن کی ترتیب و نسبتیں میں صلیبی شکل منظر رکھی گئی ہے، اب تک اپنی صلیبیت ہی پر باقی ہیں۔ اُس کے ستون اب تک کو شٹیان اور اُس کی لکھ کے نشان و فناداری کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ اُس کے اندر دونوں جہلوں میں بسٹا دینے کے حوص اب تک موجود ہیں۔ یہ سنگ مرمر کے ہیں۔ اُن کی شکل مرتبائی ہے۔ ابن عربیؒ۔ نمازی عورتیں و منکر کی ہیں۔ اُس کی دیواروں پر مقدس نقوش بھی اب تک نظر آتے ہیں، اگرچہ ترکوں نے انھیں محو کرنے کی کوشش کی تھی حضرت یرم (علیہ السلام) کی تعمیر آج بھی اپنی موثر آنکھوں سے ناز و کی صغیر لیکننے کے لئے موجود ہے۔ ترکوں نے اُس کا مقصد ان نقشہ مٹانے کی کوشش کی کیونکہ اسلام کی عبادت گاہ اس نشان شرک کی متعلق نہیں ہو سکتی تھی، مگر گوری طرح نہ مٹ سکا شاید یہ اُس کا بیجہ ہو کہ وہ ایک ایسے تاریک حصے میں ہے جہاں سے وہ رب کی دیکھی ہو، مگر اگر سب کچھ نہیں سکتا!

یہ عجیب اتفاق ہو کہ اُس کی محراب - حالانکہ وہ کینا سنی - لبریکری  
 تریم کے مسجد کی محراب بن گئی۔ کیونکہ عظیم قتلہ کی سمت میں اتنے قلعی۔  
 ہی سبب ہو کہ نمازیں تم اپنے آپ کو ایسے رنگین شیشوں کے سامنے  
 پاؤ گے جو صرت کینوں ہی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ تمھاری بجائے  
 جبرائیلؑ کی آیات قرآنی اور عربی عبادتیں نظر آئیں گی، مگر تم بھی خود  
 کہہ گئے کہ مسجد میں نہیں، سچی کینے میں ہو۔ کیونکہ ایسا صوفیہ کی مجموعی اہمیت  
 ات تک بالکل کینے ہی کی ہے۔

اس مہاجر کے قریب، جو صلیب کا سر پیش کرتی ہو، سنگ مرمر کا وہ  
ممبرا تک قائم ہو جس پر یہی خطیب طہرا ہوا تھا۔ اسی کے مقابل ایک  
اور ممبر بنا لیا گیا ہو۔ سپر اسلامی خطیب طہرا ہوا ہو۔ یہ دونوں ممبر  
گویا آئینہ کے دو اہم صفے ہیں اور گہمی محو ہونے والے نہیں!  
مسجد کے ساتوں نوآبادی پھر ایک اتنے عظیم الشان ہیں کہ تسلیم کر لیں

# سیر فی الارض

اولم يسروا في الارض فتغيروا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم

(۸:۳۰)

## سَیَّاحِیْنِ عَالَمِ کَی مُشَاهِدَاتُ اَوْتَاثِرَاتِ

قدیم قسطنطنیہ پر ایک جدید نظر!

۱۔ (مصری اہل قلم استاد مرسی محمود کے قلم سے)

مسجد الماصوفيه

سیاحانِ عالم نے ہمیشہ اعتراف کیا ہو کہ ایامِ صوفیہ کے مشاہدے سے تو فوہی  
و معنوی حلال، جمال کی جو عظمت انسان کے دل و دماغ کو سحر کر لیتی ہو،  
وہ دنیا کی کسی موجودہ عمارت میں نہیں پائی جاتی۔ لندن کے ڈسٹنس پیرا  
کے باغیچوں، دیس کے کینے، اتھنز کے کرول، اتر کے مبدل کرکا اٹکا  
کے محل، کوئی بھی اُس نوعیت کی تاثیر نہیں رکھتا، جو ایامِ صوفیہ کے گوشِ محسوس  
ہو۔ میں نے جلیل القدر نواغز اُمن کی لاش اُس کے پُر شوکت مقبر  
میں دیکھی ہو، وہ مقبرہ جس کے انکشاف نے دنیا بھر کے اعتبار ہائے  
ہیں۔ لیکن میرے دل پر وہ اثر نہیں پڑا جو کل ایامِ صوفیہ کے مشاہدے  
سے محسوس ہوا تھا، درجہ شاید زندگی بھر محسوس ہوتا رہے گا!

کنیہ ایاضہ، اب مسجد ایاضہ بن گیا ہو۔ یہی ہتر درصاب بھی تھا کیونکہ قدسہ صوفیہ جس کے نام پر یہ عمارت بنائی گئی ہو، عرف و عادت کے اعتبار سے، ایک مستقبل مبدعے کی سعی نہیں ہو۔

(بقیہ مضامین صد کا)

دُنيا میرے قدموں کے نیچے آجائے تو بھی میں اُسے لینے والا نہیں کیونکہ میں ہمیشہ اسی دن سے مُدارا ہوں جو آج دیش ہو۔“

مسئلہ (نستشہ) میں انتقال کیا

سیدوہ امام نحو

شہزادہ مخوی سینویہ نے وفات کے وقت یہ شعر پڑھا:

یہ عمل دنیا باقی ہے  
آزاد کرنے والے نے آزاد کی کہ دنیا ہمیشہ باقی رہے۔ لیکن آزاد سے  
ہلے سی آزاد کرنے والا مر گیا۔

یہ کہہ کر پوٹھ ہو گئے۔ سر بھائی کے زانو پر تھکا دے گئے۔  
 انہوں نے آنکھ کھول دی۔ اُن کے آنسو دھک دھک کر رہا تھا۔  
 وَكُنَّا جَمِيعًا فَرَقَ اللَّهُ بَيْنَنَا اِلٰى اِلَآءِ الْاَقْبَىٰ مِنْ يَمَنِ الْمَرَامُ  
 ہم سب ساتھ تھے، زمانے نے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ پس زمانے پر  
 کون، جبر دے کر سکتا ہو؟  
 سطر ۱۶ (۱۶۰۰) میں نجات پائی۔

## دلا زار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پھپھلا منظر

### اسلام اور سزا و قتل

### ایک خط کے جواب میں

ایسی باتیں سنا سننے آتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ سوال یہ ہو کہ اسلام کی جو تعلیم آپ کے علم میں آئی ہے اگر فی الحقیقت آپ ملین ہو گئے ہیں کہ وہ اسلام کی تعلیم ہے، تو پھر کیا دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں اسے ڈھونڈنا کیوں چاہتے ہیں؟ آپ کو "اسلام" کی تعلیم کی تلاش ہو یا "مسلمانوں" کی تعلیم کی؟ یقیناً یہ دونوں چیزیں ایک نہیں ہو سکتیں۔ ایک چیز تعلیم بہ حیثیت تعلیم کے ہے اور ایک چیز اس کے پڑھنے کا فہم و عمل ہے۔

اگر آپ کہ اسلام کی تعلیم کی جستجو، تو وہ دنیا کی ہر تعلیمی حقیقت کی طرح صرف اپنے حقیقی سرچشمہ میں ڈھونڈی جاسکتی ہے، نہ کہ انسانوں کی تعلیم میں اگر یہ وہ انسان اپنے اعتقاد میں مسلمان ہی کہیں ہوں اگر آپ کی اس سرچشمہ تک رسائی ہو سکتی ہے (اور کم از کم میرا اثر آپ کی نیت تھا کہ آپ کو اس کا اعتراف ہو) تو اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ اسلام کی تعلیم معلوم کرنے کے لئے خود اسلام تک پہنچ گئے ہیں، اور اس صفحہ میں آپ کے لئے صرف یہی رہ جاتا ہے کہ خود اسلام سے اسلام معلوم کریں، اور جب معلوم ہو جائے تو جہاں تک اسلامی تعلیم کا تعلق ہے، آپ کی جستجو ختم ہو جائے۔ بلاشبہ آپ کے لئے یہ بات رہ جاتی ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زندگی میں اس عمل تلاش کریں لیکن "عمل" تلاش کریں۔ یہ نہیں کہ مسلمانوں کے عمل کو "اسلام" کی تعلیم قرار دیں۔ اگر مسلمانوں کی زندگی میں آپ کو اس کا عمل نظر آئے، تو آپ کے لئے قائم کرنی چاہئے کہ اسلام کی تعلیم پر دنیا کی مسلمان نامی جماعت عمل کر رہی ہو۔ نہ نظر آئے تو افسوس کرنا چاہئے اور بھولنا چاہئے کہ دنیا کی مالگیر جماعتوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ مسلمان نامی جماعت بھی اسلام کی تعلیمات پر عمل نہیں۔ میں نہیں جانتا یہ قدرتی اور سچا طریقہ چھوڑ کر اپنے غلط روی اور سچ اندیشی کی راہ کیوں اختیار کی؟ جہاں آپ کو "عمل" دیکھنا چاہئے، وہاں آپ "تعلیم" ڈھونڈتے ہیں، اور جہاں سے "تعلیم" کی حقیقت کا سراغ مل سکتا ہو، اسے اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں؟

غرض اس امر پر وہ بات یاد کیجئے جو میں نے بار بار آپ کے ذہن نشین کرنی چاہی تھی: دنیا کی کوئی تعلیمی صداقت بھی ایسی نہیں جو مجھے زیر و کلام و عمل حجت قرار دے کر ہم حقیقت کی طرف قہم پرانے ہو مذہب کو چھوڑ دے۔ دنیوی اور ادبی علوم و صنائع کا کوئی محدود حصہ محدود گوشے لئے لیجئے۔ کیا اس طریقہ سے ہم ان گوشوں میں بھی حقیقت کی طرف قدم اٹھا سکتے ہیں؟ جب دنیا کے ایک معمولی مصنف یا عالم کی کتاب کے لئے لاکھوں کروڑوں انسانوں کا فہم و ادعا کچھ مہینوں میں ہو سکتا، اگر کوئی ایسی بات بیان کی جائے جو خود اس کتاب میں نہ ہو، تو مذہب عالم کے لئے جن پر انسانی فہم و استعداد کے انحصار کے حوادث کی صدیاں گزری چکی ہیں اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کے فہم و ادعا کے ظنون سے لگا ہوا انسان کے تعلیمی حقائق متاثر ہو سکتے ہیں کسی فرد یا جماعت کا فہم و عمل حجت ہو سکتا ہے؟

السلام نمبر ۱۱۳ میں۔ ایک غیر طالب حق کی جو مراسلت دہج کی گئی تھی، افسوس ہو کہ بڑے درجے سفر اور علالت طبع کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہونے کی مسلت نہیں ملتی۔ اب اس کے لئے دت بکمال سکا ہوں۔

### مذہب اور پیر ولین مذہب

میرا خطاب غیر موصوف سے ہے۔ افسوس ہو، اس خط میں آپ نے اپنے جواہرات ظاہر کئے ہیں وہ اسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں جس کو پھر کرنے کا اپنے ارادہ کیا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب آپ پہلے پہل مجھ سے ملے، اور اپنے دل کے شکوک اضطراب مجھ پر ظاہر کئے، تو میں نے بعض مقدمات آپ کے ذہن نشین کرنے چاہئے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ یہ وہ بنیادی مقدمات ہیں جن کے بغیر آج طلب حقیقت کی راہ میں ایک قدم بھی آپ نہیں بڑھایا جاسکتا۔ من جملہ ان مقدمات کے ایک مقدمہ یہ تھا کہ مذہب اور پیر ولین مذہب کا امتیاز ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ ایک چیز نہیں ہو۔ مذہب کے بارے میں ہماری دو ہتائی یا دیریاں صرف ان کی غلطی کا نتیجہ ہوتی ہیں کہ ہم بسا اوقات ان دونوں کا عددی اختلاف بھول جاتے ہیں۔ میں سب سے پہلی بات جو آپ کے علم میں لانی چاہتا ہوں یہ ہے کہ آپ نے جستجوئے حقیقت میں ایک بنیادی صداقت معلوم کی تھی اور اب اس کا سر رشته آپ کے ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے اور افسوس ہو کہ آپ متنبہ نہیں ہیں۔

آپ لکھتے ہیں "ایک بڑی شکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہے کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اس پر ط جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ جب تک مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈا ہی جاتی ہے تو نہ صرف یہ کہ نہیں ملتی بلکہ ایسی

۴۔ ہوا۔ دریافت کر لے پر معلوم ہوا کہ یہ مکان اس غرض سے بنائے گئے تھے کہ ان میں انگریز باہمی رہیں گے، تاکہ مسجدیں نمازیوں کو داخل ہونے سے باز رکھیں۔ مسوقت اتحادیوں نے یہ مجھنا نہ فیصلہ کر لیا تھا اور امر دفراد میں اس کا اعلان کرنا چاہتے تھے۔ مگر بدقت ترکوں کو خبر لگ گئی۔ ان کے کئی ہزار آدمی مسجد میں جمع ہو گئے اور طے کر لیا کہ موت سے پہلے یا تصوف کو گرہ باندھنے نہیں دیں گے۔ ان کے ارادے کی خبر ہوا کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور عام شوش کا سالانہ ہونے لگا۔ اتحادی ڈر گئے اور اپنا فیصلہ کسی دوسرے مناسب قدم کے لئے ملتوی کر دیا۔ انہیں یقین تھا، سال و سال بعد پوری طرح قابو حاصل کر کے یہ کارروائی کر سکیں گے۔ مگر شیت الہی اس کے خلاف تھی۔ اتحادیوں کو نامراد مستظفین خالی کر دینا پڑا۔ یا تصوف آج تک مسجد ہی ہے اور انتشار اور مسجد ہی رہے گی۔

مفلون تک پہنچی۔

قرأت ختم ہونے پر ان میں سے ایک نے اور بھی زیادہ خوش الحانی و گرمیت کے ساتھ ایک دعا مانگی۔ اس میں سلطان محمد فاتح کا ذکر تھا جو اس مسجد کا گویا بانی ہو۔ نیز ایک اور سلطان کا بھی نام لیا گیا مگر کچھ نہ کہے۔

### ترک خلیفہ

اب خلیفہ بن کر رہا ہوا۔ خطبہ ۱۔ یہ خطبہ عربی زبان میں تھا۔ مگر اس کا لہجہ عربیوں کے لئے ناقابل فہم تھا۔ یہ خطبہ کا صرف پہلا جملہ ہے لکھ جو یہ تھا "الحمد لله، الحمد لله، الحمد لله الذی انعم علی المؤمنین بنعم القرآن"

خلیفہ نے خطبہ کے آخر میں تجویز المسلمین دعا کر الموصدین کے لئے دعا کی اور ترکی جمہوریت کے بقا و دام کی التجا پر خطبہ ختم کیا۔

### ترک نمازی

ترک نمازیوں کے آداب کچھ کریں بہت متاثر ہوا۔ نہایت ہی عقیدہ و احترام کے ساتھ صفوں میں بیٹھے تھے۔ از مد شروع و ختم، ان پر طاری تھا، حالانکہ وہ خطبہ و تلاوت میں سے ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ یہ بہادر قوم، اپنے ایمان میں نہایت مستحکم ہے۔ لباس اور وضع قطع میں کتنی ہی تبدیلی ہو جائے، مگر اس کے ایمان میں کوئی ترزل نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت یہ قوم، تمام مسلمانوں کے لئے قابل فخر ہے۔

### نمازی عورتیں

مسجد کے آخری حصہ میں عورتوں کے لئے ایک جگہ خاص کر دی گئی ہے یہ جگہ بھی بھری ہوئی تھی۔ ظاہر ہو کہ بڑی عورتیں ہی نماز کی طرف راغب رہتی ہیں۔ چنانچہ ان میں اکثر عورتیں بوڑھی عورتیں۔ شاید یہ صوفیہ ایسی ہی نمازی عورتیں اپنے معبد میں دیکھنا پسند کرتی ہوں!

### مسجد میں عربی تحریریں

ادھر جگہ جگہ ہوں کہ مسجدی نقش و نگار کی جگہ جگہ قرآنی آیتیں اور عربی عبارتیں لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ درمیانی قہ کے مرکز کے گرد یہ آیت خط ثلث میں کندہ ہو۔ "الہد نور السموات والارض مثل نور کشکافہ نیا مصلح، المصلح فی زجاتہ، الزجاجة کا ہنا کوکب درسی یوقد من شجرة مبارکتہ زیتونہ لشرقة ولا غریہ"

محراب میں یہ آیت لکھی ہے "فاحمدوا اللہ وادعوا عبدہ"

دیواروں پر یا بجا آمد، محمد، ابو بکر، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے اسماء گرامی دیے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تختیاں آ دیوار ہیں، اور ان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بہت سی عربی نصیحتیں لکھی ہیں۔

یہ تمام کہتے، فن خطاطی کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ شاید ہی کہیں ان کی نظیر مل سکے۔

### ایک عجیب وصف

یا تصوف کی عمارت میں یہ عجیب ہندی وصف موجود ہے کہ اس میں ایک کتبی ہی آہستہ بلند ہو، اس کی بازگشت خوب بلند اور بالکل صاف ہوتی ہے۔ چنانچہ امام کے پورے خطبہ کی بازگشت در دو دیوار سے صاف سنائی دیتی تھی۔ یہ وصف ہم نے کسی دوسری عمارت میں نہیں دیکھا۔

### یا تصوف کو کینسہ بنانے کی برطانی کو شش

یا تصوف کو دوبارہ کینسہ بنانے کی کوشش قیادت سے کر رہا ہے مگر سب سے زیادہ خطرناک اور آخری کوشش اس وقت کی تھی، جب جنگ عمومی کے بعد اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسجد کے بالکل قریب اب تک دو چوٹی فوجی باریکس موجود ہیں۔ خالی اور جاڑی ہیں جس سے برطانی فوجوں کی معلوم ہوتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے تعجب

### طریق جدل اور طریق ہدایت

معلوم نہیں آپ کو وہ بات بھی یاد رہی یا نہیں جو میں نے گذشتہ سال آپ کے ذہن نشین کرنی چاہی تھی۔ اس راہ میں بحث و جدل کے ہمیشہ سے دو طریقے رہے ہیں۔ ایک طریقہ وہ ہے جسے قرآن نے اپنی زبان میں جدل کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جسے ”ہدایت“ کے لفظ سے بیان کیا ہے۔ ”جدل“ کے معنی لڑنے جھگڑنے کے۔ ”ہدایت“ کے معنی سیدھا اور سچی راہ اختیار کرنے کے۔

وہ تمام لوگ جو حقیقت و صداقت کے متلاشی نہیں ہوتے بلکہ نفسی خیال اور جذبہ سے اپنی کوئی بات منوانی اور دوسرے کی کوئی بات گرا دینی چاہتے ہیں، طریق جدل پر عمل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو کتنا ہی حق کا طالب طبع ظاہر کریں، لیکن فی الحقیقت وہ حق کے نہیں اپنی ہوا و نفس کے مطیع ہوتے ہیں۔ وہ سچائی کے متلاشی نہیں ہوتے کہ ہر موقع پر اس کے ظہور و علم کے منتظر رہیں۔ وہ محض اپنے کسی ٹھہرائے ہوئے خیال اور اعتقاد کے تجاویز ہوتے ہیں، اور اس لئے ہمیشہ اپنا ڈھونڈتے ہیں لگے رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنی بات منوائیں۔ مذہب عالم کے مجروح حامیوں، مذہبی مجالس کے زبان دراز مناظروں اور مذہبی بحث و نظر کے بنائے ہوئے نام نہاد علوم میں سرسٹھ کھنے والوں کا غالب حصہ اس طریق جدل کی پیداوار ہے۔

لیکن دوسرا طریقہ طریق ”ہدایت“ ہے۔ یہ اُن لوگوں کی راہ ہے جو سچ و سچائی اور حقیقت کے متلاشی ہوتے ہیں، اور منوالے کے لئے کمابہان لینے کے لئے قدم بڑھاتے ہیں۔ وہ نہ تو کوئی خاص فریقا جڑ رکھتے ہیں، نہ کوئی خاص فریقا نہ دعویٰ۔ نہ تو انھیں کسی خیال اور رائے کی برتری ثابت کرنے کی تیج ہوتی ہے، نہ کسی خاص خیال اور رائے کو رک لینے کا جوش۔ اُن کی طلب، اُن کی جستجو، اُن کا اعتقاد، اُن کا مشرب، اُن کا حلقہ، اُن کی تمام کرد و کش کی غرض غایت، صرف یہی ہوتی ہے کہ حق کی تلاش کی جائے، اور جب لمباے تو اسے پہچان لیا جائے۔ اس طریقہ کے رہبر کی ہر بات کچھ طریقہ سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ مقصد اور نظر و فکر کی درج میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ طریق جدل پر چلنے والے سچائی کے نہیں بلکہ سچائی کے نام پر جھگڑنے کے شائق ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کی ہر بات میں ایک جھگڑا اور دیکھ بھٹ داغ کی روح پائی جاتی ہے۔ لیکن طریق ہدایت کا یہ رویہ حال میں بھی جھگڑا اور دیکھ بھٹ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس کی روح طلب حق کی روح ہوتی ہے، اور حق کی طلب اور اُس کی معرفت کا عشق کبھی بحث و نزاع کی نفس پرستیوں کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ فی الحقیقت ان دونوں طریقوں میں نہ صرف اختلاف ہے بلکہ صریح تضاد ہے۔ پہلے کا نتیجہ یہ ہے کہ حق کی طلب و معرفت کی استعداد ہی طبیعت انسانی میں باقی نہیں رہتی۔ دوسرے کا نتیجہ یہ ہے کہ صرف حق ہی کی طلب معرفت کا استغراق باقی رہ جاتا ہے۔ نفس ہوس کی تمام غلیٹیں اور خود پرستیاں معدوم ہو جاتی ہیں۔

### جدل یا ہدایت؟

میں نے پہلے بھی کہا تھا، اور اب بھی آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ اگر صفر کا غزم ہو تو کیوں پہلے ہی سے اپنی گری کا بھی فیصلہ کر لیں؟ کیوں نہ قدم بڑھانے سے پہلے سوچ سمجھ لیں کہ ہمیں کونسی راہ اختیار کرنی ہے؟ راہیں یہاں وہی ہیں۔ ایک وہ ہے قرآن نے اپنی بولی میں ”جدل“ کہا ہے۔ دوسری وہ ہے ”ہدایت“ سے تعبیر کیا ہے۔ اگر ”جدل“ کا شوق ہے، تو واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا کے پرستانہ دین مذہب میں تناؤ سے فی صدی انسان اسی راہ پر گامزن ہیں۔ آپ بھی اس بیڑ میں شامل ہو جائے۔ لیکن اگر حق کی طلب اور سچائی کی لگن ہے، تو پھر ضروری ہے کہ دوسری راہ اختیار کی جائے۔ لیکن دوسری راہ اختیار کرنے کے

معنی یہ ہیں کہ زبان سے اہل کا دعویٰ کیا جائے۔ جہاں تک دعویٰ تعلق ہے، کوئی سخت سے سخت مجادل (جھگڑالو) انسان بھی اس حق سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرے گا۔ چاہے کہ سچ و سچ کی جدل نزاع کی جگہ سچائی کے ایک سچے اور بے نفس متلاشی کی روح آپ کے اندر پیدا ہو جائے۔ اس صورت میں آپ کے بحث و مطالعہ کا انداز ہی دوسرا ہو جائے گا۔ جو چیزیں بقول آپ کے آج ”شک شبہ کا طوفان“ آپ کے اندر پیدا کر دیتی ہیں، اُس حالت میں آپ کے لئے نزدیکین کا پیغام اور معرفت حق کا وسیلہ بن جائیں گی!

### مذہب عالم بہ اعتبار حفظ و عمل

اگر ایک شخص ”محادل“ نہیں بلکہ طریق ”ہدایت“ پر عامل ہے، تو وہ بغیر کسی بحث و اختلاف کے تسلیم کرے گا کہ آج جس قدر مذہب دنیا میں موجود ہیں، قطعی مصداق کے لحاظ سے انھیں تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: (۱) وہ مذہب قدیم مذہب جن پر امتداد زمانہ سے انقلاب حالت کے ایسے دور گزر چکے ہیں کہ اب انھیں اُن کی حقیقی صورت و حالت تسلیم کرنا نہایت دشوار ہو گیا ہے۔ اُن کی تعلیم کے مصداق محفوظ نہیں ہیں ان کی حقیقی تعلیمی روح ایک قلم نقاب ہو گئی ہے، اُن کے پیروں کی علمی زندگی میں کاب کوئی سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔

کسی چیز کی اصلیت و حقیقت معلوم کرنے کے لئے دو طرح کی شہادتیں مل سکتی ہیں: اندرونی اور بیرونی۔ دونوں کا مطلب واضح و معلوم ہے۔ حاجت تشریح نہیں۔ اس قسم کے مذہب کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے لئے ہم اُن کی اندرونی شہادتوں پر توجہ نہیں کر سکتے، کیونکہ انقلاب حالت کی وجہ سے اُن کے پیروں کی علمی و عملی زندگی اس درجہ بدل چکی ہے کہ اُس سے حقیقت کی شہادت ملنا متوقع نہیں۔ طالب حقیقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیرونی شہادتوں کی جستجو کرے۔ اگر کوئی ایسی شہادت مل جائے تو اُس کی روشنی میں اُن کی اندرونی حالت پر نظر ڈالے۔

(۲) دوسری قسم اُن مذہب کی نظر آئے گی جن کی عمر پہلی قسم کے مذہب سے کم ہے، اور جنھیں نسبتاً اپنی تعلیم کی اشاعت تو وسیع کے گو بہتر زمانہ حاصل ہوا تھا۔ اس لئے اگرچہ اُن پر بھی انقلاب حالت کے وہ تمام دور گزر چکے ہیں جو اصلیت کو محض اور تبدیل کر دیتے ہیں، عملی روح یک قلم مفعول ہو جاتی ہے، تاہم اُن کی تعلیم کے بنیادی سرچشمے اس حد تک صمد موجود ہیں کہ ایک طالب حق اُن سے اندرونی شہادت حاصل کر سکتا ہے، اور تفسیر و تحریف کے بے شمار پڑے پڑے جانے بھی اُن کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔

البتہ یہ اندرونی شہادت اس درجہ واضح اور قطعی نہیں ہے کہ بیرونی شہادتوں کی ضرورت نہ ہو۔ ضروری ہے کہ کوئی مضبوط شہادت باہر سے بھی حاصل کی جاسکے، ورنہ حقیقت کا قابل یقین فیصلہ نہیں ہو سکے گا۔

(۳) اگر ہم نے صحت نظر کے ساتھ ان دونوں قسموں پر نظر ڈال لی ہے، تو ضروری ہے کہ ایک تیسری اور آخری قسم بھی سامنے آجائے۔ یہ وہ قسم ہے جس کا طوفان دنیا کے متدن و علم کی اشاعت و تعلیم کے نڈے میں ہوا، اور اس لئے ایسے دسائل اُس کے لئے ہم ہو گئے کہ قطعی صفا کے تحت ہونے والی جیسی سے محنت ہو جائے گا کوئی کھٹکا باقی نہیں رہا۔ جس طرح اُس نے میں جبکہ اُس کا نیا نیا طوفان ہوا تھا، اُس کی تعلیم اپنی حقیقی صورت و حالت میں سمجھی جاسکتی تھی، ٹھیک اُسی طرح آج بھی ہر آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ البتہ انقلاب حالت کے وہ تمام دند و دھجیت بشری کی داغی و دلی زندگی پر گزرا کرتے ہیں، اُس پر بھی گزرتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کے فہم و عمل کی روح و در در زد کردہ پڑتی تھی۔ یہاں تک کہ اُس کی حقیقی تعلیم کے مقابلہ میں، اُس کے پیروں کی عملی ذہنیت نے عجیب و غریب ایک نئے قسم کا نقشہ پیدا کر دیا۔ تاہم ایک حوالے حقیقت کے لئے اضطراب و تشویش خاطر کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اُس کے قلم قطعی

مصداق اپنی اہلی حالت میں موجود ہیں، اور وہ اس قدر واضح، اس قدر مختصر، اس قدر سہل الحصول ہیں کہ ہر طالب حقیقت طلب و معرفت کا ایک قدم طرہ اگر اُن تک پہنچ جاسکتا ہے، اور جیسی کچھ بھی اصلیت ہے اُس سامنے روشن ہو جاسکتی ہے۔

چونکہ اس آخری قسم کے تمام قطعی مصداق محفوظ، مدون، اور ہر انسان کے دسترس میں ہیں، اس لئے اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی بیرونی شہادت کی ضرورت نہیں۔ یہ صرف اپنی اندرونی شہادت ہی سے سچائی جاسکتی اور پرکھی جاسکتی ہے۔

بلاشبہ اُس کی علمی روح امتداد زمانہ کے موثرات و عوامل سے متاثر ہو چکی ہے، اور اس لئے ”تعلیم“ اور ”عمل“ دو مختلف چیزیں ہو گئی ہیں تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُس کی تعلیم کی بنیادیں کھلی دو دستوں کی طرح منہدم ہو گئیں۔ ایک حوالے حقیقت معلوم کر لے سکتا ہے کہ امتداد زمانہ کے یہ تمام تغیرات سطح سے نیچے نہیں ترسکتے ہیں۔ بنیادیں بدستور ہیں۔ مذہب عالم میں ہندوستان اور ایران کے قدیم مذہب پہلی قسم میں داخل ہیں۔ یہودی اور عیسوی مذہب دوسری قسم میں۔ تیسری قسم سے معذور اسلام ہے۔

### جوئے حقیقت کا فرض

اگر ایک شخص کی راہ وہ راہ نہیں ہے جسے ”جدل“ سے تعبیر کیا جائے تو وہ مذہب عالم کی اس صورت حال کے اعتراف میں ہرگز تامل نہیں کرے گا، اور اس لئے ”تعلیم“ اور ”عمل“ کا اختلاف، یا حقیقی تعلیم اور غیر حقیقی تعلیم کی موجودگی کبھی اُس کے لئے ”شک شبہ کا طوفان“ پیدا نہیں کر سکتے گی۔ وہ دنیا کی زیادہ سے زیادہ واضح حقیقتوں کی طرح دیکھ کر پریشان مذہب کا موجودہ عمل و فہم اُن مذہب کی حقیقی تعلیم کے لئے حجت نہیں ہو سکتا اور یہ ناگزیر ہے کہ عادت، عمل، اور غشی تجاویز سے بے اثر ہو کر صرف مذہب اور اُس کی ”تعلیم“ پر اعتماد کریں۔ ورنہ یا تو ہمیں یک قلم مذہب کے رطبان فیصلہ کرنا پڑے گا، یا فریقاہ تعصب و انکار میں مبتلا ہو جائیں گے، اور اُس طرح فہم حقیقت و اعتدال رائے کی راہیں ہم پر بند ہو جائیں گی۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، شاید ہی دنیا میں کسی تعلیم کی حقیقت اصلیت کا ادراک اس قدر آسان اور سہل ہو، جقدر اسلام کا ہے۔ آدل یہ کہ اُس کی تعلیمی اصل اس طرح محفوظ اور مرتب دینا کے لئے ان کے دسترس میں ہے، کہ بغیر کسی علمی تحقیق و کاوش کے ہر شخص حاصل کر لے سکتا ہے اور اُس کے مطالب سے واقف ہو جاسکتا ہے۔ تاہم اُن کے تمام مصداق اس طرح مسلم اور طے شدہ ہیں کہ اس بارے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ تاہم تعلیمی مصداق کی جتنی بھی مقدار ہو، بہت مختصر ہے۔ اتنی مختصر ہے کہ اگر ایک معمولی درجہ کا تعلیم یافتہ انسان چاہے تو ایک دن کے اندر معلوم کر لے سکتا ہے کہ اسلام کے تعلیمی مصداق کے مطالب کیا کیا ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب ایک تعلیم اس درجہ واضح اور سہل ہمارے سامنے موجود ہو، تو کیا کسی انسان پسند ”غیر محادل“ انسان کے لئے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اُس کے فہم کے لئے خود اپنے آپ پر اعتماد کرے، اور اگر اُس کی تعلیم میں اور بعض انسانوں کے فہم میں اختلاف واقع ہو جائے، تو اپنے آپ کو ”شک شبہ کا طوفان“ کے حوالے کرے؟

یہاں تک میں نے صرف اصولی بحث کی ہے۔ اب مجھے آپ کے بعض تاثرات اور پیش کردہ دلائل کا جواب دینا چاہئے۔





## کیا آپ کو معلوم نہیں

اسوقت

دنیا کا بہترین قانون قلم  
امریکن کارخانہ شیفر

کا  
”لائف ٹائم“ قلم ہو؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ نکالتا  
پہچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں  
ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کی زندگی بھر  
کام دے سکتا ہو

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سُمری  
بیل بوٹوں سے فرین کہ اتنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں  
کم از کم تجھے کچھ  
یاد رکھے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں  
تو

آپ کو ”شیفر“ کا  
”لائف ٹائم“  
لینا چاہیو!

## جامع الشواہد طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی  
تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ مونیق اس تحریر کا یہ تھا  
کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے  
استعمال کی جاسکتی ہو؟ اور اسلام کی رواداری نے کس  
طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و  
ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہو؟

۱۹۱۹ء میں جتندرنے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی  
کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف  
کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہوئی ۱۲ (منبر السلام) کلکتہ



## حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں  
صرف دس روپے میں  
بھٹواؤں اور سیکنگ بھی موقوف

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے

آپ کے لئے + آپ کے کرد کے لئے + بیوی کے لئے



ہندو دواخانہ

موسم گرما کا نیا تحفہ

یاد رکھئے

شریت روح افشا (۲۹۳۳ء) (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم بائسٹی ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر دلیوی و ہندوستانی کے لئے ہندوستان کے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کر لیا گیا ہے۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اسکا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے فوائد کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل وہم و گمان خریداری اس کی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسی وسیع و عظیم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شریت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرت انسان بلا قید و مروج موسم گرما میں خوش ذائقہ و لذت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔ ناظرین! یہ شریت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فوکلٹ ہٹل، الگور، سیب، رنگرہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو قعد کرتا ہے۔ اختلاج قلب، درد سرد و دران سر، شلی و نیزہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سودا دی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معدوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر طور پر رنگ و لہریز اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خیرا دہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مد نظر ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ بول دیکھ کر اسکا استعمال کیے جو میدان شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہے اور جس کی ہر چیز قیمتی ہے۔ خوش ہو گئے اور باوجود اس خیال ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس کا فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (عبر) حکموں اور عطارد کے علاوہ تاجران شریت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں ۲ روپیہ پیشکش کیا جائے۔

نوٹ: اس شریت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شریت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ

شریت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدود دواخانہ کا خوشنالیل اور اسپرلفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

داخل ہے کہ یہ شریت ہمدود دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدود دواخانہ دہلی ہی ہو سکتا ہے۔ فہرست دواخانہ معہ خبری سہ ماہی کا ڈالنے پر مفت ارسال ہوگی۔

تارکا کافی پتہ ہمدود دہلی

پتہ - ہمدود دواخانہ دہلی

اگر آپ

دے

(ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنگام ٹمبک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل یہ مقاما اور آثار قدیمہ وغیرہ آپ کو مطلع کرے نیز جس سے تمام ضروری معلوما حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو

قدم قدم پر ضرور پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک ضرور

ڈنلاپ گائیڈ بک برٹین

The Dunlop Guide to Great Britain

دوسرا ایڈیشن ہے ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے مکمل ٹال ہو سکتی ہے

# اگراپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W.1.**

جو  
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے  
اور  
جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور اُن کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ  
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں  
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں  
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے  
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے  
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ  
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن  
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

# ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی آثیا کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہم

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویروں، پرنے  
کے اور نقوش، پرنے زوہر، آرٹس و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے  
صنعتی عجائب و نوادہ، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہمارا  
نام لکھ کر ہوں اور دفاتر کی فرسٹیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں  
کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نواور عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران،  
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں پہلے سے ایجنٹ ہیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

باایں ہمہ

قیمتیں بجا بیکز عمدتاً ارزاں ہیں!

بر عظم یورپ امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل اکت خانے، اور عجائب خانے، ہم سے فواد حاصل کرتے رہتے  
ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے فواد بھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نو اور موجود ہیں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت  
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کے پیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے ایمامین کی ان نادرو اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

اُسرہٗ حسنہ -- امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اُردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مچل  
ازھائی روپیہ -

کتاب الرسیلہ۔۔۔ لفظ ”رسیلہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اہل الاصل ”توحید“ کی مبسوط بحث کی ہے۔ بلا جلد ازھانی رپیہ، مجلد سوا تین رپیہ۔

اصحاب صفہ — انکی تعداد، ذریعہ معاش، طریق عبادت اور انکی مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آئے۔

تفسیر سورة الكوثر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمہ - جاری ہے -

العروة الوثقى — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل  
 بیان کدا ہ - جہہ آئے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی  
نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں۔ - نر آئے

انجمن و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی تازہ کتاب  
کا اردو ترجمہ - سما روپیہ -

أئمة اسلام — ترجمہ رفع الملام عن أئمة الاسلام - بارہ آئے  
خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آئے

مہم سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کارش سے 'آرڈر'، 'عربی'، 'فارسی'، 'انگریزی' اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

( حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب )

**“ Al-Hilal Book Agency,”**

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

گاہ گاہ ہے باز خوان این دفتر پارسہ را

آوازِ خواہی داشتن گردِ افغانے سینه را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مقرر رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراک کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہاف ٹرن تصاویر کے اندراج کا انتظام لیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھاپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست ستر روپیہ میں خرید کیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی بڑی قیمت پر بھی غلغلہ کرنے کیلئے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں ”البلاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے کوشش کی کہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کرائی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پروجس کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہو گئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آخری مرقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں۔ چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہو سکے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی اندکس بہ ترتیب حروف نہجی لکھی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روزیہ      الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روزیہ  
 ” ” ” چہارم ۱۰ روزیہ      ” ” ” پنجم ۱۰ روزیہ  
 جلد ” البلاغ“ (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا)  
 قیمت ۸ روزیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آدھ - محصول دات و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

منیچر "البلاغ پریس"

## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز اف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

۱۹۲۰ء

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کر سکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دلائل:

ٹائمز اف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اس کا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جن کی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

## بیرونو مواد اینڈ کو۔ برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گوم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جتنی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مدرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاروں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "ٹئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "ٹئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تہوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گرو اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصل پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA  
EDITOR: MAULANA ABU AL-KALAM AZAD.



# السلامة

نمبر ۱۷

جلد ۱

ابن پیرعلی

۵ - آبه

قیبت

# الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

|                        |   |   |            |
|------------------------|---|---|------------|
| قیمت سالانہ مع معقول   | - | - | بارہ روپیہ |
| ہندوستان سے باہر کیلئے | - | - | سولہ روپیہ |
| قیمت شش ماہی           | - | - | سات روپیہ  |
| قیمت فی پرچہ           | - | - | پانچ آنہ   |

( ۱ ) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”منیجر الہلال“ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر ”ایڈیٹر“ کا نام ہونا چاہیے۔

( ۲ ) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔

( ۳ ) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے۔

( ۴ ) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔

( ۵ ) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاہم اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔

( ۶ ) اگر آپ در تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں۔

( ۷ ) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کاپیوں پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھ دیں۔

( ۸ ) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا ہار پڑیگا۔

# الہلال

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۷ - ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۷

Calcutta : Friday, 14, October 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔ طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔ پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔ براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔ طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۴۰۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

|     |                        |     |                                  |
|-----|------------------------|-----|----------------------------------|
| ۳۹۰ | اردو حروف کی حق میں    | ۲۰۷ | عربی حروف کی حق میں              |
|     | حروف کی حق میں بشرطیکہ |     | موجودہ مشترک طباعت کی حق میں ۴۲۴ |
| ۱۴۰ | نستعلیق ہوں            | ۲۴۰ | پتھر کی چھپائی کی حق میں         |

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں گے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔ الہلال

تصرف میں ہے۔ اگر کوئی دوسری پہلی خدائی کی مدعی ہے ' تو اسے چاہیے کہ یہ قوت و تصرف اپنے اندر ثابت کرے۔ نمرود نے اسے جواب میں کہا۔ اگر یہی وصف خدائی کا ہے تو یہ مجھ میں بھی ہے۔ میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیم نے یہ سنکر فرمایا کہ خدا پررب سے سورج نکالتا ہے۔ تو پچھم سے نکال دے۔ اس پر نمرود مہرت ہو کر رہ گیا۔

یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ ہے جسمیں نمرود کی حیثیت خدائی کے مدعی کی ہے اور حضرت ابراہیم اس کے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اب اس آیت کی تفسیر میں چند درجہ مشکلات حائل ہیں :

(۱) اول یہ کہ جب نمرود خدا ہونے کا مدعی تھا ' تو ظاہر ہے کہ دلیل پیش کرنا اس کے ذمہ تھا۔ نہ کہ حضرت ابراہیم کے ذمے جنکی حیثیت منکر کی تھی۔ لیکن یہاں حضرت ابراہیم اس سے کوئی دلیل نہیں مانگتے۔ بلکہ خود اپنے پروردگار کی پروردگاری کی دلیل پیش کر دیتے ہیں کہ 'الذی یحیی و یمیت' اور وہ اس سے معارضہ کرنے لگتا ہے۔

(۲) پھر جب انہوں نے ایک ایسی دلیل بیان فرمادی تھی جس سے بڑھکر واضح اور قاطع دلیل نہیں ہوسکتی ' تو چاہیے تھا کہ نمرود کے جاہلانہ اور طفلانہ معارضہ کی قلعی کھول دیتے۔ کیونکہ وہ اپنے جہل و بلاد سے زندگی بخشنے اور موت دینے کا وہ مطلب سمجھ ہی نہ سکا تھا جو موتی سے موتی انسانی عقل کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ وہ بول اُٹھا کہ یہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے۔ ضروری تھا کہ حضرت ابراہیم فرماتے 'موت اور حیات بخشنے سے مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ اُن دیکھی ذات تمام جانداروں کو نیستی سے ہستی بخشتی ہے ' اور پھر ایک خاص وقت پر فنا کر دیتی ہے ' اسی طرح تو بھی ایک چھوٹا سے چھوٹا کپڑا بنا دیکھ۔ لیکن آپ یہ نہیں کہتے ' بلکہ فوراً اس دلیل کو چھوڑ کر ایک دوسری دلیل پیش کر دیتے ہیں۔ یعنی سورج کو اسکی معمولی سمت کی جگہ دوسری سمت سے نکال دینے کی فرمائش کرتے ہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ گویا اپنے آپنی پہلی دلیل کی کمزوری مان لی۔ اور (نعوذ باللہ) نمرود کے معارضہ سے لچار ہو گئے۔ اسلئے اسے چھوڑ کر نئی دلیل کا سہارا لیا۔ ایک معمولی مناظرہ کیلئے بھی یہ بات دلیل عجز ہے ' چہ جائیکہ ایک جلیل القدر پیغمبر کیلئے۔

(۳) پھر دوسری دلیل جو پیش کی گئی ' اُس پر بھی شبہات وارد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید ناطق ہے کہ پہلی دلیل سے نہیں مگر دوسری دلیل سے نمرود لا جواب ہو کر رہ گیا۔ مگر اعتراض ہوسکتا ہے کہ جس شخص کی شرح چشمی کا یہ حال تھا کہ موت و حیات کے وصف الہی تک کا بیان اُسے چپ نہ کرا سکا ' وہ اس دوسری دلیل سے کس طرح لا جواب ہو گیا ؟ اگر کہا جائے ' اس لیے کہ وہ پچھم کی طرف سے سورج نکالنے پر قادر نہ تھا ' تو جواب یہ ہے کہ وہ موت و حیات بخشنے پر بھی تو قادر نہ تھا ؟ جس طرح اس بات کا ایک غلط مطلب تھرا کر اُس نے معارضہ کر دیا تھا اور حضرت ابراہیم ترک دلیل پر مجبور ہو گئے تھے ' اسی طرح اس کا بھی کر دے سکتا تھا۔ کھدیتا میں بھی ایسا کر سکتا ہوں۔

(۴) علاوہ بریں دلیل کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسی بات ہوتی ہے کہ اس کے اثبات سے مدعا کا ثبوت متعلق ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم کی دوسری دلیل ایسی معلوم نہیں ہوتی۔ اُس کا اثبات اس مقدمہ کے اثبات پر موقوف ہے کہ 'خدا وہی ہوسکتا ہے



## حضرت ابراہیم اور ایک بادشاہ کا

### مکالمہ

۴ کریمہ "الم تر الی الذی حاج ابراہیم" کی تفسیر

ایک استفسار

(از جناب مولوی محمد عبدالحق صاحب سکندرابادی)

جیسا کہ جناب کو معلوم ہے ' میں گذشتہ سال سے ایک سلسلہ رسائل کی ترتیب میں مشغول ہوں جن کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کے مطالب حکیمانہ ایک ایسے نئے اسلوب سے بیان کیے جائیں کہ آج کل کی مذہب سے برگشتہ طبیعتیں اُن سے تشفی حاصل کر سکیں۔ ایک ہمدرد ملت رئیس دکن نے اُنکے انگریزی زبان میں ساتھ ساتھ ترجمہ کرانے کا بھی انتظام کر دیا ہے ' اور امید ہے کہ چند ماہ کے اندر اُنکی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو جایگا \* \* \* \* \* اس سلسلہ میں قرآن مجید کے متعدد مقامات ہیں جو ایک عرصہ سے میرے سامنے ہیں۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ جیسا تشفی بخش حل اُنکا ہونا چاہیے ' اس وقت تک نہیں ہوسکا ہے ' اور جب تک خود اپنی طبیعت مطمئن نہ ہو جائے ' دوسروں کے سامنے قدم اُٹھانا دیانت تحریر کے خلاف سمجھتا ہوں۔ یہ عرض کرنا ضروری نہیں کہ قرآن مجید کے فہم و مطالعہ کا جسقدر بھی خاکسار ذوق پیدا کرسکا ہے ' وہ سب جناب ہی کے طفیل ہے ' اور جناب ہی کی تحریرات کے شغف کا نتیجہ ہے۔ اسلئے ان مشکلات میں بھی جناب ہی سے دستگیری کی امید ہے۔ اگرچہ وہ مقامات ایک سے زیادہ ہیں ' مگر سر دست میں جرات نہیں کرسکتا کہ جناب کا زیادہ وقت لوں۔ صرف ایک مقام کی نسبت اپنا اطمینان چاہتا ہوں جسکے خاطر خواہ حل نہ ہونے کی وجہ سے خاکسار کی زیر ترتیب کتاب کا کام رک گیا ہے۔

سرورہ۔ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک بادشاہ کے مناظرہ کا ذکر ہے جسکی نسبت ہمارے مفسرین کا بیان ہے کہ وہ نمرود تھا : الم تر الی الذی حاج ابراہیم فی رہ ان اتاہ اللہ الملک ' اذ قال ابراہیم ربی الذی یحیی و یمیت ' قال انا آحی و امیت ' قال ابراہیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بہا من المغرب ' تہت الذی کفر ' و اللہ لا یمدی القوم الظالمین۔ مضمون اس آیت کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم سے نمرود نے خدا کے باب میں حجت کی۔ اسپر انہوں نے فرمایا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ یعنی زندگی اور موت اُسی کے قبضہ و

موت و حیات وجود میں آسکتی ہے - مثلاً مرد اور عورت کے ملنے کے واسطے سے زندہ انسان پیدا ہو سکتا ہے ' اور قتل کے ذریعہ ہلاک کیا جا سکتا ہے - اس کے جواب میں حضرت ابراہیم نے اپنی دلیل کی مزید وضاحت کی اور فرمایا کہ احمیاء اور اماتت اگرچہ افلاک کی حرکات کے واسطے سے ظہور میں آتی ہے ' لیکن افلاک کی حرکت بھی تو خدا ہی کے حکم و مشیت سے ہے - اُس کے سوا کون ہے جو انہیں حرکت میں لا سکے ؟ اور جب اُس کے سوا کوئی دوسرا افلاک کو متحرک نہیں کر سکتا ' تو ثابت ہو گیا کہ احمیاء اور اماتت بھی نہیں کر سکتا -

میں حیران ہوں کہ اس امام جلیل القدر کی اس تقریر کی نسبت کیا عرض کروں ؟ ان کے جواب سے شبہ درہوا ہے یا آرزو زیادہ مضبوط ہو گیا ہے ؟ اول تو یہ فرض کرنا کہ نمود کا مطلب اعتراض سے واسطہ اور بغیر واسطہ کا جھگڑا تھا ' کہاں سے ثابت ہوتا ہے ؟ قرآن مجید میں تو صرف اتنا ہی ہے کہ " انا اھی و امیت " پھر یہ کہنا کہ یہ دوسری دلیل کی مزید توضیح ہے ' نئی دلیل نہیں ہے ' کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا - افلاک کی حرکت کو بھلا موت و حیات سے کیا تعلق ؟ کیونکر یہ استدلال پہلی دلیل کے ساتھ مربوط ہو سکتا ہے ؟ پہلی دلیل کا تعلق جلا نے اور مارنے کی صفت سے تھا - دوسری میں سورج کے طلوع و غروب کی جہت سے - اس میں اور موت و حیات کی طاقت و تصرف میں کوئی علاقہ نہیں - تعجب ہے کہ کیونکر امام موصوف ایسی کمزور اور بے ربط بات کو محققین کا مذہب قرار دیتے ہیں اور وثوق کے ساتھ قرار دیتے ہیں -

پھر مفسرین کا یہ عام مذہب بھی کہ دوسری دلیل پہلی سے ارضع ہے ' تشفی پیدا کرنے سے قاصر ہے - صاف بات تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ پہلی دلیل ہی زیادہ واضح اور قطعی تھی -

تیسرے شبہ کا جواب امام موصوف نے یہ دیا ہے کہ نمود دوسری دلیل کا معارضہ نہیں کر سکا - اسلئے کہ ہو سکتا ہے ' خدا نے اُس وقت اُس کے حواس مخدول کر دیے ہوں - وہ اس قابل ہی نہ رہا ہو کہ اعتراض کرے - سوال یہ ہے کہ اگر معترض اور مشکک کو اسی طرح حواس باختہ کر کے چپ کرادینا تھا ' تو پھر اس مناظرہ کی ضرورت ہی کیا تھی ؟ پہلے ہی سے مضبوط الحواس بنا دیا ہوتا تاکہ وہ اعتراض ہی نہ کر سکتا - علامہ بریس اگر خدا تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ جو معترضین انبیاء کرام سے معارضہ کرتے ہیں ' ان کے حواس شلب کر لیا کرتا ہے ' تو اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام کے پاس مسکت اور قاطع جواب نہیں ہوتے ' اس لیے ' غرب معترضین مضبوط الحواس کر کے چپ کر دیے جاتے ہیں - کیا ایسے جوابوں سے قرآن مجید کے معارف روشنی میں آسکتے ہیں ؟

خود امام صاحب بار بار اس پر زور دیتے ہیں کہ " جب ایک دلیل یا مثال خصم کے مقابلہ میں پیش کی جائے ' اور اُس پر وہ نا فہمی سے اعتراض کر دے ' تو مستدل کا فرض ہے کہ اُس کے اعتراض کی خامی ظاہر کر دے اور بغیر اس کے اُکے نہ بڑھے ' اور جب ایک معمولی مناظرے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے ' تو ظاہر ہے کہ ایک نبی اولوالعزم کے لیے کیوں ضروری نہ ہو جس کا مناظرہ تمام دنیا کے سامنے بطور ایک بنیادی صداقت کے پیش کیا جا رہا ہے ؟ " تاہم وہ اس قوت کے ساتھ اعتراض وارد کرے ' اس کا کوئی کمزور سے کمزور جواب بھی نہیں دیتے ' اور صرف یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ " محققین کی تفسیر پر شبہات وارد

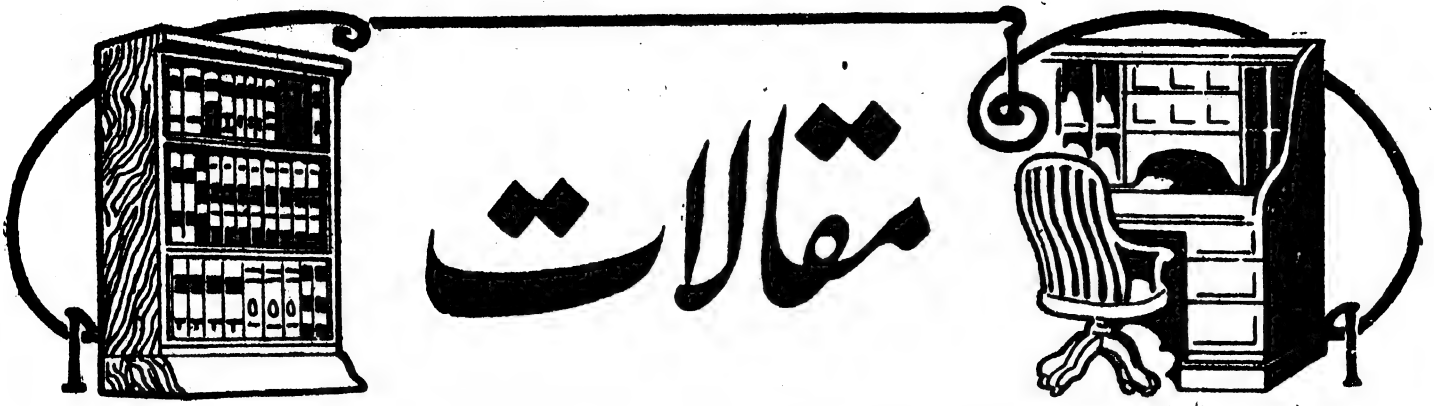
جو سورج کو جس سمت سے چاہے نکلے " لیکن سورج کا ایک سمت کی جگہ کسی دوسری سمت سے نکلنا کوئی دنیا کا محسوس واقعہ نہ تھا جو لوگوں کے علم میں ہوتا اور حضرت ابراہیم اُسے اپنے پروردگار کا فعل قرار دے سکتے - نمود کہہ سکتا تھا کہ اچھا اگر یہی دلیل ہے تو تمہارا پروردگار پررب کی جگہ پچھم سے ایک مرتبہ نکال دکھائے - اس پر حضرت ابراہیم کیا جواب دیتے ؟ کیا وہ اپنے پروردگار سے چاہتے کہ نظام شمسی کا پروردگار خانہ درہم برہم کرے سورج دوسری سمت سے نکلنا ہوا دکھا دے ؟

( ۵ ) علامہ بریس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی دلیل سے رجوع کر کے دوسری دلیل پیش کی ' تو ضروری تھا کہ یہ پہلے سے زیادہ واضح و قاطع ہوتی - اُن کی پہلی دلیل یہ تھی کہ موت و حیات کی باگ اللہ ہی کے ہاتھ ہے - دوسری یہ کہ اجرام سماوی اُسی کے حکم و مشیت سے کام کرتے ہیں - ظاہر ہے کہ دوسری دلیل پہلی سے زیادہ وزنی نہیں کہی جا سکتی - اگر موت و حیات جیسا واضح اور بدیہی معاملہ خصم کو ساکت نہ کر سکا ' تو اجرام سماوی کا معاملہ کیا مفید اثبات ہو سکتا ہے ؟

میں نے بڑے ہی شوق سے حضرت امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر دیکھی تھی - کیونکہ وہ قرآن مجید کے مقامات کو عقلی مباحث سے صاف کرنا چاہتے ہیں - مگر میں عرض نہیں کر سکتا کہ مجھے کس قدر مایوسی ہوئی ؟ لطف یہ ہے کہ انہوں نے پوزی تفصیل کے ساتھ یہ تمام شبہات خود ہی لکھے ہیں ' لیکن جواب کا جو کچھ حال ہے ' اس کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ اُس کے پڑھنے کے بعد اپنے دل کو آرزو زیادہ شکوک و شبہات میں مبتلا پاتا ہوں -

پہلے شبہ پر انہوں نے بالکل توجہ نہیں کی ہے - دوسرے شبہ کے دو جواب دیے ہیں - ایک یہ کہ ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل کا اختیار کرنا مستدل کے لیے جائز ہے - اس میں کوئی حرج نہیں ' کیونکہ دوسری دلیل پہلی دلیل سے ارضع ہے - اسے عام مفسرین کی طرف منسوب کرتے ہیں - دوسرا جواب " محققین " کا جواب قرار دیا ہے - وہ یہ ہے کہ " یہ ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل کا اختیار کرنا نہ تھا - بلکہ ایک ہی دلیل کی مزید وضاحت کرنی تھی : و ہوا نا نری حدوث اشیاء لا یقدر الخلق علی احدثائہا ' لہ امثالہ ' منها الاحیاء و الاماتۃ ' و منها السحاب و الرعد و البرق ' و منها حرکات الافلاک و الکواکب ' و المستدل لا یجوز لہ اُن ینتقل من دلیل علی دلیل آخر ' لکن اذا ذکر لایضاح کلام مثلاً ' فله اُن ینتقل من ذلک المثل الی مثال آخر ' فکان ما فعلہ ابراہیم من باب ما یکن الدلیل و احداً ' الا انه یقع الانتقال عند ایضاحہ من مثال الی مثال آخر - و ہذا الوجه احسن و الیق بکلام اہل التحقیق " اُس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں : " لما احتج ابراہیم بالاحیاء و الاماتۃ ' ارد الخصم علیہ سوالا لا یملیق بالعقلاء ' و ہرانک اذا دعیت الاحیاء و الاماتۃ لا بواسطة ' فذلک لا تعد الی اثباتہ سبیلاً ' و ان دعیت حصلاً بواسطة حرکات الافلاک ' فنظیرہ او ما یقرب منه حاصل للبشر - فاجاب ابراہیم بان الاحیاء و الاماتۃ و ان حصلاً بواسطة حرکات الافلاک ' لکن تلک الحرکات حصلت من اللہ تعالیٰ و ذلک لا یقدح فی کون الاحیاء و الاماتۃ من اللہ ' بخلاف الخلق فانہ لا قدرۃ لہم علی تحرکات الافلاک " خلاصہ اس تقریر کا یہ ہے کہ پہلی دلیل پر جو نمود نے اعتراض کیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اُس نے کہا ' خدا کی صفت جلا نے اور مارنے کی کیسی ہے ؟ وہ بلا واسطہ جلاتا اور مارتا ہے ' یا افلاک کی حرکت اور اس کے اثرات کے ذریعہ ؟ اگر پہلی بات ہے تو اُس کا اثبات ممکن نہیں - اور اگر دوسری بات ہے تو یہ انسان کو بھی حاصل ہے - پہلے رسالے کے ذریعہ





## علم الاجتماع

(۳)

(ناموس اجتماع اور محافظت و تجدید)

افراد کے وجدان سے علیحدہ، جماعتی وجدان کے متعلق ہم نے جتنے اقوال نقل کیے ہیں، دلائل نے اب تک ان کی تصدیق نہیں کی ہے۔ نیز اب تک یہ بھی ثابت نہیں ہوا ہے کہ جماعت کی صفت عضویت، افراد کی عضویت سے الگ وجود رکھتی ہے۔ یہ اقوال نظریوں اور آراء کا حکم بھی نہیں رکھتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تشبیہات و استعارات ہیں۔

لیکن ساتھ ہی یہ یقینی ہے کہ تمام طبیعی کائنات کی طرح عالم اجتماع کے بھی خاص قوانین و قوانین ہیں، اور وہ غیر متبدل اور اٹل ہیں۔

اجتماع کا ایک قانون یہ ہے کہ جن اجزاء سے سلطنت اور امت مرکب ہوتی ہے، وہ تمام اجزاء باہم دگر اس درجہ وابستہ و مربوط ہوتے ہیں کہ ایک جزء کے متاثر ہونے ہی باقی تمام اجزاء بھی فوراً متاثر ہو جاتے ہیں۔

اس اجتماعی قانون کی بنا پر مقننین اور مصلحین کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ماهر طبیبوں کی طرح اصلاح و تشریع میں بہت زیادہ ہوشیار و محتاط ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک عضو کی بیماری کے علاج میں باقی اعضاء سے غافل ہو جائیں، اور پہلی بیماری سے بھی بدتر بیماریوں کی پیدائش کا سبب بن جائیں۔

علم اجتماع کے درجہ ہیں: ایک طرف وہ جدید اصلاحات اور جدید اصول و مبادی کا حامی ہوتا ہے تا کہ مستقبل، ماضی و حال سے بہتر ہو جائے۔ دوسری طرف وہ ماضی و قدیم کی بھی حفاظت چاہتا ہے۔ وہ قوموں کو بتاتا ہے کہ اپنا ماضی، اپنے مقومات، اور اپنی خصوصیات بالکل فنا نہ ہو جائے دیں، انہیں بچائیں، اور باقی رکھیں۔ ورنہ ان کی قومیت درہم برہم ہو جائیگی، اور اصلاح، فساد کا ذریعہ بن جائیگا۔

تاریخ بھی ہمیں یہی سبق دیتی ہے۔ مشاہدہ کی بھی یہی ہدایت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں کی ترقی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ تبدیل و تغیر قبول کریں۔ یعنی وہ نئے اوصاف اختیار کریں، مگر تدریج اور نظر و حزم کے ساتھ۔

قوموں کی حالت پر غور و فکر کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کے اصلي ستون دو ہیں:

(۱) تغیر و تبدل کی قابلیت کا موجود ہونا۔

(۲) تدریج و تطور کے ساتھ تغیر قبول کرنا۔

نہیں ہو سکتے " حالانکہ وہ پہلے کہ چکے ہیں کہ خواہ نئی دلیل بیان کی جائے، خواہ نئی مثال، ضروری ہے کہ انتقال سے پہلے معارض کی خامی واضح کر دی جائے۔ پس جس طرح شبہ عام مفسرین کی تفسیر پر وارد ہوتا ہے، اسی طرح اس تفسیر پر بھی وارد ہوتا ہے جسے امام موصوف " محققین " کی تفسیر قرار دیتے ہیں۔

مجھے جب اس طرف سے مایوسی ہو گئی تو خیال ہوا کہ موجودہ زمانے کے محققین نے اس پر ضرور نئی روشنی ڈالی ہوگی۔ چنانچہ میں نے بمبئی سے استاد امام شیخ محمد عبدہ مصری کی تفسیر منگوا کر دیکھی، لیکن افسوس ہے کہ اس میں بھی امام رازی والی تفسیر بجنسہ پائی۔ ان شبہات کا کوئی جواب نہیں ملا۔ تفسیر نیشا پوری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر علامہ ابن سعد، تفسیر روح المعانی شیخ آلوسی بھی خاکسار کے پیش نظر ہیں، مگر ان سب میں بھی یا تو وہی تفسیر کبیر والا جواب نقل کر دیا ہے، یا وہ باتیں لکھ دی ہیں جنہیں امام رازی نے عام مفسرین کا جواب قرار دیا ہے۔ یا پھر سرے سے کسی طرح کی کاوش ہی نہیں کی گئی ہے۔

جب پچھلوں میں حضرت امام رازی جیسے محقق نے اور حال کے محققین میں شیخ محمد عبدہ مصری جیسے امام و مفسر نے مجھے صاف جواب دیدیا، تو پھر میرے لیے صرف جناب ہی کی چوکھٹ باقی رہ گئی۔ لاریب صرف جناب ہی کی ایک ذات والا صفات ہے جو موجودہ زمانے میں حقائق قرآن کی وہ تمام مشکلات حل کر دے سکتی ہے جن تک دوسروں کی نظر و تحقیق نہیں پہنچ سکی ہے۔ اب خاکسار ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ سے دستگیری کا طالب ہے۔ اور امید قوی رکھتا ہے کہ مایوس نہ ہوگا۔

مجھے سے میرے حیدرآباد کے ایک دوست نے ذکر کیا تھا کہ جمعیت العلماء ہند نے عید کے موقع پر اخبار الجمعیت کا ایک خاص نمبر "خلیل نمبر" کے نام سے نکالا ہے اور اس میں صدر جمعیت مولانا کفایت اللہ صاحب نے اس مقام کی تفسیر شرح و بسط سے تحریر فرمائی ہے۔ میں نے بڑے ہی شوق سے خلیل نمبر منگوا یا اور دیکھا۔ راقی اس میں مولانا صاحب موصوف کا مضمون "مناظرہ خلیل و فمرد" کے عنوان سے تین بڑے صفحوں میں نکلا ہے، لیکن مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں تمام تر وہی تفسیر کبیر کی پوری بحث اردو میں نقل کر دی گئی ہے۔ اس سے زیادہ ایک حرف نہیں ہے۔

## الہلال:

آپ نے استفسار میں اس قدر تشریح و تفصیل کی ہے کہ اسی نے آج کی اشاعت کا بڑا حصہ رک رک لیا۔ اب جواب کے لیے آئندہ اشاعت کا انتظار کیجیے۔

وہ مجبور تھے کہ عام دستر خوانوں ہی پر بیٹھ کر کھانا کھالیں - یونان میں اصلاح و تجدید کے داعی مجرم سمجھے جاتے تھے - چنانچہ پرری قوم سقراط کے خلاف کہڑی ہو گئی، اور اُس وقت تک چین نہ لیا، جب تک اُس مصلح کی جان نہ لے لی !

بلا شبہ اس قسم کے سخت نظامات اُن ملکوں کے لیے ضروری ہیں، جو ہمیشہ دشمن کے حملوں کا نشانہ بنے رہتے ہیں۔

قدیم زمانے میں رومانیوں نے معلوم کر لیا تھا کہ اصلاح و انقلاب میں نقطہ توازن کیا ہے۔ ایک طرف وہ تعدد و اصلاح کے حامی تھے، دوسری طرف اپنی خصوصیات کی حفاظت بھی کرتے تھے۔ یہ وصف اُن میں اِس رجحان سے پیدا ہوا تھا کہ فتوحات نے اُن کے تعلقات دوسری قوموں سے قائم کر دیے تھے۔ یہ تعلقات نئے نئے حالات پیدا کر دیتے تھے، اور وہ نظامات کی تبدیلی پر مجبور ہوجاتے تھے۔ رومانیوں کا سنہرا زمانہ بھی تھا جب وہ اِس مرکز توازن پر قائم تھے۔ لیکن جب سے انہوں نے افراط و تفریط شروع کی، رز بررز کرنے اور تباہ ہونے لگے۔

( انگریزوں کی کامیابی کا راز )

موجودہ زمانے میں علمی اکتشافات، جدید صنائع کے ظہور، اور مواصلات کی سہولت و کثرت نے مختلف تمدنوں میں ایک ایسا تصادم و احتکاک پیدا کر دیا ہے، کہ ہر لمحہ عظیم تغیرات و انقلابات کے موقعے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مرکز توازن تقریباً مجہول ہو گیا ہے، اور اُس کی تلاش از حد مشکل ہو گئی ہے۔ یہی سبب ہے کہ موجودہ دنیا میں ہر طرف شورشیں اور انقلابات برپا ہو رہے ہیں۔ کوئی نظام بھی پالدارہی حاصل کرنے نہیں پاتا۔

لیکن صرف انگریزوں ہی کی قوم یورپ کی ایک ایسی قوم ہے جس نے رومانیوں کی طرح مرکز توازن معلوم کر لیا ہے۔ وہ ایک طرف اصلاح و تجدید کی حامی ہے۔ دوسری طرف اپنے قومی مقومات بھی برقرار رکھ ہوئے ہے۔ اُن میں جمود و تقلید نہیں ہے۔ برابر اصلاح و تجدید میں مشغول ہیں، مگر پرہیزی تدریج اور دانشمندی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہیں۔ انگلستان کی آزادی وہ تو کرامویل کے ہاتھوں قائم ہوئی ہے، نہ جمہوریت پسندوں کی لائی ہوئی ہے۔ وہ انگریزی تاریخ کی پیدوار ہے (۱)۔ یہ تمام عظمت و قوت جس پر آج انگلستان فخر کر رہا ہے، درحقیقت اسی توازن فکر و عمل کا نتیجہ ہے۔

(۱) جب خاندان استورات کے پادشاہ چارلس اول کا استبداد

بہت بڑا گیا، تو انگریز امریکا کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ حتیٰ کہ انگلستان کے بعض علاقے بالکل خالی ہو گئے۔ ظالم بادشاہ یہ دیکھ کر گھبرایا اور ہجرت کی ممانعت کر دی۔ جس دن ممانعت کا اعلان ہوا، دریائے ٹیمس میں مہاجرین کے کئی جہاز روانگی کے لیے تیار تھے۔ انہی میں کرامویل بھی تھا۔ اب باشندوں نے دیکھا کہ ظلم سے نجات حاصل کرنے کی راہ بغاوت ہے سوا کوئی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ بغاوت شروع ہو گئی۔ کرامویل اس باغی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ بغاوت کامیاب ہوئی۔ جمہوریت کا اعلان کیا گیا۔ کرامویل جمہوریت کا صدر منتخب ہوا۔ اُس وقت اُس کا لقب "لارڈ پروٹیکٹر" تھا۔ مگر بعد میں خود یہ بھی مستبد ہو گیا۔ آخر سنہ ۱۶۴۹ء میں قوم نے اُس کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا۔

یہ اجتماعی قانون نہیں عجیب ہے۔ کیونکہ بظاہر ایک قسم کا تناقض رکھتا ہے۔ ایک طرف کہتا ہے، 'تغیر و تبدل ضروری ہے'۔ نئی چیز اور پرانی چیزیں چھوڑ دو۔ دوسری طرف یہ بھی کہتا ہے کہ پرانی چیزیں یک لخت فنا نہ ہونے دو۔ اپنے پہلی مقومات و خصوصیات باقی رکھو۔ اپنی قومی خصوصیات متا کر کوئی قوم، قوم نہیں رہ سکتی۔ لیکن فی نفسہ اس میں تناقض نہیں ہے۔ دونوں باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ نئی چیزیں اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام نئی چیزیں اختیار کر لی جائیں جو قومی مزاج و مصالح کے موافق ہوں۔ خصوصیات کے باقی رکھنے سے مقصد یہ ہے کہ وہ تمام بنیادی چیزیں قائم رکھی جائیں جو قومی مزاج کا استقلال و اختصاص قائم رکھنے کیلئے ضروری ہیں۔ یعنی رد و قبول اور اخذ و ترک میں اعتدال کا سرشتہ ہاتھ سے نہ دبا جائے۔

بلا شبہ اس قانون کی تطبیق میں اعتدال قائم رکھنا بہت مشکل ہے۔ چند ہی قومیں اصلاح میں اپنا دماغی توازن قائم رکھ سکی ہیں۔ یا تو یہ ہوا ہے کہ اپنی تمام قدیم عادات و روایات پر اڑ گئیں، اور ایک قدم بھی آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ یا یہ ہوا کہ فوراً تبدیل و انقلاب پر اتر آئیں، اور اپنی کوئی بھی قدیم خصوصیت باقی نہ رکھی۔ پہلی ضرورت تعزیت کی ہے۔ دوسری ضرورت افراط کی ہے۔ اور نجات و ترقی توسط و اقتصاد میں ہے۔

( قدیم قوموں کا جمود و تقلید )

تبدل کی قابلیت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ عالم خارجی کی اطاعت کی جائے۔ قدیم زمانے میں ہر جگہ لوگوں کا طرز معیشت تقریباً یکساں تھا۔ اسی لیے تبدل کی ضرورت بھی کمزور تھی۔ اُس کی قابلیت آہستہ آہستہ پیدا ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ بعض قدیم قومیں صدیوں تک ایک ہی حالت پر قائم رہیں اور تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اُن کا تعلق ہمیشہ ایسی قوموں سے رہا، جو اُنہی کی طرح وحشی یا نیم وحشی تھیں۔ اُن کے سامنے کوئی بہتر نمونہ تہذیب و تمدن کا موجود نہ تھا۔ اس لیے ترقی کی رغبت بھی پیدا نہ ہوئی، اور جمود و تقلید کی طبیعت برابر باقی رہی۔

قدیم قوموں کے جمود و تقلید کا راز یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کی طرف سے مجبور کی جاتی ہیں کہ اپنی زندگی اور زندگی کی بنیادیں محفوظ رکھیں۔ یہی باعث ہے کہ اُن قوموں میں فرد کا معاملہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ اُس زمانے میں فرد کے لیے جائز ہی نہ تھا کہ مستقل زندگی بسر کرے۔ وہ قومیں اسے بالکل قدرتی بات خیال کرتی تھیں کہ عام مصلحت کے لیے افراد اپنی ہستی قربان کر دیں۔ اُس وقت شخصی آزادی کسی کے راہمہ میں بھی نہ تھی۔

بعض نظری آدمیوں نے آزادی کی اعلیٰ مثال یونانی جمہوریتوں میں بتائی ہے۔ حالانکہ اُن جمہوریتوں میں افراد کو مطلق آزادی حاصل نہ تھی۔ وہ ایسے نظامات کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے تھے جنہیں آج متمدن دنیا میں کوئی آدمی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اُن جمہوریتوں میں افراد کو اتنی آزادی بھی حاصل نہ تھی کہ اپنی مرضی سے کوئی دینی عقیدہ رکھیں، یا اپنی اولاد کی بطور خود تعلیم و تربیت کرسکیں۔ اسپارٹا میں یہ حالت تھی کہ افراد کو اپنے گھروں میں کھانا پکانے اور کھانے کی بھی اجازت نہ تھی۔

بہی نہیں ہوتیں۔ دنیا کی بہت سی پوائی آرژنٹیں آج مت چکی ہیں اور ان کی جگہ بالکل نئی صنعتیں لے لی ہے۔

(زمانہ کی روح)

زمانے کی روح کبھی ایک نقطہ و مرکز پر قائم نہیں رہتی۔ وہ بحر زخار کی موجوں کی طرح ہر طرف پھیلتی اور ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ وہ ہوا کی طرح ہر مقام پر پہنچتی اور دلوں اور دماغوں کو جنبش میں لاتی رہتی ہے۔

زمانے کی روح ہی درحقیقت قوموں میں زندگی اور حرکت پیدا کرتی ہے۔ زمانے کی روح ایک پر اسرار آن دیگہی مخلوق ہے۔ کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا، مگر وہ سب میں داخل ہوتی اور اپنا عمل انجام دیتی رہتی ہے!

زمانے کی روح خاص طور پر بڑی بڑی انسانی جماعتوں میں جنبش پیدا کر دیتی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں قوت سے ظاہر ہوتی ہے۔ قصوں اور دیہاتوں میں اس کا اثر کمزور ہوا کرتا ہے۔

حکام و ارباب سیاست کا فرض ہے کہ سب سے پہلے زمانے کی روح اور اس کے مقتضیات معلوم کریں۔ اس کے مطابق اپنے اندر تبدیلی کریں۔ ایسے نظام جاری کریں جو اس روح کے مطابق ہوں۔ ورنہ نتیجہ، ناکامی و ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

حکام وقت کا فرض ہے کہ اپنے زمانے کی روح سے غفلت نہ برتیں۔ یہ روح کوئی خیالی بات نہیں ہے، بلکہ حقیقی وجود رکھتی ہے۔ قوموں کے حکام اور رہنماؤں کی ذمہ داری بہت ہی عظیم ہوتی ہے۔ ان کا کام بالکل جہاز کے ناخدا کا سا ہے، جو ایک لمحہ کے لیے بھی ہوا اور موسم کی طرف سے غافل نہیں ہو سکتا۔ اس کی نظر میں جہاز کے چہ چہ پر ہوتی ہیں۔ کیونکہ ایک ننھا سا سوراخ بھی پورے جہاز کی غرقابی کا باعث ہو جا سکتا ہے۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اجتماعی و سیاسی نظامات میں بھی تبدیلی لازمی ہے۔ ایسا کرنے سے ترقی و سعادت کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور اس کی مخالفت سے تباہی و بربادی نازل ہوتی ہے۔

(مسلم انقلاب)

بغارت یا مسلح انقلاب اسی وقت جائز ہوتا ہے، جب عام رائے اور قوم کی امیدوں کے موافق ہو۔ ایسے انقلاب میں پوری قوم کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔ انقلاب کسی قسم کا بھی ہو۔ بنیادی تبدیلی کا ثبوت ہوتا ہے۔

اصلاح کے عمل میں حقوق کا دائرہ طبعی طور پر وسیع ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے انقلاب میں تبدیلی اچانک واقع ہوتی ہے۔ انقلاب درحقیقت، اجتماعی انتقام ہے۔ ایک غیر طبعی حرکت ہے۔ خونریزی اور مصائب و آلام اس سے پیدا ہوتے ہیں۔

انقلاب، ایک مصیبت ہے۔ ملک پر یہ مصیبت اسی وقت نازل ہوتی ہے جب ضرورت کے مطابق، اصلاح موجود نہیں ہوتی۔ فساد اجتماعی جسم میں پھیل جاتا ہے، اور قومی مزاج بالکل بگاڑ ڈالتا ہے۔ اصلاح کی تاخیر کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ پڑ جاتی ہے۔ وہ اپنی طبعی حد کو پہنچنے نہیں پاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دبی ہوئی اجتماعی روح اچانک ابل پڑتی ہے، اور تمام موانع کو قوت کے ساتھ اٹھا پھینکتی ہے۔ پس انقلاب، کوئی اجتماعی قانون نہیں ہے۔ ہاں اسے اجتماعی حادثہ کہہ سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر قوم کے اخلاق و عادات ایسے ہونے چاہئیں کہ آسانی سے بدل نہ سکیں۔ لیکن ساتھ ہی ان میں اتنی لچک بھی لازمی ہے کہ بتدریج تبدیلی قبول کر سکیں۔ تاریخ کا قبرستان ایسی قوموں کی نعشوں سے لبریز ہے جو یہ راز معلوم نہ کر سکنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔

(ترقی انقلاب سے بہتر ہے)

اجتماع کا یہ ناموس بھی ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ تدریجی ترقی کی راہ، اچانک انقلاب سے بہتر اور محفوظ ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسے حالات بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ انقلاب ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض جسمانی امراض کا بہترین علاج یہی ہوتا ہے کہ فوراً سخت بخار چڑھ آئے۔ بخار کی شدت، وہ امراض دور کر دیتی ہے۔ قومیں بھی کبھی کبھی ایسے ہی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں، اور ان کا علاج یہی ہوتا ہے کہ فوراً انقلاب برپا کر دیا جائے۔ کیونکہ ایسی حالت میں اگر تدریجی اصلاح کا انتظار کیا جائے گا، تو مرض امتداد زمانہ سے تمام قومی جسم پر حاوی ہو جائیگا، اور پھر اس کا علاج مشکل ہو جائیگا۔ چنانچہ جہاں تک کسی ایسی قوم کی ترقی کا تعلق ہے، جو کسی دوسری غاصب قوم کے ماتحت آگئی ہو، انقلاب کے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں کسی قدرتی حالت کی اصلاح و ترقی کا سوال درپیش نہیں ہوتا، بلکہ ایک غیر قدرتی اور ناجائز قبضہ و غصب کا خاتمہ مطلوب ہوتا ہے۔

بہر حال ماہرین سیاست کا فرض ہے کہ زمانے کی روح، اس کے پھیلنے سے پہلے ہی معلوم کر لیں، اور حکومت کی شکل میں ایسی تبدیلیاں کرتے رہیں جن پر عام رائے مطمئن ہو سکے۔ ورنہ نتیجہ نہایت ہی مہلک ہوگا۔

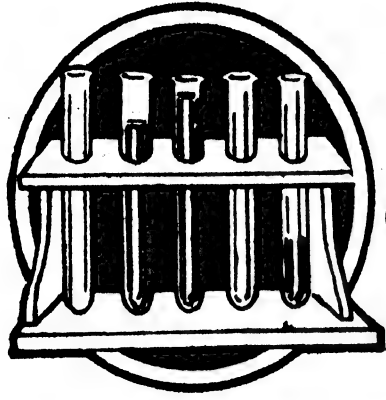
(نوجوان اور بزرے)

اس سلسلہ میں یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ سن رسیدہ افراد نوجوانوں کے مقابلے میں اصلاح و تجدید کے کم حامی ہوتے ہیں۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے کہ قابل ملامت ہوں۔ علم و وظائف اعضاء سے ثابت ہو چکا ہے کہ بزرے اجسام میں اعصاب کمزور پڑ جاتے ہیں، اس لیے عادات کی مقاومت کی قوت باقی نہیں رہتی۔ برخلاف اس کے نوجوانوں کے اعصاب مضبوط ہوتے ہیں اور اس لیے عادات کی مخالفت آسانی سے کرسکتے ہیں۔

(خیالات کا عروج و ہبوط)

زمانے کی روح ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہے۔ تاریخ کے بڑے بڑے دور اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ زمانے کی مختلف رگوں کے مظہر ہیں۔ جدید خیالات و افکار کی مثال بالکل ستاروں کی سی ہے۔ وہ کبھی افق پر بلند ہوتے ہیں، کبھی بالکل چھپ جاتے ہیں۔ اسی طرح کبھی ایک قسم کے خیالات کو عروج ہوتا ہے، کبھی دوسرے قسم کے خیالات کو۔ آج جو خیالات مقبول عام و خاص ہیں، بہت ممکن ہے کہ کل مکرر و متروک ہو جائیں۔ صلیبی جنگوں کے زمانے میں جن افکار نے تمام یورپ میں ہلچل ڈال دی تھی، آج دنیا ان سے نفرت کرتی اور ان پر حقارت سے مسکراتی ہے۔

زمانہ بہت سی قوتوں کو پراگندہ کر کے فنا کر ڈالتا ہے، اور بہت سی نئی قوتیں پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے دم و گمان میں



# مذاکرہ علمیہ



## عالم سماوی



کیا ستارے زندگی سے محروم ہیں؟



ہم تاروں بھری رات میں نظر اٹھاتے ہیں تو آسمان پر بے شمار ستارے نظر آتے ہیں۔ یہ ستارے درحقیقت ایسے ہی کرے ہیں، جیسا ایک کرہ خرد ہماری زمین ہے۔ ان ستاروں میں بہت سے ستارے ہماری زمین سے بھی بہت زیادہ بڑے اور بہت زیادہ عمر کے ہیں۔ بعض ہماری زمین سے چھوٹے اور اُس سے کم عمر رکھتے ہیں۔ یہ تمام ستارے بھی ایسے ہی ایک نظام سے وابستہ ہیں، جیسا ہمارا نظام شمسی ہے۔ ان میں بھی انقلاب ہیں اور اپنے گرد بہت سے کواکب اور سیارے رکھتے ہیں۔

مدت سے علماء فلک میں سخت اختلاف ہے کہ یہ ستارے بھی ہماری زمین کی طرح زندہ موجودات سے آباد ہیں یا نہیں؟ ایک گروہ پہلی رائے کا قائل ہے۔ دوسرا دوسری رائے کا۔

پہلے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ زندگی کے لیے جن شرطوں کی ضرورت ہے، وہ زمین کے علاوہ ان ستاروں میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن اُس کا یہ دعویٰ کئی وجوہ سے ناقابل تسلیم ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان شرطوں کی عدم موجودگی کا ثبوت کیا ہے؟ کرن دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہوا، پانی، نور، حرارت، وغیرہ لوازم زندگی سے یہ ستارے بالکل خالی ہیں؟ بلا شبہ اب تک ان کے وجود کی بھی کوئی دلیل ہمارے علم میں نہیں آئی۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ یہ چیزیں وہاں موجود ہوں اور ہماری تحقیقات میں ابھی نہ آئی ہوں۔ حال ہی میں انسانی علم نے معلوم کر لیا ہے کہ بعض ستاروں میں آکسیجن موجود ہے، جو زندگی قائم رکھنے والی ہوا کا اصلی جز ہے۔

پھر یہ دعویٰ بھی بالکل بے دلیل ہے کہ زندگی کی جو شرطیں ہمیں معلوم ہیں، اُن کے بغیر زندگی کا وجود ممکن نہیں۔ بلا شبہ ہماری زمین پر زندگی ان شرطوں کے بغیر نا ممکن ہے۔ لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ دوسرے ستاروں کی طبیعت بھی بالکل ایسے ہی ہو جیسی ہماری زمین کی ہے؟ یہ بھی ضروری نہیں کہ زندگی کا ظہور اُن ستاروں میں بھی ایسا ہی ہو، جیسا اِس زمین میں ہے۔ بہت ممکن ہے اُن ستاروں میں زندگی کی شکلیں بالکل مختلف ہوں۔ اجسام کی ساخت جدا ہو، اعضاء و عضلات دوسری وضع کے ہوں۔ زندگی کے لوازم مختلف ہوں۔ ستاروں کی کائنات پر ایک ہی اعتبار سے قیاس کرنا اور اُن پر یکساں حکم لگانا، صحیح نہیں ہو سکتا۔

جب حکومت کی شکل حالات، ملحد، اور قومی آرزوں کے خلاف ہوتی ہے، اور اُس کی تبدیلی کے لیے قوم کے سامنے کوئی قانونی راہ باز نہیں ہوتی، تو یہ وقت انقلاب و بغاوت کے ظہور کا وقت ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ضرورت کے وقت فوراً اصلاح شروع کر دی جائے، ورنہ قوم کو یہ حق حاصل ہو جائیگا کہ قومی تبدیلی کے لیے اپنا قدرتی حق استعمال کرے اور بغاوت پیدا ہو جائے۔

اسپین میں باشندگان ہالینڈ کی بغاوت (سنہ ۱۹۲۲ء) خاندان اسٹورٹ پر انگریزوں کا خروج، نپولین بونا پارت پر جرمنی کی بغاوت، آسٹریا پر اٹالین قوموں کی بغاوت — یہ تمام بغاوتیں تاریخ کی نظر میں، صحیح، جائز، اور قانونی بغاوتیں تھیں۔

(انقلاب کی طبیعت اور حکومت کے فرائض)

بغاوت عموماً آتش فشاں پہاڑ کے انفجار یا آندھی کے طوفان کے مشابہ ہوتی ہے۔ شروع شروع میں اُس کا خیال چند افراد کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ تمام قوم میں پھیل جاتا ہے۔ بغاوت کا خیال تبدیلی کے احساس سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تبدیلی ظاہر نہیں ہوتی تو حکومت کی طرف سے عام بددلی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بددلی مجبوری غم کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جب حالت اِس درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو قوم ہر لمحہ مشتعل ہو جانے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ اُس وقت معمولی سے معمولی بات بھی عام بغاوت کا سبب بن جاسکتی ہے۔

لہذا حکام کا فرض ہے کہ ایسی حالت پیدا ہونے سے پہلے ہی اصلاح نافذ کر دیں۔ لیکن اگر ہر وقت نہ کرسکیں، تو پھر اُن کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اِس بغاوت و انقلاب میں شامل ہوجائیں، یعنی اُسے اپنے ہاتھ میں لے لیں، تاکہ اُس کی مضرتیں کم سے کم ہوجائیں۔

## اعتذار

افسوس ہے کہ شہر کی عام تعطیل کی وجہ سے اس ہفتہ بھی مطلوبہ تصاویر طیارہ نہ ہوسکیں اور ہمیں تصویر کے بغیر پرچہ شائع کرنا پڑا۔ تصاویر کے نہ مل سکنے کی اطلاع ملنے پر وہ تمام مضامین بھی ترک کردینے پڑے جن کا تعلق تصاویر سے تھا۔ اس صورت حال کا صحیح علاج یہی ہے کہ جلد از جلد تصاویر کی طیارہ کا محمول انتظام کر لیا جائے۔ آئندہ پرچوں میں ہم اس کمی کی پوری تلافی کردینگے۔

منیجر



کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہے کہ صرف اسی پر زندگی ہو اور باقی تمام عوالم بے نور اور زندگی سے محروم ہیں۔ زمین پر زندگی کے جو لوازم ہیں، ضروری نہیں کہ دوسرے ستاروں میں بھی لازم ہیں۔ ناموس انتخاب طبیعی بتاتا ہے کہ زندہ کائنات اپنے ماحول اور زمان و مکان کے اختلاف سے مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہیں۔ ان کی شکل بھی بدل جاتی ہے۔ مزاج بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ پتے یقین کیا جاتا تھا کہ سنٹی گریڈ کے سونچہ حرارت میں کوئی نئی روح زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ بعض جراثیم کھولتے ہوئے پانی میں بھی زندہ رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض جراثیم برف میں بھی مدتوں نہیں مرتے۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ بار کر کے کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے ستاروں کے جاندار بھی اُس ماحول میں زندہ نہیں رہ سکتے جو ماحول ہماری زندگی کے منافی ہے۔

ممکن ہے ستاروں میں زندگی کا قوام ہماری زمین کی زندگی کے قوام سے مختلف ہو۔ مثلاً آکسیجن ہمارے لیے ضروری ہے، مگر دوسرے ستاروں کی مخلوقات کے لیے ضروری نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ستاروں کے جاندار ہم سے مختلف ہونگے، کیونکہ اُن کا ماحول ہم سے بالکل مختلف ہے۔ ہمارے اُن کے درمیان ماہہ الا شتاک صرف روح ہی ہو سکتی ہے۔ اور معلوم ہے کہ روح نہ تو کوئی شکل رکھتی ہے، نہ مادے کے تابع ہے۔ خود اپنی اسی زمین پر ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں مخلوقات اپنی جسمانی ترکیب اور ضروریات زندگی میں ایک دوسرے سے پورا اختلاف رکھتی ہیں۔ تاہم سب زندہ ہیں، اور سب میں ایک ہی روح کار فرما ہے۔ جب خود زمین پر مخلوقات کا اختلاف اِس درجہ زیادہ ہے، تو ظاہر ہے دوسرے ستاروں کی مخلوقات ہم سے کیوں مختلف نہ ہوں؟

چونکہ ہماری زمین، سب سے زیادہ قدیم نہیں ہے، اس لیے ممکن ہے دوسرے ستاروں میں زندگی زیادہ قدیم اور بہت ترقی یافتہ ہو۔ بہت ممکن ہے کہ بعض ستاروں کی مخلوقات اِس درجہ ترقی کر گئی ہوں کہ ہم سے بہت زیادہ علم و حکمت رکھتی ہوں۔ ہم سے بہت زیادہ اسرار و جود سے واقف ہوں۔ ہم سے کہیں زیادہ اُس کی ایجادیں معیر العقول ہوں۔ ممکن ہے اُس کے پاس ایسے ذرائع موجود ہوں کہ قریب کے دوسرے ستاروں تک بھی پہنچ سکتے ہوں اور روح و مادہ کے راز معلوم کر چکی ہوں۔ ممکن ہے اُن کے جسم ہمارے ہی جیسے ہوں۔ ممکن ہے ہم سے بالکل مختلف ہوں۔ بہت ممکن ہے وہ ہم سے زیادہ حواس رکھتے ہوں۔

یہ ہے خلاصہ دوسرے گروہ کے خیالات کا۔ اور پتے گروہ کے خیالات سے زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے۔

دوسرے گروہ کا بیان بڑی حد تک مقبول ہے۔ وہ کہتا ہے ہماری زمین کیا ہے؟ اِس لا متناہی فضا میں بہنے والے لکھو کہا کروں میں سے ایک چھوٹا سا کرہ ہے۔ زمین کو ظاہری اعتبار سے دوسرے کروں پر کوئی امتیاز حاصل نہیں۔ نہ تو اُس کا حجم ہی سب سے بڑا ہے، نہ عمر ہی سب سے زیادہ ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اُس میں زندگی موجود ہو، اور باقی تمام کرے، جو اُس سے کہیں زیادہ بڑے اور قدیم ہیں، زندگی سے بالکل خالی سمجھے جائیں؟

ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ تمام ستارے بھی ویسے ہی ایک دقیق نظام سے وابستہ ہیں، جیسا نظام ہماری زمین کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ وہ بھی نہایت انتظام کے ساتھ اپنے افلاک میں گردش کرتے ہیں۔ اُن کی رفتار میں بھی ادنیٰ سے ادنیٰ خلل یا بد نظمی کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ ستارے جن پر قدرت اپنی اِس قدر توجہ صرف کر رہی ہے، بغیر کسی زندگی کے موجود ہوں، اور اِس کے سوا کوئی غرض و غایت نہ رکھتے ہوں کہ ہماری دلچسپی اور نظر فریبی کا سامان مہیا کریں؟ اِس میں قدرت کی کیا حکمت ہو سکتی ہے کہ یہ نہا سا ذرہ، یعنی زمین، تو آباد ہو، اور باقی تمام عظیم الشان عوالم چٹیل میدان سے بھی بدتر ہوں؟ حالانکہ وہ بھی زمین ہی کی طرح ایک پورے حکیمانہ نظام کے ماتحت قائم ہیں۔

بے شمار علمی قرائن اِس نظریے کی تائید کر رہے ہیں کہ ہمارے تمام نظام شمسی کے کواکب کی اصلیت ایک ہی ہے۔ اور وہ قدیم ہے۔ ان سب کی تکوین، قدیم ہی کے مادہ سے ہوئی ہے۔ وہ بتدریج سدیدی کرہ سے جدا ہو کر مستقل وجود بنے ہیں۔ اِسی طرح تمام کیمیائی و فلکی دلائل کا رجحان بھی اِسی نظریے کی طرف ہے کہ نہ صرف خاندان شمسی بلکہ جملہ عوالم فلکی، اِسی قدیم سے بنے ہیں۔ زمین اور جملہ ستاروں کا خمیر ایک ہی ہے۔ سب ایک ہی مادے کی مختلف شکلیں ہیں۔ سب کا مادہ کیمیائی ذروں سے مرکب ہے۔ ان میں ہر ذرہ اپنے اندر دو کہربائی لہریں ایجابی اور سلبی رکھتا ہے۔

پس جب جملہ کائنات اور ہماری زمین، ایک ہی اصل رکھتی ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف ایک ہمارے کرے ہی میں زندگی ہو اور باقی تمام کرے، مردہ اور بے جان فرض کر لیے جائیں۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زمین کے سوا کسی دوسرے ستارے میں زندگی نہیں ہے، تو یہ سوال قابل غور ہے کہ بقول علماء فلک کے سورج اپنی حرارت برابر کھو رہا ہے، اور کوزوں برس کے بعد ایک وقت آجائیکہ جب وہ بالکل بے نور اور بے حرارت ہو کر رہ جائیگا۔ اُس وقت زمین یقیناً زندگی سے محروم ہو جائیگی۔ اِسی حالت میں یہ کوزوں ستارے کیا ہونگے؟ کیا یہ بھی ہمارے نظام شمسی کے ساتھ تباہ ہو جائیں گے؟ حالانکہ معلوم ہے کہ گنتی کے چند کواکب کے سوا باقی تمام ستارے ہمارے نظام شمسی سے باہر ہیں اور ہمارے آفتاب کی موت و حیات کا اُن پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اگر یہ تباہ نہیں ہونگے، تو ان کے وجود سے فائدہ کیا ہے جب کہ وہ بالکل آجائیکہ سنسان، اور بے جان ہیں؟

تمام عقلی و نقلی علوم اور دینی روایات بھی ثابت کر رہی ہیں کہ جملہ کائنات، ایک ہی اصل سے ظاہر ہوئی ہیں اور ایک ہی قسم کے طبیعی ناموس کے ماتحت برقرار ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو زمین

## اطلاع

اکثر حضرات الہلال کے ابتدائی نمبروں کا شوق ظاہر کرتے ہیں، اور خریدار ہوتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام پچھلے پرچے بھیج دیے جائیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ابتدائی نمبر اب دفتر میں موجود نہیں ہیں اور اس لیے دفتر تعمیل سے معذور ہے۔

منیجر



سے برکت و سعادت حاصل کی جائے، حالانکہ وہ بادشاہوں سے کہیں زیادہ اجلال و تکریم کے مستحق ہیں؟

اس طرح بتدریج بت پرستی مسیحی کلیسے میں داخل ہو گئی۔ شروع شروع میں کلیسا کی دیواروں پر تصویریں اور مرثیوں اس غرض سے آویزاں کی گئی تھیں کہ ”ان کے معائنہ سے عبرت و موعظت حاصل ہوگی“ لیکن آگے چلکر ان کی حیثیت ایک ناگزیر دینی شعار اور ربانی عبادت کی ہو گئی۔ مخلص عیسائی بتوں اور تصویروں کے لیے اسی طرح نماز پڑھنے لگے، جس طرح وہ خدا کے لیے نماز پڑھتے تھے!

اس بدعت کے ساتھ آرہی کئی مشرکانہ رسمیں مسیحی کلیسا میں داخل ہو گئیں۔ چنانچہ چراغان، بغور، رکوع و سجدہ وغیرہ رسمیں، سب بت پرستوں ہی سے لی گئی ہیں۔

سچے عیسائیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اعتراض کیا۔ مگر ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ ان مقدس تصویریں اور مرثیوں کے ہزاروں معجزے منظر ہر چمکے تھے۔ لوگ ان سے دست بردار ہونے کے لیے طیار نہ تھے۔

شروع شروع میں روح القدس کی تصویریں بہت مبہم اور مضطرب بنائی جاتی تھیں۔ لیکن حضرت مسیح اور مریم (علیہما السلام) اور فرشتوں کی تصویریں بالکل صاف اور خالص انسانی قالب میں ہوا کرتی تھیں۔

(چھٹی صدی مسیحی)

ابھی چھٹی صدی ختم نہیں ہوئی تھی کہ یہ مشرکانہ عبادت کلیسا کی ایک شرعی عبادت بن چکی تھی۔ تمام کلیسے تصویریں اور بتوں سے آراستہ تھے، حتیٰ کہ خود ریٹیکان (محل اعظم روم) بھی ان سے لبریز ہو چکا تھا۔ اب یہ حالت تھی کہ مسیحی مؤمنین، تصویریں اور بتوں کے حد سے زیادہ دلدادہ تھے۔ انہیں عبادت و برکت کے لیے ضروری سمجھنے لگے تھے۔ وہ تقویٰ و بزرگی کے نشان خیال کیے جاتے تھے۔

آٹھویں صدی کے اوائل میں تصویر پرستی اور بت پرستی، مسیحی عبادت خانوں میں پورے عروج تک پہنچ چکی تھی۔ اسی زمانے میں بعض یونانی علماء ظاہر ہوئے، اور اسے کلیسا کی بت پرستی قرار دیا۔ ان لوگوں نے کہا ”مشرک قومیں بھی اپنے بتوں کو خدا نہیں کہتی تھیں، بلکہ بعینہ وہی معانی ان کے پیش نظر تھے، جو ان تصویریں اور مرثیوں کے بارے میں تمہارے پیش نظر ہیں۔ لیکن اس پر بھی خدا کی شریعت نے انہیں مشرک قرار دیا۔ تم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔ صرف الفاظ اور اسماء کا اختلاف ہے۔“

(اسلام کا ظہور)

صدیوں کی غفلت کے بعد مسیحی علماء میں یہ بیداری صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ دین اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر اب مصر، شام، فلسطین پر چھا گیا تھا اور خود بیزنطینی کلیسے کے مرکز پر اسکی تیز نظریں پڑ رہی تھیں۔ اسلام کی تعلیمات اس بارے میں معلوم و مشہور ہیں۔ ابتدائی تصادم کے زمانے ہی میں مسیحیوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان انہیں بت پرست اور مشرک کہتے ہیں۔ انہوں نے اسلامی مسجدیں بھی دیکھی تھیں جو ہر قسم کی تصویریں اور مرثیوں سے خالی تھیں۔

مسیحیوں کی ایک جماعت اسلامی اثرات سے متاثر ہو گئی اور تورا کی تعلیم کی طرف از سر نو دعوت دینے لگی جو تصویر پرستی اور بت پرستی کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیتی ہے۔



## مسیحیت اور بت پرستی

آٹھویں اور نویں صدی میں مسیحیت کو خیالات کی ایک بڑی خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس خانہ جنگی کی وجہ، بت پرستی تھی۔ بیزنطینی شہنشاہیت میں یہ نزاع آخری حد تک پہنچ گئی تھی۔

ابتدائی عہد کے عیسائی بتوں، تصویروں، اور نقش و نگار کی تعظیم و عبادت سے نفرت رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ بت پرستی تھی۔ وہ یہودیت سے نکلے تھے، اور یہودیت خدا کا تجسم نا جائز قرار دیتی ہے۔ انہیں یورپ میں یونانیوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا، یونانی بت پرستی کے سب سے بڑے شائق تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر وہ اپنے حریفوں سے اپنے آپ کو علحدہ رکھنا چاہتے تھے۔

اس زمانے میں مسیحی دعاۃ ان بت پرستوں پر ہنستے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ یہ لوگ خود اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو سجدہ کرتے ہیں۔ لیکن بت پرستی سے یہ بیزاری تثلیث اور تجسم کو رک نہ سکی۔ بلکہ اس کے بحث و جدال ہی نے درحقیقت بت پرستی اور تصویر پرستی مسیحی کلیسا میں پیدا کر دی!

(بت پرستی کی ابتدا)

یہ چیز مسیحیت میں سب سے پہلے جن نو مذہب عیسائیوں کے ذریعہ آئی تھی، وہ بھی حضرت مسیح کے بت یا تصویر کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ لیکن چونکہ بت پرستی سے نئے نئے مسیحیت میں آئے تھے، اس لیے انہوں نے حضرت مسیح کی تصویریں کی تعظیم و تکریم شروع کر دی۔ ٹھیک اسی طرح، جس طرح ارسطو اور فیساغورس وغیرہ کی تصویریں کی یونانی عزت کیا کرتے تھے۔ ان کے نئے نئے ایمان کے خیال سے مسیحی علماء نے تساهل برتا، اور یہ خیال کر کے کہ یہ لوگ ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ صرف تعظیم کرتے ہیں، ان پر کوئی تشدد نہیں کیا۔ اس طرح یہ تعظیم بغیر کسی رک کے جاری ہو گئی۔

بتدریج اس تعظیم نے عبادت کی صورت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ تیسری صدی میں قسطنطین نے مسیحی کلیسے میں باضابطہ طور پر یہ نئی مسیحی عبادت داخل کر دی۔ مسیحی علماء نے اس وقت بھی کوئی مخالفت نہیں کی۔ انہوں نے خیال کیا، بت پرستی کی اب جڑیں تک اکھڑ چکی ہیں، اس کے از سر نو احیا کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

چنانچہ نئی پرستش کا آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلے صلیب اور مقدس آثار کی تعظیم سے شروع ہوئی۔ پھر شہیدوں اور ولیوں کی قبور کی تعظیم و تکریم شروع ہو گئی۔ پھر ان سے منتیں مرادیں مانگی جانے لگیں۔ بالآخر ان کی مرثیوں ظاہر ہو گئیں۔ لوگوں نے خیال کیا، اگر صلیب اور مقدس آثار قبور میں بزرگی ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ مرثیوں میں آواز بھی زیادہ بزرگی اور برکت نہ ہو؟ بادشاہوں اور بڑے آدمیوں کے بت بنائے جاتے ہیں، کہیں نہ خدا کے برگزیدہ بندوں کے بھی بت بنائے جائیں، اور ان

## (لین کی اصلاح)

سی زمانے میں لینوں سرم قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھا۔ اس شہنشاہ نے اشور کے پہاڑوں میں نشور نما پائی تھی۔ ہر قسم کی تعلیم و تربیت سے معزوم تھا۔ تاہم عقل سلیم رکھتا تھا۔ یہودیوں اور عربوں کی صحبت میں بیٹھ چکا تھا، اور ان کے اثر سے تصویروں اور بتوں کی تعظیم و عبادت سے متنفر تھا۔

یہ تخت نشین ہوا؛ اور غایت تدبیر سے اپنے ارادے مخفی رکھے۔ یہاں تک کہ جب پوری طرح اقتدار حاصل ہو گیا تو دینی اصلاح کی طرف قدم اٹھایا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ علماء کی ایک مجلس منعقد کی اور یہ فتویٰ صادر کرایا کہ کنیسوں اور مقدس ہیکلوں سے تصویریں اور مورتیں ہٹا کر کسی ایسی بلند جگہ منتقل کر دی جائیں جہاں مشرکانہ رسمیں انجام نہ دی جا سکیں۔

چند سال بعد اُس نے دوسرا قدم اٹھایا اور مورتوں کی پرستش، انکی تعظیم، اور کنیسوں میں موجودگی، سب ناجائز قرار دیدی۔ اُس نے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ قسطنطنیہ کے تمام کنیسوں کو تصویروں اور مورتوں سے خالی بھی کر دیا۔ چنانچہ حضرت مسیح اور حضرت مریم بتوں (علیہما السلام) کے تمام بت توڑ کر پھینک دیے گئے۔ اور تمام تصویریں معز کر دی گئیں۔

اُس کے بیٹے قسطنطین پنجم نے اس بارے میں آرزو بھی زیادہ سختی برتی۔ سنہ ۷۵۴ء میں اُس نے ایک دینی مجلس منعقد کی۔ اس میں ۳۳۸ پیشوا جمع ہوئے۔ اس لحاظ سے یہ مجلس بہت ہی بڑی مجلس تھی۔ مگر اس میں صرف بیزنطینی کنیسے ہی کے علماء شرکت ہوئے تھے۔ روم، اسکندریہ، بیت المقدس، اور انطاکیہ کے نمائندے شامل نہیں تھے۔ پادشاہ نے اس مجلس کے سامنے تصویر پرستی کا مسئلہ پیش کیا۔ متفقہ فیصلہ ہوا کہ یہ عبادت، مسیحی تعلیمات کی رو سے قطعاً حرام ہے۔ اور پرستش کی تصویریں، محسے، اور آثار مسیحی عبادت گاہوں سے خارج کر دینے چاہئیں۔ اس مجلس نے صلیب کو بھی اپنے فتوے میں مستثنیٰ نہیں کیا، اُسے بھی تجسم کا رمز قرار دیکر ممنوع ٹھہرایا۔ مزید برآں خود فن مصوری کو بھی ناجائز بتایا۔ اس نے یہ حکم بھی نافذ کیا کہ جو شخص صلیب بنائے، یا مقدس تصویریں اور نقوش اتارے، اُسے فوراً کنیسے سے خارج کر دیا جائے، اگرچہ وہ خود علماء کی جماعت ہی میں سے کیوں نہ ہو۔

سنہ ۷۶۶ء میں اس فیصلہ کو آرزو بھی زیادہ تشدد کے ساتھ جاری کیا گیا۔ صلیب رکھنا، رلیوں کے لیے نماز پڑھنا، تصویروں کی تعظیم کرنا، یہ سب باتیں جرم قرار پائیں، اور مخالفوں کے لیے قزایانہ کی سزا سے لیکر آنکھیں پھوڑنے، زبان کاٹنے، اور سولی پر چڑھانے تک کی سزائیں تجویز کی گئیں۔

## (بت پرستی کا دوسرا دور)

لیکن ملکہ ایرینی کے عہد میں پھر انقلاب ہوا۔ یہ ملکہ بت پرستی کی حامی تھی، کیونکہ وہ نسل یونانی تھی اور عزت تھی۔ یہ اس حیثیت سے تخت نشین ہوئی تھی کہ اپنے نا بالغ لڑکے قسطنطین ششم کی رلی اور سر پرست رہیگی۔ اس نے برسر اقتدار آئے ہی ایقونی کنیسا (یعنی بت پرستی کو حرام سمجھنے والے کنیسا) کے علماء کو ستانا شروع کر دیا۔ ستمبر سنہ ۷۸۷ء میں یہ مقام نیس ایک دینی مجلس منعقد کی۔ اس میں ۸۶۷ پادری جمع ہوئے تھے۔ پرپ کے نمائندے بھی شریک تھے۔ بالاتفاق یہ فتویٰ صادر کیا گیا کہ مقدس تصویریں اور بتوں کی عبادت مسیحیت

میں جائز ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ شرعاً مستحسن ہے۔ دلیل میں اسلاف کی بہت سی چھوٹی رائتیں پیش کی گئی تھیں۔ مزید براں قسطنطنیہ کی سابق دینی مجلس کی تکفیر بھی کی گئی تھی۔ اُس کے فیصلہ پر عمل کرنے والوں کو بھی کانور مرتد قرار دیا گیا! (دوسری اصلاح)

ایک مدت تک اس نئے فیصلہ پر عمل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ تئو ویلس بیزنطیہ کا بادشاہ ہوا۔ یہ بت پرستی کا دشمن تھا۔ سنہ ۸۴۳ء میں اس نے پھر علماء مسیحیت سے ایک نیا فتویٰ حاصل کیا اور بت پرستی حرام قرار پائی۔ اس نے صرف تصویریں اور بت ہی نہیں مٹائے، بلکہ کنیسوں میں مسیحی بزرگوں کے ناموں کے ساتھ ”مقدس“ کا لفظ بھی مٹا ڈالا۔ مصریوں اور بت سازوں کو شدید سزائیں دی گئیں۔ بہت سے خلاف ورزی کرنے والے پادریوں کی پیشانیوں پر آگ سے داغ دی گئیں۔ غرض کہ اس رسم کے خلاف سخت جہاد جاری ہو گیا۔

اسی زمانے میں ایک مسیحی عالم جان (جسے عربوں نے یوحنا نحوی کے نام سے پکارا ہے) مشرقی رومن سلطنت کے کنیسے کا بطریق اعظم مقرر ہوا۔ یہ شہنشاہ کا استاد تھا اور بت پرستی کا سخت مخالف، مگر اسکی طبیعت بہت کمزور تھی۔ اس نے شاہی احکام کی تنفیذ میں تساہل کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ علانیہ احکام شاہی کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو گئے۔ شہنشاہ نے یہ حالت دیکھی تو سخت برہم ہوا۔ پہلے سے بھی زیادہ تشدد پر اُتر آیا اور مقدس تصویریں اور بتوں کے معتقدین کو سخت سزائیں دینے لگا۔

## (بت پرستی کا تیسرا دور)

شہنشاہ کے انتقال پر اُس کی ملکہ تخت نشین ہوئی۔ یہ اپنے شوہر کے خلاف عقیدہ رکھتی تھی۔ اس نے بت پرستی پھر رائج کرنی چاہی مگر اُس کی راہ میں سب سے بڑی رک پھی یوحنا نحوی تھا۔ یہ شخص دونوں جماعتوں کی نظر میں مکروہ تھا۔ بت پرستی کے مخالف، اُسے بزدل اور منافق سمجھتے تھے۔ حامی دشمن خیال کرتے تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یہ طبیعی علوم اور فلسفہ کا عالم تھا۔ یہ چیز اُس زمانے میں تمام دیندار مسیحیوں کی نظر میں کفر و العباد تھی۔ اس صورت حال نے یوحنا کو بالکل بے یار و مددگار کر دیا۔ چنانچہ اُسے معزول کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ اُس پر یہ تہمت لگائی گئی کہ جادوگر ہے۔ یہ تہمت اُس کی معزولی کے لیے کافی تھی۔ چنانچہ اُسے ذلت کے ساتھ نکالا گیا اور ایک گم نام خانقاہ میں جلاوطن کر دیا گیا۔ مگر مخالفوں کو اس سے سیرپی نہیں ہوئی۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد اُس پر یہ الزام لگایا گیا کہ اُس نے ایک رلی کی تصویر کی آنکھیں پھوڑ ڈالی ہیں۔ اس الزام پر اُسے سخت سزا ملی اور توراۃ کے قانون ”دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ“ کے بموجب اُس کی آنکھیں پھوڑ ڈالی گئیں!

اب ملکہ کے لیے میدان صاف تھا۔ اُس نے سنہ ۸۴۲ء میں ایک اور دینی مجلس قسطنطنیہ میں منعقد کی اور از سر نو بت پرستی کا فتویٰ صادر کر دیا۔ تمام مخالف، کانور قرار دیے گئے، اور بت پرستی مسیحیت کی بنیادی عبادت تسلیم کر لی گئی۔ ۱۹ فروری سنہ ۸۴۲ء میں کنیسۃ ایوا صوفیا میں پھر تصویریں اور مورتیں واپس آگئیں۔ یونانی کلیسا اب تک یہ دن ایک عظیم دینی تہوار کے طور پر مناتا ہے۔

## ترکی حکومت

اور اُس کے اجتماعی و سیاسی تغیرات

شروع سے اب تک

(۱)

دور اول

سنہ ۱۹۹۹ء (۱۳۰۰ع) سے سنہ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) تک

آل عثمان کی سلطنت اُس زمانہ میں ظاہر ہوئی جب صلیبی جنگوں کی خورنیزی سے مشرق قریب کی سرزمین سرخ ہو رہی تھی اور مسیحی تعصبات سے وقت کا مطلع غبار آلود تھا۔ اس وقت کی آب و ہوا کا یہ قدرتی اثر تھا کہ سلطان عثمان اور اُن کی اولو العزم اولاد میں دینی جہاد کا جذبہ پیدا ہوا اور وہ مسیحی ممالک کی فتوحات پر کمر بختہ ہو گئے۔ یہ یورپ کے صلیبی حملہ کا قدرتی رد فعل تھا۔

اُس وقت ایشیائے کوچک کے اطراف و جوانب برسہہ ازمید ازیق، طرابزون میں بیزنطینی سلطنت (قسطنطنیہ) کے باج گزار امراء حکمران تھے۔ آل عثمان نے اپنے جہاد اور ملک گیری کا آغاز انہی سے کیا اور یکے بعد دیگرے مطیع یا مغلوب کرتے گئے۔ ان سے فارغ ہو کر درانیال کے آگے بڑھے اور بلغاریا، سربیا اور بیزنطینی سلطنت کو زیر و زیر کرنے کے بعد مسیحیت کی راج دہانی ”روم“ کو گھونٹنے لگے۔ یہ صلیبی لڑائیوں کے جوابی حملہ ہی کا جذبہ تھا جس نے سلاطین آل عثمان کو یک قلم یورپ کی طرف متوجہ کر دیا تھا اور ایشیا سے بڑی حد تک غافل رہے تھے۔ صرف سلطان سلیم یازار (خورنیز) نے ایشیا کی طرف توجہ کی، مگر اس کی ایشیائی فتوحات میں ایک آرزو ہی جذبہ کار فرما تھا۔ وہ عرش خلافت پر جلوہ گر ہونے کا متمنی تھا جس میں اُسے یورپی طرح کامیابی ہوگئی۔

یورپ صلیبی جنگوں سے بالکل خستہ ہو چکا تھا۔ محلحل شکستوں نے اُس کی شجاعت و ہمت پر کاری ضربیں لگادی تھیں۔ فرقہ وارانہ حسد و منافست نے اُس کے تمام قوی معطل کر دیے تھے۔ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ دہل یورپ نے ترکی سیلاب کے مقابلہ کا کوئی خیال نہیں کیا اور قسطنطنیہ اور مشرقی یورپ کی مسیحی ریاستوں اور قوموں کو مغلوب ہوجانے دیا۔ لیکن جب ترکوں نے بلقان سے بھی قدم آگے بڑھایا اور ہنگری پر ترکازیوں شروع کر دیں تو یورپ کی آنکھیں کھلیں۔ مذہب کے نام پر متحدہ محاذ قائم کیے گئے اور ترکوں کے روکنے کی کوشش شروع ہوئی۔ مگر کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

یہاں تک کہ سلطان سلیمان قانونی کی وفات کے بعد خود ترکوں میں کمزوری پیدا ہوگئی۔ سلطان مراد ثالث کے عہد میں یہ کمزوری

اس کے بعد پھر بت پرستی کے خلاف کوئی با ضابطہ مسیحی دعوت پیدا نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ صلیبی لڑائیوں کے بعد اسلامی توحید کی تعلیم یورپ کے قلب تک پہنچی اور مشہور مسیحی مصلح لوتھر کا ظہور ہوا۔

ظاہر ہوئی، سلطان احمد اول کے زمانہ میں اس نے ترقی پائی اور سلطان محمد رابع کے دور میں بلوغ و کمال تک پہنچ گئی۔ ترک جس قدر کمزور ہوئے گئے، یورپ کا مسیحی اتحاد بھی اُسی قدر ٹوٹتا گیا۔ یہاں تک کہ صرف روس اور آسٹریا ترکوں کے مقابلہ میں رہ گئے اور انہیں یورپ سے نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔

اس طرح ترکی شہنشاہیت نے اپنی عمر کا اکثر حصہ بے درپے جنگوں میں گزار دیا۔ ابتدائی جنگیں حملہ آورانہ تھیں، بعد میں مدافعاتی ہو گئیں۔ لیکن اس تمام مدت میں ترکی سلطنت ایک مذہبی سلطنت رہی۔ اس کا تمام داخلی نظام شریعت کے احکام پر مبنی تھا۔ علماء و فقہاء کو غیر معمولی اقتدار حاصل تھا۔ مفتیوں کے فتوے عزل و نسب اور نظم و نسق کے لیے جاری ہوتے رہتے۔ چونکہ عثمانی حکومت کی نشو و نما ہی اُس وقت ہوئی تھی جب کہ اسلام کے دینی علم و عمل کی روح پڑمردہ ہونا شروع ہوگئی تھی اور دینی نظر و بصیرت اور اجتہاد فکری جگہ تقلید و جمود کی بنیادیں قائم ہوچکی تھیں، اس لیے مذہبی احکام و نظام کی کڑی بہر و روح پیدا نہ ہو سکی۔ جن علماء کے ہاتھ میں نظم و نسق کے احکام تھے، ان کا علم تمام ترقی حنفی کی چند متداول متون و شرح تک جو متاخرین کی ترتیب دی ہوئی تھیں، محدود تھا، ان سے باہر نہ تو کوئی نظر رکھتے تھے اور نہ ایسی فضا تھی کہ بلند نظری پیدا ہو سکتی۔

اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی پچھلی حکومتوں کی طرح عثمانی حکومت میں نظم و ادارہ کی کوئی موافق روح پیدا نہ ہو سکی۔ دائرہ حکومت تمام براعظم یورپ اور مشرق میں پھیل گیا تھا۔ مختلف مذاہب، مختلف نسلیں، مختلف تمدن اور مختلف جماعتی مزاج رقبہ حکومت میں جمع ہو گئے تھے، حکومت کے لیے اتنے مختلف عناصر پر کامیاب حکومت قائم رکھنی آسان نہ تھا۔ ترک ہمیشہ سے ایک جنگی قوم تھے۔ اب ان کے زیر نگین یورپ اور مشرق کی تمام متمدن آبادیاں آگئی تھیں۔ ضرورت تھی کہ انتظام حکومت کی ایک طاقتور روح پیدا کی جاتی۔ یہ روح ضرور پیدا ہوتی، اگر علوم دینیہ کی حقیقی روح باقی رہتی اور تقلید و تنگ نظری نے فقہاء کے دماغ عقیم نہ کر دیے ہوتے۔ لیکن افسوس کہ حالت دوسری تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رز بروز حکومت کا انتظامی مزاج مختل ہونے لگا۔ حتیٰ کہ یورپ کے مورخین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ”اسلام کے احکام کی روح ہی حاکمانہ انتظام (ادمنسٹریشن) کے خلاف ہے“ حالانکہ اسلام ہی روح مخالف نہیں ہے۔ مسلمانوں کا دماغی تغزل مخالف ہے۔

(دور اصلاح)

سنہ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) سے سنہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ع) تک

دھر ترکی مدافعاتی جنگوں میں مصروف تھی۔ روس اور آسٹریا کے حملوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ ادھر یورپ میں ایک نئی تہذیب پھیل رہی تھی، جدید تمدن زندگی اور ترقی کے نئے نئے دروازے کھل رہا تھا، اور اقوام یورپ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ ایک طرف کامل وقفہ تھا، دوسری طرف یورپی حرکت و سرعت تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ بہت آگے بڑھ گیا اور ترکی جہاں تھی وہیں کی رہیں رہ گئی، بلکہ مسلسل دفاعی جنگوں نے اُسکی چولیں ہلا ڈالیں۔

باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن خود یورپ، جو ہمیشہ اصلاحات کے لیے غل مچایا کرتا تھا، سد راہ ہوا۔ "ملتانی جنگوں کا سلسلہ شروع کرادیا گیا، اور ترکی کے مدبرین اور خزانہ کو اصلاح کی ذرا بھی مہلت نہیں دی گئی۔ اس طرح ۹۸ سال کا زمانہ نکل گیا۔

### زنجی تحریک عربیہ

کچھ عرصہ سے افریقا کے زنجیوں میں آزادی کی تحریک پھیل رہی ہے۔ اس کا مرکز جمہوریہ "لیبری" میں ہے۔ مرقس گاربی صدر انجمن "آزادی جنس زنجی" نے اعلان کیا ہے کہ نصف صدی کے اندر اندر افریقا کے سیاہ آدمی اس قابل ہو جائیں گے کہ اپنے اپنے خود حکومت کرنے لگیں اور پورے افریقا کی متعدد جمہوریت قائم کرلیں۔ صدر نے کام کی موجودہ مشکلات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے: ہم فی الحال تقریر و تحریر کے ذریعہ پریکٹس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ باشندوں میں تعلیم مفقود ہے۔ لیکن ہمارے پاس ایک معقول ذریعہ موجود ہے، اور وہ "دھول" ہے۔ ہم دھول پر اپنی دعوت ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ تک پہنچا دیتے ہیں اور باشندے آتے قبول کرتے جاتے ہیں۔

(پارلیمنٹری گالیاں)

پارلیمنٹوں میں ہمیشہ تعلیم یافتہ آدمی بیٹھتے ہیں۔ با ایں ہمہ ان کی گالیوں کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

سرویا کی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے ایک مقرر کو مخاطب کر کے کہا: "چرس پیفے والے؟ مردہ کھوپڑیوں کے سوداگر! عرب کے قاتل! جرمن پارلیمنٹ میں ایک ممبر نے دوسرے سے کہا: "تو سزا ہوا سرور ہے! تو کیڑے پڑا ہوا جسم ہے! تو دیوانوں کا بادشاہ ہے!"

"تو بوڑھے بھڑکے! تو قانون کا تاجر ہے! تو آفرینڈی شکری کی رسی ہے! تو کرامول کے زمانہ کا سزا ہوا جیتھو ہے!" یہ انگریزی پارلیمنٹ میں ایک ممبر کا بیان تھا!

## WANTED.

Urdu Trained Mistresses for the Karachi Municipal Urdu Girls Schools on the following salary:

|                   | Pay      | Allowance | Total    |
|-------------------|----------|-----------|----------|
| 1st Year (Junior) | Rs. 50/- | Rs. 10/-  | Rs. 60/- |
| 2nd Year          | „ 55/-   | „ 10/-    | „ 65/-   |
| 3rd Year (Senior) | „ 65/-   | „ 10/-    | „ 75/-   |

The above posts are pensionable and governed by the Municipal Pension & Provident Fund Rules. The appointments will be on 2 years' contract in the first instance. Apply with full details; also age, nationality with copies of testimonials, if any. Applications should reach the Undersigned on or before 1.11.1927. Those already in service, should apply through their authorities under whom they are employed.

Sd. V. G. PRADHAN,  
Administrative Officer.  
SCHOOL BOARD,  
KARACHI MUNICIPALITY, (I.H)

سلطان محمود ثانی تک ترک اپنی عظمت و سرگرمی کی وجہ سے علم و فن کی ہر نئی بات کو نفرت کی نظریے دیکھتے تھے۔ صرف توپ خانہ اور طبعت کی چند اصلاحات منظور کی گئی تھیں۔ باقی تمام علمی و صناعی انکشافات سے غفلت و اعراض تھا۔ مشہور ترکی مورخ جودت پاشا نے اپنی تاریخ میں ترکوں کا ذہنی جمود دکھایا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "رسمی احمد آفندی نے سلطان مصطفی ثالث کے زمانہ میں یورپ کی سیاحت کی تھی۔ واپس آکر سلطان کے ایک مقرب خاص یوسف آفندی سے یہاں کیا کہ دول یورپ اپنے ملکوں کے حفظان صحت پر بہت متوجہ ہیں۔ جا بجا قرنطینے قائم کیے گئے ہیں۔ سلطنت عثمانیہ کو بھی یہی کرنا چاہیے۔ لائق صاحب نے یہ سنکر پیشانی پر بل ڈال لیے اور کہا "میں تمہیں اب تک عقلمند سمجھتا تھا، مگر تم سخت احمق نکلتے، تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ یورپ کے لوگ ہمارے ملک میں صرف بیماریوں کے دوسرے نہیں آتے۔ اگر ہم حفظان صحت کا انتظام کر دینگے تو ظاہر ہے، یہ زرک اٹھ جائیگی، اور یورپین ہماری سرزمین پر چھوٹی کی طرح پھیل جائیں گے۔ پھر ہم انہیں کیسے قابو میں رکھ سکیں گے؟"

یہ بات نہیں ہے کہ ترکی میں کسی کو بھی اصلاح کا خیال نہ تھا۔ خود سلطان مصطفی ثالث اور سلیم ثالث اصلاح کے بڑے حامی تھے۔ مگر بالکل مجبور تھے۔ اصلاح کی سب سے بڑی مخالفت فوج اور عامۃ الناس کی طرف سے ہوتی تھی۔ ینگ چری فوجوں کو جد سے زیادہ اقتدار حاصل ہو گیا تھا، سلطان انکے ہاتھ میں کھلونا تھا۔ یہ فوجیں سخت جاہل اور گنوار تھیں۔ کسی طرح کی اصلاح دیکھنا نہیں چاہتی تھیں۔ علم رعایا سرکاری علماء کے ہاتھوں میں تھی، اور معلوم ہے کہ علماء دوات ہر زمانہ میں اصلاح کے سب سے بڑے مخالف ہوتے ہیں۔ اصلاح کی ہر صدا ان علماء سرو کے مذہب میں کفر و العاد کی صدا تھی۔ وہ ایک لمحہ کیلیے بھی گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ علم کی ایک شعاع بھی ترکی کے آسمان پر چمکے۔

سب سے پہلے سلطان محمود ثانی کو اصلاح کی توفیق ملی۔ یہ سلطان بڑا ہی اولوالعزم تھا۔ اس نے ینگ چری فوجوں کا قتل عام کر کے خاتمہ کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی ہیبت دلوں پر چھا گئی، اور علماء دولت بھی باوجود اپنی تمام سرکشیوں کے لرزے لگے۔ اس سلطان نے اصلاح کے لئے اپنی سلطنت کے دروازے کھول دیے اور فوج کا نظام بالکل جدید کر دیا۔ عام ترکی لباس بھی ترک کر دیا گیا۔ اور خود سلطان نے نیا فوجی لباس پہنکر اس کی ابتدا کر دی۔ مگر افسوس ہے کہ اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ یورپ تو قازق ہو کر از سر نو ترکی کی تباہی پرتل گیا تھا، اور مرکز نہیں چاہتا تھا کہ یہ پرانا حریف از سر نو طاقت حاصل کر لے۔ چنانچہ ترکی کی ماتحت عیسائی اقوام سے بغاوت کرائی گئی، ان کی حمایت و حفاظت کے لیے مداخلت کا مطالبہ کیا گیا، اور بین الاقوامی سیاست میں "مسئلہ مشرق" کے نام سے ایک جدید لفظ کا اضافہ ہو گیا، جس سے مقصود صرف یہ تھا کہ ترکی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ سلطان محمود اور ان کے بعد سلطان عبد المجید نے اصلاحات عام کرنے کی سر توڑ کوششیں کیں، شیخ الاسلام احمد عارف آفندی نے تمام قلمروں میں دورہ کر کے مسلمانوں کو سمجھانا شروع کیا کہ اصلاحات شریعت کے خلاف نہیں ہیں، اور انہیں نفرت و رنجش کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ اس طرح تمدنی اصلاحات کی راہ میں کوئی بھی اندرونی رکاوٹ



## مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفیٰ اپشتا انفصل

ادراک اصلاحیہ

(۲)

آہ میرے آقا! میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے اہل مل و ملت میں  
ادراک، نقد و ستودہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔  
وہ اعلیٰ حضرت سے کہتے ہیں کہ دستور بادشاہ کو ایک بے جان کھوپڑی  
بنا دیتا ہے۔ اس کا اختیار ہمیں لیتا ہے۔ اس کی مصلحت سلب کر لیتا ہے۔  
دوسری طرف قوم سے کہتے ہیں، دستور ہمیں مختاری و فرزندیت  
میں دیتا ہے، دین، لباس، رسم و رواج سب خود کر کے گا۔ لیکن یہ  
یا تو دغا باز ہیں، یا جہالت نے ان کی عقل پر پرشہ ڈال دی ہے۔  
میرے آقا! ان لوگوں کے مشورے پر کان نہ دہرائے۔ لے بیڑی  
امت! ان کی گراہی کی پروا نہ کر۔ دستور، صرف خود غرضی کو روکتا ہے  
بادشاہ کی مصلحت اتنی ہی آزادی سلب کرتا ہے کہ وہ ریت کے سلطان  
فعلی دکرے۔ آٹا ہی اختیار چھینتا ہے، جتنے غیر مستقل اختیارات  
شرعیہ دیتا ہے۔ وہ تو ہر ایک کی ایسا حکم نہیں لگاتا جو اس کی فوج کے  
خلاف یا اس کی سعادت کے منافی ہو۔ وہ دین کی حفاظت کرتا ہے۔  
سلطنت کا نگہبان ہوتا ہے۔ حقوق کی ضمانت کرتا ہے۔ دلوں میں  
آرام دیتا ہے۔ ہر انسان کو آزاد اور شریف بنا دیتا ہے!

دستور ہمارے لئے یہ موقع ہم پر چاہے گا کہ تمام سلطنتیں  
سے اپنے تعلق اور زیادہ بہتر بنائیں۔ یہاں، اس ملک میں، اس  
لوہ میں، کوئی نہیں جانتا کہ ہمارے معاملات میں مغرور دول کی مصلحت  
لے کر کتنا نقصان پہنچا ہے؟ یہ لوگ برابر اصلاح، اصلاح چاہتے ہیں  
مگر سب معلوم ہے کہ اس مطالبہ سے ان کا مقصد ایک قوم کو دوسری  
قوم پر ترجیح دینا ہے، یا اس سے ان کی غرض بعض افراد کی خدمت ہے  
یہ اور بھی زیادہ برا اور نقصان دہ ہے۔ لیکن دستور، ہماری حکومت  
ایسی حکم مینا دوں پر قائم کرے کہ کسی اجنبی کی مداخلت کی جواز نہ  
ہو۔ تمام دنیا اپنی حکومت کے ظل حمایت میں ہوگی۔ سب اہل  
دعائے انصاف کے سایہ میں یکساں امن لے گا۔ دستور کے سامنے سب  
آدمی برابر برابر ہو جائیں گے۔

میرے آقا! وقت آگیا ہے کہ اسلاف کی سلطنت کو آپ بچالیں۔  
اس کی دایں ہاتھ خن اور ہاتھ آئندوں کی قربانیاں عظیم  
ہیں۔ اس کا ماضی، شام و عشا، اس کا حاضر، حسرت ناک ہے۔ آہ  
یہ حاضر خود اعلیٰ حضرت کے جرم قلب کے لئے کیا کس دور تکلیف دہ  
ہو؟ ہمارے گرد و چڑچڑہیں ہکا بکا رہی ہے۔ ہمارے ہاتھ کی چڑچڑی آؤ  
لوٹتی جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی مدد میں نظریہ ہمارے سامنے ہے۔ دیکھ  
رہی ہیں۔ محالہ، سنجیدہ اور دانتی ہے۔ خیال تو یہ کہ اس میں کچھ نہیں  
آگے پاس اتنی فصاحت و مروجہ کہ اجنبی ایندھن سے بڑھنے کے دلائل پر تکیہ  
کی آگ، بجھائے کچھ ہے۔ لیکن اس فوج کے پاس نہ تو کھانا ہے نہ کپڑے  
کا پیٹ پلے کھانے کی مصلحت ہے کہ مطلب کے دلوں میں آگ کے، اور  
نہی بلایا کھنٹ نڈل کو اپنے دار و حفاظت میں لے لے گا۔  
کاظم رکھ کے سب مل جل کر اپنے ملک میں نئے نئے خیالات  
لے کر کھیلنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ کی اس شخص میں جلد  
کیا ہے؟ بہت عرصہ فیصلہ کے ہولناک دن میں ہم نے کچھ نہیں  
بدلت اور بھی زیادہ کمزور ہو گئے، اور غیر ثابت ہوں۔

میرے آقا! ہر سال جو گزرتا ہے، ہمارے بزدلی مددگاروں کی  
کم تر انداز ہمارے داخلی زندگی کا ایک چراغ بجھاتا ہے۔ یہ بجھتا  
ہمارے سامنے موجود ہے۔ اب وہ ہماری ارادہ کا دیا خواہش نہیں  
جیسا اب اس پر چلے گا۔ یہاں، جیسی سے شکست کھانے کے بعد  
منہ ہونے سے زیادہ مشی سلطنت بن گیا ہے۔ اب وہ سلاویوں  
سے قریب حاصل کر رہا ہے جو ہماری سوز میں ہیں۔ اس کی  
زیادہ اندیشہ کی بات ہے کہ لوہ کی عام لئے ہمارے بظاہر  
ہو۔ مشیہ میں وہ ہمارے نظر انداز ہے، مگر مذہب میں سے مشیہ

کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کسان، جنگوں میں لے لے لے پھرتے تھے  
نقد و فائدہ لے انھیں جہانوں کی سی مخلوق بنا دیتا تھا۔ کوئی بھی محنت و  
مشقت کی طرف ذہن ظاہر نہیں کرتا تھا۔

لیکن صرف جس برس کی مدت کے بعد اب فرانس، فرانس ہو گیا  
ہو۔ تمدن و تہذیب کا مرکز ہو علوم و صنائع سے لالہ لالہ ہو۔ کیر آقا!  
یہ حیرت انگیز تبدیلی، صرف نظام حکومت کی تبدیلی کا نتیجہ تھی۔ مستحکم  
نے ملک کو دیرین کرڈالا تھا۔ آزاد حکومت نے آتے ہی اس میں دُور  
پھرنے کی۔ ایسی روح جس نے آسے زندہ، جوان، طاقتور، اندر شمال  
بنایا۔ وہ حقیقت فرانس پر آزادی کا بہت ہی عظیم احسان ہے۔

میرے آقا! آزادی، قوموں کو زندہ کر دیتی ہے۔ صرف معنوی زندگی  
ہی نہیں، بلکہ زندگی بھی بخشی ہے۔ جب انسان اپنے حقوق سے محروم  
ہو جاتا ہے، تو ناکاہ ہو جاتا ہے۔ اس کے تمام جسمانی و معنوی قوتیں ضائع  
ہو جاتے ہیں۔

میرے آقا! جب قوم کی وہ حالت ہو جائے، جو اب عرض کر چکا  
ہوں۔ زائد، اس کے اخلاق پر دست و داری کوئے، غفلت، آہستہ  
آہستہ اس کی عقل پر مادی ہوتی جائے، نقد و فائدہ اس کو خن چھینے  
لگے، اور سلطنت کے خزانے خالی ہو جائیں، تو ایسی حالت میں ہر  
وطن اور مملکت کو کامرین ہو جاتا ہے کہ صرف اصلاح کے مطالبہ ہے۔  
تاہم نہ ہو جائے بلکہ مل کا فوری قدم بھی اٹھائے۔ اصلاح ایک بے  
معنی لفظ ہے اگر اس کے ساتھ مل نہ ہو۔ کچھ تو انہیں کہیں سے دیکھ  
کیا گیا؟ کچھ نظام بنائے گئے؟ کچھ مل پر ہاتھ ملانے نہیں آیا۔  
انہیں ہم پر غرض ہے کہ ایک قوم کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے  
عقل و حکم کے ذریعہ انتہائی تعلیم و ترقی کے ساتھ پیش کریں۔

میرے آقا! آپ اس مملکت کا ہاتھ بچھلے اور اس کا شباب  
توانہ کر لیں۔ دستور (یعنی دستور نظام حکومت) کا ہاتھ بڑھائے اور  
اسے اقبال و جلال سے نچھل لیں۔ اس کا دنیا دستور بن جائے  
جو تمدن ہو، سید کشادہ ہو، نیک ہو۔ پھر اسے اپنی اہل و عیال  
سے لے لیں۔ ایسا نظام قائم کیے کہ وہ اصلاح سے جلدی ہو، امانت کو  
آپس مل کر لیا جائے، اور ہر شے کے لئے دست و داریوں سے محفوظ رہے  
ایسا دستور جس کے سامنے مسلم و غیر مسلم، مذہب و اپنے حقوق و عبادت  
میں ہر مل جلے، ایک ہی اتحاد بن جائے۔ سب کو سلاست و سنجیدگی  
لے لے، اور فریبوں کا یہ کلیہ ٹوٹ جائے کہ غالب اور مغلوب ہیں  
اتحاد، محال ہے۔

میرے آقا! اہل لب کہتے ہیں کہ ہماری کردہ اصلاحات ہماری  
قومیت اور ہمارے دین کی دہر سے ہو۔ نیز کہتے ہیں کہ ہم فوجی زندگی  
بسر کرنے کے علاوہ اور کسی بات کے لئے موزوں ہی نہیں۔ حالانکہ ان  
یہ خیال حقیقت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ہماری امت دنیا کی  
دوسری امتوں سے کوئی مستثنیٰ صورت حال نہیں رکھتی۔ جس طرح دنیا  
کی مختلف قومیں ابتدائی جنگی قوت سے نمایاں ہوئیں، اگلاسی ہوتی  
لے استقلال پیدا کرے، اور پھر علوم و صنائع اور تمام اعمال و رتبہ کے  
لئے دستور و قوانین، اسی طرح ہم بھی اپنی جنگی شجاعت سے دنیا میں نمایاں  
ہوئے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ترقی و سعادت کے تمام اعمال کی طرف تمام  
ذہن ہائیں۔ قوم کی ابتدائی حرکت کو لڑائی میں ظاہر ہوئی ہو چکی ہے۔  
مصدقہ دلائل کا ایک ہی ہوتا ہے اور وہ حرکت کی استعداد ہے۔ جبر  
استعداد ہے، اس کی راہ بھی رک نہیں سکتی۔ خود لوہ کی مختلف قوموں  
کا اٹھنا ہماری ہی طرح جنگی عسکریت سے ہوا ہے، اور اب وہ تمدن  
و صنائع کے میدان میں سب پیش پیش ہیں۔

اسی طرح ہمارے دین پر بھی الزام صحیح نہیں۔ اس میں کل طرح دنیا  
کے تمام مذہب کی بھی تعلیم ہے جو ہر مذہب کا خدشات، مشیت الہی کے تحت  
ہو۔ یہ میدان کے مقدمے اس ہمارے میں ہمارے عقیدوں سے نہیں لڑا  
سکتا ہے۔ وہ مذہب جو پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ ان کے دلوں میں  
کی تعلیم ہے کہ انسان، پروردگار کے ہاتھ میں ایسا ہے، جسے کچھ بھی  
مٹی کھانے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی لے کر آقا!  
انھیں ہماری اور ہستی حاصل کر لے گا کہ کی چیز روک نہ سکے۔

جن کا اظہار ضروری ہے۔ ہمیں میں چہرے ان کی کل معنی ملی قوم  
سے روک دیا ہے، وہ ہاں لفظ حکومت ہے۔ جس حکومت میں یہاں  
زادہ کہ ایک انسان دوسرے انسان کی محنت سے بغیر اخلاق کے  
نفع اٹھائے، وہاں داخل ترقی پاس ہو، نہ خوشحالی، عام فلاح  
جس ملک میں ہی ظاہر ہو جاتا ہے، مخلوق مل سے کنا کش ہو جاتی  
ہو۔ کیونکہ اسے اپنی محنت سے متعلق ہونے کا حق نہیں ہوتا۔

فرانس کی حالت ہمارے سامنے ہے۔ یہ خوبصورت ملک جس طرح  
اعلیٰ اصول و معنی پر مشتمل ہے پہلے سخت غفلت و غفلت میں رہا تھا  
تاکہ اسے فلاحی دستور حکومت آئے اور ترقی و ترقی کو شریک کی محنت  
دور از دور جہاد و جدوجہد کو رواج دیں، گھسی حرکت و زندگی  
پیدا کرے، مگر کام ہے۔ ملک نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ اس  
حالت یہ تھی کہ ظلم و استبداد ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ رعایا اپنی محنت سے



جاتی ہو۔ اگر اعلیٰ حضرت، مہرانی فرما کر تیس، لندن، اور روم کے اجازت پر ایک نظرداں تو معلوم ہو جائے گا کہ جو قوم اپنی مصلحت ہمارے نو کیا کرتی تھیں، اب وہ ہماری جاہلی کا یقین کرنے لگی ہیں۔ انکھٹا، فرانس، اور اٹلی کے بہت سے مدبر ہمارے حکام کی حرکتیں دیکھ کر اور رعایا پر ظلم و ستم شاہدہ کر کے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اعلان کرنے لگے ہیں۔ یہ حکومت ہرگز اپنی اصلاح نہیں کر سکتی۔ اس کو زوال یقینی ہو ہم بھی اسے چھوڑ دیں۔ اس کی موت جلد واقع ہو جائے دیں! میرے آقا! ہم اپنی پیشین گوئیوں کی تکذیب کر دینی چاہتے ہیں یہ اسی وقت ممکن ہو کہ اپنی حکومت میں تبدیلی کر سں۔ یہ تبدیلی ضرور ہوتی ہوگی، کیونکہ اعلیٰ حضرت کے ارادے اور حکم سے ہوگی۔ ہم فرانس، انکھٹا اور اٹلی پر ثابت کر دیں کہ نہ ہماری قومیت نے ہمیں اس کو ردی اور مذاہن بن کر رکھا ہو، نہ یہ ہمارے مقدسین ہی کا اقتضا ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مرچکے ہیں! ہم زندگی کی طرح عمل کر کے دکھا دیں کہ ہمیں مے نہیں ہیں، زندہ ہیں!

میرے آقا! ہم پہلی قوم نہیں ہیں جس نے یسوع مسیح نے یسوع مسیح کی ہر خوبی بگاڑ ڈالی ہو، اور اس کے تمام قویٰ کمزور کر ڈالے ہیں۔ ہم آخری قوم بھی نہیں ہونگے جس کی ایسی زبوں حالت ہوئی ہو۔ یورپ میں بھی بہت سی ایسی قومیں ہیں جن پر زمانہ اپنی تمام مصیبتوں کا سہہ ڈٹ پڑا ہو، اور ان کا حال بھی بالکل ہمارے مسیحا ہوگا ہو۔ میں اعلیٰ حضرت کے دوبرہنہ عرض کر چکا ہوں کہ گزشتہ صدی میں فرانسیسی قوم کس قدر تباہ ہو گئی تھی۔ کس طرح اس کی صنعت و حرفت برباد ہو گئی تھی۔ کس قدر اس کی ثروت کمزور ہو گئی تھی کہ ہر دس سال کے بعد دوبارہ ہونا پڑتی تھی۔ کس طرح اس کے تمام طبقوں پر ظلم ہو رہا تھا، حتیٰ کہ اس وقت کے ایک مدبر نے لکھی باز دہم سے کہا تھا: ”آپ کی سلطنت میں کوئی نہیں جو اپنی غرت پر غور کرے اور دیر کے انتقام سے بچ جائے۔ کوئی نہیں جو اپنی برعادی پر صبر و شکر کرے اور ایک خیر چرائی کے غصے بھی نہ بچ سکے!“ اس ملک میں حکومت کا کوئی رعب و دبر باقی نہ رہا تھا۔ اس کے سامنے عمل کی تمام راہیں بند ہو گئی تھیں۔ حساس گم ہو گئے تھے مدد ایک نئی روش اختیار کر لی اور بدلتی تھی۔ جنگ ہفت سالہ کے بعد تو فرانس گھر گھر تیسرے درجے کی دولت کے نعرے میں شمار ہونے لگا تھا۔ لیکن آئیں پھر بہت جلد اپنی اصلی جگہ حاصل کر لی چند سال میں اس کی تمام برباد قوتیں واپس آئیں۔ حتیٰ کہ اس کی فوجوں نے پورے یورپ کی صفحہ بلیا کر رکھی۔

یہ صورت، انگریز کامیابی فرانس نے کیونکر حاصل کی؟ صرف اس وجہ سے کہ اس نے حکومت کے دوسرے نظام کی جگہ ایک نیا مسیح پرورد نظام قائم کر دیا تھا۔ بلاشبہ یہ شاہد تبدیلی مصائب سے خالی نہ تھی۔ بہت سا خون بہا، بہت سے انسانوں کے۔ مگر یہ مصائب کچھ اپنی تبدیلی کا لازمی نتیجہ نہ تھیں۔ بلکہ مصائب کی اصلی وجہ یہ تھی کہ تبدیلی اس وقت واقع ہوئی جب اس کے لئے ذرا بھی وقت باقی نہ رہا تھا۔ بالکل آخری لمحہ تھا وہ لمحہ جس میں اگر قومیں اٹھ پڑتی ہیں، تو ان کا اٹھنا برا ہی ہوتا ہے۔

میرے آقا! ایک فرانسیسی قوم ہی ایسی نہیں ہو چاہئے مصائب سے سچے سلام خلی تائی ہو۔ فرانس کے علاوہ اور بھی ایسی قومیں موجود ہیں۔ ریاست چیمبرلٹی (اٹلی) کے نواب نے آدرو کی عظیم الشان کتابیں قوم کا بادشاہ ہو جائے۔ وہ بادشاہ ہو گیا! کیونکہ اسے کوئی فوج جمع نہیں کی، کوئی سالار طیار نہیں کیا۔ اسے صرف یہ کیا کہ قوم کو ایک آزاد دستہ حکومت بخش دیا۔ اس بخشش کے ساتھ ہی اس کی فتوحات شریعت ہو گئیں۔ زمین کی فتوحات نہیں جن پر پھر وہیں کیا جاسکتا، دولت کی ذمہ داری دنیا کی حقیقی فتوحات ہیں۔ وہ پورے اٹلی کے دروں اور

عقلوں پر قابض ہو گیا۔ مرتے وقت اسے جسم لوہے سے پیشین گوئی کی تھی ”میرے بیٹے کو طرعاؤں کی سلطنت کا قہ میری ریاست کے رفیع ترین گنا زیادہ ہوگا۔ دینا لے دیکھ لیا کہ بڑھاپہ ناب کی پیشین گوئی بالکل حق تھی، یہ کیوں ہوا؟ صرف اس وجہ سے کہ دانشمند حکمران نے ٹھیک وقت پر آزادی کا لفظ اپنی زبان سے کہا تھا، وہ لفظ جو اپنے تین حرفوں میں دنیا کی تمام سعادتیں اور کامرانیوں پوشیدہ رکھتا ہو!

میرے پاس اس سے بھی زیادہ روشن اور صاف مثالیں موجود ہیں اور اس کی سچی ہیں کہ اعلیٰ حضرت ان پر نظر فائز دلائل۔ لیکن میں اس عرض میں ان سب کو ذکر نہیں کر سکتا۔ میں اسٹریٹا کا ذکر کروں جو اپنی دستور کی آزادی کے سلسلے وقت کے عظیم خطروں سے محفوظ کر دیا ہو؟ برطانیہ کا ذکر کروں جو ابھی کل کی بات ہو کہ اپنی تہذیب کی بدلت میدان جنگ سے ٹھنڈی ہو چکی ہو؟ لیکن مجھے زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ میں جس قدر عرض کر چکا ہوں، اعلیٰ حضرت کو مطمئن کرنے کے لئے کافی ہے۔

اعلیٰ حضرت! قوموں کی آزادی ان کا حق ہے۔ ان کی امانت ہے۔ ان کا درد ہے۔ اور حکومتوں کا فرض ہے کہ اس امانت کے پیکر کو اپنے میں تباہ نہ کریں۔ یہ سپردگی ان کی قوت بڑھاتی ہو اور انھیں ہر طرح کے خطروں سے محفوظ کر دیتی ہو۔ آج دنیا کی تمام حکومتیں اس امانت کی سپردگی پر مجبور ہو گئی ہیں۔ کوئی وجہ ہے کہ عثمانی حکومت اس عام اجتماعی حالت سے مستثنیٰ تصور کر لیا جائے؟ کیا ترکی قوم زمرہ اقوام میں شامل نہیں ہے؟

پھر ایسا کیوں ہو؟ کیا اس نے کہا راہیں ہیں ترقی و سعادت سے محروم رکھنا اور تمدن و دانشمندی سے دور رکھنا چاہتا ہو؟ میرا جلیل القدر آقا مجھ سے زیادہ واقف ہو کہ ایک لوہے کے لئے یہ گمان صحیح نہیں ہو سکتا۔

میرے آقا! اس دنیا میں دویا سیتیں نہیں ہیں: اسلامی اور عیسائی۔ مل ایک ہی ہے، اور ریاست اس عمل کے سوا کچھ نہیں جو حکم کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہو۔

یہ ہمارا دین نہیں ہے بلکہ ہمارا قدیم نظام ہے جو ہمیں ناکارہ ہو۔ اس نے ہمارے مدبروں کی طبیعت بگاڑ دی اور ان کی خودداری ناکل کر دی پھر ان مدبروں نے سلطنت کی طبیعت بگاڑ دی اور اس کی عزت تلف ہو گئی۔ پس ہمیں یہ نظام ترک کر دینا چاہئے اور اس کی طرف کبھی لوٹنا نہیں چاہئے۔ اس نظام کے بوجھ کے نیچے امت پڑی بسک رہی ہو۔ یہ نظام حملہ آور دشمن سے ہمیں کبھی پناہ نہیں دے سکتا۔ ہمیں وہ نظام اختیار کرنا چاہئے جو عدل و مساوات اور حریت و مساوات کا مظہر ہو، اندھا قہ سے ہو کہ جہاں کہیں قائم ہو جائے وہاں توہوں کو ہاتھ پیر کر اٹھا دیتا ہو اور عظمت کے محل طیار کر دیتا ہو۔

کیا ہمارے لئے یہ زیادہ ہے کہ وہ سب جو ابھی حال میں ہم سے جدا ہوئے ہیں انھیں اپنے خون یا دین کے لحاظ سے ہم پر کوئی ترجیح حاصل نہیں، آزاد نظام حکومت کا ضرر مقدم کر سں، اور ہم لوں میں جیٹے دیں؟ کیا آپ کی سلطنت میں ایسے بچے اور خلع و بطن ہو جو ہمیں جیسے تمہارے، ٹونس، مولداویا، رومانیہ، اور سربہ ہیں؟ انہیں نہیں فخر ہے۔ انھیں بلانے، وہ سر کے بل نڈ کر آئیں گے۔ ہر شہر میں رعایا کی پسند سے ایک گروہ منتخب کیجئے، وہ آپ کے سامنے رحمت کے معاملات بے نقاب کر دے گا، اور پھر وہ راہ عمل باز ہو جائے گی جس کی جانب حضوری ابوی شفتت کا رجحان ہے۔ اس کے بعد اپنے شاہانہ ارادے سے رعایا کے نمائندوں کو اپنی سلطنت کے مرکز میں جمع کیجئے۔ وہ عرشِ عظم کے زور و رحمت کی ضرورتیں پیش کرینگے اور معتدبہ عالیہ تک اس کی آرزویاں پوری بنائیں گے۔

ایک طلبہ کا کہنا تھا ”مجھے ایک گز پڑا، میں تھیں ایک ٹرین آدمی سے دوں گا“۔ اے میرے آقا! آپ بھی اپنی سرپرستی میں حقوق عطا کر کے اپنی رعایا کو محنتی، اولوالعزم، اور زندہ بنائے سکتے ہیں۔ وہ آزادی کی بخشش پر حضور کی شکر گزار ہوگی، ظلم اٹھ جانے پر دعا مانگے گی۔ آپ کی خدمت کے لئے اپنی جان قربان کرے گی۔ آپ کی اپنی اور سلطنت کی بھلائی کے لئے کوشش کرے گی۔ اس کی عقل درست ہو جائے گی۔ اس کا نفس پاک ہو جائے گا، اور اس طرح وہ اسلام کی فضیلتیں دوبارہ حاصل کر لے گی۔ جب خطرے کا بجل بجے گا، تو وہ ہتھیلیں پر سرے کر دے گی، عرشِ عظم کے گرد جمع ہو جائے گی، اور اعلیٰ حضرت کی نصرت میں خوش و خرم موت کا خیر مقدم بجالائے گی۔ یہ وہ کچھ ہے، اس کی تمام سعادتوں کا سامان حشر یہی عرش مبارک ہے۔ میں یہاں اس دستور کی نظم حکومت کی تشریح کرنی نہیں چاہتا۔ جیسے میں ملک کی قابلیت، اخلاق، اور دیات کے مطابق دیکھنے کا متہی ہوں۔ میں مغرب سے یہ دستور اعلیٰ حضرت کے حضور میں پیش کر دے گا۔ اسے میں نے اور میرے رفقاء نے ترتیب دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے علم میں یہ حقیقت پہلے سے موجود ہے کہ میں صاحب غرض نہیں ہوں۔ مجھے نہ کسی منصب کی طلب ہے نہ کسی عہدے اور بخشش کی آرزو۔ میری غرض صرف اس قدر ہے، اور میں بلند آہنگی سے اس کا اعلان کرتا ہوں، کہ اعلیٰ حضرت کے دوبرہنہ سلطنت کی عظیم اکثریت یعنی مسلمانوں اور عیسویوں کی آرزو رکھ دوں۔ یقیناً جلا وطنی کی تمام تخیال مجھ پر آسان ہو جائیں گی اگر ذات شاہانہ کے سامنے حقیقت عریان پیش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت سلطانِ عظم! سب سے پہلے خود اپنے صیراطِ طہار کی طرف رجوع کیجئے کہ وہ اس زمانے میں آپ کا کیا فرض بتا رہا ہو، جبکہ آپ کی رحمت حیرت میں پڑ گئی ہو اور پورے عہد میں تباہ ہو رہی ہو؟ یہ ایک جلیل القدر عمل ہے۔ اسے ہی انجام دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے غم شہادت کا دمعت عطا فرمایا ہو۔ جو کوئی بھی عظیم انجام دے گا، تاریخ اس کا نام ہمیشہ یاد رکھے گی اور تمام مخلوق اس کا نام عزت و شکر گزراؤ کے ساتھ قیامت پہنچے گی!

میرے آقا! اگر زمانے نے حضور والا کو وہ شرف نہیں بخشا جو کہ اجداد کے حصے میں آیا تھا، یعنی آپ کے ہاتھوں اس عظیم سلطنت کی بنیاد نہیں پڑی، تو زمانے نے یہ شرف آپ کے لئے محفوظ رکھ چھوڑا تھا کہ اس سلطنت کی عظمت و رفہ دوبارہ واپس لانے کا کام آپ ہی کے دست مبارک سے انجام پائے۔ تمام صادق ایمان وطن بلکہ آپ کی کردار مسلمان اور عیسوی رعایا کی آوازیں اس موت میں میری شریک ہیں حضور! میں عظیمداشت کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت ہی اس کے اہل ہیں۔ یہ شرف حضور کے اسم گرامی کو ان عطا فرمایا ہے کہ انھوں نے ان کی صف میں لکھ دیا کہ جن کی تمام مخلوق تعلیم کرتی اور جن کی عظمت کے راگ تمام قومیں گاد رہی ہیں۔

مصلطہ فاضل برہم

## خط و کتابت

میں

اپنا نمبر ضرور لکھا کیجئے جو ہر ہفتہ رسالہ کی چٹ پر

آپ کے نام کے ساتھ مروج ہوتا ہے۔

منیر

# برید شرق

## مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار قلمیہ کے قلم سے)

قصر یلدرز کے ہوٹل کی بندش۔ مجلس کے انتخابات۔ ایک نئی سازش۔ ترک اور افغان۔ ترکی اور ایران

### قصر یلدرز کے طبع کی بندش

آپ کے قارئین، قمریہ کے نام سے نا آشنا ہو گئے یہی وہ محل بلکہ قلعہ ہے جس میں میر کر سلطان عبدالحمید ثانی نے ۳۳ سال تک ایسے استبداد و قہر کی حکومت کی، جو موجودہ دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی!

یلدرز، باسفورس کے یورپی ساحل پر واقع ہے۔ اس کا پہلا بھا، بالکل لب سمندر ہے۔ یہاں سے منور کے گھنے اور خوبصورت جنگل شروع ہوجاتے ہیں۔ انیس طے کے محل تک پہنچنے کے لئے تیز موٹر کار میں بھی کم سے کم پندرہ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ بہت لمبی پر محل، محکم قلعہ کی طرح کھڑا ہے۔ پہلے اس کے گرد سیلوں تک، موبچے اور قلعہ بنیادیں تھیں اس زمانے میں یلدرز کا نام ترکوں کے دل لرزادینا تھا۔ یلدرز کا نام لینا، یلدرز کا ذکر کرنا، یلدرز کا لفظ جویر میں لانا، یلدرز کی طرف نظر اٹھانا، یہ سب باتیں انسان کو حکومت کی نظریں شہر کرنے کے لئے کافی تھیں۔ اس وقت بڑے بڑے حکام کے ہوا، کسی ترک کے دم میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اندر سے یلدرز کی کبھی جھلک دیکھ لے سکتا ہے!

۳۳ سال کے بعد یلدرز کا یہ ظلم ٹوٹا۔ سلطان محمد خامس جو کم زمانے میں اس کی وہ ہیبت باقی نہیں رہی۔ لیکن عوام کے لئے اس کا دغلا بھی ناممکن تھا۔

جدید الدین محمد سادس، آخری عثمانی سلطان کے زمانے میں پھر یلدرز نے اپنا رعب واپس لینا شروع کر دیا تھا۔ یہ سلطان، اپنے بھائی عبدالحمید کی سی طبیعت رکھتا تھا، اور اسی جبروت سے حکومت کرنی چاہتا تھا۔ مگر زمانے کے انقلابات نے اسے ملت نہ دی اسے تخت سلطنت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجانا پڑا۔

آخری خلیفہ، سلطان عبدالحمید کے مختصر عہد میں یلدرز کی تمام ہیبت زائل ہو گئی جمہوریت نے آتے ہی اس کے دروازے عام خلق کے لئے کھول دیئے۔

جمہوری حکومت نے یہ محل آستانہ کی بلدیہ (میونسپلٹی) کو عے دیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ اس طرح استعمال میں لایا جائے کہ شہر کے باشندوں کی خوشحالی میں ترقی ہو۔ اور اس کے قیام و مصارف کا بار خزانہ حکومت پر نہ پڑے۔ اسی زمانے میں ایک آلمین سرمایہ دار باؤسیرا نامی نے درخواست پیش کی کہ یہ محل اسے کر دیا جائے۔ وہ اس میں ہوٹل اور لوب (تفریح کی جگہ) قائم کرے گا، اور ایک معقول رقم حکومت کو دیا کرے گا۔ ترکی حکومت نے یہ تجویز اس شرط پر منظور

کر لی کہ ترک باشندوں کو اس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اس کے قیام کا اعلان دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں میں کر دیا گیا حکومت کا خیال تھا کہ اس طرح ترک، اسراف سے بچ جائیں گے اور دوسرے ملکوں کے دولت مند یہاں آکر اپنی دولت بہائیں گے۔ اور اس طرح شہر کو وہ عظیم مالی فوائد حاصل ہوں گے جو اس وقت تک صرف یورپ کے بڑے بڑے شہروں کو حاصل ہو رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہو کہ یہ ارکان حکومت کی بہت بڑی غلطی تھی۔ انھوں نے معاملہ کا صرف ایک ہی پہلو دیکھا، اور تمام پہلو نظر انداز کر دیئے۔

بہر حال آلمین نے شرائط منظور کر لیں اور انفسوس ہو کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ ترکی سلاطین کے پایہ تخت میں لمو لوب کا یہ عظیم الشان مرکز قائم ہو گیا!

ٹھیکہ کی باقی شرطیں یہ تھیں کہ امپائر کرایہ کے علاوہ بلدیہ کو ہوٹل کی آمدنی سے بھی فی صدی ایک معقول رقم بھجوائے گی۔ چنانچہ بلدیہ نے پہلی قسط ۱۰،۳۵،۰۰۰ (ترکی پونڈ) کی ہوٹل کی آمدنی سے وصول کئے اس کے مقابلہ میں سرمایہ دار کو ۱۰ لاکھ ترکی پونڈ نفع ہوا۔

تقریباً ۱۰۰۰۰۰ یعنی یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس تمام مدت میں بلدیہ کو برابر شکایت رہی کہ کرایہ دار معاہدے کی شرطیں پوری نہیں کر رہا ہے۔ ترکی اخبارات میں روز معائنہ شائع ہوتے تھے اور اعداد و شمار ملے کیا جاتا تھا کہ اس لوب سے ترکی قوم کی کتنی دولت منانے ہو رہی ہے؟ کچلے اس کے کہ یورپ کے سرمایہ دار یہاں آکر اپنی دولت صرف کریں، خود ترکوں کی دولت برباد کر کے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ ہوٹل میں علاقہ قرار کھلیا جاتا تھا، اور اس کا شوق ترکوں میں بھی پھیلنے لگا تھا۔ دنیا کی یہ شریف ترین قوم ایک ایک قمار کے ملک مرض سے محفوظ تھی، لیکن اس آلمین سرمایہ دار کی زیر نگرانی اور ارکان حکومت کی ناعاقبتانہ بیجا نے اس سے ترکوں کو بھی آشنا کر دیا!

ایک طرف یہ بربادی پھیلی ہوئی تھی، دوسری طرف یورپ کے دولت مندوں نے گویا اس کا مقابلہ کر رکھا تھا۔ اہل ترکو کرایہ دار نے اس مرکز کا یورپ کے مراکز تفریح میں اعلان ہی نہیں کیا، کیونکہ اس نے دیکھا، مقامی آبادی ہمارے اس کی مطلب برائی کے لئے کافی ہے جو پھر یہ بھی ہوا کہ قومی تعصب کی وجہ سے دوسری قوموں کے دستہ، لنگھن پیرس، برلن کو چھوڑ کر اپنی دولت ترکوں میں ختم کر دینا نہیں کرتے تھے! الحمد للہ کہ ۱۰ ماہ کی غفلت کے بعد اب حکومت متنبہ ہوئی اور اسے فیصلہ کر لیا کہ اس عظیم خطرے کا سد باب کرے۔ چنانچہ کل رات کو کوشش نظیفہ پولیس کی ایک بڑی جمیت نے کراہل یلدرز میں گھس پھسے۔ قمار

خانے میں داخل ہوئے۔ وہاں بازی لگتی ہی تھیں۔ حاضرین میں ایک اچھی تعداد ترکوں کی موجود تھی۔ ایک ترک طالب علم بھی موجود تھا۔ لوگ اسے آسانی بلا سمجھ کر بھاگتے گئے۔ مگر کوشش نہ ہو سکی کہ بھاگے۔

”کھیل ختم ہو گیا۔ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے!“

چنانچہ بے بہوت کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ فوراً ان کے نام لکھے گئے۔ بازی کی فیس جمع کی گئی۔ کل ۳،۰۰،۰۰۰ پونڈ تھے۔ پھر قمار خانے کا صندوق ضبط کیا گیا۔ اس میں ۳،۰۰،۰۰۰ پونڈ تھے۔ ایک شخص اپنی ہی رقم لئے بھاگ رہا تھا، اسے بھی گرفتار کیا گیا۔ پھر محل کے تمام دروازے مقفل کر دیئے گئے اور محافظ بھانگوں پر کھڑے ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد کوشش نے حب ذیل بیان شائع کیا:

”حکومت صرف اس بات کی اجازت دیتی تھی کہ اجنبی لوگ یلدرز میں نہ آجائے تاہم کرتا کہ اس شہر کو مالی منفعت حاصل ہو لیکن اسے تو سیرانے معاہدے کی پابندی نہیں کی اور اسے شہر کے لئے ایک ہنایت خطرناک قمار خانہ دیا۔ جسے کسی حال میں بھی حکومت کو ارا نہیں کر سکتی۔ مجبوراً حکومت نے فیصلہ کر لیا کہ معاہدہ منسوخ کرے اور قوم کو اس مصیبت سے نجات دلائے۔ اس طرح ترکوں کو یلدرز کی مصیبت دوبارہ نجات ملی گئی۔“

### مجلس کے انتخابات

مجلس (پارلیمنٹ) کے انتخابات ختم ہو گئے۔ غازی مصطفیٰ الکمال پاشا کی پوری جماعت انتخابات میں کامیاب ہو گئی۔ کسی دوسری جماعت کا ایک آدمی بھی نئی مجلس میں نہ ہو گا۔ تمام کریاں ”خلق فردوسی“ کے آدمیوں ہی کے قبضہ میں رہیں گی۔

اس کامیابی پر غازی مروج نے قوم کے نام ایک اعلان شائع کیا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

”میرے عزیز برادران وطن نے اپنی متفقہ رائے سے ثابت کر دیا کہ وہ ہماری سیاسی جماعت پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اس کی گزشتہ خدمات بنظر استحسان دیکھتے ہیں، اور اس کے آئندہ مسلک کو مفید تعین کرتے ہیں۔ یقیناً ان کا یہ اعتماد، ہمارے لئے بہت بہت افزا ہے۔ اسے ہمیں مستقبل کی تعمیر کے لئے پہلے سے بھی زیادہ قوت بخشنی ہی ہے۔“

بلاشبہ یہ کامیابی ہے۔ لیکن اس میں ایک پہلو ایسا بھی موجود ہے جو ہر شخص کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے، جیسا کہ کچھ لکھتے ہیں کہ جگہ جگہوں کو موجودہ انتخابات میں اس جمہوری جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعت شریک ہی نہیں ہوئی تھی۔ لہذا ہر حال میں یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ اس جماعت کے امیدوار منتخب ہوجائیں اسے کوئی ایسی کامیابی نہیں کہہ سکتے جو مقابلہ کے بعد حاصل ہوتی ہو۔ یہ اہم پہلو، خود انھوں نے نہ سراہی اخبار ”حاکمیت ملت“ کو بھی زیر بحث لانا پڑا۔ وہ اپنے مقالہ ”انتخابات میں لکھتا ہے:

”دوسرے ملکوں میں انتخابات، مختلف ذہنی مذاہب (اسکول) یا مختلف طبقوں کے ذاتی منافع کی بنا پر ہمارا کرتے ہیں۔ انہیں ہڈوں سپروں سے مختلف سیاسی جماعتیں قائم ہوجاتی ہیں۔ اور ان میں ہر جماعت برسر اقتدار آنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن ترکی میں یہ مصروف حال نہیں ہے۔ یہاں اب تک ایسے طبقے موجود نہیں ہیں جن کے مفاد مختلف ہوں۔ ترکی میں سرمایہ داروں، مزدوروں، اور متوسط طبقوں لوگوں کی جماعتیں موجود نہیں ہیں۔ یہاں صرف ایک ہی قوم ہے، اور تمام باشندے مشترک مفاد و اغراض رکھتے ہیں۔“

”بلاشبہ حالت امن میں یہاں بھی دو فکری رجحان پیدا ہو جاتے ہیں: ایک گردہ کا فکری رجحان ہے ہونا ہو کہ ملک کی نجات و سلامتی ماضی میں، ماضی کی تقلید میں، اور قدیم رسم و رواج کی پابندی میں ہے۔ دوسرے گردہ کی رائے میں کامیابی تمام تر اصلاح و تہجد میں ہے۔ پہلے گردہ میں عامۃ الناس اور غیر تعلیم یافتہ اشخاص داخل ہیں دوسرے

گروہ، تعلیم یافتہ اشخاص کا ہے۔

”یہ دونوں نگرانی دھماکا، ٹرکی میں ۲۰ برس سے متصادم ہو رہے ہیں۔ سیاست، فوج، ادب، علم، کوئی میدان نہیں جس میں یہ دونوں فقط ہائے فکر باہم دست بگریباں نہ ہوں۔“

”لہذا یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر بہت سی جامعیت نہیں تو کم سے کم دو جامعیتیں ملک میں ضرور موجود ہیں اور برسرِ اقتدار آنے کے لئے متضام ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس وقت عملاً صرف ایک ہی سیاسی جماعت موجود ہے اور وہ حامیان اصلاح و تجدید کی ہے۔“

”اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ حامیان اصلاح اپنے مقاصد کا ایک ذیل اعلان کرتے ہیں اور مقررہ منضبط لائحہ عمل لکھتے ہیں۔ برخلاف ان کے حامیان جمود و تقلید میں اپنے مقاصد کے اعلان کی جرات نہیں دے سکتے وہ کوئی عین راہ عمل رکھتے ہی نہیں۔ اس بھی بڑھ کر یہ کہ ان میں باہم کوئی نگرانی رابطہ بھی موجود نہیں جو ایک باقاعدہ جماعتی شکل پیدا کر سکے۔ ہر کوئی اپنی ایک ٹھکانہ مضطرب اور ہم لڑنے رکھتا ہے اور دوسرے کے ساتھ چلنے پر آمادہ نہیں ہے۔“

”یہی سبب ہے کہ عملی طور پر یہ جماعت مرگئی ہے۔ کسی طرح بھی اپنے حریف کے مقابلے میں گھری نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کی اس عملی موت نے اس میں یہ خطرناک مرض بھی پیدا کر دیا ہے کہ وہ پس پردہ سازشوں اور خباثتوں کے جال بناتی اور ملک میں پھیلانے کی کوشش کرتی ہے۔“ یہ کہنا ضروری نہیں کہ ”حاکمیت ملیت“ کی یہ رائے افراط و تفریط سے خالی نہیں ہے۔

### ایک نئی سازش

اس سہفتے ایک نئی سازش پر سے پردہ اٹھا ہے۔ آپ کے قارئین کو یاد ہو گا کہ معاہدہ لوزان کے بعد ہی ترکی حکومت نے اپنی سرحدوں کو ۱۵۰ آدمیوں کو ہیشہ کے لئے جلا وطن کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کی پھیلی زندگی، سازشوں اور خباثتوں سے لبریز تھی۔

یہ لوگ ٹرکی سے نکل کر یونان، مصر، شام وغیرہ ملکوں میں پھیل گئے اور ترکی حکومت سے انتقام لینے کی کوشش کرنے لگے۔ یونان میں پناہ گزین خانہ گاہوں کی روش بہت شبہ تھی۔ ترکی خفیہ پولیس براہِ ان کی نگرانی کرتی رہتی تھی۔

انہوں نے کئی سال ملٹن زندگی بسر کرنے کے بعد خیال کیا کہ ترکی حکومت ان سے بالکل غافل ہو گئی ہے۔ چنانچہ حکومت یونان کے بھروسے پر ایک سازش بنائی اور عدل کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سازش کا سرغنہ، حامی سامی ہے۔ یہ چوکی قوم کا آدمی ہے اور اپنے وقت کا مشہور جرائم پیشہ اور خوریزور ہچکا ہے۔ انہیں اتحادی ترکی کی حکومت کے زمانے میں اسنے سیکرٹوں خون کے تھے۔ مرحوم آغا پاشا صاحب ترکستان گئے تو یہ بھی دہاں پہونچا اور جنگ میں شریک ہو گیا۔ ان کی شہادت کے بعد پھر ترکی واپس آیا اور اپنا پرانا مشغلہ جاری کر دیا۔ معاہدہ لوزان کے بعد حکومت نے اسے بھی جلا وطن کر دیا تھا۔

پچھلے سہفتے ترکی پولیس کو معلوم ہوا کہ یہ یونان سے اپنا سفر چرکی جہتلے کر مصر پہونچا ہے اور غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی جان لینے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ فوراً اسے گرفتار کر لیا گیا۔ مگر اسنے مقابلہ کیا تھا میں وہ خود مارا گیا، مگر اس کی پوری پوری قید ہو گئی۔

اس ٹولی میں تلم چرکی لوگ شامل ہیں۔ بعض کے نام یہ ہیں: مجید کوچک، مجید کلاں، جعفری قاتل، کی برادر حامی سامی۔ ان لوگوں نے اپنی سازش کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ انکو کے قریب مقام ”غفلو خان“ میں جا کر قیام کرینگے۔ یہاں تک کہ جب غازی مصطفیٰ اور ان کے دربار اہلہ کے وسط میں انکو رہ رہا ہو گا گے تو نوکروں والا گاؤں میں ان کی دیل ڈانسیٹ کے ذریعہ مارا جائیگا۔

تلاشی لینے پر ان لوگوں کے پاس ہوسائے کا قد کی ایک کتاب دستیاب ہوئی۔ پولیس کو شبہ ہوا تو اس کی کیا دی تحقیقات کرانی گئی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس میں غیر مرئی ردشائی سے ان کے باقی ہم خیالوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح حکومت کو اس ٹولے جسے کا علم ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ایک پیشین یافتہ فوجی افسر مالف بک کی گرفتاری بھی عمل میں آئی ہے۔

### ترک اور افغان

حال میں حکومت افغانستان نے فوجی تربیت، تعلیم کے لئے اپنے متعدد افسر ترکی بھیجے ہیں۔ انہیں باہر شادی کرنے کی سخت ممانعت تھی تاہم صوبہ دار محمد اکرم خاں نے ایک ترکی خاتون سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اسنے اس باہر میں افغانی سیفر کو درخواست دی۔ سیفر نے درخواست، کابل بھیج دی۔ کابل سے خود امیر انان اللہ خاں کا حکم آیا کہ شادی اجازت دیدی جائے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ تمام افغانی افسرین کو بھی اب ترک خاتونوں سے شادی کی آزادی دیدی جائے۔ ساتھ ہی شاہ افغانستان نے یہ بھی لکھا کہ یہ شادی، ترکی خاتون دینی کے موافق عمل میں آئے۔ فران عالی میں یہ بھی تھا کہ ”میں نہایت خوش ہوں گا اگر افغان افسر اپنی ترک بیویوں کے ساتھ کابل آئیں۔“ ترکی اجتماعی زندگی کے اصول سیکھ کر آئیں اور اپنے ملک میں انھیں رائج کریں۔“

### ٹرکی اور ایران

پچھلے دنوں بعض سرحدی حوادث کی وجہ سے ترکی اور ایران میں کشیدگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے، جیسا کہ میں بروقت آپ کو مطلع کر چکا ہوں لیکن اب دونوں حکومتوں کے تدریس جملہ غلطیاں دُور ہو گئی ہیں۔ اس کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ اسی سہفتے ایرانی سفارتخانے میں ترکی وزیر خارجہ فوجی رشتہ کی اور ترکی سفیر متعینہ طہران مروج شرکت بک کو نہایت پختل دعوت دی گئی۔ اس دعوت میں ایرانی سفیر نے تقرر کرتے ہوئے بہت زور دار الفاظ میں کہا کہ دونوں حکومتوں کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں، اور ہمیشہ دوستانہ ہی رہیں گے۔

## مکتبہ مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

### نئے دھماکا کا انتخاب

سعد پاشا زقزلو کی وفات کے بعد ان کے جانشین کا انتخاب معاملہ بہت اہم اور مشکل تھا۔ ظاہر ہے اس وقت مصر کی توجہات کا مرکز، اس مسئلہ کے ہوا، کوئی دوسرا مسئلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن انگلستان میں بھی اسکی وجہ سے یہی کچھ نہ تھی۔ مصر میں انگلستان کی تمام امیدیں اسی مسئلہ سے وابستہ تھیں اور وہ انتہائی اضطراب سے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔ حسبِ عادت انگریزی اخبارات نے مصر کی متفقہ مصلحتوں میں پھوٹ ڈالنے کی پوری کوشش کی۔ ایک طرف احمد زقزلو پاشا کی بیٹہ طوٹکھا شریف کی کراہ موقوفہ ہے۔ بہت کواد برسرِ اقتدار آجاؤ۔ دوسری طرف عبدال پسند دل، یعنی علی پاشا اور ثروت پاشا کی جماعت کو اکیسا کہ زندگی جماعت، مصر کی پوری سیاست پر حاوی ہو رہی ہے۔ اب وقت ہو ائے گا رادہ!

مصری طرٹ خود زندگی جماعت میں بھی نا اتفاقی ڈالنی چاہی۔ اس غرض کے لئے فتح اندہ باشا برکات سے بہتر کوئی شخص نہیں

مل سکتا تھا۔ مرحوم زقزلو پاشا کے بھانجے ہیں اور انکے ساتھ جماعت ملی میں بے شمار مصائب برداشت کر چکے ہیں۔ ان اخبارات نے خیال کیا کہ تعزین کر کے انھیں زندگی صدارت کے لئے گھڑا کر دینا چاہئے۔ زندگی جماعت، بعض مواقع کی بنا پر ان کی سرداری قبول نہیں کرنا چاہتی۔ اس طرح آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ملک کی سب سے بڑی سیاسی قوت نہ ہم برہم ہو جائے گی۔

مگر مقام مرت ہو کر یہ تلم کوشش بے سود ثابت ہوئیں۔ زقزلو پاشا نے کان ہلائے، مگر عام رائے سے مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ اعتدال پسند نے بھی قابلِ تعریف رویہ اختیار کیا، اور زندگی جماعت سے لڑنا منظور کر دیا۔

خود دند نے بھی نہایت دانش مندی سے کام لیا اور مرحوم صہنا کی جانشینی کا مسئلہ بڑی ہی خوش اسلوبی سے حل کر دیا۔ فتح اندہ باشا برکات نے جنھیں انگریزی اخبارات، برات کا دلہانا چاہتے تھے، صاف غفلو خان میں اعلان کر دیا کہ مجھے سرداری کی طلب نہیں ہے۔ میں فکے فیصلے کے سامنے ہر وقت بلا کسی قید و شرط کے سرخ کرنے کو تیار ہوں۔

دند نے اپنا فیصلہ ۲۶ ستمبر کو سنایا۔ یہ جلسہ نہایت علمبردارانہ تھا تقریباً تمام ارکان جمع تھے۔ جلسہ کی کارروائی، محمد نجب الغزالی پاشا کی تقریر سے شروع ہوئی۔ یہ تقریر پورے زندگی جانب سے تھی۔ اس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

”جو کوئی سعد کی ذات خاص کا مددگار تھا، تو سعد مر گئے لیکن جو سعد کے اصول کا حامی تھا، تو سعد کے اصول باقی ہیں، کبھی مرنے والے نہیں۔“

”بلاشبہ سعد مر گئے۔ بہت سے دل، جو ان کی ہیبت سے خائف تھے مرت سے اچھلنے لگے۔ بہت سے سر جو انکے دب سے خم تھے، بلند ہونے لگے۔ فتنہ کا سرانی دونوں آنکھیں تم میں ہلچل پھلانے لگا کہ کوئی شکاف دیو اور دہلے۔ لیکن قدیر و حکیم خدا نے انھیں اس کی نظر بند سے بچا لیا۔ تم نے خدا کی توفیق سے فتنہ کی آنکھ پھوٹا دی۔ اپنا اتحاد بجا کر شیطان کو مایوس کر دیا، وہ تمھارے حقہ علم دیکھ کر اٹھے پاؤں جھانکے پر مجبور ہو گیا۔“ دند نے اپنے قانون کے بموجب اپنی صدارت کے معاملے پر غور کیا۔ پورے غور و خوض کے بعد اس کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ یہ جلیل القدر منصب ایک ایسے شخص کے سپرد کرے، جسے تم تب جانتے ہو اور حق کی حمایت میں اس کا حصہ دیکھ چکے ہو۔ وہ مصائب میں ہمیشہ ثابت قدم رہا۔ تکلیفوں میں اس کی پیشانی پر کبھی بلی نہ آئی۔ ایمان میں اسنے ہمیشہ سبقت کی آزادی کے لئے اسنے اپنی زندگی وقف کر دی۔

”وہ شخص کون ہے؟ وہ مصطفیٰ خاس ہے!.....“

اس تقریر کے بعد ادبیت ہی تقریر ہوئیں اور مصطفیٰ خاس پاشا بالاتفاق، وفد کے صدر، ادبیائیت کی دونوں مجلسوں میں جماعت وفد کے رئیس منتخب ہو گئے۔

### وفد کا پیغام

مصری وفد نے قوم کے نام جنرل پیغام شائع کیا ہے:

”ابنا وطن! عظیم القدر خدائے بزرگ جبرہ کی مشیت پوری گئی اور سعد زقزلو کا انتقال ہو گیا۔ تم اس کے فراق پر رنج سے بڑے یکجہرت الہی نے اس کے ہوا کچھ منظور کیا کہ تمھارے سردار کو ایسی ہی شریف موت ملے، جیسی شریف زندگی آئے تھی تھی۔ چنانچہ جس طرح وہ مجاہد زندہ رہا تھا، اسی طرح مجاہد رہا۔ دنیا و آخرت، دونوں اس کے لئے جاہز کا ثواب جزیل موجود تھا!“

”سعد مر گیا، اس سے تمھارے دل ٹوٹ گیا۔ بعض لوگوں نے تمھارا رنج و الم دیکھ کر کتنا شروع کر دیا کہ اس بڑے بیٹے میں جو بڑی بڑی آرزوئیں نہیں تھیں، اس کی موت ہی کے ساتھ نہ ہو گئی۔“



فیکلکم اللہ دھرم علیہم! خدا کی عادت سے دوتا تو تاجو کچھ  
 بلا ہو، اُس سب پر ہمارا ایمان ہو۔ (۱۳:۲)

ہم اُن سب کے ایک ہی طرح کے یقین اور احترام کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔  
 ہم ان میں کسی طرح کی تفریق نہیں کرتے کہ ایک کی تصدیق کریں اور دوسرے  
 کو جھٹلائیں۔ ہم خدا کے فرام بردار ہیں۔ اُس کی سچائی جہاں کہیں اُو  
 جب کبھی آئی ہو، ہمارے لئے سچائی ہو اور ہم اُسے قبول کرتے ہیں!

اس طرح قرآن نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ یہ تھا کہ تمام مذاہب  
 کی تصدیق کی، مگر تمام پر وہ ان مذاہب کی تکذیب کی اور اس تصدیق  
 و تکذیب کے اجتماع سے اُس بنیادی صداقت کی راہ نزع انسانی  
 پر کھول دی، جو پھر اپنے بغیر کوئی انسان مذہبی حقیقت کی معرفت حاصل  
 نہیں کر سکتا۔ آج بھی ہر اُس انسان کے لئے جو مذہب کی روحانی  
 صداقت کی طلب رکھتا ہو، اُس راہ کے سوا دوسری کوئی راہ موجود  
 نہیں ہو۔ وہ وقت اب دور نہیں ہو جب عالم انسانیت مذاہب عالم کے  
 اختلافات سے اکتا کر مجبور ہو جائے گا کہ یا تو ایک قلم مذہب ترک کر دے  
 یا تمام مذہبی صداقتوں کو جمع کر دے۔ میرا یقین ہے کہ جمعیت انسانی ان  
 ترک نہیں کر سکتی۔ اس لئے ناگزیر ہو کہ دوسرا طریقہ اختیار کرے۔ اُو  
 جب وہ دوسرا طریقہ اختیار کرے گی، تو فی الحقیقت وہ یہی طریقہ  
 ہوگا جس کی طرف تیرہ سو برس پہلے قرآن نے دعوت تھی؛ یعنی انسان کو  
 کے فہم و فہم کی تکذیب اور اصل مذاہب کی تصدیق۔ اُس وقت دنیا کے  
 تمام پر وہ ان مذاہب یک زبان ہو کر اعلان کریں گے:

کان الناس امة واحدة، «انسان انسانیت حقیقت کی امتداد تھا»  
 فذبت الله الدين مبشرين من غير حكمة ولا عدوت ولا حكمة ولا عدوت  
 من الدين، «اور ان میں سے ہر سب ایک ہی قوم اور سب غریب خدا  
 الکتاب الحی لیکھو بین الناس کے ایک ہی طریق پر چنے والے تھے پھر  
 فی ما اختلفوا فیہ، وما اختلف ایسا ہوا کہ ان میں پھوٹ پڑ گئی اور گڑھا  
 فیہ الا الذین اوتوا من بعد و خدا کی بے شمار راہوں میں بکھر گئے۔  
 ما جاء نعم البينات لبنا نعم تم خدا نے اُن کی ہدایت کے لئے کوئی برکت  
 فهدى الله الذين آمنوا لما اختلفوا فیہ من الحق باذنه، کی نشارت دیتے تھے اور ہر راہ کی  
 والله يهدى من يشاء الى صراط مستقیم (۲۰:۹) حق کی کتاب میں تھیں۔ یہ اس لئے نازل  
 کی گئی تھیں تاکہ جن جن باتوں میں نادانی و گمراہی سے اختلاف اور جھگڑا  
 پیدا کر دیا ہو، اُن سب کا فیصلہ ہو جائے اور سب اُس حقیقی دین پر متفق  
 ہو جائیں جس سے متروک ہو کر ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے ہیں۔ اُن سب  
 ہو کہ نسل انسانی اس پر بھی اختلاف و فساد سے باز نہ آئی جن جن باتوں  
 کے فیصلہ کے لئے یہ کتابیں نازل کی گئی تھیں، اُن میں سے پھر اختلاف  
 پیدا کر دیا گیا، اور دین جن کی حقیقت اور وحدت گم ہو گئی۔ جب ایسا ہو  
 تو ضرور تھا کہ ایک مرتبہ ان تمام اختلافوں اور گمراہیوں کے خاتمہ  
 دین جن کی حقیقت کا عام اعلان کر دیا جائے، اور تمام جماعتوں اور  
 عربوں کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے اپنے فضل و رحمت  
 سے اس کا دروازہ اہل ایمان پر کھول دیا، اور وہ جس کو چاہتا ہو، اُس  
 کی راہ دکھا دینا ہوا:

مسلمانوں کا پچھلا مظاہر

اب میں اس خاص مسئلہ پر متوجہ ہوتا ہوں جس نے آپسے ذکر کیا ہو۔  
 میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس باب سے آپ جس قدر تاثرات  
 قبول کئے ہیں، وہ زیادہ تر اسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں۔

اس باب سے آپسے جو کچھ لکھا ہو، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ  
 تسلیم کرتے ہیں، یہ رسالتی حقیقت نہایت بے ہودہ اور دلا زار تھا  
 اور اس پر اعتراض کرنے میں مسلمان حق بجانب تھے۔ لیکن آپ نے

## دلا زار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہر

### اسلام اور سزا قتل

### ایک جوئے حق کے خطے جو اب

(۲)

برس پہلے قرآن حکیم نے ذبح انسانی کو دعوت دی تھی۔ اور اصل قرآن  
 کی ساری تعلیم اسی اصل کی شرح ہو۔ قرآن جو قوت نازل ہوا، اُس  
 دقت و دنیائیں مذاہب کے پیروں کی کمی نہ تھی، لیکن مذاہب کی حقیقت  
 گم ہو چکی تھی۔ اُسی طرح گم تھی جس طرح آج بھی گم ہو۔ مذاہب کے پیروں  
 کی بے شمار جماعتیں قائم تھیں، اور ہر جماعت صرف اپنے ہی کو سچائی  
 کی وارث اور ہر دوسری جماعت کو سچائی سے محروم یقین کر رہی تھی۔

سچائی کی راہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن کے بے ہودہ  
 ظاہر و دہی طریقے ہو سکتے تھے۔ یا تو تمام پر وہ ان مذاہب کی تصدیق  
 یا سب کی تکذیب کرے۔ سب کی تصدیق کی نہیں جا سکتی تھی کیونکہ ہر ایک  
 کا دعویٰ دوسرے سے متضاد تھا۔ ہر جماعت و صرف اپنی صداقت  
 کی مدعی تھی، بلکہ دوسرے کے بطلان کی بھی مدعی تھی۔ اس لئے سب کی  
 تصدیق کے معنی یہ تھے کہ سب کو یہ یک وقت حق اور باطل، دونوں تسلیم  
 کر لیا جائے۔ اسی طرح سب کی تکذیب بھی صداقت کے خلاف تھی۔

کیونکہ اس وقت میں دنیا کا مذہبی صداقت سے غالی ہونا لازم آتا تھا،  
 اور انسان کی روحانی ہدایت و تربیت کی تمام بنیادیں منہدم ہو چکی  
 تھیں۔ پس اُس نے ان دونوں طریقوں میں سے کوئی طریقہ بھی اختیار نہیں  
 کیا۔ ایک تیسری راہ اختیار کی۔ اُس نے کہا، دنیا کے تمام مذاہب حق  
 ہیں، لیکن دنیا کے تمام پر وہ ان مذاہب حق سے سخت ہو گئے ہیں۔

جس تبدیلی گمراہی ہو، جس قدر بھی اختلاف ہو، حقد بھی و عودوں کی  
 لڑائی اور جماعت بندیوں کا تصادم ہو، پر وہ ان مذاہب فہم و عمل میں  
 ہو۔ مذاہب کی تعلیم میں نہیں ہو۔ اگر پر وہ ان مذاہب کے یہ سخاوت و دودھ چھٹا  
 جو حق نہیں ہو، تو ہر جماعت کے پاس وہ چیز باقی رہ جائے گی جو صرف  
 حق ہو، اور چونکہ وہ حق ہو، اس لئے نہ تو اُس میں ایک راہ سے زیادہ  
 کی گنجائش ہو۔ نہ کسی طرح کے اختلاف و نزاع کا امکان۔ یہی مذاہب  
 عالم کا "مشترک حق" و نیکی کا لکیر روحانی صداقت ہو، اور اسی کو قرآن  
 نے اپنی زبان میں اسلام اور صراط مستقیم سے تعبیر کیا ہو:

قولوا اما لله وما اتزل سچائی کی راہ یہ ہے کہ کوئی ہم اللہ پر ایمان کا  
 الینا، وما اتزل الی ابولیم ہیں اور اُس سچائی پر ایمان لے آئے ہر  
 داسماعیل و یعقوب والاٹا، ہمارے سامنے پیش کی گئی ہو۔ نیز ان نام پر ہی  
 دما و اتی معنی و معنی، دما صدیق پر ایمان لکھتے ہیں جہاں پر ایمان نازل  
 اتی النبوت من ہم، ہر ایک کی اسماعیل و یعقوب اور ان  
 نفرت بین احدہم و آخر کی نسل کے رہنما نے دعوت دی، اور پھر  
 لمسلمین ان ناموں پر دہ تعلیم جو سوس کی دی گئی، اور وہ تعلیم جو سوس  
 ما ائمتہ بقعد اھتدوا و کا پیغام حق تھا۔ فکر خدا کے سادہ سادہ  
 ان تو لو، انما نام فی شفا و اور مذہبی صداقت کے سامنے مسلمانوں کو

یہاں تک میں نے جو کچھ لکھا، وہ اس باب میں ایک اصولی بحث تھی میں  
 نے بھی اس طرف توجہ نہیں کی جو کہ جن باتوں کا آپ نے ذکر کیا ہو اُن  
 کی اصلیت کیا ہو اور وہ فی الحقیقت اسلام کے احکام ہیں یا نہیں؟ میں  
 صرف یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ صورت حال کچھ بھی کیوں نہ ہو لیکن آپ  
 طریق نظر صحیح نہیں ہو۔ آپ اسلام کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے بعد بعض  
 اُسوج سے اپنے آپ کو "شک و شبہ" کے حوالے کر دیتے ہیں کہ "دوسرے  
 مسلمانوں" کا فہم و عمل اس کے خلاف نظر آتا ہو۔ "دوسرے مسلمانوں"  
 کا یہ بیان کردہ فہم و عمل فی الحقیقت خلاف ہو یا نہیں؟ اس سے بھی  
 ابھی کوئی بحث نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک جوئے حقیقت انسان جہاں  
 مقصد جملہ و نزاع نہیں بلکہ سچائی کی طلب تھیں ہو، کیوں راہ یقین  
 میں اصل تعلیم چھوڑ کر لوگوں کے فہم و عمل سے متاثر ہو، اور اس کی وجہ  
 سے "شک و شبہات" میں مبتلا ہو جائے!

حقیقت ایک طالب حق و صداقت کے یہ بات پیچھے سے آپ کے علم  
 میں ہوئی چاہئے کہ مذاہب کی تعلیم اور پر وہ ان مذاہب کا فہم و عمل و مختلف  
 چیزیں ہو گئی ہیں۔ ایک چیز میں ہیں اور اس لئے اگر اس طرح کا کوئی  
 اختلاف آپ کے علم میں آتا ہو، تو یہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہو جس سے آپ  
 حیران و دسرا ہو جائیں، بلکہ پیش کی گئی بھی ہوئی بات کا ایک نثر  
 معائنہ اور تجربہ ہو۔ تجربہ شاک و شبہ کا باعث کیوں ہو؟ اس سے تو آپ کے  
 علم یقین میں اور زیادہ اضافہ ہونا چاہئے!

### دعوت قرآنی کی بنیادی اصل

یہ مرقعہ زیادہ تفصیل و بحث کا نہیں ہو ورنہ میں آپ کو بتانا کہ جو  
 حقیقت اور معرفت صداقت کی یہی وہ بنیادی اصل ہو جس کی آپ تیرہ

(بقیہ مضامین ص ۱۸)

لیکن حاشا و کلام، قوم اور اُس کے زعم کا مقام اس سے بلند ہو۔ سچ  
 مرکز لا زوال زندگی حاصل کرنی۔ تمھاری آرزو میں جو اُس کے دشمن  
 محکم تھیں، اب اُس کی غیر فانی رنج کے ساتھ، ابدی و سرمدی ہو گئیں۔  
 اب فنا کا ہاتھ کسی طرح بھی اُن تک نہیں پہنچ سکتا۔

«ابنائے وطن! وفد، جو تمھاری بیداری کا پہلا مظہر تھا، اب  
 بھی باقی ہو، اور اُنہو بھی باقی ہے گا۔ وہ تمھاری قوت کی میزان،  
 تمھارے جہاد کا عنوان، تمھاری وحدت کی بنیاد، تمھاری آرزو کی  
 زبان، اور تمھارے آلام کا ترجمان ہو!

«وہ اُس وقت تک میدان میں چھوٹے گا جب تک کامل خود تمھاری  
 اور صحیح آزادی کے ذریعہ وطن کی قربت بے داغ نہ کرے»

کرملا اس مذہب پر ختم نہیں ہو گیا۔ بلکہ آپ کے لفظوں میں:

”جو طریقہ مسلمانوں نے ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک اختیار کیا، اور جو باتیں کہی گئیں، وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ عجیب طرح کی مذہبی ذہنیت ظاہر کرتی تھیں جس کی طرح بھی ٹھیک راستہ پر نہیں لے جایا جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہو کر تمام لیڈروں اور مولانا صاحبان نے اور جمعیت العلماء نے فتویٰ جاری کر دیا کہ رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا جائز ہے۔ اور یہ کہ اسلام کا قانون ہی ہے جو کہ جو کوئی غیر مسلمان حضرت بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اسے فوراً مار ڈالنا چاہئے“

میں آپ کی طبیعت کی صداقت اندیشی اور حق جوئی کا متعرف تھا اور اس موقع پر بھی متعرف ہیں۔ آپ نے اس رسالہ کے متعلق جو رائے قائم کی، اور جس طرح بے لاگ اور قطعی لفظوں میں اپنا خیال ظاہر کر دیا، فی الحقیقت ایک راستی پسند انسان کا یہی شیوہ ہونا چاہئے لیکن جن آیتوں کا آپ نے ذکر کیا ہے، ان سے اس کی تائید کی جا سکتی ہے، اور وہ نہ تاثر صحیح ہو جو آپ نے قبول کیا ہے۔ آخری چیز میں وہی اصول غلطی کام کر رہا ہے جس پر پچھلی سطروں میں بحث کر چکا ہوں

تیسری بات جو غلطی کی ہے، وہ غلطی عام ہے۔ اور اسناد واقعتاً کو نتیجہ جو ایک ہزار سال کی سچائی کے باوجود ہندوؤں کو اسلام اور مسلمانوں کی نسبت ہے۔ میں نے بارہا خیال کیا ہے کہ اگر کوئی ذریعہ سے ہم یہ باہمی نا اشنائی دور کر دے سکیں، تو باہمی مخالفت اور خوش کی کتنی بڑی تعداد خود بخود دور ہو جاسکتی ہے؟ مگر افسوس ہے کہ اس کا کوئی سالن نہیں ہوتا۔ آپ نے غالباً بعض اخباروں کے مضامین دیکھ کر یہ رائے قائم کر لی کہ ”مسلمان لیڈروں اور جمعیت العلماء نے فتویٰ دیا“ لیکن اگر آپ کو مسلمانوں کی اصطلاح ”فتویٰ“ کی حقیقت معلوم ہوتی جو بہت ہی معمولی اور عام ہے تو کبھی یہ بات آپ کے قلم سے نہیں نکلتی۔ آپ ”لیڈروں“ کے ساتھ ”فتویٰ“ کا لفظ نہیں سکتے۔ آپ سے غلطی بھی نہیں ہوتی کہ ان تمام باتوں کو جو کسی ”لیڈر“ یا عالم نے عام مجالس کے ایک مقرر ہونے کی حیثیت سے کہی ہیں، یا اپنے اپنے انداز طبیعت کے مطابق نرم و گرم خیالات ظاہر کئے ہیں ”فتویٰ“ قرار دیتے۔ بلاشبہ آپ ان تمام باتوں پر اس حد تک سے نظر ڈال سکتے تھے کہ کہاں تک موزوں ہیں یا غیر موزوں ہیں۔ لیکن ”فتویٰ“ کے لفظ سے تعبیر کرتے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ ”فتویٰ“ نہیں ہیں۔

غالباً آپ کا خیال یہ ہے کہ جب کبھی کسی معاملہ پر ایک مسلمان مذہبی قسم کی کوئی بات کہے، تو وہ ”فتویٰ“ ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس طرح تو وہ ساری باتیں جو مسلمان جلسوں میں کہتے ہیں یا اخباروں میں لکھتے ہیں، ”فتویٰ“ ہو جائیں گی۔ ”فتویٰ“ مسلمانوں کے دینی علوم کی ایک اصطلاح ہے، اور اس کا اطلاق صرف اس بیان پر ہوتا ہے جو ایک سند عالم دین اس حیثیت سے دیتا ہے کہ فلاں مسلمان اس کے نزدیک شریعت کا حکم یہ ہے۔ جب تک ایک عالم شریعت اس حیثیت سے ایک بیان نہیں دے گا کہ ”فتویٰ نہیں ہے“ اور کوئی مسلمان بھی اسے فتویٰ نہیں سمجھتا۔ اب آپ غور کیجئے کہ لیڈروں کی طرف ”فتویٰ“ منسوب کر دینا کسی افسوس ناک غلطی ہے؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ علماء بھی ”لیڈر“ ہیں۔ یہ ٹھیک ہے لیکن یقیناً یہاں لیڈر سے مقصود علماء نہیں ہیں۔ مسلمان جماعتوں کے عام سربراہان و اشراف اور سیاسی رہنما ہیں، اور یقیناً تو وہ ”فتویٰ“ دیتے ہیں، نہ مسلمانوں میں کوئی شخص ان کے بیانات کو فتویٰ کی حیثیت سے قبول کرتا ہے۔

البتہ جمعیت العلماء مذہبی حیثیت سے ”فتویٰ“ دے سکتی ہے لیکن یہ خیال صحیح غلط ہے کہ جمعیت العلماء نے ”رنگیلا رسول“ کے لکھنے والے یا چھاپنے والے کی نسبت کوئی ”فتویٰ“ جاری کیا۔ یہاں پھر وہی باہمی ناواقفیت اور نا اشنائی کی بلا لگی ہے جو ہندو مسلمانوں کے تمام معاملات پر

چھائی ہوئی ہے۔ چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اصطلاح ”فتویٰ“ کی حیثیت اور نوعیت پر آپ کی نظر نہیں، اس لئے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ غور کیجئے، اس ایک معاملہ میں کیے بعد جو گئے کتنی غلطیاں پیدا ہوئی ہیں:

اولاً مسلمانوں میں شرعی حیثیت سے فتویٰ اسی وقت دیا جاتا ہے جب کسی خاص معاملہ میں شرعی حکم واضح کر دینا ہو تاکہ مسلمانوں کا کوئی فرد یا جماعت اس پر عمل کرے۔ موجودہ صورت میں ”فتویٰ“ کی گنجائش یہ نہیں تھی۔ ہندوستان میں ایک شخص نے اسلام کے خلاف دلائل و اذکار کا بکھی تھی اور شائع کی تھی۔ یہاں نہ تو مسلمانوں کی حکومت ہے، نہ شرعی قوانین نافذ ہیں، نہ مسلمانوں کے مذہبی گروہ کو کسی طرح کا دخل سیاست و تفریق میں ہے۔ جو کچھ بھی اس بارے میں کر سکتی ہو حکومت کر سکتی ہو اگر کوئی شخص اس میں مداخلت کرے گا مجرم ہوگا۔ پس ہر گز کہ اسلام میں مسلمانوں کے فتویٰ لینے یا دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص اس درجہ مجنون یا مسموم ہو جائے کہ وہ خیال کرے، ہندوستان میں اسے تفریق و سیاست کے احکام جاری کرنے کی توفیق حاصل ہوگئی ہو اور اس لئے فتویٰ دینا شروع کرے کہ فلاں آدمی کو قتل کر ڈالنا چاہئے، اور فلاں آدمی کو قید میں ڈال دینا چاہئے۔ لیکن یہ یہ ہو کر ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

ثانیاً جمعیت العلماء کی نسبت یہ سمجھ لینا کہ چونکہ علماء کی انجمن ہے اس لئے اس کی جانب سے جو کچھ بھی کہا جائے ”فتویٰ“ ہو، اس پر نہ ناواقفیت کی بات ہے؟ وہ ایک انجمن ہے، اور اس حیثیت سے وہ تمام طریقے اظہار رائے کے عمل میں لاتی ہے جو دنیا کی تمام انجمنیں عمل میں لایا کرتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس پر وہ رائے کرنا ضروری سمجھتی ہے، تو تجویز کی شکل میں کوئی بات تیار کر دیتی ہے اور اسے منظور کر کے شائع کر دیتی ہے۔ اس معاملہ میں اس نے ایک تجویز منظور کی اور غالباً انہوں نے اپنی جمعیت عالمہ (ورکننگ کمیٹی) کا ایک جلسہ کر کے اس کا اعلان کر دیا۔ وہ جمعیت العلماء کی ایک تجویز ہے۔ یقیناً لوگوں نے اسے اس درجہ اہمیت دی ہوگی جس درجہ اہمیت وہ جمعیت اسلامی کی تجاویز کو دیا کرتے ہیں، لیکن وہ ”فتویٰ“ نہیں ہے۔ کیونکہ ”فتویٰ“ دینے کی اس معاملہ میں گنجائش ہی نہ تھی۔ آپ جمعیت کی ایک تجویز کو ”فتویٰ“ کہہ رہے ہیں۔

ثالثاً جمعیت العلماء کی اس تجویز کا مضمون بھی آپ صحیح طور پر معلوم نہیں کیا ہے، اور جو کچھ لکھا ہے، وہ اصلیت سے اس درجہ ہٹا ہوا ہے کہ اگر میں آپ کو ملامت کروں تو آپ کو ناخوش نہیں ہونا چاہئے۔ کم از کم آپ جیسی طبیعت کے آدمی کو ایک واقعہ کے نقل کرنے میں اس قدر بے احتیاط نہیں ہونا تھا۔ جمعیت العلماء کی تجویز تمام اخباروں میں شائع ہوگئی تھی۔ میری نظر سے بھی گزری تھی۔ اگر آپ جہاں تو مسرت کا کوئی آدرد اخبار حاصل کر کے دیکھ لے سکتے ہیں۔ اس میں یہ لکھیں نہیں ہو کہ ”رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کر دینا چاہئے“ یقیناً کہ آپ نے لکھا ہے۔ کم سے کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آ جانی چاہئے کہ برٹش انڈیا میں کوئی شخص یا جماعت اپنے آپ کو گرفتار کر لے تو ہر کسی انسان کے قتل کی علامت یہ ترغیب نہیں دے سکتی۔ اگر جمعیت نے یا کسی انجمن نے ایسا اعلان کیا ہوتا تو یہ صریح ایک انسان کے قتل کا اقدام تھا۔ دراصل وہ تجویز مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھی ہی نہیں گئی تھی کہ اس طرح کی قاتلانہ ترغیب کی اس میں گنجائش ہوتی۔ اس کا تمام تر خطاب حکومت سے تھا۔ حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس طرح کے دلائل و اذکاروں کا سدباب کرے، اور اگر موجودہ قوانین ایسے لئے کافی نہیں ہیں تو نیا قانون نافذ کرے۔ البتہ اس تجویز میں اس بات کا حوالہ ضرور تھا کہ اسلامی قوانین میں دیا بصورت اسلامی حکومت

ہونے کے۔ مجھے اصلی الفاظ یاد نہیں ہیں، ایسے شخص کی سزا قتل ہو جو غیر اسلام کی عداوت میں ذلیل کرے۔ یہ حوالہ جس طریقہ سے دیا گیا تھا، ان کا صاف منشا یہ تھا کہ معاملہ کی اہمیت حکومت پر واضح ہو جائے۔ یعنی یہ بات اس کے علم میں آجائے کہ مسلمانوں کے دینی احساسات اس بارے میں کیا ہیں، اور ان کے نقطہ خیال سے یہ معاملہ کس درجہ اہم و ضروری ہے؟ بلاشبہ اسپرکٹ کی جاسکتی ہے کہ اس طرح تو اس قانون کا حوالہ دینا ذکر کرنا کہاں تک صحیح تھا؟ اور فی الحقیقت اسلام کا قانون کیا ہے؟ اس بارے میں میری رائے اور اسلامی قوانین کی حقیقت کی بحث آگے آئے گی اور آپ معلوم کیے بغیر میرا خیال اور علم کیا ہو سکتا ہے حیثیت ایک صداقت اندیش انسان کے آپ کو ادا ان تمام لوگوں کو جہاں اس بارے میں طرح طرح کے تاثرات قبول کر رہے ہیں، یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ واقعہ کی نوعیت وہ نہیں ہے جو انہوں نے سمجھ رکھی ہے۔ ہر ایک معاملہ کی نسبت موافق رائے لکھتے ہوں یا مخالفت، ہر حال میں ہمارا مقصد یہ ہے کہ معاملہ کو اس کی صحیح اور حقیقی صورت میں لکھیں، اور جیسا کہ کچھ بھی وہ ہے، اسے تسلیم کر کے، طے نہ قائم کریں۔ انصاف کیجئے، کہاں یہ بات کہ جمعیت العلماء نے ایک تجویز منظور کر کے حکومت کو صورت حال پر توجہ دلائی اور اس میں اس بات کا حوالہ دیا کہ اسلامی قانون اس بارے میں یہ تھا، اور کہاں اس کی یہ تعبیر کہ ”جمعیت نے فتویٰ دیا کہ قتل کر دینا چاہئے“؟ اس وقت دنیا کے کسی مذہب کے ماننے والے بھی ایسے نہیں ہیں جنہوں نے گذشتہ زمانے میں اپنے اپنے وقت کے مصالح کے مطابق قتل و تفریق کے احکام نافذ نہ کئے ہوں اور وہ ان کی کتابوں میں ثبت نہ ہوں۔ مختلف موقعوں پر بے محل یا بے عمل ان کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہے، لیکن کوئی شخص اس کا مطلب یہ نہیں سمجھتا کہ بحالت موجودہ انہیں نافذ کرنا مقصود ہے۔

رابعاً اپنے جن لفظوں میں جمعیت کے بیان کردہ اسلامی قانون کی تعبیر کی ہے، وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ آپ لکھتے ہیں ”اسلام کا یہ قانون ہے کہ جو کوئی کوئی غیر مسلمان حضرت بانی (داعی) اسلام کے خلاف کوئی بدزبانی کرے، فوراً اسے مار ڈالنا چاہئے“ لیکن آپ یقیناً کچھ نہ تو جمعیت العلماء کی تجویز میں اس قانون کی یہ تعبیر تھی، اور نہ میری فتویٰ میں کسی مسلمان نے بھی یہ تعبیر کی ہے۔ جمعیت نے یا کسی دوسری جماعت نے اگر یہ کہا ہے کہ اسلامی حکومتوں کا یہ قانون تھا، تو اس کا صاف مطلب یہی ہو سکتا ہے جو حکومتوں کے قوانین کا عام طور پر ہوتا ہے۔ یعنی ان کے قوانین کی رو سے یہ ایک ایسا جرم تھا جو اگر عدالتی تحقیقات کے بعد ثابت ہو جائے، تو اس کے لئے قتل تک کی سزا دی جاسکتی تھی۔ اس کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ ”جو مسلمان کسی کو بدزبانی کرتے دیکھے اسے فوراً قتل کر ڈالے؟“ اسلام کے شرعی نظم کی رو سے تو کسی جرم کے لئے بھی ایسی آزار کی جائز نہیں ہو سکتی۔ تفریق اور سیاست کے تمام احکام کا تعلق فقہ سے ہے۔ یعنی آج کل کی بول چال میں عدالتی کا رد وائی سے کسی فرد کو بھی اپنی جگہ اختیار نہیں کہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور جس کسی کو اپنے نزدیک جرم سمجھے سزا دے۔ یہ کام صرف حکومت اور عدالت کا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا، تو وہ اسلامی قوانین کی رو سے اسی طرح سزا کا مستحق ہوگا، جس طرح ایک قانون کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم ہو سکتا ہے۔

میں نے اس حصہ بیان میں ضرورت سے زیادہ تفصیل اس لئے کی کہ میں چاہتا ہوں، یہ بات آپ پر واضح ہو جائے کہ واقعات کے مطابق دیان میں دقت کی کوتاہیوں اور کچھ اندیشوں کا کیا حال ہے؟ کچھ ایک بات بغیر کسی اشتباہ اور پچھیلی کے، بعض اس لئے کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے اور بے لاگ طریقہ سے معاملات پر نظر ڈالنے کی استعداد رکھو چکے ہیں اور جب کبھی کسی معاملہ پر بحث کرتے



سرداروں کی خیر خواہی کرنا۔ اپنا اتحاد برقرار رکھنا۔ میرے دونوں  
لڑکوں محمد (ایمن) اور عبدالعزیز (امون) کو دیکھنا۔ (ان میں سے جو  
بھی اپنے بھائی پر سرکشی کرے، اُسے گراہی سے روک دینا اور اُس کا  
عہد توڑ دینا۔

سنہ ۱۹۷۷ء (۱۴۰۰ھ) میں وفات پائی۔

البنو اس

ہارون رشید کے مشہور مساحب اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے  
رادے شاعر و شاعر، ابو نواس نے مرتے وقت یہ شعر کہے،  
دُبْنِیَ الْفَنَاءَ رَسْنًا وَعِلًّا دارائی اموت مفعولاً مفعلاً  
ادب پر نیچے ہبوط سے فنا مجھ میں دُور رہی ہو۔ میں بیکر رہا ہوں کہ  
جوڑ جوڑ سے مر رہا ہوں۔

ذہبت شری سجدۃً لغنی ذکرت طاعتہ اندنوا  
میری تمام تیری چلی گئی۔ اپنے سوکھ جانے پر مجھے طاعت الہی کا  
خیال آیا!

لیس من ساء مفعولاً لا نقصتی مرہا بی جزا  
ہر گھڑی مجھ پر گدہ رہی ہو۔ کوئی نہ کوئی حصہ کم کرتی جاتی ہو!  
لغنی علی لیال دایام تلمیثیں لجا دایام  
اُن دنوں اور راتوں پر میرا انس، جنھیں میں نے لعل و لعل  
میں گرا دیا!

قداسا نکل الاسارۃ فاللسم صغی عنا وغفرنا وغفرنا  
ہم نے سراسر بُرائی ہی کی ہو لیکن خدایا! ہم تیری مغفرت و بخشش چاہتے  
ہیں!

محمد امین

ہارون رشید کے جانشین محمد امین کو گرفتار کرنے کے لئے جب امون  
کے آدمی آدھی رات کے وقت محل میں گھسے تو چلا اٹھا:  
”انا لمدنا الیہ راجعون! و اللہ میری جان، خدا کی راہ میں  
چلی گئی۔ آہ، کوئی تدبیر نہیں کوئی حمایت نہیں۔“

گرفتار ہو جانے پر اُس نے اپنی اولاد اور عزیزوں سے کہا:  
”یہ تمھارا آخری دیدار ہے۔ خدا تمھارا نگہبان ہوا۔“  
قتل کے وقت جلا دلوں سے کہا:

”تمھارا بڑا ہوا جانتے نہیں میں رسول اللہ کے چچا کا پوتا،  
ہارون الرشید کا بیٹا، اور امون کا بھائی ہوں؟ میرا خون کرنے میں  
خدا سے ڈرو!“

سنہ ۱۹۷۷ء (۱۴۰۰ھ) میں قتل ہوا

حضرت معروف الکرمی

مشہور صوفی و زاہد معروف کرمی سے حالت نزع میں کہا گیا: ”وہ  
کہنے لگے:

”جب میں مر جاؤں تو میرا یہ کتا بھی صدقہ کر دینا۔ میں چاہتا ہوں  
دُنیا سے اُسی طرح جاؤں، جیسا آیا تھا۔“

سنہ ۱۹۷۷ء (۱۴۰۰ھ) میں وفات پائی۔

حضرت بشر بن المنصور

وفات کے وقت بہت خوش تھے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا  
”آپ موت پر خوش ہوتے ہیں؟“

کہنے لگے: ”کیا تمھارے خیال میں خالق کے حضور جانا، جس کو مجھ  
بڑی ہی امید ہے، مخلوق میں رہنے کے برابر ہے؟ وہ مخلوق جس کو میں  
ڈرتا ہوں؟“ یہ کہتے ہی روح پر دراز گر گئی۔

(سنہ ۱۹۷۷ء - ۱۴۰۰ھ)

# بصائر و حکم

## عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

### مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

### اکابر تاریخ اسلام کی مختصر دنیا

#### ابراہیم صلی

اپنے زمانے کا سب سے بڑا مہرمن موسیقی، ابراہیم صلی، قلعہ کی باری  
میں مبتلا ہوا اور خلیفہ کے محل میں آنے جانے سے معذور ہو گیا۔ جب  
تخلیف بہت بڑی تو یہ شعر اس کی زبان پر جاری ہو گئے:

لک و اللہ طیبی عن مقاساة الذی بی

والطیب میرے مرض کی تشخیص سے آگیا گیا ہو

سوت انہی عن قریب لعدو وجیب!

غریب دوست دشمن سب کو میری موت کی خبر نادی جائے گی!

ایک دن خلیفہ ہارون الرشید عیادت کو گیا اور پوچھا: -

”ابراہیم کیا حال ہے؟“

ابراہیم نے جواب میں یہ شعر پڑھا:

سقیم مل نہ اقرؤہ داسلہ الدادی الحیم

بیاد جس سے اُس کے رشتہ دار آگئے ہیں۔ طیب اور دوست

اُسے جوڑ چکے ہیں۔

سنہ ۱۹۷۷ء (۱۴۰۰ھ) میں انتقال کیا

عباس بن الاحنف

اصمعی نے بیان کیا ایک دن میں بصرہ کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ کیا

دیکھتا ہوں ایک حسین نوجوان میرے پیچھے کھڑا ہو۔

”میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہو؟“ خوبصورت لڑکے نے کہا۔

میں اُس کے ساتھ روانہ ہوا۔ صحرائیں ایک خیمہ کھڑا تھا مجھے

بقیہ مضمون صفحہ

ہیں تو اس کی بالکل کوشش نہیں کرتے کہ احتیاط اور انصاف کے  
ساتھ قدم اٹھائیں۔ ہندوستان میں تقریباً ہر برس سے ہندو مسلمانوں  
کی موجودہ کشمکش شروع ہوئی ہو۔ اگر ان ہندوؤں کے وہ تمام بیٹا

اور مباحث جمع کرنے جائیں جو ایک فرقہ نے دوسرے کے اقوال و

اعمال کی نسبت بیان کئے ہیں، اور پھر ان پر انصاف اور صداقت منہ

کے ساتھ نظر ڈالی جائے، تو اس وقت سے کہہ سکتا ہوں کہ نصف سے

زیادہ مقدار اُن باتوں کی شکست کی جو کبھی فتنہ و فساد کی صورت اختیار

کرتیں اگر واقعات کے مطالعہ میں ان انصاف و دیانت کا تصور

ساجھی لحاظ رکھا جائے۔

یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ عباس بن الاحنف اُس میں پڑے دم توڑ رہے ہیں  
اُس وقت اُن کی زبان پر یہ شعر تھے:

یا عبید اللہ ارحم وطنہ مفردا بکی علی شجنہ

اے اپنے وطن سے بہت دُور! تنہا جو اپنی حسرت پر در رہا ہو!

سکنا بند الخیب بہ ذوات الاسقام فی بدنہ

جوں جوں اُس کا گریہ بڑھتا ہو، اُس کے جسم میں بیماریاں بھی بڑھتی

جاتی ہیں!

پھر وہ بیوش ہو گئے۔ دخت پر ایک چڑیا چلائی عباس نے اُس کی

آواز پر آنکھ کھول دی اور یہ شعر پڑھنے لگے:

ولقد زاد الفؤاد شجی ہا تفسی بکی علی فتنہ

(دل کا رنج اور بھی زیادہ کر دیا، اپنی ڈالی پر سے پکانے والے نے۔

شاقی ناشتا ذنبی کلتا بکی علی مسکنہ

جب کا شوق مجھے ہو، اُسی کا اُسے بھی ہو۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے صیب

کے لئے رہتا ہو۔

وہ پھر بیوش ہو گئے۔ میں نے خیال کیا پہلی سی غشی ہو۔ مگر اُنھوں

نے ایک لمبی سانس لی اور سر ہو گئے تھے!

سنہ ۱۹۷۷ء (مطابق سنہ ۱۴۰۰ھ) میں فوت ہوئے۔

خلیفہ ہارون الرشید

جب بیماری بہت سخت ہو گئی تو طیب بلائے گئے۔ مگر کسی علاج سے

بھی فائدہ نہ ہوا۔ ہارون یاس ہو گیا اور یہ شعر پڑھے:

ان الطیب بطور دوا لہ لا یطیع دافع کوہ الی

طیب اپنی طب اور دوا سے کسی مصیبت کو اُس کے آجانے کے بعد

دور نہیں کر سکتا۔

الطیب موت بالدار الذی تدکان سیری شلذنی انتری؟

یہ کیا ہو کہ طیب اُسی بیماری سے تڑا ہو جسے ہمیشہ اپنے علاج سے بچا

کیا کرتا تھا؟

ہلک الملوئی الملوئی والذی جلب لہ دواء باعہ من انتری

سعال، مرض، دوا لانے والا، دوا بیچنے والا، دوا خریدنے والا، اب

مر جائیں گے!

جب موت کا یقین ہو گیا تو نبی آخر کونین طلب کیا، اور کہا:

”ہر مخلوق مرجانے والی ہو۔ آج میں بھی موت کے گھاٹ اُتر رہا ہوں

میں بھین تین و میتیں کرتا ہوں: اپنی لمانت کی حفاظت کرنا۔ اپنے

# افسانہ

## غضبِ ناکِ محبوبہ

### L'ARRABIATA

(بال ہیس کے قلم سے)

(۲)

اُس نے خیال کیا، آج دن ختم نہ ہوگا۔ بے صبری سے رات کا انتظار کرنے لگا۔ تھکا ہوا تھا۔ خون نہ چلنے کی وجہ سے بھی طبیعت کمزور ہو رہی تھی۔ ہاتھ کے زخم کا درد بڑھنے لگا۔ وہ لکڑی کی ایک چھوٹی سی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ کی پٹی کھولی تو پھر خون بہنے لگا۔ دوا ہاتھ درم کر آیا تھا۔ بڑی محنت سے اُس نے ہاتھ دھویا۔ موریلا کے زخم کے نشان صاف نظر آتے تھے!

”اُس کی کیا خطا ہو؟“ اپنے آپ سے کہنے لگا۔ ”میں حشی ہو گیا تھا۔ مجھے یہی سزا ملنی چاہئے تھی۔ کل بڑھیا کے ہاتھ اُس کے روال میں کر دیا گیا۔ ادا اب کبھی اُس کا سنا سنا کر دیا گیا!“

زخم دوبارہ دھویا۔ دانتوں کی مدد سے پٹی باندھی۔ بچہ بڑا دراز ہو گیا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔

وہ سمجھ نہ سکا، سوچا تھا یا رات بھر جاگتا رہا۔ لیکن اُسے جان کی دھندلی روشنی میں جب ہوش آیا تو ہاتھ میں سخت درد ہو رہا تھا۔

(۱)

یہ ایک دردناک پیرد تک کی آواز سنائی دی۔

موریلا اُس کے سامنے کھڑی تھی!!

وہ بغیر اجازت کے اندر چلی آئی۔ بالکل خاموش تھی۔ سر روال کھولا، ہاتھ کی لٹکری، اسانے چھوٹے سے منبر پر رکھ دی۔

”بنا روال لینے آئی ہو؟“ انٹونیو نے پوچھا ”ناخن تھیلے اٹھائی۔ میں خود کل سچ کچھ دینے والا تھا“

”روال نہیں“ موریلا نے ہانپتے ہوئے جواب دیا ”میں بڑے سے پہاڑی پر چڑھی ہوئی ڈھوڑھہ ہی تھی۔ لو، یہ لائی ہوں“

”تم نے بڑی تکلیف کی، ملاح نے جوش مسرت کے احسا سے مضطرب ہو کر کہا ”انٹونیو، تم بہت پریشان ہو گئے۔ مجھے تو اب آرام ہو۔ لیکن اگر تکلیف بھی ہو، تو اس کا سستی ہوں۔ تم ایسے کیوں آئیں؟ اگر کوئی دیکھ لے؟ تم لوگوں کی عادت جانتی ہو۔ اب ہر وقت کچھ نہ کچھ کہنا ہی چاہئے“

”میں کسی کی بھی بکواس کی پرواہ نہیں کرتی“ موریلا نے غصے سے ہمدردی کے لیے جملے لہجہ میں کہا ”میں تمہارا ہاتھ دیکھنے اور دوا کرتی آئی ہوں۔ تم اپنے بائیں ہاتھ سے دوا نہیں لگا سکتے“

”میں دوا کا سستی نہیں ہوں۔ سچ کہتا ہوں“ انٹونیو نے تازہ کے ساتھ کہا۔

”اچھا مجھے ہاتھ دیکھئے دو۔ اچھا ہوگا تو دوا نہ لگا دوں گی“ یہ کہہ کر موریلا نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب انکار اس کی قدر سے باہر تھا۔ پٹی کھولتے ہی وہ شہرہ چلائی ”آہ، مسیح!“

”میں معمولی سا دم ہو۔ کل تک اتر جائے گا“ انٹونیو نے بے پروائی سے کہا۔

موریلا نے سر ہلایا:

”تم ایک ہفتہ سے پہلے سمندر میں لوٹا نہیں سکتے“

”اودھ، ایک ہفتہ، دو ہفتے، دس ہفتے“ ملاح نے زنج کہا۔

موریلا اُس کا زخم بڑی توجہ سے دھونے لگی۔ وہ چھوٹے پتے کی طرح کراہتا تھا۔ موریلا نے زخم پر دوا تھوپ دی۔ پٹی باندھ دی۔

دو میں کمی ہو گئی۔

”موریلا! شکریہ!“ انٹونیو نے آرام پا کر کہا ”اگر مجھ پر ایک ادا احسان کرنا چاہو، تو وہ یہ کہ میرا دن والا قصہ صحت کر دو میری سب باتیں بھول جاؤ۔ نہیں معلوم ایسا کیوں ہوا؟ ہرگز نہیں تھا“

کوئی خطا نہیں تھی۔ اب میری زبان مجھے کبھی کوئی ناگوار بات نہیں سنو گی.....

”نہیں نہیں، مجھے معافی مانگنی چاہئے“ موریلا نے جلدی سے کہا

نے بہت بہت استکار کیا مگر دوشیزہ نے اُس کے زخمی ہاتھ سے ڈاٹیلے لی اور خود چلانے لگی۔ وہ ملاح کو نہیں دیکھتی تھی، لیکن ڈاٹیلے اُس کے ہاتھ کے خون کے جھڑپے لگ گئے تھے، اُن پر نظریں گر گئی تھیں۔ دونوں چپ تھے۔ چہرے اترے ہوئے تھے جب ساحل کے قریب پہنچے تو ابھی گری صاحب سلامت کرنے لگے بعض بعض نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ہند کر اشارات بھی کئے۔ لیکن وہ دونوں بالکل خاموش تھے۔ اُن میں ذرا بھی جنبش نہ تھی۔

صبح ابھی تک باقی تھا۔ کنارہ آگیا۔ موریلا نے اپنے کپڑے درست کئے اور اتر پڑی۔

صبح والی بڑھیا اپنی پوتی کے ساتھ وہیں بیٹھی چوفا کاٹ رہی تھی۔ ”انٹونیو! ملاح کو دیکھ چلائی“ تیرے ہاتھ میں کیا ہوا؟

خدا خیر کرے! تیری کشتی بھی خون سے رنگین ہو جائے۔ ”کچھ نہیں“ انٹونیو نے آخری دنگ سے جواب دیا۔ کشتی میں ایک کین بکلی آئی تھی۔ اُس سے زخم لگ گیا۔ سچ تک اچھا ہو جائے گا۔ یہی زیادہ خون تو میرے لیے مصیبت تھا۔ زخم کی راہ بکھل گیا۔

”میاں آؤ، میں پٹی باندھ دوں“ نیکل بڑھیا نے کہا ”ذرا ٹھرو، میں ابھی کوئی چڑی بیٹی لاتی ہوں“

”شکریہ“ انٹونیو نے کہا ”رحمت مذکورہ۔ زخم بھر گیا ہو۔ صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ میری تمدنی اچھی ہو۔ معمولی تکلیف کا کوئی اثر نہیں ہوتا“

”خدا حافظ!“ موریلا نے کہا، جو اب تک کھڑی بڑھیا کی باتیں سن رہی تھی۔

خدا حافظ! ”انٹونیو نے اُس کی طرف نظر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

موریلا اپنے گھر واپس ہو گئی۔ انٹونیو نے بھی بے دلی کے ساتھ اپنی ٹائڈ اور ٹوکریاں اٹھائیں اور بھونڈے کی راہ لی۔

(۵)

انٹونیو اپنے چھوٹے سے بھونڈے میں اکیلا ہو۔ بہت پریشان ہو۔ کسی پہلو میں نہیں۔ اُٹھ کر بیٹھنے لگا۔ ہوا ٹھنڈی تھی اور بے شیشہ کی کھڑکیوں سے اندازہ ہی تھی۔ تنہائی اس کے لئے ایک حد تک آرام دہ تھی۔ دیوار پر مقدس کنواری (میرمیلیا السلام) کی تصویر لٹک رہی تھی۔ وہ تصویر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ کنواری کے سر پر تاروں کی آرائش دیکھی لیکن نماز پڑھنے کو جی نہیں چلا۔ وہ نماز کیوں پڑھو؟

ابھی ابھی وہ اپنی زندگی کی تمام آرزوؤں سے محروم ہو چکا ہو!

انٹونیو، رطلی کے فرق ہونے کے خوف سے سناٹے میں آگیا۔ وہ جٹ بنا کھڑا تھا۔ اُس کے دماغ میں کوئی خیال بھی باقی نہیں رہا تھا۔ آسمان پر نظر پڑنے اس طرح کھڑا تھا، گویا کسی بچے سے استعارہ کر رہا ہو! آخر کار اُس کے حواس درست ہوئے۔ اُس نے ڈاٹیلے اٹھائی اور پوری قوت سے کشتی، رطلی کی طرف لے چلا۔ اُس کی آنکھیں رطلی پر جمی تھیں۔ اُسے بالکل خیال نہ رہا کہ اُس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ بہ رہا ہو۔

موریلا بڑی تیزی سے پرتی چلی جاتی تھی۔ مگر کشتی اُس کے قریب پہنچ ہی گئی۔

”خدا کے لئے کشتی پر آ جاؤ!“ انٹونیو چلا ”میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ خدا جانے میری قتل پر کیسے بھڑکے تھے۔ گویا مجھ پر بکلی کر گئی تھی۔ میرے سینے میں آگ کا تونل چل رہا تھا۔ موریلا میں معافی

تک کی درخواست نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنا کچھ بھی سستی نہیں ہوں۔ بس یہی التجا صرف اتنی ہو کہ کشتی پر چلی آؤ۔ ہارک مسرت ہوا“

موریلا براہِ برہنہ رہی۔ گویا اُس نے سنا ہی نہیں۔

”ساحل تک پہنچنا اور پھر انٹونیو نے پھر کہا“ ابھی پوئے

دوسرے باقی ہیں۔ اسی بلبلان کا خیال کر۔ اُس کا کیا حال ہو جائے گا؟ اگر تمہیں نقصان پہنچا تو میں بھی جان سے دوں گا“

موریلا نے سامنے منگھڑا کر کے تڑپا دیکھا۔ پھر بغیر کوئی جواب دینے کشتی کی طرف آنے لگی۔ کشتی کا کنارہ پکڑ لیا اور پھر چڑھنے لگی۔

انٹونیو، سہارا دینے کے لئے اٹھ کھڑا۔ کشتی ایک طرف جھک پڑی۔ ملاح کی جہاد کنا بے دہی تھی۔ باقی میں بڑھیا۔ رطلی نے سہارا لینے سے اپنی دیکھا۔ پھرتی سے اوپر اٹھی اور اپنی پہلی جگہ پر خاموش جا بیٹھی۔

(۴)

انٹونیو نے اسے ملنے دیکھا کہ کشتی کھینا شروع کر دی۔ موریلا اپنے بال ہاتھوں میں لے کر چھوٹے لے گئی۔

یہ ایک موریلا کی نظر کشتی کی زمین پر پڑی۔ وہ خون سے رنگین تھی اُس نے مٹا انٹونیو کے ہاتھ کی طرف نظر اٹھائی۔ ہاتھ سخت زخمی تھا۔ مگر وہ پوری قوت سے کام کر رہا تھا۔

”یہ لو، موریلا نے کہا اور اپنے روال کی طرف اشارہ کیا انٹونیو نے موریلا کو دیکھ کر منبر کے اشارے سے استعارہ کر دیا۔ اور کشتی چلا رہا۔

تھوڑی دیر بعد موریلا اپنی جگہ سے اٹھی۔ آگے بڑھی۔ ملاح کے سامنے بیٹھ گئی، اور اپنے روال سے اُس کا ہاتھ باندھنے لگی۔ انٹونیو



## جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر مسطورہ میں شائع ہوئی تھی جب کہ رائجی میں نظر بند تھی۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی روش سے کون کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز و غرض ہمت تمام نفع انسانی پر کھول دیا ہے؟  
قیمت ۱۲/- (منیر الہلال کلکتہ)

# اگر آپ کو

# دومہ

# ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شیکتا ہے، تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سوتورہ دوا فروش کی دکان سے فوراً

ایک مین

# HIMROD

کی مشہور عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

# یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما

# گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپ کو مطلع کرے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیج سکیں

جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک

# ڈنلاپ گائیڈ بک برٹین

The Dunlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان

کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک ٹال سلگتے

# کیا آپ معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا کا بہترین فائنٹن قلم

# امریکن کا رخشا "شیفر"

کا

# "لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ نکالتا یا

بیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی بھر

کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری

بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا

میں کوئی نہیں

# کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر"

کا

# "لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی ہو گھر آگئے ہیں کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

**J & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W. 1.**

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے! انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور مختلف ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلہ

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے

بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہو کرتی ہے



# ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی متن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہم

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکہ،  
اور نقوش، پرانے زلیخہ، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی  
عجائب و نوادار، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہمارے نمائش  
گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اداہل دولت، دونوں کے لئے  
ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نواد عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مہامی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران،  
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہر شے گردش کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ادا ہوں!

برہم عظیم یورپ امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نواد حاصل کرتے  
رہتے ہیں۔ تاہم کے نئے ایوان شاہی کے نواد ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں

اگر آپ کے پاس نواد موجود ہیں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت ممکن  
ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے محل کے

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کے پیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے امامین ہی ان فادر و اعلیٰ درجہ کی  
 دلد پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا  
 مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے  
 نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب  
 ہمدردستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

اسرہ حسندہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب  
 ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مہجد  
 ازہائی رویہ -

مَقَابِلِ الرِّسَالَةِ — لفظ ”رسالہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی ہے۔ بلا جلد اڑھائی روپیہ، مجلد سوا تین روپیہ۔

صحاب صفہ — انکی تعداد ' درعہ معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کئے ہیں دس آئے ۔

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا  
اُردو ترجمہ - چار آنے -

۱۔ عہدہ الوثقیٰ — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل  
 بیان کیا ہے۔ چہ اُنے۔

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام نے ضروری حالات زندگی  
نہایت خوش اسلوبی سے بیان دیے ہیں۔ نر آنے

بجود و حجاز۔ علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی تازہ کتاب  
کا اردو ترجمہ۔ سرا روپیہ۔

آئمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آئے  
خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آئے

صیغہ سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کارش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

( حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب )

**“ Al-Hilal Book Agency,”**

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

گاہ گاہ ہے باز خوان این دفتر پارینہ را

آرزوخواهی و اشتن گردانهای سینما را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادوار کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خریں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام دیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خریں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھاپی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مراد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیہ میں خرید دیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع لئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی غلغلہ کرے والیے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں ”البلاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک دخیہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا، ہم نے کوشش کی کہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا دیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ نریش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پروجس کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہو گئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آخری مرقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہو سکے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کے اندکس بہ ترتیب حرف تہجی لگادی گئی ہے۔

[illegible]

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸۔ آنہ - معمول ذاک و بیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

منیجر "البلاغ پریس"

## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی نرائد پر بھی ہوتے ہیں جہی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

## برونو مولر ایند کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاریوں اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے جو "ٹے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "ٹے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

السلامة

# الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر رڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

|                        |   |   |            |
|------------------------|---|---|------------|
| قیمت سالانہ مع معصروں  | - | - | بارہ روپیہ |
| ہندوستان سے باہر کیلئے | - | - | سولہ روپیہ |
| قیمت شش ماہی           | - | - | سات روپیہ  |
| قیمت فی پرچہ           | - | - | پانچ آنہ   |

( ۱ ) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفاظہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے۔

( ۲ ) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔

( ۳ ) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے۔

( ۴ ) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔

( ۵ ) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔

( ۶ ) اگر آپ در تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کراہے، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں۔

( ۷ ) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کورن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں۔

( ۸ ) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض، ( مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا۔



# الہلال

ایک ہفتہ وار مصلوٰر سال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۲۴ - ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۸

Calcutta : Friday, 21, October 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال  
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان  
دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں۔

## قارئین الہلال کی آراء

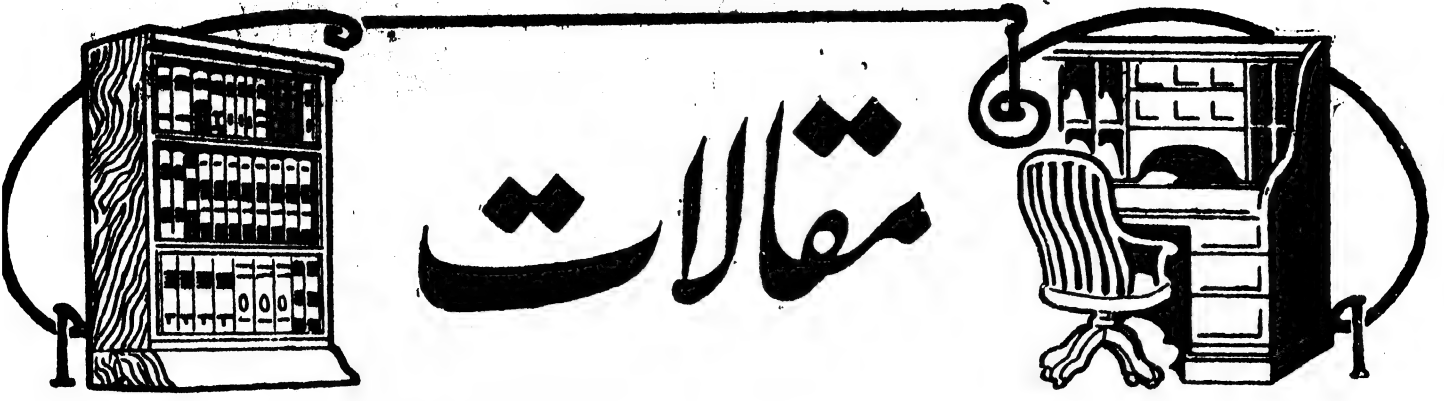
اس باری میں اس وقت تک ۱۴۹۲ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

|                              |     |                        |     |
|------------------------------|-----|------------------------|-----|
| عربی حروف کی حق میں          | ۲۱۷ | اردو حروف کی حق میں    | ۴۱۰ |
| موجودہ مشترک طباعت کی حق میں | ۴۶۴ | حروف کی حق میں بشرطیکہ |     |
| پتھر کی چھپائی کی حق میں     | ۲۵۰ | نستعلیق ہون            | ۱۵۱ |

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کریں گے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال



## علم اور کلیسا کا معرکہ



کلیسائی جہل و جہود کے بعض تاریخی حقائق



گزشتہ تین صدیوں سے دین اور علم کی معرکہ آرائی کا غلغلہ بلند ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ معرکہ دین اور علم میں نہیں ہے۔ دینی جماعتوں اور علم کے مدعیوں میں ہے۔ اگر یہ دونوں صف آرا جماعتیں میدان سے ہٹ جائیں، تو پھر صرف علم اور دین باقی رہ جائیں گے اور دنیا دیکھ لیگی کہ ان میں کوئی نزاع نہیں ہے!

یورپ میں جب نئی علمی ترقیات نے نشو و نما پائی، تو دین، مسیحی کلیسا کی شکل میں موجود تھا۔ علمی حلقوں کا تصادم کلیسا کے جہود و تعصب سے ہوا، اور اس نے معرکہ علم و دین کی صورت اختیار کر لی۔

امریکا میں ڈریپر نے اور یورپ میں کیلی نے اس معرکہ آرائی کی داستانیں لکھیں، اور ”علم“ کی فتح مندیں اور ”دین“ کی ہزیمتوں کا غلغلہ ہر طرف بلند ہو گیا۔ حالانکہ اس فرضی معرکہ آرائی میں انہوں نے جس فرق کو ”دین“ کے نام سے پکارا ہے، وہ دین نہ تھا، دینی جماعتوں کا ایک خاص نظام تھا جو کلیسا کے نام سے قائم ہو گیا ہے۔ اگر وہ ”دین“ کی جگہ ”کلیسا“ کا لفظ اختیار کر لیتے، تو یہ پورا رزم نامہ اپنی جگہ صحیح ہو جاتا، اور ہمیں علم کی فتح مندیں اور کلیسا کی ہزیمتوں کے اعتراف میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا۔ جان ڈکنسن اور پروفیسر رھائٹ نے ڈریپر اور کیلی کی یہ غلط اندیشی دور کرنی چاہی، لیکن ان کی صدائیں زیادہ بلند اور مقبول نہ ہو سکیں۔

(پروفیسر ڈکنسن اور علم)

انیسویں صدی کے آخر میں اکثر مصنفوں نے اس نزاع کی ذمہ داری رومن کیتھولک کلیسے پر ڈال دی ہے اور اسی کو علم کی دشمنی اور علماء کی تعذیب کا مجرم قرار دیا ہے۔ گویا اس کلیسے کے سوا کسی دوسرے مسیحی کلیسے نے علم کی کوئی مقاومت نہیں کی۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ روشن خیالی اور تسامح علمی میں سب سے زیادہ مشہور کلیسا، پروفیسر ڈکنسن بھی عقلی تنگ نظری اور علم دشمنی میں رومن کلیسے سے پیچھے نہیں رہا۔ لڑتے لڑتے جانچینوں نے بھی علم دشمنی میں ریسی ہی مجاہدانہ روح پیدا کر لی تھی، جیسی صدیوں سے قدیم کلیسا میں موجود تھی۔

ٹیلڈو نے جب کورنیکوس کے نظریے کی حقانیت ثابت کر دی، اور دور بین کے ذریعہ چاند میں پہاڑ، سورج میں دھبے، اور عطارد کے اقطار دکھا دیے، تو رومن کلیسا غیظ و غضب سے معجز ہو گیا۔

دینی عدالت کو حکم دیا گیا کہ اس ”ملحد“ کو گمراہی سے روکا جائے، اور کلیسا کی اطاعت پر مجبور کیا جائے۔ دلیل و برہان سے نہیں جس سے کلیسا تہی دست تھا۔ لڑے اور آگ سے، جس کی کنی سے پاس کوئی کمی نہ تھی!

لیکن کیا لڑتے اور اُس کے پیرو اس ”الحاد“ کے کم دشمن تھے؟ کیا انہوں نے عقل کے قید کرنے اور گمراہی کے پہیلانے میں کوئی کمی کی؟ اس کا جواب ہم خود لڑتے کی زبان سے سن سکتے ہیں۔ کورنیکوس کا رد کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:

”لوگ ایک معجزوں نجومی کی بکواس پر کان دھرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ زمین گردش کرتی ہے، نہ کہ آسمان۔ واقعہ یہ ہے کہ لیاقت اور دانائی میں شہرت حاصل کرنے کا ہر خواہش مند انسان کوئی نہ کوئی نیا نظریہ پہیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ مدعی ہوتا ہے کہ اُس کا نظریہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ یقینی ہے۔ یہ آسیب زدہ انسان آج اُنہا ہے کہ علم ہیئت کے تمام قواعد و اصول تہ و بالا کردالے۔ حالانکہ کتاب مقدس میں صاف لکھا ہے کہ یوشع نبی نے سورج سے کہا، ”تہر جا۔ لیکن زمین کو ایسا حکم نہیں دیا گیا، کیونکہ وہ خود ہی تہری ہوئی ہے“

ایک دوسرے پروفیسر ڈکنسن مصلح میلان کا لہجہ اس ”الحاد“ کے مقابلے میں لڑتے نرم ہے۔ لیکن وہ بھی اپنی کتاب میں (جو کورنیکوس کی وفات کے چھ برس بعد شائع ہوئی ہے) لکھتا ہے:

”ہماری آنکھیں مشاہدہ کرتی ہیں کہ آسمان ہر چوبیس گھنٹے میں گھوم جاتے ہیں۔ لیکن بعض جدت پسندوں نے مقصور کرنا شروع کر دیا ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے نہ کہ فلک ثانی اور آفتاب۔ اس قسم کے خیالات کی علانیہ اشاعت اور ان کے ذریعہ مخلوق کی تضلیل، بلند ہمتی اور دیانت داری کے قطعی خلاف ہے۔ کیونکہ یہ لوگوں کے لیے مکرر نتائج پیدا کرنے والا نمونہ بن جائیگا۔ جو کوئی بھی نیکی کا طالب ہے، اُسے حق سے روگردانی نہیں کرنی چاہئے۔ وہ حق، جو خداوند خدا نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، اور جسے سوا سب کچھ باطل ہے“

اس کے بعد یہی مسیحی مصلح مزامیر دارد اور دیگر مقدس صحیفوں کا حوالہ دے کر دعویٰ کرتا ہے ”ان سے پوری وضاحت کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے کہ زمین تہری ہوئی ہے اور سورج اُس کے گرد گھومتا ہے“۔ ”انہا نہیں بلکہ اپنے بیان کے اثبات میں وہ عقلی دلائل بھی پیش کرتا ہے، اور پھر یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ”زمین اُسی حالت میں ایک جگہ قائم رہ سکتی ہے جبکہ وہ اس کائنات کے وسط میں ہو“ پھر اُسے غصہ آ جاتا ہے۔ وہ غضب ناک ہو کر کہتا ہے ”اُن لوگوں کو سخت عبرت انگیز سزائیں دینی چاہئیں جو کورنیکوس کی تعلیم کی اشاعت کرتے ہیں!“

کے بالکل خلاف ہیں ” خواہ ریاضی کے قواعد اور درجہ بندی کے مشاہدات کا کتنا ہی دعویٰ کیوں نہ کیا جائے، لیکن ایک ایماندار مسیحی کو کبھی تسلیم نہیں کرنا چاہیے!“

یہ علم دشمنی صرف قرآن مظلّمہ ہی کا خاصہ نہ تھی۔ جدید پورٹسٹنٹس کو بھی وراثت میں ملی تھی۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آخری برسوں میں مشن کالجوں کے بہت سے استاذ اس جرم پر خارج کر دیے گئے تھے کہ وہ جدید علم ہیئت پر اعتقاد رکھتے تھے اور اس لیے ملحد تھے!

( کلیسائی علم راستدلال )

لاہوتی عدالت میں گلیلیو کی سزا یابی کے بعد رومن کیتھولک کلیسا کی ہدایت سے کئی کتابیں لکھی گئی تھیں، تاکہ کوپرنیکس کی ”گمراہی“ مسیحی دلوں سے دور کی جائے۔ چنانچہ سیپیرومونتی اپنی کتاب میں زمین کو ساکن ثابت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”جو حیوانات حرکت کرتے ہیں، ان کے اعضاء اور عضلات ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ زمین نہ تو اعضاء رکھتی ہے، نہ عضلات، اس لیے وہ حرکت نہیں کر سکتی۔ وہ فرشتے ہیں، جو زحل، مریخ، آفتاب وغیرہ کو حرکت دیتے رہتے ہیں۔ اگر بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زمین متحرک ہے، تو اسے حرکت میں لانے کے لیے ضروری ہوگا کہ اس کے مرکز میں ایک فرشتہ ہو۔ حالانکہ معلوم ہے کہ فرشتے زمین کے اندر نہیں رہتے۔ وہاں تو صرف شیطان کا بسیرا ہے۔ اگر کہا جائے کہ شیطان زمین کو متحرک رکھتا ہے، تو یہ ناقابل تسلیم ہے۔ کیونکہ شیطان کے ایسے اعمال کتاب مقدس سے ثابت نہیں!“

کاش اس مسیحی علامہ کو معلوم ہوتا کہ اگر ستاروں کی حرکت کیلئے فرشتوں کی تلاش ہے، تو وہ فرشتہ موجود ہے۔ اس کا نام ”قوت جذب و دفع“ ہے!

یولاک اپنی کتاب ”کوپرنیکس کے رد“ میں اس طرح گہرا فحاشی کرتا ہے:

”کتاب مقدس کی تصریح موجود ہے کہ زمین ساکن ہے اور سورج چاند گردش میں ہیں۔ اگر کبھی ہم دیکھیں کہ سورج چاند متحرک نہیں ہیں، تو کتاب مقدس کی رز سے ہمیں ماننا پڑیگا کہ یہ تبدیلی کسی عظیم معجزے کی بنا پر پیدا ہوئی ہے۔ اس کے خلاف جتنے خیالات ہیں، ان کی اشاعت پوری سختی سے رک دینی چاہیے، کیونکہ انہیں زمین کے متعلق ایک ایسی رائے پیش کی جاتی ہے جو کتاب مقدس کے صریح خلاف ہے“

یہ عقلی دلائل اور مشاہدے سے بھی استدلال کرتا ہے:

”اگر تسلیم کر لیا جائے کہ زمین حرکت کرتی ہے تو پھر مشاہدات کی توجیہ کیا کی جاسکتی ہے؟ اگر ایک تیر آسمان کی طرف پھینکا جائے، تو وہ اپنی جگہ واپس آجیگا۔ حالانکہ تیر بہت دور جاکر گنا چاہیے۔ کیونکہ اُسے نظریے کے بموجب زمین از حد سرعت سے مشرق کی طرف جا رہی ہے۔ اگر فی الواقع زمین متحرک ہوتی تو زمین کا پورا کارخانہ درہم برہم ہو جاتا“

اسکے بعد لکھتا ہے:

”کوپرنیکس کے نظریے کے بموجب زمین کا متحرک ہونا، خرد زمین کی طبیعت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ زمین صرف ٹھوس

صرف لوہے اور میلان ہی نے اس علمی تحقیق کی مخالفت نہیں کی، بلکہ پورٹسٹنٹ کلیسا کے آراء بہت سے اقطاب بھی سخت مخالف رہے۔ چنانچہ کالون نے اپنی کتاب ”حواشی بر سفر تکوین“ میں کوپرنیکس اور اس کے ہم خیالوں پر بڑی سختی سے حملہ کیا ہے اور ان سب کو کافر اور ملحد قرار دیا ہے جو زمین کو نظام کائنات کا مرکز تسلیم نہیں کرتے۔ وہ زبور کی آیتیں پیش کرنے کے بعد سوال کرتا ہے ”وہ کون ہے جو کوپرنیکس کو روح القدس کی سی عظمت رکھنے والا سمجھنے کی جرأت کر سکتا ہے؟“

کالون کے جانشین، ٹریٹن کی بھی یہی رائے تھی۔ کپلر اور نیوٹن نے جب کوپرنیکس اور گلیلیو کے نظریے پر ری طرح ثابت کر دیے، اور ان کے لیے غیر متزلزل قواعد مقرر کر دیے، تب بھی ٹریٹن اپنی لاہوتی کتاب شایع کرنے سے باز نہیں رہا، اور کتاب مقدس کے نصوص سے ثابت کرنا چاہا کہ آسمان، سورج، اور چاند زمین کے گرد گھومتے ہیں، اور خود زمین نظام کائنات کے مرکز میں قائم و ثابت ہے!

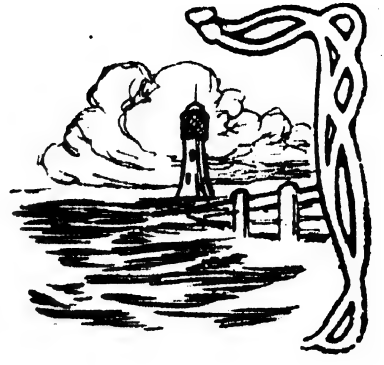
تاریخ انگلستان میں بھی اس لاہوتی جد و جہد کی بہت مثالیں ملتی ہیں۔ ہچکسن نے اپنی کتاب ”اصول موسیٰ“ میں، ڈاکٹر سمویل بیک نے ”مقدس فلسفہ“ میں، ہورن، اسقف ہورسل، اور ورنس وغیرہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں نیوٹن کے نظریے کی بڑی سرگرمی کے ساتھ مخالفت کی ہے۔ کتاب مقدس کی آیتوں سے مسلح ہو کر اس پر ثبوت پڑے ہیں۔ یہی حال ڈاکٹر جان اربن کا ہے، جو پیدروٹین مذهب کا ایک بڑا قطب مانا جاتا ہے۔ اس نے انتہائی دیدہ دلیری سے اعلان کر دیا کہ ”کوپرنیکس کا نظریہ، سراسر وہم و خیال ہے۔ کیونکہ نصوص وحی کے برخلاف ہے“ مشہور جان دیسلے بھی اس گروہ سے باہر نہیں ہے۔ اس کا صاف اعلان تھا ”جدید فلکی نظریے کفر و العاد کی طرف لیجانے والے ہیں“

سولہویں صدی کے وسط میں شہر وینزبرگ میں (جو پورٹسٹنٹ مذہب کا مرکز تھا) دو عالم رٹی کوس اور رینالڈ رہتے تھے۔ انہوں نے کوپرنیکس کے مذہب کی تحقیقات کی تھی، اور اسے حق سمجھتے تھے۔ لیکن انہیں اجازت نہیں دی گئی کہ اپنے طالب علموں پر اپنا یہ اعتقاد ظاہر کریں۔ رٹی کوس نے تو تنگ آکر پرنیورسٹی سے استعفا دیدیا، تاکہ آزادی کے ساتھ اعلان حق کر سکے۔ لیکن رینالڈ یہ نہ کر سکا۔ اسے مجبور ہونا پڑا کہ قدیم مذہب کی حمایت کرتا رہے۔ اسے حکم دیا گیا تھا کہ اپنے درس میں کوپرنیکس کے مذہب کا کوئی ذکر نہ کرے۔ اگر کبھی اشارہ کرنا پڑے تو پھر اس پر بطلموسی نظام کو ترجیح دے۔ اس نے اس حکم پر عمل کیا۔ لیکن اس پر بھی تکفیر سے محفوظ نہ رہ سکا، اور بالآخر ذات کے ساتھ پرنیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ اس کی جگہ ایک نیا استاد مقرر ہوا تھا۔ اس معلم نے اپنی پہلی تقریر اس جملے سے شروع کی تھی: ”کوپرنیکس کا نظریہ، بدیہی طور پر غلط ہے۔ خلاف عقل ہے۔ ہرگز علمی مرکزوں میں اسکا ذکر نہیں کرنا چاہیے!“

پورٹسٹنٹ لاہوتیوں نے صرف انہی ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ تعلیم گاہوں میں بھی ایسی کتابیں داخل کر دیں، جو قدیم خرافات کا مجموعہ تھیں۔ چنانچہ کھن ہنسل نے مدارس کے لیے ایک مختصر کتاب ”اصل کائنات اور نظام موسوی کا اتباع“ لکھی تھی اور ثابت کیا تھا کہ کوپرنیکس کے فلکی نظریے کتاب مقدس



# بریکنگ



## دنیا کی مشترک اور عام زبان



کیا تمام دنیا میں ایک مشترک زمانہ قائم ہو سکتی ہے ؟



اسپرنٹو



گذشتہ مہینے میلان ( اٹلی ) میں یورپ کی نئی مشترک زبان ” اسپرنٹو “ کے حامیوں کا سالانہ اجتماع منعقد ہوا تھا جو کئی سال سے ہر سال منعقد ہوا کرتا ہے ۔ تازہ آگ میں اس اجتماع کی بعض دلچسپ تفصیلات آئی ہیں ۔ چونکہ ہندوستان میں اس وقت تک اس نئی زبان کی نسبت بہت کم لکھا گیا ہے ، اس لیے ہم بعض مضامین کا خلاصہ درج کر دیتے ہیں :

موجودہ علمی ترقیوں ، تمدنی ضرورتوں ، ذرائع مواصلات کی سہولت نے دنیا کے تمام براعظموں کو باہم دگر ملا دیا ہے ۔ اس زمانے میں کوئی قوم ، دوسری قوموں سے قطع تعلق کر کے زندہ نہیں رہ سکتی ۔

لیکن اتنے قرب و مواصلت پر بھی دنیا کی قومیں اس وقت تک ایک دوسرے سے دور ہی ہیں ۔ ان میں باہمی تعارف کے ذرائع بہت کم پیدا ہوئے ہیں ۔ اس صورت حال کی بڑی ذمہ داری قوموں کی علحدہ علحدہ زبانوں پر ہے ۔ ہر قوم اپنی مخصوص زبان رکھتی ہے ۔ دوسری قوم کی زبان سے ناواقف ہے ۔ اگر واقف ہونا بھی چاہے تو بہت مشکل ہے کہ بہت سی زبانیں ہر شخص سیکھ سکے ۔ اس لیے عالمگیر تعارف و اجتماع کی کوئی صورت نکل نہیں سکتی ۔

یہ حالت دیکھ کر مدت سے بعض عقلاء مغرب کا خیال ہے کہ دنیا بھر کے لیے کوئی سہل اور مختصر زبان پیدا کی جائے ۔ ” اسپرنٹو “ ایک ایسی ہی نو ساختہ زبان کا نام ہے جو پچھلی صدی کے اواخر میں ایجاد کی گئی ہے ۔

اسپرنٹو کا موجد ایک روسی ڈاکٹر زمینہوف نامی ہے ۔ یہ صوبہ کردنو کے ایک چھوٹے سے گاؤں بیسلٹوک کا رہنے والا ہے ۔

اس زبان کی ایجاد کا خیال اُسے اُس وقت پیدا ہوا ، جبکہ اُس کی عمر صرف دس بارہ برس کی تھی ۔ اُس نے یہ سرگذشت خود اپنی زبان سے اس طرح بیان کی ہے :

” میرے گاؤں میں روسیوں ، یہودیوں ، پولشوں ، جرمنوں کی مخلوط آبادی تھی ۔ میں روز سڑکوں پر لڑائی جھگڑے کے واقعات دیکھا کرتا تھا ۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ جھگڑے زیادہ تر اس لیے پیدا ہو جاتے ہیں کہ باشندے ایک دوسرے کی زبان نہیں

اور سرد ہی نہیں ہے ، بلکہ اپنے عناصر میں برودت کے خواص بھی رکھتی ہے ۔ معلوم ہے کہ برودت حرکت کو روکتی ہے ۔ بلکہ اُسے فنا کر دالتی ہے ۔ ہم حیوانات میں دیکھتے ہیں کہ ٹہنڈے پڑ جانے کے ساتھ ہی اُن کی حرکت بھی موقوف ہو جاتی ہے ۔ لہذا زمین کا متحرک ہونا قطعاً محال ہے “

” کتاب مقدس کی صریح نصوص سے ثابت ہے کہ آسمان زمین کے اوپر حرکت کر رہے ہیں ، اور چونکہ مدور حرکت کے لیے ضروری ہے کہ اُسکا کوئی مرکز قائم ہو ، لہذا تسلیم کر لینا پڑیگا کہ زمین نظام کائنات کے وسط میں ثابت قائم ہے “

یہ کیتھولک کلیسا کے خیالات تھے ۔ مگر پروٹسٹنٹ کلیسا بھی اس سے کچھ کم عقل مند نہ تھا ۔ لوتھر کے پیرو بھی کتاب مقدس کی تفسیروں اور لوتھر کے اقوال کے اندھے مقلد تھے ۔ کالویس باوجود اپنے وسیع علم و نظر کے ، لوتھر کا اس درجہ مقلد تھا کہ اُس نے بھی اس علمی حقیقت کے تسلیم کرنے صاف انکار کر دیا ۔ زمین کی حرکت کے خلاف اُس کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی :

” کتاب مقدس میں لکھا ہے ۔ خدا نے خرقیا نبی سے کہا ” دیکھ میں آفتاب کے ڈھلے ہوئے سایہ کے درجوں میں سے جو دھوپ گہڑی میں معلوم کیے جاتے ہیں ، دس درجے بھرا کے چڑھا لاؤنگا “ چنانچہ آفتاب جن درجوں میں ڈھل گیا تھا ، اُن سے دس درجے بھر چڑھ گیا ( اشعیاہ - باب ۳۸ ) “

انگلستان کے مشہور لاهوتی عالم ڈاکٹر اسمتھ نے اعلان کر دیا تھا :

” شاہی علمی انجمن ، ملاحدوں کی انجمن ہے اور دین کے خلاف کوشش کر رہی ہے “

جان اوبن کا اعلان ہے :

” نیوٹن کا نظریہ کبھی صحیح عامی بنیاد پر قائم نہیں ہوا ۔ وہ سراسر ارہام و خرافات ہے ۔ اور کتاب مقدس کی صریح نصوص کے مخالف ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتنا ہے “

جان ریزی کا مقولہ مشہور ہے :

” اگر سحر و ساحری بے اصل چیز ہے ، تو انجیل کی کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے “

یہ تھی مسیحی کلیسا کی ذہنیت جس نے علم کے مقابلہ کا اعلان کیا تھا ، اور یقیناً اُس کے لیے اس میدان مبارزت میں دائمی اور ہلاکت انگیز شکست کے سرا کچھ نہ تھا ۔ کسی انسان کو بھی جو حقیقت اور صداقت کا احساس رکھتا ہے ، اس شکست پر متاسف نہیں ہونا چاہئے ۔



نعل کی تصریف یوں ہوتی ہے :

| (مصدر)  | (محبت)            |
|---------|-------------------|
| mi Amas | میں محبت کرتا ہوں |
| mi Amis | میں نے محبت کی    |
| mi Amos | میں محبت کرونگا   |
| mi Amus | شاید میں محبت کرں |
| Amu     | محبت کر           |
| Aman ta | محبت کرنے والا    |
| Amin to | محبت کرتا تھا     |
| Amon te | عنقریب محبت کریگا |

اسپرانٹو زبان میں مسیحی نماز کی دعا کا ترجمہ یہ ہے :

Patro nia Kiu estas en la cielo,

اے ہمارے باپ تو جو آسمان میں ہے !

sankta estu Via nomo, Venuregeco Via.

تیرا نام پاک مانا جائے؛ تیری بادشاہی آئے !

Estu rolo Via Kiel en la cielotiel ankau, sur la tero.

تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے، زمین پر بھی ہو !

Panon mian ciu tagan donu almi hodiau.

ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے !

Kaj pardona al ni suldojon niajn.

ہمارے قرض ہمیں بخش دے !

Kiel ni ankau pardonas al niajsuldantoj.

جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو بخش دیا ہے !

Ni Konduku nin en tenton.

ہمیں آزمائش میں نہ پڑنے دے !

Sed lilerigu nin de la mallona.

بلکہ برائی سے بچا !

Amen !

آمین !

سمجھتے - میں نے خیال کیا، اپنے گاؤں کے لیے کوئی ایسی زبان ایجاد کرنی چاہئے، جو سب کے لیے آسان اور قابل فہم ہو۔ اسپرانٹو، اسی خیال کا نتیجہ ہے۔

یہ کام آسان نہ تھا۔ ڈاکٹر مذکور کو یورپ کی تقریباً تمام زبانیں سیکھنی پڑیں۔ سب کی صرف ر نعر میں مہارت حاصل کی، اور ایک بالکل نئی زبان اور نیا قاعدہ بنانا پڑا۔ سنہ ۱۸۸۵ ع میں اُس نے اپنی تعلیم ختم کی تھی اور طبابت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ تاہم اُس کی تمام تر توجہ اس نئی زبان کی تکمیل و اشاعت ہی پر صرف ہوتی رہی۔ سنہ ۱۸۸۷ ع میں اُس نے اس زبان کی پہلی کتاب شائع کی۔ اُس کا نام ”عالمگیر زبان“ تھا۔

شروع شروع میں اُسے سخت ناکامیابی ہوئی۔ سب لوگ اُسے معجزوں قرار دیتے تھے۔ کوئی اُس کی مدد پر کھڑا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن بتدریج یورپ میں اُس کا خیال مقبولیت حاصل کرنے لگا، اور اس زبان کی ترقی کے لیے پیرس میں ایک انجمن ”Esperantistes Pacifiques De Paris“ کے نام سے قائم ہو گئی۔

سب سے پہلے سنہ ۱۸۷۸ میں دنیا نے یہ نئی زبان سنی۔ ڈاکٹر موصوف نے ایک جلسہ میں اس زبان کی ایک نظم سنائی۔ اس کے ابتدائی بند مع ترجمہ حسب ذیل ہیں :

En La mondo vanis nova sento

دنیا میں ایک نیا شعور آیا۔

Fra La mondo iras ferta voko

دنیا میں ایک طاقتور دعوت پھیلانے لگا

Per de flugiloj de facila vento

هلکی ہوا کے بازوؤں پر

Nun de loko flugu gi al loko

اے ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑنے دو !

اسپرانٹو، اس قدر آسان زبان ہے کہ اُس کے تمام قواعد ایک گھنٹہ کے اندر معلوم کر لیے جاسکتے ہیں۔ اُس کے الفاظ کی تعداد صرف دو ہزار ہے۔ چند ہفتے کی مزاالت کے بعد گفتگو اور تحریر بغویہ کی جا سکتی ہے۔ اُس کے تمام الفاظ یونانی، لاطینی، جرمن، روسی، فرانسیسی، اور انگریزی زبانوں سے ماخوذ ہیں۔ اُس میں صرف ۲۳ حرف ہیں۔ u, s, j, h, g, c دو حرفوں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ کوئی ساکن حرف نہیں ہے۔ جو حرف لکھا جاتا ہے، تلفظ بھی کیا جاتا ہے۔ شاذ افعال بھی نہیں ہیں۔ معرفہ کا صرف ایک حرف ہے اور وہ Ia ہے۔

الفاظ کی تسمیں اُن کے اواخر سے پہچانی جاتی ہیں۔ مثلاً Patro (باپ) میں o اسم کی علامت ہے۔ Patra (ابوی) میں a نسبت کی علامت ہے۔ Patre میں e ظرف کی علامت ہے۔ Palri میں i فعل کی علامت ہے۔

حروف علت، a, e, u, o، جب اصل لفظ سے ملا دیے جاتے ہیں، تو وہ لفظ یا تو صفت ہو جاتا ہے یا ظرف، فعل، اور اسم۔

## الہلال کی ابتدائی نمبر

الہلال سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر ۱ - ۴ - تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دوگلی قیمت پر خریدنے کے لیے طیار ہیں۔ دفتر کو اطلاع دی جائے۔

منیجر



سلطان عبد الحمید  
جس نے اصلاحات کو مزید رونق اور ترقی دی



اصلاح ہری تھی اور دستوری حکومت کا اعلان کیا گیا تھا۔  
جاپان تیس سال کے اندر مشرق کی سب سے بڑی طاقتور  
حکومت بن گیا، لیکن عثمانی حکومت نے اسی تیس سال کے اندر  
اپنی رہی سہی طاقت بھی فنا کر دی۔ جاپان نے دستوری  
حکومت قائم رکھی تھی، سلطان عبد الحمید نے چھ ماہ کے بعد  
اس کا خاتمہ کر دیا تھا!

اصلاحات کا خاتمہ کر دینے کے بعد سلطان نے ایک نئی  
حکومت عملی ایجاد کی۔ یہ حکمت عملی ترکی اور ترکی سے باہر "دین  
الاسلامی حکمت عملی" یا "اتحاد اسلامی" کے نام سے پکاری جاتی  
تھی۔ اس کا منشا یہ بیان کیا گیا تھا کہ "یہ تمام مسلمانان عالم کی  
معنوی اور اخلاقی اعانت مرکز خلافت کے ساتھ وابستہ کر دیگی"  
چنانچہ مدتوں کا لپٹا ہوا علم خلافت از سر نو بلند کیا گیا۔  
علماء و مشائخ کا ایک بڑا گروہ دارالخلافت میں جمع ہو گیا۔  
ابو الہدی رفائی اور شیخ ظافر وغیرہ مشائخ نمایاں ہوئے،  
عربی عنصر سے از سر نو رشتہ ارتباط قائم کیا گیا۔ عزت باشا عابد  
وغیرہ سر پر آرزو عرب مقرب بنائے گئے۔ عرب سپاہی بڑی بڑی  
تذخروں پر باقی گارڈ میں داخل کیے گئے، عربی ممالک



قدیم ترکی فوج کا ایک منظر  
ینگ چری سپاہی جو اصلاح کی راہ میں سب سے بڑی رک تھے

## تاریخ و عبر

### حکومت ترکیہ

اور اس کے اجتماعی و سیاسی تغیرات

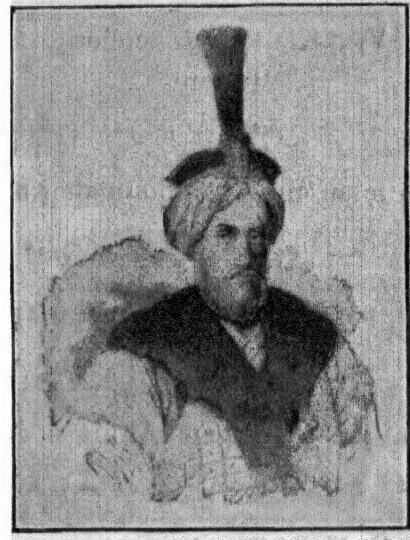
شرع سے اب تک

(۲)

(بین الا سلامی ترکی)

سنہ ۱۲۳۹ھ (۱۸۷۶ ع) سے سنہ ۱۳۴۶ھ (۱۹۰۸ ع) تک

صورت حال یہ تھی کہ سلطان عبد الحمید ثانی ترک مصلحین  
کی سعی و تدبیر سے تخت نشین ہوئے۔ مدحت پاشا اور  
اس کے ساتھی اصلاح پسند وزراء نے سلطان مراد کی جگہ



سلطان محمود مصلح

مقرونی سنہ ۱۸۳۹

عبد الحمید کو اس لیے تخت نشین کیا تھا، کہ وہ محسوس  
کرتے تھے، سلطنت اور قوم کی سب سے بڑی ضرورت اصلاح اور دستور  
ہے، اور اس کے لیے اس نوجوان شہزادہ کا سلطان ہونا مفید ہوگا۔  
عبد الحمید تخت نشین ہوا۔ اصلاحات کا مزید اعلان کیا گیا۔  
عثمانی سلطنت "شخصی" کی جگہ "دستوری" قرار پا گئی،  
اور عثمانی پارلیمنٹ کے قیام کا فرمان نازل ہو گیا۔

اگر یہ صورت حال جاری رہتی، تو باوجود دل یورپ کی پے ہم  
مقار و متوں اور جنگ پلیونا کے شدید نقصانات کے، دولت عثمانیہ کی  
نئی نشر و نما شروع ہو جاتی۔ لیکن افسوس ہے کہ بہت جلد  
سلطان کے مزاج نے پلٹا کھایا، اصلاح پسند عنصر کی جگہ قدامت  
پرست اور خود غرض پاشاؤں کا اقتدار قائم ہو گیا، اور اصلاح و تغیر کی  
تمام امیدیں جو سلطان محمود مصلح کے زمانے سے نشو و نما پائے  
گئی تھیں، سنہ ۱۸۸۰ میں ختم ہو گئیں!

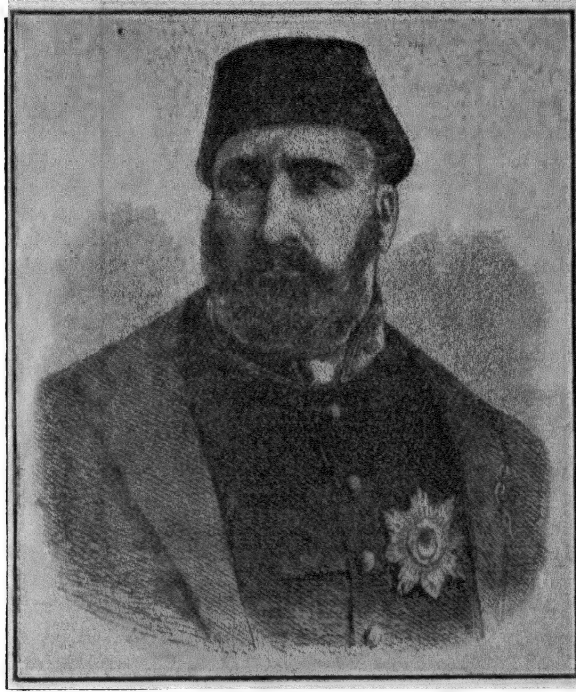
جس سال سلطان عبد الحمید تخت نشین ہوا اور عثمانی  
دستور کا اعلان کیا گیا، اسی سال جاپان کے نظام حکومت میں بھی

میں داعی بھیجے گئے - حجاز ریلوے  
بنائی گئی - غرض کہ ایک ایسی فضا  
پیدا کر دی گئی جس نے مسلمانان عالم  
میں ”خلیفہ اسلام“ کی شہرت عام  
کر دی - اس صورت حال نے سلطان کے  
ہاتھ میں بظاہر ایک ایسی قوت  
دیدہ تھی جس سے وہ دول یورپ کو  
اپنے عالمگیر اسلامی اثر کا یقین دلانا  
چاہتا تھا -

اس میں شک نہیں کہ سلطان  
عبد الحمید کی اس حکمت عملی نے  
ایک سطحی شان و شوکت اور نام و نمود  
ضرور پیدا کر دی تھی - دنیا کی سطح  
پس نگاہیں دیکھتی تھیں کہ سلطنت  
عثمانی کی بین الاسلامی مقبولیت کا  
دائرہ وسیع ہو رہا ہے - لیکن فی الحقیقت  
یہ جو کچھ بھی تھا، محض ایک بالائی

نمایش تھی - تہہ میں کوئی صحیح اور حقیقی عملی روح نہ تھی -  
جہاں تک خلافت آل عثمان کی بین الاسلامی مقبولیت کا تعلق ہے  
تیس برس کے پورے حمیدی دور میں کوئی کوشش ایسی نہیں  
کی گئی جس کا منشا یہ ہو کہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے  
صحیح بنیاد پر روابط قائم کیے جائیں، اور ان میں اور مرکز خلافت  
میں معنوی اور اخلاقی معاونت کا رشتہ پیدا ہو - ایسے دماغ قصر  
سلطانی میں موجود ہی نہ تھے جو ان مہمات کے فہم و عمل کی  
استعداد رکھتے ہوں - اس باب میں جو کچھ بھی ہوا، وہ اس سے  
زیادہ نہ تھا کہ در چار خود غرض اور خداع عرب، صوفیت اور تقدس  
کے ہمیش میں قصر سلطانی تک پہنچ گئے، اور سلطان کی تڑھم

پرستی سے فائدہ اٹھا کر اس پر  
حاری ہو گئے - شیخ ابو الہدی  
رفاعی، شیخ ظافر مدنی، فضل اللہ  
مالا باری وغیرہ، اسی قسم کی  
شخصیتیں تھیں - وہ نہ تو اسلامی  
ممالک میں کوئی اثر و رسوخ رکھتی  
تھیں، نہ اس طرح کے کاموں کے  
فہم و عمل کی ان میں صلاحیت  
تھی - اگر انہوں نے اس قسم کا  
کوئی کام انجام دیا بھی، تو وہ صرف  
یہ تھا کہ عراق اور شام میں ایسے لوگوں  
کی ایک جماعت پیدا کر دی، جو  
بیش قرار و ظائف لیکر سلطان کی  
مدح و ثنا میں سرگرم رہا کرتے تھے  
اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد سلطان  
کی اطاعت و انقیاد کے وجوب پر  
کوئی کتاب شائع ہو جایا کرتی تھی -  
سب سے بڑا کام اس جماعت کا  
اور اس کے ہم مشروہوں کا یہ تھا،  
کہ جاسوسی اور مخفی خبر رسانی کا  
ایک بالا تر محکمہ بن گئے تھے -



سلطان عبد العزیز

سب و رز فرضی خطروں کے گڑھے اور پھر  
ان کے انسداد کے لیے بڑی بڑی رقموں  
کے وصول کرنے میں سرگرم رہتے -  
اسلامی خلافت، بین الاسلامی مرکزیت،  
دینی شوکت و جبروت، اور روحانی  
پیشوائی، سلطانی کا یہ تمام طلسم،  
صرف ان بنیادوں پر قائم تھا، کہ قصر  
بلدز کی داخلی حکومت ترک افسروں  
کی جگہ حبشی اور حجازی خواجه  
سراؤں کے ہاتھ میں چلی گئی تھی،  
سلطان کا خاص بادی گارڈ عرب سراؤں  
کا تھا، افریقہ اور ہندوستان کے بعض  
سیاحوں کو جو گاہ گاہ قسطنطنیہ آجاتے  
تھے، ”نشان حمیدی“ کے تمغے مل  
جاتے تھے، تعلیم و ترقی کی تمام راہیں  
یہ کھر بند کر دی گئی تھیں کہ  
”اسلامی مقاصد“ کے خلاف ہیں -

اصلاح نظام حکومت کو اتحاد اور زندقہ سے تعبیر کیا جاتا تھا،  
تمام اصلاح طلب مسلمانوں کا شمار ”مرتدین“ میں تھا، اور سب  
سے بڑھ کر یہ کہ ہر ہفتہ شیخ ابو الہدی وغیرہ مشائخ بلدز کے  
خواب میں دنیا کے تمام پیغمبر اور اولیا آکر سلطان عبد الحمید  
کے لیے الہی برکتوں اور غیبی نصرتوں کی بشارتیں پہنچا دیا  
کرتے تھے!

سلطان عبد الحمید نے اگر صرف وہ قوت ہی منظم کر دی ہوتی  
جو خلافت اسلامی کی بین الاسلامی مقبولیت سے پیدا ہو رہی  
تھی، تو فی الحقیقت یہ آسے تمام جبر و استبداد کا کفارہ  
ہوتا، اور دولت عثمانیہ کے لیے مغربی طاقتوں کے غلبہ و تسلط کا  
خطرہ ہمیشہ کے لیے دور ہو جاتا،

لیکن وہ تو اسلام اور اسلامی خلافت  
کو محض اپنے شخصی استبداد کے  
حفظ و بقا کا آلہ بدانا چاہتا تھا -  
ارہام و خرافات کے سوا کوئی حقیقی  
عمل اس کے سامنے نہیں تھا -  
چین کے پانچ کروڑ مسلمانوں نے بار  
بار منتیں کیں اور وفود پر وفود  
بھیجے کہ انکی دینی ہدایت و تعلیم  
کا انتظام کیا جائے، لیکن کچھ  
نہیں کیا گیا - افریقہ کے مسلمانوں  
کے وفود چار سال تک قسطنطنیہ  
میں پڑے رہے تا کہ انہیں مرکز  
خلافت انڈی اخلاقی سر پرستی  
میں لیلے، لیکن کوئی شنوائی  
نہیں ہوئی - مصر اور مراکش کی  
سر پرستی خود اپنے ہاتھوں ضائع  
کر ڈالی - یمن اور نجد کے قبائل  
محض اس لیے سرکش و مخالف  
رہے، کہ ترک رالیں کے مظالم سے  
انہیں کبھی نجات نہیں ملتی تھی -



مصطفیٰ فاضل پاشا

جس نے سلطان عبد العزیز کے نام لائحہ اصلاحیہ بھیجا تھا -

معلوم کی جاسکے۔ یلدز کے بعض کاغذات سے معلوم ہوا تھا کہ صرف چھ ماہ کے اندر یعنی مارچ سنہ ۱۸۹۸ سے ستمبر سنہ ۱۸۹۸ تک تین سو اسی آدمی گرفتار کئے گئے تھے !

لیکن نہ تو سلطان عبدالحمید دنیا کے پچھلے جبار و مستبد حکمرانوں سے زیادہ طاقتور تھا، نہ اس کی خاطر خدا کے قوانین حق و عدالت معطل ہو جا سکتے تھے۔ بالآخر نوجوان ترکوں کی پنجاہ سالہ مساعی بار آور ہوئیں، اور عین اُس وقت جب کہ سلطان کے وہم و گمان میں بھی کسی طرح کا خدشہ نہ تھا، مناسرار اور سلاطین میں انقلاب کا نام ممکن التسخیر علم بلند کر دیا گیا۔ سلطان نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس ناگہانی طاق کا مقابلہ کرے مگر نہ کرسکا۔ اور عثمانی دستور کے قیام کا اعلان کرنا پڑا۔

یہ دستور سلطان کی ذات خاص کا مخالف نہ تھا۔ لیکن سلطان کی مستبد روح اُس سے موافق نہ ہو سکی۔ بالآخر نو ماہ کے بعد تصادم ہوا، اور محمود شوکت پاشا مرحوم نے اپنی مشہور عالم تیس ہزار فوج کے ساتھ قسطنطنیہ پہنچ کر قصر یلدز کا محاصرہ کر لیا۔ تین دن کے محاصرہ کے بعد عثمانی پارلیمنٹ کے نمائندے قصر یلدز میں داخل ہوئے، اور قوم کا پیغام پہنچا دیا کہ ”آپ معزول کیے گئے“ اور شہزادہ محمد رشاد تخت نشین ہو رہے ہیں۔ ”قصر یلدز کے اس مشہور قہرمان نے اس وقت لرزے ہوئے یہ التجا کی تھی ”میں اپنی زندگی کیلئے تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں“ ! یہ اب اپنی زندگی کیلئے انسانوں کو خدا کا واسطہ دیتا تھا۔ اُن انسانوں کو جنہوں نے اپنی مظلوم اور بیکس زندگی کیلئے سیکڑوں مرتبہ اُسے خدا کے واسطے دیے تھے، لیکن ایک لمحہ کیلئے بھی اُسکے دل میں خدا کے خوف نے جگہ نہیں پائی تھی !

تاریخ مشرق کا یہ عبرت انگیز انقلاب جولائی سنہ ۱۹۰۸ ع میں واقع ہوا تھا۔

(اتحادی ترکی)

جمعیت اتحاد و ترقی کا درر

سنہ ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ ع) سے سنہ ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ ع) تک

انجمن اتحاد و ترقی نے برسرِ اقتدار آئے ہی ”رطنیت“ ”حریت“ ”اخوت“ اور ”مساروت“ کی بنیادوں پر عثمانی سلطنت کو استوار کرنا چاہا۔ نوجوان ترک، بڑے ہی ذہین، چست، اور مخلص تھے، لیکن مدبر اور تجربہ کار نہ تھے۔



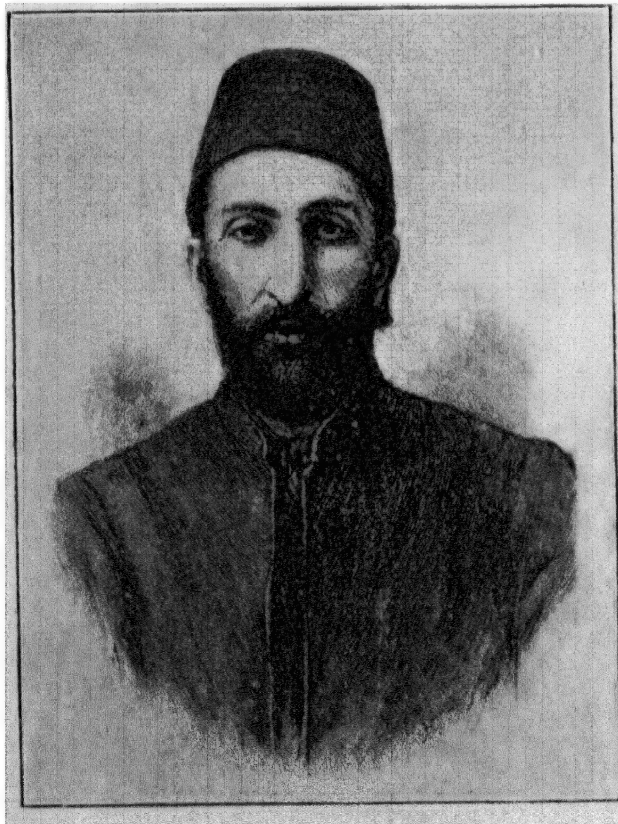
مدحت پاشا  
شہید راہ حریت و دستور !

اصل یہ ہے کہ سلطان عبدالحمید مرحوم نے اتحاد اسلامی اور خلافت دینی کا مظاہرہ اس لیے نہیں کیا تھا کہ فی الحقیقت اس باب میں کوئی روشنی اس کے سامنے موجود تھی، اور وہ کسی تعمیری جذبہ سے اس طرف قدم بڑھانا چاہتا تھا، بلکہ یہ تمام باتیں محض ایک طرح کے منفی اور تخریبی جذبہ سے پیدا ہوئی تھیں۔ مقصود یہ تھا کہ اس کے ذریعہ اصلاح طلب تحریک کی نشر و نما کا خاتمہ کر دیا جائے، اور اُس کی طرف سے عثمانی رعایا کے قلوب غافل ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ باتیں صرف اسی حد تک کام میں لائی جاتی تھیں، جس حد تک ترکی مصلعین کی مخالفت میں سود مند ہوسکتی تھیں۔ حقیقت اور

عملیت کی کوئی روح موجود نہ تھی۔ اگر سلطان عبدالحمید اتحاد اسلامی اور مرکزیت خلافت کی تقویت کا واقعی طلب کار ہوتا، تو سید جمال الدین اسدآبادی اور شیخ محمد عبدہ سے بڑھ کر اس کے لیے کون داعی اور عامل ہو سکتے تھے؟ ان دنوں نے بیس برس تک اپنی تمام طاقتیں عبدالحمید کے ہاتھوں میں دیدینی چاہیں، لیکن ان کے ساتھ جو سلوک ہوا، دنیا کو معلوم ہے۔ پیلے کو موت کا زہر آلودہ جام پینا پڑا۔ دوسرے کو قصر سلطانی کی چوکت تک باریابی نصیب ہی نہ ہوئی !

بہر حال سلطان عبدالحمید کا دور، دولت عثمانیہ کے زوال طاقت کا آخری عہد تھا۔ سلطان کو مدحت پاشا کی جماعت نے اس لیے تخت نشین کیا تھا، کہ وہ سلطان مصلح کی اصلاح کی تکمیل کرے، اور دولت عثمانیہ کو استبدادی حکومت کے مفاسد سے نجات مل جائیگی۔ سلطان نے ابتدا میں اصلاح پسند جماعت کا ساتھ دیا۔ ترکی پارلیمنٹ قائم کر دی گئی۔ لیکن پھر بتدریج رجعت پسند عناصر برسرِ اقتدار آ گئے۔ پارلیمنٹ معطل کر دی گئی۔

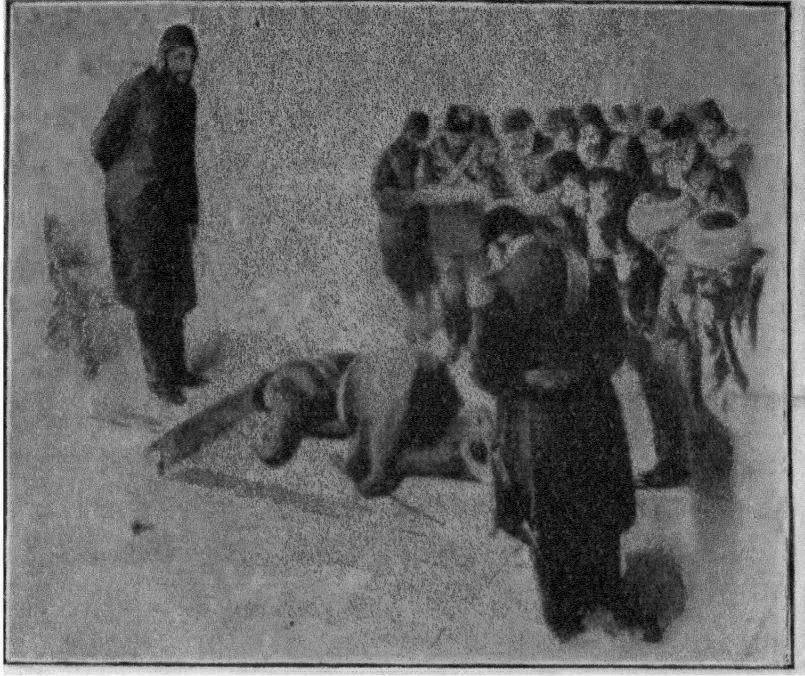
مدحت پاشا اور اُس کے ساتھیوں کو فرضی الزامات عائد کر کے گرفتار کر لیا گیا، اور قلعہ طائف کے قید خانے میں کلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اس کے بعد تمام نظام حکومت تہہ و بالا ہو گیا۔ وزراء اور دفاتر حکومت کی جگہ ”مابین ہمایونی“ یعنی قصر سلطانی کی براہ راست حکومت شروع ہو گئی۔ اس حکومت کا نہ تو کوئی اصول تھا، نہ قاعدہ۔ نہ بھت بنتا تھا، نہ مالیت کا کوئی تخمینہ تھا۔ خراجہ سراؤں کے افسر ”بہرام آغا“ نے ہاتھ میں سب کچھ تھا۔ وہ سلطان کے احکام باب عالی کے وزراء تک پہنچا دیا کرتا۔ بیس برس کے اندر جتنے انسان محض اس بنا پر ہلاک کر دیے گئے، کہ اُن پر اصلاح پسندی و انقلاب کا شبہ تھا، کوئی ذریعہ نہیں کہ انکی صحیح تعداد



سلطان عبدالحمید  
چالیس سال کی عمر میں



پیش بندی کر کے ۱۳۲۹ ع میں والی بیرت ادھم بک کو حاکم دیدیا کہ صوبہ شام کی کونسل سے مطلوبہ اصلاحات کے بارے میں گفتگو کر کے رپورٹ طیار کرے۔ اس پیش بندی نے ترکی کو بہت فائدہ پہنچایا۔ کیونکہ جب فرانس نے سرکاری طور پر شام میں اصلاحات جاری کرنے کا مطالبہ کیا، تو کامل پاشا نے اس جواب سے اسکا منہ بند کر دیا ”ہم پہلے ہی سے اس فکر میں ہیں“



عرض عبدیت !

سلطان عبد الحمید کے سامنے وزراء حکومت سجدہ کر رہے ہیں !

ادھر یہ سیاسی بازی کبھی ہو رہی تھی، ادھر

انجمن اتحاد و ترقی گہات لگائے بیٹھی تھی۔ چنانچہ مرقعہ پاتے ہی آسنے وزارت الت دی، اور محمود شوکت پاشا وزیر اعظم قرار پائے۔ انہوں نے آتے ہی شامی کونسل کو غیر قانونی قرار دیدیا، اور والی کو خفیہ اشارہ کر دیا کہ تحریک کو ابھرنے نہ دے۔ والی نے پوری سختی ظاہر کی، حتیٰ کہ جنگی قانون بھی جاری کر دیا، مگر اس پر بھی شامی انجمن نے اپنا سالانہ جلسہ کر ہی دیا۔ اس جلسہ میں ۸۲ نمائندے شریک ہوئے تھے۔ انہوں نے اصلاحات کا لائحہ منظور کر لیا۔ جب حکومت نے اور بھی زیادہ تشدد کیا، تو شامیوں نے اپنی مروت پر پیرس میں منعقد کی۔ اب انجمن اتحاد و ترقی پریشان ہوئی۔ کیونکہ ایک طرف اُسکی حریف ”انجمن ائتلاف و ترقی“ برسر مخالفت تھی، دوسری طرف عربی مسئلہ بین الاقوامی شکل اختیار کرتا جاتا تھا۔ ایک عجیب اتفاق یہ ہوا کہ عربی موتمر، محمود شوکت پاشا کے قتل کے تیسرے دن منعقد ہوئی، جس سے حکومت اور بھی زیادہ متاثر ہوئی، اور

پرنس سعید حلیم پاشا وزیر اعظم صام و آشتی کی حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایک نمائندہ پیرس بھیجا، اور عرب رہنماؤں سے گفت و شنید کے بعد مطلوبہ اصلاحی لائحہ کا بڑا حصہ منظور کر لیا۔

شامیوں کی کامیابی دیکھ کر عراقیوں کے خوں میں بھی گرمی پیدا ہوئی، اور طالب بک نقیب کی سربراہی میں عراق نے اصلاحات کا مطالبہ شروع کر دیا۔ لیکن اب نوجوان ترک سنبھل گئے تھے۔ انہوں نے جاوید پاشا کو



سلطان عبد الحمید کے دور حکومت کا خاتمہ

یہ اس مرقعہ کا مرقع ہے جب قوم کا وفد پیام عزل پہنچا رہا ہے !

انہوں نے تاریخ کا سبق بھلا دیا، اور سادہ لوحی سے یقین کر لیا کہ ان نئے اصول پر چلنے سے یورپ اور سلطنت کے مسیحی عناصر مطمئن ہو جائیں گے، اور اُنکا ملک خوشحال اور ترقی یافتہ ہو جائیگا۔ یہی حسن ظن، اُنکی سب سے بڑی غلطی تھی۔ چنانچہ فوراً داخلی اور خارجی مشکلات نمودار ہو گئیں۔ آسٹریا نے بوسنیا ہرزیگوینا پر قبضہ کر لیا۔ یونان کریت پر قابض ہو گیا۔ اٹلی نے طرابلس الغرب پر ہاتھ صاف کیا۔ البانیا کت کر الگ ہو گیا، بلقانی

ریاستوں نے یورپ کے اکثر ترکی مقبوضات ہضم کر لیے۔ ملک کے اندر غیر ترکی عناصر نے سرکشی شروع کر دی۔ صرف غیر مسلم جماعتوں ہی میں نہیں، بلکہ مسلمانوں میں بھی نئی نئی انجمنیں قائم ہو گئیں۔ خود دار الخلافہ میں مسلمانوں کی متعدد مخالفانہ انجمنیں بن گئی تھیں۔ مثلاً ”انجمن الخاء عربی“ ”عربی کلب“، ”چرکس انجمن“ ”کردی انجمن“ ”البانی انجمن“ وغیرہ۔ ان انجمنوں کے ظہور کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ان اسلامی عناصر اور ترکی عنصر میں نفرت و عداوت پیدا ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر خود ترکوں میں سلطنت کی حکمت عملی کے متعلق اختلاف رونما ہو گیا۔ ایک گروہ نے از سر نو حمیدی سیاست زندہ کرنی چاہی۔ ایک گروہ نے ”ترانیت“ کا نعرہ بلند کیا۔ آخری گروہ کا تعصب یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ اُسکے ترجمان اخبار ”اقدام“ نے تجویز پیش کر دی کہ ترکی زبان سے تمام عربی الفاظ خارج کر دینے چاہئیں !

لیکن پیہم مصائب نے زمام حکومت معتدل گروہ کے ہاتھ میں دیدی۔ ”انجمن ائتلاف“ نے حکومت سنبھال لی۔ سلطان عبد الحمید کا شاگرد کامل پاشا وزیر اعظم ہوا، کامل پاشا ایک طرف یورپ کو مطمئن کرنے لگا، دوسری طرف ترکی کے مختلف عناصر کے سر پر بھی ہاتھ پھیرنے لگا۔ اب چونکہ ”بلقانی مسئلہ“ کے بعد ”عربی مسئلہ“ کے نام سے ایک نئی الجھن پیدا ہو گئی تھی، اور فرانس اُس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا، اس لیے کامل پاشا نے



بہرام آغا خواجہ سرا  
جو تمام رزرا پر حکومت کرتا تھا  
تھیں۔ وہ مصیبت سر پر آگئی تھی جسکا تصور بھی کبھی انسانی  
دماغ نے نہیں کیا تھا۔

عراق کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ اس  
نے آئے ہی عراقی تحریک کا  
خاتمہ کر دیا۔ ساتھ ہی بکر سامی  
بک کو بیروت کی گورنری پر مقرر  
کیا، جو اپنے تدبیر اور سخت  
گیر میں بہت شہرت رکھتا تھا،  
اس نے کچھ ایسے پیدترے بدلے،  
کہ شامی تحریک بھی سرد  
پڑ گئی، اور پیرس کی موتمر میں  
جو کچھ طے پایا تھا، اسکا اکثر  
حصہ کالعدم ہو گیا!

اب جنگ عمومی کی خوفناک  
گھنٹائیں فضا میں پھیل رہی  
تھیں۔ وہ مصیبت سر پر آگئی تھی جسکا تصور بھی کبھی انسانی  
دماغ نے نہیں کیا تھا۔

### جنگ عمومی کے بعد

سنہ ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) سے سنہ ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) تک



دستوری نظام حکومت کے کامیاب بنانے اور سلطنت کے مختلف  
عناصر کو مشترک وطنیت و قومیت کے نام پر متحد کرنے میں  
انجمن اتحاد و ترقی کو نا کامی ہوئی۔ اس تلخ تجربہ کے بعد  
اس انجمن کے ارکان میں آئندہ طرز عمل کے متعلق اختلاف پیدا  
ہوا۔ اکثریت ”تورانی تحریک“ پھیلانے کے حق میں تھی، اور

اقلیت ”اتحاد اسلامی“ کے فکر  
کو عملی جامہ پہنانا چاہتی  
تھی۔ یہ اختلاف ابھی ختم  
نہیں ہوا تھا کہ عالم گیر جنگ  
کا طبل بج گیا، اور اکثریت کو  
اقلیت کی رائے کے سامنے جھک  
جانا پڑا۔ اب بجز اس کے کوئی  
چارہ کار نہ تھا کہ تمام اسلامی  
عناصر، خصوصاً عربوں کی تائید  
اسلام کے نام پر حاصل کی  
جائے۔

چنانچہ انور پاشا نے عبد  
الرحمن بک الیوسف اور شیخ  
اسعد شقیق وغیرہ کو شام بھیجا  
کہ عربوں کے اسلامی جذبات  
بیدار کریں۔ پھر جمال پاشا نے  
جو شام کے جنگی حاکم تھے،  
عربوں کی مدارات شروع کی اور  
عربی تحریک سے اپنی گہری  
دل چسپی اور ہمدردی کا اظہار  
کیا۔ فرانسیسی قنصل خانہ سے  
جو کاغذات دستیاب ہوئے تھے،  
ان سے انہیں صاف معلوم ہو گیا



حسین رامی پاشا  
محکمہ جاسوسی کا سرغنہ

تھا کہ بہت سے سر بر آوردہ  
شامی، ترکی کے خلاف فرانس  
سے ساز باز کرچکے ہیں۔ مگر  
انہوں نے خیانت کے تمام مجرموں  
سے چشم پوشی کی۔ البتہ عیسائیوں  
سے بڑی باز پرس کی گئی۔

جمال پاشا نے صرف شام  
ہی میں نہیں بلکہ تمام جزیرۃ  
العرب میں دینی جہاد کا نالغہ  
بلند کر دیا۔ کر بلا، نجف،  
بغداد کے علماء کی دینی حمیت  
جوش میں آگئی۔ شریف مکہ،  
سلطان ابن سعود، ابن رشید،  
امام یمن، تمام امراء عرب کو جہاد کی دعوت دی گئی۔

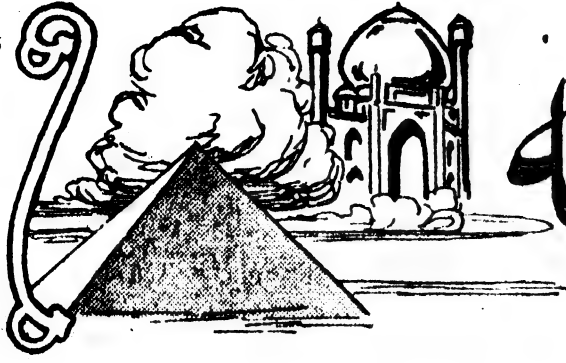
لیکن نوجوان ترکوں نے بہت جلد دیکھ لیا کہ مسلمانوں اور  
عربوں میں ان کی دعوت کوئی گرم جوشی پیدا نہ کر سکی۔ بلکہ  
جنسی و نسلی اور مقامی مصالح کا تعصب اس کو بے وقت میں  
بھی ان پر غالب رہا۔ وہ سلطنت عثمانیہ اور خلافت اسلامیہ کی حمایت  
و نصرت پر آمادہ نہ ہو سکے۔ ہندوستان اور مراکش کے مسلمان  
انگریزی اور فرانسیسی جھنڈے کے تلے جمع ہو کر آئے، اور ان کے  
سینوں پر بے دریغ گولیاں چلائیں!

اس نامرادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تورانی تحریک کے حمایتیوں  
کو پھر زور حاصل ہو گیا۔ ناچار انجمن اتحاد و ترقی کو ان کے نظام  
عمل پر چلنا پڑا۔

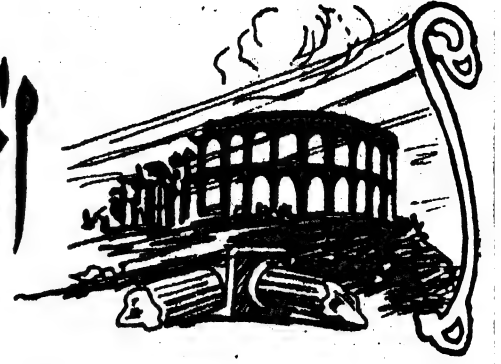
عربوں کی ناعاقبت اندیشی نے  
آر زبانه ترکوں کو مایوس کر دیا تھا۔  
شام کے چند خود غرض اور برخود  
غلط افراد طیار ہو گئے کہ اس نازک  
وقت سے فائدہ اٹھائیں اور درل  
متحدہ کا ساتھ دیکر ”عربی  
امارت“ کی بنیادیں قائم کر دیں۔  
بہت ممکن تھا کہ ان لوگوں کے  
انقلابی افکار عامۃ الناس میں  
مقبول نہ ہوتے، لیکن اسی موقعہ  
پر حجاز میں برطانی سازشیں  
کامیاب ہو گئیں اور شریف نے علم  
بغارت بلند کر دیا۔ جس وقت  
جمال پاشا مصر پر حملہ کی طیاریاں  
کر رہا تھا، اور تمام ساز و سامان  
مکمل ہو چکا تھا، اچانک اُس نے  
دیکھا کہ شریف حسین اور اُس کے  
لڑکوں کی بغارت نے اس کی تمام  
امیدیں کا خاتمہ کر دیا ہے!







# اثار عتیقہ



## شہر رقیم کا انکشاف



ام حسبتم ان اصحاب الکھف و الرقیم کانوا من ایا تنا عجا

(۱)

یہ جواہرات بیت المقدس کے بازاروں میں بکے - مامہ  
آثار انہیں تورات سے بھی زیادہ پرانا بتاتے ہیں -  
بیان کیا جاتا ہے کہ پیٹرا کا یہ کنز مخفی لارڈ کارن  
کے دریافت کردہ وادی الملوک (مصر) کے خزانوں سے بھی کہیں زیادہ  
بیش قیمت ہے - عجائب خانہ لندن کا ایک وفد اس گم شدہ شہر کی  
تحقیقات کیلئے جا رہا ہے -

(جغرافیائی محل)

یہ مقام ساحل بحر قلزم سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے - نقشہ کے  
دیکھنے سے بحر قلزم کا بالائی حصہ درختوں میں منقسم معلوم  
ہوگا - اس کے شمال میں جزیرہ نماء سینا ہے جسکی شکل  
مثلث نما ہے - سینا کا جنوبی نوکدار کنارہ بحر قلزم کو در شاخوں  
میں جدا کر دیتا ہے - سینا کے غرب میں بحر قلزم کی وہ شاخ ہے  
جو خلیج سوئز کے نام سے موسوم ہے - آج کل یہ تجارت عالم کی  
شاہراہ عظیم ہے - سینا کے شرق میں بحر قلزم کا وہ حصہ ہے  
جو خلیج عقبہ کے نام سے پکارا جاتا ہے - یہ جگہ اب متروک ہوگئی  
ہے - جہاز بہت کم آتے جاتے ہیں - ایک طرف سینا کی ننگی  
پہاڑیاں ہیں - دوسری طرف خلیج عقبہ کے پہاڑوں اور صحراء عرب کا  
نا پیدا کنار سلسلہ ہے - اس خلیج کے ساحل پر کوئی بندرگاہ نہیں  
ہے - قصبہ عقبہ کے چند بے ترتیب مکانات کے سوا باقی تمام حصہ  
غیر آباد اور پتھر والا ہے - بحر شمالی و بحر جنوبی کے دور دراز  
سواحل کو چھوڑ کر جہاں بمشکل ذی ریح وجود کا پتہ چلتا ہے  
دنیا کا کوئی ساحل اس قدر ساکت اور سنسان نہیں ہے !

صدیوں کے خواب گراں کے بعد اب شہر رقیم یا پیٹرا پھر بیدار ہو رہا  
ہے - قدس اور لندن کی آمدہ اطلاعات مظہر ہیں کہ حال میں اس  
قدیم شہر کے کھنڈروں میں قیمتی پتھروں اور پرانے طلائی زیورات  
کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بدیہی عربوں کے ہاتھ لگا ہے -

پیٹرا عرب قدیم کا ایک گم شدہ شہر ہے - سالہا سال سے غیر آباد  
پڑا تھا - کبھی کبھی صحرا گرد بدیہی جنکو شاداب نخلستانوں اور  
سرسبز چراگاہوں کی تلاش ادھر ادھر آوارہ رکھتی ہے ' تمدن قدیم  
کی اس یادگار کو آدمی کی صورت دکھا دیتے تھے !

(الف لیلہ کا طلسم)

ایک مرتبہ ایک صحرا نشین عرب پیٹرا کے کھنڈروں میں گھوم  
رہا تھا - ناگاہ اوسکا پانوں ایک پتھر پر پڑ گیا - قبل اسکے کہ وہ اس  
بات کا اندازہ کر سکے کہ کیا ہونے والا ہے ' پتھر نیچے کو کھسکا ' زمین  
دھنسی ' اور اب عرب ایک عجیب و غریب غار میں پڑا تھا - پتھر  
بدستور اپنی جگہ پر آگیا ' اور راہ بند ہوگئی !

اب بدیہی نے خود کو ایک زمین دوز محراب میں پایا ' لیکن  
باہر آنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا -

غریب عرب ایک عرصہ تک ادھر ادھر گھومتا رہا - تاریکی  
بلا کی تھی - محض اس خوف سے کہ کہیں کسی دوسری  
نامعلوم مصیبت سے دو چار نہ ہونا پڑے ' اوسنے ہاتھوں اور پیروں  
کے بل رینگنا شروع کیا - اس جد و جہد میں ایک وسیع ایوان مل  
گیا - اس ایوان کی تاریکی کو ایک پہاڑی سوراخ سے نکلتی والے  
دھندلی روشنی ایک حد تک کم کر رہی تھی - روشنی کا سہارا پا کر  
اس محصور بلا نے ادھر ادھر انکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا -  
کیا دیکھتا ہے کہ ایک گوشے میں قیمتی جواہرات اور طلائی اشیاء کا  
دھیر پڑا ہے - یہ خزانہ غالباً طائر اور صیدان کے بھری قزاقوں  
نے ازمینہ مظلمہ میں جمع کیا ہوگا - عرب حیرت کے دریا میں  
دوبا ہوا ' اس تمام ماحول کو عالم رویا سمجھ رہا تھا - بالآخر اوسنے  
چند جواہر ربڑے اپنے عمامہ میں رکھ لیے ' اور باہر نکلنے کی راہ  
تلاش کرنے لگا - اس نے غور کیا کہ روشنی جس سوراخ سے آرہی  
ہے ' اس سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں ؟ اس کا خیال ٹھیک تھا -  
روشنی کے نیچے ایک سنگی زینہ موجود تھا - بہ مشکل سوراخ تک  
پہنچ سکا - وہاں پتھر کے کئی ٹکڑے ایک دوسرے پر پڑے تھے - زور  
کرنے سے ایک پتھر ہٹ گیا اور یہ باہر نکل آیا -

لیکن پرانے زمانہ میں خلیج عقبہ کی اہمیت ہمارے زمانہ کے  
خلیج سوئز سے کہیں زیادہ تھی - تین ہزار سال قبل یہاں حضرت  
سلیمان کے بھری مراکب ہندوستان کی اشیاء تجارت بار کیے ہوئے  
ہر وقت لنگر انداز رہتے تھے - جب تک ہندی و ایرانی تجارتی قافلے  
اس راستے سے آمد و رفت کرتے رہے ' یہ ملک تمدن عالم کا مرکز  
رہا - جب شاہراہ تجارت یہاں سے دوسری جانب منتقل ہوگئی '   
اور بحر روم اور خلیج سوئز کا راستہ دریافت کر لیا گیا ' تو یہ ساحل رفتہ  
رفتہ غیر آباد ہوگیا - صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں مسیحی مجاہدین  
نے اس نواح میں کچھ بیداری پیدا کردی تھی ' مگر سلطان  
صلاح الدین کی تیغ جہاد نے یہ حصہ عالم بھی صلیبیوں پر تنگ  
کردیا ' اور اس کے بعد سے پیٹرا کے اطراف انسانی آبادی سے  
ہمیشہ خالی رہے -

جنگ عظیم کے زمانہ میں شریف حسین اور اس کے بیٹے امیر  
فیصل نے اس نواح کو اپنی افواج کا عقبی مستقر بنایا تھا - ہر  
ہفتہ انگریزی جنگی جہاز اور دھاتی کشتیاں سامانِ حرب سے لدی  
ہوئی ساحل پر آتی تھیں - سنہ ۱۹۱۷ ع اور سنہ ۱۹۱۸ ع میں  
اس آمد و رفت کا تسلسل نہایت پابندی سے قائم رہا ' اور ایک

مراچی نما ظرف ہے - عرب کہتے ہیں کہ یہ ظرف فراعنہ کے جواہرات اور طلائی سرمایہ کا مخزن ہے - شروع سے اسے توڑنے کی کوششیں کی گئیں مگر کامیابی نہیں ہوئی - کرنیل لارنس کے ساتھیوں نے بھی ہزاروں گولیاں چلائیں - بعض بعض دفعہ پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ٹوٹ کر گر پڑے - مگر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا - نہیں معلوم کس دیوبی یا دیوتا کی یہاں پوجا ہوتی تھی ؟ کرنیل لارنس کی رائے میں مصری دیوبی "ایسیس" کی پرستش ہوتی ہوگی - کیونکہ ہیدزین کی فوج کشی کے وقت تمام سواحل بحر روم اسی دیوبی کے سامنے سر بسجود تھے -

یہاں سے چند گز کے فاصلہ پر اصل شہر بیضاوی نشیب میں واقع ہے - سطح سمندر سے ۹۰ ہزار فٹ اونچے معدب حصہ سے شروع ہوتا ہے - وادی کی بلندی صرف ایک ہزار فٹ رہ جاتی ہے - اس نشیب میں اس وقت تک شہر کی سڑکیں اور عمارتوں کے آثار باقی ہیں - یہ تمام عمارتیں پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی تھیں !

پیٹرا کے رنگ برنگ آثار ہر اُس سیاح کو جو مشرقی دیوار عبور کرنیکی جرات کرتا ہے ، اپنی جانب مائل کر لیتی ہیں - سورج کی کرنیں ارد گرد کی پہاڑیوں کو قوس قزح بنا دیتی ہیں - آنکی چمک بلوچستان کی ارغوانی پہاڑیوں سے بھی کہیں زیادہ دلکش ہے - پہاڑیوں کی سطح سے زعفرانی ، نارنجی ، ارغوانی ، بنفشی رنگ کی لہریں نکلتی رہتی ہیں - غروب آفتاب کے وقت رات کی تاریکی چھا جانے سے پہلے ، ایسا معلوم ہوتا ہے ، گویا طرح طرح کے رنگوں کے کی مریچیں اُمنڈ رہی ہیں !

محمد یحییٰ - ایم - اے - ایل - ایل - بی  
وکیل بدایوں

عازمی پہل پہل پیدا ہو گئی - لیکن جنگ کے خاتمہ کے بعد یہ سرگرمی بھی ختم ہو گئی ، اور یہ حصہ پھر شہر خموشاں بن گیا -

خلیم عقبہ کے دھانہ سے ایک پہاڑی اور ریگستانی سلسلہ شروع ہوتا ہے جو اندرون ملک میں دور تک چلا جاتا ہے - پیٹرا کے کھنڈر عقبہ سے ۹۰ میل کی مسافت پر واقع ہیں - پہاڑوں کے درمیان اس شہر کا محل وقوع ہے - بدر رھنما کے بغیر ان آثار تک سیاح کی پہنچ مشکل ہے - پیٹرا سے شمال کو ۲۰ میل کے فاصلہ پر وادی بحر میت ہے - سیدھے ہاتھ یعنی شرق کی طرف شمالی عرب کا عریض ریگستان ہے - سامنے ارض ادم یا ادرمیا کے پہاڑوں کا وہ سلسلہ ہے ، جو باب البقیع یا پیٹرا کا پہاڑ تک کہلاتا ہے - اس سلسلہ کو قطع کیے بغیر پیٹرا تک پہنچنا محال ہے - دوسری جانب پہاڑی مگر ڈھالو راستہ ہے - اس پر سے ہو کر نیچے اُترتے ہیں - چند گھنٹے کے پہاڑی اور پیچ در پیچ راستہ کے بعد وادی ادم کا خاتمہ ہو جاتا ہے - سفید ریت کے ٹیلوں کے ختم ہونیکے بعد ایک تنگ درہ ملتا ہے - یہ بلند پہاڑی دیوار کا دروازہ ہے - یہاں پر وادی کی وسعت ۱۲ میل سے کم ہو کر صرف ۱۲ فٹ رہ جاتی ہے - درہ کی دیواریں ہزارہا فٹ اونچی ہیں - عرب اس راستہ کو "شق" کے نام سے پکارتے ہیں - اس شق کی راہ سے سیاحوں کے گھوڑے اور بار برداری کے اونٹ اُفتال و خیزاں راہ طے کیا کرتے ہیں - پنہروں پر چاروں طرف چھپکلیاں لپٹی ہوئی ہیں - ہر قدم پر تنگناے زیادہ وحشتناک ہوتی جاتی ہے - راستہ میں ایک پہاڑی شکاف ملتا ہے جس سے شفاف پانی کا چشمہ مرجزن ہے - عرب کہتے ہیں ، یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مار کر اپنے پیاسے ہمراہوں کے لئے پانی کے چشمے جاری کر دیے تھے - یہ وادی وادی موسیٰ کے نام سے موسوم ہے - وادی اس قدر تنگ ہے کہ اونٹ پر سے دونوں طرف کی دیواروں بخوبی چھوئی جاسکتی ہیں - اکثر جگہ ارد گرد کی پہاڑیں بلند ہو کر چھت کا کام دیتی ہیں - اس جگہ آسمان بالکل دکھائی نہیں دیتا - سورج کی شعاع بھی پہانگ نہیں پہنچتی -

( یونانی مندر )

ایک گھنٹہ کی مسافت کے بعد سیاح ایک تیز گھاؤ سے گذرتا ہے - اب نظر کے سامنے ایسا دلغریب اور حیرت خیز منظر آ جاتا ہے جو ایک عرصہ تک کیلیے از خود رنگی کی کیفیت طاری کر دیتا ہے - یونانی طرز کا ایک نفیس اور خوش رنگ مندر سامنے نظر آتا ہے - اس کا دلغریب حسن اور دلکشا طرز ، حد درجہ متاثر کنیوالا ہے - عہد کہن کے صناعتوں نے پہاڑوں سے کاٹ کاٹ کر یہ خوبصورت عمارت تعمیر کی تھی -

ادومی پہاڑوں سے یہ عمارت تراشتے ہوئے ، دندانہ دار آلات سے کام لیا گیا ہوگا - اس مندر کی بالائی سطح مختلف رنگوں سے مزین ہے ، اور ریشمی کپڑے کی طرح جھلک رکھتی ہے -

دنیا کا کوئی اور پہاڑ تک ، دنیا قدیم کے اس خاموش شہر کے دروازے سے زیادہ اثر ڈالنے والا نہیں ہے - ہندوستان کا سرخ شہر ، فتح پور سیکری بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا - رومانی و یونانی مخلوط فن تعمیر کے طرز پر یہ مندر کم از کم در ہزار سال قبل اس پہاڑی سے طیار کیا گیا تھا - اس کا عہد تعمیر رومانی شہنشاہ ہڈرین کی فوج کشی کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے - اہل عرب میں اس مندر کا نام الخزانہ مشہور ہے - لمبے لمبے ستونوں کے اوپر ایک دیو بیکر

## WANTED.

Urdu Trained Mistresses for the Karachi Municipal Urdu Girls Schools on the following salary :

|                   | Pay      | Allowance | Total    |
|-------------------|----------|-----------|----------|
| 1st Year (Junior) | Rs. 50/- | Rs. 10/-  | Rs. 60/- |
| 2nd Year          | „ 55/-   | „ 10/-    | „ 65/-   |
| 3rd Year (Senior) | „ 65/-   | „ 10/-    | „ 75/-   |

The above posts are pensionable and governed by the Municipal Pension & Provident Fund Rules. The appointments will be on 2 years' contract in the first instance. Apply with full details; also age, nationality with copies of testimonials, if any. Applications should reach the Undersigned on or before 1.11.1927. Those already in service, should apply through their authorities under whom they are employed.

Sd. V. G. PRADHAN,  
Administrative Officer.  
SCHOOL BOARD,  
KARACHI MUNICIPALITY, (I H.)

موت کی خبر دی ہو۔ شاید تابوت میری لاش کے لیے لایا گیا ہو لیکن  
یہ ناممکن ہو۔ تابوت میرے قدم بہت چھوٹا ہوگا۔

(۴)

اب بارش پھر شروع ہو گئی۔ گریا میرے قتل کے لیے آسمان کی دوش  
ہو رہی ہو۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ سیراؤ در کوئی آواز نہ تھا۔ میں بھیگے  
شرابور ہو گیا۔

”مجھے کہیں پناہ ملنی چاہی“ میں نے دل سے کہا۔ لیکن کہاں؟  
کرے میں، جہاں تابوت رکھا ہو؟ ناممکن۔ اگر میں اُن گیا تو یقیناً  
دیوانہ ہو جاؤں گا۔

گرا اس پانی اور سردی میں شرمک کر کھڑا رہنا بھی مشکل تھا۔ میں  
فورا اپنے ایک دوست راسٹون نامی کے گھر کی راہ لی۔ وہ بھی ایک  
تنگ تاریک گلی میں ایک کمرہ کے اندر رہتا تھا۔

دروازہ کھٹکھٹا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے ایک طاق میں  
ہاتھ مارا تو عجیب بل کی قفل کھول کر اندر چلا گیا۔

میرا کوٹ بھیگ گیا تھا۔ میں نے اسے اُتار کر کرے کی زمین پر  
ڈال دیا۔ اندھے میں پاؤں نے ایک کرسی سے ٹکڑ کر رکھا۔ میں  
اُسی پر بیٹھ گیا۔ تاریکی سخت تھی۔ کچھ سوچائی نہیں پاتا تھا۔ ہوا  
تیز تھی۔ کھڑکیاں ہل رہی تھیں۔ باہر کینسوں کے ٹھنڈے کرسمس کی  
خوشی میں بچ رہے تھے۔

میں نے جیب سے ڈبیا نکال کر دیاسلائی جلائی۔  
”اُت، یہاں بھی!“ بے اختیار میرے منہ سے چرچ بخل گئی ہیں  
دیوانہ دار بھاگ کر کرے کے باہر گرا۔

یہاں بھی تابوت رکھا تھا! لیکن میرے کرے کے تابوت سے بڑا  
تھا۔ اور سیاہ غلات سے ڈھکا تھا۔ سیاہ غلات نے اسے ادھی  
زیادہ ہیبت ناک بنادیا تھا!

”یہاں بھی تابوت!“ میں سوچنے لگا۔ ”معلوم ہوتا ہو میرا  
دہم و خیال ہو۔ میری بنگاہ دھوکا کھا رہی ہو۔ ناممکن ہو کہ میں جہاں  
جاؤں، میرے استقبال کے لیے ایک خوفناک تابوت پہلے سے مہیا  
ہو جائے۔ مزدور آج میرے اعصاب میں خلل آ گیا ہو۔ جہاں جاؤں  
تابوت ہی نظر آتا ہو۔ میں مزدور پاگل ہو گیا ہوں۔ جزئی سبب  
صاف ظاہر ہو۔ اسی محسوس دوعالی جیسے اور پیٹنزا کی شیطان لوح  
نے میرا رخ خراب کر ڈالا!“

میں تنک کر زمین پر بیٹھ گیا۔ دونوں کنٹیاں زود سے ہاتھوں  
میں ڈالیں۔

”الہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہو گیا!“ یہ  
کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل گئے۔

قریب تھا میرا سر پھٹ جائے۔ میرے پردہ میں شکت باقی نہیں  
رہی تھی۔ مینہ کا وہ زود تھا کہ خدا کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی تو  
کاٹنے لگا۔ نہ سر پر ٹوپی تھی نہ جسم پر کوٹ۔ میں آنکھیں پٹنے کرے میں  
جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں..... آہ، بہت ہی ہولناک  
ناک منظر، ناقابل برداشت ہولناکی موجود تھی!

(۵)

میرے سر کے ترکہ طرح سیدھے بال کھڑے ہو گئے۔ ٹھنڈا پسینہ  
پیشانی سے بہنے لگا۔ حالانکہ اب مجھے کابل یقین ہو چکا تھا کہ جو کچھ  
میری آنکھوں نے دیکھا ہو، وہ محض ایک طرح کے اعصابی مرض کا  
نیجہ اور دہم و خیال ہو۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔

”اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟“ بار بار یہی سوال دہراتا  
تھا۔

یہاں تک مجھے ایک دوسرا دست، گود سا آدن یاد آ گیا۔ اس نے

# افشا

## روحانیات کی محکمن

### ہولناک رات

(مترجم)

گردش میں پہنچ کر میں نے خون سے آنکھیں بند کر لی تھیں!  
میں نے کمرے میں کیا دیکھا؟ دیکھو اس وقت بھی میرے بدن کے  
دریں کھڑے ہو گئے ہیں۔ دل دھڑک رہا ہو۔

میں کمرے کے وسط میں کمرے کا تابوت رکھا تھا! اسپرادر فانی  
غلات چڑھا تھا۔ سنہری صلیب لکھی تھی۔ میں نے صرٹ ایک ہی جھلک کی  
تھی۔ لیکن یہ عجیب بات ہو کہ مجھے اس کا ہر حصہ نظر آ گیا۔ آج تک اس  
کا پورا نقش میرے ذہن میں محفوظ ہو!

یہ ایک لڑکی کا تابوت تھا۔ کیونکہ بہت چھوٹا تھا۔ اور رنگ اور  
آرایش ویسی ہی تھی، جیسی لڑکیوں کے بالوں پر کی جاتی ہو۔

(۳)

میں تری طرح زینہ پر بیٹھا اور سیلاب کی تیزی سے اُترنے لگا۔  
بلکہ کہنا چاہئے گرنے لگا۔ ایک ہنایت ہی خوفناک دھب اپنی فوری  
قوت سے مجھے دھکیل رہا تھا!

شرک پر میں نے جلدی سے روٹی کا ایک کھمبا دونوں ہاتھوں سے  
مضبوط پکڑ لیا۔ کھمبا، مینے سے بھٹکا ہوا تھا۔ برتن کی طرح ٹھنڈا تھا۔

نے سردی محسوس کی تو میرے ہوش دھواس واپس آنے لگے۔  
”اگر کرے میں آگ لگی ہوتی“ میں خیال کرنے لگا۔ ”بلکہ اس  
میں چور کھڑا ہوتا، شیر ٹھٹھا ہوتا، دیوانہ کتا بیٹھا ہوتا، اگر اس کی بھٹ  
بھی اچانک گر پڑتی، تو یہی مجھے تعجب نہ ہوتا۔ میں اسے ایک معمولی بات  
سمجھتا تھا۔ مگر لاش! ایک مکمل تابوت! اس کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ کچھ  
سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے مکان میں تابوت کیونکر آیا؟ کون لایا؟ ایک  
امیر لڑکی کا کا ماز تابوت! اسونے چاندی کے کام سے آراستہ ایک معمولی  
توکے کے حقیر کرے میں اسے کون لایا؟ کیوں لایا؟ معلوم نہیں، وہ غالی  
ہو! اندر لاش لکھی ہو؟.....“

اچانک مجھے خیال آیا۔ ”اگر یہ مجھ نہیں تو کوئی ہولناک جرم ہو۔“  
لاکھ لاکھ سوچا۔ کوئی بات مجھ میں نہ آئی۔

”دروازہ پر تو قتل چڑھا تھا“ میں پھر سوچنے لگا۔ ”کتنی لمبی  
فحشی جگہ رکھی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے ہوا کوئی نہیں جانتا۔  
ناممکن ہو کہ کسی دوست نے یہ موت کا تحفہ میرے لیے مہیا کیا ہو شاید  
کوئی مزدور غلطی سے لے آیا لیکن مزدور لانا تو مزدوری کے بغیر چلا  
کیوں جاتا؟ اور میرے یہاں مزدور تابوت کیوں لائے؟.....“

پھر میرے پرانے داغ میں ایک اور خیال آیا،  
”ممکن ہو یہ کارروائی اُسی روح کی ہو جسے آج رات میری

ایمان پھر دینے لے اپنے دوستوں کو مضطرب آواز اور زور دھرمے  
کے ساتھ ذیل کا واقعہ سنایا،

سنہ کے کرسمس کی رات، بہت ہی اندھیری تھی۔ میں اپنے ایک  
دوست کے یہاں دیر تک ایک روحانی جلسے میں بیٹھا رہا۔ مجھے تاریکی  
میں اپنے گھر لوٹنا تھا۔

اس زمانے میں اسکو کی ایک ایسی گلی میں میرا قیام تھا، جو شہر میں  
سب سے زیادہ دھشت ناک اور تاریک گلی تھی۔ جب جب میں اس سو  
گرتا، ڈراؤنے خیالات میرا رخ پریشان کر دیا کرتے تھے۔

روحانی جلسے میں آخری جلسہ جو میں نے سنا تھا، وہ خاص میری ذات  
کے متعلق تھا۔ مشہور فلیسٹو پیٹنزا کی صبح کی نسبت ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ  
جلسے میں شریک ہو۔ اس نے مجھ سے خطاب ہو کر کہا:

”تیری موت قریب آگئی، جلد خدا کے سامنے توبہ کر!“  
میں ڈر گیا۔ پھر سوال کیا۔ ”نزدیک تر کب چاہی۔“

”تیری زندگی ختم ہو گئی۔ آج ہی توبہ کر لے!“ یہ میرے سوال کا  
دوبارہ جواب تھا۔

میں علم الارواح (اسپرینچولیزم) کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم موت  
کا خیال ہمیشہ مجھے خوفزدہ کر دیا کرتا تھا۔ ایک عجیب طرح کی اداسی  
مجھ پر چھا جاتی تھی۔

میں بدحواس جلسہ گاہ سے بھاگا۔ اور اپنے گھر کی راہ لی۔ اور  
کی منزل پر پہنچنے کے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔  
اس وقت بھی میرا رخوت سے برا حال تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ گرا پڑا ہوں۔

(۲)

کمرہ تاریک تھا۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشوں کے  
ٹکڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مرنے والی روح بھی خوف و دہشت کی حالت  
میں مضطرب ہو رہی ہیں!

”اگر پیٹنزا کی پیشین گوئی ٹھیک ہو“ میں نے ٹکڑ لٹی ہوئی آواز  
میں آہستہ آہستہ کہا۔ ”اگر اس تنگ دل فلیسٹو کی صبح نے سچ کہا ہو  
تو بس آج ہی رات میرا خاتمہ ہو! یہ یاد دلانے والی ہوائیں میرا رخ  
کرس گئی، یہ کالی بدلیاں ماتم کی صفیں بچھائیں گی! آنسو میری  
زنگی.....“

میں نے دیاسلائی جلائی۔

”ہیں!“ میں گلا بھاڑ کر بے خودی سے چلایا اور دروازے  
کی طرف بھاگا۔ سرے پاؤں تک تمام بدن کانپ رہا تھا۔ شاید غلام

حال ہی میں ڈاکٹری کی سند حاصل کی تھی، اور میرے قریب رہتا تھا وہ بھی میرے ساتھ روحانی جلسے میں شریک تھا۔

میں بے تحاشا اُس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس کا کمرہ مکان کی سب سے اونچی منزل پر واقع تھا۔

لیکن میں ابھی زمینے ہی پر تھا، کہ اوپر سے خوفناک شہ سنا کی۔ ایسا معلوم ہوا، جیسے کوئی آدمی بدحواسی سے اوپر اُپر دوڑ رہا ہو۔

اور زور زور پاؤں زمین پر مار رہا ہو۔

فوراً ہی ایک دہشت ناک آواز میرے کانوں میں آئی،

”عدو! عدو! دوڑو! دوڑو!“

اور اس کے ساتھ ہی ایک شخص اوپر سے بے تحاشا گزرا ہوا مجھ کو ٹکرایا۔

”ساروت! ساروت! دوست! دوست! تم ہو؟ کیا ہوا؟“ میں بے اختیار چلا اُٹھا۔ کیونکہ شخص میرا دوست ساروت ہی تھا۔

زینے پر دھندلی روشنی تھی۔ ساروت نے آتے ہی دیوار وار میرے مونڈھے پر پکڑ لئے۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہا تھا۔ چہرہ زرد تھا۔ آنکھیں عجیب قسم کی وحشت ظاہر کر رہی تھیں!

”ساروت!“ میں پھر چلا۔

”ریکیوت!“ اُس کی لرزتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ ”ریکیوت! تم سو تم؟ کیا واقعی تم ہی ہو؟“

اُس نے مجھے بغور دیکھا اور لمبی سانس لی۔

”یہ تم کیا ہو گیا ہے؟ مرنے کی طرح پیسے ڈرگے ہو۔ اُن، تمہاری صورت کسی ڈراؤنی ہو رہی ہو؟ خدا را بتلاؤ کیا ہوا؟“

اُس نے مجھے بغور دیکھ کر کہا۔

”اور یہ تمہاری حالت کیا ہو رہی ہو؟ بالکل مردہ معلوم ہوتے ہو؟“ میرا جواب تھا۔

”بھڑو!“ اُس نے جلدی سے کہا ”دراؤم لینے دو۔ آہ میں اس دقت تم سے مل کر کتنا خوش ہوا ہوں؟ جان جاتے جاتے کچھ۔ محاصرہ۔“

ارداح کے جلسوں پر خدا کی نعت! علم الادراج پر ہزار لعین! اُس جلسے نے نہیں معلوم میرے لئے کسی کسی ہولناک چیزیں پیدا کر دی ہیں؟ کیا تم لعین کو دے گئے کجوبی میں اپنے کسے میں داخل ہوا۔

اُن کیسا ڈراؤنا منظر! میں نے دیکھا، کمرے کے مین سط میں ایک تابوت رکھا ہوا!

مجھے اپنے کانوں پر لعین نہ آیا۔ یہ تو بعینہ خود میری سرگزشت تھی۔ میں نے سچ کر پوچھا:

”تابوت! کیا کہتے ہو؟ تابوت!“

اُس نے صاف لفظوں میں کہا ”تابوت! ایک حقیقی تابوت میں بڑل نہیں ہوں۔ لیکن اس منظر سے تو شیطان بھی بے ہوش ہو جائے گا“

میں پھر خوف سے کانپنے لگا۔ میں نے شکل اپنے دونوں شاہیے اُس سے بیان کوائے۔ میں نے کہا ”خدا! عجیب طرح کی ہولناکی! میں نے اپنے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اپنے دوست کے کمرے میں تابوت دیکھا۔ ادب! تم کہتے ہو کہ تم نے بھی اپنے کمرے میں تابوت دیکھا ہو.....“

(۶)

ہم دونوں مکان کی چوڑی پر کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں ہمت تھے۔ ہم خیال ہوا، شاید ہم سو رہے ہیں۔ یہ شبہ بیک وقت دونوں کے دماغ میں گرا، اس لئے ایک دوسرے کو کھٹکے مارنے لگے تاکہ معلوم کر لیں، ہم واقعی جاگ رہے ہیں یا عالم خواب میں ہیں!

”نہیں، ہم خواب میں نہیں ہیں“ ساروت نے کہا ”ہم کئی کئی

## برید شرق

### مکتوب حجاز

(الہلال کے مقالہ نگار تقیم جہ کے قلم سے)

تھی۔ اس لئے مجبور ہو کر انہوں نے یہ معاہدہ منظور کر لیا تھا۔ لیکن جنگ کے چند ہی سال بعد وہ اس سے بے پروا ہو گئے، اور فرانس سے تجارتی تعلقات قائم کر لئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ حجاز پر بھی یورش کر دی، اور برطانیہ کے پروردہ اقتدار شریف حسین اور اس کے خاندان کو خارج کر دیا!

اب گویا عملاً کوئی معاہدہ بھی تجدید اور برطانیہ کے درمیان موجود نہ تھا۔ حالات میں انقلاب عظیم واقع ہو چکا تھا، اور اس لئے جدید معاہدے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کے لئے گذشتہ ماہ ہی سنہ ۱۳۲۷ گنت و شہید شروع ہوئی اور اب ۲۲ ستمبر سنہ ۱۳۲۷ گنت کے بعد اعلان ہو گیا ہو۔

اصلی معاہدے کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

”نہر محبہ شاہ برطانیہ، آئرلینڈ، برطانیہ مقبوضات، اور الجزائر اور شہنشاہ ہندوستان نے ایک جانب سے، اور نہر محبہ شاہ حجاز نجد و محققا تہ نے دوسری جانب سے، اپنے باہمی دوستانہ تعلقات کے استحکام اور اپنے مصالح کی حفاظت کے خیال سے غم کیا ہو کہ باہم دوستی اور حسن تفاهم کا ایک معاہدہ منعقد کریں۔ چنانچہ اس غرض کے

### معاہدہ جہ

تاریخ الہلال واقع ہوں گے کہ تجدید برطانیہ کے امین سلطنت میں ایک معاہدہ منعقد ہوا تھا۔ اس معاہدے میں بعض دفعات لیں تھیں جن سے نجد کی خود مختاری پر پابندیاں عائد ہوتی تھیں۔ مثلاً اس میں ایک شرط یہ تھی کہ حکومت نجد، برطانیہ کے ہوا کسی دوسری سلطنت سے سیاسی گفت و شنید نہیں کرے گی اور نہ تجارتی و اقتصادی تعلقات قائم کرے گی۔ یا یہ کہ سلطان نجد، حجاز کی طوت پیش قدمی نہیں کرے گا۔ اس کے معاہدہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ خارجی حملوں سے کٹنے مقبوضات کی حفاظت کرے گا۔

اگر سلطان ابن سعود نے کبھی برطانیہ کو اپنے ملک میں دخل کا موقع نہیں دیا، تاہم بیرونی دنیا میں حالات سے بے خبر لوگوں کو معاہدے کی شرطیں دیکھ کر شبہ ہوتا تھا کہ تجدید برطانیہ کی حمایت اور سرپرستی میں ہو۔

در اصل مسئلہ کا معاہدہ جنگ عظیم کے خاص حالات کا نتیجہ تھا سلطان کو برطانیہ اور اُس کے اتحادیوں، خصوصاً شریف حسین کی طرف سے سخت خطرے درپیش تھے۔ جرمنی اور ترکی سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔

چوتھوں محسوس کرتے ہیں۔ ضرور جاگ رہے ہیں۔ ہم نے جوابت و دیکھتے ہیں یقیناً وہ تابوت ہی ہیں۔ ہمارا دم و خیال نہیں ہو۔ اب بتلاؤ کیا کریں؟

ہم اب مکان کی میز پر آ کے کھڑے ہو گئے، اور دیر تک سوچتے رہے، کیا کرنا چاہئے؟ آخر یہ ہوا کہ ہمت کے کمرے اوپر چلیں، اور ذکر کو جھکا کر کمرے میں جائیں۔

(۷)

نوکر ہاتھ میں شمع لئے اندر گیا۔ ہم بچے بچے چلے۔ واقعی کمرے کے صحن وسط میں ایک تابوت رکھا تھا۔ اُس پر سفید ریشیں چادر پڑی تھی کنا دوسرے پر سونے کے تاروں کا کام تھا۔ جا بجا چاندی کے پھول لکھے تھے!

تابوت دیکھ کر ذکر نے اپنے سینہ پر صلیب کا نشان بنایا۔

”اب ہم حقیقت معلوم کر لے سکتے ہیں“ میرے دوست نے ٹوک ٹوک کر کہا، کیونکہ وہ پورے جسم سے کانپ رہا تھا ”دیکھنا چاہئے کہ کیا ہو؟ تابوت خالی ہو، یا اُس میں کوئی لاش بھی ہو؟“

بڑے پیش دہش کے بعد ساروت نے ہمت کی۔ چند قدم آگے بڑھا، اور تابوت کا ڈھکنا اٹک کر پیچھے ہٹ گیا۔

ہم نے جھجک کر دیکھا۔ تابوت بالکل خالی تھا۔ فرش کی جگہ ایک لغاف پڑا تھا!

(۸)

میرے دوست نے لغاف اٹھا لیا، اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا۔ اُس کے اندر حریف بل سطریں مرقوم تھیں:

”میرے پیارے دوست ساروت! دیکھو“

”تھیں معلوم ہو ہماری مالی حالت کس درجہ بگڑ چکی ہو مختصر لفظوں میں واقعہ یہ کہ میرا بھائی دیوالیہ ہو گیا ہو۔ کل اُس کا تمام سامان نلام ہو جائے گا۔ تم جانتے ہو، اُس کی دکان میں تابوتوں کے ہوا کچھ نہیں ہو (کیونکہ شہر کے لئے دیہی تابوت مہیا کرتا ہو) اب ہمارے لئے فقر و فاقہ کے ہوا کچھ باقی نہیں! ہمارے خاندان کے شکوے کے بعد لے کیا ہو کہ جسے تابوت بھی راتوں رات سٹالے جا سکتے ہیں، نکال دئے جائیں تاکہ وہ نلام سے بچ جائیں۔ چنانچہ اپنے تمام دوستوں کے یہاں ایک ایک تابوت بھیجا ہو۔ ایک تابوت تمہارے یہاں بھی رکھا دیتے ہیں۔ تم مطمئن ہو، ایک ہفتہ سے زیادہ تھیں اس کی حفاظت کرنی پڑے گی، اور ہم اس کے لئے تمہارے اور تمام دوستوں کے نہایت شکر گزار ہوں گے“

(۹)

اس واقعہ کے بعد تین مہینے تک میں اپنا اصاب کا علاج کرتا رہا۔ اب تک حالت کچھ کبھی شام کو گھبراتا ہوں، تو دُور دہانے پر خون سے ٹپک جاتا ہوں۔ کمرے میں تابوت کا منظر یاد آ جاتا ہے۔

(۱۰)

اس واقعہ کے بعد تین مہینے تک میں اپنا اصاب کا علاج کرتا رہا۔ اب تک حالت کچھ کبھی شام کو گھبراتا ہوں، تو دُور دہانے پر خون سے ٹپک جاتا ہوں۔ کمرے میں تابوت کا منظر یاد آ جاتا ہے۔



جلد یہ دونوں ملائے برطانیہ سے واپس لے لیں گے، کیونکہ یہ تھانہ کی حفاظت کے لئے اہم ضروری ہیں۔ اور حدود و تھانوں میں داخل ہیں۔

### معادہ کی کامیابی کے اسباب

قلم روکنے سے پہلے چند الفاظ ان اسباب کی بیان میں بھی ضروری ہیں جو اس معادہ کا موجب ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت تمام دنیا پر روشن ہو کہ برطانیہ مدت سے کوشاں ہو کہ کسی طرح پورے عرب خصوصاً تجارتی قابو حاصل کرے۔ شریف حسین کے ساتھ اس کے معادہ سے اور اس طے کی ساتھ سمجھوتہ اس حقیقت کا تاثر نہ ہو۔ تاہم وہ ایک تہہ پھر مجبور ہو گیا کہ ایسا ایک معادہ منظور کرے جو اس کی پرانی آرزو کے صریح خلاف ہو۔

اس کے تین اہم سبب ہیں:

(۱) سلطان ابن سعود نے پچھلے چند سالوں کے اندر غیر معمولی قوت حاصل کر لی ہے۔ فتح تھانہ کے بعد غیر کی حمایت نے انھیں عرب کا ایسا طاقتور حکمران بنادیا ہو کہ برطانیہ آسانی سے مغلوب نہیں کر سکتا۔ عرب کی سرزمین پر اچانک اتنی بڑی قوت کے ظہور نے برطانیہ کو مجبور کر دیا کہ یا تو عرب کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرے، یا مدت تک کے لئے عرب میں اپنے تجارتی و سیاسی مفاد سے ہاتھ دھوئے۔ سلطان ابن سعود کو ناخوش کرنے کا نتیجہ اس کے ہوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک طرف وہ عراق کی طرف بڑھیں، دوسری طرف شرق اردن پر نظر آئیں اور تیسری طرف ضلع فارسی کے نیم برطانی علاقوں پر حملہ آور ہو جائیں۔ عرب کے حالات سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ عراق، شرق اردن، اور ضلع فارسی کے اکثر عرب علاقوں میں تمام بددی آبدیاں سلطان ابن سعود کے زیر اثر ہیں، اور قریب قریب، نجدی دعوت قبول کر چکی ہیں۔ سلطان کا ایک اشارہ ان ممالک میں قیامت برپا کرے سکتا ہے۔ برطانیہ کی قوت کتنی ہی عظیم ہو، مگر وہ اپنا نادان نہیں ہو کہ بیٹھے بٹھلے یہ تمام بلائیں اپنے سر پر نازل کرے لہذا اس کی مصلحت یہی تھی کہ سلطان ابن سعود سے تعلقات خوشگوار رکھے اور ان کی کامل خود مختاری کے خلاف کوئی جذبہ ظاہر نہ ہونے دے۔

(۲) شام کی حکمرانوں نے عربی ممالک میں فرانس کو برطانیہ کا رقیب بنادیا ہے۔ یہ معلوم ہو کر یورپ میں برطانیہ سیاست نے فرانس کو سخت شکست دی ہے۔ اور اسے اس کے قلم دوستوں سے محروم کر کے لاجوار کر دیا ہے۔ فرانس اس سبب برطانیہ پر دانت پس رہا ہے اور مشرق میں اس سے انتقام لینے پر تڑپا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ ایک طرف چین میں برطانیہ کی مخالفت کر رہا ہے، دوسری طرف عرب میں سلطان ابن سعود سے راہ دوم پیدا کر رہا ہے۔ برطانیہ نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر اسے اس موقع پر ذرا سی بھی غفلت کی تو بہت ممکن ہے، فرانس کا پر بازی لے جائے۔

(۳) بالشویک روس نے پچھلے دنوں عرب سے بہت دلچسپی ظاہر کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بالشویک دعوت کا ایک مرکز حجاز میں بھی قائم کر دیں، تاکہ یہاں سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں اس کی اشتعال ہو سکے۔ برطانیہ اس وقت روس سے اشد خائف ہے۔ اس کا یارو معلوم کر کے بالکل بدحواس ہو گیا، اور بے تحاشا کو شورش شروع کر دی کہ دستانہ معادہ منعقد ہو جائے۔ معادہ کی دوسری شرط کا تعلق غالباً اسی چیز سے ہے۔

غالباً اس فیصلے کے بعد معادہ جلد پوری روشنی میں چلے گا اور اس کے فہم میں کسی کو غلط فہمی نہ ہوگی۔ آئندہ مکتوب میں ان اصلاحات پر بحث کروں گا جن کا اجرت تھانوں میں اجراء دہش ہے۔

کے درمیان جو معادہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۷ء کو ہوا تھا، جبکہ نہر منہجی کے حاکم تھے، اب وہ اس نے معاہدے کے بعد کا عدم ہو گیا۔

شرط دوم۔ یہ معادہ دونوں عربی اور انگریزی میں قلمبند کیا گیا ہے۔ دونوں دستاویزوں کا درجہ بالکل مساوی ہے۔ لیکن اگر کسی عبارت کی تفسیر میں اختلاف پیدا ہو تو انگریزی دستاویز کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

شرط یا زہم۔ یہ معادہ، معادہ عقدہ کے نام سے موسوم ہوگا۔ یہ معادہ چھ مہینوں میں ہر روز جمعہ تا تاریخ ۱۸ اربزی قدر مستعمل ہوگی مطابق ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء میں طے پایا۔

معادہ عقدہ پر بحث غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ معادہ بالکل دلیا ہے جیسے معاہدے دنیا کی تمام ہم رتبہ خود مختار سلطنتوں کے درمیان ہوا کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ سلطنت نجد حجاز کا بل طور پر خود مختار تسلیم کر لی گئی، بلکہ شرط سوم کی رو سے اسے تمام بین الاقوامی حقوق بھی حاصل ہو گئے۔ نجد حجاز کی جدید تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ان کے باشندوں کی مستقل تسلیم کر لی گئی ہو۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ دونوں ملکوں کے تعلقات طرہ سے بین الاقوامی قوانین کی بنیاد پر قائم ہو گئے، جیسا کہ اسی شرط کے آخر میں بالتصريح مذکور ہے۔ اب برطانیہ کے وہ امتیازات بھی باقی نہیں رہے جو مروجہ سلطنت عثمانیہ نے اپنے ملکوں میں اسے بخش رکھے تھے اور جواب تک حجاز میں اور کسی حد تک نجد میں بھی برقرار تھے۔

اس معاہدے میں جابجا "سلطان حجاز و نجد و لمحقا تہا" کے لفظ آئے ہیں۔ لمحقا تہا سے مقصود وہ تمام علاقے ہیں جن پر سلطان ابن سعود کا قبضہ یا حمایت ہے۔ مثلاً ملک تیسر جو حال ہی میں اپنی رمنا دہشت سے حضرت شیخ سنوسی کے مشورہ پر، ان کی حمایت میں آگیا ہے۔

### مسئلہ اسلحہ

معاہدے کے ساتھ چند ضمیمے بھی ہیں۔ یہ بھی شائع ہو گئے ہیں۔ ایک ضمیمہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا ہے کہ بحر احمر کو اس بین الاقوامی قانون سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرے گا، جو ہتھیاروں کی فروخت کے متعلق ہے۔ آپ کے قارئین واقف ہو گئے کہ یورپ کی دہل علمانی نے مشرقی توبہ کو کمر در کھنے کے لئے ایک قانون بنا رکھا ہے، جس کی رو سے بہت مشرقی ممالک، جن میں ایران اور ممالک عرب بھی داخل ہیں، سمندر کی راہ سے اسلحہ خریدنے کے حق سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ یقیناً سلطان ابن سعود کا تمام مشرقی دنیا خصوصاً عربی ممالک پر بہت برا احسان ہوگا اگر ان کی کوشش سے بحر احمر اس جابرانہ قانون سے مستثنیٰ ہو جائے گا اس کوشش میں کامیابی ہوگی تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ عربی ممالک کی جنگی قوت بہت بہتر ہو جائے گی۔ ایک قریبی ناظمہ یہ بھی ہوگا کہ بین الاقوامی کی حرص و طمع سے محفوظ ہو جائے گا جو اس پر بہت جلد ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔

### عقبہ و معان

ایک دوسرے ضمیمہ میں عقبہ و معان کے مسئلہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ دونوں ملائے شریف علی نے اپنی مختصر حکومت کے زمانے میں برطانیہ کے حوالے کر دیے تھے۔ سلطان ابن سعود کو اس کا رد وائی پر اصرار تھا۔ ان کا اصرار یہ تھا کہ یہ فعل ایک مفرد حاکم کا ہے جس کی حکومت کی بنیادیں ایک دن کے لئے بھی استوار نہیں ہوں، اور جو عملاً ایک شہر (جہ) سے زیادہ جسے پر اقتدار حاصل نہیں تھا۔ عرصہ تک برطانیہ کو اس اصرار کی حقیقت سے انکار رہا، مگر اب اس اصل اصرار تسلیم کر لیا ہے۔ اور بحث کسی دوسرے موقع کے لئے ملتوی کر دی ہے۔ بلاشبہ اس وقت عقبہ و معان کا مسئلہ حل نہیں ہوا، لیکن ان کے حل کے لئے راستہ کھل گیا ہے۔ ہیں امید ہو کہ سلطان ابن سعود

نے نہر منہجی برطانیہ نے سرگرمی سے لکھنم کلین کو اپنا مختار قرار دے کر رد نہ کیا، اور نہر منہجی شاہ حجاز و نجد و لمحقا تہا نے ہر ائی انس امیر فیصل اپنے فرزند اور نائب کو اپنا مختار قرار دیا۔

مذکورہ بالا تہدیک کی بنیاد، دونوں نمائندوں کی مختاری کا تقاضا کی صحت سے مطمئن ہو کر، ہر ائی انس امیر فیصل بن عبدالعزیز اور سرگرمی لکھنم کلین نے حسب ذیل شرطوں پر اتفاق کیا ہے:

شرط اول۔ نہر منہجی برطانیہ، نہر منہجی شاہ حجاز و نجد و لمحقا تہا کی کامل اور بے قید و مختاری کا اقرار کرتے ہیں۔

شرط دوم۔ نہر منہجی برطانیہ اور نہر منہجی شاہ حجاز و نجد و لمحقا تہا کو امین امن و امان اور دوستی برقرار رہوگی۔ طرہیں ہمد کرتے ہیں کہ باہم عداوت تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے، اور اپنے جملہ مسائل کو مسلمانی رہنمائی کے اپنے ملک کو ایسے غیر قانونی اعمال کے لئے مستعمل ہونے نہ دیں جو دوسرے فریق کے ملک میں امن و امان اور سکون کے مخالف ہوں۔

شرط سوم۔ نہر منہجی شاہ حجاز و نجد و لمحقا تہا وعدہ کرتے ہیں کہ برطانیہ کی جملہ مسلمان رعایا یا اس کے زیر حمایت مسلمان باشندوں کے لئے فرض حج کی ادائیگی میں سہولت پیدا کریں گے، جیسا کہ باقی تمام حج کے لئے کرتے ہیں۔ نیز نہر منہجی وعدہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی جان و مال کو ان کے قیام حجاز کے دوران میں ہر طرح امنیت حاصل ہوگی۔

شرط چہارم۔ نہر منہجی سلطان حجاز و نجد و لمحقا تہا وعدہ کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا چاروں میں سے جو لوگ ان کی سرحدوں میں قوت ہو جائیں گے اور جن کے شرعی وارث نہر منہجی کے ملک میں موجود نہ ہوں گے، ان کا ترکہ عقدہ میں برطانوی نمائندے یا اس کے نائب کے حوالہ کر دیا جائے گا، تاکہ ستونی کے سختی داروں تک پہنچا دیا جائے لیکن یہ حوالگی اس شرط کے ساتھ عمل میں آئے گی کہ پہلے نہر منہجی سلطان کی خاص مدد انوں کے سامنے یہ معاملہ پیش ہو جائے اور حجازی قوانین کے مطابق لازمی معمول وصول کر لیا جائے۔

شرط پنجم۔ نہر منہجی شہنشاہ برطانیہ، نہر منہجی سلطان حجاز و نجد و لمحقا تہا کی جملہ رعایا کے لئے حجازی اور نجدی جنسیت کا اقرار کرتے ہیں جبکہ وہ نہر منہجی برطانیہ کے مقبضات اور زیر حمایت ملکوں میں پائے جائیں اسی طرح نہر منہجی سلطان حجاز و نجد و لمحقا تہا بھی برطانیہ کی رعایا یا ان کے زیر حمایت باشندوں کے لئے برطانیہ جنسیت کا اقرار کرتے ہیں جبکہ وہ حجاز و نجد و لمحقا تہا کے ممالک میں پائے جائیں گے۔ اس میں ان بین الاقوامی قوانین کا لحاظ کیا جائے گا جو خود مختار حکومتوں کے باہم نافذ ہیں۔

شرط ششم۔ نہر منہجی سلطان حجاز و نجد و لمحقا تہا وعدہ کرتے ہیں کہ کویت بحرن، اور ساحل عمان کے مشائخ کے جن جوار کو ملحوظ رکھیں گے جن سے برطانیہ کے خاص معاہدات ہو چکے ہیں۔

شرط ہفتم۔ نہر منہجی شاہ حجاز و نجد و لمحقا تہا وعدہ کرتے ہیں کہ اپنے تمام وسائل سے غلامی کے سد باب میں برطانیہ کی مدد کریں گے۔

شرط ہشتم۔ معادہ کرنے والے فریقین پر لازم ہے کہ جلد سے جلد یہ معادہ نافذ کریں اور منظوری کے کاغذات ایک دوسرے کے حوالہ کر دیں۔ معادہ اس دن سے نافذ ہوگا، جب منظوری کے کاغذات کا باہم تبادلہ عمل میں آجائے گا۔ معادہ اس تاریخ سے، ہر سال کا نافذ رہوگا۔ لیکن اگر طرہیں میں سے کوئی فریق بھی سال گزرنے کے بعد ۶ مہینے پہلے سے اعلان نہ کرے گا کہ وہ معادہ باطل کر دینا چاہتا ہے، تو اس صورت میں معادہ برابر نافذ رہوگا۔ معادہ اسی وقت باطل ہوگا، جبکہ ۶ مہینے پہلے اس کے ابطال کا کوئی فریق باضابطہ اعلان کرے۔

خبر دوم۔ نہر منہجی شاہ حجازیہ اور نہر منہجی سلطان حجاز و نجد و لمحقا تہا



## تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

### مدحت پاشا

#### شہید حریت و دستور

(۱)

ترکی اصلاح و تجدید کی تحریک سلطان محمود صلیح کے زمانے میں شروع ہوئی، اور سلطان عبدالعزیز کے عہد میں مصلحے فاضل پاشا کے ہاتھوں اُس کی پہلی حماء کی بنیاد پڑی۔ تاہم یہ شخص ابتداً نجی تحریک کے قیام و ترقی کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی ایسی اولوالعزم شخصیت نمودار ہو، جو اپنی قربانی کے خون سے اس نئی تحریک کی آبیاری کر سکے۔ اصلاح و ترقی کی تحریک، اس آبیاری کے بغیر کبھی نشوونما نہیں پاسکتی۔

ترکی اصلاح کا پہلا فکری عنصر مصلحے رشید کی شخصیت میں پایا ہوا تھا، لیکن اُسے سلطان محمود اور سلطان عبدالحمید صلیح پسند فرما نہ سارے، اور اس لئے اُس کی اصلاح پسندی آرایش کی جگہ نریز قبولیت کا باعث ہوئی۔ فواد پاشا اور عالی پاشا بھی مصلحانہ افکار رکھتے تھے، لیکن وہ کوئی عملی قدم نہ اٹھا سکے۔ اس لئے اُنکے لئے کوئی آرایش پیدا نہ ہو سکی۔ مصلحے فاضل پاشا نے بلاشبہ مقدم اٹھایا، اور اُس کا اصلاحیہ پیش کر کے اپنے لئے خطرات پیدا کر دیے۔ تاہم معاملہ اس سے آگے نہ بڑھا کہ جلا وطن ہو گیا۔ یا مقرر کی حکومت و خدیویت سے محروم ہو جانا پڑا۔ پس جہاں تک تحریک کی ابتدائی نشوونما کا تعلق ہو، اب تک کوئی شخصیت ایسی نمایاں نہیں ہوئی تھی جسے اس راہ میں جفا و فحش قربانی کی منزل سے گزرا نہ پڑا ہو۔ یہ منزل ایک اولوالعزم شخصیت کے گھلو کی منتظر تھی۔ یہ اولوالعزمی مدحت پاشا کی شخصیت میں ظاہر ہو گئی۔ مدحت پاشا اس راہ کا پہلا قاتل و شہید ہوئے۔ اُس کے خون نے وہ آبیاری ہم پہنچا دی، جس کے بغیر یہ تخم انقلاب بارگاہ نہیں ہو سکتا تھا!

#### مدحت پاشا اور عبدالحمید

سلطان عبدالحمید کی پرفریز حکمت عملیوں نے واقعات حقائق پر ایسے پڑے ڈال دیے تھے کہ مدتوں تک دنیا کی نگاہیں دھوکا کھاتی رہیں۔ اور مدحت پاشا کی شخصیت نمایاں نہ ہو سکی۔ مدحت پاشا اور اُس کے ساتھیوں کے خلاف جب مقدمہ قائم کیا گیا، اور اسے سلطان عبدالعزیز کے قتل کی سازش کے انکشاف سے تعبیر کیا گیا، تو دُنیا نے بغیر کسی شک کے قبول کر لیا۔ کیونکہ تو مدحت پاشا کی اصلاحی حیثیت اور اعمال کی دنیا کو خبر تھی اور نہ ٹرکی میں کوئی ایسی قوی طاقت پیدا ہوئی تھی جو اصلیت کا اظہار کر سکتی۔ سرسہری المیٹ انگریزی سفیر متینہ مستطینہ نے مشہور عام میں جب اپنی یادداشت شائع کی، اور مدحت پاشا کو بے قصور ظاہر کیا، تو خود انکشتان میں بہت کم لوگوں نے اسے باور کیا۔ عام طور پر خیال کیا گیا کہ سرسہری اپنی ذاتی

خداات لینڈ کے حوالہ کردی تھیں۔ مشہور عام میں ایک انگریزی کتاب ”دوازدہ سالہ حکومت سلطان عبدالحمید“ کے نام سے انکشتان میں شائع ہوئی تھی۔ اُس کے دیباچہ میں ظاہر کیا گیا تھا کہ ”یہ انکشتان کی ایک شہزادی کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہو“۔ یہ کتاب بھی حمیدی دعائیہ (پر دیکھنا) کا نتیجہ تھی، اور اس لئے شائع نہ کرائی گئی تھی تاکہ سرسہری المیٹ کے اُن مضامین کا جواب دیا جائے جو اُس نے مدحت پاشا اور اُس کی مصلحانہ مساعی کی حمایت میں لکھے تھے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ہندوستان میں شائع ہو چکا ہو۔

#### انکشتان حقیقت

ایک عرصہ کے بعد جب مدحت پاشا کا لڑکا علی حیدر بے جوان ہوا، تو اُس کی ماں نعیر خانم نے اُس کے باپ کی آخری امانت اُس کے سپرد کر دی۔ یہ امانت کیا تھی؟ یہ ایک مکمل خود نوشتہ سوانح حیات تھی، جو اس شہید حریت نے طائف کے قید خانہ میں لکھی تھی۔ اور چند خطوط تھے، جو اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے طائف سے بھیجے تھے۔ ان خطوط میں ان تمام ہولناک واقعات کی تفصیل درج تھی جو طائف کے محبس میں پیش آئے تھے۔

یہ خطوط طائف کے قید خانے سے کیونکر بھیجے گئے، اُن کے بارے میں مرحوم کے خاندان تک پہنچے؟ اس کی تفصیل ان اوراق میں درج تھی۔ اُس زمانے میں مقرر کے خاندان خدیوی کی ایک امیر زادی، بیگم صفوت پاشا نے کم عمر میں قیام اختیار کر لیا تھا، اُسی پاشا کی درایت کی وجہ سے شریف اور گورنر حجاز بہت راسخ رہ گئے تھے۔ یہ بیگم مدحت پاشا اور اس کے مصلحانہ اعمال سے واقف تھی۔ اسے جب معلوم ہوا کہ وہ مع اپنے رفیقوں کے طائف میں قید کر لیا گیا، تو آمادہ ہو گئی کہ اپنی موجودگی سے ان کی مصیبت کم کرنے کی کوشش کرے۔ اور تو کچھ نہ کر سکی، لیکن اس کی وجہ سے خط و کتابت کا ایک محفوظ ذریعہ پیدا ہو گیا۔ طائف کا ایک فوجی ڈاکٹر فخری نے اُس کے زہرا کا اُسے قیدیوں کے دیکھنے کی اجازت تھی۔ وہ اُن سے پوشیدہ خطوط لے لیتا اور کم عمریہ پہنچا دیتا۔ کہ اسے خطوط مقرر بھیج دئے جاتے۔ مقرر سے مراد ایک فرانسیسی کینی کے دفتر میں پہنچ جاتے جہاں مدحت پاشا کا خاندان مقیم تھا۔ کینی کے دفتر کا نظم مدحت پاشا کی بیوی اور بہن تک پہنچا دیتا۔

البتہ مدحت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری ناماتم تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی تخلیق کا موقدہ نہیں ملا، یا بقیہ مسودہ ضائع ہو گیا۔ علی حیدر نے ان اوراق کی مدد سے مدحت پاشا کے اعمال حیات پر ایک کتاب مرتب کی، اور مشہور عام میں تیسرے شائع کی پہلے فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ پھر اُس کا انگریزی تراجم بھی شائع ہو گیا۔ یہ پہلا مرقعہ تھا کہ دنیا کو حقیقت حال ہوئی ہوئے ہونے کا موقع ملا، اور کذب و اقرار کے وہ تمام پڑے جاک ہو گئے جو عبدالحمید اور اُس کے حامیوں نے اس راست باز مصلح کی زندگی پر ڈال دیے تھے۔ قصر لینڈ کے کارپردازوں نے بہت کوششیں کیں کہ کبھی اس کتاب کی نقلی شہادتیں کر دہ ثابت کر دیں لیکن اب ۲۰ سال کی مستور حقیقت عالم آشکارا ہو چکی تھی، اور حقیقت جب ایک مرتبہ آشکارا ہو جائے، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اُسے سحر نہیں کر سکتی!

#### طائف کا مدفون صندوق

مشہور عام کے انقلاب و دستور کے بعد اس سلسلہ میں ایک نیا انکشتان ہوا۔ معلوم ہوتا ہو، اس شہید ظلم کی مقدس امانت صرف اُس کے خاندان ہی میں محفوظ نہ تھی، بلکہ طائف کی زمین نے بھی اپنا آغوش صیانت کھول دیا تھا، تاکہ اُس کی آخری امانت اپنے

دستی کا جو اُس میں اور مدحت پاشا میں تھی، جس ادا کر رہا ہو، جہاں تک مشرقی اور اسلامی ممالک کا تعلق ہو، اُس وقت نہ تو لوگوں میں اس قسم کے معاملات سمجھنے کی استعداد پیدا ہوئی تھی اور نہ عام طور پر دلچسپی لی جاتی تھی۔ ہندوستان میں اُس وقت جس قدر اردو اخبار نکلتے تھے، سب نے مدحت پاشا کے مقدمہ کو ”باغیوں“ کے مقدمہ سے تعبیر کیا تھا۔ اُس زمانے کے بعض اخبارات کے فائل ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ کلکتہ کے ”اردو گائیڈ“ اور لاہور کے ”نہج پنجاب“ نے ”باغی مدحت پاشا“ کی سزا دہائی کی خیر شائع کی تھیں!

مقدمہ کے بعد مدحت پاشا طائف کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ اُد کچھ دنوں بعد گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اُس وقت دُنیا اس مظلوم کو بالکل بھلا چکی تھی۔ اصلاح پسند ترکوں کے سوا جو یورپ میں منتشر ہو چکے تھے، کوئی جماعت ایسی تھی جسے حقیقت حال کا علم ہو، یا اس کی شخصیت میں دلچسپی رکھتی ہو۔

#### لینڈر کی دعائیہ

برسوں پر برس گزرتے، اور اس قتلِ ظلم و استبداد کی ہولناکی کی حقیقت دنیا کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہی۔ مستطینہ میں عبدالحمید کے تمام مستبدانہ اعمال اپنی پوری سرگرمی کے ساتھ شروع ہو چکے تھے۔ مدحت پاشا اور اس کے رفقا کا نام لینا ایسا ہی ناقابلِ معافی جرم تھا، جیسا ”اصلاح“ اور دستور، یا ”پارلیمنٹ“ کا نام لینا کی کتاب کی اشاعت محض اس بنا پر صنیعہ احتساب نے ”رجو“ نظر آ رہا تھا، کہ نام سے قائم کیا گیا تھا، روک دی کہ اُنکے مصنفین کا نام بھی ”مدحت“ تھا۔

مدحت پاشا کے اعمال حیات کو دنیا کی نظروں میں مذموم ثابت کرنے کے لئے ٹرکی اور ٹرکی سے باہر بے شمار اہل قلم کی خداات خریدی گئی تھیں اور وہ تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد کوئی نہ کوئی ایسی تحریر شائع کرتے رہتے تھے جس کے ذریعہ مدحت اور اس کی جماعت کو ملک سلطنت کا دشمن ثابت کیا جاتا تھا، اور سلطان عبدالحمید کے قاتلانہ اعمال کی مدحت مرائی کی جاتی تھی۔ مستطینہ میں احمد فاضل شہدائ کا عربی اخبار ”المجرب“ اس کام میں جسے زیادہ پرجوش اور گرم تھا۔ اُس نے بار بار اپنے قارئین کو یقین دلایا تھا کہ ”مدحت اور اس کی جماعت کا اصلی مقصد دین مقدس اسلام کی بیخ کنی کرنی تھی“، اور پھر اور انکشتان میں بھی قصر لینڈ کے اہل قلم نے دین و دہرے پر خیر کر رہے تھے۔ بہت سے اخبار اور اخبار نویس تھے، جنہوں نے اپنی

۱۲۵ھ میں اس کے والد علاؤ الدین کے قاضی معز بنو حجت بھی ساتھ گیا اور قلم حاصل کرتا رہا۔ اُس کے والد چونکہ فارغ التحصیل عالم تھے، اس لئے شروع ہی سے اسے فارسی، عربی، اور دینی علوم کی تعلیم دی گئی۔ توجہ سے داپس آنے کے بعد اُس نے آتش کی تاریخی سجدہ "جامع فارغ" میں دینی علوم کی تکمیل کی اور فارسی زبان میں بھی کامل مہارت حاصل کر لی۔

جب ۱۳۵ھ میں حکومت نے "مدرسہ عالیہ" جاری کیا تو تعجب ہونا طالب علم اُس میں داخل کئے گئے۔ تو ان میں ایک دہشت آفندی بھی تھا۔ لیکن اُس نے جلد دیکھ لیا کہ اس مدرسے کا طالب علم اُس کے برابر قابلیت نہیں رکھتے، اور تعلیم بھی بہت معمولی درجہ کی ہے، اس لئے برداشتہ خاطر ہو کر چھوڑ دیا۔

#### عملی زندگی

۱۳۵ھ میں اُس نے اپنی تعلیم ختم کر لی۔ مگر اُس کی عملی زندگی، بہت سے بہت پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔ وہ کم عمری ہی سے سرکاری فرائض میں ملازم ہو گیا تھا۔ دفتر کا کام بھی انجام دیتا اور تعلیم بھی جاری رکھتا۔

لیکن ۱۳۵ھ میں اُس نے خالص عملی زندگی میں قدم رکھا۔ ۲۵۰۰ قرش تنخواہ پر اسے ایک مستقل جگہ مل گئی۔ یہ ولایت شام میں سرکاری کاغذات کی تحریر کی جگہ تھی۔ دس برس تک اسی جگہ پر امور رہا۔ پھر ۱۳۵ھ میں سامی باشا دالی تونین کے دفتر میں لیا گیا۔ ۱۳۵ھ میں اسی دالی کے ساتھ صوبہ مستطیہ میں گیا۔ ۱۳۵ھ میں مستطیہ داپس آیا اور اسی زمانہ میں اُس کی شادی ہوئی۔ اس کے بعد اسے وزیر اعظم کے دفتر میں انتشار و کتابت کی معزز جگہ مل گئی۔ اس جگہ کے لہجے سے اُس پر اعلیٰ اور مرکزی مقام کا دروازہ کھل گیا۔ اور وہ حکومت کے ممتاز اور ذمہ دارانہ مناصب پر مامور ہونے لگا۔

#### تفتیش (انکیش)

۱۳۵ھ میں حلب شام کے جنگی خانے میں سخت نظمی پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ خزانہ حکومت کے ۲۰ تھیلے غائب ہو گئے۔ اس معاملہ کی تفتیش کے لئے دہشت آفندی بھیجا گیا۔ اسے خفیہ طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ عربی مالک کے سپہ سالار اعظم محمد باشا قرصلی کے طرز عمل کی بھی تحقیقات کرے۔ ۶ مہینے کی محنت کے بعد اُس نے ثابت کر دیا کہ لغدی کے پتیل نہیں، بلکہ ہزار تھیلے چوری ہو گئے ہیں۔ چور کا بھی پتہ چلا لیا، اور اُس سے ایک ہزار ۴۰۰ تھیلے وصول کر لئے۔ نیز ناقابل رد دلائل سے ثابت کر دیا کہ سپہ سالار نے قوم و دود کے معاملے میں سخت غلط کیا ہے۔

#### مجلس والا کی صدارت

وزیر اعظم رشید باشا نے دہشت آفندی کی اس خدمت کی بہت تعریف کی۔ عرب کا سپہ سالار معزول کر دیا گیا۔ اور دہشت کو مستطیہ میں مجلس والا کا صدر مقرر کیا گیا۔ یہ منصب اُس کی نظری اور نظریاتی انتظامی قابلیت کے نلو کے لئے ہر طرح موزوں تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اس کی قابلیتوں کے ایسے نمایاں ثبوت ملے کہ وہ رشید باشا، عالی باشا، رشیدی باشا وغیرہ ارکان سلطنت کا مشہور ترین گیا۔ چنانچہ جب سلطنت کے ضل کر کے لئے روسی پارس بمبارک مستطیہ آیا، تو معاہدوں کی تحریر اسی کے سپرد کر دی گئی جو بہت جلدی وزیر داری کا کام تھا۔

#### ارکان حکومت کی مخالفت

اب ترقی کرتے کرتے، دہشت آفندی ان اہل میں کتابت ثانی کے مدد سے پرہیز گیا تھا۔ مستطیہ میں محمد باشا قرصلی، وزیر اعظم معز

کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا اکثر حصہ ایک ایک دو دو سطر کر کے، مختلف اوقات میں لکھا گیا ہو، اور بہت سے مقامات میں نامقام جملوں اور غلطوں پر قلم کی شش رنگ گئی ہو۔ وہ قلم اور کاغذ شش کے نیچے چپا کر رکھ دیا کرتے تھے، اور جب کبھی پاسبازوں کی نگاہوں سے مہلت ملتی تھی، لکھنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ پوری دوسو سطر بھی نہیں لکھ پاتے تھے کسی آدمی کی آہٹ ملتی دیتی، یا پھر سے باتوں کی آواز آنے لگتی، اور وہ قلم کاغذ چھپا دینے پر مجبور ہو جاتا!

"میں اُس حالت میں بھی جبکہ موت سامنے تھی، زندگی دہشت کے تمام وسائل مفقود ہو چکے تھے، ضعف پیری اور امراض کے الم سے قوی معطل ہو رہے تھے، اور ایک جاہل و مستبد بادشاہ اور اُس کے ذلیل اور جہل پیشہ حکام ہر آن اُس کے انفا میں حیات کم کرنے کے رہے ہو رہے تھے، وہ اپنی قوم اور ملت کی خدمت سے بے فکر نہیں ہوا، اور محض اس امید و ہوس سے کہ شاید اُس کے لکھے ہوئے اوراق کسی دہشت قوم کی نظر میں نہ پہنچ جائیں، اُس نے اپنی زندگی کے تمام تجارب و انکار قلب بند کر لئے۔ میں اُس وقت جبکہ عبد الحمید اُس کی شہادت کے مسائل پر غور کر رہا تھا، وہ قید خانہ کی کوٹھڑی کے اندر ان مسائل کے قلب بند کرنے میں مشغول تھا جن کے ذریعہ عبد الحمید کا عرش مملکت موت کے خطرات سے نجات پاسکتا تھا!

"میرے والد نے یہ کتاب قید خانہ میں لکھی، اور اس کا ایک حصہ ستمنا میں اپنے اہل و عیال کے پاس بھجوایا۔ یہ ابتدائی حصہ اور بعض خطوط بھی اپنی والدہ مرحومہ سے لے گئے، اور میں نے انھیں ایک مقدس تذکرہ سمجھ کر محفوظ رکھا تھا۔ چند سال پیشتر میں نے یورپ میں جو کتاب مرحوم کے قتل حیات پر شائع کی تھی، وہ اپنی اوراق سے مرتب کی گئی تھی۔

"یہ اُس شخص کا اثر ہے جسے ۱۲۔ رجب ۱۳۵ھ ہجری کو اوت کے ۶ بجے دینے انگریزی گھڑی کے حساب سے بارہ بجے عبد الحمید کے حکم سے قید خانہ طائف میں کھلا گھونٹ کر ہلاک کر ڈالا گیا۔ اس نے کہا کہ ڈالا گیا، کہ وہ ظلم و استبداد کا مخالف تھا، اور عدل و دستور کا داعی تھا۔ آج جبکہ تمام مملکت عثمانیہ قیام دستور کے یادگار کی ٹولیاں مناسبتی ہو، بیجا نہیں اگر میں یہ امید کروں کہ دستور عثمانی کے ہنر شہید کی یاد ہر فرد قوم کے دل میں تازہ ہو جائے!"

#### سوانح حیات

دہشت باشا کی اسی خود نوشتہ سوانح عمری سے ہم مختصر اُس کے حالات نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان خطوط کا ترجمہ برج کر کے جگہ جگہ قلم طائف سے بھیجے گئے تھے۔

#### ابتدائی تعلیم

دہشت باشا ابن قاضی حاجی حافظ محمد انور صفر مستطیہ میں بہ مقام مستطیہ پیدا ہوا۔ والدین نے اسے شفیق نام رکھا تھا۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور حافظ شفیق کہلائے لگا۔

۱۳۵ھ میں اس کے والد علاؤ الدین کے قاضی معز بنو حجت یہاں اسے لکھنا سکھا، اور ایک برس بعد جب وہ داپس ہوا، تو محمد باشا وزیر خارجہ کے حکم سے دیوان ہالوئی میں داخل کر دیا گیا۔ اسی اُس نے اُس مخطوطہ کی مشق کی جو اس محکمہ کے لئے خاص ہو۔ اس محکمہ کی تعلیم کا ایک ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے تمام فارغ التحصیل طلبہ کو ایک علمہ نام یا لقب دے دیا کرتی تھی۔ چنانچہ اُسے حافظ شفیق کے لئے بھی ایک نیا نام تجویز کیا۔ یہ دہشت تھا، اُس دن سے شفیق کی جگہ دہشت کے نام سے پکارا جانے لگا۔

سینہ میں پھیلے، اور وقت مناسب کی منتظر ہے۔ علی حیدر کے خود نوشتہ سوانح عمری کا جو مسودہ اپنی والدہ سے ملا تھا، وہ نام تمام تھا، اور کچھ بہ نہیں چلا تھا کہ اصل میں نام تمام تھا، یا اس کے بقیہ اوراق متعلق ہو گئے تھے۔ اعلان دستور کے بعد یکایک یہ خبر ترکی اخبارات میں چھپی کہ "وصفی آفندی میرا اوراق (ریکارڈ کسپر) طائف نے بہرے کے بعد، طائف کے ایک بارغ بیرون شہر سے وہ اپنی صندوق نکالا ہے، جس میں دہشت باشا کی خود نوشتہ کتاب محفوظ تھی۔ وصفی آفندی نے دہشت باشا کے قتل کے بعد ۱۵۔ ذی قعدہ ۱۳۵ھ کو زمین میں دفن کر دیا تھا۔ وصفی آفندی نے یہ صندوق علی حیدر کے حوالہ کر دیا تھا۔

سے معلوم ہوا کہ دہشت باشا نے اپنی کتاب مکمل کر لی تھی، اور احتیاطاً اس کی دو نقلیں بھی، اپنے رفیق جس شیخ خیر اللہ آفندی (دستی شیخ الاسلام) سے کرائی تھیں تاکہ اگر اصل نسخہ محفوظ نہ رہ سکے تو اس کی نقل موجود رہے۔ اصل نسخہ کا ابتدائی حصہ بدعات ستمنا بھیجا گیا، بقیہ اجزاء ابھی نہیں بھیجے گئے تھے کہ ۱۲۔ رجب ۱۳۵ھ ہجری کی یہ ہولناک زلزلہ آگئی جو مرحوم اور اُس کے ساتھی محمد باشا داماد کے قتل کی رات تھی۔ اس طرح مرحوم کو بقیہ اوراق بھیجے کا موقع نہیں ملا۔ یہ اوراق قتل کے بعد قید خانہ کے حکام کو مل گئے تھے اور مستطیہ بھیجے گئے تھے۔ لیکن ان کی دو نقلیں خیر اللہ آفندی کے پاس رہ گئی تھیں۔ خیر اللہ آفندی نے کویش کی کبھی طرح یہ دونوں نسخے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔ اُسے ایک نسخہ اپنے مستند دوست کمال آفندی شیخ تکرہ آستانہ تک پہنچانے کے لئے ایک شخص مصطفیٰ آفندی نامی کے سپرد کیا، اور دوسرا طائف کے ڈاکٹر فخری بے کو دے دیا۔ پہلا نسخہ کمال آفندی تک پہنچ سکا اور مصطفیٰ آفندی کا انتقال ہو گیا۔ لیکن دوسرا نسخہ فخری نے وصفی آفندی میرا اوراق طائف کے سپرد کر دیا۔ وصفی آفندی دہشت باشا کی جماعت سے ہمدردی رکھتا تھا اور دل سے اصلاح پسند تھا۔ اُس نے اس امانت کی قدر کی، اور ایک اپنی صندوق میں بند کر کے شہر کے باہر دفن کر دیا۔

#### دہشت باشا کی خود نوشتہ سوانح عمری

علی حیدر نے انقلاب کے بعد مستطیہ آگیا تھا۔ اُس نے اس مسودہ کا پچھلے مسودہ سے مقابلہ کیا، اور ترکی میں ایک نئی کتاب مرتب کر کے مستطیہ میں شائع کر دی۔ یہ دہشت باشا کی سرگزشت حیات کا مکمل مجموعہ ہے۔ اس میں اس کی خود نوشتہ سوانح عمری ہے، قید خانہ طائف کے تمام خطوط ہیں، اصلاح نظام حکومت کی تمام یادداشتیں ہیں اور آخر میں چند خطبے ہیں جن سے کتاب کے بعض تفصیل طلب مقامات کی مزید تشریح ہوجاتی ہے۔

علی حیدر تک اس مجموعہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

"ایک ایسے موقع پر جبکہ میری قوم قیام دستور کی یادگار مناسبتی ہو (جولائی ۱۳۵ھ) میں اپنے والد مرحوم کی خود نوشتہ سوانح حیات کا دیدار اُس کے سامنے پیش کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ یہ عبرت و موعظت کا ذریعہ ہوگا۔

"جب ہمارا وطن عزیز اپنی صد سالہ عظمت و شوکت کی بلند ترین تہذیب کے قہر زلزلے میں گر رہا تھا، اور عدل و نظام کے فقدان نے امید و مراد کے تمام دروازے بند کر دیئے تھے، تو اس وقت ابن داپس کا مصنف ملک ملت کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی زندگی کے قابل ۴۰ سال اس راہ میں بسر کئے۔ یہاں تک کہ اسی کی راہ میں اپنی جان عزیز بھی قربان کر ڈالی!

میرے والد نے یہ اوراق قلم طائف کے قید خانہ میں اُس وقت لکھے تھے، جبکہ وہ عونی مجرموں کی طرح ایک تنگ کوٹھڑی میں مقید تھا۔ اندیشی و دعا کی پاسبازوں کی نگاہیں ہر وقت اُس پر لگی رہتی تھیں۔

قرض لینے والے ہیں۔ عام رائے اس خبر سے نہایت برہم ہوئی۔ کیونکہ سلطان کے اسراف نے سلطنت کا تمام خزانہ خالی کر دیا تھا اور قرضوں کا ناقابل برداشت بوجھ پہلے ہی سے ملک کی گردن توڑ رہا تھا۔

اسی اثناء میں صوبہ ہرزی گونیا کا مسئلہ پیش آیا۔ محض حکومت کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ عام رائے اب ادبھی زیادہ برہم ہو گئی۔ چند دن بعد خبریں آن شروع ہوئیں کہ بلقان میں بغاوت پھوٹ پڑی ہو اور اس کے شعلے اور دھمک پہنچ گئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ آستانہ میں بلقان کے مسلمان طالب علموں کے پاس خطوط پہنچے کہ "باغیوں نے تھلے سے کھڑک لٹے۔ اور غریزہ دار قریب قریب کڑا لے" طالب علموں نے یہ دھتکناک خبریں سینے تو جوش میں آگئے۔ ان کے جوش نے شہر کی تمام مسلمان آبادی میں بھی ہجیان پیدا کر دیا۔ لوگوں کو پہلے سے یقین تھا کہ حکومت، بلقان کے معاملات سے غفلت برت رہی ہو، اور خیم پاشا دس کے اشلے سے یہ سب کچھ کر رہا ہو۔ دس کا مقصد یہ تھا کہ اس پہلے سے آئے مہلک کا موقع ملے۔

بلقانی طالب علموں کے ساتھ ہزاروں مخلوق باب عالی کی طرف روانہ ہوئی اور وزیر اعظم سے ملاقات کا مطالبہ کیا۔ وزیر اعظم نے یہ حالت دیکھی تو ڈر گیا، اور سلطان کو مشورہ دیا کہ نئی وزارت کا اعلان کر کے علوم انسانی کا جوش ٹھنڈا کر دیں۔ چنانچہ محمود پاشا اور جن آفندی شیخ الاسلام، دونوں معزول کر دیے گئے۔ رشیدی پاشا وزیر اعظم مقرر ہوئے اور خیم پاشا آفندی شیخ الاسلام بنائے گئے۔ نیز مدت پاشا بھی وزیر وزارت کے ساتھ مجلس اعلیٰ کا رکن مقرر ہو گیا۔

لیکن وزارت کی تبدیلی سے حالات میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ خیم پاشا اگرچہ معزول کر دیا گیا تھا، لیکن محض ایک سطحی تبدیلی تھی سلطان بدستور خیم پاشا کے ہاتھوں میں تھا۔ خیم پاشا روسی سفارت خانہ سے احکام حاصل کرتا، اور ان کے مطابق سلطان کو غصے مشورے دیتا رہتا۔ عام رائے نے جلد معلوم کر لیا کہ خیم پاشا امر دزدہاوی میں پھر برسر حکومت آجائے گا۔ اس کی معزولی محض ایک دھکے کی کارروائی ہو۔ اسی اثناء میں وہی سیفر جنرل اگنا ٹیف نے ہر طرف مشہور کر دیا کہ سلطنت میں مغرب بغاوت ہوئے والی ہو سلطان میسائیں کو قتل کی عامیابا کر رہی ہیں۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی کیا کہ انٹی کچو سے متواسلج زوجان بلا اور اسی سفارت کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیے۔ اس کا رد وائی نے تمام شہر میں تشویش پیدا کر دی، مستطینہ کی سچی آبادی نے کاروبار بند کر دیا، اور شہر چھوڑ دیا چلا۔ ان کا رد وائیوں سے روسی سفیر کا مدعا یہ تھا کہ خیم پاشا کی دوبارہ وزارت کے لئے میدان صاف کرے۔ وہ یہ دیکھتا چاہتا تھا کہ نئی وزارت اس امان قائم نہیں کھ سکتی، اور سچی رعایا کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا ہو۔

ترکوں نے یہ حالت دیکھی، تو وہ مرعوب نہیں بٹھے، انھوں نے خود سلطان کے معزول کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ اب وہ سمجھ گئے تھے کہ اس شخص کی موجودگی میں کسی قسم کی اصلاح ممکن نہیں۔

یہ خبر ہوائی طبع باخداہوں میں پھیل گئی۔ وہاں سے قصر شاہی میں پہنچی۔ سلطان بہت پریشان ہوئے۔ والدہ سلطان نے مدت پاشا کے پاس اپنا مستطیلہ خواہہ سرا جوہر کا غائبجا اور دریافت کیا کہ قوم کی ناراضی دور کرنے کے لئے کوئی طریقہ مفید ہو سکتا ہو؟

مدت پاشا نے فوراً اصلاحات کا ایک مسودہ تیار کیا اور سلطان کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ اسے جاری کر دینے سے عام رائے مطمئن ہو جائے گی۔ مگر سلطان کی سختی نے اسے منظور نہ کیا۔

اسے تمام مدت میں سلطان، محمود خیم پاشا کے مشورہ پر عمل کرتا رہا اور محمود خیم، جیسا کہ بیان ہو چکا ہو، روسی سفیر کی انگلیوں پر پاج رہا تھا۔ محمود خیم نے سلطان کو ترغیب دی کہ حسین توفی پاشا کو بلا

بلغاریہ سے فارغ ہو کر مدت آفندی سزویہ گیا۔ وہاں بھی مدت اتبری پھیلی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ بعض علاقوں کے باشندوں کی ترکی حکام کو بالکل خارج کر دیا تھا۔ اور طوائف الملک کی قائم ہو گئی تھی۔ مدت آفندی نے اس صوبے کی بھی اصلاح کی اور باغی علاقوں میں ازراہ نو حکومت قائم کر دی۔

### یورپ کا سفر

مدت آفندی، مستطینہ واپس آگیا۔ اسے یقین تھا کہ حکومت ان کی خدمات کا اعتراف کرے گی۔ مگر یہاں سلطان عبدالحی پر معزول گورنر سعید پاشا اور اس کے دوستوں کا جادو چل چکا تھا۔ انھوں نے سلطان کو مدت آفندی سے ناراض کر دیا۔

اسی اثناء میں رشید پاشا کا بھی انتقال ہو گیا۔ جو مدت کا سرپرست تھا۔ مدت آفندی، سلطان کی ناراضی سے افسردہ خاطر ہو چکا تھا۔ اپنے مربی کی وفات سے ادبھی زیادہ بے دلی ہوا، اور سرکاری مناصب ترک کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ ساتھ ہی اسے خیال ہوا کہ مالک یورپ کی سیر و سیاحت کرے جس کی علمی و تمدنی ترقیات کے اشلے اس کے گوش گزار ہو چکے تھے۔ چنانچہ سلسلہ میں یورپ روانہ ہو گیا۔ ۶ مئی نے وہاں قیام کیا۔ پیرس، لندن، دانا، لیم و غیرہ کی سیر کی اور یورپ کی ترقی کے اسباب و وسائل معلوم کئے۔

### فرانسیسی زبان

مدت آفندی کی طالب علمی کے زمانے میں فرانسیسی زبان کو ٹرکی میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اس لئے اسے بھی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ لیکن اب حالات میں عظیم تبدیلی واقع ہو چکی تھی اور ہر سیاسی دبر کے لئے اس زبان سے واقفیت لازمی ہو گئی تھی۔ مدت آفندی نے اپنے اندر یہ کی محسوس کی، اور اس زبان کی تحصیل پر کمر بستہ ہو گیا۔ وہ اپنی فرصت کے اوقات میں بطور خود مطالعہ کرتا رہتا یہاں تک کہ یورپ کا سفر پیش آیا اور اس زبان میں اسے پوری مہارت حاصل کر لی۔

### رتبہ وزارت اور صوبہ کی ولایت

سلسلہ میں مدت آفندی یورپ سے واپس آیا اور دوبارہ مجلس لاکی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی اثناء میں محمد پاشا قرصلی پراٹاشن وزیر اعظم ہو چکا تھا۔ مدت آفندی کو خوف تھا کہ پھر اس کی عداوت کا نشانہ بنے گا، مگر یہ دیکھ کر اسے تعجب ہوا کہ اب مخالفت کی جگہ اس کی طرف سے موافقت کے اظہار شروع ہو گئے تھے۔ اس نے مدت آفندی کو طلب کیا۔ گزشتہ معاملات کی معافی چاہی اور سلطان عبدالحی سے بھی سفارش کی کہ اس کی کھلی خدمات کے اعتراف میں وزارت کا اعزاز ان کی رتبہ بخشنا جائے، اور صوبہ نیش کی حکومت سپرد کر دی جائے۔ چنانچہ سلسلہ میں مدت آفندی اس صوبہ کا والی مقرر ہو گیا۔ اور سلطان عبدالحی کی وفات تک اسی منصب پر امور رہا۔

### سلطان عبدالغیر

سلطان عبدالغیر کے آخری حدیں سلطنت عثمانیہ کی حالت ازہد زبوں ہو گئی۔ ہر طرف داخلی شورشیں برپا ہو گئیں، اور یورپ نے قند ہوراز مشرودہاؤ ڈالنا شروع کر دیا۔

جہتتی سے سلطان، اپنے وزیر اعظم محمود خیم پاشا کے قبضہ میں تھے۔ اور خیم پاشا، روسی سیفر جنرل اگنا ٹیف کے اشاروں پر حرکت کر رہا تھا۔ ترکی قوم اس حقیقت سے واقف ہو گئی تھی اور خیم پاشا کی مداخلت کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مگر سلطان نے کانوں میں قیل ڈال لیا تھا کہ کسی کی نصیحت مستحق نہ کسی فریاد پر توجہ دیتا۔

اسی زمانے میں خبر مشہور ہوئی کہ سلطان، ۴۰ لاکھ پونڈ کا ایک نیا

یہ مدت آفندی کا سخت دشمن تھا۔ کیونکہ اس نے اسے عرب کی سیلاب سے معزول کر لیا تھا۔ اب اس نے اتھام لینا اور سرکاری ملازمت سے خارج کر دیا تھا۔ اس سے بہت کوشش کی مگر کوئی بات قابل گرفت نہیں لی۔ آخر اس نے خیال کیا، اسے صوبہ جات روٹی کا حاکم بنا کر بھیج دیا جائے، اور چونکہ مدت ہنگامے پر پائے، اور بہت سے مالی امن امان قائم کرنے میں ناکام رہ چکے تھے، اس لئے مدت آفندی بھی ناکام رہے گا، اور اس طرح اسے نالائق قرار دینے کا بہتر موقع ملے گا۔ چنانچہ اس نے احکام صادر کر دیے۔

اب مدت آفندی کے لئے سخت مشکل پیش آئی۔ وہ وزیر اعظم کی یختی سے واقف ہو چکا تھا، اگر نہیں جاتا تھا تو عدول علی ہوتی تھی۔ جاتا تھا، تو ناکامی کا اندیشہ تھا۔ بہر حال اس نے جانے کا فیصلہ کر لیا، اور سلسلہ میں ایک فوجی ہم ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔

یہاں مدت آفندی نے حیرت انگیز قابلیت کا ثبوت دیا۔ صحت ۶ مئی کی طیل مدت میں ۲۰۰ باغی سرغناؤں کو گرفتار کر لیا۔ ہم کو حکومت کی بلا اجازت پھانسی دے دی۔ ۱۰۰ کو آستانہ کے قید خانے میں بھیج دیا۔ باقی کو قاتلوں کے مطابق سخت سخت سزائیں دیں۔

باغی صوبوں نے اسے حاکم کی یہ غیر معمولی مستندی دیکھی تو اس کے لئے فوراً سر جھکا دیے۔ یورپ کی زبان بالکل بند ہو گئی جو بلقان کی اس جیدگی کو اپنی مداخلت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ خوش قسمتی سے اسے محمد پاشا بھی معزول ہو چکا تھا۔ رشید پاشا ان کی جگہ وزیر اعظم تھا۔ اس نے مدت آفندی کی شاندار خدمات کا اعتراف کیا اور آستانہ واپس بلالیا۔ مدت آفندی نے روٹی کے حالات کی مفصل روداد پیش کی اور اصلاحات کا ایک مسودہ بھی تیار کیا، حکومت نے اسے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ مگر بعض حالات اور تبدیلیاں ایسی پیش آئیں کہ اصلاح کی تجاویز پر کوئی عملی کارروائی نہ ہو سکی۔ دراصل حکومت کا مزاج صدیوں سے ایسا ہو گیا تھا کہ بغیر کسی بنیادی تیز کے اصلاحات کی تجاویز مسودہ مند نہیں ہو سکتی تھیں۔

وزیر اعظم نے مدت آفندی کو مجلس واطمین دوبارہ داخل کیا۔ مگر بھی جہاں ابھی اس صورت حال پر نہیں گزرتے تھے کہ رشید پاشا پھر معزول ہو گیا اور دھرم چلا گیا۔ اس کی جگہ عالی پاشا کو ملی، مگر اسے بھی یورپ کا سفر پیش آگیا اور دار الحکومت سے غیر حاضر ہو گیا۔ اس کی نیابت محمد پاشا قرصلی کو مل گئی۔ اسی عموماً پاشا کو جو مدت کا جانی دشمن تھا اس نے برسر اقتدار آتے ہی پھر انتقامی تدابیر کا عمل میں لانا شروع کر دیا۔

اس مرتبہ مدت پر یہ مت لگا لی گئی کہ اسے حکومت کے بعض محاصل پر قبضہ کر لیا ہو۔ چنانچہ باضابطہ مقدمہ قائم ہو گیا۔ مگر پہلی ہی پیشی میں ثابت ہو گیا کہ الزام کی کوئی اصلیت نہیں۔ محض اتمام ہو ایک گواہ نے تو علانیہ عدالت کے سامنے اقرار کر لیا کہ "میں نے جھوٹے نوڈ پر مجبور کیا گیا ہو، اور مدت کے خلاف اسے جو کچھ کہا ہو، سراسر باطل ہو"۔

مدت آفندی عزت کے ساتھ بڑی ہو گیا، اور نائب وزیر اعظم کو سخت شرمندگی اٹھانی پڑی۔

### بلغاریہ اور سرہیہ میں

اس زمانے میں بلغاریہ کی حالت خراب ہونے لگی۔ حکام کے ظلم نے باشندوں کو پریشان کر ڈالا۔ مدت آفندی حقیقتات کے کچھ سمجھا گیا۔ اس نے اپنی روداد باب عالی میں پیش کر دی اور ثابت کیا کہ باشندوں کی شکایتیں صحیح ہیں۔ گورنر سعید پاشا اور اس کے ادویوں نے سخت قندلہ جاد رکھا ہو۔ باب عالی نے اس کی روداد تسلیم کر لی اور گورنر اور اس کے عہدہ داروں کو معزول کر دیا۔

# برید فرنگ

## مکتوب جرمنی

(المنار کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے)

قیصر کی جرمنی میں واپسی - قیصر کے موجودہ خیالات -

### قیصر کی واپسی

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں قیصر واکلم کی جرمنی میں واپسی پر مفصل بحث کر چکا ہوں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر فرانس واپس آجائے گا۔ لیکن جولائی پر دو ماہ اور گزر گئے، اور قیصر کی جلاوطنی ختم نہ ہوئی۔ حکومت جرمنی نے قیصر کی جلاوطنی والے قانون کی مدت میں دو سال کا مزید اضافہ کر دیا ہے۔ لوگ حیرت و تعجب سے اس کا سبب دریافت کر رہے ہیں؟

یہ واقعہ کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر واپس آنے والا تھا جلاوطنی کی قید اس لئے تھی کہ قیصر کی جلاوطنی والے قانون کی مدت اسی بیسے میں ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن مدت ختم ہونے سے تین چار دن پہلے حکومت نے اس میں دو سال کی مزید توسیع کر دی۔ یہ کارروائی خود قیصر کے آتشے سے ہوئی تھی۔ اصلی وجہ یہ تھی کہ اب تک فرانسیسی فوجوں نے جرمنی کی سرزمین خالی نہیں کی ہے۔ اس وقت وہ دریائے رین پر قلعے بنا رہی ہیں جب تک یہ قلعے طیارہ نہیں ہو جائیں گے، وہ جرمنی خالی نہیں کریں گی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ستمبر ۱۹۴۷ء کے موسم سرما میں قیصر مکمل ہو جائے گی اور پھر جرمنی آزاد ہو جائے گا۔

دراصل قیصر واکلم نے اس وقت تک کے لئے جرمنی میں قدم رکھنے کو انکار کر دیا جب تک اس کی سرزمین پر ایک اجنبی سپاہی بھی موجود ہے۔ یہی سبب ہوا کہ کچھ عرصے کے لئے قیصر کی واپسی بھروسہ نہ ہوئی۔ قیصر نے انکار کیا کہ کیا؟ کیا سرحد پر فرانس کی مختصر فوجوں کی موجودگی اس کے لئے خطرناک تھی؟

یہاں خطرے کا سوال نہ تھا۔ خود اداری کا سوال تھا قیصر کی عزت نفس نے گوارا نہ کیا کہ اپنے وطن اس حال میں واپس ہو جبکہ اس کی سرزمین پر اجنبی سپاہی موجود ہیں۔ اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اس نزاع پر روشنی ڈال چکا ہوں قیصر

(بقیہ مضمون مشام)

وطن کریں۔ یہ روسی اثرات کا مخالفت اور ایک دیانت دار شخص کا مسئلہ تھا۔ اس نے اسے صوبہ برٹنہ کا حاکم مقرر کر کے ملک دیا کہ اپنے تخت سے روانہ ہو جائے حسین علی بیار تھا۔ مگر سلطان نے اسے جبراً بھجوا دیا۔ اسی قسم کا براؤ اور بہت سے مخلص شہاس کے ساتھ بھی کیا گیا۔

کچھ مہینے بعد حسین علی بیار برٹنہ سے لوٹ آیا اور دیکھا کہ عام ملے، سلطان کے معمول کر رہے ہیں۔ اسے اس بارے میں محض سربراہ درود آدمیوں سے مشورہ کیا۔ جبے بالاتفاق اس تجویز کی حمایت کی ہ

اور قیصر کی نئی بیوی میں بھی صلح کوادی۔ غرض کہ اسے تمام شاہ پسندوں کو ایک خیال پر جمع کر دیا۔ اب سب صرت قیصر کی تخت نشینی چاہتے ہیں۔ ہندنبرگ نے یہ صورت حال صرت پریشانی میں پیدا نہیں کرنا بلکہ جرمنی کے تمام صوبوں اور بادشاہوں کو بھی قیصر کی حمایت پر اکاڑ کر دیا ہے۔ اب جب قیصر واپس ہوگا تو یقین کیا جاتا ہے کہ صرت پریشانی کا نہیں بلکہ ریاست سکسنی کو چھوڑ کر تمام جرمنی کا شہنشاہ ہوگا۔ دراصل سکسنی میں بالمشک خیالات مقبول ہو گئے ہیں اور وہاں مغربی یورپ حکومت قائم ہو جانے والی ہے صرت اسی قدر نہیں بلکہ امید کی جاتی ہے کہ آسٹریا بھی اس کے زیر نگیں آجائے گا۔ کیونکہ اس وقت وہاں جرمنی اور اتحاد کا خیال بہت عام ہو رہا ہے۔

### شاہ پسندوں کی انجمنیں

اس وقت جرمنی میں شاہ پسندوں کی بارہ انجمنیں قائم ہیں۔ یہ انجمنیں نہایت سرگرمی سے صرت عمل میں ہیں۔ قیصر عمل کے اصول پر ہر انجمن نے تحریک کے مختلف کام بانٹ لئے ہیں۔

مثلاً ایک انجمن کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا بھر میں قیصر کو مقبول بنانے کی دعوت پھیلا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ جنگ عرصہ کی ذمہ داری سے قیصر کو بڑی ثابت کرے اور ستھائی دعوں دہری کے وہ تمام الزام دور کرے جو اتحادی سلطنتوں نے قیصر پر لگا رکھے ہیں۔ اس انجمن نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ دنیا کی علم والے اب قیصر کی اتنی مخالفت نہیں رہی جتنی پہلے تھی۔

ایک دوسری انجمن کا نام ”شعبہ خارجہ“ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام سلطنتوں اور قوموں کے خیالات قیصر کے متعلق معلوم کرتی رہتی ہے۔ اس کی تازہ روداد سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دل یورپ میں صرت ایک فرانس ہی ایسی دولت ہے جو اب تک قیصر کی دشمنی پر قائم ہے۔ باقی سلطنتوں کو زیادہ پرغاش باقی نہیں ہے۔ وہ واد میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اٹلی اور آسٹریا قیصر کی واپسی کی کوئی مخالفت نہیں کریں گے۔ انگلستان کی مخالفت کا بھی اندیشہ نہیں ہے، الا یہ کہ ماسٹر لاٹچر پھر برسر حکومت آجائے اور اس کی اب کوئی امید نہیں۔

تیسری انجمن کا نام ”انجمن مظاہرہ“ ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ جرمنی میں قیصر کی حمایت کے مظاہرے کیا کرتی ہے۔ چنانچہ کوئی بیہوشی نہیں جاتا جس میں بڑے بڑے شہروں کی سڑکوں پر عام مظاہرے نہ کیلتے ہوں۔ یہ انجمن قیصر کی تقویریں اور مودتیں مفت تقسیم کرتی ہے۔ نیز ایسے عام جلسوں کا اہتمام کرتی ہے جن میں تمام شاہی دشمنیں برتی جاتی ہیں۔

چوتھی انجمن کا کام یہ ہے کہ تحریک کے ذریعہ قیصر کی حمایت کے افکار پھیلاتی ہے۔ چنانچہ اس کی سرپرستی میں بکثرت اخبار نکلتے ہیں اور سیکڑوں لائق انشاپر داز معنائیں اور کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔

پانچویں انجمن ہجری دہری فوجوں اور پولیس میں اپنے مقاصد کی اشاعت کر رہی ہے اور پوری کامیابی حاصل کر چکی ہے۔ اس وقت جرمن فوج اور پولیس میں مشکل سے کوئی آدمی ایسا ملے گا جو قیصر کا حامی نہ ہو۔ حتیٰ کہ خفیہ پولیس کے آدمی بھی اس تحریک میں شامل ہو چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ پورا جرمنی قیصر کے لئے چشم براہ ہے۔ عام باشندہ بھی نہیں بلکہ جمہوری حکومت اور اس کے اکثر ارکان بھی اسی خیال کے ہو گئے ہیں۔ ہندنبرگ تو اپنی شاہ پسندی میں پوری طرح مشغول ہو گیا ہے۔ لیکن موجودہ وزیر اعظم ہرٹسمان بھی کچھ کم شاہ پسند نہیں ہیں۔ کوشش ہو رہی ہے کہ کسی طرح فرانسیسی فوجیں جلد سے جلد جرمنی کی سرحد پر لائی کریں تاکہ قیصر نے سے پہلے واپس آجائے۔

### قیصر کے خیالات

یقیناً یہ معلوم کرنا نہایت دلچسپی کا موجب ہے کہ اس وقت جبکہ قیصر کی

کی نئی بیوی اور سابق دلی عہد کی بیوی میں جاری ہے۔ جس نے لکھا تھا کہ قیصر کی بیوی جرمنی میں آکر مقیم ہوگی ہو تاکہ اپنے شہر کی تخت نشینی کئے میدان صاف کرے۔ دوسری طرف دلی عہد کی بیوی اپنے بڑے لڑکے کو جرمنی کا بادشاہ بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن اب یہ نزاع کلیہً دور ہو چکی ہے۔ تمام شاہ پسند متحد و متفق ہو گئے ہیں اور صرت قیصر کی حمایت کر رہے ہیں۔

### چند اہم تبدیلیاں

پچھلے چند ماہ میں اہم تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ پہلے شاہ پسندوں کا زعمی مارشل لوڈ ٹرائل تھا۔ اب قیصر نے اسے معزول کر دیا ہے۔ اب ہندنبرگ جمہوری حکومت کی صدارت کے ساتھ، شاہ پسندوں کا بھی سرگروہ بن گیا ہے۔ مارشل لوڈ ٹرائل نے کئی سال بے کار گزار دئے اور شاہی تحریک کو کوئی ترقی نہیں دی۔ لیکن مارشل ہندنبرگ نے غیر معمولی تدبیر سے کام لے کر پوری کامیابی حاصل کر لی ہے۔ قیصر کے مخالفوں کا سبب بڑا اعتراض یہ تھا کہ ایک نہایت نازک زمانے میں قیصر اپنا ملک چھوڑ کر آئینہ بھاگ گیا۔ لیکن ہندنبرگ نے اب یہ اعتراض دور کر دیا ہے۔ اسے قیصر کی اس حرکت کی تمام ذمہ داری خود اپنے سر لے لی ہے۔ اسے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا:

”میں نے ہی قیصر کو اس فعل پر مجبور کیا تھا۔ حالانکہ وہ راضی تھا۔ و حقیقت قیصر نے ملک چھوڑ کر ملک کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اس نے خود ذلت اٹھا کر اوار کیا تاکہ ملک کی عزت برقرار رہے۔ اگر قیصر فرانس آئینہ چلا جاتا تو ایک طرف جرمنی کی تمام فوجیں تباہ ہو جاتیں کہ پھر اس کی عزت ہرگز بھاریا نہ دینا قبول کرتی۔ دوسری طرف اتحادی سلطنتیں ملک کے شہنشاہ کو گرفتار کر کے مجرموں کی طرح سزا دینے کی کوشش کریں۔ اپنی وجہ کی بنا پر میں نے قیصر کو جلاوطنی پر مجبور کر دیا تھا۔“

ہندنبرگ کے اس اعلان نے جرمنی کے اکثر باشندوں کو مطمئن کر دیا ہے۔ اب وہ قیصر کے بھاگنے کو اس کا عیب و نقص نہیں، بلکہ ایک اعلیٰ خدمت اور عظیم قربانی سمجھنے لگے ہیں۔

قیصر پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اسے اپنی ملک کے فوٹ ہوتے ہی نہایت بے وفائی کے ساتھ دوسری شادی کرنے میں جلدی کی۔ ہندنبرگ نے یہ اعتراض بھی دور کر دیا۔ اس کی ذمہ داری بھی خود اوارہ لی ہے اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس نے ایک طرف سابق دلی عہد کو راضی کر لیا کہ اپنے باپ کے خلاف کوئی کوشش نہ کرے، دوسری طرف دلی عہد کی بیوی







اپنے باپ کی موت میں جلدی کی، اندازیری موت میں بھی جلدی کی گئی۔

پھر یہ شعر پڑھا:

فما زلت نفسي بدنيا أصبتها ولكن إلى الله الكريم الصير  
دنیا کے حاصل ہو جانے سے میری روح کو کوئی خوش نصیب ہوئی  
اب میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔

۳۷۹ھ - ۳۸۰ھ میں وفات ہوئی۔

امام جاحظ

ادب عربی کا مشہور امام، جاحظ کا جب وقت آخر ہوا تو ابوالعباس  
المبرد عیادت کو گیا۔

بزاج مری کے جواب میں جاحظ نے کہا:

”وہ شخص کیسا بدگیا جس کا آدھا دھڑھڑا رہا ہو، جس کی اگر  
آٹے سے بھی چیر دیا جائے تو آٹے تیز چیلے اور آدھا دھڑھڑاتا  
جس کا اس ہو گیا ہو کہ اگر کبھی بھی اُس کے قریب آئے تو درد محسوس کر  
لگے؟“

پھر یہ شعر پڑھا:

أترجاني تكون، وانت شيخ كما دكت أيام الشباب؟  
کیا تو آرزو کرتا ہو کہ اب بڑاپے میں بھی دیا ہی ہو جائے جیسا  
جوانی کے دنوں میں تھا؟

تقدك زنت، نفسك ثوب دريك لحد يد من الثياب؟  
تیرا نفس چھوٹا ہو۔ پورا کپڑا نئے کپڑے کی طرح کیونکر ہوسکتا ہو؟  
۳۸۷ھ (۳۸۷ھ) میں انتقال کیا۔

خلیفہ معتضد باعد

سولہواں عباسی خلیفہ، معتضد باعد موت ظالم دستبدار تھا۔ وفات  
کے وقت اپنا مرنے والا سن یوں پڑھا:

تمتع من الدنيا فانك لا تبقى وفد صغها ان صفت دودع الر  
دنیا سے لطف اٹھالے کیونکہ تو باقی نہیں رہے گا۔ اُس کی بھلائی  
لے لے اور بربائی چھوڑ دے!

ولا تأمن الدهر الذي قد انتنت فلم تنب لي حالاً ولم ير لي حقاً  
اُس دنیا پر ہرگز بھروسہ نہ کرنا جس پر میں نے بھروسہ کیا تھا، یکے اُس  
مجھ سے بیوفائی کی اور کسی حق کا بھی خیال نہ کیا۔

تقلت صناديد الرجال ولم ابع عددوا، ولم اصل على ظنية خلقاً  
میں نے بڑے بڑے بہادر مارے۔ کوئی دشمن نہ چھوڑا۔ کسی کو بھی اُس  
کی سرکشی پر باقی نہ رہنے دیا۔

داخلت دار الملك من كل باب فشرتهم غراً، وشرتهم مشراً!  
میں نے پائے تخت تمام مغللوں سے خالی کر دیا، انھیں پرانہ کوکے  
مشرق و مغرب میں پھیلا دیا۔

فلما بلغت العزم غراً درفتة وصارت رقاب الخلق اجمع لي رقاً،  
لیکن جب میں اپنی عزت و رفعت میں تاروں کی کھینچ گیا اور تمام مخلوق  
کی گردنوں میں میری غلامی کا طوق پڑ گیا،

راني الروي سماً، فاصبر جرتي فما اذا في حضرة عاجلاً انقأ!  
تو ایسا ہوا کہ موت نے مجھ پر ایک تیر چھلایا اور کھل گیا بجادی۔ دیکھا،  
اب میں مغرب ہی اپنے گھسے میں ڈالا جانے والا ہوں۔

ولم ينم على اجمع، ولم اجد لذی مل سماً، ولا راح نقاً  
میرے جمع کئے ہوئے خزانے میرے کام نہ گئے۔ دوست بیزار ہونے والے  
اور دولت کے لالچی کسی نے بھی ہمدردی نہ کی!

فاليات شمري بعد موتی، العتي الى نعم الرحمن ام ناره العتي؟  
اے کاش! میں جانوں، موت کے بعد اس کی نعمتیں پاؤں گا، یا دوزخ  
میں جھونکے یا جہنم کا؟ - ۳۸۷ھ (۳۸۷ھ) میں انتقال کیا۔

# بصائر و حکم

## عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

### شاہیر عالم اپنے اوقات و فائتین

### اکابر تاریخ اسلام کی مختصر و فائت

#### حضرت امام شافعیؒ

امام قرنی کہتے ہیں، جس دن حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے انتقال کیا  
اُس کی صبح کو میں عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا۔  
”مزاج کیسا سو؟ میں نے سوال کیا۔  
”انھوں نے ٹھنڈی سانس لی:

”دنیا سے جا رہا ہوں، دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں، موت کا  
پالہ منہ سے لگا ہوا۔ نہیں معلوم میری روح جنت میں جائے گی کہ اُسے  
بارک بادوں، یا دوزخ میں جائے گی کہ اُسے تعزیت پیش کر دے؟“  
پھر یہ شعر پڑھا:

ولما تلقى وصالاً ذاهباً جعلت الرجاء مني لعنوك لئلا  
اپنے دل کی صفائی اور اپنی بچاؤ کی امیدوں کے بعد میں نے تیری عفو پر اپنی امید کو  
سہا دانا لیا ہو۔

تعلقت بدينى فلما قرنته بعنوك ربى كان لعنوك لعناً  
میرا گناہ میری نظر میں بہت ہی بُرا تھا، مگر جب تیرے عفو کے مقابلے  
میں اُسے رکھا، تو لے رہا، تیرا عفو زیادہ بُرا نکلا۔  
۳۸۷ھ (۳۸۷ھ) میں وفات پائی۔

#### امامون الرشيد

نزع کے وقت جاحظ عیادت کو حاضر ہوا کسی جانور کی کھال کا پتھر  
بچھا تھا۔ پتھر نے پریت پڑی تھی، اور خلیفہ زیت پر لوٹ رہا تھا۔ یہ  
الفاظ زبان پر تھے:

”لے دے جس کی پادشاہی کبھی ناکل نہ ہوگی، اُس پر دم فرما جس  
کی پادشاہی جا رہی ہو! لے دے جو کبھی نہیں مے گا، اُس پر دم کر جو  
مُرا ہو!“

جاحظ نے کہا: ”خدا امیر المؤمنین کا ثواب زیادہ کرے اور زندہ رہی  
بخشنے!“

”میری تندہی کی دعا نہ کرو“ امون نے فوراً کہا۔ بلکہ میرے  
لئے مغفرت کا دعا کرو۔

پھر کہا: ”خدا! اُنہی ہیں حکم دے اور ہم نے نافرمانی کی۔ تو مجھے  
بخش دے کیونکہ تو بڑا ہی جیم ہو“ اس پر روح پرواز کر گئی  
۳۸۷ھ (۳۸۷ھ) میں وفات پائی۔

#### حکیم ابو القاسم

مشہور زہاد و حکیم شاعر ابو القاسم سے موت کے وقت پوچھا گیا۔

#### ”کوئی خواہش باقی ہے؟“

”کہا: ”ہاں، میری خواہش یہ ہے کہ منی“ ”مخارق“ لے کر اور میرے  
مرانے میرے شعر گائے:  
اذا انقضت منى من الدهر مئى فان غزالا لبا كيات قليل!  
جبکہ دنیا میں میری زندگی کی مدت ختم ہو چکی ہو تو رونے والیوں کی  
تعزیت بھی بہت کم ہو۔

سيعرض عن ذكرى منى مودتى ويحدث بعدى للخليل خليل!  
سب میرے خیال سے منہ پھیر لے گا، میری محبت بھول جائیں گے۔ میرے  
بعد بھی دست اپنے دوستوں سے باتیں کرینگے۔  
۳۸۷ھ (۳۸۷ھ) میں انتقال کیا۔

#### خلیفه واثق باعد

خلیفہ واثق باعد نے مرتے وقت یہ شعر پڑھا:  
الموت فيه جميع الناس تشرك لاسوقته منهم يومئذى ولا ملك  
موت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ نہ بازار میں لوگ بچیں گے نہ بادشاہ  
ہی زندہ رہیں گے۔

اضرب لي قليل في مقابرهم وليس يغني عن الملاك امكوا  
غریبوں کو اُن کی قبر میں عزت لے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ امیروں  
کو اُن کی امیری بھی کوئی فتنہ نہ پہنچائے گی۔

پھر حکم دیا، فرش اٹھا دیا جائے۔ فوراً قبیل کی گئی۔ خلیفہ نے پنا  
خسار زمین پر رکھ دیا اور چھلایا:

”لے دے جس کی پادشاہی لازوال ہو، اُس پر دم کر جس کی پاد  
شاہی ختم ہو گئی!“  
یہ کہتے ہی انتقال ہو گیا (۳۸۷ھ - ۳۸۷ھ)

#### خلیفه منتصر باعد

خلیفہ منتصر باعد ایک دن دیکھ کے فرس پر بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اُس  
کی نظر ایک فاضی عبارت پر پڑ گئی جو فرس پر کندہ تھی خلیفہ نے اُسے  
پڑھوایا تو لکھا تھا:

”مجھ شریعہ بن کر سہل لے اپنے باپ کو قتل کیا، لیکن اُس کے  
بعد پادشاہی سے کوئی قلعہ حاصل نہ کر سکا“

خلیفہ کے چہرہ کا رنگ بدلی گیا۔ فوراً ہی مجلس سے اٹھ گیا چند  
ہی روز بعد بیمار پڑا اور زندگی سے مایوس ہو گیا۔ اُن عیادت کو آئی تو  
خلیفہ نے کہا: ”دنیا اور آخرت دونوں میرے ہاتھ سے نکل گئیں۔ میرے“

# ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON LONDON S. W. 5.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پُرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پُرانی تصویروں، پُرانے سیکے،  
اور نقوش، پُرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پُرانے صنعتی  
عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہمارے نمائش  
گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا  
ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران  
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتیں تجب انگریز عدد تک انداز ہیں!

برہم یورپ، ایرک

اور

مشرق

کے تمام بڑے طبعی محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے  
رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر بھی حال میں ہم سے منظر عام پر آئے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں

تو

آپ فرخت کرنے کے لئے ہم پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت  
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے بل کے

# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں نیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W. 1.**

دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز  
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اُن کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!  
انگریزی کا تمام ذخیرہ برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع  
ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ  
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں  
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں  
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے  
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے  
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ  
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے اڈیشن  
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں  
ہمارے یہاں ہر چھ  
ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

## جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی جب راجی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی روشنی میں کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی زوداداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دھواڑہ بلا امتیاز و مذہب و ملت قلم

نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟  
قیمت ۱۰ روپے (بغیر الاموال کلکتہ)

## اگر آپ کو

دم

ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت

تو تامل نہ کیجئے اپنے سوترب

دوا فروش کی دکان

فوراً

ایکٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگو کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہینا

گاڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کر دے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی

کمل گاڈ بک

ڈنلاپ گاڈ گوگریٹ برٹن

The Dunlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین فائین قلم

امیر کن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) آہنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوتا

(۲) آہنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی

بھر کام دے سکتا ہے

(۳) آہنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں

سے مزین کہ آہنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں



## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظریہ اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنا:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وسیع تبصرہ

کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

## برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو کچھ ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "ڈی سسٹم" کے نام سے مشہور ممالک میں مشہور ہے۔ اس "ڈی سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام برے برے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وسیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Olive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR : MAULANA ABU AL-KALAM AZAD.

۱۰۰

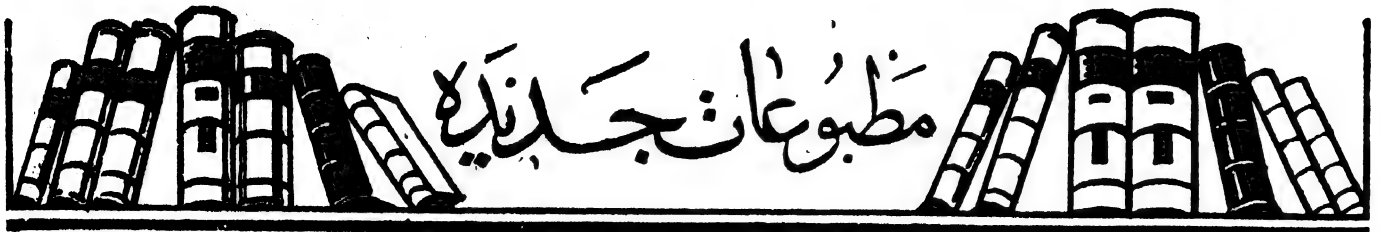
۱۰۰

۱۹۲۷

الله



سید علی حسینی



## ”کمونیزم“ اور اُسکے مقاصد

جرمنی کے کمیونسٹ مرکز اشاعت نے حال میں ایک نیا سلسلہ مطبوعات ”کمونیزم“ کے اصول و مبادیات پر شائع کرنا شروع کیا ہے جسکی دو جلدیں اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں۔ پہلی جلد میں زیادہ تر مشہور کمیونسٹ رہنما، کارل مارکس کے منتخب مضامین ہیں، اور ابتدا میں اُسکی مفصل سوانح حیات بھی شامل کر دی ہے۔

روس کے آخری انقلاب کے بعد سے کمونیزم دنیا کی ایک زندہ اور عامل حقیقت ہو گئی ہے، اور ہر ملک کیلئے ضروری ہو گیا ہے کہ نہ صرف سیاسی حیثیت سے، بلکہ علمی حیثیت سے بھی اسے اصول و مبادیات کا مطالعہ کرے، اور نقد و بصیرت کے ساتھ صحیح رائے قائم کرے۔ جہاننگ ہمیں معلوم ہے، اس وقت تک اردو میں کوئی کتاب ایسی شائع نہیں ہوئی ہے جس میں صحت کے ساتھ اس انقلاب انگیز سیاسی و اجتماعی مذهب کی حقیقت واضح کی گئی ہو۔ یہ نیا مجموعہ دیکھ کر ہمیں خیال ہوا کہ کارل مارکس کے بعض مختصر مقالات اس غرض کیلئے نہایت مفید اور جامع ہیں۔ ہم ان مقالات میں سے ایک مقالہ الہلال میں شائع کرتے ہیں۔ اس کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے نہ صرف اس مذهب کے اصول و عقائد بلکہ اسے ظہور و اشاعت کی ابتدائی تاریخ بھی واضح ہو جائیگی۔

یہ واضح رہے کہ اس مقالہ اور اسی طرح کے دیگر مقالات کے تراجم سے مقصود صرف یہ ہے کہ وقت کی ضروری معلومات اردو خواں طبقہ کے لیے مہیا ہو جائے۔ یہ مقصود نہیں ہے کہ یہ خیالات اس حیثیت سے پیش کیے جائیں کہ وہ یک قلم مقبول اور پسندیدہ خیالات ہیں۔ ہمارے خیال میں ”کمونیزم“ موجودہ تمدن کی سرمایہ دارانہ بے اعتدالی کا قدرتی رد فعل ہے، اور جس طرح موجودہ تمدن کی سرمایہ داری افراط کے ایک انتہائی نقطہ تک پہنچ چکی ہے، اسی طرح کمونیزم بھی تقرباً کے دوسرے نقطہ کا ظہور ہے۔ حق و صواب کی راہ افراط و تقریط کی راہ نہیں ہو سکتی، وہ ہمیشہ درمیان کی راہ ہوتی ہے!

(۱)

(سرمایہ دار اور مزدور)

آجنگ کی تمام سوسائٹیوں کی تاریخ، جماعتی کشمکش کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔

آزاد اور غلام، شریف اور رذیل، آغا اور خدمتگار، تجارتی مکھیے اور بنجارے، مختصر یہ کہ ظالم اور مظلوم، ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے رہے، اور ایک ایسی مسلسل جنگ میں مشغول رہے

جو کبھی علانیہ تھی اور کبھی خفیہ، مگر جسکا خاتمہ ہمیشہ یا تو سوسائٹی کی ایک انقلابی کاپا پلٹ کی صورت میں ہوا، یا تمام حریف جماعتوں کی عام بربادی کی شکل میں!

قدیم ترین تاریخی عہد میں بھی تقریباً ہر جگہ سوسائٹی مختلف درجوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی اور ایک مکمل معاشرتی نظام میں سمٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ قدیم روم میں ہم شریفوں، نوابوں، کنواروں اور غلاموں کی تقسیم پاتے ہیں۔ قرون وسطیٰ میں جاگیردار، اسامی، تجارتی مکھیے، شاگرد پیشہ، اور خدمتگار دکھائی دیتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ انہیں سے ہر جماعت بھی کئی کئی جماعتوں میں منقسم ملتی ہے۔

موجودہ سرمایہ دار سوسائٹی نے، جسکی تعمیر جاگیردار سوسائٹی کے کھنڈروں پر ہوئی ہے، جماعتی جھگڑے اور رقابتیں موقوف نہیں کیں، بلکہ پہلے سے زیادہ نئے نئے فرقے، ظلم کے نئے نئے طریقے، اور لڑائی کے نئے نئے دھنگ نکال لیے ہیں۔

البتہ ہمارے موجودہ سرمایہ دار عہد نے یہ امتیاز ضرور حاصل کیا ہے کہ اس نے جماعتی اختلاف معدوم کر دیے ہیں، اور تمام سوسائٹی سمیت کے دو بڑی حریف جماعتوں: ”سرمایہ دار“ اور ”مزدور“ میں تقسیم کر دی ہے۔

قرون وسطیٰ کے کاشت کاروں سے دیہاتی نمائندوں کی ابتدا ہوئی، اور انہیں اسامیوں نے سرمایہ دار طبقہ کی بھی آب و گل مہیا کی۔

امریکہ کی دریافت اور زمین کے گرد دورے نے اٹھتے ہوئے سرمایہ دار طبقے کے سامنے عمل کا ایک نیا میدان کھول دیا۔ ایسٹ انڈین اور چینی بازاروں، امریکہ کے استعمار، مستعمرانہ تجارت، نیز ذرائع تبادلہ اور ذرائع پیداوار کی وسعت نے تجارت، جہاز رانی، اور صنعت و حرفت میں ایک نئی روح پھونک دی، اور انحطاط پذیر جاگیردار سوسائٹی کے انقلابی عناصر کو تیزی سے ابھار دیا۔

صنعت و حرفت کا سابق جاگیردارانہ نظام وہ بوہتی ہوئی ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا تھا جو نئے بازاروں کے ساتھ پیدا ہو گئی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دست کاری کے نظام نے اُسکی جگہ لے لی، تجارتی مکھیے معزل ہو گئے، متوسط صنعتی طبقہ اُنکا قائم مقام بن گیا۔ مختلف سندی مکھیوں کے مابین محنت کی تقسیم، عام کارخانوں میں محنت کی تقسیم کے آگے معدوم ہو گئی۔

سرمایہ دار طبقہ نے جہاں بھی طاقت حاصل کی، تمام جائیدادارانہ، بزرگانہ، مذہبی، اور معنوی رشتے توڑ پھوڑ ڈالے۔ اُسے بڑی بے رحمی سے وہ تمام بوقلموں بزدل توڑ کے رکھ دیے جو انسان کو اُسے ”فطری سرداروں“ سے باندھنے چلے آئے تھے اور اُس ایک رشتہ کے سرا کوئی رشتہ باہمی روابط کا باقی نہ چھوڑا جسے برہنہ خود غرضی اور کھری نقد ادائیگی کا رشتہ کہتے ہیں۔

کی جگہ نئی صنعتیں رائج کی جا رہی ہیں کہ جن کا رواج تمام مہذب اقوام کے لیے ایک نہایت ہی اہم اور قابل غور مسئلہ ہے، کیونکہ ان صنعتوں کی حالت یہ ہے کہ صرف یہ اپنے ہی ملک کی خام پیداوار استعمال میں نہیں لائیں، بلکہ دیر دراز علاقوں کی بھی خام پیداوار چاہتی ہیں، نیز انکی کثرت کی وجہ سے ان کی قیمت صرف ان کے ہی علاقے میں نہیں بلکہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہونی چاہیے۔

پرانی ضروریات کی جگہ جو ملکی پیداوار سے رفع ہو جاتی تھیں، نئی ضروریات پیدا ہو گئی ہیں جو اپنے رفع ہونے کے لیے دیر دراز ممالک کی پیداوار کا بھی مطالبہ کرتی ہیں۔

یہ حال صرف مادی پیداوار ہی کا نہیں، بلکہ ذہنی پیداوار کا بھی ہے۔ ایک قوم کی دماغی پیداوار، تمام قوموں کی علم ملکیت بن گئی ہے۔ محدود تخیل اور بے تعلقی روز بروز ناممکن ہوتی جاتی ہے، اور قومی و مقامی ادبیات سے ایک عالمگیر ارضی علم ادب پیدا ہو رہا ہے۔

سرمایہ دار طبقہ، آلات پیداوار کی تیز ترقی اور مواصلات کی مسلسل آسانیوں کے ذریعہ وحشی سے وحشی اقوام کو بھی تہذیب کی طرف کھینچ رہا ہے۔ سامان تجارت کی ارزانی ہی وہ بھاری ٹوپ ہے جس کے زور سے نہایت سرکش قوموں کو بھی اطاعت پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ تمام اقوام کو موت کی دھمکی دی جا رہی ہے کہ سرمایہ دارانہ طریق پیداوار اختیار کر لیں، اور نام نہاد تہذیب قبول کرے مہذب بن جائیں۔

سرمایہ دار طبقہ نے دیہات کو شہر کا تابع بنا دیا ہے۔ بکثرت نئے شہر پیدا کر دیے ہیں۔ دیہات کے مقابلہ میں قصبہ کی آبادی میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا ہے۔ اور اس طرح دنیا کی بہت بڑی آبادی کو دیہاتی زندگی کی سادگیوں سے محروم کر دیا ہے۔

اُس نے جس طرح دیہات کو شہر کا محتاج بنایا ہے، ٹھیک اسی طرح وحشی اور نیم وحشی ممالک کو مہذب ممالک کا دست نگر بھی بنا دیا ہے۔ کاشتکار قوموں کو سرمایہ داروں کا اور مشرق کو مغرب کا محتاج بنا دیا ہے۔

سرمایہ دار طبقہ ذرائع پیداوار، ملکیت، اور آبادی کی وسعت پر برابر قابو حاصل کرتا جاتا ہے۔ اُس نے آبادی گنجان کر دی ہے۔ ذرائع پیداوار میں مرکزیت پیدا کر دی ہے۔ اور ملکیت کو سمیت کر صرف چند ہاتھوں کے اندر محدود کر دیا ہے۔

اس صورت حال کا لازمی نتیجہ، سیاسی مرکزیت تھی جو سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھوں وجود میں آچکی ہے، آزاد اور نیم آزاد اقوام جن کے مصالح، قوانین، حکومت، اور رسم و رواج جدا جدا تھے، کھینچ تان کے ایک قوم بنا دی گئی ہیں، ایسی قوم جس کی حکومت، ضابطہ قانون، اجتماعی مصالح، اور رسم و رواج، سب ایک ہیں۔

سرمایہ دار طبقہ نے اپنے صد سالہ جماعتی عہد حکومت میں ایسی عظیم الشان بار آور قوتیں پیدا کر دی ہیں جنہیں تمام پچھلی نسلیں بھی پیدا نہ کر سکی تھیں۔ اُس نے قدرت کی طاقتوں پر قبضہ کیا، علم آلات اور کیمیا کا صنعت و زراعت میں استعمال کیا، دخانی جہاز، ریلوے، اور تار برقی کے سلسلے جاری کیے، زراعت کے لیے تمام براعظموں کی صفائی کی، دریاؤں کی نہر بندی کی، اور زمین کے تمام خزانے آلت ڈالے۔ یہاں کسی

اُس نے مذہبی انبساط، بہادرانہ جوش، اور متوسط طبقے کی بلند خیالی، خود پس، تخمینہ و شمار کے آب سرد میں غرق کر دی۔ اس نے ذاتی جوہر کو مول تول اور لین دین کی ایک جنس بنا دیا۔ اور تمام بیش قیمت آزادیوں کو پس پشت ڈال کر "آزاد تجارت" کی صرف ایک نامعقول آزادی قائم کر دی!

الغرض اُس نے کمزوروں کے اُس قدیم خرد غرضانہ استعمال کی جگہ جسپر مذہب و سیاست کی دلفریبیوں کا نقاب پڑا ہوا تھا، ایک نیا برہنہ، وحشیانہ، بے شرم، اور کھرا خود غرضانہ استعمال ایجاد کر دیا۔

سرمایہ دار طبقے نے ان تمام پیشوں کی خردیاں ملیامیت کر دیں جو پہلے عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اُس نے ڈاکٹر، وکیل، پروفیسر، شاعر، فلسفی، غرضکہ سب کو محض ایک اجرتی مزدور بنا کے چھوڑ دیا!

سرمایہ دار طبقہ نے خاندانی رشتے سے محبت و جذبات کے تمام عناصر بھی نکال پھینکے، اور انکی جگہ ایک خالص مالی لین دین کا رشتہ قائم کر دیا!

سرمایہ دار طبقہ نے بنا دیا کہ وحشیانہ اظہار طاقت، جسے قرن وسطی کے رجعت پسند اس قدر سرائتے تھے، کامل سہولت کے ساتھ ان کے عہد میں کس درجہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

یہ طبقہ، سب سے پہلا طبقہ تھا جس نے ثابت کر دکھایا کہ انسان کی سرگرمی کیا کچھ کر سکتی ہے۔ اس نے مصری اہرام، رومن نہروں، اور گوتھک خانقاہوں سے بالکل مختلف قسم کے عجائبات پیدا کئے، اور قدیم ہجرتوں اور مذہبی جہادوں سے بالکل مختلف قسم کی مہمیں جاری کیں۔

تمام سابق صنعتی طبقوں کے وجود کی اولین شرط یہ تھی کہ پیداوار کے اگلے طریقے برقرار رہیں۔ لیکن سرمایہ دار طبقہ کی زندگی ناممکن ہے جب تک کہ آلات پیداوار، طریق پیداوار، اور تمام اجتماعی رشتوں میں برابر انقلاب نہ ہوتا رہے۔ چنانچہ طریق پیداوار کا مسلسل انقلاب، اجتماعی نظم کی پیہم برہمی، دائمی بے چینی، اور کبھی نہ ختم ہونے والی بے اطمینانی، یہی وہ چیزیں ہیں جو سرمایہ دار عہد کو تمام دیگر زمانوں سے امتیاز دیتی ہیں۔

تمام جیسے تلے اور مضبوط معاشرتی رشتے مع اپنے ہم آہنگ مقرر و محترم عقائد و خیالات کے فنا کر دیے گئے ہیں اور ان کی جگہ جو رشتے اور خیالات رائج کئے گئے ہیں قبل اس کے کہ چمکیں، پرانے ہو چکے ہیں۔ جو کچھ بھی تھوس اور مقبول تھا، مت چکا ہے۔ جو کچھ بھی مقدس تھا، ناپاک کر دیا گیا ہے۔ اور اب انجام کار انسان مجبور ہو گیا ہے کہ اپنے حالات زندگی اور حقیقی معاشرتی تعلقات، کھلی آنکھوں سے دیکھے۔

تمام کر ارضی کے سرمایہ داروں کو اپنی پیداوار کے لیے ایک برابر بڑھتے رہنے والے بازار کی ضرورت، دیوانہ کیے ہوئے ہے۔ انہیں ہر جگہ اپنا آشیانہ بنانا، ہر مقام پر دیرہ ڈالنا، چپہ چپہ سے ناتا جوڑنا ضروری ہے۔

سرمایہ دار طبقہ نے عالمگیر بازار غصب کر کے تمام ممالک کی درآمد و برآمد قومی اور ملکی قیود سے آزاد کر دی ہے۔ رجعت پسندوں کی امیدوں کے برخلاف صنعت و حرفت کے نیچے سے اُس کی بنیادیں نکال کر پھینک دی ہیں۔ قدیم اور مروج صنعتیں برباد کی جا چکی ہیں، اور جو باقی ہیں برابر برباد کی جا رہی ہیں۔ ان

لیکن سرمایہ داروں نے صرف یہ مہلک ہتیار ہی نہیں کر دیا ہے، بلکہ وہ لوگ بھی پیدا کر دیے ہیں جو یہ ہتیار استعمال کرینگے - وہ کون ہیں؟ موجودہ مزدور!

جس تناسب سے سرمایہ اور سرمایہ داروں نے ترقی کی ہے، اسی تناسب سے مزدوروں نے بھی ترقی کی ہے۔ اس طبقہ کی زندگی اسی وقت تک ہے جب تک اسے کام ملتا رہے، اور کام اسی وقت تک ملتا ہے جب تک وہ سرمایہ کو بڑھاتا رہے۔ یہ مزدور جو اپنے تئیں فرداً فرداً بیچ ڈالنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں، تجارت کی دوسری چیزوں کی طرح ایک جنس ہو گئے ہیں اور مقابلہ کے ہیر پھیر اور نرخ کے چڑھاؤ آنا سے ہمیشہ مصیبت جھیلنے رہتے ہیں۔

مزدور کا کام، کلر کے کثرت استعمال اور محنت کی تقسیم باعث اپنی انفرادی شخصیت سے محروم ہو گیا ہے اور اب مزدور کیلئے اپنے اندر کوئی خاص کشش نہیں رکھتا۔ مزدور مشین کا محض ایک ضمیمہ بنا دیا گیا ہے، جس سے نہایت آسان کام کی خواہش کی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب اُسکی قیمت گھٹ کر بس اتنی ہی رہ گئی ہے کہ مزدور بمشکل اُس سے اپنی قوت لایمورت کا سامان کر سکتا ہے۔

اب ایک مصنوعی برتن اور مزدور، دونوں ہم درجہ چیزیں ہو گئی ہیں جنکی قیمت اُنکی لاگت کے حساب سے ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جوں جوں محنت سستی ہوتی جاتی ہے، مزدوری بھی گھٹ رہی ہے۔ پھر تماشہ یہ ہے کہ جس قدر کام کی تقسیم اور کاروں کا استعمال بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر کام کا بوجھ بھی بڑھ رہا ہے، یا تو کام کے گھٹتے بڑھا دیے جاتے ہیں، یا زیادہ کام ایک خاص وقت میں لیا جاتا ہے، یا مشین کی رفتار میں اضافہ کر دیا جاتا ہے، (وغیرہ وغیرہ)

موجودہ صنعت نے نیک آقا کی چھوٹی سی دکان کو صنعتی سرمایہ دار کے بڑے کارخانہ کی صورت میں بدل دیا ہے۔ مزدوروں کے غول کے غول کارخانوں میں بہرے ہوئے ہیں جن کی تنظیم سپاہیوں کی طرح کی جاتی ہے، اور جو سپاہیوں ہی کی طرح چھوٹے بڑے افسروں کی ایک مطلق العنان حکومت کے شکنجہ میں جکڑ دیے گئے ہیں۔ وہ نہ صرف سرمایہ دار طبقے اور سرمایہ دار حکومت کے غلام ہوتے ہیں، بلکہ انہیں شب و روز ہر سرمایہ دار صنایع کی بھی غلامی کرنی پڑتی ہے۔

جس قدر کھلے الفاظ میں یہ خود سر حکومت اعلان کرتی جاتی ہے کہ خود غرضی اور منفعت شخصی اس کا مقصد ہے، اُسی قدر وہ حقیر، نفرت انگیز، اور تکلیف دہ ہوتی جاتی ہے!

دستی مشقت میں قوت اور چستی کی ضرورت جتنی کم ہوتی جاتی ہے، یعنی موجودہ صنعت جس قدر زیادہ ترقی کرتی جاتی ہے، اُسی قدر مردانہ محنت کی جگہ زنانہ محنت کو دی جا رہی ہے۔ مزدوری پیشہ طبقہ کے لیے اب عمر اور جنس کا اختلاف کوئی معاشرتی اہمیت نہیں رکھتا۔ مزدور مرد اور عورتیں سب کے سب محنت کے پرزے ہو گئے ہیں جن کی قیمت عمر اور جنس کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

جوں ہی مزدور کو اپنے سرمایہ دار آقا سے مزدوری ملتی ہے، فوراً دوسری سرمایہ دار جماعتیں اُس پر ٹوٹ پڑتی ہیں: مکان دار، دکان دار، ساہوکار، غرضکہ سب کے سب اُس کے لوٹنے کھسرتے کو آموجود ہوتے ہیں۔

پچھلی نسل کو یہ وہم بھی گزرا تھا کہ اجتماعی محنت کی گرد میں ایسی بار آور قوتیں پڑی ہو رہی ہیں؟

گزشتہ بیان میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ ذرائع پیداوار اور تبادلہ جن کی بنیادوں پر سرمایہ دار طبقہ نے اپنی عمارت کھڑی کی ہے، اگرچہ جاگیرداری کے عہد میں پیدا ہونے سے، مگر خود جاگیر اُنسے کوئی فائدہ نہ آتا سکی بلکہ اُلٹے اُلٹے گرداب میں پڑ کر تباہ ہو گئی، کیونکہ یہ ذرائع پیداوار اور تبادلہ جب اپنی ترقی کی ایک خاص منزل پر پہنچ گئے، تو وہ حالات جنکے ماتحت جاگیردار سوسائٹی پیدا کرتے اور تبادلہ کرتے تھے، یعنی کاشتکاری و دستکاری کا جاگیر دارانہ نظام، ترقی یافتہ قوتوں کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ وہ پیداوار کو سہارا دینے کے بجائے اُسے حق میں رکھ اور بوجھل بیڑیاں بن گئے، جن کا ثبوت کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ اُنکی جگہ آزاد مقابلے اور سرمایہ دار طبقہ کی اقتصادی و سیاسی حکومت نے لے لی۔

لیکن اب تاریخ نے اپنا اعادہ پھر شروع کیا ہے، جو کچھ جاگیر داروں پر گزرا ہے، وہی اب سرمایہ داروں کو درپیش ہے۔

سرمایہ دارانہ حالات، پیداوار، تبادلہ، سرمایہ دارانہ املاکی رشتے، غرضکہ پوری موجودہ سرمایہ دار سوسائٹی جس نے ایسے عظیم الشان ذرائع ایجاد کیے ہیں، سخت مصائب میں مبتلا ہے۔ اسکی مثال اُس جادوگر کی سی ہے جو خبیث طاقتوں کو جگا تو دیتا ہے مگر انہیں قابو نہیں رکھ سکتا۔

بہت زمانہ تک صنعت و تجارت کی تاریخ، جدید بار آور قوتوں کی موجودہ حالات کے خلاف، ایک بغاوت کی عام تاریخ رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اُن تجارتی مشکلات کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا جو وقتاً فوقتاً پوری سرمایہ دار سوسائٹی کے لیے موت و حیات کا سوال پیدا کر دیا کرتی ہیں۔

لیکن باوجود اُن ہولناک خطروں کے ایک عام اجتماعی رہا پھیلی ہوئی ہے جس کا نام ”زائد پیداوار“ ہے اور جو پچھلے زمانوں میں یقیناً ایک حماقت معلوم ہوتی۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ سوسائٹی اپنے تئیں اچانک ایک عارضی وحشیانہ حالت میں مبتلا پاتی ہے۔ قحط اور بربادی کی ایک عالمگیر جنگ برپا ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صنعت و تجارت اور زندگی کے تمام ذرائع تباہ ہو جائینگے۔ کیوں؟ اس لیے کہ تہذیب بہت زیادہ ہو گئی ہے، ذرائع زندگی بہت زیادہ ہو گئے ہیں، صنعت بہت زیادہ ہو گئی ہے، تجارت بہت زیادہ ہو گئی ہے!

اُن خطرات کا مقابلہ سرمایہ دار کیونکر کرتے ہیں؟ اس طرح کہ ایک طرف تو بہت سی بار آور قوتیں بجبر برباد کر ڈالتے ہیں، دوسری طرف نئے بازاروں کو فتح کرتے اور پرانے بازاروں کو مزید رونق دیتے چلے جاتے ہیں۔ اسے معنی یہ ہے کہ وہ آہر بھی زیادہ وسیع اور زیادہ برباد کن مشکلات کیلئے راستہ ہموار کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ وہ ذرائع بھی مٹاتے جاتے ہیں جن سے یہ مشکلات رفع کی جاسکتی تھیں۔

غرضکہ وہ ہتیار جس سے سرمایہ داروں نے جاگیرداری پر فتح حاصل کی تھی، اب خود انہیں پر آلت پڑے ہیں۔



سرمایہ دار طبقہ میں مقابلہ کی وجہ جس قدر ترقی کرتی جاتی ہے اور تجارتی مشکلات جسطورہ بڑھتی جاتی ہیں، اسی قدر مزدوروں کی اجرت میں اتار چڑھاؤ زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ مشینری کی مسلسل اور تیز ترقی مزدوروں کی روزی کو برابر غیر محفوظ بنا رہی ہے، اور انفرادی مزدور اور انفرادی سرمایہ دار کا شخصی تصادم، جماعتی تصادم کی صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ ایک طرف مزدور، سرمایہ داروں کے خلاف متحد ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف سرمایہ دار شرح اجرت برقرار رکھنے کے لیے مزدوروں کے برخلاف جتنا باندی کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے تئیں مستقل انجمنوں کی صورت میں منظم کر لیا ہے، تاکہ اچانک تصادم کے لیے پیلے سے طیارہیں - کہیں کہیں یہ باہمی لڑائی بغاوت کی صورت میں بھی پھوٹ چکی ہے۔

کبھی کبھی مزدوروں کو فتح حاصل ہو جاتی ہے، مگر محض تھوڑی مدت کے لیے۔ اس سے ہمیں گہرانا نہیں چاہیے۔ کیونکہ ان کی جد و جہد کا اصلی ثمرہ فوری کامیابی نہیں بلکہ ان کے چڑھتے ہوئے اتحاد میں ہے۔ اس اتحاد کو موجودہ ذرائع آمد و رفت سے جو موجودہ صنعت کی ایجاد ہیں، بہت مدد مل رہی ہے۔ مختلف ممالک کے مزدور باہم دگر مل رہے ہیں، اور اس طرح وہ کام انجام پا رہا ہے جس کی ازحد ضرورت تھی۔ وہ اتحاد جس کے حصول میں قرن وسطیٰ کے شہریوں کو اپنی خراب سڑکوں کی وجہ سے صدیاں لگ جاتیں، موجودہ مزدوروں کو ریلوے کے ذریعہ چند سالوں کے اندر حاصل ہو گیا ہے۔

مزدوروں کی جماعتی اور سیاسی تنظیم خود ان کے باہمی مقابلہ کی وجہ سے ہمیشہ رک رک جایا کرتی ہے، لیکن ہر مرتبہ زیادہ قوت، زیادہ استقلال، اور زیادہ استحکام کے ساتھ ابھرتی ہے۔ سرمایہ داروں کی باہمی پھوٹ سے اسے کافی فائدہ پہنچا ہے، اور وہ ہر موقع پر مزدوروں کے حقوق و مفاد کے قانونی اعتراف پر مجبور ہو گئے ہیں۔

قدیم سوسائٹی میں جماعتوں کا باہمی تصادم، مختلف طریقوں سے مزدوری پیشہ طبقہ کو بڑھا رہا ہے۔ خود سرمایہ دار بھی مجبوراً اسکی ترقی کا باعث ہوئے ہیں۔ وہ اپنے تئیں ایک مسلسل حالت جنگ میں پاتے ہیں۔ ایک طرف خاندانی امارت ہے، دوسری طرف خود سرمایہ داروں کی وہ جماعتیں ہیں جن کے مفاد صنعتی ترقی کے منافی ہیں۔ تیسری طرف بیرونی ممالک کے سرمایہ دار ہیں جو ہر وقت ثروت پڑنے کیلئے طیارہ ہیں۔ غرضہ سرمایہ داروں کو ہر طرف لڑنا اور ہر ایک سے نبرد آزمائی کرنی پڑتی ہے۔ ظاہر ہے، وہ تن تنہا اتنے دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اور مجبور ہوتے ہیں کہ مزدوروں سے اعانت کی اپیل کریں۔ اس طرح وہ خود ہی مزدورنکر سیاسی اگوارہ میں کہینچ لگتے ہیں، اور ان کیلئے اجتماعی تعلیم کے عناصر مہیا کر دیتے ہیں۔ وہ افراد ہی مزدوروں کے ہاتھ میں وہ ہتھیار دیدیتے ہیں جو خود ان کے خلاف استعمال کیے جائینگے!

صرف یہی نہیں بلکہ صنعت کی ترقی نے حکمران طبقہ کے تمام حصوں کو بھی عجلت اور گہراہت کے ساتھ مزدوری پیشہ طبقہ کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا ہے، یا کم از کم انکی زندگی خطرہ میں ڈال دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حکمران جماعت مزدوری پیشہ طبقہ کیلئے ترقی کے بے شمار پرزے مہیا کر رہی ہے۔

اندی اور متوسط طبقہ، چھوٹے درگندار، سرداگر، ارادت پیشہ، زمیندار، دستکار، سب کے سب مزدوری پیشہ طبقہ میں جذب ہو رہے ہیں۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ انکا معمولی سرمایہ موجودہ صنائع کیلئے ناکافی ہے اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے مقابلہ میں بیکار ہو جاتا ہے، اور کچھ اس وجہ سے کہ انکے خاص پیشوں کو پیداوار کے نئے ذرائع نے ظاہر ہو کر بے قدر کر دیا ہے۔ اس طرح مزدوروں کا یہ طبقہ صرف مزدوروں ہی سے نہیں بلکہ آبادی کے ہر حصہ سے مرکب ہے۔

## (۲)

مزدوری پیشہ طبقہ مختلف تدریجی مرحلوں سے گزر کر اس درجہ تک پہنچا ہے۔ سرمایہ دار کے برخلاف اسکی جد و جہد اسکی پیدائش کے وقت ہی سے شروع ہو گئی ہے۔

سب سے پہلے یہ جد و جہد ایک فرد واحد مزدور کی جد و جہد کی حیثیت سے شروع ہوئی، پھر کسی ایک کارخانہ کے مزدوروں کی جد و جہد بنی، پھر کسی خاص نواح کے تمام ہم پیشہ مزدوروں کی جد و جہد کی صورت میں تبدیل ہو گئی، جسکا مقصد سرمایہ داروں سے جنگ کرنا تھا جو ان سب کو براہ راست تباہ کر رہا تھا۔

اس منزل میں مزدور، سرمایہ دارانہ طریق پیداوار پر نہیں بلکہ خود آلات پیداوار پر حملہ کرتے تھے۔ بیرونی مال برباد کر ڈالتے تھے، مشینیں توڑ پھوڑ ڈالتے تھے، کارخانوں میں آگ لگا دیتے تھے، اور لوشش کرتے تھے کہ طاقت کے زور سے اپنی وہ حیثیت پھر قائم کر دیں جو قرن وسطیٰ میں ضائع ہو چکی تھی۔ لیکن باوجود متحدہ مقصد رکھنے کے، اس منزل میں، مزدور ایک غیر متحد ہیئتی کی شکل رکھتے تھے جو تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی، اور جسکے اندر باہمی مقابلہ کے جذبہ نے پھوٹ ڈال دی تھی۔

اس دور میں مزدور جب منظم ہونے کیلئے متحد ہوئے، تو یہ انکے اپنے اتحاد کا نہیں، بلکہ سرمایہ دار طبقہ کے اتحاد کا نتیجہ تھا۔ وہ اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے مجبور ہو جاتا تھا کہ مزدوروں میں ایک نئی حرکت پیدا کر دے۔

اس منزل میں مزدور براہ راست اپنے دشمنوں سے نہیں لڑتے تھے، بلکہ ان کی جگہ اپنے دشمن کے دشمنوں سے ہوتی تھی، یعنی مطلق العنان شاہی سے، زمینداروں سے، غیر صنعتی اور چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں سے۔

اس طرح مزدوروں کی یہ پوری تاریخی تحریک، سرمایہ دار طبقہ ہی کے ہاتھوں میں رہی ہے، اور تمام کامیابیاں جو اسے حاصل ہوئی ہیں، سرمایہ داروں ہی کی کامیابیاں ہیں۔

صنعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ مزدوری پیشہ طبقہ کی کمیٹ میں صرف افراد ہی کا اضافہ نہیں ہوا، بلکہ بڑی بڑی جماعتیں بھی اس میں شامل ہوتی گئیں اور اب تک ہو رہی ہیں۔

اس کی طاقت روز بروز بڑھ رہی ہے اور وہ اپنی طاقت کی افزونی برابر محسوس کر رہا ہے۔

جوں جوں مشینری، معدت کے امتیازات منقہ جاتی ہے اور اجرت ہر جگہ کم سے کم کرتی جاتی ہے، اسی قدر مزدوروں کے فوائد اور حالات زندگی میں بھی یکسانیت پیدا ہو رہی ہے۔

## ابن بطوطہ کی سیاحت

(ایشیائی تاریخ میں اُس کا مرتبہ)

(عبد اللہ عنان ایک مصری اہل قلم کے قلم سے)

عین اُس زمانے میں جبکہ مارکو پولو نے اپنی ایشیائی سیاحت ختم کی، طنجہ (مراکش) میں ایک مسلمان سیاح پیدا ہوا (۷۰۳ھ - ۱۳۰۴ع) اس کا نام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ تھا۔ بعد میں دنیا نے اُس کی بطوطہ کے نام سے جانا۔ آٹھویں صدی ہجری کی چند ممتاز شخصیتوں میں سے ایک شخصیت اس کی بھی ہے۔

ابن بطوطہ کی طفولیت اور ابتدائی تعلیم تربیت سے ہم ناواقف ہیں۔ لیکن اُس کے سفر نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے دینی علوم میں پوری طرح مہارت حاصل کر لی تھی۔ ہم اُن اسباب سے بھی ناواقف ہیں جنہوں نے اُس کو سیاحت پر آمادہ کیا۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ۲۲ سال کی عمر میں اُسے حج اور بیس اللہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا اور اسی ارادے سے وہ وطن سے نکلا۔ معلوم ہوتا ہے اُس سفر کے لیے اُس کی مالی طیاری کافی نہ تھی۔ تاہم وہ جزائر کے چل پڑا اور مغرب اقصیٰ کے بڑے بڑے شہر: تلمسان، الجزائر، بجایہ، قسطنطنیہ سے گزرتا ہوا ٹیونس پہنچا۔ اُس وقت سیاح کا آغاز شباب تھا۔ غریب الوطنی کے مصائب سے نا آشنا تھا۔ خود بین کرتا ہے کہ جب ٹیونس میں اُسے کسی نے اجنبیت کی وجہ سے سلام نہ کیا "تو اُس کا دل بے اختیار ہو گیا۔ آنسو جاری ہو گئے۔ اور سخت رنج و الم محسوس ہوا!"

حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ وہ پہلے طرابلس پھر اسکندریہ پہنچا۔ یہ اُس کے سفر کا دسواں مہینہ تھا۔ اسکندریہ، اُسے بہت پسند آیا اور اُس نے گوارا نہ کیا کہ سرسری طور پر دیکھ کر اُگے بڑے جائے۔ چنانچہ وہ ٹھہر گیا اور ایک محقق سیاح کی طرح شہر اور اُس کے آثار کی تحقیقات شروع کر دی۔ یہاں سے فارغ ہو کر قاہرہ پہنچا۔ پایۂ تخت کی عمارتیں، مسجدیں، اہرام دیکھے۔ پھر پورے ملک کی ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیاحت کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ وہ مصر کے علماء، امراء، حتیٰ کہ بادشاہ تک سے ملا۔ یہ زمانہ ملک ناصر بن قلاؤن کا تھا۔

مصر سے صحراء سینا کی راہ فلسطین پہنچا اور وہاں کے اسلامی اور مسیحی مقامات مقدسہ کی سیر کی۔ پھر شام گیا اور تمام بڑے بڑے شہر اور آثار دیکھے۔ شام سے صحراء کو عبور کر کے حجاز پہنچا اور حج سے مشرف ہوا۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ اُس نے حج کی نیت سے سفر شروع کیا تھا۔ مگر اُس میں کامیاب ہونے کے بعد وہ وطن واپس نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے اسی زمانے میں اُسے مشرقی دنیا کی سیاحت کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ عراق کے ارادے سے چل پڑا۔ اب اُسے صحراء عرب سے گزرتا تھا۔ یہ مرحلہ بہت ہی سخت تھا۔ اب تک اسے کوئی ایسا خطرناک سفر پیش نہیں آیا تھا۔ تاہم وہ بے خوف و خطر روانہ ہو رہا تھا۔ درحقیقت ابن بطوطہ کی سیاحت اور

جس طرح پچھلے زمانہ میں شرفاء کا ایک حصہ سرمایہ داروں میں آ جلا تھا، اسی طرح اب سرمایہ داروں کا ایک حصہ مزدوروں میں آ رہا ہے، اخصراً وہ مفکر حصہ جسے اُس تاریخی تحریک کا نظری علم حاصل ہو گیا ہے۔

تمام جماعتیں جو فی الحال سرمایہ دار طبقہ سے برسر جنگ ہیں، انہیں صرف مزدوری پیشہ جماعت ہی ایک حقیقی انقلابی جماعت ہے۔ باقی تمام دوسری جماعتیں موجودہ صنعت کے سامنے سزتی اور گنتی چلی جاتی ہیں۔ اور یہ کچھ عجیب نہیں، کیونکہ مزدوری پیشہ طبقہ ہی صنعت و حرفت کی خاص اور براہ راست پیداوار ہے۔

رہا ادنیٰ اور متوسط طبقہ، چھوٹے چھوٹے دستکار، معمولی دکاندار، زراعت پیشہ زمیندار، تو یہ سب سرمایہ دار طبقہ سے اس لئے جنگ کر رہے ہیں کہ متوسط طبقہ کے رکن ہونے کے لحاظ سے اپنی حیثیت برقرار رکھیں۔ یہ جماعتیں انقلابی نہیں بلکہ قدامت پسند ہیں۔ قدامت پسند ہی نہیں بلکہ رجعت پسند بھی ہیں۔ وہ تاریخ کا چکر لڑتا چلا جاتا ہے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اگر وہ کبھی انقلابی ہو سکیں گئیں، تو صرف اس خوف سے ہونگی کہ مبادیہ مزدوری پیشہ طبقہ انہیں جبراً دھکیل نہ دی جائیں۔ گزشتہ سوسالہ کے معاشرتی حالات اب مزدوروں کے معاشرتی حالات میں مدغم ہو چکے ہیں۔ مزدوری پیشہ طبقہ بغیر کسی ملکیت کے ہے، اس کے اپنے بیوی بچوں سے رشتہ سرمایہ دارانہ خاندانی رشتوں سے بالکل مختلف ہیں۔ موجودہ صنعتی محنت اور سرمایہ داری نے انگلینڈ، فرانس، امریکہ، اور جرمنی میں مزدوروں کے تمام قومی اخلاق خراب کر ڈالے ہیں۔ مزدوروں کے حق میں قانون، اخلاق، مذہب، تثیل ہیں جنکے پیچھے بیٹھ کر سرمایہ دار انہیں شکار کیا کرتے ہیں۔

تمام گزشتہ جماعتوں نے طاقت پا کر ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ اپنی حیثیت مضبوط کرنے کیلئے تمام سوسائٹی کو اپنے ہی طریق عمل کا پابند کر دیں۔ مزدوروں کو بھی اسی اصول پر عمل کرنا چاہئے۔ وہ سوسائٹی کی بار آور قوتوں پر قابو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اس کے تمام پرانے دستور کو منسوخ نہ کر دیں۔ خود مزدوروں کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسکی انہیں حفاظت کرنی ضروری ہو۔ انہیں شخصی ملکیت کی تمام سابق پابندیاں اور ضمانتیں منسوخ کر دینی چاہئیں۔

تمام پچھلی تاریخی تحریکیں یا تو آبادی کی اقلیت کی تحریکیں تھیں، یا انکے مفاد کیلئے تھیں۔ لیکن مزدوروں کی تحریک بالکل دوسری ہی نوعیت کی ہے۔ وہ عظیم الشان اکثریت کی ایک حساس تحریک ہے اور عظیم الشان اکثریت کے مفاد کیلئے ہے۔

مزدوری پیشہ طبقہ، موجودہ سوسائٹی کی سب سے نچلی پرت ہے۔ وہ اُس وقت تک نہیں اُٹھ سکتا ہے، جب تک کہ اوپر کے وہ تمام پرت، جسے حاکمانہ سوسائٹی مرکب ہے، پرزے پرزے کر کے آڑا نہ دیے جائیں۔

اگرچہ مزدوروں کا قیام قومی بنیادوں پر نہیں ہے، لیکن سرمایہ داروں کے برخلاف انکی جد و جہد ضرور قومی ہے۔ ہر ملک کے مزدوروں کو قدرتی طور پر سب سے پہلے اپنے یہاں کے سرمایہ داروں سے نپٹ لینا چاہئے۔

( قسطنطنیہ )

اناطولیہ سے وہ قسطنطنیہ کو چلا - خوش قسمتی سے اُس زمانے میں سلطان محمد آربک خاں کی ملکہ ”خاتون ییلر“ بھی اپنے باپ شہنشاہ قسطنطنیہ کی ملاقات کو جا رہی تھی - ابن بطوطہ اسی شاہی قافلہ میں داخل ہو گیا اور سنہ ۷۳۳ھ - سنہ ۱۳۳۳ع میں نہایت تزک و احتشام سے بیزنطینی پایہ تخت میں داخل ہوا -

سیاح خود اپنی زبان سے یہ واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے :

” ہم زوال کے وقت قسطنطنیہ عظمیٰ میں داخل ہوئے - پورے شہر میں ناقوس اس زور سے بج رہے تھے کہ در و دیوار تک گونج اٹھے تھے - ہم قصر شاہی کے پیلے پھاٹک پر پہنچے - وہاں سر سنتری اپنے سپہ سالار کے ساتھ کھڑے تھے اور آپس میں کہہ رہے تھے ”سراکون“ ”سراکون“ جس کے معنی ہیں ”مسلمان“ ( یونانی زبان میں Sarrazino عرب مسلمانوں کا نام ہے - شاید ابن بطوطہ نے یہی لفظ سنا ہوگا )

پھر وہ شہنشاہ سے اپنی ملاقات کا حال لکھتا ہے :

”چوتھے دن خاتون نے اپنا غلام صندیل ہندی میرے پاس بھیجا - وہ مجھے قصر شاہی میں لے گیا - ہم چار پھاٹکوں سے گزرے - ہر پھاٹک میں مسلح سپاہی موجود تھے - پانچویں پھاٹک پر غلام مجھے چھوڑ کر چلا گیا - پھر چار رومی نوجوانوں کو لے کر لوٹا - انہوں نے میری تلاشی لی کہ کوئی چھری تو چھپی ہوئی نہیں ہے - انصر نے بتایا کہ یہاں کا دستور ایسا ہی ہے - جو شخص بھی بادشاہ سے ملنا چاہتا ہے ، اُس کی تلاشی ضرور لی جاتی ہے - پھر پھاٹک کھولا گیا - میں اندر داخل ہوا - چار آدمیوں نے مجھے گھیر لیا - دو مجھے آگے سے پکڑے تھے ، دو پیچھے تھے - میں ایک بڑے ایوان میں داخل کیا گیا - اُس کی دیواریں بہت آراستہ تھیں - قسم قسم کے حیوانات و نباتات کی تصویریں بنی تھیں - بیچ میں فراز تھا - دونوں جانب سپاہی صف بستہ کھڑے تھے اور بالکل خاموش تھے - وسط میں تین آرمی کھڑے تھے - انہوں نے مجھے میرے محافظوں سے لے لیا اور اُسی طرح پکڑ کر لے چلے - انہیں ایک یہودی تھا - یہودی نے مجھ سے عربی میں کہا ”دور نہیں“ میں ترجمان ہوں ” پھر میں ایک عظیم گنبد میں داخل کیا گیا - شہنشاہ مع اپنی ملکہ کے تخت شاہی پر جلوہ افروز تھا - داہنی طرف چہہ آدمی کھڑے تھے - بالیں طرف چار آدمی تھے - سب ہتیار بند تھے - بادشاہ کے قریب پہنچنے سے پہلے مجھ سے کہا گیا کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر حواس درست کرلو - پھر میں تخت شاہی کے سامنے پہنچایا گیا - میں نے سلام کیا - بادشاہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا - مگر میں بیٹھا نہیں - بادشاہ نے مجھ سے بہت سے سوال کیے - بیت المقدس کی بابت پوچھا - مقدس چٹان ، مولد مسیح ، بیت لحم ، شہر خلیل ، کا حال دریافت کیا - پھر دمشق ، مصر عراق ، اور رومی ممالک کے حالات پوچھے - میں نے ہر سوال کا جواب دیا - یہودی ترجمہ کرتا جاتا تھا - شاید شہنشاہ کو میری گفتگو پسند آئی - چنانچہ اُس نے اپنے لوگوں سے کہا اس شخص کی عزت کرو اور امن و امان میں رکھو - پھر میرے لیے خلعت کا حکم دیا - نیز ایک آراستہ گھوڑا اور چھتر بھی عطا کیا ، جو شاہی امان کی علامت ہے “

اس شہنشاہ کا نام ابن بطوطہ نے تکفور اور اُس کے باپ کا نام جرجیس لکھا ہے - ممکن ہے یہ اُن کے مسیحی نام ہوں - رزنہ

عظمیٰ کا باب اسی وقت سے شروع ہوتا ہے - اسی سفر میں اُس کی دماغی قابلیت ، محققانہ روح ، اور عزم و ہمت کی قوت ظاہر ہوتی ہے - اسی سفر میں اُسے فارسی اور ترکی زبانیں بھی سیکھنی پڑتی ہیں - فارسی زبان سے سیاح کو بہت مدد ملی ، خصوصاً ہندوستان میں - ٹھیک اُسی طرح جس طرح اُس کے پیشرو ، مارکو پولو کو تاتاری زبان سے مدد ملی تھی !

غرض کہ ابن بطوطہ اپنے مشرقی سفر پر روانہ ہو گیا - نجد اور صحراء عرب کو طے کر کے عراق پہنچا - راستے کے جملہ حالات و آثار مفصل قلم بند کیے - پھر دجلہ و فرات کو عبور کر کے عراق عجم میں داخل ہوا ، اور شیراز و اصفہان وغیرہ کی سیر کی - لیکن وہ آگے نہیں بڑھا بلکہ لرت کر پھر دجلہ و فرات عبور کیا اور عراق عرب میں سفر شروع کر دیا - اُس وقت بغداد کی حالت نہایت زبردستی تھی - تاتاریوں کی تخریب کے بعد ، عباسی دار الخلافہ ویران ہو گیا تھا - ابن بطوطہ یہاں بہت متاثر نظر آتا ہے اور ایک سچے مسلمان کی طرح رنج و غم کا اظہار کرتا ہے -

بغداد سے سیاح ، موصل پہنچا - موصل سے نصیبین اور سنجار آیا - اس سرزمین کے تمام امراء و سلاطین سے ملاقات کی - یہاں پر اُس کی سیاحت اچانک منقطع ہو جاتی ہے - نہیں معلوم کیوں ، وہ پھر بغداد اور بغداد سے مکہ پہنچ جاتا ہے - وہ ہم سے صرف اس قدر کہتا ہے کہ دوسری مرتبہ مکہ معظمہ اس حال میں پہنچا کہ سخت بیمار تھا - چنانچہ مکہ مکمل ایک سال جوار بیت اللہ میں مقیم رہتا ہے - اس طویل اقامت کے بعد پھر اُس میں نیا جوش پیدا ہوتا ہے اور پلے سے بھی زیادہ طویل سفر پر روانہ ہو جاتا ہے -

چنانچہ وہ یمن پہنچتا ہے - پھر سرمال جاتا ہے - پھر ساحل بحر عرب کے تمام ممالک کی سیر کرتا ہوا عمان اور بحرین میں جا نکلتا ہے - بحرین میں موتی نکالنے والوں سے ملتا ہے - مگر گہرتا نہیں اور صحراء طے کر کے سہ بارہ مکہ معظمہ میں وارد ہوتا ہے - یہاں ملک الناصر شاہ مصر سے اُس کی ملاقات ہوتی ہے -

حج کے بعد پھر سفر شروع کرتا ہے اور اس مرتبہ بحر احمر عبور کر کے سوڈان ، بلاد نوبہ ، صعید مصر کی سیاحت کرتا ہوا قاہرہ پہنچتا ہے - لیکن قیام نہیں کرتا بلکہ شام چلا جاتا ہے اور ساحل لاذقیہ سے جہاز پر بیٹھنے کے سنہ ۷۳۳ھ ( سنہ ۱۳۳۳ع ) میں ساحل اناطولیہ پر قدم رکھتا ہے -

( اناطولیہ )

اُس وقت اناطولیہ میں سلجوقی امراء و سلاطین کا دور دورہ تھا - لیکن آل عثمان کا قبیلہ عروج حاصل کر رہا تھا - آہستہ آہستہ سلجوقی امراء اُس کے سامنے ہتیار رکھتے جاتے تھے - سلطنت عثمانیہ کے بانی اول عثمان نے بیزنطینی شہنشاہی میں بھی دور تک ہاتھ پاؤں پھیلا دیے تھے - اُس وقت عثمانی ریاست کا پایہ تخت برسہ تھا اور ابن بطوطہ کے زمانے میں سلطان آر خان بن عثمان کی حکومت تھی -

آر خان کے علاوہ سلجوقی امراء میں سب سے زیادہ طاقتور محمد آربک خاں شاہ شمال تھا - یہ شہنشاہ قسطنطنیہ کا داماد بھی تھا - ابن بطوطہ یہ ملک دیکھ کر بہت متعجب ہوا - کیونکہ اگرچہ یہاں اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا مگر نر مسلموں کے عادات و اطوار عجیب طرح کے تھے - ابن بطوطہ نے پورے ملک کی سیاحت کی ہے اور بڑی تفصیل سے جملہ حالات بیان کیے ہیں - یہ عجیب بات ہے کہ ہر ملک میں وہ قصر شاہی تک رسائی حاصل کر لیا کرتا تھا - یہاں کے بھی تمام امراء و سلاطین سے اُسے ملاقاتیں کیں -

بڑھا۔ شمال میں اُس کا سفر بہت ہی محدود تھا۔ چین سے پھر جازو کے طرف لوٹا۔ جازو سے ہندوستان آیا۔ پھر فارس، عراق، شام، مصر ہوتا ہوا ٹیونس پہنچا۔ ٹیونس سے سہارن پڑھا، اور سنہ ۷۵۳ھ میں فاس پہنچ گیا۔ یعنی کابل ۲۵۔ سال سفر کے بعد وطن واپس ہوا!

لیکن اپنے وطن طنجہ میں اُس کا قدم زیادہ دن تک نہیں جما۔ اندلس کی سیاحت پر روانہ ہو گیا۔ اُس وقت یہ اسلامی سلطنت سمت کر غرناطہ کے علاقہ میں محصور ہو گئی تھی۔ سلطان ابو الحجاج یوسف بن الرلیہ النصری کا زمانہ تھا۔ ابن بطوطہ نے وہاں کے علماء و فقہاء سے ملاقاتیں کیں، قدیم آثار دیکھے، پھر مراکش واپس آ گیا۔

مگر یہ واپسی بھی عارضی تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد صحراء اعظم کی راہ سے سرتان کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ لیکن اُس کا آخری سفر تھا۔ سلطان ابو عنان شاہ مراکش مزید سفر سے ممانع ہوا اور اپنی مصاحبت پر اصرار کیا۔ یہ واقعہ سنہ ۷۵۵ھ کا ہے ابن بطوطہ نے مسلسل ۳۰ برس تک سیاحت کی۔ ۲۲ برس کی عمر میں سیاحت شروع کی اور ۵۵ برس کی عمر میں ختم کی۔

ابن بطوطہ سلطان مراکش کا درباری بن گیا۔ سلطان اُس کے حالات سفر سن کر بہت مسرور ہوتا تھا۔ بعض لوگ ابن بطوطہ کی صداقت میں اُسی طرح شبہ کرتے تھے جس طرح اُس نے بیشر مارکو پولو کو اُس کے ہم عصروں نے غلط بیان قرار دیدیا تھا۔ ابن بطوطہ کو ابتداء زمانہ کی اس بے قدری پر بہت افسوس تھا۔ ایک جگہ وہ نہایت زنجیدہ ہو کر لکھتا ہے ”خدا جاننا ہے میرے بیانات صحیح ہیں۔ خدا کی گواہی میرے لیے کافی ہے“

علامہ ابن خلدون نے جب اپنی تاریخ کبیر مدون کرنا شروع کی تو ابن بطوطہ اور اُس کی سیاحت کا قصہ تازہ تھا۔ وہ اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

”سلطان ابو عنان کے عہد میں طنجہ کا ایک شخص ابن بطوطہ نام مراکش میں آیا۔ یہ مشرق میں سیاحت کرچکا تھا۔ عراق، یمن، ہندوستان وغیرہ ممالک میں پھرا تھا۔ شاہ ہند کے پایۂ تخت دہلی میں بھی گیا تھا، اور سلطان محمد شاہ کا مقرب ہو گیا تھا، حتیٰ کہ عہد قضا پر بھی مامور ہو گیا۔ سفر سے واپسی کے بعد اُس نے سلطان ابو عنان کے دربار میں رسوخ حاصل کیا۔ وہ اپنے عجیب عجیب مشاہدے بیان کیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ اُسے جھوٹا سمجھنے لگے تھے۔ ایک دن میں نے سلطان کے وزیر فارس بن وردار سے اس بارے میں گفتگو کی اور بتایا کہ لوگ کس طرح اُس کی تکذیب کر رہے ہیں۔ وزیر نے مجھے جواب دیا ”تمہیں اُن سلطنتوں کے حالات کا انکار نہیں کرنا چاہیے جن سے ناواقف ہو“

ابن بطوطہ کو مارکو پولو پر کئی حیثیتوں سے امتیاز حاصل ہے۔ آخر الذکر نے براعظم ایشیا کا صرف وسطی حصہ دیکھا تھا۔ لیکن ابن بطوطہ کی سیاحت بہت طویل تھی۔ ایشیا کے علاوہ افریقہ کے بہت سے حصے اور یورپ میں قسطنطنیہ اور اندلس کی بھی اُس نے سیر کی تھی۔ پھر اُس کے مشاہدات بہت زیادہ محققانہ تھے۔ اُس کا سفرنامہ اُس عہد کے ایشیا اور افریقہ کی تاریخ اور جغرافیہ میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اُس کا اسلوب بیان بھی زیادہ شگفتہ، مکمل، اور علمی ہے۔

معلوم ہے کہ اُس عہد کے قیصر کا نام انڈر نیکس ثالث تھا اور اُسکا باپ انڈر نیکس ثانی تھا۔

اُس زمانے میں قسطنطنیہ اپنی سابق عظمت سے بہت کچھ محروم ہوچکا تھا۔ ستر برس پہلے صلیبی مجاہدوں نے اُسے فتح کیا اور بہت کچھ برباد کر کے چلے گئے۔ تاہم اب بھی وہ عروس البلاد تھا۔ ابن بطوطہ نے پوری تدقیق سے اُس کا حال لکھا ہے۔ ایک جگہ کہتا ہے:

”یہ شہر بہت ہی عظیم الشان ہے۔ در حصوں میں منقسم ہے۔ وسط میں ایک بہت زیادہ مد و جزر رکھنے والا دریا موجزن ہے۔ (یعنی قرن الذهب) اس دریا کا نام ”ایسمی“ ہے۔ شہر کے ایک حصے کا نام ”امطبول“ ہے اور دریا کے مشرقی کنارے پر آباد ہے۔ اسی میں قصر شاہی اور امراء کے محل ہیں۔ یہ حصہ بہت آباد ہے۔ بازار پر رونق ہیں۔ سڑکیں کشادہ اور پختہ ہیں۔ شہر ایک پہاڑ پر آباد ہے جو نو میل تک سمندر میں پھیلتا چلا گیا ہے۔ اُس کی چوٹی پر ایک چھوٹا سا قلعہ اور شاہی محل ہے۔ ایک دیوار اس پہاڑ کو گھیرے ہوئے ہے اور سمندر کی طرف سے آتے مسخر کرنا ناممکن ہے۔ اسی حصے کے وسط میں کلیسا یا صوفیا ہے۔ شہر کے دوسرے حصے کا نام ”غلطہ“ ہے۔ وہ دریا کے مغربی کنارے پر ہے۔ اس حصے میں فرنگی نصاریٰ رہتے ہیں۔ چنانچہ جینیوا، وینس، روم، فرانس... کے باشندے موجود ہیں“

عرب سیاح نے بڑی تفصیل سے قسطنطنیہ کے گرجوں اور خانقاہوں کا حال لکھا ہے۔ خاص شاہی ان سے اُس نے ترجمان کے ساتھ ان تمام مقامات کی سیر کی تھی۔

قسطنطنیہ میں چند ہفتے مقیم رہا۔ یونانی تمدن کا اُس کے دل و دماغ پر گہرا اثر پڑا۔ پھر وہ دوبارہ اناطولیا طے کر کے ترکستان کی طرف بڑھا اور خوارزم میں اترا۔ اُس وقت یہ صوبہ مذکور الصدر سلطان محمد ازبک کے زیر نگیں تھا۔ یہاں سے بخارا پہنچا۔ شہر تاتاری حملہ سے برباد ہوچکا تھا۔ عرب سیاح نے حضرت امام بخاری جامع حدیث کی قبر کی زیارت کی۔ پھر بلوچستان ہوتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوا، اور سنہ ۷۳۴ھ میں پنجاب پہنچ گیا۔

ابن بطوطہ کا سفر ہندوستان بہت طویل تھا۔ اُس نے اس براعظم کو مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک طے کیا۔ حتیٰ کہ سیلون تک پہنچا۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں سے ملاقاتیں کیں۔ سلطان محمد شاہ سے بہت تقرب حاصل ہو گیا تھا۔ یہاں وہ کئی سال رہا اور منصب قضاء پر مامور ہو گیا۔ نیز کئی سیاسی سفارتوں پر بھی گیا، اور بادشاہ کی بہت سی خدمات بجا لایا۔

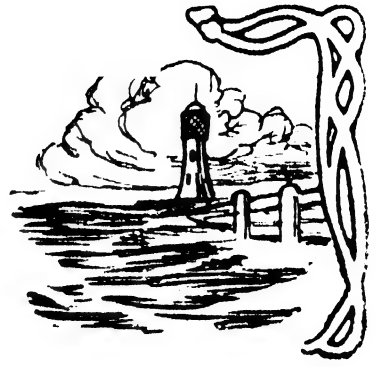
ہندوستان کے حالات ابن بطوطہ نے بہت تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ہندوؤں کے رسم و رواج، عبادات، عادات پر بحث کی ہے۔ ہندوستان میں ایک مرتبہ اُسے داگوں نے لوٹ لیا تھا۔ اُس کے کاغذات بھی لے گئے تھے۔ سیاح اپنے کاغذات کے نقصان پر بہت متأسف ہے۔ کیونکہ اُن میں اُس کے سفر کی یادداشتیں بھی تھیں۔

ہندوستان سے وہ جازا اور سماترا گیا۔ پھر شمال کی طرف روانہ ہوا۔ وہ ہم سے کہتا ہے کہ یہ سفر چین کا تھا۔ مگر تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چینی ہندوستان اور جنوبی چین سے آگے نہیں

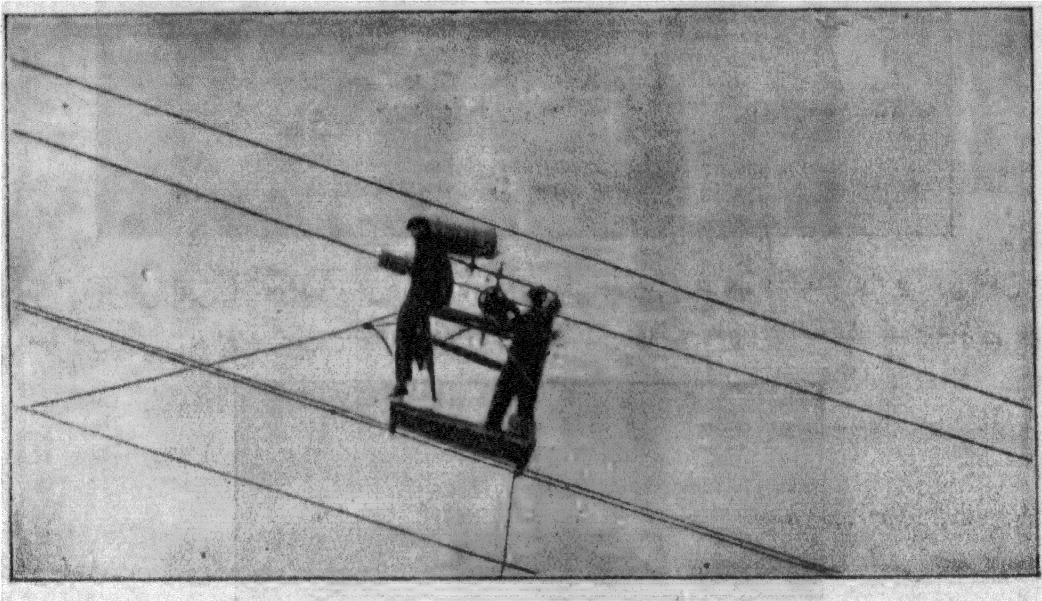




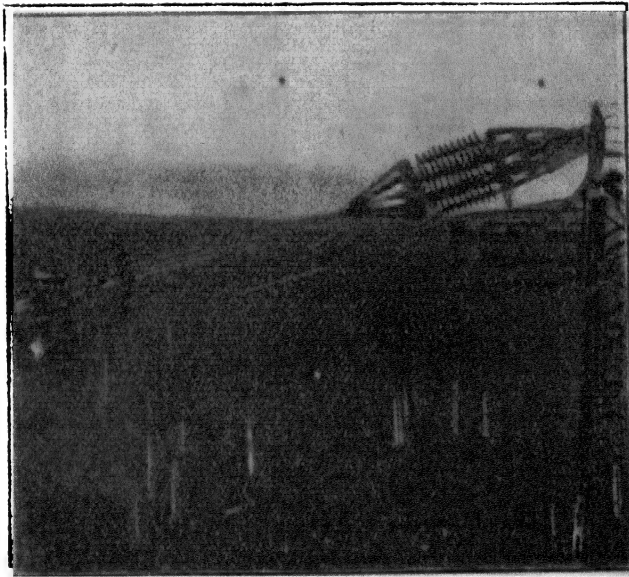
# بریکنگ



ہوائی سفر کا ایک نیا تجربہ !



کامیاب ہو گئے - نوعیت کے اعتبار سے یہ نہایت سہل اور سادہ قسم کی چیز ہے - لیکن محل استعمال کے لحاظ سے ایک عظیم فضائی تجربہ کا دروازہ کھل رہی ہے - اس تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ اگر ضرورت پیش آجائے، تو ایسی فضائی سواری استعمال کی جا سکتی ہے جو تار کے معمولی سلسلوں پر ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک بغیر کسی خطرے کے سوار کو پہنچا دے !



سائنٹفک امریکن کی آخری اشاعت نے امریکہ کے ایک نئے فضائی تجربہ کی روداد شایع کی ہے - معمولی اتفاقات کس طرح علمی تجارب کے نئے نئے دروازے کھول دیتے ہیں ؟ یہ واقعہ اس حقیقت کی ایک تازہ مثال ہے !

واشنگٹن کے قریب ایک بحری تنگ نائے پر بجلی کے تاروں کا سلسلہ قائم ہے - یہ تار معمولی کمپوں پر نصب ہیں - جس

تصویر میں یہ سواری تار پر چلتی ہوئی نظر آ رہی ہے - دوسری تصویر میں وہ ابتدائی نقطہ دکھایا گیا ہے جہاں سے روانگی شروع ہوئی ہے، اور پہلی میں درمیانی حالت دکھائی ہے - یہ ایک پتلا سا تختہ ہے جس میں ہاتھ سے چلانے کی چوٹی لگی ہے، اور چھوٹے چھوٹے پھیروں سے تار پر دروازہ رہا ہے - سائنٹفک امریکن کا نامہ نگار کہتا ہے ”دو آدمی اس آلہ پر سوار ہوئے اور بغیر کسی حادثہ کے تار پر سفر کرتے ہوئے چلے گئے“ اس اتفاقی تجربے سے ثابت ہو گیا کہ تار پر معلق چلنے والی ٹرینوں کی تجویز پوری طرح کامیاب ہو سکتی ہے - نیز اگر ضرورت پیش آجائے، تو دنیا کی بڑی بڑی بحری آبائیں معلق سواروں کے ذریعہ بہ آسانی زمین سے ملا دی جا سکتی ہیں -

طرح کے کمپے ہر جگہ تار کا سلسلہ قائم کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں - پچھلے دنوں بجلی کے کارخانہ کے بعض افسروں نے ارادہ کیا کہ اگر تار کا تمام سلسلہ رنگ دیا جائے تو حفاظت اور پائیداری کے لیے بہتر ہوگا - لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ موجودہ نصب رقوم حالت میں رنگنے کا انتظام کیونکر ہو؟ تار کا بڑا حصہ تنگ نائے کے اوپر سے گزرا ہے، اور نہایت بلندی پر واقع ہے - کوئی کشتی، کوئی جہاز، کوئی سواری، اس غرض کے لیے کام نہیں دے سکتی تھی - بالآخر انہوں نے غور کرنا شروع کیا کہ خاص اس غرض کے لیے کوئی نیا ذریعہ پیدا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ ایک نیا مگر عجیب قسم کا ذریعہ پیدا کرنے میں



## بالشویک روس کی عدالت

جو نو جاسوسوں کے قتل کا فیصلہ لکھ رہی ہے !



ابھی تھوڑا عرصہ ہوا، خبر آئی تھی کہ حکومت روس نے ۲۶ آدمیوں کو جاسوسی کے جرم پر گرفتار کیا ہے جن میں سے ۹ ملزموں کو قتل کی سزا دی گئی۔ یہ مرقع اسی مقدمہ سے تعلق رکھتا ہے۔ از گریفک لندن کے نامہ نگار نے موسکو سے بھیجا ہے۔



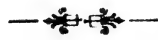
اسکی نمائش کی گئی تھی - !  
مجسمہ کرہ کا ایک ڈھانچا ہے، جس  
اوپر ایک انسان بیٹھا ہوا ہے۔ کرہ -  
مقصود تمام دنیا ہے، اور انھوں  
مقصود ”سرمایہ داری“ کی طاقت  
ہے۔ گویا سرمایہ داری نے تمام کر  
ارضی اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے !

### روسی تبلیغ و اشاعت

حال میں! روسیوں نے ایک  
قومی میلہ کی تقریب پر ایک نہایت  
دلچسپ مجسمہ ”سرمایہ داری“ کا  
طیار کیا تھا جو ایک موٹر کار پر  
نصب تھا اور تمام قصوں اور قریوں میں

”سرمایہ داری“ کی ہمہ گیر دعوام انگیزی کی مجسمہ تمثیل !

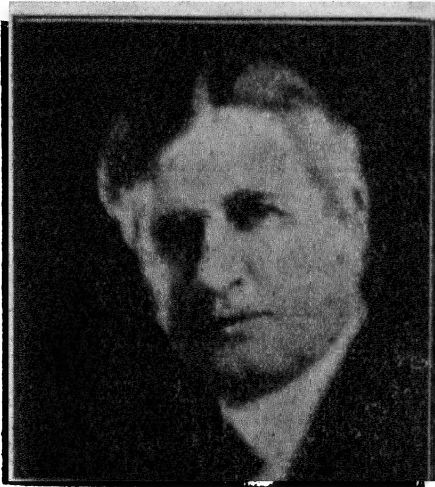
## لاسلیکی عکاسی



یہ دو تصویریں ”لاسلیکی عکاسی“ کے تجارب  
کا آخری تجربہ پیش کرتی ہیں۔ ”لاسلیکی  
عکاسی“ سے مقصود وہ نیا انکشاف ہے جس کے  
ذریعہ دور دراز مقامات سے بغیر رویت و حضر کے  
تصویر لی جاسکتی ہے۔ امریکہ میں اس کا  
تجربہ نہایت تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ ستمبر  
کے اواخر میں متعدد تصویریں کامیابی کے ساتھ  
لی گئیں۔ تصویر نمبر ۱ ایک عورت کی تصویر ہے



(۱)



(۲)

جو تصویر لینے کے مقام سے کئی میل کے فاصلہ پر تھی۔ تصویر نمبر ۲ بھی ایک ایسی ہی تصویر ہے لیکن اس میں نمبر ۱ سے زیادہ کامیابی  
ہوئی ہے۔ یہ تجربہ جب پوری طرح کامیاب ہو جائیگا، تو جس طرح ریڈیو مراکز کے ذریعہ دنیا کے ہر حصہ کی صدائیں سن لی جاسکتی ہیں،  
اسی طرح ہر منظر اور وجود کی تصویر بھی بہ آسانی کھینچ لی جائیگی !

تھریسا بے ہوشی کی حالت میں

## صلیب اور خون

— ❦ —

( بیوریا میں ایک پر اصرار عورت ! )

یورپ کی عقل پرستی اور مشرق کی توہم پرستی کا غلغلہ صدیوں سے بلند ہے - مشرقی ممالک میں عام طور پر یہ خیال پیدا کر دیا گیا ہے کہ ہر طرح کی توہم پرستی اور غیر معقول خوش اعتقادی صرف مشرقی اقوام ہی میں پائی جاتی ہے - باشندگان یورپ کے نقل و متاع ان تمام امراض سے محفوظ ہیں ! لیکن واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۲۷ء کے یورپ میں بھی ہزاروں لاکھوں انسان ایسے موجود ہیں ، جن کی مذہبی توہم پرستیاں کسی طرح بھی مشرقی اقوام کی خوش اعتقادیوں سے کم نہیں ہیں !

یورپ کی پچھلی ڈاک کے اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوریا کے ایک کاشتکار خاندان کی لڑکی تھریسا نیومین نامی کی نسبت ہزاروں لاکھوں انسانوں کا اعتقاد ہے کہ وہ ایک مسیحی معجزہ کے اعلان کے لیے بھیجی گئی ہے - دور دور سے لوگ اُس کی زیارت کے لیے آتے ہیں ، اور یقین کرتے ہیں کہ اُس کی زیارت سے اور اس کا دامن چھو لینے سے ہر طرح کی بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے !

یہ ”مسیحی معجزہ“ کیا ہے ؟

دیوان کیا جاتا ہے کہ تھریسا تھریسے وقفہ کے بعد یہ لڑکی بے ہوش ہو جایا کرتی ہے - اور بے ہوشی کی حالت میں اس کے تمام جسم پر صلیب کے نشان پڑ جاتے ہیں - نیز پیر کے تلواروں سے خون بھی جاری ہو جاتا ہے - جب ہوش میں واپس آتی ہے ، تو صلیبی نشان معدوم ہو جاتے ہیں ، اور خون کا بہنا بھی بند ہو جاتا ہے - اخبارات کا بیان ہے کہ نہ صرف علاقہ کے پادریوں نے بلکہ سرکاری انیسروں نے بھی بے ہوشی کی حالت میں اس لڑکی کا معائنہ کیا ہے ، اور سب متفقہ طور پر تصدیق کرتے ہیں کہ صلیب کے نشان جسم پر نمایاں ہو جاتے ہیں - عجب نہیں یہ لڑکی ہسٹریا یعنی اختلاف الرحم کی کسی غیر معروف قسم میں مبتلا ہو -



بالس جانب تھریسا - دھنی جانب ایک راہبہ ہے جو اُسے گرجا لے جا رہی ہے !

ہندوستان کی آبادی، دنیا کی مجموعی آبادی کا پانچواں حصہ ہے۔

ہندوستان کی آبادی زلایات متحدہ کی آبادی سے ۳ گنی زیادہ ہے۔

ہندوستان کی آبادی فرانس کی آبادی سے ۸ گنا زیادہ ہے۔

صرف مدراس اور میسور کی آبادی، جاپان کے برابر ہے۔

صرف بمبئی کی آبادی، اسپین اور پرتگال کی مجموعی آبادی سے زیادہ ہے۔

ہندوستان میں ہر مربع میل کی اوسط آبادی ۱۷۷ ہے۔

اگر ہر منٹ میں ۲۵ آدمی پر نظر ڈالی جائے تو پورے ہندوستان کی آبادی دیکھنے کے لیے ۳۰ برس کا زمانہ درکار ہوگا!

(دنیا کی آبادی رنگ کے اعتبار سے)

(کل دنیا کی آبادی : ۱'۹۹'۹۵'۰۸'۰۰۰)

|              |          |
|--------------|----------|
| ۹۳'۹۰'۰۰'۰۰۰ | سفید فام |
| ۵۱'۷۴'۸۸'۰۰۰ | زرد فام  |
| ۲۴'۳۰'۹۰'۰۰۰ | سیاہ فام |

(سفید فام)

|              |              |
|--------------|--------------|
| ۲۴'۵۰'۰۰'۰۰۰ | ہندوستانی    |
| ۴۹'۹۷'۰۰'۰۰۰ | تیوٹانک      |
| ۱۷'۹۰'۰۰'۰۰۰ | سلاوی        |
| ۱۷'۲۰'۵۰'۰۰۰ | لاطینی       |
| ۹۵'۰۰'۰۰'۰۰۰ | یونانی       |
| ۴'۰۰'۰۰'۰۰۰  | باسکس        |
| ۷۵'۰۰'۰۰'۰۰۰ | افغان        |
| ۰۰'۱۰'۰۰'۰۰۰ | ایرانی       |
| ۲'۴۰'۰۰'۰۰۰  | عرب اور بربر |
| ۱'۵۰'۰۰'۰۰۰  | یہودی        |
| ۸'۵۰'۰۰'۰۰۰  | قبطی         |
| ۹۰'۰۰'۰۰'۰۰۰ | دیگر اقوام   |

(زرد فام)

|              |                                    |
|--------------|------------------------------------|
| ۳۴'۳۰'۰۰'۰۰۰ | چینی                               |
| ۵'۹۵'۰۰'۰۰۰  | جاپانی                             |
| ۱'۷۰'۰۰'۰۰۰  | کوریائی                            |
| ۱'۲۰'۰۰'۰۰۰  | ترک                                |
| ۴'۰۰'۰۰'۰۰۰  | امریکن دیسی، اہل ملایا، اور فلپائن |
| ۳'۰۰'۰۰'۰۰۰  | منگولی                             |
| ۱'۰۰'۰۰'۰۰۰  | کرغیز وغیرہ                        |
| ۹۵'۰۰'۰۰'۰۰۰ | مگالٹر                             |
| ۳۵'۰۰'۰۰'۰۰۰ | فنس                                |
| ۱'۰۰'۰۰'۰۰۰  | اسکیمو اور سائبیریائی              |
| ۴۵'۰۰'۰۰'۰۰۰ | سیامی                              |
| ۶۸'۹۰'۰۰'۰۰۰ | برمی                               |
| ۹۵'۰۰'۰۰'۰۰۰ | تبتی                               |

## ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عوامی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۱)

(ہندوستان کا رقبہ)

| ملک                 | رقبہ ایکڑ کے حساب سے |
|---------------------|----------------------|
| ہندوستان            | ۱'۱۹'۲۹'۱۹'۰۰۰       |
| برطانوی ہندوستان    | ۹۲'۰۷'۲۵'۰۰۰         |
| یورپ                | ۲'۴۰'۰۰'۰۰'۰۰۰       |
| جزائر برطانیہ       | ۷'۷۱'۵۲'۰۰۰          |
| ریالات متحدہ امریکا | ۱'۹۰'۳۲'۹۹'۰۰۰       |
| اسٹریلیا            | ۱'۹۰'۳۹'۹۴'۰۰۰       |
| کینڈا               | ۲'۳۹'۷۰'۸۲'۰۰۰       |
| جرمنی               | ۱۳'۳۵'۹۴'۰۰۰         |
| فرانس               | ۱۳'۰۸'۵۴'۰۰۰         |
| چین                 | ۲'۵۰'۴۷'۲۸'۰۰۰       |
| جاپان               | ۱۹'۹۸'۷۲'۰۰۰         |

ہندوستان، جرمن شہنشاہی سے ۷ گنا زیادہ بڑا ہے۔

ہندوستان، جاپانی سلطنت سے ۱۱ گنا زیادہ بڑا ہے۔

ہندوستان، جزائر برطانیہ سے ۱۵ گنا زیادہ بڑا ہے۔

ہندوستان، بر اعظم یورپ کے برابر ہے۔ باستثناء روس۔

ہندوستان میں ۷'۰۰'۰۰'۰۰۰ دیہات ہیں۔

ہندوستان میں ۹۷۷ دیسی ریاستیں ہیں۔

برطانوی ہندوستان، ۱۴ صوبوں پر منقسم ہے۔ ہر صوبہ، ضلعوں

پر منقسم ہے۔ ہر ضلع، تعلقوں یا تحصیلوں پر منقسم ہے۔ ہر

تعلقہ، تھانوں پر منقسم ہے۔ ہر ضلع کا اوسط رقبہ ۴'۵۰۰ مربع

میل ہے۔

ہندوستان کی دس میں نو حصہ آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔

ہندوستان میں ۷ لاکھ دیہات ہیں۔ اس کے معنی یہ ہے کہ اگر

کوئی آدمی ہر قریہ میں صرف ایک دن ٹہرے، تو پورے ہندوستان

کے دورے کے لیے ۱'۹۲۷ سال درکار ہونگے۔

ہندوستان میں ایک لاکھ سے زیادہ آبادی رکھنے والے ۳۱

شہر ہیں۔

(ہندوستان کی آبادی)

| ملک                 | کل دنیا        |
|---------------------|----------------|
| کل ہندوستان         | ۱'۹۹'۹۵'۰۸'۰۰۰ |
| برطانوی ہندوستان    | ۳۱'۹۳'۹۱'۰۰۰   |
| جزائر برطانیہ       | ۲۴'۷۰'۰۰'۰۰۰   |
| جاپان               | ۴'۲۹'۱۹'۷۰۰    |
| جرمنی               | ۹'۱۰'۸۱'۹۵۴    |
| فرانس               | ۵'۱۸'۷۰'۷۲۲    |
| ایٹلی               | ۳'۹۲'۰۹'۵۱۸    |
| سوویت روس           | ۴'۲۱'۱۵'۹۰۶    |
| چین                 | ۱۳'۲۰'۰۰'۴۱۳   |
| ریالات متحدہ امریکہ | ۴۳'۹۰'۹۴'۹۵۳   |
|                     | ۱۱'۲۷'۸۶'۰۰۰   |



اندوید کر لئے گئے۔ سرکے کے سامنے نئی تلواریں لے سہی کھڑے رہتے ہیں۔ باہم گفتگو کی سخت ممانعت تھی، مگر اب اٹھ گئی ہو کیونکہ پاسبانوں نے دیکھا، اس پابندی کی تعمیل ممکن نہیں۔

سلطان کا فرمان، شریف مکہ کو ہونچا کہ یہ لوگ (یعنی ہم) وطن ہیں۔ اندیشہ ہو جاگ جائیں گے۔ زوری سختی سے نکرانی ہونی چاہئے۔ یہ حکم پاتے ہی شریف نے کمرل کے روشن دالوں کو بھی بند کرادیا اور ہارے پردوں میں لوسے کی بیڑیاں ڈال دیں۔ مگر اب بیڑیاں کاٹ دی گئی ہیں۔ کیونکہ بیاری نے جہاں اس قابل ہی نہیں کھا کہ یہ بوجھ برداشت کر سکیں۔

خوش ہستی سے ایک شریف آدمی کی ہمدی حاصل ہو گئی ہو یہ ہمارے خطوط تک پہنچا کرے گا۔ پچھلے خطوط، جو تیس ہجری کے درمیان بھیجے گئے تھے۔ جب میں نے اپنے رفیقوں کو اطلاع دی کہ میرے اور ان کے خطوط، منسلق مقصود پر پہنچ گئے، تو وہ پوچھ پوچھ کر دے لگے۔ کیونکہ ہر ایک کے ہوتے ہیں ادا ان کی ملاقات کی تمنا کرتے ہیں۔ اگر ہم نے جرم کیا ہوتا تو اس خیال سے دل کو تسکین دے سکتے کہ یہ ہمارے جرم کی سزا ہو، لیکن ہم نے تو کوئی جرم نہیں کیا ہو۔ جبرائیل کے کہ سلطنت ادا امت کی اصلاح دینی چاہی ہو۔ آدھی جرم ہو، تو اسدوس اس ملک پر جہاں اصلاح دینی توفی جرم بھی جائے!

میرے رفقا، انتہائی غم دالم میں ہیں۔ یہ بالکل قدرتی بات ہو لیکن میری حالت ان سے بہتر ہو۔ میں اب ۶۰ برس سے تجاؤد کر چکا ہوں۔ اس عمر کا آدمی کتنے برس اور بھی سکتا ہو؟ بچیں یا ہوگا کہ گزشتہ سال ہی سے میرا فرم تھا کہ خلوت کی زندگی اختیار کر لوں۔ سفر آخرت کی تیاری میں باقی دن گزار دوں۔ معلوم ہوا کہ خدائے اسی کا سالن کر دیا ہو!

دلت سے متعلق کہ ذہن کو تلاوت قرآن میں مشغول کر دوں مگر فرصت نہیں ملتی تھی۔ اب الحمد للہ زوری ہمت مل گئی اور میں "قد سح ادرہ تک قرآن مجید از سر نو حفظ کر لیا ہو۔ میں نماز کی بھی زوری پابندی کرتا ہوں۔ شب دروڑ یا د خدا و خدی میں مصروف رہتا ہوں۔ آیت "ما صاب من مصیبت الا باذن اللہ و من یومن باللہ و یصلی و یؤتی زکوٰۃ" ہر لمحہ میرے پیش نظر رہتی ہو۔ مجھے اس سے بڑی ہی تسکین حاصل ہوتی ہو۔ اپنے رب پر متوکل ہو گیا ہوں۔ اپنے تئیں اس کے حوالے کر دیا ہو۔ تم بھی ایسی کرو۔ اس پر توکل کرو اور اس کے سپرد ہو جاؤ!

اگر مجھے کوئی بیچ ہو، تو وہ تمہاری ادب بچوں کی جدائی کا ہو۔ خداوند جل و علا سے دعا ہو کہ ہم کو پھر جمع کرے۔ میرے صحتی دانت ٹوٹ گئے۔ یہاں ان کی مرمت کرنے والا کوئی نہیں۔ کھانے میں اب مجھے قابل برداشت تعلیم کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔ میں تنہا کو طلب کی تھی ابھی تک نہیں بھیجی۔ نیز لکھا تھا کہ تفسیر معنی تھی، تفسیر روح البیان، اور وہ زندگی کی فراہمی کا بہم پہنچانے میں اکثر لڑ پڑتا تھا۔ یہ سب کتابیں، سترائیں موجود ہیں۔ اگر بھیج سکو، تو دروادی میں دیر نہ کرنا۔

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ بچوں کی تعلیم پر زوری توجہ صرف کر رہی ہو۔ علی حیدر، و سیر، صابہ کو بہت چاہا کرو۔ دنیہ نام کو اور تمام ملازمین کو سلام۔

سترائیں دو صندوق، ساحلی کپڑے کے بیچ کے پاس چھوڑ دیا۔ ستان میں میرے تھے اہل افراسیاب میں بھی کچھ کیر کردی تھی کہ تھیں بے گھر۔ معلوم نہیں ان کا کیا مشورہ؟ اگر صندوق ایک اور ایسی خانہ کے پاس رکھا جائے تو کچھ ناکام رہے۔ اور دانی کو

## تایخ شرق جدید کی تاریخی شخصیت

### مدحت پاشا

### شہید حریت و دستور

## مدحت پاشا کے وہ خطوط جو اس قیخانہ طائف پر غیروں کے نام بھیجے تھے

(۱)

"آج بچوں کی تصویریں بچوں میں نے تمہارے خطوں کے چھاپے بھیجے تھے۔ معلوم ہوتا ہو نہیں بے۔ کیونکہ تم نے ان کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔

سمتاً سے مجھے استاءبول لے گئے۔ وہاں تصریح میں مجھ کو اؤ محمد پاشا اور زوری پاشا کو ملکہ ملکہ مجھ میں قید کر دیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ حقیقتات سے ثابت ہو گیا ہو سلطان عبدالعزیز نے خود کشتی نہیں کی ہو۔ بلکہ سلطان مراد اور ان کی والدہ کے اشارے سے مجھ کو پاشا اور زوری پاشا نے انھیں قتل کرایا ہو۔ اور یہ کہ خود میں غیر ملہ آفندی، اور رشتہ پاشا بھی اس قافلہ سازش میں شریک ہیں پھر کہا گیا کہ مصطفیٰ پہلوان، حاجی محمد مصطفیٰ جزاری، سلطان الخیر کے تین خادم اعلیٰ قابل ہیں۔

ملا کہ یہ سب جھوٹ ہو کیونکہ یہ تینوں شخص، عبدالعزیز کی دفا کے وقت حاضر نہ تھے۔ اگر بعض محفل عبدالعزیز کسی نے قتل ہی کیا ہو تو کسی محفل میں بھی میرے یا رشتہ پاشا کے خلاف خبر کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ سلطان کی وفات کے وقت ان کی دلا اور تین سو بیویاں اور کثیرین محفل میں موجود تھیں۔ پانچ برس گزر گئے، مگر آج تک انھوں نے مجھے اشارہ کیا یہ بھی نہیں کہا کہ اسلگا قتل کئے گئے ہیں۔

میں نے محل شاہی میں نام نہاد عدالت کے سامنے اپنی تفصیل سے تمام واقعات بیان کئے۔ تمام جہوں کو مجھ کو تسلیم کر لیا اور کہ واقعی کوئی ثبوت قتل کا موجود نہیں، مگر یہ سراسر جھان ہو۔ مگر چونکہ سلطان عبدالعزیز خطرناک، لوگوں سے چھٹا یا حاصل کرنے پر کڑوتھے۔ اس لئے حالات نے لا۔ آدمیوں کو زبردستی مجرم قرار دے کر بے رحمانہ سزائیں دیں۔ عدالت کے بعض ایما ادا کرانے نے آخر وقت تک اس فیصلہ میں شرکت کی۔ یہ انکار کیا سلطان نے ان کی لیا غامی کی بھی زوری قدر والی کی اور ہار ہی طرح ملکی قید خانے بھیجے گئے!

سلطان سے یہ سب کچھ انصاف نہیں ہوئی۔ بعض صحابہ کرام نے یہ سب کچھ اس کے سامنے رکھا کہ ان کے لئے تھے اہل شریعت

دے جاتے تھے۔ ایک دن یہ پیغام پہنچا کہ سلطان کو میری اس مصیبت کا نہایت قلق ہو۔ میری جلا وطنی پر وہ انتہائی افسوس کے ساتھ مجھ کو ہونگے ہیں۔ لیکن زوری ہمدی سے مجھے اجازت دی ہو کہ اپنا خاندان اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں! یہ نیز مجھے اذن شاہی حاصل ہوا کہ اپنے عزیزوں کو اگر چاہیں، خط لکھ دوں۔ میں نے خطوط لکھ کر دے دیے، مگر افسوس ہو کہ وہ تم لوگوں تک نہیں پہنچائے گئے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دوس یا تھا کہ جلاوطن ہو رہا ہوں۔ میرے خادم عانت کو افسوس لے جہاز کے ایک کمرے میں قید کر دیا۔ میرے پاس پہننے کا ایک کپڑا بھی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ رات کا لباس بھی موجود نہ تھا۔ جو کپڑے میرے بدن پر تھے، وہی پہنے رہا۔ اتفاق سے ایک دن میں نے خادم کو دیکھ لیا۔ اس کے پاس میرے رات کے پہننے کا کڑا موجود تھا۔ وہ میں نے پہن لیا اور بدن کے کپڑے اُتار کر خود پہنے ہاتھ سے دوہنے اور اس وقت تک کمرے میں چھپا بیٹھا رہا جب تک کپڑے سوکھ نہ گئے۔ اب دنیا سے مجھے نفرت ہو گئی ہو اور چاہتا ہوں جلد اپنے پردہ دگار کے سامنے پہنچ جاؤں!

ہم قلم و قلم مصیبت جہاز "عزالدین" پر سوار کر لئے گئے کہ میں معلوم تھا کہاں جا رہی ہو؟ محمد پاشا کو ایک نہایت خلیل کرے میں رکھا گیا۔ زوری پاشا اور میں بھی ایسے ہی کمرل میں آکر گئے۔ پھر دروازوں پر قفل چڑھا لئے گئے۔

ہم جہ پہنچے۔ پھر آخر کی گرمی بہت ہی سخت ہوئی ہو۔ ہادی تندستی کو بہت نقصان پہنچا۔ ہمارے کمرے پانچواں کے قریب تھے۔ ہر دو سے داغ پھٹا تھا تھا۔ زوری پاشا زوجانہی میں باہل ہو گئے تھے۔ اتنا کہ ان کا داغ درست نہیں ہوا۔

جدید پچھے ہی ہم کچھ گئے کھانا میں قید نہ ہوا۔ مگر ہم باہم کوئی لکھ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ہر ایک کے ساتھ آٹھ آٹھ سطح شاہی تھے اور ہر ایک کی سخت ممانعت تھی۔ ہم سے از حد وقت کا بڑا دیکھا گیا کشاں کشاں کہ منہ نہ تھے۔ اور حرم شریف کے قریب بعض کمرل میں قید کئے گئے۔ ہم جہاں کچھ نہیں موجود تھے۔ مگر ایک مرتبہ میری زبانت کی یاد آئیں ہی تھی!

ہم جہاں تھے وہ جہاں کے قریب جہاں میں ملکہ ملکہ کھانوں کے

عمر پاشا ملی الاعلان کئے رہو جس کو اُنکے آنے کی غرض سے قیدیوں کو زہر سے کرقل کرنا ہو۔ صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی وہ اسے ثابت کرتے رہے ہیں۔ اُنھوں نے کھلے بندوں کو زہر کو مشورہ دیا کہ اپنے آقاؤں کو دن دہائے مار ڈالیں۔ زہر کوں نے ایسا نہیں کیا تو اُنھیں قید کر دیا گیا اور سخت تکلیفیں دی گئیں۔

اجاب کو اگر یہ شرمناک حالات معلوم ہو گئے ہیں تو یہ کچھ نہیں ہو۔ انگریزی قونصلوں کا کام ہی یہ ہے کہ خبریں معلوم کر کے انہیں حکومت کو مطلع کرتے ہیں۔ باہر تیار کوئی ایسا مقدمہ علیہ موجود نہیں جس پر اس طرح کے معاملات میں بھر دوسرے کر سکیں۔ پھر کیسے قید کیا جاسکتا ہے کہ اس نے انگریزی قونصل کو اطلاع پہنچائی ہوگی؟ ہمارے لوگ بھی آزاد نہیں ہیں کہ اوپر اوپر جاسکیں۔ وہ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قلعہ سے نکلتے ہیں تاکہ ضروری اشیاء بازار سے خراب لیں اور اسوقت بھی مسلح انہوں کی حراست میں رہتے ہیں۔

نہیں معلوم تھا کہ منیر نے یہ کیونکر گوارا کیا کہ اس کی ملازمت کر دے۔ تھا کہ خیل میں اُن لوگوں کو کیا حال ہو گا جو اپنی آزاد ادوار، احباب، مال و متاع سب سے جیتے جی محروم کر دیئے گئے ہیں، اور ایک شخص میں جان و مال کی طرح محسوس ہیں۔ وہ اپنی عزیزوں کی محنت بھی معلوم نہیں کر سکتے؟ یقیناً یہ ایسا بڑا زہر ہے جسے دنیا کا کوئی قانون کوئی شریعت، کوئی انصاف پسند انسان جائز قرار نہیں دے سکتا!

اگر یہی نہایت ترشے سے مقصد یہ ہے کہ ہماری عزیزوں کو خط و کتابت بھی موقوف کر دی جائے تو وہ ہماری اس قیدی دہرے سے پہلے ہی سخت بدبختی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ مہر کو مارنا کہاں کا انصاف ہو؟

تم نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ ستمنا میں نے فرانسیسی قونصل سے پناہ چاہی تھی۔ یہ حقیقت سے تمہاری بھالت کی دلیل ہے۔ میں سوئے سوتا جیسے ایک بڑے صوبے کا حاکم تھا۔ اچانک ایک رات میرے گھر کا فوجوں نے محاصرہ کر لیا۔ مجھ قید کر کے بے چارے میں اپنی عورتوں اور بچوں کا گریہ و بکا اپنے کانوں سے سنتا تھا مگر اُنھیں تسلی تک نہیں دے سکتا تھا۔ اسوقت میرے دل کی کیا حالت ہوگی؟ اس کا جواب میں خود تھا کہ منیر چاہتا ہے کہ اگر تم مجھے اس لئے ملامت کرتے ہو کہ حکومت کی حرکتوں کو حق بجانب قرار دو، تو یہ کوشش بے فائدہ ہے۔ میں دومرتبہ وزیر اعلیٰ رہ چکا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود مجھ سے یہ ذلت آمیز برتاؤ کیا گیا اور بغیر کسی جرم کے قید میں ڈال دیا گیا۔

تم نے لکھا ہے تم ایسی باتوں کی اجازت دے نہیں سکتے اب تمہاری زبانیں بند کر دو گے۔ ہماری زبانیں اب بھی بند ہیں۔ معمولی انہوں اور سپاہیوں کی ہر حرکت ہو۔ ہم زبان ہلا نہیں سکتے۔ تم اس وقت اختیار رکھتے ہو۔ ہم بے اختیار ہیں۔ جو تمہارے دل میں آئے شوق سے کر دو۔ ہیں اعتراض کا بھی حق نہیں ہو۔ تم ہمیں "جرم" کہتے ہو۔ ہم اس پر بھی مقرر نہیں ہو سکتے۔ لیکن یہ شخص کہ گفنگو یاد دلانا ہوں جو تم نے دارالحکومت میں مجھ سے لگائی تم نے انسانیت، حریت، شرافت کا ذکر کیا تھا۔ کیا یہ موجود برتاؤ ان صفات کے مطابق ہے؟

قید خانہ طائف، صفر ستارہ

(۶)

نفیہ نام کے نام

... پچھلے دنوں مشہور کیا گیا کہ میں ہندوستان یا قادیان

اس غرض سے بھیجا گیا ہے کہ اگر ہماری ایذا رسانی میں کچھ کمی رہ گئی ہو تو دُوری کر دے۔ اس شخص کی عمر زیادہ ہے، مگر عقل کم ہے۔ اس کے افعال ایسے ہیں جو کسی شریف الطبع آدمی کے نہیں ہو سکتے۔ یہ ہماری جان لینے پر تیار ہوا ہے، کیونکہ شاید اسے یہی حکم ملا ہو یا فرد مقتولیت اس ذریعہ سے حاصل کرنی چاہتا ہو۔ اُس کا خیال ہے کہ بھوکا رکھو سے ہم جلد نہیں رہیں گے بلکہ ہماری زندگی بڑھ جائے گی۔ لہذا کوئی ایسی تدبیر نکالنی چاہتا ہے جس سے میری محمود پاشا کی، اور خیر اللہ افندی کی زندگی جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ وہ زہر کوں سے کہتا ہے "تمہارے وطن واپس جانے کے لئے بے قرار ہو گے۔ لیکن جب تک یہ تمہارے آقا زندہ ہیں، تم واپس نہیں جاسکتے۔ ان کے قتل میں میری مدد کرنا کہ آزادی حاصل کر سکو" چنانچہ اس نے فوری پاشا کے خادم بکرا آغا کو بلا کر کہا "تم لو زہر کوں کی قید اسی وقت ختم ہوگی جب یلگ میں گے۔ فوری پاشا تو بخون ہیں۔ کسی دندہ کرے کی کھڑکی سے پھانسا بھی جاوے۔ تم ان کی اس میں مدد کوں نہیں کرتے؟ مجھ سے ریتی لو اور کھڑکی کی صلاح ریت ڈالو تاکہ فوری پاشا پھانسا نہ کر سکے" ہو جائیں۔

فرصت اس نے تمام زہر کوں کو ٹھہرنا شروع کر دیا ہے۔ زہر کوں اُس کی سازش میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ اس پر اُنھیں سخت تکلیفیں دی جا رہی ہیں۔ یہ خبریں سن کر ہم سخت پریشان ہیں ہمیں زہر دینے کی فوری کوشش کی جا رہی ہے۔ ایک طرف دنیاوی منفعت حاصل کرنے کے لئے یہ شخص ہیں مارنا چاہتا ہے، دوسری طرف اخروی ثواب کے لئے حج کرنے بھی گیا ہے۔ یہ سبنا ہے اس طرح اور دنیا، دونوں اُسے حاصل ہو جائیں گے!

ہم ڈیرہ برس سے یہاں ہیں مگر آج تک قلعہ کا کچا ملک تک نہ کے۔ عزیز ترین لوگوں سے بھی ملاقات کی اجازت نہیں ملی۔ ہمارے پاس ایک اسپینی باورچی تھا۔ ڈرا دھمکا کر اُسے بھی رضعت کر دیا گیا یہ حالات دیکھ کر ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہمیں جلد اس دنیائے کرب کو رہنا ہوگا۔

اگر ہمارے تعلق اور اس طرح قلعہ میں بند رکھنے سے مقصد یہ ہے کہ قہر شاہی کی سازش پر پردہ ڈالا جائے، تو یہ کوشش بے سود ہے۔ یورپ پھر بھی اصل حقیقت مشہور ہو چکی ہے۔ اخبارات کے صفحوں پر آج بھی ہے۔ لیکن اگر ہمیں تکلیف دے کہ سلطان اور اُنکے صاحب خوش ہوتے ہیں تو ہمارے لئے اس کے ہوا کوئی چارہ نہیں کہ احکام الحاکمین سے فریاد کریں اور دعا مانگیں کہ وہ اپنا فیصلہ جلد صادر کر دے۔ اگر اُنھیں کوئی مسخت مزاج ہے تو ہماری ناقابل بیان مصیبت کی یہ داستان سنا دینا۔

قید خانہ طائف، صفر ستارہ

(۵)

والی حجاز عثمان پاشا کے نام  
"آپنے رسالہ دارتحریک کے نام جو خط لکھا ہے، اُس میں شکایت کی ہے کہ میں نے عمر پاشا کے افعال کی اطلاع انگریزی قونصل کو دی ہے۔ حالانکہ میں نے قونصل مذکور کو ہرگز کوئی خط نہیں لکھا۔ بلکہ اس قسم کا کبھی دم بھی پیدا نہیں ہوا کہ اُسے اطلاع بھیجوں۔ عمر پاشا کی حرکتیں ایسی ہیں کہ زیادہ دنوں تک بھی آپ اس طائف اور کس میں بچے ہوں ان سے واقف ہو۔ اگر انگریزی قونصل کو علم ہوا ہے تو تاجروں اور عام باشندوں کے ذریعہ ہوا ہوگا۔

لیکن آپ نے دوسرے خط میں پھر مجھے اس معاملہ میں ملامت کی ہے۔ بظاہر آپ کو یقین ہے کہ اس میں میرا ہاتھ ضرور ہے۔ لہذا میں مجبور ہو گیا ہوں کہ حقیقت ظاہر کر دوں۔

(۲)

"دفعہ ان کے بعد کوئی خط نہیں ملا۔ تھا کہ اور بچوں کے حال نہ معلوم ہونے سے سخت قلق اور ملال ہے۔ تم نے ضرور روپیہ ادا کرنے کی چیزیں بھیجی ہوں گی۔ مگر مجھے کچھ نہیں پہنچا۔ مجھے روپیہ کی از حد ضرورت ہے۔ کیونکہ پچھلے سال جو ۵۰ روپے بھیجے تھے، اور جو رقم مستقلیہ سے آئی تھی، اب اس سے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے حکومت نے ہمارے کھانے پینے کا ذخیرہ دے رکھا تھا مگر اب وہ کسی کو کچھ نہیں دیتی۔ ہمیں اپنی روٹی خریدنا پڑتی ہے۔ ہمارے ساتھ بعض ایسے قیدی بھی ہیں جن کے پاس ایک پیسہ نہیں۔ میرا محمود پاشا اُن کی کفالت کر رہے ہیں۔ اُنھیں کپڑے بھی بنا دئے ہیں ہیں قید خانے کے نوکر دن کا بھی خیال کرنا پڑتا ہے۔ یہ لوگ محض ہماری دہرے سے یہاں لکھے گئے ہیں۔ ان حالات کی بنا پر، ہمیں یہ کی سخت ضرورت ہے۔

ہمارے رفقاء میں فوج کے بعض بڑے افسر بھی ہیں اُنھوں نے ہم سے کچھ روپیہ قرض لے کر کپڑا خریدا ہے۔ بچا ہے خود اپنے ہاتھ سے سی ہے۔ اُن کی مصیبت اسی پر ختم نہیں ہو جاتی اُنکے لئے ایک خشک روٹی کا بھی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ بعض مجبوراً روزہ رکھتے ہیں۔ ہم پر فرض ہے کہ اُن کی ضروریات زندگی کا حتیٰ الوسع حل رکھیں۔ ہر ملک میں دولت مند غریبوں کی دست گیری کرتے ہیں لیکن یہاں ان سکینوں کے لئے اس قسم کا کوئی موقعہ موجود نہیں ہے۔ انسانیت کا تقاضہ ہے کہ ہم اپنی انگریزوں۔ لہذا فوراً ہم پچاس روپہ حکومت کے توسط سے بھیج دو۔ اگر فوراً روپیہ نہ آیا تو میں اپنا پانی کا برتن اور گھڑی بیچ کر پر مجبور ہو جاؤں گا۔ اس صورت میں لوگ بہت قیل و قال کرینگے اور ہمارے ذہن کو تشویش ہوگی۔

بچوں کو بہت بہت پیار"

دحت

قلعہ طائف کا قید خانہ

۵ مارچ ۱۹۰۸ء

(۳)

"... برسوں یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ شریف کے عہد کے حسب عادت آجکل طائف میں موجود تھے۔ مشکل کی رات کو وہ آخر گھر میں ملین سو رہے تھے کہ اچانک ادھی رات کو تین فوجوں نے اگر اُن کا محل گھیر لیا۔ فوج کے ساتھ ۴۰ توپیں بھی تھیں۔ صبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ شریف اپنے رات کے کپڑوں میں ہمارے قید خانے میں قیدی بنے چلے آ رہے ہیں۔

کہا جاتا ہے شریف کا جرم یہ ہے کہ اُس نے انگریزوں سے سازش کرنی چاہی تھی۔ اس شخص نے ہمیں محض سلطان کے خوش کرنے کے لئے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ خدا نے اس کا بدلہ لے لیا۔ دینی حقیقت اُس پر ڈال دی جس میں ہم پھنسے ہیں۔ اس میں ہر عاقل کے لئے عبرت ہے۔ لیکن مجھے اس شخص پر بہت ترس آتا ہے۔ سو برس کا بڑا ہوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں ہے۔ یہ واقعہ بالکل دیسا ہے جیسا ہیں ستمنا میں پیش آیا تھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں توپوں کی تعداد زیادہ تھی"

دحت

(۴)

"گزشتہ دفعہ ان سے تمہاری ادبوں کی کوئی خبر نہیں ملی۔ میں نے بھی تمہیں اپنی مفصل حالت نہیں لکھی۔ کیونکہ نہایت سخت تکلیف میں ہوں۔ پانچ مہینے ہوتے ہیں کہ ہمارے خدمت گار ہم کو ملکہ کر دیئے گئے ہیں۔ حال میں آستانہ سے عمر کا نام ایک شخص خاص



گیا ہوں۔ اخبارات کو یہ خبر شائع کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ تعجب یہ ہو کہ کئی  
کے اخبارات ان سب کو گمراہی میں ڈال دیا گیا اور اُسے ذریعہ تلافی  
کے اخباروں سے دریافت کیا۔ اس سے پہلے یہ افواہ مشہور کی گئی تھی  
کہ میں مجنون ہو گیا ہوں۔ معلوم نہیں اس کذب و دروغ سے حکومت  
کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

طائف ۳۔ رستلاہ

(۷)

اپنے مرشد سلیمان آفندی کے نام  
..... ہمت میں یہی تھا کہ ہم اپنے اہل خیال و متاع  
سے جیتے جی دور اور اپنی آزادی سے محروم ہو جائیں۔ ہم جس مصیبت  
میں گرفتار ہیں، اُس کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ صرف ذات الہی  
باقی ہے۔ کوئی مخلوق بھی دائمی زندگی نہیں پاسے گی۔ سب کے لئے  
زوال ضرور ہی ہے؛

لا یغرن امر امیشہ کل جی صائر للزوال!  
یہ چند روزہ زندگی، ایک کھیل ہے۔ بلکہ ایک پہل ہے جس پر انسان  
گزر جاتا ہے۔ زندگی کی حروف طبع، لا حاصل ہے۔ ان مصائب پر اللہ  
تعالیٰ بندوں کا ثواب زیادہ کرتا ہے۔ ہمارے لئے انبیاء و اولیاء  
کا اسوہ حسنہ موجود ہے۔ ان میں اکثر قیدیوں ہی میں رہے۔ امام  
الوصیفہ امام موسیٰ کاظم کی مثال ہر وقت میرے پیش نظر رہتی ہے۔  
میری حالت اس وقت ہے کہ ہر لمحہ یہ مقولہ زبان پر رہتا ہے۔  
”کن فی الدنیا کانک فریضہ“ (دنیا میں اس طرح رہو گویا پردیس میں)  
زندگی کے آخری مرحلے تک پہنچ چکا ہوں۔ عمر ۶۰ سے زیادہ ہو گئی ہے۔  
اب مجھے ہر لمحہ حیات غنیمت سمجھنا چاہیے اور آخرت کی تیاری کرنی  
چاہیے۔ میرے پاس بعض کتابیں موجود ہیں۔ ان میں آپ کا مجموعہ  
رسائل بھی ہے۔ اس کتاب سے مجھے عبادت الہی میں بہت مدد ملتی ہے  
لیکن انسان تنہا اپنی رائے سے ہر قسم کی ریاضت نہیں کر سکتا، لہذا  
لے شیخ حلیل! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری اُس رستہ  
کی طرف رہنمائی کیجئے جو خدا تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ میں یہاں دورے  
بھی آپ کے ہاتھ کو لے کر رہتا ہوں۔ کیونکہ معنوی علاقہ، جمالی اہل  
کا محتاج نہیں۔ آپ مجھے تحریر کے ذریعہ ہدایت دیجئے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو  
تو خود تشریف لائے اور زبانی رہنمائی کیجئے۔ میں بے صبری سے آپ کے  
تحریری یا زبانی جواب کا منتظر رہوں گا۔

قید خانہ طائف ۱۹ شوال ۱۴۲۷ھ

(۸)

فیہ نام کے نام  
”گزشتہ ۱۰ ایک خط ”مسجد“ کے ضمنی دستخط سے پہنچ چکا ہوں  
اس کے ایک ہفتہ بعد، دو پتوں سے نکل آئے۔ ایک طہیں، دوسرا  
پہلو میں۔ یہاں صرف ایک ڈاکر ہی اور وہ بھی دوستن ہے۔ دوستوں  
کو میری بیماری سے سخت تشویش ہوئی۔ انھوں نے میری لاعلمی میں  
دالی کہ کوئی کچھ بہار کا طبیب بھیجے کے لئے لکھا۔ مگر دالی نے کوئی جواب  
نہیں دیا۔ میں صاحب فراش تھا اور تھرمسٹانی سے برابر احکام آ رہے  
تھے کہ مجھے اور میرے رفقاء کو قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ ہمارا خاص  
کھانا موقوف کر دیا اور ہمارے نوکر بھی ملوث کر دیئے گئے۔ میں سترنگ  
پر پڑا تھا کہ ایک افسر نے اگر حکم ہو گیا ”تھیں بھی دی کھانے کا جو  
دوسرے تمام قیدیوں کو دیا جاتا ہے۔ لہذا نادانہ کوئی چیز نہ خرید  
تھانے خاص رہن بھی لے لئے گئے۔ قید خانہ کے برتنوں میں کھانے پر  
کپڑے بھی لینے ہوتے تھے۔ دہن پڑھنے کے بعد اُسے ہم سے کاغذ، قلم  
ادوات وغیرہ لکھنے پڑھنے کا تمام سامان بھی لے لیا اور چلا گیا۔  
اللہ ہم میں نے تھانے تمام خطوط پہلے ہی سے جلا دیئے تھے، نہ

انھیں ایک اور ہانہ ملنے کا مل جانا۔ خیر اللہ آفندی کی بوری اور  
برس کی عمر کا بچہ قلعہ کے قریب ایک مکان میں تھے۔ انھیں بھی کھال  
دیا گیا۔ اس وقت یہ لوگ مکہ میں مقیم ہیں۔

اس سختی سے حکومت کی غرض یہ ہے کہ ہم جلد سے جلد مر جائیں  
کیونکہ ہم لوگ اچھے کھانوں کے عادی ہیں۔ قیدیوں کا کھانا کھانے  
ضرور ہالک ہو جائیں گے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ ہمیں ہر ممکن تکلیف  
بھی دی جا رہی ہے کیونکہ حکومت کو شبہ ہے کہ یہ لوگ قیدیوں کا کھانا  
کھانے پر بھی زیادہ دن زندہ رہیں گے جبکہ میرے رفقاء نے حکم  
سنایا، ہنایت پریشان ہیں اور شب و روز اللہ تعالیٰ سے دعا میں  
کر رہے ہیں۔

اس ہلکے بیماری میں مجھے آرام کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔  
مگر میرے خادم کو بھی لے گئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ طبیب کی آمد  
بھی روک دی۔ اس سے بھی بڑھ کر افسر کی گستاخانہ گفتگو نے مجھ کو  
دی۔ میری بیماری بہت زیادہ ہو گئی۔ موت کا قطعی یقین تھا۔ دینا  
سے سفر پر مجھے از حد خوشی تھی۔ لیکن افسوس، موت بہت میں تھی۔  
زندگی کا معاملہ، صرف خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ میری طلب پر بھی  
موت نہ آئی۔ میرے رفقاء نے ایک مہم خود بنا کر پھوٹوں پر لگا  
دیا تھا۔ وہ اُس کو پھوٹ گئی۔ ۵ دن میں زخم بھر گئے۔ اب میں پھر  
زندہ ہو گیا ہوں۔

افسر نے میرے خادم کو جہد بھیجا تھا تاکہ آستانہ پہنچا دیا جائے  
مگر تھرا ہی سے حکم آیا کہ اُسے وطن آئے نہ دیا جائے، بلکہ قید کر  
دیا جائے۔ چنانچہ وہ غریب بھی قید ہے۔ اس حادثے سے مجھے بہت  
رنج ہو چکا۔ میں خوش تھا کہ سکین کو اب مصیبت سے نجات ملی مگر  
میری خوشی، صرف چند روزہ تھی۔ اب مجھے اپنی مصیبت کے ساتھ  
اُس کی مصیبت پر بھی غم کھانا ہے۔

ردیہ، کپڑے، مالکات، کوئی چیز بھی نہ بھیجا کیونکہ مجھے کچھ بھی  
پہنچ نہیں سکتا۔ اور اگرچہ بھی، تو بے کلمہ ہو۔ ردیہ اس لئے بیکار  
ہو کہ ہم کوئی چیز خرید نہیں سکتے۔ کپڑے اس لئے بیکار ہیں کہ کپڑے  
دھو لانے کی ہیں اجازت نہیں۔ خود اپنے ہاتھوں سے دھو کر پہنا  
ہیں۔ اس حالت میں پڑنے اور نو کپڑے کیساں ہیں۔ لہذا کوئی  
چیز بھی نہ بھیجو۔

ہمارے لئے جو کھانا مقرر ہوا ہے وہ صرف شوربا ہے۔ ایک ظن  
میں ۸ آدمیوں کے لئے شوربا آتا ہے اور ہرگز کافی نہیں ہوتا۔ شام  
کو موٹی کے پتوں کا شوربا ہوتا ہے۔ ہم لوگ یہ کھانا بالکل کھاتے  
سکتے۔ بھوکوں مر رہے ہیں۔ بہت ناتوان ہو گئے ہیں۔ ہر لمحہ موت  
کا انتظار ہے۔ دیکھا چاہئے ہم میں کون پہلے قبر میں جاتا ہے؟

بچوں کو پیار۔ سب کو سلام

۸ جمادی الآخر ۱۴۲۷ھ

(۹)

فیہ نام اور ذفر علی حیدر کے نام  
”یہ غالباً میرا آخری خط ہے۔ کیونکہ ہمارا کھانا بند ہو چکا ہے اور  
تکلیف دہی جا رہی ہے، جیسا کہ پہلے خط میں لکھ چکا ہوں۔  
اب وہ ہیں نہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بلکہ اگر مرتبہ  
بھی چکے ہیں لیکن میرے خادم عات (جواب میرے ہی ساتھ قیدی  
کی دفا داری اور بے داری کی وجہ سے اب تک انھیں کامیابی نہ ہو  
سکی۔ ایک دن عات نے ایک افسر کے ذریعہ دودھ خریدا۔ افسر نے  
اُس میں زہر ملا دیا تھا۔ عات پہچان گیا اور دودھ پینک دیا۔ ہم  
دن بعد عات نے گوشت خرید کر میرے لئے پکایا۔ مگر اُسکے ہتھے ہا  
اُس میں ہر ڈال دیا گیا۔ چند دن بعد ہمارے پانی کی مراحمی میں زہر

ملا دیا گیا۔ ہمارے محافظ کمر آفندی چرکسی نے اقرار کر لیا کہ تھرا  
شاہی سے روز ایک دی حکم آئے ہیں کہ میں فوراً مار ڈالا جائے۔  
چنانچہ عثمان پاشا دالی کے لئے حکم چرکسی کو کہ مسئلہ سے حاصل  
غرض سے یہاں بھیجا ہے اور وہ قتل کی تیاریوں میں لگا ہوا ہے۔ ظہر  
ہو ہم ان تمام قوتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ موت یقینی ہے۔ شاید  
اس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی تھیں میری موت کی خبر پہنچے۔ لیکن تم  
رخیدہ نہ ہونا۔ کیونکہ مجھے امید ہے کہ موت، میرے تمام گناہوں کا  
کفارہ ہوگی۔ میں اپنے وطن اور است کی راہ میں مر رہا ہوں۔ میری  
وصیت یہ ہے کہ حکومت کو شش کرے گی تھیں آستانہ دے جائے لکھنا  
وظیفہ مقرر کرے۔ مگر تم لے منظور نہ کرنا۔ اپنے گھر میں رہنا۔ میری  
بہن صدیقہ نام کو اپنے ساتھ رکھنا اور ترکہ میں سے انھیں بھی حصہ  
دینا۔ میں نے تھیں خدا کے سپرد کیا۔

۱۰ رجب ۱۴۲۷ھ

آخری خط

شہادت سے ایک دن پہلے لکھا گیا

علی دمینی آفندی کے نام

میں تھیں پہلے بھی خط لکھ چکا ہوں۔ اپنی سوانح عمری کا ایک  
جزو ختم کر کے تھیں بھیج چکا ہوں۔ پڑھنے کے بعد سزا بھیج دینا۔ اب  
زندگی کی کوئی امید باقی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ زہرینے میں لکھ  
رہے۔ اب کوئی دوسری تدبیر کرینگے۔ میں ہر لمحہ خداوند تعالیٰ سے  
مغفرت کی دعا میں کرتا رہتا ہوں۔ اگر میں مراعات تو فقرا پر کرنا  
پونہ خیرات کر دینا جو تھارے پاس امانت ہیں۔ اگر اس کو زیادہ  
خرچ کرنا تو سزا سے روپیہ طلب کر لے نا۔ فوراً آجائے گا۔ میرے  
مرشد شیخ سلیمان کی دست بوسی کرو اور میرے حق میں دعا کی طبیعت  
کرد۔ درویش صلاح الدین پر بعد دوسرے نہ کرنا کیونکہ اُس کی طبیعت  
کا حال خنوم ہے۔ بلا ضرورت مجھے نہ لکھنا۔ آئندہ شاید میں بھی کچھ  
لکھ نہیں سکوں گا۔ کیونکہ حالت بہت خطرناک ہو گئی ہے۔ والسلام

## السلام کے ابتدائی نمبر

السلام سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر یعنی نمبر

۱۔ سے ۵۔ تک

بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دد گنی

قیمت پر

خریدنے کے لئے تیار ہیں۔ دفتر کو اطلاع

دیجائے

منبر

صناع، اطمینان اور فراغت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ (صفحہ ۳۸)

”پبلک کوہ طرح پریشان کر کے ملک دیران کر دیا گیا تھا۔ چھ سال کے قلیل زمانہ میں وہ متند قلمرو کے نصف بڑے بڑے شہروں کو بالکل آجاڑ دیا گیا تھا۔ دنیا کی سب سے زیادہ زرخیز زمین تباہ کر ڈالی گئی تھی اور ۵۰ لاکھ بے ضرر اور محنتی انسانوں کو جلا وطن یا براہِ دریا گیا تھا۔ (ایٹلین کینی کے عہد میں بنگال مسئلہ)“

”جتنی قیس بھی دہلی پہلے بھی گئی ہوں، وہ سب کی سب بنگال کی وسیع تجارت کے منافع سے وصول ہوجاتی تھیں۔ بنگال کی تجارت پورے ہندوستان کی دولت کا مرکز تھی۔ اس صورت حال سے موجودہ زمانہ کے حالات کس قدر مختلف ہیں؟ جب سے بنگال، ہمارا اور اڑیسہ کی نظامت تھلے (انگریزوں) ہاتھ میں آئی ہو، یہ سب اپنی خوشحال آبادیوں اور دستکاروں کی قدیم اہمیت سے کس قدر محروم ہو گئے ہیں؟“ (دیوان بنگال)

”ہندوستان کبھی مغلوب نہ ہوا اگر خود اس کے فرزندوں کی ہوتی۔“ (سرجان میکم)

”ہندوستان ایک ایسی فوج سے نفع ہوا جو جس میں تین حصے غنہ داری پہاڑی تھے اور صرف ایک حصہ انگریز تھے۔“

.....  
جبکہ ہم یہاں ہندوستان میں ایک اتنی بڑی آبادی کے نفع کو نہ میں مصروف تھے، جو پورے یورپ کی آبادی کے برابری تھی، تو اُن وقت انگلستان میں انگریزوں کو اس مقصد کے لئے نہ تو ٹیکس دینا پڑا، نہ قرضہ لینا پڑا، نہ کسی الجھن کا سامنا ہوا، اور نہ ہی کوئی جنگی بھرتی کی ضرورت پڑی۔

.....  
جو کچھ میں نے کہا اُس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کی فوج، صحیح معنی میں ہرگز نفع نہیں ہو، کیونکہ یہ انگلینڈ کی حکومت، فوج، اور روپے سے مل میں نہیں آئی۔ انگلینڈ نے صحیح معنی میں ہندوستان کو نفع ہی نہیں کیا۔ .... (ایکسپینشن آف انگلینڈ۔ پروفیسر سلی)

”اگر ہندوستان میں تھوڑے قومیت کا کڑور جذبہ بھی پیدا ہو جائے اور اُس میں اجنبیوں کے سکھانے کی کوئی عملی دوج نہ بھی ہو، بلکہ صرف اس قدر احساسِ عام ہو جائے کہ اجنبی حکومت سے اتحاد حاصل ہندوستانیوں کے لئے شرمناک ہے، تو اُسی وقت سے ہماری شہنشاہ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہم حقیقت ہندوستان کے خارج نہیں ہیں اور اُس پر فائدہ مکرانی نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اس طرح کی حکومت کرنی بھی چاہیں گے تو اقتصادی طور پر قطعاً برباد ہو جائیں گے۔“ (۷)

”جنگ پلاسی کے بعد ہی بنگال کی ٹوٹ، انگلستان پہنچے گی اور اس کا اثر فوراً نمودار ہوا۔ تمام سوخ مشرق میں کہ انگلستان میں جس صنعتی انقلاب نے انیسویں صدی کو تمام پچھلے زمانوں سے متا کر دیا اُس کی بنیاد اسی جنگ کے بعد یعنی سترہویں صدی میں پڑی تھی۔ (مشرپروک آڈم)

اکثر موجودہ یورپین قوموں کی خوشحالی، قدیم تہذیب کی نمائندہ مشرقی قوموں کی ٹوٹ پر قائم ہوئی ہو۔ انگلستان کی صنعتی بڑی

سب کچھ ہٹا کر دیا تھا جس کی انھیں ضرورت تھی۔“ (ڈاکٹر رابرٹن)

”بنگال اپنے لاتناہی خزانوں سے اپنے آقاؤں کو دنیا کا سب سے زیادہ دولت مند بنانے کی صلاحیت رکھتا ہو“ (کلاویو کے خطوط مسلمان)

”نواب شائستہ خاں کے عہد (۱۸۰۳-۱۸۱۸) میں ایک روپیہ میں ۸۰ سیر چاندل فروخت ہوتے تھے۔“ (جے ٹیل)

”شہر حاکم میں ۵۲ بازار اور ۳۰۰۰ گھر تھے۔“ (۸)

شہر رشاد آباد اس قدر دلچسپ اور دولت مند ہے جس قدر خود شہر لندن۔ فرق یہ ہے کہ اصل الذکر میں لوگوں کی ذاتی جائیدادیں آخر الذکر سے بہت زیادہ ہیں۔ اس کی آبادی کئی لاکھ ہوگی۔ اور اگر وہ یورپین باشندوں کو فنا کرنے کا ارادہ کریں تو صرف لاکھوں اور پتھروں سے کر سکتے ہیں۔

(پارلیمنٹری کمیٹی کے سامنے کلاویو کی شہادت)

”بنگال کی سلطنت، چھ سو سال لابی، تین سو سال چوڑی اور دنیا کی ایک نہایت ہی وسیع اور زرخیز میدانی سرزمین کی مالک ہو۔ جہاز رانی کی صلاحیت رکھنے والے متعدد دیادوں سے سیراب ہوتی ہو، اپنے دامنوں میں ڈیڑھ کروڑ جفاکش انسانی آبادی رکھتی ہو، یہاں بلکہ اس سے دوٹی آبادی کے لئے پیداوار کی قابلیت رکھتی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرتی طور پر اس کے خاص اپنے ہاتھوں سے بے دیا بھر سے زیادہ زراعت کے لائق بنا دیا ہو۔“ (ڈاڈ سلسلہ)

”سراج الدولہ کی وفات کے بعد بنگال کے سراج تھیں کیلئے کریمینیا کی سب سے زیادہ مالدار آباد، اور زرخیز سلطنت تھی۔ تجارت اور امرار دولت و ثروت اور پیش واکام میں غرق تھے۔ دستکار اور

”بنگال اپنی پیداوار اور ہر چیز کی فراوانی میں، دنیا کے ہر شہر سے مقابلہ کر سکتا تھا۔ یہ علاقہ اس قدر زرخیز تھا کہ انسانی ضروریات اور پیش و مشرت کا جلد سامان باسانی ہتیا کرنا تھا۔ کیونکہ یہاں ہر قسم کے مویشی، بارہ ماسی پھل، بکثرت غلہ، ہر قسم کا پکڑا خصوصاً نفیس ریشم اس قدر زیادہ موجود تھا کہ دنیا کے کسی علاقہ میں بھی نہ ہوگا۔ سلسلہ۔“ (الغشن جلد ۲)

”بائستہ علم طور پر نہایت تہذیب اور آدم سے زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی جان و مال کی طرف سے بالکل مطمئن تھے۔ کیونکہ بادشاہ اپنی رعایا کو نہ تو بھولے الزاموں پر مایوس کرنا تھا، نہ اس کی مال دولت اور شاہزادہ زندگی پر حسد کے اُسے اُس سے محروم کرتا تھا۔“ (پاشور لٹریچر)

”بادشاہ کے ذاتی کمرے اور شاہی دربار اپنی چمک و دمک میں، شگافانہ زمین ہوئے تھے، محل کی ہر چیز اس سلیقہ اور ہنرمندی کی زندگی شہادت تھی جو اسیں صرت کی گئی تھی۔ عظیم تخت شاہی، جو ”کوہ نور“ ہیرے کے ساتھ کئی صدی پہلے ایران سے لایا گیا تھا، ٹھوس سننے کا تھا، اور دو عظیم انسان طاعنوں پر قائم تھا، جن کی پھیلی ہوئی پیش باجاہرات سے مصمت تھیں۔ اس طرح شہنشاہی عظمت قلعہ دہلی کے اس کتبہ کو صحیح ثابت کر رہی تھی کہ

اگر فردوس بردے زمین آت

ہیں است زمین است زمین است

(قدیم وجدی دہلی معنی ایل گئی)

”تمام زمانوں میں سونا خصوصاً چاندی کی برآمد ہندوستان کی بہت پر منفعت تجارت تھی۔ نئے زمین پر کوئی ملک بھی اپنی ضرورت اور کمالات میں یرگی ممالک سے اتنا مستغنی نہ تھا جتنا یہ ملک تھا مناسب آب و ہوا، زرخیز سرزمین، اور خود باشندوں کی ذہانت و

## تاریخ و عبر

### ہندوستان

### انگریزی حکومت سے پہلے اور انگریزی حکومت کے بعد

### خود انگریز مدبروں اور مصنفوں کی نظر میں

### اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مدبروں کی شہادت

سرحدیں اور سرحدوں کے عظیم حوالوں کی طرف سے شروع ہوئی جنگ پلاسی سے پہلے ہمارے ملک (انگلستان) کی صنعت نہایت پستی تھی (ڈیوئیگی)

تین کروڑ انسانوں کو ٹوٹ کر کلکتہ میں عظیم انسان دولت بہت جلد جمع کر لی گئی تھی... قدیم زمانوں میں معمولی مظالم پر ہندوستانی اپنے حاکموں کو برطرف کر دیا کرتے تھے۔ مگر انگریزی حکومت نے اپنے والی نہایت یہ حکومت سنگ دل سے سنگ دل جیٹی اور مستبد حکومتوں کی طرح ظالم اور سخت تھی۔ فرید براں تمام ہندوئی طاقتور ہیتا روں کو سرخ تھی۔ (لارڈ کلائیو پر میکلے کا مضمون)

یہ الامال خزانے، کروڑوں آدمیوں کی صدیوں کی کمائی، انگریزوں نے ہیتا کر لندن اسی طرح بھجوری، جس طرح دولت نے یونان اور یونان کے خزانے اٹلی بھجئے تھے، ہندوستانی خزانے کتنے قیمتی تھے؟ کوئی انسان بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ مزدور کروڑوں اشرافیاں ہونگی۔ اتنی دولت اس وقت کی مجموعی یورپین دولت سے بھی بہت زیادہ تھی۔ (برک آڈم)

جب میں مسلمان میں انگلستان آیا تو یہاں بڑے بڑے شہروں کے علاوہ ملک بھر میں بارہ جینکا بھی موجود تھے۔ جنگل کی چاندی نے انگلستان پہنچ کر نہ صرف دولت میں بے شمار اضافہ کیا بلکہ اس کی رفتار بھی بہت تیز کر دی (برک)

ہمارے خیال میں یہ بڑی دولت جو ہم نے ہندوستانی تجارت کو حاصل کی ہو ایک نہایت ہی ظالمانہ اور جاہلانہ دستور العمل ہو گیا ہوئی ہو ایسا دستور العمل جس کی نظیر کسی ملک میں ملتی ہو کسی زمانہ میں۔ (ایلیٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کی یادداشتیں)

سرری اندازہ کے ساتھ، بڑی آسانی سے دعویٰ کیا جاسکتا ہو کہ جنگ پلاسی اور جنگ ڈائر وکے درمیانی زمانہ میں ہندوستان سے انگلستان کو پندرہ ارب روپیہ جا چکا تھا۔ (یجر وینکلیٹ)

ہندوستان، انیسویں صدی میں انگلستان کو کم سے کم ایک ارب ۵۰ کروڑ روپیہ بے چکا ہو۔ ہمارے ہم وطنوں (انگریزوں) کا ۳۰ کروڑ روپیہ ہندوستانی تجارت میں لگا ہو۔ اس طرح ہندوستان کی تجارت ہمارے لئے دنیا کے تمام ملکوں کی تجارت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہو۔ ہندوستان میں ہمارے حوصلہ مند جو باؤں ادبے شمار فیروں کو روٹی مل رہی ہو۔ دنیا کے ہر گوشہ میں ہمارے ملک کو ہندوستان کا قبضہ بہت زیادہ طاقتور، با عزت، اور با اثر بنا رہا ہو۔ تمام اعلیٰ خیالات، سیاسی حکمرانی اور تہذیب کے فرائض سے قطع نظر کہ ہم اس نیمہ پرستے ہیں کہ ہندوستان کو ہمیشہ اپنے قبضہ میں رکھنا چاہو۔ انگریز بھاری سے بھاری قربانیاں کرنے کو طیار ہیں مگر یہ سونے کی چڑیا تھی حال میں بھی اپنے ہاتھ سے اوٹنے نہیں دیں گے! (یجر وینکلیٹ صفحہ ۱۷۷)

ہندوستان نے ہمارے لئے سب کچھ کیا ہو کہ زمین پر ہیں یا ہی ہم انسانانہ جزیرہ بنایا ہو جیسا جاپان کو اس کے جزائر نے ہم اتنی بڑی سلطنت ہم کو ملنے کے لئے ہمارے لئے کچھ نہ کی تھی۔ اس احسان پر ہیں ہندوستان کا ہمیشہ شکر گزار رہنا چاہئے۔

(سراج برٹوڈ)

ہندوستان کا ہمیشہ خون چوستے رہنا چاہئے۔

(لارڈ سائبرس صفحہ ۱۷۷)

میں پوری ستانت سے اعلان کرتا ہوں کہ گورنمنٹ کے مظالم کو الا بار کی مخلوق نہا ہوگی اور ملک برباد کر ڈالا گیا۔ موجودہ گورنمنٹ نے ملک اور اس کے باشندوں کو غفلت اور ذلیل کر ڈالا ہو۔ (فرانسس براؤن: سیلک کمیٹی رپورٹ صفحہ ۱۷۷)

ہندوستان کا نظارہ، دماغ پر افلاس اور اندرونی کا اثر قائم کر دیتا ہو۔ ملک سے زیادہ اس کے عام باشندے اس داس ہیں۔ وہ کمزور اور خستہ نظر آتے ہیں۔ ان کے کپڑے میلے کھیلے پٹے پڑتے ہیں۔ وہ سب غریب معلوم ہوتے ہیں اور محض ایک ٹکڑا روٹی پانے کے لئے جان توڑ محنت کرتے ہیں، وہ لاغر اور مرجھاتے ہوئے ہیں۔ (سرفریڈرک ٹروٹن صفحہ ۱۷۷)

برطانوی ہند کی دیہاتی آبادی کی حالت کیا ہو؟ اب وہ اس مطمئن اور خوش دھرم قوم کی نمائندگی نہیں کرتی جس کا حال ہم قدیم تاریخوں میں پڑھتے ہیں۔ ششکے، روج، پست دماغ، خستہ حال، غریب رعیت کی ایک بھی آواز نہ ملے گی کہ آئندہ فصل لینے تک وہ بھولوں مرجائے۔ (دی تھری پریسیڈنسی رپورٹ انڈیا)

آج ہندوستان کی عام آبادی اس قدر قلاش ہو رہی ہو کہ اس کے پاس بشکل قوت لاہوت باقی ہو۔ عیش و عشرت تو درکنار ہندو بشکل اپنے بال بچوں کی کیم پڑی کر سکتا ہو۔ (لارڈ لائسن صفحہ ۱۷۷)

برطانوی صنعت بڑھانے کے لئے ہندوستانی دستکاری کا گھنگھڑا بڑے فخر کے ساتھ انگریزی تدبیر قرار دیا جاتا ہو۔ حالانکہ یہ برطانوی قسادت کا ایک بہت ہی بڑا ثبوت ہو۔ اس سے واضح ہوتا ہو کہ اپنے ملک کی ترقی کے لئے انگریزوں نے کس طرح جنگی اور محصول لگا ہندوستان کی صنعتی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ (مشرور)

۱۸ سے ۳۰ سال کی عمر والی ہندوستانی عورتیں بہترین ستوتھ تھیں۔ روپیہ ہجروں کی روٹی سے ہم میل سے بھی زیادہ لبنائست طیا کر سکتی ہیں۔ (جیس ٹیلر)

وہ انگریزی حلی ہی تھا جسے چوڑا ہلاک کر دیا۔ انگلستان نے ہندوستان کے بازااروں سے ہندوستانی کپڑے بے دخل کر دیا۔ اسے اس ملک میں اپنا ستوت بھینا شروع کیا، یہاں تک کہ دیسی ستوت فاق ہو گیا۔ یہ ملک جو روٹی کا مرکز تھا، دیسی ستوت کا دست نگر ہو گیا۔ ۱۷۷۷ء تک ہندوستان میں انگریزی ستوت کی درآمد ایک سے شروع ہو کر ۲۰۰ لاکھ گنا ہو گئی! (کارل ارس، برٹش رول ان انڈیا)

ہمارا تعلق ہندوستان سے بہت گہرا ہو۔ دنیا میں یہ ملک سب سے بڑا زار ہو۔ ہم وہاں ہمیشہ ماجرے کرتے ہیں۔ باوجود موجودہ ناز و نیاز ہم انھیں اس کے ہادی ہندوستانی حکومت ایک آدمی بنا کر قائم ہو چکے ہیں انھیں میں بیان کیا جاسکتا ہو کہ ہم ہندی حکومت قائم ہو چکے ہیں انھیں میں بیان کیا جاسکتا ہو کہ ہم ہندی حکومت

کریں، تم ہمارا مل خریدو۔ اگر ہم ہندوستان چھوڑیں تو اس سے ہندوستان ہندوستان نہیں ہو کہ نقصان ہو چکے گا بلکہ لٹکا شاز کے ایک کروڑ ۲ لاکھ آدمی بھوکوں مرجائیں گے اور ہادی تمام صنعتی زندگی تم ہو جائے گی۔ تمام باؤں کا ہمارے پاس صرف ایک ہی جواب ہو اور وہ یہ کہ ”کچھ ہی ہو ہادی قوم کو زندہ رہنا ہو“! بغیر ہندوستان کی تجارت اور دستکاری پر قبضہ نہ کئے یہ قوم اس تنگ جزیرہ میں کسی طرح بھی زندہ نہیں ہو سکتی۔ (مشرور ص ۱۷۷)

موافق موسم میں سال بھر خرچ کرنے کے بعد... ۱۸۰۰ء میں غلہ ہندوستان میں بچ رہا تھا۔ (مٹھلے کشن کی رپورٹ ص ۱۷۷)

مسلمان میں بنگال دنیا کا سب سے زیادہ مالدار آباد اور زمین ملک تھا۔ (بنگال کی تحقیقات صفحہ ۱۷۷)

گورنمنٹ نے کڑوں پر اتنا زیادہ لگان لگا دیا ہو کہ ان کے ان کے بال بچوں کی سال بھر کی خوراک بھی اکثر نہیں بچتی۔ (سرفریڈرک ٹروٹن صفحہ ۱۷۷)

جنگل کا جانے کی وجہ سے ہندوستان کے باشندوں پر دہشتی مصیبتیں اور بڑھ گئیں۔ ایندھن کا فقدان اور بارش کی کمی۔ (بیرون ہن بورڈ)

انگریزی سلطنت کے آغا نہیں ہیں ہندوستان کے جنگل تیزی سے برباد کر ڈالے گئے۔ (پروڈکشن ان انڈیا)

جنگل، قوی دولت کا ایک بہت اہم سرچشمہ ہیں جنگل، اس پیدا کرتے ہیں اور موسم کا آواز پڑاؤ روک کر اعتدال قائم کرتے ہیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں گرمی اور بارش بہت ہوتی ہو جنگل کی اہمیت کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ (۷۷)

اگر کے ہمیں ہندوں کا ایک ایسا بڑا سلسلہ قائم کیا گیا تھا جیسا پہلے تھی۔ (کیپر صفحہ ۱۷۷)

فیروز شاہ نے اپنے ہمیں دیادوں پر تیس ہندوستان کے تھے پانی محفوظ رکھنے کے لئے ۲۰ عظیم انسان حوص بنائے تھے اور ایک اتنی بڑی نہر کھدوائی تھی جو اپنے وقت میں سب سے بڑی نہر تھی۔ (۷۷)

دہلی کی نہر، جسے شہنشاہ شاہجہاں نے بنوایا تھا، نہایت ہی وسیع اور مضبوط تھی۔ (ڈوڈ)

نوسے جنوبی ہندوستان میں گجرات سے اس کمادی تک ایسے عظیم انسان اور غیر معمولی مالاہوں کے نشان اب تک موجود ہیں کہ انھیں بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (فرانسس براؤن)

ہندوستان کے نام نہاد ”جی“ بڑے حکمران اور ممالک کی صنعت کے کاموں پر اپنی دولت خرچ کرتے تھے جس سے اس زیادہ میں پوری یورپین جنگی قوت قائم ہو سکتی تھی۔ (دی تھری پریسیڈنسی رپورٹ ص ۱۷۷)

[illegible]



مل میں خیانت کی۔ خدا مال فرستوں کہے ٹٹا۔ خدا غیابی  
کتاب میں حقائق کے حق مقرر کر کے بیان کر دے ہیں۔ مگر تو نے  
خدا کے حکم پر عمل نہیں کیا۔ لیکن علی نے ہیں اپنے حق کے لیے  
کے لئے برابر لڑا جو خدا نے ہمارے لئے مقرر کر دے ہیں۔ مگر افسوس  
تھاری لڑائی نے انھیں ہارنا بتلایا مگر کون کی ہمت ہی نہ دی۔  
میں نے تیرا مال نہیں اٹھا کر احسان جتا ہوں۔ میں تو صرف اپنا حق  
انگھتی ہوں۔ ہم دوسروں کا حق لینا جائز نہیں سمجھتے۔ آہ! تیرے  
دانت لوٹیں اور تیری مصیبت سخت ہو جائے تو اپنی زبان پر علی کا  
نام لاتا ہوں!

پھر وہ رونے لگیں۔ یہ شہزادی زبان پر تھو:

آلایا عین دیکھ اسعدینا الادابی امیر المؤمنینا  
ہاں لے آئے تیرا تیرا بھلا ہوا ہمارا ساتھ دے۔ ہاں امیر المؤمنین پر خوب  
آنسو بہا!

زینا خرم رجب الطایا وفادہا من رجب السفینا  
ہم نے اُس سب سے اچھے کو لکھ لیا جو کبھی گھوڑوں پر یا کشتیوں  
پر سوار ہوئے۔

ومن لبس الغال ادا عذالاً دن قرآن الثانی والشیئا  
اور جنہوں نے زمین پر قدم رکھا اور جنہوں نے قرآن پڑھا۔  
اذا استقبلت وجہ الی حسین رایت البدر اذ انظرنا  
حسین کے باپ کا چہرہ دیکھنا، بدکال کا دیکھنا جو جوت کھینچنے  
والوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہو۔

ولادہ الاملا النسی علیا وحسن صلاتہ فی الزکینا  
نہیں داد اللہ، علی مجھے قبول نہیں سکتا، نہ کر کے والوں میں  
اُس کا اچھی ناز و محبت لکھی ہوں۔

اُنی الشہر الحرام فحتمنا بئیر الناس طرا اجینا  
تم نے اہل حرم میں سب آدمیوں سے اچھے آدمی کو مار کر ہمیں مصیبت  
میں ڈال دیا!

معادیہ نے انھیں ہزار دینار دیدئے اور کہا:  
”بھوپتی! اسے جس طرح چاہو خرچ کرو۔ پھر جب کبھی ضرورت پڑے  
اپنے پیسے کو لکھنا، وہ ہر طرح تمھاری مدد کرے گا۔“



بجائی، خیر! انھیں میں قبول نہیں کرتی تھی (رب جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے)  
شفیت وحشی غلیل صدی شفیت نفسی وقتیت نذری  
(لے وحشی (قاتل عمرو) تو نے میرا دل ٹھنڈا کیا۔ میری منت پوری  
کر دی۔

فشر وحشی ملتی عری حتی تغیب علی فی قری  
”وحشی! کاشکے عمر بھر مجھ پر واجب ہو، یہاں تک کہ میری  
پڑیاں قبر میں غائب ہو جائیں۔  
تیری ماں کے جواب میں میں نے کہا تھا:  
یا بنت رطل عظیم الکفر خزیت فی بدو فیر بد  
لے بیوقوف بڑے کافر کی بیٹی! بد میں اور ہر دلوں میں تجھ کو مٹا  
لے۔

صبوح امد قبل الفجر بالماشین الطوال الزہر  
خدا تم پر صبح سے پہلے، دراز قد و خوبصورت و شیش کی فارت گری  
نازل کرے۔

بکل قطار حطم نفی حوز لشی و علی صغری  
تیغ براس سے تجھے کاٹے۔ حوز، میرا شہر اور علی میرا بازو۔  
ہتک وحشی حجاب ہتر اللبغیا بعدل من فخر  
وحشی نے بے پردگی کر ڈالی۔ اب فاحشہ خورقوں کے لئے تیرے  
بعد کوئی فخر آتی نہیں رہا۔

”تمھارا بڑا بھائی! امیر معاویہ نے عمر بن العاص اور مردان بن  
الحکم سے کہا: تمہیں نے اس خلع کو مجھ پر خفا کر دیا اور یہ اجنبی  
پھر اندی سے مخاطب ہوئے:

”بھوپتی! اسی ضرورت بیان کرو۔ معاذ اللہ! یہ کمر اس پر کوہ  
”مجھے دہزار، دہزار، دہزار، پورے ہزار دینار دو، اور  
لے ملا لیا۔“

”مجھے دہزار کس لئے؟“ امیر نے سوال کیا۔  
”میں عاتق بن عبد المطلب کے خاندان کے لئے کھیتی کی زمین میں  
کنواں خریدوں گی عاتق نے جواب دیا۔

”تم نے بہت خوب سوچا، امیر نے کہا۔“ اور دیکھ دہزار؟“  
”خاندان عبد المطلب کے نو جوان کی شادی کرو گئی۔“  
”بہت خوب! اور تیرے دہزار؟“

”میں نے لڑائی اور زنا سے بیت اللہ کے خوب کئے۔“  
”بہت خوب خیال ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تمھاری خاطر اپنے  
منظر ہو۔ امیر نے خوشاد سے کہا۔

تمھاری دیر چپ ذکر امیر نے پھر سوال کیا،  
”بھوپتی! علی مجھ سے کہے کہ تم پر کونسا عذاب ہے؟“  
”میں نے جو وہ اللہ کے لئے تو جواب دیا۔ علی، اللہ اور اللہ کا  
خدا کے حکم پر چلتا تھا۔ مگر تو نے اپنی اہانت صانع کر دی۔ خدا کے

## احرار اسلام

### عہد اموی کی اسلامی سہولت

اردی بنت الحارث ابن العطل

ایک موسم حج میں صنعت العراء دی بنت الحارث بن عبد المطلب  
امیر معاویہ بن ابی سفیان کے دوبار خلافت میں حاضر ہوئی۔

”میرے بیٹھے! تو کیسا ہو؟“ اردی نے کہا۔ تو نے مذکر کی بنت

سے کفران کیا۔ اپنے بجائی (یعنی امیر المؤمنین علی علیہ السلام) کے حق کا

لٹا نہ کیا۔ اپنے نام کے سوا ایک نیا لقب اختیار کیا (یعنی امیر المؤمنین

کالقب) دوسرے کے حق پر قابض ہو گیا (یعنی خلافت پر) حالانکہ

میں نہ خود تو نے کوئی خدمت کی، نہ تیرے ابا و اسلاف نے۔ تم

نے محمد علی امیر علیہ السلام کے لئے جوئے حق سے اعراض و انکار کیا تھا

اسیر خدا نے تمھاری فستیں بگاڑ دیں۔ یقین ذلیل و خوار کیا۔ حق، حق

دادوں تک پہنچ گیا۔ امد کا بول بالا ہوا۔ اگرچہ مشرکوں پر یہ ظفر نہ

بت شاق تھی۔ اس میں میں ہم اہل بیت کا درجہ اور حسب لوگوں

سے زیادہ ہو۔ بنی علی امیر علیہ السلام اس حال میں فوت ہوئے کہ مغفود

روح تھے، خدا کے حضور میں معز و پسندیدہ تھے۔ آپ کے بعد ہم اہل

بیت کے ساتھ تم نے وہ برتاؤ کیا جو قوم موسیٰ کے ساتھ خاندانِ نوح

نے کیا تھا کہ ان کے مردوں کو قتل کرتے تھے اور مردوں کو زندہ رکھو

تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارا شہزادہ بعد نہ سکا۔ ہم

پر کوئی سختی بھی آسان نہ ہوئی۔ ہماری انتہا، جنت ہو۔ تمھاری آواز

دور نہ ہو!۔

”مگر اگر تمہارا! عمرو بن العاص جو دوبار میں موجود تھو، بے اختیار

پکار اٹھے ”اپنی زبان روک، شرم سے آنکھ نہ مچھو کر“

”لوگوں! تیری ماں سے! اردی نے غصے سے کہا۔

”عمرو بن العاص! لوگوں نے جواب دیا۔

”انھوں نے کہا۔ تو مجھ سے بولنے کی جرأت کرتا ہو! اپنے عیب

مجھے پہنچے۔ اپنی خیریت سنا۔ داد تو قریش میں نہ تو قابض

مب تب رکھتا ہو نہ اچھی اہلیت کا لکھ ہو۔

”جو تو نے لڑا ہوا مردان بن الحکم نے کہا۔ تیری بیانی بھی

بڑی عقل کے ساتھ جا چکی ہو۔ تیری شکایت مجھ میں نہ۔

”صاحب! اسے تم بھی بولے! اندکی نے کہا۔“ اور اللہ کے

زادہ تو سہیل بن الحارث بن کلاب سے زیادہ مشہور ہو۔

پھر وہ تنہا کی طرٹ مخاطب ہوئیں:

”طالع ہی لوگوں کو تو نے ہم پر جرات دلائی، حالانکہ

تیری ماں! اندکی لڑائی میں عمرو کے قتل کے بعد کہتی تھی۔

علی جزنا تک بزم ۴۴ والمغرب ایم الحرب ذاتا حمر

ہم نے تم سے جنگ جیتا کر لے لیا۔ لڑائی، لڑائی کے دن کا ک

کی طرح شعلے کھیتی ہو

امام حسن و علی بن ابی طالب

نہیں دیکھا آپ تھا، پھر مجھ میں نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ لاپرواہی





# دہلی کے نامی اور ناموس مشہور و مقرب مقبول خاص عام اسم بھائی

ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی کا

عیدم المثل نادر الوجود سرائی تحفہ

”ہمدرد، دہلی“

ماہ الحکم دوا آتشہ

تار کا کافی پتہ

زندگی جیسی غیزا در پاری جزیرہ وہ ظاہر ہو لیکن تندرستی ہی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے طاعت بلکہ بیکار ہو۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہر کچھ ہو۔ اگر آپ کو تندرستی کی تندرست اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشید کیا ہوا مارلیم استعمال کیجئے اور پری میں شباب کا طعم اٹھائے یہ امر تو مسلم ہو کہ مارلیم معوی ادرج ہو، بدن میں پتی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا نکھارنا مزاج کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا مارلیم خصوصیت کے ساتھ پریوں کو جوان اور جوانوں کو جوان بنا دیتا ہے اس لئے کہ نادر اور دریش قیمت اور معوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطور خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کئی نہیں ہو بلکہ مایع شفا و الملک بہادر غفران باب رئیس اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب مدرج نے بصرہ رفادہ عام ”ہمدرد و دوا خانہ“ کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ مارلیم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیجئے نامہ توین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے کہ مستعدہ اور پودا فاکہ ایک جلد میں ہوتا ہے۔ پہلے کو صرف اپنی لغافلہ اور خوش بیاہی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض اُمیدیں ہم کو اپنی سچی ہمدردی کے انکار کا کوئی موقع نہیں دیتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے

مارلیم کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہو سگائے! اور آزمائے! تجربہ بتائے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچی ہو مشک اُنت کو خود بیوید۔ قیمت بھی بہ منظر ہمدردی پا پھر دہلی کی بولی مقرر کی گئی ہے۔ ملاہ میں کے چند قسم کے حلوسے معوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پونے افعال و خواص آپ نہرت میں ملاحظہ فرمائے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوا میں اس دوا خانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ نہرت مشہور معجزہ تیار ہو مفت طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ۔ میجر ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی

میجر ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی

حیرت انگیز رعایت

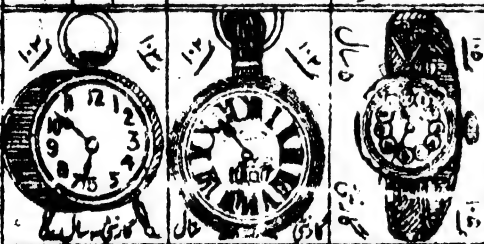
پچھرو روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

محض لڑک اور بیکنگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے کمرہ کے لئے + بیوی کے لئے

قابل گولڈن سٹوانج ایسے ریگولیر کلوچی شہر عالمی تیار ہیں



نئے ڈرائی کی خوشامیسی کل سٹریس عرصہ مضبوط دیکھنے میں عرصہ بہت پہلے آچا

اور تیار ہیں کہ قیمت تین گھنٹہ کی قیمت تین گھنٹہ کی قیمت تین گھنٹہ کی قیمت تین گھنٹہ کی قیمت

مخالف سادہ سادہ آواز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز تیز

محض لڑک اور بیکنگ بھی معاف محض لڑک اور بیکنگ بھی معاف محض لڑک اور بیکنگ بھی معاف

یہ وہ گرائیڈ آپ کو کثرت لذت فراہم صرف دس روپے میں بھی مائیں کی رعایت بخش

مال کی ناکامی اور کم کاشت کی وجہ سے کہ اور رعایت ہی وقت تک سبکی

جب کہ یہ گھڑیاں شاکریننگ کے لئے تیار ہیں کہ وہ تیار ہیں کہ وہ تیار ہیں کہ وہ تیار ہیں

ہمیں یہ ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہو جائے اسٹاک کی فراہمی کی نہیں ہو سکے۔

نوٹ: ایک دو گھنٹہ کی خرید کیلئے کوئی رعایت نہیں ہو کہ اسٹاک ختم ہو جائے

ایک دو گھنٹہ کی خرید کیلئے کوئی رعایت نہیں ہو کہ اسٹاک ختم ہو جائے

## اشتہار کے لئے

گھسکر آزماؤ

دورے تولستونا

رنگ دیکھو

جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس نسخے کی نہایت خوبصورت نازک نقش چڑیاں جرمنی سے نکل آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ ان کے اندر رنگین چوڑیاں آجاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرد اور اوقات کے گینے چڑے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ و رونق میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی دیتی ہے۔ صفت نازک کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ ڈھائی روپیہ میں پانچ سو روپے کا کام بخلا جاسکتا ہے۔ ہر سال کی موجود ہیں کئی کی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتی ہیں جلد نکلائے تاکہ اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔ آٹھ چوڑیاں (میں گولڈن سٹوانج) پوسٹ میں بھرا لائے

# ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں  
دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON LONDON S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے تعلیم آوار، پرانی تعلیمی اور ملبوم کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے عکس،  
اور نقوش، پرانے زوہر، آوازیں و ترمین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی  
عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش  
مکاہوں اور عوام کی فریشتیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے یہاں  
ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام جہتوں سے غیر معمولی سعادت و سہامی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔  
دنیا کے تمام تعلیم و تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران  
ترکستان، چین، وغیرہ ملکوں میں پہلے ایسے ہی ذخیرہ گردش کرتے رہے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتیں خوب انجیز مدد تک انداز ہیں!

بر عظم لورپ، ایرک

اور

مشرق

کے تمام شعبے طبعی علم، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرنے  
لیتے ہیں۔ تاہم کے نئے اور ان شاہی کے نوادر بھی حال میں ہم سے منگوا سکتے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں

تو

آپ فرحت کرنے کے لئے ہیں، پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت  
مکمل ہر کام اسفری یا مقامی ایجنٹ یا پھر آپ کے

# اگر آپ

علم و کتب کی دھند اور دست طلب کی کوتاہی کو گہرا لگے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو  
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W. 1.**

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے  
اور جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور متحدہ ممالک میں شائع  
ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ  
شرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں  
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں  
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے قلم  
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کی مسلسل سلاسل  
بچھونے کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ  
قیمتی سے قیمتی ادب سے سستے سے ایشین  
آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں  
ہمارے یہاں ہر طرح  
بلکہ ہرگز ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالفتح محمد صاحب کی یہ تحریر طبع اول میں شائع ہوئی تھی جس کا راجی  
میں نظر بند تھا۔ جس طرح اس تحریر کا یہ حال اسلامی احکام کی روشنی میں  
کچھ کہیں افراس کے لئے استعمال کی جا سکتی ہو؟ اور اس کا نام نہ ملاحظہ  
کئے کہیں طبع اپنی عبادت گاہوں کا دوزخ دارہ بلا امتیاز و مذہب و ملت تمام  
نوع انسانی پر مکمل دیا ہو؟  
قیمت ہر دینار (اسٹال کلکتہ)

اگر آپ کو

دم

ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی ہیئت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب

دوا فروش کی دکان

فوراً

ایکٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگو اگر کھجئے  
استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہونا

گاڈ بک

کی ضرورت ہو

جو  
انگلستان کے تمام شہروں، سٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، قسوں کا ہو

قابل دید مقامات

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کرنے

نیز

جس وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جا سکیں  
کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی

مکمل گاڈ بک

ڈنلاپ گاڈ بوک گریڈ برٹن

The Dangle guide  
to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہو

ہندوستان

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے  
بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے ہنگامہ سال میں مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین فائین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ نکالنا پڑے

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی

بھر کام دے سکتا ہو

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں

سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جہاں آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے



اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

## دنیا کے ہر معلم اور شاہرو فی تعلیم کیلئے

ضرب

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی سلسلہ

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اچے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وسیع تبصرہ

کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رقبہ کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اچے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

## ہرونو مواد اینڈ کو۔ برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو کم کمائوں کے میوز کو خشک کرنے اور یہاں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مدرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

باد رکھیے

میوزوں، توکاروں اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کے بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بیچیں، نئی نئی ایجادات سے اچے ملک کو آشنا کریں، تھری سی محنت اور تھری سا سرمایہ لیکر ایک رقیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھری سا وقت خرچ نہ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HABAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA  
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

# الحق والعدل

قلمی پریکٹ

# الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

|                        |   |   |            |
|------------------------|---|---|------------|
| قیمت سالانہ مع محصول   | - | - | بارہ روپیہ |
| ہندوستان سے باہر کیلئے | - | - | سولہ روپیہ |
| قیمت شش ماہی           | - | - | سات روپیہ  |
| قیمت فی پرچہ           | - | - | پانچ آنہ   |

( ۱ ) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”منیجر الہلال“ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لغافہ پر ”ایڈیٹر“ کا نام ہونا چاہیے۔

( ۲ ) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔

( ۳ ) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

( ۴ ) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔

( ۵ ) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔

( ۶ ) اگر آپ در تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں۔

( ۷ ) منی اڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کورن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھ دیں۔

( ۸ ) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرامے، ( مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا۔

# الْمِلَال

ایک ہفتہ وار مصور سال

نمبر ۲۱

کلکتہ : جمعہ ۱۵ جمادی الاول ۱۳۴۶ ہجری

جلد ۱

Calcutta : Friday, 11, November 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں اَلْمِلَال  
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان  
دونوں میں سی جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سی ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔

## قارئین اَلْمِلَال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۵۹۸ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

|     |                        |     |                              |
|-----|------------------------|-----|------------------------------|
| ۴۳۰ | اردو حروف کی حق میں    | ۲۴۰ | عربی حروف کی حق میں          |
|     | حروف کی حق میں بشرطیکہ | ۵۹۵ | موجودہ مشترک طباعت کی حق میں |
| ۱۵۰ | نستعلیق ہوں            | ۲۷۳ | پتھر کی چھپائی کی حق میں     |

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کرینگے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔ اَلْمِلَال



( ہندوستان کی آبادی مذہب کے اعتبار سے )

| سنہ ۱۹۰۱ میں | سنہ ۱۹۱۱ میں | سنہ ۱۹۲۱ میں |             |
|--------------|--------------|--------------|-------------|
| ۲۰۷۰۵۰۵۵۷    | ۲۱۷۳۳۷۹۴۳    | ۲۱۹۲۹۰۹۲۰    | برہمن       |
| ۹۲۴۱۹        | ۲۴۳۴۴۵       | ۴۹۷۵۷۸       | آریا سماج   |
| ۴۰۵۰         | ۵۵۰۴         | ۹۳۸۸         | برہمر       |
| ۲۱۹۵۲۳۹      | ۳۰۱۴۴۹۹      | ۳۲۳۸۸۰۳      | سکھ         |
| ۱۳۳۴۱۴۸      | ۱۲۴۸۱۸۲      | ۱۱۷۸۵۹۹      | جین         |
| ۹۴۷۹۷۵۹      | ۱۰۷۲۱۴۵۳     | ۱۱۵۷۱۲۹۸     | پردھ        |
| ۹۴۱۹۰        | ۱۰۰۰۹۹       | ۱۰۱۷۷۸       | پارسی       |
| ۹۲۴۵۸۰۷۷     | ۹۹۹۴۷۲۹۹     | ۹۸۷۳۵۲۳۳     | مسلمان      |
| ۲۹۲۳۲۴۱      | ۳۸۷۹۲۰۳      | ۴۷۵۴۰۹۴      | عیسائی      |
| ۱۸۲۲۸        | ۲۰۹۸۰        | ۲۱۷۷۸        | یہودی       |
| ۸۷۱۴۰۴۸      | ۱۰۳۳۶۲۲۹     | ۹۷۹۲۹۱۵      | دوسرے مذاہب |

( ہندوستان کی آبادی جنس کے اعتبار سے )

| مرد      | عورت      | کل ہندوستانی صوبوں |
|----------|-----------|--------------------|
| ۱۹۳۹۹۵۵۴ | ۱۵۴۹۴۹۹۲۹ | کی آبادی           |
| ۲۰۸۷۰۷۴۹ | ۲۱۴۸۲۳۹   | مدارس              |
| ۱۰۱۷۹۹۹  | ۹۱۷۲۵۰    | بمبئی              |
| ۲۴۱۵۱۲۲۲ | ۲۲۵۴۴۳۱۴  | بنگال              |
| ۲۳۷۸۷۷۴۵ | ۲۱۵۸۸۰۴۲  | یوپی               |
| ۱۱۳۰۹۲۹۵ | ۹۳۷۸۷۵۹   | پنجاب              |
| ۹۷۵۹۹۹۹  | ۹۴۵۵۲۲۳   | برما               |
| ۱۹۷۹۳۸۹۹ | ۱۷۲۳۸۳۲۳  | بہار اور سیسہ      |
| ۹۹۵۱۳۹۹  | ۹۹۹۱۳۹۱   | صوبہ متوسط         |
| ۳۹۹۱۱۰۹  | ۳۹۴۵۱۲۱   | آسام               |
| ۱۲۲۹۳۱۶  | ۱۰۲۲۰۲۴   | صوبہ سرحدی         |

( ہندوستان کی آبادی زبانوں کے اعتبار سے )

|          |           |
|----------|-----------|
| ۹۹۷۱۴۳۹۹ | ہندوستانی |
| ۴۹۲۹۴۰۰۹ | بنگالی    |
| ۲۳۹۰۱۴۹۲ | تیلگو     |
| ۱۸۷۹۷۸۳۱ | مرہٹی     |
| ۱۸۷۷۹۵۷۷ | تامل      |
| ۱۹۹۳۳۵۹۹ | پنجابی    |
| ۱۲۹۸۰۵۹۲ | راجستانی  |
| ۱۰۳۷۳۲۰۴ | کناری     |
| ۱۰۱۴۳۱۶۵ | ارڑیا     |
| ۹۵۵۱۹۹۲  | گجراتی    |
| ۸۴۲۳۲۵۹  | برہمی     |

ہندوستان میں ۱۴۷ - زبانیں بولی جاتی ہیں - ۲۳ - زبانیں دس لاکھ آدمیوں سے زیادہ کے استعمال میں ہیں -

( ہندوستان میں بیوائیں سنہ ۱۹۲۱ میں )

عورتوں کی مجموعی تعداد : ۱۵۴۹۴۹۹۲۹  
بیواؤں کی مجموعی تعداد : ۲۹۸۳۴۸۳۸

## ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی ' عمرانی ' اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے ؟

( ۲ )

( برطانی شہنشاہی کی قومیں )

( مجموعی آبادی ۴۴۹۲۳۰۰۰ )

|           |             |
|-----------|-------------|
| ۲۴۴۳۰۳۰۰۰ | ہندوستانی   |
| ۵۷۵۳۰۰۰   | عرب         |
| ۱۵۵۰۰۰۰   | افغان       |
| ۱۰۰۰۰۰    | پارسی       |
| ۱۰۸۴۰۰۰   | یہودی       |
| ۳۱۵۰۰۰۰   | دوسری قومیں |

( یورپی )

|          |                                           |
|----------|-------------------------------------------|
| ۹۴۲۷۹۰۰۰ | برطانی ' فرانسیسی ' کینیڈی ' بوئر ' وغیرہ |
|----------|-------------------------------------------|

( سیاہ فام )

|          |                  |
|----------|------------------|
| ۴۹۱۹۹۰۰۰ | نیگرو            |
| ۹۱۵۰۰۰۰۰ | ہندوستانی        |
| ۹۹۷۰۰۰   | پاپونس           |
| ۹۰۰۰۰    | آسٹریلیا کے دیسی |

( زرد فام )

|         |             |
|---------|-------------|
| ۹۵۵۹۰۰۰ | ملایو وغیرہ |
| ۷۸۹۰۰۰۰ | برہمی       |
| ۹۱۰۰۰   | ترک         |
| ۲۳۰۸۰۰۰ | چینی        |
| ۳۰۰۰۰۰  | تبتی        |
| ۵۳۰۰۰   | موئر        |
| ۱۵۹۰۰۰  | دیسی امریکن |

( دنیا کی آبادی ہر مربع میل کے حساب سے )

|     |                     |
|-----|---------------------|
| ۳۷۵ | انگلینڈ             |
| ۳۱۰ | جرمنی               |
| ۲۵۵ | جاپان               |
| ۱۸۹ | فرانس               |
| ۱۷۷ | ہندوستان            |
| ۱۰۵ | چین                 |
| ۹۴  | روس                 |
| ۳۱  | ولایات متحدہ امریکا |

(بیرواؤں کی تعداد عمر کے اعتبار سے)

| ۵ برس کی | ۵ برس سے | ۱۰ برس تک کی | ۱۵۱۳۹   |
|----------|----------|--------------|---------|
| ۱۰       | ۱۰       | ۱۰۲۲۹۳       | ۲۷۹۱۲۴  |
| ۱۵       | ۲۰       | ۵۱۷۸۹۸       | ۹۶۶۹۱۷  |
| ۲۰       | ۲۵       | ۱۵۱۹۰۴۷      | ۲۳۵۴۱۲۲ |
| ۳۰       | ۳۵       | ۲۲۳۲۵۶۹      |         |

(دنیا کے مختلف ملکوں میں شرح اموات ہر ہزار انسانوں میں)

| آبادی    | سنہ ۱۹۲۱ میں | سنہ ۱۹۲۵ میں |
|----------|--------------|--------------|
| امریکا   | ۱۰۰۰۰۰۰۰     | ۱۲۶۹         |
| انگلینڈ  | ۴۵۴۰۰۰۰۰     | ۱۴۶۶         |
| فرانس    | ۳۹۲۰۹۵۱۸     | ۱۳۶۷         |
| جرمنی    | ۶۰۰۰۰۰۰۰     | ۱۶۶۴         |
| جاپان    | ۶۱۰۸۱۹۵۴     | ۱۶۶۲         |
| ہندوستان | ۳۱۹۳۶۱۰۰۰    | ۲۴۶۲         |
| ناروے    | ۲۶۰۰۰۰۰۰     | ۱۳۶۲         |
| نیزیلینڈ | ۱۲۰۰۰۰۰۰     | ۹۶۵          |
| سویڈن    | ۶۰۰۰۰۰۰۰     | ۱۳۶۸         |

(شرح پیدائش سنہ ۱۹۲۱ء میں)

| امریکا   | ۱۹۶۵  |
|----------|-------|
| انگلینڈ  | ۲۲۶۴  |
| فرانس    | ۱۸۷۵  |
| جرمنی    | ۲۳۶۵  |
| جاپان    | ۲۴    |
| ہندوستان | ۳۱۶۸۳ |
| نیزیلینڈ | ۲۱۶۹۴ |

(دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں اوسط عمر سنہ ۱۹۲۵ء میں)

| (سال) | انگلینڈ اور ویلس |
|-------|------------------|
| ۵۱۶۵  | ۵۵۶۵             |
| ۶۰۶۰  | ۴۸۶۵             |
| ۴۷۶۴  | ۴۷۶۰             |
| ۴۴۰۳  | ۲۳۶۷             |
| ۲۳۶۷  |                  |

(دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں بچوں کی شرح اموات فی ہزار)

| انگلینڈ اور ویلس | ۵۷  |
|------------------|-----|
| فرانس            | ۸۵  |
| بلجیم            | ۱۰۷ |
| جرمنی            | ۱۰۸ |
| اسپین            | ۱۴۵ |
| ایتلی            | ۱۶۱ |
| جاپان            | ۱۶۶ |
| ہندوستان         | ۱۹۴ |
| نیزیلینڈ         | ۴۵  |

(ہند)

ہند عورتوں کی مجموعی تعداد : ۱۰۵۸۲۱۸۲۵

ہند بیرواؤں کی مجموعی تعداد : ۲۰۲۵۰۰۷۵

(مسلمان)

مسلمان عورتوں کی مجموعی تعداد : ۳۲۳۸۹۸۳۸

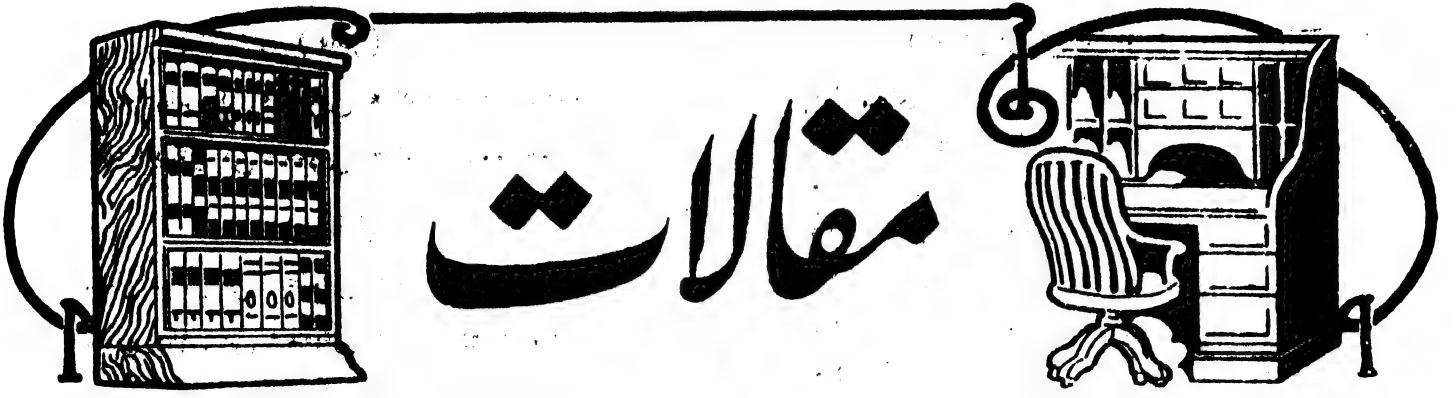
مسلمان بیرواؤں کی مجموعی تعداد : ۴۷۱۲۵۶۳

(عورتوں میں بیروائیں)

| مدارس          | ۴۰۴۹۸۱۲  |
|----------------|----------|
| بیمبئی         | ۱۹۸۱۸۴۹  |
| بنگل           | ۴۴۴۴۰۵۰  |
| پور بی         | ۳۷۴۹۵۳۳  |
| پنجاب          | ۱۲۳۷۷۰۵  |
| برما           | ۷۳۱۷۳۹   |
| بھارت          | ۳۲۱۱۳۱۰  |
| عربہ متوسط     | ۱۱۵۵۸۹۲  |
| آسام           | ۵۷۳۳۰۱   |
| کل برطانوی ہند | ۲۱۰۳۰۵۰۰ |

ہندوستان میں ایتھنک گروپ کی تعداد (سنہ ۱۹۲۱ء میں)

| کل برطانوی ہندوستان میں | آسام | بھارت | برما  | پنجاب | پور بی | بنگل  | بیمبئی | مدارس | عربہ  |
|-------------------------|------|-------|-------|-------|--------|-------|--------|-------|-------|
| ۴۴۶۷۳                   | ۲۱۸۷ | ۲۰۸۵  | ۲۳۳۴  | ۶۲۸۵  | ۴۱۱۱   | ۴۸۳۷  | ۱۱۱۰۲  | ۵۸۰۲  | ۵۰۳۵  |
| ۲۸۲۳۴                   | ۱۵۶۵ | ۱۲۱۸  | ۱۲۰۳  | ۵۲۸۸  | ۱۸۵۹   | ۲۳۳۸  | ۷۷۹۱   | ۳۲۵۸  | ۳۵۰۴  |
| ۹۳۶۴۳                   | ۳۱۱۵ | ۷۶۰۵  | ۱۱۴۲۲ | ۹۴۴۷  | ۱۱۷۹۲  | ۱۴۳۱۱ | ۱۸۹۳۹  | ۶۵۰۲  | ۱۱۹۴۷ |
| ۶۱۷۸۳                   | ۲۲۵۵ | ۵۲۰۲  | ۷۲۲۴  | ۵۴۳۰  | ۶۵۲۱   | ۸۳۶۷  | ۱۲۳۲۵  | ۴۲۳۰  | ۹۴۳۷  |
| ۱۸۰۹۵۹                  | ۳۷۴۷ | ۱۵۰۱۴ | ۱۳۸۵۲ | ۱۱۳۲۵ | ۲۹۱۶۶  | ۵۰۷۷۹ | ۱۸۷۰۲  | ۱۹۹۶۹ | ۱۸۲۳۰ |
| ۱۸۶۱۷۶                  | ۳۴۵۹ | ۲۲۴۸۲ | ۱۴۳۱۴ | ۱۳۱۹۸ | ۲۴۴۹   | ۵۴۲۹۳ | ۱۴۷۶۶  | ۱۸۰۸۹ | ۱۸۲۶۷ |
| ۹۲۱۸۰                   | ۳۲۰۸ | ۴۴۵۰  | ۷۸۴۲  | ۶۵۸۹  | ۱۱۸۸   | ۱۰۱۰۶ | ۱۱۴۴۸  | ۵۵۳۵  | ۱۱۶۰۹ |
| ۲۲۹۴۲                   | ۱۱۰۲ | ۳۷۹۶  | ۲۷۵۴  | ۳۱۷۶  | ۴۳۹    | ۲۱۹۰  | ۴۰۰۳   | ۲۴۴۸  | ۳۹۸۹  |



## مستشرقین اور استشرق

(عربوں اور اہل یورپ کے علائق)

عربوں کا اہل یورپ سے تصادم اور اتصال اُس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب عربوں نے شام و مصر اور دوسرے رومی مقبوضات پر فاتحانہ اقدام کیا تھا۔ اسپین اور پرنگل کی فتح نے عربوں کو خود یورپ میں پہنچا دیا۔ پھر جب دوسری، تیسری، اور چوتھی صدی ہجری میں بنو امیہ نے اپنی خلافت اندلس میں قائم کر لی، تو یورپ سے تعلقات آہل یورپ زیادہ ہو گئے۔ تیسری صدی میں جزیرہ سسلی کی فتح اور جنوبی اٹلی میں عربی اثر نے یہ تعلقات آہل یورپ سے وسیع کر دیے۔

اس کے بعد صلیبی جنگوں کے زمانے میں تصادم و اتصال نہایت سخت ہو گیا۔ اہل یورپ مشرق کا تمدن، اخلاق، اور علوم دیکھ کر دنگ ہو گئے۔ مال و جان کے بے شمار نقصان کے ساتھ، تمدنی، علمی، اخلاقی فوائد بھی بے شمار حاصل کیے۔ بہت سے صلیبی مجاہدین نے عربی زبان کی باقاعدہ تحصیل کی۔ ان کے متعدد امراء اور سپہ سالار عربی زبان اور عربی تمدن کے دل سے حاسی ہو گئے۔

(یورپ پر عربوں کا علمی اثر)

یورپ میں عربی زبان اور تمدن کی مقبولیت کا آغاز اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ یورپ کے مختلف ممالک سے طالب علم اسلامی اسپین میں آتے تھے اور مسلمان اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ خود پوپ سلوسٹر دوم، جو سنہ ۹۹۹ ع میں پاپائیت کے منصب پر پہنچا، عربوں کا شاگرد تھا۔ اس نے قرطبہ اور اشبیلیہ میں مسلمان علماء سے ریاضی، ہیئت، اور جغرافیہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اسی طرح شاہ لیون اور اسٹوریا نے بھی قرطبہ میں علم طب حاصل کیا تھا۔

رائٹر کا بیان ہے کہ قدیم زمانے میں تمام یورپین پادشاہ، عرب اور ان کے شاگرد یہودی اطباء اپنے درباروں میں رکھتے تھے۔ اور اسپین اور اُس کے پڑوسی ممالک کے بکثرت مسیحی باشندے بھی عربی زبان کی تحصیل کرتے تھے، تاکہ عربی سلطنت میں ملازمت حاصل کر سکیں یا عربی ممالک میں تجارت کریں۔

(مسیحی تبلیغ اور عربی زبان)

چودھویں صدی کے اوائل میں مغربی زبان کے لیے یورپ میں ایک خاص سرگرمی پیدا ہو گئی۔ روم کے پوپ نے قرن وسطیٰ میں رومانیت کا ایک نیا نظام جاری کیا تاکہ ایشیا، افریقا، اسپین، اور سسلی کے غیر مسیحی باشندوں میں مسیحیت کی تبلیغ کی جائے۔ لیکن تجربے سے معلوم ہو گیا کہ اس مقصد میں کامیابی نہیں

برطانی ہندوستان میں شرح پیدائش و موت سنہ ۱۹۲۲ ع

| کل برطانوی ہند | آسام    | بنگلہ دیش | پنجاب    | پٹنہ     | بھارت    | مدیراس   | موزم     |
|----------------|---------|-----------|----------|----------|----------|----------|----------|
| ۲۴۱۳۶۹۰۲۶      | ۶۸۵۲۲۴۲ | ۱۳۹۱۲۷۶۰  | ۳۴۰۰۲۱۹۸ | ۱۰۸۲۲۶۱۸ | ۲۰۵۱۷۶۰۶ | ۴۵۳۷۵۷۸۷ | ۴۶۵۲۲۴۹۳ |
| ۳۱۰۴۴          | ۳۱۰۴۴   | ۳۱۰۴۴     | ۳۱۰۴۴    | ۳۱۰۴۴    | ۳۱۰۴۴    | ۳۱۰۴۴    | ۳۱۰۴۴    |
| ۸۳۱۷۴۰۳        | ۲۱۲۷۵۵  | ۳۱۲۷۶۸    | ۱۲۱۴۱۴۶  | ۳۱۲۷۶۸   | ۸۲۱۶۸۵   | ۱۵۷۳۸۱۰  | ۶۷۹۳۲۱   |
| ۲۸۴۹           | ۲۷۳۰    | ۳۲۵۹      | ۲۹۶۱     | ۲۱۵۱     | ۲۸۲۹     | ۲۵۹      | ۲۷۵۳     |
| ۱۸۸۴۳۳         | ۱۸۴۳۳   | ۳۳۴۵۰     | ۱۵۸۲۰    | ۱۹۷۵۲    | ۲۱۲۵۹    | ۱۹۱۶۰    | ۱۹۰۳۶    |
| ۶۸۷۷۹۲۸۶       | ۱۸۷۱۲۷  | ۳۳۴۵۰     | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    |
| ۴۰۰۷۴۶۲        | ۱۳۱۹۸   | ۳۳۴۵۰     | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    |
| ۲۹۳۷۰۷         | ۱۹۱۸۲   | ۳۳۴۵۰     | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    |
| ۵۵۳۸۰          | ۹۷۸     | ۳۳۴۵۰     | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    | ۳۳۴۵۰    |
| ۴۳۳۷۸۲         | ۲۸۹۲۶   | ۲۴۶۴۹     | ۲۷۴۱۲    | ۵۴۳۸۸    | ۱۱۰۹۸    | ۱۱۰۹۸    | ۱۱۰۹۸    |

مشاہدے کے لیے بھیجے۔ ہر ایک کے ساتھ ایک مصرعہ بھی کر دیا تھا، تا کہ ہر جگہ کی تصویریں اور نقشے طیار کرتے جائیں۔ یہ تمام معلومات، تصویریں، اور نقشے، ادبسی کے پاس جمع ہوتے رہے، یہاں تک کہ بادشاہ کی آرزو پوری ہو گئی، نیز صفدی نے لکھا ہے کہ بادشاہ، ادبسی کی اُحد تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اُسے اجازت دے رکھی تھی کہ وہ اپنی سیاری ہی پر دربار تک چلا آیا کرے اور خود بادشاہ کے ساتھ تخت پر بیٹے!

(سب سے پہلا مطبوعہ قرآن)

اسی طرح اٹلی کے دوسرے امراء و سلاطین

کو بھی عربی زبان سے بہت محبت تھی۔

فرڈینک دوم (جو چھٹی صلیبی کا سپہ سالار تھا) عربی میں پوری طرح ماہر تھا۔ اسی قدر نہیں بلکہ مطبع کی ایجاد کے بعد ہی اٹلی کے کئی علم دوست امرائی خاندانوں نے مشرقی اور عربی کتابوں کی طباعت بھی شروع کر دی۔ بحر ادبائیک پر پہلا مطبع شہر رانو میں قائم ہوا (سنہ ۱۶۲۳) یہ مطبع خاندان منڈیسس نے قائم کیا تھا۔ اس میں قرآن مجید اور عربی زبان کی متعدد طبی و علمی کتابیں چھاپی گئی تھیں۔

(عربی کتابوں کے ترجمے)

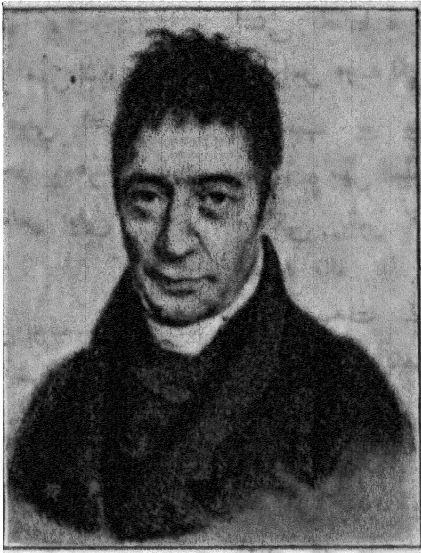
اٹلی کی تقریباً تمام بڑی بڑی تعلیم گاہوں میں اُس وقت عربی اساتذہ درس دیتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ یورپ میں سب سے پہلے اٹلی ہی نے عربی زبان کی قدر کی، اور اُس سے فائدہ اُٹھایا۔ لاطینی زبان میں بہت سی عربی کتابوں کے ترجمے کیے گئے۔ بقراط اور ارسطو وغیرہ کے عربی ترجمے اور شرحیں ترجمہ ہوئیں۔ گروتو کریمونا نامی ایک اٹالین نے ستر سے زیادہ علمی کتابیں عربی سے لاطینی میں منقل کی تھیں۔ اصل عربی کتابیں اب مفقود ہیں۔ مگر یہ ترجمے موجود ہیں۔

(پادریوں کا مدرسہ)

سنہ ۱۵۸۴ء میں پوپ گیرگوری سیزدہم نے روم میں پادریوں کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ نے عربی زبان کی بہت خدمت کی۔ اس کے تعلیم یافتہ لوگوں میں جبل لبنان کے تین نوجوان، جبرائیل صیہونی، ابراہیم حلاقانی، سمعان سمعانی بھی تھے۔ انہوں نے بہت سی عربی کتابیں لاطینی میں ترجمہ کیں۔

(اسپین اور پرتگال)

یہ عجیب بات ہے کہ اسپین اور پرتگال نے عربی زبان سے بہت کم دلچسپی لی۔ حالانکہ اسپین میں کامل آٹھ سو برس تک عربی تمدن قائم رہ چکا تھا۔ عربی عہد میں اندلس کی سرکاری اور ملکی زبان عربی تھی۔ خود اسپینی امراء بھی عربی سیکھنے اور بولنے کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ مگر پھر بھی اسپینیوں کو کوئی خاص شغف عربی سے نہیں ہوا۔ مسیحی اسپین میں پہلا عربی مدرسہ طلیطلہ میں قائم ہوا۔ یہ گیارہویں صدی مسیحی کے



سائبردی ساسی  
جس نے جدید مشرقیات کی بنیاد رکھی

ہو سکتی جب تک کہ مبالغہ مشرقی زبانوں خصوصاً عربی میں مہارت حاصل نہ کریں۔ چنانچہ سنہ ۱۳۱۱ء میں پوپ اکلیمانس پنجم کی زیر صدارت رائٹا میں کانفرنس منعقد ہوئی، اور اُس نے فیصلہ کیا کہ فرانس، انگلستان، اٹلی، اور اسپین کے علمی مرکزوں میں، عربی، عبرانی، اور سریانی زبانوں کی باضابطہ تعلیم جاری کی جائے۔

(فرانس کا مدرسہ طب)

اس سے پہلے مزنبلیہ (فرانس) میں ایک طبی مدرسہ سنہ ۱۲۲۰ء میں قائم ہو چکا تھا۔ اُس میں تعلیم کا تمام دار و مدار اندلسی علماء پر تھا۔ عربی زبان کی باقاعدہ تعلیم ہوتی تھی تاکہ طبی و عقلی علوم کی تحصیل کامل طور پر ہو سکے۔ سنہ ۱۳۶۱ء میں وسطی یورپ کی پہلی یونیورسٹی کراکر (پولینڈ) میں قائم ہوئی۔ اس کے چار سال بعد رائٹا کی یونیورسٹی وجود میں آئی۔

(اسلامی فلسفہ اور مسیحی کلیسا)

اس کے بعد جب یورپ میں تعلیم گاہوں کی کثرت ہو گئی تو سامی زبانوں، خصوصاً عربی کی تعلیم بہت عام ہو گئی۔ مگر اب پادریوں کی جماعت عربی سے خوف کھانے لگی تھی۔ ابن رشد، ابن سینا، رازی، ابن زہر، وغیرہ حکماء اسلام کی تصانیف، اُن کے خیال میں کفر و الحاد کا منبع تھیں۔ اس لیے وہ طالب علموں کو بڑی سختی سے ان تصانیف کے درس و مطالعہ سے روکتے تھے۔

(اٹلی میں عربی زبان کی مقبولیت)

لیکن پادریوں کی یہ مخالفت زیادہ کار آمد نہیں ہوئی۔ عربی زبان اور کتابوں کا شوق برابر ترقی ہی کرتا گیا۔ چنانچہ اُسی زمانے میں اٹلی کے بعض امراء، عربی زبان کے اس قدر دلدادہ ہو گئے تھے کہ اُسے اپنی تحریر و تقریر کی زبان قرار دیدینا چاہتے تھے۔ اُن کے محفلوں میں عربی زبان کے سوا کوئی دوسری زبان سنی نہیں جاتی تھی۔ اُن کے درباروں میں عرب علماء کا ہجوم رہتا تھا۔

(شاہ سسلی اور شریف ادبسی)

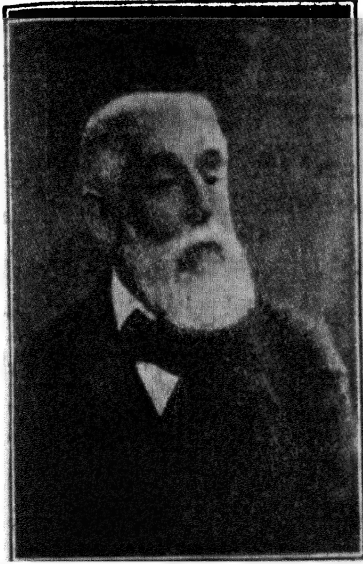
ان امراء میں رجوت دوم شاہ سسلی بہت زیادہ مشہور ہے۔ یہی وہ بادشاہ ہے جسے شریف ادبسی نے چاندی کا کرہ نذر کیا تھا۔

اس میں زمین کے پہاڑ، سمندر، اور اقلید میں صاف صاف دکھائی گئی تھیں۔ نیز اسی کے نام پر ادبسی نے اپنی مشہور کتاب "نزهة المشتاق في اختراق الآفاق" تصنیف کی تھی۔ ادبسی نے اس بادشاہ کی بہت تعریف لکھی ہے، اور اُسے رزم کے بادشاہ سے زیادہ عادل اور نیک بتایا ہے۔

صفدی نے "الوافي بالوفيات" میں لکھا ہے کہ "بادشاہ نے ادبسی کو طلب کر کے کہا تھا۔ میں زمین کے چشم دید حالات معام کرنا چاہتا ہوں نہ کہ صرف کتابوں میں لکھے ہوئے حالات۔ چنانچہ ادبسی کے مشورہ سے بادشاہ نے عقلمند آدمی دنیا کے مختلف ممالک کے



ایگن کاترمیر  
جس نے مقدمہ ابن خلدون شائع کیا



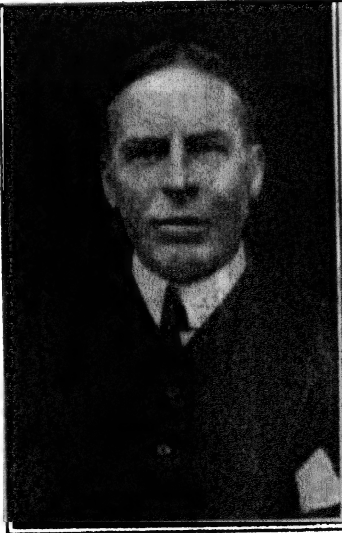
ہر ویگ فون نیتزک

جس نے پچاس کتابیں عربی ادب و تاریخ کی شائع کیں۔ اس کے بعد روس، انگلستان، اور اٹلی نے بھی اہم ترجہ کی۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ سولہویں صدی سے یورپ کی ہرنیورسٹی میں، خصوصاً انگلستان، جرمنی، اور ہالینڈ کی درس گاہوں میں عربی زبان داخل نصاب ہو چکی تھی۔

(ائمہ مستشرقین)

یورپ کو مشرقی زبانوں سے جو شغف رہا ہے، اُس کا ایک نمایاں ثبوت اُن مستشرقین کا وجود ہے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی ان علوم کے لیے وقف کر دی ہے۔ بہت سے مستشرق متعدد مشرقی زبانوں کے عالم تھے۔ مثلاً جرمن اوتلف مشرق و مغرب کی ۲۵ زبانوں کا عالم تھا۔ سلوسٹر دی ساسی فرنج مستشرق بیس زبانوں میں ماہر تھا۔ یہی حال سولڈز لینڈ کے ران برسمی اور جرمن معقق ہومل کا تھا۔ دچ عالم کوزلی سات زبانوں میں اس طرح انشا پردازی کرتا تھا، گویا اُس کی مادری زبانیں ہیں۔ یہی حال ہنگریس پروفیسر ویمبری کا تھا۔ وہ ہنگریس، ترکی، عبرانی، اور لاطینی زبانوں کا مستند عالم تھا۔

یورپ نے صرف عربی کے مدارس قائم کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ مشرقی زبانوں کی بحث و تحقیق کے لیے علمی انجمنیں بھی قائم کیں۔ سب سے پہلے سنہ ۱۷۷۸ع میں ہالینڈ نے بتاریا (جارہ) میں اس قسم کی انجمن قائم کی تھی۔ پھر سنہ ۱۷۸۴ع میں ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں قائم ہوئی۔ سنہ ۱۸۰۵ میں ایک ایسی ہی انجمن بمبئی میں بنائی گئی۔ پیرس کی انجمن سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہ سنہ ۱۸۲۲ع میں قائم ہوئی۔ اس کے بانیوں میں یورپ کا مشہور ترین مستشرق اور عربی زبان کا فاضل، سلوسٹر دی ساسی تھا۔ اسی سے جرمن، دچ، سولڈش، اور اٹالین مستشرقین نے استفادہ کیا۔ درحقیقت انیسویں صدی میں عربی زبان کا یورپ میں سب سے بڑا علم بردار یہی شخص تھا۔ اس نے عربی کی تحصیل علماء یورپ کے لیے نہایت اُسار کر دی۔

جی۔ بی۔ پی۔ ڈی۔ ہارپ  
مشہور انگریز مستشرق

اراٹل کا واقعہ ہے۔ پھر سنہ ۱۲۵۴ع میں، اشبیلیہ میں ایک عربی لاطینی تعلیم گاہ بھی جاری ہو گئی، مگر کوئی خاص ترقی نہ ہو سکی۔

(عربی کتابیں یورپ نے کب سے جمع کرنا شروع کیں؟) پندرہویں صدی یا چودھویں صدی سے یورپین قوموں نے عربی کتابیں مشرقی ملکوں سے خریدنا شروع کیں۔ لوئس نہم شاہ



دروزی جس نے قاہرہ کا قلمہ مرتب کیا

فرانس نے سب سے پہلے عربی کتب خانے قائم کرنے کی رسم جاری کی۔ یہ خیال اُسے اس طرح پیدا ہوا کہ صلیبی جنگوں کے زمانے میں بعض یورپین نے دیکھا تھا کہ مسلمان بادشاہوں کے پاس بڑے بڑے کتب خانے ہیں، جن میں بیٹھکر وہ بہ اوقات فرصت کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے ہیں۔ لوئس نہم نے یہ سنا تو اُس نے خود بھی اپنے لیے ایک کتب خانہ قائم کیا۔ یہ واقعہ تیرہویں صدی کا ہے۔ اس کے بعد لوئس چہاردہم نے ایک آسٹرون عالم نو مشرقی ممالک میں خاص اس غرض سے بھیجا کہ اُس کے لیے کتابیں خریدے۔

اس طرح انیسویں صدی کے وسط ہی میں یورپ میں عربی کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔ کم سے کم دو لاکھ پچاس ہزار قلمی کتابیں کتب خانوں میں داخل ہو گئی تھیں۔

(یورپ میں عربی کتب خانے)

یورپ اور امریکا میں عربی کے بڑے بڑے کتب خانے بہت سے شہروں میں موجود ہیں۔ ذیل میں صرف چند کے نام ذکر کیے جاتے ہیں:

لینن گراڈ، برلن، پیرس، لندن، لیڈز، مونیخ، رائٹا، لیڈن، آکسفورڈ، ایڈنبرا، ڈبان، کیمبرج، نیویارک، شیکاگو، کلیفرنیا وغیرہ۔

ہر کتب خانے میں مرتب و منضبط فہرستیں موجود ہیں۔ ہر کتاب پر مفصل تقریظ لکھی گئی ہے۔ بعض فہرستیں عام ہیں اور اُن سے ایک نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کون کون کتاب کس کس کتب خانے میں موجود ہے؟ یہ کتب خانے برابر ترقی کر رہے ہیں۔ نادر سے نادر کتابیں غیر معمولی جد و جہد اور صرف کثیر سے جمع کی جاتی ہیں۔

(عربی کی باقاعدہ تدریس)

یورپ کو دینی تعصبات سے جب نجات ملی اور اُس کی جگہ ملک گیر کی ہوس نے لیلی، تو عربوں اور دوسری مشرقی قوموں کے علوم و آداب سے واقفیت پیدا کرنے کی عام طور پر ضرورت محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ اٹھارہویں صدی کے اواخر میں علم المشرقیات نے ایک منظم علم کی صورت اختیار کر لی، اور



کمپوزسٹ اپنے نظریہ کو صرف ایک جملہ میں بیان کر سکتے ہیں - ”سرمایہ دارانہ نج کی ملکیت کی منسوخی“

ہم کمپوزسٹس کو ملامت کی جاتی ہے کہ ہم شخصی ملکیت منسوخ کر دینی چاہتے ہیں جو محنت سے حاصل کی گئی ہے اور جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ شخصی آزادی، جماعتی جد جہد، اور قومی خود مختاری کی بنیاد ہے۔

”بڑی دشواری سے حاصل کی ہوئی، خود کمائی ہوئی، خود جمع کی ہوئی ملکیت!“ کیا اس قول سے تمہارا مقصود چھوٹے چھوٹے سرداگروں اور کسانوں کی ملکیت ہے جو سرمایہ دارانہ ملکیت کا ہیروئی پیش کرتی ہے؟ ہمیں اس کے منسوخ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صنعت کی ترقی نے خود ہی اسے منسوخ کر دیا ہے اور برابر کر رہی ہے۔

یا تمہارا مقصود موجودہ سرمایہ دارانہ ملکیت ہے؟

کیا اجرتی محنت، یعنی مزدور کی محنت خود مزدور کیلئے کوئی ملکیت پیدا کرتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ وہ تو صرف ”سرمایہ“ پیدا کرتی ہے۔ یعنی ”ملکیت“ پیدا کرتی ہے جو اجرتی محنت سے فائدہ اٹھاتی ہے، اور صرف اسی حالت میں بڑھ سکتی ہے جبکہ اجرتی محنت کی نئی نکاس برابر ہوتی رہے۔ ملکیت اپنی موجودہ شکل میں سرمایہ اور اجرتی محنت کی باہمی نزاع پر قائم ہے۔ آؤ ہم اس نزاع کے دونوں پہلوں کی جانچ کر لیں!

سرمایہ داری فی نفسہ کوئی شخصی پیداوار نہیں ہے، بلکہ سراسر اجتماعی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ سوسائٹی کے بے شمار ارکان کے متحدہ عمل سے وجود میں آتی ہے۔

اسی طرح سرمایہ بھی شخصی نہیں ہے، بلکہ ایک اجتماعی طاقت کا نام ہے۔

لہذا جب سرمایہ، عام ملکیت کی صورت میں بدل دیا جاتا ہے، یعنی سوسائٹی کے تمام ارکان کی ملک بنا دیا جاتا ہے، تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ شخصی ملکیت عام ملکیت بنا دی گئی۔ کیونکہ یہاں شخصی ملکیت کا وجود ہی نہیں تھا۔ البتہ جو چیز بدلی جاتی ہے، وہ ملکیت کی صرف معاشرتی حیثیت ہے۔ یعنی ملکیت سوسائٹی میں اپنی انفرادی طاقت کھو دیتی ہے۔

اب ہم اجرتی محنت کا مسئلہ لیتے ہیں:

اجرتی محنت کی اوسط شرح کم سے کم ہے۔ یعنی مزدور کو اتنی رقم ملتی ہے، جس سے وہ بمشکل اپنی زندگی قائم رکھ سکتا ہے۔ پس اس طرح مزدور اپنی محنت سے جتنی اجرت حاصل کرتا ہے، وہ اتنی کم ہوتی ہے، جس سے لسانی نہایت سادہ زندگی کی ضمانت ہو سکتی ہے۔ ہم کسی طرح بھی محنت کی پیداوار کا یہ شخصی استعمال منسوخ کرنا نہیں چاہتے۔ ایسا استعمال جو انسانی زندگی کے بقاء اور درام نسل کیلئے ناگزیر ہے۔ البتہ ہم اس استعمال کی وہ افسوسناک حیثیت ضرور مٹا دینی چاہتے ہیں جسکی وجہ سے مزدور صرف سرمایہ بڑھانے کیلئے زندہ رہتے ہیں، اور صرف اتنے عرصہ تک زندہ رہتے ہیں، جتنک حکمران طبقہ کے مفاد کو انکی ضرورت رہتی ہے۔

سرمایہ دارانہ سوسائٹی میں ہمیشہ ماضی، حال پر حکومت کرتا ہے۔ لیکن کمپوزسٹ سوسائٹی میں حال، ماضی پر حکمران ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ سوسائٹی میں سرمایہ، آزاد اور مستقل

## ”کمپوززم“ اور اس کے مقاصد

(۳)

(مزدور اور کمپوزسٹ)

تمام پچھلی سوسائٹیز کی تعمیر، جیسا کہ بیان ہوا، ظالم اور مظالم جماعتوں کی باہمی دشمنی کی بنیادوں پر ہوئی تھی۔ لیکن کسی جماعت پر ظلم جاری رکھنے کیلئے کم سے کم یہ ضروری ہے کہ اسے ان حالات کی ضمانت دینی جائے، جو اسکا علامانہ وجود برقرار رکھ سکے۔ قدیم سوسائٹی میں یہ بات حاصل تھی، چنانچہ لگائی اسامیوں نے جاگیر داری کے عہد ہی میں نیابتی مجالس کی معبری کا حق حاصل کر لیا تھا۔ لیکن موجودہ سرمایہ دار عہد میں مزدوروں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ صنعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ بڑھنے اور اونچا ہونے کی جگہ اپنے معاشرتی حالات کے بہنر میں آ رہے ہیں زیادہ غرق ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ نان شبینہ تک کو محتاج ہو گئے ہیں۔ انکی محتاجی کہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ آبادی اور دولت کی ترقی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے!

پس یہ بات صاف ہے کہ اب سرمایہ دارانہ تر سوسائٹی کے اندر اپنی حکمران حیثیت برقرار رکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں، اور نہ اپنے جماعتی معاشرتی نظام کو بطور ایک برتر قانون کے اسپر عائد کر سکتے ہیں۔ اب وہ حکومت کرنے کے قابل ہی نہ رہے۔ وہ اپنے غلاموں کو انکے غلامانہ وجود کی بھی ضمانت نہیں دے سکتے۔ اب سوسائٹی ہرگز سرمایہ دار طبقہ کے ماتحت نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ اسکا وجود سوسائٹی کیلئے مفید نہیں رہا۔

سرمایہ دار طبقہ اور سرمایہ دار حکومت کی بنیاد اجرتی محنت پر ہے، اور اجرتی محنت کا دار و مدار مزدوروں کے باہمی مقابلہ پر ہے۔ صنعت کی ترقی، جسکا خود ساختہ اور ناقابل مقابلہ ایجنٹ سرمایہ دار ہے، مزدوروں کی باہمی پھرت کو ایک انقلابی اتحاد سے بدل رہی ہے، اور وہ انجمنوں کی صورت میں ظہور پذیر ہو رہا ہے۔

لہذا موجودہ صنعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ سرمایہ دار طبقہ کی وہ بنیاد بھی کٹ کٹ کر اس کے پیروں کے نیچے سے نکل رہی ہے جسپر اسکی پیداوار اور تصرف کا نظام قائم ہے۔ وہ اسکی پیداوار ہی ہے جو اب سب سے زیادہ اسکی دشمنی پر تل گئی ہے اور اسکی لاش کیلئے قبر کھود رہی ہے۔ سرمایہ داروں کا زوال اور مزدوروں کی فتح در برابر درجہ ہی اٹل چیز ہو گئی ہیں۔

(۴)

جب جب معاشرتی حالات میں کوئی تاریخی تبدیلی ہوئی ہے، تو تمام املاکی رشتوں میں بھی مسلسل تاریخی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ مثلاً انقلاب فرانس نے سرمایہ دارانہ ملکیت کی حمایت میں جاگیر دارانہ ملکیت منسوخ کر دی تھی۔

کمپوززم کی امتیازی خصوصیت عام ملکیت کی منسوخی نہیں ہے، بلکہ صرف سرمایہ دارانہ ملکیت کی منسوخی ہے۔ موجودہ سرمایہ دارانہ ملکیت ایک انتہائی اور کامل ظہور ہے پیداوار اور اس کے استعمال کے اس نظام کا، جو سراسر جماعتی نزاع اور باہمی تخریب پر مبنی ہے۔

شخصیت رکھتا ہے۔ لیکن زندہ انسان محکوم ہوتے ہیں اور اپنی شخصیت سے محروم رہتے ہیں۔

سرمایہ دار اس صورت حال کی منسوخی کو انفرادی شخصیت اور آزادی کی منسوخی بتاتے ہیں، بلاشبہ اس سے انکی مراد سرمایہ دارانہ شخصیت، سرمایہ دارانہ خود مختاری، اور سرمایہ دارانہ آزادی کی منسوخی ہے!

موجودہ سرمایہ دارانہ حالات پیداوار کے ماتحت آزادی کے معنی "آزاد تجارت" اور "آزاد خرید و فروخت" کے ہیں۔

لیکن اگر خود تجارت ہی مت جائے، تو آزاد تجارت کہاں باقی رہتی ہے؟ ہمارے سرمایہ دار جس طرح دوسری آزادیوں کے متعلق بے معنی ڈینگ مارا کرتے ہیں، اسی طرح آزاد تجارت کے متعلق بھی انکی ڈینگ بالکل بے معنی ہے۔ بلاشبہ جب مقید تجارت کے ساتھ یا قرون وسطیٰ کے مقید شہروں کے ساتھ اسکا موازنہ کیا جاتا ہے، تو اسے کچھ معنی ہوتے ہیں، لیکن جب سرمایہ دارانہ حالات پیداوار اور خود سرمایہ داروں کے ساتھ اسکا مقابلہ کیا جاتا ہے، تو وہ ایک بالکل بے معنی چیز رہ جاتی ہے۔

تم خوف زدہ ہو رہے ہو کہ ہم شخصی ملکیت منسوخ کر دینگے۔ مگر یہ تو سوچو، تمہاری موجودہ سوسائٹی میں ۱۰/۹ حصہ آبادی کی ملکیت پلے ہی سے منسوخ ہو چکی ہے، اور اب سوسائٹی کی بقاء کے لیے ناگزیر ہے کہ یہ باقی ایک حصہ کی ملکیت بھی جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ تم ہمیں ملکیت کے اس طرز کی منسوخی پر ملامت کرتے ہو، جس کے رجوع کی اولین شرط ہی یہ ہے کہ سوسائٹی کی بہت بڑی اکثریت بلا کسی ملکیت کے باقی رہے؟

سچ یہ ہے کہ تم ہمیں اس لیے ملامت کر رہے ہو کہ ہم تمہاری سرمایہ دارانہ ملکیت منسوخ کر دینی چاہتے ہیں۔ بے شک ہمارا یہی ارادہ ہے!

جس لمحہ سے محنت کی تبدیلی، سرمایہ، نقد روپیہ، اور لگان کی صورت میں نہ ہو سکے، جس لمحہ سے محنت ایک ایسی اجتماعی طاقت کی صورت میں بدلی نہ جاسکے جو اجارہ داری کے لائق ہو، جس لمحہ سے شخصی ملکیت کا سرمایہ دارانہ ملکیت میں تبدیل کیا جانا ناممکن ہو جائے؛ اسی لمحہ سے تمہیں راویلا کرنے کا حق ہے کہ کمیونسٹ "فرد" کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے، تو پھر تم گویا اعتراف کرتے ہو کہ "فرد" سے تمہاری مراد صرف "سرمایہ دار" ہے۔ یعنی صاحب جائداد۔ حالانکہ اس قسم کے فرد کو بلا شک مٹا دینا چاہئے!

کمیونزم کسی کو بھی اس کی اجتماعی پیداوار میں تصرف کی طاقت سے محروم نہیں کرتا۔ البتہ وہ سب کو اس طاقت سے ضرور محروم کر دینا چاہتا ہے جس کے ذریعہ وہ دوسروں کی محنت پر قابو حاصل کرتے ہیں۔

کمیونزم پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ شخصی ملکیت کی منسوخی کے ساتھ ہی ہر قسم کی جدوجہد بھی موقوف ہو جائیگی، اور سوسائٹی پر ایک عام اداسی اور کالہی چھا جائیگی۔ لیکن اگر حقیقت حال ایسی ہوتی تو سرمایہ دار سوسائٹی سستی کی وجہ سے اب تک کب کی برباد ہو چکی ہوتی۔ کپڑوں کے جو لڑک اس کے لیے محنت کرتے ہیں، وہ کچھ بھی نہیں پاتے، اور جو لڑک فائدہ اٹھا رہے ہیں، وہ کچھ بھی محنت نہیں کرتے۔

در اصل، تعلیم اعتراضات کا اصل بلب نہ ہے، بلکہ جب سرمایہ باقی نہ رہے گا تو اجرتی محنت بھی موقوف ہو جائیگی، اور اس طرح سرمایہ داری کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائیگا۔

جو اعتراض کمیونسٹ طریق پیداوار اور اس کے طریق تصرف پر کیے گئے ہیں، وہی اس کی دماغی پیداوار اور اس کے استعمال پر بھی کیے گئے ہیں۔ سرمایہ دار کے نزدیک جس طرح اس کے فرقہ کی ملکیت کا معدوم ہو جانا، خود پیداوار کی معدومی ہے اسی طرح سرمایہ دارانہ تہذیب کی بولہبی پوری تہذیب کی بربادی ہے!

وہ تمدن جس کے زوال پر سرمایہ دار یہ کچھ ماتم کر رہے ہیں، کیا ہے؟ وہ انسانوں کی بہت بڑی اکثریت کے حق میں ایک ایسا تمدن ہے، جو بے جان مشین کی طرح محنت کرنے کی طرف لے جاتا ہے!

تمہیں اس وقت تک ہم سے بحث کرنے کا حق نہیں ہے جب تک تم اپنی سرمایہ دارانہ ملکیت کی منسوخی کے خلاف اپنے خود ساختہ سرمایہ دارانہ اصول کی بنا پر اعتراض کرتے ہو۔ کیونکہ تمہارے یہ اصول بھی محض سرمایہ دارانہ حالات پیداوار اور سرمایہ دارانہ ملکیت ہی کے اندر بچے ہیں۔ عدل کیا ہے؟ صرف تمہاری جماعت کی خواہش کا نام ہے جسے قانون بنا دیا گیا ہے، اور جسے تمہاری جماعتی زندگی کے مادی حالات نے گڑھلیا ہے۔

گزشتہ حکمران طبقوں کی طرح تم بھی اس خود غرضانہ خیال خام میں پڑے ہوئے ہو کہ اپنے معاشرتی اصولوں کو فطرت و عقل کے اٹل قوانین کی صورت میں قائم کر دو۔ تم اپنے معاملہ میں کوئی نکتہ چینی سننے کو طیار نہیں۔ تم جو کچھ قدیم ملکیت کے بارے میں سمجھتے ہو، اس کے تسلیم کرنے کی جرات سرمایہ دارانہ ملکیت کے معاملہ میں نہیں کر سکتے۔

"خاندان کی منسوخی" زیادہ سے زیادہ جمہوریت پسند بھی کمیونسٹوں کی اس عجیب تجویز سے چراغ پا ہو جاتے ہیں۔

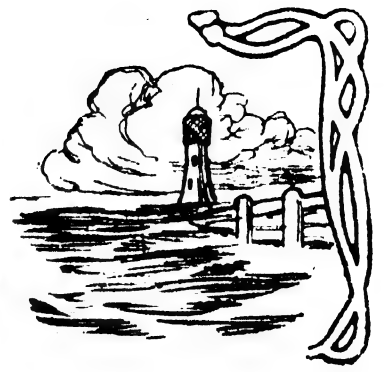
لیکن یہ تو غور کرو کہ موجودہ خاندان، یعنی سرمایہ دارانہ خاندان کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ سرمایہ پر اور شخصی ملکیت پر۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ اپنی پوری ترقی یافتہ شکل میں بھی خاندان کا وجود صرف سرمایہ داروں ہی کے لیے ہے؟ اور کیا یہ بھی صحیح نہیں کہ اپنی ترقی و تکمیل کے لیے اُسے مزدوروں کی خاندانی زندگی کی عام بربادی کی ضرورت ہے؟

تم ہمیں ملامت کرتے ہو کہ ہم اولاد کا خود غرضانہ استعمال رکنا چاہتے ہیں۔ ہم اس جرم کا اقبال کرتے ہیں!

تم کہتے ہو کہ ہم خانگی تعلیم کی جگہ معاشرتی تعلیم عام کر کے نہایت ہی پاک خاندانی رشتے بھی برباد کر ڈالتا چاہتے ہیں۔ لیکن کیا تم خود اس الزام سے بڑی ہو؟ کیا تمہاری تعلیم کو بھی تمہاری سوسائٹی نے مقید نہیں کر رکھا ہے؟ کیا موجودہ تعلیمی نظام میں سوسائٹی بالواسطہ یا بلا واسطہ مداخلت نہیں کر رہی ہے؟ کیا اسکولز اور کالجوں کے احاطوں میں تعلیم مقید نہیں ہو چکی ہے؟ تعلیم میں سوسائٹی کی مداخلت کچھ کمیونسٹوں ہی کی ایجاد نہیں ہے۔ وہ تو پلے سے ہی موجود ہے۔ کمیونسٹ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اس مداخلت کی نوعیت بدل دیں، اور تعلیم کو حکمران طبقہ کے اثر سے آزاد کر دیں۔



# بریکنگ



## یورپ میں ایک مشرقی درویش

علماء و اطباء کی حیرانی

طاہر بے جو زمین میں زندہ مدفون ہو جاتا ہے !

قارئین الہلال کو یاد ہوگا کہ گزشتہ سال ریوٹر ایجنسی نے پیرس سے یہ خبر شائع کی تھی کہ ”طاہر بے نامی ایک مشرقی درویش کے اعمال نے تمام پیرس میں دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں کی ایک جماعت نے اس کے اعمال کا مطالعہ کیا ہے، اور ان کے بے لاگ ہونے کی شہادت دی ہے“

آج کل یہ شخص انگلستان میں ہے۔ گریفک کے مقالہ نگار نے ایک مبسوط مقالہ لکھ کر اس کی شخصیت سے دنیا کا تعارف کرایا ہے اور اس کے مختلف اعمال و غرائب کی تصویریں بھی شائع کی ہیں۔ مقالہ نگار لکھتا ہے :

”پیرس میں گزشتہ دو سال سے وقتاً فوقتاً ایک پر اسرار شخصیت دیکھنے میں آئی ہے۔ یہ میانہ قد آدمی جس کے بدن کا رنگ زیتون کا سا اور تازہ سیاہ ہے، پوری مغربی نفاست کے ساتھ ملبوس رہتا ہے۔ اس کے مطمئن چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جوان نے بہت دنوں سے اپنے دل کی صفائی کا راز جان لیا ہے۔ یہ پر اسرار شخص مشہور درویش طاہر بے ہے، جس نے گزشتہ دہائی سال سے یورپ کو اپنے کمالات سے حیرت میں ڈال دیا ہے۔“



طاہر بے

یہ سنہ ۱۸۹۷ء میں طنجه میں پیدا ہوا۔ اسکی پیدائش کے وقت ہی اسکی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ اسلیے تعلیم و تربیت کے لئے قدیم دستور کے مطابق فقراء کے گروہ میں رکھ دیا گیا، اور اس طرح ابتدا ہی سے فقیروں کی آب و ہوا میں نشوونما پائی۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں قسطنطنیہ آیا اور ترکی لڑکوں کی طرح معمولی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اس نے عام طب پڑھ کر طبیب کی سند حاصل کر لی۔

اسکی زندگی خاموش مطالعہ اور غور و فکر میں گزری ہے، اور جب تک اس نے اپنے ابا و اجداد کا پر اسرار علم حاصل نہیں کر لیا،

لڑکوں کو اس کے کمالات کی کوئی خبر نہیں ہوئی۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں اس نے ایک جمعیت قائم کی جسکا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے تمام ڈاکٹروں اور فلسفیوں کے سامنے روحانیت کے مسائل اور تعارف پیش کرے۔

یورپ، جنوبی امریکہ، اور انگلینڈ کے بڑے بڑے شہروں میں طاہر بے نے صرف ڈاکٹروں ہی کو نہیں بلکہ عامۃ الناس کو بھی عجیب عجیب اعمال دکھلائے ہیں جنکی کوئی علمی ترجیحہ (بنک) نہیں کی جاسکی۔

پہلے پہل جولائی سنہ ۱۹۲۵ء میں یہ پیرس میں وارد ہوا۔ وہ چند ماہ اٹلی میں بھی گزار چکا تھا۔ روم، نیپلاس، پیلرمو، فلورنس، اور بولونا میں اس نے اپنے تجربے علم کے بڑے بڑے ماہرین کو دکھلائے تھے۔ کئی ہفتوں تک اطالوی اخبارات اس کے کارناموں سے لبریز رہے۔ روم میں ارکان حکومت اور سفارتی عملہ کے سامنے اس نے اپنے فن کے مظاہرے کیے۔ خود مسولینی نے بھی چند بار چنگی محل میں اس کا استقبال کیا تھا۔ شاہ وکٹر ایمینوئل نے بھی اپنے حضور میں بلایا۔ شاہ جارج پنجم نے بھی جو ان دنوں پیلرمو میں مقیم تھے، اس کے اعمال دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

پیرس میں پہلے علماء نے ایک خاص جلسہ میں اس کے کمالات کا مشاہدہ کیا تھا جہاں پیرس کے مشہور اخبارات کے نمائندے بھی بلائے گئے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ فرانسیسی علماء اس کے اعمال دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے اور متفقہ طور پر یہ رائے قائم کی کہ ”اس کے اعمال شعبہ بازی سے پاک ہیں“ لندن کے ایک بڑے تھیٹر میں بھی جہاں کی ایک کرسی بھی خالی نہیں رہی تھی، اس کے کمالات دیکھے گئے۔ چونکہ تقریباً تیس آدمی بیہوش ہو گئے تھے، اسلیے اسکا عام مظاہرہ بند کر دیا گیا؟ خود طاہر بے کا بیان یہ ہے کہ ”میرے کام میں کوئی شعبہ نہیں ہے۔ میں اپنے اسرار ظاہر کر دینے کے لیے راضی ہوں، مگر میرا دعویٰ ہے کہ سوائے خاص خاص فقراء کے اور کوئی شخص یہ کمالات حاصل نہیں کر سکتا“

وہ کہتا ہے ”فقیروں کی روحانی قوت بہت مضبوط ہوا کرتی ہے۔ انکی تعلیم تین مہینے کی عمر ہی سے شروع ہو جاتی ہے“

تیزی سے بڑھا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ خیال پیش نظر رکھ کر وہ اپنا مصر جانے والا ہے۔ وہاں وہ بڑے بڑے رفقوں کیلئے مدفنوں رکھنا چاہتا ہے۔ مجموعی وقفہ تین سال تک کا ہوگا۔ وہ کہتا ہے کہ اس عمل سے جسم آہستہ آہستہ متغیر ہو جائیگا مگر دماغ سو گنا زیادہ ترقی کر جائے گا!

طاہر کی عمر تیس سال کی ہے مگر علمی تجربوں کیلئے وہ اپنی زندگی کے پورے تین سال وقف کر دیگا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر دس پانچ برس آرٹل کئے، تو اس تجربہ کا موقعہ باقی نہیں رہیگا۔ جوانی گذر جانے کے بعد انسان اس طویل جسمانی سکون و جمود کی حالت برداشت نہیں کر سکتا۔

طاہر بے کے اعمال موجودہ انسانی فہم و ادراک سے بالاتر ہیں۔ وہ ایک ایسی راہ کا سالک ہے جسکا مغربی دماغ ادراک نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے چہرے، گردن، بازو، اور پیروں کو لرھے کی سلاخوں یا چھریوں سے چھید دیتا ہے۔ جب اس کے سینے سے خنجر باہر نکالا جاتا ہے تو نہایت تیزی سے خون کی دھار بہنے لگتی ہے۔ اور جب تماشائی یقین کر چکے ہیں کہ واقعی خون ہی ہے، تو وہ یکایک خون کا بہنا روک لیتا ہے۔ وہ اپنی نبض کی رفتار تیز اور سست کر سکتا ہے۔ وہ ایک ایسے تختہ پر جس پر لرھے کی نوکدار کیلیں جڑی ہوئی ہوتی ہیں، لیٹ جاتا ہے، اور ایک سو پچھتر باروند کا پتھر اس کے پیٹ پر رکھ کر لرھے کے بھاری ہتھوڑے سے چور چور کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ اٹھا کر کھڑا کر دیا جاتا ہے، اور ایک سکنڈ کے اندر اپنی اصلی حالت میں واپس آ جاتا ہے!



کیا پتھر کا تکرے تکرے ہو جانا کوئی نظر کا دھوکا یا شعبدہ ہے؟ بعض اشخاص کا خیال ہے کہ اس عمل کے دوران میں سب لوگ مسمریزمی عمل سے مسحور کر دیے جاتے ہیں، اور انہیں وہی نظر آتا ہے جو عامل چاہتا ہے!

گذشتہ سال لندن ٹھیٹر کے منیجر مسٹر شوبرٹ طاہر بے سے ملنے پیرس گئے تھے تاکہ امریکہ جانے کے معاملہ پر اس سے گفتگو کریں۔ لیکن اس کے سینے سے خون بہتا دیکھ کر انہیں غش آ گیا۔ وہ بہ مشکل اس لایق ہوئے کہ واپس آ کر اس کے مدفنوں کو دینے کا عمل دیکھ سکے۔ انہیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ فقیر ایک ساحر ہے۔

اگر یورپ کے علماء، مشرق کے قدیم نفسیاتی علوم سے واقف ہوتے، اور انہیں معلوم ہوتا کہ حبس نفس کی مشق علم وظائف اعضا (فزیالوجی) کے قوانین پر کیسا عجیب اثر ڈال سکتی ہے، تو وہ طاہر بے کے ان اعمال پر متعجب نہ ہوتے۔ اب سے تقریباً چار سو برس پہلے شیخ عبد الوہاب شعرانی نے قاہرہ میں خود اپنی آنکھوں سے یہ تمام اعمال دیکھے تھے، اگرچہ وہ انکی صحیح تعلیل نہ کر سکے۔

”زندگی کا ابدی معما حل کرنے کے لیے فقراء موت کی عمیق غار میں اترتے ہیں۔ جس طرح غراص سمندر کی تہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ان کی جسمانی موت، غفلت اور نسیان کی نیند کو ایک ایسی حد تک پہنچا دیتی ہے، جہاں سے جسم کے مرکب حصوں کی تفریق شروع ہو جاتی ہے، اور جہاں روح جسم سے الگ ہونا چاہتی ہے۔“

طاہر بے اپنے ابتدائی اعمال کی نمائش کے بعد اپنے آپ کو زندہ مدفنوں کو دینا ہے جس میں تماشائوں کی خواہش کے مطابق دس منٹ سے لیکر نصف گھنٹہ تک کا وقفہ ہوتا ہے۔ اس پر ایک سکنڈ کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کے کان، ناک، اور منہ روٹی سے بند کر دیے جاتے ہیں۔

اس کے بعد ایک تابوت میں لٹا کر اسے بالو سے بھر دیا جاتا ہے، اور تابوت زمین کے اندر دفن کر دیا جاتا ہے۔ جب وقت پورا ہو جاتا ہے تو تابوت نکالا جاتا ہے، اور چند سکنڈ کے بعد طاہر بے کا سکنڈ ختم ہو جاتا ہے۔ تابوت سے نکالے جانے کے وقت وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا اور جسم کا رنگ دھندلا مٹیلا ہو جاتا ہے۔ طاہر بے کے بیان کے مطابق رنگ کی یہ تبدیلی اس لیے واقع ہوتی ہے کہ جتنی دیر تک وہ تابوت کے اندر رہتا ہے، دوران خون بند ہو جاتا ہے۔ اس کا قول ہے کہ اگر اپنے آپ پر سکنڈ کی حالت طاری نہ کریں تو ہوا کے بغیر دس منٹ کے اندر مرجاؤں۔ بہت دن گزرے، دفن کا یہ طریقہ مصر میں بھی مروج تھا۔ ساحروں نے مجرموں کی سزا کے لیے یہ چیز

ایجاد کی تھی۔ کیونکہ زندگی کی قدر و منزلت جو دینی طور پر ضروری سمجھی گئی تھی، کسی انسان کیلئے سزائے موت جائز نہیں رکھتی تھی۔ مجرم صرف عارضی طور پر دفن کر کے پھر باہر نکال دیے جاتے تھے۔ تجربہ سے اندازہ کیا گیا تھا کہ اگر ایسی سزا متواتر دی جائے اور مجموعی سزا کا وقفہ ایک سال ہو جائے، تو مجرم کی عمر طبعی دو سال گھٹ جانی تھی، کیونکہ اس طویل جمود و سکوت کی حالت میں جسم کے رگ اور پتے تھک جاتے تھے، اور ان کی قوت کم ہو جاتی تھی۔

لیکن انہیں ساحروں کا یہ مقررہ بھی ہے کہ اگر یہ دوا چوڑی چھوٹی خوراکیں میں دی جائے تو بہت سے امراض کیلئے مفید ہوتی ہے۔

ایک مزید انکشاف طاہر بے کے تجربوں کیلئے باقی ہے۔ وہ یہ کہ جسم جب مٹی کے اندر مدفنوں ہو جاتا ہے تو دماغ کی نشرو نما



وہاں کی تمام تر بنیاد رضعیہ اور وضعیہ کے تعمق اور کاش پر ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں رضعیہ کا انہماک بڑھتا گیا، فطریہ کے فہم و ذوق کی استعداد کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آ گیا، جب لوگوں کے دماغ اسدرجہ رضعیہ اور وضعیہ طریق بحث کے عادی ہو گئے، کہ کسی اہم اور عظیم بات کو اُس کی سادہ اور سہل صورت میں دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ ذہن کی کاش پسندی جو علوم رضعیہ کے اشتغال کا لازمی نتیجہ ہے، آسان اور سہل مطالب کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ یہ صورت حال صرف قرآن ہی کو پیش نہیں آئی، بلکہ مختلف صورتوں اور حالتوں میں تمام صحف سماری کو پیش آچکی ہے، اور منجملہ اُن اسباب کے ہے جو ہمیشہ کتب و ادیان کی تحریف کا باعث ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ داعی قرآن (صلعم) نے اسے ”تعمق“ اور ”تنطع“ سے تعبیر کیا، اور فرمایا کہ ہلاکت کی راہوں میں سے ایک راہ یہ بھی ہے جیسا کہ متعدد موقوفات میں وارد ہے۔ یہ موقعہ تشریح کا نہیں۔ اگر آپ دقت نظر سے کام لیں گے تو ان چند جملوں کے اندر اصول تفسیر کی ایک اصل عظیم آپ کے سامنے آ جائیگی۔ یہ اصل عظیم نہ صرف تفسیر قرآن میں، بلکہ علم و نظر کے بے شمار گوشوں میں آپکی رہنمائی کر سکتی ہے۔ ذہن (انسانی) ”رضعیہ“ میں جس قدر کاش پسند ہوتا گیا ہے، اتنا ہی ”فطریہ“ سے دور ہوتا گیا ہے۔

بہر حال یہ دوسرا ”غیر قرآنی“ طریقہ اُن تمام طریقوں پر مشتمل ہے جو صدر اول کے بعد پیدا ہوئے۔ متکلمین مفسرین کا طریق تفسیر کم و بیش یہی ہے۔ کوئی اس طریقہ میں ایک خاص حد تک گیا ہے، کوئی بہت زیادہ دور تک۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی راہ کے شہسوار ہیں۔ ان کے بعد اکثر مفسرین نے دانستہ یا نا دانستہ انہی کا نقش قدم اختیار کر لیا۔ قاضی ابن رشد کی کشف الادلہ اور فصل المقال اور شیخ الرئیس کی بعض مختصر تفسیریں امام رازی اور مفسرین متکلمین سے پہلے لکھی گئی ہیں۔ اُن کے مطالعہ سے ہم معلوم کر لے سکتے ہیں کہ متکلمین اشاعرہ، فلاسفہ اسلام اور معززہ سے کتنا ہی انکار کرتے ہوں، لیکن وہ خود بھی اسی طریقہ کی پیداوار تھے۔ بہتر قسم کی نہیں۔ ناقص اور کمزور قسم کی پیداوار۔

ایک سخت بنیادی غلطی جو اس طریقہ کی مقبولیت کا باعث ہوئی، متاخرین کا یہ خیال تھا کہ وقت کی علمی ضرورتوں کیلئے سلف کا طریقہ سون منہ نہیں ہے۔ یہ بات ضرب المثل کی طرح اُن کی زبانوں پر جاری ہو گئی تھی کہ ”سلف کا طریقہ ایمان کیلئے بہتر ہے مگر استدلال کیلئے مفید نہیں“ حالانکہ اگر ایمان کو جہل سے نہیں بلکہ علم و بصیرت سے پیدا ہونا چاہیے، تو جو طریقہ ایمان و یقین کے لیے سون منہ ہوگا، وہ استدلال و بھان کیلئے کیوں غیر مفید ہوگا؟ جہان تک نام نہاد علمی ضروریات کا تعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ متاخرین کے طریقہ سے بڑھکر کمزور اور نا مراد طریقہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ ”استدلال“ کو فنون رضعیہ کے ”منطقی استدلال“ سے باہر نہیں دیکھ سکے، اور وجدان و طبیعت کی حقیقی شہادتوں سے آنکھیں بند کر لیں۔ آپ اپنے استفسار میں جا بجا لکھا ہے کہ ”امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ موجودہ زمانے میں سون منہ نہیں“ لیکن میں کہتا ہوں اس تنقید کی کیا ضرورت ہے؟ یہ طریقہ تو کسی زمانے میں بھی سون منہ نہ تھا۔ کیا یہ طریقہ اُس زمانہ میں سون منہ تھا جب امام صاحب نے تفسیر لکھی ہے؟ اس کا حال خود انہی



## حجۃ ابراہیمی

ایۃ کریمہ ”الم تر انا الذی حاج ابراہیم“ کی تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریق

(از مولانا ابوالکلام)

الہلال نمبر (۱۵) میں جناب مولوی عبد الحق صاحب کا جو استفسار آیۃ مندرجہ عنوان کی نسبت شائع ہوا تھا، اُس کا جواب حسب ذیل ہے:

(۱) قرآن حکیم کے مطالعہ و تدبر میں آپ کو جو مشکلات پیش آ رہی ہیں، وہ اُس تک پیش آتی رہیں گی، جب تک کہ اس بارے میں چند بنیادی اصول واضح نہیں ہو جائیں گے۔ یہ موقعہ تفصیل و اطلال کا نہیں ہے۔ مختصراً یوں سمجھیے کہ صدر اول کے بعد سے قرآن حکیم کے فہم و تدبر کی راہیں دو ہو گئی ہیں۔ ایک ”قرآنی“ ہے۔ دوسری ”غیر قرآنی“ قرآن کے فہم و تدبر کے لیے غیر قرآنی طریقہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے اس پر آپ کو تعجب ہو۔ اس میں شک نہیں یہ معاملہ فکر انسانی کے عجائب تصرفات میں سے ہے۔ مگر ایسے تصرفات اس کثرت سے ہو چکے ہیں کہ انہیں عجیب سمجھتے ہوئے بھی ہمیں متعجب نہیں ہونا چاہیے۔

”قرآنی“ طریقہ سے مقصود قرآن کے مطالعہ و فہم کا وہ طریقہ ہے جو تمام تر قرآن پر مبنی تھا۔ قرآن سے باہر کے اثرات کو اُس میں دخل نہ تھا۔ عربی لغت کے صاف اور معروف معانی، عربی بول چال کے بے تکلف اور سادہ محاورات، صدر اول کا بے لاگ ذوق و فہم، اور انبیاء کرام کا فطری اور غیر صنّاعی اسلوب بیان، اس طریقہ کی خصوصیات تھیں۔ سلف امت کا طریق تفسیر یہی تھا۔

”غیر قرآنی“ طریقہ سے مقصود وہ تمام طریقے ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ مفسرین قرآن کے ذوق و فکر سے پیدا ہوئے۔ یہ علوم رضعیہ کی اشاعت، ایرانی، رومی، اور ہندی تمدن کے اقتباس، اور عجمی اقوام کے اختلاط کا قدرتی نتیجہ تھا۔ مفسرین کے ہر گزہ نے قرآن کے مطالب اُسی شکل و نوعیت میں دیکھے، جیسی شکل و نوعیت کی فکری حالت اُن کے اندر پیدا ہو گئی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ قرآن کے الفاظ، تراکیب، اسلوب بیان، دلائل و براہین، مواظ و حکم؛ سب نے ایک دوسری ہی طرح کی نوعیت پیدا کر لی۔ قرآن کی تعلیم و بیان کی تمام تر بنیاد فطریہ اور فطریہ کی سادگی پر اتھی۔ علوم



مفہوم بھی رکھتے تھے جو عرب جاہلیہ صدی کی لغت میں نہیں سمجھے جاتے تھے۔ صدر اول میں جو کچھ مسلمانوں کا ذوق خارجی اثرات سے متاثر نہیں ہوا تھا اس لیے قرآن کے تمام الفاظ اپنے لغوی معانی میں قائم رہے بلاشبہ اس عہد میں بھی ہر انسان جو قرآن کا علم رکھتا تھا، الفاظ قرآنی کے معجزات سے واقف تھا۔ لیکن یہ زبان اور بول چال کے وسیع ہیں صاف اور سادہ معجزات تھے جو دنیا کی ہر زبان میں ہوتے ہیں اور جن کے معلوم کرنے کیلئے کبھی کسی اہل زبان کو کسی فلسفیانہ فی بلاغت و بیان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس اور ابن کعب جب ”بل یداء مبسوطان“ اور ”الیہ یصعد الکلم الطیب“ پڑھتے تھے تو بغیر اس کے کہ فلسفیانہ دقیقہ سنجیوں سے آشنا ہوں اور ید زعلو کے نفی و اثبات کی بحثوں میں الجھیں اسکا وہ سیدھا سادھا مطلب سمجھ لیتے تھے جو ہر غیر مبتکلف عربی دان سمجھ لے گا۔

لیکن آگے چل کر جب علوم دخیلہ کی (یعنی ان علوم و فنون کی جو باہر سے عربی زبان میں منتقل ہوئے) اشاعت ہوئی اور وضعی علوم کی اصطلاحات اور نظری مباحث کی منطقی تعریفات و حدود کا لوگوں میں مذاق پیدا ہو گیا تو ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی پیدا ہو گئی جنہوں نے قرآن کو اہستہ اہستہ منطقی و فلسفی جامہ پہنانا شروع کر دیا اور بہ تدریج اس کے الفاظ عربی لغت سے ہٹ کر منطقی تعریفات و حدود کی نوعیت اختیار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ کچھ عرصے کے بعد ان الفاظ کیلئے بھی معانی سمجھے جانے لگے جو علوم وضعیہ میں ان کے لیے قرار پا چکے تھے۔

(۳) یہ تبدیلی الفاظ اور مطالب دوزوں میں ہوئی۔ مطالب میں بنیادی چیز قرآن کا اسلوب بیان و استدلال ہے۔ ایک عظیم اور اصولی غلطی متاخرین سے یہ ہوئی کہ وہ قرآن کے فطری اور وجدانی اسلوب بیان کی اہمیت معلوم نہ کر سکے۔ یونانی فلسفہ کے اشتغال نے ان میں منطقی استدلال کا ذوق پیدا کر دیا تھا۔ انہوں نے کوشش کی کہ جہاں کہیں قرآن حکیم میں استدلال اور اثبات مدعا کے قسم کا کوئی بیان ہے اسے کھینچ تان کر منطقی استدلال کی شکل دیدیں۔

حالانکہ انبیاء کرام کے علوم کی راہ وضعی و منطقی طریق استدلال کی راہ سے بالکل مختلف ہے۔ انبیاء کرام کا خطاب علوم سے نہیں بلکہ قلوب سے ہوتا ہے۔ وہ علماء کے لیے بحث و نظر کا سامان پیدا کرنے نہیں آئے۔ بلکہ عامۃ الناس کے لیے ہدایت و سعادت کی راہیں کھول دینے کے لیے آئے ہیں۔ ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اشیاء کی حقیقت کا سراغ لگائیں۔ وہ اس لیے آئے ہیں کہ اعمال اور ان کے نتائج کی حقیقت دنیا پر واضح کر دیں۔ پس وہ اپنی تعلیم و ہدایت میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتے جسے کسی طرح کی بھی مشابہت منطقی طریق بحث و استدلال سے ہو۔ ان کا طریقہ سیدھا سادھا فطری طریقہ ہوتا ہے جس کے لیے نہ تو انسان کے بنائے ہوئے علوم و فنون کی تحصیل ضروری ہوتی ہے نہ پیچیدہ اور دقیق مقدمات ترتیب دینے پڑتے ہیں اور نہ کسی طرح کی ذہنی کارش اور نظری سلوک کی قید ہوتی ہے۔ ہر انسان اپنے وجدان کی قدرتی استعداد اور طبعیت بشری کے فطری طلب و داعیہ سے اسے سنتے ہی قبول کر لے سکتا ہے اور ایک فلسفی و حکیم سے لیکر ایک بادیہ نشین دھقان تک ہر درجہ ہر طبقہ اور ہر زمانے کا انسان یکساں طور پر اس سے یقین و ایمان حاصل کر لیتا ہے!

سے پرچہ لینا چاہیے۔ ان سے بہتر ان کی نا رسالیں کیلئے کوئی شاہد نہیں ہو سکتا۔ تفسیر اور اساس التقدیس وغیرہ ان کے ابتدائی اور درمیانی عہد کی کوہ کندیوں میں سے ہیں۔ آخری عہد کی مصنفات میں سے ایک رسالہ مباحث ذات و صفات میں ہے۔ اس کے دیباچہ میں مشکلات مباحث کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”لقد تأملت الطرق الكلامية و المناهج الفلسفية فما رأيتها تشفى غليلاً، ولا تروى غليلاً، و رأيت اقرب الطرق، طريقة القرآن - اقرأ في الاثبات: الرحمن على العرش استوى، و اقرأ في النفي: ليس كمثله شيء - و من جرب مثل تجربتي عرف مثل معرفتي“ یعنی میں نے علم کلام اور فلسفہ کے تمام طریقوں پر غور کیا لیکن معلوم ہوا کہ مشکلات راہ کیلئے کچھ سودمند نہیں ہیں۔ سب سے بہتر طریقہ قرآن ہی کا طریقہ ہے!

فن المحبت ما اذق بيانه

متبحر فيه امام الرازي!

امام صاحب کا یہ اعتراف بعینہ بھی اعتراف ہے جو موجودہ اور قدیم عہد کے تمام حکماء کی زبانوں پر بھی طاری ہو چکا ہے۔ یہ مذہبی مباحث کی راہ سے اس کچھ میں آئے تھے اس لیے الاهییات کی اصطلاحوں میں اعتراف عاجز کر رہے ہیں۔ لیکن لامارک، ہیگل اور اسپنسر براہ راست حقائق کائنات کی جستجو میں نکلے تھے اس لیے وہ ان مصطلحات کی جگہ دوسری طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں لیکن اعتراف عاجز کی ایک ہی طرح کی روح دوزوں کے اندر بول رہی ہے۔ لامارک کے اس قول میں کہ ”ہمارا سارا علم اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جہل کا اقرار کریں“ یا اسپنسر کے اس اعتراف میں کہ ”اصلیت اور حقیقت کے ان تمام سوالوں کے جواب میں ہم اسے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم کچھ نہیں جانتے“ اور امام رازی کے اس اعتراف میں کیا فرق ہے کہ:

نهاية اقدام العقول عقل

و انثر سعی العالمين ضلال

و لم نستفد من بحثنا طول عمرنا

سوى ان جمعنا فيه قيل و قالوا!

بہر حال جب تک قرآن حکیم کی تفسیر خالص قرآنی طریقہ پر نہیں کی جائیگی، مشکلات راہ حل نہیں ہو سکتیں۔

(۲) ایک اہم اور بنیادی کام اس باب میں یہ ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ، تراکیب، اور اسلوب بیان کو تمام وضعی اور خارجی عوارض سے پاک کر کے ان کی اصلی صورت و نوعیت میں نمایاں کر دیا جائے۔ جو بھی یہ اصلیت نمایاں ہو گئی، تمام اشکال خود بخود دور ہو جائیں گے۔

قرآن حکیم عربی زبان میں نازل ہوا۔ اس کے الفاظ عربی زبان کے الفاظ تھے۔ وہ انہی معانی کیلئے استعمال کیے گئے تھے جن معانی کیلئے عربی لغت میں مستعمل تھے۔ قرآن نے خود جابجا اپنے عربی زبان میں ہونے، نہایت کھلے اور دلنشین ہونے اور مطالب کے سہل اور زرد نہم ہونے کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً سورہ مریم میں کہا کہ ”فانما يسرناه بلسانك للتبشر به المتقين“ ہم نے قرآن تمہاری زبان میں سہل کر دیا تا کہ متقی طبیعتوں کیلئے اس میں ہدایت کی بشارت ہو۔ ظاہر ہے کہ قرآن کا یہ عظیم اور ابتدائی وصف باقی نہیں رہتا اگر ایک لمحہ کیلئے بھی یہ فرض کر لیا جائے کہ اس کے الفاظ ان عام اور معروف معانی کے علاوہ کوئی دوسرا

ایک دن کا مذکر بکر آفندی نے کہا وہ دریاچہ کو مکہ منظر عاے گا  
تاکہ خیر اندر آفندی کی ہوی اور قیدیوں کے نوکر کو پہنچائے۔ وہ  
مدحت پاشا کے پاس بھی گیا۔ وہ یہ بیان کی کہ رخصت ہونے آیا ہو  
مگر مقصود یہ تھا کہ ان کی زبان سے کچھ نہ آئے اور جھٹکی کھا کر قالموں میں  
مقبولیت حاصل کرے۔ مدحت پاشا نے کہا "میری تقریر سنو۔ خیر  
بجوت والی حجاز سے کہہ دینا؛

"کہنا عبدالمجید نے تمہیں بڑا منسوب بخشا ہو۔ مدحت پاشا کی  
خداات، آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ آج اُس کی جو حالت ہو دیکھ  
لیے ہو۔ یہ سلطان، اسی طرح اپنے خیر خواہوں کی خداات پر انجام  
دیا کرتا ہو۔ مدحت پاشا کو معلوم ہو کہ سلطان اُس کے قتل پر تیار ہو  
ہو۔ تمہیں اس کام پر مقرر کیا ہو۔ اس وقت تمہاری جتنی خاطر ملا  
ہو، صرف اسی مطلب سے ہو۔ اس کے بعد تمہارا جو حال ہوگا، وہ  
دوسروں کی حالت سے معلوم کر سکتے ہو۔ سرداری آفندی نے ہیں  
دی تھی۔ اس پر سلطان نے خوش ہو کر اُسے "قاضی عسکر" کا عہدہ  
مگر اب سرداری آفندی کی حالت کیا ہو؟ اس وقت وہ گنہگار ہیں  
دلہنی کی زندگی بسر کر رہا ہو؛ جو مدت پاشا ہا سے گرانے میں سلطان  
کا دست باز رہتا۔ مگر آج اُس کی حالت کیا ہو؟ اس وقت وہ  
اپنے گھر میں قید ہو اور ذلت کی زندگی بسر کر رہا ہو؛ ان معاملات  
پر غور کرو۔ کیونکہ اس سلطان کی طبیعت ہی ایسی ہو۔ تم سلمان ہو۔  
قرآن پڑھو۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہو "ومن یقتل مؤمناً مستمراً  
فجراً وہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ وللعنہ واعد اللہ مذابحاً علیہا"  
(جو کوئی جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کرے، اُس کی سزا جہنم ہو جس  
میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اُس پر خدا کا غضب ہوگا۔ خدا کی لعنت ہوگی۔  
اور اُس کے لئے بہت بڑا مذابح تیار ہوگا)

اس کے بعد مدحت پاشا نے اس آیت کی تفسیر بیان کی اور کہا:  
"دیکھو حضرت حق بن علی علیہ السلام بھی بعض بادشاہوں کے  
اشاے سے قتل کئے گئے تھے۔ قیامت تک دنیا اُن کے قاتلوں پر  
لعنت کرتی رہے گی۔ خدا انہیں دوزخ میں ڈالے گا۔ تم والی سیر کا  
تقریر حوت بھون کہہ دینا؛

اس پر بکر آفندی نے کہا:  
"جناب عالی! میں بہت سی لڑائیوں میں شریک ہوا ہوں مگر  
میدان جنگ کے باہر آج تک ایک مرغی بھی اپنے ہاتھ سے نہیں ماری۔  
میں ہرگز کوئی جرم نہیں کر سکوں گا!"

سات دن بعد بکر آفندی واپس آیا۔ اُس کے ساتھ قیدیوں  
کے نوکر بھی تھے۔ ہم نے مدحت پاشا سے کہا "سلطان کا حکم آیا ہو کہ  
نوکر قیدیوں کے پاس واپس کر دئے جائیں۔ اُنہیں ہر طرح آرام دیا  
جائے۔ والی حجاز سے سلام کے بعد سعادت کی ہو کہ میرا کوئی قصور  
نہیں۔ میں نوکر ہوں آقا کے حکم کی اطاعت کرتا ہوں"

اس درمیان میں مدحت پاشا کی صحت اچھی ہو گئی۔ تشریف با شفا  
حاصل ہو گئی تھی۔

ایک دن مدحت نے ایک باہی سے دودھ پینا۔ ایک افسر  
نوری آفندی تلوار لے کر اُس کے ساتھ ہو گیا اور بری مستعدی  
سے دودھ لے آیا۔ لوگوں کو اس نئی بات پر بہت تعجب ہوا۔ شخص  
کبھی قیدیوں سے اچھا سلوک نہیں کرتا تھا۔ آج کیوں اس قدر  
مہربان ہو گیا؟ سیدک، مدحت پاشا کے کھانے کی روزگار کر لیا  
کرتے تھے۔ اُنہوں نے چلی کوئی تو دودھ کا رنگ اچھا نہ تھا۔ ایک  
چمچ لے کر اُنہوں نے اپنی زبان پر رکھا، تمام منہ کڑوا ہو گیا۔ دوسرے  
قیدیوں کو پچھایا، کہتے ہی محسوس کیا جنہوں نے ایک دو قطر بھی  
چمک لئے تھے وہ بیوقوف ہونگے! ایک دیکھتے تھے جیڑے ہوئے۔

## تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

### مدحت پاشا

#### شہید حریت و دستور

#### مدحت پاشا کا قتل

شاہ کے رفیق محسن شیخ الاسلام خیر اندر آفندی نے (جو خود  
طائف میں فوت ہوئے) مدحت پاشا اور داماد محمد پاشا  
کی کمال اس طرح لکھا ہو:

"مدحت پاشا اور اُن کے رفقاء، طائف کے قلعہ میں تین سال  
قید رہے۔ تیسرے سال کے آخر میں مدحت پاشا کے ایک چھوٹا بھائی  
آیا تھا۔ فوجی ڈاکٹر کی رائے تھی کہ چاک کر دیا جائے، مگر بڑا بچہ اور  
کمزوری کی وجہ سے وہ عمل جراحی پر رضا مند نہ ہوئے۔ پھر سبب بھی  
تھا کہ مصروف کو ڈاکٹر کی ہدایت پر یقین نہیں تھا۔ داماد محمد پاشا نے  
والی حجاز کو مدحت پاشا کی لاطینی میں تحریر کیا کہ کسی اور طبیب کا انتظام  
کیا جائے۔ اُس کے مصداق وہ خود ادا کر گئے۔ مگر مصلیٰ نے اُن  
کی درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔

مدحت پاشا نے اپنا علاج خود کیا اور زخم اچھا ہو گیا۔ سرکاری  
طبیب روز معائنہ کرتا تھا اور والی کو اطلاع دیتا تھا۔ والی تار برقی  
کے ذریعہ روزانہ سلطان کو خبر بھیجتا تھا۔ کیونکہ سلطان کو مدحت پاشا  
کی موت کی جلدی تھی۔

ایک دن صوبہ دار ابراہیم آغا کے ساتھ ڈاکٹر مدحت پاشا کے  
کمرے میں گیا اور بغیر کسی مناسبت کے کہنے لگا۔ اب تو ب میں  
سیاسی مدبروں کو ملانے قتل نہیں کیا جلتا۔ جلا دوں کے پکائے حکم  
ڈاکٹر انجام دیتے ہیں۔ مجرم کی ناک پر کلور فارم رکھ دیتے ہیں۔ جب  
سو جاتا ہو تو گلا گھونٹ دیا جاتا ہو! لوگوں نے طبیب کے منہ سے  
یہ بات سنی، مگر کوئی اُس کا مطلب سمجھ نہ سکا۔

تیسری لٹین کا کا مذکر بکر آفندی چرکی، قلعہ کے سیاسی قیدیوں  
کا محافظ تھا۔ چند بیٹے سے وہ موجود تھا۔ مکہ منظر میں مقیم تھا۔ مگر  
اچانک واپس آ گیا اور سید مدحت پاشا کے کمرے میں چلا گیا۔ اُس  
ساتھ ڈاکٹر ابراہیم آغا بھی تھے۔ لوگوں نے اُس سے اس اچانک  
والی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا "طائف کی فوج مرتب کرنے اور  
قریب کے باشندوں سے سرکاری محصول وصول کرنے آیا ہوں کیونکہ  
کئی سال سے اُنہوں نے ایک پیسہ بھی ادا نہیں کیا"

- بکر آفندی کی واپسی کے چھ دن بعد قیدی پاشا اُن کے خادم،  
حضرت عبداللہ بن عباس کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے گئے جب  
عادت اُن کے ساتھ پھر تھا۔ مدحت پاشا کا خادم عادت آفندی  
نماز کو جانیں سکا۔ کیونکہ اُس کے آقا کی طبیعت ناساز تھی۔

نماز کے بعد بکر آفندی کا مذکر نے تمام خادموں کو روک لیا قلعہ

میں واپس جانے نہیں دیا۔ نیز ایک آدمی بھیج کر عادت آقا کو بھی طلب  
کیا۔ مگر اُسے اپنے آقا کے پاس سے ہٹنا منکر نہیں کیا۔ کہا نہ کرنے  
پھر آدمی بھیجا کہ عادت کو فوراً لے آؤ۔ اس مرتبہ مدحت پاشا نے قلعہ  
سے کہا کہ کا مذکر سے کہو وہ خود قلعہ میں لے آؤ اور عادت سے جو کچھ کہنا  
ہو کہہ جائے۔

کا مذکر فوراً آیا اور خیر اندر آفندی کے کمرے میں گیا۔ اُسے خیر اندر  
آفندی سے کہا،

"دار الخلافہ سے حکم آیا کہ تمام نوکر جا کر سیاسی قیدیوں سے ملحد  
کرتے جائیں۔ اب اُنہیں حکومت کی طرف سے کوئی رقم بھی نہیں دی  
جائے گی۔ عام قیدیوں کا کھانا کھلایا جائے گا۔ بازاری سے بھی خریدنے  
کی ممانعت ہو۔ قلم، دوات، کاغذ بھی رکھنے کی اجازت نہیں خیر اندر  
آفندی کی ہوی بھی (جو طائف میں مقیم تھیں) نکل دی جائیں گی"

اس خبر نے تمام قیدیوں کو سخت پریشان کیا۔ محمد پاشا غصہ  
آدی تھے۔ اُنہوں نے کا مذکر کو بہت سخت سٹت کہا۔ مگر بے فائدہ  
تھا۔ سلطانی حکم پر عمل کیا گیا۔ تمام خادم، قلعہ کے باہر ایک گھر میں  
قید کر دئے گئے۔ کا مذکر نے چلتے وقت کہا وہ طائف سے باہر جا رہا ہو  
مگر گیا نہیں۔ مات بھر قلعہ ہی میں رہا۔

مدحت پاشا، دوسرے وزیر اعظم بن چکے تھے اور قوم کی غیر انشا  
خداات انہم دی تھیں۔ مگر قالموں نے اُن کی خداات کا کوئی لحاظ  
کیا، نہ بڑا پے پی پر ترس لکھایا۔ اُنہیں بتر مرض پر اکیلا چھوڑ دیا۔  
اُن کا خادم زبردستی لے گئے۔ اس دن دار خادم کے عوض ایک کھلی  
پاہی اُن کی تیار داری کے لئے مقرر کر دیا لیکن مدحت پاشا کے رفقاء  
معصیت نے اُن کی خدمتگاروں کی طرح خدمت کی۔ رات کو بھی انہیں  
تہنا نہیں چھوڑتے تھے۔ علی کہ ان کے ساتھ سوتے تھے۔

مدحت پاشا، اپنی شفاعت اور ثابت قدمی میں مشہور ہیں۔ ان  
حالات نے اُن کے حوصلے کو دھنس کر دیا۔ وہ اب بھی خوش تھے۔ پابندی  
سے ناز پڑتے تھے۔ دلائل کا دبدبہ کرتے تھے۔ تلاوت میں مشغول  
ہوتے تھے۔ تفسیر معینا دی اور کتاب الشفاء، اُن کے مطالعہ میں ہوتی  
تھی۔

وہ کہا کرتے تھے "جو کچھ یہ لوگ کر سکتے ہیں، کر گزریں۔ ہم بھلا  
سرزمین میں موجود ہیں۔ تمام گنہگاروں سے دور ہو چکے ہیں۔ وہ کچھ  
نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ قتل کر سکتے ہیں، اور قتل ہائے  
دنیا آخرت میں ہفت دس دسات کا پھیر دیتا ہو!" وہ حیرت انگیز طور  
پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر متوکل نظر کرتے تھے۔

مخت پاشا کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے محو آقا کو بلا کر انجان بن کے کہا:

”دودھ دالے نے ہیں ہی دودھ بھیجا تھا جس میں سے کھانا کو دیا کرتا ہو۔ لیکن جسے بھی دودھ کا ایک قطرہ زبان پر رکھا، اس کا حلق جل گیا۔ معلوم ہوتا ہو نہر، تاجے کے کسے سے پیا ہو گیا ہو تم ابھی جا کر کما نذر کو خبر کرو۔ ایسا نہ ہو انھیں کوئی نقصان پہنچ جائے۔“

محو آغا نے واپس آکر کہا کما نذر ابھی دودھ دالے کے برتنوں کا معائنہ کرینگے۔ اُسے ارینگے۔ قید کرینگے۔ پوری تحقیقات کرینگے۔ قیدیوں نے یہ سنا تو مسکرانے لگے۔ کیونکہ سُن چکے تھے کہ کما نذر اپنے ساتھیوں سے پوچھتا تھا ”ان لوگوں نے دودھ تو کھالیا ہوگا؟ کیا مر گئے؟ کیا نہر کا اثر فوراً ظاہر ہوتا ہو؟“

مخت پاشا کے بعض رفقاء نے مسہم دودھ کما نذر کے پاس بھیجا کہ اس کی کیا دی تحلیل کی جائے لیکن اُسے ہنس کر دودھ واپس کر دیا۔ اور کہا ”ہاں تحلیل کرنے کے آلات موجود ہیں!“

اس واقعہ کے بعد بادشاہی خانہ ابھی طرح بند کر دیا جاتا تھا۔ کھانے پینے کے ہر چیز پر ملائیں لگا دی جاتی تھیں۔ لیکن دو ہفتہ بعد ایک دن عادت آغا نے جوں ہی دروازہ کھولا، برتنوں پر سے ملائیں ہٹی ہوئی تھیں۔ باسی کھانے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ غلیظیات معلوم ہو گیا کہ زہر ملا دیا گیا ہو۔ بعد میں مش آغا اور نوری آغزی نے اقرار کیا کہ انھوں نے زہر ملا دیا تھا!

اسی آئینا میں محو پاشا، دست دے میں مبتلا ہو گئے۔ یہ چلا تھو میں کوئی زہر لیا مادہ ملا ہوا ہو۔ انھوں نے تھوہ چنا چھوڑ دیا اور چھو ہو گئے۔

ایک دن پانی کا رنگ اور مزہ بدلا ہوا تھا۔ اس میں بھی زہر ملا دیا گیا تھا۔ فوراً صراحی توڑ ڈالی گئی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ زہر، مسہر سے مہیا کیا جاتا تھا۔ لانے والا ایک شخص امیل آغا تھا۔ والی حجاز کو اس پر بہت اعتماد تھا اور اسی کے ذریعہ دشمنوں کو قتل کرایا جاتا تھا۔ یہ ایک مدت سے یہاں آیا ہوا تھا مگر تنہا اس خطرناک جرم کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ۱۳ راج ستمبر کو رسالہ دار محمد لطیف درجی فوج اور توپ خانہ کے کمرہ مکمل سے آیا اور قلعہ کے محافظوں میں اپنے ۴۰ سپاہی داخل کر گئے۔

محمد لطیف نے آتے ہی مخت پاشا کے خادم عادت آغا کو طلب کیا کہ ”میں زہر لایا ہوں۔ اگر تم مخت پاشا کو کھلا دو تو انھیں ایک نہر پوچھ انعام دیا جائے گا۔ ایک دوسرا شخص، محو پاشا کو مارنے کے لئے تیار ہو گیا ہو۔ اُسے ۶۰ پونڈ انعام دیا جائے گا۔“

عادت آغا نادار نوکر تھا۔ اُسے بظاہر زہر لے لیا اور دھڑ کیا کہ اپنے آقا کو قتل کر ڈالے گا۔ مگر قلعہ میں داپس آکر مخت پاشا اور محو پاشا کو فوراً قصہ سنا دیا۔ انھوں نے باقی رفقاء کو مطلع کیا۔ سب ہنایت پریشانی میں پڑ گئے۔

محمد لطیف، خاص قتل کے ارادے سے آیا تھا۔ تمام قیدی اس حقیقت سے واقف ہو چکے تھے۔ اپنی آمد کے ایک ہفتہ بعد اُسے ارتحاج جرم کی پھر کوشش تھی۔ پورے قلعے میں فوج لا کر بھری اور محاصرہ کر لیا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ مخت پاشا کے خادم عادت آغا نے جبری ہی وفاداری سے کام لیا تھا اور درازا ناش کر دیا تھا۔

واقعہ یہ ہوا کہ صورت دارا براہیم نے عادت آغا کو کئی دوسرے افراد کی موجودگی میں بلا کر کہا:

”میرے کچھ رات مخت پاشا کا خاٹہ کر دینا چاہتے ہیں۔ اب سے پہلو تم زہر لے کر اُدھکا دے گا، اگر تک کچھ بھی نہیں کیا۔ انشا اللہ یہ

کرد کہ مخت پاشا کے ساتھ سوتے ہو۔ رات کو کمرے کا دروازہ کھلا لئے دینا۔ دیکھو اگر دروازہ بند کر کے سو گئے تو ہم سے برا کوئی نہ ہوگا۔ یہاں قلعہ میں سیاسی قیدی ناز عشار کے بعد اپنے اپنے کمرے میں جانے کے لئے رخصت ہو رہے تھے کہ عادت آغا نے آکر کہا: ”آپ لوگ جہان ہوں، کیونکہ آج رات میرے آقا کو قتل کرنا چاہتے ہیں!“

تمام رفقاء، گھبرائے اور انھوں نے طے کر لیا کہ مخت پاشا کو تنہا نہیں چھوڑینگے۔ ایک افسر نے عادت آغا کی گفتگو سُن لی تھی۔ اُس نے محمد لطیف کو خبر ہو جائی۔ محمد لطیف نے فوراً عادت آغا کی گرفتاری اور قیدیوں کے منتشر کرنے کا حکم دے دیا۔ مش آغا ایک افسر نے آکر کہا ”میرا لائی محمد لطیف سلام کے بعد کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کا بھانپنا ممنوع ہو۔ فوراً اپنے اپنے کمرے میں چلے جائے۔“

مخت پاشا اور محو پاشا نے جواب دیا ”ہم ہرگز یہاں سے نہ جائینگے۔ تم تلوار کے زور سے ہمیں نکال دو!“

پھر فوراً بکرا آغزی کا نذرانے آکر کہا ”عادت، ایک شرابی ہو۔ وہ ایک ایسا جھوٹ بولا ہو جسے پورے سندر کا پانی بھی دھوئیں سکتا۔“

مخت پاشا نے پوچھا ”ہمارے گرد یہ تمام طیارے کیسی ہیں؟ بکرا آغزی نے جواب دیا ”ہاں، ایک کوئی خاص حکم نہیں ملا مگر لیکن ہم حکم کی اطاعت ضرور کرینگے۔“

پھر اُسے تم کھائی کا اب تک جتنی خبریں مشہور ہوئی ہیں بالکل جھوٹ ہیں ۲۹ در قلعہ سے باہر چلا گیا۔

۱۲ رجب سالہ کورات کے پچھلے پھر مخت پاشا اور محو پاشا قتل کر ڈالے گئے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

اس رات میرا لائی محمد لطیف اور بکرا آغزی کا نذر، قلعہ کے پہاڑ میں ہو۔ قلعہ کے اندر بہت سی فوج جمع کر دی گئی۔ سپاہیوں کو کافی مقدار میں کاروس تسلیم کر لئے گئے۔ آدھی رات کے بعد محو پاشا کے خادم حاجی شگری کو جھکا کر پھیلے گئے۔ پھر قیدی کے کمرے کے سائے سے دودھ سلج سپاہی کھڑے کر لئے گئے۔ مخت پاشا کا خاٹہ عادت آغا پہلے ہی سے قید کر دیا گیا تھا۔ مگر موصوف تہا نہ تھے۔

اتس پاشا کے لڑکے علی بک ان کے ساتھ سود پھو۔ اچانک مخت پاشا کے کمرے کا دروازہ توڑ ڈالا گیا۔ علی بک اُٹھا لے گئے۔ اور مخت پاشا کو قتل کرنا چاہا۔ انھوں نے کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ صرف خدا کے خوف سے ڈر دیا اور نصیحت کی۔ انھوں نے کہا ”دیکھو، سپاہی کا کام، وطن کی حفاظت ہو۔ نہ کہ ارتحاج جرم!“

لیکن اُن کا گلا گھونٹ ڈالا، اور وہ ہلاک ہو گئے! اسی طرح تالوں نے محو پاشا کا دروازہ بھی توڑا۔ وہ جا پڑے اور تکیہ اُٹھا کر دیر تک مقابلہ کرتے رہے۔ آخر تھک گئے مجھ آغا، ایک افسر نے اُن کے گھٹے میں سی کا پھیندا ڈال دیا۔ وہ زور سے چلائے ”ان اعدا!“ اس آواز پر سب لوگ جاگ پڑے۔

خیر احمد آغزی، پاس کے کمرے میں تھے۔ وہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سپاہیوں نے کہا ”ڈرے نہیں۔ آپ کے لئے کوئی اندیشہ نہیں ہو۔ مگر وہ اس قدر مرعوب ہو گئے تھے کہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور رات بھر اسی حالت میں ہو۔

محو پاشا کو قتل سے پہلے بہت تکلیف دی گئی، پھر گلا گھونٹ ڈالا گیا۔ مگر یہ ناکافی سمجھا گیا اور لاطیفوں سے اُن کا ہاتھ توڑ ڈالا گیا!

قتل کے بعد دونوں شہیدوں کو غسل خانے اُٹھا لے گئے۔ رات

ہی کو علی بک برہسہ لکی دکان توڑ کر کن کے لئے کڑا نکالا گیا اور فوج کے امام یونس آغزی کو شہیدوں کے ہٹانے کا حکم دیا گیا۔ مگر انھوں نے انکار کیا۔ اسپر دونوں کو بغیر غسل اور کن کے دفن کر دیا گیا۔ دونوں قبروں پر دو پتھر لگا دیئے گئے۔ ایک پر لکھا تھا ”مخت پاشا ۲۶ راج کو فوت ہوئے“ دوسرے پر تھا ”محو پاشا ۲۷ راج کو فوت ہوئے“

حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا۔ کیونکہ دونوں کو ایک ہی دن قتل کیا گیا تھا۔

مخت پاشا اپنے قتل کے بہت دن سے منتظر تھے۔ واقعہ سے دو تین دن پہلے ایک مرتبہ ناز کے بعد سر جھکائے دیر تک بیٹھے ہو ساتھیوں نے فکر کی وجہ دریافت کی۔ کہنے لگے:

”میں موت کے باسے میں غور کر رہا ہوں جس کی تکلیف نہ منط سے بھی کم میں ختم ہو جاتی ہو۔ سوچتا ہوں کہ ان کی موت سے کم تکلیف دہ ہوتی ہو: گلا گھونٹنے کی موت یا گولی کی موت یا بیاری کی موت؟ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں موت کو زندگی ترجیح دیتا، مگر یہ معاملہ انسان کے اپنے بس کا نہیں ہو۔ دیکھو میں بیمار ہوا۔ موت سے قریب ہو کر پھر دور ہو گیا۔ ہماری وجہ سے کسی شخص یہاں قید ہیں۔ شاید ہماری موت اُن کی رہائی کا سبب ہوگی۔“

وفات سے پہلے مخت پاشا نے خیر احمد آغزی کو ۴۰ پونڈ دئے اور کہا ”یہ میرے کن دفن کے لئے ہیں“ مگر خیر احمد آغزی کو اس خدمت کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے انھوں نے یہ رقم حلو کے حوالے کر دی۔

مخت پاشا اور محو پاشا، گلا گھونٹ کر قتل کئے گئے۔ مگر حلو نے یہی مشہور کیا کہ وہ بیمار ہوئے تھے اور اپنی قضا سے مر گئے لیکن دنیا نے یہ جھوٹ تسلیم نہیں کیا اور بہت جلد حقیقت مشہور ہو گئی۔

سلطان عبدالحمید، ان دونوں شہیدان وطن سے اس قدر خائف تھا کہ بہت دن تک اُن کی موت کا اُسے یقین نہیں ہوا۔ چنانچہ دو مرتبہ اُسے اپنے خاص آدمی حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے طائف بھیجے اور انھوں نے پوری تحقیقات کی۔ مگر سلطان کو براہی شک ہوا کہ دونوں کیں بھاگ گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آخر میں سلطان نے حکم دیا کہ مخت پاشا کا سر کاٹ کے اُس کے پاس بھیجا دیا جائے۔ چنانچہ قبر کھودی گئی، سر کاٹا گیا، اور ایک صندوق میں بند کر کے روانہ کر دیا گیا۔ مگر چونکہ بیچ میں نہر سبز پڑتی تھی اور دہاں کا چنگی خانہ بہت سختی سے تلاشی لیتا ہو، اس لئے صندوق پر یہ عبارت لکھ دی گئی ”خاص جلالہ السلطان کئے ہاتھی دانت کی مصنوعات!“

مخت پاشا اور محو پاشا کی قبریں کچھ عرصہ موجود رہیں۔ مگر اصرار تب پاشا نے اپنی حکومت کے زمانے میں اُن پر سے پتھر اکٹھا ڈالے اور قبریں زمین سے برابر کر دیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس واقعہ قتل کے ایک ہفتہ بعد والی حجاز، مرض فلاج میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہ گویا خدا کا دنیا ہی میں اُس آیت کا مظہر تھا



اور بھائی نظرائیں۔ ایک طرف سے یہ فوجیں بھاگ رہی تھیں، دوسری طرف مظفر منصور ترکی فوجیں آ رہی تھیں۔ بیچ سمندر میں دونوں کا سانہا ہوا۔ اول الذکر نے آخر الذکر کو فوجی سلام دی!

”میرے آستانہ“ اسی واقعہ کی یادگار ہے جو راکتور کو پیش کیا تھا

### ترکی طبعی کا نفرنس

انگورہ میں ترکی طبعی کا نفرنس مستعد ہوئی، عصمت پاشا نے اس کا افتتاح کیا۔ کانفرنس میں بہت سے اہم طبعی مسائل پر بحث ہوئی، نیا تریک کی روداد سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کا مرض ترکوں میں بھی عام ہو۔ اس وقت ۵ لاکھ ترک اس میں مبتلا ہیں۔ یہ بیماری زیادہ تر حصن منصور، دیار بکر، اور اردنا کے علاقوں میں پائی جاتی ہے۔ رشاد رضا بک اور موسیٰ کاظم بک نے مرض پہل پر بحث کی اور بتایا کہ گذشتہ ۲۵ سال کے عرصہ میں صرف مستطینہ میں اس بیماری سے ۶۹،۰۰۰ آدمی مر چکے ہیں۔ پورے ترکی میں سالانہ ۳۳،۰۰۰ آدمی اس مرض کا شکار ہو رہے ہیں۔ یعنی ہر دس ہزار ترکوں میں ۳۰ آدمی اس بیماری میں مرتے ہیں۔

### ترکی اور ایران

ادھر کچھ مدت سے ترکی اور ایران کے مابین کشیدگی پیدا ہو گئی ہے، جیسا کہ پچھلے سکاٹ میں لکھ چکا ہوں۔ اس ہفتہ میرزا فرخان خاں سابق وزیر جنگ ایران، آستانہ پہنچے ہیں اور انگورہ جا رہے ہیں۔ ان کا سفر اسی نزاع کے دور کرنے کے لئے ہے۔ موصوف نے اخبارات کے نمائندوں کو حیل بلان دیا ہے:

”سرکش کرد، ترکی حدود پر تاخت و تاراج کرتے ہیں۔ ترکی حکومت خیال کرتی ہے کہ یہ مجرم، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں۔ میں نے بھی سنا ہے کہ یہ لوگ بعض ترکی افسروں کو بھی پکڑے گئے ہیں۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ یہ کرد، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں۔ اگر واقعہ یہی ہو تو ہم انھیں ہرگز پناہ نہیں دینے دینگے اور ان کی حکومت کو ہر طرح مطمئن کر دیں گے“

تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ترکی افسر یہ مجرم کہلے گئے تھے، اب رہا ہو گئے ہیں اور اپنی سرحدیں واپس آ گئے ہیں۔

## شمالی نقیہ

مراکش، ٹیونس، اور الجزائر فرانسسی ہتھیار کے بعد

(الامال کے مقالہ نگار مصر کے قلم سے)

### مراکش کی آبادی

ہر ماہ ۱۹۲۷ء کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے کہ فرانس کے زیر حمایت مراکش کا رقبہ ۱،۱۵۰،۰۰۰ مربع کلومیٹر پر محیط ہے، اور آبادی ۳،۰۰۰،۰۰۰ ہے۔ ۲۴۲،۰۰۰ مسلمان ہیں۔ ۱۶۰،۰۰۰ مسلمان ہیں۔ ۸۸،۰۰۰ یہودی ہیں۔ ۶۶ ہزار فرانسسی ہیں۔ ۴۰ ہزار دوسرے یورپین ہیں۔ اس سے پہلے ۱۹۱۱ء میں مردم شماری ہوئی تھی۔ اس کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرن ۵ برس کے قلیل عرصہ میں فرانسسیوں کی تعداد میں ۱۹ ہزار کا اضافہ ہو گیا ہے۔

### مراکش کی دولت

مراکش کے باشندے زراعت پیشہ ہیں۔ زیادہ تر غلہ کی کاشت ہوتی ہے۔ اب تک کوئی قیمتی کان دریافت نہیں ہوئی۔ مرن ناسیٹ

اس نظم و جو کے مقابلے میں آستانہ کے ترکوں نے کیا کیا؟ انھوں نے کوئی بغاوت کی؟ نہیں۔ کوئی مظاہرہ کیا؟ نہیں۔ وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ اتحادی قوتیں انھیں ہم نے مرعوب کر لیا۔ دنیالی یہ سب سے زیادہ جبار قوم ہماری غلامی پر تالغ ہو گئی۔ مگر یہ ان کی غلطی تھی۔ ترکی کی طبیعت سے جہالت تھی۔ ترکی قوم کا خاصہ یہ کہ جب وہ جلال میں آتی ہے تو خاموش ہو جاتی ہے۔ جب ترک کوچپ ستائے میں بیٹھتا تو اس سے بھاگو۔ کیونکہ وہ غصہ ہو گیا ہے۔ قہر و جلال کی قوتیں اس کے دل و دماغ میں جمع ہو رہی ہیں۔ آستانہ کے ترک بھی اتحادیوں کے مظالم کے مقابلے میں خاموش ہو گئے۔ مگر ان کی روح بول رہی تھی۔ اتحادیوں کے لئے وہ اندر ہی اندر اناطولیہ میں بارود بچھا رہے تھے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اناطولیہ میں قومی تحریک کا قیام، زیادہ تر آستانہ کے باشندوں ہی کی سعی و محنت سے ہوا۔ اتحادیوں کا ہر چوک بہت ہی سخت تھا، مگر آستانہ سے برابر سالانہ جنگ، توپیں، آدی اڈ روپیہ اناطولیہ پہنچ رہا تھا۔ کس راہ سے جاتا تھا؟ کون لے جاتا تھا؟ کس وقت جاتا تھا؟ ان سوالوں کا جواب اب تک تاریخ کے پاس چو نہیں ہے۔ مگر جاتا تھا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے۔

آستانہ کے ترکوں کی خاموشی نے آخر ۲۰ سال بعد رنگ دکھایا۔ اتحادیوں کے پروردہ یونان کو اناطولیہ میں ایسی شکست ہوئی کہ موت سے بدتر تھی۔ دیکھتے دیکھتے فتح مند ترکی فوجیں باسفورس کے سامنے پہنچ گئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب انگلستان، فرانس اور اٹلی کی تقریباً تمام بحری قوتیں، باسفورس اور مرمرہ میں جمع تھیں۔ اتحادی خیال کرتے تھے یہ قوت دیکھ کر اناطولیہ کے ترک ڈر کر اٹلے پاؤں بھاگ جائیں گے۔ مگر وہ ڈرے نہیں۔ خود اتحادیوں ہی کو ڈرنا پڑا۔ مائیکل کاؤش آئینر معاہدہ قبول کرنا پڑا۔

اس کے بعد ہم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ سننے وہ دیکھا جسے دیکھ کر ہم اپنی آنکھوں کی صحت پر شبہ کرنے لگے۔ مگر وہ واقعہ تھا۔ ہم نے یہ دیکھا کہ اتحادی بیڑے، جو اب تک سلطان کو قید کئے ہوئے تھے، اچانک ان کے جھنڈے، سر ملندہ ترکی جھنڈے کے سامنے جھک پڑے۔ چوتھ ترک جھنڈا، وزارت جنگ کے بلند نیار پر اڑا لیا گیا، تمام اتحادی قوتوں نے اسے ذلت کے ساتھ خنکی سلام کیا۔

پھر ہم نے کیا دیکھا؟ یہ دیکھا کہ وہی اتحادی فوجیں، جو آستانہ کی طرف ترکوں پر فاتحانہ مظاہرے کرتی پھرتی تھیں اور ترکوں کو شریفانہ برتاؤ کی تسلیں نہیں بھیجتی تھیں، خود دہشت سے اپنا اسباب بانٹتھا

# برید شرق

## مکتوب آستانہ

(الامال کے مقالہ نگار قیسم مستطینہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا خطبہ۔ عید آستانہ۔ ترکی طبعی کا نفرنس۔ ترکی اور ایران

### غازی مصطفیٰ کمال کا خطبہ

اس ہفتہ سب سے اہم واقعہ، انگورہ میں خلقِ فردوسی یا جمہوری عطا کی ہوئی ہے۔ مگر میں سب سے زیادہ اہم کارروائی، غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا وہ تاریخی خطبہ ہے جو کابل ایک ہفتہ تک جاری رہے گا۔ موصوف نے یہ خطبہ، کئی ماہ کی محنت سے طیار کیا ہے۔ اس میں وہ تمام تاریخی اور سیاسی حقائق جمع کر رہے ہیں جو معاہدہ التوائے جنگ کے بعد سے اب تک ترکی میں واقع ہوئے ہیں۔

غازی نے اپنا خطبہ ”انجمن طیارات“ کو دے دیا تھا۔ اسی نے چھاپا ہے اور وہی ترکی کے طول و عرض میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ تقسیم کرے گی۔ ہر روز جتنا خطبہ غازی سنائیں گے، انجمن، آستانہ اخبارات کو تقسیم کرے گی۔ ایک جرمی کہنی نے دنیا کے اخباروں میں اس کا خلاصہ بھیجے اور مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع کرنے کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ اب تک متعدد زبانوں میں ترجمہ طیار ہو چکا ہے۔ عنقریب بائبل میں آجائے گا۔

### ”عید آستانہ“

اچھے قارئین نے یہ لفظ شاید پہلے نہیں سنا ہوگا۔ حالانکہ لفظ ترکوں میں ایک عجیب جوش پیدا کر دیا کرتا ہے۔ عید آستانہ، یا آستانہ کی عید ہر سال ۱۱ اکتوبر کو پڑی دہرم و دھام سے منائی جاتی ہے۔ پچھلے ہفتے ہم نے چوتھی مرتبہ یہ عید دیکھی تھی۔ تمام پچھلی عیدوں سے زیادہ شاندار تھی۔

یہ عید اتحادی فوجوں سے آستانہ کی آزادی کی یادگار ہے۔ جنگ عومی کے خاتمہ پر دول اتحاد نے ترکی سے التواء جنگ کا ساہو طو کیا۔ اس معاہدہ کی رو سے ترکوں نے ہتیار رکھ دئے۔ ہتیار رکھتے ہی اتحادی فوجیں پایہ تخت میں گھس پڑیں۔ انگریزوں نے ”پیرا“ پر قبضہ کر لیا۔ فرانسسوں نے استنبول پر، اٹلی نے باسفورس کے ایشیائی ساحلوں پر۔ ابن سلطنتوں کے جنگی بیڑے بحر مرمرہ اور باسنو میں داخل ہو کر لنگر انداز ہو گئے اور اپنی توپیں شہر کی طرف سیدھی کر دیں۔ پھر ان کی بری فوجیں آئیں اور شہر کی وہ حالت کر دی جو خونخوار فاتح، مفتوحوں کی کیا کرتے ہیں۔ ایسا ظلم و ستم شروع کیا جس کا تصور بھی کبھی ترکوں نے نہیں کیا تھا۔ مسلح سپاہی اور مسلح جاسوس ہر طرف پھرتے تھے اور جے چاہتے تھے، برجی میں مبتلا کر دیتے تھے۔ بہت سے لائے گئے۔ بہت سے قید کئے گئے۔ بہت سے جلاوطن کئے گئے۔ کوئی مخلص ترک بھی اتحادیوں کے انتقام سے بچ نہ سکا۔







# افسانہ

## فرانس کا آخری مقبول ڈراما

### مضحک اور غمناک عناصر کا مجموعہ

#### ایلن کاشوہرا

ذیل میں اُس ڈرامے کا خلاصہ ایک نقاد تماشائی کی نظر سے قلمبند کیا گیا ہے، جو گذشتہ موسم بہار میں پیرس کا سب سے زیادہ مقبول اور دلچسپ ڈراما تسلیم کیا گیا تھا۔ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے چند امور پیش نظر رکھنے چاہئیں:

- (۱) "کامیڈی" اور "ٹریجڈی" کی دو قدیم قسمیں معلوم ہیں، لیکن ایک تیسری قسم وہ ہے جس میں دونوں طرح کے جذبات جمع کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یعنی وہ واقعات و احساسات کا ایک ایسا بلا جملہ مجموعہ ہوتا ہے، کہ اُسے ایک اعتبار سے مضحک کہہ سکتے ہیں، ایک اعتبار سے غم انگیز۔ اس اشتراک کے بغیر یہ نہیں ہو کہ سلسلہ واقعات میں بعض حصے غم انگیز آجائیں اور بعض مضحک، جیسا کہ شکسپیر نے ہلے صبی غمناکی میں ایک منظر ہلٹ اور قبر کھودنے والوں کے مضحک مکالمہ کا دکھا دیا ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ نفسِ اقدار اُس کے داردات و احساسات کی نوعیت ہی ایسی ہو کہ اُسے ایک پہلو سے مضحک اور ایک پہلو سے غم انگیز قرار دے سکیں۔ یہ قسم آجکل فرانس میں سب سے زیادہ مقبول ہے، اور مندرجہ ذیل ڈراما اسی قسم کا ایک آخرین نمونہ ہے۔
- (۲) سب سے زیادہ قابل غور پوپ کی موجودہ اخلاقی ذہنیت کی نمائش ہو جو اس ڈرامے میں ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ آئین اور اُس کے شوہر کی تصوی سیرت پوپ کے اعلیٰ اور متوسط طبقات کے نوے فی صدی مرد و عورت کی حقیقی سیرت ہے۔ حیاتِ زوجیت کی اخلاقی اور معاشرتی وضع فنا ہو چکی ہے محض ایک طرح کا قانونی معاہدہ رہ گیا ہے جس کی پابندی معاشرتی ضروریات کی بنا پر کی جا رہی ہے، بہت ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ پابندی بھی ضروری نہ رہے۔ موجودہ تمدن کا ہتھکڑے عروج، اخلاق اور اخلاقی حدود کا خاتمہ ہے!

سب سے زیادہ بڑی معلوم ہوتی ہے۔ اُس کا لباس اُس کے ہر سال اُس مرتبہ کے مناسب ہے۔ اُس کی گفتگو ہنسی ہی تم جان جاتے ہو کہ وہ پیرس کی مخلوق نہیں، اطرافِ ملک سے آئی ہے۔ اور یہ کہ اُس ہم طبقہ کو فتنہ رکھتی ہے جو متوسط طبقہ تو نہیں ہے مگر اس سے اُتر کر رہنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

عورت، بیوہ ہے۔ شوہر کی یادگار ایک لڑکی آئین موجود ہے۔ یہ نہایت حسین اور خوش اندام ہے۔ ماں بچی زمانہ کے جو سے تنگ آ کر پیرس میں پناہ ڈھونڈ رہی ہیں۔ فن موسیقی کے ایک اہم سے ملاقات ہوئی ہے۔ وہ دو بچی اپنے ہنرمیں بدست ہے مگر تصباتی و دشمنی و برتری ہو جاتا ہے۔ دونوں کو اپنے شکستہ گھر میں جگہ دیتا ہے۔ پھر میک زٹ اس رشک ماہ کا استاد، مرنی، اور عاشق بن جاتا ہے۔

لڑکی، قص و سرود میں قابل ہو جاتی ہے۔ پیرس کی ایک تھمیر کینی اُس کی خدات قبول کر لیتی ہے۔ آج کی رات وہ پہلی مرتبہ سیرج پر آنے والی ہے۔ اُن اُسے بڑے ہی تاثر، اضطراب، مسرت، اور کسی قدر خوف کی نظروں سے دیکھ رہی ہے لیکن کامیابی کی اہمیت بھی سمجھتی ہے اس لئے خوشی بھی منانا چاہتی ہے۔ چنانچہ اُسے دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ سیرج مقررہ قسم کے کھانے چمٹے ہیں جو دو ہفتہ مندوں نے معمولی مگر غریبوں کے لئے بہت قیمتی ہیں۔ وہ اپنے دل کی تمام باتیں اپنی کم سن پھرتی خادہ کو سنا تی ہے۔ اُس کا لہجہ بالکل دیباہی

(۱) میں ہنسا چاہتا تھا جب یہ ڈراما دیکھنے کے لئے جانے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ ہنسون گا، کیونکہ قصہ کام ہی مضحک تھا۔ پھر یہ پہلی مرتبہ اس طرح پر آیا تھا اور نکتہ چینوں کی نظریں اب تک اسپرٹس پڑی تھیں جو ایکٹرس میں حصہ لینے والے تھے، سب فن ظرافت میں شہو تھے پیرس کے مخلوق کی عادت ہے کہ پہلے ہی سے لطف اٹھانے لگی ہے میں نے بھی پیشگی ہنسا شروع کر دیا تھا۔

ہنسنے ہوئے تھمیر رہے۔ پردہ اٹھنا تھا کہ اُسے ہنسی کے پریٹیں بل پڑ پڑ گئے لیکن چند ہی لمحے بعد ہنسی غائب ہو گئی۔ اپنے اندر ہم نے ایک غیبی طرح کا احساس پایا۔ الفاظ شاید اسے بیان نہیں کر سکتے کیونکہ وہ احساس نہ تو خالص مسرت تھی نہ خالص رنج۔ یا یوں کہہ کر وہ چیز خالص رنج سے بھی زیادہ قلب کو متاثر کر رہی تھی لیکن ساتھ ہی قسم پر بھی مجبور کرتی تھی۔ بلکہ شاید ہنسی پر۔ شاید قہقروں پر! اندر کی میں مسکراتا اس رنج میں کھلکھلا کر ہنستا!

کیوں؟ اس لئے کہ اس سیرج تھا جسے سامنے انسان کی اچھی فطرت پیش کر رہا ہے جو نہ کا ظاہر ہنسنے والا ہے، ہنسا چاہتا ہے نہ چاہتا، ہنسنے والا ہے، دنا چاہتا ہے نہ چاہتا۔

(۲)

پردہ اٹھنے ہی ایک ادھر عورت تھا جسے سامنے موجود ہے۔ ادھر پٹر

لئے ایک طریقہ دریافت کیا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ کیا دی افعال کے لحاظ سے خون کی جانچ کی جاتی ہے۔ خون کی جانچ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کیا دی تعامل کے لحاظ سے انسان اور بندہ نما انسان کا خون بالکل ایک ہی طرح کا ہے۔ دونوں کا خون یکساں طور پر یکساں امراض قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور دونوں خون اپنی کیا دی ترکیب میں بھی ایک ہی ہیں۔ پھر اپنی ترکیب میں دونوں کے دماغ بھی یکساں ہیں۔ رحم مادہ میں جس طرح انسان کا سچے نشوونما پاتا ہے ٹھیک اُسی طرح اس بندہ کا سچے بھی نشوونما حاصل کرتا ہے۔ رحم میں دونوں بالکل یکساں حالات سے گزرتے ہیں۔ دونوں کے جسم میں ایک ہی قسم کے اثری اعضاء بھی موجود ہیں اور نظریہ نشوونما ارتقاء کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ پھر جس طرح عورت اپنے بچے سے محبت کرتی اور پالتی پستی ہے، بالکل اُسی طرح اور ایسے ہی جذبات کے ساتھ اس قسم کا بندہ بھی اپنے بچے کو پالتا ہے۔

یہ تمام حقائق، اُن کثیر دلائل میں سے صرف چند ہیں جن سے انسان اور اس بندہ نما انسان میں کامل مشابہت ثابت ہوتی ہے۔ اگر یہ دونوں مخلوق ایک ہی اصل سے پیدا نہیں ہوئے، تو اس مشابہت کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے؟

#### دماغ انسانی کا نشوونما

بندہ کے دماغ میں کوئی جزو ایسا موجود نہیں جس سے مشابہ جزو انسان کے دماغ میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح انسان کے دماغ میں جو اجزاء اور اُن کی ترکیب موجود ہے، بعینہ وہی گوریل کے دماغ میں بھی موجود ہے۔ انسان کا دماغ بندہ نما انسان کے دماغ سے ذرا بھی مختلف نہیں۔ فرق صرف کثیت کا ہے۔ انسان کا دماغ کثیت میں زیادہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ فرق، معمولی فرق نہیں ہے۔ انسان کے دماغ کے کثیت اور معین اجزاء میں اُس کی تقسیم ہی ہے انسان کو نشوونما اور اک، عمل و کلام، اور تعلیم و تربیت کی قوت بخشی ہو۔

ڈاروین نے انسان اور بندہ نما انسان کے دماغوں کی تحقیق کی۔ ثابت ہوا کہ فرق صرف کثیت میں ہے نہ کہ نوعیت میں۔ ڈاروین کے بعد دوسرے بہت سے علماء نے بھی تحقیق کی اور اس لئے کی تائید کی۔ علم وظائف الاعضاء، علم النفس، علم التشریح، اور علم الجینیٹک وغیرہ معلوم کے مباحث سے ثابت ہو گیا ہے کہ انسان کے دماغ نے بندہ نما انسان کے دماغ سے ترقی کی ہے، اور اس ترقی کے دوران میں کسی نئی ترکیب کا اُس میں اضافہ نہیں ہوا ہے۔

#### پچیدہ مشکلات

ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہماری تحقیقات بالکل مکمل ہو چکی ہیں اور حقیقت ہم ابھی پہلی ہی منزل میں ہیں۔ ہمارے سامنے بہت سی ایسی پچیدہ مشکلات ہیں جن میں ہم حل نہیں کر سکے ہیں۔

ہم اُس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب ہم یقین کے ساتھ انسانی دماغ کی ترقی اور گوریل کے دماغ کی پستی کا سبب بیان کر سکیں گے ہم ناموس وراثت کی معقول تحلیل کر سکیں گے اور بتائیں گے کہ کون ایک خاندان زیادہ طاقتور ہوتا ہے اور دوسرا کمزور؟

پھر یہ عجیب بات ہے کہ عہدِ میسنی میں صرف انسان کے مورث اعلیٰ کے دماغ ہی نے ترقی نہیں کی، بلکہ دوسرے بہت سے حیوانا کے دماغوں نے بھی ترقی کی ہے۔ شرع میں تمام بندروں کا دماغ بہت ہی چھوٹا تھا۔ پھر اُس میں زیادتی ہوتی رہی یہاں تک کہ انسانی دماغ کا قطر ہوا۔ یہ کیوں ہوا؟ وہ کیا موثرات تھے جنہوں نے اس دماغ کے لئے ترقی کی راہ باز کی؟ سرودت ان سوالوں کا ہمارے پاس شافی جواب موجود نہیں۔

ہو جیسا اداوی کا اپنی پوتی کے مقابل میں ہوتا ہے۔ گفتگو کچھ اس طرح کی ہو کہ وہ دونوں اس میں سبیدگی سے مصروف ہیں مگر ہم سننے والے ہنسی سے لڑتے جاتے ہیں!

اچانک موسیقی کا استاد آتا ہے۔ بہت خوش ہے۔ مگر خوشی نے کچھ اضطراب بھی پیدا کر رکھا ہے۔ وہ تاثر سے بے اختیار روکنے لگتا ہے۔ ایسا ردِ ناجو تاشا نہیں کو ہنسانے والا ہے۔ ماں کو اس کی بیٹی کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہے۔ پھر اس کامیابی کی نقل اُٹا کر دکھاتا ہے اور وہ نئے سناتا ہے جن سے لڑکی نے سامعین کا خراج تحسین وصول کیا تھا۔

ماں خوش ہے۔ لیکن ساتھ ہی غریبوں بھی ہے۔ کیونکہ غریبوں کی آبی ہونا پسند کرتی ہے اور دل سے چاہتی ہے کہ لڑکی کسی اور کام میں لگے۔ استاد موسیقی بھی خوش ہے۔ لیکن ساتھ ہی خوفزدہ بھی ہے۔ کیونکہ مرنے والا ہے۔ مبادا الین دولت مند خاتون کے دام میں پھنس کر ان کی ہو جائے۔

(۱۳)

ماں اپنی لڑکی کے عاشق کا خوف محسوس کرتی ہے۔ ساتھ ہی اس کی اغیارِ راز کی کوشش کو بھی محسوس کرتی ہے۔ دونوں گونگو حالت میں ہوتے ہیں کہ لڑکی اٹھکیلیاں کرتی، ہنستی کھلتی، جوش میں بھری ہوئی آتی ہے۔ ماں کو یاد کرتی ہے۔ عاشق کے سامنے آتی ہے اور نیکیر ادا کرتی ہے۔

لیکن ان کی قسمت میں موت کا لطف تنہا اٹھانا تھا۔ تھک چکا ہے۔ نیکیر ایک دولت مند رئیس کے ساتھ آج موجود ہوتا ہے۔ دونوں لڑکی کو کہاں کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں اور کھیل کود کے ایک ٹپے جلنے خانہ میں گھڑی بھر ساتھ بیٹھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کی گفتگو کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ لڑکی پہلے ہی دعوت قبول کر چکی تھی۔ مگر اب پس منظر کرتی ہے اور عاشق کو ساتھ نہ لے جانا خلافتِ موت خیال کرتی ہے۔ آنے والے اسے محسوس کرتے ہیں اور فوراً عاشق کو بھی مدعو کرتے ہیں وہ ابھار کر تار ہے۔ یہ اصرار کرتے ہیں۔ لڑکی بھی منکر کرتی ہے۔ مجبوراً اقرار کر لیتا ہے۔ آنے والے جلد موٹریجیجے کا مدد کر کے رحمت ہو جائے ہیں۔

عاشق منقوس کمرے میں تنہا ہے۔ اب وہ منظر سامنے آتا ہے جو ہنسا بھی ہو اور رنج بھی دیتا ہے۔ عاشق، دعوت کا لباس پہنتا ہے مگر کوئی کپڑا بھی درست نہیں۔ سب اتنے پھٹے پڑے ہیں کہ شرم سے عرق حق ہو جاتا اور دہلی رنج محسوس کرتا ہے۔ لیکن بنا دلی خوشی کا اظہار بھی کرتا ہے۔ تمام جا بجاسے لڑتے ہوئے ہیں۔ ایک بات ملتا ہے تو دوسرے کا پتہ نہیں۔ الین بھی اپنی آرائش میں مصروف ہے۔ تھکے خیر نے قص کا لباس عاریہ دیدیا ہے۔ اسی کو پہنتی ہے اور جن کی دیوی معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس کی بھی زینت کا تمام سامان موجود نہیں۔ وہ بھجھکتا ہے لیکن اپنے عاشق کی اندرونی تکلیف محسوس کر کے مصنوعی جسم دکھاتی ہے اور تسلی دیتی ہے۔ عاشق وعدہ کرتا ہے کہ آئندہ دونی محنت کرے گا اور اس کی ضرورت کی تمام چیزیں جلد میا کرے گا۔

موٹر آگئی۔ ماں کو دیکھو کسی خوش ہے؟ بیٹی کے حسن پر قربان ہوئی جاتی ہے۔ نو، اس کے پیچھے چلی جاتی ہے۔ لیکن ہونے والے اٹھائے ہوئے لڑکی کا لباس میٹری کے غبار سے میلان ہو جائے گا۔ مگر سن خادہ شوقِ خدمت میں موم بتی لے آگے آگے چل رہی ہے۔ عاشق کو دیکھو، چہرہ آواز اس پر خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔ دل دردمان ہو کر گریوں پر مصنوعی جسم نمایاں ہو!

(۱۴)

دوسرے دفعہ کے بعد انقلابِ حال شروع ہو جاتا ہے۔ تھک چکا

آنکھوں کے سامنے اب ایسے لوگ ہیں جن پر مشکل بھانپ سکتے ہیں۔ دھڑلے آنکھ اظہار اور انداز بدل گئے ہیں۔ اب غربت کی سیکھی کیں نظر نہیں آتی۔ الین کے کمال نے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔ ہر جگہ مقبول ہے۔ دنیا شکر کے قدموں سے لپٹ گئی ہے۔ شبِ دروزہن برس رہا ہے، کسی کو بھی افلاس کی سنجیدگی باقی نہ رہی۔ اب نازنین کی ماں وہ بڑھاپا دھیر عورت نہیں ہے جسے ہم نے پہلی فصل میں دیکھا تھا۔ اب اس کے چہرہ پر شباب کی رونق ٹوٹ آئی ہے نئے فیشن میں لباس ہے۔ گفتگو کی طرز بھی بدل گئی۔ اب وہ پیرس کی خاتون ہے آوازیں بھی بڑا تفریح ہو گیا۔ اب وہ خوش گلو ہے۔ حرکات و سکنات بھی پہلے سے نہیں ہے۔ اب پورے اوج پر ہے۔ استاد موسیقی بھی اب وہ پہلے کا خستہ حال، نیمردہ، گویا نہیں رہا۔ اب وہ ایک خوش حال دیش ہے، بھاری عزم، سنجیدہ، باوقار اسٹے بڑھ کر اب اپنی محبوبہ الین کا شوہر ہے۔ صرف یہی لوگ نہیں، بلکہ ان کی غریب خادہ بھی بالکل بدل گئی ہے۔ ایک نئے نوکر کا بھی اعزاز ہے۔ پیرس کا وہ حقیر گھر بھی نہیں رہا جو موم بتی سے روشن کیا جاتا تھا اور جس کی زمین دامن سیلے کا ڈالٹی تھی۔ اب وہ سمندر کے خوش منظر ساحل پر ایک شاندار عمارت میں ہیں۔ ہر موسم گرامیں الین کے دوستوں اور قدر دانوں کا یہاں ہجوم رہتا ہے۔ تمام چوٹی کے آدمی جمع ہوتے ہیں۔

ہم تھک چکے ہیں اور اس کے مالدار ساتھ کو چنڈ اور دوستوں کے ہمراہ الین کے گھر بار آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ وہ بیٹھے ہیں کھیلے ہیں، نذر کرتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں۔ الین کا شہرِ مطہر ابد خوش ہے۔ اپنے دوست سے شکر گزاری کے لہجہ میں کہتا ہے، "مذلل کی مشیت یہی تھی کہ میں مالدار ہو جاؤں۔ میں مغرب ایک موسیقی امینر قصد کھنے والا ہوں جو ضرور مقبول ہوگا۔ میرا تعلق ایک بڑے اخبار کو بھی ہو گیا ہے جس میں موسیقی پر نقد کیا کر دیا گیا"

گفتگو جاری تھی کہ الین کے دوست آگئے۔ استاد موسیقی اپنے دوست کے ساتھ کسی کام سے باہر چلا گیا۔ الین اپنے دولت مند قدر دان کے ساتھ تنہا رہیں۔ باقی احباب ملاقات کے ایوان میں بیٹھے ہیں۔ گھر کے مالک کی دایہ کا انتظار کر رہی ہیں۔ الین او اس کے دوست میں متنگ رہتی ہے۔ عجیب صورت حال! دونوں عاشق ہیں! عورت اپنے شوہر سے خیانت کر رہی ہے۔ اب معلوم ہوا اس تمام دولت کا سرچشمہ یہی خیانت ہے!

اب وقت ہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ الین کا آشنا اس کے بھائی شوہر سے تنگ آ گیا ہے۔ اس نے تنگ ہو کر اپنی آشنا سے دل کھول کر متنع ہونا چاہتا ہے۔ مگر یہ بھی شوہر رنج میں مبتلا ہو جاتا ہے! یہ شوہر واقعی جینی ہو، یا عبادت ظاہر کرتا ہے؟ یہ مصنوعی عبادت اس لئے تو نہیں کہ دولت سے فائدہ اٹھائے؟

مالدار فاسق کا یہی خیال ہے۔ مگر الین اسے مننے سے ابھار کر آتی ہے۔

(۱۵)

دونوں تحلیل میں پہنی منج کر رہے کہ باہر دوستوں کی آواز بلند ہوئی "حضرت آگئے! حضرت آگئے!"

دونوں ہوشیار ہو گئے۔ شوہر گھرمیں داخل ہوا۔ احبابِ خدمت بچے۔ اب میاں بیوی تنہا ہیں۔ دونوں میں باتیں ہوتی ہیں شوہر کی آداسی نمایاں ہے۔ بیوی دھج پوچھتی ہے وہ پس دیش کرتا ہے پھر بتاتا ہے کہ لوگ اسے "الین کا شوہر کہتے ہیں"۔ اس کا نام نہیں لیتے یہی نہیں بلکہ اسے دیکھ کر مسکراتے ہیں، آنکھیں اڑتے ہیں۔ اشارہ کرتے ہیں۔ لہذا اسے کچھ شک ہے۔ بیوی اپنے تمام خیرات اور حسن

کی دیگر بربایاں کام میں لاتی ہے۔ شوہر کے شکوک و دودھ کرنا چاہتی ہے۔ اب دیکھو، شوہر تنہا ہے۔ بیوی کا بٹھا کھول رہا ہے۔ امیں ایک بڑی رقم موجود ہے۔ اس کا شبہ اور زیادہ ہو جاتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ الین جوئے میں بہت روپیہ ہار گئی لیکن اسے خبر نہ دی ہے اور بھی قوی ہو جاتا ہے۔ دیکھو اسے میز کا خانہ کھولا۔ قیمتی جواہرات کا کنٹھا باغ میں لیا۔ یہ کہاں سے آیا؟ بیوی نے اس کا ذکر نہ کیا۔ شک اب یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے!

لیکن الین چالاک ہے۔ شوہر مانتے ہے۔ آسانی سے دھوکا دے سکتی ہے۔ چند میٹھی میٹھی باتیں تمام شکوک دفع کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ شوہر اپنے نوکر اور خادہ سے بھی زیادہ نفی ہے۔ یہ دونوں کچھ جانتے ہیں۔

(۱۶)

تیسرے دفعہ کے بعد ہم الین کے شوہر کو اپنے دوست گھنگو میں مصروف پاتے ہیں۔ اب اسے کابل یقین ہو گیا ہے۔ بیوی کی خیانت میں کوئی شبہ باقی نہیں ہے۔

اسے یہ یقین اس طرح حاصل ہوا کہ الین اور اس کے احباب نے تفریح کے لیے جانا چاہا۔ شوہر نے مذکر کیا اور کسی بھانسنے گھری میں رہ گیا۔ ان کی ردائی کے بعد خود بھی نقاب میں پوشیدہ چلا۔ اسے احباب کے ساتھ الین اور اس کے مالدار آشنا کو نہیں پایا۔

دونوں دن بھر کہیں غائب رہے۔

بد نصیب شوہر سخت آداس ہو گیا۔ لیکن اپنے کو سنبھالے ہوئے ہے دوست سے کہتا ہے، "موجودہ شرمناک صورت حال ناقابلِ برداشت ہے۔ میں اس زندگی سے بیزار ہوں۔ اپنی سابق غریبانہ گزشتہ زندگی کی طرٹ ٹوٹ جانا چاہتا ہوں۔ لیکن واپسی سے پہلے ایک کھیل کھیلنا چاہتا ہوں۔ بہت ہی دردناک کھیل!"

احباب، سیر سے واپس آگئے۔ الین اور اس کا آشنا بھی ہمراہ ہے۔ سب اپنے اپنے مشاہدے بیان کر رہے ہیں۔ شوہر دلیلیں کٹا جاتا ہے، مگر ظاہر میں دلچسپی کا اظہار کر رہا ہے۔ ہنسی خوشی سب کی سننا ہے۔ سب اسے بیوقوف بنا رہے ہیں اور کہتے ہیں وہ کچھ نہیں سمجھتا!

(۱۷)

رحمت کا وقت آ گیا۔ سب اس قرار داد کے ساتھ جانے لگے کہ ہٹل میں رات کے کھانے پر جمع ہو گئے۔ لیکن الین کے شوہر نے اپنی بیوی کے آشنا سے چند لمحہ ٹھہرنے کی درخواست کی۔ کمرے میں صرف تین شخص رہ گئے، میاں، بیوی، اور اس کا آشنا۔ اہلقت وہ مؤثر منظر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے جو شوہر سے گہری ہمدردی بیوی سے شدید نفرت، اور آشنا پر محبتِ حقہ کے جذبات پیدا کر دیتا ہے۔

غضبناک میاں شوہر کو دیکھو اور اپنا اور اپنی شرافت کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ لیکن بالکل نئے قسم کا انتقام! وہ کسی طرح کا تشدد کرنا پسند نہیں کرتا۔ انتقام میں بھی نرم اور بڑبڑا رہتا چاہتا ہے۔

دیکھو، بیوی اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اب دونوں رقبہ روبرو دیکھتے ہیں۔ شوہر اپنی بیوی کے عاشق سے گفتگو کرتا ہے۔ بغیر کسی ہتید کے ظاہر کر دیتا ہے کہ "میں سب کچھ جانتا ہوں! عاشق مہووت ہو کر رہ جاتا ہے۔ حواس بجا کر کے ڈرتے ڈرتے پوچھتا ہے، تو کیا ارادہ ہے؟ اسے یقین تھا، جواب میں "مبارک! سنے گا۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ شوہر کچھ نہیں جانتا موجودہ صورت حال پر رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔ حیرت فوراً

شب عقیقہ میں تہلیل ہوتی ہے۔ مانتی مانتی ہر کوئی گرفتار  
کی نظر سے دیکھتا ہے جس کی دگوں میں گرم خون کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے  
اور جس بات پر راضی ہو جاتا ہے کہ اس کی بیوی، اس میں اور بیوی  
کے آشنا میں مشترک رہو!

عاشق وقت ہوتا ہے المین سکرانی ہوئی اپنے شوہر کے پاس کی ہے  
گنگو جادی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ شوہر بیوی سے بھی اچانک کدیتا  
ہو کہ "میں سب کچھ جانتا ہوں!" وہ ششہ شدہ ہوتی ہے۔ خون سے  
کانپنے لگتی ہے کہ وہ سیدھی سے کتا ہے۔ کوئی جج نہیں۔ مجھے یہ صورت  
منظور ہے! "بیوی بے حد حقارت سے بے فیرت شوہر کو دیکھتی ہے۔ اتنی  
اُس کا دل سخت جوجع ہوا ہے۔ وہ چاہتی تھی، شوہر اُس سے محبت کرتا،  
اور اس نے اُس کی خیانت پر غضب ناک ہوا۔ گراں بھتی ہے کہ شوہر کو  
اُس کی ذرا بھی قد نہیں۔ آہ، وہ اپنی حیثیت کو ٹوڑ کر کٹ سے زیادہ  
نہیں پاتی!

اس بے طرقتی پر شوہر کو سخت شکست کھانے لگتی ہے۔ ایشیو کلیم بھی  
بھی لبر ہو جاتا ہے۔ جذبات بہت دبائے، اب بے قابو ہوا جاتا ہے۔  
دیکھو، آتش نشان پٹھا۔ غیظ و غضب نے دیوانگی کی شکل اختیار کر لی  
محبت اپنی پوری قوت سے ظاہر ہوئی۔ فیرت ہولناک درجہ تک پہنچ  
گئی۔ اب وہ رگ نہیں سکتا۔ خان بیوی کو اُس کے غضب سے کوئی  
بچا نہیں سکتا۔ اچانک چلا ہے "میری دیکھی! یہ عورت لرزہ  
بر اندام ہے۔ بید کی طرح قہر مارتی ہے۔ گردن کی گھرائی میں سرست و  
سعادت محسوس کر رہی ہے۔ اب اُسے دیکھ لیا کہ شوہر محبت سے خالی  
نہیں۔ اب تک آتش عشق میں جل رہا ہے۔ فیرت سے انتقام پر تڑپا ہوا  
ہے۔ وہ اُس کے قدموں پر گرنا چاہتی ہے۔ معافی کا ارادہ کرتی ہے۔ توہ  
کے لئے آمادہ ہو رہی ہے۔ شوہر غصہ کی دیوانگی میں اس پر ٹوٹ پڑنے  
کو ہے۔ لیکن افسوس، یہ کیا ہوا؟ شوہر اچانک سنبھل جاتا ہے، رگ کر  
کھوکھلی آواز میں کہتا ہے "موڑ آتی ہوگی۔ اپنے آشنا کے ساتھ چلی جانا"  
پھر فوراً بھاگ کر گھر سے بھل جاتا ہے۔ عورت رونا دھونا دایلا کر شروع کر  
دیتی ہے!

(۸)

بے فیرت شوہر نے کہا تھا "موڑ آتی ہوگی۔ اُس پر چلی جانا، مگر اب  
موڑ کہاں؟ المین کے آشنا نے محسوس کیا تھا کہ اس کے دل میں شوہر  
کی دیوہی پر نفرت و حقارت پیدا ہو گئی ہو، حالانکہ اس نفرت حقد  
کی تہ میں ایک دوسری نفرت بھی پوشیدہ تھی؟ کوئی نفرت؟ المین کو  
نفرت! اُس عورت سے نفرت جس کی اب کوئی قیمت عشق باقی نہیں  
رہی تھی، جواب کسی شوہر کی مجبور نہ تھی، بلکہ خود شوہر کی طرف سے  
فست و ہوس کی پیش کش تھی!  
المین اپنے شوہر اور اپنے آشنا کے فست، دونوں سے محروم ہو گئی  
یہ اُس کے شوہر کا انتقام تھا۔

## المآل کے ابتدائی نمبر

المآل سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر ۱ سے  
تک  
بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دو گنی قیمت پر  
خریدنے کے لئے طیار ہیں۔ ذکر کو اطلاع  
دیجائے۔ میفر

## تاریخ و عبر

### آزادی کی راہیں

#### تاریخ قرطاجہ کا ایک عبرت انگیز صفحہ

ہنیال نے روم کو سخت شکستیں دیں۔ ترازین کا مرکز، جو مشرق  
ق میں واقع ہوا، بہت ہولناک تھا۔ اس کے ایک برس بعد  
"کان" میں روم کو اور بھی زیادہ سخت شکست ہوئی۔ پوری فوج  
کٹ گئی۔ ہنیال، اٹلی میں ۱۵ برس تک جنگ کرتا رہا۔ روم کے اہل  
قریب تھا۔ مگر سخت کوشش کے باوجود بھی اُسے کسی طرح فتح نہ کر سکا۔  
سلسل جنگوں نے خود ہنیال کو بھی بہت کمزور کر دیا تھا۔ اُن  
نے قرطاجہ، ملک کے لئے لکھا۔ فوراً اُس کا بھائی ہنرود بال ایک  
فوج لے کر روانہ ہوا۔ مگر دیباے متور دس برسوں میں نے اُسے  
روک لیا۔ جنگ کی۔ اُسے قتل کر ڈالا، اور پوری فوج برباد ہو گئی۔  
اس آناہ میں رومانیوں نے ہنیال کو مجبور کر خود قرطاجہ  
پر چڑھائی کر دی۔ قرطاجہ والوں نے ہنیال کو مدد کے لئے بلایا وہ  
فوراً چلا۔ مگر مسئلہ ق م میں قرطاجہ کے قریب ہی اُسے دبی پہ  
سالار شیون نے سخت شکست دیدی۔

اب قرطاجہ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ صلح کی دست  
کرے۔ روم نے صلح کی شرطیں یہ پیش کیں کہ قرطاجہ اپنا پورا اعلیٰ بل  
اور بھرا حرم اپنے تمام خزانے اور اسلحہ میں تمام مقبوضات،  
روم کے حوالے کرے۔ نیز کبھی کسی سے جنگ نہ کرے۔ قرطاجہ، یہ  
ذلت قبول کرنے پر مجبور تھا۔ لیکن ہنیال نے اسکا رد کیا۔ وہ ملک  
بہر ہو گیا۔ سیریا اور مقدونیہ کے بادشاہوں کو روم کے خلاف جا کر  
کھڑا کر دیا۔ اُن کی فوجوں میں لڑا رہا۔ لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی  
آخر آٹھ سترے مسئلہ ق م میں زہر کھا کر خود کشی کر لی۔

#### تیسری جنگ

(مسئلہ - مسئلہ ق م)

یہ قرطاجہ اور روم کی آخری لڑائی تھی مگر تاریخ میں ادل بے  
کی لڑائی بھی جاتی ہے، کیونکہ اس میں مغلوں نے بہت دشمنات  
کے ایسے جوہر دکھائے جو آج تک تمام محبان آزادی کے لئے نمونہ بنے  
ہوئے ہیں۔

اس جنگ کی وجہ عجیب تھی۔ ظلم و حرص کی آخری حد تھی۔ واقعہ  
یہ ہوا کہ روم کے ایک شریف کا تو نے قرطاجہ میں سیاحت کی اور دیکھ  
کر خصل گیا کہ مسلسل جنگوں اور شکستوں کے بعد بھی قرطاجہ بہت  
خوشحال اور آباد ہے۔ اُس کی تجارت و ثروت روز افزوں ترقی  
کر رہی ہے۔ وہ روم واپس آیا اور رومانی مجلس شیوخ کے سامنے جا  
ذیل تقریر کی۔

"دو ہاؤں کا ہم پر بڑا فضل! مگر جو کہ ہیں ایسی سرسبز اور خوش  
سرزمینوں کا مالک بنایا ہے۔ ہمارے ملک کا موقعہ ہیں مجبور کرتا ہے کہ

فینیقیہ کے باشندوں نے اپنے بادشاہ بعلبوں کے عہد میں شہر قرطاجہ  
آباد کیا۔ قرطاجہ کے معنی ہیں نیا شہر۔ یہ آبادی، شمالی افریقہ کے  
ساحل پر یونین کے قریب قائم ہوئی تھی۔ فینیقیہ کی کردی کے بعد  
قرطاجہ نے مروج حاصل کیا اور تدریج بھرا بعض کی تجارت کا مالک  
بن گیا۔ اُس کا جنگی بیڑہ، روم کے بیڑے سے کہیں زیادہ طاقتور  
تھا۔ سستی سے جبل طارق تک اُن کا اقتدار قائم تھا۔ مراکش، الجزائر  
اور ٹیونس کے اکثر حصے اُن کے قبضے میں آ گئے تھے۔ اسپین، سبیلی،  
سرڈانیا، کارسیکا مغتوج یا زیر اُتھے۔ تجارت نے بہت دست اختیار  
کر لی تھی۔ پوری قوم، دولت سے المائل ہو رہی تھی۔ لیکن روم کو اُن  
سے سخت حسد تھا اور براہ جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں تین جنگیں  
سے زیادہ اہم ہیں۔

#### پہلی جنگ

یہ جنگ مسئلہ - مسئلہ ق م میں ہوئی۔ روم نے اسے شروع  
کیا تھا۔ وجہ یہ ہوئی کہ روم نے سبیلی میں شہر سنی برقعہ کر لیا۔ یہ  
شہر قرطاجہ کے تابع تھا۔ قرطاجہ کے بحری اسطول نے روم کو سخت  
نقصان پہنچایا۔ یہ دیکھ کر روم نے بھی فوراً جنگی بیڑہ طیار کیا اور  
بھری جنگ شروع ہو گئی۔ لیکن جزا کر اہیت کے قریب قرطاجہ والوں  
کو شکست ہوئی اور پورا سبیلی، روم کے قبضہ میں آ گیا۔

#### دوسری جنگ

اس شکست کے بعد قرطاجہ کی تنخواہ دار فوج نے کشتی شروع  
کی اور طوائف الملہ کی پھیل گئی۔ لیکن اُس زمانے میں ایک عظیم آدمی  
ہملکار ظاہر ہوا، تمام قبائل کا سرکل ڈالا، اور اسپین میں ایک  
عظیم نشان فوج، روم سے لڑنے کے لئے مرتب کی۔ کیونکہ اب روم  
سرکھینیا اور کارسیکا کا بھی قابض ہو چکا تھا۔

یہ جنگ، تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اسی میں  
ہنیال نے ظہور کیا جو دنیا کا مشہور ترین سپہ سالار تسلیم کیا گیا ہے۔  
ہنیال نے پچھن ہی میں اپنے باپ سے تم کھائی تھی کہ مجھ کو روم کا  
دشمن ہے گا۔ اُس کی قسم بھی ثابت ہوئی۔ پوری زندگی، روم سے  
جنگ میں گزار دی۔

رومانوں کو یقین تھا کہ جنگ، اسپین میں ہوگی۔ اسی کی بنیاد  
نے اسپین سرحدوں پر بھی طیاریاں کی تھیں۔ لیکن ہنیال، کوہ برکا  
کو عبور کر کے فرانس پہنچا اور فرانس سے الپس کے برفانی پہاڑ تک  
عبور کر کے اچانک اٹلی کے میدانوں پر جا دھمکا۔ روم والے سخت متعجب  
ہوئے۔ اُنھیں ہرگز خیال نہیں گزرا تھا کہ اس طرح کوئی نصیحت صلہ  
آور ہوگی۔

کو لوہا ہی کاٹتا ہو۔ جو ہدایت کا طالب ہو، ہم سے ہدایت لے جو یقین چاہتا ہو، ہم سے یقین لے۔ حق تم ہو چکا تھا، مگر اب مل گیا ہو۔ پس لے ماجرین و انصار ثابت قدم رہو۔ شکات بھر گئے ہیں، ٹوٹا، جڑ گیا ہو۔ کلہ عدل قائم ہو چکا ہو۔ حق، باطل غالب ہو۔ کوئی جلد بازی کر کے یہ نہ کہنے لگے کہ کیسے؟ اور کیونکر؟ خدا کی مشیت ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ عورتوں کا رنگ، ہمدی ہو، مردوں کا رنگ، خون ہو، صبر و ثابت قدمی کا نتیجہ ہمیشہ محو ہوتا ہو۔ ہاں بڑھو! جنگ کی طعن بڑھو! سینے تان کر بیٹھو! پیچھے قدم نہ ہٹاؤ! آج کے بعد کوئی دن نہیں!

”اے زرقا،“ امیر نے تیرے ختم کر کے کہا ”تم ہر خون میں مل کی شریک بن چکی ہو“

”امیر المومنین کی بشارت صحیح ثابت کرے“ زرقا نے کہا۔

”تو کیا یہ بات تمہیں پسند آئی؟“ معاویہ نے سوال کیا۔  
”ہاں مجھے بہت پسند آئی۔ خدا میرے عمل سے اُس کی تعزیر کر دے“

”والہ علی کی موت کے بعد تمہاری اُس سو یہ محبت، زندگی میں اُس کی محبت سے کہیں زیادہ مجھے پسند ہے“ امیر معاویہ نے کہا۔  
”اپنی حاجت بیان کرو“  
”میں نے قسم کھالی ہے کہ کبھی کسی امیر سے کوئی خواہش نہیں کر لگی“ زرقا نے کہا۔

معاویہ نے ایک زمین، جاگیر میں بھی۔ زرقا کو بیٹھنے ہی سال اُس سے دس ہزار درہم آمدنی ہوئی۔  
(ملکات النساء وعقد الفرید وغیرہ)

لیکن قرقاجہ والوں کی شجاعت اور ثابت قدمی کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وہ بالکل مغلوب ہو گئے۔ مغلوب ہی نہیں، سکے بے قتل کر ڈالے گئے۔ تھوڑے ہی آدمی زندہ بچے گردہ قید ہو گئے۔

فتح حاصل کرنے کے بعد دوم والوں نے قرقاجہ میں آگ لگا دی کامل سترہ دن تک شہر جلتا رہا۔ اٹھارہ دین بن، شہر نہ تھا۔ راکھ کے انبار بنے تھے اور ہوا میں ڈر رہی تھی۔

قرقاجہ کی شکست، تاریخ میں اب تک فتح شمار کی جاتی ہے کیونکہ اُسے آزادی کی راہ میں موت پسند کی۔ غلامی کی زندگی گوارا نہیں کی

## زرقا و بنت عدی و بار خدائیں

ایک دن امیر معاویہ نے اپنے دربار میں زرقا و بنت عدی کا ذکر کیا۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے طرف تھی اور فتح کو جنگ کی ترغیب دے رہی تھی۔

”زرقا کو تیرے کسے یاد ہے؟“ امیر نے اپنے درباریوں سے سوال کیا۔

”ہم سب کو یاد ہے“ درباریوں نے جواب دیا۔  
”اُس کے اُسے میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟“ امیر نے پوچھا۔  
”اُسے قتل کر ڈالئے“ سب نے کہا۔

”مترن مشورہ ہے“ امیر نے کہا۔ ”کیا میرے جیسے شخص کے لئے دوا ہے کہ حاکم ہو چکنے کے بعد لوگ کہیں اُسے ایک عورت قتل کر ڈالی؟“

پھر اپنے کاتب کو بلا کر حکم دیا کہ عامل کو کھڑے لکھ بھیجے۔ زرقا کو پوچھے اغراض اکرام کے ساتھ میرے پاس روانہ کر دو۔  
چنانچہ زرقا و دربار میں حاضر ہو گئی۔

”اے امیر معاویہ! امیر نے زرقا کو دیکھ کر کہا ”خوب آئیں! خالہ کیسا مزاج ہے؟“

”اچھی ہوں۔ راہ میں بڑا آرام ملا“ زرقا نے جواب دیا۔  
”جانتی ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟“

”میں دلوں کا حال کیونکر جان سکتی ہوں؟ وہ خدا ہی پر غیب کا علم رکھتا ہے“

”میں نے تمہیں صرف یہ دریافت کرنے کے لئے بلایا ہے کہ تم جنگ صفین میں سرخ اونٹ پر سوار تھیں اور دونوں صفوں کے درمیان پیکار پکار کر بہاؤ دونوں کو جوش دلائی پھرتی تھیں۔ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟“

”اے امیر المومنین! سر مر گیا۔ دم کٹ چکی۔ زمانہ بدل گیا آنکھ والوں کے لئے عبرت ہے۔ آج کے بعد کل ہو۔ دن کے بعد رات ہو“ زرقا نے جواب دیا۔

”سچ ہے“ امیر نے کہا۔ ”مگر تمہیں اپنی صفین والی تیر یاد ہے؟“

”نہیں“

”لیکن مجھے یاد ہے“ امیر نے کہا۔ ”دامد میں نے سنا تم کہہ رہی تھیں:

”اے لوگو! تم ایک ایسے فتنے میں پڑ گئے ہو جس میں ظلم کی چادریں تم پر پھیل گئی ہیں اور صراطِ مستقیم سے تمہیں ہٹا دیا ہے۔ یہ ایک اندھا گونگا فتنہ ہے جس میں نہ کوئی کسی کی ستائش نہ کسی کو دیکھتا ہے۔ اے لوگو! چراغ، سونے کے سائے روشنی نہیں دیتا۔ ستارہ، چاند کے سائے کوئی وقت نہیں رکھتا، غجر، اھیل گھوڑے پر سبقت نہیں کر سکتا۔ پس

ہم بھری تجارتی قوم ہیں اور وہ تمام ممالک جہاں ہم تجارت کرتے ہیں ہمیں زیر اثر نہیں تاکہ ہمارا مال محفوظ رہ سکے۔ ہم نے دیوتاؤں کی مرنی پوری کی اور اپنے اقتصادی و جنگی اقتدار کا دائرہ وسیع کرنے لگے۔ لیکن وہاں دور افتاد میں ایک ملک قرقاجہ موجود ہے۔ اس کے پاس بڑی دولت، بڑی فوج، بڑا بیڑہ ہے۔ اُسے ہر طرہ تجارت پر قبضہ رکھا ہے اور ہر طرح ہمارے راہ روک رہا ہے۔ لہذا دیوتاؤں کی مشیت کا بل طور پر پوری کرنے کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اس قوم کا بالکل قلع قمع کر ڈالیں۔ ہم نے علامہ دومرتبہ اس پر سخت ضربیں لگائیں، لیکن میں ابھی ابھی وہاں سے اہل ہوں۔ اپنی ان دونوں آنکھوں سے اُس کی حالت دیکھ چکا ہوں۔ وہ اب بھی بہت الدار، باحوصلہ، طاقتور اور ہمارے لئے دائمی خطرہ بنی ہوئی ہے۔ لازمی ہے کہ قرقاجہ کو بالکل پامال کر دیا جائے!“

مجلس نے مقرر کی تجویز بڑی خوشی سے منظور کر لی اور کسی جائز سبب کی جستجو شروع کر دی۔

اتفاق سے اُسی زمانے میں ایک بربر بادشاہ سے قرقاجہ کو جنگ کرنا پڑی۔ دوم نے یہ جنگ خلاف معاہدہ قرار دی اور قرقاجہ حملہ کر دیا۔ شکست کے بعد قرقاجہ نے اپنے مغزین کے تین سو لاکھ، تمام جہاز، اور تمام ہتیار، دوم کے حوالہ کر دیے۔ کیونکہ صلح کی یہی شرط تھی مگر دوم کا ارادہ دوسرا ہی تھا۔ اُس نے دیکھا اب قرقاجہ بالکل بے بس ہو گیا ہے۔ چنانچہ مطالبہ کیا کہ فوراً شہر خالی کر دیا جائے اور باشندہ سمندر سے ۱۰ میل دور ہٹ کر ایک نیا شہر بنا کر دیں۔

یہ شرط قرقاجہ والوں نے منظور نہیں کی اور از سر نو جنگ پل پل گئے۔ اُنھوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے اور طریقہ ریاں کرنے لگے۔ ایک مقررے بازار میں کھڑے ہو کر تفریق کی:

”دیوتا ہماری قوم پر ہمیشہ مہربان رہا اور ہم سرخرو، سر بلند اور مالامال رکھا۔ لیکن دوم کے ذلیل نفس اور سنگدل کینے ہم پر حسد کرتے ہیں اور مدت سے ہمارے پیچھے بڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے خوریزی ختم کرنے کے لئے ایسی شرطیں منسلک کر لی تھیں، جنہیں کوئی شریف قوم منظور نہیں کر سکتی۔ لیکن اب وہ ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنا وطن بھی اُن کے حوالے کر دیں۔ یہ ناممکن ہے۔ ہم مرجائیں گے مگر یہ مقدس زمین دشمن کے حوالے نہیں کی جائے گی!“

قرقاجہ میں سخت جوش پھیل گیا تھا، مگر ہتیار موجود نہ تھے۔ باشندے سخت متفکر تھے کہ مقابلہ کیا کیا سامان کریں؟ اتنے میں ایک طرف سے شور مچا۔ اُنھوں نے خیال کیا دشمن گھس گیا مگر وہ دشمن کا شور نہ تھا، خود قوم کے فوجیوں، ہتیار بنانے کے لئے لوہا جمع کرتے پھرتے تھے۔ انہیں دیکھ کر اور لوگ بھی ساتھ ہو کر اور عبادت خانوں، عمارتوں، مکانات میں جتنا لوہا بھی مل سکتا تھا جمع کر لیا، حتیٰ کہ دروازوں سے کیلیں تک نکال لیں۔ پھر فوراً ان لوہا پگھلا کر تلواریں بنائی گئیں۔ عورتوں نے اپنی چوٹیاں کاٹ لیں تاکہ مکانات کے لئے کام آئیں۔ لاچار اور بڑے عبادت خانوں میں بتوں کے سائے گڑے اور رنج و نصرت کی دعائیں کرنے لگے۔

نئے ہتیار لے کر قرقاجہ کے باشندے میدان میں بیٹھے اور رومیوں سے لڑائی شروع کر دی۔ لیکن سخت جلد جلد کے باوجود بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ شکست کھائی اور واپس سوکر شہر کے دروازے بند کر لئے۔ دوم والوں نے اب خود شہر پر حملہ شروع کیا اور ایک نئی معرکہ کے بعد اندر گھس پڑے۔ مگر شہر اب بھی مغترب نہیں ہوا کیونکہ باشندے ہر طرح پر موہے لگائے کھڑے تھے۔ جب دوم والوں نے یہ مورچے بھی جیت لئے تو اب گھر میں لڑائی شروع ہوئی۔ ایک ایک گھر قبضہ حاصل کرنے کے لئے دوم والوں کو خون بہانا پڑا

خواجہ حسن نظامی

کا

ہفتہ وار انگریزی اخبار

نیگ مسلم دہلی

بتلیغ کا حامی، مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا

معاون اور تمام اسلامی مطالبات کو گورنمنٹ

کے سامنے پیش کرنے والا۔ سالانہ قیمت پانچ روپے

طالب علموں کو چار روپے۔ ہر تعلیم یافتہ مسلمان

کو پڑھنا چاہئے،

مینجر نیگ مسلم دہلی



# دہلی کے نامی اور نامور مشہور مقبرہ مقبول خاص و عام اسم باہمی

ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی کا

عید المثل ناداد وجود سرائی تحفہ

”ہمدرد، دہلی“

تار کا کافی پتہ

ماء اللحم دوا آتشہ

زندگی جیسی غیز اور پیاری چیز ہے وہ ظاہر ہے لیکن تندرستی بھی ایسا ہی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی جو توبہ کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہے اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشید کیا ہو ماما لہم استعمال کیجئے اور پری میں شباب کا لطف اٹھائے یہ امر تو مسلم ہے کہ ماما لہم معوی اور دوا ہے، بدن میں جنتی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا بھاننا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خامی تک ہے۔ مگر ہمارا ماما لہم خصوصیت کے ساتھ بیرون کو جوان اور جوانوں کو جوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور معوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا سمولی اور کتابی نہیں ہے بلکہ عالیجناب شہزادہ الملک بہادر غفران مآب میں عظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب مدوح نے بغرض رفاہ عام ”ہمدرد و دوا خانہ“ کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ماما لہم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا شاہدہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر معتد بہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہے۔ پہلک کو صحت اپنی لفاظی اور خوش بیاہی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض امور میں ہم کو اپنی کچی ہمدی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

ماما لہم کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہے شگنائے اور آزمائے تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ مشک آنت کو خود بخود۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہو مگر اسکے چند اقسام کے حلوسے معوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ نعمت میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہمدرد کی مفرد مرکب دوا میں اس دوا خانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ نعمت سے عام مہجری تیار ہے۔ مفت طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ ”مینجر ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی“

مینجر ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی

برص سفید و داغ ابیہم میں خربے غائب

درہ پوری قیمت واپس۔ (قرآن نامہ نکالیں) کہیں خوراک بخورن میعاد۔ ایک شیشی روغن سیاچو پوسے ۲۱ درہ کانی ہوگی قیمت مخرج سارہ پیتر و آنہ

دقر معالج برص منبرہ در بھنگہ (سہار)

پہرہ روانہ

اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ملک اور قوم و ملت کا سچا پروانہ دلچسپ اچھوتے مضامین نظم و نثر سے لبریز نوبر ۱۹۲۷ء در بھنگہ سے نہایت پابندی کے ساتھ شائع ہوگا لکھنائی چھپائی اور کاغذ بہت نفیس چندہ سالانہ تین پڑے (دو) طلبہ سے دور وہ (عاب) مالک فیر سے پانچ وہ (عمر)

مینجر رسالہ پروانہ در بھنگہ (سہار)

گھسکر آزالو

دور و لے تولہ سونا

رنگ بیکھو

جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت نازک منقش چوڑیاں جرمنی سے نکرائی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک غول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ انکے اندر رنگیں چوڑیاں آجاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زربعد اور باقوت کے نیکے جڑے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ درودق میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی پتی ہے۔ صنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ ڈھائی روپیہ میں پانچ سو روپے کا کام نکالا جاسکتا ہے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں ڈرا فروخت ہوتی ہیں۔ جلد نگوشتے تاکا شات ختم نہ ہو جائے۔ چوڑیوں کی قیمت ڈھائی روپیہ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس چوڑیوں کے دام مبلغ سات روپے (معدہ)

مینجر گولڈن سٹور۔ پوسٹ بکس ۱۱۱۱

اشتہار کے لئے



# ان تمام اصحاب کے لئے جو قیمتی ترین صنعت کی قیمتی شایہ کا شوق رکھتے ہیں دنیا میں عظیم الشان مقام I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرائی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرائی تصویریں، پرائی سکے،  
اور نقوش، پرائی زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرائی صنعتی،  
عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش  
گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے  
ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا نے نام جہنوں سے غیر معمولی معاصرت و سامی کے بعد حاصل کیا گیا ہے  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران  
ترکستان، چین، وغیرہ مالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

بائیں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عمدہ انداز ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے  
رہتے ہیں۔ تاہم کے لئے ایوان شاہی کے نوادر بھی حاصل ہیں ہم سب کے لئے

اگر آپ کے پاس نو اور موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت  
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W. 1.**

جو  
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے  
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں  
شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ  
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں  
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں  
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ  
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلہ  
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ  
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن  
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں  
ہمارے یہاں ہر چہاہ  
کے بعد کو ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہو کر آئی

## جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ستمبر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن گن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی روداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب امت تمام نفع انسانی پر کھول دیا ہے؟ قیمت بارہ آنے (۱۲ روپے) (نیوٹر الہلال کلکتہ)

## اگر آپ کو

## دماغ

## ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب

دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

# HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

## اگر آپ انگلستان کی سیاحت چاہتے

ہیں تو  
یاد رکھئے

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہینا

## گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کر دے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے!

ایسی

مکمل گائیڈ بک ضرور

## ڈنلاپ گائیڈ بوک گریٹ برٹین

The Dunlop Guide  
To Great Britain

کا دسترا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے

ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

## کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین قانونی قلم

## امریکن کارخانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کی زندگی بھر کام

دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری پیل لٹوں

سے فریق کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

## کم از کم تجھے کبیرہ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو

”شیفر“ کا

”لائف ٹائم“

لینا

چاہئے!

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ وابن قیم

دینی عام کے بیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے امامین کی ان نادرو اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

اُسوہ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مچل  
ازھائی روپیہ -

کتاب الرسیلہ — لفظ ”رسیلہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی ہے۔ بلا جلد ازھائی ردیہ، مجلد سواتین ردیہ۔

اصحاب صفہ — انکی تعداد، ذریعہ معاش، طریق عبادت اور انکی مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آئے۔

تفسیر سورة الكوثر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا  
اُردو ترجمہ - چار آنے -

العزرة الرقعی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل  
 بیان کیا ہے - چہ اُنے -

سیرتِ امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی  
نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں - نر آنے

نچند و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی تازہ کتاب  
کا اردو ترجمہ - سہا روپیہ -

أئمة اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے  
خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آنے

مبدع سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کارش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

( حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب )

**“ Al-Hilal Book Agency,”**

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

گاہ گاہ ہے باز خوان این دفتر پارسہ را  
بازہ خواہی داشتن گردانمائے سینہ ما

اردو صحافت اسی قزغ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مقررہ رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف مذاق کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون اور معلومات عامہ کے ہوتے تو اردو اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خریدیں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹن تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا اور کتاب میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خریدیں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھاپنی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست سو روپیہ میں خرید کیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بعقظات جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی غلغلہ کرنے کیلئے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں ”الابلاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے کوشش کی کہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ لٹرشس ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علامہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہو گئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں۔ چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہو سکے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی اندکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ زریبہ      الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ زریبہ  
 ” ” ” چھارم ۱۰ زریبہ      ” ” پنجم ۱۰ زریبہ

جلد ” البلاغ“ (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا)  
 قیمت ۸ زریبہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - معصوم ذاک رپبلکنگ اس کے علاوہ ہے۔

منیجر "البلاغ پریس"

## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ حاصل کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تفہرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہئے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحثہ جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورلڈ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وسیع تبصرہ

دیتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی نوالد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

## برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو کوم ملنے کے موزوں کو خشک کرتے ہیں پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانہ طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینیں بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجئے۔

یاد رکھیے

میروں، توکاروں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے بہترین طریقہ وہ ہے جو "ٹیلے سسٹم" کے نام سے مشینیں میں مشہور ہے۔ اس "ٹیلے سسٹم" کے مطابق کام کرنے مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وسیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کونپنوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بعیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta

Printed and Published by

ABDUL HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR: MAULANA ABU AL-KALAM AZAD.



۲۲

جلد

۱۹۲۷

المعالم

جلد ۲۲

جلد ۱



تذکرہ پرنسپل

۵ - اے

قیمت

# الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا

|                        |   |   |            |
|------------------------|---|---|------------|
| قیمت سالانہ مع معقول   | - | - | بارہ روپیہ |
| ہندوستان سے باہر کیلئے | - | - | سولہ روپیہ |
| قیمت شش ماہی           | - | - | سات روپیہ  |
| قیمت فی پرچہ           | - | - | پانچ آنہ   |

( ۱ ) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے ۔

( ۲ ) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا ۔

( ۳ ) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

( ۴ ) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپر وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے ۔

( ۵ ) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا ۔

( ۶ ) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے ۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں ۔

( ۷ ) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کورن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں ۔

( ۸ ) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض ( مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا ۔

# الہلال

ایک ہفتہ وار موصوٰر سالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۲۲ . جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۲۲

Calcutta : Friday, 18, November 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہین رکھتی .  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے .  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہین کر سکتی .

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکے ہین ، وہ ہین جن میں الہلال  
چھپتا ہی . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین . آپ ان  
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں . لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں .  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے . یاد رکھیے .  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہی . ضروری ہی کہ اسکی  
تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں .

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۶۵۰ مراسلات وصول ہوی ہین . تقسیم آراء حسب ذیل ہی :

|     |                        |     |                              |
|-----|------------------------|-----|------------------------------|
| ۴۴۰ | اردو حروف کی حق میں    | ۲۴۲ | عربی حروف کی حق میں          |
|     | حروف کی حق میں بشرطیکہ | ۶۳۰ | موجودہ مشترک طباعت کی حق میں |
| ۱۵۰ | نستعلیق ہون            | ۲۷۸ | پتھر کی چھپائی کی حق میں     |

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہی .

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہین  
ہی . اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہی . آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کریںگی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں . الہلال



(نیپولین اعظم)

## نیپولین اور اسکی اخلاقی زندگی

(انسانی عظمت اور اخلاقی نامرادی)

میدان جنگ اور حجلہ ہرس !

انسان ذہن و جسم کی کتنی ہی عظمتیں حاصل کر لے، لیکن روح اور اخلاق کی ادنیٰ سے ادنیٰ پاکیزگی بھی حاصل نہیں کر سکتا، اگر اُس کا اعتقاد اور عمل روحانی ہدایت کی روشنی سے محروم ہے ! انسان کے لیے یہ سہل ہے، کہ تمام دنیا فتح کر لے - سکندر نے دنیا کی تمام سلطنتیں تہ و بالا کر ڈالی تھیں - انسان کے لیے یہ بھی دشوار نہیں کہ ذہن و فکر کی ایسی بلندیوں تک پہنچ جائے جہاں تک دوسروں کے قدم نہ پہنچ سکے ہوں - ارسطو، اقلیدس، سولن، اور سنیکا جیسے فاتحین علم کی فتح مندیال لا زوال ہو چکی ہیں، اور دنیا منطق، ریاضی، قانون، اور فلسفہ اخلاق میں آج تک ان کی پس ور ہے - انسان کی ارادہ العزمی ان بلندیوں پر بھی نہیں رکتی - کچھ مشکل نہیں اگر وہ آگ کے شعلوں میں کود پڑے، سمندر کی موجوں کی ہنسی ارزائے پہاڑوں کی صفیں چیر ڈالے - لیکن ہاں، یہ مشکل ہے، بہت ہی مشکل ہے، کہ وہ اخلاق اور روحانی پاکیزگی کی راہ میں اپنی کسی ایک خواہش نفس کا بھی مقابلہ کر سکے - اس کی ساری ارادہ العزمی اور کردہ ہمتی جو دنیا کی ساری رکاوٹوں کا تن تہا مقابلہ کر سکتی ہے، ہوائے نفس کی ایک ادنیٰ سی رگرت بھی اپنی راہ سے ہٹا دینے پر قادر نہیں ہوتی - سکندر تمام دنیا کی تسخیر کی محنت سے نہیں تھکا، لیکن بابل کی ایک عورت جب اس کے سامنے آئی، تو اپنی خواہش نفس کے اضطراب سے بے بس ہو کر گر گیا - سنیکا نے تمام نوع انسانی کو اخلاق اور اخلاقی سعادت کی دعوت دی، لیکن خود اپنے آپ کو ایک دوسرے انسان کی منکوحہ عورت سے باز نہ رکھ سکا - ارسطو نے دامن علم کے دھبے بھی دنیا گن چکی ہے، اور یونان کی ایک قدیم ضرب المثل ہمیں بتلاتی ہے ”بڑا انسان بنو - اگر نیک انسان نہیں بن سکتے“ !

فی الحقیقت انسانی زندگی کی یہی اخلاقی اور عملی نامرادی ہے، جو الہامی ہدایت کی کسی بالاتر قوت کی ضرورت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتی ہے - انسان اپنے ذہن و جسم کی قوتوں سے سب کچھ کر لے سکتا ہے، لیکن تکلف اور بناوٹ سے بھی اپنے آپ کو نیک نہیں بنا سکتا - اگر انسانی زندگی کی سعادت کیلئے اُس عملی صداقت کی کچھ بھی ضرورت ہے جسے نیکی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، تو ناگزیر ہے کہ عام انسانی سطح سے کوئی بلند تر ذریعہ ارشاد و ہدایت کا ہو - مذہب اور الہام اسی ذریعہ ہدایت کا نام ہے -

اتھارہویں صدی میں نیپولین بونا پارٹ کا ظہور بھی انسانی ارادہ العزمی کا ایک عظیم ظہور تھا - شاید ہی یورپ کے کسی انسان کی نسبت دنیا نے اس قدر کہا اور سنا ہو، جس قدر اس غیر معمولی انسان کی عجیب و غریب دماغی قوتوں کی نسبت کہہ سن چکی ہے - تاہم انسانی عظمت کی اخلاقی نامرادی کا یہ کیسا عبرت انگیز منظر ہے کہ یہی نیپولین جب میدان جنگ سے باہر اپنے گھر کی محفوظ زندگی میں دیکھا جاتا ہے، تو اس میں اتنی قدرت بھی نظر نہیں آتی کہ نہایت ادنیٰ درجے کی اخلاقی کمزوریوں سے اپنے آپکو باز رکھے !

حال میں جرمنی کے ایک اہل قلم گیزرڈ اریٹز Gertrude Areteز نے ایک کتاب ”نیپولین اور اسکی دوست عزتیں“ لکھی ہے، اور اُس میں مستند تاریخی ذرائع سے وہ تمام شہادتیں جمع کر دی ہیں جو نیپولین کی عاشقانہ بو الہوسوں سے تعلق رکھتی ہیں - اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے، اور دز تین ہفتہ سے انگلستان اور یورپ کے اکثر اخبارات و رسائل کا موضوع بحث ہے - ہم اُس کی بعض تاریخی داستانیں قارئین الہلال کی عبرت و بصیرت کیلئے درج کرتے ہیں -

(سولہ برس کی عمر میں عشق)

محبت کے باب میں نیپولین کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ ”محبت کا دل آدمی کا دل بہلا دیتا ہے“ ممکن ہے، نیپولین نے یہ اُس وقت کہا ہو، جب وہ پاک دامن تھا - لیکن بعد میں - اگر مخالف مورخین کی روایت تسلیم کر لی جائے تو - اُس نے اس قول کی بڑا پر حسن و ہوس کی زندگی سے اجتناب نہیں کیا، وہ ہمیشہ کسی نہ کسی حسیذہ سے وابستہ رہا -

آغاز شباب میں نیپولین مارسیلز اور پیرس کی سڑکوں پر پھرتے پڑے پتے پہنے پھرا کرتا تھا - نہ تو اُس کی ہیئت سے کسی کو دلچسپی کا شبہ ہو سکتا تھا، نہ اُس میں ظاہری حسن و جمال ہی کچھ ایسا غیر معمولی تھا کہ کسی کو اپنی طرف متوجہ کر لے - تاہم یہ واقعہ ہے کہ اُس زمانہ میں بھی بکثرت عورتیں اُس پر عاشق ہو گئی تھیں - کیونکہ فی الواقع اُس میں کوئی ایسی نامعلوم کشش موجود تھی، جو دلوں کو لبھا لیتی تھی - ممکن ہے، اُس کا شرمگین انداز اور اُس کے پر غرور چہرہ کی عجیب اداسی اُس کے دیکھنے والوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دیتی ہو -

کہا جاتا ہے کہ نیپولین سولہ برس کی عمر میں جب والنسا میں رہتا تھا، تو وہاں کی بہت سی حسین عورتیں اُس پر فریفتہ ہو گئی تھیں - مگر خود اُسے بجز ایک کے کسی سے دلچسپی نہیں ہوئی - اس دوشیزہ کا نام ”کارلین کولومبیا“ تھا - وہ نہایت نازک اندام اور خوبصورت تھی - ایک مرتبہ خود نیپولین نے اُس لڑکی کے

قبضہ جمانا چاہا۔ چنانچہ ایک مرقعہ پر جب یہ چاروں عاشق و معشوق جمع تھے، نپولین نے حکمانہ انداز میں کہا ”جزف! تم اور تمہاری محبوبہ دونوں غیر مستقل مزاج ہیں۔ لیکن مجھ میں اور میری محبوبہ میں استقلال ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم تم مبادلہ کر لیں تا کہ تمہارا نقص جویا پورا کر دے“ اور میں ڈیڑہرا کی کمی پوری کر دے۔ یہ عجیب و غریب فلسفہ بیان کر کے اُس نے اپنے بھائی کی محبوبہ کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور کسی کو بھی مخالفت کی جرأت نہ ہوئی!

لیکن تھوڑے ہی زمانہ کے بعد نپولین نے محسوس کیا کہ عزت و عظمت کی راہیں اُس کے سامنے کھلی ہوئی ہیں۔ لہذا ڈیڑہرا کو یک قام چھوڑ دیا، اور اُس کی منزلتوں اور آنسروں کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔

( جوزیفائن سے عشق )

اُس کی طبیعت کچھ ایسی بدچین واقع ہوئی تھی کہ ایک ہی حالت پر چلے جانا اُسے پسند نہ تھا۔ سابق محبت سے دوسرے بردار ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد وہ جوزیفائن پر فریفتہ ہو گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اکتوبر ۱۷۹۵ء میں جب نپولین بام عزت کی ابتدائی سیزھیں پر تھا، اُس کے پاس ایک کم عمر لڑکا آیا، اور اپنے باپ کی تلوار واپس مانگی۔ یہ لڑکا فرانس کے مشہور سپہ سالار رائگنٹ الکزنڈر کا بیٹا تھا جسے فرانسیسی انقلاب کے زمانے میں پھانسی دیدی گئی تھی۔ نپولین کچھ کی جرات و فصاحت سے بہت خوش ہوا اور اُس کی درخواست منظور کر لی۔ دوسرے دن اُس کی ماں شکر یہ ادا کرنے آئی۔ یہی جوزیفائن تھی۔ نپولین پہلی ہی نظر میں اس پر عاشق ہو گیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ دوسرے دن خود نپولین جوزیفائن کے چھوڑے سے مکان پر گیا۔ جوزیفائن واقعی بہت خوبصورت تھی، ساتھ ہی عقلمند بھی تھی۔ اُس نے محسوس کر لیا کہ نپولین اُس کی چشم و ابرو کا شکار ہو گیا ہے۔ چونکہ اسراف کی وجہ سے سابق شہر کی تمام دولت خرچ کر کے مقروض ہو چکی تھی، اس لیے اس نے بھی اس نئی دعوت عشق کا پوری سرگرمی سے استقبال کیا اور تعلقات بڑھانا شروع کر دیے۔ چند ماہ کی آمد و رفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارچ سنہ ۱۷۹۶ء میں جنرل بونا پارت اور جوزیفائن کی شادی ہو گئی۔ دہن کی عمر دواہا سے سات سال زیادہ تھی، مگر نکاحنامہ میں اُس کی عمر ۲۹ برس لکھی گئی اور نپولین کی ۲۶ برس!

شادی کے دو دن بعد نپولین کو اٹلی کے حملہ پر جانا پڑا۔ سخت مصروفیت تھی، مگر جوزیفائن کی یاد ہر وقت تازہ رہتی تھی۔ ہر منزل پر سے خط کے ساتھ قاصد بھیجتا، اور اپنی حالت سے اُسے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ پہلے خط میں لکھا تھا ”جب جب اپنے دل پر ہاتھ رکھتا ہوں، تم اُس میں موجود ملتی ہو جس سے مجھے بڑی تسکین ہوتی ہے۔“ اِس دنیا میں اگر کوئی غم ہے تو صرف تمہاری فرقت کا“

جوزیفائن کی تصویر ہر وقت اُس کے پاس رہتی تھی۔ جب کہیں پڑاؤ ڈالتا تھا، تصویر نکال کر سامنے رکھ لیتا تھا۔ جب کوچ کرتا تھا تصویر جیب میں رکھ لیتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نیس میں اُس کے ہاتھ سے تصویر کا آئینہ چھوٹ کر ٹوٹ گیا۔ اِسے اُس نے فال بد سمجھا۔ قریب تھا کہ جوزیفائن کی طرف سے

متعلق کہا تھا ”اُس وقت دنیا میں کوئی در شخص ایسے خوش نصیب نہ تھے جیسے ہم دونوں تھے۔ ہم ایک ایسی پاک محبت کے مزے لوٹ رہے تھے، جیسی خراب میں بھی کسی انسان نے نہ دیکھی ہوگی... اکثر ہم دونوں باغوں میں چلے جاتے اور درختوں پر چڑھتے اترتے۔ بارہا ہم دن دن بھر مخلوق کی نظروں اور شہر کے شر و غل سے دور بیٹھے باتیں کیا کرتے تھے!“

لیکن امتداد زمانہ نے نپولین کے دل سے اِس در شیزہ کی یاد محو کر دی اور اُسے اپنی ایک ہم وطن لڑکی سے عشق ہو گیا۔ نپولین شروع ہی سے مستبد تھا۔ اُس نے اپنی محبوبہ کو سختی سے حکم دیدیا کہ اُس کے سوا کسی کو بھی مسکرا کر نہ دیکھے۔ لڑکی کے دل میں اِس جابرانہ حکم سے نفرت پیدا ہو گئی، اور اُس کے پنجے سے نکلنے کے لیے اُس نے ایک دن شراب میں زہر ملا دیا۔ اور نپولین مرنے مرنے بچا!

( ادھیڑ عورت سے عشق )

اِس واقعہ سے کچھ عرصہ بعد نپولین کو ایک ادھیڑ عورت ”میدیم پرمون“ سے محبت ہو گئی، اور اِس قدر بڑھی کہ ایک لمحہ بھی اُس کی جدائی گوارا نہ تھی۔ ایک دن نپولین نے اُس سے باضابطہ شادی کر لینے کی درخواست کی۔ عورت نے اِس خواہش پر زور سے قہقہہ لگایا ”تم بیوقوف ہو! مضحکہ بننا چاہتے ہو! پہلا لڑک کیا کہیں گے؟ بیوی ہونے کے بجائے میں تمہاری ماں بننے کے زیادہ قابل ہوں!“ نپولین پر یہ بات بہت ناگوار گزری اور قطع تعلق کر لیا۔

( نپولین کا طریق محبت )

ایک مورخ کا بیان ہے کہ نپولین نے بے شمار عورتوں کا دل توڑا ہے۔ اُس کی عادت تھی کہ تعلقات بڑھائے جاتا تھا، اور جب عورت اُس کے دام محبت میں پھنس جاتی تھی، تو بے اعتنائی سے بالکل چھوڑ دیتا تھا۔ چنانچہ ”میدیم ولسکا“ پولینڈ کی ایک حسینہ کا واقعہ اِس بات کا کافی ثبوت ہے۔ نپولین نے اِس عورت کو دیکھا اور لبھانا چاہا۔ مگر اُس نے سخت نفرت کا اظہار کیا۔ نپولین نے اُسے قبضہ میں لانے کی بہت کوشش کی، مگر وہ برابر بیزار رہی۔ آخر ایک دن غضبناک ہو کر چلا یا ”تو دیکھ لیگی۔ میں تجھے کس طرح زیر کرتا ہوں! تجھے میرے ارادہ کے سامنے جھکنا پڑے گا! دیکھ، یہ میرے ہاتھ میں گھڑی ہے، جس طرح میں یہ گھڑی چور چور کیے ڈالتا ہوں، اُسی طرح پولینڈ کا ملک بھی پاش پاش کر کے پھینک دوں گا!“ اُس نے یہ کہا اور گھڑی زور سے دیوار پر مار دی۔ اِس حرکت کا عورت پر اتنا شدید اثر ہوا کہ وہ بے ہوش ہو کر نپولین کے قدموں پر گر پڑی۔

لیکن چند دنوں کے بعد ہی نپولین نے اُسے اکتا کر چھوڑ دیا!

( محبت میں استبداد )

عشق و محبت کے میدان میں بھی اِس شخص کے ظلم و استبداد کے قصے مشہور ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ غربت کے زمانہ میں جب نپولین اور اُس کا بھائی مارسیلز کے بازاروں میں پہرا کرتے تھے، اتفاق سے ریشم کے ایک سرداگر ”فرانسوا کلاری“ کے خاندان سے اُن کا تعارف ہو گیا۔ اِس تاجر کی دز لوکیاں تھیں۔ بڑی کا نام ”جولیا“ تھا۔ چھوٹی کا ”ڈیڑہرا“۔ نپولین نے شروع میں جولیا کو پسند کیا اور اُس کے بھائی نے ڈیڑہرا کو۔ تھوڑے دن بعد نپولین اپنی محبوبہ سے سیر ہو گیا، اور بھائی کی محبوبہ پر



پہرہی کر ایک خط میں لکھتی ہے ”زندگی سے اکتانگی ہوں۔ موت کی تمنائیں کر رہی ہوں!“

جنگ اٹلی سے فارغ ہو کر دونوں میاں بیوی بڑی شان و شوکت سے پیرس لوٹے۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد نپولین کو پھر جوزیفاں سے علیحدہ ہونا پڑا۔ وہ مصر کی مہم پر روانہ ہو گیا اور بیوی سے وعدہ لے لیا کہ جنگ ختم ہونے ہی مصر چلی آئیگی۔ مگر ابھی وہ مالٹا ہی پہنچا تھا کہ اس عیش پسند عورت نے خاوند کو یک قلم بہلا دیا اور جلسے شروع کر دیے۔ نپولین اب فرانس میں اس قدر ہر دلعزیز ہو گیا تھا کہ اُسکی بیوی کی آزادیوں پر تمام پیرس ملامت کر رہا تھا۔ مگر خود اُسے کچھ پروا نہ تھی۔ بہت جلد نپولین کو تمام رواد معلوم ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی زمانہ میں اُسے سب سے پہلے جوزیفاں کو طلاق دینے کا خیال پیدا ہوا تھا۔

جوزیفاں سمجھتی تھی کہ نپولین شاید کبھی واپس نہ آئیگا، یا بہت مدت کے بعد آئیگا۔ اسی لیے بالکل بیناک ہو گئی تھی۔ مگر اچانک اُسے خبر ملی کہ اُسکا شوہر مصر سے آ گیا ہے، اور عنقریب پیرس پہنچنے والا ہے۔ بہت خوفزدہ اور پریشان ہوئی۔ ایک طرف اپنی بے اعتدالیوں کا خوف تھا۔ دوسری طرف سخت مقررہ بھی ہو گئی تھی۔ حیران تھی شوہر کو کیا جواب دے گی؟ مگر تھی چالاک۔ فوراً پیرس سے استقبال کیلئے روانہ ہو گئی۔ نپولین کو بھی اُسکی روانگی کی خبر مل گئی تھی۔ اُسنے بالکل مختلف راستہ اختیار کیا، اور محل میں آ کر تمام دروازے بند کر لیے۔ جوزیفاں اپنی تدبیر میں ناکام ہو کر سرعت سے لوٹی، اور سیدھی محل کی طرف روانہ ہو گئی۔ مورخ میسن کا بیان ہے ”جوزیفاں محل کے دروازہ پر کھڑی دستکیں دیتی رہی۔ مگر نپولین نے کوئی شنوائی نہیں کی۔ پھر اُسنے اپنے گھنٹوں پر جھک کر پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کیا، مگر اس پر بھی سپہ سالار نے مطلقاً پروا نہ کی۔ اس حالت پر پورا دن گزر گیا، مگر دروازہ نہیں کھلنا تھا نہیں کھلا۔ اب جوزیفاں بالکل تھک گئی۔ نا اُمید ہو کر واپس جانے والی تھی کہ اُسکی ایک سہیلی اُسکے دونوں بچوں اوجھیں اور ہورٹانس کو لے آئی۔ انہوں نے رکوع کر کے اپنے سوتیلے باپ کو پکارنا اور اپنی ماں کیلئے رزور کو سفارشیں کرنا شروع کیا۔ معصوم بچوں کی آواز سن کر نپولین کا دل نرم پڑ گیا اور دروازہ کھول دیا۔ پھر جوزیفاں کو آٹھایا، آنسو پونچھ، معاف کیا، اور اُسکا بیس لاکھ فرنک قرضہ بھی ادا کر دیا۔“

(جوزیفاں کو طلاق)

اُسکے بعد جوزیفاں نپولین کے ساتھ رہی۔ جب وہ تخت نشین ہوا، تو اُسنے ملکہ فرانس کا تاج پہنا اور شہنشاہی کی عزت و عظمت کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہی۔ یہاں تک کہ نپولین کو اپنے بعد اپنے جانشین کی فکر ہوئی۔ اس خیال نے دوسرے سیاسی مصالح کے ساتھ مل کر اُسے جوزیفاں کی طلاق پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ طلاق دیدی گئی، اور نپولین نے شہنشاہ آسٹریا کی لڑکی میری سے شادی کر لی۔

مشہور ہے کہ آسٹریا بیوی کو اپنے شوہر سے ذرا بھی محبت نہ تھی۔ بلکہ سخت نفرت کرتی تھی جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ نپولین نے جزیرہ سینٹ ہیلانا میں بستر مرگ پر اپنے ڈاکٹر کو وصیت کی تھی کہ موت کے بعد اُسکا دل شیشہ میں رکھ کر اُسکی

بالکل نا اُمید ہو جاتا۔ مگر اُس نے فوراً خط لکھا ”کاش تمہارے پر ہونے، اور تم آ کر میرے پاس آ جاؤ!“

لیکن جوزیفاں اپنی راگ رلیوں میں مصروف تھی۔ نپولین کی اُسے ذرا بھی پروا نہ تھی۔ اب اُسے پایہ تخت میں بڑی عزت حاصل ہو گئی تھی۔ اچھے اچھے لوگ اُس کی خوشامد میں لگے تھے۔ چند ہفتہ کے اندر نپولین نے اٹلی میں عظیم الشان فتوحات حاصل کر لیں اور اطمینان پا کر جوزیفاں کو بلا لینا چاہا۔ لیکن وہ برابر حیلے حوالے کرتی رہی۔ آخر نپولین نے سختی سے لکھا کہ فوراً چلی آؤ۔ اس مرتبہ اُس نے ایک نیا عذر پیش کیا۔ اُس نے لکھا کہ میں سفر نہیں کر سکتی کیونکہ حمل سے ہوں۔ نپولین کو اس جھوٹی خبر سے بڑی ہی خوشی ہوئی۔ اُس نے فوراً خط لکھا ”جوزیفاں! میں نے سخت غلطی کی۔ کس طرح اپنے گناہ کا کفارہ کروں؟ میں نے نا حق شک کیا۔ حالانکہ تم بیمار تھیں۔ سچ ہے، محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ ... کاش ایک ہی دن کیلیے میں تمہارے پہلو میں ہوتا!“

نیز اپنے بھائی کو لکھا ”جوزیفاں کی علالت نے میرے ہوش اڑا دیے ہیں۔ کش میں اُسے لکھ سکتا۔ اُس کی محبت جڑوں کے درجہ تک پہنچ گئی ہے۔ میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ خدا ناخواستہ اگر وہ مر گئی تو زندگی میں میرے لیے کوئی لطف باقی نہیں رہے گا!“

لیکن چند ہی دن بعد نپولین کو معلوم ہو گیا کہ جوزیفاں نے دھوکا دیا تھا۔ وہ بالکل اچھی ہے، اور پیرس میں ضیافتیں دے رہی ہے۔ اب اُسکے غصہ کی کوئی حد نہ تھی۔ اُسنے فوراً تلخ لہجہ میں خط لکھا، اور حکم دیا کہ بلا کسی عذر کے روانہ ہو جائے۔ جوزیفاں بادل ناخواستہ روانہ ہو گئی۔ میلان میں نپولین نے بڑی مسرت سے استقبال کیا۔ مگر چند ہی دن بعد اُسے پھر میدان جنگ میں جانا پڑا۔ کیونکہ فرج ایک خطرہ میں پھنس گئی تھی۔ خطرہ دور کر کے اُسنے پھر اُسے طالب کیا۔ خط میں لکھا تھا ”جدائی کے وقت تمہارے آنسوؤں نے میرے دل کو سخت مایوس کر دیا تھا۔ میری عقل جاتی رہی تھی۔ اب یہاں میرے پاس آ جاؤ، تاکہ مرنے سے پہلے ہم کہہ سکیں کہ ہم نے بھی چند دن خوشی کے دیکھے ہیں“ مورخ میسن کا بیان ہے کہ نپولین جوزیفاں کے سامنے اس طرح کہڑا ہوتا تھا، گویا کسی مقدس دیوی کے حضور میں کہڑا ہے!

(نپولین کا رقیب)

جوزیفاں اپنے شوہر کے حسب الحکم جنگی پڑاؤ میں آ گئی۔ یہاں چارلس نام فوج میں ایک کم رتبہ افسر تھا۔ کم عمر اور خوبصورت تھا۔ حئی کہ کہا جاتا ہے، نپولین کی فوج میں اُس سے زیادہ حسین آدمی کوئی نہ تھا۔ جوزیفاں دیکھتے ہی فریفتہ ہو گئی۔ یا تو فرج میں رہنے سے بیزار تھی، یا اب فرج سے جدا ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔ دونوں میں شناسائی ہوئی، تعلقات بڑھے، اور اتنے بڑھے، کہ خود نپولین نے محسوس کر لیا۔ وہ نہایت غصہ ہوا مگر ضبط سے کام لیا۔ البتہ اتنا ضرور کیا کہ اپنے رقیب کو فرج سے نکال کر پیرس بھیج دیا اور حکم دیا کہ آئندہ احکام کا منتظر رہے۔ اپنے شوہر کی اس کارروائی سے جوزیفاں کو سخت صدمہ ہوا۔ مگر مجبور تھی۔ کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنی

ثانیاً، ایک اصل عظیم اس باب میں یہ ہے کہ انبیاء کرام کا طریق تعلیم ”مقدمات“ کا طریقہ نہیں ہوتا۔ ”براہ راست“ تلقین کا طریقہ ہوتا ہے۔

عام بول چال میں اس کا مطلب یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی بات کے ثابت کرنے اور منظر دینے کے طریقے درہیں: ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے مخاطب سے چند ایسے باتیں منوالی جائیں جو کو اصل مدعا نہیں ہیں، لیکن انکے تسلیم کر لینے کے بعد مدعا کا تسلیم کر لینا ضروری ہو جائیگا۔ یہ طریقہ ”مقدمات“ کا طریقہ ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو بات مخاطب کے دل میں اتارنی ہو، وہ ایسی شکل و نوعیت میں بیان کر دی جائے، کہ بغیر کسی دوسری بات کے سہارے کے، خود بخود دل نشیں ہو جائے۔ اُس بات کے سمجھنے، مان لینے، اور شک و انکار سے محفوظ ہو جانے کیلئے کسی دوسری بات کے سونچنے سمجھنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ یہ طریقہ ”براہ راست“ تلقین کا ہے۔ کیونکہ اس طریقہ میں اثبات مدعا کیلئے جو کچھ کہا جاتا ہے، مقدمات کا محتاج نہیں ہوتا۔ پہلا طریقہ علوم رضیہ اور نظار کا ہے۔ دوسرا طریقہ طریق فطری اور انبیاء کرام کا ہے۔

انبیاء کرام اگر اپنی تعلیم میں مقدمات کا طریقہ اختیار کرتے، تو ظاہر ہے کہ اُن کا خطاب عام نرح بشر سے نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ بجز چند افراد کے جنہوں نے عام رضیہ کے طریقہ پر مقدمات کے بحث و نظر کی استعداد پیدا کر لی ہو، عمۃ الناس نہ تران کی تعلیم سمجھ سکتے، نہ ایمان کے لیے مکلف ہو سکتے۔ انبیاء کے لیے ضروری ہوتا کہ وہ ایمان کی براہ راست دعوت دینے کی جگہ پہلے مدرسوں میں وضعی علوم کی تعلیم دیتے پھرتے، پھر تعلیم کے بعد مقدمات ترتیب دیکر اثبات مدعا کی شکلیں بنائے، پھر اُن مقدمات میں سے ایک ایک مقدمہ پر لڑتے جھگڑتے۔ پھر جب مخاطب اُن مقدمات کے جال میں الجھ جاتا، تو اُسے بے بس کر کے اقرار کرا لیتے۔ یہ طریقہ حکماء کی بحث و نظر کا ہے۔ ”دعوت“ کا نہیں ہے۔ اور انبیاء کرام ”داعی“ ہوتے ہیں۔ ”مناظر“ اور ”نظار“ نہیں ہوتے!

ثالثاً، مقدمات کا طریقہ جیسا کچھ بھی ہو، یقین نہیں پیدا کر سکتا، عجز پیدا کر دیتا ہے، اور دونوں میں فرق ہے۔ انبیاء اپنے مخاطبین میں یقین پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ بحث میں عاجز کر کے چپ کر دینا نہیں چاہتے۔ مقدمات کا طریقہ پیچ در پیچ اور چند در چند نظری مسلمات پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر مخاطب اس پیچ و خم کا شاطر نہیں ہے، تو بہت جلد لاجواب ہو کر چپ ہو جائیگا۔ یہ ”چپ ہو جانا“ نہ کہ ”مطمئن ہو جانا“ طریق مقدمات میں مناظر کی فتح سمجھی جاتی ہے۔ لیکن انبیاء کرام زبان نہیں، دل جیتنا چاہتے ہیں، اور زبان کے بے بس ہو جانے سے دل میں یقین نہیں پیدا ہو جاتا۔ تم ایک تیز زبان آدمی سے گفتگو میں بازی نہیں لیجا سکتے، اس لیے ہار مان لیتے ہو، مگر اس سے دل کا اعتقاد تو نہیں پیدا ہو جائیگا؟

رابعاً، مقدمات کے طریقہ کا تمام تر دار و مدار وضعی علوم کے نظری محلمات پر ہوتا ہے، اور یہ مسلمات نہ تو ہر حال میں حقیقی ہیں، نہ ہر زمانے کی علمی استعداد یکساں طور پر ان کا اعتراف کر سکتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کل نگ جو بات مسلم طور پر مانی جاتی تھی، آج اتنی کمزور ہو جائے کہ لوگ اُس کی



## حجۃ ابراہیمی

ایہ کریمہ ”الم قرالی الذی حاج ابراہیم“ کی تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریقہ

(از مولانا ابو الکلام)

(۲)

(۴) انبیاء کرام (علیہم السلام) حکماء کے وضعی طریق استدلال کی جگہ فطری طریق تلقین کیوں اختیار کرتے ہیں؟ میں اسکی تشریح یہاں نہیں کرنا، کیونکہ اول تو یہ تھوڑے تشریح کی متحمل نہیں، ثانیاً ایہ زیر بحث میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اسکی تشریح آگے آئیگی۔ البتہ ترتیب بیان کیلئے مختصر لفظوں میں یوں سمجھئے کہ:

اولاً، انبیاء کرام کی تعلیم کا مقصد بحث و نظر نہیں ہوتا، ایمان و یقین ہوتا ہے۔ ایمان و یقین کیلئے وضعی علوم کا طریق استدلال کسی حال میں بھی سود مند نہیں۔ انبیاء کرام کے تمام احکام کا دار و مدار ما وراء معسرات حقائق پر ہے جسے قرآن حکیم نے عالم ”غیب“ سے تعبیر کیا ہے۔ عالم ”غیب“ کے معاملات خلاف عقل نہیں ہیں مگر ما وراء عقل ضرور ہیں، اسلیے انکا عام نظری استدلال کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف وجدانی شہادت کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ وجدانی شہادت جو فطرۃ انسانی میں ودیعت کر دی گئی ہے اور جسکا اذعان قدرتی طور پر ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ پس انبیاء کرام کا طریق ارشاد یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کے وجدان سے خطاب کرتے ہیں، نہ کہ مجرد ذہن و ادراک سے۔

دوبی کے پاس لیجائے۔ لیکن جب ڈاکٹر ملکہ کے پاس پہنچا، تو اُسے ایک کانے عہدہ دار سے تعشق کرتے پایا۔ ملکہ نے فیولین کا پیغام سن کر کہا ”میں نے اُسکی محبت کبھی اپنے دل میں معسوس نہیں کی۔ اگرچہ میں یہ ہمیشہ یاد رکھنے پر مجبور ہوں کہ وہ میرے لڑکے کا باپ ہے“

مذکورہ بالا عورتوں کے علاوہ آری بھی بہت سی عورتوں سے فیولین کو محبت ہوئی یا انہوں نے اُس سے محبت کی۔ انمیں سب سے اہم اور قابل ذکر تین عورتیں ہیں۔ میڈیم فیولین، میڈیم تیبی اسٹائل، اور مسٹر اربل۔ ہم انکے واقعات بالاختصار بیان کرینگے۔

منہ یصدرون - و قالوا : الہتنا خیر أم هو ؟ " اس کے بعد کہا " ما ضررہا لك الا جدلا " بل ہم تو یہ خصم ہیں ! " یعنی منکروں کی یہ فکری حالت کہ وہ بات کی حقیقت پر غور کرنے کی جگہ فرضی اور تضحیاتی صورتیں پیدا کر کے کج بحثی کرنی چاہتے ہیں " راستی و حق پرستی کا طریقہ نہیں ہے - " جدل " کا ڈھنگ ہے -

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے دعوت الی الحق کا طریقہ راضع کرتے ہوئے کہا : ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ و المرعظۃ

الحسنہ " و جادلہم بالتی ہی احسن ( ۱۶ : ۱۲۶ ) اس آیت میں بالترتیب تین طریقوں کا ذکر کیا ہے : حکمت - مرعظۃ حسنہ - اور جدل - لیکن جدل کو " بالتی ہی احسن " کے ساتھ مقید کر دیا ہے - یعنی ایسا جدل جو اچھے طریقہ پر کیا جائے - اس سے معام ہوا کہ قرآن کے نزدیک " جدل " حکمت و مرعظت کی طرح محمود و مطرب نہیں ہے ، الا یہ کہ " بالتی ہی احسن " ہو -

جس آیت کی نسبت آپ نے استفسار کیا ہے ، دراصل وہ اسی حقیقت کا ایک بہترین نمونہ پیش کرتی ہے - وہ راضع کرتی ہے کہ انبیاء کا طریق دعوت و ہدایت کا ہے - جدل کا نہیں ہے - اور تشریح اسکی آگے آئیگی -

( ۶ ) لیکن انفسوس ہے کہ متکلمین کا منطقی ذوق طریق قرآنی کی اہمیت و حقیقت معلوم نہ کر سکا - انہوں نے قرآن کو بھی وہی منطقی جامہ پہنا دینا چاہا ، جو خود انہوں نے علم و نظر کے ہر گوشے میں پہن لیا تھا - چونکہ یہ طریقہ قرآن کیلئے ایک مصنوعی طریقہ تھا ، اسلئے قدم قدم پر طرح طرح کی مشکلات پیش آئیں - لغت ساتھ نہیں دیتی تھی ، عربی اسلوب بیان قطعاً مخالف تھا - سباق و سیاق کا مقتضا کچھ اور ہی کہتا تھا - سب سے بڑھکر یہ کہ قرآن کا عام نظم بیان اس طریق کے ساتھ چل نہیں سکتا تھا - تاہم وہ اپنی موشگافیوں اور کڑکندنیوں میں برابر بڑھتے ہی گئے ، اور کسی نہ کسی طرح کہینچ تان کر ایک نیا کارخانہ استدلال گڑھکر کھڑا کر دیا - اب دنیا اپنی ہے کہ قرآن کی مشکلات حل نہیں ہوتیں - لیکن کوئی نہیں جو اس حقیقت پر سے پردہ اٹھائے کہ مشکلیں قرآن کی مشکلیں نہیں ہیں - مفسرین کی پیدا کی ہوئی مشکلیں ہیں - اگر ایک بات کو اس کی زبان ، اس کے اسلوب ، اور اس کے قدرتی معانی سے ہٹا کر ایک دوسری طرح کی شکل دیدی جائیگی ، تو یقیناً وہ صاف نہیں رہیگی ، مشکلات کا ایک معما ہی بن جائیگی !

یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کے ساتھ ہم درہی طرح کا سلوک کر سکتے ہیں - یا تو اس کی سچائی تسلیم کریں - یا انکار کر دیں - اگر ہم اس کی سچائی تسلیم کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ وہ تمام اوصاف بھی تسلیم کر لیں جو اس نے اپنی نسبت بار بار بیان کیے ہیں - ان اوصاف میں سب سے پہلا اور بنیادی وصف یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے سہل ہے - کسی اعتبار سے بھی مشکل نہیں - پس قرآن سب کچھ ہو سکتا ہے مگر مشکل اور پیچیدہ نہیں ہو سکتا - کوئی تفسیر ، کوئی تاریل ، کوئی ایسی بات جس سے اس کی کوئی ایک سورت ، کوئی ایک رکوع ، کوئی ایک آیت ، بلکہ اس کا کوئی ایک لفظ بھی مشکل اور مقدمات طلب بن جائے ، قرآن کے لیے سچی تفسیر اور سچی بات نہیں ہو سکتی - یقیناً وہ سچی نہیں ہو سکتی - اس لیے کہ قرآن جسے سچ ہونا چاہیے ، نا ، نا ، کتا ہ : لقد بسنا القرآن... للذکر فهل مر... مذکور ( ۵۴ : ۱۷ )

ہنسی اور اڑائیں - ایمان کی بنیاد ایسی متغیر اور متزلزل بنیاد پر نہیں ہو سکتی - وہ تو ہر فرد ، ہر جماعت ، ہر طبقہ ، اور ہر زمانہ کے لیے ایک یکساں حقیقت ہے - یہ محل تفصیل کا نہیں ، روزہ مثالوں سے یہ بات بالکل راضع ہو جاتی - ہمارے حکماء اور متکلمین نے حدیث عالم اور اثبات صانع کے کتنے ہی استدلال ترتیب دیے تھے ، جن کی بنیاد اُس وقت کے مذاہب فلسفہ کے نظری مسلمات پر رکھی گئی تھی ، لیکن آج ہم کسی پڑے لکے آدمی کے سامنے انہیں دھرانے کی جرأت نہیں کر سکتے !

( ۵ ) صرف یہی نہیں کہ قرآن کا یہ طریقہ نہیں ہے ، بلکہ اُس نے راضع طور پر اس طریقہ کی مذمت کی ہے ، اور اسے بھی اُنہی طریقوں میں سے قرار دیا ہے جو اُس کے نزدیک " جدل " کے طریقے ہیں ، اور جو طریق " دعوت " و " ہدایت " کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے - یہ طریقہ جھگڑنے اور لفظوں اور باتوں کے پیچ میں مخاطب کو کس دینے کے لیے ضرور مفید ہے - مگر اذعان و یقین کیلئے کہ طریق دعوت و ہدایت کا مقصد رحید ہے ، کچھ مفید نہیں - بلاشبہ اس طریق کا عامل ایک علمی قسم کا جھگڑالو آدمی بن جاتا ہے ، لیکن مرشد اور ہادی نہیں بن سکتا - اس کی طبیعت کبھی اس طرف نہیں جاتی کہ سچائی اور حق معلوم کرے - وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے کہ اپنے بنائے ہوئے قاعدوں ، گڑے ہوئے مقدموں ، اور منوالی ہوئی اصطلاحوں سے کسی نہ کسی طرح مخاطب کو لاجواب کر دے - رفتہ رفتہ خود اسکا قلب بھی حقیقت سے نا آشنا اور اُسی قسم کی باتوں پر قانع ہو جاتا ہے جسے انگریزی میں " گنکیل " قسم کی باتیں کہتے ہیں ( لفظ صناعی اسکا پورا مفہوم ادا کرنے کیلئے کافی نہیں ، الا یہ کہ اختیار کر لیا جائے ) اگر وہ ایک مخاطب کو جو حق کی جستجو اور یقین کی راہ میں اُس سے نزاع کر رہا ہے ، صرف ایک لفظ کی غلطی ، یا کسی اصطلاحی قاعدہ کی نا اشنائی ، یا ترتیب مقدمات کے پیچ و خم کے الجھاؤ سے شرمندہ کر دے سکے اور لا جواب بنا دے ، تو وہ اسے اپنی بڑی سے بڑی فتح مندی سمجھ گا ہے ، اور اسے " مناظرہ میں ہرا دینے " سے تعبیر کریگا - لیکن ایک لمحہ کیلئے بھی یہ نہیں سونچے گا کہ اس نام نہاد فتح و شکست سے حقیقت اور سچائی کا فیصلہ کیونکر ہوگا ؟ یہ زیادہ سے زیادہ مناظرہ کی جیت ہے - لیکن حقیقت کا فیصلہ تو نہیں ہے ؟ اگر وہ اس مناظرانہ کج اندیشی کی مدد و شہی سے افاقہ پائے ، اور خود اپنے دل کی گہرائیوں کا حساب لے ، تو اُسے معلوم ہو جائے کہ جس بات کے منوانے کیلئے وہ ایک عالم کو چپ کرانا پھرتا ہے ، خود اُسی کے دل کو اس پر قرار نہیں ہے - قرآن و سنت پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ، اور اس طرح کے تمام طریقے ، نہ صرف حصول مقصد کیلئے سود مند نہیں ہیں ، بلکہ ہدایت و یقین کی راہوں سے دور کر دینے والے ہیں - قرآن ان تمام طریقوں کو " خصومت " اور " جدل " یعنی لڑنے جھگڑنے کی راہ قرار دیتا ہے - اُس نے جا بجا اس نوعیت کے اعتراضات اور تشکیکات نقل کی ہیں - پھر بتلایا ہے کہ یہ حق و ہدایت کی راہ نہیں ہے ، خصومت اور جھگڑنے کی روش ہے - سرور یاسین میں منکروں کا یہ استفہام تشکیکی نقل کرنے کے بعد کہ " و یقولون متی ہذا الوعد ان کنتم صادقین ؟ " فرمایا " ما یظنون الا مبیحة واحدة " تاخذہم و ہم یخضمون ! " " خصومت " کا لفظ یہاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے - سورہ زخرف میں منکروں کا یہ انداز سخن نقل کیا ہے کہ " ولما ضرب ابن مریم مثلاً ، اذا قدمک

بھی چپکا دی۔ مطلب یہ قرار دیا کہ حضرت ابراہیم نے حدوث عالم پر حرکت و تغیر سے استدلال کیا ہے۔ یعنی اُن کی حجت بھی یہی تھی کہ ”العالم متغیر و کل متغیر حادث“ انہوں نے کواکب کے صانع عالم نہ ہونے پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ اُن میں حرکت ہے۔ حرکت تغیر کو کہتے ہیں، اور جس میں تغیر ہو وہ محدث ہے، اور جو محدث ہے وہ قدیم نہیں، اور جو قدیم نہیں، وہ صانع عالم نہیں ہو سکتا! اس تفسیر پر ہمارے متکلمین کو اس درجہ رثوق بلکہ فخر ہے کہ حضرت امام رازی تغیر سے استدلال حدوث کو ”طریق ابراہیمی“ قرار دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں ”پہلا حکیم ربانی جس نے اس حکمت سے مخلوق کو آشنا کیا، وہ حضرت ابراہیم خلیل ہیں!“

ابھی اس سے قطع نظر کیجئے کہ اس استدلال کی کمزوریوں کا کیا حال ہے، اور اسکا مغرور اور کبریٰ ہی کونسا قطعی اور مسلم ہے کہ نتیجہ قطعی الثبوت ہو۔ اس پر بھی بحث نہ کیجئے کہ اس طرح کا استدلال انبیاء کرام کی طرف منسوب کرنا طریق دعوت نبوت سے کس درجہ نا اشنائی اور حقیقت فراموشی ہے۔ صرف اس بات پر غور کیجئے کہ لغت و عربیت کے لحاظ سے اس تفسیر کا کیا حال ہے؟ آیت کریمہ میں ”کوکب“ چاند، اور ”سورج“ کا ذکر ہے، اور تینوں کیلئے ”انل“ کا لفظ آیا ہے۔ متکلمین کی یہ تفسیر ”انل“ کے معنی حرکت و تغیر قرار دیتی ہے، اور جب تک یہ معنی قرار نہ دیے جائیں، اُن کے گڑھے ہوئے استدلال کی دیوار کھڑی نہیں ہو سکتی، لیکن جزم و قطع کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ عربی لغت میں کسی ایسے ”انل“ کا وجود ہی نہیں جو حرکت و تغیر کے معنی میں بولا جاتا ہو۔ جو ”انل“ عربی زبان میں مستعمل ہے، اُسکے معنی تو کسی چیز کے چپے جانے اور غائب ہو جانے کے ہیں۔ قد اُفلت الشمس تائل و تافل انل۔ ای غابت و احتجبت۔ اس کے سوا کوئی معنی اس لفظ کے مفہوم میں داخل نہیں۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ جب چاند دُوب گیا، سورج غروب ہو گیا، تو حضرت ابراہیم نے کہا ”انی لا احب الافلین“ میں چھپ جانے والوں کو درست نہیں رکھتا۔ یہاں حرکت و تغیر کی مصیبت کہاں سے آگئی؟

پھر قیامت پر قیامت یہ ہے کہ ”حرکت“ سے بھی انکا مقصود حرکت لغوی نہیں ہے۔ بلکہ حرکت مصطلحہ فلسفہ ہے۔ یعنی وہ حرکت جو ایک حالت سے دوسری حالت میں انتقال کرکے ہے، خواہ مکان میں ہو یا زمان میں، اور کم میں ہو یا کیفیت میں۔ مثلاً درخت کا نمو بھی حرکت ہے، اور یہ حرکت فی الکم ہے، اور کسی رنگ کا تغیر بھی حرکت ہے، اور یہ حرکت فی الکلیف ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ”انل“ کے مفہوم میں کسی نہ طرح کھینچ تان کر حرکت کی دلالت پیدا بھی کر لی جائے، تو لغت اور قرآن پر یہ کیسا صریح اتہام ہوگا کہ حرکت کا یہ فلسفیانہ مفہوم اُن کے سر پہنچا جائے؟

علاوہ بریں متکلمین اپنے ذوق تفلسف میں یہ حقیقت بھی بھول گئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب جن لوگوں سے تھا، وہ کواکب کو صانع کائنات نہیں سمجھتے تھے کہ اُنکے لیے اس مزعومہ استدلال کی ضرورت ہوتی۔ اُن لوگوں کا اعتقاد اجرام سماویہ خصوصاً چاند سورج کی نسبت رہی تھا، جو دنیا کی تمام مشرک عقول کا اپنے اپنے دیوتاؤں کی نسبت رکھتا ہے اور اب تک ہے۔ یعنی یہ ایسی روحانی اور ملکوتی ہستیاں ہیں جنہیں دنیا کی تدبیر و

فانما یسرناہ بلسانک لعلمہم یتذکرون (۵۸: ۴۴) ہوالہی یتزل علی عبدہ آیات بینات لیخرجکم من الظلمات الی النور (۵۷: ۹) قرانا عربیا غیر ذی عرج (۳۹: ۲۸) فانما یسرناہ بلسانک لتبشیر بہ المنقین (۹۷: ۱۹) وانه لتنزول رب العالمین۔ نزل بہ روح الامین۔ علی قلبک للکون من المنذرین۔ بلسان عربی مبین! (۲۶: ۱۹۱)

انہ لقول فصل و ما ہر بالہزل (۸۶: ۱۴) یعنی قرآن صاف اور واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اُسکی تعلیم بالکل کھلی ہوئی اور اسکا طریق بیان تمام تر سہل اور دل میں اتر جانے والا ہے۔ سچائی اس میں کھل دی گئی ہے۔ حقیقت کے لیے اُس میں کوئی نقاب نہیں۔ اُس کا بیان یقیناً سیدھا سادھا ہے۔ کسی طرح کی ٹیڑھے اور پیچیدگی اُس میں راہ نہیں پا سکتی۔ اُسکے سمجھنے پر جھلے کیلئے صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ دل لگنے والا اور کان سننے والا ہو۔ اُسے صرف سن لینا ہی اُسے پا لینا ہے، اور اُسے دیکھ لینے سے انکار نہ کرنا، اسکی شیفتگی اور عشق کا اقرار ہے!

علاوہ بریں قرآن نے جابجا اپنے نام گنائے ہیں۔ وہ کہتا ہے میں ”موعظہ“ ہوں، ”ذی الذکر“ ہوں، ”تبیاناً لکل شی“ ہوں، ”تذکرہ“ ہوں، ”ہدی و رحمہ“ ہوں، اور یہ ظاہر ہے کہ جو بات وعظ ہو، تذکرہ ہو، نصیحت ہو، ہدایت ہو، روح و دل کے روگوں کی شفا ہو، وہ منطقی شکلوں کا الجھاؤ اور مقدمات و در مقدمات طلسموں کا کارخانہ نہیں ہو سکتی!

(۷) ضرورت ہے کہ مختصراً اس معاملہ کی توضیح کے لیے ایک دو مثالیں بھی دیدی جائیں:

متکلمین نے جو طریقہ الہییات میں اثبات مدعا کا اختیار کیا تھا، اُس میں سب سے زیادہ اُن کا اعتماد حدوث عالم کے اثبات پر تھا۔ یعنی عالم قدیم (مصطلحہ فلسفہ) نہیں ہے۔ پیدا شدہ ہے۔ حدوث عالم کے لیے سب سے زیادہ قوی استدلال حرکت اور تغیر کا استدلال سمجھا جاتا تھا۔ بچپنے میں ہم نے یہ شکل رچی تھی: ”العالم متغیر، و کل متغیر حادث۔ فالعالم حادث“ (عالم متغیر ہے، اور ہر چیز جو متغیر ہے، حادث ہے۔ پس عالم حادث ہے) چونکہ متکلمین کے دماغ میں اثبات مدعا کی بھی شکلیں بسی ہوئی تھیں، اسلئے انہوں نے قرآن کے استدلال کو بھی کھینچ تان کر یہی جامہ پہنا دینا چاہا۔ قرآن حکیم نے جس طرح آیت زیر تدبر میں حضرت ابراہیم (علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی ایک ”حجتہ“ کا ذکر کیا ہے، اُسی طرح سورا انعام میں ایک دوسری ”حجتہ“ کا بھی ذکر کیا ہے: و تلک حجتنا اتیناھا ابراہیم علی قومه: نرفع درجات من نشاء، ان ربک حکیم علیم (۸۳: ۹) یہ ”حجتہ“ کیا تھی؟ یہ ”حجتہ“ وہ تھی جس میں حضرت ابراہیم کے مشاہدہ ”ملکوت السموات و الارض“ کے واردات کا ذکر ہے: فلما جن علیہ اللیل، ری کرکبا، قال هذا ربی، فلما افل،

قال لا احب الافلین! (۷۶: ۹) یعنی حضرت ابراہیم نے ستارہ، چاند، اور سورج دیکھا، اور جب اُن میں سے ہر کوکب دُوب گیا، تو فرمایا ”انی لا احب الافلین“ چونکہ اس معاملہ کو قرآن نے ”حجتہ“ کے لفظ سے تعبیر کیا تھا، اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، متکلمین نے ”حجتہ“ مستعملہ قرآن کو بھی حجتہ قرار دے لیا تھا جو اُن کی مصطلحہ منطق ”حجتہ“ تھی، اسلئے انہوں نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے منطقی استدلال کی شکل یہاں

ہے۔ یعنی اُس جیسی ہے۔ تاج محل کے مثل کوئی عمارت نہیں۔ یعنی اُس جیسی کوئی عمارت نہیں۔ قرآن نے بھی جا بجا مثل کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔

لیکن جب فلسفیانہ مصطلحات رائج ہو گئیں، تو ”تمثیل“ کا استعمال ایک خاص تعریف و حدود کے ساتھ ہونے لگا۔ مثلاً مماثلت کے مفہوم میں منطقی اطلاق پیدا کر کے اُسے مماثلۃ فی الجوہر، مماثلۃ فی کیفیۃ، مماثلۃ فی الکمیۃ، مماثلۃ فی القدر و المساحة، وغیرہ میں لے گئے، اور اس کے بعد ”مثل“ مستعملہ قرآن سے بھی ردھی استدلال کرنے لگے۔ مثلاً ”لیس کمثلہ شی“ میں ”مثل“ کو ردھی ”مثل“ مصطلحہ قرار دیتے ہیں، اور اس پر اپنی تمام فلسفہ آرائیوں کی عمارت اُستوار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ تمام اجسام متماثل ہیں، اور جسم وہ ہے جو جواہر فرد سے مرکب ہو، یا جسکی طرف اشارہ کیا جاسکے، اور جسکی مقدار ہو، پس جب خدا نے فرمایا ”لیس کمثلہ شی“ تو اس سے اُن تمام جسمی (مصطلحہ فلسفہ) مماثلتوں کی نفی ہو گئی جو جواہر میں یا اعراض میں ہو سکتی ہیں۔ فلو کان جسماً لکان له مثل، و اذا لم یکن جسماً، لزم نفی ملازمات الجسم۔ یقیناً خدا کے مثل کوئی شے نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ”لیس کمثلہ شی“ میں قرآن نے عربی کا جو لفظ استعمال کیا ہے، اور اسکا جو مطلب در سو برس تک تمام عرب مخاطبین سمجھتے رہے، وہ کیا تھا؟ کیا وہ یہی مثلیت مصطلحہ فلسفہ تھی؟ حاشا وکلا۔ عربی میں مثل کا لفظ ٹھیک انہی سیدھے سادے معنوں میں بولا جاتا ہے، جن معنوں میں ہم آجکل اُردو میں بولا کرتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے ”تاج محل آگرہ کے مثل کوئی عمارت موجود نہیں“ تو اس سے اُسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ مماثلۃ فی الجوہر یا مماثلۃ فی الکمیۃ، یا مماثلۃ فی کیفیۃ، یا مماثلۃ فی القدر و المساحة، یا مماثلۃ فی امی معنی اصطلاحی فلسفی کی نفی کر رہا ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایسی خوشنمائی رکھنے والی کوئی دوسری عمارت موجود نہیں۔ قرآن نے بھی ٹھیک ٹھیک اسی سادہ اور لغوی معنی میں ”مثل“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ فلسفیانہ دقیقہ سنجیدگی یہاں کہاں سے آگئیں؟

یا مثلاً، عربی کا ایک لفظ ”خلد“ اور ”خلود“ ہے جسکے معنی لغت اور زبان میں طول عہد کے ہیں، اور اسی نسبت سے وہ ہمیشگی کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے۔ لیکن یہ ہمیشگی ایسی ہی ہوتی ہے جیسے بول چال میں ہم کہتے ہیں ”یہ آدمی ہمیشہ کلکتہ ہی میں رہیگا“ اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ ابد تک رہیگا اور مستقبل میں کوئی وقت ایسا نہیں آیگا جب وہ کلکتہ میں موجود نہ رہے، بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ یہیں ٹہرا ہوا ہے اور عرصہ تک یہیں ٹہریگا۔ قرآن نے بھی جا بجا اسی معنی میں یہ لفظ استعمال کیا ہے، لیکن بعد کو جب فلسفیانہ بحثیں پیدا ہو گئیں، تو ”خلود“ کے معنی ایسی ہمیشگی کے ہو گئے جسکی کوئی نہایت نہ ہو۔

یا مثلاً، عربی میں لفظ ”قدیم“ کے ردھی معنی ہیں، جو اُردو میں ”پرانے“ کے ہیں ”یہ مکان بہت قدیم ہے“ یعنی بہت مدت سے ہے۔ لیکن متکلمین نے فلسفیانہ مباحث میں ”قدیم“ و ”حدوث“ کی خاص مصطلحات اختیار کیں، اور اسلئے ”قدیم“ کی بھی ایک خاص منطقی تعریف بن گئی۔ اب کتاب و سنۃ کا مستعملہ ”قدیم“ بھی اسی معنی میں لیا جانے لگا۔

تصرف میں دخل ہے، اور اسلئے انکی پرستش ضروری ہے۔ پس جب وہ کواکب کو صانع کائنات سمجھتے ہی نہ تھے، تو اُنکے محدث و مخارق ہونے کے دلائل پر حضرت ابراہیم کیوں زور دیتے؟ اور کیوں قرآن اسے ”تک حجة ایتنا ہا ابراہیم علی قومہ“ سے تعبیر کرتا؟ اُنکے علم میں تو کوئی ایسی بات آئی تھی، جس سے کواکب کے تدبیر و تصرف عالم میں دخیل ہونے کا بطلان ثابت ہوتا، کیونکہ اُنکے ہم وطنوں کی اصلی گمراہی یہی تھی۔

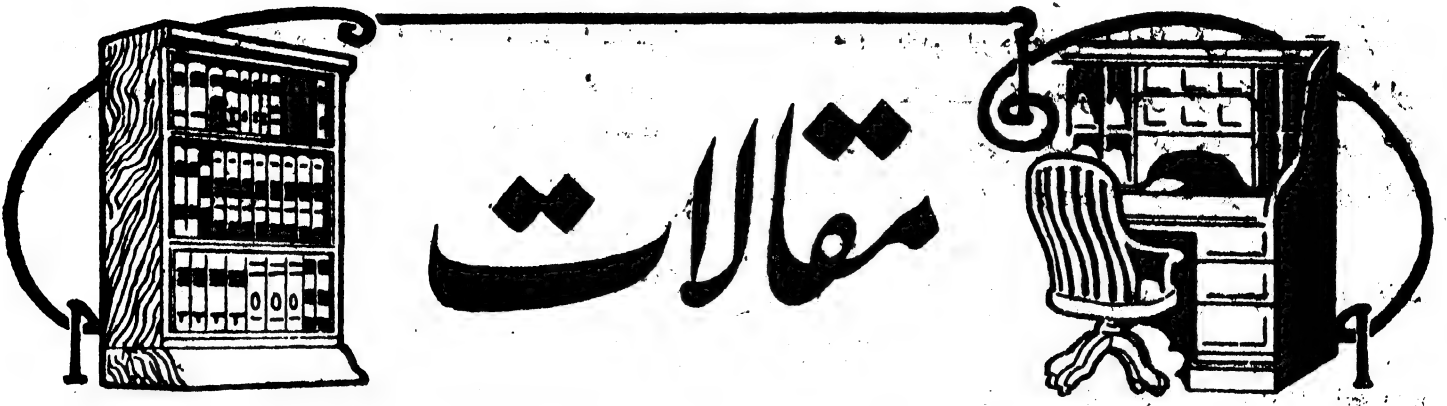
یہ محل مزید تشریح و اطناب کا متحمل نہیں، ررنہ یہی ایک تفسیر اس حقیقت کی ترمیم کیلئے کافی تھی کہ متکلمین کے طریقہ نے قرآن حکیم کے معارف و حقائق پر کیسے تو برتر پردے ڈال دیے ہیں، اور انکی ذہنیت معارف قرآنیہ کی روح سے کس درجہ مختلف بلکہ متضاد ہے۔ فی الحقیقت قرآن حکیم کا یہ مقام من جملہ اہم ترین دلائل قرآنیہ ہے، لیکن متکلمین نے ایک دروازہ کار اور تقریباً بے معنی منطقی استدلال کا جامہ پہنا کر اُس کی ساری دلاویزی اور خوبی غارت کر دی ہے، جو کسی طرح بھی اُس پر راست نہیں آتا۔ لطف یہ ہے کہ یہ استدلال حضرت ابراہیم کی طرف اس جوش و سرگرمی کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے، گویا اُنکے لیے ابراہیم خلیل کی جگہ امام الحرمین یا امام رازی بن جانا کوئی بڑی ہی فضیلت کی بات ہے!

میں نے یہاں ارسطو کی جگہ امام الحرمین اور امام رازی اسلئے کہا کہ جو بات حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کی گئی ہے، وہ اتنا وزن بھی نہیں رکھتی، جسقدر عامۃ حکماء کی عقلیات کا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے سچ کہا ہے کہ ”متکلمین نے طریق قرآنی اسلئے ترک کیا، تاکہ فلاسفہ و عقلیین کے ساتھ چل سکیں، مگر افسوس کہ یہ بھی نہ کرسکے۔ انکی خام خالوں سے تو پھر حکماء کی باتیں غنیمت ہیں“

یا مثلاً، قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کے صفات کا ذکر کرتے ہوئے ”احد“ اور ”واحد“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ”احد“ اور ”واحد“ کے معنی اُس زبان میں جسمیں قرآن نازل ہوا ہے، اسکے سوا کچھ نہیں ہیں کہ یہ صفت، تعدد کی نفی کرتی ہے۔ یعنی وہ ایک ہے، اکیلا ہے، اسکا کوئی شریک نہیں۔ کوئی عرب یا عربی داں انسان ”احد“ کا لفظ سنکر اس سے زائد کسی مفہوم کا تخیل ہی نہیں کر سکتا، لیکن متکلمین نے اسکے لیے فلسفیانہ معانی اور التزامات پیدا کر لیے، اور بلا تکلف انہی معانی میں استعمال کرنے لگے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں، خدا نے اپنا وصف احد قرار دیا ہے۔ احد وہ ہے جو منقسم نہ ہو سکے، پس معلوم ہوا کہ وہ جسم نہیں ہے، کیونکہ اجسام قابل انقسام ہیں۔ ہمیں بھی اسکا شوق نہیں کہ خدا کی جسمیت ثابت کی جائے، لیکن یہ قطعی ہے کہ قرآن نے عربی کا لفظ ”احد“ اس مصطلحہ متکلمین مفہوم میں استعمال نہیں کیا ہے، اور نہ اس انقسام و عدم انقسام کی دقیقہ سنجیدگی سے اسے کوئی تعلق ہے۔

یا مثلاً، عربی کا ایک لفظ ”مثل“ ہے۔ ”مثل“ کے اصلی معنی کسی چیز کے نصب ہونے کے تھے۔ معصوم صورت بنا دیتا ہے، اس لیے اُسے ممثل کہنے لگے۔ مثل الشیء۔ اہی النصب و تصور۔ سورہ مریم میں ہے ”فتمثل لها بشراً سوياً“ یعنی آدمی کی شکل میں نمایاں ہوا۔ پھر اسی نسبت سے اسکا استعمال مشابہت کے معنوں میں بھی ہونے لگا۔ فلان چیز فلان چیز کے مثل





## ”کمونیزم“ اور اُسکے مقاصد

( کارل مارکس کے مباحث )

( ۳ )

” لیکن تم کمیونسٹ ‘ سرمایہ دار عورتوں کی عمومیت بھی راجح دے گے “

ایک ہی طرح کے سر میں تمام سرمایہ دار یہ راگ آلاپ رہے ہیں !

چونکہ سرمایہ دار اپنی بیوی کو بھی پیداوار کا ایک آلہ تصور کرتا ہے ‘ اس لیے جب کبھی سنتا ہے کہ آلات پیداوار عام ملکیت ہوجانے والے ہیں ‘ تو قدرتی طور پر خیال کرتا ہے کہ عورتوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا !

اُسے کبھی یہ خیال نہیں گزرتا کہ کمیونسٹوں کا مقصد تو صرف اس قدر ہے کہ عورت پیداوار کا معض ایک آلہ نہ سمجھی جائے ۔ وہ عورتوں کی موجودہ حیثیت بدل دینی چاہتے ہیں ۔

ہمارے سرمایہ داروں کے اس عیارانہ خوف سے زیادہ کڑی چیز مضحکہ انگیز نہیں جس کی وہ اس باطل دعویٰ میں نمائش کر رہے ہیں ۔ کمیونسٹوں کو عورتوں کے عام بنانے کی کیا ضرورت ہے جب کہ ان کی یہ صورت حال تقریباً ہمیشہ موجود رہی ہے اور آج بھی موجود ہے !

ہمارے سرمایہ دار بزرگ کیا کر رہے ہیں ؟ اپنے مزدوروں کی عورتوں اور لڑکیوں کو اپنے قبضہ و تصرف میں رکھنے سے سیر نہ ہو کر نیز باضابطہ عصمت فروشی پر بھی قانع نہ ہو کر ‘ وہ اب آپس میں ایک دوسرے کی بیویوں سے علانیہ تعلقات پیدا کر رہے ہیں ‘ اور یہ تعلقات سرمایہ دار سوسائٹی کی بہترین معاشرتی دلچسپی ہیں !

خود سرمایہ دارانہ شادی بھی درحقیقت عورتوں کی عمومیت ہی ہے ۔ کمیونسٹوں کو زیادہ سے زیادہ الزام یہ دیا جاسکتا ہے کہ وہ عورتوں کی موجودہ رباکارانہ اور خفیہ عمومیت ختم کر دینی چاہتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ پیداوار کے موجودہ نظام کی منسوخی کے ساتھ اُس کا نتیجہ یعنی عورتوں کی عمومیت بھی معدوم ہو جائیگی ‘ اور اُس وقت عام عصمت فروشی کا بازار بھی گرم نہیں ہو سکیگا ۔

کمیونسٹوں پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ وطنی و قومی راجح فدا کر دینی چاہتے ہیں ۔

مزدوروں کی نہ تو کوئی قوم ہے نہ وطن ۔ پس جو چیز انہیں ملی ہی نہیں ‘ وہی بھی نہیں جاسکتی !

مزدوروں کو پہلے سیاسی طاقت حاصل کرنی چاہیے ‘ پھر اپنے تئیں بطور ایک قوم کے قائم کر دینا چاہیے ۔ یہ کام بذات خود ایک قومی کام ہے ‘ اگرچہ سرمایہ دار اُسے کچھ نہ سمجھیں ۔

جس جوں سرمایہ دار ترقی کرتے جاتے ہیں ‘ آزاد تجارت پھیلتی جاتی ہے ‘ عالمگیر بازار کھلتے جاتے ہیں ‘ صنعتی پیداوار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ‘ قومی اختلافات بھی کم ہوتے جاتے ہیں ‘ اور حالات زندگی میں ہم رنگی و یکسانیت بڑھتی جاتی ہے ۔

مزدوروں کی فتنمندی ان اختلافات کو اور زیادہ کم کر دیگی ‘ کیونکہ ان کی تجارت کے لیے تمام دنیا اور کم سے کم مہذب ممالک کا متحدہ عمل اولین شرط ہے ۔

افراد کے باہمی خود غرضانہ استعمال میں جس قدر کمی ہوتی جالیگی ‘ اسی قدر قوموں کا باہمی خود غرضانہ استعمال بھی کم ہوتا جالیگا ۔

جس جوں فرقہ بندیوں معدوم ہوتی جالیگی ‘ قوموں کی باہمی دشمنی بھی مٹتی جالیگی ۔

رہے باقی الزام جو کمیونزم پر مذہبی ‘ فلسفی ‘ اور نظری نقطہ نظر سے لگائے گئے ہیں ‘ تو وہ اس قدر پوچھ ہیں کہ کسی سنجیدہ بحث کے محتاج نہیں ۔

کیا اس حقیقت کے سمجھنے کے لیے کسی گہری بصیرت کی ضرورت ہے کہ مادی حالات زندگی اور اجتماعی نظام کی تبدیلی کے ساتھ انسان کے خیالات ‘ نظریے ‘ تصورات ‘ حتیٰ کہ ضمیر و وجدان تک بدل جاتا ہے ؟

خیالات کی تاریخ بجز اس کے اور کیا ثابت کرتی ہے کہ دماغی پیداوار ‘ مادی پیداوار کے ساتھ ہمیشہ بدل جاتی ہے ؟ ہر عہد کے حکمران خیالات ہمیشہ رہی رہے ہیں ‘ جو اس کے حکمران طبقہ کے تھے ۔

جب لوگ ان خیالات پر بحث کرتے ہیں جو سوسائٹی میں انقلاب پیدا کر دیا کرتے ہیں ‘ تو یہ حقیقت صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ پرانی سوسائٹی کے اندر ہی نئی سوسائٹی کے عناصر کی تکوین پوشیدہ تھی ‘ اور یہ کہ قدیم خیالات کے انحلال کے ساتھ ہی قدیم اجتماعی رشتے بھی پرانے ہو جاتے ہیں ۔

جب قدیم دنیا اپنے زوال کی آخری گھڑیوں سے گزر رہی تھی ‘ تو قدیم مذاہب بھی ایڑیاں رگڑ رہے تھے ۔ یہاں تک کہ مسیحیت نے ظاہر ہو کر انہیں نکل لیا ۔ اسی طرح جب اٹھارویں صدی میں مسیحی خیالات کی جگہ عقلیت نے لی ‘ تو جاگیر دار سوسائٹی نے اُس وقت کے انقلابی سرمایہ داروں سے فیصلہ کر لیا ‘ اور پھر مذہبی آزادی اور وجدانی آزادی کے خیالات نے عام کی علمداری اور آزاد مقابلہ کا اصول ظاہر کر دیا ۔

- (۴) باغیوں اور جلاوطنوں کے اسلام کی فہمی -
- (۵) حکومت کے ہاتھوں میں قرض کی مرکزیت اور یہ اس طرح کہ ایک قومی بنک قائم کیا جائے جس میں صرف حکومت کا سرمایہ ہو اور جسے بلا شرکت غیرے اجارہ داری کا حق حاصل ہو -
- (۶) ذرائع مواصلات اور برآمد کی حکومت کے ہاتھوں میں مرکزیت -
- (۷) قومی کارخانوں اور آلات پیداوار کی توسیع اور بلچرمینوں کی ایک عام اجتماعی خاکہ کے مطابق اصلاح -
- (۸) سب کو معصیت کیلئے مجبور کرنا اور صنعتی فوجوں کی تنظیم، خصوصاً زراعت کیلئے -
- (۹) زرعی اور صنعتی معصیت کی آمیزش، تاکہ شہر اور دیہات کی باہمی تفریق مٹ جائے -
- (۱۰) تمام بچوں کیلئے عام مفت تعلیم -

جب دوران ترقی میں جماعتی امتیازات معدوم ہو جائیں گے اور تمام پیداوار قوم کی بڑی اکثریت کے ہاتھوں میں سمٹ آئیگی تو عام اجتماعی طاقت اپنی سیاسی حیثیت کو دیگی - سیاسی طاقت درحقیقت ایک منظم طاقت ہے تاکہ دوسری جماعتوں پر مسلسل ظلم کیا جاسکے -

اگر مزدور انقلاب کے ذریعہ برسر اقتدار آجائیں اور طاقت کے زور سے پرانے حالات پیداوار برہاد کر ڈالیں، تو ان حالات کے ساتھ قدرتی طور پر وہ موجودہ جماعتی نزاعات اور خود جماعتوں کو بھی برہاد کر ڈالینگے، بلکہ ساتھ ساتھ خود اپنی جماعتی حکمرانی کی حیثیت بھی مٹا دیں گے -

## الہلال کو

اشاعت کی کمی کی شکایت نہ ہوتی، اگر مصارف کی زیادتی پیش نہ آتی - سنہ ۱۹۱۴ء میں الہلال کی یہی قیمت تھی - یعنی بارہ روپیہ سالانہ، مگر تمام طباعتی اشیاء کی قیمت موجودہ قیمتوں سے اُنہی تھی - اس وقت اگرچہ الہلال کا حلقہ اشاعت اردو کے تمام رسائل سے زیادہ ہے، لیکن مصارف کی زیادتی کی وجہ سے اب تک آمدنی اور خرچ برابر نہیں ہو سکے ہیں - کیا آپ اس معاملہ پر ترجہ ضروری نہیں سمجھتے؟ اگر ضروری سمجھتے ہیں تو توسیع اشاعت کے لیے کوشش کیجیے -

(مسیح الہلال)

بلاشبہ اعتراض کیا جائیگا کہ مذہبی، اخلاقی، فلسفی، سیاسی اور قانونی خیالات تاریخی ترقی کے دوران میں تبدیل ہوئے رہے ہیں، مگر ان تبدیلیوں کے باوجود بھی مذہب، اخلاق، فلسفہ، سیاست اور قانون کی حقیقت کبھی نہیں بدلی، بلکہ یہ چیزیں بدستور باقی رہیں - مزید برآں کچھ اٹل سچائیاں بھی ہیں جو تمام اجتماعی نظاموں میں ہمیشہ قائم رہی ہیں اور ان میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی - لیکن کمیزنرم یہ تمام سچائیاں نئی بنیادوں پر قائم کرنے کی جگہ انہیں سرے سے مٹا دینا چاہتا ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو تمام تاریخی ترقیوں کے بالکل مخالف ہے -

لیکن ہم کہتے ہیں کہ تمام پچھلی سوسائٹیوں کی تاریخ جماعتی نزاع کی تاریخ ہے جس کے مختلف زمانوں میں مختلف شکلیں اختیار کیں - جماعتی نزاع نے کولی شکل بھی اختیار کی ہو، لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں سوسائٹی کا ایک حصہ دوسرے حصوں کو خود غرضانہ استعمال میں لاتا رہا ہے - لہذا کچھ عجیب نہیں، اگر ان تمام زمانوں کا اجتماعی ضمیر ہمیشہ تقریباً ایک ہی قسم کے خیالات کا پابند رہا ہو - ظاہر ہے کہ اس اجتماعی ضمیر کی تبدیلی اسی وقت ممکن ہے جب جماعتی نزاع کا پورے طور پر خاتمہ کر دیا جائے -

کمیزنرم کیا ہے؟ ملکیت کا انقلاب اور اسکے روایتی رشتوں کا ایک براہ راست طبعی انفجار! لہذا کچھ عجیب نہیں، اگر وہ اپنے دوران ترقی میں تمام روایتی نظریوں سے آزادانہ قطع تعلق کرے اور ایک نیا نظام قائم کر دے!

لیکن ہمیں سرمایہ داروں کے اعتراضات کی پروا نہیں کرنی چاہئے - اپنے کام میں بدستور منہمک رہنا چاہئے -

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ مزدوری پیشہ طبقہ کے انقلاب کا پہلا قدم یہ ہے کہ وہ حکمران طبقہ کی حیثیت حاصل کرے - یعنی حقیقی جمہوریت کو کامل فتح حاصل ہو جائے -

مزدور سرمایہ داروں سے تمام سرمایہ بتدریج چھین لینے اور پیداوار کے تمام آلات حکومت کے ہاتھوں میں جمع کر دینے کیلئے اپنی سیاسی طاقت استعمال کرینگے، یعنی پیداوار کے تمام ذرائع وہ خود اپنے ہاتھوں میں لے لینگے - کیونکہ وہی حکمران طبقہ ہونگے اور کوشش کرینگے کہ جلد سے جلد بار آور طاقتوں کی مجموعی مقدار بڑھا دیں -

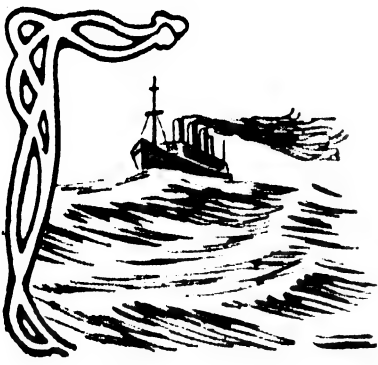
یہ مقصد ظاہر ہے کہ پورا نہیں ہو سکتا، جب تک کہ حقوق ملکیت اور سرمایہ دارانہ حالات پیداوار پر علانیہ سخت حملے نہ کیے جائیں - یہ حملے ان ذرائع سے کیے جائینگے جو گرو ابھی اقتصادی حیثیت سے ناقابل حصول معلوم ہوتے ہیں، مگر بتدریج بڑھینگے اور ضروری ہو جائینگے - اس سے مقصد وہی ذرائع ہیں جو پیداوار کے تمام طریقوں میں انقلاب پیدا کر دیں -

یہ ذرائع مختلف ممالک میں قدرتی طور پر مختلف ہونگے - تاہم ترقی یافتہ ممالک میں حسب ذیل ذرائع سے بہتر کام لیا جاسکتا ہے:

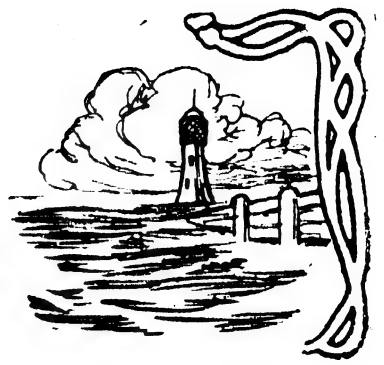
(۱) زمین کی ملکیت کی منسوخی اور زمین کے لگان پر حکومت کا قبضہ -

(۲) بھاری اور برابر بڑھنے والا انکم ٹیکس -

(۳) سرمایہ دارانہ وراثت کی منسوخی -



# بریکنگ



مصری خواتین کا نقاب جو اب رخصت ہو رہا ہے !

## مصر اور ترکی کی نسوانی تحریکات



پیرس کے مصر رسالہ نے ایک سلسلہ مقالات بلاد اسلامیہ کی جدید نسوانی تحریکات پر شائع کرنا شروع کیا ہے۔ مقالہ نگار حال میں قسطنطنیہ اور قاہرہ کے سفر سے واپس آیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :

”سنہ ۱۹۲۷ کی جو فکری لہر قاہرہ اور قسطنطنیہ کی عورتوں کے دماغوں میں درڑ رہی ہے، اُسے میں لفظوں میں منتقل کر دینا چاہتا ہوں“

مقالہ نگار کے تاثرات کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

(۱) ترک اور مصری عورتوں میں نئے خیالات کی نشو و نما اگرچہ گزشتہ صدی کے اواخر سے شروع ہو گئی تھی، مگر وہ ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھ سکی۔ سنہ ۱۹۰۰ تک قسطنطنیہ اور قاہرہ میں نئی قسم کی خواتین کا مطلب صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ فرانسیسی زبان سے واقف ہیں، مغربی روش کا لباس مشرقی اصلاحات کے ساتھ پسند کرتی ہیں، اور ان میں اہل قلم عورتوں کی بھی ایک محدود تعداد پیدا ہو گئی ہے۔

(۲) لیکن موجودہ صدی کے اوائل سے صورت حال میں نئی نئی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان تبدیلیوں میں سب سے زیادہ اہم تبدیلیاں در تھیں۔ ترک اور مصری خواتین کا یورپ میں آزادانہ

سفر و قیام - اور

ترک نقاب - چنانچہ

سنہ ۱۹۰۵ سے لیکر

سنہ ۱۹۰۸ تک

ترکی اور مصر کی

پچاس سے زیادہ

خواتین یورپ کے بڑے

بڑے شہروں میں

دیکھی گئیں - ان

میں بڑی تعداد ان

کم عمر خواتین کی

تھی جو تعلیم کی

غرض سے یورپ آئی

تھیں - ان متعلقات

میں مصر کے خاندان

خدیوی کی بھی

بعض خواتین تھیں۔



جدید مصری خاتون

یگم زغلرل اپنے معمولی لباس میں



(۳) سنہ ۱۹۰۸ء میں جب ترکی میں انقلاب دستوری ہوا، تو حالات نے یکایک ایک دوسری ہی صورت اختیار کر لی، اور ترکی کے خواتین کی معاشرتی زندگی میں انقلاب عظیم ہو گیا۔ اُس وقت تک دار الخلافہ میں خال خال مسلمان عورتوں کے کلب تھے، اور جتنے بھی تھے، زیادہ تر امریکن مشنری جماعتوں کے قائم کیے ہوئے تھے۔ لیکن اب یکایک زنانہ کلبوں کی تعداد میں عظیم اضافہ ہو گیا۔ سب سے پہلے انجمن اتحاد و ترقی نے زنانہ کلب قائم کیے۔ پھر عام تحریک شروع ہو گئی، اور ایسے ایسے عظیم الشان کلب قائم ہو گئے، جن کے ارکان کی تعداد سیکڑوں سے بھی متجاوز تھی۔ اسی وقت سے ترک خواتین نے ملک کی سیاسی و معاشرتی تحریکات میں بھی علانیہ حصہ لینا شروع کر دیا۔ ایک کثیر تعداد مقررین اور اداہیں کی بھی پیدا ہو گئی جن میں ایک کافی تعداد ترکی زبان کے اچھے خطیبین اور اہل قلم کی تھی۔ چہرہ کا نقاب بھی تمام تعلیم یافتہ خواتین نے تقریباً ترک کر دیا۔ البتہ باہر نکلنے کے لیے ایک خاص طرح کا جھم پوش لباس پہن لیا جاتا تھا جس سے نہ صرف تمام جسم اور لباس کی آرائش چھپ جاتی تھی، بلکہ سر کے بال بھی پوشیدہ رہتے تھے۔ صرف نصف پوشانی سے لیکر تھدی تک چہرہ کھلا رہتا تھا۔



پایکا - اب مشرق کی ساری چیزوں کی طرح مشرق کی عورت بھی تقریباً نابود ہو گئی ہے۔ وہ وقت دور نہیں ہے جب اُس کا سراغ ڈھونڈنے کیلئے مورخین کو کتابوں کے سینکڑوں اوراق اُلٹے پڑینگے۔ اب انگورہ، قسطنطنیہ، اور قاہرہ ہی میں نہیں، بلکہ بغداد اور شام میں بھی ”مشرقی عورت“ بغیر ڈھونڈے نہیں مل سکتی۔ گذشتہ سال میں نے بیروت میں بہت کوشش کی کہ کسی ایسے امیر گھرانے کا سراغ لگاؤں جہاں مجھے کامل مشرقی زندگی نظر آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک

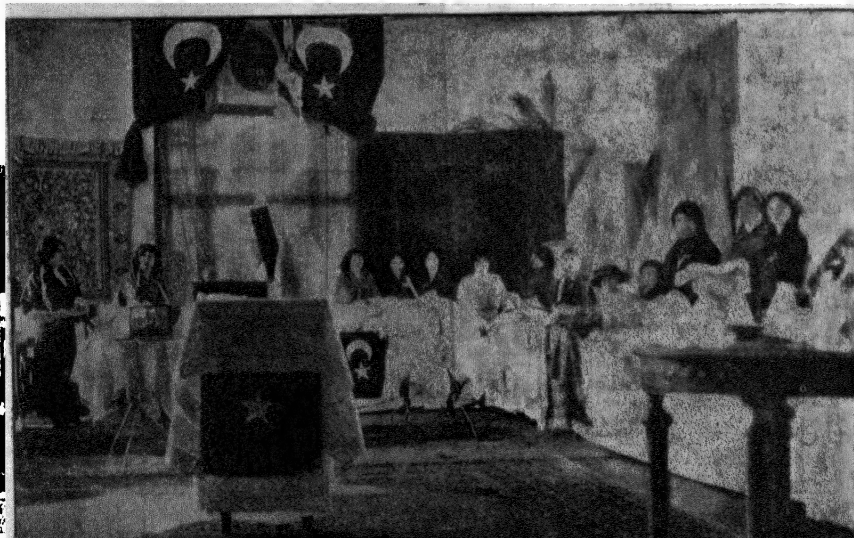


سنہ ۱۹۲۱ء میں قسطنطنیہ کی مسلمان عورتوں کا مظاہرہ

دوست نے رہنمائی کی، اور میں ایک گھرانے میں مدعو کیا گیا۔ یہ گھرانہ بیروت کے ایک قدیم امیر خاندان کا گھرانہ تھا۔ اس کے ارکان مغربیت کے دلدادوں میں ”قدامت پرستی“ کیلئے بدنام ہیں۔ یہ مخالفانہ شہرت سنکر مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ میں نے خیال کیا تھا کہ بیسویں صدی میں کم از کم ایک مرتبہ ”الف لیلہ“ کے عالم میں واپس جا سکوگا۔ لیکن آپ میری مایوسی کا اندازہ کر سکتے ہیں، جو اُس وقت مجھے ہر طاری ہوئی، جب میں نے اس ”قدامت پرست“ گھرانے میں اپنے آپکو ایک کامل قسم کے فرانسیسی ایوان ملاقات کے صوفے پر پایا، اور صاحب مکان نے یہ کہہ کر اپنی درازدہ سالہ لڑکی کی تقریب کی کہ ”یہ میڈمزیل..... ہیں!“

یہ بیروت کا قدامت پرست گھرانہ ہے! بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ اس گھرانے کی ساری قدامت پرستی اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اس کی مسن عورتیں مغربی لباس نہیں پہنتیں، اگرچہ اپنی لڑکیوں کے لیے اسی کو پسند کرتی ہیں!

مقالہ نگار نے آخر میں افسوس کیا ہے کہ مشرق نے مغرب کی تقلید کے شوق میں اسکی بالکل پروا نہ کی کہ مغربی معاشرت کی بے اعتدالیوں سے اپنی نگہداشت کرے۔ وہ کہتا ہے ”بلاشبہ مشرقی عورت کو مغرب سے بہت کچھ حاصل کرنا تھا، لیکن ساتھ ہی اپنی قدیم زندگی کی بہت سی قیمتی چیزیں محفوظ بھی رکھتی تھیں جن کے فقدان پر آج مغرب افسوس کر رہا ہے“



قسطنطنیہ میں خواتین کے ایک خیراتی بازار کا افتتاح

سب سے زیادہ اہم تبدیلی یہ ہوئی کہ مسلمان خواتین نے سرکاری دفاتر میں کام کرنا شروع کر دیا جس کی کوئی سابق مثال موجود نہ تھی۔ ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کے اکثر مراکز میں عورتیں ہی عورتیں نظر آنے لگیں۔ دفاتر میں ٹائپسٹ عورتیں بھی پیدا ہو گئیں۔ اس صورت حال نے مشرقی ممالک میں بھی اُس اسلوب حیات سے عورت کو آشنا کر دیا، جو اس وقت تک صرف یورپ اور امریکہ ہی کی مضطرب آبادیوں میں محدود تھا۔

(۴) ترکی کی اس تبدیلی نے قاہرہ پر بھی اثر ڈالا جہاں مغربیت کہیں زیادہ قوت و وسعت کے ساتھ نشور نما پا رہی تھی۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں جب قاسم امین بک نے مسلمان عورتوں کی معاشرتی زندگی میں اصلاح کی ضرورت محسوس کی تھی، اور پردہ کے خلاف اپنی مشہور کتابیں شائع کی تھیں، تو اُس وقت مصر کے اندر بمشکل پچیس مسلمان عورتیں ایسی نکل سکتی تھیں جو بغیر نقاب کے گھر سے باہر نکلنا گوارہ کرتیں، لیکن اب ایک بڑی تعداد ایسی عورتوں کی پیدا ہو گئی، جو بغیر کسی جھجھک کے کھلے منہ باہر نکلنے لگی تھیں، اور انہوں نے پوری طرح مغربی لباس اختیار کر لیا تھا۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں جب میں قاہرہ گیا تھا، تو مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا تھا کہ نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی عورتیں تمام قدیم رسوم و عوائد ترک کر چکی ہیں، اور بجز خال خال گھرانوں کے قدیم مصری زندگی کا نظارہ کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ بعض گھرانوں کی خواتین سڑکوں پر بالکل کھلے دلے نکلنے سے پرہیز کرتی تھیں، لیکن اپنے گھر میں انہیں اس سے انکار نہ تھا کہ

ایک یورپین خاتون کی طرح مہمانوں کی پذیرائی کریں، اور ان کی صحبتوں میں اپنے شوہروں اور عزیزوں کے ساتھ شریک ہوں۔

(۵) جنگ کے بعد دنیا میں جو تعجب انگیز تغیرات ہوئے ہیں، شاید ان میں کوئی چیز بھی اس درجہ موثر اور قابل غور نہیں ہے، جسقدر مشرقی عورت کی کامل مغربیت ہے۔ اب ہمیں وہ تمام پر اسرار اور قصہ ڈھاؤں کے بھلا دینے چاہئیں، جو کسی زمانے میں مشرقی عورتوں اور مشرقی حرمسراؤں کی داستانوں میں ہماری تعجب آمیز دلچسپی کا ذریعہ ہوا کرتے تھے، اور ہر مغربی سیاح جو مشرق کا قصد کرتا تھا، سمجھتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو الف لیلہ کی شاہراہوں میں سرگرداں





گماشتے جو شرطیں بھی چاہتے، زبردستی منوالیتے تھے۔ اگر کارگر کمپنی کا وہ پہلے تبدیل کرنے سے انکار کرتا تھا تو اسے کوڑے لگا کر اس کے لینے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ (دہلیم ہونٹس)

کارگروں کو کمپنی کے لئے کام کرنے پر زبردستی مجبور کیا جاتا تھا ان سے ایسے معاہدے لے جاتے تھے جو ان کے حق میں سراسر نقصان دہ ہوتے تھے۔ ان کی فریادوں کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی، اور انہیں اپنے ذاتی مفاد اور منہر کے خلاف کام کرنے پر بڑی سختی سے مجبور کیا جاتا تھا۔ بار بار ایسا ہوتا تھا کہ کارگروں کو بھاری بھاری جزیانے کام سے انکار کرنے کی وجہ سے ادا کرنے پڑتے۔ فوراً ان کو ہولناک اور عبرت انگیز سزائیں دی جاتی تھیں۔ جبر و تشدد کی حدیں تک پہنچ گئی تھیں کہ کارگروں کو مجبوراً اپنا پیشہ ترک کر دینا پڑا تھا۔ (دہلیم ہونٹس) کی کمرشل بورڈ کی ڈائری

غریب ہندوستانی دستکاروں اور کارگروں پر ایسے ایسے ظلم تو طے گئے ہیں جن کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ غریب کمپنی کے گویا غلام بنائے گئے تھے۔ جزیانے، قید، جبری معاہدے، اور بید کی مارنے اور بانوں کی نسل معدوم کر دی! (دہلیم ہونٹس صفحہ ۴)

صنعت و حرفت اور تجارت کے تنزل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ شہر (ڈھاکہ) کی آبادی تقریباً بڑھ گئی۔ سترہم میں اس کی آبادی ۲۰ لاکھ تھی، گرا ب صرف ۶۸۰۳۸ رہ گئی جو صیحا سترہم کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے۔۔۔ جتنی تیزی سے آبادی بڑھ رہی ہے، اس سے کہیں زیادہ سرعت سے افلاس بڑھ گیا ہے! (جسٹس ٹیلر)

سٹر برڈکل ہرٹ کا سوال:

”انگلستان یا ہندوستان، دونوں میں سے کسی ایک کی صنعت و حرفت کا قربان کرنا دوسرے کی ترقی کے لئے لازمی ہے۔ بنابرین ہندوستانی صنعت و حرفت کی قربانی کروئی گئی۔ کیا تم ہندوستان کو دوبارہ خوشحال کرنے کے لئے انگلستان کو تباہ کرنا چاہتے ہو؟“

سٹر برڈکل کا جواب:

”میں ہرگز ہندوستان کو از سر نو زندہ کرنے کے لئے نہیں کہتا۔ لیکن میں ہندوستان کو مسلسل نقصان پہنچانے کے خلاف ہوں پھر یہ بھی لازمی نہیں کہ ہندوستانی زور بانوں کی ترقی سے انگلستان برباد ہو جائے گا۔ کیونکہ ہندوستان کے پاس نہ گلاسکو اور منچسٹر کی طرح مشینیں ہیں نہ تجارتی بازار ہیں نہ سرمایہ ہو۔“

سٹر برڈکل ہرٹ:

آپ سے جو سوال کیا گیا ہے اس کا نکتہ اس نہیں سوسے ہو جو مشینیں ہیں طیارے نہیں ہو سکتا۔ پس سوال یہ ہو کر گیا اس نہیں موت کی صنعت اس ملک (انگلستان) میں باقی رکھی جائے یا ہمیشہ کے لئے اٹھا دی جائے؟“

سٹر برڈکل:

”اگر انگلستان میں اس صنعت کا بقاء ہندوستان سے نا انصافی ہے۔ پر موت ہو تو میرا جواب یہ ہے کہ انگلستان کو انصاف سے کام لیا جائے۔ خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہو۔ کیونکہ انگریزوں کو ہرگز جتنی نہیں ہو کہ محض اپنے ذاتی مفاد کے لئے اس ملک کے باشندوں کو تباہ کر ڈالیں جسے انہوں نے فتح کیا ہے۔“

سٹر برڈکل ہرٹ:

سترہم میں جب کمپنی نے ہندوستان کو تاج کے حاکم کیا تو اس سے پہلے ہی ہندوستان کی صنعت تباہ ہو چکی تھی۔ لہذا اس وقت بھی اس سوال و پرسش نہیں ہو جو واقع ہو چکی ہو۔ نیز ہمارے پاس شہادت موجود ہے کہ ہندوستان صنعتی ملک ہونے کے بجائے زراعتی ملک ہے۔ اُدوہ جائیں جو پہلے دستکاری میں مصروف تھیں، اب زراعت میں مشغول ہو گئی ہیں۔“

سٹر برڈکل:

”میں اسے ہرگز تسلیم نہیں کرتا کہ ہندوستان صرف زراعتی ملک ہے۔ ہندوستان جس طرح زراعتی ملک ہے اسی طرح صنعتی ملک بھی ہے۔ اس کی مصنوعات ہر زمانہ میں نہایت کامیاب رہی ہیں اور کوئی قوم بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ اب ہندوستان کو محض زراعتی ملک بنا دینا، اس کے لئے سخت نا انصافی اور ظلم ہے۔“

(سترہم کی پارلیمنٹری سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ)

ہندوستان سے انگلستان کو اور انگلستان سے ہندوستان کو جو کچھ ابھی گیا اس کی تفصیل یہ ہے:

| سنہ   | ہندوستان سے | انگلستان کو |
|-------|-------------|-------------|
| ۱۸۱۵ء | ۱۲۶۶۹۰۸     | تھان ۸۱۸۲۰۸ |
| ۱۸۲۱ء | ۵۳۲۴۹۵      | ۱۰۱۳۸۴۶۶    |
| ۱۸۲۵ء | ۴۲۲۵۰۴      | ۲۲۸۸۲۲۰۴۴   |
| ۱۸۳۵ء | ۳۰۶۰۸۶      | ۶۱۴۴۴۲۴۴    |

(سٹر لارنٹ)

ہندوستان کا موت

ہندوستان میں انگریزی موت سب سے پہلے سترہم میں آیا اس کے بعد اس کی مقدار بڑھتی گئی۔ چنانچہ

| سنہ   | میں     |
|-------|---------|
| ۱۸۲۵ء | ۱۲۰۰۰۰  |
| ۱۸۳۵ء | ۸۰۰۰۰۰  |
| ۱۸۴۵ء | ۴۰۵۰۰۰۰ |

(ایسٹ انڈین کمپنی کے حالات مندرجہ)

ڈاکٹر تور نے سترہم میں لکھا ہے کہ ”ڈھاکہ میں جیسا موت کتا ہو اور مل طیار ہوئی ہے اس کا مقابلہ انگریزی ذہانت اور صنعت کسی طرح بھی نہیں کر سکتی۔“ (برائون)

صنعت (ڈھاکہ) میں قدیم زمانہ سے ہر گھر کا مشغلہ موت طیار کرنا تھا۔ لیکن اب ارزاں انگریزی موت کی وجہ سے یہ کام بالکل موقوف ہو گیا ہے۔ اس طرح کا تہہ اور بننے کی صنعت، جس سے مدتوں لاکھوں مہنتی مخلوق پیٹ پالتی تھی، ۹۰ برس کے قلیل زمانہ میں اجنبی ہاتھوں میں چلی گئی۔ (۲۲)

سب سے پہلے سترہم میں انگریزی موت ہندوستان آیا۔ سترہم میں اس کی مقدار ۳۸۲۹۴۴ من تک پہنچ گئی۔ سترہم میں ۸۲۸۱۰ من ہو گئی۔ اور سترہم کے بعد سے تو اس نے ہندوستان کو بالکل بے دخل کر کے ملک بھر میں اس کی جگہ لی۔ (جسٹس ٹیلر)

تعلیم

جب کبھی میں ہندوستان کی بے شمار مخلوق کی جہالت کا خیال کرتا

ہوں، تو مجھے کارلائل کا پورا نصرت مقول یاد آ جاتا ہے: ”علم کی محنت رکھنے والے انسان کا جاہل رہنا میرے نزدیک ایک اندھنہ ناک مصیبت ہے۔“ (ڈاکٹر سی ہال)

یہ بالکل یقینی ہے کہ ہندوستان ایک بہت بڑا علمی مرکز تھا جہاں سے یورپ کی قدیم مہذب ترین قوموں نے اپنا علم، صنعت اور ادب حاصل کیا تھا۔ (لئے ایٹ ٹیلر)

جب کبھی کوئی ملک یا قوم کسی زبردست طاقت سے مفتوح ہو جاتی ہے تو یقین کر لینا چاہئے کہ طکران طاقت سب سے پہلا کام ہی کر گئی کہ مفتوح قوم کی تعلیم تباہ کر ڈالے گی یا سختی کے ساتھ اسے اپنے ہاتھ میں لے لیگی تاکہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ کیونکہ یہ مسلم جو کہ علم اور غلامی پہلو پہلو نہیں دے سکتے۔ (لئے سیدی)

سترہم میں قلعہ کی کمیٹی کے ایک ڈاکٹر نے کہا تھا ”ہم نے آئریکٹھن اپنی طاقت سے اس لئے کھودیا کہ وہاں اسکول اور کالج قائم کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ اب ہمیں ہندوستان میں اس طاقت کا اعادہ نہیں کرنا چاہئے۔“ (ایجوکیشن کمیٹی سترہم)

ہمارے مشرقی مقبوضات میں مشنری بھیجنے کی تجویز ایک نہایت ہی نا عاقبت اندیشانہ اور سر فاش تجویز ہے۔ یہ تجویز نہایت ہی ہلک، بھل، جاہلانہ، بے فائدہ، مضرت رساں، خطرناک، اور مستعصبا ہے۔ یہ ہر طرح کے تہذیبی اور صحیح سیاست کے خلاف ہے۔ یہ ہمارے مقبوضات کی سلامتی اور دوام کو خطرہ میں لانے والی ہے۔ (ہندوستان میں کیری کی آدرا ایٹ انڈین کمپنی کے ڈاکٹر کرٹل کا رزلویشن سترہم)

سترہم میں کمپنی کے ڈاکٹر کہتے ہیں تم (انگریز) ہندوستانیوں کو تعلیم دینا کیوں چاہتے ہو؟ تعلیم دیکر تم انہیں اپنی بے انصافی سے آگاہ کر دو گے۔ تم نے ان کا ملک لوٹ لیا ہے۔ تم نے ان کے ہونٹوں کو برباد اور ذلیل کر دیا ہے۔ تم نے ان کے بادشاہوں کو قتل کر ڈالا ہے۔ لہذا تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم انہیں اسی طرح فریب خود خود فراموش، اور جاہل رہنے دو! (سرتھامس ٹریٹن ۱۲ ارباب سترہم)

ہمیں صرف اسی حد تک ہندوستانیوں کو تعلیم دینا چاہئے جتنی جس حد تک ہم ان سے اپنی تجارت اور حکومت چلانے میں فائدہ اٹھا سکیں۔ (ملکٹ جرنل سترہم)

ہمیں ہندوستانیوں کی ایسی ایسی جماعت طیار کرنی چاہئے جو رنگ اور خون میں ہندوستان ہوں، مگر ذوق، خیال، اور ذہنیت انگریزوں کی رکھیں۔ (میکالے)

ہمیں ہندوستان میں ہندوستانی مدرول، سپہ سالاروں اور مقتول کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہمیں مہنتی کسان مطلوب ہیں! (تھیکرے)

ہندوستان میں انگریزوں کے اندرونی تعلیمی مقاصد جن میں ہیں: (الف) انگریزی تعلیم کو مروج ہمارے قبضہ کے لئے مفید ہوگی۔

# برید شرق

## غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا تاریخی خطبہ

### بعد از جنگ حوادث و اعمال کی مستند روایت

(المآل کے مقالہ نگار قیوم مصطفیٰ کے قلم سے)

اس حالت پر میں سوچ کر ترجیح دیتا تھا۔ میں نے فوراً یونان سے تعلق کی طیارہ خرید کر دی۔ جون اور جولائی (۱۹۴۷ء) کے مہینوں میں ایشیا اور ارض روم کے شہروں میں میں نے کانفرنس منعقد کیں۔ لیکن میری سرگرمیاں دیکھ کر استنبول کے حکام سخت برہم ہو گئے۔ علی کمال ایک وزیر داخلہ نے مجھے طلب کر کے کہا کہ باب عالی میری تجویز کا مخالف ہے۔

۳ جولائی کو میں نے اپنے دوستوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور صاف لفظوں میں اُن تمام خطروں سے آگاہ کر دیا جو میرے ساتھ قومی تحریک میں شرکت سے اُنھیں پیش آنے والے تھے۔ لیکن اُنھوں نے نہایت بہادری سے سرگرم عمل نہ ہونے پر اصرار کیا اور اعلان و رفاقت کی باتیں کھائیں۔

تب میں اپنے قومی منصب سے مستعفی ہو گیا تاکہ آزادی سے جدوجہد جاری رکھ سکوں۔ لیکن ارض روم میں میرے دوستوں میں باہم ناچاقی پیدا ہو گئی۔ میں نے اُن سے صاف کہہ دیا کہ تاریخ ثابت کر چکی ہے کہ کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ایک غافل مستقل مزاج، اور حجت سرور کی اطاعت نہ کی جائے۔ ایسے نازک وقت میں اختلاف سے ہرگز کوئی نتیجہ نہیں نکلی سکتا۔

#### قومی حرکت کا دوسرا قدم

قومی تحریک نے دوسرا قدم، سیاست کا سفر سے اٹھایا۔ اس کانفرنس میں تمام ترکی ملاؤں کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ یہیں صاف طور پر یہ بات طے پا گئی کہ اتحادیوں، خصوصاً یونان کی مقاومت کی جائے اور ہر ممکن تدبیر سے ترکی مرز میں، اجنبی فوجوں سے پاک کی جائے۔

اُس موقع پر ایک فرانسیسی افسر نے سیاست میں آکر کہا کہ فرانسیسی عنقریب اس وطنی تحریک کا سرکھل ڈالے گا! میں نے اُسے جواب دیا ”سیواس پر تم ہرگز قبضہ نہیں کر سکتے۔ فرانس یا کوئی اور طاقت اگر یہی تحریک چلنا چاہتی ہو تو اسے ایک طویل ہولناک جنگ کے لئے تیار ہونا چاہئے“

اسی کانفرنس میں یہ سلسلہ پیش ہوا تھا کہ اگر کسی حمایت میں ترکی کو چلا جانا چاہئے کپتان رودف بک، جنرل رائٹ پاشا، خالدہ ادیب ہا لم (دو جہ عدنانا بک) اس تجویز کے سرگرم حامی تھے مگر میں نے ارکان مجلس سے درخواست کی کہ نہایت یہ سلسلہ جاری کر دیا جائے۔ میری درخواست منظور کر لی گئی۔

کمال ایک ہفتہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا جمہوری مؤقر میں اپنا تاریخی خطبہ سناتے رہے۔ خطبہ بہت ہی طویل ہو۔ تلخیص کے سوا چارہ نہیں۔  
مسئلہ میں التوا و جنگ  
موصوت نے بیان کیا:

۱۹ مئی ۱۹۴۷ء میں وہ بحر اسود کے ساحل سمسون پہنچے۔ یہ وہ وقت تھا جب ترکی کی داخلی حالت از حد اجڑ چکی تھی۔ سلطان حمید الدین اور اُن کے وزیر اعظم داماد فرید پاشا، ملک کو اُس قعر غارت سے نکالنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہے تھے جس میں وہ التوا و جنگ کے بعد گر پڑا تھا۔ اتحادی سلطنتیں، معاہدہ التوا کی کسی شرط کی بھی پابندی نہ تھیں۔ برطانی، فرانسیسی، اور اطالی فوجیں، ترکی کی بہت سی سرزمینوں پر قابض ہو چکی تھیں۔ پھر اپنی اتحادیوں کے اشارے سے ۵ مئی ۱۹۴۷ء میں یونانی فوجیں سمنا پر قابض ہو گئی تھیں۔ اسی قدر نہیں، بلکہ ترکی سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ تھیں سے دست بردار ہو جائے تاکہ وہاں جمہوری حکومت قائم کر دی جائے۔ کردستان کو خود مختاری دیدے۔ ملاوہ باتوں کو آزاد کرے اور اُس میں بھی ایک خود مختار حکومت بن جائے جس کا پایہ تخت، طرابزون ہو۔

#### ”انجن مہمان انگریز“

استانبول، تمام سازشوں کا مرکز تھا۔ ”انجن مہمان انگریز“ سے زیادہ خطرناک سازشی مرکز تھا۔ یہ انجن خود سلطان کی سرپرستی میں تھی۔ وزیر اعظم اور دوسرے ارکان سلطنت، اُس کے ممبر تھے۔ اس انجن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ترکی قومی تحریک کو کھل ڈالے۔ فوج کی ابتری، آخری حد سے بھی تہاد کر چکی تھی، لیکن وہ بتو سلطان سے وفادار تھی۔ ملک میں یہ تحریک بھی پھیل رہی تھی کہ ترکی اب خود کچھ نہیں کر سکتا، لہذا کسی بڑی سلطنت سے امداد حاصل کرنا چاہئے۔ اس غرض کے لئے تین ذریعے لوگوں کے پیش نظر تھے: ”انگلستان کی سرپرستی قبول کر لی جائے۔ یا امریکہ کی حمایت منظور کر لی جائے۔ یا خود اندرون ملک میں متحد حکومتیں قائم کر دی جائیں“

#### غازی کی ابتدائی مساعی

اس کے بعد غازی نے اپنی ذاتی کوششوں کی طرف اشارہ کیا: ”میرے دشمنوں نے مجھے آستانہ سے نکلوانے کی کوشش کی تھی میرے ماتحت پہلے تین فوجیں تھیں۔ نیز انکو وہ اور دیار لکری فوج پر بھی مجھے نگرانی کا حق حاصل تھا۔ میں یہ کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ وطن مقدس کسی اجنبی حکومت کی غلامی میں پڑے۔“

(پ) ہندوستانی ہمارے بڑے آدمیوں پر ہماری ہی طرح فخر کرنے لگیں گے۔

(ج) ہماری ہی طرح تعلیم حاصل کرنے، ہماری ہی طرح ایک خاص سے دلچسپی لینے، ہماری ہی طرح ایک خاص نتیجہ کے لئے کوشاں ہونے سے، وہ ہندوستانی ہونے کے بجائے انگیز ہو جائیں گے۔ ٹھیک لاشی طرح، جس طرح وہ میں کی ماتحت تو ہیں رومن ہو گئی تھیں!

(د) اس طرح وہ قدیم ہندوستانی بنیادوں پر آزادی حاصل کرنے کی خواہش سے دست بردار ہو جائیں گے۔ اس کے بعد کوئی فوری تبدیلی ناممکن ہوگی۔ ہمارا قبضہ مدت دراز تک بے خطر قرار دے سکے گا (۴) تعلیم یافتہ طبقہ یہ سمجھ کر کہ اُس کے ملک کی بھلائی ہماری ہی سرپرستی میں ہو سکتی ہو، قدرتی طور پر ہم سے وابستہ رہے گا۔  
(سرکاری مراسلہ ۱۹۴۷ء)

زمین کی فتح کے بعد ہندوستان کا داغ بھی فتح کر لیا گیا۔  
(دہلی)

داغ ہی سلطنتیں برباد کرتے اور قائم کرتے ہیں، داغ پرقبضہ کرو۔  
قوم پر بھی حکومت کر سکو گے۔  
(دواٹ و دسینین)

غیر داغی انقلاب کے سیاسی انقلاب ناممکن ہو۔ پوری ایک فتح کی لیخار آسانی روکی جاسکتی ہو، لیکن عامی حملہ کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا  
(میریں)

کوئی بھی ہندوستانی ذہانت اور زیرکی پر شہین کر سکتا۔ مگر ہرگز ہو کہ مغربی طریق تعلیم نے اُسے کس طرح اپنا شکار کر لیا ہو اور ہندوستان کی روایتی ذہانت کی کشتل قوت بالکل افسرہ ہو کر رہ گئی ہو!  
(د)

ہم نے بنگالیوں کو جو تعلیم دی ہو وہ صنعت و حرفت کی طرف توجہ کرنے کے بجائے صرف ادبیت سکھاتی ہو۔  
(سرای، سی، بک)

جہاں باشندے خوشحال ہوتے ہیں، وہاں تعلیمی ترقی خطرناک نہیں ہوتی۔ مگر جہاں افلاس اور تعلیم کا ساتھ ہوتا ہو، وہاں آگ لگا دیتی ہو۔ یہ ایک سچی حقیقت ہو، لیکن کتنی آدمی ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ حقیقت ہندوستان میں کتنی سچی ہو! (ڈبلو۔ ایس۔ بلنٹ)

فوج میں گورنٹ کا تعلیمی دستور لہل یہ تھا کہ ملک کے انتظام کے لئے آدمی فراہم کئے جائیں۔ نیز علی تعلیم کے بجائے صرف ادبی تعلیم کی ہمت افزائی کی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں ادبی تعلیم یافتوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی، اور علی تعلیم تقریباً مفقود ہوئی۔ (ریڈر لیکچر)

### المآل کے ابتدائی نمبر

المآل سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر یعنی نمبر ۵ تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ درگچی قیمت پر خریدنے کے لئے تیار ہیں۔ دفتر کو اطلاع دیجائے۔ نیچر

## حکومت آستانہ اور سیواس کا نفرنس

حکومت آستانہ، سیواس کا نفرنس دیکھ کر گھبرا گئی اور قومی تحریک کا گلا گھونٹ دینے پر کمر بستہ ہو گئی۔ اس مقصد کے لئے اس نے صوبہ سمودہ الیزز کے حاکم علی غالب کو منتخب کیا۔ اُسے حکم دیا کہ مشرقی صوبوں کے تمام کردوں کو قومی تحریک کے خلاف کھڑا کر دے۔ نیز ایک اجنبی انسر اس کی مدد کے لئے مقرر کیا۔

علی غالب جب کو قلعین تھا کہ وہ سیواس تک پہنچ سکتا ہو اور حکومت پر قابض ہو کے قومی تحریک کا خاتمہ کر دے سکتا ہو۔ لیکن ہم قومی کارکن پوسے طور پر بیدار تھے۔ ہم نے بدقت ضروری تدابیر اختیار کیں۔ مجرموں کا تعاقب شروع کر دیا۔ جلد ہی ان کی بہت سی پست ہو گئیں اور اجنبی حمایت میں بھاگ کر پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ نیز ہم نے عام حکم صادر کر دیا کہ کردستان میں اجنبی انسر کی موجودگی قطعاً ممنوع ہو۔ الا یہ کہ ان کے پاس ہماری خاص اجازت موجود ہو۔

پھر ہم نے سلطان کو ایک طویل برقی پیغام بھیجا۔ اس میں انتہائی تعظیم و تکریم کے الفاظ استعمال کئے اور درخواست کی کہ موجودہ خلیفہ وزارت کو توڑ دیں اور ایک ایسی وزارت مرتب فرمائیں جو قومی آرزوں کی موید ہو۔

ذیہ پاشا یہ پیغام دیکھ کر بہت چراغ پا ہوئے۔ انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ قومی کارکنوں کو بہت ڈراما دیکھا اور بالآخر آستانہ اور اناطولیہ کے مابین گفتگو کا سلسلہ ہی قطع ہو گیا۔ سیواس کا نفرنس کے بعد ہم نے پارلیمنٹ منعقد کرنے کی کوشش شروع کی۔ لیکن آستانہ کی حکومت اسے جمع ہونے دینا نہیں چاہتی تھی۔ مگر قوم کی مرضی کے خلاف صلح حاصل کر سکے۔ یہ دیکھ کر ہم نے اپنے تمام قہودہ داروں کو حکم دے دیا کہ قوری مستعدی سے انتخابات کی طیاریاں شروع کر دیں۔ نیز سیواس کا نفرنس کی اس تجویز کو علی جاہ پہنانے کے لئے کمر بستہ ہو گئے کہ اندرون ملک میں ایک نمائندہ جماعت، مجلس قومی کے نام سے قائم ہو اور جملہ معاملات وہی انجام دے، یہاں تک کہ ملک میں ایسی حکومت قائم ہو جائے جس پر قوم کو اعتماد ہو۔

اس جدوجہد میں ہمیں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اعتراضات، اختلافات، سوؤ ظن، رشک و حسد کی کوئی حد نہ تھی۔ ساتھ ہی قومی کی علانیہ عداوت اور خفیہ سازشوں نے اب اور بھی زیادہ زور دیا۔ مزوری تھا کہ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا جائے اور سب کا رچل ڈالا جائے۔ ہم نے یہی کیا۔

ابھی دوران میں ہر طرف سے سلطان پر تار باریوں کی بارش ہوئی کہ فوراً اس خائن وزارت کو توڑ دیں۔ ابھی دوران میں علی نوادیا شا مغربی میدان جنگ کے سپہ سالار اور انگریزوں میں ہتھیار پیدا ہو گیا۔ میں نے مداخلت کی اور پرامن طریقہ پر تصفیہ ہو گیا۔ اس فیصلہ کی بنا پر انگریزی فوجیں، مرزلیون اور ساستون سوکھ گئیں۔ اب حکومت آستانہ کو قلعین ہو گیا کہ اناطولیہ کی قومی تحریک کا طمانا ممکن ہو۔ اس کے خلاف جتنی کوشش کی جاتی ہو، وہ آہنی ہی زیادہ مضبوط ہوتی جاتی ہو، لہذا اُسے یہی مناسب سمجھا کہ سختی کے بجائے، نرم تدبیروں سے اس کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ مرحوم عبدالکلیم پاشا کو مجھے سے محنت کو کرنے کے لئے منتخب کیا۔ ۲۷ اور ۲۸ مئی ۱۹۷۷ء کو درمیان رات کو ہم دونوں تار باری کے آکر پرہ گھٹے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مگر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ اب دادا فرید پاشا کے لئے اسکے ہوا کوئی چارہ کار باقی نہیں تھا کہ وزارت کی کرسی خالی کر دیں چنانچہ تین دن بعد وہ مستعفی ہو گئے۔

اُسی زمانے میں طراز دن کے بعض لوگ ایک دفتر مرتب کر کے بلو خود سمجھوتہ کے لئے آستانہ جانے لگے۔ مگر انھیں روک دیا گیا اور طراز دن کے صوبہ دار کو قید کر دیا گیا۔

اس کا جواب حکومت آستانہ نے یہ دیا کہ پھوٹ ڈالنے کے لئے بعض منافق اناطولیہ میں بھیج دیئے۔ مگر اسیں اُسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ اناطولیہ کی قومی مجلس نے آستانہ کے باشندوں کی اور زیادہ حمایت حاصل کرنی اور سلطانی حکومت کے شر سے انھیں باخبر کر دیا۔ ہم نے یہی نہیں کیا بلکہ ان پر جوش و خروش، نا اہلیت اور بدستوری کی ناک میں بھی تین ڈال دی جو تسلیم پر حصار دینے اور تلوار کے زور سے فیصلہ حاصل کرنے پر تھے۔ ہم نے ہر جگہ اپنی دعوت پھیلا دی حتیٰ کہ دول اتحاد کے اہل محلہ والحقہ کو بھی، جو آستانہ میں موجود تھے، متاثر کر دیا۔

## علی رضا کی وزارت

ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان نے ۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو علی رضا پاشا کی وزارت قائم کر دی۔ علی رضا پاشا کا مسلک، ذہنیہ پاشا سے بالکل مختلف تھا۔ نئی وزارت، مفاہمت چاہتی تھی۔ مگر وہ بھی اس مفاہمت میں مخلص نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ قومی تحریک کو گلا گھونٹ دے۔

علی رضا پاشا نے مجھے مفاہمت کی دعوت دی۔ میں نے گفتگو کے لئے ۷ شرطیں پیش کیں:

(۱) اگر جدید وزارت، قومی آرزوں کی موید ہوگی تو قومی مجلس بھی اس کی تائید کرے گی۔

(۲) جدید وزارت، ملک کی بہت کم کا کوئی فیصلہ اس وقت تک کرے، جب تک پارلیمنٹ منعقد نہ ہو اور حکومت پر اس کی کابل اور آزاد بلرانی قائم نہ ہو جائے۔

(۳) صلح کا نفرنس میں جو نمائندے جائیں، وہ ان لوگوں میں سے ہوں جن پر قوم اعتماد کرتی ہو۔

(۴) جدید وزارت، قوری صفائی سے اپنا مسلک ظاہر کرے۔

(۵) وہ تمام عہدہ دار، سپہ سالار و برطانوی فوجی جو قومی تحریک کے مخالف ہیں۔ ان کی جگہ وطن پرست آدمی مقرر کئے جائیں۔

کئی دن تک گفت و شنید جاری رہی۔ علی رضا پاشا صرن زبان سے وعدہ کرتے تھے کہ ہماری شرطیں منظور کرتے ہیں۔ وہ یہی قلعین دلانا چاہتے تھے کہ ہمارے طرفدار ہیں۔ حال پاشا مرستی کو وزارت میں ہی لئے داخل کیا تھا کہ قوم کو غلط فہمی میں ڈال سیکیں۔ کیونکہ حال پاشا مرستی، قومی آدمی خیال کئے جاتے تھے۔

لیکن ہم دھوکا نہیں کھا سکتے تھے۔ جب ہم نے دیکھ لیا کہ گفتگو سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو ہماری قومی مجلس بدستور قائم رہی اس کی بیداری اور مستعدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد پوسے اناطولیہ پر اس کی حکومت قائم ہو گئی۔ ساتھ ہی ہماری خفیہ انجمنیں ہر طرف پھیل گئیں۔ خود آستانہ اور سمرنا میں بھی ہم متعدد طاقتور انجمنیں قائم کر سکے۔ ان کوششوں کا اصلی مقصد یہ تھا کہ ہم انتخابات میں کامیابی حاصل کر لیں۔ ہم چاہتے تھے پارلیمنٹ، آستانہ کے بجائے اناطولیہ کی سرزمین میں منعقد ہو۔

اُسی زمانے میں امریکن حزب بارڈو اناطولیہ میں سیاحت کر رہا تھا۔ اُسے مجھ سے سیواس میں ملاقات کی اور سوال کیا: ”اگر تمام قریانیوں کے بعد بھی قوم کوئی نتیجہ حاصل نہ کر سکی تو کیا کر دے گا؟“

میں نے جواب دیا: ”اگر قوم تمام قریانیوں کے لئے قیود کا سیلاب ہو جائے گی۔“

لیکن اگر اس پر بھی کامیاب نہ ہو تو معنی یہ ہوئے کہ قوم مگرگی! اس کے بعد غازی نے کثافت پاشا کی نیت کی۔ کہا:

”میں نے انھیں حکم دیا کہ صوبہ قوریہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیں۔ مگر انھوں نے مجھ سے منصب کی ترقی کا مطالبہ کیا۔ پھر میں نے انھیں بتو کہ باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا جاؤ، مگر انھوں نے دوبارہ منصب کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب میں خود تمام مناصب سے برخاست کر دیا گیا تھا اور مجھے پھانسی کی سزا کا حکم مل چکا تھا!“

علی رضا پاشا نے ایک چال اور چلنا چاہی صلح پاشا کو مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے آتسا بھیجا۔ مگر میں اُسی وقت سیواس میں شورش بھی پیدا کر دی۔ یہ شورش انجمن مہمان انگریز کی کوششوں سے برپا ہوئی تھی۔ اس علاقے میں انجمن کا رنج دواں ایک انگریز راب ”فرو“ نام تھا۔ سیواس کی طرح ادا بازار، بدستور میں بھی شورش نے طغویا۔ مگر ہم نے بدقت سب کا خاتمہ کر دیا۔

میں اس بات پر مصر تھا کہ پارلیمنٹ، اناطولیہ میں منعقد ہو لیکن احمد غز پاشا، جمال پاشا مرستی، احمد عورت پاشا اسکے خلاف تھے۔ صلح پاشا کی مجھ سے گفتگو اس سمجھوتہ پر ختم ہوئی کہ طرفین نے اناطولیہ اطنے، سمرنا اور آردن کو ترکی قومی وطن تسلیم کر لیا۔ اس کی تعظیم و تجزیہ کو ناجائز قرار دیا۔ سلطنت و خلافت کے برقرار رہنے پر اتفاق کر لیا۔ نیز یہ طے پا گیا کہ پارلیمنٹ کے انتخابات قوری آزادی کے ساتھ جاری ہوں۔

ہم نے علی رضا پاشا کی حکومت سے یہ بھی منوالیا کہ نہ ہسپتالوں سے جنگ کی جائے جنھوں نے انگریزوں کے بعد اناطولیہ پر قبضہ کر لیا تھا اور اجنبی جاسوسوں کو قطعی طور پر شرارت پھیلانے سے روک دیا جائے۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ کوئی ایسی صلح قبول نہیں کی جائے جسے مجلس قومی نامظور کرے۔ اس کے مقابلے میں ہم نے مان لیا کہ پارلیمنٹ آستانہ ہی میں منعقد ہو۔

## قومی مجلس انگورہ

۷ دسمبر ۱۹۷۷ء میں ہماری قومی مجلس سیواس سے انگورہ میں منتقل ہو گئی کیونکہ اب ضرورت تھی کہ ہم قومی میدان جنگ سے قریب ہیں۔

پارلیمنٹ، آستانہ میں منعقد ہوئی، مگر اتحادیوں نے اُسے جبراً بند کر دیا۔ میں نے پارلیمنٹ کو انگورہ میں جمع ہونے کی دعوت دیدی۔ مجھے پہلے سے معلوم ہو گیا تھا کہ اتحادی، پارلیمنٹ کے ممبروں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ممبروں کو متنبہ کر دیا اور فوراً انگورہ چلے آئے پر زور دیا۔ مگر انھوں نے میری نصیحت قبول نہیں کی اور قید ہو گئے۔

اُسی زمانے میں جمال پاشا مرستی نے کوشش کی کہ اناطولیہ کی قومی تحریک پر قابض ہو جائیں۔ قومی فوج پر اپنے طرفداروں پر مقرر کر دیں۔ مگر انھیں کامیابی نہ ہو سکی۔ پھر انھوں نے اتحادیوں کے دباؤ سے مجبور ہو کر چالاک ترکی فوج، یونانیوں کے مقابلے کو ہٹ جائے۔ مگر ان کی یہ کوششیں بھی رائیگاں گئی۔

جب پارلیمنٹ کے ممبراں محصور پہنچے تو میں نے انھیں باہمی اتحاد کی نصیحت کی۔ میں چاہتا تھا پارلیمنٹ کا صدر مجھے منتخب کیا جائے، تاکہ میں جب چاہوں، اُسے اناطولیہ میں طلب کر سکوں مگر اس وقت ارکان مجلس، اتحادیوں کے خوف سے اس کی جرأت نہ کر سکے۔

اب بہت سی نئی مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ ہمیں سب پر قاب آنا تھا۔ میں نے ترکی میں اور تمام اسلامی ممالک میں املاں شائع

(۲) سلطان کا قیام، آستان میں ہے، لیکن حکومت اور پارلیمنٹ کا مرکز، انگورہ میں رہو گا۔

لیکن توفیق پاشا اور سلطان نے یہ تجویز منظور نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے لندن میں اپنا ملحدہ وفد بھیجا اور کانفرنس کی شرطیں نامنظور کر دیں۔

اسی اثنا میں یونانیوں نے دوبارہ حملہ شروع کیا۔ لیکن پھر عصمت پاشا کے ہاتھوں شکست کھائی۔ اگر دو ملو جینا میں رات پاشا سے سخت مقابلہ جاری رہا۔ آخر ہم نے رات پاشا کو واپس ملبایا اور عصمت پاشا کو بڑے میدان کے سپہ سالار مقرر ہو گئے۔

جعفر طیار اور رافت پاشا

غازی نے جعفر طیار پاشا کا ذکر کیا جو منترقی تھریں میں قوی تحریک کے ملبردار تھے:

”ہم انھوں نے کوئی قابلیت بھی ظاہر نہیں کی۔ اس علاقہ میں تحریک کی ناکامی کے سرسرمزہ دار ہی ہیں۔ تاریخ انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ بغیر کسی مقابلہ کے دشمن کے ہاتھ میں قید ہو گئے۔“

اس کے بعد مقرر نے رافت پاشا کا ذکر کیا:

”رافت پاشا نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ فوزی پاشا، وزیر جنگ بنائے جائیں۔ عصمت پاشا، میدان جنگ کے سپہ سالار ہوں اور وہ خود (یعنی رافت پاشا) جنگی اشیاء کے صدر دفتر رکھے جائیں۔“

میں نے انھیں حنفی جواب دیا:

”آپ جنگی اشیاء کے صدر بننا چاہتے ہیں؟ جنگی اشیاء کی صداقت کے معنی یہ ہیں کہ عملی طور پر بڑے میدان جنگ کی سپلائی لیکن آپ میں اس کی ہرگز قابلیت نہیں ہو۔“

اس کے بعد رافت پاشا کو ششہ نشین ہو گئے اور پھر کچھ بھی نہیں کیا۔

## کابل فتح

تین ہفتے سکون کے بعد، ارجوانی سٹیشن کو یونانیوں نے بہت بڑے پیمانہ پر عشاق اور برہنہ کی طرف حملہ شروع کیا۔ ۱۴ مارچ کو سکر جاری رہا۔ آخر ترکی فوجیں پیچھے ہٹنے لگیں اور دریائے ستلیا کے اس پار آ کر کھیں۔

مجلس وطنی، ترکی فوجوں کی داپسی سے سخت پریشان ہوئی اور مجھے حکم دیا کہ خود اپنے ہاتھ میں سپہ سالاری لے لوں۔ میں نے اس شرط پر یہ منصب قبول کر لیا کہ مجلس مجھے وہ تمام اختیارات بھی بخش دے جو اسے فوج پر حاصل ہیں۔ مجلس نے یہ شرط منظور کر لی اور تین ہفتے کے لئے اپنے اختیارات مجھے عطا کر دیے۔

میں نے کمان اپنے ہاتھ میں لے لیا اور سفارہ کا وہ مرکز پیش آیا، جس نے حملہ آور یونانیوں کی کمر توڑ ڈالی۔ تب مجلس وطنی نے مجھے ”مارشل“ کا خطاب دیا۔ ساتھ ہی ”غازی“ کا لقب بخشا۔ بہ فتحی کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہم سے معاہدہ کر لیا۔ ترکی کی کابل خود مختاری تسلیم کر لی اور ان تمام علاقوں سے دست بردار ہو گیا جو جنوبی اناطولیہ میں اس کے قبضہ میں تھے۔

اسی دنوں میں یونانیوں نے بحرا سود پر ترکی علاقے میں اپنی جمہوریت قائم کرنا چاہی۔ بعض یورپین طلسمیں ان کی ہمت افزائی کر رہی تھیں۔ ۲۵ ہزار فوج یونانیوں کی تائید پر تھی۔ مگر ہم نے اس فتنہ کا بھی سرکھل ڈالا۔

۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء میں خود مجلس وطنی کے اندر مخالفت نے زور پکڑا۔ مخالفت کے سرگروہ روڈف بک اور قرہ واصف بک تو رافت پاشا کا میلان بھی اسی جات کی طرف تھا جو ازمنہ مضامین

ساتھ ہی یونانی سیلاب کے دوکنے کے لئے تھیں اور فرانسسویل کی سرکوبی کے لئے اٹلانڈ میں میدان جنگ قائم کئے گئے۔ ہماری کوششیں جلد باؤد ہوئیں۔ اٹلانڈ، طرطوس، اور مرین میں ہم نے فرانسسویل کا محاصرہ کر لیا اور فرانس کو ہماری تمام سرزمینیں خالی کر دیں۔ ساتھ ہی مجلس وطنی نے اپنا ایک وفد روس بھی بھیجا۔ پوئے ایک برس تک گفت و شنید جاری رہی۔ یہاں تک کہ اپر سٹارٹ میں اسکو سے پہلے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

جون ۱۹۲۲ء میں یونانیوں نے حملہ شروع کیا۔ قوی فوج مجبور ہوئی کہ پیچھے ہٹ جائے۔ اس وقت میں خود میدان جنگ گیا۔ علی نواد پاشا کی زیر قیادت عسکری شہر اور ایون قرہ حصار کے خطرناک سرون موہے قائم ہو گئے۔

## دوئی مشکلیں

اسی اثنا میں دوئی مشکلات پیدا ہوئیں: ایک ”سٹیل“ سرفوج کی تھی۔ یہ ایک خفیہ انجن تھی اور ادھم چرکی کے ماتحت تھی۔ دوسرا معاملہ جلال الدین عارف بک کا تھا۔ انھوں نے چاہا کہ مشرقی صوبوں میں اپنے لئے ایک خاص حیثیت پیدا کر لیں۔ مگر ہم ان دونوں مشکلوں پر بھی غالب آ گئے۔

## ارمنی فتنہ

اسی دوران میں اتحادیوں کے اشارے سے اس قوم نے سر اٹھایا اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اب ہیں اس نئی حیثیت کا بھی مقابلہ کرنا تھا۔ چنانچہ ہماری فوجیں متحرک ہوئیں۔ ارمنوں کی اچھی طرح گوشالی کی اور قاصد پر قبضہ کر لیا۔ پھر ارمنوں کو مجبور کیا کہ صلح کی درخواست کریں۔ اس کا نتیجہ معاہدہ کومرد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے ترکی سرحدیں وہی ہو گئیں جو ۱۹۱۸ء میں تھیں اس طرح ارمنی خطرہ بالکل زائل ہو گیا۔ روس نے بھی یہ معاہدہ قبول کر لیا بشرطیکہ باطام اس کے حوالہ کر دیا جائے۔ اس تدبیر سے ہم مشرق کی طرف سے کلیدیہ مطمئن ہو گئے۔

## قونیہ کی بغاوت

اس کے بعد قونیہ میں پھر بغاوت ظاہر ہوئی۔ ہم مجبور ہوئے کہ از سر نو ایک فوج مرتب کریں۔ ادھم چرکی نے اس امر کی مخالفت کی اور جب ہم نے اس کی پراہنیں کی تو وہ یقیناً سے بول گیا۔ اب ایک مرتبہ پھر قوی فوج پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئی۔ ہم نے فوجا علی نواد پاشا کو میدان جنگ سے واپس کر کے ماسکو کی سفارت پر بھیجا اور عصمت پاشا اور رافت پاشا کو سپہ سالار مقرر کیا۔

میں اسی زمانہ میں دادا فرید پاشا پھر مغزول ہو گئے اور توفیق پاشا، صالح پاشا کے ساتھ برسر حکومت آئے۔ انھوں نے اناطولیہ مغرب کے لئے ایک وفد بھیجا۔ یہ وفد اس وقت پہنچا جب عصمت پاشا این آدی میں یونان کو شکست دے چکے تھے۔ یہ قوی حکومت کی پہلی فتح تھی۔ لیکن اس فتح کے بعد ہی یونانیوں نے علی ادھم چرکی کی اعانت سے کوتاہیہ پر حملہ کر دیا اور ہماری فوجوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ صورت اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ رافت پاشا بردت دشمن کے محاصرہ کے لئے میدان جنگ میں نہیں پہنچ سکے۔

## لندن کانفرنس

اس کے بعد لندن کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں حکومت انگورہ بھی مدعو کی گئی۔ مگر میں نے وزیر اعظم توفیق پاشا سے مطالبہ کیا کہ وہ دول اتحاد سے کہیں کہ براہ راست حکومت انگورہ کانفرنس میں بلائی جائے، کیونکہ ترکی میں تہا دی حکومت موجود ہے۔ ساتھ ہی وزیر اعظم کو مجلس وطنی کی حب ذیل دو تجویزوں سے مطلع کر دیا:

(۱) مجلس وطنی، سلطان کی ذات شاہانہ کو تسلیم کرتی ہے۔

کے۔ ترکی میں جو اعلان شائع کیا تھا، وہ اس عبارت سے شروع ہوتا تھا: ”اندولی کی اس مقدس جنگ میں خدا ہمارے ساتھ ہو۔“

اسی زمانے میں عسکری شہر اور ایون قرہ حصار سے ہم اتحادیوں میں بٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ ریلوے بھی کئی جگہ سے ٹوڑ ڈالی گئی۔ نئی مجلس وطنی بھی منعقد ہوئی۔ یہ واقعہ ۲۳ اپریل ۱۹۲۱ء کا ہے۔

اس کے بعد غازی نے رافت پاشا کا پھر ذکر کیا۔ انھوں نے کہا: ”میں نے انھیں تہرا کے میدان جنگ میں جانے کا حکم دیا۔ مگر انھوں نے تعمیل نہیں کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ ایک فرانسیسی آب دو پرفیہ آستان چلے گئے۔ آج تک معلوم نہ ہو سکا اس سفر کی غرض کیا تھی؟“

اس کے بعد کالم قارا بکر پاشا کی مذمت کرتے ہوئے غازی نے کہا:

”یہ مجلس وطنی کے سیراس سے انگورہ آنے پر مقرر تھے۔ پھر جب آستان میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو انھوں نے زور دیا کہ مجلس وطنی توڑ دی جائے۔ لیکن میں نے ان کے مشورہ کی کوئی پروا نہیں کی۔“ اس کے بعد غازی نے وہ رد وادیں پڑھیں جو مشہور خان سعید مثلاً، انگیز راہب فز کو بھیجا کرتا تھا۔ پھر بتایا کہ توراکن بک دستخطیہ کا پولیس کسٹر انگیز جا سوسوں کو پناہ دیتا تھا۔

اس کے بعد غازی نے اس سلسلہ پر روشنی ڈالی کہ مجلس وطنی کی تاسیس کے بعد موجودہ سیاسی مسلک کیونکر اختیار کیا گیا؟ انھوں نے کہا:

”اس وقت تین سیاسی رجحان ملک میں موجود تھے: پان اسلامیزم، پان تودانیزم، ترکی قومیت۔ میری رائے اسی آخری رجحان کی طرف تھی۔ یہ اس لئے کہ جلد ترکی قوموں کا ایک علم کے نیچے جمع ہونا ناگزیر ہو۔ اسی طرح تودانی تحریک یا اسلامی تحریک پر پھر و سکرنا ایک ہم اور جزو تھا۔ لہذا پہلے نے اس کے سوا کوئی راہ باز نہ تھی کہ اپنی خالص قومی تحریک پر تکیہ کریں۔ ہمارے لئے ایک قومی سیاست ضروری تھی۔ قومی سیاست سے مقصود، وہ زندگی ہے جو سب سے پہلے قوم کی قوت پر قائم ہو۔ پھر تمام تمدن دنیا کی ہمدردی حاصل کر سکے۔“

جب میں نے مجلس وطنی کے سامنے اپنا یہ نقطہ نظر پیش کیا، تو یہ بحث شروع ہوئی کہ آخر حکومت کی شکل کیا ہونی چاہئے۔ اس وقت سلطان اور خلیفہ آستان میں موجود تھا۔ بہت سے لوگ اسے معتد اور بے گناہ سمجھتے تھے۔ لہذا ضروری ہوا کہ کوئی ایسی تجویز بنائی جائے جو حالات کے مناسب ہو۔ چنانچہ یہ تجویز منظور کی گئی:

”مجلس وطنی سے بالا کوئی قوت تسلیم نہ کی جائے۔ مجلس وطنی میں تشریف اور تنفیذی دونوں قوتیں جمع ہیں۔ جب سلطان اور خلیفہ، قید و آزاد ہوگا اس وقت اس کی وہ حیثیت ہو جائے گی جو مجلس وطنی طے کرے گی۔“

## فرید پاشا کی وزارت

پھر مجلس وطنی کے انتخابات پیش کئے اور اس میں اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ میں اسی زمانے میں سلطان وحید الدین نے ہماری صدر فرید پاشا کو دوبارہ وزیر اعظم بنایا۔ ہماری قومی حکومت کے خلاف فتوے شائع کئے گئے اور دشمن کے ہوائی جہازوں سے تمام ملک میں قسیر کئے گئے۔ اب ہر طرف شورش پیدا ہوئی خفیہ اور علانیہ قومی حکومت پر یورش شروع ہوئی۔ بولو، ادا بازار، مشرقی انگورہ، توتاد، لوزناد اور دن، سیوہ رگ، ایلفین، قونیہ، فرسنگ تمام علاقوں میں مسلح بغاوت برپا ہو گئی۔ پھر فوراً ہی ازمیت میں حبش خلافت نے ظہور کیا اور قومی حکومت مجبور ہوئی کہ ان تمام فتنوں سے بیک وقت جنگ کرے چنانچہ خیانت وطنی کا قانون بنایا اور محاکم احتفال مرتب کر دیئے گئے



ہوئے کیا،

”میں نے اور سلطان نے قوری کوشش کی کہ ہماری بھی تختی رہے لیکن یہ راز کسی طرح فاش ہو گیا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم دونوں بتا پرست زندگی بسر کر سکیں گے۔ بلاشبہ سلطان کی عزت زیادہ ہے، حتیٰ کہ وہ میرے دادا معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس سے میرے دل کے تعلق پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ سلطان نے وعدہ کیا کہ وہ کبھی ”مون“ دربار کے ساحلوں پر گزرا کر کے پتوں میں ساتھ رہیں گے۔“

”میں معلوم ہو کر اب سے پہلے سلطان کے پاس ۵۰۰ عورتیں تھیں؟“ نامرنگھار نے سوال کیا۔

”ہاں میں جانتی ہوں“ نازنین نے جواب دیا۔ لیکن مجھے اس سے کیا سروکار؟ عقلمند عورت کبھی اپنے شہر کے کھانے حالات نہیں کر دیتی۔ عقل اور ادب، دونوں کے خلاف ہوا؟

”جس مرد کے پاس اب سے پہلے ۵۰۰ عورتیں رہ چکی ہیں؟ ضرور جانتا ہوگا کہ ایک عورت کو کس طرح خوش رکھ سکے؟“

عبد المجید آفندی اس شادی کے لئے وسیع پیمانے پر طیارا کر رہے ہیں۔ لیکن اب تک اس کی تاریخ اور شادی کا مقام نامعلوم نہیں ہے۔

## عظیم الشان توأم ستارہ

پچھلے دنوں امریکن ڈاکٹر لچمی۔ ایس۔ بلاسکٹ نے ایک عجیب کوکب دریافت کیا ہے۔ یہ ستارہ توأم ہے یعنی جڑواں ہے۔ ۲۰ ستارے ایک ساتھ ہیں۔ لمبے تھیں سے مرکب ہیں۔ اس تھیں کی حرارت پچھلے ہوئے لوہے کی حرارت سے بارہ گنی زیادہ ہے۔ ایک ستارہ بڑا ہے۔ دوسرا چھوٹا ہے۔ چھوٹے کی روشنی آفتاب کی روشنی سے ۱۲،۵۰۰ گنی زیادہ ہے۔ اور قطر، زمین کے قطر سے ۲،۰۰۰ گنا زیادہ ہے۔ دونوں کا حجم، زمین کے حجم سے ۸،۰۰۰،۰۰۰ گنا زیادہ ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ حرکت کا دائرہ، بیضاوی شکل کا ہے اور دائرہ، ۳۰،۰۰۰،۰۰۰ میل طویل ہے۔ ایک ہفتہ میں وہ یہ مسافت طے کر لیتے ہیں۔ زقار کی نسبت ہر منٹ میں ۱۲۸،۵۳ میل ہے۔

خواجہ حسن نظامی

کا

ہفتہ وار انگریزی اخبار

نیگ مسلم دہلی

تبلیغ کا حامی۔ مسلمانوں کی سیاسی حقوق کا مدافع اور تمام اسلامی مطالبات کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنے والا۔ سالانہ قیمت پانچ روپے۔ طالب علموں کو چار روپے ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو پڑھنا چاہیے

میجر نیگ مسلم دہلی

پہلے کی ایک بھاری جدید جماعت کے قانون میں حاکم کی منسوخی، شری امرو کی وزارت، دینی مدارس کی بندش خالق ہوں کی منسوخی، اور ترکی ٹولی کی موت کوئی، یہ تمام باتیں غلط ہیں۔ شروع شروع اس کا اعلان اس نے نہیں کیا گیا کہ ہم قول کو پہلے عمل کو پسند کرتے ہیں!

جب عصمت پاشا نوزادان سے پہلی مرتبہ واپس آئے تو انھیں لے کر ان پر بڑی سختی سے حملہ شروع کیا۔ لہذا میں نے از سر نو انتخابات کا فیصلہ کر دیا۔

ایک دن رات کو روڈوں تک میرے پاس لے کر مجھ کو اپنے ساتھ رات پاشا کے مکان پر لے گئے۔ وہاں علی نواد پاشا بھی موجود تھے۔ روت تک نے مجھ سے کہا:

”میں آل عثمان اور سلطان آل عثمان سے وابستہ ہوں۔ میں انہی کا پروردہ ہوں۔ سلطنت اور خلافت، وہ دوسرے ہیں جن تک ہر آدمی پہنچ نہیں سکتا۔ اگر یہ منصب منسوخ کر دئے جائیں گے تو ملک ہولناک مصائب میں مبتلا ہو جائے گا!“

راقت پاشا نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا ”ہم شاہی فرماؤ کے بغیر اس سرزمین پر زندہ ہی نہیں رہ سکتے!“ علی نواد پاشا نے کہا ”میں نے اب تک اس معاملے میں کوئی غور نہیں کیا ہے“

میں نے ان لوگوں کو سلطان کرنے کی کوشش کی اور کہا ایک یہ مسئلہ عرض بحث میں نہیں آیا ہے۔ لہذا یہ گفتگو قبل از وقت ہو گئی جب وہ وقت آیا تو کاشی شکل کے سلطنت اور خلافت میں تفریق کر دی گئی۔ خلیفہ عبد المجید سے ہم نے مطالبہ کیا کہ اپنے نام کو ایک اعلان شائع کریں اور اپنے خائن مشیر کے اعمال کی مذمت کریں گراؤ انھوں نے اس سے تطہی استنکار کیا۔ اسی قدر نہیں بلکہ اپنے دستخط ان لفظوں میں کرنے پر اصرار کیا ”خلیفہ رسول عبد المجید بن عبد الغفران“ اسی زمانہ میں رات پاشا نے خلیفہ عبد المجید کو ایک گھوڑا ہدیہ پیش کیا۔ انھوں نے اسے قبول کر لیا اور رات پاشا نے اسے ”لطف الہی“ قرار دیا!“

## سابق خلیفہ عبد المجید کی فریشتادی

جینوا کی خبروں سے معلوم ہوا کہ سابق خلیفہ عبد المجید آفندی عنقریب پیر کی ایک حین دوشیزہ سے شادی کرنے والے ہیں اور عورت کا نام ”جولیت لیباں“ ہے۔ ایک فرانسیسی سرمایہ دار کی لڑکی ہے جو سوئٹزرلینڈ میں مقیم ہے۔ عبد المجید کی عمر آدھی سے زیادہ ختم ہو چکی ہے۔ بڑا پایا گیا ہے۔ مگر دوشیزہ کی عمر صرف ۲۲ برس ہے۔

خلیفہ کے محل میں ۵۰۰ عورتیں تھیں۔ مگر شریعت اسلامیہ کے بموجب ان میں سے صرف چار ان کی شری بیویاں تھیں۔ ان چار میں سے دو مر چکی ہیں۔ ایک نے پیر میں خودکشی کر لی۔ دوسری اٹلی میں ایک ریل کے حادثہ میں مر گئی۔

سلطان عبد المجید اس وقت جینوا کے معانات میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں بالکل گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے مصاحبوں میں سے صرف گیارہ آدمی ساتھ ہیں۔ ان کا سالانہ وظیفہ جو ترکی حکومت نے دینا منظور کیا ہے، صرف اٹھارہ ہزار لوتھ ہے۔ لیکن ان کی جائیداد کی آمدنی اس سے کئی گنی زیادہ ہے۔ ان کو وہ اپنی جلاوطنی میں بھی آرام کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ پیرس کی دوشیزہ نے ایک اخبار کے نمائندے سے گفتگو کرتے

اور فریشتادی میں تھی۔ حالانکہ اچانک کانفی بلا لکھو کے ساتھ کلا جولا ہی آج بھی رہتا ہے کہ ترکی فوج، لکھو کے معرکہ کے لئے کمر بستہ ہو گئی اور دشمن کے مقابلہ پر ۲۰ فوجوں نے حرکت کی۔ اب ہماری جنگی طاقت، دشمن کے برابر تھی۔ لیکن ہوائی جہاز اور توپیں اسکے پاس ہم سے زیادہ تھیں۔ مغربی میدان جنگ کے ۲ حصے کر دئے گئے ایک حصہ نور الدین پاشا کی قیادت میں تھا اور دوسرا یعقوب پاشا کے سپرد کیا گیا۔ عصمت پاشا، سپہ سالار عام تھے۔

چند ہی آدمیوں کو اصلی حالات کا علم تھا۔ عام طور پر باؤسی بھی ہوئی تھی۔ مگر ہم بالکل مطمئن تھے، کیونکہ اپنی قوت سے واقف تھے۔ اچانک ۲۰ اگست کو ہم نے حملہ شروع کیا اور صرف ۵ دن کے اندر دشمن کا قلع قمع کر ڈالا! تمام دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ اب ہماری مظہر منسوخ فوجوں نے تھریس اور استنبول کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ دول اتحاد ہماری مقاصد پر اٹھیں۔ ہم نے کہا اگر لوتان، تھریس اور آردن سے دست بردار ہو جائے تو ہماری فوجوں کو آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح تھریس اور آردن بھی آزاد ہو گیا!

### دو علی کا خاتمہ

پھر لوتان کا فرنس منعقد ہوئی۔ لیکن اتحادیوں نے قومی حکومت پر پھر ایک ضرب لگانا چاہی۔ انھوں نے صلح کا فرنس میں حکومت آستانہ کو بھی دعوت دی۔ اب میں مجبور ہوا کہ اس دو علی کا خاتمہ کر دو چنانچہ میں نے مجلس وطنی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

”سیادت، دی نہیں جاتی، لی جاتی ہے۔ آل عثمان نے یہ سیادت غصب کر لی تھی۔ لیکن انھوں نے واپس لے لی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ اب میں اس کا اعتراف کر لیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے یہاں حقو آدمی ہیں، سب یہ اعتراف کر رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ اعتراف نہ بھی کریں تو حقیقت بہر حال عنقریب روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی“

اس تقریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس وطنی نے سلطنت کو خلافت سے الگ کر دیا۔ شخصی فرماؤ دانی کا خاتمہ کر دیا۔ آخری سلطان نے یہ دیکھا تو بدحواس ہو کر اجنبی حمایت میں پناہ لی اور ترکی سے بھاگ گیا۔ اس طرح وحید الدین، منصب خلافت سے شادیا گیا اور اس کی جگہ عبد المجید آفندی کا انتخاب ۲۸ نومبر ۱۹۲۲ء کو عمل میں آیا پھر لوتان میں صلح کا فرنس شروع ہوئی۔

اس آئین میں نے تمام اناطولیہ کا دورہ شروع کیا عالم باشندوں سے طویل گفتگو کی اور تمام داخلی اور خارجی معاملات، کاشت کاروں پر دامن کرنا شروع کئے۔

### ”شاہ پسندوں کی تحریک“

عین اسی وقت شاہ پسندوں نے بھی اپنی تحریک پھیلانا شروع کی۔ وہ کہتے تھے خلیفہ، دنیا بھر کے مسلمانوں کا سلطان ہے۔ ترکی قوم خدا کی تلوار ہے جسے خلیفہ، خلافت کے مقاصد میں استعمال کر رہا ہے لیکن میں اس خیال کا مخالف تھا۔ میں کہتا تھا یہ شخص اداہم ہے۔ اگر خلیفہ، دنیا بھر کے مسلمانوں کا سلطان ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف ایک ترکی ہی قوم، اس کی تلوار بنے۔ پھر ترکی قوم اپنا خون، پوری فیاضی سے صدیوں بہا چکی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ وہ اپنے بھاء و حیات کی فکر کرے اور اداہم سے باز آجائے۔ یہی مختلف دعائیں منصب خلافت کی منسوخی کا سبب بنیں“

### موجودہ دور حکمرانی

اس کے بعد مقررہ موجودہ ترکی حکمرانی کی اس طرح تشریح کی: ”۲۱ اپریل ۱۹۲۴ء کے قانون اساسی میں لکھا گیا ہے کہ ترکی سلطنت کا سرکاری دین، اسلام ہے لیکن اب یہ جملہ حذف کر دینا



خروج زیادہ ہوتا ہے، بعض سے کم۔ اول الذکر اجسام میں کبھی کبھی ایک وقت کی کئی کئی جہتوں میں حل کر جاتی ہیں اور وہ حدود و جہتوں میں تباہ ہو جاتے ہیں۔  
آگے چل کر اکرٹنے روحوں سے اپنی کئی گفتگو میں بھی نقل کی ہیں۔ چنانچہ شاہ ابودردہ غفتم کی وفات کے دن اسے ایک انگریز ایکٹرس "لیلیان" کی روح سے گفتگو کی۔ وہ لکھتا ہے میں نے سوال کیا:

"کاش تم مجھے بتا دیتے کہ موت کے بعد کیا ہوتا ہے!"  
روح نے یوں جواب دیا۔

"بہت سے لوگ تمہاری دنیا سے یہاں آتے رہتے ہیں۔ لیکن میں ان سے نہیں ملتی۔ حالانکہ وہ ملاقات کے لئے بہت اصرار کرتے ہیں۔ دیکھو ایک شخص مجھے پکارتا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ عالم فانیں شاہ ابودردہ کے نام سے مشہور تھا اور اس کی ماں بہت بڑی ملکہ تھی۔ لیکن اب یہاں وہ خود اور اس کی ماں، محض دو درجہ ہیں اور باقی روحوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتیں۔ ہم یہاں اس وقت تک ٹہرے ہیں جب تک ہم یہاں عالم اور وجود فنا کے تمام راز نہ کھل جائیں!"

## حیوانات کی عمر

تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ بڑی حیوانات اپنی طبعی موت کو کم مٹے ہیں۔ زیادہ تر قبل از وقت موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مردی گری، بھوک پیاس، قتل اور دوسرے بہت سے حادثے ان کی زندگی ختم کر دیتے ہیں۔

حال میں ایک جرمن ڈاکٹر ٹین نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ ملا کرنے اتنی حیوانات کی عمر کے متعلق تین نظریے قلم لئے ہیں، اکثر غلط ہیں۔ اور یہ کہ عمر کی درازی، جسم کے قد و قامت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ دوسرے اسباب سے تعلق رکھتی ہے۔ ہر کھلی کو مستثنیٰ کر کے، جس کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے بعض دوسرے حیوانوں کی عمریں اس ڈاکٹر کی رائے میں حسب ذیل ہیں:

|                           |     |     |
|---------------------------|-----|-----|
| کچھو                      | ۲۰۰ | برس |
| طوطا                      | ۳۰۰ | "   |
| کڑا                       | ۳۰۰ | "   |
| بٹا                       | ۳۰۰ | "   |
| ہاتھی                     | ۲۰۰ | "   |
| شیر                       | ۱۶۲ | "   |
| گدھ                       | ۱۰۲ | "   |
| شیر مرغ                   | ۶۰  | "   |
| بوم                       | ۶۰  | "   |
| بکلا                      | ۶۰  | "   |
| اونٹ، گھوڑا، گدھا،        | ۵۰  | "   |
| بچہ، کرگدن، دریائی گھوڑا، | ۵۰  | "   |
| گرگھ، امیڈک،              | ۴۰  | "   |
| جنگلی سور،                | ۳۰  | "   |
| شیر، چیتا، دریائی گائے،   | ۲۵  | "   |
| گدیا                      | ۲۰  | "   |
| ہرن                       | ۱۶  | "   |
| کنا اور بھٹیلا،           | ۱۵  | "   |
| لوہری                     | ۱۰  | "   |
| چوہا                      | ۳   | "   |

اسی ڈاکٹر نے بتا دیا کہ بڑی عمر کی ایک کڑا، بعض شکلیں کھانے پر توجہ دیتی ہیں۔

# عالم مطبوعات صحائف

## تاریخ کا سب سے بڑا سنگ

حالانکہ معلوم ہو چکا ہے کہ عمومی میں جن سلطنتوں نے شکست کھائی تھی ان کے ہتیار چھین لئے گئے ہیں اور ان کے پاس کوئی فوج بھی نہیں ہے۔  
"خود مجلس اقوام کے صدر سینیورازیک وگلز کو اعتراف کرنا پڑا کہ تین دول عظمیٰ: برطانیہ، امریکہ، اور جاپان اپنے جنگی جہازوں کے محدود کرنے پر متفق نہیں ہوئے، لہذا کوئی امید نہیں کہ باقی تمام سلطنتیں باہم کوئی بھرتہ کر سکیں گی!"  
غرضکاب مجلس اقوام کی حقیقت کھل گئی ہے اور یہ سب میں بھی کئی اسپر اعما دہیں کھتا۔

## جنون کے بارے میں ایک نیا نظریہ

ڈاکٹر کارل ویکلنڈ، امریکہ کا ایک مشہور ڈاکٹر ہے اور عقلی امراض میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ حال میں بے جنون کے متعلق ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس نظریہ کو بہت سے علماء، خود ڈاکٹر کا جنون بتاتے ہیں، مگر وہ اسپر از حد صحر ہے، اس قدر صحر کہ اسے نظریہ نہیں کہتا۔ ایک مسلم حقیقت بتاتا ہے!

نظریہ یہ ہے کہ "موت جس سے تمام لوگ اس قدر ڈرتے ہیں، محض ایک معمولی حادثہ ہے۔ موت کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ، موت کی کوئی حقیقت نہیں۔ خود روح کو بھی اس انتقال کی خبر نہیں ہوتی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بھٹکتے بھٹکتے روح پھر عالم مادہ کی طرف لوٹ آتی ہے اور کسی زندہ آدمی کے جسم میں حلول کر جاتی ہے۔ جب ایسی ہو پیش آتی ہے تو آدمی مجنون ہو جاتا ہے۔ پس جنون کی علت یہ ہے کہ کوئی گم گشتہ راہ روح، جس میں حلول کر گئی ہو۔  
ڈاکٹر اپنے مضمون میں لکھتا ہے:

"۳۰ برس کی حقیقتات کے بعد مجھے ثابت ہو گیا ہے کہ موت کے بعد بھی روح باقی اور زندہ رہتی ہے۔ ہمارے گرد بے شمار دوسرے پھرتی ہیں اور ہم سے مخاطب ہونا چاہتی ہیں۔ لیکن ہم نہ انہیں سمجھتے ہیں نہ کسی اور طرح محسوس کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ خود یہ دنیا بھی جاہل ہوتی ہے۔ نہ اپنی حالت پوری طرح جانتی ہے نہ ہمارے سکوت ہی کے سبب سے واقف ہوتی ہے۔ یہی جہالت انہیں ایک تاریک عالم میں لجاتی ہے اور وہ اس سرگرداں رہتی ہیں۔ لیکن بہت سی دوسرے جگہ کر اس دنیا میں داخل آ جاتی ہیں اور بعض جہول میں داخل ہو کر انہیں مجنون بنا دیتی ہیں۔

"ہر انسان کے جسم سے ایک مقناطیسی سیال مادہ نکلتا رہتا ہے یہی مادہ روحوں کو جسم کی طرف کھینچتا ہے بعض جہول سے ہر مادہ کا

نام ہندو "مجلس اقوام" اور چھوٹی قومیں  
حال میں امریکن اخبارات کا ایک سربر آوردہ نمائندہ مجلس اقوام کی کارروائیوں کا مطالعہ کرنے جیترا گیا تھا۔ واپسی کے بعد اس نے امریکن اخبارات میں حسب ذیل تاثرات شائع کئے ہیں:

"یہ انجن، صرت دول عظمیٰ نے اپنی دلچسپی اور خود غرضی کے لئے بنائی ہے۔ تمام چھوٹی سلطنتیں ان کے جورد استبداد سے فریاد کر رہی ہیں مظلوم قوموں کو یہاں ذبح کیا جا رہا ہے اور ان کی کھال کھینچ کر قہقہے لگائے جاتے ہیں۔ کمزور قوموں کی فریادیں، روی کی ٹوکاری میں ڈال دی جاتی ہیں اور وہ مجلس اقوام کو لغت کرتی، ردی پستی نامزد لوٹ جاتی ہیں۔  
"یہ انجن کچھ مفید ہو سکتی تھی اگر دول عظمیٰ اپنی سازشی طبیعت بدل دالتیں۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ سازش ان کے غیر میں داخل ہو چکی ہے جو غیر کی تمام کرن سلطنتیں اس امر سے بخوبی واقف ہیں اور اب چھوٹی سلطنتیں بغاوت پر تیار ہو گئی ہیں۔ چنانچہ انجن کے اٹھویں سالانہ جلسہ میں انہوں نے اپنے غصے اور نفرت کا علانیہ مظاہرہ کر دیا۔ سویڈن، ہالینڈ، پولینڈ، فنلینڈ، لیتھوینا، آسٹریا وغیرہ نے ہلکے بڑے دے کی۔ انہوں نے صفا لفظوں میں کہ دیا۔ دول عظمیٰ نے اس زمان کی کشتی، جان بوجھ کر غرق کر دی ہے۔ وہ تمام اضطراب اور بے چینی واپس لے آئی ہیں جو گزشتہ جنگ کا سبب تھی۔ وہ باہم سازشیں کرتی ہیں، خفیہ معاہدے طیارہ کرتی ہیں اور وہ تمام خطرناک کام کر رہی ہیں جو مجلس اقوام کے مقاصد کو قطعی مخالفت رکھتے ہیں"

"چھوٹی قوموں کی بنیاد کا علم ہالینڈ بند کیا۔ اسنے مطالبہ کیا کہ ۱۹۲۶ء والا استیصال کا پروڈکول زندہ کیا جائے جس کی رو سے جبرئیم ہتیاروں کی تقلیل اور چھوٹی سلطنتوں کی زبردست سلطنتوں کو حمایت ضروری ہے۔ ہالینڈ کی اس تجویز کی سویڈن نے تائید کی اور اس کے نمائندے نے تصریح کی کہ اس وقت بعینہ وہی مسلک، دول عظمیٰ نے اختیار کر لیا ہے جو گزشتہ جنگ کا سبب ہوا تھا اور آئندہ بھی ایک بہت زیادہ چوں تک جنگ کا موجب بنے گا۔

"پولینڈ نے اس کی تائید کرتے ہوئے تجویز کی کہ مجلس اقوام جنگ کی حرمت کا قطعی فیصلہ صادر کرے۔ لیتھوینا اور فنلینڈ نے تجویز کی کہ تمام سلطنتیں اس بات کا عہد کریں کہ ہر مظلوم سلطنت کو مالی دہی دیں گی تاکہ وہ اپنی عافیت پوری طرح کر سکے۔ فنلینڈ کے وزیر خارجہ نے بیان کیا کہ گزشتہ سال یورپ نے اپنے جنگی سالانہ پر

۱۹۰۰، ۱۹۰۱، ۱۹۰۲، ۱۹۰۳، ۱۹۰۴، ۱۹۰۵، ۱۹۰۶، ۱۹۰۷، ۱۹۰۸، ۱۹۰۹، ۱۹۱۰، ۱۹۱۱، ۱۹۱۲، ۱۹۱۳، ۱۹۱۴، ۱۹۱۵، ۱۹۱۶، ۱۹۱۷، ۱۹۱۸، ۱۹۱۹، ۱۹۲۰، ۱۹۲۱، ۱۹۲۲، ۱۹۲۳، ۱۹۲۴، ۱۹۲۵، ۱۹۲۶، ۱۹۲۷، ۱۹۲۸، ۱۹۲۹، ۱۹۳۰، ۱۹۳۱، ۱۹۳۲، ۱۹۳۳، ۱۹۳۴، ۱۹۳۵، ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۱۹۳۸، ۱۹۳۹، ۱۹۴۰، ۱۹۴۱، ۱۹۴۲، ۱۹۴۳، ۱۹۴۴، ۱۹۴۵، ۱۹۴۶، ۱۹۴۷، ۱۹۴۸، ۱۹۴۹، ۱۹۵۰، ۱۹۵۱، ۱۹۵۲، ۱۹۵۳، ۱۹۵۴، ۱۹۵۵، ۱۹۵۶، ۱۹۵۷، ۱۹۵۸، ۱۹۵۹، ۱۹۶۰، ۱۹۶۱، ۱۹۶۲، ۱۹۶۳، ۱۹۶۴، ۱۹۶۵، ۱۹۶۶، ۱۹۶۷، ۱۹۶۸، ۱۹۶۹، ۱۹۷۰، ۱۹۷۱، ۱۹۷۲، ۱۹۷۳، ۱۹۷۴، ۱۹۷۵، ۱۹۷۶، ۱۹۷۷، ۱۹۷۸، ۱۹۷۹، ۱۹۸۰، ۱۹۸۱، ۱۹۸۲، ۱۹۸۳، ۱۹۸۴، ۱۹۸۵، ۱۹۸۶، ۱۹۸۷، ۱۹۸۸، ۱۹۸۹، ۱۹۹۰، ۱۹۹۱، ۱۹۹۲، ۱۹۹۳، ۱۹۹۴، ۱۹۹۵، ۱۹۹۶، ۱۹۹۷، ۱۹۹۸، ۱۹۹۹، ۲۰۰۰، ۲۰۰۱، ۲۰۰۲، ۲۰۰۳، ۲۰۰۴، ۲۰۰۵، ۲۰۰۶، ۲۰۰۷، ۲۰۰۸، ۲۰۰۹، ۲۰۱۰، ۲۰۱۱، ۲۰۱۲، ۲۰۱۳، ۲۰۱۴، ۲۰۱۵، ۲۰۱۶، ۲۰۱۷، ۲۰۱۸، ۲۰۱۹، ۲۰۲۰، ۲۰۲۱، ۲۰۲۲، ۲۰۲۳، ۲۰۲۴، ۲۰۲۵، ۲۰۲۶، ۲۰۲۷، ۲۰۲۸، ۲۰۲۹، ۲۰۳۰، ۲۰۳۱، ۲۰۳۲، ۲۰۳۳، ۲۰۳۴، ۲۰۳۵، ۲۰۳۶، ۲۰۳۷، ۲۰۳۸، ۲۰۳۹، ۲۰۴۰، ۲۰۴۱، ۲۰۴۲، ۲۰۴۳، ۲۰۴۴، ۲۰۴۵، ۲۰۴۶، ۲۰۴۷، ۲۰۴۸، ۲۰۴۹، ۲۰۵۰، ۲۰۵۱، ۲۰۵۲، ۲۰۵۳، ۲۰۵۴، ۲۰۵۵، ۲۰۵۶، ۲۰۵۷، ۲۰۵۸، ۲۰۵۹، ۲۰۶۰، ۲۰۶۱، ۲۰۶۲، ۲۰۶۳، ۲۰۶۴، ۲۰۶۵، ۲۰۶۶، ۲۰۶۷، ۲۰۶۸، ۲۰۶۹، ۲۰۷۰، ۲۰۷۱، ۲۰۷۲، ۲۰۷۳، ۲۰۷۴، ۲۰۷۵، ۲۰۷۶، ۲۰۷۷، ۲۰۷۸، ۲۰۷۹، ۲۰۸۰، ۲۰۸۱، ۲۰۸۲، ۲۰۸۳، ۲۰۸۴، ۲۰۸۵، ۲۰۸۶، ۲۰۸۷، ۲۰۸۸، ۲۰۸۹، ۲۰۹۰، ۲۰۹۱، ۲۰۹۲، ۲۰۹۳، ۲۰۹۴، ۲۰۹۵، ۲۰۹۶، ۲۰۹۷، ۲۰۹۸، ۲۰۹۹، ۲۱۰۰، ۲۱۰۱، ۲۱۰۲، ۲۱۰۳، ۲۱۰۴، ۲۱۰۵، ۲۱۰۶، ۲۱۰۷، ۲۱۰۸، ۲۱۰۹، ۲۱۱۰، ۲۱۱۱، ۲۱۱۲، ۲۱۱۳، ۲۱۱۴، ۲۱۱۵، ۲۱۱۶، ۲۱۱۷، ۲۱۱۸، ۲۱۱۹، ۲۱۲۰، ۲۱۲۱، ۲۱۲۲، ۲۱۲۳، ۲۱۲۴، ۲۱۲۵، ۲۱۲۶، ۲۱۲۷، ۲۱۲۸، ۲۱۲۹، ۲۱۳۰، ۲۱۳۱، ۲۱۳۲، ۲۱۳۳، ۲۱۳۴، ۲۱۳۵، ۲۱۳۶، ۲۱۳۷، ۲۱۳۸، ۲۱۳۹، ۲۱۴۰، ۲۱۴۱، ۲۱۴۲، ۲۱۴۳، ۲۱۴۴، ۲۱۴۵، ۲۱۴۶، ۲۱۴۷، ۲۱۴۸، ۲۱۴۹، ۲۱۵۰، ۲۱۵۱، ۲۱۵۲، ۲۱۵۳، ۲۱۵۴، ۲۱۵۵، ۲۱۵۶، ۲۱۵۷، ۲۱۵۸، ۲۱۵۹، ۲۱۶۰، ۲۱۶۱، ۲۱۶۲، ۲۱۶۳، ۲۱۶۴، ۲۱۶۵، ۲۱۶۶، ۲۱۶۷، ۲۱۶۸، ۲۱۶۹، ۲۱۷۰، ۲۱۷۱، ۲۱۷۲، ۲۱۷۳، ۲۱۷۴، ۲۱۷۵، ۲۱۷۶، ۲۱۷۷، ۲۱۷۸، ۲۱۷۹، ۲۱۸۰، ۲۱۸۱، ۲۱۸۲، ۲۱۸۳، ۲۱۸۴، ۲۱۸۵، ۲۱۸۶، ۲۱۸۷، ۲۱۸۸، ۲۱۸۹، ۲۱۹۰، ۲۱۹۱، ۲۱۹۲، ۲۱۹۳، ۲۱۹۴، ۲۱۹۵، ۲۱۹۶، ۲۱۹۷، ۲۱۹۸، ۲۱۹۹، ۲۲۰۰، ۲۲۰۱، ۲۲۰۲، ۲۲۰۳، ۲۲۰۴، ۲۲۰۵، ۲۲۰۶، ۲۲۰۷، ۲۲۰۸، ۲۲۰۹، ۲۲۱۰، ۲۲۱۱، ۲۲۱۲، ۲۲۱۳، ۲۲۱۴، ۲۲۱۵، ۲۲۱۶، ۲۲۱۷، ۲۲۱۸، ۲۲۱۹، ۲۲۲۰، ۲۲۲۱، ۲۲۲۲، ۲۲۲۳، ۲۲۲۴، ۲۲۲۵، ۲۲۲۶، ۲۲۲۷، ۲۲۲۸، ۲۲۲۹، ۲۲۳۰، ۲۲۳۱، ۲۲۳۲، ۲۲۳۳، ۲۲۳۴، ۲۲۳۵، ۲۲۳۶، ۲۲۳۷، ۲۲۳۸، ۲۲۳۹، ۲۲۴۰، ۲۲۴۱، ۲۲۴۲، ۲۲۴۳، ۲۲۴۴، ۲۲۴۵، ۲۲۴۶، ۲۲۴۷، ۲۲۴۸، ۲۲۴۹، ۲۲۵۰، ۲۲۵۱، ۲۲۵۲، ۲۲۵۳، ۲۲۵۴، ۲۲۵۵، ۲۲۵۶، ۲۲۵۷، ۲۲۵۸، ۲۲۵۹، ۲۲۶۰، ۲۲۶۱، ۲۲۶۲، ۲۲۶۳، ۲۲۶۴، ۲۲۶۵، ۲۲۶۶، ۲۲۶۷، ۲۲۶۸، ۲۲۶۹، ۲۲۷۰، ۲۲۷۱، ۲۲۷۲، ۲۲۷۳، ۲۲۷۴، ۲۲۷۵، ۲۲۷۶، ۲۲۷۷، ۲۲۷۸، ۲۲۷۹، ۲۲۸۰، ۲۲۸۱، ۲۲۸۲، ۲۲۸۳، ۲۲۸۴، ۲۲۸۵، ۲۲۸۶، ۲۲۸۷، ۲۲۸۸، ۲۲۸۹، ۲۲۹۰، ۲۲۹۱، ۲۲۹۲، ۲۲۹۳، ۲۲۹۴، ۲۲۹۵، ۲۲۹۶، ۲۲۹۷، ۲۲۹۸، ۲۲۹۹، ۲۳۰۰، ۲۳۰۱، ۲۳۰۲، ۲۳۰۳، ۲۳۰۴، ۲۳۰۵، ۲۳۰۶، ۲۳۰۷، ۲۳۰۸، ۲۳۰۹، ۲۳۱۰، ۲۳۱۱، ۲۳۱۲، ۲۳۱۳، ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، ۲۳۱۶، ۲۳۱۷، ۲۳۱۸، ۲۳۱۹، ۲۳۲۰، ۲۳۲۱، ۲۳۲۲، ۲۳۲۳، ۲۳۲۴، ۲۳۲۵، ۲۳۲۶، ۲۳۲۷، ۲۳۲۸، ۲۳۲۹، ۲۳۳۰، ۲۳۳۱، ۲۳۳۲، ۲۳۳۳، ۲۳۳۴، ۲۳۳۵، ۲۳۳۶، ۲۳۳۷، ۲۳۳۸، ۲۳۳۹، ۲۳۴۰، ۲۳۴۱، ۲۳۴۲، ۲۳۴۳، ۲۳۴۴، ۲۳۴۵، ۲۳۴۶، ۲۳۴۷، ۲۳۴۸، ۲۳۴۹، ۲۳۵۰، ۲۳۵۱، ۲۳۵۲، ۲۳۵۳، ۲۳۵۴، ۲۳۵۵، ۲۳۵۶، ۲۳۵۷، ۲۳۵۸، ۲۳۵۹، ۲۳۶۰، ۲۳۶۱، ۲۳۶۲، ۲۳۶۳، ۲۳۶۴، ۲۳۶۵، ۲۳۶۶، ۲۳۶۷، ۲۳۶۸، ۲۳۶۹، ۲۳۷۰، ۲۳۷۱، ۲۳۷۲، ۲۳۷۳، ۲۳۷۴، ۲۳۷۵، ۲۳۷۶، ۲۳۷۷، ۲۳۷۸، ۲۳۷۹، ۲۳۸۰، ۲۳۸۱، ۲۳۸۲، ۲۳۸۳، ۲۳۸۴، ۲۳۸۵، ۲۳۸۶، ۲۳۸۷، ۲۳۸۸، ۲۳۸۹، ۲۳۹۰، ۲۳۹۱، ۲۳۹۲، ۲۳۹۳، ۲۳۹۴، ۲۳۹۵، ۲۳۹۶، ۲۳۹۷، ۲۳۹۸، ۲۳۹۹، ۲۴۰۰، ۲۴۰۱، ۲۴۰۲، ۲۴۰۳، ۲۴۰۴، ۲۴۰۵، ۲۴۰۶، ۲۴۰۷، ۲۴۰۸، ۲۴۰۹، ۲۴۱۰، ۲۴۱۱، ۲۴۱۲، ۲۴۱۳، ۲۴۱۴، ۲۴۱۵، ۲۴۱۶، ۲۴۱۷، ۲۴۱۸، ۲۴۱۹، ۲۴۲۰، ۲۴۲۱، ۲۴۲۲، ۲۴۲۳، ۲۴۲۴، ۲۴۲۵، ۲۴۲۶، ۲۴۲۷، ۲۴۲۸، ۲۴۲۹، ۲۴۳۰، ۲۴۳۱، ۲۴۳۲، ۲۴۳۳، ۲۴۳۴، ۲۴۳۵، ۲۴۳۶، ۲۴۳۷، ۲۴۳۸، ۲۴۳۹، ۲۴۴۰، ۲۴۴۱، ۲۴۴۲، ۲۴۴۳، ۲۴۴۴، ۲۴۴۵، ۲۴۴۶، ۲۴۴۷، ۲۴۴۸، ۲۴۴۹، ۲۴۵۰، ۲۴۵۱، ۲۴۵۲، ۲۴۵۳، ۲۴۵۴، ۲۴۵۵، ۲۴۵۶، ۲۴۵۷، ۲۴۵۸، ۲۴۵۹، ۲۴۶۰، ۲۴۶۱، ۲۴۶۲، ۲۴۶۳، ۲۴۶۴، ۲۴۶۵، ۲۴۶۶، ۲۴۶۷، ۲۴۶۸، ۲۴۶۹، ۲۴۷۰، ۲۴۷۱، ۲۴۷۲، ۲۴۷۳، ۲۴۷۴، ۲۴۷۵، ۲۴۷۶، ۲۴۷۷، ۲۴۷۸، ۲۴۷۹، ۲۴۸۰، ۲۴۸۱، ۲۴۸۲، ۲۴۸۳، ۲۴۸۴، ۲۴۸۵، ۲۴۸۶، ۲۴۸۷، ۲۴۸۸، ۲۴۸۹، ۲۴۹۰، ۲۴۹۱، ۲۴۹۲، ۲۴۹۳، ۲۴۹۴، ۲۴۹۵، ۲۴۹۶، ۲۴۹۷، ۲۴۹۸، ۲۴۹۹، ۲۵۰۰، ۲۵۰۱، ۲۵۰۲، ۲۵۰۳، ۲۵۰۴، ۲۵۰۵، ۲۵۰۶، ۲۵۰۷، ۲۵۰۸، ۲۵۰۹، ۲۵۱۰، ۲۵۱۱، ۲۵۱۲، ۲۵۱۳، ۲۵۱۴، ۲۵۱۵، ۲۵۱۶، ۲۵۱۷، ۲۵۱۸، ۲۵۱۹، ۲۵۲۰، ۲۵۲۱، ۲۵۲۲، ۲۵۲۳، ۲۵۲۴، ۲۵۲۵، ۲۵۲۶، ۲۵۲۷، ۲۵۲۸، ۲۵۲۹، ۲۵۳۰، ۲۵۳۱، ۲۵۳۲، ۲۵۳۳، ۲۵۳۴، ۲۵۳۵، ۲۵۳۶، ۲۵۳۷، ۲۵۳۸، ۲۵۳۹، ۲۵۴۰، ۲۵۴۱، ۲۵۴۲، ۲۵۴۳، ۲۵۴۴، ۲۵۴۵، ۲۵۴۶، ۲۵۴۷، ۲۵۴۸، ۲۵۴۹، ۲۵۵۰، ۲۵۵۱، ۲۵۵۲، ۲۵۵۳، ۲۵۵۴، ۲۵۵۵، ۲۵۵۶، ۲۵۵۷، ۲۵۵۸، ۲۵۵۹، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۲، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۶۶، ۲۵۶۷، ۲۵۶۸، ۲۵۶۹، ۲۵۷۰، ۲۵۷۱، ۲۵۷۲، ۲۵۷۳، ۲۵۷۴، ۲۵۷۵، ۲۵۷۶، ۲۵۷۷، ۲۵۷۸، ۲۵۷۹، ۲۵۸۰، ۲۵۸۱، ۲۵۸۲، ۲۵۸۳، ۲۵۸۴، ۲۵۸۵، ۲۵۸۶، ۲۵۸۷، ۲۵۸۸، ۲۵۸۹، ۲۵۹۰، ۲۵۹۱، ۲۵۹۲، ۲۵۹۳، ۲۵۹۴، ۲۵۹۵، ۲۵۹۶، ۲۵۹۷، ۲۵۹۸، ۲۵۹۹، ۲۶۰۰، ۲۶۰۱، ۲۶۰۲، ۲۶۰۳، ۲۶۰۴، ۲۶۰۵، ۲۶۰۶، ۲۶۰۷، ۲۶۰۸، ۲۶۰۹، ۲۶۱۰، ۲۶۱۱، ۲۶۱۲، ۲۶۱۳، ۲۶۱۴، ۲۶۱۵، ۲۶۱۶، ۲۶۱۷، ۲۶۱۸، ۲۶۱۹، ۲۶۲۰، ۲۶۲۱، ۲۶۲۲، ۲۶۲۳، ۲۶۲۴، ۲۶۲۵، ۲۶۲۶، ۲۶۲۷، ۲۶۲۸، ۲۶۲۹، ۲۶۳۰، ۲۶۳۱، ۲۶۳۲، ۲۶۳۳، ۲۶۳۴، ۲۶۳۵، ۲۶۳۶، ۲۶۳۷، ۲۶۳۸، ۲۶۳۹، ۲۶۴۰، ۲۶۴۱، ۲۶۴۲، ۲۶۴۳، ۲۶۴۴، ۲۶۴۵، ۲۶۴۶، ۲۶۴۷، ۲۶۴۸، ۲۶۴۹، ۲۶۵۰، ۲۶۵۱، ۲۶۵۲، ۲۶۵۳، ۲۶۵۴، ۲۶۵۵، ۲۶۵۶، ۲۶۵۷، ۲۶۵۸، ۲۶۵۹، ۲۶۶۰، ۲۶۶۱، ۲۶۶۲، ۲۶۶۳، ۲۶۶۴، ۲۶۶۵، ۲۶۶۶، ۲۶۶۷، ۲۶۶۸، ۲۶۶۹، ۲۶۷۰، ۲۶۷۱، ۲۶۷۲، ۲۶۷۳، ۲۶۷۴، ۲۶۷۵، ۲۶۷۶، ۲۶۷۷، ۲۶۷۸، ۲۶۷۹، ۲۶۸۰، ۲۶۸۱، ۲۶۸۲، ۲۶۸۳، ۲۶۸۴، ۲۶۸۵، ۲۶۸۶، ۲۶۸۷، ۲۶۸۸، ۲۶۸۹، ۲۶۹۰، ۲۶۹۱، ۲۶۹۲، ۲۶۹۳، ۲۶۹۴، ۲۶۹۵، ۲۶۹۶، ۲۶۹۷، ۲۶۹۸، ۲۶۹۹، ۲۷۰۰، ۲۷۰۱، ۲۷۰۲، ۲۷۰۳، ۲۷۰۴، ۲۷۰۵، ۲۷۰۶، ۲۷۰۷، ۲۷۰۸، ۲۷۰۹، ۲۷۱۰، ۲۷۱۱، ۲۷۱۲، ۲۷۱۳، ۲۷۱۴، ۲۷۱۵، ۲۷۱۶، ۲۷۱۷، ۲۷۱۸، ۲۷۱۹، ۲۷۲۰، ۲۷۲۱، ۲۷۲۲، ۲۷۲۳، ۲۷۲۴، ۲۷۲۵، ۲۷۲۶، ۲۷۲۷، ۲۷۲۸، ۲۷۲۹، ۲۷۳۰، ۲۷۳۱، ۲۷۳۲، ۲۷۳۳، ۲۷۳۴، ۲۷۳۵، ۲۷۳۶، ۲۷۳۷، ۲۷۳۸، ۲۷۳۹، ۲۷۴۰، ۲۷۴۱، ۲۷۴۲، ۲۷۴۳، ۲۷۴۴، ۲۷۴۵، ۲۷۴۶، ۲۷۴۷، ۲۷۴۸، ۲۷۴۹، ۲۷۵۰، ۲۷۵۱، ۲۷۵۲، ۲۷۵۳، ۲۷۵۴، ۲۷۵۵، ۲۷۵۶، ۲۷۵۷، ۲۷۵۸، ۲۷۵۹، ۲۷۶۰، ۲۷۶۱، ۲۷۶۲، ۲۷۶۳، ۲۷۶۴، ۲۷۶۵، ۲۷۶۶، ۲۷۶۷، ۲۷۶۸، ۲۷۶۹، ۲۷۷۰، ۲۷۷۱، ۲۷۷۲،

دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں ہر آدمی کی سالانہ آمدنی  
(درہم میں)

|      |          |
|------|----------|
| ۲۳۲۸ | امریکہ   |
| ۱۳۵۶ | برطانیہ  |
| ۱۲۹۲ | فرانس    |
| ۵۳۰  | اطلی     |
| ۱۱۸۰ | جاپان    |
| ۳۰   | ہندوستان |

فی کس روزانہ آمدنی

|    |          |
|----|----------|
| ۱۲ | امریکہ   |
| ۱۱ | برطانیہ  |
| ۱۰ | فرانس    |
| ۹  | اطلی     |
| ۸  | جاپان    |
| ۷  | ہندوستان |

ٹیکس کی فی آدمی شرح بحساب روپیہ

| سال   | برطانیہ | فرانس  | جرمنی | اطلی   | امریکہ | ہندوستان |
|-------|---------|--------|-------|--------|--------|----------|
| ۱۹۱۳ء | ۵۲-۸۰   | ۲۸-۲۰  | ۲۳-۰۰ | ۱۸-۰۰  | ۲۱-۰۰  | ۲-۱۲     |
| ۱۹۲۰ء | ۳۲-۸۰   | ۱۳۱-۰۰ | ۹     | ۸۳-۰۰  | ۱۳۵-۰۰ | ۲-۸۰     |
| ۱۹۲۲ء | ۲۶۱-۰۰  | ۱۵۹-۰۰ | ۹     | ۱۰۹-۰۰ | ۸۲۰-۰۰ | ۵-۶۰     |
| ۱۹۲۴ء | ۲۳۰-۰۰  | ۲۳۵-۰۰ | ۶۳-۰۰ | ۱۲۰-۰۰ | ۸۱-۰۰  | ۵-۱۰     |

ہندوستان اور جزائر برطانیہ میں پیشوں

کے اعتبار سے آبادی کا تناسب

| ہندوستان               | جزائر برطانیہ         |
|------------------------|-----------------------|
| مجموعی آبادی ۳۱۹۳۶۱۰۰۰ | مجموعی آبادی ۴۴۳۰۰۰۰۰ |
| زراعت پیشہ ۶۱۶۸        | ۱۱۶۶                  |
| صنعت پیشہ ۱۱۶۳         | ۵۱۶۲                  |
| تجارت پیشہ ۶۶۳         | ۱۳۶۳                  |
| آزاد پیشہ ۲۶۶          | ۵۶۶                   |
| بچ کی نوکریاں ۱۶۵      | ۱۲۶۸                  |
| دوسرے پیشے ۵۶۵         | ۰۰۰                   |
| کان کن ۱۶۱۶            | ۶۶۵                   |

دنیا کی مزدوری پیشہ آبادی

| ملک          | مجموعی آبادی | مزدوری   |
|--------------|--------------|----------|
| امریکہ       | ۱۰۵۶۱۶۰۰۰    | ۴۶۶۶۶۰۰۰ |
| برطانیہ      | ۴۶۲۰۰۰۰      | ۲۵۶۲۳۰۰۰ |
| فرانس        | ۳۹۲۰۹۰۰۰     | ۲۰۹۳۱۰۰۰ |
| جرمنی        | ۵۹۸۵۸۰۰۰     | ۳۰۲۳۲۰۰۰ |
| اطلی         | ۳۸۸۳۶۰۰۰     | ۱۸۶۱۸۰۰۰ |
| ہندوستان     | ۳۱۹۳۶۱۰۰۰    | ۶۸۸۶۲۰۰۰ |
| کیوبا        | ۸۶۸۸۰۰۰      | ۳۲۲۱۰۰۰  |
| آسٹریلیا     | ۵۵۱۰۰۰       | ۲۳۹۶۰۰۰  |
| جنوبی افریقہ | ۱۲۲۲۰۰۰      | ۴۶۴۰۰    |
| نیوزی لینڈ   | ۱۲۸۳۰۰۰      | ۵۱۵۰۰    |

## ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان  
کی موجودہ حیثیت کیا ہو؟

(۳)

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی آبادی مع شرح پیدائش و اموات

| نام شہر  | ۱۹۲۱ء   | ۱۹۱۱ء  | ۱۹۰۱ء  | پیدائش | موت   |
|----------|---------|--------|--------|--------|-------|
| کلکتہ    | ۹۰۶۸۵۱  | ۸۹۶۰۶۶ | ۸۴۶۶۹۶ | ۱۸۶۹   | ۲۲۶۶  |
| ممبئی    | ۱۱۶۵۹۱۳ | ۹۶۹۴۴۵ | ۶۶۶۰۰۶ | ۱۶۶۰   | ۲۶۶۰  |
| مدیس     | ۵۲۶۹۱۱  | ۵۱۸۶۶۶ | ۵۰۹۳۴۶ | ۲۳۶۶   | ۲۴۶۳  |
| ہویرہ    | ۱۹۵۳۰۱  | ۱۶۹۳۸۹ | ۱۵۶۵۹۳ | ۲۴۶۶   | ۲۳۶۸  |
| ٹوہاکہ   | ۱۱۹۴۵۰  | ۱۰۸۵۵۱ | ۶۹۶۳۳  | ۲۳۶۶   | ۲۶۶۲  |
| پٹنہ     | ۱۱۹۹۶۶  | ۱۳۶۱۵۳ | ۱۳۴۶۸۳ | ۲۱۶۵   | ۱۳۶۶  |
| بنارس    | ۱۹۵۳۶۳  | ۲۰۸۱۲۱ | ۲۰۹۳۳۱ | ۵۰۶۱۵  | ۲۶۶۱۵ |
| الہ آباد | ۱۴۵۶۰۵  | ۱۵۹۶۰۱ | ۱۶۶۶۳۲ | ۲۶۶۰۱  | ۲۶۶۴  |
| آگرہ     | ۱۸۶۶۵۰  | ۱۸۶۶۱۹ | ۱۸۸۰۲۲ | ۶۰۶۶۶  | ۲۹۶۰۲ |
| کانپور   | ۱۹۵۰۸۵  | ۱۵۶۰۴۰ | ۱۹۶۱۴۰ | ۲۹۶۲۱  | ۲۳۶۶  |
| لکھنؤ    | ۲۱۶۱۶۶  | ۲۶۰۶۲۱ | ۲۶۴۰۴۹ | ۲۶۶۱۲  | ۲۶۶۶۵ |
| دہلی     | ۲۴۶۹۸۶  | ۲۲۵۴۶۱ | ۲۰۸۵۶۵ | ۲۶۶۳۳  | ۲۹۶۳۶ |
| لاہور    | ۲۵۶۲۹۵  | ۲۱۰۲۶۱ | ۲۰۲۹۰۴ | ۲۳۶۲۶  | ۲۶۶۸۲ |
| کراچی    | ۲۰۶۱۹۱  | ۱۵۹۲۶۰ | ۱۱۶۶۶۸ | ۲۶۶۶۰  | ۲۶۶۹۲ |
| طبرزدہ   | ۹۱۸۸۰   | ۹۹۳۶۶  | ۱۰۳۶۹۰ | ۳۸۶۱   | ۲۴۶۰۱ |
| جے پور   | ۱۲۰۱۹۶  | ۱۳۶۱۹۹ | ۱۶۰۵۰۶ | ۲۶۶۶۶  | ۲۴۶۹۰ |
| ناگپور   | ۱۱۲۴۵۳  | ۱۰۶۴۴۲ | ۱۲۶۶۳۲ | ۶۰۶۰۳  | ۲۶۶۳۶ |
| رنگون    | ۲۴۵۵۰۵  | ۲۹۳۳۱۶ | ۲۳۴۸۸۱ | ۱۸۶۶۶  | ۲۵۶۸۱ |

برطانوی ہندوستان میں محنتی آبادی کی بڑائی

| مرد    | عورتیں | مجموعی تعداد |
|--------|--------|--------------|
| ۶۹۶۹۰  | ۶۹۸۶۴  | ۱۳۹۶۵۴       |
| ۱۳۱۳۶۳ | ۲۲۴۴۳۳ | ۸۳۸۱۶        |
| ۱۳۹۳۴۶ | ۱۳۲۳۳۰ | ۲۶۳۲۸۶       |
| ۱۰۶۲۲۲ | ۱۰۶۰۲۳ | ۲۱۴۶۴۵       |
| ۶۲۳۳۲  | ۶۲۱۳۵  | ۱۲۵۰۸۶       |
| ۲۲۴۹۶  | ۲۲۴۵۶  | ۴۴۹۵۲        |
| ۸۳۳۴۹  | ۸۵۵۲۶  | ۱۶۸۸۷۶       |
| ۲۸۳۶۴  | ۲۹۶۶۳  | ۵۸۰۳۶        |
| ۲۹۶۶۴  | ۲۳۱۵۲  | ۴۲۸۱۶        |
| ۶۰۰۸۹۳ | ۶۰۶۶۲۸ | ۱۲۰۷۵۲۱      |

# دہلی کے نامی اور نامور مشہور و مقبول خاص عالم اسم بھٹی

ہمدرد و داخانہ یونانی دہلی کا  
عید المآل نادرا و جود سرائی تحفہ

”ہمدرد، دہلی“

تار کا کافی تپہ

ماہ الحکم دو آتشہ

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز جو وہ ظاہر ہو لیکن تندہی ہی ایک ایسی نعمت ہو کہ بغیر اس کے زندگی بے طعمت بلکہ بیکار ہو۔ تندہی ہزار نعمت ہو۔ تندہی جو توبہ کچھ ہو۔ اگر آپ کو تندہی کی قدر ہو اور تندہی رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کثیف کیا ہوا عالم استعمال کیجئے اور پری میں شباب کا طعم اٹھائے یہ امر تو مسلم ہو کہ عالم معوی ارجح ہو، بدن میں تپتی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا بھٹکانا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہو۔ مگر ہمارا عالم خصوصیت کے ساتھ پر دل کو جوان اور جوانوں کو جوان بناتا ہو اس لئے کہ نادرا و جود قیمت اور معوی اور فرحت بخش اجزا سے بطور خاص تیار کیا گیا ہو۔ نسخہ بھی اس معمولی اور کتابی نہیں ہو بلکہ عالیجناب شہزاد الملک بہادر غفران مآبائیں اعظم دہلی کا خاص خانہ ذاتی نسخہ جو جناب مدوح نے بغرض رفاه عام ”ہمدرد و داخانہ“ کو مرحمت فرمایا ہو۔ ایک مرتبہ عالم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا شاہد کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہو مگر مستحبہ اور گوارا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہو۔ پہلک کو صحت اپنی غافلگی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہو۔ مگر بعض آدمیوں ہم کو اپنی بھی ہمدردی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہو تو مجبور ہو کر اس ہستیا رو دنیا پڑتا ہو۔

ماہ الحکم کے استعمال کا بھی موسم ہو اور یہی زمانہ ہو شکائے اور آزار کے۔ تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعوئی میں بچا ہو۔ شک آنت کو خود بخود قیت بھی بہ نظر ہمدردی پا پنجرہ پیہ فی توکل مقرر کی گئی ہو مولا اسکے چند اقسام کے علو معوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پوسے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں نیز ہر قسم کی مفرد مرکب دوا میں اس دواخانہ سے مناسب قیت پڑتی ہیں۔ فہرست مطالعہ مستحق تیار ہو۔ صفت طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی تپہ۔ ”مہر ہمدرد و داخانہ یونانی دہلی“

مہر ہمدرد و داخانہ یونانی دہلی

برص سفید داغ ابیوم میں خربطے غائب

در نہ پوری قیمت واپس۔ افراد نامہ لکھائیں کہیں خوراک سمون سجاد اور ایکیشی روغن سجاد چوبیسے ۲۱ روز کافی ہوگی قیمت مہر جمع سا دیر تیرہ آنہ

دقر معالج برص ہنر در بھنگا بہار

پکوانہ

اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ملک اور قوم و ملت کا سچا پروانہ دلچسپ اچھوتے مضامین نظم و شعر سے لبریز نومبر ۱۹۲۷ء در بھنگا سے نہایت پابندی کے ساتھ شائع ہوگا کہانی چھاپائی اور کاغذ بہت نفیس چندہ سالانہ تین پڑھنے طلبہ سے درود پیر (مک) ملک فیر سے پانچ روپے (مہر)

مہر برص پروانہ در بھنگا بہار

گھسکر آزانو

دور و لے تولہ سونا

رنگ بیکو

جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت، نازک نقش چڑیاں جرمنی سے بنکر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہو۔ انکے اندر رنگیں چڑیاں آجاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ بہترین زبرد اور یا قوت کے کینے جڑے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ درون میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی پتی ہو۔ صنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہو۔ ڈھائی روپیہ میں پانچ سو روپے کا نام نکالنا جاسکتا ہو۔ ہر ساز کی موجود ہیں۔ سیلاؤں کی تعداد میں ذرا فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائے تاکہ اشاعت ختم نہ ہو جائے۔ ۸ چڑیوں کی قیمت ڈھائی روپیہ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس چڑیوں کے دام مبلغ سات روپے (مہر)

مہر گولڈن سٹور پوسٹ بکس لاہور

ایک چھاپنے والی بے نظیر ولیاں ہو سکتی ہیں۔ صدمہ علی آسانی سے مہر چھپنے میں کر دیا ہوتا ہے کے لئے عیار کی گولیاں کافی ہونے کا تپہ۔ حکیم محمد عمر اسٹیشنر۔ موگا صانع فیروز پور پنجاب۔

(۵) صدی غم خلافت عباسیہ جلد دوم عام

دیوان غالب اردو (طبع ثانی) مطبوعہ برلن جرمنی۔ ہندوستان کے مایہ ناز شاعر و ادیب مرزا غالب کے کلام کا مجموعہ طبعی لطافت و نفات کے ساتھ طبع کرایا ہو۔ پاکٹی سائز۔ لام جلد۔ ہنرے نقش و نگار طلائی اور اراق اور غالب کی لافانی مکتبی نگین تعمیر جرمن ہنر سنی کا اعلیٰ نمونہ ہو دیوان مکمل جس میں مرزا محمد کا خود نوشتہ مقدمہ غزلیات، قصائد اور رباعیات ہیں۔ آخر میں بیاض کے لئے حاشیہ دار سادہ اور اراق شامل ہیں۔ جلد کا رنگ سرخ۔ نیلا یا سبز قیمت صرف چار روپے (اللہ)

لئے کا تپہ۔ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی

مطبوعات جامعہ

تاریخ الامت۔ تاریخ اسلام کا وہ سلسلہ جو صحیح تاریخی اصل اور تحقیق و تنقید کے ساتھ مرثیہ حافظ محمد آکرم صاحب جیرا چھپائی ہے اور دو خزانہ بلکہ اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے تالیف فرمایا ہو۔ طرز تحریر نہایت سادہ اور بظاہر بہت سلیس اور عام فہم جامعہ اسلامیہ ملی اور حکیم تعلیم موہر متوسلہ برائے اپنے اپنے مدارس کے لئے پسند کیا ہو۔

(۱۱) حصہ اول سیرۃ الرسول میر (۲) حصہ دوم خلافت راشدہ (۳) حصہ سوم خلافت عباسیہ میر (۴) حصہ چارم خلافت عباسیہ عام

تاریخ فلسفہ اسلام آڈل کے مشہور فلسفی اور شریعی۔ جے۔ دی پور کی تصنیف کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ از ٹاکٹر سیلڈ جن صاحب۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی (برلن) استاد فلسفہ و تعلیم و ناظم آؤدما کا دی جامعہ لیب قیت (۴) برلن۔ تفسیر سورہ نور مصنف محمد عبدالحی صاحب ردفی۔ خواجہ صاحب کا سلسلہ تفسیر القرآن فی سائر اقران کسی لغات کا محتاج نہیں۔ یہ کتاب بھی اسی مفید سلسلہ کی ایک کڑی ہو۔ مصنف کی دیگر تفاسیر بھی ہم سے مل سکتی ہیں۔ ہر جلد ۷ روپے (ایک روپیہ) مبادی معاشیات۔ ایڈون کینن کی مشہور و معروف تصنیف کا کلیں آؤدین ترجمہ از ٹاکٹر ڈاکٹر حسین خاں۔ ایم۔ اے۔ پیچ۔ ڈی شیخ الجامعہ

# ان تمام صحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی شایر کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پُرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پُرانی تصویریں، پُرانے سکے، اور نقوش، پُرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پُرانے صنعتی، عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی معارف و ساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔ دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، پاکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتیں عجیب و غریب عمدتاً آراں ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہے ہیں۔ تاہم نئے نئے ایوان شاہی کے نوادر بھی حال میں ہم تک پہنچ رہے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نفی اور موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت

مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے بل کے

# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سو گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو  
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W. 1.**

جو  
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے  
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں  
شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ  
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں  
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں  
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ  
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلہ  
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ  
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن  
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں  
ہمارے یہاں ہر چھ ماہ  
کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے



## جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب راجپوتی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟ قیمت باہ آئے (۱۲) (میرزا الہلال کلکتہ)

## اگر آپکو

دم

ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب

دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

**HIMROD**

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے

ہیں تو

یاد رکھئے

آپکو ایک مستند اور آخرین ہینا

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹر، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپکو مطلع کر دے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے!

ایسی

کمل گائیڈ بک

ڈنلاپ گائیڈ بک گریٹ بریٹن

The Dunlop Guide  
To Great Britain

کا دسترا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے

ریلوے اسٹیشنوں کے بک شال سے مل سکتی ہے

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین قانونی قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کی زندگی بھر کلم

دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بن لٹوں

سے فریضہ کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو

"شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

## معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی عام کے بیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے ایماین بی ان ڈیگری اعلیٰ درجہ بی  
بلند پایہ عربی تصانیف کے آرڈر تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا  
مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے  
نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب  
ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

۱۔ سورۃ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب  
 ”زان المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ۔ بلا جلد ۲ روپے مجلد  
 ازھائی روپیہ۔

مآب الرسیلہ — لفظ ”رسیلہ“ ای بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث ای ہ۔ بلا جلد ازہانی رسیلہ، مجلد سوا دین رسیلہ۔

صحاب صفہ — انکی تعداد ' ذریعہ معاش ' طریق عبادت اور انکی مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آئے ۔

تفسیر سورۃ الکوتر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمہ - جاری ہے -

العزرة الوثقی -- خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہ فرق بدلائل  
 بیان کیا ہے جسہ آئے ۔

سیرت امام ابن تیمیہ — حصہ ۱ امام کے ضروری حالات زندگی  
نہایت خوش سلوکی سے بڑھا کر آئے ہیں۔

بعد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری لی تازہ کتاب  
کا اردو ترجمہ - سہا زیدیہ .

أئمة اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آئے  
خلاف الامہ — فی العبدات - پانچ آئے

صیغہ سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خیردار لوہم نے کمال دوشش و دانش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اسے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور عمالک اسلامیہ نے معذور ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پیرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

( حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب )

**“ Al-Hilal Book Agency,”**

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

مکاہ کا ہے باز خوان این دفتر پارینہ را  
نمازہ خواہی دشتن گردانم لے سینہ ما

ازدرد معذرت کی تازینم میں الہلال ہی رہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیت میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی ۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مقرر رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادوار کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف اہراب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے حوتے تھے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خریدیں اردو صحافت میں اعلیٰ طاعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہفت ٹون تصویر کے اندراج کا انتظام دیا گیا، اور قائل میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خریدیں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں تھیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ تھیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست سر زریہ میں خرید دیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) سترے چار سو زریہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے بڑے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علاحدہ کر کے دیکھتے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں ”الابلاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل دیا گیا تو ایک دخیرو الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے نوش کی کہ سابقین عالم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کرائیں جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ نرش ایک حد تک مشہور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پتروں کے چند سالوں کی جلدیں پڑی ممل ہوئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آخری موقع دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں۔ چونکہ جلدوں کی ایک بہت سی محدود تعداد عوام شوقین کے لئے صرف انہیں درخواست کی تعمیل ہو سکے گی جو سب سے پہلے پورنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں نام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لگائی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ رزیڈ      الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ رزیڈ  
 " " " چہارم ۱۰ رزیڈ      " " " پنجم ۱۰ رزیڈ  
 جلد " البلاغ" (جب درسی مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا)  
 قیمت ۸ رزیڈ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آٹھ - محض ذاب و پینک اس کے علاوہ ہے۔

مديتر "البلاغ پريس"

## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

روزہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وسیع تبصرہ

کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی نوآراء پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

## برونو مولر اینڈ کو۔ برلین

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو کرم ملکوں کے میروں کو خشک کرتے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کر کے بہترین طریقہ وہ ہے جو ”نئے سسٹم“ کے نام سے متقدم ممالک میں مشہور ہے۔ اس ”نئے سسٹم“ کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وسیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھلیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA  
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

السلامة



فيلان بريكتة

# الامال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

|                        |   |   |            |
|------------------------|---|---|------------|
| قیمت سالانہ مع محصول   | - | - | بارہ روپیہ |
| ہندوستان سے باہر کیلئے | - | - | سولہ روپیہ |
| قیمت شش ماہی           | - | - | سات روپیہ  |
| قیمت فی پرچہ           | - | - | پانچ آنہ   |

- ( ۱ ) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لغافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے ۔
- ( ۲ ) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا ۔
- ( ۳ ) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے
- ( ۴ ) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جمعی اطلاع اپنی وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے ۔
- ( ۵ ) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا ۔
- ( ۶ ) اگر آپ در تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کراہیے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے ۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں ۔
- ( ۷ ) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوبن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں ۔
- ( ۸ ) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض ( مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا ۔



# الہلال

ایک ہفتہ وار مصور سال

نمبر ۲۵

کلکتہ : جمعہ ۱۳ . جمادی الثانیہ ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 9, December 1927.

جلد ۱

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی .  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے .  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی .

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں ، وہ ہیں جن میں الہلال  
چھپتا ہے . اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں . آپ ان  
دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں . لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں .  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے . یاد رکھیے .  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے . ضروری ہے کہ اسکی  
نام تقایم ایک بار دور کر دی جائیں .

## قارئین الہلال کی آراء

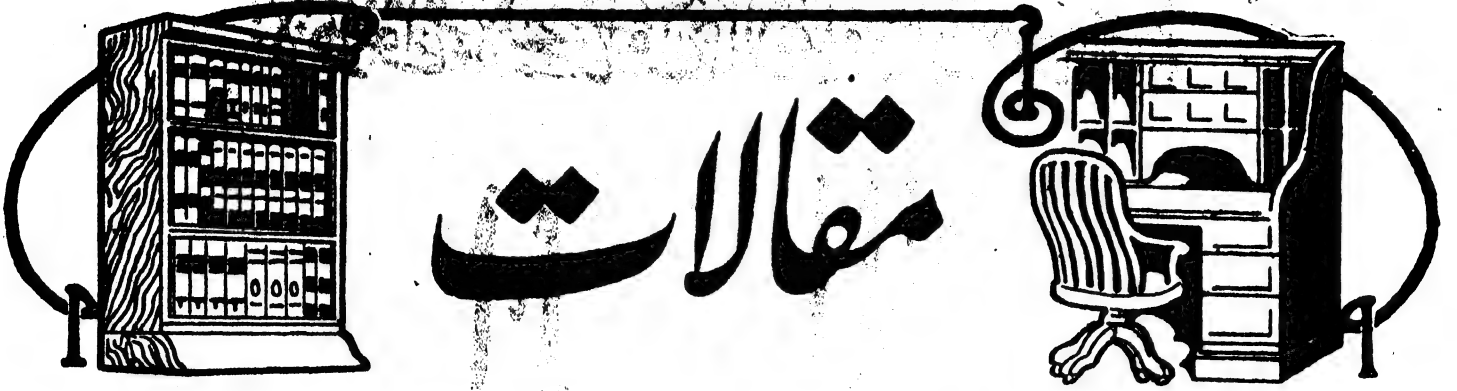
اس باری میں اس وقت تک ۲۰۲۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں . تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

|     |                        |     |                              |
|-----|------------------------|-----|------------------------------|
| ۵۳۵ | اردو حروف کی حق میں    | ۲۵۵ | عربی حروف کی حق میں          |
|     | حروف کی حق میں بشرطیکہ | ۸۰۲ | موجودہ مشترک طباعت کی حق میں |
| ۱۹۰ | نستعلیق ہوں            | ۳۲۰ | پتھر کی چھپائی کی حق میں     |

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے .

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہے . اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے . آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کریں مگر ضرورت ہے کہ قبہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں .

الہلال



انہوں نے بار بار دیکھا ہے، وہ حقیقت ہے، اور اس کی صحت میں کلام کی گنجائش نہیں ...

## جدید مذہب روحی

تاریخ ظہور - موافقین و مخالفین - اور نقد و تبصرہ

(۲)

جب انگلستان میں پہلے پہل یہ دعوت پہنچی، تو علماء میں سخت بیچینی پیدا ہو گئی۔ وہ دَرے کہ صدیوں کے جہاد علم کے بعد خرافات و اراہام کی جس سلطنت کا انہوں نے خاتمہ کر دیا تھا، وہ اب پھر نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر علم کے مقابلے میں آ رہی ہے۔ لہذا انہوں نے چاہا، قدم جمنے سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کر دیں۔ چنانچہ بے شمار علماء نے رائل سوسائٹی سے درخواست کی کہ اس مذہب کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرے۔ انجمن نے درخواست منظور کر لی، اور تحقیقات کے لیے تیس علماء کی ایک منتخب مجلس قائم کر دی۔ اس مجلس میں رسل ویلس، ولیم کروکس، ٹنڈل، لارڈ اربری، اور ہکسل جیسے ائمہ علم و حکمت بھی شامل تھے۔ مسلسل اٹھارہ مہینے تک یہ مجلس تحقیقات کرتی رہی۔ چالیس جلسے منعقد کیے، اور ایک ضخیم کتاب میں انکی روداد شائع کی۔ یہ روداد دنیا کی اکثر زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اس کی ذیل کی عبارت قابل غور ہے:

”مجلس نے اپنے جلسے ارکان کے خاص مکانوں میں منعقد کیے تاکہ مخفی آلات کے ذریعہ فریب کھانے کا احتمال باقی نہ رہے۔ نیز ان رسیطوں سے بھی کام نہیں لیا جو پیشہ ور رسیط سمجھے جاتے ہیں۔ خود ارکان ہی میں سے ایک شخص رسیط بنایا تھا کیا۔ یہ شخص سوسائٹی میں بہت عزت و احترام رکھتا ہے۔ اپنی ایمانداری اور اخلاق میں غیر مشتبہ ہے۔ مال و دولت کی بھی اسے کوئی طمع نہیں۔ کیونکہ خود مالدار ہے۔ ہم نے وہ تمام احتیاطیں بھی برتیں، جو ہمارے خیال میں فریب سے بچنے کے لیے ضروری تھیں۔ بار بار تجربے اور مشاہدے کیے۔ اس روداد میں ہم نے صرف انہیں مشاہدات کا ذکر کیا ہے جو حواس کے ذریعہ واقع ہوئے، اور جن کی صحت پر ہمیں کامل یقین ہے“

”مجلس کے بہت سے ارکان نے خود تجربے کیے۔ یہ سب کے سب اس مذہب کے سخت مخالف تھے، اور کامل یقین رکھتے تھے کہ یہ عجیب امر یا تو تدلیس کا نتیجہ ہیں یا رُح کا، اور یا پھر عضلات و اعصاب جسم میں کسی غیر معمولی حرکت پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس طرح کی حرکات ظہور میں آ جاتی ہیں۔ یہ حد سے زیادہ منکر اس وقت تک قائل نہ ہوئے، جب تک کہ بکثرت مشاہدات انہوں نے اس طرح نہ دیکھے، کہ کسی قسم کا شک و شبہ وارد نہیں ہو سکتا تھا۔ بالآخر انہیں تسلیم کر لینا پڑا کہ جو کچھ

اسی قدر نہیں بلکہ سنہ ۱۸۸۲ء - میں ایک انجمن لندن میں قائم ہوئی۔ اس کا نام ”انجمن مباحث نفسیہ“ رکھا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مذہب روحی کو رسمی علم سے قریب تر کیا جائے اور علمی اصول پر اسے اس طرح مرتب کر دیا جائے کہ لوگوں کے لیے زیادہ قابل قبول بن جائے۔ اس انجمن میں انگلستان، امریکا، اور فرانس کے مشاہیر علماء و فلاسفہ داخل ہیں۔ اس وقت تک وہ بے شمار ضخیم جلدیں شائع کر چکی ہیں۔

نمونہ کے طور پر اس انجمن کے بعض ارکان کی چند تحریریں کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ ان کا طریق بحث کیا ہے:

پروفیسر میڈرس (پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی) جو اس انجمن کا ممتاز رکن ہے، لکھتا ہے:

”سنہ ۱۸۷۳ء میں جبکہ مذہب مادی ہمارے ملک کی عقلوں پر پوری طرح حاکم ہو چکا تھا، کیمبرج میں احباب کی ایک مجلس منعقد ہوئی، اور طے کیا گیا کہ مذہب روحی، جس پر اس قدر بحث و نزاع جاری ہے، ہماری توجہ و تدقیق کا مستحق ہے۔ میری رائے تھی کہ اس مذہب کی بحث میں نہ تو اساطیر لڑیں کی ررق گردانی مفید ہو سکتی ہے، نہ معتقدین کی روایات کی تحقیق، اور نہ منکرین کی تضحیک و انکار ہی کار آمد ہے۔ اس کی بحث و تحقیق کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم خود تجربے کریں، اور اپنی آنکھوں کے مشاہدات پر بھروسہ رکھیں۔ اگر عالم روحانی واقعی کوئی اصلیت رکھتا ہے، تو تمام دوسری حقیقتوں کی طرح اس کا ثبوت بھی تجربہ و مشاہدہ پر مبنی ہونا چاہیے۔ چنانچہ اسی اصول پر ہماری اس انجمن نے اپنی بحث و تحقیق کا سلسلہ جاری کر دیا“

اس کے بعد مصنف منکرین کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

”میں اس عقیدے کو کہیں صحیح نہیں سمجھتا؟ یہ سوال ہے جو ہر علمی بحث کے وقت ہر ایمان دار آدمی کے سامنے ہونا چاہئے۔ مذہب روحی کی بحث میں اس کی آرزو بھی زیادہ ضرورت ہے۔ مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ میرا علم اور میری معلومات جو یقینی نہیں ہیں، بلکہ مرجح یا غیر مرجح ہیں، کائنات کے رموز و اسرار کے فہم سے قاصر ہیں۔ ان میں کوئی بھی علمی یا منطقی دلیل موجود نہیں ہے جس کی بنا پر میں اپنے مشاہدات کی تردید کر دوں۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ دیکھتا ہوں، یہ تمام مشاہدات دوسرے یقینی مشاہدات و اصول سے کوئی تناقض نہیں رکھتے۔ علمی دلائل و براہین کا دائرہ کتنا ہی وسیع اور یقینی ہو، مگر پھر بھی تمام مسئلہ علماء کے اعتراف کے مطابق، وہ ناموس قدرت کے

## آخری مہلوك سلطان مصر

سازے چار سو برس پہلے ایک مغربی سیاح مشرق میں

ایک سیاح کی چشم دید شہادت اور اہم تاریخی فوائد

یورپ میں چہاہے خانے کی صنعت کا رواج چودھویں صدی مسیحی سے شروع ہوا ہے۔ چودھویں صدی سے لیکر سترہویں صدی کے وسط تک مطبوعات کی رفتار بہت سست رہی۔ تاہم اس ابتدائی زمانے میں بھی ایک کافی تعداد ایسی کتابوں کی شائع ہوتی رہی ہے جو علمی اور تاریخی حیثیت سے موجودہ زمانے میں بھی اپنی قدر و قیمت رکھتی ہیں۔

جنیوا کی ایک علمی انجمن کچھ عرصہ سے اس قسم کی قدیم اور ناپید مطبوعات کا سراغ لگا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں کئی نادر اور قیمتی چیزیں گروشہ گمنامی سے نکل چکی ہیں۔ از انجملہ مشرقی ممالک کے سفر نامے ہیں جو چودھویں اور پندرہویں صدی مسیحی میں لکے گئے تھے اور جن میں مشرقی ممالک کے امراؤ سلاطین اور رہاں کے آداب و رسوم کے متعلق بعض ایسی چشم دید تفصیلات موجود ہیں جو کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ آج ہم ان میں سے ایک خاص سفر نامہ کا مختصراً ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

یہ سفرنامہ کئی اعتبار سے مخصوص تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ سنہ ۱۵۱۱ء میں وینس کی جمہوری حکومت نے (جو اس وقت یورپ کی ایک طاقتور حکومت تھی) ایک سفارتی وفد مصر بھیجا تھا جس کا رئیس اس عہد کا مشہور مدبر ڈومینکو ٹریویزان تھا۔ یہ سفارت مصر پہنچی، سلطان مصر کے دربار میں باریاب ہوئی، اور ایک کافی عرصہ کے قیام کے بعد وینس واپس گئی۔ سفارت کا سکریٹری وینس کا ایک امیر جاکر باگانی نامی تھا۔ اس شخص نے واپسی کے بعد اپنے سفر کی یادداشتیں سفرنامہ کی صورت میں مرتب کر لیں، اور وہ تمام قلمی تصاویر بھی شامل کر دیں جو سلاطین و امراء مصر کی اس نے طیار کی تھیں۔ سفرنامہ کچھ عرصہ تک وینس کے سرکاری کتب خانہ میں محفوظ رہا۔ پھر سنہ ۱۵۳۵ء میں سفارت کے سفر سے تقریباً بائیس برس بعد، حکومت نے اسے سرکاری مطبع میں چھپوا کر شائع کر دیا۔ اس مطبوعہ نسخہ کے ساتھ وہ تمام تصاویر بھی چھاپی گئی تھیں جو اصل نسخہ میں محفوظ تھیں۔

(سفرنامہ کی اہمیت)

یہ سفرنامہ فی الحقیقت ایک نہایت قیمتی تاریخی شہادت ہے۔ یہ اب سے ساڑھے چار سو برس پیشتر کی ایک اسلامی حکومت کے ان چشم دید حالات کا ذخیرہ ہے جن کا علم کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ مورخ اور سیاح میں یہی فرق ہے، اور اسی لیے مورخ کی کتاب سے کہیں زیادہ ایک مستند سفرنامہ کا بیان قیمتی ہوتا ہے۔ مورخ کی نظر جزئیات پر نہیں جاتی۔ وہ صرف علمی قریب بیان کے ساتھ بڑے بڑے واقعات جمع کر دیتا ہے۔ لیکن سیاح زہر سیاحت شہر کے ایک ایک کچھ کی سیر کرتا ہے، اور ایک ایک جزئی معاملہ میں دلچسپی لیتا ہے۔ وہ ہوا اوقات بہت سی ایسی جزئیات بیان کر دیتا ہے جن سے

لا متناہی اور سراسر مجہول عالم پر سرسری نظر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

سراویئر لاج اپنی کتاب ”روح انسانی کی ابدیت“ میں لکھتا ہے:

”بہت سے عجیب و غریب حوادث کی محض ثابت ہو چکی ہے۔ یہ حوادث ہر قوم اور ہر زمانے میں پیش آتے رہے ہیں۔ ممکن ہے ان کا بڑا حصہ ارہام و خواطر پر معمول کر کے رد کر دیا جائے۔ مگر ان سب کا رد کر دینا ناممکن ہے۔ موجودہ علمی ترقی کی روشنی میں کئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ انسانی روح کے تمام اعمال و خواص سے ہم واقف ہو چکے ہیں، یا انسانی روح کا علم ہم نے اس درجہ منضبط اور آسان کر دیا ہے کہ ہر کس و ناکس اسے سمجھ لے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگ ایسا ہی یقین رکھتے ہیں۔ وہ ہر روز بغیر کسی اظہار حیرت کے علم الحیات، کیمیا، اور علم الالات کے زیادہ سے زیادہ معیر العقول اکتشافات پر ایمان لاتے رہتے ہیں، اور کہتی یہ نہیں کہتے کہ ہم قدرت کے تمام رازوں سے واقف ہو گئے اور اب کئی نیا اکتشاف قبول نہیں کریں گے۔ لیکن مذہب روحی کا نام آتے ہی ان میں انکار اور تحدی کا جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ بغیر کسی قائل کے مدعیانہ انکار کر بیٹھتے ہیں۔ یہ یقیناً ایک سادہ لوح ایمان ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ بلا دلیل عقیدہ قائم کرنے کی کتنی زیادہ استعداد رکھتے ہیں؟ لیکن یاد رہے، ان کا یہ دعویٰ سراسر اساس علم کے خلاف ہے۔ وہ صرف اسی حال میں کیا جا سکتا ہے جبکہ اپنے مخالف دلائل و براہین سے بلا کسی بحث کے اعراض کر لیا جائے“

پروفیسر سڈرک صدر ”انجمن مباحث نفسیہ“ اپنے سنہ ۱۸۸۲ء کے خطبہ صدارت میں کہتا ہے:

”اب یہ سخت فضیحت کی بات ہوگی کہ ان روحی حوادث کی صحت میں جھگڑا کیا جائے جن کی تصدیق بڑے بڑے مسلم علماء کر چکے ہیں۔ یہ شرم کی بات ہے کہ مذہب روحی کے خلاف علمی دینا اپنے احمقانہ انکار پر مصر رہے... اب سے تیس برس پہلے لوگ خیال کرتے تھے کہ مسمریزم اور متحرک میزوں کا اعتقاد، عملی تہذیب کے نقص و فقدان کا کافی ثبوت ہے۔ لیکن جب مشہور حکماء نے یکے بعد دیگرے اپنے تجارب و مشاہدات کی بنا پر ان امور کی تصدیق کر دی، تو منکروں نے اپنا انکار جاری رکھنے کیلئے نئے وجوہ کی تلاش میں مضحکہ انگیز مہارت کا ثبوت پیش کیا۔ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ علماء، علماء نہیں ہیں، بلکہ دجال ہیں۔ یا صرف علم کی بعض شاخوں میں دخل رکھتے ہیں۔ لہذا ان کی شہادت معتبر نہیں۔ پھر جب اسے بعد ایسا ہوا کہ ایسے ایسے لوگوں نے شہادت دی، جن کی فضیلت عالمگیر طور پر مسلم ہے، تو ان لوگوں نے رنج و الم کا اظہار شروع کر دیا، اور اسے ایک انسوسناک واقعہ قرار دیا۔“

اس مجمل بیان سے اندازہ ہوگا کہ مذہب روحی نے اس قلیل مدت میں کتنی ترقی حاصل کر لی ہے۔ پروفیسر رسل وینس اپنی کتاب ”عصر جدید کے معجزات“ میں کہتے ہیں کہ اس مذہب کے معتقد صرف یورپ میں اس وقت دو کروڑ سے بھی زیادہ آدمی ہیں!

واقعات ظہور میں آتے رہتے ہیں جن سے انکی معاندانہ سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ شام اور مصر سے تمام یورپین تاجر اور یورپین حکومتوں کے وکلاء چلے جائیں۔ اس سال کے بعد سے یورپ اور مصر کے تمام علاقے منقطع ہو گئے۔

یہی وہ صورت حال ہے جس نے یورپ کے در مختلف تجارتی حلقوں میں یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ قدیم عرب جغرافیہ نویس اور ملاحوں کے اشارات کے مطابق مشرق بعید کا براہ راست بحری راستہ دھندلے نکالیں اور مصر کے محتاج نہ رہیں۔ چنانچہ کولمبس نے بحر اطلانتک میں عرب رویہ جا کر، مشرق کی جہت سے ہندوستان پہنچنا چاہا، اور پرتگالی بیڑوں نے افریقہ کے گرد طواف کرتے ہوئے بحر ہند کا نقطہ اتصال دریافت کرنا چاہا۔ کولمبس ہندوستان کی جگہ امریکہ پہنچ گیا۔ لیکن بر تلم دیاڑ نے سنہ ۱۴۸۹ء میں راس امید کا سراغ پا لیا۔ پھر سنہ ۱۴۹۷ء میں واسکو ڈی گاما اسے عبور کر کے مالا بار پہنچ گیا!

بہر حال تقریباً نصف صدی تک مصر اور یورپ کے علاقے (بلکہ کہنا چاہیے مشرق اور یورپ کے علاقے کیونکہ تمام مشرق اور یورپ کے تجارتی علاقے مصر ہی کے ذریعہ تھے) منقطع رہے۔ یہ صورت حال یورپ کیلیے ناقابل برداشت تھی۔ اس کے تمام بازار بے رونق ہو گئے۔ بڑی بڑی منڈیاں بند ہو گئیں۔ یورپ اس وقت تجارت اور مصنوعات میں مشرق کا اسی طرح محتاج تھا۔ جس طرح آج مشرق یورپ کا محتاج ہے۔ بے شمار رز مہ کی ضرورتوں کی مصنوعات تھیں، جو مشرق ہی سے جاتی تھیں اور یورپ کے ہر امیر و غریب گھر میں بڑی جاتی تھیں۔ اب انقطاع تجارت سے ایک عالمگیر تجارتی قحط کی مصیبت پیدا ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر یورپ کی تمام بڑی بڑی حکومتیں مجبور ہوئیں کہ کبھی نہ کسی طرح

مصر کا بند دروازہ پھر کھلوا دیا جائے۔ ان حکومتوں میں سب سے پیش پیش رینس کی جمہوریت تھی۔ یہ اس وقت یورپ کی بحری تجارت کا سب سے بڑا طاقتور مرکز تھی۔ حکومت رینس نے بے درپے سفارتیں بھجوائیں۔ عثمانی اور صفوی حکومتوں کو درمیان ڈالا، قیمتی تحائف سے لبریز جہاز پر جہاں بھیجے، پوپ کی طرف سے بھی پیام امن و صلح بھجوا دیا گیا۔ یورپ کی تجارت کے کھل جانے میں مصر، شام کے وطنی تاجروں کا بھی عظیم الشان نفع تھا، اس لیے انہوں نے بھی کوششیں کیں۔ غرض کہ ایک مدت کی سعی اور تدبیر کے بعد مصر اور یورپ کے تجارتی اور دوستانہ تعلقات پھر از سر نو قائم ہو گئے۔

یہی زمانہ ہے جب مصر دنیا کا سب سے بڑا تجارتی مرکز بن گیا تھا۔ ہندوستان اور یورپ کی تجارتی کڑی یہیں آکر ملتی تھی۔ اس کے باشندوں کی خوشحالی اور تاجروں کی شاہانہ دولت نے انہیں جلیا اور رینس کے بازاروں میں قصور کی طرح سنالے جاتے تھے۔ یورپ میں عام طور پر قاہرہ کا نام "قاہرہ عظیم" تھا۔ یعنی

تاریخی مسائل کی عظیم کلیات طیار کر لی جاسکتی ہیں۔ ہندوستان کے عہد تغلق کی متعدد تاریخیں خود اسی عہد میں لیا اس کے بعد لکھی گئی ہیں، لیکن ابن بطوطہ کی زبانی ہمیں جیسی چلتی پھرتی تصویر اس عہد کی نظر آجاتی ہے، وہ بڑی اور فرشتہ کے صفحات پر نظر نہیں آسکتی!

(سفرنامہ کا عہد)

اس کے علاوہ اس عہد کی مخصوص اہمیت نے بھی اس سفر نامہ کی قدر و قیمت بڑھا دی ہے۔ یہ وہ وقت تھا، جب فی الحقیقت دنیا آنے والے انقلاب کے لیے پہلی کڑی بدل رہی تھی۔ مشرق کا دروازہ اقبال رہ رہ کر تنزل تھا، اور یورپ کا عہد عروج طلوع ہو رہا تھا۔ اسپین میں اسلامی عہد تمدن کا آخری نقش قدم بھی مت چکا تھا، اور غرناطہ میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔ یورپ اور مشرق بعید کی راہ تجارت بھی ایک نئے انقلاب کی طیاروں پر چل رہی تھی، اور پرتگالیوں کے بیڑے ہندوستان کی بحری راہ دریافت کرنے کے لیے ایک کے بعد ایک روانہ ہو رہے تھے۔ ٹھیک ٹھیک یہی زمانہ تاریخ تجارت عالم کا وہ عظیم اثر زمانہ ہے، جب واسکو ڈی

گاما نے ایک عرب معام کے ذریعہ راس امید عبور کر کے سواحل ملابار کا رخ کیا تھا، اور اس ایک واقعہ نے تمام دنیا کی سیاسی اور اقتصادی عظمت کی تاریخ پلٹ دی تھی!

(سفارت کا مقصد)

مصنف نے اس سفارت کے مقاصد شرح و بسط سے بیان کیے ہیں۔ مختصر لفظوں میں ان کی توضیح ہمارے لیے بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے وقت کے بعض اہم تاریخی حالات پر روشنی پڑے گی۔

لیکن قبل اس کے کہ مصنف کے بیان کردہ اسباب پر متوجہ ہوں، اس عہد کے ان سیاسی و تجارتی تعلقات کی مختصر تاریخ بیان

کر دینا ضروری ہے جو یورپ اور مصر میں قائم تھے۔

صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ تیرہویں صدی مسیحی تک جاری رہا۔ یورپ کا آخری صلیبی حملہ وہ تھا، جو فرانس کے لوئس نہم نے مصر پر کیا تھا۔ اس کا خاتمہ منصور کی لڑائی پر ہوا جس میں توران شاہ نے لوئس کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد سلطان بیبرس، سلطان منصور قلاؤں، اور ملک اشرف خلیل، یکے بعد دیگرے تخت مصر کے فرمانروا ہوئے، اور بے درپے جنگوں کے بعد سنہ ۱۲۹۰ء میں تمام بلاد شام سے صلیبی خارج کر دیے گئے۔ آخری جالے پناہ جو ان کے ہاتھ باقی رہ گئی تھی، عکا کا ساحلی شہر تھا۔ اسی کو انہوں نے اپنی مشرقی تجارت کا براہی محل قرار دیا تھا۔ لیکن یہ بھی سنہ مذکور میں ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک تخت مصر اپنے اندرونی مناقشات میں مشغول رہا۔ لیکن سنہ ۱۳۴۰ء میں جب ملک الناصر کی حکومت استوار ہوئی، تو اس نے محسوس کیا کہ یورپ کے صلیبی رولے اس وقت تک فرو نہیں ہو گئے ہیں۔ وہ دیکھ کر اس طرح کے



سلطان ملک الاشرف قانصو غریبی  
(آخری مملوک سلطان مصر)



Le Grand Caire، جیسا کہ خود اس سفر نامہ میں جا بجا یہی نام استعمال کیا گیا ہے۔

مصر اور یورپ کے تعلقات کی یہ ابتدائی تاریخ بیان کر دینے کے بعد ہم ان واقعات کی طرف متوجہ ہوئے ہیں جو اس سفر نامہ کے مصنف نے بیان کیے ہیں۔

سنہ ۱۵۰۵ء میں کئی سال کی پادشاہ گردی کے بعد سلطان ابو النصر ملک الاشرف قانصرہ غوری تخت نشین ہوا۔ اس پادشاہ کے زمانے میں یکے بعد دیگرے ایسے حوادث پیش آئے کہ یورپ اور مصر کے تعلقات پھر منقطع ہو گئے۔

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے، اُس زمانے میں مصر ہندوستان اور یورپ کی تجارت کی درمیانی کڑی تھا۔ سواحل عرب اور مصر کے عرب جہازران ہندوستانی مصنوعات مصر لے جاتے تھے۔ وہاں سے رینس، جنیوا، اور فرانس کے تاجر پیش قرار قیمتیں دیکر اپنے اپنے

ملکوں کیلئے حاصل کر لیتے تھے۔ خود مصری حکومت کے بھی بے شمار جہاز تھے۔ یہ سرگز لیکر کالی کت اور چٹاگاں تک سفر کرتے رہتے۔ سنہ ۱۵۰۳ء میں ایسا ہوا کہ راسکو قبی گاما کا بیڑہ بحر ہند میں پہنچ چکا تھا۔ مصری جہازوں سے اس کی مدد بھیج ہو گئی۔ یہ جہاز ہندوستان سے مال تجارت سرگز لیجا رہے تھے۔ پرتگالی بیڑہ نے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا، ادنیٰ گرفتار کر لیا، اور جہاز ڈبو دیے۔

یہ خبر جب سلطان غوری کو پہنچی، تو قدرتی طور پر نہایت برہم ہوا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ تمام یورپین تاجروں کو مصر شام سے نکال دے۔ لیکن اس سفر نامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ ”اُس غیر معمولی عقل و بصیرت سے کام لیکر جو مشرق کے اس عظیم الشان پادشاہ کے حصے میں آئی ہے، اُس نے اس کارِ روائی میں جلدی نہیں کی، اور خیل کیا کہ پہلے اصلاح حال کی کوشش کر لی جائے“ چنانچہ اس نے ایک سفیر یورپ روانہ کیا تا کہ اٹلی،

فرانس، اور جنیوا، جائے اور ان ملکوں کی حکومتوں کو حکومت پرتگال کی ان زیادتیوں پر توجہ دلائے۔ یہ مصری سفیر بیت المقدس کی مسیحی خانقاہوں کا رئیس اعظم تھا۔ سفیر پہلے رینس گیا۔ حکومت رینس نے اس کے استقبال کے لیے ایسے انتظامات کیے، جیسے پادشاہوں کے استقبال کے کیے جاتے ہیں۔ پھر جمہوریت کے دوسرے ممبر جمع ہوئے، اور سفیر کے پیام پر غور کیا۔ سفیر کا پیام یہ تھا کہ ”اگر حکومت پرتگال نے اس طرز عمل کی تلافی نہ کی اور آئندہ مصری جہازوں کو کسی طرح کا نقصان پہنچا، تو سلطان مصر نے ارادہ کر لیا ہے کہ بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دیا، اور تمام یورپین تاجروں کو اپنی مملکت سے نکال دیا“ حکومت جمہوریہ نے مصر کی شکایات کے حق بجانب ہونے کا اعتراف کیا، لیکن چونکہ اُسے پرتگال پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا، اس لیے سفیر کو پوپ جولیوس دوم کے پاس جانے کا مشورہ دیا، اور اپنے سفر بھی ساتھ کر دیے۔ پوپ نے سفیر

سے مل کر جب تمام حالات معلوم کیے، تو بہت خائف ہوا۔ وہ سلطان مصر کی ناراضی کے نتائج سے بے خبر نہ تھا۔ اس نے حکومت پرتگال کے نام ایک تہدیدی مراسلت روانہ کی۔ اس کے بعد مصر کا سفیر اسپین اور فرانس ہوتا ہوا مصر واپس آ گیا۔

لیکن ابھی مصری سفارت یورپ سے واپس پہنچی ہی تھی، کہ اچانک بعض حوادث ایسے پیش آ گئے، جن کی وجہ سے سلطان کا غیظ و غضب پھر یورپ کے برخلاف بھوک اُٹھا، اور اصلاح حال کی وہ تمام کوششیں ضائع گئیں، جو مصری سفارت کے ذریعہ انجام پائی تھیں۔ ان حوادث میں سب سے زیادہ اہم حوادث چار ہیں، جنہیں اس سفر نامہ کے مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے:

سب سے پہلا حادثہ پرتگالیوں کی دوبارہ تعدی تھی جو مصری جہازوں پر کی گئی۔ یہ جہاز کالی کت سے سرگز واپس جا رہے تھے۔

دوسرا حادثہ یہ پیش آیا کہ بیڑہ رودس کے نائٹروں کا ایک بیڑہ اسکندریہ کے قریب پہنچ گیا۔ انہوں نے سلطان مصر کے اُن جہازوں پر حملہ کر دیا جو مراکش کے حاجی واپس لیجا رہے تھے۔

اسی اثنا میں ایک تیسرا واقعہ بھی پیش آ گیا۔ مصر اور ترکوں میں مخالفت جاری تھی۔ سلطان مصر کو معلوم ہوا کہ کمال پاشا فوجی سامان و اسلحہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اناضول سے قسطنطنیہ لے جانے والا ہے۔ اس نے اپنے تیس جہاز کیلی پولی کی طرف روانہ کر دیے، تاکہ اس ذخیرہ پر قبضہ کر لیں۔ اتفاق سے رودس کے بحری نائٹروں کے ایک بیڑہ سے اُنکا مقابلہ ہو گیا۔ مقابلہ میں مصری جہازوں کو شکست ہوئی، اور کئی جہاز بالکل تباہ ہو گئے۔

چوتھے حادثہ کی نوعیت ان تمام حوادث سے مختلف قسم کی تھی، لیکن سلطان کی طبیعت پر اُس کا سب سے زیادہ اثر ہوا۔ عراق کے بعض سرحدی اضلاع میں مصری حاکم نے ایک یونانی کو مشتبہ حالات

میں دیکھا اور گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے بعد تلاشی لی گئی، تو اس کے کپڑوں میں سے ایک مخفی کاغذ نکلا۔ یہ شاہ اسماعیل صفری کا خط تھا، جو ٹامس کونٹریں کنصل رینس منعینڈ اسکندریہ کے نام لکھا گیا تھا۔ حاکم نے یونانی قاصد مع خط کے قاہرہ بھیجا دیا۔ جب سلطان نے یہ خط پڑھا، تو اسے معلوم ہو گیا کہ حکومت ایران، یورپ کی حکومتوں سے مل کر اُس کے خلاف سازش کر رہی ہے، اور رینس میں اور ایران میں عرصہ سے سلسلہ مراسلت جاری ہے۔

ان تمام واقعات نے سلطان کو یورپین حکومتوں کے برخلاف اس درجہ غضب ناک کر دیا، کہ اُس نے حکم دیا۔ بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دیا جائے، تمام یورپین کنصل اور تاجر گرفتار کر لیے جائیں، اور آئندہ کوئی فرنگی حدود مملکت میں قدم نہ رکھے۔ اُس نے بیت المقدس اور شام کی مسیحی خانقاہوں کے تمام راہبوں کی گرفتاری کا بھی



سلطان مصر کے وزراء



”مرج دابق“ کے معرکہ میں ہیری شہادت اور پانچویں سالہ لڑا، لیکن بالآخر شکست کھائی، اور میدان جنگ میں گھوڑے سے گر کر مارا گیا۔ اس کے بعد ملک اشرف ظہران بانی نے کچھ عرصہ تک لڑائی جاری رکھی، لیکن مصر کی آخری لڑائی میں اس نے بھی شکست کھائی، اور ہمیشہ کھلیے چوکی مملوکوں کا سلسلہ حکومت ختم ہو گیا۔

سلطان غوری سنہ ۹۰۶ - ۹۰۷ھ بمطابق ۱۵۰۱ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ اس حسب سے تقریباً پندرہ برس تک حکمران رہا

سفرنامہ کے مصنف نے اس سلطان کے غیر معمولی اوصاف شاہانہ کی بہت تعریف کی ہے، اور اسے ”حزم زارے اور دقت نظر“ میں اپنے عہد کا بہترین فرمانروا قرار دیا ہے۔ مصر کے علم مورخین بھی اس کے بعض اوصاف کا اعتراف کرتے ہیں۔

(سقوط غرناطہ اور مصر)

من جملہ تاریخی فوائد کے ایک نہایت اہم اور عبرت انگیز واقعہ اس سفارت کا ہے، جو غرناطہ اور مراکش کے امراء نے مصر بھیجی تھی، اور جسکی تفصیلات سے مصر کی تمام تاریخیں خاموش ہیں۔

اسپین سے مسلمانوں کا آخری اخراج سنہ ۱۴۹۱ء میں ہوا ہے۔ یہی سنہ ہے جب تمام اسلامی حکومتوں کی اعانت سے ماہوس ہرگز ابو عبد اللہ نے غرناطہ فرڈینند کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد پچاس برس تک مسلمانوں پر ایسے ایسے وحشیانہ مظالم ہوتے رہے، جنکی کڑی دوسری نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں۔ غرناطہ کے بقیۃ السیف مسلمانوں کے خلاف محکمۃ انکویزیشن Inquisition نے قتل و آہراق کا آخری حکم سنہ ۱۵۰۹ء میں صادر کیا تھا، اور کارڈیل فرانسسکو زی میلنس اور فرڈینند تہی ٹالابرا نے سرزمین اسپین میں اسلامی تمدن و آبادی کا آخری نقش بھی مٹا دیا تھا۔ یہ زمانہ ٹھیک ٹھیک وہی زمانہ ہے، جب مصر میں سلطان محمد بن قاتیبالی کے بعد پادشاہ گردی شروع ہو گئی ہے، اور کئی سال کی طوائف الملوک کے بعد اعیان سلطنت نے سلطان قانصرہ غوری کو تخت نشین کیا ہے۔

تاریخ میں دو واقعات کا اجمالی ذکر ہم پڑھ چکے تھے۔ ایک یہ کہ جب سلطان ابو عبد اللہ، فرڈینند کے مقابلہ سے عاجز ہو گیا، تو اس نے دو سال کیلئے عارضی صلح کر لی، اور تمام مسلمان سلاطین عالم کی طرف سفارتیں روانہ کیں تاکہ انہیں مسلمانان اندلس کی نصرت و حمایت پر آمادہ کیا جائے۔ مسلمانان اندلس کو خصومت کے ساتھ سلطان عثمانی اور سلطان مصر سے اعانت کی ترغیب تھی۔ لیکن دو سال کی مدت گزر گئی، اور کسی نے بھی انکی خبر نہیں لی۔ دوسرا واقعہ سقوط غرناطہ کے بعد کا ہے۔ جب ابو عبد اللہ کی جلا وطنی کے بعد اسپین کی حکومت نے وہ تمام عہد و پیمان بھلا دیے، جو مسلمانوں کی آزادی و حفاظت کیلئے کیے گئے تھے، اور انکا قتل عام شروع ہو گیا، تو یہ حالت دیکھ کر مراکش اور لیونس کے سلاطین مضطرب ہو گئے۔ انہوں نے تمام مسلمان سلاطین عالم کے پاس رقوم بھیجے، اور انہیں مسلمانان اندلس کی بے بسی اور مظالمیت پر توجہ دلائی۔ ایک خاص سفارت جو مراکش کے بعض اکابر علماء و امراء سے مرکب تھی، قاہرہ بھیجی گئی تھی۔ یہ سلطان قانصرہ غوری ہی کا زمانہ تھا۔ تاریخ کے صفحات ہمیں بتاتے ہیں کہ سلطنت قاہرہ پہنچی، اور

حکم دیدیا تھا، لیکن سفرنامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ ”انہوں نے خزان بیت المقدس کی بڑی مقدار دیکر لیلی جانیں بچا لیں“

اس واقعہ نے تمام یورپ میں اضطراب پیدا کر دیا۔ واسکو ڈی گاما نے اگرچہ ہندوستان کا براہ راست بحری راستہ معلوم کر لیا تھا، لیکن ابھی اس راہ سے ہندوستانی مال کی آمد و رفت شروع نہیں ہوئی تھی، اور یورپ کی مشرقی تجارت کا دار و مدار بدستور مصر پر تھا۔ جنوبی مصر کا دروازہ بند ہوا، یورپ نے محسوس کیا کہ تمام مشرق کا دروازہ اس پر بند ہو گیا ہے۔ ایک سال کے اندر وینیس اور جنیوا کی تمام تجارتی منڈیاں بند ہو گئیں، اور یورپ میں مشرقی مصنوعات کا پھر قحط شروع ہو گیا۔

یہ حالت دیکھ کر وینیس اور فرانس کی حکومتیں مجبور ہوئیں کہ کسی نہ کسی طرح حکومت مصر سے از سر نو دوستانہ تعلقات پیدا کریں۔ وینیس کی یہ سفارت (جس کی سیاحت مصر کی رولداد اس سفرنامہ میں قلمبند کی گئی ہے) اسی مقصد سے روانہ کی گئی تھی۔ قریب قریب اسی زمانے میں فرانس کی سفارت بھی روانہ ہوئی۔ سفرنامہ میں جا بجا فرانسیسی سفارت کے معاملات کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ انداز بیان مخالفانہ جذبات سے خالی نہیں ہے۔ فرانسیسی سفارت شویلیر کونٹ انڈری کی زیر ناست بھیجی گئی تھی۔

وینیس کی یہ سفارت ۲۳ - جنوری سنہ ۱۵۱۲ء - کو وینیس سے روانہ ہوئی، اور بے شمار مقامات میں ٹہرتی ہوئی، ۲۰ - مئی سنہ مذکور کو اسکندریہ پہنچی۔

(سفرنامہ کے تاریخی فوائد)

سفرنامہ اس عہد کی ملکی اور معاشرتی حالات کے بے شمار فوائد و معلومات سے مملو ہے۔ ان کا استقصاء ایک تحریر میں ممکن نہیں۔ ہم مختصراً بعض اہم فوائد کا ذکر کریں گے۔

(سلطان غوری اور وزراء کی تصاویر)

مصنف نے جا بجا لکھا ہے کہ اسے مصری میں کافی دخل تھا۔ اس کا ثبوت ان تصاویر سے ملتا ہے جو اس نے سفرنامہ کے ساتھ شامل کی ہیں۔ ہم ان میں سے دو تصویروں کی نقل اس تحریر کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ پہلی تصویر سلطان قانصرہ غوری کی ہے۔ دوسری اس کے وزراء کی ہے۔ مصنف لکھتا ہے ”میں نے سلطان سے اس کی اور اس کے درباریوں کی تصویر کھینچنے کی اجازت حاصل کر لی تھی“

ان تصاویر میں سلطان اور وزراء مصر کی جو وضع و ہئیت نظر آ رہی ہے، یہ اس عہد کے تمام ترک اور چرکس امراء کی عام وضع تھی۔ سلاطین و امراء عثمانیہ کا لباس اور عمامہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا۔ یہ عمامہ جو اسقدر بلند اور عریض ہوتا تھا، ایسے باریک کپڑے اور ہلکے مواد سے طیار کیا جاتا تھا، کہ کوئی غیر معمولی وزن سر پر محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ہندوستان میں یہ بات دلچسپی کے ساتھ معلوم کی جائیگی کہ اکثر حاکم میں یہ کپڑا ہندوستانی ساخت کا ہوتا تھا!

سلطان ملک الاشرف قانصرہ غوری جسکی تصویر آپسے سامنے ہے، دراصل مصر کے چرکسی مملوکوں کا آخری فرمانروا ہے۔ سنہ ۹۲۲ - ۹۲۳ھ بمطابق ۱۵۱۴ء میں جب سلطان سلیم اول نے مصر و شام پر حملہ کیا، تو تخت مصر پر بھی سلطان متمکن تھا۔ یہ

ما ذا التقاطع في الاسلام بينكم  
و انتم يا عباد الله اخوان  
الا نفوس أبيات لها همم ؟  
أما على الخير أنصار و أهوان ؟

لیکن اس پیام کا جواب ان مسلمان قوموں اور فرماں رواؤں نے  
کیا دیا جو بقول ابر الہقاء کے ”خوبصورت کھوڑوں پر سوار تھے“ ہندی  
تلاشوں کی چمک دمک سے انکے ہاتھ شعلہ بارہٹے تھے اور اپنے  
آزاد وطنوں میں عزت و فرمانروائی کی پر عیش زندگی بسر کر رہے  
تھے ؟ تاریخ کے اوراق ہمیشہ اس واقعہ پر ماتم کرینگے کہ تمام عالم  
اسلامی میں ایک صدا بھی انکی حمایت میں بلند نہ ہوئی !

بہر حال جہاننگ مصری حکومت کا تعلق ہے، اس سفر نامہ سے  
بعض ایسی تفصیلات روشنی میں آجاتی ہیں، جو اس وقت تک  
تاریخی میں تھیں۔ بلاشبہ یہ ایک قیمتی فائدہ ہے جو اس کتاب  
سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ سفر نامہ کا مصنف ان حالات کی تفصیل  
کرتا ہوا جو سلطان غوری کے تخت نشین ہونے کے بعد پیش  
آئے تھے، لکھتا ہے :

”یہ وہ وقت تھا کہ اسپین نے تمام مورس (مسلمانوں) اور  
یہودیوں کو ملک سے نکال دیا تھا، اور سیکڑوں برس کے بعد پھر یہ  
سرزمین صرف مسیحیوں ہی کیلئے مخصوص ہوگئی تھی۔ یہ  
حالت دیکھ کر مراکش، ٹیونس، اور الجزائر کے مسلمان امیروں  
نے سلطان مصر کی خدمت میں وفود بھیجے، تاکہ اسپین کے  
مقابلہ میں انکی مدد کی جائے، اور انہیں اس قابل کر دیا جائے  
کہ یہ ملک دوبارہ مسلمانوں کیلئے حاصل کر لیں۔ جب یہ وفود  
قاہرہ پہنچے تو سلطان غوری نے ان کا بہت اچھی طرح استقبال کیا  
اور اس معاملہ میں پوری دلچسپی ظاہر کی۔ چلے آس نے ارادہ  
کیا کہ اسپین سے انتقام لینے کیلئے اور تمام شاہان یورپ پر اثر ڈالنے  
کیلئے بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دے، اور یورپ کے تاجروں کو  
اپنی مملکت سے نکال دے۔ لیکن پھر جب اس کا روایتی کے نتائج  
پر نظر ڈالی، تو اس پر ظاہر ہوگیا کہ ایسا کرنا دانشمندی کے  
خلاف ہوگا۔ اسی اثنا میں ایسا ہوا کہ حکومت اسپین بھی امراء  
مراکش کی کوششوں پر مطلع ہوگئی۔ شاہ فردی نند اور ملکہ ازبیلہ  
کو خبر ملگئی کہ امراء مراکش مصر کو اپنی اعانت پر ابھارنا چاہتے  
ہیں۔ انہوں نے بھی فوراً ایک سفیر مصر بھیج دیا تاکہ سلطان سے  
ملکر اسے مسلمانان اندلس کی اعانت سے باز رکھے۔ اس سفیر کا نام  
کونٹ پیٹر ڈینکر تھا۔ یہ اسکندریہ پہنچا، اور فلپ دی پورٹیز کے یہاں  
آٹرا جو اس وقت مصر میں فرانس اور اسپین کا مشترک قنصل تھا۔  
قنصل نے سفیر کی آمد کی باقاعدہ اطلاع سلطان کو بھیج دی،  
اور درخواست کی کہ اسکے لیے قاہرہ جانے کا پروانہ راہداری  
مرحمت ہو“

”سلطان کو جب اس معاملہ کی اطلاع ملی، تو اس نے  
امراء علماء سے مشورہ کیا۔ علماء چونکہ مراکشی وفد کے ذریعہ  
مسلمانان اسپین کے مصالح کے واقعات معلوم کر چکے تھے، اسلئے  
قدرتی طور پر اسپین کے خلاف انکے جذبات مشتعل ہو رہے  
تھے۔ انہوں نے بالاتفاق یہ رائے دی کہ سلطان کا اس سفارت سے ملاقات  
کرنا بہتر نہیں۔ اسے واپس کر دیا جائے۔ سلطان نے بھی اس  
مشورہ سے اتفاق کیا، اور سفیر کیلئے پروانہ راہداری نہیں بھیجا۔

سلطان نے تمام حالات معلوم کئے۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوا ؟ اس کی  
کڑی تفصیل تاریخ میں نہیں ملتی۔ قدرتی طور پر سوال پیدا  
ہوتا ہے کہ مصر کا جو سلطان اپنے جہازوں کی حفاظت اور اپنے تجارتی  
مال و متاع کے تحفظ کا جس درجہ خیال رکھتا تھا، کہ جب کبھی  
یورپ کی کڑی قوم شرارت کرتی تھی، تو بیت المقدس کا  
کنیسہ بند کر دینے اور یورپین تاجروں کو نکل باہر کر دینے کی  
دھمکی دیکر فوراً راہ راست ہونے آتا تھا، اس نے ہزاروں لاکھوں  
مسلمانوں کیلئے جو آٹھ سو برس کی حکومت کے بعد مسیحیت  
کے مجنونانہ تعصبات کا شکار ہو گئے تھے اور زندہ جلائے جارہے تھے،  
کیا کارروائی کی ؟

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رہے کہ ابر الہقاء صالح بن  
شریف المرلندی کا وہ زہرہ کداز تاریخی موثقہ جو دراصل مسلمانوں  
عالم کے نام مسلمانان اندلس کا ایک مایوس استغاثہ تھا، اسی  
زمانہ میں لکھا گیا تھا جیسا کہ مقدمہ نے تصریح کی ہے، اور خود  
یورپ کے مورخین ہمیں بتاتے ہیں کہ سلطان مراکش نے اسکی  
نقلیں تمام مسلمان سلاطین عالم کے نام بھیج دی تھیں :

لکل شئی اذا ما تم نقصان  
فلا یغر بطیب العیش انسان  
اصابها العین فی الاسلام فارتزأت  
حتى خلت منه أقطار و بلدان  
على ديار من الاسلام خالیة  
قد اقرت و لها بالكفر عمران  
حيث المساجد قد صارت كنائس ما  
فیہن الا نواقیس و صلبان  
بالامس كانوا ملوکا فی منازلهم  
والیوم فی بلاد الکفر عبدان  
فلو تراهم حیارى لا دلیل لهم  
علیہم فی ثیاب الذل ألوان  
لمثل هذا یذوب القلب من کمد  
ان کان فی القلب اسلام و ایمان !

تفسیر کے آخر میں یہ اشعار فی الحقیقت مسلمانان عالم کے نام  
مظلوموں کا پیلم الغیث تھا :

یا راغبین عتاق الخیل ضامرة  
کانہا فی مجال السبق عقبان  
و حاملین سیوف الہند مرہقة  
کانہا فی ظلام النقیع نیران  
و راتین و راہ للبصر فی دہة  
لہم باوطانہم عز و سلطان  
أعندکم بناء من اهل اندلس ؟  
فقد سرى بحديث القوم ركبان  
کم یستغیث بنا المستضعفون و ہم  
قتل و أسرى فما یتمز انسان

## مذاکرہ علمیہ

## قدماء کی مفقود صنعتیں

یہ مسلم ہے کہ قدیم قومیں بہت سی ایسی صنعتیں سے واقف تھیں جو اب مفقود ہو چکی ہیں۔ حال میں امریکہ کے ایک محقق علوم قدیمہ نے ایک مقالہ میں ان پر نہایت دلچسپ بحث کی ہے۔ وہ لکھتا ہے :

بعض قدیم مصری قبروں میں قرمزی رنگ کا نہایت شفاف شیشہ پایا گیا ہے۔ علماء عصر حیران تھے کہ یہ کیونکر بنایا جاتا تھا؟ بیان کیا جاتا ہے کہ پندرہویں صدی میں چینلوں کو اس صنعت کا طریقہ معلوم تھا۔ خوش قسمتی سے اب سر ہربرٹ جیکسن نے اسے معلوم کر لیا ہے اور لندن کی رائل سوسائٹی کے سامنے پیش کر کے اس کی تصدیق بھی حاصل کر لی ہے۔

یونانی اب سے در ہزار برس پہلے بھیڑیوں اور سے ایک خاص قسم کا تیل بناتے تھے۔ یونان کی برہادی کے بعد یہ صنعت مفقود ہو گئی۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی کے علماء اس کا کچھ پتہ نہ لگا سکے۔ یہ رزغن "لائولین" کے نام سے مشہور ہے۔

روم کے معمار ایک ایسا رزغن جانتے تھے جو دیوار پر لگاتے ہی فوراً خشک ہو جاتا تھا۔ صدیوں تک مفقود رہنے کے بعد یہ راز سنہ ۱۹۰۸ء میں ایک انگریز رنگ ساز نے اسے معلوم کر لیا۔

روم کے صنایع ایک ایسا شیشہ بھی بناتے تھے جو لچکدار ہوتا تھا۔ سنہ ۱۶۱۲ء میں فلورنس کے ایک باشندے نے اس شیشے کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "شہنشاہ ٹیڈرس کے عہد میں روم والوں نے ایک لچکدار شیشہ ایجاد کیا تھا۔ مگر اب یہ راز گم ہو چکا ہے۔ اگر یہ ہمیں معلوم ہو جائے تو شیشہ کی قیمت چاندی سونے سے بھی زیادہ ہو جائیگی۔"

لیکن عین اسی زمانے میں جبکہ فلورنس کا باشندہ یہ سطور لکھ رہا تھا، ایران میں یہ صنعت موجود تھی۔ چنانچہ سنہ ۱۶۱۰ء میں شاہ ایران نے فلیپ سوم شاہ اسپین کو لچکدار شیشے کے چھ جام بھیجے تھے۔ یہ جام کسی طرح بھی ٹوٹ نہیں سکتے تھے!

یہ راز صنعت بالاخر گم ہو گیا۔ یہاں تک کہ کئی صدی کے بعد اب پچھلے سال ایک آسٹریں عالم نے اسے دوبارہ معلوم کر لیا ہے۔ اس شیشے کا خاصہ یہ ہے کہ شیشے کی طرح شفاف ہوتا ہے، مگر لچک اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ایک پورا قاب انگلی پر رکھ کر تھ کر لے سکتے ہیں! قاب تھ کر لینے کے بعد گیند کی طرح گول ہو جاتا ہے۔ یہ گیند اگر زمین پر زور سے مارا جائے تو ٹوٹتا نہیں، بلکہ اس طرح اچھلتا ہے، جیسے ربڑ کا گیند اچھلتا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ موجودہ دنیا اس صنعت سے بہت فائدہ اٹھائیگی۔ اس سے موٹریں ہوائی جالینگی، اور آٹے ٹوٹ جانے کا خطرہ دور ہو جائے گا۔

اسی طرح قدیم زمانے میں تانبے کے آسترے بنائے جاتے تھے جو لوہے کے آستروں سے زیادہ اچھا کام دیتے تھے۔ مدثر کے بعد اب معلوم ہوا ہے کہ امریکا کے ایک قیدی نے یہ صنعت زندہ کر لی ہے۔ آج قید سے رہا کر دیا گیا ہے تاکہ اسے مکمل کر لے۔

لیکن ساتھ ہی صاف لفظوں میں انکار بھی نہیں کیا۔ جب کبھی قنصل کی جانب سے عرضداشت پہنچی، کسی نہ کسی طرح تالیا گیا۔

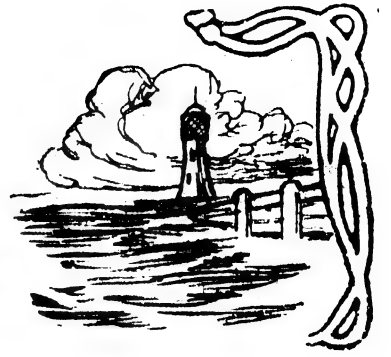
"لیکن کچھ عرصہ کے بعد سلطان نے محسوس کیا کہ علماء و امراء کا مشورہ مصالح حکومت کے مطابق نہیں ہے۔ یہ مصلحت کے خلاف ہوگا کہ حالات نے جو مرقعہ یورپین حکومتوں سے مطلب برابری کا پیدا کر دیا ہے، اسے ضائع کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے اسپینی سفیر کے لیے پورا راہداری بھیجوا دیا۔ وہ اسکندریہ سے چل کر ۱۶ جنوری سنہ ۱۵۰۲ء کو قاہرہ پہنچا۔ قاہرہ میں سرکاری ترجمان اس کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ حسب معمول شاہی مہمانسرائے میں اتارا گیا۔ اور ایک ہفتہ کے بعد دربار شاہی میں پیش ہوا۔"

"اس مرقعہ پر اس عظیم الشان مشرقی فرمانروا نے جو طرز عمل اختیار کیا، وہ اس کی سیاسی مہارت اور شاہانہ حکمت عملی کا بہترین نمونہ ہے۔ وہ علماء و اعیان سلطنت کو اپنا مخالف بنا لینا پسند نہیں کرتا تھا، جو قدرتی طرز پر مسلمانان اسپین سے ہمدردی رکھتے تھے اور ان کی حمایت و اعانت کے دل سے خواہشمند تھے۔ دوسری طرف اس کے لیے بھی طیار نہ تھا کہ ایک در دراز ملک کے مسلمانوں کے لیے خواہ مخواہ جنگ و خونریزی کے خطرات میں مبتلا ہو، اور اپنے مصالح و فوائد کو نقصان پہنچائے۔ پس اس نے ایسا طریقہ اختیار کیا، جس سے ایک طرف علماء و امراء سلطنت کو بھی شکایت کا مرقعہ نہیں ملا۔ دوسری طرف یورپ سے بھی اچھے تعلقات قائم ہو گئے۔ اس نے اسپینی سفیر کو پہلی مرتبہ بر سر دربار بلوایا۔ اس مرقعہ پر تمام امراء و علماء سلطنت موجود تھے۔ جب اس نے اپنے پادشاہ کا سلام عرض کیا، تو سلطان نے نہایت غضب ناک لہجہ میں اس کا سلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا، میں ایسے پادشاہ کا سلام نہیں سن سکتا جس نے مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا ہے اور جس کی حکومت میں اس وقت تک مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ لیکن پھر دو دن بعد پوشیدہ محل میں بلا کر دوبارہ ملاقات کی، اور اس ملاقات میں نہ صرف پادشاہ اسپین کا سلام پوری بشاشت و مرحمت کے ساتھ قبول کر لیا، بلکہ اس کے جواب میں اپنی جانب سے بھی دوستانہ تعلقات کا پوری طرح یقین دلایا۔ اس کے بعد سفیر اور سلطان میں آج بھی کئی پوشیدہ ملاقاتیں ہوئیں۔ بالاخر اس سفارت کا جو مقصد تھا وہ حاصل ہو گیا۔ یعنی سلطان نے اسپین سے دوستانہ معاہدہ کر لیا، اور کچھ عرصہ کے بعد تمام یورپ سے بھی اسے راز سراہہ معاہدات کی تجدید ہو گئی۔ مراکش کا وفد کئی سال تک قاہرہ میں پڑا رہا۔ آخر مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔"

اس بیان پر کسی اظہار رائے اور بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ جو معاہدہ اسپین اور سلطان غوری میں اس سفارت کے ذریعہ ہوا تھا، اور سفارت نے جو تحریر سرکاری طور پر سلطان کے سامنے پیش کی تھی، اس کا اصلی نسخہ اس وقت تک اسپین کے شاہی کتب خانہ واقع اسکریال میں موجود ہے۔



# بریکنگ



## روسی انقلاب کی جوبلی

( دسویں سالگرہ کا جشن )

قاریں الہلال کو اخبارات  
عے ذریعہ معلوم ہو چکا ہے  
کہ گذشتہ اکتوبر میں روس  
کی سروریت حکومت نے  
آخری انقلاب روس کی  
دسویں سالگرہ منائی تھی  
اور اس تقریب کو ”کمپرائزیم  
کی دہ سالہ جوبلی“ سے  
تعبیر کیا تھا۔ اس تقریب  
میں شرکت کیلئے بعض

ہندوستانی رہنماؤں کو بھی دہشت دی گئی تھی۔ بدین  
اُن میں سے کوئی شخص بھی نہ جا سکا۔ وقت کی کمی، حالات  
کی نامرافقت، اور زیادہ تر ہندوستانی حکومت کے پروانہ راہداری  
دینے کے اشتباہ سے کمی شخص نے قصد ہی نہیں کیا۔

اب یورپ کی پچھلی ڈاک کے اخبارات میں اس تقریب کی  
نہایت دلچسپ اور مزور تفصیلات آگئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ  
موسکو کا یہ اجتماع دنیا کے عظیم الشان اجتماعات میں سے تھا۔ نہ  
صرف تمام روسی صوبوں سے، بلکہ دنیا کے دروازہ حصوں سے بھی  
نمائندوں کی بے شمار تعداد شریک ہوئی تھی۔ وسط ایشیا کی  
تمام حکومتوں اور قوموں کے رکلاء موجود تھے۔ قفقاز اور ارمینیا نے

علانیہ اسمیں حصہ لیا تھا۔ ایران سے بھی ایک وفد کیا تھا۔ چین  
اور جاپان کے بھی نمائندے موجود تھے۔

تقریب کے رسوم و اعمال نہایت طول طویل تھے جو کئی دن  
تک متصل جاری تھے۔ سب سے زیادہ اہم اور عظیم اجتماع بین  
الاقوامی جلوس کا تھا جس سے جوبلی کی تقریب کا افتتاح ہوا۔  
اس جلوس کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا  
ہے کہ اس کے شرکاء کی تعداد دس لاکھ آدمیوں سے بھی زیادہ تھی،  
اور بیس گھنٹہ سے زیادہ وقت اس کے گزرنے میں لگ گیا تھا۔ جو  
لوگ جلوس نکلتے وقت شریک ہوتے تھے، انہوں نے پورا ایک دن  
اور ایک رات سڑکوں پر بسر کر دی۔ جلوس کا ایک سرا شہر کے  
ایک کنارہ سے شروع ہوا تھا،  
اور دوسرا سرا کئی چکر کھا کر  
دوسرے سرے پر ختم  
ہوا تھا!

اس موقع پر یہ بات  
یاد رہے کہ موسکو کی  
آبدی عرض کی جگہ زیادہ تر  
طول ہی میں واقع ہوئی ہے۔  
وہ دنیا کے اُن شہروں میں  
سے ایک ہے جو سب سے  
زیادہ لذت سے راقع ہوئے ہیں۔

جلوس کے بعد سروریت  
کی بین الاقوامی مرکزی





نقطہ خیال رکھتا ہے، اور اسی کے مطابق صورت حال کا نقشہ کھینچنا چاہتا ہے۔ مثلاً جب کبھی موجودہ عہد کا کوئی یورپین سیاح ترکی اور مصر کی سیر کرے گا، اور وہاں کی جدید معاشرتی تحریکات پر نظر ڈالے گا، تو چونکہ پیشتر سے اس بارے میں ایک خاص نقطہ خیال قائم کر چکا ہے، اس لیے تغیر و اصلاح کی ہر حرکت کو اسی روشنی میں دیکھے گا، اور مجموعی حیثیت سے ایک ایسی تصویر طیار کر دے گا، گویا ترکی اور مصر کی جدید جماعتوں نے وہ یک دفعہ ارادہ کر لیا ہے کہ مشرقیت اور اسلامیت کے تمام عقائد و افکار سے دست بردار ہو جائیں!

دوسری طرف بعض مسلمان اہل قلم ہیں، جو ہندوستان کے قدامت پسند مسلمانوں کے افکار و جذبات کی رعایت کرتے چاہتے ہیں۔ اس لیے پسند نہیں کرتے کہ نئی تحریکات کی حد سے بڑھی ہوئی آزادانہ صورت آنکے سامنے عریاں ہو۔ وہ ہمیشہ ان تحریکات کے متعلق ایسی مبہم اور گول مول باتیں کہہ جاتے ہیں، جن سے صورت حال مشتبہ ہو جاتی ہے، اور لوگ خیال کرنے لگتے ہیں کہ ترکی اور مصر کی جدید تحریکات کی نسبت جو کچھ کہا جاتا ہے، صداقت سے یک قلم خالی ہے۔

جدید ترکی نسبت کئی سال سے ایسا ہی ہو رہا ہے۔ ایک طرف وہ بیانات ہیں جو دنیا کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ جدید ترکی اپنے آپکو مسلمان کہنے کے لیے بھی طیار نہیں۔ دوسری طرف وہ خوش عقیدہ مسلمان ہیں جو اردو اخباروں کے مضامین پڑھ کر خیال کرنے لگتے ہیں کہ ترکی کے نئی معاشرتی انقلاب کی نسبت جو کچھ کہا جاتا ہے، محض یورپین نامہ نگاروں کا سیاسی پروپیگنڈا ہے۔ حقیقت سے اسے کوئی لگاؤ نہیں۔

اس فرانسیسی مقالہ نگار کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اس نے اپنے تاثرات کو کافی حد تک اس طرح کی بے اعتدالیوں سے محفوظ رکھا ہے، اور کوشش کی ہے کہ بلاد اسلامیہ کی موجودہ انقلابی ذہنیت کا صحت نظر و تشخیص کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔

ہم اس مقالہ کا مختصر خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں، تاکہ مسلمانان ہند جدید ترکی کے فکری تغیرات صحت کے ساتھ معلوم کرسکیں۔

مقالہ نگار لکھتا ہے:

”گذشتہ دس سال کے اندر ترکی کی معاشرتی زندگی میں جو انقلاب رونما ہوا ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمیں نوجوان ترک عورت کی نئی تاریخ حیات پر نظر ڈالنی چاہئے۔



جدید ترکی خواتین  
سنہ ۱۹۱۲ - سے ۱۹۲۵ - تک!

مجلس کا اجلاس شروع ہوا۔ ممکن نہ تھا کہ کوئی عمارت اتنے بڑے اجتماع کی گنجائش رکھتی۔ اس لیے ایک کھلے میدان میں منعقد ہوا۔ اجتماع کئی گھنٹوں میں تقسیم کردیا گیا تھا، اور ہر گھر کے وسط میں لینین کا ایک مجسمہ رکھا گیا تھا۔ لینین کا ایک بہت بڑا مجسمہ میدان کے دروازہ پر بھی نصب کیا گیا تھا، جو روس کے ایک بہت بڑے صنایع نے سنہ ۱۹۲۴ میں بنایا تھا۔ یہ ایک بہت بڑے قطر کا گڑا ارضی ہے، اور اس کے قطبی حصہ پر لینین کھڑا ہے۔ مجسمہ کی یہ صورت اس رمز کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کمیونزم کی دعوت تمام گڑا ارضی کی سرمایہ پرستی پر غالب آگئی ہے!

ہم نے صفحہات الہلال کے لیے در مرقعوں کا انتخاب کیا ہے۔ پہلا مرقع اس مرقعہ کا ہے جب سریت کے اعلیٰ حکام جلوس میں شریک ہونے کی طیاری کر رہے ہیں۔ بالیں جانب سیاہ استر خانی ٹوپی اوڑھے ہوئے صدر سریت کھڑا ہے جسے آج کل تمام یورپ ”کمیونزم کے زار“ سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ جدید کمیونسٹ فوج کی زرعی پہلے ہوئے، سریت ارکان حکومت ہیں۔

دوسرا مرقع جلوس کا ایک خاص حصہ ہے۔ اس میں زیادہ تر یورپ اور انگلستان کے نمائندے ہیں۔ اگر آپ بالیں جانب غور سے دیکھیں تو مسٹر سکلس والا کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا ہے۔

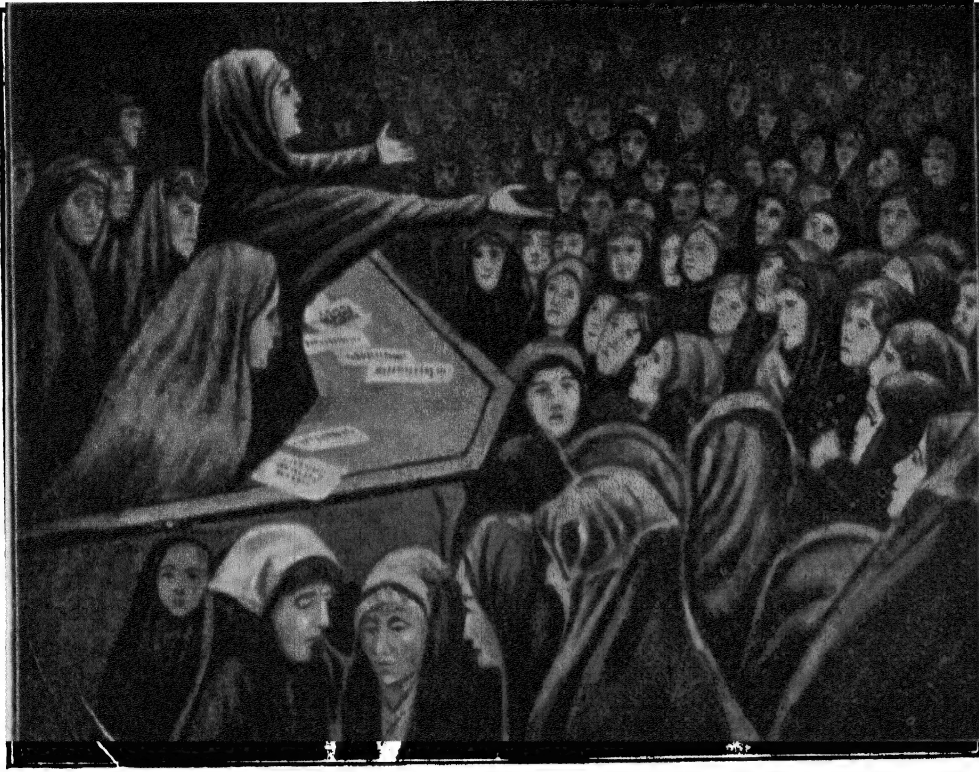
## ترکی کی نسوانی تحریکات

الہلال نمبر (۲۳) میں عنبران مندرجہ صدر سے ہم ایک فرانسیسی اہل قلم کے مقالات کا خلاصہ درج کر چکے ہیں۔ اب اس سلسلہ مقالات کی تیسری قسط بھی شائع ہوگئی ہے۔ اس میں زیادہ تر ترکی کی موجودہ نسوانی تحریکات اور انکے مقاصد پر نظر ڈالی ہے۔

بلاد اسلامیہ کے جدید معاشرتی تغیرات کے متعلق وقتاً فوقتاً جو مضامین مشرق و مغرب کے اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں، اکثر حالتوں میں صورت حال کی معتدل اور حقیقی نوعیت پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ مضمون نگار کوئی خاص



سنہ ۱۹۱۳ء - میں ترک خواتین کی ایک انجمن کا اجلاس



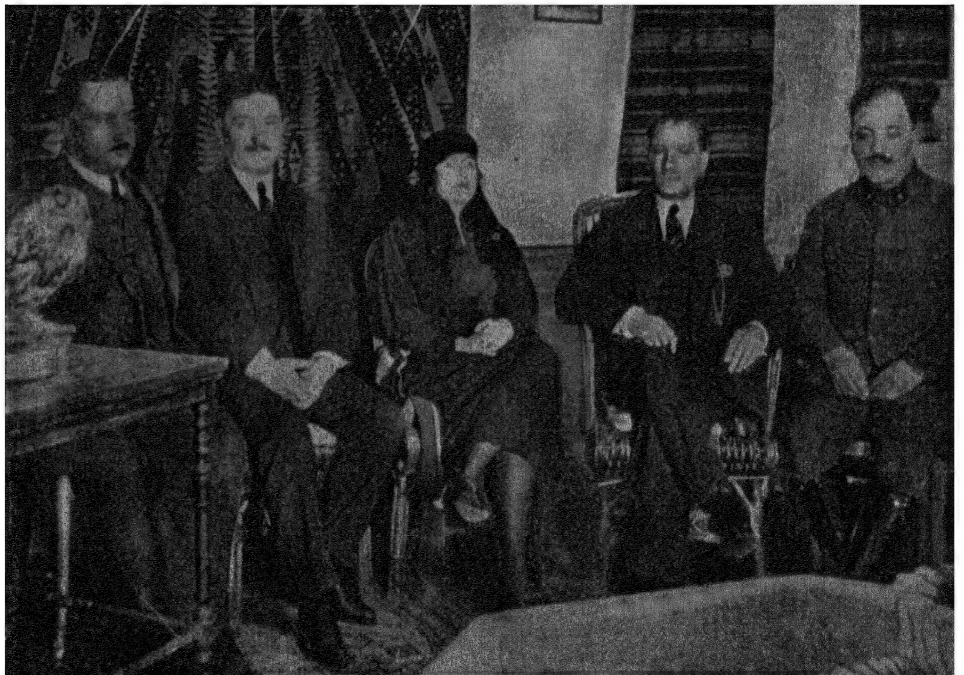
سنہ ۱۹۰۸ء میں جب دستوری انقلاب ہوا، تو تمام قسطنطنیہ میں ایک مسلمان عورت بھی ایسی نہیں تھی جسے قسطنطنیہ کی سڑکوں پر بغیر یشمک (ہلکے نقاب) کے نکلنے کی جرأت ہو۔ لیکن پانچ سال کے اندر ہی اندر یہ حالت ہو گئی کہ: فی صددی پچھتر نوجوان لڑکیاں ایسی تھیں جنہوں نے یشمک کی جگہ ایک ایسا بالائی لباس اختیار کر لیا تھا جو ان کے چہرہ کے کناروں کو ڈھانپ لیتا تھا، اور درمیانی حصہ بالکل کھلا رہتا تھا۔ چند سالوں تک یہ وضع نہایت مقبول رہی۔ بڑے بڑے باشاؤں کے گھرانے میں بھی اسی وضع کا لباس ڈزائیٹنگ روم کی ملاقاتوں کے لیے پہنا جاتا تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۱۴ء میں جب عالمگیر جنگ

لڑکیوں نے کامل: فرانسیسی لباس اختیار کر لیا۔ ترکی زبان میں بھی لباس اور فیشن کے ترکی رسائل اسی طرح نکلنے لگے، جس طرح فرانس اور انگلستان میں نکلتے ہیں۔ دارالحکومت سے باہر بھی تمام بڑے بڑے شہروں میں کامل قسم کا یورپین لباس رائج ہو گیا۔ گذشتہ سال مجھے ایک درس نے جو عرصہ سے سمرونا میں مقیم ہے، بتلایا تھا کہ سمرونا کے ترک گھرانوں میں پیرس کے تازہ ترین زمانہ فیشن سے ویسی ہی دلچسپی لی جاتی تھی، جیسی دلچسپی یورپ کے کسی شہر میں لی جاسکتی ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پیرس کا جو فیشن ایک ہفتہ کے اندر لندن اور برلن کے درزیوں کے یہاں پہنچ جاتا تھا، اُسے سمرونا تک پہنچتے پہنچتے کئی ہفتے لگ جاتے تھے!

”تاہم یہ ساری تبدیلیاں گھر کی چار دیواری کے اندر ہی ہوتی رہیں۔ یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی ترک عورت گھر سے باہر بھی اسی لباس میں نکل سکے، جس لباس کے اندر وہ گھر میں اپنے دوستوں کا استقبال کرتی تھی۔ باہر نکلنے کیلئے ایک خاص وضع کا بہت عریض فرغل استعمال کیا جاتا تھا، جسے کمر کے پاس پٹی سے کس لیا جاتا تھا، اور وہ ہمارے ملک کے پادریوں کے گاؤں کی سی ہیٹس پیدا کر لیتا تھا۔ فرغل پہن لینے کے بعد نہ صرف جسم ہی کامل طور پر چھپ جاتا تھا، بلکہ لباس کی تمام آرائش بھی پوشیدہ ہو جاتی تھی۔ امیر ہو یا غریب، جوان ہو یا بزرگی، تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ، لیکن گھر سے باہر ہر ترک عورت ایک ہی طرح کے لباس میں نظر آئیگی۔ سنہ ۱۹۱۲ء - میں جب نوجوان

شروع ہوئی، تو بہت سی نوجوان ترک عورتیں اس پوشش سے اتنا چکی تھیں۔ ایک بڑی تعداد ایسی لڑکیوں کی موجود تھی جس نے اسے ترک کر دیا تھا۔ وہ اپنے سر پر کو ایک خاص طریقہ سے اچھی طرح ڈھانپ لیتیں، لیکن چہرہ ڈھکی کے پاس پوشیدہ نہیں کیا جاتا۔ وہ پوری طرح کھلا رہتا تھا“

”جہاں تک عام لباس کا تعلق ہے، ترکی کی شہری عورتیں، خصوصاً دارالحکومت کی عورتیں ایک عرصہ سے یورپین لباس کے غالب اجزاء اختیار کر چکی تھیں۔ لیکن سنہ ۱۹۰۸ء تک ایسی عورتیں زیادہ نہ تھیں، جنہوں نے کامل طور پر یورپین لباس اختیار کر لیا ہو۔ عموماً اس طرح کا لباس پہنا جاتا تھا، جو یورپین لباس ہونے پر بھی بعض مشرقی قسم کی خصوصیات رکھتا تھا۔ سنہ ۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد یہ خصوصیات رخصت ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۹۱۴ء میں دارالحکومت کے تمام گھرانوں میں نئی نسل کی



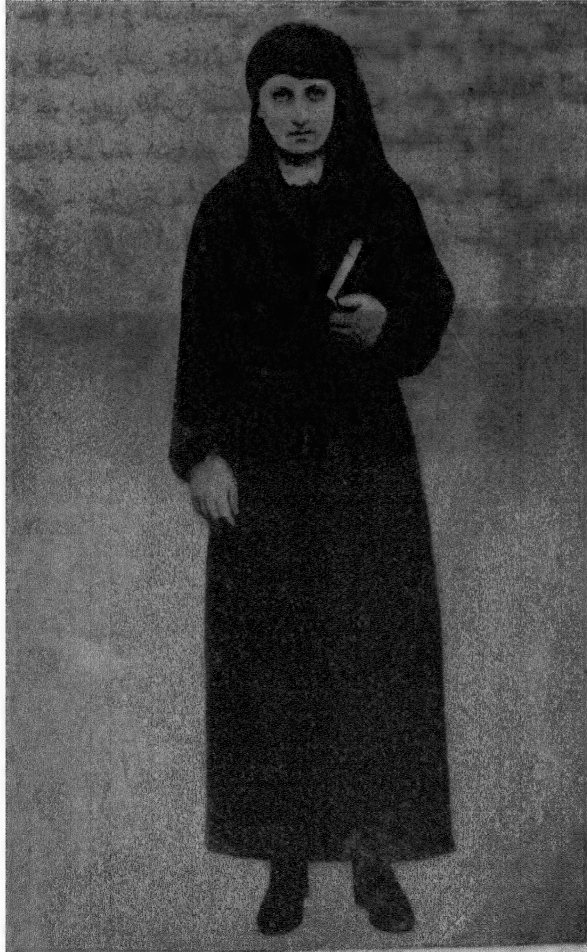
غازی مصطفیٰ کمال پاشا اور آنکی سابق بیوی لطیفہ ہانم

طرح آزاد ہو چکی ہے ۔  
 اُس میں ایک ایسا  
 محسوس تذبذب اور اضطراب  
 باقی تھا ، جس کے اندر  
 روح قدامت کی ایک  
 دھندلی سی تصویر نظر  
 آ جاتی تھی ۔ لیکن سنہ  
 ۱۹۲۷ء کی ترقی یافتہ  
 ترک عورت کامل معنوں  
 میں آزاد خیال ہے ۔  
 اُس کا تذبذب مت چٹا  
 ہے ۔ اُس میں اضطراب فکر  
 کی جگہ عزم اور فیصلہ پیدا  
 ہو گیا ہے ۔ وہ وقت کی روح  
 سے لبریز ہے ، اور صرف  
 مستقبل ہی کی طرف نگاہ  
 رکھتی ہے ۔ بلا شبہ یہ  
 صورت حال اس وقت تک  
 صرف اونچے طبقہ ہی  
 میں محدود ہے ۔ متوسط  
 طبقہ کی عورتیں عموماً  
 پچھلی حالت ہی میں  
 باقی ہیں ۔ لیکن اگر ترکی  
 کی موجودہ حکمران جماعت  
 کو فوری زوال پیش نہ آ گیا ،  
 تو یہ بات یقینی ہے کہ بہت  
 جلد یہ روح تمام ترکی میں پھیل  
 جائیگی ”

” اب نوجوان عورتیں وہ  
 پرانا فرغل بھی ترک کرتی جاتی  
 ہیں جو باہر نکلنے کیلئے اُنکی  
 لازمی پوشش تھی ۔ اسکی جگہ  
 ایک ایسا لباس وضع کر لیا گیا  
 ہے جو گھر اور گھر سے باہر ، دروں  
 حالتوں میں کام دے سکتا ہے ۔  
 گزشتہ سال انگریزوں میں یہ دیکھکر  
 مجھے نہایت حیرت ہوئی تھی کہ  
 ارکان حکومت کی بیویاں بغیر فرغل  
 پہنے ہوئے باہر نکلتی تھیں اور  
 مجلس ( پارلیمنٹ ) کی گیارہویں  
 میں بیٹھی نظر آتی تھیں ۔ بعد  
 کر مجھے بتلایا گیا کہ یہ طریقہ اب  
 روز بروز مقبول ہوتا جاتا ہے ، اور  
 اعلیٰ طبقہ کی کوئی ترک عورت  
 ایسی نہیں ہے جو قدیم فرغل  
 استعمال کرتی ہو ”



جنگ سے پہلے ایک زمانہ اسکول کی ترک لڑکیاں



خالہ ادیب خانم

عہد حاضر کی ۔ شہر اہل قام جو آجکل امریکہ میں مقیم ہے

لڑکیوں نے یشمک کا استعمال  
 ترک کر دیا ، اور غریب  
 خاندانوں کی تعلیم یافتہ  
 لڑکیاں تار اور قبلی فون کے  
 مرکزوں میں کام کرنے لگیں ،  
 تو اُس وقت بھی اُنہیں  
 اس بات کی جرأت نہیں  
 ہوئی تھی ، کہ یورپین  
 عورتوں کی طرح اپنے آرائشی  
 لباس میں باہر نکلیں ۔  
 دولت مند گھرانوں کی بے  
 شمار عورتیں ہیں ، جو پیرس  
 کے مشہور درزیوں کے یہاں  
 اپنے کپڑے سلواتی ہیں ،  
 اور اپنی بالوں کی آرایش  
 اور لباس کی دیکھ بھال  
 کیلئے پیش قرار تنخواہوں  
 پر فرانسیسی خادمالیں  
 رکھتی ہیں ، تاہم وہ بھی  
 جب گھر سے باہر نکلتی  
 ہیں ، تو اپنا حسین اور  
 فیشنبل فرانسیسی لباس  
 سیاہ و عریض فرغل کے اندر  
 چھپا لیتی ہیں ۔ یہ فرغل  
 اُس وقت تک اُنکے جسم  
 سے اُگ نہیں ہوتا ، جب تک  
 کہ وہ گھر کی چار دیواری کے اندر  
 واپس نہ آجائیں ”

اسے بعد مقالہ نگار نے اُن  
 تغیرات کا ذکر کیا ہے جو جنگ  
 کے بعد جدید قومی تحریک کے  
 ساتھ ساتھ ظہور پذیر ہوئے ، اور  
 جو اب نہایت تیزی کے ساتھ  
 عام ہو رہے ہیں :

” ان تغیرات میں سب سے  
 زیادہ اہم چیز ترک عورتوں کی  
 معاشرتی ذہنیت ہے ۔ یہ واقعہ  
 ہے کہ گزشتہ چند سالوں کے اندر  
 اُنہوں نے تغیر و انقلاب کی بہت  
 بڑی مسافت طے کر لی ہے ۔ سنہ  
 ۱۹۱۴ء کی نوجوان ترک خاتون  
 اگرچہ اپنی آزاد خیالی اور ذہنی  
 استعداد کے لحاظ سے قدیم مشرقی  
 عورتوں سے بالکل مختلف قسم  
 کی ذہنیت رکھتی تھی ، تاہم  
 اُس میں موجودہ عہد کی وہ بے  
 خوف روح نہیں پائی جاتی تھی  
 جو قدامت کے دائرہ اثر سے بڑی





ہیں یہ تحقیق کرنی پڑے گی کہ کیا وجہ تھی کہ ہندوستانی مور تیر ہی ہندوستان  
خلات لپٹے پر آمادہ ہو گئی تھیں؟ جھانسی میں کمی انگیز اور عورتیں  
قتل کر دی گئی تھیں۔ قیاس کیا جاسکتا ہو کہ رانی نے یہ خونریزی ہند  
مذکی ہوگی جب جھانسی فتح ہو گیا، تو اس کے باپ کو سیکڑوں آدمیوں  
کے ساتھ جھانسی دی گئی۔

شہزادہ قیروز کے متعلق بھی عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ لڑا بہادر اور  
جبار آدمی تھا۔ اسنے اپنی بی بی سے آدھوں کو بچانے کے لئے بڑی  
کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ جنگ کے میدان میں بڑی ثابت قدمی  
اور استقلال سے لڑا رہا۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اگر ہمارے ہاتھوں  
میں جھنپن گیا تو اسے فوراً جھانسی دے دی جائے گی۔ خود ہمارے  
آدی بھی خفیہ طور پر خوش تھے کہ وہ بچ کر نہیں گیا۔ اس کی شہرہ آفاق  
اور اس کا سیکڑوں دفعہ موت کے منہ سے بال بال بچ جانا ایک نادر  
ہن کیا ہے بعض شہزادے بھی اپنے اشعار میں اس کی بہادری کے  
ذکر کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ شہزادہ ملک ہندوستان کے جنگوں  
میں مارا مارا پھر رہا۔ بعد ازاں مشاعرے میں وہ عرب میں آخری دفعہ  
دیکھا گیا کہ کوئی وقت ایسا بھی آئے گا کہ ہندوستانی روایات بھی تاریخ  
کی کتابوں میں صبح کی جائیں گی۔ اور مجمع واقعات کی طرح مستند  
بھی جائیں گی۔ وہ داستان میں کسی قدر دل ہلائیے والی ہوگی!  
ہمارے مورخین سمجھتے ہیں کہ یہ ہندوستان کو آزاد کرانے  
کی خاطر ریا نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ محض چند فوجوں کی بغاوت بھی  
اچھا، اگر ایسا ہی تھا تو پھر بے گناہ آبادیوں کو موت کے گھاٹ اتارا  
اور غیر عار جاعتوں کو بھی بلا تیز قتل کر دینا اس قدر انسانیت  
سوز حرکت تھیں! اگر اس بات کے درناک مظالم کسی دوسرے ملک میں  
ہوتے تو یقیناً پورا ملک متحد ہو کر برسرِ پیکار ہو جاتا۔ گو یہ بازیدہ تر  
آگرم کے صوبہ میں رہی۔ لیکن پھر بھی اس صوبہ کے عام لوگوں نے  
اس میں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا۔ ہیں ناچار تسلیم کرنا پڑا ہے کہ انہی لوگوں  
نے بہت سے انگریزوں کی جانیں بچا کر اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے  
حالانکہ ہندی سپاہی انکے مخالف ہو گئے تھے۔

۱۰۔ فارسی اس کی کتاب کے صفحہ ۱۲ پر لکھتا ہے:  
"۱۰۔ دن کے اندھ ادھ کے صوبہ میں انگریزی راج خواب کی  
ماتہ غائب ہو گیا تھا۔ سپاہیوں نے بغاوت کا علم بلند کر دیا تھا۔ اور  
عوام الناس نے اطاعت کا جوا آٹا کر پھینک دیا تھا۔ لیکن کمال  
کی بات یہ ہے کہ پھر بھی کوئی ظلم بڑا نہ ہوا۔ نہ ہی کسی نے انتقام لینے کی  
کوشش کی۔ انھوں نے انگریزوں کے ساتھ نہایت اعلیٰ درجہ کا سلوک  
کیا۔ بلکہ لکھنؤ کے نواب بھی ان کے ساتھ کمال شرافت سے پیش آئے  
رہے۔ حالانکہ ان میں سے بعض نوابوں کو انگریزوں سے بے بسا اذیت  
نقصان پہنچا تھا۔"

میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں۔ کہ ہماری بے بسی بلاوجہ نہ تھی کیونکہ  
غدر کے ابتدائی مرحلوں میں ہیں اشتعال دلایا گیا تھا۔ باغی سپاہ  
نے قتل کی ابتدا کی تھی۔ جسے پہلے مرحلہ کی ہندوستانی فوج کے ہلکے  
دستے نے اپنے افسروں کو قتل کر ڈالا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کی بے  
فری گواری نہیں کر سکتے تھے۔ بعد ازاں اپنی بی بی میں انہی باغیوں کے  
ایسا سے فریجیوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ اس کے بعد بغاوت کا  
اثر دور دور پھیل گیا اور ۱۲ انگریزی جاگیاں اس سے متاثر ہو  
گئیں۔ اس وقت دونوں طرف سے باقی وہ خونریزی شروع ہو گئی تھی  
اور جنگ کا میدان گرم ہو گیا تھا۔ جھانسی اور کچور میں انگریزوں  
کو سخت بے بسی سے قتل کیا گیا۔ لیکن جب انگریزوں کی باری آئی  
تو انھوں نے تمام ملاتے زیرِ زیر کر دیئے۔ جھانسی امد کا پٹہ کے حوالہ  
تو بعد میں ختم ہو گیا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ فریقین کے پس پاسی غلط افواہیں پھیلی  
جاتی تھیں جن سے خواہ مخواہ اشتعال پیدا ہو جاتا تھا۔ مثلاً باغیوں  
کو یقین دلایا گیا تھا کہ انگریزی گورنمنٹ تمام ہندو سبلاؤں کی تباہی  
پر آمادہ ہے، اور ان کا مذہب بگاڑنے کی تدابیر کر رہی ہے۔ اسی  
طرح ہیں بھی ہندوستانیوں کی بے بسی کے زمینی پھٹے چلے جاتے تھے  
جس کو ہمارا جامِ صبر بڑھ جاتا تھا۔ جنگ کے ایام میں عموماً جھوٹی  
خبریں پھلتی ہیں اس غرض سے پھیلائی جاتی ہیں تاکہ دشمنوں کے خلالت  
سخت نفرت پھیل جائے۔ اس وقت کسی کو ٹھنڈے دل سے خبروں کی  
چھان بین کرنے کی فرصت نہیں ہوتی یہی حال امرتسر کے سادات  
میں بھی ہوا۔ وہاں ایک نیم پر چلے جانے سے تمام انگریز فوجیں  
اور انکے غصے کی کچھ انتہا نہ رہی۔

لارڈ کیننگ نے لکھنؤ کے ایک خلیفہ میں مفصل ذیل فقرات لکھے  
تھے جو قابلِ غور ہیں:

"اگر وہ انگریز جن کے دل دھماکے کی باتوں کے ہاتھوں کچھ  
نقصان پہنچا ہے، انکے خلالت نفرت کا اظہار کریں، تو وہ حق بجانب  
ہیں۔ لیکن جیسا کہ ان کی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ شہزادہ دلاؤ لوگ  
پیارے ہیں جو بڑے آرام سے قدر کے صلے اثر سے دور اپنے اپنے  
گھروں میں محفوظ بیٹھے ہیں۔ مثلاً کلکتہ کی انگریزی آبادی سادات  
کے علاقے سے بہت دور تھی۔ اس پر ہندوستانیوں کے خلالت  
بڑا زہر لگ رہا ہے جو مجھے ڈر ہے کہ انکے معاند خیالات اس قدر گہرے  
میں متدہا ہو گئے۔ انگریزوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستانیوں کو  
حقارت سے دیکھتی ہے اور ان سے قطع تعلیق کرنے پر آمادہ ہے۔ لیکن  
ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اگر برطانیہ کو ہندوستان پر حکومت  
کرنی ہے تو ہندوستانیوں کو دیوانی اور فوجی ملازمتیں دیکر ان پر تہا  
کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ان کے بغیر حکومت کا انتظام ایک دن بھی نہیں  
چل سکتا۔ میں مبالغہ نہیں کرتا۔ یہ صحیح بات ہے کہ اگر ہم تمام ہندوستانیوں  
کو سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیں تو بہت سے انگریز اسے بغیر  
تحسین دیکھیں گے۔ کیونکہ وہ صاف طور پر اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ انگریز  
اور ہندوستانیوں کے درمیان مستقل نفرت کی دیوار قائم کی جائے۔  
بعض انگریز ہندوستانیوں کی وفاداری پر مطلق اعتبار نہیں کرتے حالانکہ  
انہی سادات میں بہت سے ہندو اور مسلمانوں نے انگریزوں کو باغیوں  
کے مظالم سے بچایا ہے۔"

پنجاب کے سادات کے دوران میں انگریزوں میں بہت جوش  
پھیلا ہوا تھا۔ کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جاؤں کی فکر تھی یہی تھی لیکن  
تعب کی بات ہے کہ شہر چھانے والے زیادہ تر وہی لوگ تھے جو بہت  
افراہٹیں مقامات پر یا بڑے بڑے شہروں میں امن و امان سے قیام  
تھے۔ اور ان کی حفاظت کے واسطے مکمل فوجی انتظام موجود تھا۔  
علاوہ بریں وہ خود بھی خاصی تعداد میں ایک ہی جگہ رہتے تھے۔ برخلاف  
اس کے اضلاع کے حکام یا چائے کے کھیتوں کے مالکوں یا چوپا  
کی جماعت نے کبھی رخ و پیکار نہ کی۔ حالانکہ انھیں ہر وقت اپنی جان  
کا خطرہ ہوتا تھا۔ وہ ایسے مقامات پر تھے جو جہاں کسی قسم کی  
برہمن اور کاسٹھوں کا ہونا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانیوں  
لوگوں کو اپنے اہل و عیال کے ساتھ وہاں اور شہروں میں رہنا پڑا  
سے بالکل الگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی طرزِ معاشرت بالکل الگ  
ہے۔ ہندوستانیوں سے انہیں کسی قسم کی گنجائش یا ہمدردی نہیں ہے  
وہ اپنے حلقہ عذاب میں ایسی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں  
جس طرح انکے بھائی بنیا سنگھ کشپو میں کرتے ہیں۔ وہ اس ملک کے  
واقعات بھی دیکھتے ہیں کہ انہاں میں پڑھنے کے عادی ہیں۔ کبھی  
اضلاع کے افسروں یا پادریوں کو گمان ہے کہ آپ پر بھی اعتماد ہوتا ہے وہ بھی

برادری سے مل کر رہتے ہیں۔ ہیں جاہل ہندوستانیوں سے معاشرتی  
تعلقات پیدا کرنے پڑے ہیں اور اپنے ساتھ ایسا احباب اکٹھے کر  
لیتے ہیں۔ جو سادات کے موقع پر بھی مدد کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں  
جب ہم ہندوستان آتے ہیں تو ہم اس کے باشندوں کے متعلق  
براہِ راست تجربہ حاصل کرنے کی مطلق کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ کچھ  
ہمارے مصنفوں نے لکھ دیا ہے، وہی ہمارے داخل میں گونجتا رہتا  
ہو۔ تجربہ یہ ہوتا ہے کہ ہم ہندوستانی کو یا تو بھیک مانگتے دلائیے  
آمدنی یا دانا بکھینے لگتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس ملک کے باشندوں  
سے راہِ درم پیدا کریں۔ تاکہ ان کے اعلیٰ اخلاق و عادات سے  
ہو سکیں۔

### ایک ناقابلِ فراموش شہادت

پنجاب کے سادات میں ہندوستانیوں سے زیادہ یہ بات  
محسوس کی کہ انگریز عورتوں نے بھی مارشل لا کے مظالم کی بڑی زبرد  
سے تائید کی تھی۔ حالانکہ یہ قدرتی امر ہے کہ عورتیں دشمنانِ آقا  
سے نفرت کرتی ہیں۔ اور ان کے رفیق جذبات قتل و خونریزی کی  
سختیوں کے تحمل نہیں ہو سکتے۔ میں ذیل میں ایک ہندوستانی عورت  
کا بیان جو اڈوڈا کر نام سنگھ کے مقدمہ میں دیا گیا تھا، درج  
کرتا ہوں۔ اس سے جلیلاؤ کا بلوغ کے حادثہ کی نوعیت ظاہر ہوگی:  
"سوال:۔ تمہیں اپنے خاندان کے قتل کی کب اطلاع ملی؟  
جواب: جب جلیلاؤ کا بلوغ میں گولی چلی۔ میں نے اپنے کپڑے  
کے باشندوں سے سنا کہ ہزاروں آدمی مارے گئے ہیں۔ مجھ سخت  
تشویش ہوئی۔ کیونکہ میرا خاندان بھی اسی جگہ گیا ہوا تھا، میں نے اپنے  
باغ میں چلی گئی۔ اس وقت شام ہو گئی تھی۔ تمام جگہ لاشوں سے مٹی  
ہوئی تھی۔ میں نے ہر جگہ اپنے خاندان کی لاش تلاش کی۔ بالآخر  
اُس کی لاش کی لاشوں کے نیچے سے برآمد ہوئی۔ زمینوں کے  
دردناک نالوں اور قریب الموت انسانوں کی چیخوں سے آسمان  
گوںج رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی شخص میرے خاندان  
کی لاش اٹھا کر گھر تک پہنچا دے لیکن کسی نے شام کے بعد ہر  
پھلنے کی جرات نہ کی۔ کیونکہ حکام نے شام کے بعد ہر پھلنے ممنوع  
قرار دیا تھا۔ ناچار میں نے تمام رات اسی باغ میں اپنے خاندان  
کی لاش کے پاس جا گئے گزار دی۔ کیونکہ کتنے بڑی تعداد میں اہل  
ادھر مٹ لائے تھے۔ اور مجھے ہر وقت انھیں چھڑی سے بھگانے  
رہنا پڑتا تھا۔ رات کے چھ بجے ایک کھلم کھلی کے کرانے کی آواز  
آئی۔ میں نے اُس کی زخمی ٹانگہ مٹھی کر دی۔ وہاں ایک بارہ  
برس کا بچہ بھی زخمی تھا جو تمام رات درد کی وجہ سے جھپکا رہا تھا۔  
ایک اور زخمی بھی پاس کے اسی جلیلاؤ تھا۔ چونکہ وہاں پانی  
کا نام و نشان نہ تھا اس واسطے میں ناچار تھی۔ میں تمام مائت زخمیوں  
کے کرانے کی آواز سنتی رہی۔ جب صبح ہوئی تو سندرہ اس چھائی  
نے گرا یا پھر میں اپنے خاندان کی لاش بکھرے گئی۔"

امرتسر کے حادثہ سے پتہ لگتا ہے کہ غدر کے تاثرات و تشویشوں  
تک بھی نہیں مٹ سکے۔ جب ہمیں کوئی شخص کہتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں  
کے ساتھ غلاموں کی طرح سلوک کر رہے ہیں۔ تو ہم بڑے زور سے اس  
کی تردید کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے باہمی تعلقات کو غور سے دیکھا  
جائے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کو غلاموں سے  
بہتر نہیں سمجھتے۔ جب ہماری آپس میں بھی ہندوستانی کے متعلق بات  
چلتی ہوئی ہے، تو سب سے پہلے دریافت کرتے ہیں کہ آیا وہ وفادار  
اور تنگ حلال بھی ہے؟ ہمیں اس بات کی مطلق پروا نہیں۔  
اگر وہ ایک نہایت لائق شخص یا مشہور سیاست دان ہو۔

لہ وہ اصل شہزادہ قیروز کا دل کے راتے مختلف جگہ لکھا ہوا ہے۔ سندھ میں جس جگہ اس کا نام لکھا ہے وہاں قیروز کے والد شہزادہ قیروز کے قتل کے متعلق لکھا ہوا ہے۔

کیا لیگد و فادار ہو؟

میرا ایک دوست کسی پادری سے ٹیگو کے متعلق بات چیت کر رہا تھا وہ اسکی ادبی شہرت کا بہت معترف تھا۔ پادری نے بات کاٹ کر دجھا "کیا وہ وفادار بھی ہو؟" اگر اس وقت سیٹ پال بھی برٹش گورنمنٹ کی ریت ہوتا تو غالباً یہ پادری اس کے متعلق بھی یہی سوال کرتا۔ البتہ مجھے یقین ہو، وہ اسٹریلیا یا کینیڈا کے کسی باشندے کے متعلق یہ سوال دجھنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ جب تک انگریزوں کی ہندوستانی ریت کے متعلق یہ رائے ہے گی، تب تک فریقین میں ہیش غلط فہمی قائم رہے گی اور ان کی باہمی مخالفت روز بروز بڑھتی جائے گی۔

پنجاب کے فسادات میں سب سے زیادہ فوجی فعل امر میں ہوا تھا۔ وہاں ایک کچر کے باشندوں کو حکم دیا گیا کہ گھر سے باہر نکلنے وقت یا گھر کی طرف جاتے وقت پیٹ کے بل رنگ کرھیں۔ کیونکہ حکام کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس کچر کے بعض باشندوں نے ایک ہم پر حملہ کیا تھا۔ شہر میں ہوائی جہازوں کے ذریعے گولہ باری کر رہی تھیں اس سے کم خوفناک واقعہ نہیں ہو۔ ہندوستانی کہتے ہیں کہ اگر گولہ بول یا گولہ میں فساد ہو جائے۔ تو بلاشبہ حکام حفظ عامہ کی خاطر مصنفوں پر گولی چلانے سے دریغ نہیں کریں گے لیکن وہ کسی حالت میں بھی یہ نہیں کر سکتے کہ اس شہر پر آسمان سے بلب کے گولے پھینکیں۔ اس قسم کے مظالم صرف اس صورت میں ردہ را کھج سکتے ہیں۔ جب قوموں کے درمیان جنگ چھڑ جائے۔

فجٹ نے ایک کتاب "غدا کی کمائی" میں مندرجہ ذیل سطور لکھی ہیں:

"ایشیائی دماغ کو سمجھنا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ کیونکہ کوئی آدمی اس کے اسرار نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن یہ مسلم امر ہے۔ کہ غدر کی یاد لوگوں کے دلوں میں ہر وقت تازہ رہتی ہے۔ مجھے ایک پادری نے بتایا کہ اسے ایک دفعہ اسکول کے طالب علموں کو غدر پر جواب مضنون لکھنے کا حکم دیا تھا۔ مگر تمام لڑکوں نے خالی کاغذ پیش کر دیے جس کو صاف ظاہر ہوا تھا کہ وہ یہ واقعہ اس قدر محسوس کرتے تھے۔ کہ اس اپنے اندر کی خیالات سے آگاہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔"

بعض واقعہ کار انگریزوں کی رائے ہے۔ کہ غدر کی یاد ایشیائی کچر کے بعد معدوم ہو جائیں گی۔ لیکن میرے خیال میں جب تک ہاری کتابوں میں غدر کے انسانے مروج رہیں گے، تب تک کوئی شخص بھی انھیں نہیں بھول سکتا۔ اس اسپرٹ کو زائل کرنے کے صرف دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ یا تو تمام اسکول اور کالج بند کر دیے جائیں تاکہ انہ سوئوں کو تعلیمی صدی کے واقعات کے متعلق کچھ علم نہ ہو۔ یا یہیں ہر کر ان واقعات کو ان کی اصلی صورت میں کھائیں اور اپنی طرز تحریر کے علم تبدیل کر دیں۔

سادہ کار نے غدر کو آزادی کی جنگ سے تعبیر کیا ہو اسنے ایک مکمل تاریخ ہند لکھی تھی۔ لیکن گورنمنٹ نے اس کی اشاعت بند کر دی کیونکہ گورنمنٹ کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس غلط واقعات بوجھ کو گئے ہیں جن سے انگریزوں کے خلاف نفرت پھیلنے کا اندیشہ ہو!

چونکہ ہم تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی ہم سے انتقام لینے کی خاطر ہمارے خلاف ہر قسم کی غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہندوستانی اخبارات اور رسائل اٹھا کر دیکھئے ان میں ہلے جاتے غلات کہیں دہرہ اٹھا جاتا ہے۔

خاتمہ سخن

ہیں بلکہ ہوں والا صواب بالکل بھول جاتا ہے۔ جس طرح کہ ہم شرمیلہ قیدیوں کا ریل گاڑی میں دم گھٹ کر مرنے والے کے واقعہ نوڈا

## برید شرق

### مکتب آستانہ

(الہام کے مقدار سکار معر متعلقینہ کے نام سے)

غازی مسطفیٰ کمال پاشا کا از سر نو انتخاب۔ سازشیں کو سزا۔ ٹرکی کی آبادی۔ ٹرکی اور امریکہ۔ ٹرکی تیزرانہ۔

#### غازی کا از سر نو انتخاب

گذشتہ ہفتہ مجلس طنی (پارلیمنٹ) کا از سر نو افتتاح ہو گیا غازی کمال پاشا، دوبارہ، صدر جمہوریت منتخب کئے گئے۔ عصمت پاشا بدستور وزیر اعظم ہے۔ مجلس طنی کے سابق صدر، کاظم پاشا بھی نئے انتخاب میں کامیاب ہو۔

مجلس طنی کے تمام ارکان نے ایک ایک کر کے، صدر مجلس کے سامنے حبی بل قسم کھائی:

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ کسی ایسے مقصد کے لئے کوشش نہیں کروں گا جو وطن کی سعادت، قوم کی سلامتی، اور اُس کی بے قید و شرط بات کے منافی ہو۔ نیز میں جمہوریت کے اصول سے برابر وفادار رہوں گا۔"

خلق فرقد نے جمہوریت کی صدارت کے لئے کوئی نام پیش نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے ارکان کو آزادی دیدی تھی کہ جس شخص کو پسند کریں اس شخص کے لئے منتخب کر لیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی غازی مسطفیٰ کمال پاشا ہی بالاتفاق صدر قرار دے دیے گئے۔ تب صدر مجلس طنی نے انھیں قسم کھانے کے لئے طلب کیا۔ انھوں نے ان لفظوں میں قسم کھائی:

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ صدر جمہوریت ہونے کی حیثیت سے جمہوریت کے قوانین اور قومی بات کے اصول کی حفاظت میں لداخت کروں گا۔ میں اپنی قومی قوت سے اور پورے اخلاص سے ترکی قوم کی بھلائی کے لئے کوشش کروں گا۔ میں قومی شدت سے ہر اس خطے

بھول چکے ہیں۔ ہیں کا پندر کے مظالم بھی شرمیلہ نہیں چاہئے جس طرح ہم دہلی۔ بنارس۔ الہ آباد وغیرہ میں اپنی کارنگارایاں فراموش کر چکے ہیں۔ جب ہم اپنے مظالم بھول چکے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندو کی زیادتیوں پر ہم یاد رکھیں!

سرچارلس ایمپن نے لارنس کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کے بت کے بت کا بھی جو لاجور کی ٹھنڈی طرک پر اتار دیا ہو اس بت پر یہ حریف کدہ ہیں کیا تم ہاری حکومت تلوار کے زور سے تسلیم کر دے گے۔ یا قلم کے زور سے؟ ان الفاظ سے ہندوستانی قوم کو دہشتے دکھائے جاتے ہیں۔ یا تو وہ خوشی سے ہماری اطاعت قبول کر لے یا تلوار کے زور سے محکم ہے۔ اسیں شک نہیں کہ محکم قلم کے زور سے حکومت کی جادہ ہے۔ لیکن تلوار بھی ہر وقت بہرہ رتی ہے۔

اس قسم کے کتبوں سے ہندوستانیوں کے دلوں میں فصد کی آگ بھتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بت کی شب و روز حفاظت کی جاتی ہے۔ بلکہ

کی سعادت کروں گا جو ترکی حکومت کو لاحق ہوگا۔ ترکی خرافات کی حفاظت، اُس کی بڑی اور اپنے فراموش ادا کرنے پر میں اپنی پوری زندگی وقف کروں گا!"

جب غازی قسم کھا رہے تھے تو ان کے ہر جملہ پر ایلوں کا ایک شہر بلند ہو جاتا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض مسلمانوں کے سیر بھی تاملیاں بجانے میں شریک تھے۔

قسم کے بعد غازی نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

"یہ منصب، صدر جمہوریت کا منصب، درحقیقت قوم کی پوری فضیلت استقامت، اور معصومیت کا مظاہرہ نام نہ نہ ہو۔ اس حقیقت سے میرا قلب و ضمیر پوری طرح باخبر ہے۔ میں ان تمام اہم فراموش ادراک ذمہ داریوں سے کماحقہ آگاہ ہوں جو صدارت کی اس کرسی نے مجھ پر عائد کر دی ہیں۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ اس جدید اقتدار کو بھی سچا ثابت کروں جس سے قوم نے مجھے سرفراز کیا ہے۔ یہ اعتماد اس امر کا ثبوت ہے کہ قوم ہماری خاکسارہ کوششیں پورے اطمینان سے پسند کرتی ہے۔ میری مسلسل کوششیں اس کے لئے کہ قوم کی زیادہ سے زیادہ برتری ہو سکی انجام دیتا رہوں"

اس کے بعد غازی نے کہا:

"یہ جمہوریت، جو خود مختاری، قومیت، اور تہذیب پر قائم ہوئی ہے، اور جسے گزشتہ برسوں میں اپنی اصلاحات و انقلابات سے اپنی قوت قاہرہ ثابت کر دی ہے، قوم کی امیدوں اور ارزوں کے بالکل

اسے نقصان نہ پہنچایا جائے۔

رویش آت نے تاریخ ہند میں کیا خوب لکھا ہے کہ غدر کے خوفناک مظالم کو اسکول کی کتابوں سے مٹا دینا چاہئے۔ کیونکہ جب ہندوستانی طلبہ کو نسل جیسے ظالم انگریزوں کے کازائے نہیں پڑائے جاتے۔ تو پھر انھیں کا پورے کمزور کیوں کا افسانہ کیوں سنایا جائے؟ میں یقین کرتا ہوں کہ اس وقت ہاری قوم احمی کو فراموش کر دینے کے ٹی طیار ہو۔ اگر انگریزوں کی موجودہ نسل کو یقین دلایا جائے کہ ان کے بزرگوں نے ہندوستانیوں پر کس قدر ظلم و ستم ڈھائے تھے، تو وہ ان کی تالی کے لئے یقیناً طیار ہو جائے۔

(مترجم چوہدری محمد علی صاحب کیل ایٹ ایل)



## ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۶)

| دُنیا بھر میں کوئلے کی پیداوار (ملا کر)            | مجموعی پیداوار: ۱۱۶۸۵۳۵۰۰ ٹن     |
|----------------------------------------------------|----------------------------------|
| ملک                                                | بھاپ ٹن                          |
| برطانیہ                                            | ۲۷۴۹۳۳۰۰۰                        |
| ہندوستان                                           | ۱۹۰۱۰۹۸۶                         |
| جرمنی                                              | ۱۱۸۸۲۹۰۰۰                        |
| فرانس                                              | ۲۴۰۱۰۰۰۰                         |
| دلیات متحدہ امریکہ                                 | ۵۰۵۸۴۶۰۰۰                        |
| دُنیا بھر میں پٹرول کی پیداوار (ملا کر)            | مجموعی مقدار: ۱۳۳۶۴۳۵۰۰ میٹرک ٹن |
| ملک                                                | دُنیا بھر میں پٹرول ٹن           |
| دلیات متحدہ امریکہ                                 | ۹۹۶۲۲۰۰۰                         |
| میکسیکو                                            | ۲۱۶۲۲۰۰۰                         |
| روس                                                | ۶۶۵۳۳۳۰                          |
| ایران                                              | ۴۶۰۳۳۰۰                          |
| رومانیہ                                            | ۱۸۱۱۶۰۰                          |
| ہندوستان                                           | ۱۱۵۷۰۰۰                          |
| فرانس                                              | ۵۶۰۰۰                            |
| جرمنی                                              | ۴۵۷۰۰                            |
| کینیڈا                                             | ۲۲۳۰۰                            |
| جاپان                                              | ۲۲۰۱۰۰                           |
| دنیا کے مختلف ملکوں میں تعلیم یافتہ آبادی (ملا کر) | عورت فی صدی                      |
| برطانیہ                                            | ۹۳.۵                             |
| دلیات متحدہ امریکہ                                 | ۹۵.۵                             |
| ڈنمارک                                             | ۱۰۰                              |
| جرمنی                                              | ۱۰۰                              |
| جاپان                                              | ۹۸                               |
| فلپائن                                             | ۷۰.۵                             |
| فرانس                                              | ۹۶.۵                             |

| کاشت                                         |                               |                |
|----------------------------------------------|-------------------------------|----------------|
| معدنیات                                      | مقدار                         | قیمت           |
| نک                                           | ۱۴۹۲۸۰۶ ٹن                    | ۱۰۷۷۴۳۴۳ روپیہ |
| کوبلٹ                                        | ۱۵۷۳۰۵۱۶ ٹن                   | ۵۵۷۷۴۳۴۳       |
| سونا                                         | ۵۸۵.۵۲ اونس                   | ۳۳۷۵۳۰۰۰       |
| پٹرول                                        | ۲۶۱۳۹۶۰۰۰ گیلن                | ۱۵۰۱۲۰۰۰       |
| قلی                                          | ۱۳۸۰۰ ٹن                      | ۱۸۳۰۰۰         |
| تانبہ                                        | ۵۷۴۴ ٹن                       | ۱۳۳۰۰۰         |
| کالٹا                                        | ۲۰۹۱ ٹن                       | ۱۱۵۰۰۰         |
| لوہا                                         | ۴۳۳۴۷۰ ٹن                     | ۵۹۸۰۰۰         |
| سیا                                          | ۱۱۹۴۸ ٹن                      | ۳۶۳۶۰۰۰        |
| مٹھائیں                                      | ۶۴۴۶۰۰ ٹن                     | ۱۵۷۷۵۰۰۰       |
| ابرک                                         | ۳۸۵۰۰ ٹن                      | ۱۳۲۰۷۰۰        |
| یاقوتہ زمر                                   | ۲۵۴۰۰۰ ٹن                     | ۷۸۸۰۰۰         |
| شوری                                         | ۳۷۳۰۰ ٹن                      | ۵۴۰۷۰۰۰        |
| چاندی                                        | ۶۰۳۰۰ ٹن                      | ۱۰۸۹۰۰۰        |
| مٹھائیں                                      | ۶۴۰۰ ٹن                       | ۳۸۵۰۰۰         |
| دُنیا بھر میں سونے کی پیداوار                |                               |                |
| مجموعی مقدار (ملا کر) ۱۹۲۳ء میں: ۳۰۶۰۲۶۰ کلو |                               |                |
| ملک                                          | دُنیا بھر میں سونے کی پیداوار |                |
| ٹرینسوال                                     | ۲۸۴۰۶۸                        |                |
| بھو دیسیا                                    | ۲۰۱۲۳                         |                |
| برطانیہ مشرقی افریقہ                         | ۶۵۳۲                          |                |
| اٹریلیا                                      | ۲۴۱۰۵                         |                |
| ہندوستان                                     | ۱۸۳۲                          |                |
| کینیڈا                                       | ۳۶۵۷۸                         |                |
| دلیات متحدہ امریکہ                           | ۷۷۲۹۲                         |                |
| میکسیکو                                      | ۲۴۲۶۱                         |                |

مطالبہ ہے۔ ہماری حکومت کا آئندہ سالوں میں بھی یہی مسلک ہوگا کہ ہماری جمہوریت کی عزت، قوت، استقامت میں اضافہ ہوتی ہوگی۔ قوم کی تمام قوتیں، خود اس کی ترقی اور خوشحالی میں منبج ہوں۔ ہمارے پیش نظر ہمیشہ ہی ہے کہ جمہوریت کی زندگی اور قوت برقی جائے، ہر داخلی دفاعی خطرے سے قوم کے مفاد کی حفاظت کی جائے، سب سے ہماری دوستی ہے۔ اس دامن کی کوششیں ہم ہر طرح کی ابداد حاصل کرتی رہیں گی۔ ہم چاہتے ہیں ہماری قوم، امن و سلامتی کے ساتھ ترقی کرے۔

غازی کے انتخاب کے بعد ملک بھر میں سرگرمی کے مظاہرے برپا ہوئے اور ہر جگہ ۲۱-۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ پھر غازی نے قوم کے نام سے اعلان شائع کیا:

”غریزان وطن! جمہوریت نے ترکی قوم کو خوشحالی اور برتری بنانے کی کوششوں میں جو عظیم کامیابی حاصل کی ہے، اس کی نظیر صدیوں کی تاریخ میں بھی موجود نہیں۔ قوم کی آرزوئیں، ضرورتیں، اس کی ترقی و مسادت کے اسباب کی تحقیق و بحث کے بعد جو نتائج جمہوریت پہنچی ہے، وہ قوم کے لئے ایک نہایت درخشاں مستقبل کی خوشخبری ہے۔ یہ ہے جو اس جمہوریت کے زیر سایہ بہت جلد آنے والا ہے۔ یہ بالکل یقینی ہے کہ جمہوریت کی آئندہ نسلوں، ہم سے کہیں زیادہ خوشحال اور خوش نصیب ہونگی۔“

”غریزان وطن! میرا اس دور جدید میں سب سے بڑا فرض یہ ہوگا کہ ملک میں ہر طرف امن و سکون اور زیادہ عام کردوں۔ قومی وحدت کو قوی کر دوں۔ جمہوریت کی عزت بڑھاؤں۔ ہمارے لائحہ عمل کی بنیادی اصل یہ ہو کہ ہم مجلس وطن کی قوانین کی تنفیذ ہی میں ہر طرح کی بہتری تصور کرتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ جمہوریت، جو اس ملک کا ایک باشندہ ہونے سے زیادہ کوئی وقت نہیں دے سکتا، اپنے منصب کے عظیم اختیارات پورے غم و حزن کے ساتھ قوم کی بہتری اور مجلس وطن کے قوانین کی تنفیذ میں صرف کرے گا۔“

غازی کے اس آخری جملہ کو بہت اہمیت دی جا رہی ہے۔ کیونکہ اس اعلان سے انھوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ ترکی قوم کے ڈیکٹیٹر نہیں ہیں، جمہوریت میں خیال کیا جاتا ہے، بلکہ وہ سرسبز مجلس وطن کے قوانین کے پابند اور ان کی تنفیذ کرنے والے ہیں، حالانکہ ڈیکٹیٹر کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ کسی بھی قانون کی پابند نہیں ہوتی۔ اس کی زبان، ہی اس کی نظریں قانون ہوتی ہے۔

نیز اپنی اس تقریر سے غازی نے ان تمام لوگوں کو بھی جواب دے دیا جو موجودہ جمہوریت کو ملکیت کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ تمام سوانح صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا، ترکی قوم کے بادشاہ بننے والے ہیں۔ اب اس تقریر کے بعد ہی کو یہ خیال کرنے کی جرات باقی نہیں رہے گی۔

سازشوں کو سزا

اپنے ایک پچھلے کتبہ میں اس سازش کا ذکر بھی ہوں جو یونان میں پناہ گزین چند ترکی مجرموں نے غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے قتل کے لئے کی تھی۔ یہ لوگ، حاجی سائی بیک کی زیر قیادت، یونان سے ترکی میں آئے تھے کہ غازی جب استانبول سے انکھڑے داپس جائیں تو ان کی گاڑی، ڈانٹا میٹ سے آرازیں، پھر سابق خلیفہ عبدالعزیز کے نام پر انکھڑے حکومت پر قبضہ کر لیں۔

لیکن ان کی سازش، بردت کھل گئی۔ پولیس سوائیکس مرکز میں حاجی سائی بیک کو اس کے دفاع، قید ہو گئے۔ عدالت نے تحقیقات کے بعد انھیں پھانسی کی سزا کا حکم سنایا۔ غریب اس کا اجرا ہونے والا ہے۔

### ترکی کی آبادی

ترکی کی پہلی مردم شماری کے سرکاری اعداد و شمار اب شائع ہو گئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ آبادی، ۱۳۶،۰۰۰،۰۰۰ سے بھی زیادہ ہے۔ یقیناً یہ اعداد، ترکی کے تمام دوستوں کے لئے موجب مسرت و اطمینان ہیں کیونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پچھلی سلسل اور طویل جنگوں کے بعد ترکی کی آبادی صرف ۸۰ لاکھ نہ گئی ہو۔

ترکی اور امریکہ

قارئین الملک دانت ہر جگہ ہیں کہ امریکہ نے سابقہ دوزان قبیلہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے سنی یہ تھوکر کی امداد امریکہ کے امین

سابقہ حالت جنگ بدستور قائم تھی۔ لیکن اب یہ یقین کرنے کے بعد کہ ترک ان سیاسی چالاکیوں سے فریب کھانے والے نہیں ہیں، امریکہ نے از سر نو دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی خواہش کی ہے۔ چنانچہ اس نے مسٹر تروڈ کو اپنا سفیر بنا کر انکھڑے بھیجا ہے۔ ترکی نے بھی امریکہ کی دوستی طلبی کا خیر مقدم کیا ہے اور مختار بیک کو سفیر مقرر کر کے واشنگٹن روانہ کر دیا ہے۔

### ترکی میں زلزلہ

ترکی کا جدید میزانیہ، ۲۰۶۲۹۱۶۱۹ پونڈ (ترکی) ہے۔ پچھلے میزانیہ ۱۹۴۴۹۶۶۱۹ پونڈ (ترکی) تھا۔ اس میزانیہ میں دینی شہ کے لئے

### برطانی ہندوستان میں مدرسہ جانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد درج ذیل ہے

| ۱۹۰۱ء میں لڑکے | مدرس           | بھٹی           | بنگلہ          | یوپی           | پنجاب          | سی پٹی         | ہریانہ اور ڈیرہ | آسام           | برما           |
|----------------|----------------|----------------|----------------|----------------|----------------|----------------|-----------------|----------------|----------------|
| ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے  | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے |
| ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے  | ۱۹۰۱ء میں لڑکے | ۱۹۰۱ء میں لڑکے |

### برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہیں ۱۹۰۱ء میں

| کالج               | خاص فیکلٹی | قانون | ڈاکٹری | انجینری | ٹرننگ | زراعتی | بیٹری | تجارتی | تجکون کی تعلیم | ہائی اسکول | انگریزی اسکول | سی پٹی اسکول | ابتدائی مدارس | مجموعی لڑکے |
|--------------------|------------|-------|--------|---------|-------|--------|-------|--------|----------------|------------|---------------|--------------|---------------|-------------|
| آرٹس اور سائنس ۲۱۱ | ۷۷۰۴       | ۱۳    | ۸      | ۷       | ۲۱    | ۵      | ۳     | ۱۲     | ۲              | ۲۹۰۴       | ۳۲۲۰          | ۲۲۹۰         | ۱۷۵۹۶         | ۷۷۰۴        |
| مرکز               | ...        | ...   | ...    | ...     | ...   | ...    | ...   | ...    | ...            | ۲۲۶۰       | ۲۹۶۸          | ۲۸۵۳         | ۱۵۰۹۱۹        | ۷۷۰۴        |
| زناہ               | ...        | ...   | ...    | ...     | ...   | ...    | ...   | ...    | ...            | ۲۳۴        | ۲۵۲           | ۲۴۶          | ۲۴۶۷۷         | ۷۷۰۴        |
| مدارس              | ۳۸۱        | ۱     | ۲      | ۱       | ۵     | ۱      | ۱     | ۱      | ۱              | ۳۸۰        | ۲۵۰           | ...          | ۲۴۳۱۱         | ۷۷۰۴        |
| بھٹی               | ۲۲۲        | ۲     | ۱      | ۲       | ۱     | ۱      | ...   | ۱      | ...            | ۲۱۳        | ۲۶۵           | ...          | ۱۲۸۹۲         | ۷۷۰۴        |
| بنگلہ              | ۲۶۸۲       | ۳     | ۳      | ۱       | ۶     | ...    | ۱     | ...    | ...            | ۹۰۶        | ۱۵۷۵          | ۱۱۶          | ۵۰۲۵۰         | ۷۷۰۴        |
| یوپی               | ۴۵۱        | ...   | ...    | ...     | ۳     | ۱      | ...   | ...    | ...            | ۱۹۰        | ۱۱۲           | ۶۸۵          | ۱۸۷۹۲         | ۷۷۰۴        |
| ہریانہ اور ڈیرہ    | ۴۵۲        | ۱     | ...    | ...     | ۲     | ...    | ...   | ...    | ...            | ۱۲۷        | ۲۸۷           | ۲۱۹          | ۲۹۳۷۷         | ۷۷۰۴        |
| پنجاب              | ۲۳۴۵       | ۱     | ۱      | ۱       | ۳     | ۱      | ...   | ...    | ...            | ۲۷۳        | ۲۱۱           | ۱۲۷۳         | ۶۵۹۱          | ۷۷۰۴        |
| سی پٹی             | ۵۰         | ۱     | ...    | ...     | ۱     | ...    | ...   | ...    | ...            | ۵۰         | ۱۶۳           | ۳۵۰          | ۲۲۹۵          | ۷۷۰۴        |
| آسام               | ۱۲۰        | ۱     | ...    | ...     | ...   | ...    | ...   | ...    | ...            | ۴۷         | ۱۵۲           | ۱۵۲          | ۲۵۹۷          | ۷۷۰۴        |
| برما               | ۵۴۵        | ...   | ...    | ...     | ...   | ...    | ...   | ...    | ...            | ۱۳۳        | ...           | ۱۳۳          | ۱۱۶۸          | ۷۷۰۴        |

### برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہوں کی آمدنی ۱۹۰۱ء میں

| صوبے            | سرکاری امداد | پورے فنڈس | نیو پبلک | فیس  | ادھر فراہم | مجموعی رقم |
|-----------------|--------------|-----------|----------|------|------------|------------|
| مدارس           | ۷۷۰۴         | ۷۷۰۴      | ۷۷۰۴     | ۷۷۰۴ | ۷۷۰۴       | ۷۷۰۴       |
| بھٹی            | ۷۷۰۴         | ۷۷۰۴      | ۷۷۰۴     | ۷۷۰۴ | ۷۷۰۴       | ۷۷۰۴       |
| بنگلہ           | ۷۷۰۴         | ۷۷۰۴      | ۷۷۰۴     | ۷۷۰۴ | ۷۷۰۴       | ۷۷۰۴       |
| یوپی            | ۷۷۰۴         | ۷۷۰۴      | ۷۷۰۴     | ۷۷۰۴ | ۷۷۰۴       | ۷۷۰۴       |
| پنجاب           | ۷۷۰۴         | ۷۷۰۴      | ۷۷۰۴     | ۷۷۰۴ | ۷۷۰۴       | ۷۷۰۴       |
| برما            | ۷۷۰۴         | ۷۷۰۴      | ۷۷۰۴     | ۷۷۰۴ | ۷۷۰۴       | ۷۷۰۴       |
| سی پٹی          | ۷۷۰۴         | ۷۷۰۴      | ۷۷۰۴     | ۷۷۰۴ | ۷۷۰۴       | ۷۷۰۴       |
| ہریانہ اور ڈیرہ | ۷۷۰۴         | ۷۷۰۴      | ۷۷۰۴     | ۷۷۰۴ | ۷۷۰۴       | ۷۷۰۴       |
| آسام            | ۷۷۰۴         | ۷۷۰۴      | ۷۷۰۴     | ۷۷۰۴ | ۷۷۰۴       | ۷۷۰۴       |
| میزان کل        | ۷۷۰۴         | ۷۷۰۴      | ۷۷۰۴     | ۷۷۰۴ | ۷۷۰۴       | ۷۷۰۴       |

تجربہ کار - انجمن اتحاد (جامعہ اسلامیہ) نے طے کیا کہ اگر سال ایک تحریری مقابلہ کیا جائے جس میں بہترین مضمون نویس کی جانب سے جواہر نصاب الفارسی، ایم۔ اے، ایل، ایل، بی، ڈی، ایل کی جانب سے جو کچھ ضروری ہو اور ملک کو شہرہ پزیر ہو۔ (۲) مضمون اسلام پر مشتمل ہو مگر ناظم انجمن اتحاد جامعہ اسلامیہ قبول یا رد فی کے پتے سے آجایا جائے۔ (۳) طلباء اور دیگر تمام حضرات اس حصے سے ہٹ گئے ہیں۔ مندرجہ ذیل حضرات سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ بہترین مضمون نویس کا فیصلہ کریں، مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے، ناظم انجمن ترقی آراء، اورنگ آباد، دکن۔ مولانا عبدالمصاحب، بی۔ اے، میرٹھ، لکھنؤ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں حسامی، بی۔ اے، بی۔ ایچ۔ ڈی (برلن)، شیخ المجاہد۔ مضمون کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے امید ہے کہ ملک کے اکثر اہل علم اور طلباء اس طرز پر توجہ فرمائیں گے۔

”ناظم انجمن اتحاد“



بے خبر ہو، یا اسلام بہت لگنے میں اُسے عاریس!

بہر حال تعمیرِ اسلامی احکام تو انین کی یہ تعبیر ان لوگوں کے لئے جو اسلام کے نظامِ شرع سے واقفیت نہیں رکھتے، سخت غلط فہمی کا باعث ہو جاتی ہے۔ وہ عیس مسیح سمجھ سکتے کہ ان کے اسلامی قانون سونے کے معنی کیا ہیں؟ اور ان کی نوعیت عقائد و عبادات کے شرعی احکام سے کس طرح مختلف ہے؟ بلاشبہ تعبیر و سیات کے بے شمار احکام ہیں جو فقہاء اسلام نے عیس مسلمان قانون سازوں نے دقتاً فوقتاً وضع کئے، اور مختلف عہدوں میں ان دقتوں کے احوال و ظروف کے مطابق ان کا اجراء نفاذ ہوتا رہا۔ یہ تمام قوانین آج بھی قانونِ اسلام کی کتابوں میں موجود ہیں، اور انھیں اسلامی قانون ہی کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ اسلام کے اصولی اور اجمالی مبادیات ہی سے نکلے گئے ہیں۔ لیکن ان کے ”اسلامی قانون“ ہونے کی نوعیت وہ نہیں ہے، جس نوعیت کے قوانین عقائد و عبادات کے ہیں۔ دونوں کا فرق کی حیثیت سے واضح ہے:

اولاً، تغیر و دیات کے تفصیلی قوانین کا براہِ حصہ براہِ راست شریعت کا ٹھہرایا ہوا نہیں ہو، بلکہ قانون سازی کے طریقوں پر شرعی اصول و مبادیات سے استنباط کیا ہوا ہو۔ اس بارے میں اسلام نے جو نظام تشریع اختیار کیا تھا، وہ یہ نہیں تھا کہ تینوں کے فراسیتی مجموعہ قوانین یا تغیرات ہند کی طرح اُسے تمام تفصیلی اور جزئی قوانین کا ایک مجموعہ بنا کر نافذ کر دیا ہو۔ اگر وہ ایسا کرتا، تو دنیا کا عالمگیر مذہب نہ ہوتا۔ محض کسی ایک قوم اور عہد ہی کا مذہب ہو سکتا تھا۔ پس اُسے جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ تفصیلات و جزئیات سے قطع نظر کر لی گئی، اور صرف ایسے اصولی اور اجمالی مبادیات وضع کر لئے گئے، جن سے حسب ضرورت ہر طرح کے تفصیلی قوانین کا استخراج کیا جاسکتا ہو۔ اصل شرعی اس بارے میں یہ تھی کہ جمیت بشری کی استعداد و ضرورت کے مطابق عدل و سعادت کا نظام قائم رہے اور مفاسد کے رد کا نظام اور مصالح کے حصول کے لئے جن جن وسائل کی ضرورت ہو، وہ صحیح طریقہ پر کام میں لائے جاسکیں۔ اسلامی حکمران کی ابتدا ایک محدود رقبہ اور محدود احوال و ظہور میں ہوئی تھی۔ اس لئے تغیر و دیات کی تفصیلات میں بھی زیادہ پھیلاؤ نہیں ہوا تھا۔ پھر جوں جوں دائرۂ اقتدار وسیع ہوتا گیا اور تغیر و دیات کی نئی نئی ضروریات پیش آتی گئیں، مصلحتیں اسلام تفصیلی قوانین اختیار بھی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ہر طرح کے تغیری قوانین کا ایک مکمل ذخیرہ مدفن ہو گیا۔ پس اگرچہ یہ تمام تفصیلی قوانین بھی اپنی اصل کی بنا پر شرعی قوانین ہیں، لیکن یہ ظاہر ہو کہ اسلام کے براہِ راست احکام نہیں ہیں، اور اسلام کے براہِ راست احکام میں اور قانون سازوں کے استنباط کئے ہوئے احکام میں جو بنیادی فرق ہو، اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ اسلام کی طرف دو دونوں کی نسبت، ایک طرح کی نسبت نہیں ہو سکتی۔ پہلے قسم کے احکام اس کے براہِ راست ٹہرائے ہوئے ہیں۔ دوسری قسم کے قوانین امتین کے استنباط کئے ہوئے ہیں اور بنا اوقات ان میں اور اسلامی اصول و مبادیات میں مشابہتیں نظر آتھیں اور قیاس و استخراج کی قطع ہو گئی ہیں۔

ثانیاً، یہ بات بالکل ٹھکی ہوئی ہے کہ یہ قوانین فقیر ریاست کے قوانین تھے، اور فقیر ریاست کے قوانین سلطنت کے لیے بڑے ہیں، عام افراد امت کے لئے نہیں ہوتے۔ یعنی نازد روزہ کے احکام کی طرح ان کا خطاب افراد سے نہیں تھا۔ اسلامی سلطنت سے تھا۔ نازد روزہ کے احکام واجبات و فرائض ہیں اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ انہیں ادا کرے۔ لیکن یہ احکام فقیر ریاست کے قوانین ہیں۔ واجبات و فرائض نہیں ہیں۔ اس لئے

ایک ناممکن بحث کی تکمیل

(از مولانا ابوالکلام)

اب کہ ایک عرصہ کی علالت کے بعد اس قابل ہوا ہوں کہ التمال کے لئے وقت نکال سکوں، سب سے پہلے مجھے ان صفحات کی ایک انعام بحث مکمل کر دینی چاہئے۔ یہ ایک طالب حق کے استفسار کا جواب تھا، جو کہ مستفسر کو مختصر لکھ کر بھیج دیا گیا تھا لیکن التمال میں انعام رہ گیا۔

استفسار حسب ذیل سوالات کی شکل میں تھا:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہو کہ جو شخص باغی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے اسے فوراً قتل کر دینا چاہئے اور جن مسلمان کے سامنے ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہو کہ اُسی وقت اُس کا سر اڑائے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہو کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر اسلام کے خلاف بدزبانی کرے تو جب تک اس کے تمام ہم قوم (جنھوں نے شاید اُس بدزبانی کرنے والے کا نام بھی نہ سنا ہوگا) اس کو برا بھلا نہ کہیں تمام قوم کا بائیکاٹ کر دینا چاہئے اور اپنی ہستی سے بیکار ہو جانا ہو۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہو کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو اسے گلا گھونٹ کر مار دینا چاہئے جیسا کہ مولانا محمد علی صاحب نے فرمایا؟

(۴) آپ کے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہو کہ ہندوستان میں ایسا قانون بنا چاہئے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر دینا چاہئے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہو کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مان لے اور اسے افسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے اور اسے جہانی سزا دلانے پر آمادہ ہو جائے؟

(۶) جو کہ میں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان ماری صاحبان لکھتے آئے ہیں اور اس میں بھیجا رسول حبیبی زبان استعمال کی گئی ہو، کیا؟  
بھی اسی طرح کے ستم کے مستحق نہیں ہیں حبیبی بھیجا رسول اور رسالہ در تمان ہیں؟

(۷) سود و سود برس سے جو سیکرڈل عیسائی شہری اسلام کے خلاف سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اس وقت ہزاروں کی تعداد میں وہ موجود ہیں، کیوں ان کے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں دکھایا گیا جس قدر اس موقع پر دکھایا گیا ہو؟

فقہ اسلامی کے تغیری قوانین  
قبل اس کے کہ اصل سوال کا جواب دیا جائے، دو باتیں بطور  
مقدمہ کے صاف کر دینی ضروری ہیں :

(۱۱) جب کبھی تئیر دیاست کے کبھی ایسے معاملہ میں جیسا کہ یہ معاملہ ہو، اس طرح کی تعبیر بیان اختیار کی جاتی ہو کہ ”اسلام کا قانون یہ ہے“ اور ”شرعیات اسلامی کا حکم یہ ہے“ تو قدرتی طور پر ان تمام لوگوں کو جو اسلام کے نظامِ شرع سے واقفیت نہیں رکھتے، ایک سخت غلط فہمی واقع ہو جاتی ہو۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح اسلام نے اپنے پیروں کو بتانا چاہا ہے اور وہ کہنے کا حکم دیا ہو، اسی طرح تئیر دیاست کے

بھی یہ احکام دیدئے ہیں۔ مثلاً جب ایک غیر مسلم سنا ہو کہ "اسلام کے قانون میں پیغمبر اسلام، صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کی سزا قتل ہے" تو وہ خیال کرنا ہو، اسلام نے اپنے پیروں کو حکم دیا ہو کہ جہاں کوئی غیر مسلم ایسی بات منہ سے نکالے جس سے اُنکے خیال میں توہین ہوتی ہو، تو فوراً چا تو سنا لیں اور اُس کا گلا کاٹ کے رکھ دیں! حالانکہ اسلام کی ہنرت ایسی مجوزانہ تعلیم کا تصور بھی کرنا، اُس کے خلاف سخت سے سخت انتہام ہے۔ لہٰذا اب اگر اسلام کی ایسی تعلیم ہو، اور اُس نے اپنے پیروں کو قتلِ انسانی کا عام پروانہ دیدیا ہو۔ اسلام کے نزدیک تو انسان کی زندگی سے بڑھ کر دنیا کی کوئی چیز بھی محترم نہیں یہ قبل نفس کو انسان کی سب سے بڑی شقاوت قرار دیتا ہو۔ اُس کی کتاب اپنے معجزانہ اندازِ بلاغت میں اعلان کرتی ہو کہ نوعِ انسانی کے کبھی ایک ذکاوت قتل، ذکاوت قتل نہیں ہو، نوع کا قتل ہو:

جس کسی نے کسی انسان کو بغیر ان کے  
حالتوں کے قصاص لیا ہو یا قتل  
خونریزی اور ظلم و سادہ رو کیا ہو، قتل  
کر دیا، تو وہ مرتکب ایک جہان ہی کا  
قابل نہیں ہو بلکہ تمام انسانوں کا  
قابل ہو۔ اور اسی طرح جس کسی نے  
ایک انسان کو ہلاکت سے بچا لیا، تو

اُسے صرف ایک فرد انسانی ہی کی جان نہیں بچائی۔ بلکہ تمام نفع انسانی کو زندگی بخشی!

بلاشبہ اسلام نے خاص خاص صورتوں میں قتل کی اجازت دی ہو۔ صرف اجازت ہی نہیں دی ہو بلکہ بغیر کسی جذبہ اعتدال کے کہا جاسکتا کہ اگر کسی کو قتل کر دیا جائے تو اس کی جگہ دس نئے انسان پیدا ہوں گے۔ لیکن وہ صورتیں وہی ہیں جن میں نہ صرف اسلام نے قتل کی اجازت دی ہے بلکہ دنیا کے مالک، اخلاق و انسانیت نے بھی قتل انسانی کے ناگزیر سونے کا احقرت کیا ہو۔ قتل انسانی کی یہ ناگزیر صورتیں اس لئے گوارا نہیں دی گئی ہیں کہ انسانوں کو قتل کیا جائے، بلکہ اس لئے کہ انسانوں کو بچایا جائے:

ولکم فی القصاص حیاتاً وادی  
 ایسا قتل جو قاتل کو ایسا قتل  
 کا بدلہ ہو! (۱۶۰:۲)  
 لیکن فی الحقیقت اس میں انسانی زندگی کی حفاظت پریشہ ہو!  
 قرآن بتاتا ہے کہ یہ ناگزیر موجد تین ہیں: جنگ، قصاص، اور ایسے  
 جرائم کا اسناد و جن کا اسناد بغیر انتہائی منہ کے ممکن ہے۔ ان میں سے کوئی  
 کے علاوہ کسی حال میں بھی اسلام خدا کی اُس بنائی ہوئی مخلوق کا خون  
 مانا برداشت نہیں کرتا جس کا نام انسان ہو جو شخص اس کو زائد قتل  
 انسانی کا جواز اُس کی طرف منسوب کرتا ہو، یہ ایسا تو اسلام سے قطعاً



صرف اسی حالت میں قابل عمل ہو سکتے ہیں جبکہ کوئی اسلامی حکومت موجود ہو، اور وہ اپنی عدالتوں میں انہیں نافذ کرے۔ اسلام نے احکام فقہاء پر (جیسے آج کل کے اُردو اخباروں کی زبان میں عدالت کا ردائی) "کنا چاہئے" اس قدر زور دیا ہے کہ شاید ہی اس حدیث دُنیا کی کسی قانونی حکومت نے اس قدر زور دیا ہو۔ اسلام کا نظم سیاست یہ ہے کہ "جرم" اور "عجز" ایک ایسی چیز جو جس کی تشخیص اور حکم بر حال میں صرف عدالت ہی کے ہاتھ میں ہو۔ عدالت کے ہوا کوئی نہیں جیسے کسی انسان کو "مجرم" قرار دینے، اور "سزا" دینے کا اختیار ہو۔ عدالت سے بھی مقتودہ بعض کوئی خاص عدالتی منصب نہیں ہو۔ بلکہ سماعت، شہادت، اور تحقیق و حکم کے وہ تمام مراتب ہیں، جن کے مطابق حاکم عدالت کو کارروائی کرنی چاہئے۔ اگر کسی معاملہ میں یہ تمام عدالتی کارروائی نہیں ہوئی ہو، تو خلیفہ وقت کو بھی اختیار نہیں ہو کہ اپنے علم اور مشاہدہ کی بنا پر کسی مجرم کو سزا دے۔ اگر خلیفہ وقت کے ذاتی علم و مشاہدہ میں کسی شخص کا کوئی جرم آگیا ہو، تو اس کی حیثیت محض ایک عدلیہ آگاہ کی ہوگی۔ اسی حیثیت سے اُسے عدالت کے سامنے کھڑا ہونا چاہئے۔ یہ عدالت کا کام ہے کہ اُسے دعوے آگاہی کی نسبت لئے قائم کرے۔

موجودہ زمانے کی قانونی اصلاحات میں بہت زیادہ زور اس اصل پر دیا جاتا ہے کہ عدالتی اختیارات انتظامی اختیارات سے علاوہ کوئی نہ ہوں۔ یعنی جو قوت "سزا" کے نافذ کرنے کا اقتدار رکھتی ہو، اُسے "مجرم" قرار دینے کا اختیار نہیں ہو، اور اس ایک نئی اصلاح نے حاکمانہ اور شخصی نا انصافیوں کی بے شمار راہیں بند کر رکھی ہیں۔ بلاشبہ ایک عظیم اصلاح ہو لیکن دُنیا کو معلوم نہیں کہ ساتویں صدی سبھی میں جبکہ دُنیا کے سب سے بڑے تمدن ملک روم کے قوانین کا یہ حال تھا کہ ایک ہی شخص جہت جبریل کے لازم پر الزام بھی عائد کرنا تھا اور جہت نوح کے اُسے سزا بھی دیدیتا تھا اسلامی حکومت میں نہ صرف عدالت کے اختیارات انتظامی مناسب سے الگ تھے، بلکہ اسلامی عدالتوں کو دقت کے حاکموں، گورزوں اور خود پادشاہوں پر بھی حکم دینے اور بارہ و دور رعایت سزا تجویز کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ ویسا ہی اختیار، جیسا اختیار وہ ایک عام باشندہ ملک کے لئے سزا تجویز کرنے کا رکھتے تھے!

اسلام نے تفریق ریاست کے باب میں عدالت کے نظام کو حق اہمیت دی ہے، اُس کا اندازہ صرف اس بات سے کر لیا جاسکتا ہے کہ مسلمان قانون سازوں میں ایک بڑی جماعت اس طرف تھی کہ کوئی آقا اپنے لوگوں اور غلام کو بھی بطور خود مقرر نہیں سے سکتا، اگرچہ قعد کہتا ہی بڑا اور سزا دیتی ہی ہلی ہو۔ اُسے چاہئے کہ باقاعدہ عدالتی چارہ جوئی کرے!

ظاہر ہے کہ تفریق سیاست کے بارے میں جن قانون کا یہ حال ہو، کیونکہ یاد کیا جاسکتا ہے کہ وہ عدالتی اور انتظامی نظم کے علاوہ کسی حال میں بھی سزا کا دینا جائز رکھ سکتا ہے خصوصاً قتل کی سزا جانتائی سزا ہو؟ آج اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود ہوئی، اور غیر کسی ادنیٰ تفریق کے وہی قوانین سیاست نافذ ہوتے جو ساتویں صدی آٹھویں صدی سبھی میں دمشق اور بغداد کی عدالتوں میں نافذ تھے اور ایسا ہوتا کہ ایک مسلمان ایک ذمی (غیر مسلم شہری) کو قتل کر دیتا تو یقیناً وہ اسی طرح قتل عدا کا مجرم قرار دیا جاتا، جس طرح دُنیا کی تمام عدالتوں کے نزدیک قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی نہ یقیناً نہیں کر سکتا تھا کہ اُسے ایک غیر مسلم انسان کا خون بہا کر اسلام کا کوئی مقدس فرض انجام دیا ہو۔

غرض کہ تفریق ریاست کے قوانین کا اسلامی قانون ہونا

فوجیت نہیں لکھتا، جو فوجیت اسلام کے شرعی واجبات و ذرائع کی ہے، اور چونکہ اس طرح کی تعبیر طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا کر دیتی ہے، اس لئے چاہئے کہ تعبیر و بیان میں احتیاط سے کام لیا جائے۔ بہتر اور واضح تعبیر اس طرح کے قوانین کے لئے یہ ہے کہ انہیں اسلامی حکومت کے قانون سے تعبیر کیا جائے۔ یا یوں کہا جائے کہ فقہاء اسلام نے اس طرح کا قانون قرار دیا تھا۔

(۲) دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے قوانین اس بارے میں کچھ ہی کہیں نہ ہوں، لیکن کیا بحالت موجودہ اُن کا ذکر موزوں اور بر محل ہو سکتا ہے؟ کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے کہ اس قسم کے مواضع پر اُن کا حوالہ دیا جائے اگرچہ وہ حوالہ حکومت کے مقابلہ میں کیوں نہ ہو؟ مجھے یقین تھی تامل کے اس کا جواب انہی میں دینا ہے۔ میرے خیال میں جن لوگوں نے اس موقع پر اس قانون کا حوالہ دیا، اُنھوں نے نہ صرف ایک غیر ضروری بات کہی، بلکہ بے محل اور غیر متعلق بات کہی، اور جب بھی کوئی بات بے موقعہ اور غیر متعلق کہی جائے گی، تو یقیناً طرح طرح کی غلط فہمیاں اور پیچیدگیاں ہی کا باعث ہوں گی۔ صلاح کار اور مددگار وقت کے مطابق نہ ہوں گی۔ خود اسلام کے شرعی ادب و علم کا دانتا کہ بھی یہ خلاف ہے کہ غیر علمی اور غیر دوقی صورتوں کا ذکر کیا جائے۔ یہ جو اُنہر سلف کی نسبت جا بجا منقول ہے کہ بعض دقیقہ سنجان فقہ کی ایسی کا دیش ناپند کرتے تھے جن میں غیر دوقی صورتیں پیدا کر کے بحث کی جاتی تھیں، تو اس کا بھی مطلب یہی تھا۔ کہنے کے لئے ہر موقع پر ہزاروں باتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ایک ایسی قانون پر کیا موقوف ہو؟ سیکڑوں قوانین دوسرے وقتوں اور حالات کے کتابوں میں بھرے پڑے ہیں لیکن یہ تو نہیں ہونا چاہئے کہ ہم ہندوستان کی موجودہ زندگی میں اُن کو بغیر کسی مناسبت کے حوالہ دیتے پھریں۔ خود اسلام کا نظم شرع ہے کہ ہر موقعہ اور حالت کا جو حکم ہو، وہی دقت کا اعلیٰ حکم ہوگا۔ اُسے خلاف جو کچھ ہو، وہ دقت کا حکم نہیں ہو۔ پس جب ایک بات موجودہ حالات سے شرعاً تعلق ہی نہیں رکھتی، تو اُس کا ذکر کرنا اور اُسے بنا کر قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

یہ ظاہر ہے کہ فقہ اسلامی کے جس قدر تفریقی قوانین غیر مسلموں کے متعلق ہیں، وہ سب ایک خاص قسم کی صورت حال سے تعلق رکھتے تھے۔ یعنی یہ کہ اسلامی حکومت ہوتی، اُسے غیر مسلموں کی حفاظت جان مال کا ذمہ لیا ہو، اور ذمیوں کے متعلق جو معاملات پیش آئیں، اُن میں اسلامی عدالتیں اپنے احکام نافذ کر سکیں۔ لیکن اب سب سے وہ صورت حال باقی ہی نہیں ہے۔ نہ تو ہندوستان میں اسلامی حکومت ہے۔ نہ شرعی ذمہ ہے۔ اور نہ ذمی ہیں۔ پس فی الحقیقت اُن قوانین کا موجودہ حالات سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ غیر مسلموں کو کس معاملہ میں سزا دینی چاہئے اور کس میں نہیں دینی چاہئے؟ یہ تمام تر اس اصل پر مبنی تھی کہ اسلامی حکومت نے فتح یا معاہدہ کے بعد غیر مسلموں کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، اور انھیں خاص شرائط پر ہر طرح کے شہری حقوق عطا کئے تھے۔ جو کہ حکومت نے نہ لیا تھا، اس لئے یقیناً اُسے حق بھی حاصل تھا کہ اپنے قوانین عدالت کے ذریعہ اُنکے معاملات کا فیصلہ کرے، اور اگر وہ ظلم و تعدی پر راز آئیں تو انھیں سزائے۔ لیکن اگر اسلامی حکومت موجود نہیں ہے، اور غیر مسلموں کا ذمہ باقی رہا ہو، تو ظاہر ہے کہ یہ تمام قوانین یک ظلم غیر متعلق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اب وہ ذمہ ہی باقی نہ رہا جس پر تفریق ریاست کے تمام قوانین مبنی تھے، اور نہ حکومت ہی باقی رہی جسے عدالتی نظام کے ذریعہ سزائیں نافذ کرنے کا حق تھا۔ پس موجودہ حالت میں ان قوانین کا ذکر کرنا، اور انہیں اسلامی قانون، اسلامی قانون کہہ کر

پکارنا کس قدر بے معنی بات ہے؟ ایسی ہی غلطیاں ہیں جن کی وجہ سے اسلام کی صورت فیروز کی نظر میں شہتہ ہو گئی ہے۔ اور اُس کی صاف اور روشن تعلیم پر طرح طرح کی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کے پورے پورے ہیں۔

### اصل سوال کا جواب

اصل مسئلہ کے متعلق جن نظموں میں سوال کیا گیا ہے، اُس کا جواب بغیر کسی تامل کے یہ ہے کہ نہ تو اسلام کا یہ قانون جو اُن کوئی ایسا قانون اسلام کا قانون ہو سکتا ہے۔

سوال کے الفاظ یہ ہیں:

"کیا واقعی اسلام کا یہ قانون ہے کہ جو شخص حضرت بانی (دعا) اسلام کے خلاف بدزبان کرے، اُسے فوراً قتل کر دینا چاہئے اور جس مسلمان کے سامنے وہ ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہے کہ اُسی دقت اُس کا سر رادے؟"

جواب یہ ہے کہ قطعاً نہیں، اور تفصیل اس کی ادھر گر چکی۔

البتہ مسئلہ کی ایک بالکل دوسری قسم کی صورت ہے، اور وہ بلاشبہ فقہ اسلامی کے قوانین میں جو ہے۔ وہ صورت یہ تھی کہ اگر ایک ذمی (غیر مسلم باشندہ) اپنے مذہب کے مجوزانہ تعصب کی وجہ سے، یا مسلمانوں کے بغض و عداوت کی وجہ سے، یا حکومت کی تحقیر و تذلیل کے لئے ایسا رویہ اختیار کرے کہ غیر مسلم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں بے وقار و شتم کرنے لگے۔ یعنی گالیاں بکھنے لگے۔ یا اس طرح کی بدزبان کرے لگے جو صرف بے وقار و شتم کا حکم رکھتی ہو، تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ فقہ کی ایک جماعت اس طرف تھی کہ اس طرح کے بعد اُس کا ذمہ و عداوتی نہیں رہا۔ یعنی اسلامی حکومت نے اُسے جس باہمی سلوک کے معاہدہ پر ہر طرح کے شہری حقوق اور مذہبی آزادی بخشی، اور اُس کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار ہوئی تھی، وہ خود اُس کی طرف سے شکست ہو گئی، اس لئے اُس کو قتل کرنا چاہئے۔ دوسری جماعت اس طرف تھی کہ اس کی وجہ سے عداوت نہ سخت نہیں ہوتی۔ اس لئے قتل کی سزا نہیں دی جاسکتی البتہ عدالت کو اختیار ہے کہ وہ مصلحت کے مطابق ایسی کارروائی کرے جس سے اس کا سبب اب ہو جائے۔ پہلی لئے حضرت امام مالک، امام احمد، اور امام شافعی کی (کتاب الامم میں) ہو۔ دوسری لئے حضرت امام ابوحنیفہ کی ہو اور حنبلیہ شافعیہ میں سے بھی ایک جماعت اسی طرف تھی۔

جو فقہاء اس طرف تھے کہ اس صورت میں قتل کرنا چاہئے، اُنھوں نے جن حالات میں اور جن وجوہ کی بنا پر ایسا حکم تجویز کیا، ضروری ہے کہ تحقیر طرز پر اسے سمجھ لیا جائے۔ لیکن اسکی وضاحت اُس وقت تک نہیں ہو سکتی، جبوقت تک کہ یہ بات واضح نہ ہو جائے کہ ایسی حکومت میں غیر مسلموں کی حیثیت کیا قرار دی گئی تھی، اور شرعاً ذمہ اور ذمی سے مقتودہ کیا ہے؟ مختصر نظموں میں اس کی تشریح حتمی ہے۔

### اسلامی حکومت اور غیر مسلم

چھٹی صدی سبھی میں جب اسلام کا ظہور ہوا، تو مذہب امتداد کا عقلا انسانی قتل و خونریزی کا سب سے بڑا باعث تھا۔ دُنیا کی کوئی قوم ایسی نہ تھی جو حکومت کا اقتدار حاصل کر کے دوسرے مذہب کے پیروں کے ساتھ انصاف کر سکتی ہو جس مذہب کے پیرو طاقت و حکومت حاصل کر لیتے تھے، وہ اپنے مذہب کے سوا اور کسی مذہب کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ رومیوں کی قوم اُس عہد کی سب سے بڑی متمدن قوم تسلیم کی گئی ہے، لیکن اُس کا بھی یہ حال تھا کہ جبوقت تک اپنے تعلیم مذہب پر قائم رہی، یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے اُس نے نہ تھا۔ جب بھی مذہب قبول کر لیا، تو تمام غیر مسلمی و عیال و زندگی اور عیش و



حقوق سے محروم ہوگی!

لیکن اسلام نے مذہب اور اعتقاد کی آزادی کا اعلان کیا۔ آخر مذہبی رواداری اور انسانی حقوق کی ایک ایسی فضا پیدا کر دی، جس کا اُس وقت تک دنیا میں کوئی نمونہ موجود نہ تھا۔ ۵۰ برس کے بعد جب اسلامی حکومت کا دائرہ اختیار وسیع ہوا، تو یہ ایک ایسی مملکت بنی جو اگرچہ خاص ایک مذہب کے پیروں کی تھی، لیکن اُس میں حکمران قوم کے دوش بدوش ہر مذہب ملت کے لوگ آباد تھے، اور سب کو بلا امتیاز ایک ہی طرح کے شہری و ملکی حقوق حاصل تھے۔ مذہب، اعتقاد کے اختلاف کی بنا پر کوئی انسان دوسرے انسان کے انسانی و ملکی حقوق تلف نہیں کر سکتا تھا!

جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہو، اسلام کا طریق عمل یہ تھا کہ اُسے فتح مکہ کے بعد عرب کی قدیم رستی کے اقرار سے توسل کر دیا۔ کیونکہ فی الحقیقت اب غلام اُس کا کوئی وجود باقی نہیں رہا تھا۔ تمام قبائل عرب بہ رضا و رغبت مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن باقی تمام غیر مسلم اقوام کے لئے یہ حکم دیا کہ وہ اسلامی حکومت کے تحت اُسی طرح زندگی بسر کر سکتے ہیں، جس طرح خود مسلمان اُتے رہتے ہیں۔ یہ حیثیت شہری ہونے کے انھیں وہ تمام حقوق حاصل ہوئے، جو خود مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ مذہبی اصطلاح میں انھیں ذمی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ اسلامی حکومت نے اُن کی حفاظت جان مال اور مذہبی آزادی و حقوق کے قیام کا ذمہ لیا تھا۔ اصل اس بارے میں وہ طرز عمل جو خود غیر مسلم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غیر مسلموں کے ساتھ وقتاً فوقتاً اختیار کیا تھا، اور اُن کے بعد خلفاء راشدین اُن پر عامل رہے تھے۔ ایران، شام اور مصر کی فتح کے بعد وہاں کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ جو معاملے ہوئے گئے، وہ آج تک تاریخ و فقہ میں موجود ہیں۔ فقہاء نے انھیں ذمیوں کے حقوق کے مسائل کا استنباط کیا ہے۔

اسلامی احکام کی روش سے غیر مسلم باشندوں کے جن حقوق کا بطور عمدہ خیانت کے ذمہ لیا گیا تھا، وہ محقق غفلوں میں حجبیل ہیں:

(۱) انھیں پوری مذہبی آزادی ملے گی۔ اُن کی مذہبی عبادت گاہیں اور ہر طرح کی مذہبی عمارتیں محفوظ رہیں گی۔ صلیبوں اور مورتیوں کو نقصان نہیں پہونچایا جائے گا۔ وہ منکر ہونے سے نہیں روکے جائیں گے۔ وہ اپنے ہتھوڑوں میں اپنے جلیس بٹھال سکیں گے۔ تمام مذہبی عہدے اور انتظامات اُسی طرح قائم رکھے جائیں گے، جس طرح بیشتر سے ہوئے ہیں۔ کاغذیہ کا کاغذ علیہ۔

(۲) انھیں اُنکے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا (بلا ذریعہ فتوح البلدان میں یہ الفاظ لکھے ہیں: «لا یفتنوا عن دینهم»)

(۳) اُن کی جان مال اور ہر طرح کا جائیداد محفوظ رہے گی۔ نہیں اُس میں نصرت کے تمام حقوق حاصل ہوں گے۔ اگر اُن کا کوئی دشمن اُن پر حملہ کرے گا تو مسلمان اُن کی طرف سے لڑیں گے۔

(۴) اُن کا کوئی حق چھینا نہیں جائے گا۔

(۵) انھیں اُن کے مذہبی احکام کے خلاف کسی بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(۶) قانون کی نظر میں اُن کی جان مسلمانوں کی جان کی طرح، ہوگی اور اُن کا مال مسلمانوں کے مال کی طرح سمجھا جائے گا۔

(۷) تجارت، کاروبار، اور معیشت میں کسی طرح کی روک مائدینس کی جائے گی۔ اُنکے ساتھ دوسرا ہی سلوک ہوگا، جیسا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہوگا۔

(۸) وہ اُن تمام مکتبوں کے معائنہ رکھ جائیں گے جو مسلمانوں کے لئے قرار دیے گئے ہیں (ان سے منبر چھین نہیں لیا جائے گا۔

(۹) وہ فوجی خدمت سے بھی معاف رکھے جائیں گے۔

یہ اُن معاہدات کا خلاصہ جو خود غیر مسلم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غیر مسلموں سے کئے تھے۔ مثلاً بحران کا معاہدہ جو شہرہ جہری میں ہوا تھا، اد جس کے قریبے الفاظ فتوح البلدان اور کتاب الفرج وغیرہ میں موجود ہیں۔ لیکن خلفاء راشدین کے زمانے میں جب مشرق کے بڑے بڑے متمدن ممالک فتح ہوئے، اور جو سیول اور عسائیوں کی بے شمار آبادیاں اسلام کے تحت آئیں، تو ان محل شرائط میں اور زیادہ تفصیل ہوئی، اور مذہبی، ملکی، اور معاشرتی آزادی و حقوق کی وہ تمام باتیں پوری صراحت کے ساتھ تسلیم کر لی گئیں، جو آزادانہ شہر کے لئے اُس عہد میں ہوسکتی تھیں۔

یہ محض معاہدہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ ایک ایسا قطعی اور واضح طرز عمل تھا جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ مسلمانوں نے جس درجہ غیر مسلموں کے حقوق کا احساس رکھتے تھے، اُس کے اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابو بکر غنیمہؓ اُن سے لیکر حضرت علی (رضی اللہ عنہم) تک، چاروں خلیفوں کے وہ کلمات و نصیحتیں دیکھ لیں جو مرتے وقت اُن کی زبان پر طاری ہوئے تھے۔ اُن میں سے پہلے یہ جملہ نظر آئے گا: "غیر مسلموں کے حقوق کا خیال رکھنا، کیونکہ ہم نے اُن کا ذمہ لیا ہے"۔ ذمیوں کے مذہبی و ملکی حقوق کے عام اعتقاد و اقرار کا یہ حال تھا، کہ فی الحقیقت اُن کی جان مسلمانوں کی جان کی طرح اور اُن کا مال مسلمانوں کے مال کی طرح محفوظ تھا۔ آج اسلام کی نسبت علانیہ کہا جا رہا ہے کہ اُس کی نظروں میں ایک غیر مسلم انسان کی زندگی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اگر ایک مسلمان ایک غیر مسلم کو اس لئے مار ڈالے کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح اپنا مذہب پھیلا دیا جاتا ہو، تو یہ اسلام کی نظروں میں ایک مقدس جہاد ہوگا۔ لیکن کاش اُن مقررین کو معلوم ہوتا کہ یہی اسلام جو جسے اپنے عروج سلطنت کے زمانے میں جب دنیا انسانی جان و مال کے مساویہ حقوق کا تحلیلی نہیں کر سکتی تھی، اس قانون کا اعلان کیا تھا کہ امن کا نذر دقتنا، مذمہ

کندہنا، و دینہ کدیتنا، (مسلم) ایک غیر مسلم ذمی کا خون بھی دینا ہی حرم ہے جیسا ہمارا خون، اور اُس کا خون ہمارا بھی جیسا ہمارا۔ یہ صرف زبان ہی کا اعلان نہیں تھا، بلکہ قانون کا دائم جاری عمل بھی تھا۔ خلفاء راشدین کے زمانے سے لے کر اسلام کی آخری سلطنتوں تک، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ذمیوں کا قتل اس لئے جائز رکھا گیا ہو کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ خلفاء راشدین سے بڑھ کر اسلامی تعلیم کے کون بیکر ہو سکتے ہیں؟ لیکن ایک نہیں نبی شمار واقعات موجود ہیں جن میں حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) نے ایسے مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جنھوں نے کسی عیسائی یا مجوسی باشندے کو قتل کر دیا تھا۔

بہر حال اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ جس رواداری اور انسانی مساوات کا سلوک کیا، اُس کی کوئی مثال نہ تو اس سے پہلے مل سکتی ہو اور نہ اُس کے بعد۔ ایک یورپین مورخ (میدو) نے ان غفلوں میں اس کا اعتراف کیا ہے: "اسلام نے ذمیوں کو بجز ایک حق کے اُن تمام حقوق دیئے تھے۔ یعنی وہ پادشاہ نہیں ہو سکتے تھے"۔

ان تمام حقوق کے حادہ میں اسلامی حکومت اُن سے کیا چاہتی تھی؟ اس پہلو سے بھی مسائل پر غور کر لینا چاہئے۔ اسلامی حکومت، قدرتی طور پر اُن سے اس سلوک کی توقع رکھتی تھی کہ:

وہ حکومت کو اپنی حکومت تسلیم کر لیں گے، اور اس کے خلاف کبھی نہ

ملہ مائدہ ملی نے ہلایہ کی تحریک میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول اور ایک مفید فیصلہ کیا ہے جو انھوں نے اپنے زائد خلاف میں صادر کیا تھا، اور مسلمان قاتل کے قتل کا حکم دیا تھا۔

یا سازش میں حصہ نہیں لیں گے۔

مسلمان ہم وطنوں کے ساتھ شرافت اور رواداری کا برتاؤ کریں گے جس طرح وہ اُن کے ساتھ بہتر برتاؤ کرتے ہیں۔

وہ کوئی بات ایسی علانیہ نہیں کریں گے جس سے حکومت کی تہیں و تذلیل ہو یا حکومت کے مذہب کی تہیں و تذلیل ہو۔

کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص ان توہات کو بے اعتدال قرار دے سکتا ہے؟ چھٹی صدی مسیح کی دنیا میں جب اسلام نے اُن میں کا اعلان کیا تھا، اگر اسلامی حکومت غیر مسلموں کو ہر طرح کے مساویہ حقوق دیکر اُن سے اس طرز عمل کی توقع کرتی تھی، تو یقیناً یہ کوئی ظالمانہ طرز عمل نہ تھا۔ آج دنیا میں کون قوم اور مذہب ہو جو اپنی تاریخ کے صفحات میں اس طرح کے طرز عمل کی ایک مثال بھی دیکھا

### مسئلہ کی نوعیت

یہ اسلامی حکومتوں کا طرز عمل تھا، اور یہ ذمی اور اُن کا ذمہ تھا، جن کی نسبت سوال پیدا ہوا کہ اگر وہ غیر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں علانیہ اور صریح گالیاں بکھین لگیں، اور عدالت میں قطعی شہادت و دلائل سے یہ بات ثابت ہو جائے، تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟ فقہاء کی ایک جماعت اس طرف مائل تھی کہ ایسی جہلی اُنھیں قتل نہیں کرنا چاہئے۔ کوئی ایسی سزا دینی چاہئے جس سے اس شرارت کے بڑھنے اور پھیلنے کا سد باب ہو جائے۔ اہم القیہ اور فقہاء شافعیہ و حنبلیہ میں سے ایک جماعت کا یہی مذہب ہو سکتا ہے۔ صدیوں میں چترہ جزی جزی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں، انھیں فتح سننی ہی رہا۔ مثلاً ہندوستان کی حکومت مغلیہ اور مغلطیہ کی حکومت عثمانیہ۔ اس لئے تاریخ میں کی واقعات ایسے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی مذہب کے مطابق عمل کیا گیا۔ سلطان قطعی خاں چہارم کے زمانہ میں ایک اسی پر یہ الزام مائدہ کیا گیا تھا کہ اُس نے مسلمانوں کے ایک مجمع کے سامنے غیر مسلم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تم گرامی لیکر بکشت کیا۔ معاملہ شیخ الاسلام عبد اللہ آفندی کے سامنے پیش ہوا، اور اُنھوں نے مقدمہ کی سماعت کے بعد قید کرنے کا حکم دیا۔ سلطان کو جب اس معاملہ کا حال معلوم ہوا تو اُس نے شیخ الاسلام سے دریافت کیا: "کیا اس سے زیادہ سخت سزا سننی ہی جاسکتی تھی؟" شیخ الاسلام نے کہا: "شرعاً ہی سزا تجویز کر سکتا ہوں۔ اگر آپ کوئی دوسری سزا دینی چاہتے ہیں تو اپنے حکم سے دیکھئے"۔ سلطان خاموش ہو گیا!

لیکن فقہاء کی دوسری جماعت اس طرف مائل تھی کہ اس جہلی قتل کرنا چاہئے۔ امام مالک، امام احمد، اور امام شافعی سے ایسا ہی فتویٰ ملتا ہے۔ اُن کی نظر اس طرف تھی کہ اسلامی حکومت نے ذمیوں کو ہر طرح کے مذہبی، ملکی، اور معاشرتی حقوق دیئے ہیں، اور باشندہ ملک ہونے کے اعتبار سے اُن میں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا ہے۔ اس طرز عمل کے بدلے وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح انکے مذہب کا تحفظ کیا جائے، وہ بھی اسلام کا لحاظ رکھیں، اور کوئی آ علانیہ ایسی نہ کریں جس سے توہین و تذلیل غصہ ہو سکیں۔ اگر ایسی ذمیوں کی ایک جماعت ایسی ہو جو اسلام کا اتنا لحاظ رکھتی تھی تو اس میں نہیں کرتی کہ اُس کے غیر خود مسلمانوں کے ساتھ ہر طرح کی گالیاں نہ دی جائیں، تو ایسی جماعت بھی رعایت کی مستحق نہیں ہے اُسے قتل کرنا چاہئے۔

### خلاصہ بحث

یہاں تک جہد بیان کیا گیا ہے، اس سو داغ ہو گیا ہوگا کہ:

(۱) فقہ اسلامی کے جس قانون کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اسلام کا کوئی براہ راست مضمون قانون نہیں ہے، بلکہ تفسیر و سیاست کا ایک ذریعہ کم

## اعلان-۱

### قارئین الممال کے لئے

ہو جس خود فقہار کی رائے میں اختلاف ہوا۔ ایک جماعت نے اسے تجویز کیا ہو۔ دوسری کو اس سے اختلاف ہو۔ لیکن یہ فقہاء کا بھی کوئی مستند فیصلہ نہیں ہو۔

(۲) جو جماعت اس مسئلے کی طرف گئی کہ تہن کرنا جائز ہے، اس نے جن حالات میں یہ بات تجویز کی تھی، انھیں پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی منصف مزاج انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مذہبی تعصب کا کوئی مجوزانہ حکم تھا۔ یا اس سے مقصود یہ تھا کہ محض غیر مسلم ہونے کی وجہ سے مذہب کے بندوں کا خون بہایا جائے۔

(۳) علاوہ بریں یہ بھی ٹھیک نہیں ہے کہ اس قانون کا ذکر کرتے ہوئے ”توہین“ کا لفظ استعمال کیا جائے۔ ”توہین“ کا لفظ بہت زیادہ عام ہو۔ بہت سی باتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن سے ایک شخص کے خیال میں توہین محسوس ہو۔ دوسرے کے خیال میں نہ سمجھتی ہو۔ اسی کو فقہاء نے ”سب“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ”سب“ کے معنی ”ہر“ کے ہیں یا ”ایسے“ الفاظ کہنے کے ہیں جو ہرگز دشنام نہیں دیتے۔ (۴) پھر جو بھی ہو، یہ قطعی ہے کہ اس قسم کے توہین اور ان کی بھڑوں کو موجودہ حالات سے کوئی دور کی مناسبت بھی نہیں، جیسا کہ مقدمات میں گر چکا۔

(۵) باقی رہی وہ صورت حال جو اس قانون کے تذکرہ کا باعث ہوئی، تو اس کا حال یہ ہو کہ موجودہ زمانہ قلم اور پریس کی آزادی کا زمانہ ہو۔ بسا اوقات اس آزادی کا استعمال غلط طریقہ پر کیا جاتا ہے ہندوستان میں سب سے پہلے بعض بد زبان سچی شہریوں نے اسلام دشمنی اور اسلام کے خلاف اس قسم کی کتابیں لکھ کر شائع کیں جن کی ایک سطر بھی مذہب اور عقیدہ کے متعلق نہیں کہی جاسکتی۔ ان کے بعد آریہ سماج کے نئے شہری لگے۔ ان میں سے بھی بہتوں نے مذہبی حقیقت اور عقیدہ کے متعلق کچھ کہنے کا حق نہیں تسلیم کیا۔ ”زنگیلا رسول“ نامی رسالہ بھی اسی قسم کی ایک اخلاقی موت تھی۔ تقیہ حکومت اور قانون دقت کا فرض ہے کہ اس قسم کی دلائل و تحریروں کی اشاعت جائز نہ ہو اور جابریت جینی اور مذہبی دلائل و آراء میں امتیاز کرے، لیکن میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ طریق عمل پسند نہیں کرتا کہ مسلمان اپنی طبیعت پر انداز کی بنالیں، کہ جیسا کہ ٹیٹ پونجے نے ایک چار ورثی رسالہ لکھا کہ شائع کر دیا، ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک تمام مسلمان ہندو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کی کشتی غرق ہو گئی، اور ”تحفظ ناموس رسول“ کا سوال پیدا ہو گیا۔ غور و انداز، اگر حیدر جاہل اور کو چش انسانوں کے بلواس کر رہے ہیں، ”ناموس رسول“ کی حفاظت کا سوال پیش آئے۔ اسلام اور مسلمانوں کے لئے یہ کوئی مصیبت ہو۔ ایسا سمجھنا اسلام کی عزت و شرف اور مسلمانوں کی مذہبی خود داری کو اس درجہ خلاف ہے کہ میں سمجھ نہیں سکتا، کیونکہ ایک مسلمان اس کا تصور بھی کر سکتا ہو؟ اس قسم کا ایک رسالہ کیا سمجھی اگر ایک ہزار ایک ایک کہ رسالے بھی چھاپے گئے جائیں جو بھی غور و انداز اسلام اور داعی اسلام کے ناموس کے تحفظ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو کہ جس طرح ہمیشہ بری زبان اور برے اخلاق کے لوگ موجود ہیں، اب بھی موجود ہیں۔ اگر ان کی خبروں میں کوئی ایک سطر بھی ایسی موجود ہو جس میں کوئی سفیدہ اعتراض کیا گیا ہو، تو جانے کہ اس کا جواب دیا جائے۔ باقی جس قدر بد زبان ہو، وہ بحکم ”کائنات“ بد پریش خاندان“ انہی کے لئے چھوڑ دینی چاہئے۔



## اعلان-۲

(۱) مجھے نزات کے ساتھ اس کا اعتراف ہے کہ الممال کی اشاعت کے وقت صورت حال کا جو اندازہ کیا تھا، وہی اعتبار سے صحیح ثابت نہیں ہوا۔ سب سے زیادہ مجھ ہی صحت کی طرف سے پیش آئی ہیں۔ نے جب جب ارادہ کیا کہ الممال کے کافی وقت نکالوں صحت کی فوری ناموافقت دا منکر ہوئی، اہم قدم اٹھا کر رکھ کر جانا پڑا۔ (۲) میں ان دوستوں کا خصوصیت کے ساتھ شکر گزار ہوں جو

زیادہ تر میرے خاص مضامین کے شوق میں الممال کی دقت کو دیکھ کر کرتے تھے، تاہم انھوں نے رشتہ انتظار ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور برابر مطالعہ جاری رکھا۔ اگر میرے خاص مضامین کی قلت نہ رہی ہوتی تو بحیثیت مجموعی الممال کے مضامین کی کثرت اور متنوع کا جو اندازہ یکساں طور پر برابر قائم رہا ہو، وہ اس کے لئے کافی تھا کہ میں اس موقع پر معذرت کی ضرورت محسوس نہ کرتا۔

(۳) بہر حال ان دوستوں نے محسوس کر لیا ہوگا کہ جو بھی چھپی بیاری سے مجھے تھوڑی بہت ہمت ملی، میں نے الممال کے لئے لکھنا شروع کر دیا، اور اب امید ہے کہ توفیق الہی سے یہ سلسلہ فرید ترقی و توجہ کے ساتھ جاری رکھ سکوں گا۔ انوس ہو کہ وقت کے حالات و مسائل کے متعلق بے شمار ضروری باتیں شرح و بسط کے ساتھ لکھنی ہیں جو نہ لکھی جاسکیں۔ اب اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ جو کچھ باقی میں نہ ہو سکا، اس کے لئے مستقبل کی طرف نظر اٹھائی جائے!

(۴) مجھے چند الفاظ الممال کی موجودہ قیمت کی نسبت بھی کہنے ہیں۔ مسئلہ میں الممال کی قیمت بارہ روپیہ سالانہ اور سات روپیہ شش ماہی تھی۔ مسئلہ میں البلاغ بکھلا، تو اس کی قیمت بھی یہی تھی یہی قیمت اس مرتبہ بھی رکھی گئی۔ لیکن دو دنوں حالات میں جو عظیم فرق ہو چکا ہو، وہ شاید بہت کم لوگوں نے محسوس کیا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں محقر طور پر اس کی تشریح کر دوں۔

مسئلہ میں (یعنی جنگ سے پہلے) چھپائی کے تمام مصارف، موجودہ مصارف کے مقابل میں نصف سے بھی کم تھے۔ جنگ کے بعد سے جس طرح تمام چیزوں کی قیمت دو گنی سگنی ہو گئی ہیں، سالانہ طباعت کی بھی ہو گئی ہیں۔ مسئلہ میں الممال جس شہین پر چھپتا تھا، اس کی قیمت ۴ ہزار روپیہ تھی۔ اب بارہ ہزار ہے۔ مسئلہ میں الممال کے لئے جو کاغذ استعمال کیا جاتا تھا، اس کی قیمت تین روپیہ فی ریم تھی۔ اب اسی کاغذ کی سات روپیہ ہے۔ روشنائی جو اس وقت لگائی جاتی تھی، ڈیڑھ روپیہ فی پوٹ سے زیادہ کی نہ تھی۔ اب دہائی روشنائی ۴ روپیہ میں آتی ہے۔ اس وقت سینئر کمپوزٹریں کی تنخواہ زیادہ ہو زیادہ ۲۰ روپیہ اب ہوا ہے۔ اب اس تنخواہ میں کوئی جو نہیں بھی نہیں مل سکتا۔ تقویروں کے بلاک اس وقت ۴۰ روپیہ اسکو اڑیچ میں بنتے تھے اب انہی کی قیمت آٹھ آنے سے بھی زیادہ ہو۔ لیتھو کی چھپائی میں کتابت کی قیمت اس وقت ۴ روپیہ ہے۔ اب ۵ روپیہ ہے۔ زیادہ نہ تھی۔ اب دس روپیہ کی قیمت بھی اچھے خوشنویسوں کے لئے زیادہ نہیں ہے۔ ایسی حالت میں بے اسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ الممال کی قیمت مسئلہ میں قرار دی گئی تھی، وہ مسئلہ میں کیونکر موزوں ہو سکتی ہو؟ بیجا نہ تھا اگر اب بارہ روپیہ کی حکم ۲۴ روپیہ قیمت رکھی جاتی لیکن مناسب معلوم نہ ہو کہ سابقہ قیمت میں کسی طرح کا اضافہ کیا جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آجی شیعہ اشاعت رکھنے پر بھی جو اس وقت کسی اور سال کی نہ ہوگی، اب تک اس کے مصارف اور آمدنی کی میزان سادی نہ ہو سکی!

یہ بھی یاد ہے کہ مسئلہ میں اس کی صفات عام طور پر ۱۶ صفحوں کی ہوتی تھی۔ اور اب کم از کم ۲۴ ہے۔

یہ چند سطریں اس لئے لکھی گئیں کہ اگر بعض حضرات خیال کرتے ہیں کہ وہ ۱۲ روپیہ سالانہ یا ۴ روپیہ پر قیمت دیکر الممال کے ساتھ کوئی فیاضانہ سلوک کر رہے ہیں، تو امید ہے کہ اپنے اس خیال میں نظر ثانی کرنے سے انکار نہ فرمائیں گے!

ابوالکلام

# دہلی کے نامی اور نامور مشہور و مقبول خاص و عام اسم بائمی

ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی کا

مدیم الشال نادر الہود سرائی تحفہ

”ہمدرد، دہلی“

تار کا کافی تپہ

ماہ الحکم و دوا

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز جو وہ ظاہر ہو۔ لیکن تندرستی بھی ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے طاعت بلکہ بیکار ہو۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہو تو سب کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا نامہ کثیف کیا ہوا مارا لطف استعمال کیجئے اور پری میں شاب کا لطف اٹھائے یہ امر تو مسلم ہے کہ مارا لطف مقوی اروح ہو، بدن میں سچی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا بخارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاموشی کے ساتھ پردوں کو جھانکنا اور جہانوں کو فوجان بنانا جو اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے مل کر خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معلوم اور کتابی نہیں ہو بلکہ عالمی جناب شفاء الملک بسا اور غفران مآب میں اعظم دہلی کا خاص خانہ دانی نسخہ جو جناب مدوح نے بغرض رفاہ عام ”ہمدرد و دواخانہ“ کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ مارا لطف کا استعمال فرما کر خدا کی قدر کا شاہد کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر مستحب اور تورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہے۔ پہلک کو صحت اپنی لفاظی اور خوش بیا بی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض امور میں ہم کو اپنی کچی ہمدی کے بھار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اس شہناز دینا پڑتا ہے۔

مارا لطف کے استعمال کا یہی موسم ہو اور یہی زمانہ ہو شکائے اور آزمائے و تجربہ بناوے کا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ شک آنت کو خود بخود قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پا چھر دیر نی بول مقرر کی گئی ہو مگر اسکے چند اقسام کے حلوسے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افغان و خواص آپ نصرت میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ نصرت علیہ السلام جتنی تیار ہو صفت طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی تپہ۔ نسخہ ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی۔

مینجر ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی



جلد آرڈر دیجئے  
سونے کی چوڑیاں

زبردست ترعا  
یعنی

تین سو روپے کے بجائے سو روپے میں

مستورات کے لئے بہترین تحفے

نئی ایجاد : یہ نہایت خوبصورت نازک اور نقش چوڑیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ چونکہ ہمیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ ان کے اندر رنگین ریشمی چوڑیاں ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین جدید یا قوت یلم اور پھراج کے نیچے جڑے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے۔ لیکن رنگ رونق میں مطلق فرق نہیں آتا۔ نہ سیاہی دیتی ہیں۔ مستورات کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ صرف ایک روپیہ میں ۵۰ روپیہ کا کام نکالنا جاسکتا ہے دوسرے لوگ بھی چوڑیاں ڈھائی روپے کے ۸-۸ فروخت کرتے ہیں لیکن ہمارے زیادہ بکری اور ہتھوڑے منافع کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے قیمت بہت کم کر دی ہے۔ یعنی بارہ چوڑیوں کا سٹھ قیمت صرف ایک روپیہ اس شرط پر کم از کم ایک سٹھ ضرور منگوائے۔ کو اگر ناپسند ہوں تو واپس کر کے دام لے لیجئے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعدادیں روزانہ فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائے تاکہ اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔ گولڈن انگوٹھیاں، ہر ناپ کی نگار نہایت نفیس اور خوبصورت انگوٹھیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ خاص سونے کی انگوٹھی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں نکلتی۔ ایک انگلی میں یہ انگوٹھی پسینے اور ایک میں خاص سونے کی انگوٹھی کی ضرورت ہے۔ تو ہمارا ذہن کسی جوہری صراف کے پاس لے جائے۔ وہ بھی فوراً شناخت نہیں کرے گا۔ اگر آپ کو انگوٹھی کی ضرورت ہے۔ تو آپ کیوں نا ۲۵-۳۰ روپے منال کرتے ہیں، کیوں نہیں صرف ایک روپیہ میں کام لیتے ہیں۔ قیمت فی عدد ایک روپیہ۔ تین کے لئے ڈھائی روپیہ (بجرا) خط و کتابت کا پتہ۔ مینجر زمانہ کا روبرو لاہور۔

برص سفید داغ ۲۱ یوم میں جیسے غائب، درد نہ پوری قیمت واپس۔ اقرار نامہ دکھالیں کہ کیا خوراک جوئی سجاد اور ایک شیشی روغن سیا جو روپے ۲۱ روز کا کافی ہوگی قیمت مخرج سات روپیہ تیز آنہ (بجرا) ۱۰ دفتر چٹائی جوس ہزارہ درجہ (بجرا)۔

ایم چٹائی کے بے نظیر گولیاں، جن کے استعمال کو مدد ملی آسانی سے ہم چٹائی کے ایک بیہار کے علی کے لئے عیر کی گولیاں کافی ہوتی ہیں۔ لئے کا پتہ حکیم محمد عمر اینڈ سنز۔ سوگا۔ ضلع فیروز پور پنجاب

ہم نے مال کی نکاسی کی غرض سے ان چوڑیوں کی قیمت میں خاص رعایت کر دی ہے۔ کیونکہ ہم براہ راست مال نکالتے ہیں اس لئے یہ رعایت کی گئی ہے یعنی بجائے تین روپیہ فی سٹ کے سوا روپیہ فی سٹ۔ یہ چوڑیاں غل کی صورت میں بنائی گئی ہیں انکے اندر ریشمی رنگین چوڑیاں آجاتی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین ہیرے جواہرات کے نیچے انکے اندر جڑے گئے ہیں صنف نازک کے لئے عجیب تحفہ ہے اور سوا روپیہ میں ڈھائی سو روپیہ کا کام نکالنا جاسکتا ہے۔ برسوں استعمال کیجئے خراب نہیں ہوتیں۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ ناپ ضرور دیا کریں۔ قیمت فی سٹ ۱۲ عدد سوا روپیہ (بجرا) محصول ۹۔ ایکٹ جلد خط و کتابت بھکرین۔ منو کے لئے کو ڈوائے (۲) کا کٹ آنا چاہئے۔ منو کا پتہ۔ بی۔ کے برادر اس اینڈ کو نمبر ۹ دہلی

# ان تمام صحاب کے لئے

جو

قیمتی تہذیب و صنعت کی قیمتی شایر کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پُرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پُرانی تصویریں، پُرانے سیکے، اور نقوش، پُرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پُرانے صنعتی، عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت بھیجیے۔ کم از کم ہمارے نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوائیجیے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی معارف و مسائل کو بعد حاصل کیا گیا ہے  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران  
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

بائیں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عمدتاً آزان ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام ٹپے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قارئین کے لئے ایوان شاہی کے نوادر بھی حال میں ہم تک فراہم ہو رہے ہیں

اگر آپ کے پاس نفی اور موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت  
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے بل کے



# اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سو گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو  
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W. 1.**

جو  
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے  
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں  
شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ  
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں  
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں  
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشبند  
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کی مسلسل سلسلہ  
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ  
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن  
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں  
ہمارے یہاں ہر چھپا ہوا  
کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہو کر رہتی ہے



## جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر مسلمانوں میں شائع ہونے لگی تھی جب  
راچی میں نظر بند تھے۔ موصوعہ اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی  
رہ سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام  
کی رواداری نے کس طرح ایسی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز  
نہایت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟ قیمت جلد آٹھ آنے (۱۲۲)  
(منیر الہلال کلکتہ)

## اگر آپ کو

دُ

ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قیصر

دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایکٹن

**HIMROD**

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں

یاد رکھئے

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنما

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کر دے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے ایسی

کمل گائیڈ بک ضرور

ڈنلاپ گائیڈ بوک گریٹ برٹین

The Dunlop Guide  
to Great Britain

کا

دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے

ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین قانونی قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) آٹنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) آٹنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کی زندگی بھر

دے سکتا ہے

(۳) آٹنا خوبصورت، ہنر، سرخ اور سنہری بیل بولس

فرین کہ آٹنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کی

"شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

منیجر "البلاغ پریس"

## دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

## دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

## برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو کمر ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، توکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

## کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تہذیب سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کرلیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گرو اور بیدار سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھلیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کرلیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.







